

جلد 2/6

بیان الامامت

ترجمہ و تشریح

نہج البلاغہ

علیہما السلام

أمیر المؤمنین

عبداللطیف

حُطَبَات (16 - 34)

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)

ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

جلد 2/6

مشکات

(بیان الامامت)



خُطبات (16 - 34)

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)

ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

جمله حقوق بحق مُصنّف محفوظ

بیان الامامة	:	نام کتاب
(ترجمه و تشریح نهج البلاغة)		
الفقيه الحکیم السيد محمد احسن زیدی (مجتهد)	:	مترجم
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس		
دوم	:	جلد
دوم	:	طبع
2018	:	سن اشاعت
500	:	تعداد
	:	قیمت

صفحہ نمبر	عنوان	خطبہ نمبر: مفتی جعفر حسین	خطبہ نمبر: علی نقی طہرانی	خطبہ نمبر: (محمد احسن زیدی)	نمبر شمار
722	---	16	16	16	1
758	ایسے دو قریشی لیڈروں کا تذکرہ جو نزول قرآن کے دوران نظام اجتہاد مسلمانوں میں لائے اور بعد وفات رسول قرآن کے خلاف حکومت و شریعت کے بانی ہوئے۔ جو گمراہی پھیلانے میں اور قیامت تک آنے والے لوگوں کو گمراہ کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ جو فتنہ و فساد اور بدامنی کے موجد ہیں۔ خون ناحق اُن کے فیصلوں پر چھین مار رہے ہیں۔ قرآن کی غلط تفسیر اُن کا دینی مشغلہ ہے۔	17	17	17	2
804	نظام اجتہاد کا امام یعنی قرآن میں مذکور طائعات: اجتہاد ہی احکام میں اختلاف ترقی کا پیش خیمہ ہے؛	18	18	18	3
879	حضرت علی علیہ السلام کو صورت شکل، ظاہری خلوص و خدمت دھوکا نہ دے سکتی تھی۔	19	19	19	4
889	موت کے وقت وہ تمام حالات قلب و نظر اور جسم و روح پر عملاً وارد ہوتے ہیں جن کو کانوں سے سن کر سرسری طور پر ٹال دیا جاتا ہے۔	20	20	20	5
892	منزل پر بہر حال پہنچنا ہے خواہ خوشی خوشی پہنچو یا دکھیلنے والوں کے دھکوں سے پہنچو؛	21	21	21	6
898	حضرت علیؑ کو دشمن کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی تو اپنے صحابہ کو اپنے ارادوں سے خبردار کیا۔ اپنے برحق ہونے اور دشمن کے باطل پرست ہونے پر گفتگو؛	22	22	22	7
908	ہر ذی حیات کے لئے ہر لمحہ مقدرات و قوانین کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ اُن لوگوں کے لئے محتاط طرز زندگی جو مذکورہ مقدرات و قوانین سے رابطہ نہیں رکھتے؛	23	23	23	8
917	حق کی مخالفت کرنے والے گمراہوں سے جنگ ہو تو اُن کی رعایت کرنا اور اُن سے دب جانا علیؑ کا کام نہیں۔ اگر تم اللہ کی ہدایات پر عمل کرو تو علیؑ تمہاری کامیابی کا ضامن ہے۔	24	24	24	9
931	بُسر بن اریطہ اور دیگر چھاپہ ماروں کی تاخت و تاراج کی اطلاع ملنے پر اور بھگوڑی نسل کے عبید اللہ بن عباس کے اپنی جان بچا کر اور ننھے بچوں کو بھینٹ چڑھا کر بھاگ آنے پر علیؑ کا رد عمل۔	25	25	25	10
940	محمدؐ پوری کائنات اور کائنات میں موجود مخلوقات کو متنبہ کرنے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ اہل بیتؑ کے علاوہ کوئی بھی حضرت علیؑ کا ناصر و مددگار نہ تھا اور خانوادہ رسولؐ کو محفوظ رکھنے کیلئے علیؑ نے صبر کیا اور تکلیفیں برداشت کیں	26	26	26	11
1019	جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جسے اللہ نے اپنے مقرر و مخصوص کردہ حکمرانوں کے لئے کھولا ہے جہاد ذمہ داریوں کی پوشاک ہے اللہ کی عطا کردہ زرہ اور سپر ہے۔ خدا راستہ کی خدمت اور پوزیشن۔	27	27	27	12

صفحہ نمبر	عنوان	خطبہ نمبر: مفتی جعفر حسین	خطبہ نمبر: علی نقی طہرانی	خطبہ نمبر: (محمد احسن زیدی)	نمبر شمار
1100	زمانہ رجعت و قیامت	28	28	28	13
1180	ایک ہمہ گیر، بے باک اور مطمئن راہنما دہ کربات نہیں کرتا۔ مخاطب خواہ کوئی ہو اُسے یہ محسوس ہونا چاہئے کہ مقرر یا خطیب نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ موقع پرست ہے۔	29	29	29	14
1255	قریشی لیڈر اور سرداران قوم عثمان کے مخالف ہو گئے ان کی مخالفت عثمان کے قتل کا سبب بن گئی۔ عثمان اور اس کے مخالف و حمایتی تینوں سے مواخذہ ہوگا۔	30	30	30	15
1295	حضرت علی السلام کا وہ خطبہ جس میں عبداللہ بن عباس کو زبیر کے پاس زبانی پیغام دے کر بھیجا تھا تاکہ جنگ جمل سے پہلے پہلے اسے اپنی اطاعت کی دعوت دے کر اس پر اتمام حجت کر دیں۔ اس خطبہ میں عبداللہ بن عباس کو بھی نصیحت فرمائی ہے کہ وہ صرف زبیر سے ملے طلحہ سے بات نہ کرے۔	31	31	31	16
1318	عہد مرقضوی کے مسلمانوں کا دین اسلام سے تعلق اور عمل درآمد، مسلمانوں کی چار بڑی بڑی قسمیں، منبر نشین اُبیروے اور متقی و مقدس قرآن۔	32	32	32	17
1356	عربوں پر حکومت کرنے والوں کی اور عربی مملکت کی قیمت حضرت علی کے شکستہ جوتے سے بھی بہت کم تھی۔ حضرت علی کا مشن باطل کو مٹا کر حق قائم کرنا تھا۔	33	33	33	18
1419	حضرت علی قریش کو عہد رسول میں ان پر گزرنے والی حالت کا مرقع دکھاتے ہیں۔ قرآن کریم میں پیش کردہ نظارہ ان کے سامنے رکھتے ہیں۔	34	34	34	19

1) ”ابی جارود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ ”لوگ ہم سے کیا انتقامی سلوک کرتے ہیں حالانکہ خدا کی قسم کہ ہم لوگ ہی تو وہ درخت ہیں جس سے نبوت کی شاخیں نکلیں اور نبوت جاری ہوئی ہے۔ ہم ہی تو وہ گھر ہیں جہاں سے کائنات پر رحم و کرم خدا ہوتا رہا ہے۔ اور ہم وہ کان یا خزانہ ہیں جہاں سے علم خداوندی ملتا رہا ہے۔ اور ہم تو وہ لوگ ہیں جن پر ہر وقت ملائکہ کی آمد و رفت رہتی ہے۔“

(ایضاً باب ان الآئمة معدن العلم)

اسی سلسلے اور باب کی آخری حدیث سنئے:

عَنْ خَيْثَمَةَ قَالَ قَالَ لِي أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا خَيْثَمَةُ! نَحْنُ شَجَرَةُ النَّبُوَّةِ، وَبَيْتُ الرَّحْمَةِ وَمَفَاتِيحُ الْحِكْمَةِ وَ مَعْدَنُ الْعِلْمِ وَمَوْضِعُ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفُ الْمَلَائِكَةِ وَمَوْضِعُ سِرِّ اللَّهِ وَنَحْنُ وَدِيْعَةُ اللَّهِ فِي عِبَادِهِ وَنَحْنُ حَرَمُ اللَّهِ الْأَكْبَرُ وَنَحْنُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَنَحْنُ عَهْدُ اللَّهِ فَمَنْ وَفَى بِعَهْدِ اللَّهِ وَمَنْ خَفَرَهَا خَفَرِ ذِمَّةَ اللَّهِ وَعَهْدِهِ.

”جناب خیشمہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نبوت کا درخت ہیں اور رحمت خداوندی کا مسکن ہیں اور حکمت و دانش کی کنجیاں ہیں اور علم کا خزانہ ہیں اور وہ مقام ہیں جہاں سے رسالت جاری ہوتی ہے۔ اور وہ مقام ہیں جہاں ملائکہ ہر وقت نازل ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ جگہ ہیں جہاں اللہ کے تمام راز و رموز موجود ہیں اور ہم اللہ کے بندوں پر اس کی امانت اور سونپی ہوئی چیز ہیں۔ اور ہم اللہ کا سب سے بڑا حرم و احترام کی جگہ ہیں۔ ہم اللہ کی ذمہ داری ہیں اور ہم اللہ کا عہد ہیں جس نے ہمارا عہد پورا کیا اس نے اللہ کا عہد پورا کر دیا اور جس نے ہمارے عہد کو توڑ دیا اس نے خدا کی عائد کردہ ذمہ داری اور عہد کو توڑ دیا۔“ (ایضاً حدیث نمبر 3)

(8-ج) جن حضرات کو اللہ کی طرف سے کائنات میں واقع ہونے والے اور گزرنے والے تمام حالات و حادثات کا علم دیا جا رہا ہو۔

ان حضرات پر جبرئیلؑ والی نام نہاد وحی کا لانا خود جبرئیلؑ کے لئے نامکن تھا۔ اللہ و محمدؐ اور ائمہ اہلبیتؑ میں تو ہر لمحہ رابطہ قائم ہے۔ اس رابطہ کے لئے ملائکہ ایسے وسائل و سائٹ و ذرائع ایک سینڈ بھی کام نہیں آسکتے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ طویل حدیث گوش گزار رہے سنئے۔ ”یہ وہ باب ہے جس میں صحیفہ اور جعفر اور جامعہ اور مصحف فاطمہ علیہا السلام کا تذکرہ ہوگا“

حدیث: ”ابو بصیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضورؐ مجھے کچھ سوالات اس طرح کرنا ہیں کہ کوئی شخص نہ سنے آپ نے ساتھ والے کمرے کے دروازہ پر پڑا ہوا پردہ ہٹا دیا میں نے دیکھا کہ وہاں اور کوئی نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اے ابامحمد جو چاہو دریافت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ میں قربان جاؤں یہ بتائیے کہ شیعوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو ایک ہزار ابواب علوم ایسے سکھائے تھے جن میں سے ہر دروازے سے ہزار ہزار دروازے کھلتے جاتے ہیں؟ حضورؐ نے اس سوال کی تصدیق فرمادی تو میں نے عرض کیا کہ یہ تو لامحدود علم ٹھہرا؟ اس پر حضورؐ نے اپنی انگلی ذرا دیر زمین پر رکھی پھر فرمایا کہ یہ علم تو واقعی ہے مگر دراصل علم صرف اسی قدر تو نہیں ہے۔ ہمارے پاس اس علم کے علاوہ ایک کتاب جامعہ بھی تو ہے اور لوگ درایتاً یہ نہیں جانتے کہ کتاب جامعہ درحقیقت کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نثار جاؤں مجھے بتائیے کہ جامعہ کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی لمبائی رسول اللہ کے ستر (70) ہاتھ ہے جو انہوں نے خود لکھوائی اور علیؑ نے لکھی تھی۔ اس میں تمام حلال و حرام کی تفصیلات ہیں اور ہر وہ بیان ہے جس کی انسانوں کو احتیاج ممکن ہے۔ یہاں تک کہ ایک خراش آجانے اور نوچنے تک کی سزا لکھی ہوئی ہے۔ یہ فرمایا اور

مجھے تھکی دے کر فرمایا کہ کیا مجھے عملی مثال دینے کی اجازت دیتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضور میں سر سے پیر تک آپ کا ہوں جو چاہیں کریں۔ آپ نے ہلکی سی چٹکی (نوچنا) بھر کر پھر فرمایا کہ اس کی سزا تک جامعہ میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ کہتے ہوئے آپ کا لہجہ ذرا غضب آلود تھا۔ میں نے عرض کیا کہ خدا کی قسم یہ تو مکمل علم کہلانے کی مستحق ہے۔ فرمایا کہ یہ بھی علم تو ہے مگر علم صرف اتنا ہی نہیں اور فرمایا کہ جامعہ کے ساتھ ساتھ ہمارے پاس جعفر بھی تو ہے۔ جسے لوگ مادی ذرائع سے نہیں جان سکتے میں نے پوچھا کہ میں فدا جاؤں مجھے سمجھائیے کہ جعفر کیا ہے؟ فرمایا کہ جعفر ایک ظرف (بوری، گونی جس میں غلہ بھرا جاتا ہے) ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک تمام انبیاء اور اوصیاء کا علم بھی ہے اور بنی اسرائیل میں سے گزرنے والے تمام علما کا علم بھی ہے۔ میں نے حیران ہو کر کہا قسم بخدا اسے تو باقاعدہ علم ماننا ہی پڑے گا۔ فرمایا علم تو یہ ضرور ہے مگر علم صرف اتنا نہیں ہوتا۔ پھر ذرا دیر چپ رہ کر فرمایا کہ بھائی ہمارے پاس مصحف فاطمہ علیہا السلام بھی تو ہے۔ اور انہیں یہ بھی تمیز نہیں کہ مصحف فاطمہ کیا ہو سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نثار مجھے تو بتادیں کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اس قرآن سے تین گنا بڑا ذخیرہ ہے جس میں تمہارے اس قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا اُسے تو بخدا علم ماننا ہی ہوگا۔ فرمایا کہ علم تو وہ ضرور ہے مگر اتنا ہی تو نہیں علم تو بہت سارا ہے۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر فرمایا کہ ہمارے پاس جو کچھ ہو چکا اس کا بھی علم ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اس کا بھی علم ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں قربان جاؤں یہ تو بے انتہا علم ہو گیا۔ فرمایا کہ ہاں یہ سب کچھ علم تو ضرور ہے مگر علم اتنا ہی تو نہیں ہے۔ آخر میں نے عرض کیا کہ نثار ہو جاؤں آخر علم ہے کیا؟ فرمایا کہ جو کچھ کائنات میں دن رات جدت ہو رہی ہے ایک امر کے بعد دوسرا اور ایک چیز کے بعد دوسری وقوع میں آتی جاتی ہے اور قیامت تک علم الہی کا نیا نیا ظہور ہوتا رہتا ہے اس سب کا ساتھ کے ساتھ معلوم ہوتے جانا علم ہے۔“

(متن نہیں لکھا گیا)

اب خطبہ کا بیان دیکھئے کہ حضور نے اپنے اس خطبے میں اپنے اس لامحدود و لا انتہا علم کا کھلا کھلا ثبوت یہ فرما کر دیا ہے کہ:-

”میں جو کچھ بھی کہتا ہوں“ اس کے صحیح اور برحق ہونے کا ذمہ دار ہوں“ (خطبہ 16، جملہ نمبر 1)

سوچئے کہ یہ دعویٰ، وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۙ (4-3/53) سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

”میں جو کچھ بھی کہتا ہوں“ اور ”وہ جو کچھ بھی کہتا ہے“ سو فیصد ایک ہی بات کا دعویٰ ہے کہ:

”محمدؐ ہوں یا علیؑ ہوں ان کے منہ سے نکلنے والی کوئی بات خلاف واقعہ نہیں ہو سکتی“۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ ان کی زبان سے بولتا ہے۔ ان کے خیالات و خواہشات و پسند و ناپسند ان کی اپنی ہوتی ہی نہیں ہے۔ اس عظیم الشان تعلق اور رابطہ کو لفظ ”وحی“ کے پیچھے چھپا دیا ہے۔ تاکہ قریش کے باطل پرست لیڈر بروقت دخل اندازی نہ کر سکیں۔ اور حضرت علیؑ نے بھی لفظ ”نُبِئْتُ“ کے پردہ میں چھپا دیا ہے۔ لیکن جس طرح ان پردوں کے پیچھے قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لا انتہا و لا محدود علم کو بیان کر دیا اور قریش کو اعتراض کا موقع نہ ملا۔ اسی طرح حضرت علیؑ علیہ السلام نے لفظ ”نُبِئْتُ“ (مجھے خبر دی گئی ہے) فرما کر اتنی بڑی اور حیران کن بات کا اعلان کر دیا ہے کہ جس کا تصور بھی، قرآن و حدیث سے مدد لئے بغیر، ناممکن ہے۔ سنے فرمایا ہے کہ:-

(1) ذِمَّتِي بِمَا أَقُولُ رَهِيْنَةٌ؛ (2) وَأَنَا بِهِ رَعِيْمٌ؛ (3) إِنَّ مَنْ صَرَحَتْ لَهُ الْعَبْرُ عَمَّا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْمَثَلَاتِ؛

(4) حَاجَزَتْهُ النَّقْوَىٰ عَنِ تَفْحِيمِ الشُّبُهَاتِ؛ (خطبہ نمبر 16، جملہ 1 تا 4)

میں جو کچھ بھی کہتا ہوں (یا کہوں گا) اس کے صحیح اور برحق ہونے کا ذمہ دار ہوں۔ اور اپنی ہر بات کے لئے ہر حال میں حقیقت واقعی ہونے کا فخر یہ مدعی ہوں۔ جس شخص کے سامنے دنیا کے حادثات و انقلابات واضح ہو چکے ہوں اور جس کے ساتھ ساتھ عبرت انگیز نتائج چلتے رہے ہوں۔ یقیناً اسی شخص کو تقویٰ ہر قسم کے الجھاؤ اور شبہات سے بچاتا ہے۔ (خطبہ نمبر 16، جملہ 1 تا 4)

سوچئے کہ اپنی ہر بات کے صحیح اور برحق ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ اس دنیا میں جتنے حادثات اور انقلابات واقع ہوئے۔ وہ سب میرے سامنے ظہور میں آئے اور جتنے بھی عبرت انگیز نتائج برآمد ہوتے رہے وہ سب میرے ساتھ ساتھ چلتے رہے ہیں ایسی حالت میں رہتے ہوئے میں ہی تو وہ شخص ہو سکتا ہوں جس کو اس کا تقویٰ مشکوک و شبہات سے ہر حال میں محفوظ رکھے گا اور میرے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کے برحق و حقیقت واقعی ہونے کی ذمہ داری لے گا۔ اور ان حضرات علیہم السلام کی یہ پوزیشن احادیث میں گزر چکی ہے کہ اس کائنات کی اور اس کی ہر مخلوق کی تخلیق ان حضرات کے سامنے ہوئی اور ہر مخلوق پر ان کی اطاعت و واجب کی گئی اور انہیں تمام موجودات پر عینی شاہد بنایا گیا ہے۔ جو ہر چیز کی تمام حالتوں، نشوونما، ترقی و زوال پر چشم دید گواہی دیں گے۔ ساری امتیں، تمام انبیاء اور ہر امت کے چشم دید شاہد جمع کئے جائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سب پر گواہ بنا کر قائم کیا جائیگا اور حضور سب کے اعمال و اقوال و تصورات و عقائد پر گواہ ناطق ہوں گے (نساء 4/41، نحل 16/89) یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ابتدائے تخلیق سے قیامت تک کی ہر چیز کی تخلیق و نشوونما ترقی و زوال اور موت و فنا کی تمام کیفیات ان حضرات کے سامنے متحضر ہوں۔ اور یہی تو وہ لا انتہا و لا محدود علم ہے جو قرآن (سورہ نساء 4/41، 16/89) کے ساتھ ساتھ احادیث اور خطبہ نمبر 16 میں بیان ہوا ہے۔ جس کی فراہمی کے لئے لفظ جبرئیل اور وحی بہت چھوٹے اور تنگ الفاظ تو جیہات ہیں۔

(8-د) قرآن اور حدیث میں محمدؐ اور اجزائے نور محمدؐ کے لامحدود علم کا دوسرا تائیدی رخ تمام مخلوقات کو صورت سے پہچاننا۔

یوں تو فضائل محمدؐ اور آئمہ طاہرین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین لا تعداد و لا تحصى ہیں اور ہم برابر لکھتے ہی رہیں گے لیکن اس عنوان کے ماتحت ہمیں یہ دکھانا ہے کہ وہ مقدس افراد جو کہ قیامت کے دن ایسی باتیں کریں جو مخلوق کے تمام سابقہ حالات سے واقفیت کے بغیر ناممکن ہوں، محمدؐ علیؑ اور باقی اجزائے نور محمدؐ ہی ہو سکتے ہیں۔ اور یہاں ہم اسی قسم کے بیانات قرآن مجید و احادیث سے دکھانا شروع کریں گے اور منشا و مقصد وہی ہوگا کہ ایسا بے پناہ علم عطا کرنے کے لئے قریش کے مذموم وسائل، وحی یا جبرئیل یا دونوں کسی طرح کافی نہیں ہو سکتے۔

(8-ھ) قیامت کے آخری فیصلے کے بعد و ایسے اشخاص سے اللہ کا خطاب کرنا جو ہر مجرم سے اور اس کے جرائم سے واقف تھے صورت سے جہنمی اور جنتی کو پہچانتے ہیں۔

قارئین سورۃ ق کی بیسیوں آیت سے لے کر چھبیسویں (26-50/20) آیت تک قیامت کا نظارہ دیکھیں کہ صور پھونک دیا گیا ہے، ہنگامہ دارو گیر برپا ہے (50/20) ہر مجرم کے ساتھ ایک گواہ ہے جس نے اس مجرم کو زندگی کے دوران اس کے تمام جرائم کو چشم خود دیکھا تھا اور دوسرا شخص وہ ہے جو اُسے گرفتار کئے ہوئے ہانکتا ہوا لایا ہے۔ (50/21) اسی شان سے وہ تمام مجرم حاضر کر دیئے گئے ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت کا اعلان ہونے تک جرائم کے مرتکب ہوتے رہے تھے۔ یوں جتنے مجرم حاضر ہیں ان سے تعداد میں دو گنا ان پر گواہ اور ہانک کر لانے والے لوگ ہیں جو رپورٹ کر کے چپ چاپ کھڑے ہیں (50/23) اللہ ہر مجرم سے کہہ رہا ہے کہ تم لوگ آج کی اس باز پرس اور نتیجہ سے برابر غفلت برتتے رہے۔ مگر آج ہم نے تمہاری غفلت کا پردہ کھول دیا اور آج تمہاری نظر بڑی تیکھی ہے (50/22) اور جب تمام مجرموں کے

ساتھیوں نے اپنے اپنے مجرم کو سپرد کرنے کا اعلان کر دیا (50/23) تب دو اشخاص سے فرمایا کہ:-

الْقِيَافِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ۝ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۝ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ الْاٰخَرَ فَالْقِيَافِي فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ
(سورہ ق 26-24/50)

”تم دونوں ان تمام مجرموں کو جہنم سے ملاقات کرو جو حق کو چھپاتے اور دشمنی و بغض رکھتے تھے۔ جو عمل خیر سے منع کرتے تھے اور حدود شکنی کرنے والے اور لوگوں کو شش و پنج میں مبتلا کرنے والے تھے۔ اور دیکھو تم دونوں اسے تو شدید ترین عذاب سے دوچار کرو جو خدا کی فرمانروائی میں ایک دوسرا واجب الطاعت معبود بنانے کا مجرم بھی ہے“۔ (مزید دیکھیں سورہ فرقان 29-27/25)۔

ان آیات پر تفصیلی گفتگو ہماری تفسیر سورہ ق میں ملے گی یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ یہاں بھی علمائے قریشی افسانوں کی تائید کے لئے ان آیات میں حقیقی صورت حال کو چھپایا ہے۔ مگر اللہ نے یہاں دو افراد کو یہ حکم دیا ہے کہ:-

”تم تمام مجرموں کو جہنم واصل کرو“ قرآن کریم کے اس حکم کو ہر اس شخص کے سامنے پیش کرو جو ہمارے ترجمہ کے خلاف کچھ کہنا چاہے۔ اُس سے پوچھو کہ جناب صرف ایسے دو افراد مطلوب ہیں جو جہنم میں جانے والے تمام مجرموں کو جہنم میں پھینکیں۔ اگر یہاں یہ مطلب ہوتا کہ جو دو افراد ایک ایک مجرم کو لے کر آئے تھے ان سے کہا گیا ہے؟ تو وہ تو صرف اس ایک مجرم کو جہنم میں پھینک سکتے تھے جسے وہ لے کر آئے تھے۔ مگر حکم میں دو ایسے افراد ہیں جو تمام جہنمیوں کو جہنم واصل کرنے پر مامور کئے گئے ہیں۔ پھر وہ دونوں ایسے افراد ہونا چاہئیں جو تمام کفار کو، عناد رکھنے والوں، عمل خیر سے روکنے والوں کو، اور حد سے بڑھنے والوں کو اور شکوک و شبہات پھیلانے والوں کو بچانے اور جانتے ہوں۔ اور وہ کروڑوں افراد جو مجرموں کو لے کر آئے تھے صرف اپنے اپنے مجرم سے واقف تھے تمام مجرموں سے واقف نہ تھے۔ یہ جن دو افراد کو حکم دیا گیا ہے وہ تو تمام مجرموں پر چشم دید اور پوری زندگی کے تمام اعمال پر شہید یا گواہ ہونا چاہئیں اور ایسے ایک گواہ کا نام محمد ہے جسے قرآن میں دو جگہ مخاطب کر کے پوری نوع انسان پر شہید فرمایا گیا ہے۔ (نساء 4/41، نحل 16/89)

اور دوسرا فرد بھی ایک کائناتی اور ہمہ گیر گواہ ہونا چاہئے۔ اور وہ وہی ہے جسے اللہ نے رسالت محمدیہ پر اپنے برابر کا شہید قرار دیا ہے اور جسے الکتاب کا یعنی تمام کتبہائے خداوندی کا عالم فرمایا ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝ (13/43)

”حقائق پر پردہ ڈالنے والے لوگ کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے (مضارع) کہ تم اللہ کے بھیجے ہوئے رسول نہیں ہو۔ ان سے کہہ دو کہ میری رسالت پر میرے اور تمہارے درمیان چشم دید گواہی کیلئے ایک تو اللہ کافی ہے دوسرا وہ شخص کافی اور چشم دید گواہ ہے جو الکتب کا عالم ہے۔“

لہذا یہ بالکل قدرتی ہے اور فطری ہے اس لئے کہ علی اور محمد صلوٰۃ اللہ علیہما دونوں ایک ہی نور سے تو ہیں۔ جو ساری کائنات اور کائناتی مخلوقات کی تخلیق و نشوونما اور ترقی و زوال و فنا کے ہر مرحلہ پر حاضر و شاہد تھے۔ وہ کیوں نہ تمام انسانوں کے اچھے اور برے تمام اعمال پر گواہ ہوں گے؟

(8- و) مندرجہ بالا آیت (50/24) کی معصوم تفسیر میں محمد و علی ہی وہ افراد ہیں جو جہنمیوں کو جہنم میں داخل کریں گے۔

یہاں ہم بطور تائید چند احادیث لکھتے ہیں تاکہ مندرجہ بالا بیانات اور آیات میں کچھ شک و شبہ نہ رہنے پائے۔ چنانچہ کتاب بیابج المودۃ میں نقل کیا گیا ہے کہ:-

إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَقَفَ مُحَمَّدٌ وَعَلِيٌّ عَلَى الصَّرَاطِ وَيَنَادِي مَنَادٍ يَا مُحَمَّدُ وَيَا عَلِيُّ الْقِيَامِيُّ جَهَنَّمَ كُلُّ كَفَّارٍ
بِنُبُوتِكَ يَا مُحَمَّدُ وَعَيْنِي بَوْلَايَتِكَ يَا عَلِيُّ (صفحہ 70 مطبوعہ بمبئی)

”جب قیامت کا دن ہوگا تو محمدؐ اور علیؑ پل صراط پر کھڑے ہوں گے اس وقت ایک ندا دینے والا آواز دے گا کہ اے محمدؐ اور اے علیؑ تم دونوں ان تمام لوگوں کو جہنم میں پھینک دو جو تمہاری نبوت کے کافر تھے اور جو تمہاری حکومت سے دشمنی رکھتے تھے۔“

دوسری حدیث: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنی ایک طویل حدیث کے آخری حصہ میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان بیان کیا کہ:

قَالَ امِير الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَنَا قَسِيمُ اللَّهِ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، لَا يَدْخُلُهَا دَاخِلٌ إِلَّا عَلِيٌّ حَذِيْقَسْمِي. وَاَنَا الْإِمَامُ
لِمَنْ بَعْدِي وَالْمُؤَدَّى عَمَّنْ كَانَ قَبْلِي لَا يَتَقَدَّمَنِي أَحَدٌ إِلَّا أَحْمَدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، وَإِنِّي وَإِيَّاهُ لَعَلَى سَبِيلِ
وَاحِدٍ۔ الخ (کافی کتاب الحجۃ باب ان الائمه ارکان الارض)

آپؑ نے فرمایا کہ: ”میں اللہ کے حکم سے جنت اور دوزخ کو تقسیم کرنے والا ہوں۔ میری طے کردہ قسم کے علاوہ کوئی اور شخص نہ جنت میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ جہنم میں داخل ہو سکتا ہے اور میں اپنے بعد والوں کیلئے بھی امام ہوں۔ اور جو سربراہان اسلام مجھ سے پہلے تھے میں انکے مشن کو آگے بڑھانے والا ہوں۔ محمد مصطفیٰؐ کے علاوہ اور کوئی مجھ پر مقدم نہیں ہے اور میں اور وہ دونوں ایک ہی طریقہ کے لوگ ہیں۔“

ان آیات و احادیث سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ محمدؐ اور ان کے نور میں برابر کے شریک نمائندگان خداوندی صلوة اللہ علیہم پوری کائنات اور کائناتی مخلوقات و موجودات پر یعنی شاہد رہتے ہوئے قیامت تک پہنچے اور وہاں تمام جہنمی اور جنتی لوگوں کو پہچان کر انہیں جنت و جہنم میں داخل کیا (کرینگے)۔ یہی حقیقت قرآن میں دوسرے مقام پر ذرا تفصیل سے لکھی ہوئی ہے جسے ہم دکھانا ضروری سمجھتے ہیں۔

(8-ز) قیامت کے منتظرین، اپنے حکم و اذن و اذان سے لوگوں کو محروم و صاحب المرام کرنے والے اور پوری نوع انسان سے واقف و مطلع۔

محمدؐ و آل محمدؐ صلوة اللہ علیہم کا جو مقام اللہ نے قرآن میں واضح کیا ہے اس کا مدعی کوئی اور صاحب عقل نہیں ہو سکتا ہے۔ آئیے سورہ اعراف میں بڑی تفصیل سے قیامت کا ہر پہلو بیان ہوا ہے وہاں سے چند آیات آپ کے سامنے رکھتے ہیں تاکہ زیر قلم عنوان کے حقائق پر قلوب مطمئن ہو جائیں۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ:-

وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَأَذَّنَ
مُؤَدِّنٌ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ○ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَفُورُونَ ○ وَبَيْنَهُمَا
حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَتِهِمْ وَنَادُوا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلِّمُوا عَلَيْنَا لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ
يَطْمَعُونَ ○ وَإِذَا صُفِّتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○ وَنَادَى أَصْحَابُ
الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَتِهِمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ○ أَهْلُوا لَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا
يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ○ (سورة الاعراف 49-74/4)

”اور اہل جنت جہنم والے لوگوں کو پکار کر دریافت کریں گے کہ ہم نے تو ان سارے وعدوں کو برحق پالیا ہے جو ہم سے ہمارے رب نے کئے تھے۔ کیا تم نے بھی ان تمام وعدوں کو برحق پالیا ہے جو تم سے تمہارے پروردگار نے کئے تھے؟ جہنمیوں نے کہا کہ ہاں اور ان کے

درمیان ایک پردہ ہوگا۔ اور مقام شناخت و معرفت پر جو لوگ فائز ہیں اور پوری نوع انسان کو ان کے چہروں سے پہچانتے ہیں وہ ان لوگوں کو پکار کر سلام علیکم کریں گے جو جنت میں داخل ہو چکے اور جو ابھی جنت کے شوق میں داخلہ کے لئے آرہے ہیں۔ اور جب ان کی نظریں جہنمیوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالم قوم کی معیت سے محفوظ رکھنا۔ ہم اُن سے بے تعلق ہیں پھر وہی صاحبان معرفت کچھ خاص جہنمیوں کو ان کے چہروں سے پہچان پہچان کر پوچھیں گے کہ بتاؤ آج تمہارا اقتدار اور جمع پونجی تمہارے کیوں کام نہ آئی؟ اور تمہاری بالادستی اور گھمنڈ کیوں خاک میں مل گیا؟ اور کیا یہ اہل جنت وہی لوگ نہیں ہیں؟ جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو بہر کایا کرتے تھے کہ ان لوگوں کا تو اللہ کی رحمت میں کوئی حصہ نہیں ہے؟ پھر وہ صاحبان معرفت حضرات جنت میں داخل ہونے والی پارٹیوں سے کہتے جائیں گے کہ تم سب جنت میں اس طرح داخل ہوتے جاؤ کہ تمہارے لئے اب کوئی خوف و غم نہیں ہے۔

(8-ج) اللہ اور اس کے نمائندوں میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ساری نوع جن وانس کو اللہ اور وہی پہچانتے ہیں۔

اگر قرآن میں استعمال شدہ الفاظ کے معنی نہ بدلے جائیں اور مترجم اپنی طرف سے قرآن کے الفاظ کے مفہیم میں اضافہ نہ کرے تو حقائق قرآن کبھی قاری سے پوشیدہ نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ تمام اہل مذاہب جانتے اور مانتے ہیں کہ جنت اور جہنم میں تمام جنات اور تمام انسان موجود ہوں گے اور ان سب کو چہروں سے پہچاننا اللہ اور محمد و علی و حسن و حسین اور فاطمہ اور باقی آئمہ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ اور کسی کے لئے ممکن ہی نہیں۔ حتیٰ کہ باقی انبیاء علیہم السلام بھی ساری امتوں کے افراد کو نہیں پہچان سکتے۔ یہ تو اُن ہی حضرات علیہم السلام کا مقام ہے جو تخلیق کائنات سے کروڑوں سال پہلے عالم وجود میں لائے گئے اور انہیں وہ بے انتہا و لامحدود علم و قدرت و گنجائش عطا کی گئی جس سے ساری کائنات پر احاطہ کر سکیں۔ جو اس کائنات کی تخلیق کا باعث بنے اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور بقول مرتضیٰ علیہ السلام:

”کائنات کے تمام انقلابات و حادثات اور نتائج قدم بقدم ان کے ساتھ چلتے چلے آئے (خطبہ 16، جملہ 3، 4)“

وہی جناب تھے جہنم ان آیات میں موزن فرمایا گیا ہے۔

(8-ط) حدیث کی رو سے بھی حضرت علی موزن ہیں۔

جنہوں نے تمام ظالمین پر لعنت کرنے کا حکم دیا اور ان کو نعماتِ خداوندی سے محروم کر کے جہنم واصل کیا۔ فرمایا گیا کہ:

عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَلَالٍ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: فَادْنُ مَوْذِنٌ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى

الظَّالِمِينَ قَالَ: الْمَوْذِنُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (کافی کتاب الحجۃ باب فیہ نکت و نتف حدیث نمبر 70)

”احمد بن حلال کہتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے اُس موزن کے لئے سوال کیا جس کا ذکر اللہ نے یوں کیا ہے کہ ایک نے اپنی

اذان میں تمام ظالمین پر لعنت کی تھی۔ فرمایا کہ وہ الموزن امیر المؤمنین حضرت علی ہیں۔ (حدیث نمبر 70)

یہ بھی دیکھ لیں کہ مقام اعراف اور خود اعراف محمد اور ان کے جانشین آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔

(8-ی) مجسمہ معرفت (الاعراف) بھی اور مقام معرفت پر فائز بھی آنحضرت اور ان کے نوری ظہور ہی ہیں۔

عَنْ مَقْرَنٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ: جَاءَ ابْنُ الْكَوَّالِ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ

السُّؤْمِنِينَ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كَلًّا بِسَبِيهِمْ؟ فَقَالَ: نَحْنُ عَلَى الْأَعْرَافِ نَعْرِفُ أَنْصَارَنَا بِسَيِّمَاهُمْ وَنَحْنُ

الاعراف الذی لا یعرف اللہ عزوجل الا لبسیل معرفتنا ونحن الاعراف یعرفنا اللہ عزوجل یوم القيامة علی الصراط، فلا یدخل الجنة الا من عرفنا وعرفناه ولا یدخل النار الا من انکرنا انکرنا؛ ان اللہ تعالیٰ لو شاء لعرّف العباد نفسه ولكن جعلنا ابوابه و صراطه وسبيله والوجه الذی یؤتی منه؛ فمن عدل عن ولايتنا او فضل علينا غیرنا فانهم عن الصراط لنا کيئون فلا سوا من اعتصم الناس به ولا سوا حيث ذهب الناس الى عيون كدره يفرغ بعضها في بعض؛ وذهب من ذهب الينا الى عيون صافيه تجرى بامر ربها لانقادها ولا انقطاع۔

(کافی کتاب الحجۃ باب معرفۃ الامام والرد الیه)

”مقرن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابن الکواحضر نے علی علیہ السلام کے پاس آیا اور آیت علسی الاعراف رجال کے متعلق سوال کیا کہ حضور وہ کون لوگ ہیں جو تمام جنتیوں کو اور تمام جہنمیوں کو ان کے چہروں سے پہچانتے ہیں؟ فرمایا کہ اعراف پر ہم لوگ ہیں جو اپنے انصار اور مخالفین کو ان کے چہروں سے پہچانتے ہیں اور ہم خود ہی الاعراف یعنی مجسم معرفت ہیں جن کے وسیلے کے بغیر اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ ہم ہی وہ مجسم معرفت ہیں جنہیں قیامت کے روز پل صراط پر جنتی اور دوزخی کی شناخت کے لئے قائم کیا جائے گا۔ چنانچہ جنت میں صرف وہی لوگ جا سکیں گے جو ہماری معرفت رکھتے ہوں اور ہم ان کی معرفت کی تصدیق کر دیں۔ اور اسی طرح جہنم میں بھی صرف وہی لوگ جائیں گے جو ہماری معرفت نہ رکھتے ہوں اور ہم بھی ان کی معرفت کا انکار کر دیں۔ یقیناً اگر اللہ نے چاہا ہوتا تو خود بھی اپنی معرفت کرا سکتا تھا مگر اس نے ہمیں اپنی معرفت کے لئے اپنے دروازے بنایا اور اپنی پسندیدہ طرز زندگی اختیار کرانے کے لئے ہمیں اپنا صراط مستقیم بنایا اور اپنی نعمتیں حاصل کرانے کا ذریعہ بنایا اور اپنی وہ وجہ بنایا جس سے ساری مخلوقات کو ان کی ضروریات فراہم کرے۔ چنانچہ جو شخص ہماری ولایت و حکومت کے خلاف چلنے میں عدل سمجھے یا ہمارے اوپر کسی ہمارے غیر کو بزرگی دیتا ہے۔ وہ یقیناً پل صراط سے اوندھے منہ جہنم میں جا کرے گا۔ وہ دونوں گروہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں جن میں ایک گروہ ہمارے مخالف لوگوں کی پناہ لے اور گندی نالیوں سے سیراب ہوتا ہے۔ اور دوسرا گروہ ہم سے وابستہ رہتا ہو از زندگی بسر کرے اور ایسی پاک و پاکیزہ نہروں اور چشموں سے سیراب ہو جنہیں اللہ نے خود جاری کیا ہو جو نہ ختم ہونے والی ہیں نہ منقطع کی جا سکتی ہیں۔“ (باب معرفۃ الامام حدیث نمبر 9)

9) بہت شور کرتا تھا اخذ وحی کا + جو ڈانٹا تو کلا جمورا کسی کا۔ تمام فاتح، تمام موجد، تمام کافر صحیح اخذ وحی کرتے ہیں مگر رسول اللہ؟؟؟

اس عنوان میں ہم مودودی کے قلم سے وحی کے معنی اور اس کی حقیقت و حیثیت دکھائیں گے تاکہ قارئین کو اُس دشمنی کی گہرائی کا اندازہ ہو سکے جو قریش کو علی علیہ السلام کی وجہ سے اسلام اور تعلیمات اسلام سے تھی۔ اور جس کی بنا پر ان ملائین نے قرآن کو بھور کر کے اُسی سے اپنا مذہب ایجاد کیا (فرقان 25/30) اور یوں قرآن کی آڑ میں اُسے اسلام کے نام سے جاری کر کے قرآن کو جھٹلایا (انعام 6/66) قرآن اور رسول کے قائم کئے ہوئے طریقہ کے خلاف دو لیڈریاروں نے اپنی قومی حکومت قائم کی (فرقان 29-25/27) نسل رسول اور نسل آدم کو تہ تیغ کرنے اور دنیا کو قتل و غارت و لوٹ مار کا اکھاڑہ بنانے کا قدیم منصوبہ پورا کیا (بقرہ 205-2/204) اللہ، رسول اور اسلام کے متعلق اپنے ساختہ عقائد پھیلانے ایک جعلی تاریخ و حدیث و تفسیر تیار کر کے دنیا کو فریب میں مبتلا رکھا۔ اور چودہ سو سال تک پیہم ڈھنڈورا پیٹا کہ دنیا طاغوتی نظام کو اسلام سمجھتی رہے۔

(9-الف) وحی کے لغوی معنی اور وحی کے مطالب، مودودی کے قلم سے وہ بکواس جسے قریش کے علماء ہی مضمم کر سکتے ہیں۔

مسٹر مودودی رقمطراز ہیں غور سے پڑھئے:

(1) ”وحی کے لغوی معنی ہیں ”خفیہ اور لطیف اشارے“ کے۔ جسے اشارہ کرنے والے اور اشارہ پانے والے کے سوا کوئی اور محسوس نہ کر سکے۔“ (مسلسل لکھا ہے کہ:)

(2) ”اسی مناسبت سے یہ لفظ ”القاء“ (دل میں بات ڈال دینے) اور ”الہام“ (مخفی تعلیم و تلقین) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے“ (مسلسل لکھا ہے کہ)

(3) ”اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو جو تعلیم دیتا ہے وہ چونکہ کسی کتب و درس گاہ میں نہیں دی جاتی بلکہ ایسے ”لطیف طریقوں“ سے دی جاتی ہے کہ بظاہر کوئی تعلیم دیتا اور کوئی تعلیم پاتا نظر نہیں آتا، اسلئے اس کو قرآن میں ”وحی“، ”الہام“ اور ”القاء“ کے الفاظ سے ”تعبیر“ کیا گیا ہے“ (مسلسل لکھا ہے کہ:)

(4) ”اب یہ تینوں الفاظ (وحی، الہام، القاء۔ احسن) الگ الگ اصطلاحوں کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ لفظ ”وحی“ انبیاء کے لئے مخصوص ہو گیا ہے۔ اور ”الہام“ کو اولیاء اور بندگان خاص کے لئے خاص کر دیا گیا ہے۔ اور القاء نسبتاً عام ہے“ (مسلسل لکھتے جاتے ہیں کہ:)

(5) ”لیکن قرآن میں یہ اصطلاحی فرق نہیں پایا جاتا۔ یہاں آسمانوں پر بھی وحی ہوتی ہے۔ جس کے مطابق ان کا سارا نظام چلتا ہے (وَ اَوْحٰی فِیْ

کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرًا (حکم سجدہ 41/12)۔ زمین پر بھی وحی ہوتی ہے جس کا اشارہ پاتے ہی وہ اپنی سرگزشت سنانے لگتی ہے (یَوْمَئِذٍ تَحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۚ بِانِّ رَبِّکَ اَوْحٰی لَهَا (الزلزال 5-99/4) ملائکہ پر بھی وحی ہوتی ہے جس کے مطابق وہ کام کرتے ہیں (جبرئیل پر جبرئیل۔

احسن) (اِذْ یُوحٰی رَبُّکَ اِلٰی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَّکُمْ۔ (الانفال 8/12) شہد کی مکھی کو اس کا پورا کام وحی (فطری تعلیم) کے ذریعہ سے سکھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ آیت (نحل 16/68) زیر بحث میں آپ دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ وحی صرف شہد کی مکھی تک ہی محدود نہیں ہے۔ 2۔ مچھلی کو تیرنا،

3۔ پرندے کو اڑنا اور، 4۔ نوزائیدہ بچے کو دودھ پینا بھی وحی خداوندی ہی سکھاتی ہے، 5۔ پھر ایک انسان کو غور و فکر اور تحقیق و تجسس کے بغیر جو صحیح تدبیر، یاصائب رائے، یا فکر و عمل کی صحیح راہ بھائی جاتی ہے وہ بھی وحی ہے (وَ اَوْحٰی نَسًا اِلٰی اُمِّ مُؤَسَّیْ اَنْ اَرْضِعِیْہِ (القصص 28/7)۔ 6۔ اور

اس وحی سے کوئی انسان بھی محروم نہیں ہے۔ 7۔ دنیا میں جتنے اکتشافات ہوئے ہیں، 8۔ جتنی مفید ایجادیں ہوئی ہیں، 9۔ بڑے بڑے مدبرین، 10۔ فاتحین، 11۔ مفکرین اور، 12۔ مصنفین نے جو معرکے کے کام کئے ہیں ان سب میں اس وحی کی کارفرمائی نظر آتی ہے بلکہ، 13۔ عام

انسانوں کو آئے دن اس طرح کے تجربات ہوتے رہتے ہیں کہ کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے دل میں ایک بات آئی یا، 14۔ کوئی تدبیر سوچ گئی۔ یا، 15۔ خواب میں کچھ دیکھ لیا اور بعد میں تجربے سے پتہ چلا کہ وہ ایک صحیح راہنمائی تھی جو غیب سے انہیں حاصل ہوئی تھی“ (مسلسل لکھا ہے کہ:)

(6) ”ان بہت سی اقسام میں ایک خاص قسم کی وحی وہ ہے جس سے انبیاء علیہم السلام نوازے جاتے ہیں۔ 16۔ اور یہ وحی اپنی خصوصیات میں دوسری (پندرہ) اقسام سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اس میں وحی کئے جانے والے کو پورا شعور ہوتا ہے کہ یہ وحی خدا کی طرف سے آرہی ہے۔ اُسے اس کے

من جانب اللہ ہونے کا پورا یقین ہوتا ہے۔ وہ عقاید و احکام اور قوانین و ہدایات پر مشتمل ہوتی ہے اور اسے نازل کرنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ نبیؐ اس کے ذریعہ سے نوع انسانی کی راہنمائی کرے“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 551-552)

(9-ب) وحی کے لغوی معنی پر ایک قرآنی نظر ڈالئے۔

علامہ نے وحی کے لغوی معنی ”خفیہ اور لطیف اشارہ“ لکھے ہیں۔ اور تفصیل و شرط یہ بتائی ہے کہ:-

”ایسا اشارہ جسے اشارہ کرنے والے اور اشارہ پانے والے کے سوا کوئی اور محسوس نہ کر سکے۔“

ان لغوی معنی اور تفصیل کو جانچنے کے لئے قرآن کا وہ مقام بہترین ہے جہاں حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری پا کر اس خوشخبری کی سچائی اور تصدیق کے لئے اللہ سے ثبوت یا دلیل طلب کی تھی اور کہا تھا کہ:

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا (مریم 10/19)

علامہ مودودی کا ترجمہ ”زکریا نے کہا ”پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے“ فرمایا ”تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو پیہم تین دن لوگوں سے بات نہ کر سکے گا“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 58-59)

قارئین اللہ اور زکریاؑ میں یہ بات طے ہوگئی کہ تین روز تک زکریاؑ منہ سے نہ بول سکیں گے اور نہ بات کر سکیں گے۔ لہذا یہ موقع وہ ہے جہاں حضرت زکریاؑ تین روز صرف اشاروں سے اپنا مافی الضمیر لوگوں کو بتائیں گے۔ چنانچہ اگلی آیت کہتی ہے کہ:-

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُحْرَةً وَعَشِيًّا (19/11)

مودودی: ”چنانچہ وہ محراب سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آیا اور اُس نے اشارے سے اُن کو ہدایت کی کہ صبح و شام تسبیح کرو“

یہ بات تو واضح ہے کہ جب حضرت زکریاؑ کی زبان بندی ہوگئی تو ظاہر ہے انہیں قوم سے جو کچھ کہنا تھا یا کہنا ہو بول کر تو کہہ نہ سکیں گے۔ اب دو صورتیں تھیں اول اشارہ، دوم لکھ کر۔ اگر یہاں لفظ اَوْحَى إِلَيْهِمْ (وحی کی ان کی طرف) کے معنی اشارہ کر لئے جائیں تو بڑا موزوں معلوم ہوگا۔ چنانچہ مودودی نے بے تکلفانہ لکھ دیا کہ ”اشارے سے اُن کی ہدایت کی“۔ لیکن مودودی اینڈ کمپنی کی وہ شرط ختم ہوگئی کہ ”وحی کے معنی خفیہ اور لطیف اشارہ ہیں“۔ اور یہ کہ ”اس اشارہ کو صرف اشارہ کرنے والا اور اشارہ پانے والا ہی دیکھے اور سمجھے“۔ پھر دوسری خرابی یہ ہے کہ حضرت زکریاؑ نے جو ہدایت کی اس میں لوگوں کو اشارے سے یہ تین مطالب سمجھانا تھے۔ 1- ہر صبح۔ 2- ہر شام۔ 3- تسبیح کرو۔ قارئین کسی راہ چلنے کو روک کر یہ تین باتیں اشاروں سے سمجھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اشارے ان تینوں باتوں کے لئے کام نہ کریں گے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ اشارہ خود عربی زبان کا لفظ ہے اور اسی سورہ میں استعمال ہوا بھی ہے۔ علامہ کا اپنا ترجمہ دیکھئے۔ ارشاد ہے:-

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (19/29)

”مریمؑ نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا ”ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 66) سوچئے کہ جب لفظ ”اشارہ“ موجود ہے تو وحی کے معنی اشارہ ہونا ہی نہ چاہئیں۔ اس لئے بھی کہ عربی زبان میں ہر تصور کے لئے ایک مستقل تصدیق یا لفظ موجود ہے۔ اور کسی ایک مصدر سے کسی دوسرے مصدر کے الفاظ کے معنی تبدیل نہیں کئے جاسکتے۔ لہذا مودودی والے لغوی معنی باطل ہو گئے۔

(9-ج) علامہ کی دوسری بات بھی غلط ہے۔ قرآن نے لفظ وحی کو الفاظ ”القا“ اور ”الہام“ کی جگہ استعمال نہیں کیا۔

قارئین نوٹ کریں کہ اللہ نے لفظ ”وحی“ جگہ جگہ استعمال کیا ہے لیکن سب جگہ اس کے ایک ہی معنی بیان کئے ہیں اور مودودی نے خود بھی لکھا ہے کہ: ”لیکن قرآن میں یہ اصطلاحی فرق نہیں پایا جاتا“ (5) اور اس کیلئے انہوں نے پندرہ مختلف حالتیں لکھ دیں ہیں جہاں لفظ ”وحی“ کو اللہ نے بلا تکلف استعمال کیا ہے۔ لہذا علامہ اینڈ کمپنی نے خود ہی جہاں چاہا وحی کے معنی القاء کر لئے، کہیں الہام کر لئے، کہیں فطری تعلیم کر لئے۔ یعنی انہیں خود بھی وحی کے معنی معلوم نہیں ہیں۔ اصطلاحات وغیرہ بھی سب ان کی اپنی گھڑی ہوئی ہیں۔

اور اخذِ وحی کی بکواس بھی کہیں قرآن میں نہیں ہے یہ بھی ان کے مذہب کی ضروریات ہیں جو افسانوی انداز میں قرآن کے ذمہ چپکادی گئی ہیں۔

(9۔د) قرآن کریم میں اللہ نے لفظ الہام استعمال کیا ہے۔ اور علامہ نے الہام اور وحی کو ایک ہی چیز ثابت کر دیا ہے۔

مودودی نے الہام کو وحی بنا کر اُسے ہر مخلوق میں فطری طور پر ودیعت شدہ مانا ہے۔ قرآن اور ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۚ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۗ (8-91/7) (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 351)

مودودی: ”اور نفس انسانی کی اور اُس ذات کی قسم جس نے اُسے ہموار کیا پھر اُس کی بدی اور اُس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی“

(تفسیر القرآن جلد 6 صفحہ 351)

(9۔ھ) مودودی تشریح، الہام کو کھینچ کر وحی بنا دیا گیا اور پھر وحی فطرت میں ودیعت ہو گئی۔

”۱۵ الہام کا لفظ لَهِم سے ہے جس کے معنی ”نگلنے“ کے ہیں ”لَهِم الشیءُ وَالتَّهَمَهُ“ کے معنی ہیں کہ فلاں شخص نے اُس چیز کو نگل

لیا“ اور ”الْهَمْتَهُ الشیءُ“ کے معنی ہیں ”میں نے فلاں چیز اُس کو نگلوا دی“ یا ”اُس کے حلق سے اتار دی“ اسی بنیادی مفہوم کے لحاظ سے

الہام کا لفظ اصطلاحاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ”کسی تصور یا کسی خیال کو غیر شعوری طور پر بندے کے دل و دماغ میں اتار دینے کیلئے استعمال

ہوتا ہے۔ نفس انسانی پر اُس کی بدی اور اس کی نیکی و پرہیزگاری الہام کر دینے کے دو مطلب ہیں: ”ایک یہ کہ اس کے اندر خالق نے نیکی

اور بدی دونوں کے رجحانات و میلانات رکھ دیئے ہیں“ اور یہ وہ چیز ہے جس کو ہر شخص اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ:

”ہر انسان کے لاشعور میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصورات ودیعت کر دیئے ہیں کہ اخلاق میں کوئی چیز بھلائی ہے اور کوئی چیز بُرائی، اچھے اخلاق و

اعمال اور بُرے اخلاق و اعمال یکساں نہیں ہیں، فجور (بدکرداری) ایک قبیح چیز ہے۔ اور تقویٰ (برائیوں سے اجتناب) ایک اچھی چیز۔ یہ

تصورات انسان کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی فطرت ان سے آشنا ہے اور خالق نے بُرے اور بھلے کی تمیز پیدائشی طور پر اُس کو عطا

کر دی ہے۔ یہی بات سورہ بلد (90/10) میں فرمائی گئی ہے کہ وَهَدَيْنَهُ السَّبِيلَ (اور ہم نے اُس کو خیر و شر کے دونوں نمایاں راستے

دکھائے ہیں) اسی کو سورہ دھر میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ اِنَّا هَدَيْنَهُ السَّبِيلَ اِمَّا شَاكِرًا وَاِمَّا كَفُورًا ”ہم نے اُس کو راستہ دکھایا خواہ

شاکر بن کر رہے یا کافر“ (آیت 3)۔ اور اسی بات کو سورہ قیامت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ: ”انسان کے اندر ایک نفس لَوَامہ

(ضمیر) موجود ہے جو برائی کرنے پر اُسے ملامت کرتا ہے (آیت 2)۔ اور ہر انسان خواہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے مگر وہ اپنے آپ کو

خوب جانتا ہے کہ وہ کیا ہے (آیات 14-15)۔ اس جگہ یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ فطری الہام اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق پر

اُس کی حیثیت اور نوعیت کے لحاظ سے کیا ہے، جیسا کہ سورہ ط (20) میں ارشاد ہوا ہے۔ اَلَّذِي اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ حَلْقًا ثُمَّ

هَدٰی ”جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت عطا کی پھر راہ دکھائی“ (آیت 50)۔ مثلاً حیوانات کی ہر نوع کو اس کے ضروریات کے مطابق

الہامی علم دیا گیا ہے۔ جس کی بنا پر مچھلی کو آپ سے آپ تیرنا، پرندے کو اڑنا، شہد کی مکھی کو چھتہ بنانا، اور بے کو گھونسل تیار کرنا آجاتا ہے۔

انسان کو بھی اُس کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے الگ الگ قسم کے الہامی علم دیئے گئے ہیں۔ انسان کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک حیوانی

وجود ہے۔ اور اس حیثیت سے اُسے جو الہامی علم دیا گیا ہے اس کی ایک نمایاں ترین مثال بچے کا پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ چوسنا ہے جس

کی تعلیم اگر خدا نے فطری طور پر اُسے نہ دی ہوتی تو کوئی اُسے یہ فن نہ سکھا سکتا تھا۔ اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک عقلی وجود

ہے۔ اس حیثیت سے خدا نے انسان کی آفرینش کے آغاز سے مسلسل اس کو الہامی راہنمائی دی ہے جس کی بدولت وہ پے درپے اکتشافات اور ایجادات کر کے تمدن میں ترقی کرتا رہا ہے۔ ان ایجادات اور اکتشافات کی تاریخ کا جو شخص بھی مطالعہ کرے گا وہ محسوس کرے گا کہ اُن میں شاید ہی کوئی ایسی ہو جو محض انسانی فکر و کاوش کا نتیجہ ہو۔ ورنہ ہر ایک کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے کہ یکا یک کسی شخص کے ذہن میں ایک بات آگئی اور اس کی بدولت اس نے کسی چیز کا اکتشاف کیا، یا کوئی چیز ایجاد کر لی۔ ان دونوں حیثیتوں کے علاوہ ایک اور حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک اخلاقی وجود ہے۔ اور اس حیثیت سے بھی اللہ تعالیٰ نے اُسے خیر و شر کا امتیاز، اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس الہامی طور پر عطا کیا ہے۔ یہ امتیاز و احساس ایک عالم گیر حقیقت ہے جس کی بنا پر دنیا میں کبھی کوئی انسانی معاشرہ خیر و شر کے تصورات سے خالی نہیں رہا ہے۔ اور نہ کوئی ایسا معاشرہ تاریخ میں پایا گیا ہے نہ اب پایا جاتا ہے جس کے نظام میں بھلائی اور برائی پر جزا اور سزا کی کوئی نہ کوئی صورت اختیار نہ کی گئی ہو۔ اس چیز کا ہر زمانے ہر جگہ اور ہر مرحلہ تہذیب و تمدن میں پایا جانا اس کے فطری ہونے کا صریح ثبوت ہے اور مزید برآں یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ ایک خالق حکیم ودانانے اسے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے، کیوں کہ جن اجزا سے انسان مرکب ہے اور جن قوانین کے تحت دنیا کا مادی نظام چل رہا ہے اس کے اندر کہیں اخلاق کے ماخذ کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 352، 353)

9- (و) اگر ہر مخلوق کی نوعیت اور حیثیت اور ضروریات کے مطابق وحی اور الہامی علم اُن کی فطرت میں ودیعت ہے تو آنحضرت کیوں محروم ہیں؟

قارئین نے مودودی کے طویل بیانات، وحی اور الہام کے معنی اور ان کی عملی تفصیلات ملاحظہ کر لئے اور یہ کہ انہوں نے وحی کے جو معنی لکھے تھے ان میں وہ ایک مخصوص اشارہ تک محدود رہے تھے۔ اور پھر جب الہام کے معنی لکھے تو وہ وحی کے معنی سے بالکل الگ اور مختلف تھے۔ یعنی ”کسی کو اشارہ کرنا اور کسی کو کوئی چیز نکلوانا“ یا کسی کے حلق سے نیچے اُتارنا“۔ آپس میں کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اشارہ آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور نکلنے کا کام منہ اور حلق اور گلے سے کیا جاتا ہے۔ لیکن علامہ نے کچھ دل لگتی غپ شپ شامل کر کے وحی کو وہی کچھ بنا دیا جو الہام کو بنایا تھا۔ پھر دونوں کے ساتھ اپنی طرف سے لفظ ”فطری“ لگا کر دونوں کے لئے لکھا ہے کہ:-

- 1 ”نفسِ انسانی کے اندر خالق نے نیکی اور بدی دونوں کے رجحانات و میلانات رکھ دیئے ہیں۔“
- 2 ”انسان کو خیر و شر کے دونوں نمایاں راستے دکھا دیئے ہیں۔“
- 3 ”ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے خواہ شا کر بن کر رہے یا کافر۔“
- 4 ”انسان کے اندر ایک نفسِ لؤامہ (ضمیر) موجود ہے جو بُرائی کرنے پر اُسے ملامت کرتا ہے۔“
- 5 ”فطری الہام اللہ نے ہر مخلوق پر اُس کی حیثیت اور نوعیت کے لحاظ سے کیا ہے۔ مثلاً؛
- 6 ”حیوانات کی ہر نوع کو اُس کی ضروریات کے مطابق الہامی علم دیا گیا ہے۔“
- 7 ”جس نے ہر چیز کو اُس کی ساخت عطا کی پھر راہ دکھائی۔“
- 8 ”انسان کو بھی اُس کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے الگ الگ قسم کے الہامی علم دیئے گئے ہیں۔“
- 9۔ ایک خالق حکیم ودانانے خیر و شر کا احساس و امتیاز انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔“

(9-ز) ظاہر ہے کہ یہ نو (9) عدد بیانات آنحضرتؐ کو مخلوقات سے الگ نہیں کرتے لہذا ان تمام صورتوں میں حضورؐ یقیناً شامل ہیں۔

یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ پوری کائنات اور اس کائنات کی تمام مخلوقات و موجودات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے اور آپؐ ہی کے لئے اور آپؐ ہی سے پیدا ہوئیں۔ اور جسے بھی جو کچھ ملاوہ حضورؐ سے ملا لہذا ہر وہ چیز جو مخلوقات کو عطا کی گئی محمدؐ ہر اُس چیز کا ذخیرہ ہیں۔ چنانچہ وہ وحی والہام کا بھی ذخیرہ ہیں اور یہ تمام حقائق احادیث سے ثابت ہو چکے ہیں۔ اُن سب کو ان کی نوعیت اور حیثیت اور ضرورت کے لحاظ سے جو کچھ بھی ملا اور جتنا بھی ملاوہ بہر حال جزئی تھا اور محمدؐ ان تمام چیزوں کے گل ہیں۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقلِ گل ہیں۔ حیاتِ گل ہیں۔ شعورِ گل ہیں۔ فطرتِ گل ہیں۔ اختیارِ گل ہیں۔ الغرض وہ بنیاد کائنات ہیں۔ ان کی ساخت کا نام نور ہے۔ اُن کے بغیر یہ کائنات اس کی تمام موجودات ظلماتِ محض رہ جاتی ہیں۔ ان کی ضروریات پوری کائنات کو رحمت سے وابستہ رکھنا، ہر شے کی ہدایات بروقت پہنچانا اور سب کی ضروریات کا سامان فراہم کرنا ہیں۔

(9-ح) مودودی نے پندرہ صورتیں ایسی پیش کی ہیں جن میں وحی جبرئیل کے توسط سے نہیں پہنچتی ہے۔ وحی جبرئیل کی محتاج نہیں۔

مودودی نے قرآن کا حوالہ (انفال 8/12) دیا ہے کہ: ”ملائکہ پر بھی وحی ہوتی ہے جس کے مطابق وہ کام کرتے ہیں“

سوال یہ ہے کہ جبرئیل بھی ایک ملک یا فرشتہ ہے کیا اس پر بھی کوئی جبرئیل وحی لے کر آتا ہے؟ کیا ہر فرشتے کے پاس اور ہر آسمان پر جبرئیل وحی پہنچاتا ہے؟ پھر کیوں تم محمدؐ کو جبرئیل اور اپنی ناسمجھی ہوئی وحی کا محتاج مانتے ہو؟ کیا حضرت زکریا علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو وحی کی تھی تو جبرئیل کو استعمال کیا تھا؟ کیا وحی کے معنی اشارہ کرنے کے بعد بھی جبرئیل کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کیا الہام کی بات کے ساتھ ساتھ جبرئیل کو لنگوایا یا گلے سے نیچے اُتاراجائے گا؟ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم کتنی بے جوڑ، بے ٹنگی اور بچکانہ باتیں قرآن کے بیانات میں داخل کرتے ہو۔ قرآن میں اللہ اپنی مخلوقات سے اپنے رابطہ کو لفظ ”وحی“ سے ظاہر کرتا ہے۔ اور تم اُسی وحی کو کبھی ”خاص وحی“ بنا کر اپنے باطل اغراض وابستہ کرتے ہو۔ کہیں اُسے ”فطری وحی“ کہہ کر فریب دیتے ہو۔ کہیں اُسی سادہ لفظ کو ”الہام“ بنا لیتے ہو۔ کہیں اُس کا ترجمہ خود ہی ”القا“ کر دیتے ہو۔ تم نے اور تمہارے بزرگوں نے آنحضرتؐ سے قرآن کی پہلی تلاوت سنتے ہی قرآن میں معنوی تبدیلیاں اور فریب سازیاں شروع کی تھیں اور آج تک تمہارا یہ کاروبار جاری ہے (فرقان 25/27-31) مگر اب تمہارا فریب کھل چکا ہے۔ تم اب اپنی نقاب سمیت پہچانے جا چکے ہو۔ دانشوروں کی محفلوں میں تمہارا اور تمہاری دانشورانہ حماقتوں کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔ تم نے ایجادات اور اکتشافات کو بھی وحی اور الہام کی وسعتوں میں لپیٹ دیا ہے۔ اور ٹھیک لکھا ہے کہ بیٹھے بیٹھے بلا کسی غور و فکر کے اچانک کوئی ایسی بات ذہن میں آجاتی ہے جو کسی نہ کسی ایجاد کی بنیاد بن جاتی رہی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ ایجاد کی بنیاد بننے والی باتیں قریشی مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں سے کیوں دُور رہتی چلی آئی ہیں؟ اور کیوں اللہ کا یہ وحی والہام کا رابطہ تم سے اور تمہارے مذہب کے مسلمانوں سے منقطع ہو کر رہ گیا ہے۔ کیا یہ تمہارے اسی کفر کی سزا نہیں کہ تم نے آنحضرتؐ کو اخذِ وحی میں اناڑی اور غلط کار اور جبرئیل کا شکار بنا کر دکھایا ہے؟

(9-ط) چند ضروری باتیں، قرآن، وحی اور محمدؐ کی پوزیشن کے متعلق۔

اول۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولین اور بنیادی مخلوق ہیں وہ آئندہ وجود میں آنے والی کائنات اور ہمہ قسم کی مخلوقات و واقعات و علوم کائنات و علوم خداوندی و مقدرات و مشیت و وحی و ملائکہ و ارواح و عرش و کرسی و لوح و قلم و صفات خداوندی کا ذخیرہ تھے۔

دوم۔ جس طرح علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور دیگر ائمہ آنحضرتؐ کے مختلف ظہور ہیں اور حضور اکرم اللہ کے مکمل ظہور ہیں اسی طرح اس کائنات

کے مختلف مراحل و واقعات بھی آنحضرتؐ ہی کے وجود کے مختلف پہلو اور ظہور ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام بھی ان کے ظہور ہیں ان ہی کا قرآن انبیاء پر قسطوں میں بھیجا گیا تھا۔ سابقہ انبیاء اور پوری کائنات سے اللہ کے رابطہ کے ذریعہ کا نام بھی محمدؐ ہے ہر وحی اور ہر فرشتہ محمدؐ ہی کی معرفت نظام کائنات میں برسر کار رہا ہے۔ اور رہے گا۔

سوم۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق میں بھی محمدؐ و علیؑ اور دیگر اجزائے نورانی برسر کار رکھے گئے اور ان کا پرتو حضرت آدمؑ کے رگ و پے میں وہ کام کرتا رہا جو آدمؑ کے کام کہلایا۔ جس طرح محمدؐ کا نوری وجود بحیثیت گچی پوری کائنات کی رگ و پے میں اللہ کی مشیت و رضا اور ارادہ نافذ کرتا رہا۔ اسی طرح اُس نور کا پرتو کیلے بعد دیگرے تمام انبیاء کی رگ و پے میں برسر عمل رہا۔ جبرئیلؑ اور دیگر ملائکہ و ارواح کی پروازیں اُس نور لگی اور اُس کے پرتو کے درمیان رابطہ کا دوسرا نام ہیں۔ آخر وہ وقت آیا جب اللہ نے اُس پرتو کو نور کو حضرت عیسیٰؑ کی طرح مادی اور انسانی صورت بخشا تھی۔ لہذا اُس پرتو کو دو حصوں میں کر دیا گیا اور حضرت محمدؐ اور جناب علیؑ علیہم السلام کی صورت میں وہ پرتو سامنے آ گیا۔ نہ بھولنے کے جس طرح آپ کی صورت اور نقل و حرکت آئینہ میں دکھائی دیتی ہے اسی طرح اُس نور کُل کی شکل و صورت اور نقل و حرکت اب محمدؐ و علیؑ کی صورت میں نظر آتی تھی۔ اور وہ نور کُل برابر دیگر آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی شکل میں نظر آتا رہا ہے۔ اور پوری کائنات پر مسلط و حاکم رہا ہے۔ لہذا حقیقی صورت حال یہ رہی ہے کہ محمدؐ و آئمہ اہل بیت علیہم السلام روز ازل سے ترجمان خداوندی ہیں، اور وحی و جبرئیلؑ و ملائکہ و ارواح اُن کے اپنے نظام کے گل پُرزے ہیں اُن کے خادم ہیں۔ یہی اُن کی اپنی قوتوں کے نام ہیں۔

چہارم۔ علم القرآن ہی نہیں، علم لوح محفوظ ہی نہیں بلکہ لمحہ بہ لمحہ اور ساعت بہ ساعت اللہ کی طرف سے ظہور میں آنے والے تمام علوم کا وہی حضرات سرچشمہ ہیں اور کائناتی مخلوق کو جس علم و شے کی ضرورت ہوتی رہی وہی حضرات فراہم کرتے رہے۔ وہ جن آیات یا سورتوں کی تلاوت کر کے سناتے اور لکھواتے تھے، عربوں نے یہ مشہور کر دیا کہ وہ آیات اور سورتیں اسی وقت اُن پر جبرئیلؑ کی معرفت نازل ہوتی تھیں اور اس سے پہلے (معاذ اللہ) ان حضرات کو ان کا علم نہ ہوتا تھا۔ یہ قریشی فریب تھا۔ قرآن سے ان کو اس پر دلیل نہیں ملتی کہ وہ آیات یا سورتیں اسی وقت نازل ہوتی تھیں۔ چنانچہ جن کے سامنے پوری کائنات اور کائنات کی تمام مخلوقات و واقعات مستحضر ہوں وہی اپنی ہر بات کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ اور یہی مسلمہ حیثیت ہے کلام مرتضوی کی کہ وہ جناب جو کچھ فرمائیں وہ سراسر حقیقت واقعی ہو۔ اور ان کے کلام کا کوئی جملہ، کوئی لفظ اور کسی لفظ کا ایک شوشہ بھی حقیقت واقعی کے خلاف نہ نکلے۔

10۔ قریشی حکومت، سارے قریش، اور قریش و قریشی حکومت کے تمام طرفدار اسی مذہب پر پلٹ گئے تھے۔ جو عہد رسولؐ سے

پہلے اُن کا مذہب تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کا حقیقت واقعی ہونا بار بار اور طرح طرح ثابت ہو چکنے کے بعد اب یہ دیکھئے

کہ حضورؐ نے اپنے مخصوص مخاطبوں سے یہ فرمایا ہے کہ: **اَلَا وَاِنَّ بَلِيَّتَكُمْ فَذَعَادَتْ كَهَيْئَتِهَا يَوْمَ بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ ؛** ”خبردار ہو کہ تمہارے یہاں وہی مجتہدانہ تجربات کی مہم پلٹ آئی ہے۔ جو اس روز تک دین میں جاری تھی جب اللہ نے تمہارے اندر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا تھا“۔ (خطبہ نمبر 16، جملہ 5)

قارئین کو ہمارے ترجمہ میں وہ اندھی طرز ترجمانی نہ ملے گی جو نابینا مترجمین کے یہاں ملتی ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہمیں اللہ اور

امام علیہ السلام کے کلام کی غرض و غایت ہر جگہ نظر آتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ معاندین اور جھٹلانے والے لیڈروں کی موجودگی، طرز تکلم اور ترتیب الفاظ پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے اور متکلم یا مقرر اپنا حقیقی مدعا قلوب و اذہان تک پہنچانے میں بلاغت سے کس طرح کام لیتا ہے؟ ہمارے ترجمہ کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے وضاحت؟

یہاں مفتی جعفر حسین کا ترجمہ اُس وضاحت کی بنیاد میں رکھ لیں جو ہم پیش کرنا چاہتے ہیں۔ لکھا ہے کہ:

”تمہیں جاننا چاہئے کہ تمہارے لئے وہی ابتلا آت پھر پلٹ آئے ہیں جو رسول کی بعثت کے وقت تھے۔“

یہاں لفظ ”ابتلا آت“ کے معنی اٹھانے (98) فی صد قاری نہیں سمجھتے لہذا ہم اس ترجمہ کو ابتلا آت کے معنی کے ساتھ دوبارہ لکھتے ہیں سنئے:-

”تمہیں جاننا چاہئے کہ تمہارے لئے وہی آزمائشیں پھر پلٹ آئی ہیں جو رسول کی بعثت کے وقت تھیں“

یعنی حضور اپنے مخاطبین کو یہ بتا رہے ہیں کہ ”جن آزمائشوں میں بعثت رسول کے وقت کے لوگ مبتلا تھے تم بھی ان ہی آزمائشوں میں مبتلا ہو“ اور لفظ ”آلا“ (خبردار) بتاتا ہے کہ حضور اپنے مخاطبین کو ایک ایسی صورت حال سے خبردار کر رہے ہیں جس سے وہ واقف نہیں ہیں۔ اگر وہ اس صورت حال سے واقف ہوتے تو حضور کو یہ جملہ بولنے اور اطلاع دینے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ لہذا وہ سب خود کو کسی خطرناک صورتحال سے دو چار نہیں سمجھتے جو اس پر غور کریں اور اس سے نکلنے یا محفوظ رہنے کا بندوبست کریں۔ وہ تو اس صورتحال کو اپنی قدرتی اور عمدہ صورت حال سمجھتے ہیں۔ مگر حضرت علی علیہ السلام ان کو یہ بتاتے ہیں کہ تم ایسے حال میں ہو کہ رسول کی بعثت تمہارے لئے بے کار ہو گئی ہے اور تم اسی حالت پر پلٹ گئے ہو جو بعثت سے پہلے تھی اور جسے رسول اللہ نے تبدیل کر دیا تھا۔ لہذا اس صورت حال سے بچو ورنہ وہ آفات و حادثات تمہیں تہہ و بالا کر دیں گے جو موجودہ صورت حال کا نتیجہ ہیں (16/6) یہ مفہوم مفتی والے ترجمہ سے بھی نکلتا ہے اور اس کا نچوڑ یہ ہے کہ ”تمہیں جو دین رسول اللہ نے دیا تھا تم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ تم بعثت رسول سے پہلے والے دین پر پلٹ گئے ہو“ ہمارا ترجمہ دوبارہ پڑھنے سے پہلے قرآن کی بہت سی آیات میں سے صرف ایک آیت اور مودودی ترجمہ دیکھیں:

آزمائشوں میں مبتلا ہونا ہی دینی اختلافات میں مبتلا ہونا ہے۔

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (مائدہ 48/5)

مودودی ترجمہ: ”لہذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اُس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔ اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا۔ لیکن اس نے یہ اس لئے کیا کہ اس نے جو کچھ تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے، لہذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 477-478)

معلوم ہوا کہ بعثت رسول سے پہلے قریش اور اہل عرب مختلف مذہبی اختلافات میں مبتلا تھے اور اسی دینی اختلاف میں مبتلا ہونے کو اللہ نے آزمائش میں مبتلا رکھنا فرمایا ہے۔ اس آزمائشی حالت سے نکلنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی اور حکم ملا تھا کہ وہ اپنی

دینی تعلیم کو اللہ کے نازل شدہ احکام و عقائد پر منحصر رکھیں اور قریش و اہل عرب کے مذہبی میلانات سے پاک رکھیں۔ اب دیکھئے کہ حضرت علی علیہ السلام کے جملے میں یہی کچھ فرمایا گیا ہے کہ آنحضرت سے پہلے بھی تم دین میں اجتہادات کر کے اپنے خود ساختہ عقائد و قواعد و اختلاف کی آزمائشوں میں مبتلا تھے اور اب بھی ابوبکر و عمر و عثمان اینڈ کمپنی کے خود ساختہ مسائل میں الجھے ہوئے ہو۔ اور یہی ہمارا ترجمہ ہے۔ یعنی اللہ و امام علیہ السلام کا مقصد و مدعا ہمارے ترجمہ میں موجود ہے۔ اور دعوت دی گئی ہے کہ اپنے تمام آزمائشی اختلاف کو دور کرنے کے لئے علی علیہ السلام سے وابستہ ہو جاؤ جن کی کوئی بات خلاف حق نہیں ہو سکتی۔ اور اگر تم نے اپنے اسی اختلافی مذہب پر زندگی گزاری تو تمہیں اس کے بدترین نتائج گھیر لیں گے اور تمہیں ذلیل و خوار کریں گے۔

(10-الف) حضرت علی کا یہ جملہ (5) اپنی گہرائی میں بہت ہی سنگین اور قریش کے مذہب و منصوبوں پر زبردست چوٹ ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے جملہ (5) میں بعثت رسول کے وقت کی بات کہہ کر قریش کو نہایت سادگی سے قرآن کے سپرد کر دیا ہے۔ اور جو لوگ حضور کی اس بات کی تحقیق کے لئے قرآن سے رابطہ قائم کریں گے تو معلوم ہوگا کہ قرآن قریش کو اس وقت مشرک اور کافر کہتا ہے۔ یعنی حضور نے اپنے جملے کی گہرائی میں قریش کو شرک اور کفر کی طرف پلٹ جانے والا کافر و مشرک قرار دیا ہے۔ اور قرآن یہ بھی بتائے گا کہ قریش کے مذہب اور نظام زندگی کا ایک نام ”جاہلیت“ بھی ہے۔ چنانچہ ذرا دیر پہلے سورہ مائدہ کی آیت (5/48) میں جہاں قریش کے زمانہ قبل بعثت کے اختلافات و اجتہادی آزمائش کا ذکر ہوا تھا۔ وہیں رسول اللہ پر تاکید کی گئی تھی کہ وہ خالص قرآن کے الفاظ میں احکام و فیصلے نافذ کیا کریں اور قریش کے دینی تصورات کو قطعاً نظر انداز رکھیں۔ یعنی ادھر قریش نہیں چاہتے کہ ان کے دینی تصورات کو نظر انداز کر کے خالص منزل من اللہ احکام اور فیصلے نافذ کئے جائیں اور ادھر اللہ کو اصرار ہے کہ قریشی مذہب سے تعلیمات قرآن کو الگ اور خالص رکھا جائے۔ پھر اللہ نے اسی ایک آیت (5/48) میں ایک دفعہ منع کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قرآن میں بار بار روکا ہے۔ چنانچہ اگلی دو آیات میں بھی منع کیا ہے۔

(10-ب) بعثت سے قبل کے قریشی مذہب سے بچ کر الگ رہنے کی تاکید مزید، اور ان کے مذہب کا نام ”جاہلیت“ اور جاہلیت کی ہمہ گیری

مودودی سے۔

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ (50-5/49)

مودودی کا غلط اور جانبدارانہ ترجمہ:

”پس اے محمد! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنے میں ڈال کر اُس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔ پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں (اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر ”جاہلیت“ کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 479)

ہم اس ترجمہ پر بعد میں نظر ڈالیں گے فی الحال آپ مودودی کی تشریح بھی سن لیں تو بہتر ہوگا۔

(10-ج) مودودی کے نزدیک ”جاہلیت“ کی اصطلاح اسلام کی مد مقابل ہے۔ اسلام سے مختلف ہر نظام زندگی نظام جاہلیت ہے۔

علامہ لکھتے ہیں کہ: ” ”جاہلیت“ کا لفظ ”اسلام“ کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے۔ کیونکہ اس کی طرف خدا نے راہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے۔ جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانہ قبل اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانے میں علم کے بغیر وہم یا قیاس و گمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لئے زندگی کے طریقے مقرر کر لئے تھے۔ یہ طرز عمل جہاں، جس دور میں بھی انسان اختیار کریں اُسے بہر حال جاہلیت ہی کا طرز عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسانی راہنمائی کیلئے کافی نہیں ہے۔ لہذا خدا کے دیئے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظام زندگی اُس جزوی علم کے ساتھ فنون و ادھام اور قیاسات و خواہشات کی آمیزش کر کے بنا لئے گئے ہیں وہ بھی اسی طرح ”جاہلیت“ کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے ”جاہلی“ طریقے اس تعریف میں آتے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 479-480)

(10-د) ”جاہلیت“ ایک مستقل دین، طریقہ زندگی، طرز عمل، اور نظام زندگی کو کہا گیا ہے جس پر قریش قائم چلے آ رہے تھے۔

قارئین لفظ جاہلیت کی اس مودودی تعریف کو نوٹ کریں اور پھر اللہ کی اس ممانعت اور تاکید کی اہمیت پر نظر ڈالیں جو سابقہ آیات (50 تا 5/48) میں مذکور ہو چکی ہے اور ساتھ ہی مودودی کے جانبدارانہ ترجمہ پر غور فرمائیں کہ:-

مودودی نے قریش کو بچا کر ترجمہ کیا ہے تاکہ اُن کا مذہب نہ پٹے۔

اُن آیات میں قریش مخاطب ہیں مگر مودودی ترجمہ میں کہیں بھی یہ محسوس نہیں ہونے دیتے کہ بات قریش سے ہو رہی ہے۔ اور آنحضرت کو قریش کے دین، قریش کے نظام زندگی، قریش کے طریقہ زندگی کو، اور قریش کے طرز عمل کو قرآنی تعلیمات سے الگ رکھنے کی تاکید بار بار کی جا رہی ہے اور بتایا گیا ہے کہ تم صرف خدا کے نازل کردہ احکام نافذ کرنا۔

1- فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ... (5/48)

2- أَنْ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ... (5/49)

”تم قریش کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکام جاری کرو مگر مودودی نے یہ ترجمہ کیا کہ:

”تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرو“۔

یعنی علامہ اپنی طرف سے ترجمہ میں لفظ ”قانون“ اور ”مطابق“ کا اضافہ کرتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ فیصلہ لفظ بلفظ اللہ کا نازل کردہ ہو۔ اس کے برعکس قرآن کے الفاظ ”بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ“ (اللہ کے نازل کردہ سے) کو ڈھیلا کرنے کے لئے پہلے لفظ ”قانون“ لاتے ہیں جو قرآن کا ایک مردود لفظ ہے۔ پھر لفظ ”مطابق“ لاتے ہیں جسے اللہ نے ہرگز استعمال نہیں کیا ہے اور قرآن کو ان دونوں طاغوتی الفاظ سے پاک رکھا ہے۔ قارئین جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمام فرقے اپنے اپنے مسائل کو قرآن کے مطابق کہتے ہیں۔ مگر اللہ مطابق کی بات ہی نہیں کرتا۔ بلکہ یہ کہتا ہے کہ:-

”تمام احکام یا فیصلے اللہ کے نازل کردہ سے ہونا چاہئیں۔“ (5/48-49) اور اس سے بالکل پہلے فرمایا ہے کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الظَّالِمُونَ ۝ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝ (5/44,45,47)

”جو کوئی اللہ کے نازل کردہ سے حکم یا فیصلہ نہ کرے وہی کافر ہیں، وہی ظالم ہیں، وہی فاسق ہیں“۔ (5/44,45,47)

اللہ کی اس شرط کو مودودی اور ان کے بزرگ قریشی مسلمانوں نے کبھی قبول نہیں کیا۔ چنانچہ مسلمانوں کا کوئی بھی فرقہ نہ یہ دعویٰ کرتا ہے اور نہ کر سکتا ہے کہ اُس کے یہاں تمام مسائل و احکام اللہ کے نازل کردہ سے دیئے گئے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کے تمام موجودہ فرقے بفضل قریش کا فروطالم و فاسق ہیں۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیات (5/48-49) میں اصل جھگڑا اس بات پر ہے کہ قریش قرآن میں نازل شدہ احکام کو من و عن قبول نہیں کرتے اور ہر حکم، ہر مسئلہ اور ہر فیصلہ اپنے سابقہ دین، سابقہ نظام زندگی اور سابقہ طریقہ حیات کے مطابق چاہتے ہیں۔ جسے اللہ نے یوں واضح کیا ہے کہ:

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ (5/50)

”پھر کیا وہ جاہلیت والے دین کا حکم چاہتے ہیں؟ یعنی ”کیا وہ قریشی مذہب والا حکم چاہتے ہیں؟

یعنی ”کیا وہ ایسا حکم چاہتے ہیں جسے انہوں نے خود اپنی کوشش سے اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق بنا لیا ہو؟ اسی کوشش کو اللہ نے ان کے ”اھواء“ سے ظاہر فرمایا ہے۔ اور اسی کوشش کو قبول کرنے سے اللہ نے اپنے رسول کو منع کیا ہے۔ لَا تَتَّبِعِ أَهْوَاءَ هُمْ (5/48 تا 49) اور یہ بھی بتایا ہے کہ قریشی راہنما ایسے دانشمند ہیں کہ تمہیں کوئی نہ کوئی ایسا چکر و پچمہ دیں گے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام سے ذرا اور سا ادھر ادھر ہٹا ہی لیں گے۔ (5/49) یعنی وہ قرآن کے احکام میں اپنی کوشش ضرور داخل کر کے رہیں گے تاکہ قرآن ان کے سابقہ دین کے مطابق ہو جائے۔ چنانچہ یہ کوشش قرآن کے ہر مسئلہ اور ہر حکم اور ہر فیصلے میں داخل ہو جانے کا یہی ثبوت ہے کہ آج مسلمانوں کے تمام فرقوں کا مذہب قرآن نہیں ہے بلکہ قرآن کے مطابق ہے۔ یہاں یہ بھی ان ہی آیات (5/48 تا 50) سے سمجھ لیں کہ تمام قریش کو اللہ نے منکر اسلام نہیں قرار دیا ہے بلکہ ان کی کثرت پر فاسق ہونے کا فتویٰ دیا ہے؛ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُونَ ۝ (5/49)

مودودی: ”اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں“۔

اور مسلمانوں کے تمام فرقے فاسق کو اسلام سے خارج نہیں کہتے۔ اُسے گنہگار مسلمان سمجھتے ہیں۔ لہذا قریش بعثت سے پہلے بھی مسلمان ہی تھے مگر فاسق مسلمان تھے۔ قرآن نے ہر اُس شخص کو مسلمانوں سے خارج نہیں کیا جو کسی نہ کسی صورت میں اور کسی نہ کسی مقدار میں قرآن کو ماننا تھا۔ چنانچہ جو لوگ خالص قرآن کو نہیں مانتے بلکہ اپنی بصیرت کو اپنی سوجھ بوجھ کو شامل کر کے مانتے رہے ان کو کافر یعنی حق پوش مسلمان کہا، ظالم یعنی بے جا استعمال کرنے والا مسلمان فرمایا۔ فاسق یعنی بے لگام مسلمان قرار دیا (5/47 تا 45)۔ یعنی حضرت علی علیہ السلام نے اپنے طرز تخاطب اور بلاغت میں لپیٹ کر اپنے مخاطبین کو کافر و ظالم اور فاسق قرار دیا تھا۔ اور چونکہ ان کے وہ مخاطب خلفائے ثلاثہ کے پیروکار وہم مذہب تھے لہذا ان کے اسی جملہ نمبر 5 سے ثلاثہ اینڈ کمپنی اور ان کے متعلقین سب کافر و ظالم و فاسق ثابت ہو گئے۔

(10۔ھ) قریش دین ابراہیمی کے پیرو اور اسی طرح کے سہ بند مسلمان تھے جیسا کہ آنحضرت کے زمانہ کے یابعد کے قریش سہ بند مسلمان تھے

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ابو بکر و عمر اور ان کی پارٹی نے ہزاروں ایسے احکام و مسائل تیار کئے جن کا قرآن و حدیث رسول سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (ملاحظہ کریں تشریحات خطبہ نمبر 3) اسی طرح اور ان ہی قواعد کے مطابق عہد رسول سے قبل کے

قریش نے بھی تعلیماتِ انبیاء میں اجتہاد کر کے ایک مکمل شریعت تیار کی تھی جسے سابقہ عنوان میں مودودی نے ایک مکمل دین، ایک نظامِ زندگی اور طریقہ حیات قرار دیا ہے۔ ان ہی کے متعلق مودودی لکھتے ہیں کہ:

”زمانہ جاہلیت کے عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا پیرو کہتے اور سمجھتے تھے اور اس بنا پر ان کا خیال یہ تھا کہ جس مذہب کا وہ اتباع کر رہے ہیں وہ خدا کا پسندیدہ مذہب ہی ہے۔ لیکن جو دین ان لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے سیکھا تھا اس کے اندر بعد کی صدیوں میں مذہبی پیشوا، قبائل کے سردار، خاندانوں کے بڑے بوڑھے اور مختلف لوگ طرح طرح کے عقائد اور اعمال اور رسوم کا اضافہ کرتے چلے گئے جنہیں آنے والی نسلوں نے اصل مذہب کا جو سمجھا اور عقیدت مندی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ چونکہ روایات میں، یا تاریخ میں، یا کسی کتاب میں ایسا کوئی ریکارڈ محفوظ نہ تھا جس سے معلوم ہوتا کہ اصل مذہب کیا تھا اور بعد میں کیا چیزیں کس زمانہ میں کس نے کس طرح اضافہ کیں، اس وجہ سے اہل عرب کے لئے ان کا پورا دین مشتبہ ہو کر رہ گیا تھا۔ نہ کسی چیز کے متعلق یقین کے ساتھ یہی کہہ سکتے تھے کہ یہ اُس اصل دین کا جو ہے جو خدا کی طرف سے آیا تھا، اور نہ یہی جانتے تھے کہ یہ بدعات اور غلط رسوم ہیں جو بعد میں لوگوں نے بڑھادیں۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 587)

10۔ (و) بعثت سے پہلے کے قریش اپنے مجتہدانہ دین پر چلنے والے مسلمان تھے اور قریش کا سابقہ مذہب بھی مجتہدین ہی نے تیار کیا تھا۔

اس عنوان میں مودودی کے قلم سے یہ دکھانا ہے کہ جس طرح عہدِ رسول کے بعد والے مسلمان اپنے لیڈروں اور مجتہدین کے خود ساختہ مجتہدانہ مذہب پر عمل پیرا چلے آ رہے ہیں۔ اسی طرح بعثتِ رسول کے وقت تک قریش اپنے مجتہدین کے خود ساختہ مجتہدانہ مذہب پر عمل پیرا تھے۔ اور ان ہی سابقہ قریش نے رسول پر ایمان لانے کے بعد یہ چاہا تھا کہ قرآن کے احکام میں ان کی بصیرت اور کوشش کو شامل کر کے زیادہ مفید احکام نافذ کئے جائیں اور ان ہی کی بصیرت سے بچ کر رہنے کا حکم بار بار رسول اللہ کو دیا جاتا رہا (49-5/48) اور ان ہی کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ قریش آپ کو چکڑ اور چکمہ دے کر قرآن کے احکام میں اجتہاد شامل کر لیں گے (5/49)۔

قریشی مسلمانوں کا چکڑ اور چکمہ دینا اور اسلام میں اجتہادی مسائل کا ملانا۔

چنانچہ قرآن میں قریشی مومنین کو چکڑ اور چکمہ دینے سے یہ کہہ کر روکا گیا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءَ إِن تَبَدَّلَ لَكُمْ تَسْوُؤُهُمْ... الخ (سورہ مائدہ 5/101)

مودودی ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں، لیکن اگر تم انہیں ایسے

وقت پوچھو گے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تم پر کھول دی جائیں گی۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 507)

اتنے سوال کرو کہ رسول چکڑا جائے اور جلدی میں دیئے ہوئے جواب سے فائدہ اٹھا کر اجتہاد کر لیا جائے۔

مندرجہ آیت (5/101) کی تشریح مودودی سے سنئے تو قریش کی قدیم وجدید اجتہاد کی پالیسی واضح ہو جائے گی۔

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض لوگ عجیب عجیب قسم کے فضول سوالات کیا کرتے تھے جن کی نہ دین کے کسی معاملے میں ضرورت ہوتی تھی اور نہ دنیا ہی کے کسی معاملہ میں۔ مثلاً ایک موقع پر ایک صاحب بھرے مجمع میں آپ سے پوچھ بیٹھے کہ ”میرا اصلی باپ کون ہے؟ اسی طرح بعض صحابہ احکام شرع میں غیر ضروری پوچھ گچھ کیا کرتے تھے اور خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر ایسی چیزوں کا تعین کرانا چاہتے تھے جنہیں شارع

نے مصلحتاً غیر معین رکھا ہے۔ مثلاً قرآن میں مجملاً یہ حکم دیا گیا ہے کہ حج تم پر فرض کیا گیا ہے۔ ایک صحابی نے حکم سنتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ”کیا ہر سال فرض کیا گیا ہے“ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا۔ آپ پھر خاموش ہو گئے۔ تیسری مرتبہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا ”تم پر افسوس ہے اگر میری زبان سے ہاں نکل جائے تو حج ہر سال فرض قرار پاجائے۔ پھر تم ہی لوگ اُس کی پیروی نہ کر سکو گے اور نافرمانی کرنے لگو گے“ ایسے ہی لایعنی اور غیر ضروری سوالات سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی صحابہ کو کثرت سوال سے اور خواہ مخواہ ہر بات کی کھوج لگانے سے منع فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ”مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال چھیڑا جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی اور پھر محض اُس کے سوال چھیڑنے کی بدولت وہ چیز حرام ٹھہرائی گئی۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 507)

قرآن کے احکام کی قسمیں وغیرہ بنانا، قیاس و استنباط کرنا حرام ہے۔

مودودی صاحب قرآن کے احکام میں دخل دینے، ان کی قسمیں بنانے اور قیاس و استنباط سے تفصیلات تیار کرنے کی ممانعت میں ایک حدیث لکھتے ہیں:۔
 ”دوسری حدیث میں ہے کہ ”اللہ نے کچھ فرائض تم پر عائد کئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کے پاس نہ پھٹکو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اسے بھول لائق ہو، لہذا ان کی کھوج نہ لگاؤ۔“ (مسلسل لکھا کہ) ان حدیثوں میں ایک اہم حقیقت پر متنبہ کیا ہے۔ جن امور کو شارع نے مجملاً بیان کیا ہے اور ان کی تفصیل نہیں بتائی، یا جو احکام بر سبیل اجمال دیئے ہیں اور مقدار یا تعداد یا دوسرے تعینات کا ذکر نہیں کیا ہے، ان میں اجمال یا عدم تفصیل کی وجہ یہ نہیں کہ شارع سے بھول ہوگی۔ تفصیلات بتانی چاہئے تھیں مگر نہ بتائیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شارع ان امور کی تفصیلات کو محدود نہیں کرنا چاہتا اور احکام میں لوگوں کیلئے وسعت رکھنا چاہتا ہے۔ اب جو شخص خواہ مخواہ سوال پر سوال نکال کر تفصیلات و تعینات اور تقییدات بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر شارع کے کلام سے یہ چیزیں کسی طرح نہیں نکلتیں تو قیاس سے، استنباط سے کسی نہ کسی طرح مجمل کو مفصل، مطلق کو مقید، غیر معین کو معین بنا کر ہی چھوڑتا ہے، وہ درحقیقت مسلمانوں کو بڑے خطرے میں ڈالتا ہے۔ اس لئے کہ مابعد الطبیعی امور میں جتنی تفصیلات زیادہ ہوں گی ایمان لانے والوں کیلئے اتنے ہی زیادہ الجھن کے مواقع بڑھیں گے۔ اور احکام میں جتنی قیود زیادہ ہوں گی پیروی کرنے والوں کیلئے حکم کی خلاف ورزی کے امکانات بھی اُسی قدر زیادہ ہوں گے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 508)

(10-ز) مودودی نے ابو بکر و عمر و عثمان و ابو حنیفہ و مالک و شافعی اور احمد بن حنبل اور تمام ہی مجتہدین کو باطل پرست و مخرب دین بنا دیا۔

مندرجہ بالا بیان قریش کے قدیم وجد خود ساختہ اسلام کو باطل ثابت کرنے کے لئے کافی تھا۔ مگر اگلی اور اسی صفحہ پر دوسری تشریح نے تو

قریشی مذہب کا ستیاناس کر دیا۔ سنئے:

”۱۱ یعنی پہلے انہوں نے خود ہی عقائد اور احکام میں مویشگافیاں کیں اور ایک ایک چیز کے متعلق سوال کر کر کے تفصیلات اور قیود کا ایک جال اپنے لئے تیار کر لیا۔ پھر خود ہی اُس میں الجھ کر اعتقادی گمراہیوں اور عملی نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اس گروہ سے مراد یہودی ہیں جن کے نقش قدم پر چلنے میں قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات کے باوجود مسلمانوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔“ (تفہیم القرآن اول صفحہ 508)

یہ تھے وہ قریش جو بھشت رسول کے وقت بھی خود ساختہ مجتہدانہ اسلام کے پیرو اور کافر و ظالم و فاسق تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے

بعد بھی حقیقی تعلیماتِ خدا و رسول اور احکاماتِ قرآن کے خلاف اپنے خود ساختہ اور مجتہدانہ اسلام پر عمل پیرا رہے اور کافر و ظالم و فاسق برقرار رہے۔ انہیں حضرت علی علیہ السلام نے یاد دلایا ہے کہ تم اپنے اسی کفر و ظلم و فسق پر پلٹ گئے ہو جس پر تمہارے ابا و اجداد عمل پیرا تھے۔

یاد دہانی، کافر و ظالم و فاسق کے قلم سے نکلی ہوئی حقیقت نہ بھولیں۔

مودودی نے یہ مان لیا ہے کہ:

”اگر رسول کی زبان سے ”ہاں“ نکل جائے تو حج کرنا ہر سال فرض ہو جائے۔“ (عنوان نمبر ”10۔“ و، اور تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 507)

یعنی رسول کی زبان سے نکلنے والی ہر بات دین ہوتی تھی۔ یہ وہ مقام ہے جو مودودی اور اسکے بزرگوں کو ہرگز منظور نہیں ہے۔ مگر حق سرچڑھ کر بولتا ہے۔

(10-ح) قریش نے اپنی پالیسی پر فٹ کرنے کے لئے قرآن کو بھجور کیا، قرآنی حقائق کو جھٹلایا اور کبھی حقیقی ایمان نہ لائے رسول کا شکوہ۔

اللہ نے رسول سے شکایت کی تھی کہ تیری قوم نے اس قرآن کو حق مجسم ہوتے ہوئے بھی جھٹلایا ہے (انعام 6/66) پھر رسول اللہ نے اللہ سے شکایت کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو بھجور چھوڑ دیا ہے (فرقان 25/30)

پھر اللہ نے قرآن میں یہ فرمایا کہ:

وَقِيلَ يَا رَبِّ إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلِّمْ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ (زخرف 89-88/43)

رفیع الدین کا ترجمہ: ”اور بہت کہا کرتا ہے پیغمبرؐ کہ اے رب میرے تحقیق یہ قوم ہیں کہ نہیں ایمان لاتے پس منہ پھیر لے ان سے اور کہہ سلامتی مانگتے ہیں شتر تمہارے سے پس البتہ جان لیویں گے“ (ترجمہ قرآن، رفیع الدین)

معلوم ہوا کہ پوری قوم بعثت کے دن سے لے کر قیامت کے روز تک ویسا ایمان کبھی نہ لائی جیسا اللہ و رسول چاہتے تھے۔ اور آخر نوبت یہ آئی تھی کہ اللہ نے رسول کو قطع تعلق کر کے قیامت تک چیلنج کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ:

قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ اِنِّي فَاسِوْفٌ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ ۝ (انعام 6/136)

رفیع الدین ”کہہ اے قوم میری عمل کرو اور پر جگہ اپنی کے تحقیق میں بھی عمل کرنے والا ہوں پس البتہ جانو گے تم کون شخص ہے کہ ہوگا واسطے اس کے آخر اس گھر کا۔ تحقیق نہیں فلاح پانے کے ظالم“ (ترجمہ قرآن، رفیع الدین)

یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ قریش خود کو برحق اور اسلام پر کار بند سمجھتے تھے اور رسول اللہ انہیں گمراہ یقین کرتے تھے۔ اس لئے انہیں مزید تبلیغ کرنا بند کر دیا اور قیامت تک چھٹی دے دی تاکہ وہ اپنے خود ساختہ اسلام پر آزادانہ عمل پیرا رہیں اور قیامت میں سیدھے بے روک جہنم میں چلے جائیں۔ چنانچہ اس عنوان کی یہ پانچوں آیات (فرقان 25/30، انعام 6/66، 136، زخرف 89-88/43) قریش نام کے تمام افراد کو جہنمی ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

11۔ قریشی دین یا بے دینی کی بھر میں چند غلط فہمیوں کا امکان ہے۔ قرآن اور حقیقی دین ابراہیمی کی لا جواب پوزیشن۔

یہاں تک قریش کے جدید و قدیم مذہب کے بیان میں ایسے حوالے اور اقتباسات آئے ہیں جن سے قرآن کے متعلق اور حضراتِ ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے دین کے متعلق غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ مثلاً

(اول) مودودی کا قرآن کے متعلق یہ بیان کہ: ”جن امور کو شارع نے مجملاً بیان کیا ہے“۔ (عنوان نمبر 10- و)

قارئین نوٹ کریں کہ قرآن، قرآن کے بیان (یوسف 12/111) کی رو سے مفصل ہے۔ لہذا مودودی کے بیان پر یہ پورا اقتباس (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 508) خود مودودی کا عقیدہ ہے ہمارا نہیں۔

(دوم) قارئین کو یہ خیال آسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت اسلام قطعاً حقیقی صورت میں موجود نہ تھا اور یہود و نصاریٰ اور قریش نے موسوی اور عیسوی اور ابراہیمی تعلیمات اور کتابوں کو بگاڑ کر اپنا اپنا مجتہد مذہب جاری کر رکھا تھا۔

یہاں یہ نوٹ کریں کہ ہر دور میں اور ہمیشہ حقیقی دین اور دین کا حقیقی سربراہ علیہ السلام موجود رہے ہیں۔ یہ زمین اور یہ کائنات کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی حجت خداوندی سے خالی نہیں رہی ہے۔ چنانچہ تمام کتبہائے خداوندی ہر طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ظاہری سے پہلے خانوادہ نبوت میں پہنچ چکی تھیں۔ اور سلسلہ امامت ابراہیمی میں دست بدست منتقل ہوتی چلی آئی تھیں۔ چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے آخری جانشین امام حضرت ابوطالب علیہ السلام نے تمام انبیاء علیہم السلام کے تبرکات اور کتابیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تھیں (کافی و دیگر کتب حدیث)

(11- الف) تمام کتبہائے خداوندی خانوادہ نبوت کے پاس بطور وراثت منتقل ہوتی ہوئی پہنچیں اور وہ ان کی زبانیں جانتے تھے۔

قریش، قریش کے لیڈروں اور قریشی حکومتوں نے آنحضرت اور علیؑ اور قرآن اور اسلام اور حقیقی پیروان اسلام کے ساتھ جو کچھ قیامت تک کرنا تھا وہ اللہ اور رسول اور آئمہ اہلبیت کو من وعن معلوم تھا۔ اس لئے ان سب کی ذمہ داری تھی کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات اور ان کا زبانی و تحریری ریکارڈ ہر زمانہ میں برقرار رکھا جائے چنانچہ انہوں نے زبانی روایات کی صورت میں اور قلمی کتابوں کی شکل میں منتقل کرنے اور منتقل ہوتے چلے جانے کا بھرپور انتظام کیا تھا زبانی ریکارڈ کا پتہ وہ کروڑوں روایات تھیں جن میں سے چھ لاکھ چورانوے ہزار (694000) احادیث علامہ محمد اسماعیل بخاری (غیرہ) محدث نلکھ سکے اس لئے کہ قریشی حکومت موجود تھی اور تحریری قلمی کتابوں کی شکل میں دو بوری یادگو نیاں ابوہریرہ کو بھی دی تھیں (بخاری پارہ اول باب حفظ العلم) اور بخاری ہی میں ہے کہ حضور نے قیامت تک کے تمام حالات بیان فرمادیئے تھے (پارہ نمبر 14 کتاب بداء الخلق جلد اول صفحہ 453) اور ظاہر ہے کہ حضور صرف بیان پر اکتفاء نہ کرتے تھے۔ اس لئے کہ احادیث کے بیان کو جرم قرار دیا جانا ان حضرات کو معلوم تھا۔ لہذا انہوں نے معصوم و بے خطا انتظام کیا تھا کہ علوم خداوندی ہر زمانہ میں محفوظ و ریکارڈ ہوتے چلے جائیں اور حقیقی ضرورت مندوں کو حسب ضرورت ملتے رہیں۔ اور یہ انتظام بھی اکہرا (Single) نہ تھا۔ کم از کم دو ہر تھا۔ ایک خانوادہ نبوت کا گھریلو ریکارڈ (Master Copy) اور دوسرا وہ ریکارڈ جو مخصوص صحابہ کو سونپا جاتا تھا۔ اور وہ ریکارڈ جو اپنے بچا زاد بھائیوں کی حکومتوں کے خزانوں میں محفوظ کر دیا جاتا تھا اور جو آج میرے زمانے (جون 1981ء) تک محفوظ و موجود ہے۔ گھریلو ریکارڈ کے موجود ہونے پر کتاب اصول کافی کی کتاب الحجۃ میں ایک باب کی سرخی (عنوان) ہے:-

”إِنَّ الْأَيْمَةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ عِنْدَهُمْ جَمِيعَ الْكُتُبِ الَّتِي نَزَلَتْ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَانْتَهَمَ بِعَرْفُونَهَا عَلَى اِخْتِلَافِ

السَّنَتِهَا“۔ ”یقیناً آئمہ علیہم السلام کے پاس وہ تمام کتابیں موجود ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں اور وہ حضرات ان کتابوں کو ان کی اصلی اور مختلف زبانوں میں جانتے ہیں“

اس باب کی پہلی حدیث کے آخری جملوں میں فرمایا گیا ہے کہ:-

”فَقَالَ بَرِيهٌ: اَنْتَ لَكُمْ التَّوْرَةُ وَالْاِنْجِيلُ وَكُتِبَ الْاَنْبِيَاءَ؟ قَالَ: هِيَ عِنْدَنَا وَرَاثَةٌ مِنْ عِنْدِهِمْ نَقَرُوْهَا كَمَا قَرَوْهَا وَ نَقَوْهَا كَمَا قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْعَلُ حُجَّةً فِيْ اَرْضِهِ لَيْسْتَلُ عَنْ شَيْءٍ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِي“

”بریہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ حضرات کے پاس یہ توریت اور یہ انجیل اور یہ باقی انبیاء کی کتابیں کہاں سے اور کیسے پہنچیں؟ امام نے فرمایا کہ یہ سب کتابیں ہمیں ان ہی سے ورثہ میں ملی ہیں۔ ہم ان کتابوں کو اسی طرح پڑھتے ہیں جیسے وہ حضرات پڑھا کرتے تھے اور ہم ان کے احکام و مسائل بھی اسی طرح بیان کرتے ہیں جیسے وہ حضرات بیان کیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اپنی زمین پر ایسے شخص کو اپنی حجۃ نہیں بناتا جس سے اگر کوئی سوال کیا جائے تو اُسے کہنا پڑے کہ میں نہیں جانتا“ (یعنی حجۃ اللہ علیہ السلام کو ہر سوال کا جواب مادی دلائل و درایت کے ساتھ معلوم ہونا لازم ہے)

(11-ب) آنحضرت کی بعثت حقیقی مسلمانوں میں ہوئی اور ایک مسلم قوم اور مسلم امت حقیقی اسلام پر عمل پیرا موجود تھی۔

قرآن کریم گواہ ہے کہ حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے اپنی لمبی چوڑی دعائیں مندرجہ ذیل درخواست بھی کی تھی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِيْنَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةٌ مُّسْلِمَةٌ لَّكَ.. (بقرہ 2/128)

”اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا مسلم بنا لے اور ہماری ذریت میں ایک مسلم امت بنا دے“۔ (بقرہ 2/128)

اور بلا وقفہ اسی سانس میں یہ درخواست بھی کی کہ:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ.. (بقرہ 2/129)

”اے ہمارے پانہار اور اُس مسلم امت میں اُسی مسلم امت میں سے ایک ایسا رسول مبعوث کرنا جو اُس مسلم امت پر تیری آیات تلاوت کرتا رہے اور اُس مسلم امت کو مکمل کتاب کی اور مکمل حکمت کی تعلیم دیتا رہے اور اُس کا تزکیہ کرتا رہے“۔

حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اسی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کی بنا پر یہ مانا اور کہا گیا ہے کہ:-

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعاے خلیلؑ و نوید مسیحاؑ

اسی دعا کو پورا کر کے اللہ نے اپنا احسان یوں جتایا تھا کہ:- لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا

عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ.... (آل عمران 3/164)

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنین پر اُس وقت ممتی احسان کیا تھا جب مومنین میں مومنین ہی میں سے ایک ایسا رسول مبعوث کیا تھا جو ان مومنین پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ اور ان مومنین کا تزکیہ کرتا ہے اور ان مومنین کو مکمل کتاب کی اور مکمل حکمت کی تعلیم دیتا ہے“۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ حضرات ابراہیم و اسماعیل کے زمانے سے لے کر حضور کی مادی پیدائش تک مسلسل اللہ کی تیار کردہ مسلم امت موجود رہتی چلی آئی اور اس مسلم امت میں مسلسل سلسلہ امامت جاری رہا یعنی برابر خاندانہ نبوت و رسالت و امامت برقرار تھا یہاں تک کہ حضرات ابراہیم و اسماعیل کی دعا اور تمنا اور منت کے مطابق اللہ نے اُس قدیم خاندانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظہور بخشا۔ اور حضرت ابوطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آنحضرت کے لئے پناہ یعنی آدمی بنایا (93/6) اور وہ تمام سامان فراہم کیا جو ان کے لئے مادی صورت میں ضروری تھا اور انسانی

شکل میں تمام سابقہ ہدایات کا سنگم بنا دیا (93/7) اور یوں حضور کو ہر قسم کی احتیاج و ضرورت سے مستغنی و غنی کر دیا (93/8) اور حکم دیا کہ:

(1) وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (نساء 4/125)

(2) ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (نحل 16/123)

(1) اور تم ملتِ ابراہیم کی یکسوئی سے پیروی کرو؛

(2) پھر ہم نے تمہاری طرف وحی کی کہ تم یکسوئی سے ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو؛

قارئین سوچیں کہ اگر ملتِ ابراہیم موجود نہ تھی تو اُس کی پیروی کا یہ دوہرا دوہرا حکم نہ دیا جاتا۔ پھر یہ سوچیں کہ پیروی کے معنی ہیں کسی کے نقش قدم پر قدم رکھتے ہوئے پیچھے پیچھے چلنا۔

وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَاَمْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ (حجرات 15/65)

”اور تم سب اُن کی اتباع میں اُن کے پیچھے پیچھے اس طرح چلو کہ تم میں سے کوئی ایک بھی ادھر ادھر التفات (توجہ) نہ کرے اور اُن کے ساتھ وہاں تک جاؤ جہاں تک اُن کا حکم ہو۔“ اتباع کا یہ حکم اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھ عذاب سے بچائے جانے والے مومنین کو دیا تھا۔ لہذا معلوم ہوا کہ پیروی کسی بے جان و بے حس و حرکت چیز کی نہیں کی جاتی بلکہ جس کی پیروی واجب ہے اُسے صاحبِ حیات و معصوم ہونا چاہئے، تاکہ پیروی کرنے والا ہمیشہ راہِ راست پر رہے اور گمراہی ناممکن ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ رسولِ آخر الزمان کو جس کی پیروی کا حکم دوہرا دوہرا کر دیا گیا ہے۔ وہ معصوم ہو اور موجود ہو اور تاحیات رسولِ موجود و قریب ہوتا کہ پیروی میں دقت نہ ہو۔ اور قارئین جانتے ہیں کہ جس کی پیروی واجب ہو وہ افضل و اعلیٰ و مقدس ہستی ہونا لازم ہے اور مندرجہ بالا آیت (15/65) کی رُو سے پیروی کے دوران اُس کا حکم ماننا بھی واجب ہے۔ چونکہ آنحضرت پر تاحیات پیروی واجب تھی اس لئے زندگی بھر اطاعت بھی واجب تھی اور تابع و متبوع میں اور مطاع اور مطیع میں فرق مراتبِ مُسَلَّمہ ہے۔ بہر حال ملتِ ابراہیم موجود تھی۔ رسول کی مادی پیدائش کے پہلے سے موجود تھی۔ اُس ملت کی پیروی کرنے والے مسلم موجود تھے۔ اور ایک اُمتِ مسلمہ موجود تھی۔ یعنی دینِ اسلام بھی موجود تھا۔ اُس کے ماننے والے بھی موجود تھے اور دینِ اسلام کا سربراہ بھی موجود تھا جس کی اتباع و اطاعت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ پر بھی واجب تھی۔ پھر اُس سربراہ کا فطری جانشین بھی ملتِ ابراہیم کی مکمل پوزیشن میں موجود تھا اور حیاتِ رسول کے برسوں بعد تک موجود تھا اور ہم اُسی جناب کے کلام کی تشریح کر رہے ہیں اور یہ بتا کر یاد دلا کر بات ختم کر دیں کہ وہ سب محمد بھی تھے علی بھی۔ وہ سب ایک دوسرے کے تابع بھی تھے متبوع بھی اُن کے مختلف ظہور الگ الگ شخصیتیں نہ تھے جو الجھن ہو۔

(12) دشمنانِ دین سے دینداروں کو اور دینی ریکارڈ کو محفوظ رکھنے اور دشمنوں کو ناکام کرنے کا ازلی نظام۔

یہ عنوان بہت وسیع ہے اور ہم خطبہ نمبر 16 کی تشریحات کے اختتام کے قریب آچکے ہیں۔ اس لئے نہایت اختصار سے چند پہلو نمایاں کر کے گزر جانا چاہتے ہیں۔ وہ نظام جو دین کو اور دینداروں کو اور دین کے مکمل ریکارڈ کو دشمنانِ دین سے محفوظ رکھنے اور دشمنانِ دین کی تمام تخریبی پالیسیوں کو بے اثر کرتے کرتے دشمنوں کو ناکام و تباہ کرنے کا ذمہ دار ہے اُس کا نام ”تحریکِ تشیع“ ہے۔ اور اس نظام کو بیان کرنے کے لئے ہم نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام نامی ہے۔ ”مذہبِ شیعہ، ایک قدیم تحریک و ہمہ گیر قوت۔“

ہم نے یہ دکھایا ہے کہ ہر نبی کے عہد میں مذہبِ شیعہ یعنی مذکورہ تحریک موجود رہی ہے اور مندرجہ بالا مقاصد کو برسرِ عمل لانے کے لئے

اُس کا پہلا اصول غیبت تھا۔ یعنی وہ نظام اور نظام کے کارکن، لوگوں سے پوشیدہ رہیں۔ اور ریزر میں منصوبے بنائیں اور تنفیذ و تبلیغ کرنے والے حضرات ماہرین نفسیات و مذہبیات و سیاسیات و عمرانیات ہوں، از سر تا پا تقویٰ سے مرصع اور اخلاقیات میں بے نظیر ہوں، مختلف طبقات میں گھل مل جائیں اور مرکزی ہدایات کی تعمیل کریں۔ ہر رنگ میں رنگ جائیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ قریش اور قریشی مورخین اُن چار پانچ سو مسلمانوں کو نہ پا سکے جو اصحابِ صفہ (چوتھے والے) لقب سے معلوم و مشہور تھے۔ وہ قریش کی قومی حکومت قائم ہوتے ہی غائب ہو گئے۔ یہ اصول غیبت تھا۔ یہ بتانے اور جاننے کی ضرورت نہیں کہ انہوں نے غائب ہو کر اسلام اور سربراہ اسلام کی کیا خدمات انجام دیں؟ اُن کا ایک لخت غائب ہو جانا، قریشی نظام اور حکومت کے لئے ایسا خطرہ تھا جو ان کی تباہی کے لئے ملک اُموت کا حکم رکھتا تھا۔ اور قریش نے اس خطرے کو کبھی محسوس بھی نہ کیا یہ بہت ہی خطرناک بات تھی۔ ایسی خطرناک کہ دشمن اطمینان سے ہر پالیسی کا شکار ہوتا چلا گیا۔ اور خلافت کا جنازہ بے گور و کفن کتوں کی ضیافت کے بعد علیؑ کے رحم و کرم سے یہودی قبرستان میں گاڑا گیا۔ نماز جنازہ کون پڑھا تا وہ تو نعل لب و الا یہودی بنا دیا گیا تھا؟ اُس کے دوست دشمن ہو گئے تھے۔ دوسرا اصول یہ تھا کہ اُن کے راز و رموز و خفیہ فیصلے اور منصوبے قبل از عمل درآمد معلوم ہوتے رہیں۔ اُس کے لئے اُن کے ساتھ ایک قابلِ اعتماد اور اعتماد انگیز گروہ تعینات کیا جائے۔ جسے وہ سو فیصد اپنا معتمد سمجھیں، وہ ریکارڈ تیار کر کے مرکز کو مطلع رکھے (ذخرف 80-43/78) اسی طرح جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی پارلیمنٹ کی بحث اور مشورے سے مطلع کرنے کے لئے اُن کی تحریک تشیع کا ایک ممبر پہنچا تھا (قصص 21-20/28) اور جس طرح موسیٰ بروقت پہنچ کر اپنے شیعہ ممبروں کی مدد کیا کرتے تھے۔ (19-15/28)

(12۔ الف) ہمہ گیر ظلم و ستم و تباہی کی تفصیل اور مقصد بتا کر نظام غیبت کو نظام کے اصول و مقاصد پر متوجہ کیا گیا اور اصلاح حال پر زور دیا ہے۔

اس خطبہ نمبر 16 میں لوگوں کو اُن ہولناک نتائج سے خبردار کیا گیا ہے جو حق کی حمایت کرنے اور نہ کرنے والوں کو پیش آیا کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو حضرت علیؑ علیہ السلام کی حمایت اور قریش کی مخالفت کے نعرے مار رہے تھے کثیر تعداد میں تھے۔ اور جو اُن کی حمایت میں جان پر کھیل رہے تھے اور دشمن کو فنا کے گھاٹ اتارنے میں سر دھڑ کی بازی لگائے ہوتے تھے نہایت قلیل تعداد میں تھے۔ آپ اپنے طرفداروں کی نام نہاد کثرت کو تنبیہات کرتے کرتے یہ بھی بتا دیا کرتے تھے کہ تم لوگ اگر میری اسکیم کے مطابق میری نصرت کرو تو دشمن میرے بعد تمہیں ستانے کے قابل نہ رہے گا۔ لیکن اگر تم برائے نام میرے حمایتی بنے رہے تو تمہیں میرے ناصر ہونے کے جرم میں تباہ کر کے رکھ دیا جائے گا۔ وہ لوگ یہ نہ دیکھیں گے کہ سچ مچ میرے حمایتی کون کون تھے؟ اور برائے نام کون کون ساتھ لگے ہوئے تھے۔ لہذا خبردار ہو جاؤ کہ تمہیں تہہ وبالا کر کے رکھ دیا جائے گا۔ اس قسم کی تنبیہات کے دوران یہ جملے بھی فرمائے تھے کہ: فَاسْتَبْرُوا فِي بُيُوتِكُمْ، وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ؛ (خطبہ 16، جملہ 37، 38)

”چنانچہ تم لوگ خود کو اپنے اپنے گھروں میں پوشیدہ رکھو۔ اور اپنے آپس کے حالات و تعلقات کی اصلاح کئے چلے جاؤ۔“

وَالنُّوْبَةُ مِنْ وِرَائِكُمْ؛ (خطبہ 16، جملہ 39) اور تمہاری اصلاح کے لئے بار بار متوجہ ہونے والا نظام تمہاری پشت پر موجود ہے۔“

یہ تینوں جملے اپنی سادہ سی صورت میں عام فہم نہ تھے۔ اس لئے کہ جب تمام سامعین اس حکم یا مشورے پر عمل کرنے کے لئے اپنے گھروں میں بیٹھ رہیں تو کئی ایک قباحتیں پیش آئیں گی۔ اور سب سے پہلی قباحت وہ ہوگی جو اس حکم پر عمل نہ ہونے دے گی۔ یعنی اپنے اپنے گھروں میں بھی رہیں اور اپنی اور دوسروں کی اصلاح بھی کریں۔ یہ دونوں حکم ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ پھر کاروبار، دکان اور ملازمت، کھانے پکانے کا سامان کون کون کرے گا؟ پھر سب کو سب کے گھر معلوم ہیں۔ سب گھروں میں رہیں بھی تو پوشیدہ اور چھپ کر رہنا بے معنی ہوگا۔ پھر

توبہ کا پیچھے ہونا یا ادھر کہیں پڑے ہونا کون سمجھتا؟ سب ہی سمجھتے اگر یہ فرمایا ہوتا کہ تم سب اللہ سے اپنے گناہوں اور غلطیوں پر توبہ کرو معافی مانگو۔ اللہ قبول کرے گا۔ یہ تینوں جملے ان لوگوں کے لئے فرمائے گئے جو تحریک تشیع کے ممبران اور حضرت علی علیہ السلام کے طرز کلام و طریق خطاب اور اصطلاحات سے مانوس تھے۔ جنہیں نظامِ غیبیت کی زبان میں اور متعلقہ ہدایات موقع بموقع ملتی رہتی تھیں۔ جو قرآن کریم میں اس نظام کا دستور پڑھ چکے تھے اور عام مسلمانوں کی طرح مولیٰ علیہ السلام کے جلسوں میں گھلے ملے رہتے تھے اور اپنے متعلق اشارہ تک ٹھیک ٹھیک سمجھتے تھے۔

(12-ب) نظامِ غیبیت اور تحریک تشیع کو قرآن کریم میں ان تینوں جملوں کی قسم کا ایک مرکزی حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پوری قوم (بیس لاکھ کے مجمع کو) (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 430) کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:

وَقَالَ مُوسَىٰ يَقَوْمِ إِن كُنتُمْ مَنَّمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنتُمْ مُسْلِمِينَ ۝ (یونس 10/84)

مودودی ترجمہ:

”موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ ”لوگو، اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اُس پر بھروسہ کرو اگر مسلمان ہو“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 306) قرآن کا بیان آگے بڑھانے سے پہلے یہ نوٹ کرتے چلیں کہ موسیٰ کی قوم ویسی ہی مسلم و مومن تھی جیسی رسول کی قوم قریش تھی۔ اُن سے بھی ایمان اور اسلام کی اپیل اسی طرح کر کے کام کرنے کا کہا جاتا تھا (مثلاً، انفال 8/41، بقرہ 2/278)

حضرت موسیٰ کے جواب میں کہا گیا کہ:

فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ (یونس 10/85-86)

مودودی: ”انہوں نے جواب دیا ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب ہمیں ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہم کو کافروں سے نجات دیدے“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 306)

(12-ج) حضرت موسیٰ و ہارون کو نظامِ غیبیت کے لئے انتظامی وحی جسے اور تو اور مودودی بھی نہ سمجھے۔ گھروں میں چھپنے کا مطلب؟

وَإِذْ حِينَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بِيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (یونس 10/87)

مودودی ترجمہ: ”اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو اشارہ کیا کہ مصر میں چند مکان اپنی قوم کے لئے مہیا کرو اور اپنے اُن مکانوں کو قبلہ ٹھہرا لو اور نماز قائم کرو اور اہل ایمان کو بشارت دیدو“۔

یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ اس آیت (یونس 10/87) میں مودودی نے ”وحی“ کے معنی اس لئے ”اشارہ“ کئے ہیں تاکہ حضرت ہارون علیہ السلام کو تورات میں شرکت سے الگ رکھا جائے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ و ہارون دونوں پر تورات نازل ہوئی تھی (انبیاء 21/48، الصّٰفّٰت 37/117)

(12-د) حضرت موسیٰ و ہارون اور اُن کے نظامِ غیبیت کے سلسلے کی آخری آیت پھر مودودی کی تشریحات اور اثبات مقصد۔

یہ دیکھا جا چکا ہے کہ حضرت موسیٰ کی پوری قوم (بیس لاکھ افراد) قریش کی طرح ساری کی ساری مسلمان تھی لیکن حقیقی مسلمان ان کے ساتھ بھی تھے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ابتدا میں صرف ذرّیت موسیٰ کے افراد تھے۔ یہ حقیقت آیت اور مودودی کے ترجمے میں دیکھیں:

فَمَا أَمَّنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّتُهُ مَن قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّن فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ

المُسْرِفِينَ (10/83)

مودودی ترجمہ: ”(پھر دیکھو کہ) موسیٰ کو اُس کی قوم میں سے چند ”نوجوانوں“ کے سوا کسی نے ”نہ مانا“، فرعون کے ڈر سے اور خود اپنی قوم کے سربر آوردہ لوگوں (مُلَاوُونَ - احسن) کے ڈر سے (جنہیں خوف تھا کہ) فرعون اُن کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا۔ اور وہ ان لوگوں میں تھا جو کسی حد پر رکتے نہیں ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 305-304)

(12-ھ) حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے متعلق مندرجہ بالا آیات پر مودودی تشریحات، ذریت کو نوجوان کیوں بنایا گیا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قریش کو خانوادہ نبوت صلوٰۃ اللہ علیہم کے مقام بلند کو ہلکا کر کے دکھانے کیلئے جہاں اور بہت سی چالیں چلنا پڑی ہیں وہیں انہیں الفاظ: 1- آل، 2- اہلبیت اور 3- ذریت کے معنی بدلنے میں کوشاں رہنا پڑا ہے۔ چنانچہ مودودی نے لفظ ”ذریت“ کو قوم کے ”چند نوجوان“ بنانے میں پہلا مقصد یہی مد نظر رکھا ہے تاکہ قرآن کے قاریوں کو بدلے ہوئے معنی کو پسند اور برداشت کرنے کی عادت رہے۔ اب اُن کی دوسری مصلحتیں اور فریب کاریاں اُن کی تشریحات میں دیکھ لیں۔ لکھتے ہیں کہ:-
اول۔ پُرخطر زمانہ میں قوم کے دانشور مصلحت کوشی کیا کرتے ہیں۔

”۸ مے متن میں لفظ ”ذُرِّيَّةٌ“ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ”اولاد“ کے ہیں۔ ہم نے اس کا ترجمہ ”نوجوان“ کیا ہے۔ مگر دراصل اس خاص لفظ کے استعمال سے جو بات قرآن مجید بیان کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اُس پُرخطر زمانہ میں حق کا ساتھ دینے اور علم بردارِ حق کو اپنا راہنما تسلیم کرنے کی جرأت چند لڑکوں اور لڑکیوں نے تو کی مگر ماؤں اور باپوں اور قوم کے سن رسیدہ لوگوں کو اس کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ان پر مصلحت پرستی اور دنیاوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوشی کچھ اس طرح چھائی رہی کہ وہ ایسے حق کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے جس کا راستہ اُن کو خطرات سے پُر نظر آ رہا تھا بلکہ وہ اُلٹے نوجوانوں کو بھی روکتے رہے کہ موسیٰ کے قریب نہ جاؤ، ورنہ تم خود بھی فرعون کے غضب میں مبتلا ہو گے اور ہم پر بھی آفت لاؤ گے۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 304)

دوم۔ مودودی کے اس بیان کو برقرار رکھیں الفاظ اور معنی بدلنے نہ دیں۔

اس بیان کی دو باتیں ذہن میں جمالیں کہ مودودی اپنے بیان کو کروٹ دے کر تبدیل کریں تو آپ سے پوشیدہ نہ رہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ بقول مودودی حضرت موسیٰ کو ماننے والے صرف ”چند لڑکے اور لڑکیاں تھیں“ جن میں کوئی ”ماں یا باپ“ کہلا سکتے والا مرد یا عورت نہ تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ”چند لڑکوں اور لڑکیوں کے علاوہ باقی پوری قوم یعنی بیس لاکھ بنی اسرائیل نے ایمان و اسلام کا ایسا اعلان نہ کیا تھا جس سے فرعون اُن کو مسلمان سمجھ کر بتلائے عذاب کر سکتا۔ بلکہ وہ اپنے مذکورہ لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی موسیٰ پر ایمان لانے سے اعلانِ منع کرتے تھے“ (یعنی موسیٰ پر)
1۔ چند کم سن لڑے اور لڑکیاں ایمان لائے۔ اور
2۔ پوری قوم ایمان نہ لائی تھی۔

(12-و) قریش اور بنی اسرائیل کو برابر کرنے کے لئے پہلے لڑکوں اور لڑکیوں کو، نوجوان، پھر جوان، پھر بڑھے تک بنا دیا گیا ہے۔

مودودی صاحب کا ارادہ یہ تھا کہ قریش کو عہد رسول کا بنی اسرائیل قبیلہ ثابت کریں۔ لیکن ان کے سامنے ابو بکر جیسے گھاگ اور عمر ایسے عتیار اور عثمان ایسے سرمایہ دار آکھڑے ہوئے اور کہا کہ ”برخوردار اگر تم نے یہ صحیح صورت حال بیان کر دی تو ہماری ساری محنت و منصوبہ برباد ہو جائیں گے لہذا

گنجائش کا لو اور ہمیں اولین قسم کے مومنین میں داخل کرو، ان بزرگواروں کو بچانے کے لئے علامہ نے اپنی تشریح (۸/۷۷) کا باقی حصہ یوں لکھا کہ:

”یہ بات خاص طور پر قرآن نے نمایاں کر کے اس لئے پیش کی ہے کہ مکہ کی آبادی میں سے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کے لئے جو لوگ آگے بڑھے تھے وہ قوم کے بڑے بوڑھے اور سن رسیدہ لوگ نہ تھے بلکہ چند باہمت نوجوان ہی تھے۔ وہ ابتدائی مسلمان جو ان آیات کے نزول کے وقت ساری قوم کی شدید مخالفت کے مقابلہ میں صداقت اسلامی کی حمایت کر رہے تھے اور ظلم و ستم کے اس طوفان میں جن کے سینے اسلام کے لئے سپر بنے ہوئے تھے، ان میں مصلحت کوش بوڑھا کوئی نہ تھا، سب کے سب جوان لوگ ہی تھے۔ علی ابن ابی طالب، جعفر طیار، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، مصعب بن عمیرؓ، عبداللہ بن مسعود جیسے لوگ قبول اسلام کے وقت ۲۰ سال سے کم عمر کے تھے۔ عبدالرحمن بن عوف، بلالؓ اور صہیبؓ کی عمریں ۲۰ اور ۳۰ کے درمیان تھیں۔ ابو عبیدہؓ بن الجراح، زید بن حارثہؓ، عثمان بن عفان، عمر فاروقؓ ۳۰ اور ۳۵ سال کے درمیان عمر کے تھے۔ ان سے زیادہ سن رسیدہ ابو بکر صدیقؓ تھے اور ان کی عمر بھی ایمان لانے کے وقت ۳۸ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ابتدائی مسلمانوں میں صرف ایک صحابی کا نام ہمیں ملتا ہے جن کی عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھی۔ یعنی حضرت عبیدہ بن حارثؓ مطلبی اور غالباً پورے گروہ میں ایک ہی صحابی حضور کے ہم عمر تھے یعنی عمار بن یاسرؓ“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 305-304)

(12-ز) مولوی مودودی نے اپنی اسلامی تاریخ کو جھٹلایا۔ اسلام لانے والے ابتدائی لوگوں میں حضرت علی کے علاوہ کوئی لڑکا نہ تھا۔

(تاریخ اسلام)

ساری دنیا جانتی ہے کہ موجودہ تاریخ اسلام کے مطابق اولین مسلمانوں میں حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی بھی تو ”لڑکا“ نہ تھا۔ لہذا مودودی سر سے پیر تک جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ ان میں کئی کئی بچوں کے ماں باپ بھی تھے اور ابو بکر و عمر تو کہلاتے ہی شیخین ہیں۔ اور کئی بچوں کے باپ تھے۔ مگر مودودی نے انہیں کھینچ کر یاد باکر لڑکوں، نوجوانوں اور پھر جوانوں میں بٹھا دیا ہے۔

(12-ح) بنی اسرائیل کو مسلمان ثابت کرتے ہیں لیکن قریش کو ہم مثل نہیں کہتے، حالانکہ قریش بھی موسیٰ کی قوم کی طرح کے مسلمان تھے۔

قارئین نے نوٹ کر لیا کہ مودودی نے قریش کو بنی اسرائیل کے ہم مثل و مانند دکھانے کے لئے کھینچ تان کر ”لفظ ذریعہ“ کے معنی لڑکے اور لڑکیاں کئے تھے اور پھر قریش میں لڑکے اور لڑکیاں دکھانے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بڑھوں کو لا بٹھایا۔ اور نہایت چابکدستی سے اپنی پہلی بات کو بدل دیا۔ دوسری بات میں پوری قوم بنی اسرائیل کو منکر اسلام قرار دیا تھا اب اپنی تشریح میں ان کو مسلمان ثابت کرتے ہیں سنئے:-

”۹۷ متن میں فَمَا اَمَنَ لِمُوسَىٰ کے الفاظ ہیں (10/83) اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید بنی اسرائیل سب کے سب کافر تھے اور ابتداءً ان میں سے چند آدمی ایمان لائے تھے۔ لیکن ایمان کے ساتھ جب لام کا صلہ آتا ہے تو وہ بالعموم اطاعت و انقیاد کے معنی دیتا ہے، یعنی ”کسی کی بات ماننا“ اور ”اُس کے کہنے پر چلنا“، پس دراصل ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ چند نوجوانوں کو چھوڑ کر بنی اسرائیل کی پوری قوم میں سے کوئی بھی اس بات پر آمادہ نہ ہوا کہ حضرت موسیٰ کو اپنا رہبر و پیشوا مان کر ان کی پیروی اختیار کر لیتا اور اُس دعوت اسلامی کے کام میں ان کا ساتھ دیتا۔ پھر بعد کے فقرے نے اس بات کو واضح کر دیا کہ ان کے اس طرز عمل کی اصل وجہ یہ نہ تھی کہ انہیں حضرت موسیٰ کے صادق اور ان کی دعوت کے حق ہونے میں کوئی شک تھا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اور خصوصاً ان کے اکابر و اشراف، حضرت موسیٰ کا ساتھ دے کر اپنے آپ کو فرعون کی سخت گیری کے خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اگرچہ یہ لوگ نسلی اور مذہبی دونوں

حیثیتوں سے ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور یوسف علیہم السلام کے امتی تھے اور اس بنا پر ظاہر ہے کہ سب مسلمان تھے، لیکن ایک مدت دراز کے اخلاقی انحطاط نے اور اس پست ہمتی نے جو یردستی سے پیدا ہوئی تھی، اُن میں اتنا بل بوتہ باقی نہ چھوڑا تھا کہ کفر و ضلالت کی فرمانروائی کے مقابلے میں ایمان و ہدایت کا علم لے کر خود اٹھتے، یا جو اٹھا تھا اس کا ساتھ دیتے۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 305)

آگے چل کر علامہ نے بائبل اور تلمود سے وہ شکوہ لکھا ہے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کیا تھا کہ تم نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ یہاں قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ مودودی نے پوری قوم بنی اسرائیل کو مسلمان مانا ہے۔ اور ایمان لانے میں قریش کی مثال دی ہے۔ اور کہا ہے کہ بنی اسرائیل نسلی و مذہبی حیثیت سے ابراہیم و اسحاق وغیرہ کی مسلمان امت تھے۔ اسی اصول پر انہیں یہ ماننا چاہئے کہ قریش بھی بعثت رسول کے وقت مسلمان تھے اور جب کہ مودودی اور قریش نسل ابراہیم ہونے کے دعویدار بھی ہیں۔ بہر حال ہم نے اپنی ہر تصنیف میں قریش کو مسلمان ثابت کیا ہے اور ایک لمحہ کے لئے ان کو منکر اسلام نہیں مانا ہے۔ اور ابھی مودودی کی اپنی قرآنی دلیل سے قریش کو بھی بنی اسرائیل جیسا مسلمان ثابت کریں گے آپ مودودی کی اگلی متعلقہ تشریح پڑھیں۔

(12-ط) مودودی قرآن سے تمام بنی اسرائیل یعنی بیس لاکھ افراد کو مسلمان ثابت کرتے ہیں۔ اور ہم قرآن کے ان ہی الفاظ سے قریش کو مسلمان کہتے ہیں۔

مودودی نے لکھا ہے کہ:-

”اِظْہار ہے کہ یہ الفاظ (ان کنتم امتنم اور ان کنتم مسلمین۔ احسن) کسی کافر قوم کو خطاب کر کے نہیں کہے جاسکتے تھے۔ حضرت موسیٰ کا یہ ارشاد صاف بتا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کی پوری قوم اس وقت مسلمان تھی اور حضرت موسیٰ ان کو یہ تلقین فرما رہے تھے کہ اگر تم واقعی مسلمان ہو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو فرعون کی طاقت سے خوف نہ کھاؤ بلکہ اللہ کی طاقت پر بھروسہ کرو“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 306)

معلوم ہوا کہ جس قوم کو مخاطب کرتے ہوئے ان کنتم امتنم یا ان کنتم مسلمین کہا جائے تو وہ قوم مسلمان ہوتی ہے۔

(12-ی) قریش مانند بنی اسرائیل تھے اور محمد مانند موسیٰ تھے اور موسیٰ وہارون میں جو رشتہ تعلق اور منزلت تھی وہی علی و محمد میں تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے مثیل موسیٰ قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۖ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخَذًا وَبَيًّا ۖ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۚ السَّمَاءُ مَنفُطَةٌ بِهِ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۚ إِنَّ هَذِهِ تَذْكَرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ... الخ (مزمل 73/15-20)

مودودی ترجمہ: ”تم لوگوں کے پاس ہم نے اسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ (پھر دیکھ لو) کہ جب فرعون نے اُس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اگر تم ماننے سے انکار کرو گے تو اس دن کیسے نچ جاؤ گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جا رہا ہوگا؟ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہنا ہے۔ یہ ایک نصیحت ہے اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔ اے نبی، تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات

کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو، اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔۔۔۔۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 132-131)

(12-ک) اس ترجمہ میں موسیٰ اور محمد، قریش اور بنی اسرائیل ہم مثل ثابت ہو گئے۔ بلکہ فرمانبرداروں کی ہم مثل جماعت بھی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ قرآن ان آیات (20-73/15) میں قریشی قوم کو خطاب کر رہا ہے اس کے باوجود مودودی یہ بتاتے ہیں کہ ”اب مکہ کے اُن گنہگار کو مخاطب کیا جا رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے تھے۔ اور آپ کی مخالفت میں سرگرم تھے۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 131)

بالکل یہی صورت حال تھی بنی اسرائیل اور اُن کے لیڈروں کی۔ مودودی اپنی طرف سے مصیلاً قریش پر کفر کا جرم لگاتے ہیں۔ حالانکہ آیت میں کہا گیا کہ: **ان كَفَرْتُمْ** یعنی اگر تم کفر کرو گے؟ یعنی خطاب کے وقت وہ کافر نہ تھے۔ مگر مودودی اپنی اسکیم کے ماتحت ان کو نہ صرف کافر کہتے ہیں بلکہ رسول کو جھٹلانے اور مخالفت میں سرگرم بھی قرار دیتے ہیں۔ بہر حال ان آیات میں قریش کو دھمکی دی گئی ہے اور کفر سے منع کیا گیا ہے۔ اور انہیں یہ بتایا ہے کہ موسیٰ کی نافرمانی پر فرعون کو ماخوذ کیا گیا تھا اگر تم اس رسول کی نافرمانی کرو گے تو تمہیں بھی چھٹکارا نہ ملے گا۔ لہذا نافرمانی نہ کرنا۔ ان آیات سے حضور کا مثیل موسیٰ ہونا اور قریش کا مثیل بنی اسرائیل ہونا ثابت ہو گیا۔ جب یہ دونوں ہم مثل ہو گئے تو حضور کا اور حضور کے خلیفہ کا موسیٰ و ہارون کا ہم مثل ہونا از خود ثابت ہو جاتا ہے۔ دونوں میں رشتہ بھی وہی تھا اور اپنا خلیفہ بناتے ہوئے فرمایا بھی یہی تھا کہ:-

انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا لانی بعدی۔ ”تم مجھ سے وہی منزلت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد نبی نہیں ہے۔“ اس حدیث کو تمام علماء نے صحیح مانا ہے۔

(12-ل) پوری قریش قوم بنی اسرائیل کی طرح مسلمان تھی۔ انہیں کفار و کافر کہنے کے اصلی معنی ہیں ”حق کو چھپانے والے“

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129)

اب ہم قارئین کو وہی طرزِ مخاطب دکھاتے ہیں اور وہی الفاظ سامنے لاتے ہیں جو اللہ نے بنی اسرائیل سے فرمائے تھے۔ اور مودودی نے انہیں مسلمان ماننے کی دلیل قرار دیا ہے۔

اول۔ **يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصِلُّوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ** (8/1)

مودودی ترجمہ ”تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں؟ کہو ”یہ انفال اللہ اور اس کے رسول کے ہیں، پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات کو درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 128)

اس آیت کے مخاطب سب لوگ بنی اسرائیل کی طرح کے مومن ہیں مگر اللہ و رسول کی اطاعت نہیں کرتے نہ ڈرتے ہیں۔

دوم۔ **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقِيهِ الْجَمْعَيْنِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** (8/41)

مودودی ترجمہ ”اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز، یعنی دونوں فوجوں کی ٹڈ بھڑ کے دن، ہم نے اپنے

بندے پر نازل کی تھی۔ (تو یہ حصہ بخوشی ادا کرو) اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 145-146)

یہاں پھر قریش کو مالی تقسیم کا پابند کیا گیا ہے اور ان کو یہ یاد دلایا گیا ہے کہ:

”اگر تم واقعی ایمان لائے ہو تو ان احکام پر عمل کرو، اور یہی بات بنی اسرائیل سے کہی گئی تھی۔ وَقَالَ مُوسَىٰ يَقَوْمِ اِنَّ كُنْتُمْ اٰمِنْتُمْ
”اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ ”لوگو اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 306)

لہذا قریش اور بنی اسرائیل ہم مثل ثابت ہوئے۔

سوم۔ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمْ اَلْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران 3/139)

مودودی ”دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تم مومن ہو؟“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 289)

یہ ہیں وہ مومن قریش جو اللہ پر بھروسہ نہیں رکھتے ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں اور اللہ انہیں بڑھاوا دیتا ہے اور ان سے ان کے ایمان کی اپیل کرتا ہے۔
چہارم۔ قریش ایمان کی نقاب میں حقیقی مومنین میں اسی طرح ملے ہوئے تھے جیسے بنی اسرائیل ذریت موسیٰ میں ملے ہوئے تھے۔

اب ایک آخری مقام دیکھ لیں جس میں حقیقی مومنین کے ساتھ قریش ایسے کفار (حق پوش) اور خبیث مومنین ملے ہوئے تھے تاکہ بنی اسرائیل والی صورت حال سو فیصد سامنے آجائے جہاں حضرت موسیٰ کی ذریت سے، باقی لاکھوں بنی اسرائیل، ملے جلے فائدہ اٹھا رہے تھے اور ان خبیثوں کی توریت اور قرآن میں برابر مذمت ہوتی رہی ہے۔ حالانکہ وہ بقول مودودی بھی مسلمان تھے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاءَهٗ ؕ فَلَا تَخَافُوْهُمۡ وَاخَافُوْا اللّٰهَ ۗ اَلَا يَجْعَلُ اللّٰهُ اَلَا يَجْعَلُ لَّهُمْ حِطًّا فِى الْاٰخِرَةِ وَاَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ اللّٰدِيْنَ اَشْتَرُوْا
اَلْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يُّضُرُّوْا اللّٰهَ شَيْئًا يَّرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَّهُمْ حِطًّا فِى الْاٰخِرَةِ وَاَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّمَا نُمَلِّىْ لَهُمْ خَيْرًا لِّاَنْفُسِهِمْ
اِنَّمَا نُمَلِّىْ لَهُمْ لِيْزِدُوْا اٰثِمًا وَاَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِِيْنٌ ۝ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ
مِنَ الطَّيِّبِ الخ (3/175-179)

مودودی ترجمہ: ”اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو (اے پیغمبر) جو لوگ آج کفر کی راہ میں بڑی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ ان کی سرگرمیاں تمہیں آزرہ نہ کریں یہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے، اور بالآخر ان کو سخت سزا ملنے والی ہے۔ جو لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کے خریدار بنے ہیں وہ یقیناً اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں، ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ ڈھیل جو ہم انہیں دیئے جاتے ہیں اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں، ہم تو انہیں اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب بارگناہ سمیٹ لیں، پھر ان کے لئے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔ اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت پائے جاتے ہو۔ وہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کر کے رہے گا“۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 304-305)

(12-م) اللہ نے ان آیات (3/175-179) میں کیا فرمایا اور مودودی نے کیا سمجھایا؟ یہ کافروں کا نہیں پاک و ناپاک مومنوں کا ذکر ہے۔

مودودی کی اس ترجمہ سے وہ صورت حال دب کر رہ گئی ہے جسے اللہ ابھار کر ذہن نشین کرانا چاہتا ہے۔ مودودی نے دونوں کام کوششیں کی

ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ چاہتے ہیں کہ یہاں ان آیات میں مذکور لوگ کافر ثابت ہو جائیں اس لئے ترجمہ میں اپنی طرف سے الفاظ ”یہ کافر“ خود ہی بڑھادیئے ہیں۔ پھر آیت کے جملے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰسْتَرَوْا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ کا غلط ترجمہ کیا اور یہ تصور پیدا کیا کہ گویا، ان لوگوں کے سامنے خریدنے کے لئے ایمان بھی موجود تھا اور کفر بھی تھا۔ انہوں نے ایمان کو خریدنے کے بجائے کفر خرید لیا۔ حالانکہ اس جملے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ:-

”اُن لوگوں نے اپنے ایمان کے بدلے میں کفر خرید لیا ہے“ یعنی وہ پہلے ایماندار یا مومن تھے پھر کافر ہو گئے تھے۔

چنانچہ علامہ رفیع الدین سے آیت کے اس جملہ کا ترجمہ سنئے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰسْتَرَوْا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ ”تحقیق جن لوگوں نے مول لیا کفر کو بدلے ایمان کے“ (صفحہ 80) یعنی اللہ نے ان لوگوں کو مومن قرار دیا تھا اور وہ مومن تھے۔ پھر انہوں نے مومنیت کی جگہ کفر خرید لیا۔ اب کفر کے معنی مودودی سے پھر سنئے:

”۱۶۱“ ”کفر“ کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں، (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129)

لہذا اسی فریب ساز مولوی مودودی کے بیان سے ثابت ہوا کہ جن لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے اور جنہیں مودودی کافر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے وہ کافر تو تھے مگر کافر کے معنی منکر اسلام کے نہیں بلکہ حقائق کو چھپانے والے کے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہ لوگ مسلمان اور مومن تھے اور مومن رہے مگر انہوں نے حقائق پر پردے ڈالنے کا کام اختیار کر لیا تھا۔ اور شروع میں ان ہی سے ان کتنے مومنین کہہ کر اسرائیل کی گئی تھی۔ یہ ہی لوگ تھے جن کو شیطانی لیڈروں سے ڈرنے والا کہا گیا ان ہی کو کفر میں عجلت کرنے (یسار عون فی الکفر) یعنی حقائق کو جلد سے جلد چھپا دینے میں کوشاں قرار دیا گیا۔ ان ہی کو آخرت کے اجر و ثواب سے محروم بنایا گیا۔ اور آخر میں سارے مسلمانوں کی دو قسمیں بیان کی گئیں ایک خبیث قسم کے مسلمان اور دوسرے طیب و پسندیدہ مسلمان ان میں اول الذکر یعنی قریش خبیث مسلمان تھے اور دوسرے حقیقی مومن و مسلم لوگ تھے اور یہی حال ہے بنی اسرائیل کا جو قرآن میں بھر پڑا ہے۔ ان خبیث مومنین کے منصوبوں اور حق پوشیوں کو بے اثر کرنے کے لئے حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے تحریک تشیع قائم کی تھی اور اس تحریک ہی کے افراد تھے جنہیں ذریعہ موسیٰ (10/83) فرمایا گیا ہے جنہیں مودودی نے ”لڑکے اور لڑکیاں“ بنا دیا تھا اور یہی افراد تھے جنہوں نے اللہ پر بھروسہ کا اعلان اور فرعون کے نظام سے نہ ڈرنے کا وعدہ کیا تھا (10/85)۔

تحریک تشیع میں ذریت موسیٰ شامل تھی۔

اور مودودی نے مانا ہے کہ: ”۸۲“ یہ جواب (10/85) ان نوجوانوں کا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے تھے۔ یہاں

(10/85) قَالُوا كِي ضَمِيرُ قَوْمِ كِي طَرَفٍ نَحِيْبٍ بَلْ كِي ذَرِيَّتِ كِي طَرَفٍ پھر رہی ہے، (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 306)

(12-ن) تحریک تشیع کے افراد کی دعا اور کوشش کہ تخریب کار و خبیث مومنین کے شر سے محفوظ رہ کر مشن کو کامیاب کرتے رہیں۔

تحریک تشیع یا نظام غیبت کو سمجھانے کے لئے سابقہ تمام عنوانات یہ مدد کرتے ہیں کہ خود مسلمانوں پر ایک جماعت مقاصد اسلام کے خلاف اپنے ذاتی و قومی و ملکی مقاصد لے کر مسلط ہو جاتی تھی۔ اس جماعت کی چہرہ دستیوں سے محفوظ رہنے کے لئے مسلمانوں ہی میں ایک جماعت تیار کی جاتی تھی جو قلت میں ہونے کی وجہ سے خفیہ نظام چلاتی تھی۔ آپ نے بنی اسرائیل اور قریش کا مختصر اور مثالی حال دیکھا دونوں کوششیں دین کے خلاف ملاحظہ کیس اور شروع میں یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کی پارلیمنٹ کی بحث اور فیصلے سے مادی طور پر مطلع رہنے کا موقع حاصل تھا اس لئے کہ تمام کلیدی مقامات پر تحریک کے افراد تعینات تھے۔ اب یہاں ذریعہ موسیٰ والی جماعت کی دعا پر مودودی تشریح آپ کو زیر بحث مقصد سے

اور قریب لے جاتی ہے سنئے:

”اُن صادق الایمان نوجوانوں کی یہ دعا کہ ”ہمیں ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ بنانا“ بڑے وسیع مفہوم پر حاوی ہے۔ گمراہی کے عام غلبہ اور تسلط کی حالت میں جب کچھ لوگ قیام حق کے لئے اٹھتے ہیں، تو انہیں مختلف قسم کے ظالموں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ ایک طرف باطل کے اصلی علمبردار ہوتے ہیں جو پوری طاقت سے داعیان حق کو پھیل دینا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف نام نہاد حق پرستوں کا ایک اچھا خاصا گروہ ہوتا ہے جو حق کو ماننے کا دعویٰ تو کرتا ہے (جیسے قریش اور بنی اسرائیل۔ احسن) مگر باطل کی قاہرانہ فرمانروائی کے مقابلے میں اقامت حق کی سعی کو غیر واجب، لاجرا حاصل یا حماقت سمجھتا ہے۔ اور اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنی اس خیانت کو جو وہ حق کے ساتھ کر رہا ہے کسی نہ کسی طرح درست ثابت کر دے اور لوگوں کو الٹا برسر باطل ثابت کر کے اپنے ضمیر کی اُس خلش کو مٹائے جو ان کی دعوت اقامت دین حق سے اس کے دل کی گہرائیوں میں جلی یا خفی طور پر پیدا ہوتی ہے۔ تیسری طرف عامۃ الناس ہوتے ہیں جو الگ کھڑے تماشہ دیکھ رہے ہوتے ہیں اور ان کا ووٹ آخر کار اسی طاقت کے حق میں پڑا کرتا ہے جس کا پلہ بھاری رہے، خواہ وہ طاقت حق ہو یا باطل۔ اس صورت حال میں ان داعیان حق کی ہر ناکامی، ہر مصیبت، ہر غلطی، ہر کمزوری اور ہر خامی ان مختلف گروہوں کے لئے مختلف طور پر فتنہ بن جاتی ہے۔ وہ کچل ڈالے جائیں یا شکست کھا جائیں تو پہلا گروہ کہتا ہے کہ حق ہمارے ساتھ تھا نہ کہ ان بیوقوفوں کے ساتھ جو ناکام ہو گئے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ دیکھ لیا! ہم نہ کہتے تھے، کہ ایسی بڑی بڑی طاقتوں سے نکلنے کا حاصل چند قیمتی جانوں کی ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا، اور آخر کار اس تہلکہ میں اپنے آپ کو ڈالنے کا ہمیں شریعت نے مکلف ہی کب کیا تھا، دین کے کم سے کم ضروری مطالبات تو ان عقائد و اعمال سے پورے ہو ہی رہے تھے جن کی اجازت فراعینہ وقت نے دے رکھی تھی۔ تیسرا گروہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ حق وہی ہے جو غالب رہا۔ اسی طرح اگر وہ اپنی دعوت کے کام میں کوئی غلطی کر جائیں، یا مصائب و مشکلات کی سہار نہ ہونے کی وجہ سے کمزوری دکھا جائیں، یا ان سے، بلکہ ان کے کسی ایک فرد سے بھی کسی اخلاقی عیب کا صدور ہو جائے، تو بہت سے لوگوں کے لئے باطل سے چمٹے رہنے کے ہزار بہانے نکل آتے ہیں۔ اور پھر اس دعوت کی ناکامی کے بعد مدت ہائے دراز تک کسی دوسری دعوت حق کے اٹھنے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ پس یہ بڑی معنی خیز دعوتی جو موسیٰ علیہ السلام کے ان ساتھیوں نے مانگی تھی کہ خدایا ہم پر ایسا فضل فرما کہ ہم ظالموں کے لئے فتنہ بن کر نہ رہ جائیں۔ یعنی ہم کو غلطیوں سے، خامیوں سے، کمزوریوں سے بچا اور ہماری سعی کو دنیا میں بار آور کر دے، تاکہ ہمارا وجود تیری خلق کے لئے سبب خیر بنے نہ کہ ظالموں کے لئے وسیلہ شر“۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 306-307)

اس تشریح میں مودودی بہت سی کلیدی باتیں لکھ گئے ہیں۔ مگر ان میں اسی قدر خامی کا رہ جانا گزیر تھا جو علامہ کے عقیدے میں خامی ہے۔

(12-س) علامہ کی کلیدی باتوں میں جو خلاء اور خامیاں رہ گئیں ان کو درست کرنا علامہ کے قابو کی بات نہ تھی۔

مودودی نے داعیان حق کے مخالفوں کی صرف اُس قسم کا ذکر کیا ہے جو حق اور داعیان حق کو مٹا دینے اور کچل ڈالنے کے لئے اٹھتی ہے۔ اور دنیا میں نہ کوئی فرد ایسا پیدا ہوا ہے نہ جماعت جو ”حق“ کی مخالف ہو۔ جو لوگ حق کی مخالفت کرتے ہیں وہ اُسے حق نہیں سمجھتے۔ اگر وہ اُسے حق سمجھتے تو ہرگز مخالفت نہ کرتے۔ یا تو وہ اس میں باطل کی آمیزش سمجھتے ہیں یا اس حق کو نافذ کرنے کے طریقے کو غلط سمجھتے ہیں۔ یا نافذ کرنے والوں کو غلط کار آدمی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جھگڑا آدمیوں میں اور آدمیوں سے ہوتا ہے۔ حق سے نہیں ہوتا۔ لہذا داعیان حق کی پہلی مخالفت قسم وہ ہوتی ہے جو سرے

سے اُسے حق نہیں سمجھتی یا حق و باطل کا مجموعہ سمجھتی ہے اور اس میں سے باطل کو نکالنے پر اصرار و تکرار کرتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہوتی ہے جو اپنے باطل اغراض و مقاصد کو اس حق کی آڑ یا لباس میں نافذ کرنا چاہتی ہے اور یہ مخالف جماعت آنحضرت کے زمانہ میں قریش تھی۔ اور پہلی قسم کی مخالف جماعت اس زمانہ میں قریش کے علاوہ باقی مذاہب کے لوگ تھے۔

علامہ کی دوسری کلیدی بات یہ ہے کہ داعیان حق سے غلطیاں، خامیاں اور کمزوریاں سرزد نہ ہوں۔ اور یہ کام دعاؤں سے نہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے ایک معصوم سربراہ اور معصوم عملی پروگرام موجود ہو۔ تیسری کلیدی بات وہ اندیشہ ہے جس میں داعیان حق کی پوری جماعت کے کچل دیئے جانے یا شکست کھا جانے کا خطرہ ہو۔ اس سے بچانے ہی کے لئے نظام غیبت تیار کیا جاتا ہے۔ جو ہمیشہ کامیاب رہتا ہے ناکامی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ناکامی یا شکست یا کچل دیا جانا داعیان حق کی اس جماعت کو پیش آسکتا ہے جو اعلانِ محاذ پر کام کرتی ہے اور یہ اسی صورت میں جب کہ نظام غیبت ساتھ ساتھ عمل پیرا نہ ہو۔ ان آیات (یونس 87-83/10) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذریت اور نظام غیبت کی بات ہو رہی ہے جو خفیہ طور پر کام کر رہا تھا۔

(12-ع) قیام نظام غیبت اور تحریک تشیع کا مرکز قائم کرنے اور گھروں کو قبلہ بنانے کی وحی پر مودودی کی خیالی تشریح۔

یہاں آیت (10/87) پر مودودی کی تشریح اور علما کا اختلاف ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ:

”۸۴۔ اس آیت کے مفہوم میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ اس کے الفاظ پر اور اس ماحول پر جس میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے گئے تھے، غور کرنے سے میں یہ سمجھا ہوں کہ غالباً مصر میں حکومت کے تشدد سے اور خود بنی اسرائیل کے اپنے ضعف ایمانی کی وجہ سے اسرائیل اور مصری مسلمانوں کے یہاں نماز باجماعت کا نظام ختم ہو چکا تھا، اور یہ ان کے شیرازے کے بکھرنے اور ان کی دینی روح پر موت طاری ہو جانے کا ایک بہت بڑا سبب تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰ کو حکم دیا گیا کہ اس نظام کو از سر نو قائم کریں اور مصر میں چند مکانات اس غرض کے لئے تعمیر کریں یا تجویز کر لیں کہ وہاں اجتماعی نماز ادا کی جایا کرے۔ کیونکہ ایک بگڑی ہوئی اور بکھری ہوئی مسلمان قوم میں دینی روح کو پھر سے زندہ کرنے کے لئے اور اس کی منتشر طاقت کو از سر نو مجتمع کرنے کے لئے اسلامی طرز پر جو کوشش بھی کی جائے گی اس کا پہلا قدم لازماً یہی ہوگا کہ اس میں نماز باجماعت کا نظام قائم کیا جائے۔ ان مکانوں کو قبلہ ٹھہرانے کا مفہوم میرے نزدیک یہ ہے کہ ان مکانوں کو ساری قوم کے لئے مرکز اور مرجع ٹھہرایا جائے اور اس کے بعد ہی ”نماز قائم کرو“ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ متفرق طور پر اپنی اپنی جگہ نماز پڑھ لینے کے بجائے لوگ ان مقررہ مقامات پر جمع ہو کر نماز پڑھا کریں۔ کیونکہ قرآن کی اصطلاح میں ”اقامت الصلوٰۃ“ جس چیز کا نام ہے اس کے مفہوم میں لازماً نماز باجماعت بھی شامل ہے“ (صفحہ 307-308)

اگلی تشریح ”۸۵۔ یعنی اہل ایمان پر مایوسی، مرعوبیت اور پشیمردگی کی جو کیفیت اس وقت چھائی ہوئی ہے اُسے دور کرو، انہیں پُر امید بناؤ، ان کی

ہمت بندھاؤ اور ان کا حوصلہ بڑھاؤ“ بشارت دینے کے لفظ میں یہ سب معنی شامل ہیں“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 308)

(12-ف) میں لاکھ مسلمان بت پرستوں اور اسلام کے مخالفوں میں نماز باجماعت کی تفہیم بچکانہ یعنی مولویانہ ہے۔

کہا گیا ہے کہ ”اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی“

آخر مودودی بھی تو بنی اسرائیل کی طرح کے قریشی مسلمان اور مولوی ہیں، مدتوں نماز باجماعت پڑھائی اور دین کے نام پر ساری عمر کمائی

کر کے لکھ پتی بنے، ہمیشہ دائم المریض رہے اور اپنے کفار سے آخری معالجہ کرانے امریکہ پہنچے اور آخر کار محمدؐ و آل محمدؐ کی دشمنی پر موت آئی اور واصل جہنم ہوئے۔ ساری عمر کا تجربہ تھا کہ قریشی قسم کے مسلمانوں نے ہمیشہ نماز باجماعت اس سختی سے قائم رکھی کہ جنابت کی حالت میں بھی پیش نماز نے نماز باجماعت پڑھائی اور ہر آنے والے دن زوال سے دو چار ہوتے چلے آئے۔ نماز باجماعت کو آخری نسخہ سمجھتے اور پڑھتے ساری دنیا کی اقوام کے بھکاری بن گئے۔ ارے حضور جس نماز باجماعت نے آپ کو چودہ سو سال میں محض نقصان پہنچایا وہ کسی اور کو کیسے فلاح یاب کر سکتی تھی؟ یہ نمازیں یہ روزے یہ حج اور تہجد ہی تو ہیں جنہوں نے تمہیں تباہ کیا اس لئے کہ یہ سب رسولؐ کا چرایا اور غضب کیا ہوا مال ہیں، اولاد رسولؐ سے مودۃ اور اجر رسالت ادا کئے بغیر اس مال کو استعمال کرنا ہی تو تباہی کا سبب ہے۔

(12-ص) بنی اسرائیل کا حال اور ان کی تعداد اور ان کے ساتھ فرعون کی حکومت کا سلوک اور طرزِ عمل معلوم ہونے کے بعد مولانا کی تفہیم قابلِ تعجب ہے۔ مودودی نے بنی اسرائیل کی تعداد و تفصیل یہ بتائی ہے کہ:-

بنی اسرائیل کی تعداد اور متعلقہ تفصیلات:

”بائبل کی روایت ہے کہ خروج کے بعد دوسرے سال بیابان سینا میں حضرت موسیٰ نے ان کی جو مردم شماری کرائی تھی اس میں صرف قابل جنگ مردوں کی تعداد 603550 تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت، مرد، بچے، سب ملا کر وہ کم از کم بیس لاکھ ہوں گے۔ کیا کسی حساب سے پانچ سو سال میں 68 آدمیوں کی اتنی اولاد ہو سکتی ہے؟ مصر کی گل آبادی اگر اس زمانے میں 2 کروڑ فرض کی جائے۔ (جو یقیناً بہت مبالغہ آمیز اندازہ ہوگا) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف بنی اسرائیل وہاں 10 فیصدی تھے۔ کیا ایک خاندان محض تناسل کے ذریعہ سے اتنا بڑھ سکتا ہے؟ اس سوال پر غور کرنے سے ایک اہم حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔۔۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 430)

آگے چل کر علامہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس بیس لاکھ کی تعداد میں مصری مسلمان بھی شامل ہیں جو ان پانچ صدیوں کی تبلیغ سے مسلمان ہوتے اور بڑھتے رہے۔ قارئین سوچیں کہ حکومت کے شدید کنٹرول اور گرفت کے زمانہ میں کیا ایسا حکم دیا جاسکتا ہے جس سے قوم میں ہم آہنگی اور مرکزیت پیدا ہو جائے اور یہ قیدی و غلام قوم سر جوڑ کر بیٹھے اور فرعون کی نظام کو تہہ و بالا کرنے کے مشورے کرتی رہے؟ اور فرعون کی نظام تماشائی بنا رہے؟ کیا علامہ کی تفہیم روزہ نماز و عبادات وغیرہ اور مرکزیت بنی اسرائیل کے مزاج کے مطابق تھی۔

مودودی داعیانِ حق کے مخالفوں کے سلسلے میں ایک خطرناک کثرت کو ان کا مخالف مان چکے ہیں۔ وہ لکھ چکے ہیں کہ ”چند لڑکوں اور لڑکیوں نے موسیٰ کے مشن کو قبول کیا۔ اور باقی تمام لوگ فرعون کی رضا مندیاں حاصل کرنے کی فکر میں تھے“ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ:

”بنی اسرائیل کی ذہنیت کو اہل مصر کی غلامی نے جیسا کچھ بگاڑ دیا تھا اس کا اندازہ اس بات سے باسانی کیا جاسکتا ہے کہ مصر سے نکل آنے کے 70 برس بعد حضرت موسیٰ کے خلیفہ یوشع بن نونؑ اپنی آخری تقریر میں بنی اسرائیل کے مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”تم خداوند کا خوف رکھو اور نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ اُس کی پرستش کرو اور ان دیوتاؤں کو دور کر دو جن کی پرستش تمہارے باپ دادا بڑے دریا کے پار اور مصر میں کرتے تھے اور خداوند کی پرستش کرو۔ اور اگر خداوند کی پرستش تم کو بُری معلوم ہوتی ہو تو آج ہی تم اُسے جس کی پرستش کرو گے چُن لو۔۔۔۔۔ اب رہی میری اور میرے گھرانے کی بات سوہم تو خداوند ہی کی پرستش کریں گے“ (یشوع 14-15: 24)

”اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چالیس سال تک حضرت موسیٰ کی اور 28 سال تک حضرت یوشع کی تربیت اور راہنمائی میں زندگی بسر کر لینے کے بعد

بھی یہ قوم اپنے اندر سے اُن اثرات کو نہ نکال سکی جو فراعنہ مصر کی بندگی کے دور میں ان کی رگ رگ میں اتر گئے تھے، (تفہیم جلد 2 صفحہ 75) کوئی مودودی سے پوچھتا کہ کیا تم نے اسی قوم کے لئے نماز باجماعت اور مرکزیت کی بات کی تھی؟ کیا یہ قوم اُس تمہارے مطلوبہ مرکز میں وہ سب کچھ کرنے کے لئے جمع ہو سکتی تھی جو تم نے بطور اسلامی نعروں کے لکھا ہے؟

(12-ق) نظام غیبت اور اس کی مرکزیت کا حکم جس انداز میں دیا گیا ہے وہی انداز حضرت علیؑ نے نبی البلاغہ میں اختیار کیا ہے۔

اللہ نے جو حکم (10/87) حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو دیا ہے وہ سارے بنی اسرائیل، فرعون اور ساری قوم فرعون اور مودودی مٹلا و مسٹر کے سمجھنے کا نہیں ہے۔ وہ حکم کہتا ہے کہ:

مودودی ترجمہ: ”ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو اشارہ کیا کہ ”مصر میں چند مکان اپنی قوم کے لئے مہینا کرو اور اپنے ان مکانوں کو قبلہ ٹھہرا لو، اور نماز قائم کرو اور اہل ایمان کو بشارت دے دو“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 307)

رفیع الدین کا ترجمہ: اور وحی بھیجی ہم نے طرف موسیٰ کے اور بھائی اس کے کے یہ کہ جگہ دو واسطے قوم اپنی کے بیچ مصر کے گھر اور کرو گھروں اپنوں کو رو قبلہ یعنی مسجدیں بناؤ اور قائم رکھو نماز کو اور بشارت دے ایمان والوں کو۔

قارئین اس آیت (10/87 یونس) کا ترجمہ ہی دیکھنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ مترجمین اس آیت کے الفاظ کو دیکھ کر بوکھلا گئے اور گھبرا کر جھٹ سے اپنے اپنے مذہبی تصورات کو برقرار رکھنے کی فکر میں جو پسند آیا وہ لکھ گئے ہیں۔ البتہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے وہی ترجمہ لکھا ہے جو اللہ نے آیت کے الفاظ میں فرمایا تھا چونکہ یہ ترجمہ فارسی زبان میں ہے اس لئے ہم فارسی کا اردو ترجمہ بھی لکھتے ہیں:

شاہ ولی اللہ کا ترجمہ: ”وہی فرستادیم بسوئے موسیٰ و برادر وے کہ ساکن کنید قوم خود را بہ شہر مصر در خانہ ہا و بسا زید آنخانہاے خود را و بر پادارید نماز را و بشارت دہ مومنوں را“۔

ہمارا ترجمہ کا ترجمہ: ”اور ہم نے وہی بھیجی موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف کہ اپنی قوم کو مصر میں مکانوں کے اندر بساؤ اور اپنے اُن گھروں کو قبلہ بنا دو اور نماز برپا کرو اور مومنوں کو خوش خبری دے دو“۔

ہم اس ترجمہ کو صحیح سمجھتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ شاہ صاحب نے بھی حاشیہ میں اپنے مذہب کے تحفظ میں یہ جملہ لکھ دیا ہے کہ:

”یعنی مساجد البیت بنا کنید“ ”یعنی مسجدوں والے گھروں کی بنیاد رکھو“۔

مطلب یہ ہے کہ باقی مترجمین نے تو خود ترجمہ کے اندر اضافہ کرنے میں خوف خدا نہ کیا اور اللہ کو سکھایا کہ یوں نہیں تجھے یوں کہنا چاہئے تھا۔ جیسا کہ حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خطبہ (16) کے جملے (37-38) عام فہم نہیں ہیں اور جو لوگ ان کے نظام غیبت پر مطلع نہیں ہیں وہ لوگ جو کچھ سمجھیں گے اس پر عمل نہ کر سکیں گے۔ اسی طرح یہ آیت اور آیت میں آئے ہوئے الفاظ عام فہم نہیں ہیں۔ جو کچھ یہ ہمارے مترجمین سمجھے اور اپنی سمجھ سے جن ترجموں کو بگاڑا یا سنوارا ہے وہ سب غلط اور ناقابل عمل ہیں۔ اور ان سب کی اجتماعی یا انفرادی تفہیم سے بھی اس آیت کے الفاظ پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ اور آیت میں ایک ایسی بات جو ان سب کو بے وقوف بنا کر ان کا منہ چڑا رہی ہے۔ فرمایا یہ گیا ہے کہ:

”اے موسیٰ اور ہارون تم اپنی قوم کو مصر میں گھر کے اندر بساؤ یا آباد کرو“۔

اور ابھی ابھی آپ نے پڑھا تھا کہ بنی اسرائیل پانچ سو سال سے مصر کے اندر اپنے اپنے مکانات میں آباد چلے آ رہے تھے اور یہاں رہتے رہتے ان

کی تعداد اڑسٹھ سے بیس لاکھ ہو چکی تھی۔ سوچو کہ اس آیت (10/87) پر کیسے عمل ہوگا؟ اور جو بھی اُس زمانے میں اس حکم کو سنے گا کیا سمجھے گا پھر فرمایا ہے کہ: ”اے موسیٰ و ہارون تم اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ“

یعنی عام سمجھ یہ سمجھے گی کہ آئندہ نماز ان گھروں کی طرف منہ کر کے پڑھی جائے گی۔ بنی اسرائیل کی مہیب کثرت مشرک قسم کی یا قریشی قسم کی مسلمان ہے اس لئے یہ حکم بھی ان کو کسی ہیجان میں مبتلا نہ کرے گا۔ اور فرعون اور فرعونى دانشور و منتظمین بھی ان دونوں احکام سے کسی سوچ بچار میں مبتلا نہ ہوں گے۔ وہ مذہبی لوگوں کو جاہل سمجھتے تھے اور ان کو جاہلانہ احکام کہہ کر نظر انداز کر دیں گے۔ یعنی دونوں احکام ایسے ہیں جن کو غیر اہم سمجھ کر کوئی خطرہ محسوس نہ کرے گا۔ اور جب وہ احکام ان لوگوں کے کان تک پہنچیں گے جو نظام غیبت کے ممبر ہیں تو وہ احکام کی اہمیت کو گہرائی تک محسوس کریں گے اور ان احکام ہی میں خوشخبری بھی پالیں گے۔

(12۔ ر) ایک بڑا موٹا اور مشہور اصول و قاعدہ ایسا ہے جس سے موٹی عقل کے بدھولوگ بھی وہ بات سمجھ لیں گے جو عملاً ماؤں کو نہ سوجھی۔

قارئین وہ اصول سنیں جو جو بھیجئے والے نے تمام مومنین و منکرین و انبیاء و مرسلین کو بتایا ہے اور جسے بھلا دینا ہزاروں غلطیاں کرواتا ہے۔ ارشاد ہے کہ: رَبِّ انْهِنَّا مِنْ ضَلَالِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿36/14 سورة ابراهيم﴾
مودودی ترجمہ: ”یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ ”پروردگار، اس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی سے بچا، پروردگار ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے (ممكن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کر دیں، لہذا ان میں سے) جو میرے طریقہ پر چلے وہ میرا ہے۔ اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے“ (36-14/35، تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 488-489)

مودودی کے کافرانہ ترجمہ کوئی الحال نظر انداز کر دیں اور دیکھیں کہ قدیم و معروف و مقبول اصول کے مطابق موسیٰ و ہارون اور ان کی اتباع کرنے والے تمام افراد خواہ وہ موسیٰ و ہارون کی اپنی ذریت کے ہوں یا قوم کے ہوں حقیقی منشاء کو فوراً بلا دقت و محنت سمجھ جائیں گے کہ یہ حکم خبیث قسم کے مسلمانوں میں سے طیب مسلمانوں کو الگ کرنے کے لئے دیا گیا ہے (آل عمران 3/179) اور انہیں سمیٹ کر یکجا کر لینا مطلوب ہے اور اب معروف و مشہور قبلہ کی جگہ موسیٰ و ہارون اور ان کی قیام گاہ، خواہ کہیں ہو، قبلہ و مرجع قرار پاگئی ہے۔ اب تمام عبادتوں سے بڑی عبادت ان کے اشاروں پر چلنا ہے۔ اور ہر وہ کام اور طریقہ اب جائز و مباح ہے جس کے نتیجے میں قیام صلوة یعنی (مودودی والی باجماعت نماز نہیں بلکہ) علیٰ والی صلوة قائم کی جاسکے۔ علیٰ نے فرمایا ہے کہ:-

(خطبہ نمبر 145) اقام الصلوة انھا الملة (نماز کا قائم کرنا ہی تو پورا دین ہے۔) یعنی نماز دین کا ستون نہیں بلکہ خود عمارت دین ہے۔ اور اس سے بڑی خوشخبری مومنین کے لئے اور کوئی نہیں کہ وہ نبیؐ کے اپنے لوگ ہیں جنہیں ناپاک قریشی ٹائپ کے بنی اسرائیل سے الگ کر کے اپنی تحریک تشیع میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اور جن پر پورے دین کی عمارت کھڑی کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ اور اب جن کی عبادت سمٹ کر موسیٰ و ہارون پر درود و سلام بھیجنا رہ گئی ہے اور ان کو اور ان کے مشن کو سلامت رکھنا بن گئی ہے (سَلِّمْ عَلٰی مَوْسٰی و ہارونؑ) (صافات 37/120)

یہ ہے وہ طریقہ تبلیغ جو نبیؐ کی خطاب میں اختیار کیا گیا ہے یعنی ”سانپ بھی مر جائے اور لاش بھی نہ ٹوٹے“

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 17

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 17

خطبہ ﴿17﴾

- (1) ایسے دو قریشی لیڈروں کا تذکرہ جو نزول قرآن کے دوران نظام اجتہاد مسلمانوں میں لائے اور بعد وفات رسول قرآن کے خلاف حکومت و شریعت کے بانی ہوئے۔
- (2) جو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ اللہ کے غیظ و غضب اور قہر کا نشانہ ہیں۔
- (3) جو گمراہی پھیلانے میں اور قیامت تک آنے والے لوگوں کو گمراہ کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔
- (4) جو فتنہ و فساد اور بد امنی کے موجد ہیں۔
- (5) خون ناحق اُن کے فیصلوں پر چینیں مار رہے ہیں۔
- (6) غلط لوگوں کو پہنچنے والی میراث و وراثت نالہ و فریاد اور آہ و فغاں میں مصروف ہے۔
- (7) انہوں نے علم کو مٹانے اور جہالت کو علم بنانے میں زندگی گزاری ہے۔
- (8) قرآن کی غلط تنفیذ اُن کا دینی مشغلہ ہے۔

قریشی مرکز کا تیار کردہ اسلام اور اسلامی عقائد و اصول ہی آج شیعہ مجتہدین نے ایک ہزار سال سے اختیار کر رکھے ہیں مرتضویٰ تنقید کی زد میں:

چونکہ آج جنہیں علمائے شیعہ کہا جاتا ہے وہ سب قریشی نظام اجتہاد کے پیرو ہیں اس لئے ساری نہج البلاغہ عموماً اور خطبات سترہ و اٹھارہ (17-18) خصوصاً اُن کو باطل پرست قرار دیتے ہیں اور جب نہج البلاغہ کا مترجم اور شارح خود مجتہد ہو تو اُس کے لئے بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ چنانچہ مفتی جعفر حسین خطبہ (17) کی تشریح میں اپنے مذہب کو بچانے کے لئے یہ جملہ لکھتے ہیں کہ: ”جو قرآن و سنت کو پس پشت ڈال کر اپنے قیاس و رائے سے احکام گھڑ لیتے ہیں۔ اور اپنے مقلدین کا ایک حلقہ پیدا کر کے اُن میں خود ساختہ شریعت کی ترویج کرتے رہتے ہیں۔“ (ترجمہ نہج البلاغہ، طبع اول، صفحہ 125) یعنی مفتی صاحب کے اپنے مذہب میں قیاس اور رائے کو شرعی احکام میں داخل نہیں کیا جاتا۔ لہذا وہ اور اُن کا مذہب حضرت علیؑ کے خطبہ (17) کی مذمت میں داخل نہیں ہے۔ یہ جملہ لکھتے ہوئے مفتی نے چند سطروں یعنی آٹھ سطروں میں تشریح ختم کر دی۔ گویا اس خطبہ میں اور کوئی بات تشریح طلب بات ہی نہیں۔ بہر حال ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو کچھ مفتی صاحب نے خود کو اور اپنے اجتہادی مذہب کو بچانے کے لئے لکھا وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ ایک تہمت بھی ہے۔ اس لئے کہ رسول کی وفات کے بعد سے آج تک مسلمانوں میں کوئی مسلمان کہلانے والا فرقہ یا مذہب ایسا نہ پیدا ہوا نہ موجود ہے جس نے بقول مفتی: ”قرآن اور سنت کو پس پشت ڈال کر اپنے قیاس و رائے سے احکام گھڑے ہوں اور اپنی خود ساختہ شریعت کی ترویج کی ہو۔“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	یقیناً ساری مخلوقات میں دو ہی شخص ایسے ہیں جو اللہ کے یہاں سب سے زیادہ قہر و غضبِ خداوندی کے مستحق ہیں۔	1	إِنَّ أَبْغَضَ الْخَالِقِ إِلَى اللَّهِ رَجُلَانِ؛
2	ایک وہ جسے اللہ نے ڈھیل دے کر اُس کے نفس کو اُس پر وکیل بنا دیا ہے اور اپنی وکالت سے خارج کر دیا ہے۔	2	رَجُلٌ وَكَلَّهُ اللَّهُ إِلَى نَفْسِهِ؛
3	چنانچہ وہ وہی شخص ہے جس نے راست روی کو خیر باد کہہ کر بے راہ روی کا پختہ ارادہ و انتظام کر لیا ہے۔	3	فَهُوَ جَائِرٌ عَنِ قَصْدِ السَّبِيلِ؛
4	وہ دین میں ایجادات کرنے اور گمراہی پھیلانے کی تحریک میں تن من دھن سے مشغول ہو گیا ہے۔	4	مَشْغُوفٌ بِكَلَامٍ بَدْعَةٍ وَ دُعَاءِ ضَلَالَةٍ؛
5	وہ شخص ہر اُس آدمی کے لئے مجسمِ فتنہ اور آزمائش ہے جو اس کی فتنہ انگیز تحریک میں دلچسپی لیتا ہے۔	5	فَهُوَ فِتْنَةٌ لِّمَنِ افْتَنَّ بِهِ؛
6	وہ اُس ہدایت سے گم گشتہ ہے جو اُس سے قبل کے لوگوں کو حاصل تھی۔ یعنی وہ سابقہ فریش کے نزدیک بھی گمراہ ہے۔	6	ضَالٌّ عَنِ هَدْيٍ مَنْ كَانَ قَبْلَهُ؛
7	اور اُن تمام لوگوں کو گمراہ کرنے والا بھی ہے جو اُس کی زندگی میں یا اُس کے مرنے کے بعد اُس کی پیروی کریں۔	7	مُضِلٌّ لِّمَنِ افْتَدَى بِهِ فِي حَيَاتِهِ وَ بَعْدَ وَفَاتِهِ؛
8	وہ دوسروں کی خطاؤں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔	8	حَمَالٌ خَطَايَا غَيْرِهِ؛
9	اور خود اپنی اجتہادی خطاؤں میں رہن پڑا ہوا ہے۔	9	رَهْنٌ بِخَطِيئَتِهِ؛
10	دوسرا شخص وہ ہے جس نے جاہلیت کے تمام علوم ادھر ادھر سے جمع کر لئے۔	10	وَ رَجُلٌ قَمَشَ جَهْلًا؛
11	اور امت کے جاہلیت پسند لوگوں میں جاہلانہ علوم کی اشاعت کر رہا ہے۔	11	مَوْضِعٌ فِي جُهَالِ الْأُمَّةِ؛
12	وہ فتنہ کی تاریک گہرائیوں میں اترتا چلا جا رہا ہے۔ یعنی جاہلیت کے علوم کو مستحکم کر رہا ہے۔	12	غَارٌّ فِي أَعْبَاشِ الْفِتْنَةِ؛
13	اسلامی امن و اصلاح کی تمام پابندیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔	13	عَمٍ بِمَا فِي عَقْدِ الْهُدْنَةِ؛
14	حقیقت یہ ہے کہ کچھ انسانوں سے مشابہ حیوانوں نے اُس شخص کا نام ”عالم“ رکھ دیا ہے حالانکہ وہ عالم نہیں ہے۔	14	قَدْ سَمَّاهُ أَشْبَاهُ النَّاسِ عَالِمًا وَ لَيْسَ بِهِ؛

15	وہ علی الصباح بیدار ہو کر ایسے قوانین و قواعد کثرت سے جمع کرتا رہتا ہے جن کا کم سے کم ہونا ان کی کثرت سے بہتر ہے۔	بَكَرَ فَاسْتَكْتَرَ مِنْ جَمْعِ مَا قَلَّ مِنْهُ خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ؛
16	یہاں تک کہ جب وہ ان باطل علوم و ناکارہ قواعد و قوانین سے پوری طرح سیراب ہو چکتا ہے۔	حَتَّىٰ إِذَا ارْتَوَىٰ مِنْ مَّاءٍ اجْنِبِ؛
17	اور مجتہدانہ نصاب کا ذخیرہ اپنے یہاں جمع کر چکتا ہے۔	وَ اِكْتَنَزَ مِنْ غَيْرِ طَائِلٍ؛
18	تو وہ نہایت ذمہ دارانہ انداز میں لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لئے مسند فتویٰ پر جلوہ افروز ہو جاتا ہے۔	جَلَسَ بَيْنَ النَّاسِ قَاضِيًا؛
19	اور ان تمام معاملات کو خالص اور واضح انداز میں بتانے کی ضمانت لیتا ہے جو دوسروں کی نظر میں اُلجھے ہوئے مسائل ہیں۔	ضَامِنًا لِتَخْلِيصِ مَا اَلْتَبَسَ عَلٰى غَيْرِهِ؛
20	چنانچہ جب اُس کے رُو برو کوئی الجھا ہوا مسئلہ آتا ہے تو وہ اُس کو حل کرنے کے لئے اپنی رائے اور قیاس و اجتہاد کی حاشیہ آرائی کو موزوں کر کے ایک یقینی فیصلہ کر دیتا ہے۔	فَإِنْ نَزَلَتْ بِهِ اِحْدَى الْمُهَمَّاتِ هَيَّا لَهَا حَشْوًا رُتًا مِّنْ رَّايِهِ ثُمَّ قَطَعَ بِهِ؛
21	اس قیاسی و اجتہادی حاشیہ آرائی کے ہر مرحلہ میں وہ شکوک و شبہات میں اس طرح لپٹ جاتا ہے جیسا کہ ایک کڑی خود اپنے جالے میں الجھی رہتی ہے۔	فَهُوَ مِنْ لُبْسِ الشُّبُهَاتِ مِثْلِ نَسْجِ الْعَنْكَبُوتِ؛
22	وہ حقیقی و مادی دلائل سے یہ نہیں جانتا کہ وہ اجتہادی فیصلے میں حق تک پہنچا ہے یا خطا کر گیا ہے۔	لَا يَدْرِي اَصَابَ اَمْ اَخْطَا؛
23	چنانچہ اگر اس کا مجتہدانہ فیصلہ برحق بھی ہو تو اسے یہ خوف لگا رہتا ہے کہ شاید وہ خطا کر گیا ہو۔	فَإِنْ اَصَابَ خَافَ اَنْ يُّكُونَ قَدْ اَخْطَا؛
24	اور اگر اُسے خود اپنی خطا معلوم ہو تو یہ امید کرتا ہے شاید وہ فیصلہ حق کے مطابق نکل جائے۔	وَ اِنْ اَخْطَا رَجَا اَنْ يُّكُونَ قَدْ اَصَابَ؛
25	حق و صدق کے نزدیک وہ ایک جاہل ہے اور جہالتوں کے خبط میں مبتلا ہے۔	جَاهِلٌ خَبَّاطٌ جَهَالَاتٍ؛
26	خود بھی دینِ حق سے اندھا ہے اور سواری بھی اندھے جانوروں پر کرتا ہے۔	عَاشٍ رَّكَابٌ عَشَوَاتٍ؛
27	کبھی اُسے علم حقیقی سے واسطہ نہیں پڑا اور کبھی اُسے حقائق کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق نہیں ہوئی۔ بلکہ قیاس اور اوہام ہی میں مبتلا رہا۔	لَمْ يَعْضْ عَلٰى الْعِلْمِ بَصْرُسٍ قَاطِعٍ؛

28	وہ احادیث رسول کو اس طرح تکبیر کراڑا دیتا ہے۔ جس طرح ہوا تنکوں اور خشک پتوں کو اڑا کر منتشر کرتی رہتی ہے۔	يُدْرِى الرَّوَايَاتِ اِذْ رَأَى الرِّيْحَ اَلْهَشِيْمَ؛
29	قسم بخدا کہ وہ شخص نہ تو علم سے اس قدر لبریز ہے کہ اُن مسائل و مشکلات کو حل کر سکے جو اُس کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔	لَا مَلِيءٌ وَاللّٰهُ بِاصْداْرٍ مَا وَرَدَ عَلَيْهِ؛
30	اور نہ ہی وہ اُس بلند مقام کا اہل ہے جو اس کو سونپا گیا ہے۔	وَلَا هُوَ اَهْلٌ لِّمَا فُوِضَ اِلَيْهِ؛
31	وہ تو اتنا نامعقول ہے کہ جس چیز کا اُسے پتا نہیں ہے اُسے علم سے خارج سمجھتا ہے۔ یعنی جس قدر وہ جانتا ہے علم بس اتنا ہی ہے۔	لَا يَحْسَبُ الْعِلْمَ فِى شَيْءٍ مِّمَّا اَنْكَرَهُ؛
32	وہ یہ مانتا ہی نہیں ہے کہ جہاں تک اُس کی معلومات کی رسائی ہے اُس سے آگے بھی کوئی جاسکتا ہے۔	وَلَا يَرى اَنَّ مِنْ وَّرَآءِ مَا بَلَغَ مَذْهَبًا لِغَيْرِهِ؛
33	اگر اُس کو کوئی بات گنجلک یا الجھی ہوئی معلوم ہوتی ہے تو اُسے چھپائے رکھتا ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے وہ درحقیقت جاہل اور جھوٹا ہے اور نہیں چاہتا کہ لوگ بھی اُسے جاہل سمجھیں۔	وَ اِنْ اَظْلَمَ عَلَيْهِ اَمْرٌ اَكْتَمَ بِهِ لِمَا يَعْلَمُ مِنْ جَهْلِ نَفْسِهِ؛
34	ناحق بہائے ہوئے خون اُس کے ظالمانہ فیصلوں کی وجہ سے چیخ رہے ہیں۔	تَصْرُخُ مِنْ جَوْرِ قَضَائِهِ الدِّمَاءُ؛
35	غیر مستحق لوگوں میں بھیجی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں۔	وَتَعْرُجُ مِنْهُ الْمَوَارِثُ
36	میں اللہ سے اُن لوگوں کا شکوہ کرتا ہوں اور کرتا ہوں گا جو بڑے اطمینان سے جہالت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔	اِلَى اللّٰهِ اَشْكُو مِنْ مَّعْشَرٍ يَعِيشُوْنَ جُهَالًا؛
37	اور جو گمراہی کی موت مر رہے ہیں۔	وَيَمُوْتُوْنَ ضَالًّا؛
38	اُن میں قرآن سے زیادہ اور کوئی بے قدر و قیمت چیز نہیں ہے جب کہ اُسے اُسی طرح پڑھا جائے جس طرح اللہ نے نازل کیا تھا۔	لَيْسَ فِيْهِمْ سَلْعَةٌ اَبْوَرُ مِنَ الْكِتَابِ اِذَا تَلِيَ حَقَّ تِلَاوَتِهِ؛
39	اور اس قرآن سے زیادہ اُن میں اور کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں ہے جب کہ اُس کے الفاظ اور معانی کو بدل بدل کر اُن کی تائید میں پڑھا جائے۔	وَلَا سَلْعَةٌ اَنْفَقُ بَيْعًا وَلَا اَعْلَى ثَمَنًا مِنَ الْكِتَابِ اِذَا حُرِفَ عَنْ مَوَاضِعِهِ؛
40	اُن کی پالیسی کے خلاف نیکی سے بُری اور کوئی بات نہیں ہے اور پالیسی کے حق میں رہنے والی بُرائی سے کوئی نیکی اچھی نہیں ہے۔	وَلَا عِنْدَهُمْ اَنْكُرٌ مِنَ الْمَعْرُوفِ وَلَا اَعْرَفٌ مِنَ الْمُنْكَرِ؛

تشریحات:

روز اول سے سارے فرقوں کا عموماً اور شیعہ مجتہدین کا خصوصاً یہ دعویٰ رہتا چلا آیا ہے کہ اُن کا فرقہ قرآن کے سو فیصد مطابق ہے۔

چنانچہ مفتی صاحب آج 15 ذیقعدہ 1402ھ مطابق 4 ستمبر 1982ء زندہ ہیں اُن سے دریافت کر لیں اُن کی مجال نہیں کہ ہماری تردید کریں۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام جن مسلمانوں پر اعتراض فرما رہے ہیں وہ بھی خود کو قرآن کے مطابق ہی کہتے ہیں۔ حضور کا اعتراض ثابت کرتا ہے کہ وہ مسلمان اور اُن کے بعد والے وہ تمام مسلمان باطل پرست اور قرآن کے مخالف ہیں جو خود کو قرآن کے مطابق کہتے ہیں لہذا شیعہ مجتہدین بھی باطل پرست ٹھہرے۔ قارئین نوٹ کریں اور کبھی نہ بھولیں کہ مسلمان علماء کا خواہ شیعہ ہوں یا سنی ہوں، اپنے مذہب کو یا مذہبی احکام کو قرآن کے مطابق کہنا بہت بڑا فریب ہے۔ اُن سے کہئے کہ تم لفظ مطابق کی جگہ یہ کہو کہ:

”ہمارا مذہب اور ہمارے مذہبی احکام قرآن سے ہیں“ یا یہ کہو کہ: ”ہمارا مذہب اور ہمارے مذہبی احکام قرآن میں ہیں۔“

یاد کیا کرو: ”ہمارا مذہب اور ہمارے مذہبی احکام وہی کچھ ہیں جو قرآن نے بیان کئے ہیں“

غور سے سنیں کہ آج جتنے مسلمان کہلانے والے فرقے ہیں اُن میں سے، سوائے ہمارے، نہ کسی کا مذہب قرآن میں ہے نہ کسی کے احکام قرآن میں ہیں۔ اس لئے وہ سارے مسلمان فرقے خطبات نمبر (17-18) کی رو سے حضرت علیؑ اور قرآن کے مخالف اور باطل ہیں۔ اُن کے ننانوے فیصد (99%) احکام خود ساختہ اور اُن کے قیاس اور رائے پر مبنی ہیں۔

نظام اجتہاد اور مسلمانوں کے تمام فرقے قرآن کو جھٹلاتے ہیں

یہ بات ہو چکی کہ قریش نے قرآن کے معانی و مفاہیم کو بدل کر اپنے خود ساختہ معانی و مفاہیم قرآن کے ساتھ وابستہ کر دیئے تھے۔ اور عہد رسول ہی میں قرآن کے ساتھ اپنے مطالب کو وابستہ کر کے قرآن کے مطالب و مقاصد کو جھٹلا دیا تھا۔ (31-30/25، 6/66) قریش کی اس اسکیم کو حضور نے مفتی کے ترجمہ کی رو سے یوں ظاہر فرمایا ہے کہ:

”اُن میں قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہیں جب اُسے اس طرح پیش کیا جائے جیسا کہ پیش کرنے کا حق ہے۔ اور اس قرآن سے زیادہ کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں اُس وقت جب کہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے۔“ (خطبہ 17 جملے 38-39) یعنی قریش کے تیار کردہ مفاہیم برقرار رکھنا ضروری ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن نے قریش کا عمل درآمد یہ بتایا تھا کہ: يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (ماندہ 5/41)

مودودی: ”الفاظ کو اُن کا صحیح محل متعین ہو جانے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں۔“

اور حضرت علیؑ قریش کا عمل درآمد یوں بتاتے ہیں کہ: إِذَا حُرِّفَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (خطبہ 17 جملہ 39)

مفتی صاحب: ”جب اُس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے۔“

معلوم ہوا کہ جن مسلمانوں کی مذمت کی جا رہی ہے وہ عہد رسول والی قریشی پالیسی پر عمل پیرا ہیں اور قرآن کے مطابق کہہ کر اپنے تصورات و عقائد و مطالب قرآن کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ قریش کے اس عمل درآمد کے متعلق اُس مفتی کو نہ کوئی اعتراض ہے اور نہ اُس نے اُس پر تشریح لکھنا ضروری سمجھا ہے۔ بہر حال اب حضرت علی علیہ السلام کا جملہ (خطبہ 18 جملے 12-13) سامنے لائیں جس کا خود مفتی نے خطبہ (18)

کی تشریح میں ترجمہ یوں لکھا ہے کہ: ”اللہ سبحانہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کو اٹھانہیں رکھا اور ایک ایک چیز کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔“ (ترجمہ مفتی طبع اول صفحہ 129)

یعنی مفتی صاحب بھی مانتے ہیں کہ قرآن میں ہر ایک چیز کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کا بیان کرنا رہ گیا ہو۔ اور یہی نہیں بلکہ مفتی صاحب یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ:

”تو پھر قرآن سے ہٹ کر جو حکم تراشا جائے گا وہ شریعت سے باہر ہوگا۔ اور اُس کی اساس علم و بصیرت اور قرآن و سنت پر نہ ہوگی۔ بلکہ اپنی ذاتی رائے اور اپنا ذاتی فیصلہ ہوگا۔ جس کا دین و مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں سمجھا جاسکتا۔“ (ایضاً صفحہ 129)

یہاں ہر قاری کو یہ سمجھنا پڑے گا کہ مفتی قرآن میں ہر مسئلہ اور ہر ضرورت کا بیان مانتا ہے اور قرآن کے باہر سے یا اپنی رائے اور ذاتی فیصلے سے طے کی ہوئی بات باطل اور بے دینی ہے۔ مگر یاد رکھیں کہ قریش نے چودہ سو سال سے اور مفتی اور اس کے ہم مسلک شیعہ علماء نے ایک ہزار سال سے کبھی قرآن میں ہر مسئلہ اور ہر ضرورت کی چیز اور ہر بات کا بیان موجود ہونا نہیں مانا ہے حالانکہ قرآن نے کہا کہ اُس میں ”ہر چیز کی یا تمام چیزوں کی تفصیل موجود ہے (تَفْصِيْلٌ مُّكْمَلٌ شَيْئِي - سورہ یوسف 12/111) اور یہ کہ قرآن میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ (انعام 6/38 نحل 16/89)

مفتی اور مجتہدین کا قرآن کو جھٹلانا خود مفتی کے قلم سے

مفتی صاحب نے اہلسنت کے مجتہدین کا مسلک بیان کرنے کے بعد اپنے مسلک کو یوں بیان کیا ہے کہ:

”لیکن فرقہ امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ نے نہ کسی کو شریعت سازی کا حق دیا ہے اور نہ کسی چیز کے حکم کو مجتہدین کی رائے کے تابع ٹھہرایا ہے۔ اور نہ آراء کے مختلف ہونے کی صورت میں ایک ہی چیز کیلئے واقع میں متعدد احکام بنائے ہیں۔ البتہ جب مجتہد کی حکم واقعی تک رسائی نہیں ہونے پاتی تو تلاش و تفتیش کے بعد جو نظریہ اس کا قرار پاتا ہے اس پر عمل پیرا ہونا اس کے لئے اور اُس کے مقلدین کے لئے کفایت کر جاتا ہے۔ لیکن اُس کی حیثیت صرف حکم ظاہری کی ہوتی ہے جو حکم واقعی کا بدل ہے۔ اور ایسی صورت میں حکم واقعی کے چھوٹ جانے پر وہ معذور قرار پا جاتا ہے۔ کیونکہ اُس نے (یعنی مجتہد نے - احسن) اُس دریاے ناپیدا کنار میں غوطہ لگانے اور اُس کی تہ تک پہنچنے میں کوئی کوشش اٹھانہیں رکھی۔ مگر اس پر کیا اختیار کہ دُر شاہوار کے بجائے خالی صدف ہی مجتہد کے ہاتھ لگے۔ لیکن وہ یہ نہیں کہتا کہ دیکھنے والے اُسے موتی سمجھیں اور موتی کے بھاؤ بکے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوششوں کا پرکھنے والا اس صدف کی بھی آدھی قیمت لگا دے۔ تاکہ نہ اُس کی محنت اکارت جائے اور نہ اُس کی ہمت ٹوٹنے پائے۔“ (ترجمہ نبج البلاغہ جلد اول طبع اول صفحہ 128)

یہ بیان نہ صرف قرآن کا مخالف ہے بلکہ بے علم اور سیدھے لوگوں کے لئے فریب بھی ہے

قرآن کا مخالف اس لئے کہ اس میں قرآن کے اندر ہر بات اور ہر مسئلہ اور ہر ضرورت کے کھول کر بیان کرنے کا انکار ہے۔ ورنہ تلاش و تفتیش کے بعد بھی اللہ کا حقیقی حکم نہ ملنے کی بات بکواس ہو جائے گی۔ لہذا اگر واقعی ایک مجتہد کو یا کسی مجتہد کو تلاش و تفتیش کے بعد اللہ کا واقعی حکم نہ ملنا صحیح ہے تو قرآن کو لاتعداد احکام سے خالی ماننا لازم ہے اور وہی مجتہدین کا عقیدہ ہے کہ قرآن میں چار پانچ سوا احکام کے علاوہ اور کوئی حکم نہیں ہے، اس لئے اجتہاد کرنا ضروری ہے۔ دوم اس لئے مخالف ہے کہ قرآن میں کہیں نہیں کہا گیا کہ:

(1) قرآن میں تلاش و تفحص کے بعد بھی بعض دینی یا اسلامی احکام نہ ملیں گے۔

(2) حکم واقعی نہ ملے تو اپنے نظریے والے ظاہری حکم پر عمل کر لیا کرو۔

(3) حکم ظاہری حکم واقعی کا بدل ہو جائے گا۔ اور اللہ قبول کرے گا یعنی ڈر شاہوار کی جگہ صرف یعنی سببی قبول کر لی جائے گی۔

(4) جب نہ وہ موتی ہے نہ اللہ کا حکم ہے تو کون سی آیت سے اس کو لینا اور اس پر مجتہد کا اور مجتہدین کے مقلدوں کا عمل کرنا کفایت کرے گا؟

(5) حکم واقعی کے چھوٹ جانے پر مجتہد اور مقلدین معذور ہیں۔

(6) حکم واقعی کی تلاش میں مجتہد کو غوطے لگانا چاہئیں۔

(7) ناکام کوششوں کا آدھا اجر یا قیمت ملے گی۔

قارئین ان سات باتوں میں سے اگر دنیا کے سارے مجتہد مل کر کسی ایک کیلئے بھی قرآن کی آیت دکھادیں تو ہم اجتہاد کو حرام اور مجتہدین کو حرام کار کھنا بند کر دیں گے اور توبہ کریں گے۔ مگر: ”وہی دن ڈوبا جو گھوڑے چڑھا کتا (مجتہد)“ (کبروا)

اللہ کا حکم یہ ہے کہ: وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ... هُمُ الظَّالِمُونَ... هُمُ الْفٰسِقُونَ (مائدہ 47، 45، 44/5)

”جو کوئی اللہ کے نازل کردہ سے حکم جاری نہیں کرتا وہ ہی لوگ ظالم و کافر و فاسق ہیں۔“

لہذا ہر حکم ہر فیصلہ مُنَزَّل مِنَ اللَّهِ الفاظ میں ہونا لازم ہے۔ اور یہ نہیں کر سکتا مگر صرف امام معصوم علیہ السلام۔

خطبہ سے سرسری تعارف

اس خطبہ 17 کے متعلق کسی نے یہ نہ بتایا کہ یہ خطبہ کب دیا گیا تھا؟ نہ یہ لکھا کہ اس خطبے کے مخاطب ہر روز کون کون ہیں؟ اس خطبے کے

شروع ہونے سے پہلے، حسب سابق ایک جملہ بطور بسم اللہ لگا چلا آیا ہے وہ جملہ کچھ اتا پتا بتاتا ہے سنیے:

”فِي صِفَةِ مَنْ يَتَّصِلُ لِحُكْمِ بَيْنَ الْأُمَّةِ وَكَيْسَ لِذَلِكَ بِأَهْلٍ“

”اُن اشخاص کے سلسلے میں حضرت علیؑ کا بیان جو اُمت میں حکمرانی کریں اور اس منصب کے لائق نہ ہوں۔“

یہ جملہ کافی ہے یہ بتانے کے لئے کہ یہ خطبہ خلفائے ثلاثہ کے منصبِ خلافت اور اُن کی نالائقی سے متعلق ہے۔ اور یہ کہ اس خطبے میں مذکور مذمت

ابو بکر و عمر و عثمان کی مذمت اور حالت ہے۔ بہر حال چونکہ یہ جملہ حضرت علیؑ علیہ السلام کا اپنا جملہ نہیں ہے اس لئے خطبے کے متن سے یہ پتا لگانا ہوگا کہ

خطبہ میں کون دو اشخاص مذکور و مطلوب ہیں؟ اور خطبہ کس زمانہ میں دیا گیا تھا؟

1- خطبہ میں ایک کلیدی لفظ ہے؛ آئے اُس کی مدد سے تحقیق شروع کریں

اس خطبے سے بعض مترجمین اور شارحین کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام دو خاص اشخاص کا تذکرہ نہیں کرتے بلکہ دو ذہینتوں کی

مذمت بیان فرما رہے ہیں۔ حالانکہ حضورؐ نے ایسا کوئی لفظ یا اشارہ تک استعمال نہیں کیا جس سے مطلب کو یوں اُلٹا جاسکے۔ وہ جگہ جگہ ماضی کے صیغے

بولتے ہیں۔ گزرے ہوئے زمانے میں اُن کے فتنہ و فساد پھیلانے اور خونِ ناحق بہانے کی بات کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ ”جو

ایسا کرے“ یا ”جو ایسا چاہے“ وہ کھلے الفاظ میں فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ أَبْغَضَ الْخَلَائِقِ إِلَى اللَّهِ رَجُلَانِ (خطبہ 17 جملہ 1) ”ساری مخلوقات سے زیادہ بغیظ و غضب خداوندی کے مستحق یقیناً دو مرد ہیں۔“

قارئین غور فرمائیں کہ ساری مخلوقات میں ابلیس بھی داخل ہے۔ لہذا اُن دوسروں کے کردار کو ایسا ہونا چاہئے کہ جو شیطان کے کردار سے سنگین تر ہو۔ یعنی ہمیں قرآن، حدیث اور تاریخ سے ایسے دوسرے تلاش کرنا پڑیں گے جن کا مقابلہ ابلیس کے ساتھ کیا جائے اور وہ جرائم میں ابلیس سے بڑھ جائیں۔ ابلیس نمازی تھا انہیں ابلیس سے بُرا نمازی ہونا چاہئے۔ ابلیس کا سب سے بڑا اور عزیزیل سے ابلیس بنا دینے والا جرم، آدم کو سجدہ نہ کرنا تھا۔ لہذا ان دونوں کو نہ صرف منکر سجدہ ہونا چاہئے بلکہ رسول اللہ کی کھل کر توہین کا مجرم بھی ہونا چاہئے تاکہ ابلیس سے بڑھ جائیں۔ ابلیس کا مشن نبوت کے مقابلہ میں محاذ بنانا، دھوکا پٹی دے کر لوگوں کو بہکانا، انہیں گمراہ کرنا اور صراطِ مستقیم سے ہٹانا تھا۔ اُن دونوں کو ابلیس سے بڑا مکار، فریب ساز، اور انہما کرنے والا ہونا چاہئے۔ انسانوں کو صراطِ مستقیم سے مستقلاً دُور رکھنے کا ذمہ دار ہونا چاہئے۔ اور چونکہ وہ دونوں اشخاص حضرت علی علیہ السلام کے زمانے کے ہیں لہذا اُن کا مشن اسلام اور رسول کے خلاف ہونا چاہئے۔ ابلیس نے مقبول بارگاہِ خداوندی کے مقام تک پہنچ کر اللہ اور انبیاء کے خلاف مشن شروع کیا تھا لہذا ضروری ہے کہ مذکورہ دونوں اشخاص بھی مقامِ قرہتِ محمدیہ تک پہنچ کر مخالفت پر پختہ ہوئے ہوں۔ یعنی وہ ایمان لائے ہوں مومن اور مسلمان کہلائے ہوں۔ صحابہ رسول میں اونچے مرتبے تک پہنچے ہوں۔ غیر ہوتے ہوئے رسول سے قربت کی ممکن راہیں نکالی ہوں اور مقامِ اعتماد سے دشمنی اور مخالفت کی راہ اختیار کی ہو۔ یعنی یہ دونوں اشخاص ایسے دشمن نہ تھے جو خالص منکر اسلام تھے۔ یعنی وہ ابولہب و ابوہصل و ابوسفیان کی قسم کے لوگ نہ تھے۔ وہ ایسے گمراہ اور گمراہ کرنے والے بھی نہ ہونا چاہئیں جن کی گمراہی اُنکے مرنے کے ساتھ مر گئی ہو بلکہ انہیں گمراہی کا علمبردار اور مبلغ ہونا چاہئے۔ اُن کا ایک گمراہ کرنے والا مذہب و مشن ہونا چاہئے جسے اسلام کے مقابلے میں لوگ قیامت تک اختیار کرتے اور گمراہ ہوتے چلے جائیں (خطبہ 17 جملہ 9-1) تاکہ وہ اپنے گناہوں اور گمراہیوں کے بوجھ کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کے لوگوں کے گناہوں اور گمراہیوں کا بوجھ بھی اٹھائیں (خطبہ 17 جملہ 8-9) جن کے پیروکار اُن کے مرنے کے بعد بھی قیامت تک موجود ہیں (خطبہ 17 جملہ 7) جن کو اپنے مشن کی تنفيذ میں اللہ نے چھوٹ دے رکھی ہو (خطبہ 17 جملہ 2) جنہیں گمراہی پھیلانے میں کوئی دقت پیش نہ آئی (خطبہ 17 جملہ 1-7) ہو۔ جنہیں کھل کر شریعت سازی کا موقع ملا ہو (خطبہ 17 جملہ 18-19) جنہوں نے مسندِ قضا سے دھڑا دھڑا خلافِ قرآن مسائل و احکام نافذ کئے ہوں (خطبہ 17 جملہ 20) جنہوں نے ایسے فتنوں کو جنم دیا جو روز بروز بڑھیں اور بچے دیتے جائیں (خطبہ 17 جملہ 5) جنہوں نے باقاعدہ قرآن و اسلام کے خلاف مذہب و قانون کی ذخیرہ اندوزی کی ہو (خطبہ 17 جملہ 15-17) جنہیں عالم و مفتی و قاضی مانا گیا ہو (خطبہ 17 جملہ 14) جو اپنی رائے اور قیاس سے مسائل کا فیصلہ کرتا اور غلط اجتہاد سے ڈرتا بھی رہا ہو (خطبہ 17 جملہ 22-24) جو روایات کو ادھر ادھر کر کے رد کرتا رہا ہو (خطبہ 17 جملہ 28) جسے حل مشکلات اور مسائل و مہمات کا مقام لوگوں نے تقویض کیا اور خود ذاتی طور پر اس کا اہل نہ ہو (خطبہ 17 جملہ 29-30) جس کے فیصلوں سے غلط وراثتیں تقسیم ہوئی ہوں (خطبہ 17 جملہ 35) جس کے ذمہ ہزاروں خون ناحق ہوں (خطبہ 17 جملہ 34) جو زندگی بھر اپنی اسلامی جہالت کو چھپاتا اور خود کو جاہل سمجھتا رہا ہو (خطبہ 17 جملہ 32-33) جنہوں نے اپنی رعایا کو یا قوم کو ایسی عادت ڈال دی ہو کہ قرآن کی صحیح ترجمانی انہیں بُری لگتی ہو اور غلط ترجمانی اُن کے لئے مفید ہوگئی ہو (خطبہ 17 جملہ 36 تا 40) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

2- خطبہ میں عائد کردہ تمام جرائم سامنے آجانے کے بعد بھی اُن کا ابلیس سے بڑھا ہوا ہونا قابلِ اطمینان حد تک ثابت کرنا

ضروری ہے

ابلیس تمام اہل مذہب کے نزدیک اتنی مذموم ہستی ہے کہ یہ لفظ گالی بن کر رہ گیا ہے۔ یقین نہ آئے تو کسی کو ابلیس کہہ کر تجربہ کر لیں۔ یہ

بھی صحیح ہے کہ اس کو گمراہی پھیلانے کا بہت طویل زمانہ ملا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے زیادہ گمراہ کرنے والا اور گمراہی پھیلانے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ کہ اُس کے مقابلہ میں کسی ایک یا دو اشخاص کو انقض الخلاق (ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ اللہ کے مغضوب) کہنا کچھ چٹا نہیں ہے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کا جملہ سُننے اور پڑھنے کے بعد بھی اہلیس ہی سب سے بڑا مجرم و گنہگار معلوم ہوتا ہے۔ ہم اس شبہ یا مغالطہ کا ابھی بڑا صحیح اور دردناک دفعیہ پیش کریں گے۔ لیکن یہاں ذرا سے غور کی ضرورت ہے۔ دیکھئے قرآن میں اہلیس کو لعنتی قرار دیا گیا۔ اُسے کافروں میں سے ایک کافر فرمایا گیا اور اس کی سزا جہنم بتائی گئی ہے۔ اور بس اس سے زیادہ سزا اُس کے لئے مذکور نہیں ہے۔ اور یہی سب کچھ انسانی اور جناتی مجرموں کے لئے فرمایا گیا ہے۔ اس صورت حال کو جاننے کے بعد کس دلیل سے اہلیس کو انسانوں سے بڑا مجرم کہا جاسکتا ہے؟ جب سزا دونوں کی برابر ہے؟

3۔ اہلیس اور انسانوں کے جرائم کی پوزیشن اہلیس کے جرائم انسانوں سے سنگین تر نہیں ہیں۔

اہلیس کے قصور، اُس کے گناہ اور اُس کے جرائم تمام اہل مذاہب کو معلوم ہیں۔ اور اُس کے تمام قصور سارے گناہ اور جرائم جیسے بھی ہوں اور جتنے بھی ہوں، انسانوں سے سنگین تر نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اس نے اپنے کسی قصور کسی گناہ اور جرم میں کسی پر اور کسی طرح کا اور کسی مقدار میں بھی جبر نہیں کیا۔ قوت استعمال کر کے کسی کو بے دست و پا اور مجبور نہیں کیا۔ کسی کو بھوکا پیاسا نہیں رکھا، کسی کا گھر نہ جلا یا نہ مسمار کیا۔ کسی کا گلا نہیں کاٹا۔ نہ کسی کو ستا یا نہ ستا کر خوش ہوا۔ کسی کا حق نہیں مارا۔ کسی کو اُس کے والد کی میراث سے محروم نہیں کیا۔ ماں باپ کے سامنے اُن کے بچوں کو قتل نہیں کیا۔ بہنوں کو دکھا کر بھائیوں کو اور بچوں کو دکھا کر اُن کے باپوں کا قتل عام نہیں کیا۔ لیکن انسانوں نے یہ تمام جرائم کئے۔ ان جرائم کو جائز قرار دینے کے لئے زیر بحث دونوں مردوں نے اسلام کے نام پر قوانین بنائے جن پر چودہ سو سال سے عمل ہوتا چلا آیا ہے۔ ایسے قوانین کو سب سے پہلے رسول کی بیٹی اور داماد پر جبر و قوت سے نافذ کیا گیا۔ دونوں کو دونوں کے باپوں کی اور خاندانی وراثت سے محروم کیا گیا۔ اُن کے گھر میں یعنی بیت النبوۃ میں آگ لگائی۔ اُن کے خلاف بغاوت کی، اور ہر ضروری تہمت لگائی گئی۔ اُن کے اور رسول کے فضائل کی تمام حدیثوں کا بیان کرنا جرم قرار دیا گیا اور بیان حدیث پر لوگوں کو کوڑے لگائے گئے اور قید کیا گیا۔ رفتہ رفتہ خانوادہ رسول پر ہر منبر و مسجد سے لعنت کا حکم دیا گیا ایک سو سال تک اس ملعون اور ملائین کے حکم کی تعمیل کی گئی یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ نے اس کو بند کیا۔ اور 61 ہجری میں رسول کے بچہ کو میدان کر بلا میں تہ تیغ کر دیا گیا۔ بقیۃ السیف عورتوں کو قید کیا گیا۔ سوچئے کہ اہلیس کے جرائم اُن دونوں کے جرائم سے کتنے ہلکے ہیں؟

4۔ قرآن نے اُن دونوں کی مطلوبہ ظالم و جابر و سفاک و تباہ کن حکومت کی پیشگوئی اور اُن کے مظالم کی تصویر اپنے صفحات میں

رکھی ہے

قرآن میں اللہ نے وہ اسکیم محفوظ رکھی ہے جو اُن تصورات کو واضح کرتی ہے جو اُن کے قلب و ذہن میں اسلامی تعلیمات سے راسخ ہو گئے تھے چنانچہ وہ حیات دنیا میں نہایت پسندیدہ اسکیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتاتے تھے۔ قرآن کی آیات اور مودودی کے ترجمہ سے حکومت کا قیاسی تصور اور اُن کی حکومت کا مقصد سنئے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ اللَّهُ الْخَصَمُ ۚ وَإِذَا تَوَلَّى سَعَىٰ
فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَاسِدَ ۗ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ

فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝
(بقرہ 207-204)

مودودی ترجمہ: ”انسانوں میں سے کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے۔ جب اُسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اُس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ 1۔ فساد پھیلائے 2۔ کھیتوں کو غارت کرے 3۔ اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔ حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر، تو اپنے وقار کا خیال اُس کو گناہ پر جہاد دیتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے تو بس جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ دوسری طرف انسانوں ہی میں کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 158-159)

5۔ اس ترجمہ پر مودودی کی دو وضاحتی تشریحات بھی ہیں۔ آیات میں مذکور پہلا ہیر واپلیس سے بڑا دشمن ہے

مودودی کی تشریحات کے بعد ہم صحیح صورت حال پیش کریں گے۔ سنئے:

”223۔ یعنی کہتا ہے: خدا شاہد ہے کہ میں محض طالبِ خیر ہوں، اپنی ذاتی غرض کے لئے نہیں بلکہ صرف حق و صداقت کے لئے یا لوگوں کی بھلائی کے لئے کام کر رہا ہوں۔“ (ایضاً صفحہ 159، حاشیہ 223)

دوسری تشریح ”224۔ اَلَّذِي لِيْ خِصَامٌ“ کے معنی ہیں ”وہ دشمن جو تمام دشمنوں سے زیادہ ٹیڑھا ہو۔“ یعنی جو حق کی مخالفت میں ہر ممکن حربے سے کام لے۔ کسی جھوٹ، کسی بے ایمانی، کسی عذر اور بدعہدی اور کسی ٹیڑھی سے ٹیڑھی چال کو بھی استعمال کرنے میں تامل نہ کرے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 159، حاشیہ 224)

6۔ مودودی کے ترجمہ پر توجہ۔

کیا علما میں مودودی سے ٹیڑھا اور بدترین دشمن علیٰ ہو سکتا ہے؟ کیا اُن سے بڑا املاشہ کا دوست ممکن ہے؟

مودودی کے ترجمہ میں پہلی بات تو یہ دیکھیں کہ یہاں دو آدمیوں کا ذکر ہوا ہے اور علامہ نے دونوں کو یہ کہہ کر فرضی لوگ بنا دیا ہے کہ:

1 ”انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے۔“

2 ”انسانوں ہی میں کوئی ایسا بھی ہے۔“

لیکن آیت میں اللہ نے، پہلے شخص کو، رسول سے بار بار باتیں کرنے والا فرمایا ہے۔ اور ایسا شخص بتایا ہے جس کی باتیں رسول کو ”بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔“ بھلی بھی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی باتوں پر اللہ کو گواہ بنا کر اپنی بے غرضی، خلوص اور مفاد عامہ کا یقین بھی دلاتا ہے۔

قارئین سوچیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس شخص کی کوئی بات بُری معلوم نہیں ہوتی اور نہ وہ کوئی بُری بات کہتا ہے۔ نہ رسول کو کوئی دھوکا دے رہا ہے۔ پھر اللہ نے اُسے اَلَّذِي لِيْ خِصَامٌ ”سارے دشمنوں سے ٹیڑھا یا خطرناک دشمن“ کیوں کہا؟ جب کہ اس آیت (2/204) میں کوئی بُری، ناپسندیدہ اور دشمنی کی بات ہے ہی نہیں؟ دراصل اگلی آیت میں (2/205) اللہ سے اَلَّذِي لِيْ خِصَامٌ کہنے کی وجہ اور تفصیل بتاتا ہے یعنی:

وہ شخص رسول کے سامنے وہ طرز حکومت پیش کر رہا تھا جو فی الحال اُسے اور رسول کو پسند اور مفید معلوم ہو رہی تھی۔ جس میں اسلام کا ساری دنیا پر

حاکمانہ تسلط ہوگا۔ تمام اقوام عالم اسلامی نظام کے ماتحت زندگی گزاریں گی۔ ساری دنیا کا ایک مذہب اور ایک قانون ہوگا۔ اور دنیا عدل و انصاف سے لبریز ہو جائے گی۔ وہ شخص قرآن سے ایسی ہی ایک عالم گیر حکومت سمجھا تھا اور اسی عنوان پر بار بار بات کیا کرتا تھا۔

7۔ اللہ کا منشاء اور اعلان یہ ہے کہ ایک عالم گیر حکومت قائم کی جائے

اللہ کو گواہ اس لئے بناتا تھا کہ اللہ ہی نے تو قرآن میں فرمایا ہے (ترجمہ پڑھے آیات خود دیکھیں) کہ: ”یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی (نور) کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنی روشنی (نور) کو مکمل کئے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اُسے (محمدؐ کو) پوری جنس دین پر غالب کر دے۔ خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔“ (توبہ 32-33) (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 190-191)

8۔ مودودی اور تمام علما ان آیات سے ایک ہمہ گیر حکومت سمجھے ہیں؟

اس ترجمہ کی آیات آپ قرآن میں خود پڑھ لیں یہاں مودودی کی تشریح پڑھیں تاکہ عنوان (7) کی تصدیق ہو۔

”متن میں ”الذین“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کا ترجمہ ہم نے ”جنس دین“ کیا ہے۔ دین کا لفظ، جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں عربی زبان میں اُس نظام زندگی یا طریقہ زندگی کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے قائم کرنے والے کو سنا اور مطاع تسلیم کر کے اس کا اتباع کیا جائے۔ پس بعثت رسول کی غرض اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ جس ہدایت یا دین حق کو وہ خدا کی طرف سے لایا ہے اُسے دین کی نوعیت رکھنے والے تمام طریقوں اور نظاموں پر غالب کر دے۔ دوسرے الفاظ میں رسول کی بعثت کبھی اس غرض کے لئے نہیں ہوئی کہ جو نظام زندگی لے کر وہ آیا ہے وہ کسی دوسرے نظام زندگی کا تابع اور اُس سے مغلوب بن کر اور اُس کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں میں سمٹ کر رہے۔ بلکہ وہ بادشاہ ارض و سما کا نمائندہ بن کر آتا ہے اور اپنے بادشاہ کے نظام حق کو غالب دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا نظام زندگی دنیا میں رہے بھی تو اُسے خدائی نظام کی بخشی ہوئی گنجائشوں میں سمٹ کر رہنا چاہئے۔ جیسا کہ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں ذمیوں کا نظام زندگی رہتا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 190، حاشیہ 32)

یہ ہے وہ تصور حکومت جو آج تک شیعہ سنی علما نے ان آیات (33-9/32) سے سمجھا ہے۔ لہذا اگر وہ شخص بھی اسی تصور کو رسول اللہ کے سامنے بیان کرتا تھا اور اللہ کو شاہد قرار دیتا تھا (2/204) تو کیا غلطی تھی؟

بہر حال ہم اس بحث میں نہ جائیں گے اور ماننے لیتے ہیں کہ وہ اپنے بیان میں نیک نیت بھی تھا اور سمجھا بھی ٹھیک تھا۔ لیکن جب اُس نے خود اقتدار حاصل کر لیا تو اللہ بتاتا ہے کہ ساری دنیا میں فساد پھیلا دیا تمام اقوام عالم کو تہہ و بالا کر دیا زراعت اور کھیتیاں فوج کشی اور لشکروں کی یلغار سے فنا ہو گئیں قتل عام اور لوٹ مار سے انسانی نسلوں کو تباہ کر دیا اور اپنے وقار کی خاطر اُس تباہ کن اسکیم پر کاربند رہا۔ (2/205)

لہذا اُس کا بیان جس صورت حال کو رسول سے منوانے کیلئے تھا وہ اللہ، رسول اور اسلامی تعلیمات سے ایسی دشمنی تھی جو ہر بے ایمانی اور غداری کو جائز قرار دیتی ہے اور اس لئے اَللّٰهُ اَلْخَصَمُ فرمایا گیا۔ یعنی ایک برابر کا مد مقابل کبھی نہ ماننے والا شخص۔ لہذا رسول اللہ نے اُس کی اُس طرز حکومت کو اختیار کرنے سے بچم خدا انکار کر دیا اس کا نام مد مقابل و حریف لوگوں میں لکھ دیا۔ اور وہ بھی حیات رسول میں اپنی قوم کو قومی حکومت کے تصور سے متفق کرنے میں لگا رہا۔ اور شخصی حکومت سے لوگوں کو متنفر کرتا رہا۔ اور آخر کار اُس نے قریش سے یہ فیصلہ کرا لیا کہ حکومت خانوادہ رسول یعنی علیؑ کو نہ

دی جائے گی۔ تاکہ پوری قوم کی بصیرت سے حکومت چلائی جائے اور قرآن کو بہترین مفاد میں استعمال کیا جائے۔ (الفاروق، طبری)

9۔ قومی یا جمہوری حکومت کے لئے قانون و قواعد کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اقوام عالم کی پیروی اور قرآن سے ہجرت۔

چونکہ اُس شخص کا قرآن نے باقاعدہ تذکرہ کر دیا ہے لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ کا اقتدار و حکومت اس شخص نے حاصل کر لیا تھا۔ اور یہ بات ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ دو شخص جنہوں نے حکومت رسول حاصل کی اور حضور کی جگہ امت کی راہنمائی اختیار کی وہ ابو بکر و عمر تھے۔ اور ان دونوں نے جس شخص کے خلاف اپنی حکومت کو تیار کیا تھا اور اقتدار سے محروم کرنا طے کیا تھا وہ حضرت علی علیہ السلام تھے۔ جن کا ذکر ان ہی آیات کے آخر میں ہوا ہے (2/207) اور جسے علامہ نے بلا کسی ریمارکس (تشریح) کے چھوڑا ہے اور ایک عام آدمی بنایا ہے جس کے لئے اللہ نے فرمایا ہے

کہ: **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ (2/207)**

یعنی جن مسلمانوں میں وہ اللہ الحِصَام ہے جو اللہ و رسول کا مد مقابل اور خصم بنا ہوا ہے اور ایک ظالم و جاہر و قاہر و تباہ کن حکومت بنا نا چاہتا ہے اُن ہی مسلمانوں میں وہ شخص ہے جس نے اللہ کی مرضیاں، رضا مندیاں اور پسندیدگیاں خریدنے کے لئے اپنی ہستی کو فروخت کر دیا۔ یعنی اب اللہ کی مرضیاں اس شخص کی مرضیاں ہیں جس نے مسلمانوں کو موقع دیا کہ وہ اپنی طرز حکومت کو آزما دیکھیں۔ لہذا اُن دونوں نے خود اُن ہی پر جانگداز مظالم کئے اور انہوں نے جواب میں صبر کیا اور صبر کے ہتھیاروں سے اُن کو شکست دے کر مجبور کر دیا کہ خود آ کر حکومت اُن کے حوالے کریں۔ اور خود اُن کی حکومت کے دوران یہ تقریر کی جو اُن کے پورے نظام حکومت کو باطل کر رہی ہے۔ (خطبہ نمبر 17)

10۔ حکومت رسول پر قبضہ کرنے اور ساری دنیا کو جبراً و قہراً زیر تسلط لانے کے مجرم بھی وہی دونوں تھے قرآن کریم اُن کا بیان

سناتا ہے

قارئین اب قرآن کریم کے الفاظ میں وہ نظارہ دیکھیں جب اعلان حکومت الہیہ ہو جائے گا اور قریشی حکومت اور حکمرانوں کو پکڑا جائے گا اور اُن کے سامنے اُن کی کارکردگی کا ریکارڈ رکھا جائے گا تو اس باطل حکومت کا کرتادھرتا کتنا نام و پیشیمان ہوگا۔

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتِ كِتَابِيهِ ۖ وَلَمْ أَذِرْ مَا حَسَابِيهِ ۖ يَلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۖ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ ۖ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيهِ ۖ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۖ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۖ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۖ (حاقہ 32-69/25)

ہمارا ترجمہ: ”اور جس کسی کو اس کی کتاب بائیں ہاتھ میں دی جائے گی۔ وہ کہے گا ”اے کاش میری کتاب مجھے نہ دی گئی ہوتی تو اچھا ہوتا۔ اور درایت و دلیل سے مجھے یہ بھی نہ جاننا پڑتا کہ میرا حساب کیا کیا ہے؟ اے کاش میری پہلی ہی موت فیصلہ کن ہوتی۔ مجھے میرے مال و دولت نے آخر کار غنی نہ رہنے دیا۔ مجھ سے میری حکومت و حاکمیت و سلطنت بھی چھن گئی۔ یہی نہیں بلکہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اُسے پکڑ کر گرفتار کرو و طوق وغیرہ پہناؤ پھر اُسے شدید ترین گرم قید میں رکھو پھر اُسے ایسی ایک زنجیر پہناؤ جس کی لمبائی ستر ہاتھ کی ہے۔“

یہاں نیوٹ کر لیں کہ اس سلطان یا خلیفہ کو ابھی مواخذہ کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اُس کو اس کا اعمانہ دے دیا گیا ہے تاکہ وہ باقاعدہ پڑھ لے اور باز پرس کے لئے تیار ہو جائے اور حساب لینے والوں کو جواب دے سکے۔ سنئے:

مجرم بیان دیتا ہے۔ بیان دینے کے وقت کا نظارہ اور بیان

الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۝ وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ يُؤَيَّلَنِي لَيْتَنِي لَمْ اتَّخِذْ فَلَانًا خَلِيلًا ۝ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ۝ وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفَى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ۝ (فرقان 25/26-31)

”آج حقیقی حکمرانی صرف رحمن کی ہے اور آج کا دن حق پوشوں کے لئے بڑی تنگ دامن کا ہوگا۔ اس دن ایک مجسمہ ظلم و ستم شخص عدالت کے روبرو لایا گیا۔ 2 وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو چپا چپا کر اپنی ندامت کا مظاہرہ کر رہا ہوگا۔ 3 وہ اپنے کرب و کوفت اور اظہارِ پشیمانی کے لئے کہتا ہے کہ اے کاش میں رسول اللہ کے طریقہ حکومت کو قبول کر لیتا اور 4 ہائے افسوس اے کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا یار نہ بنایا ہوتا جس نے مجھے رسول کے خلاف حکومت قائم کرنے پر ایسی حالت میں بھی آمادہ کر لیا جب کہ آنحضرت نے میرے پاس آ کر مجھ سے مذاکرات کر لئے تھے۔ 5 وہ مجسم شیطان تو اپنے دوست کو بھی بے یار و مددگار چھوڑ گیا۔ 6 اُس کے بیان کے بعد رسول اللہ نے کہا کہ اے میرے پالنے والے یقیناً اسی کی وجہ سے اور اسی کی تائید کے لئے میری قوم نے اس قرآن کو مجبور چھوڑ کر راہنمائی کا دوسرا ٹھکانہ اختیار کر لیا تھا۔ 7 اس پر اللہ نے کہا کہ جس طرح تیری قوم نے تیرے ساتھ دشمنی کی ہے اسی طرح ہم نے جرائم پیشہ لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو تمام نبیوں کے دشمن بنائے رکھا ہے اور اس سلسلے میں تیرا پروردگار تیری راہنمائی اور نصرت کے لئے کافی ہے۔“

یہ آیات بڑے واضح انداز میں دو ایسے اشخاص کا تعین کرتی ہیں جو دونوں آپس میں یار تھے۔ رسول کی نام نہاد قوم کے افراد تھے اور جن میں سے ایک وہ تھا جس کے کہنے اور اثر و رسوخ نے دوسرے کو رسول کا طریقہ چھوڑنے پر آمادہ کیا۔ اور اس کا اپنے دونوں ہاتھوں کو چپا بنا تا تا ہے کہ قصور یا خلاف ورزی پر دونوں ہاتھوں سے معاہدہ کیا تھا (الفاروق) اور اپنی حکومت پر بیعت لی تھی۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ قریشی ریکارڈ اور قریشی زبانیں اُن دونوں یاروں کا نام ابوبکر و عمر بتاتے ہیں۔ لہذا پہلا خلیفہ مندرجہ بالا بیان دینے والا شخص ہے اور بہکانے والا وہی شخص ہے جو رسول کو بھی ایسی ہی حکومت بنانے کی ترغیب دیا کرتا تھا (بقرہ 2/204-205) اور یوں حضرت علی علیہ السلام کے خطبہ نمبر 17 میں مذکور دونوں مرد متعین و مشخص ہو گئے۔ اور تاریخ و حدیث سے بھی یہ دونوں اشخاص متعین و مشخص ہیں۔

11۔ نبوت و رسالت علی کے موروثی، مسلمہ آباء حق حکومت میں روک بن گئی تھی جسے ہٹانا خود اللہ و رسول کی ذمہ داری ٹھہرتی ہے

خطبہ (17) میں مذکور دوسرا شخص بڑی دُور رس پالیسیاں بنایا کرتا تھا۔ وہ اس قابل تھا کہ اگر رسول کے ساتھ تعاون کرتا اور قومی مفاد کو مد نظر نہ رکھتا تو اللہ سے بھی بلند درجات عطا کرتا لیکن اس نے قومی مصلحتوں کو بنیاد بنا کر قرآنی بیانات و آیات کے ایسے دل لگتے مفاہیم تیار کئے جنہیں سنتے ہی لوگ اُس کے ہم خیال ہو جاتے تھے اور لوگوں کو یہ یقین ہو جاتا تھا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے مفاہیم کو اپنے خاندان اور علی کے اقتدار کی طرف موڑتے اور جھکاتے جاتے ہیں۔ یعنی تعصب اور جبرگہ پرستی نے حق کو باطل اور باطل کو حق کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور لوگ یہ فراموش کر دیتے تھے کہ قرآن ہوتا یا نہ ہوتا، رسالت ہوتی یا نہ ہوتی، علی علیہ السلام تو بہر حال جناب ابوطالب علیہ السلام کے بیٹے اور جانشین تھے اور یہ وہ حق تھا جو انہیں سربراہ عرب و مکہ و قریش بنانا تھا۔ اس حق کے لئے نہ حضرت علی علیہ السلام کو قرآن سے ثبوت کی احتیاج تھی نہ

ابوطالب کا جائنشین بننے کے لئے رسول اور احادیث رسول کو دلیل میں پیش کرنے کی ضرورت تھی۔ یہ تو وہ حق تھا جو صدیوں سے عملاً عرب و عجم کو منظور و مقبول تھا۔ یعنی قریش نے نبوت کو بہانہ بنا لیا اور اس مستقل اور مسلم حق کو اپنا نشانہ بنا لیا اس لئے اللہ و رسول کے لئے بھی ضروری ہوا کہ مقام مرتضوی کو بیان کریں اُن کے سابقہ قدیم حق کے ساتھ ساتھ نبوت و رسالت کی تنفیذ سے پیدا شدہ جدید اور موعود حق کو یاد دلاتے رہیں چنانچہ اللہ نے سینکڑوں آیات میں مقام مرتضوی کی وضاحت کی اور دو مرتبہ واضح الفاظ میں رسول اللہ کو حکم دیا کہ:

وَإِنَّ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۚ إِنَّ الْمُسْبِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝ (بنی اسرائیل 17/26-27)

”اے نبی آپ سابقہ سربراہوں کے خانوادے والے شخص کو اُس کا ذاتی حق دے دیں اور تمام مساکین اور راہوں کے محافظین کو شامل رکھیں اور صرف باتوں ہی سے پیٹ نہ بھر دیا کریں۔ یاد رکھو کہ صرف خوش آئند باتوں سے پیٹ بھرنے والے لوگ شیاطین کے بھائی بند ہوتے ہیں اور یقیناً شیطان کا مشن تو حقائق و حقوق کو چھپاتے رہنے ہی کا ہے۔“

12۔ حضرت علیؑ کو اُن کا خاندانی اور اسلامی حق دینے کا دوبارہ حکم

مندرجہ بالا آیات ہوں یا خاندان رسول اور حضرت علیؑ علیہ السلام کے سلسلے کی دوسری آیات ہوں وہ آج اس لئے فوراً سمجھ میں نہیں آتیں کہ اُن کا رخ موڑنے اور مفاہم بد لئے کی کوشش چودہ سو سال سے جاری ہے۔ معنی بدلنے کیلئے نئی نئی راہیں اور نئے نئے انداز سے مخصوص لغات (ڈکشنریاں) تیار کی گئیں۔ درسگاہوں میں عربی زبان کو سر کے بل کھڑا کرنے کے لئے باقاعدہ تعلیم دی گئی اور معانی و مفاہم کو بتدریج ڈھیلا کر کے بدلا گیا اور غلط معانی کو ادبی و سعیت کے نام پر استعمال کرنے کے طریقے جاری کئے گئے، معانی اور بیان جیسے ابلیسی عنوانات کا عادی بنایا گیا، فصاحت و بلاغت کے ہتھکنڈے استعمال کئے گئے، روایات و شان نزول کے قصے، افسانے اور واقعات گھڑ کر قرآن کو اُن پر فٹ کیا گیا۔ مگر قریش حضرت علیؑ کے متعلق ہر اشارہ اور ہر آیت کو آیت کے مفہوم کی وسعت سے کچھ زیادہ سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ”ذاقربی“ اور ”ذاالقربی“ کس کے لئے استعمال ہوتا ہے؟ ذی القربی سے کون مراد و مقصود ہے؟ علمائے ذی القربی اور ذی القربی کے معنی عام رشتہ دار مشہور کر کے پھیلائے۔ اور لوگوں کو اس کا عادی بنایا گیا ہے یہاں تک کہ ڈکشنریوں میں بھی یہی معنی لکھ دیئے گئے مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ ”ذاقربی“ کے معنی ”رشتہ دار“ ہیں۔ نہ ”ذی القربی“ کے معنی رشتہ دار ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ تحقیق کرنے والا مسلمہ قواعد کے ماتحت رہے۔ یاد رکھیے کہ ”ذی القربی“ اور ”ذی القربی“ دو الفاظ کا مرکب ہے۔ ایک لفظ ہے۔ ذی یا ذی۔ اور دوسرا لفظ ہے۔ ”قربی“ اور ان دونوں الفاظ میں رشتہ داروں یا رشتہ داری کا وہم تک بھی نہیں ملتا۔ لہذا آئیے پہلے لفظ ”ذی“ اور ”ذی“ کے لئے وہ بیان پڑھئے۔

ذی القربی اور ذی القربی کے معنی: ”لغات القرآن“ میں اُس کے مولف مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی نے لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

”ذی (1) یہ؛ (2) جو؛ (3) صاحب (والا) پہلے معنی کے اعتبار سے اسم اشارہ ہے قریب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور جب اس پر ہاء تنبیہ داخل ہوتی ہے تو هَذَا بولتے ہیں۔ مگر قرآن میں بغیر ہاء تنبیہ کے صرف ذی کا استعمال اسم اشارہ کے معنی میں نہیں ہوا ہے۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے بمعنی اَلذِّي ہے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب وہ بعد ما استفہامیہ اور من استفہامیہ کے واقع ہو۔ اور اشارہ کے لئے نہ ہو۔ اور تیسرے معنی کے اعتبار سے اسم ہے بمعنی صاحب کے۔“ (جلد سوم صفحہ 20)

لہذا ذَا الْقُرْبَىٰ کے معنی ہوئے ”قُرْبَىٰ وَالَا“ اور سینے:

ذُو: 1_ والا؛ 2_ صاحب؛ اسم ہے۔ اس کے ذریعہ اَسْمَاءُ اَجْناس و انواع سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ اسمائے ستہ مکبّرہ میں سے ہے۔ یعنی اُن چھ اسموں میں سے ہے کہ جب اُن کی تصغیر نہ ہو اور وہ غیر یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں تو اُن کو پیش کی حالت (رُفْعی) میں ’و‘ زبر کی حالت (نُصْبی) میں ’الف‘، اور زیر کی حالت (جَزْی) میں ’یا‘ آتی ہے جیسے ذُو۔ ذَا۔ ذِی۔ یہ ہمیشہ مضاف ہو کر ہی استعمال ہوتا ہے۔ اور اسم ظاہر ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ ضمیر کی طرف نہیں۔ اور اس کا شنیہ بھی آیا ہے اور جمع بھی۔ علامہ سبیلی کا بیان ہے:

”ذُو کے وصف میں صاحب کے وصف کی بہ نسبت زیادہ بلاغت ہے۔ اور اس کے ذریعہ اضافت میں زیادہ شرف ہے کیونکہ ذُو تابع کی طرف مضاف ہوتا ہے اور صاحب متبوع کی طرف۔ چنانچہ ”اَبُو ہِرَہ صَاحِبِ اللّٰہِ“، بولتے ہیں ”اللّٰہِ صَاحِبِ ابی ہریرہ“، نہیں بولتے۔ لیکن ذُو کے ساتھ جب ذُو الْمَالِ اور ذُو الْعَرْشِ کہو گے تو پہلا اسم متبوع ہی ملے گا تابع نہیں۔ اور یہی فرق ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے۔ ”وَذَالْنُونِ“ اور اس کی اضافت نون کی طرف کی ہے۔ جس کے معنی مچھلی کے ہیں اور سورہ نون میں ارشاد ہے: ”وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوطِ“ حالانکہ معنی ایک ہی ہیں۔ لیکن دو مختلف حالتوں کی طرف جس خوبی کے ساتھ دونوں لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔ بڑا تفاوت ہے۔ کیونکہ تعریف کے موقع پر جب اُن کا ذکر کیا تو ذَا لایا گیا کہ اس ذریعہ اضافت میں زیادہ بزرگی ہے نیز لفظ ذُو استعمال کیا کہ وہ لفظ حوت سے اشرف ہے۔ کیونکہ اوائل سورہ میں موجود ہے۔ اور لفظ حوت میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جس کے ذریعہ اس کو یہ شرف حاصل ہو۔ اس لئے اسی کو استعمال کیا گیا۔ اور جب ایسے مقام پر اُن کا ذکر کیا جہاں اُن کی پیروی سے نبی ہے تو صاحب کا استعمال کیا گیا۔“ (ایضاً صفحہ 37-38)

لہذا تحقیق ہوگی کہ ذَا الْقُرْبَىٰ اور ذِی الْقُرْبَىٰ کے معنی ”قُرْبَىٰ وَالَا“ ہیں اور قُرْبَىٰ کے مادی و مصدری معنی ”قریب والے“ ہیں۔ اور اَقْرَبَاءِ کے معنی ”قریب ترین“ ہیں۔ اور یہ سب الفاظ ر۔ ب کے مادہ سے بنتے ہیں۔ اور اس مادہ سے بننے والے ہر لفظ کے اور ہر لفظ کی ہر صورت کے معنی میں ”قُرْبَت“ کا موجود ہونا لازم ہے۔ کسی شخص کے عزیز ورشتے دار چونکہ جسمانی یا پیدائشی طور پر اُس کی ماں سے یا اُس کے باپ سے یا ماں باپ دونوں سے یا خود اُس سے قریب ہوتے ہیں اس لئے انہیں قُرْبَاءِ (مذکر جمع) یا قُرْبَىٰ (مؤنث جمع) کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت اُن کے لغوی معنی عزیز ورشتہ دار ہوتے نہیں ہیں۔ معنی صرف ”قریب والے“ (قُرْبَا) اور بہت قریب والے (اقرباء) ہوتے ہیں۔ لہذا ”ذَا الْقُرْبَىٰ“ یا ”ذِی الْقُرْبَىٰ“ کے لغوی معنی ہیں ”قریب والوں کا مالک یا ذمہ دار“ اور مجازی معنی ہیں ”رشتہ داروں والا“ مطلب یہ ہوا کہ ”جو رشتہ داروں والا ہے“ یا ”جو قریب والوں کا ذمہ دار ہے“ اُسے اس کا حق دے دو۔“ اور واقعات و حالات کے مطابق یہاں ”سابقہ مسلمہ سربراہوں کے رشتہ داروں کے ذمہ دار کی بات ہو رہی ہے اور اُس کا حق اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ علیٰ کو سابقہ سربراہوں کی جگہ، مثلاً ابوطالب کی جگہ عرب کی سربراہی دی جائے۔“ یعنی حضرت علی علیہ السلام کی نسلی، فطری اور موروثی سربراہی کو نبوت و رسالت کے مقام سے قرآن کی سند کے ساتھ نافذ کر دیا جائے۔ اس لئے دوبارہ فرمایا گیا کہ:

أَوْ لَمْ يَسْرُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○ فَالْتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَ

الْمُسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (روم 37-38)

”کیا یہ لوگ جو قریب والوں کے ذمہ دار کو اُس کا حق دینے میں حارج ہیں یہ نہیں دیکھتے اور نہیں مانتے کہ وہ اللہ ہی تو ہے جو سامانِ حیات و ترقی کو

مقدرات سے بڑھا دیتا ہے اور مقدرات کے ماتحت رکھتا ہے اور ایسا کرنے میں اُس قوم کے لئے بڑے بڑے معجزات ہیں جو حقیقی مومن قوم ہے۔ چنانچہ اے نبی تم قرنیٰ کے ذمہ دار کو اس کا حق دے دو اور تمام مساکین اور تمام محافظان راہ کو شامل رکھو اُس حق کی ادائیگی اُن لوگوں کے حق میں خیر ہے جو جب اللہ کو حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور وہی لوگ اس ادائیگی کے بعد کامیاب رہنے والے ہیں۔ (روم 38-37/30)

13۔ زمینی حکومت اور دائمی اقتدار کی خاطر آسمانی رفعتوں اور درجات کو چھوڑ کر قرآن میں ایسی تاویلات کہیں کہ ابلیس اُس کا مرید ہو گیا

وہ شخص جو ساری دنیا پر اسلامی تسلط اور حکومت و اقتدار قائم کرنے کی دنیاوی اسکیم بنا رہا تھا اور خود رسول اللہ اُس کی تمہیدات کو پسند کرتے تھے اور اللہ نے اُس کے تصورات حکومت قبول کرنے سے آنحضرت کو منع کر کے اُسے اُن کا اور اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور مد مقابل فرمایا تھا اور اُس کی تصوراتی حکومت میں عملاً جو فساد و قتل و غارت ہونا تھا وہ رسول اللہ سے بیان کر دیا تھا (بقرہ 205-204/2) اُس نے قرآن میں نازل شدہ اُن تمام آیات کی ایسی موزوں، دل پسند اور نتیجہ خیز تاویلات کر دی تھیں جن سے حکومت الہیہ علویہ دب کر، خاندانی اور مطلق العنان اور شخصی حکومت بن کر رہ جاتی تھی اور قومی و جمہوری حکومت ہی حقیقی اسلامی حکومت معلوم ہونے لگتی تھی۔ چنانچہ ساری قوم قریش اس کی پیش کردہ تاویلات پر ایمان لے آئی تھی اور اجماعی فیصلہ کر لیا تھا کہ نبی کے بعد حکومت کا مذکورہ بالا حق خاندان رسالت میں نہ رہنے دیں گے (الفاروق۔ طبری)۔ اُدھر اُن تاویلات کو دیکھ کر ابلیس نے اُس کے سامنے سر جھکا دیا تھا اور آئندہ اُس کے منصوبے کی تائید و اتباع کا ارادہ کر لیا تھا یعنی وہ قریشی مرد ابلیس کے نظام کا سربراہ بن گیا تھا۔ آئیے قرآن سے اس صورت حال کو سمٹی ہوئی صورت میں سنئے اور دیکھئے کہ اللہ نے بھی آنحضرت کو اُس مرد کی کارکردگی پر، پردہ غیب میں چھپی ہوئی حقیقت کی تلاوت کر کے داد دینے کا حکم دیا تھا کہ:

وَ اتَّٰلَ عَلَيْهِمْ نَبَا الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَاٰنْسَلَخْنَا مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ

اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هُوَ (الاعراف 176-175/7)

”اے نبی آپ ان قریش کو اُن کے راہنما کی کارکردگی کی خبر بھی تلاوت کر کے سنا دیں اور بتادیں کہ ہم نے اُس کو اپنی قرآن کی آیات دی تھیں جن کی اُس نے موٹا گفایاں کر کے کینچی (کھال) اتار لی اور اُن تاویلات کی بنا پر ابلیس نے اُس کی اتباع اور پیروی اختیار کر لی ہے۔ اور خود ابلیس بھی انوشادہ لوگوں کی مُقلد جماعت کا ممبر بن گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو اُس شخص کو اپنی دی ہوئی آیات سے بلند مرتبہ عطا کر دیتے۔ لیکن وہ تو خود اپنی مجتہدانہ کاوشوں کا سہارا لے کر زمینی اقتدار و حکومت سے چمٹ کر رہ گیا ہے۔“

قارئین کرام خطبہ نمبر 17 میں مذکور ایک شخص کی لیڈرانہ قابلیت کی عظمت ملاحظہ ہو کہ ابلیس نے اس کی اطاعت و اتباع اور پیروی اختیار کر لی یعنی اپنے تمام منصوبوں اور گمراہ کن اسکیموں کو اُس کے سپرد کر کے آئندہ اُسے نظام ابلیسی کا سربراہ مان لیا۔ کیا قرآن کے اس واضح بیان کے بعد بھی اُن دونوں قریشی لیڈروں کے تمام مخلوق سے یعنی شیطان سے بھی بڑا مجرم اور بڑے سے بڑے عذاب خداوندی کا حقدار ماننے میں شک ہو سکتا ہے؟ لہذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ جملہ قرآن سے بار بار برحق ثابت ہو گیا کہ:

اِنَّ اَبْغَضَ الْاَخْلَاقِ اِلَى اللّٰهِ رَجُلَانِ؛ (خطبہ 17 جملہ 1) ”یقیناً اللہ کی ساری مخلوق میں دو مرد سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔“

14- خطبہ نمبر 17 میں مذکور پہلے شخص کے ابو بکر اور دوسرے کے عمر ہونے کی تائید قریشی تاریخیں اور دیگر کتب کرتی ہیں

ہم نے خطبہ 3 کی تشریحات میں بھی بڑی تفصیل سے ابو بکر و عمر کو متعین و مشخص کر دیا ہے۔ وہ شخص جس نے قریشی علماء کے بقول اسلامی شریعت کو تیار کیا، جس کو وحی اُترنے سے پہلے منشاء خداوندی اور آنے والا مسئلہ معلوم ہو جاتا تھا (ملاحظہ کریں خطبہ نمبر 3) یعنی جس کی رائے اور فیصلے کی تائید میں وحی اترتی تھی، اور جو علوم اسرارِ دین کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے وہ عمر ہے۔ اور عمر کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جس کی دنیاوی اسکیم رسول اللہ کو حیران کن حد تک پسند آئے؟ (2/204) اور وہ عمر ہی تو ہے جس کو اللہ نے آیات عطا کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور جس کی تاویلات و تعبیرات کو دیکھ کر ابلیس اتباع کرنے لگے۔ بہر حال خطبہ نمبر 17 میں مذکور دوسرا شخص عمر ہے۔ رہ گیا پہلا شخص، وہ وہی ہے جو عمر کو اپنا دوست، شیطان اور رسول کے طرزِ عمل سے ہٹا کر اپنے طریقے پر لگانے والا کہتا ہے یعنی پہلا شخص بھی ابلیس کی طرح عمر کا پیرو تھا۔ موافقہ القلوب کے سلسلے میں یہ بات تمام تواریخ میں موجود ہے کہ ابو بکر سے بطور اعتراض دریافت کیا گیا کہ:

”کیا خلیفہ آپ ہیں یا عمر خلیفہ ہے؟ تو ابو بکر نے کہا کہ: ”درحقیقت خلیفہ تو عمر ہی ہے میں تو بچھ لگو ہوں۔“

یہ اس لئے کہ عمر ابو بکر کے تحریری فیصلوں کو بھی پھاڑ کر پھینک دیا کرتا تھا۔ اور ابو بکر چپ چاپ منہ دیکھتا رہتا تھا۔ جس شخص نے یہ سوال کیا تھا کہ خلیفہ تم ہو یا عمر خلیفہ ہے وہ سینوں کا بزرگ صحابی طلحہ بن عبید اللہ تھا۔ (تاریخ خمیس جلد 2 صفحہ 247)

دوسرا واقعہ: ابو بکر نے خالد بن سعید کو ایک فوج پر سردار مقرر کر دیا اور جنگ پر جانے کی ہدایات بھی دے دیں لیکن عمر نے ڈانٹا اور سعید کی جگہ فوراً یزید بن ابوسفیان کو متعین کر دیا۔ (تاریخ طبری)

تیسرا واقعہ: مسلول نام کی زمین بطور جاگیر زبیر کے نام لکھواری ہے تھے اور معاویہ یہ فرمان لکھ رہے تھے۔ عمر کے اچانک آجانے پر ابو بکر نے وہ کاغذ چھپا لیا اور عمر کے جانے کے بعد تحریر مکمل کرائی تھی۔ (کنز العمال جلد 2 صفحہ 189)

چوتھا واقعہ: حضرت فاطمہ علیہا السلام کی گفتگو کے بعد ابو بکر نے فدک اُن کے نام لکھ دیا۔ عمر اچانک آگئے اور وہ کاغذ لے کر پھاڑ دیا۔ (سیرة حلبیہ جلد 3 صفحہ 391)

ابو بکر کا فیصلہ: ابو بکر فرمایا کرتے تھے کہ لَا أُجَدِّدُ شَيْئًا رَدَّهُ عَمْرٍ۔ میں اُس بات کو منظور نہیں کر سکتا جسے عمر نے نامظور کر دیا۔ (کنز العمال جلد 4 صفحہ 371)

15- خطبہ نمبر 17 میں مذکور پہلا شخص ابو بکر، دوسرے شخص عمر کا پیرو، مقلد و مطیع و مسخر تھا اور کہتا تھا کہ اُس پر ایک شیطان مسلط

رہتا ہے

جیسا کہ سابقہ عنوان سے ثابت ہوا کہ عمر ابو بکر پر مسلط رہتا تھا یہاں ہم یہ دکھائیں گے کہ عمر نے ابو بکر کو آلہ کار کی طرح استعمال کیا۔ اور ابو بکر جان بوجھ کر عمر کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچتا رہا۔ ساری دنیا اور بکری و عمری مسلمان بھی مانتے ہیں کہ ابو بکر کو پہلا خلیفہ بھی عمر ہی نے بنایا تھا اور سب سے پہلے عمر ہی نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اور قرآن نے بتایا تھا کہ یہ پہلا شخص پہلا خلیفہ اپنے یار کے کہنے سے رسول اللہ کے حکم کے خلاف بناتا تھا (فرقان 29-27/25) اور قرآن نے بھی بتاتا ہے کہ عمر نے مصلحتاً ابو بکر کو خلیفہ اول بنایا تاکہ اپنی باطل اسکیم اس کے ہاتھ سے نافذ کرے اور پھر دوسرے نمبر پر خلافت خود سنبھال لے۔ چنانچہ اُس کی مشہور صفات کے تذکرے اور مقصد کے ساتھ فرمایا کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ۝ ثَانِي عَطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنَذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ (ج 9-8/22)

”اے رسول پھر سنو کہ تمہاری قوم کے لوگوں میں وہ لیڈر جو اللہ کے دین میں ایک نئی راہ (نساء 4/150) یعنی درمیانی راہ نکال رہا ہے وہ نہ علم کی راہ ہے نہ ہدایت کی رو سے راہِ راست ہے اور نہ روشن کتاب کی تعلیم ہے۔ اُس نے دوسرے نمبر پر رہنا پسند کیا ہے تاکہ وہ پہلے نمبر والے کو اور تمام متعقلین کو راہِ راست سے ہٹا کر گمراہ کر دے (فرقان 29-27/25) اُس کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت میں ہم اُسے جلانے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔“

قارئین غور فرمائیں کہ اس سے زیادہ وضاحت تو یہی ہو سکتی ہے کہ قرآن میں ابوبکر و عمر کا نام نازل کر دیا جاتا اور اگر ایسا ہوتا تو یہ قرآن ہم تک ہرگز نہ پہنچا ہوتا۔ اس لئے کہ قرآن روزِ اول سے قریش کے قابو میں رہا ہے۔ یہی تو اللہ کی تمزیل کا کمال تھا کہ نہ قریش کو قرآن کے الفاظ بدلنے کا موقع ملا نہ وہ اس کی نشر و اشاعت روک سکے اور جہاں جہاں بلا نام اُن کی مذمت یا بدکاری مذکور تھی وہاں اُن کے پاس تاویل و تبدیل و تحریف کا موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانے میں وہ یہود و نصاریٰ کے مجتہدین سے بھی بڑھ گئے۔ بہر حال ابوبکر نے اپنی بیعت کا پتہ ہاتھوں کو چبا چبا کر دیا۔ رسول کی منشاء کے خلاف اپنے یا عمر کے تقاضے سے پہلا خلیفہ بننے کو قبول کیا (فرقان 29-27/25) اور اپنے یا عمر کو غداری کرنے والا شیطان کہا (25/29) اور اپنے پہلے خطبے میں بھی یہ اعلان کیا کہ ”میرے اوپر ایک شیطان مسلط رہتا ہے۔“

(15- الف) پہلے خلیفہ ابوبکر کا پہلا خطبہ، میں پیر و ہوں ہادی نہیں ہوں۔ تمہارے جیسا ہی ایک مسلمان ہوں۔ مجھے میرا شیطان انغوا کرتا ہے ابوبکر نے اپنے خطبے میں کہا کہ:

”اے لوگو میں بھی تمہارے جیسا مسلمان ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ آیا تم مجھ سے اُن ہی باتوں کی توقع رکھتے ہو جنہیں رسول اللہ آسانی سے پوری کرتے تھے۔ یاد رہے کہ اللہ نے محمدؐ کو تمام اہل عالم کے لئے انتخاب کیا تھا۔ اُس نے اُن کو آفات سے محفوظ رکھا۔ میں صرف پیر و ہوں ہادی نہیں ہوں۔ اگر میں راہِ راست پر گامزن رہوں تو میری اتباع کرنا اگر بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کرنا۔ سُن لو کہ میرا شیطان مجھے انغوا کرتا ہے ایسی صورت میں اگر میں اُس کے انغوا میں آ جاؤں تو مجھ سے علیحدہ ہو جانا اس وقت تم پر میرا کوئی حق نہ رہے گا۔“

(تاریخ طبری خلافتِ راشدہ صفحہ 35 ترجمہ)

(15- ب) ابوبکر پر شیطان کا غلبہ، عمر کا غلبہ اور تسلط تھا

ابوبکر کہا کرتے تھے کہ: إِذَا رَأَيْتُمُونِي زَعَجْتُ فَقَوْمُونِي وَاعْلَمُوا أَنَّ لِي شَيْطَانًا يَعْتَرِينِي۔

جب تم لوگ یہ دیکھو کہ میں ٹیڑھا ہو رہا ہوں تو مجھے سیدھا کر دینا اور یہ جان رکھو کہ میرے لئے ایک شیطان ہے جو مجھ پر تسلط رکھتا ہے۔

(صواعق محرقة صفحہ 7 باب اول فصل اول، تاریخ الخلفاء صفحہ 49 و ریاض النضرہ صفحہ 176 مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 142)

قارئین یہاں یہ فیصلے کر لیں کہ ابوبکر نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ:

1 ابوبکر ہادی نہیں تھا۔ لہذا آنحضرتؐ کے بعد اُمت کی ہدایت قریشی خلفاء کے ذمہ نہ تھی۔ اور

2 ابوبکر پر خود ایک شیطان تسلط رکھتا تھا۔ لہذا وہ خود گمراہی سے دوچار رہتا تھا دوسروں کو شیطان سے کیسے بچا سکتا تھا؟ اور

3 وہ یہ بھی نہ جانتا تھا کہ ایک خلیفہ کی کیا ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور اُمت کو اس سے کیا کیا توقعات ہونا چاہئیں؟ اور
4 اس نے واضح کر دیا کہ اُس سے وہ امیدیں نہ رکھی جائیں جو اُمیدیں رسول سے تھیں۔ یعنی وہ جانشین رسول نہ تھا۔ جو رسول والی
ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اُس سے مطالبہ کیا جائے۔

(15-ج) اللہ اور ابلیس دونوں نے اعلان کیا تھا کہ:

ابلیس کا اعلان: قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝
قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝ (حجر 39-41)

”ابلیس نے کہا کہ اے میرے پروردگار جس طرح تو نے مجھے اغوا کیا ہے اسی طرح میں بھی انسانوں کے لئے زمین میں اُن کے لئے
زیبائش اور آرائش فراہم کر دوں گا اور اُن زبائشوں اور آرائشوں سے اُن سب کو اغوا کر دوں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ اللہ نے
جواب دیا کہ یہی تو علی کا صراطِ مستقیم ہے (یعنی تیرے کہنے سے پہلے ہی یہ بات طے شدہ ہے)

دوسرا اعلان: قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ۝ لَا مَلَأَنَّ
جَهَنَّمَ مَنكَّ وَ مِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (ص 82-85)

ابلیس نے کہا تیری عزت ہی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تیرے مخلص بندوں کے علاوہ تمام اولادِ آدم کو اغوا کر کے رکھ دوں گا۔ اللہ نے فرمایا کہ
حقیقت یہ ہے اور حق بات ہی کہا کرتا ہوں کہ میں بھی تجھ سمیت اولادِ آدم میں سے اُن سب سے جہنم کو بھر دوں گا جو تیری اتباع کریں گے۔“
ابوبکر مخلص بندہ نہ تھا بلکہ وہ جہنمی تھا:

ابوبکر کا خطبہ اور یہ دونوں اعلانات اُسے اللہ کے مخلص بندوں سے خارج کرتے ہیں اس لئے اس پر ابلیس کا تسلط ہوتا تھا اور اُس نے خود مانا ہے کہ
اُس نے اپنے یار شیطان کے کہنے سے رسول اللہ کا طریقہ چھوڑ کر اس کا اتباع کیا تھا۔ (فرقان 29 تا 25/27) اس لئے ابوبکر جہنمی بھی تھا۔
ابوبکر نے رسول کے جس طریقے کو چھوڑا تھا وہ علی کا صراطِ مستقیم تھا:

پہلے اعلان کی رو سے ابلیس کی پیروی کرنا ثابت ہوا کہ یہ پیروی علی کی مخالفت تھی (اور علی کی پیروی ہی صراطِ مستقیم ہوتی ہے) اور
أَبْغَضَ الْخَالِقِ ہونے کے لئے کافی ہے۔

ابوبکر کے دونوں بیانات اور تاریخی واقعات سے ابوبکر کا اپنا شیطان عمر ہی ہو سکتا ہے:

سورہ فرقان (29 تا 25/27) میں ابوبکر نے جسے اپنا یار کہا ہے اسی کو شیطان قرار دیا ہے۔ اور اپنے خطبے میں اُس نے ابلیس نہیں کہا
بلکہ ”میرا شیطان“ کہا لہذا یقیناً اس نے عمر کو ہی اپنا اغوا کرنے والا شیطان قرار دیا ہے اور ہم دکھا چکے ہیں کہ واقعی عمر ہی وہ شخص تھا جو ابوبکر پر پورا قابو
رکھتا تھا۔ اور یہی وہ دونوں مرد ہیں جن کی وجہ سے دنیا فتنہ و فساد سے لبریز چلی آئی ہے۔ اور دونوں وہ دو مرد ہیں جن کو خطبہ 17 میں ساری مخلوقات
سے زیادہ غضب خداوندی کا حقدار فرمایا گیا ہے۔

16- ابوبکر و عمر اور قریش کے قرآن میں مذکور جرائم کو چھپانے اور انہیں مقدس بزرگ بنانے کیلئے جھوٹی تاریخ اور واقعات

گھڑے گئے

قارئین کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی کثرت کے نزدیک ابوبکر و عمر و عائشہ اور عثمان وغیرہ، رسول اللہ کے بعد سب سے یعنی حضرت علی سے بھی بڑے مقدس بزرگ مانے جاتے ہیں اور یہ بات چودہ سو سال سے مسلسل مانی جاتی رہی ہے۔ گو شیعہ علمائے اُن صحابہ اور صحابیات کے کیریکٹر پر خود اہل سنت کی کتابوں سے بہت سا سامان پیش کیا لیکن مسلمانوں کی کثرت بدستور انہیں عظیم الشان بزرگی کا حامل کہتی چلی آئی ہے اور آج بھی کہتی ہے شیعہ علماء کی مخالفانہ کوششوں اور محنتوں کا کیوں اثر نہ ہوا؟ اس کے کئی ایک اسباب ہیں جن کا ہم اس زیرِ قلم عنوان میں بھی ذکر کریں گے مگر سب سے بڑا سبب یہ ہوا کہ شیعہ علماء نے بھی قرآنِ فہمی اور قرآنی ترجمانی کا وہی طریقہ اختیار کیا جو قریشی لیڈروں اور قریشی حکومتوں نے رائج کیا تھا اور جسے شیعہ مجتہدین نے بھی اختیار کر لیا تھا۔ دوسرا سبب یہ ہوا کہ شیعہ اور سنی کی آپسی مخالفت اس قدر مشہور ہو گئی کہ ایک دوسرے کی صحیح بات کو بھی فریقین نے سننا اور ماننا بند کر دیا۔ بڑی سے بڑی اور حقیقی بات پر جب یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ یہ تو صحابہ کے دشمنوں یعنی شیعوں نے کہی ہے تو وہ بات بے اثر اور ناقابلِ توجہ ہو کر ضائع ہوتی رہی۔ اور دونوں فریق نے ایک دوسرے سے دن رات مناظرے کئے اور اپنا اپنا روزگار چلانے کیلئے ایک دوسرے کے خلاف نفرت انگیز کتابیں لکھیں ہتھیں لگائیں، شیعوں نے ابوبکر و عمر و عائشہ پر لعنت و تبرا برسر عام کیا، جس سے سنی عوام مذہب شیعہ کے بھی دشمن ہو گئے یہاں تک کہ دونوں طرف کے علماء دونوں فریقین کے لئے ناقابلِ اعتبار ہو گئے اور انہوں نے شیعہ علماء سے اور شیعوں نے سنی علماء سے قرآن تک سننا اور قرآن پر یقین کرنا بند کر دیا۔ اور آج ہمارے دور میں دونوں کی تعلیمات و تبلیغات بے اثر و بے نتیجہ اور بکواس بن کر رہ گئی ہیں۔

ہم اس معاملہ میں شیعہ علماء کو ڈبل مجرم پاتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہہ اور لکھ چکے ہیں کہ شیعہ علماء مذہب شیعہ کے علما ہرگز نہیں ہیں۔ ورنہ یہ ابوبکر و عمر وغیرہ کے ساتھ ہرگز وہ سلوک نہ کرتے جو معاویہ نے حضرت علی اور خاندانِ رسول علیہم السلام کے ساتھ کیا تھا۔ مذہب شیعہ میں لعنت و تبرا کے نہ یہ معنی ہیں نہ اس کی اجازت ہے جو نام نہاد شیعہ علمائے کیا۔ بہر حال ہم دونوں فریق کے علما کو باطل پرست اور جہنمی کہتے اور لکھتے ہیں اور انہیں پوری امت کی گمراہی کا آخری اور پہلا ذریعہ یقین کرتے ہیں۔ ان دونوں فریق کے علمائے امت کو قرآن سے دُور رکھا ہے اور آج تمام مسلمانوں کو اقوامِ عالم کا بھکاری بنا کر ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ رہ گئے امت کے عوام، خواہ سنی ہوں یا شیعہ، انہیں ہم فریب خوردہ اور تعلیماتِ اسلام سے بے بہرہ سمجھتے ہیں اور جس مذہب کو آج اسلام کہا جا رہا ہے اُسے ہم ایک ابلسی فریب قرار دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں۔ نہ شیعوں کو شیعہ تسلیم کرتے ہیں نہ سنیوں کو مسلمان مانتے ہیں۔ ہم اسی لئے خانہ نشین رہ کر زندگی کا بڑا حصہ گزار چکے اور اسی خانہ نشینی اور عزت گزینی کے عالم میں رہتے ہوئے ایک عالم گیر انقلاب کا انتظام کرتے رہے ہیں۔ اور جو اشخاص ہم سے کسی طرح مل کر جاتے ہیں وہ اس انقلاب کو ساتھ لے کر جاتے ہیں اور وہ خاموشی سے ادھر ادھر پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ حالانکہ ہم نہ لوگوں میں تبلیغ کرتے ہیں نہ ہمارا کوئی اخبار یا نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے نہ ہم نے کوئی ادارہ بنا کر تبلیغ و نشر و اشاعت کا انتظام کیا ہے نہ رؤساء اور سرمایہ داروں کو پاس پھٹکنے دیتے ہیں۔ نہ لیڈروں کو منہ لگاتے ہیں۔ نہ چندہ مانگتے ہیں نہ حلقہ احباب و حلقہ فکر بڑھاتے ہیں۔ ذرا سی بات پر لوگوں کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر رخصت کر دیتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی قرآن اور حقائق و متعلقاتِ قرآنِ دن رات بلا تکان لکھ رہے ہیں اور ایسے حقائق پر کتابوں کا انبار لگا دیا ہے جسکے خلاف ایک لفظ منہ سے نکلنا ناممکن ہے۔ با مذہب و بے دین لوگ بھی جسے سُن کر تسلیم کرتے اور خوش ہوتے ہیں اور منتظر ہیں کہ یہ موجودہ مذاہب اور اُن کا پیدا کردہ تعصب و نفرت مٹ جائیں تو یہ ہماری

تصنیفات چاروں طرف پھیل جائیں گی اور از سر نو تعلیمات قرآن پھیلیں گی۔ اور مذاہب کا پیدا کردہ فریب ختم ہو جائے گا حقیقی اسلام اور اس کی نعمتیں سامنے آئیں گی۔

(16- الف) اللہ، رسول اور قرآن نے کسی مذہب کی، کسی نبی کی اور کسی کتاب کی مذمت نہیں کی وہ کسی کی دل شکنی نہیں کرتے

اگر قرآن کی تعلیمات کو اللہ، رسول اور خود قرآن کے طریقہ کے ساتھ پیش کیا جاتا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی اسلام کا انکار کرتا سوچے کہ تمام کتبہائے آسمانی اللہ نے بندوں تک پہنچائی ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ اللہ اپنی ارسال کردہ کتابوں یا رسولوں کے خلاف کچھ کہتا؟ اور اللہ ان مذاہب کو کیسے بُرا کہتا یا بُرا سمجھتا جو ان کتابوں کے مطابق ظہور میں آئے جو اللہ نے بھیجی تھیں اور جن کو ان نبیوں نے تیار کیا تھا جو اللہ کے بنائے ہوئے نبی تھے؟ اللہ نے تو یہ کہا ہے کہ تم اپنے اپنے یہاں اس کتاب کا مذہب اختیار کر لو جو تمہیں تمہارے رسول نے دی تھی اور جو تم میں اب بھی موجود ہے۔ جب یہود و نصاریٰ کے علمائے ایسا نہ کیا تو فرمایا کہ:

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْفَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿5/66﴾

”اور اگر یہود و نصاریٰ اپنے اپنے یہاں توریت اور انجیل اور جو کچھ ان کے پروردگار نے ان پر نازل کیا تھا اُسے قائم کر لیتے تو انہیں اوپر سے رزق برستا ہوا ملتا اور زمین سے رزق ان کے لئے اُبلتا۔ ان میں ایک امت راست رو بھی ہے لیکن ان کے بہت سے لوگ بُرے کام کرتے ہیں۔“ (مائدہ 5/66)

بتائے قرآن نے یہ شرط نہیں لگائی کہ پہلے تم محمدؐ پر ایمان لاؤ تب تمہیں نعمت خداوندی ملیں گی۔ ایسی بات کہی جو خود ان کے یہاں بھی اچھی بات تھی۔ یعنی تم یہودی رہو تم عیسائی رہو مگر اپنی اپنی کتابوں کے مطابق عمل کرو تو ہم نعمتوں کا ڈھیر لگا کر دکھا دیں گے۔ مگر نہ انہوں نے توریت و انجیل پر عمل قبول کیا نہ ان کتابوں کا انکار کیا اور کثرت بدکاری پر قائم رہی۔ پھر ان سے کہا گیا کہ جن حقائق اور عقائد کو ہم تم دونوں مانتے ہیں آؤ ان میں تعاون کریں اور ان کی خلاف ورزی نہ کریں (آل عمران 3/64) قارئین بتائیں کہ اس سے زیادہ اور کیا رواداری کی بات ہو سکتی تھی؟ وہ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوئے۔ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ تم لوگ جو فیصلے کرتے ہو جو حکم اور احکام نافذ کرتے ہو وہ توریت اور انجیل میں نازل شدہ احکام ہونا چاہئیں (مائدہ 5/47)۔ اس پر بھی انہوں نے عمل نہ کیا تو انہیں اور مسلمانوں دونوں سے کہا گیا کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿5/45﴾

اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ سے احکام یا فیصلے نافذ نہ کریں وہ ظالم ہیں (5/45)، وہ کافر ہیں (5/44) وہ فاسق ہیں (5/47)۔ اور آخر کہہ دیا گیا کہ: ”اے اہل کتاب جب تک تم توریت اور انجیل کو اور جو کچھ ان کے علاوہ تم پر تمہارے پروردگار نے نازل کیا ہے اُس کو اپنے یہاں قائم نہیں کرتے تم نہ عیسائی ہو نہ یہودی ہو (5/68) یعنی تم بے دین ہو۔

قارئین اللہ، رسول اور قرآن کی مختصر آئیہ تعلیم تھی کہ تم خود ساختہ مذاہب کو اللہ کی کتابوں کے سر نہ چکاو و خالص اللہ کے نازل کردہ احکام پر عمل کرو اور دوسروں سے بھی عمل کرو تا کہ تم پر اللہ کی برکتیں اور نعمتیں نازل ہوتی رہیں۔ مگر یہ تاکید نہ یہود کو پسند آئی نہ عیسائیوں نے اس پر عمل کیا اور مسلمانوں نے تو یہ کہہ دیا کہ یہ حکم ہمارے لئے ہے ہی نہیں یہ تو یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے فرمایا گیا ہے۔

(16-ب) مسلمانوں نے اللہ، رسول اور قرآن کے خالص احکام کو اختیار کرنا قبول نہ کیا مودودی سے سنئے اور سوچئے۔

مودودی مندرجہ بالا آیات (5/44-47) کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

”یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کافر ہیں، دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں، تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اُس کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے، وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اولاً اُس کا یہ فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنی ہے، اور یہ کفر ہے۔ ثانیاً اس کا یہ فعل عدل و انصاف کے خلاف ہے، کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہو سکتا تھا وہ تو خدا نے دے دیا تھا۔ اس لئے جب خدا کے حکم سے ہٹ کر اُس نے فیصلہ کیا تو ظلم کیا۔ تیسرے یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اُس نے اپنے مالک کے قانون سے منحرف ہو کر اپنا، یا کسی اور کا قانون نافذ کیا تو درحقیقت بندگی و اطاعت کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور یہی فسق ہے۔ یہ کفر اور ظلم و فسق اپنی نوعیت کے اعتبار سے لازماً انحراف از حکم خداوندی کی عین حقیقت میں داخل ہیں۔ ممکن نہیں کہ جہاں وہ انحراف موجود ہو وہاں یہ تینوں چیزیں موجود نہ ہوں۔ البتہ جس طرح انحراف کے درجات و مراتب میں فرق ہے۔ اسی طرح ان تینوں چیزوں کے مراتب میں بھی فرق ہے۔ 1 جو شخص حکم الہی کے خلاف اس بنا پر فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کو غلط اور اپنے یا کسی دوسرے انسان کے حکم کو صحیح سمجھتا ہے وہ مکمل کافر و ظالم و فاسق ہے۔ 2 اور جو اعتقاداً حکم الہی کو برحق سمجھتا ہے مگر عملاً اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ اگرچہ خارج از ملت تو نہیں مگر اپنے ایمان کو کفر، ظلم اور فسق سے مخلوط کر رہا ہے۔ 3 اسی طرح جس نے تمام معاملات میں حکم الہی سے انحراف اختیار کر لیا ہے وہ تمام معاملات میں کافر و ظالم و فاسق ہے۔ اور جو بعض معاملات میں مطیع اور بعض میں منحرف ہے، اس کی زندگی میں ایمان و اسلام اور کفر و ظلم و فسق کی آمیزش ٹھیک ٹھیک اسی تناسب کے ساتھ ہے جس تناسب کے ساتھ اس نے اطاعت و انحراف کو ملا رکھا ہے۔ بعض اہل تفسیر نے ان آیات (47 تا 5/44) کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی کوشش کی ہے مگر کلام الہی کے الفاظ میں اس تاویل کے لئے کوئی گنجائش موجود نہیں۔ اس تاویل کا بہترین جواب وہ ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہے۔ اُن سے کسی نے (یعنی کسی صحابی نے۔ احسن) کہا کہ یہ تینوں آیتیں (47، 45، 5/44) تو بنی اسرائیل کے حق میں ہیں (یعنی مسلمان اپنے احکام نافذ کر سکتے ہیں۔ احسن) کہنے والے (یعنی صحابی۔ احسن) کا مطلب یہ تھا کہ یہودیوں میں سے جس نے خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کیا ہو وہی کافر، وہی ظالم، وہی فاسق ہے۔ اس پر حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ:

نِعْمَ الْإِخْوَةُ لَكُمْ بَنُو إِسْرَائِيلَ أَنْ كَانَتْ لَهُمْ كُلُّ مَرَّةٍ وَ لَكُمْ كُلُّ حُلُوَّةٍ كَلَا وَ اللَّهُ لَتُسَلِّكَنَّ طَرِيقَهُمْ قَدْرَ الشَّرَاكِ

کتنے اچھے بھائی ہیں تمہارے لئے بنی اسرائیل کہ کڑوا کڑوا سب اُن کے لئے ہے اور بیٹھا بیٹھا سب تمہارے لئے۔ ہرگز نہیں خدا کی قسم تم اُن ہی کے طریقے پر قدم بقدم چلو گے۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 475-476)

(16-ج) مسلمانوں نے مودودی کے زمانہ (22 ستمبر 1979ء) تک قرآن کے حکم (5/44، 45، 47) پر عمل نہ کیا یہود کا طریقہ جاری رکھا۔

مودودی کی اس بیان پر اور دیگر قرآنی حقائق پر بات کرنے سے پہلے مودودی کا ایک اور تائیدی بیان سنتے چلیں لکھا ہے کہ:

”117 یعنی پہلے انہوں (یہودیوں۔ احسن) نے خود ہی عقائد اور احکام میں مویشگافیاں کیں اور ایک ایک چیز کے متعلق سوال کر کر کے

تفصیلات اور قیود کا ایک جال اپنے لئے تیار کر لیا، پھر خود ہی اس میں الجھ کر اعتقادی گمراہیوں اور عملی نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اس گروہ سے مراد یہودی ہیں جن کے نقش قدم پر چلنے میں، قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمیہات کے باوجود، مسلمانوں نے کوئی کسر اٹھانہیں رکھی ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 508، حاشیہ 117)

(16-د) حذیفہؓ نے کس بنیاد پر قسم کھائی کہ مسلمان قدم بقدم یہود کے نقش قدم پر چلیں گے؟ اور مودودی کے بیان پر ایک نظر

مودودی کے بیان میں اُس شخص کا نام نہیں ہے جس نے مندرجہ بالا آیات (5/44, 45, 47) کو بنی اسرائیل کے حق میں سمجھا تھا۔ ظاہر ہے کہ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سب ہی صحابہ کہلانے والے لوگ تھے۔ اور قرآن کی ان آیات کی تاویل جاننے یا دریافت کرنے والے حضرات یقیناً علمائے صحابہ میں شمار ہوں گے۔ اصل سوال یہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ قسم اُسی صورت میں کھا سکتے ہیں جب کہ انہیں اللہ یا رسول نے یہ بتایا ہو کہ مسلمان قدم بقدم یہود و نصاریٰ کا راستہ اختیار کریں گے۔ اور چونکہ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ:

”خدا کی قسم تم اُن ہی کے طریقے پر قدم بقدم چلو گے۔“

چنانچہ یہاں لفظ ”تم“ سے اگر سارے مسلمان مراد لئے جائیں تو یہ غلط ہوگا۔ اس لئے کہ اُمّت محمدیہ میں کچھ لوگ ہر زمانے میں سو فیصد اللہ و رسول کی پسند کے مومنین کا موجود رہنا ثابت ہے۔ لہذا لفظ ”تم“ سے وہ شخص اور اس کے ہوا خواہ، ہم خیال و ہم مذہب اور اُس کی قوم مراد لینا پڑتی ہے۔ ادھر علامہ کے دوسرے بیان میں سارے مسلمان مقصود ہیں۔ لہذا یہ بھی گُلیہ ہونے کی بنا پر غلط ہے یہاں بھی وہی لوگ مراد لئے جانا چاہئیں جو عہد رسول کے اُسی مذہب سے یا قوم سے متعلق ہوں جنہیں حضرت حذیفہؓ نے مخاطب کیا تھا۔ مودودی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ نے قرآن میں اور آنحضرتؐ نے اپنے بیانات میں بار بار منع کیا تھا، تمیہہ کی تھی کہ وہ قرآن کے ساتھ وہ سلوک نہ کریں جو یہودی علمائے توریت کے ساتھ کیا تھا۔ یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ ہر معاملے میں وہ حکم، وہ فتویٰ اور وہ فیصلہ صادر کریں جو قرآن میں نازل ہوا ہو۔ مگر جس طرح اہل کتاب نے توریت و انجیل کو برائے نام اپنا رہنما بنائے رکھا اور عمل اپنے ذاتی احکام پر کیا اُسی طرح مسلمانوں نے قرآن میں نازل شدہ احکام کو اختیار نہ کیا۔

(16-هـ) رسول اللہ نے صحابہ کو بتایا کہ تم یہود و نصاریٰ اور ایران و یونان کے لوگوں کی سو فیصد پیروی کرو گے اور قرآن کو چھوڑ دو گے

مسلمانوں نے یہود و نصاریٰ اور ایران و یونان اور دیگر اقوام کی کس طرح اور کس کس معاملے میں پیروی کی؟ یہ بتانے کیلئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے (دیکھو کتاب فاروقی شریعت اور تشریحات خطبہ 3) لیکن اختصار کی غرض سے یہاں قریش کی معتبر ترین کتاب کا ایک مقام دیکھنا کافی ہوگا۔

قرآن اور رسول کو چھوڑ کر صحابہ سابقہ لوگوں کی پیروی کریں گے

صحیح بخاری میں علامہ محمد اسماعیل بخاری نے یہ عنوان قائم کر کے حدیث لکھی ہے کہ:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذَنْبٍ عَنِ الْمُقْبَرِيِّ عَنِ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَأْخُذَ أُمَّتِي بِأَخْذِ الْقُرُونِ قَبْلَهَا شَبْرًا بِشَبْرٍ وَدَرَاغًا بِدَرَاغٍ، فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَفَّارِسَ وَ الرُّومِ؟ قَالَ وَمَنِ النَّاسِ إِلَّا أَوْلَانِكَ؟ (پارہ نمبر 29)

”احمد بن یونس نے ہم سے حدیث بیان کی اُس نے کہا کہ ہم سے ابن ابی ذنب نے مقبری سے اور اُس نے ابوہریرہ اور ابوہریرہ نے رسول اللہ کی زبانی بیان کیا کہ فرمایا ”قیامت آنے سے پہلے پہلے میری اُمّت اپنے سے پہلے والے لوگوں کے تمام اعمال و اقوال و طریقے

باشت باشت اور ہاتھ ہاتھ بھرنا پناپ کر اختیار کر چکی ہوگی۔“ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ کیا اہل ایران و روم کے اعمال و اقوال و طریقے اختیار کر لے گی؟ فرمایا کہ: ”اُن کے علاوہ اور کون لوگ ہیں جن کی یہ پیروی کریں گے؟“

دوسری حدیث: اگلی حدیث سنئے: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَسْتِغْنَنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَ ذَرَاعًا ذَرَاعًا حَتَّىٰ لَوْ دَخَلُوا حَجْرَ صَبَّ تَبَعْتُمُوهُمْ۔ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ الْبُهْدُ وَ النَّصَارَىٰ؟ قَالَ فَمَنْ؟ ”ابی سعید الخدری نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم ضرور بالضرور اپنے سے پہلے والے لوگوں کی سنت کی پیروی باشت باشت اور ہاتھ ہاتھ بھرنا پناپ کر پوری کرو گے۔ یہاں تک کہ اگر سابقہ لوگوں میں سے کوئی شخص گوہ کے بھٹ میں گھسا ہوگا تو تم بھی اُس کی پیروی کرو گے۔ ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا یہودیوں اور عیسائیوں کی پیروی کریں گے؟ فرمایا اور میرا مطلب کن لوگوں کی پیروی ہو سکتی ہے؟ (بخاری کتاب الاعتصام جز 29 مطبع نور محمد کراچی)

مودودی نے بھی اسی قسم کی سینکڑوں احادیث پڑھی تھیں اور اُن ہی کو مدنظر رکھ کر اس نے لکھا کہ رسول اللہ کی تنبیہات کے باوجود مسلمانوں نے یہودی کی پیروی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔“

(16- و) رسول نے اللہ کے فیصلے کو سن کر مندرجہ بالا پیشگوئی کی تھی۔ انہوں نے قریش کا قرآن سے سلوک دیکھا تب شکایت کی تھی

یہاں یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ نزول قرآن کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریشی لیڈروں اور راہنماؤں کا عملدرآمد دیکھ دیکھ کر اور انہیں تنبیہات کر کے جب یہ یقین کر چکے کہ قریش بھی یہود و نصاریٰ کے علما کی پیروی میں قرآن کے ہر حکم کو اپنی رائے اور مصلحت پر ڈھال ڈھال کر قوم میں تبلیغ کر رہے ہیں اور قرآن کی تاکیدات (ماندہ 5/44, 45, 47) کی پرواہ نہیں کرتے اور کسی معاملہ میں بھی قرآن میں نازل شدہ احکام اور فیصلوں کو بخسہ قبول نہیں کرتے تو اللہ سے عرض کیا کہ:

قریش نے قرآن کو مجبور کیا اور اجتہاد کو راہنما بنایا:

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ۝ (فرقان 31-30/25)

”اور محمد رسول اللہ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار حقیقت یہ ہے کہ میری قوم نے اس قرآن کو مجبور کر دیا ہے۔ اور یہ تمہاری قوم کا اخذ و استنباط اسی طرح کا ہے جیسا کہ ہم نے ہرنبی کے لئے جرائم پیشہ لوگوں میں سے کچھ دشمن بنائے رکھے ہیں اور تیری قوم کے اس عمل درآمد کے باوجود تیرا پروردگار تیری ہدایت و نصرت کے لئے کافی ہے۔ اور دیکھو کہ:

تیری قوم نے قرآن کو جھٹلانے کے لئے اخذ و استنباط کیا ہے

وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ (انعام 6/66)

”اور تیری قوم نے تو اس قرآن کو حق ہوتے ہوئے بھی جھٹلا دیا ہے۔ اُن کو بتا دو کہ میں اب تمہارا وکیل نہیں ہوں۔“

(16- ز) ان آیات (31-30/25، 6/66) اور اُن احادیث کو سامنے رکھ کر ہمیں یہ بتایا جائے کہ جو قوم قرآن کو جھٹلا دے اُس کا مرتبہ کیا ہونا چاہئے:

یہاں پہلا سوال یہ ہے کہ کیا اللہ اور رسول جھوٹ بول سکتے ہیں یا کسی پر خواہ مخواہ تہمت لگا سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہ مان لیجئے کہ قریش

ایک مکذّب قرآن تو مٹھی۔ اُس نے قرآن کو اپنے اخذ واستنباط سے اللہ ورسول کی منشا کے خلاف الٹ کر رکھ دیا۔ اُن کے منصوبوں کے خلاف اللہ نے حضور سے وعدہ فرمایا کہ وہ قریش کے مقابلے میں رسول کی اور رسول کے مشن کی نصرت کرتا رہے گا اور قرآن کی غلط اور جھوٹی تاویلات و اخذ و استنباط کو بے اثر کرنے میں رسول کی نصرت کرے گا اور قرآن کو اُس کے صحیح منشاء اور مقصد کے ساتھ انسانوں کے سامنے لائے گا اور قریش کی تمام جد و جہد کو باطل کر کے حق کو ثابت کرے گا۔

قریش نے قرآن کو مجبور کیا ہے تم بھی اُن کو مجبور کر دو اُسی نے یہ وعدہ بھی کیا کہ:

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۝ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ اُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۝ اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (مزل 13-10/73)

”تم بھی قرآن سے ہجرت کرنے والوں سے کچھ بڑھ کر ہجرت کر لو اور انہیں دم لینے کے لئے مہلت دو اور قرآن کو جھٹلانے کی سزا دینے کے لئے ہمارے سپرد کر دو۔ تم اُن کے اقوال پر صبر سے کام لو۔ ہم نے انہیں نعمتوں سے مالا مال رکھا ہے لیکن ہمارے پاس اُن کے لئے طوق و زنجیر بھی تیار ہے جھلس دینے والی قید اور گلے میں پھنسن جانے والی خوراک بھی موجود ہے اور دردناک عذاب اُن کا منتظر ہے۔“

یہ پوزیشن ہے رسول کی نام نہاد قوم قریش کی۔ مگر ان آیات کو پڑھتے ہوئے چودہ سو سال گزر گئے۔ اور قریش ایک معزز قوم کہلاتی رہی ہے۔ بلکہ قریشی ہونا بجائے لعنتی کے قابل فخر سمجھا جاتا رہا۔ یعنی مسلمانوں کے شیعہ سنی علما نے قرآن کی ان آیات (31-25/30، 66/6) کا منشاء بھی مجبور کر کے چھپائے رکھا۔ اللہ نے قرآن میں اُن کو کافر کہا (5/44) وہ مومن بنے رہے۔ انہیں ظالم (5/45) قرار دیا وہ عادل مشہور ہوئے۔ انہیں فاسق (5/47) فرمایا وہ مقدس اور پاک باز کہلاتے رہے۔ صرف اس لئے کہ انہوں نے رسول کی حکومت اپنے قابو میں کر لی یعنی رسول کے جانشین بن گئے۔ اب لوگ کیسے سمجھیں کہ وہ غاصب تھے؟ رسول کے جانشینوں کو ظالم و کافر و غادر و خائن کہنا پسند نہ آیا۔ لیکن بات پسند و ناپسند کی نہیں ہے بات اللہ کی ہے رسول کی ہے اور قرآن میں لکھی ہوئی ہے۔ وہاں یہ تو مردود و ملعون ہے۔ اگر کسی نے مسلمان رہنا ہے تو اُسے قرآن کی تصدیق کرنا ہوگی اور وہی کچھ کہنا اور ماننا پڑے گا جو اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ وہ واقعی رسول کے بعد مسلسل سات سو سال تک خلافت کے مالک رہے۔ لہذا یوں کہنا ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد سات سو سال تک خلافت کافروں، ظالموں، فاسقوں، قرآن کو جھٹلانے اور بدلنے والوں کے ہاتھ میں رہی۔ مطلب یہ کہ اُن کی خلافت کا انکار نہ کرو۔ پہلے کو پہلا کہو دوسرے کو دوسرے نمبر پر مانو مگر انہیں دشمن خدا و رسول اور مجرم خلفاء کہو (25/31) جس طرح اللہ نے قرآن میں بہت سے نبیوں کا نام بنام ذکر کیا (مریم 58 تا 19/49) اور فرمایا کہ:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ عَذَابًا ۝ (19/59)

”چنانچہ اُن مندرجہ بالا نبیوں کے بعد بہت سے ایسے خلیفہ ہوئے جنہوں نے صلاۃ کو ضائع کر دیا اور شہوت رانی اور نفس پروری میں منہمک ہو گئے چنانچہ عنقریب وہ بدکاریوں کے انجام سے ملاقات کریں گے۔“ یعنی کسی کا کسی نبی کے بعد خلیفہ بن جانا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے اس خلیفہ کا یا خلفا کا احترام واجب ہو جاتا ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ لوگ اللہ ورسول کے حکم سے خلیفہ بنائے گئے تھے یا خود اللہ ورسول نے اُن کی خلافت کا اعلان کیا تھا۔ تو یہ اس لئے ناقابل غور و قبول ہے کہ اللہ ورسول ہرگز کسی کافر و فاسق و ظالم و مکذّب قرآن اور اپنے دشمن (25/31) و مجرم کو اپنا جانشین نہیں بنا سکتے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے یعنی جب تک قرآن کی آیات سے یہ نہ دکھا دیا جائے کہ فلاں فلاں اشخاص قوم قریش کے افراد نہ

تھے یا یہ کہ افراد تو اسی قوم کے تھے مگر وہ مندرجہ بالا تمام جرائم سے الگ تھے یا معاف کر دیئے گئے تھے۔
یعنی آیات میں جس طرح یہ تعین و تشخیص ہے کہ ”رسول کی قوم نے قرآن کو مجبور کیا۔“ اسی طرح قوم کا نام لے کر تعین و تشخیص کے ساتھ خلفا کو جرائم سے مستثنیٰ یا معاف دکھانا ہوگا۔ یہ نہیں کہ مہاجرین میں یا انصار میں کچھ لوگ بڑے شاندار مومن تھے۔ خدا کا رتھے۔ اس لئے کہ نہ مہاجر کے معنی قریش ہیں نہ انصار کو قریش کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جرم قرآن نے عائد کیا ہے۔ جرم سے معافی یا علیحدگی بھی قرآن سے دکھانا ہوگی۔ اور یہ قیامت تک ناممکن ہے۔ رہ گئیں روایات و تاریخ وغیرہ وہ اس لئے قابل قبول نہیں کہ تمام کتب تواریخ و احادیث و تفاسیر و سوانح حیات و کتب رجال و اصول فقہ و شریعت وغیرہ خود ان خلفاء کی سرپرستی میں ان کی ہدایات و مصلحت اور پالیسی کے ماتحت لکھوائی گئی تھیں اور اسی عنوان (16) میں یہ ثابت کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں بعض وقتی یا واقعاتی تقاضوں کے ماتحت خود ان کی تیار کردہ تواریخ سے بھی ان خلفاء کا باطل پرست و کافر و فاسق و ظالم و دشمنان رسول ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

(16-ح) سب سے پہلے خلفاء ابو بکر و عمر نے قرآن کے خلاف عمل کیا اور ایران و روم اور دیگر عجمی و عربی اقوام کی سنت کی پیروی کی

یہ حقیقت سورج سے زیادہ نمایاں ہے کہ قرآن کی تاقیامت خلاف ورزی کی بنیاد رکھنے والے اور ایران و روم و یہود و نصاریٰ کی پیروی کرنے کا مستقل انتظام کرنے والے ابو بکر و عمر ہیں۔ انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جو سراسر رسول اللہ کے خلاف تھا۔ اس پر قرآن کی سینکڑوں آیات ہم پیش کرتے ہیں (مثلاً فرقان 29-27/25) اور کرتے رہیں گے۔ فی الحال علامہ شبلی نعمانی کی دو چار باتیں سن لیں۔ ارشاد ہے کہ:

اول۔ قریشی خلافت کا بانی مہابی عمر، بخاری کی احادیث کی تصدیق میں ایران و روم کی پیروی کا بھی بانی مہابی ہے

”حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں ان کو اختیار کرتے تھے۔ خراج، عشور، دفتر، رسد، کاغذات حساب، ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران و شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا..... عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے یہاں مالگداری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا؟ جزیہ حالانکہ مذہبی لگاؤ رکھتا ہے تاہم اس کی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیروان نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیروان کے انتظامات و بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ:

”هِيَ الْوَصَائِعُ الَّتِي اَفْتَدَى بِهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ حِينَ افْتَحَ بِلَادَ الْفَرَسِ۔“

یعنی ”یہ وہی قاعدے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو ان کی اقتداء کی۔“ اس سے زیادہ صاف اور مصرح علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے۔ علامہ مذکور نے، جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بوعلی سینا کا معاصر و ہم پایہ تھا، تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ”تجارب الامم“ ہے۔ اس میں جہاں حضرت عمر کے انتظامات ملے گا ذکر ہے لکھا ہے کہ: و كان عمر يلكثر الخلوۃ بقوم من الفرس يقرؤن عليه سياسيات الملوك و لاسيما ملوك العجم الفضلا و سيما نوشروان و انه كان معجبا بها كثير الاقتداء بها۔ یعنی عمر فارس کے دانشوروں کو اپنی صحبت خاص میں رکھتے تھے۔ یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا

کرتے تھے۔ خصوصاً شاہانِ عجم کے آئین حکومت اور ان میں بھی خاص کرنوشیرواں کے اس لئے کہ ان کو نوشیرواں کے آئین بہت پسند تھے اور ان کی بہت پیروی کرتے تھے۔ علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمر نے اس کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا اور انتظاماتِ ملکی کے متعلق اُس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔ (کتاب الفاروق حصہ دوم صفحہ 88-89)

قارئین یہ بیان اور بخاری میں مذکور احادیث رسول بار بار پڑھیں اور دیکھیں کہ عمر نے لفظ بلفظ تصدیق کر دی اور چونکہ اہل فارس و روم کی اقتداء خود اختیار کی اور ان کی سنت کو اسلامی بنا کر مسلمانوں میں جاری کیا لہذا تا قیامت سارے متعلقہ مسلمان ان احادیث کے مطابق عمل اور پیروی کرتے چلے جائیں گے۔ اور یہ بیان کافی ہے کہ امت رسول نے اپنے سے پہلے لوگوں کے قوانین کو اختیار کیا اور قرآن کو نظر انداز کر دیا۔ اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن نے ایک پوری قوم کو مکمل قرآن مجزب قرآن، مجزب قرآن قرار دیا۔ اُسے اللہ اور رسول کا دشمن اور مجرم بتایا۔ رسول نے اس قوم کو تارکِ اسلام و قرآن اور سابقہ اقوام کا پیرو بتایا۔ اور اس قوم نے ثابت کر دیا کہ جو کچھ ان کے لئے کہا گیا تھا وہ اُس سے کہیں بڑھ کر اللہ و رسول اور قرآن کی کافر و ظالم و فاسق ہے۔ اس کے باوجود قوم اور اُس کے لیڈر ایک مقدس قوم اور بزرگ و محترم اشخاص بنے رہے۔ یہ کیسے ہوا؟ قرآن کی موجودگی اور دن رات قرآن کی تلاوت کے باوجود کیسے ہوا؟ اس کا جواب قرآن (25/30) میں موجود ہے کہ اُس قوم اور اس کے لیڈروں نے قرآن کو مجبور کر کے پڑھا اور پڑھا یا قرآن کی ہر کلیدی بات کو بدل کر دوسرا رنگ دے کر لوگوں کے دلوں میں راسخ کیا۔ جھوٹے قصوں اور افسانوں کو احادیث اور واقعات کہہ کر لوگوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ قلب و ذہن سے قبولِ حق و تلاش کو بالکل خارج کر دیا۔ اپنی خود ساختہ تفہیم کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا۔ کمال یہ کیا کہ مسلمانوں میں فرقے تو مصلحتاً بہت سے بنائے مگر سوچنے اور دلیل و برہان پیش کرنے کا ایک ایسا سانچہ حوالے کر دیا جو مخالفت کے باوجود بھی تائیدِ قریش ہی کی کرے۔ اور بحث و مناظرہ کا نتیجہ کسی نہ کسی طرح قریش ہی کے حق میں نکلے اور لوگ خود کو حق پر سمجھتے اور خوش ہوتے رہیں۔ بہر حال عوام الناس نے انہیں رسول کے صحابہ سمجھ کر اور انہیں علمائے اُمت سمجھ کر اعتماد کیا۔ ان کا اکرام و احترام واجب سمجھا ان کی ہر بات کو صحیح سمجھا۔ مگر صحابہ اور علمائے نام کے لوگوں نے عوام کے اعتماد و اعتبار و احترام سے دن رات ناجائز فائدہ اٹھایا اور انہیں تباہی و گمراہی کے غار میں دھکیل دیا اور اُلٹا ان پر بد کرداری کا الزام لگاتے اور انہیں شرمندہ کرتے اور نچوڑتے رہے۔

دوم۔ آخر ہمارا نمبر آیا اور ہمیں اجازت و قدرت و ہمت ملی کہ فریقین کے علما کو قرآن کے سامنے روکیں اور لگام دیں

باطل کو شکست دینے اور حق کی فتح کے لئے قرآن کی پناہ لازم ہے

حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ:

وَ كِتَابُ اللَّهِ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ نَاطِقٌ لَا يَعْصِي لِسَانَهُ، وَ بَيَّتْ لَا تُهْدِمُ أَرْكَانَهُ وَ عَزَّ لَا تُهْزَمُ أَعْوَانُهُ (خطبہ 133 جملہ 8:6)

”اللہ کی کتاب تمہارے سامنے اس بے باکی سے بولنے والی ہے کہ اس کی زبان کبھی لڑکھاتی نہیں ہے۔ وہ ایسا گھر ہے جس کے ستون

منہدم نہیں کئے جاسکتے ہیں۔ اور وہ ایسی مستقل عزت کی مالک ہے کہ اُس کی اعانت کرنے والے لوگ کبھی شکست کھاتے ہی نہیں ہیں۔“

مکمل عصمت یا تحفظ کے لئے اور مکمل طور پر نجات کے لئے قرآن کو اپنے اوپر واجب کر لو۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ:

وَ عَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ؛ فَإِنَّهُ الْجَبَلُ الْمَتِينُ؛ النُّورُ الْمُبِينُ وَ الْعِصْمَةُ لِلْمُتَمَسِّكِ؛ وَ النَّجَاةُ لِلْمُتَعَلِّقِ؛ (خطبہ 155)

”اور تم عمل کے لئے اپنے اوپر اللہ کی کتاب کو واجب کر لو۔ یقیناً وہی اللہ کی مضبوط رسی و وسیلہ ہے، وہی بیان کرنے والا نور ہے و ابستہ رہنے والے کے لئے مکمل تحفظ و عصمت ہے۔ اور تعلق رکھنے والے کے لئے مکمل نجات ہے۔“

قرآن سے وابستگی ہر احتیاج سے مستغنی کر کے کامیاب کر دیتی ہے

یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَاعْلَمُوا أَنَّ هَذَا الْقُرْآنَ هُوَ النَّاصِحُ الَّذِي لَا يَغْشَى؛ وَالْهَادِي الَّذِي لَا يَضِلُّ وَالْمُحَدِّثُ الَّذِي لَا يَكْذِبُ؛ وَمَا جَالَسَ هَذَا الْقُرْآنَ أَحَدًا إِلَّا قَامَ عَنْهُ بِزِيَادَةٍ أَوْ نَقْصَانٍ؛ زِيَادَةٌ فِي هُدًى وَنَقْصَانٍ مِنْ عَمَى؛ وَتَوَجَّهُوا إِلَيْهِ بِحُبِّهِ؛ وَلَا تَسْأَلُوا بِهِ خَلْقَهُ؛ إِنَّهُ مَاتَوْجَّهَ الْعِبَادُ إِلَى اللَّهِ بِمِثْلِهِ؛ وَاعْلَمُوا أَنَّهُ شَافِعٌ وَمَشْفَعٌ وَقَاتِلٌ وَمُصَدِّقٌ وَأَنَّهُ مَنْ شَفَعَ لَهُ الْقُرْآنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفَعَ فِيهِ؛ وَمَنْ مَحَلَّ بِهِ الْقُرْآنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صُدِّقَ عَلَيْهِ؛ فَإِنَّهُ يُنَادِي مَنْادٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: ”أَلَا إِنَّ كُلَّ حَارِثٍ مُبْتَلَى فِي حَرْثِهِ وَعَاقِبَةُ عَمَلِهِ غَيْرَ حَرْثَةِ الْقُرْآنِ“ فَكُونُوا مِنْ حَرْثَتِهِ وَاتَّبِعْهُ؛ وَاسْتَدِلُّوهُ عَلَى رَبِّكُمْ؛ وَاسْتَصْحُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَاتَّهَمُوا عَلَيْهِ أَرَائِكُمْ وَاسْتَغْشُوا فِيهِ أَهْوَانِكُمْ؛ (خطبہ 190 بیان الامامة)

”یہ سمجھ لو کہ یہ قرآن ایسا ناصح ہے جو دھوکا نہیں دیتا اور ایسا ہادی ہے جو گمراہ نہیں کرتا اور ایسا حدیث بیان کرنے والا ہے جو رسول پر جھوٹ نہیں بولتا۔ اس قرآن کا ہم نشین (ساتھی) ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو بلا اضافہ اور بلا نقصان کے اس کے پاس سے اٹھے۔ اضافہ اپنی ہدایت میں کرتا ہے اور نقصان لاعلمی کا کرتا ہے۔ (یعنی جہالت گھٹ جاتی ہے) قرآن کی طرف قرآن کی محبت سے متوجہ ہوا کرو (جیسے ایک پیارے دوست سے ملتے ہیں) قرآن کے وسیلے سے بھیک مت مانگنا۔ یقیناً اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور اُسے متوجہ کرنے کا قرآن سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ جان لو کہ قرآن ایسا شفیق اور قیامت میں بھی سفارش کرنے والا ہے کہ جس کی شفاعت اور سفارش ہر جگہ اور ہر حال میں مقبول ہے۔ اور ایسا بولنے والا ہے جس کی ہر بات تصدیق شدہ ہے۔ یاد رکھو کہ بروز قیامت ایک منادی، میدان محشر میں آواز دے کر اعلان کرے گا کہ دیکھو آج قرآن کی کھیتی بونے والوں، قرآن کے کاشتکاروں کے سوا ہر قسم کا کاشتکار اپنے اپنے انجام میں مبتلا ہے۔ لہذا تم قرآن کے کاشتکار بن جاؤ اور اُس کی پیروی میں لگے رہو۔ اور اپنے پروردگار سے مربوط رہنے کے لئے قرآن کو دلیل بناؤ۔ قرآن سے اپنی ذات کی اصلاح اور اپنے نفوس کو نصیحت کرو اور سمجھاتے رہو۔ اور اپنے دل و دماغ میں قرآن کے متعلق پیدا ہوتی رہنے والی رائے پر تہمت لگاؤ اُسے کبھی قبول نہ کرو۔ اور قرآن کے مقابلہ میں اپنی خواہشات، مصلحتوں اور تمنائوں کو فریب خوردہ چیزیں سمجھو اور قرآن کو اُن سب پر ترجیح دو۔“ (خطبہ نمبر 190)

ذاتی رائے و اجتہاد سے لوگوں نے حکومت بنائی اور فتنہ کھڑا کیا

إِنَّمَا بَدَأَ وَفُتِنَ الْفِتْنِ أَهْوَاءٌ تَتَّبَعُ؛ وَ أَحْكَامٌ تُبْتَدَعُ؛ يُخَالِفُ فِيهَا كِتَابُ اللَّهِ؛ وَيَتَوَلَّى عَلَيْهَا رِجَالٌ رَجَالًا عَلَى غَيْرِ دِينِ اللَّهِ..... الخ (خطبہ 50)

اس لئے کہ: ”فتنوں اور فساد کا آغاز اُن خواہشوں اور مصلحتوں اور ذاتی رائے و اجتہاد سے ہوتا ہے جن کی پیروی کی جائے اور ایسے احکام سے ہوتا ہے جو اللہ کی کتاب کے خلاف ایجاد کر لئے جائیں اور جنہیں نافذ کرنے کے لئے کچھ لوگ ایک دوسرے کو حاکم بنا لیتے ہیں۔“

سوم۔ ہم نے قرآن کی پیروی اور پناہ لیکر ہزاروں سال قدیم اجتہاد سے ٹکری اور قریشی منصوبوں اور انتظامات کو بے نقاب کر کے رکھ دیا

علی مرتضیٰ علیہ السلام کی ہدایات کے ماتحت ہم نے اپنے نمبر پر یہ سوچا کہ تمام علماء قرآن کو اپنا ہادی و راہنما مانتے اور لکھتے ہیں۔ اگر ہم بھی وہی کچھ مانیں جو وہ مانتے ہیں تو ہمارا بھی وہی حال ہونا چاہئے جو اُن کا ہے اور جو ہمیں ہرگز پسند نہیں ہے۔ وہ اُن تمام چیزوں سے محروم ہیں جن کا وعدہ اور اعلان حضرت علی علیہ السلام نے کیا ہے۔ مسلمانوں کے علماء دیگر اقوام کے علماء سے شکست کھاتے، پٹتے چلے آئے ہیں۔ انہیں نہ عصمت حاصل ہے، نہ تحفظ، نہ نجات حاصل ہے نہ ممکن معلوم ہوتی ہے۔ اُن کا قرآن بولتا ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ کوشش کر کے قرآن کے مطالب بیان کرتے ہیں۔ جگہ جگہ قرآن کی اصلاح کرتے ہیں۔ یعنی قرآن اُن کے ہاتھوں میں گونگا اور ناقص ہے۔ دنیا کی اقوام ہی کی نظر میں نہیں بلکہ خود اُن علماء کی نظر میں قرآن ایک غیر اہم کتاب ہے۔

وہ صبح سے شام تک جس قدر استفادہ ملکی اخباروں اور ریڈیو، ٹیلیویژن اور ڈائریوں اور کینڈروں سے کرتے ہیں۔ اتنا فائدہ اور مدد انہیں قرآن سے نہیں ملتی۔ نہ قرآن اُن کو نور میں کام دیتا ہے۔ نہ انہیں اللہ سے مربوط کرتا ہے۔ اُن کے گھر ہی نہیں بلکہ اُن کے ممالک بھی روز منہدم ہوتے رہتے ہیں۔ نہ اُن کی ہدایت میں قرآن سے روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے نہ اُن کی جہالت و حقائق کائنات سے لاعلمی میں کمی آرہی ہے۔ بلکہ اُن کی جہالت روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ ہدایت روزانہ گھٹ رہی ہے۔ وہ قرآن کو روزگار اور لکھ پتی بننے کا ذریعہ بنا لے بغیر بھوکے مرجائیں گے۔ اُن کو قرآن کے ذریعہ اللہ کی توجہات حاصل نہیں بلکہ اللہ کی نفرت حاصل ہو رہی ہے۔ نہ قرآن اُن کے لئے شفیع ہے نہ سفارش کرتا ہے۔ ہماری اس سوچ اور وحشت کو حضور نے یہ فرما کر اطمینان سے بدل دیا کہ ”اپنے دل و دماغ میں قرآن کے متعلق پیدا ہوتے رہنے والی رائے کو پسند نہ کرو بلکہ ہر رائے پر تہمت لگاؤ۔ یعنی رائے اچھی ہو یا بُری، مخالف ہو یا موافق اُسے بُرا ہی سمجھا کرو۔“

ہم نے ساری عمر دیکھا کہ قرآن کے ساتھ علماء کا سلوک، اس کے سراسر اور جائز سمجھ کر، خلاف ہے۔ پھر حضور نے اپنی تمام خواہشات اور مصلحتوں کی بھی قرآن سے نفی کر دی ہے اور مسلمان علمائے اس پر بھی عمل نہیں کیا ہے۔ بلکہ حضور نے تو یہ بھی بتا دیا ہے کہ مسلمانوں کی یہ بدترین حالت اور فتنہ و فساد کا ہنگامہ ہی اس لئے ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی رائے اور خواہش سے نئے نئے احکام اور بدعتیں نافذ کرنے کے لئے ہی حکومت بنائی تھی۔ (يَسْأَلُونَكَ عَنِ الَّذِينَ رَجَعُوا إِلَى الْكُفْرِ وَقَالُوا لَا مُعَادَاةَ لَنَا بِإِلَهِكَ فَذَرْنَاهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمُخْلِطِينَ) کہ دین خداوندی کے علاوہ ایک اور دین تیار کر دیا جائے۔ اور زیر بحث خطبہ 17 کے آخر میں یہ فرمایا تھا کہ:

”انہیں تب تک قرآن کی تلاوت پسند ہی نہیں آتی جب تک قرآن کے طے شدہ خدائی مفاہیم کو بدل کر پیش نہ کیا جائے۔“

(خطبہ 17 جملے 38-39) اور یہ سب کچھ عہد مرتضویٰ میں ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ عہد مرتضویٰ میں خوبیاں قابل نفرت و مذمت اور

زشتیاں قابل مدح و ثناء بن گئی تھیں۔ (خطبہ 17 جملہ 40)

حضرت علی علیہ السلام کے ان بیانات اور مسلمانوں اور اُن کے علماء کے حالات و واقعات کی وجہ سے ہم نے اپنی ذات اور بضاعت قلب و ذہن و فکر و رائے و قیاس و خیال و گمان اور وہم کو قرآن کے سپرد کر دیا اور اپنی اصلاح و ہدایت کا ذمہ دار قرآن کو بنالیا۔ اور طے کر لیا کہ اس کے وہی معنی و مفاہیم اختیار کریں گے جو اس کے الفاظ کے مادوں اور مصدروں سے برآمد ہوں گے۔ اور معنی کرتے وقت کسی خارجی چیز کا اثر اور دباؤ محسوس نہ کریں گے۔ جو کچھ قرآن کہے اور جس طرح کہے اُس کو اُسی طرح اختیار کریں گے۔ اپنی طرف سے ہرگز کچھ نہ کہیں گے۔ اور جہاں مشکل پیش آئے گی

قرآن ہی سے مدد طلب کریں گے۔ جب تک مدد نہ ملے گی اور مشکل حل نہ ہو جائے گی، کچھ نہ کریں گے۔ کسی سے نہ پوچھیں گے نہ خود رائے قائم کریں گے۔ اگر کچھ بگڑتا ہوگا تو بگڑنے دیں گے۔ اور قرآن کو ذمہ دار سمجھیں گے۔ اُسے ہم سے خود بات کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ وہ تو ناطق ہے۔ اس کی زبان لڑکھڑاتی نہیں ہے۔ ہمیں راہ دکھانے اور ہدایت کی طرف بڑھانے کے لئے نور اللمین بننا چاہئے۔

مختصر یہ کہ ہم نے حضرت علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق قرآن کریم کو اپنا رفیق و جلسی و ہم نشین و راہنما بنا کر ہر وقت اس کے پاس رہنا شروع کر دیا (وَمَا جَالَسَ هَذَا الْقُرْآنَ أَحَدًا إِلَّا قَامَ عَنْهُ بِزِيَادَةٍ أَوْ نَقْصَانٍ) اور فیصلہ کر لیا کہ جب تک ہدایت حاصل نہ کر لیں گے اور جہالت و لاعلمی کم نہ ہو جائے گی نہ اٹھیں گے۔ (زِيَادَةٌ فِي هُدًى وَ نَقْصَانٌ مِنْ عَمَى) اور ان تمام عقائد و اعمال سے بالکل بازر ہیں گے جو دین کے نام پر مسلمان علماء و اہل علم و لازم کہتے ہیں۔ مثلاً نماز کیوں پڑھیں؟ اور کون سی نماز پڑھیں؟ شیعوں والی یا سنیوں والی؟ جب کہ ہر قسم کی نماز پڑھنے والوں کا اللہ سے کوئی تعلق و رابطہ نہیں ہے۔ جب کہ وہ تمام اقوام عالم کے، یہود و نصاریٰ اور لادینوں یعنی کمیونسٹوں تک کے سامنے بھکاری اور ہر چیز کے محتاج ہیں؟ اب یہ کام قرآن کا اور قرآن کی صفات بیان کرنے والے کا ہے کہ وہ آگے بڑھیں، ہمیں وہ نماز بتائیں جو اللہ قبول کرے ہمیں نماز کے متعلق نتائج و انعامات دے۔ ہم میں اور سابقہ نمازیوں میں محسوس و مشہور فرق پیدا کرے۔ اور ہمیں وہ سب کچھ خود بتائیں جو اللہ ہم سے چاہتا ہے۔ ورنہ ہم ان تمام عبادتوں اور اعمال پر نفرین کرتے رہیں گے جو اسلامی کہلاتے اور بے نتیجہ ثابت ہوتے رہے۔ اور ان پر عمل کرنے والے ذلت و کبوت و رسوائی کی معراج تک جا پہنچے اور خود اپنی اور ساری دنیا کی نظر میں حقیر و بے مایہ اور بدنام ترین لوگ ہیں۔

چارم۔ چودہ سو سال کی دین کے نام پر تیار کی ہوئی بے دینی چھوڑتے ہی ہم حقیقی مسلم و دیندار و کامیاب و کامران ثابت ہو گئے

قارئین سُنیں، مانیں یا نہ مانیں، کہ قرآن اور صاحب قرآن (اہل الذکر) نے بولنا شروع کر دیا اور وہ سب کچھ دے دیا جس کی ہمیں ضرورت تھی، ہم ہادہی اور ہدایت کے حضور میں پہنچ گئے۔ ہمیں ہمارے کرنے کے کام بتائے اور اب تک حقیقی دین سے جدا رہنے پر ہمیں ہماری غلطیاں بتائیں۔ ہم سے پوچھا گیا کہ:

1: جس قوم کو اللہ و رسول نے قرآن جھٹلانے کے لئے معنوی رد و بدل کرنے کا مجرم کہا ہے (فرقان 25/30) اور جسے اللہ و رسول کا دشمن قرار دیا ہے (25/31) تم نے اُس کو اللہ و رسول کا دشمن سمجھنے کے بجائے اُس کا تیار کیا ہوادین کیوں اختیار کیا؟ 2: اُس کی لکھی ہوئی قرآن کی تفاسیر پر کیوں اعتبار کیا؟ 3: تم نے اس کی پسندیدہ روایات کو رسول کی احادیث کیوں سمجھا؟ 4: کیا تمہارے اس عمل درآمد سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تم بھی اللہ و رسول کو جھوٹا سمجھتے ہو؟ 5: بتاؤ کہ ”قوم“ کسے کہتے ہیں؟ 6: اور رسول کی قوم کون سی تھی اُس کا نام کیا ہے؟ 7: کیا رسول کے بعد اسی قوم کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی؟ 8: کیا صدیوں تک قریشی حکومت قائم اور غالب نہیں رہی؟ 9: کیا تم کسی ایسی حکومت کا نام بتا سکتے ہو جو اپنی رعایا کو اپنی مخالفت میں جو چاہے لکھنے اور کہنے کی اجازت دیتی تھی؟ 10: پھر تم نے کس بنیاد پر ان کتابوں کو صحیح سمجھا جو اس حکومت نے لکھوائی تھیں جو دشمن خدا و رسول تھی؟ 11: کیوں تم نے اُن کی دین داری، روزہ، نماز وغیرہ کو فریب سمجھا؟ 12: اس پورے عمل درآمد کے معنی اس کے سوا اور کچھ ہو سکتے نہیں سکتے کہ تم نے قرآن کی واضح اور عام فہم آیات پر یقین نہیں کیا؟ اب تم نے قریش کو اور اُن کے پیش کردہ اسلام کو ترک کر دیا اور تمہارے قلب و ذہن سے یہ قوم اور اُس کا بزور قائم کردہ احترام جاتا رہا اس لئے اب تم اللہ و رسول کے دشمن کو دشمن اور دوست کو دوست سمجھنے لگے۔ اور یوں تمہارا شمار مومنین اور ہدایت کے حقداروں میں ہو گیا ہے۔ لہذا قرآن میں جو کچھ کہا گیا، جس کے لئے کہا گیا اُس پر اسی طرح ایمان لاتے اور مانتے جاؤ بس تم

ہدایت یافتہ اور کامیاب و نجات یافتہ ہو جاؤ گے۔

قارئین خود بھی مندرجہ بالا (12) باتوں کا کم از کم اپنے اطینان کی حد تک جواب تیار رکھیں تاکہ تم اللہ کو یا کسی باز پرس کرنے والے کو صحیح جواب دے سکو۔ اور ان جرائم سے بچ نکلو جو ہم نے لاشعوری میں ترک کر کے نجات پائی۔

پہم۔ قرآن کو مجبور کر کے اس کے معنی و مفاہیم کا رخ موڑنے کی ایک عملی اور ہمہ گیر مثال جس میں شیعہ و سنی دونوں برابر کے مجرم ہیں

یہ سب کو معلوم و منظور ہے کہ قرآن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور رسول نے اپنی قوم کی شکایت اپنی تبلیغی مہم کے دوران تجربہ کے بعد کی تھی۔ یعنی قریش حضور کی موجودگی میں ”قرآن کو“ نزول قرآن کے ساتھ ساتھ مجبور کرتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں فرمایا تھا کہ:

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝ (فرقان 25/30)

رفیع الدین: ”اور کہا رسول نے اے رب میرے تحقیق قوم میری نے پکڑا ہے اس قرآن کو چھوڑا ہوا۔“ (صفحہ 436 فرقان 25/30)

اللہ و رسول اور قرآن کا منشا و مقصد و معنی کیسے تبدیل کر دیئے گئے؟

اگر قرآن کے الفاظ کا یہ ترجمہ یوں ہی باقی رکھا اور لوگوں تک پہنچایا گیا ہوتا تو قریش نزول قرآن کے زمانہ سے لے کر مجرم رہتے چلے آتے اور ان کی قرآنی ترجمانی و تفہیم و تفسیر مجرمانہ سمجھی جاتی اور کوئی اُس کا اعتبار نہ کرتا اور ان کی دینداری و دین سازی فریب و مکر و حکومت کی پالیسی سمجھی جاتی۔ مگر چونکہ وہ مسلمانوں پر حکمران ہو گئے اس لئے قریش کو اس جرم سے بچانے اور قرآن کی تفسیر و ترجمانی کو مستند ٹھہرانے کے لئے جو تدبیر کی گئی اُس کی زو سے اسی آیت وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝ (فرقان 25/30) کا ترجمہ اور مطلب یوں سامنے لایا گیا کہ:

1: مولوی اشرف علی سنی ”اور (اُس دن) رسول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری اس قوم نے اس قرآن کو (جو کہ واجب العمل تھا)

بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔“ (ترجمہ صفحہ 578)

اشرف علی کی تشریح: ”مطلب یہ کہ خود کفار بھی اپنی ضلالت کا اقرار کریں گے۔ اور رسول بھی شہادت دیں گے۔ اور شہادت جرم کی یہی دو

صورتیں معتاد ہیں۔ اقرار اور شہادت اور دونوں کے اجتماع سے یہ ثبوت اور بھی موکد ہو جائے گا۔ اور سزا یاب ہوں گے۔“ (صفحہ 578)

یعنی قرآن کو مجبور کرنے کے معنی قرآن کے الفاظ کے معنی بدلنا ہوئے چنانچہ قَالَ کو یقول بنا دیا گیا

مطلب واضح ہے کہ رسول اللہ نے اپنی زندگی میں قریش پر قرآن کو مجبور کرنے کا جرم عائد نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ قیامت میں وہ شکایت کریں گے جو اس آیت (25/30 سورہ فرقان) میں مذکور ہے۔ لہذا کوئی ابو بکر و عمر اور دیگر قریش کا دنیا میں اعتبار کیوں نہ کرتا جب کہ رسول نے اپنی زندگی میں یہ شکایت کی ہی نہیں تھی؟ مگر یہ عذر قابل قبول نہیں اس لئے کہ لفظ ”قَالَ“ کے معنی کہے گا نہیں ہوتے۔ بلکہ کہہ چکا ہوتے ہیں۔ ذرا اس آیت (25/30) سے دو آیات پہلے والی آیت (25/27) میں لفظ ”يَقُولُ“ دیکھ کر اسی مولوی کا یا کسی اور مترجم کا ترجمہ دیکھیں تو لکھا ہوا ملے گا ”کہے گا“، معلوم ہوا کہ ماضی کو مستقبل میں بدلا گیا اور قَالَ کے وہ معنی کئے گئے جو يَقُولُ کے ہوتے ہیں۔ یوں قریشی پالیسی نے رسول کی شکایت کا زمانہ بدل کر اس آیت کو مجبور کیا تھا۔ اور اس وقت بھی مجبور کیا ہوا ہے۔

آیت (25/30) میں مذکور قوم یعنی قریش سے کفار مراد لے کر آیت کا رخ موڑا گیا ہے

دوسری ترکیب یہ کی گئی ہے کہ اس آیت میں اپنی طرف سے لفظ کفار کا اضافہ کر دیا گیا ہے تاکہ رسول کی شکایت کا رخ کفار کی طرف موڑ

دیا جائے۔ حالانکہ آیت میں نہ مؤمنین کا ذکر ہے نہ کافروں کی بات ہے۔ بلکہ ”رسول کی قوم“ (اِنَّ قَوْمِیْ) کی شکایت ہوئی ہے خواہ وہ کافر تھے یا مومن تھے سب کے سب پوری قوم مجرم تھی۔ لفظ ”قَوْمِی“ کے معنی صرف ”میری قوم“ ہیں اور اس میں قوم کے تمام افراد، عورتیں، بچے اور ہر قسم و عمر کے لوگ داخل ہیں۔ آیت کو کافروں یا مومنوں یا کسی خاص زمانے کے لوگوں سے مخصوص کرنے کے لئے یا تو اس آیت میں یا کسی اور آیت میں اللہ کا بیان ہونا چاہئے۔ چونکہ آیت تمام قریشیوں کو مجرم قرار دیتی ہے اس لئے ضروری ہوا کہ قوم کے لیڈر خود کو بچانے کے لئے ہیرا پھیری کر کے آیت (25/30) کو مجبور کریں۔ لہذا مجرم کی بات اُس کے حق میں قابل قبول نہیں ہے۔ قرآن نے قوم کو مجرم قرار دیا ہے (25/30-31) اس لئے قرآن کی ایسی آیت پیش کرنا لازم ہے جس میں اس قوم سے اس جرم کو الگ کیا گیا ہو یا قوم قریش کی معافی کا بیان ہو۔

حیات رسول کے جرم کو اور قول رسول کو قیامت تک ملتوی کرنا اگلی آیت سے باطل ہو جاتا ہے

مترجمین اور قریش کا جرم آیت (25/30) کے معنی بدلتے ہی ثابت ہو گیا۔ اس لئے کہ اُن کا جرم ہی یہ بتایا گیا ہے کہ ”میری قوم نے اس قرآن کے معنی تبدیل کر کے اپنے حق میں ڈھال لیا ہے۔“ (25/30) پھر اگلی آیت میں اللہ نے رسول کی اس شکایت پر قریشی قوم کو رسول کا دشمن اور مجرم فرمایا ہے اور حضور کی مدد و نصرت و راہنمائی کا ذمہ لیا ہے (25/31) اگر یہ شکایت صرف قیامت میں کی ہوتی تو اب نہ کسی نصرت کی ضرورت رہے گی نہ قریش کے خلاف راہنمائی کی حاجت ہوگی۔ اس لئے کہ قیامت میں قریش مومن تھے تب، کافر تھے تب اور منافق و مرتد تھے اور سب کچھ تھے تب، جہنم واصل کر دیئے جائیں گے۔ لہذا جرم عہد رسول میں ثابت ہے۔ شکایت حیات رسول میں کی گئی تھی۔ اور قریش قرآن و رسول کے دشمن تھے اور بس۔

ششم۔ آیت کے معنی اور زمانہ بدلنے میں تسلسل اور مخالف و موالف یعنی شیعہ و سنی علما کا ہمنوا رہنا جاہل عوام کے لئے کافی ہو گیا

ساری دنیا جانتی ہے کہ شیعہ علما بھی قریش کے اس فریب میں مبتلا ہوئے ہیں کہ (معاذ اللہ) خود رسول اللہ اور علیؑ و ابوطالبؑ یعنی خانوادہ رسول بھی قریش ہی تھے۔ اس لئے شیعہ علما نے بھی لفظ ”قوم“ سے قوم کے بجائے چند لوگ مراد لئے اور یوں خلفائے قریش سے جرم کو ساقط کرنے کے لئے وہی ترجمہ اور مفہوم عوام کے سامنے رکھا جو قریشی پالیسی نے گھڑ کر دیا تھا۔ لہذا شیعہ مجتہدین اور اُن کے شیعہ مقلدین بظاہر خلفائے ثلاثہ پر لعنت بھیجتے رہے لیکن باطن اُن کے برحق ہونے کی بالواسطہ تصدیق کرتے رہے۔ اس سلسلے میں چند اور سنی شیعہ ترجمے پیش کئے جاتے ہیں جو سب کے سب یک زباں ہو کر قَال (وہ کہہ چکا) کے معنی ”وہ کہے گا“ کرتے ہیں۔ اور شکایت کا موقع قیامت کا دن بتاتے ہیں۔ شیعہ حضرات خاص طور پر اپنے مترجمین کا حال نوٹ کریں۔

2: مولوی فتح محمد جالندھری۔ سنی: ”اور پیغمبر کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔“ (صفحہ 492)

فتح محمد کی تشریح: اس ترجمہ کے بعد مولانا نے یہ وضاحت کی ہے کہ:

”جناب رسالتاً قیامت کے روز خدا سے شکایت کریں گے کہ میرے پروردگار میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا، چھوڑ دینے کی کئی صورتیں ہیں۔
1: اس کو نہ ماننا اور اُس پر ایمان نہ لانا بھی چھوڑ دینا ہے۔ 2: اس میں غور نہ کرنا اور سوچ سمجھ کر نہ پڑھنا بھی چھوڑ دینا ہے۔ 3: اس کے اوامر (احکام) کا بجانہ لانا اور منہیات سے اجتناب نہ کرنا بھی چھوڑ دینا ہے۔ 4: قرآن کی پرواہ نہ کر کے دوسری چیزوں جیسے بیہودہ ناولوں، دیوانوں، لغو

باتوں، کھیل تماشوں راگ و رنگ میں مصروف ہونا بھی چھوڑ دینا ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل کے مسلمان قرآن کی طرف سے نہایت غافل ہو رہے ہیں۔ اس کے پڑھنے، سوچنے، سمجھنے اور ہدایات سے مستفید ہونے کی طرف توجہ نہیں کرتے اور یہ کھلم کھلا ترک قرآن مجید ہے۔“ (صفحہ 492)

1: امداد حسین کاظمی شیعہ ”اور رسول عرض کریگا کہ اے میرے پروردگار بے شک میری قوم نے اس قرآن کو بالکل متروک ٹھہرا لیا۔“ (صفحہ 433)

2: مقبول احمد شیعہ ”اور رسول (اُس وقت) یہ فرمائیں گے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن (قرآن ناطق) کو بالکل چھوڑ دیا

تھا۔“ (صفحہ 578)

مقبول احمد کی تشریح۔ ”یہ پوری آیت جناب رسول خدا کا ”عرضی دعویٰ“ ہے۔ پس مدعا علیہم اسے خوب غور سے پڑھ لیں اور تاریخ پیشی کے آنے سے پہلے اپنی اپنی فکر کر لیں۔ لفظ مجبور یا ہجر ہائے مقصورہ سے ہے جس کے معنی چھوڑ دینا ”یا ترک کر دینا“ ہے یا ہجر ہائے مفتوحہ سے ہے۔ جس کے معنی ہدیان بنانا یا بکواس کے ہیں۔ برطبی اول معنی یہ ہیں۔

”کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن (یعنی میری آل قرآن ناطق) کو چھوڑ دیا تھا۔“ اور برطبق ثانی مطلب یہ ہے کہ:

”میری قوم نے اس قرآن کو بکواس قرار دے لیا تھا۔ کہ باء بسم اللہ سے سین ناس تک پڑھ گئے مگر خدا اُن کا ستیاناس کرے جو ایک حرف بھی سمجھے ہوں کہ تیری غرض اس کے نازل کرنے سے کیا تھی۔“ (صفحہ 578)

شیعہ تراجم پر چند جملے یعنی وہ شیعہ نہیں ہیں

یہ ہے وہ کمال جو قریشی پالیسی اور عملدرآمد نے کیا تھا۔ قارئین غور فرمائیں کہ مولوی مقبول احمد کے ہر لفظ سے خلفائے ثلاثہ ہی سے نہیں بلکہ تمام اہل سنت والجماعت سے دشمنی اور بغض نیک رہا ہے۔ اور انہوں نے بریکٹ لگا کر اپنے خیال میں آل محمد اور علیؑ سے عقیدت و دوستی کا ثبوت بھی دیا ہے۔

مگر تائید اسی پالیسی کی کی ہے جو خلفائے ثلاثہ یا قریش نے بڑے تدبر اور محنت سے نافذ کی تھی۔ یعنی

1: قریش نے اس سطوروں میں لکھے ہوئے قرآن کو نہ چھوڑا اور نہ مجبور کیا نہ ہدیان بتایا نہ بکواس قرار دیا۔ بلکہ رسول کی شکایت کا مطلب یہ ہے

کہ قریش نے علیؑ و آل محمدؑ کو چھوڑے رکھا۔ یعنی قریش بہر حال قرآن کو چھوڑنے کے مجرم نہ تھے۔ یہی مقصد تھا قریش کا۔ جو حاصل ہو گیا۔

2: اور یہ بھی کہ دنیا میں رسول اللہ نے اللہ سے نہ علیؑ و آل محمدؑ کو چھوڑنے کی شکایت کی تھی نہ قرآن کو ترک کرنے کی شکایت کی تھی بلکہ وہ

جناب قیامت میں یہ شکوہ کریں گے۔

یعنی مقبول احمد اور امداد حسین نے بھی قال کو یقول بنا کر ”کہہ چکا“ کی جگہ ”کہے گا“ معنی کئے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان دونوں شیعہ مترجمین کے نزدیک

اللہ نے قرآن میں قریش کو نہ دشمن رسول قرار دیا (25/31) نہ انہیں قرآن کریم میں گڑبڑ کرنے والا فرمایا لہذا مسلمانوں کو قریش پر کوئی شک و شبہ نہ

ہونا چاہئے اور نہ اُن کی قرآنی ترجمانی و تفسیر کو بیکسر رد کرنا چاہئے۔ بلکہ جو بات صحیح ہو اُسے قبول کرنا چاہئے اور جو غلط ہو اُسے رد کرنا چاہئے۔ یعنی شیعہ

علمائے قریش کو اسلام و قرآن کے میدان میں ڈٹے رہنے کا موقع فراہم کیا۔ حالانکہ قرآن کی یہ دونوں آیات (25/30-31) انہیں قیامت تک

اسلامی اور قرآنی میدان سے خارج کرتی ہیں۔ اور انہیں قرآن و رسول کا مستقل دشمن کہتی چلی آئی ہیں۔ لہذا یہ شیعہ لبیل کے علماء درحقیقت شیعہ نہیں

بلکہ قریشی علماء ہیں جو اپنے لبیل کی وجہ سے شیعوں کو گمراہ رکھنے کے ذمہ دار ہیں۔

لفظ مجبور کے معنی کر کے بھی ان علما نے جہالت کا ثبوت دیا ہے

ہجر و مجبور و ہجرت اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مہاجر بھی ترک وطن کرتا ہے مگر وہ تارک الوطن نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ مہاجر خوشی اور آزادی سے وطن نہیں چھوڑتا۔ اُسے حالات مجبور کرتے ہیں۔ مستقبل کو تارک ہو جانے سے بچانے کے لئے ہجرت کی جاتی ہے اس لئے مہاجر ترک وطن پر مغموم ہوتا ہے۔ اور جس وطن کو یا جن لوگوں کو چھوڑ کر جاتا ہے وہ سب مجبور کہلاتے ہیں۔ اور انہیں بھی مہاجر کی ہجرت پر دکھ و رنج ہوتا ہے۔ لہذا مجبور کے معنی متروک نہیں ہوتے۔ متروک خوشی اور آزادی سے بری سمجھ کر چھوڑی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ لہذا رسول کی شکایت میں قرآن کو ترک کر دینا یا قرآن کو چھوڑنا نہیں ہیں۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ قریش نے قرآن کو ایک منٹ کے لئے بھی نہ ترک کیا نہ چھوڑا۔ وہ قرآن کو حفظ کرتے رہے۔ پڑھتے پڑھاتے رہے۔ تفسیریں لکھیں۔ نصاب تعلیم میں لازم رکھا۔ یعنی برابر قرآن سے لپٹے رہے۔ قرآن سے روپیہ کماتے رہے۔ قرآن کی دہائی دے کر جان بچاتے رہے۔ اس کے باوجود انہوں نے قرآن کو روز اول سے مجبور رکھا۔ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ آپ نے دیکھا تھا انہوں نے لکھا تھا کہ ”پکڑا ہے قرآن کو چھوڑا ہوا“، یعنی قرآن کو اس طرح قابو میں کیا ہے کہ چھوڑا ہوا بھی رہے اور پکڑا ہوا بھی یعنی انہوں نے راہنمائی حاصل کرنے کے لئے اس قرآن سے ایسے راہنما کی طرف ہجرت کی ہے جو قرآن کی بہترین تفسیر سکھاتا ہے۔ اور وہ بہترین راہنما قومی مجتہد و اجتہاد تھا۔ یعنی قرآن کا وہ مطلب اختیار کیا جائے گا جو قومی مجتہد بیان کرے گا چنانچہ سربراہ قریش نے یہ حکم نافذ کر دیا تھا کہ:

يَقُولُونَ اِنْ اُوتِينَا هَذَا فَخُذُوهُ وَاِنْ لَمْ تُوْتُوْهُ فَاحْذَرُوْا الخ (مائدہ 5/41)

مودودی ترجمہ: ”لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو نہیں تو نہ مانو۔“

مودودی تشریح: ”66 یعنی جاہل عوام سے کہتے ہیں کہ جو حکم ہم بتا رہے ہیں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی حکم تمہیں دیں تو اُسے قبول کرنا ورنہ رد کر دینا۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 470)

ہماری دو باتیں 1: مودودی نے خیانت کی اور 2: اصل حقیقت کو چھپا لیا ہے

قارئین فی الحال علامہ کی وہ بات نوٹ کریں جو ہمیں بھی عرض کرنا ہے۔ یعنی رسول کے مقابلہ پر کچھ ایسے لیڈر یا راہنما موجود ہیں جن کا حکم مانا جاتا ہے۔ اور جس طرح وہ حکم دیں اسی طرح مانا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی کبھی اُن کا حکم اور رسول کا حکم ایک ہی ہوتا ہے۔ یعنی وہ راہنما بھی اسلام ہی کی تعلیم اور احکام دیتے ہیں اور وہ بھی مسلمان ہیں اور اُن کے احکام کی تعمیل کرنے والے بھی مسلمان ہیں۔ اور یہ بھی ماننا ہوگا کہ اُن کے اور رسول کے اسلامی احکامات میں کبھی کبھی اختلاف بھی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ راہنما یہ نہیں چاہتے کہ مسلمان کسی ایسے حکم پر عمل کریں جو اُن کے حکم سے مختلف ہو۔ اس لئے وہ مسلمانوں کو رسول اللہ کے اُن احکام پر عمل کرنے سے روکتے ہیں جو اُن کی بصیرت کے خلاف ہو۔ اس صورت حال سے یہ ثابت ہے کہ وہ راہنما رسول کے مقابلے میں مسلمانوں کو زیادہ پسند ہیں۔

اب یہ دیکھئے کہ مودودی نے اُن مخصوص راہنماؤں کے احکام کی تعمیل کرنے والوں کو اپنی رائے اور قیاس سے جاہل بھی کہا ہے اور عوام بھی لکھ دیا ہے۔ حالانکہ آیت میں ایسا کوئی لفظ نہیں۔ یعنی علامہ کے نزدیک قرآن کے مفہوم میں تبدیلی جائز ہے۔ پھر انہوں نے ترجمہ میں لکھا ہے کہ: ”نہیں تو نہیں مانو“ اور تشریح میں لکھا ہے کہ: ”ورنہ رد کر دینا“

قارئین آیت کو دیکھیں اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کے معنی ”نہ ماننا“ یا ”رد کر دینا“ کئے جاسکیں۔ اور ایسا حکم عقل مندرمد مقابل

راہنما نہیں دے سکتے اس لئے کہ پھر تو مسلمانوں میں دو مخالف گروہوں کا راز کھل جائے گا۔ اور رسول کے حکم کو رد کرنے یا نہ ماننے والوں پر منکر ہونے کا فتویٰ لگ جائے گا جو مذکورہ راہنماؤں کی پالیسی کے خلاف ہوگا۔ اس لئے انہوں نے بڑے محتاط الفاظ میں یہ حکم دیا ہے کہ: ”اگر رسول تمہیں ایسا حکم دیں جو ہمارے بتائے ہوئے حکم کے خلاف ہو تم ترکیب سے بچ نکلا کرو (فَاحْذَرُوا) حذر کرنے کے معنی ”خوفزدہ رہتے ہوئے بچنا“ چنانچہ الفاظ ”الْحَذَرُ اور الْاِمَانُ“ اردو لکھے بڑھے لوگ بھی بولتے ہیں۔ بہر حال وہ مخصوص راہنما اپنے مطیع لوگوں کو مسلمانوں میں گھلاملا رکھنا اور اپنے طرز تعلیم و تفہیم پر عمل پیرا رکھنا چاہتے ہیں۔ رسول کے مقابلے میں ڈٹ کر مخالفت کرنا انہیں پسند نہیں ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ راہنما بھی اسلامی تعلیمات دے رہے ہیں اور رسول بھی یہی کام کر رہے ہیں اور وہ راہنما وہی لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کے مفہیم کو اپنے اجتہاد و بصیرت سے تیار کر کے پھیلا دیا ہے۔ اُن کا گروہ پہلے سے جانتا ہے کہ ہمارے راہنماؤں کا فلاں مسئلے میں کیا حکم ہے اور منتظر رہتا ہے کہ رسول اس مسئلے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ اسی صورت حال نے جب حدود پار کر لیں تو رسول اللہ نے اللہ سے شکایت کی تھی کہ میری قوم نے اس قرآن کے مفہیم کو الٹ پلٹ کر کے پھیلا دیا ہے۔ یعنی قرآن کو مجبور کر دیا ہے اور اللہ نے جواب میں قریش کو رسول کا دشمن اور مجرم قرار دیا اور نصرت اور راہنمائی کا وعدہ کیا۔

(25/30-31)

ہفتم۔ رسول کا مقابلہ شریعت ساز ادارہ، قریش کو نیا اسلام، نئی شریعت اور حکومت بنا کر دینے والا قرآن میں طاعوت کہلاتا ہے

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عمر وہ راہنما تھا جس نے تمام سابقہ اقوام اور حکومتوں کے قوانین و قواعد کی خود اقتداء اور پیروی کی اور مملکت میں پبلک سے اُن قوانین و قواعد کی اتباع اور پیروی کرائی اور اس طرح حدیث رسول کو صحیح ثابت کیا۔ عمر اور دیگر خلفائے قریش نے اس عمل درآمد سے قرآن کے اس دعویٰ کو جھوٹا اور باطل ثابت کر دیا کہ:

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (يوسف 12/111)

مودودی ترجمہ: ”یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں اُن ہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438)

اُن کے عمل درآمد سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ قرآن میں ہر چیز کی ہرگز تفصیل نہیں ہے اور یہ کہ یہ ایک بناوٹی بات تھی۔ اگر تفصیلات ہوتیں تو عمر، یہود و مجوس و نصاریٰ کی سنت کو کیوں اختیار کرتا؟ یعنی عمر اینڈ کمپنی نے جہاں مندرجہ بالا دعویٰ کو جھوٹا ثابت کیا ہے وہیں قرآن کے اس بیان کی تصدیق کر دی کہ: وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ الخ (انعام 6/66) ”میری قوم نے قرآن کو جھوٹا ثابت کر دیا حالانکہ وہ مکمل حق ہے۔“

قرآن اور رسول کے احکام نا کافی تھے اس لئے طاعوت سے تفصیل درکار تھی

عمر اور اس کی قوم سے یہ اپیل کی گئی تھی کہ:

”اے مومنین تم اللہ کی اطاعت کیا کرو اور تم رسول کی اطاعت کیا کرو اور اللہ و رسول جس کو تم پر حاکم بنائیں اُن کی اطاعت کیا کرو اور اگر کسی معاملہ میں تم میں تنازعہ پیدا ہو جایا کرے تو اُس معاملہ کو خود طے نہ کر لیا کرو بلکہ اس کو فیصلے کے لئے اللہ اور رسول کی خدمت میں پیش کیا کرو یہ طریقہ اور تاویل بہترین ہے اگر تم اللہ پر اور آخرت کے مواخذہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس تاویل پر عمل کیا کرو (نساء 4/59) اے رسول کیا آپ نے اُن مومنین کو نوٹ نہیں کیا جن کا اعلان اور دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ مومنین یقیناً اُس تمام سامان پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر

نازل ہوا ہے اور ان کتابوں پر بھی وہ ایمان رکھتے ہیں جو تجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ مگر اُس دوہرے دوہرے ایمان کے باوجود اُن کا ارادہ و تہیہ یہ ہے کہ احکام اور فیصلوں کے لئے وہ طاغوت کو حاکم مانیں گے۔ حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا جا چکا ہے جسے انہوں نے مانا نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ شیطان نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ انہیں گمراہی کی تمام حدود پار کر کے چھوڑے گا۔‘ (ساء 4/60)

ان دونوں آیات کی عربی قرآن میں خود دیکھیں اور قریش کے متعلق ہمارے بیان کو سامنے رکھیں تو آپ کے سامنے ایک ایسی قوم آکھڑی ہوگی جو مومن ہے مگر اللہ و رسول کی اطاعت اپنے خود فہمیدہ طریقے پر کرتی ہے اور اس اطاعت کا معیار اور حدود اُن کے قومی سربراہ نے طے کر دی ہیں اور یہ بتا دیا ہے کہ قوم نے رسول کے احکام میں سے کس قسم کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور کون سے احکام کا انکار کئے بغیر رد کرنا ہے۔ اس آخری آیت (4/60) میں لفظ اَلشَّيْطَان آیا ہے یعنی ایک خاص شیطان مطلوب ہے۔ جس کو اس قوم پر یقین ہو کہ اس کے حکم کی تعمیل ضرور ہوگی اس یقین پر اس شیطان نے اس قوم کو حد و فراموش بنانے کا ارادہ کر رکھا ہے اور یقیناً یہ شیطان وہی ہے جسے اُس کے یار نے شیطان کہا تھا جو اس پر غالب رہتا تھا اور وہ کہنے والا ابو بکر تھا اور جس نے اُس سے رسول کا راستہ چھڑایا تھا وہ عمر تھا جس نے نیا دین بنایا، نئی شریعت تیار کی اور قرآن کو جھوٹا ثابت کیا سابقہ اقوام کی قدم بقدم اقتداء اور پیروی کی اور قرآن کو مجبور کر کے چھوڑا۔

(16-ط) رسول کی قوم قریش نے رسول کے اقتدار و حکومت پر قبضہ کے لئے قرآن کو مجبور کیا اور اللہ کی نظر میں مردود ہو کر رہ گئی

قریش کی تمام اسکیمیں، منصوبے اور نقل و حرکت قرآن میں اس حُسن کے ساتھ بیان کر دیئے گئے کہ خود قریش کو محسوس نہ ہوا کہ ہماری مذمت کی جارہی ہے یا ہمارا راز کھولا گیا ہے۔ لیکن اہل قرآن علیہم السلام سے کوئی بات پوشیدہ نہ تھی نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے قریش کا قرآن کے معنی و مفہیم کا بدلنا بے کار و بے نتیجہ ہوتا چلا گیا۔ اور صاحبان قرآن علیہم السلام سے وابستہ لوگ قریش کو ہر رنگ و لباس میں پہچانتے رہے اور جب ضرورت ہوئی قریش کو اُن کی برہنہ اور مجرمانہ تصویر دکھاتے رہے اور جن چیزوں کا قریشی راہنماؤں کو وہم و خیال بھی نہ تھا وہ چیزیں انہیں خود اُن کے تیار کردہ قرآنی ریکارڈ سے تفصیل کے ساتھ دکھاتے رہے۔ یوں قریشی راہنما اور علما مجبور ہو ہو کر اپنے مذہبی ڈھانچے کی مرمت اور اصلاح میں لگے رہے اس اصلاح اور مرمت کا نتیجہ بھی قریش کے خلاف نکلا یعنی اُن کا ہر اصلاح یافتہ مذہبی ڈھانچہ پہلے ڈھانچے سے مختلف ہوتا چلا گیا۔ یعنی اُن کا مذہب متخالف و متضاد فرقوں میں بٹتا اور منتشر ہوتا چلا گیا اور آج حالت یہ ہے کہ اُن کا ہر فرقہ اپنے سوا باقی تمام فرقوں کو گمراہ اور جہنمی کہہ کر قریشی پالیسی کی شکست و ریخت کا اعلان کرتا ہے اور قرآن اور صاحبان قرآن کے رویے کے برحق ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ قریش کے اختیار کردہ اسلام کی پوزیشن اللہ نے طرح طرح سے بیان کی ہے۔ جسے قارئین برابر دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔ یہاں یہ دیکھئے کہ قریش نے یہ فیصلہ بھی کر رکھا تھا کہ رسول اللہ اور حقیقی مسلمانوں میں گھلے ملے رہو مگر تنق بکف یا مال بدست رہ کر رسول کی حقیقی نصرت کبھی نہ کرو ٹالتے رہو، بہانے تیار رکھو اور منہ کھول کر مخالفت نہ کرو۔ اس پالیسی پر عمل کرنے سے وہ عوام میں اپنے حقیقی مومن ہونے کا یقین تو پیدا کر سکے مگر وہ اللہ و رسول کو دھوکا کیسے دے سکتے تھے؟ لہذا قرآن نے نہ صرف اس پالیسی کا ریکارڈ قرآن میں محفوظ کر دیا اور لکھ دیا کہ قریشیوں نے نہ کبھی تلوار سے اسلام کی نصرت کی نہ اسلام کے فروغ میں مال صرف کیا۔ لہذا آج بھی ہم انہیں روک کر مندرجہ ذیل آیات سے اُن کی فداکاری اور مالی مدد کے افسانوں کی دھجیاں بکھیر سکتے ہیں اور انہیں بتا سکتے ہیں کہ اللہ و رسول نے تمہیں ملتِ اسلام سے خارج کرنے کی دھمکیاں بھی دی ہیں اور قریش کے بدلے میں ایک اور قوم کو اُن کی جگہ لانے کا اعلان یوں کیا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَتَأْتَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ
فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبَدِلَ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَنْصُرُوهُ
شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيًا إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ
يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا
السُّفْلَى وَكَلِمَةَ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (سورہ توبہ 40-38/9)

”اے مومنین! تمہاری کون سی مصلحت آڑے آ رہی ہے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ جب بھی تم سے کہا گیا کہ تم اللہ کی راہ میں مسلح ہو کر نکلو تو تم نے ہمارے اس حکم کو بہت ثقیل سمجھا اور زمین گیری اختیار کر لی کیاتم آخرت کی نجات کے بدلے میں دنیاوی زندگی پر راضی اور متفق ہو گئے ہو؟ سو کہ آخرت کی نجات کے مقابلے میں دنیا کا سارا مال و متاع بہت حقیر اور کم ہوتا ہے۔ اگر تم جنگ کے لئے اب بھی نہ نکلے تو تمہیں دردناک عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اور تمہارے بدلے میں تمہاری جگہ ایک دوسری قوم لائی جائے گی۔ اور تم اُس کا کوئی بھی نقصان نہ کر سکو گے۔ یعنی تمہاری پوری قوم کے نکال دینے سے کوئی نقصان نہ ہو جائے گا۔ یہ سمجھ لو کہ تمہیں نکال دینا اور دوسری قوم کا لانا ہی نہیں بلکہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔ اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے اور آئندہ بھی اس کی مدد نہ کرو گے (مضارع) تو کوئی پرواہ نہیں ہے اس لئے کہ اللہ نے تو اُس کی مدد اس وقت بھی کی تھی جب اُسے حق کو چھپانے والے لوگوں نے بے یار و مددگار کے مکہ سے نکال دیا تھا۔ اور وہ غار میں دو میں کا دوسرا تھا۔ اور اپنے صحابی سے کہہ رہا تھا کہ غمگین نہ ہو اللہ ہم دونوں کے یہاں بھی ساتھ ہے۔ چنانچہ ہم نے رسول کی مدد کے لئے ایسی فوجیں بھیج دی تھیں جنہیں تم دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ اور اُس پر سکینہ بھی نازل کیا تھا۔ اور یوں حق پوشوں کی بات کو اللہ نے مٹی میں ملا دیا اور یوں اللہ کا کلمہ بلند تر ہوتا رہتا ہے۔ اور اللہ تو عزت و حکمت کا مالک ہے۔“

(16-ی) قریش نے رسول کی مالی و جانی نصرت نہیں کی پوری قوم کو بدلنے سے نقصان نہ ہونا، قریش کا جہنمی ہونا؛ ابو بکر کی ہجرت اور نصرت کی نفی

قارئین کرام ان تین آیات (9/38-40) میں قریش کی چند اہم ترین اور بنیادی حیثیتوں کی نفی کر دی گئی ہے۔ چنانچہ آپ ان آیات کے الفاظ کو ترجمے کے ساتھ ساتھ دیکھتے چلیں اور خود بھی وہ فیصلے کریں جو اللہ نے ریکارڈ کئے ہیں۔ دیکھئے: پہلا فیصلہ کہ قریش نے کبھی اور کسی مقدر میں اسلام اور رسول کی نہ مال سے مدد کی نہ جان سے نصرت کی۔ یہ فیصلہ ایک لفظ ”إِذَا قِيلَ“ سے کیا گیا ہے۔ یعنی جب بھی قریش سے جنگ کے لئے کہا گیا تو انہوں نے زمین گیری اختیار کر لی یعنی بیٹھے رہنا، ساتھ ساتھ رہنا مگر تلوار نہ چلانا اُن کا عمل رہا۔ پھر اُن پر دنیا کے مال و اسباب اور سامان حیات سے مستقل وابستگی کا الزام عائد کیا۔ یعنی وہ مال و دولت اور زندگی کو اتنا عزیز سمجھتے تھے کہ انہیں آخرت اور نجات کی بھی فکر نہ تھی۔ لہذا مالی نصرت نہیں کی اور اسی سے دوسرا فیصلہ بھی ہو گیا یعنی انہیں نجات درکار نہیں چنانچہ وہ آخرت سے محروم ہوئے اور انہیں اسی بنا پر دردناک عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ تیسرا فیصلہ پہلے فیصلے کی تائید بھی کرتا ہے۔ یعنی انہوں نے کسی قسم کی اور کسی مقدر میں رسول کی نصرت نہیں کی۔ اس کے لئے مضارع کے صیغے سے نفی کی ہے کہ ”إِنَّ لَّا (إِلَّا) تَنْصُرُوهُ“ ”اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے اور آئندہ بھی نہ کرو گے۔“

چوتھا فیصلہ یہ ہے کہ ابو بکر ہجرت میں بھی رسول کا ساتھی نہیں۔ وہ رسول کا ناصر و مددگار بھی نہیں ہے۔ وہ کفار کا نکالا ہوا ہجرت نہیں کر رہا ہے اور اُس کا یہ ایمان بھی نہیں ہے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ اور اس پر یقین نہیں رکھتا کہ اللہ اپنے رسول کی اس غار میں مدد کر سکتا ہے اور ضرور مدد

کرے گا۔ اس فیصلے کو اس طرح سمجھئے کہ اللہ قریش کو ایک ایسا موقعہ بتانا چاہتا ہے جب رسول اللہ کا نہ کوئی مددگار پاس تھا نہ کہیں دور سے مدد کی توقع تھی۔ اس سلسلے میں غار کا اور غار میں جو صحابی تھا اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور اس موقعہ پر اپنی مدد کا ثبوت دیا ہے۔ لہذا یہ بات خود بخود ثابت ہو گئی کہ ابوبکر غار میں رسول مددگار نہ تھا اور رسول اس کی موجودگی میں بھی مدد کے ضرورت مند تھے۔ اور اللہ نے اُن کی مدد کی تھی۔ اور چونکہ اُس موقعہ پر اللہ نے اپنی مدد کو لفظ ”اَيَّدَهُ“ سے ظاہر فرمایا ہے اور ”اَيَّدَهُ“ میں واحد کی ضمیر استعمال کر کے ابوبکر کے موجود ہوتے ہوئے اپنی مدد سے خارج کر دیا ہے۔ ورنہ اگر ابوبکر کی مدد بھی کی گئی ہوتی تو لفظ ”اَيَّدَهُمَا“ فرمایا جاتا۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غار میں ابوبکر کو کوئی خطرہ نہ تھا نہ مدد کی ضرورت تھی۔ اور یہ بہت بُری بات تھی۔ یعنی اگر گرفتار کرنے والے آجاتے تو ابوبکر ان کا اپنا آدمی تھا اسے گرفتار نہ کرتے بلکہ احسان مند ہوتے کہ ابوبکر نے گرفتاری میں مدد کی ہے۔ غالباً لَا تَحْزَنُ ڈانٹ کر کہا گیا تھا۔ یعنی خبردار شورش نہ کرنا ورنہ گلا گھونٹ دوں گا۔ یاد رکھ یہاں اللہ ہمارے پاس ہی ہے کہیں دُور نہیں۔ اور وہ ڈر کر خاموش ہو گیا ہوگا۔ پھر ایسی ہی صورت لفظ ”اَخْرَجَهُ“ سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی دشمنوں نے تمہارا رسول کو نکالا تھا۔ اگر ابوبکر کو بھی نکالا ہوتا تو یہاں لفظ ”اَخْرَجَهُمَا“ چاہئے تھا تو یہ بات طے ہو جاتی کہ دشمنوں نے رسول کو مع ابوبکر نکالا تھا۔ لہذا معلوم ہوا کہ ابوبکر کو نہ تو دشمنوں نے نکالا نہ وہ رسول کے ساتھ نکلا۔ لہذا پھر تائید ہوئی کہ ابوبکر دشمنوں کا اپنا آدمی تھا جو کسی ترکیب سے غار میں ساتھ تھا۔ لہذا ابوبکر کی نصرت کے ساتھ ساتھ ہجرت اور ہمدردانہ معیت بھی ختم ہو کر رہ گئی۔ اور یہی شخص اُس قوم کا بنائے جانے والا پہلا خلیفہ تھا۔ قارئین نوٹ کریں کہ ان تین آیات (9/38-40) نے قریشی حکومت کا؛ قریشی حکومتوں کے تیار کرانے ہوئے سینکڑوں افسانوں کا اور خود قوم قریش کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔ اور ان میں آخری آیت (9/40) پر چودہ سو سال سے قریشی علما فخر کرتے اور شیعہ علما کو تنگ پکڑتے آئے ہیں۔ انہیں پاس بٹھا کر ہمارا یہ عنوان (16-ی، ک) سنائیے اور مزاج پرسی کیجئے۔

(16-ک) کنجوسی میں بھی یہودیوں کو خواہ مخواہ بدنام کیا ہے۔ قریش کا باقی بد اخلاقیوں کے ساتھ ساتھ کنجوسی میں بھی پہلا نمبر ہے۔ ملت سے اخراج کی دھمکی: اب ہم آپ کو پھر دکھاتے ہیں کہ قریش کو اُن کی ناہنجاری سے باز رکھنے کے لئے طرح طرح اور بار بار ملت سے خارج کرنے کی دھمکی دی جاتی رہی ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا تھا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۚ إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌّ وَلَهُوَ الْهُوَ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۚ إِنَّ يَسْأَلْكُمْ مَوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبَحَّلُوا وَ يُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ۚ هَٰئِنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لَتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخَلُ وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلْ عَن نَّفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۚ (مُحَمَّدٌ 38-47)

”اے مومنین تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اطاعت نہ کر کے اپنے اعمال باطل نہ کر لیا کرو۔ یقیناً جن لوگوں نے حق کو چھپایا اور خدا کے طریقہ سے لوگوں کو باز رکھا اور حق پوشی کرتے کرتے مر گئے اُن کو تو اللہ نہ بخشے گا۔ چنانچہ تم کمزوری اور بوداپن نہ دکھاؤ۔ اور دشمنوں سے بلا اجازت صلح کی بھیک نہ مانگو تو تم ہی غالب رہنے والے ہو۔ اللہ تمہارے بھی ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع

نہ کرے گا۔ یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشہ ہے۔ اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کر لو تو اللہ تمہیں تمہارے اجر دے گا اور تم سے تمہاری دولت نہ مانگے گا۔ اس لئے کہ اگر کہیں اللہ تم سے تمہاری دولت مانگ لے اور ساری مانگ لے تو تم نخل (کنجوسی) کرو گے۔ اور ایسا کر کے وہ تمہارا چھپا ہوا کھوٹ ظاہر کر دے گا۔ اے تم وہی لوگ تو ہو جن کو اللہ کی راہ میں مال دینے کی دعوت دی جا رہی ہے اور تم کنجوسی کرتے جا رہے ہو۔ بہر حال جو کنجوسی کرتا ہے وہ خود اپنی ذات سے کنجوسی کرتا ہے اور کرے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تم سب اس حال میں بھی فقیر ہو اور اللہ ہی غنی و بے نیاز ہے۔ اور اگر تم ولایت و حکومت قائم کرو گے تو اللہ تمہیں ایک دوسری قوم سے بدل لے گا جو تمہارے جیسی ناہنجار نہ ہوگی۔“

(16-ل) قریش میں وہ تمام بُری باتیں تھیں جن کی بنا پر اُسے ملت سے خارج کئے جانے کے قابل سمجھا جانا چاہئے۔ نافرمان اور باغی

یہ دوسرا مقام ہے جہاں قریش کو ملت سے خارج کر دیئے جانے کی دھمکی دی گئی ہے۔ یہاں یہ بات نوٹ کر لیں کہ عہد رسول میں لفظ قوم صرف قریش کے لئے استعمال ہوا ہے۔ لہذا جب مومن قوم کا تذکرہ ہو آپ بلا تکلف قریش کو مراد لے لیں اس لئے کہ انصار قوم نہیں کہلاتے تھے اور جب کسی پوری قوم کو لانے یا قوم سے بدلنے کی بات ہو تو قوم کے بدلے میں جانے والی بھی قوم ہی ہونا چاہئے نہ کہ چند افراد اور خارج کئے جانے والی قوم وہی ہو سکتی ہے جو مجرم اور دشمن رسول ہو جس نے قرآن کو مجبور کیا ہو (31-25/30) قرآن کو جھٹلا کر رکھ دیا ہو (6/66) اور ایسی قوم رسول کی قوم یا قریش تھے۔

سابقہ عنوان نمبر (16-ک) میں قریش کو مال دنیا کی دل دادہ، وایمان و آخرت دادہ قوم کہا تھا۔ اُس زیرِ قلم عنوان میں اُن کے مال و دولت کا اور دولت کی پرستاری کا باقاعدہ ذکر کیا گیا ہے۔ انہیں یہاں تک رعایت دی گئی ہے کہ اگر وہ قریشی مومنین صرف سچا ایمان لے آئیں اور پرہیزگاری اختیار کر لیں تو اُن سے راہ خدا میں مال و دولت نہ لینے کا وعدہ کر لیا گیا ہے (47/36) اس لئے کہ مال خواہ کم مانگا جائے یا سارا مانگ لیا جائے تو وہ انکار کر دینگے اور اُن کی مومنت کا بھانڈا پھوٹ جائیگا (47/37) اس کے بعد وہ صورتحال بیان کی جو درپیش تھی یعنی مال خرچ کرنے کا انہیں حکم دیا تھا اور وہ نخل کر رہے تھے اور برداشت کیا جا رہا تھا (47/38) آخر انہیں ملت سے خارج کرنے کی دھمکی سے بغاوت کرنے اور رسول کے مقابلے پر مسلمانوں میں ایک اور حکومت بنانے سے روکا گیا۔ (اِنَّ تَتَوَلَّوْا) اور چاہا گیا کہ وہ کم از کم اللہ و رسول کی ظاہری اطاعت ہی کرتے رہیں۔

(16-م) ان آیات (38-47/33) میں ادھر مسلمانوں میں دو جماعتیں قائم ہونے کا یقین ہے ادھر حکومت رسول ہاتھ سے نکل جانے کا یقین ہے:

یہ بات قرآن سے ثابت ہو چکی ہے کہ قریش کی اسلامی راہنمائی مجتہدانہ انداز میں داخلی مرکز سے کی جا رہی ہے مسلمانوں میں دوسری طرف رسول اللہ راہنما ہیں۔ قریشی مرکز یا طاغوت صرف ان احکام پر عمل کی اجازت دیتا ہے جو قریشی ادارہ کی بصیرت کے مطابق ہوں۔ ادھر رسول طاغوت سے کفر کا حکم نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر قریش دن دہاڑے اپنے طاغوت سے فیصلے کر رہے ہیں۔ یہ دو عملی ڈھکی چھپی چل رہی ہے۔ رسول ختم ٹھونک کر قریش کو اس لئے چیلنج نہیں کرتے کہ قرآن کے نام پر مسلمان دودھڑوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ مد مقابل راہنمائی قریشی سربراہ رسول پر الزام تراشیاں کرے گا۔ قرآن کی تعبیرات کا جھگڑا کھڑا کر دے گا۔ خاندانی جانبداری کا الزام لگائے گا۔ الگ الگ حکومت قائم ہو جائے گی۔ اور آخرون ریز تصادم ہوگا جو نہ اللہ چاہتا ہے نہ رسول اور نہ مفید ہے۔ اس لئے رسول کو صبر و تحمل لازم ہے اور یہی اللہ نے بار بار حکم دیا ہے کہ یہ جو کچھ بھی کہیں تم صبر کرو اور ان سے نہایت حسنین انداز میں ہجرت کر لو۔ لہذا قریش کی زیادتیاں برداشت کی جا رہی ہیں۔ نظام غیبت اور تحریک تشیع

برسر کار ہیں، بہترین اور کارگر ترین ہجرت کی تیاری ہو رہی ہے۔ اُدھر قریش بھی رسول سے کھلے تصادم کو پسند نہیں کرتے اس لئے کہ اس میں سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ وہ رسول کے جانشین اور خلیفہ نہ کہلا سکیں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کہیں رسول اُن پر منکر اسلام ہونے کی وحی تلاوت نہ کر دیں۔ لہذا وہ بھی اللہ اور رسول کی دھمکیاں برداشت کرنے پر مجبور ہیں اور رسول کی موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے ادھر مسلمانوں کو راضی رکھنے میں کوشاں رہتے ہیں (توبہ 9/62) اور ادھر دشمنوں سے بھی صلح صفائی میں لگے رہتے ہیں (47/35) جس سے باز رہنے کے لئے گذشتہ آیات (38-47/33) میں تقاضا ہوا ہے۔ بہر حال اس داخلی اور خاموش تصادم میں قریش ہی کو دب کر رہنا پڑتا ہے اور بُری سے بُری بات سننا پڑتی ہے کہ قرآن کے الفاظ اُن کا پردہ رکھتے ہیں مگر اُن کے لیڈر کافی کچھ سمجھتے ہیں۔

(16-ن) قریشی مومنین کو ایک اور تنبیہ اور ایک معلوم و پسندیدہ محبوب قوم کو مقابلے پر لانے کی دھمکی اور اعلان حکومت الہیہ سے ڈرایا گیا

اس عنوان میں سامنے آنے والی آیات بتاتی ہیں کہ قریشی قسم کے قومی مسلمانوں میں کچھ لوگ رسول اللہ سے الگ ہو جانے کے لئے سربراہ قریش پر دباؤ ڈالتے تھے یا خود حضور ہی کو دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ بہر حال اللہ نے ایسے لوگوں کو الگ ہو جانے کی پالیسی سے باز رکھنے کے لئے جو ابی دھمکی یوں دی ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (مائدہ 56-54/5)

”اے مومنین جو کوئی ایک بھی تم میں سے اپنے دین کا رد و ابطال کرے گا تو یاد رکھو کہ اللہ بہت جلد ایک ایسی قوم کو لاکھڑا کرے گا جن کو اللہ پیارا سمجھتا ہے۔ اور جو خود بھی اللہ سے محبت کرتے ہیں اور مومنین کے ساتھ خاک نشین و نرم خو ہیں اور حق پوشوں کے سامنے بہت بھرا کر اور معزز ہیں اور ڈٹ کر راہِ خدا میں جنگ کرتے ہیں اور حق بات پر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ اُن کی وہ پوزیشن اللہ کا خاص فضل ہے۔ اللہ جسے پسند کرتا ہے اُسے اُس فضل سے نوازتا ہے اور اللہ وسعتیں پیدا کرنے والا علیم ہے۔ اور وہ حقیقت جس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا یہ ہے کہ تمہارے لئے حقیقی حاکم جو ہر حال میں ہمدرد رہتے ہیں وہ اللہ ہے، اُس کا رسول ہے اور وہ مخصوص مومنین ہیں جو مقاصد خداوندی کے لئے نادار و زبوں حال رہتے ہوئے (داکع) بھی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور جو کوئی حاکم بنا لے اللہ کو، اللہ کے رسول کو اور ان مومنین کو وہی یقیناً اللہ کا گروہ ہے اور وہ ہمیشہ غالب رہنے والا ہے۔“

قارئین ان آیات (5/54-56) میں دو اقوام کا ذکر ہوا ہے۔ ایک قوم اللہ کی محبوب ہے جسے لانے کی دھمکی دی گئی ہے۔ دوسری قوم وہی مومن قوم ہے جس کا تذکرہ ہوتا چلا آ رہا ہے جو اپنی دشمنی میں کامیابی کے لئے ایمان لائی ہے اور جسے دھمکی دی جا رہی ہے۔ دوسری آیت (5/55) میں اُن مستقل حاکموں کا ذکر کیا گیا ہے جو حقیقی معنی میں اسلام اور ساری کائنات کے سربراہ ہیں تاکہ قریش کو اور تمام مسلمانوں کو معلوم رہے کہ اُن حاکموں کے علاوہ ہر حاکم باطل اور اللہ کا مخالف ہوگا۔ یعنی قریش نے جسے در پردہ حاکم بنا رکھا ہے وہ طاغوت اور دشمن خدا اور رسول ہے۔ اس آیت اور ان حاکموں کی تفصیل کے لئے ہماری تفسیر ملاحظہ ہو یہاں پر ایک کلیدی نکتہ سامنے رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت (5/56) میں جو لوگ

مخاطب ہیں اُن میں اُن حضرات کو شمار کرنا غلط ہے جن کو ولی فرمایا گیا ہے یعنی اس خطاب میں اللہ داخل نہیں اس لئے وہی تو مخاطب کر رہا ہے اور اس لئے کہ اُس پر کوئی ولی مقرر نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اس خطاب میں رسول بھی مخاطب نہیں ہے اس لئے کہ اُن کو ولی بنایا گیا ہے اور جن مومنین کو اللہ، رسول کے ساتھ ساتھ برابر کا ولی بنایا گیا ہے وہ بھی مخاطب نہیں ہیں۔ اس لئے بھی کہ ولی بنائے جانے والے الگ ہیں اور جن پر ولی مقرر کئے گئے ہیں وہ الگ ہیں اور وہ تمام حاضر وغیر حاضر اور قیامت تک آنے والے مومنین ہیں۔ اور انہیں پہلی آیت (5/54) کے شروع ہی میں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کہا گیا ہے۔ ولی مقرر کئے جانے والے حضرات کو اس لئے **الَّذِينَ آمَنُوا** کہا گیا ہے کہ وہ بھی اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پھر اُن حضرات کی شناخت یہ ہے کہ وہ سب کے سب حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یہ اگر نماز والا رکوع ہوتا تو اُسے **يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ** سے الگ کرنے کی ضرورت نہ تھی اور کہہ دیا جاتا کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور نماز ہی میں زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں **(يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ)** یہاں رکوع کے معنی لینا ہوں گے ”اور وہ ناداری، بے بسی و بے کسی اور زبوں حالی میں ہیں۔“ لہذا مطلب یہ ہوا کہ وہ اللہ کے حکم **قُلِ الْعَفْوَ (2/219)** کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنے پاس کچھ جمع نہیں ہونے دیتے ہر نماز سے پہلے ہی اُن کی زکوٰۃ ادا شدہ ہوتی ہے۔ اور وہ صرف علیؑ اور آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں اور کوئی نہیں۔

(16-س) حکومت الہیہ اور خدائی حکمرانوں کو اگر قریش مان لیتے تو اُن کی قومی حکومت نہ بنتی اس لئے انہوں نے قرآن کو جھٹلایا اور مجبور کیا

مندرجہ بالا آیات (ماندہ 5/54-56) میں اسلام و کائنات کے حقیقی حکمرانوں یا سربراہوں کا تعین کیا گیا ہے اور قریش کو ایک محبوب ترین قوم کو لانے اور انہیں ملت سے خارج کرنے کی دھمکی دی ہے۔ اب جو آیات آرہی ہیں اُن میں اللہ نے مذکورہ بالا حکمرانوں کی حکومت کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ اگر قریش اُن حکمرانوں اور اس حکومت کی حقیقت کو چھپاتے رہیں تو اُن پر اُسی محبوب قوم کو مسلط کر دیا جائے گا۔ سنئے:

اول۔ آل ابراہیم کو کتاب و حکمت اور عظیم الشان مملکت دی گئی ہے

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا
فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥-٥٤﴾ (نساء 4/54-55)

”کیا یہ لوگ اس بات پر حسد کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے محمدؐ اور اُن کے خانوادہ کو عطیات دیئے ہیں اور یقیناً ہم نے تو آل ابراہیم کو مکمل کتاب و مکمل حکمت اور عظیم الشان مملکت و حکومت بخش دی ہے؟ چنانچہ اُن حسد کرنے والوں میں ایک وہ ہیں جنہوں نے اُس کتاب و حکمت اور مملکت کو مان لیا ہے اور ایک وہ ہیں جو اس کتاب و حکمت اور مملکت کی راہیں روک رہے ہیں۔ جن کے لئے جہنم کا کافی ہے۔“

دوم۔ قریش علیؑ کی حکومت قائم ہونے سے روکنے ہی کے لئے تو آیات کے معنی بدلتے تھے

قارئین آیات کے الفاظ کے ساتھ ساتھ چلا کریں تو کبھی حقیقت چھپی نہیں رہ سکتی۔ مندرجہ بالا آیات (4/54-55) میں کچھ لوگ آل ابراہیم کی نبوت و کتاب و بادشاہت پر حسد بھی کرتے ہیں اور اس پر ایمان بھی لائے ہیں۔ اس لئے کہ ایمان لائے بغیر آیات کے معنی بدل کر مسلمانوں سے منوائے نہ جا سکیں گے اور غیر مسلم کو رسول کی حکومت نہ ملے گی۔ لہذا یہ پالیسی قریش کی تھی کہ اسلام لاؤ، مسلمانوں میں قابل اعتماد مقام حاصل کرو، صحابہ کہلاؤ اور اب اُن تمام آیات کی تاویلات کر ڈالو جو حکومت الہیہ کو علیؑ یا خانوادہ رسول میں مخصوص کریں، قومی اور مشاورتی

حکومت اور شخصی حکومت کا فرق اور افادیت پر متوجہ کرو اور کم از کم قریشی قوم کو تیار کر لو کہ علیؑ تک حکومت نہ جانے دیں گے (طبری و الفاروق) اس لئے وہ حسد کے باوجود اسلام لائے اور اپنے ایک گروہ کو مسلح تصادم اور جنگ و جدل پر لگا کر تعاون شروع کیا۔ یہ ان دونوں آیات (4/54-55) سے ثابت ہو اب دوسرا مقام دیکھیں کہ حاسد کون تھے اور مملکت عظیم اور کتاب و حکمت کن لوگوں کو ملی تھی۔ ارشاد ہے کہ:

وَاسْمَعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا كَلَّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعَالَمِينَ ۝ وَمِنَ الْآبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَأَخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَيَسُو بِهَا بِكْفِيرِينَ ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْبَدَهُ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝ (90-86/6)

”ابراہیمؑ ہی کے خاندان سے اسماعیلؑ، اور یسٰعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ ہیں ان میں سے ہر ایک کو ہم نے پوری کائنات پر فضیلت عطا کی تھی۔ نیز ان کے آبا و اجداد اور ان کی ذریت اور ان کے بھائیوں کو ہم نے صراط مستقیم کی ہدایت کی اور محتجبی بنایا وہی اللہ کی ہدایت ہیں جس سے اللہ جس کو اپنے بندوں میں سے پسند کرتا ہے، ہدایت کر دیتا ہے اور اگر انہوں نے نظام شرکت کو اختیار کیا ہوتا تو ان کا سارا کردار ہی ضائع ہو جاتا۔ وہ وہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے مکمل کتاب اور مکمل حکومت اور مکمل نبوت عطا کی ہے۔ چنانچہ اگر یہ قریش ان عطیات پر پردہ ڈالیں تو پرواہ نہ کرو۔ ہم نے ان عطیات کو ایک قوم کی وکالت میں دے دیا ہے جو ان کو چھپائے گی نہیں بلکہ اشاعت کرے گی اور وہی قوم ہے جن کی خود اللہ نے راہنمائی کی ہے۔ تم بھی ان کی اقتداء اور پیروی کا نظام چلاؤ اور ان سے کہہ دو کہ میں تم سے اس سلسلے میں کوئی بدلہ نہیں چاہتا مطلب یہ کہ مانویا نہ مانویہ تو ایک ایسی مفید بات ہے جس کا تعلق پوری کائنات سے ہے۔ یعنی تم کائنات سے باہر نہیں ہو۔“

یہ تھی وہ قوم اور اس قوم کے سربراہ جس نے قریش کو ناکام و نامراد کر کے بھکاری بنانا تھا اور قرآن کو اس کی حقیقی اسپرٹ اور تعلیمات کے ساتھ پیش کرنا تھا۔ اور قریش کا سارا تار و پود اور ریکارڈ بکھیر کر بے مایہ اور ڈھونگ ثابت کرنا تھا۔

17- قریش کی حکومتوں نے قرآن سے اپنا خود تراشیدہ اسلام حقیقی اسلام کی جگہ پھیلانے کے لئے تاریخ و تقاسیر سے پیار رسول اور

نیا اسلام گھرا

قریش نے قرآن کو مجبور کرنے اور مجبور رکھنے کے لئے قرآن کی ہر سورت کا ایک شان نزول تیار کیا تاکہ ہر سورت سے اس صورت حال کی تصدیق ہو جائے جو قریشی عقائد و کردار کے لئے ضروری تھی۔ پھر وہ فرضی واقعات گھڑوائے گئے جو قرآن کے مفاہیم کا رخ موڑ دیں اور مقاصد قرآن الٹ کر رہ جائیں۔ پھر آیت کی ایسی توجیہ و تفسیر تیار کی گئی جو قریش کے کردار کی صحت پر مہر ثبت کر دے۔ ایسی تاریخ تیار کی گئی جو قریش کو اللہ و رسول کے پسندیدہ لوگ بنا دے۔ اور جو کچھ ان تواریخ و تقاسیر و کتب احادیث و سیر میں لکھا ہو، وہی اسلام اور اسلام کی تعلیمات اور اللہ و رسول کی ہدایات سمجھی جائیں۔ لہذا اس عنوان میں ہم یہ دکھائیں گے کہ یہ تمام کتابیں قریشی خلفانے تیار کرنا کہ پبلک میں پھیلائیں اور ساری دنیا میں وہ اسلام کا صحیح ریکارڈ سمجھا گیا۔

(17- الف) معاویہ و دیگر بنی امیہ نے کتب تواریخ و حدیث وغیرہ لکھوائیں۔ ان کتابوں کی حیثیت

قارئین ہی نہیں بلکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ معاویہ نے حضرت علیؑ اور خاندان مرتضویؑ علیہم السلام پر مہر حراب و مسجد سے لعنت بھیجنے کی

سنت جاری کی جو مملکت اسلامیہ کی ہر مسجد میں سو سال تک جاری رہی۔ اور یہی معاویہ وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے تاریخ و حدیث و تفاسیر وغیرہ پر کتابیں لکھوائیں۔ علامہ شبلی نعمانی سے سنئے:

”صحابہ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی۔ بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے۔ لیکن جو کچھ زیادہ تر زبانی تھا۔ لیکن بنو امیہ نے حکماً علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ قاضی عبدالبر نے کتاب جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے: كُنَّا نَكْرَهُ كِتَابَ الْعِلْمِ حَتَّى اَكْرَهْنَا عَلَيْهِ هُوَ لِاَلْاُمَرَاءِ یعنی ”ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ امراء (حکمرانوں) نے ہم کو مجبور کیا۔“

”سب سے پہلے امیر معاویہ نے عبید بن شریبہ کو یمن سے بلا کر قدامت کی تاریخ مرتب کرائی۔ جس کا نام اخبار المصنئین ہے۔ امیر معاویہ کے بعد عبدالملک بن مروان نے جو 65ھ، 684ء میں تخت نشین ہوا۔ ہر فن میں علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ سعید بن جبیر جو عالم العلماء تھے۔ اُن کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں۔ چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے۔ اُنہی کی تفسیر ہے۔ عطاء بن دینار کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آ گیا تھا۔ اور انہوں نے اپنے نام سے مشہور کر دیا۔“ (سیرۃ النبی حصہ اول صفحہ 20)

(2) علامہ شبلی کا ایک اور بیان: ”تمام وہ بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے۔ سنیوں ہی کی تصنیفیں ہیں۔ اور بظاہر ان میں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ تاریخی واقعات کی نسبت ہم کو اُن ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔“ (الممامون مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ صفحہ 61 زیر عنوان حضرت علی رضا علیہ السلام کی وفات اخیر صفر 203ھ)

(17-ب) معاویہ کے زمانہ تک حدیث سازی کا تقاضا تھا کہ لوگوں کو زبانی یاد کرائیں تاکہ الفاظ و بیانات کی اصلاح ممکن رہے
علامہ شبلی کا یہ بیان کہ معاویہ سے پہلے:

”صحابہ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے لیکن جو کچھ زیادہ تر زبانی تھا۔“ (سیرۃ صفحہ 20)

یہاں قارئین نوٹ کریں کہ وہ تمام بیانات جن کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اُن کا پہلا راوی کوئی نہ کوئی صحابی ہونا لازم ہے جو رسول کے نام سے وہ بیان دوسروں کو سنائے گا۔ دوسرے سننے والے اس پہلے راوی کے نام سے بیان کریں گے۔ مطلب یہ ہوا کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں وہ تمام ذخیرہ لوگوں کو روٹا دیا گیا تھا جو قریشی حکومت رسول کے نام سے آگے بڑھانا چاہتی تھی۔ اگر یہ خلفائے راشدین روایات کو لکھنے اور لکھوانے پر زور دیتے تو لکھے ہوئے بیانات میں مطالب کو گھٹانے، بڑھانے اور اصلاح کرنے کی گنجائش نہ رہتی۔ چنانچہ راویوں کے سلسلے کے پہلے، دوسرے اور تیسرے راوی اسی زمانہ میں تیار کئے گئے تھے۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ وہ تمام صحابہ مدینہ میں نظر بند رکھے گئے تھے جن کی طرف سے قریشی حکومت کو خطرہ تھا یا جن سے مکمل تعاون کا یقین نہ تھا۔

اگر روایت ساز ادارہ روایات کو لکھنا بھی شروع کر دیتا تو ممکن تھا کوئی ناواقف یا لاپرواہ شخص وہ تحریری روایات مدینہ میں بھی لے آتا۔ اس لئے کہ عوام کو یہ راز معلوم نہ تھا کہ مدینہ میں مقید صحابہ اُن روایات کو غلط قرار دیں گے۔ یعنی مدینہ میں بند صحابہ بھی وہ رکاوٹ تھے جس کی وجہ سے

روایات کو زبان و ذہن اور ذہن سے ذہن تک محدود رکھا گیا تاکہ مدینہ سے باہر کی دنیا میں ایک قریش پسند اللہ، ایک مساوی مقام رکھنے والا رسول اور قریشی عملدرآمد اور کردار کی مدح و ثنا کرنے والا اسلام رائج ہو جائے اور اہل مدینہ کو اس دین سازی کا جب پتہ چلے تو معلوم ہو کہ اُن کا معلوم اللہ، اُن کا عظیم الشان رسول اور اُن کے حلقہ میں بچا ہوا اسلام بڑی کسمپرسی میں ہیں اور ہر زبان پر یہاں سے وہاں تک سارے عرب میں اور مفتوحہ ممالک میں اُن کے اندر محصور اسلام نہیں ہے اور اُن کے اسلام کو اور اسلام کے ہیر و علی و غیرہ کو کوئی نہیں جانتا۔ انہیں اسلام کا اور اسلامی حکومت کا دشمن اور باغی مشہور کر دیا گیا ہے۔ اور صورتحال یہ ہے کہ اگر وہ اسلام کی حقیقی تعلیم اور احادیث بیان کریں تو چاروں طرف سے اُن کو جھٹلانے والوں کا ہجوم جمع ہو جائے گا۔ اور ہر اُس حدیث کا توڑ سامنے رکھ دیا جائے گا جو حضرت علی علیہ السلام کی شان میں آنحضرت نے بیان کی تھیں اور اب انہیں مدینہ میں نظر بند قیدی صحابہ کے علاوہ لاکھوں مسلمان نہیں جانتے۔ اور جن کا بیان کرنا اب اسلام سے اور قائم شدہ حکومت سے بغاوت کا ثبوت ہوگا۔ اور اہل مخالفانہ حدیث بیان کرنے والا مجرم اور قابل تعزیر ہوگا۔

لہذا اس خوفناک اکثریت کے سامنے یہ گنتی کے صحابہ کیسے زبان کھولیں گے؟ اور اُن کے کہنے سے وہ احادیث کیسے غلط مان لی جائیں گی جنہیں عرب و عجم، عوام و خواص اور رعایا و حکومت بیان کر رہی ہے اور جن کے مطابق تمام کاروبار حکومت چلتا چلا آ رہا ہے۔ اور جن سے (مہجور) قرآن بھی متفق ہے؟ البتہ اُن چند صحابہ کی بیان کردہ احادیث کو جب چاہیں غلط قرار دیا جاسکے گا اور کثرت تائید کرے گی۔ یہ تھا وہ سبب جس کی وجہ سے حکومت ساز روایات کو لکھنا منع تھا۔ خانہ ساز و قریش نواز احادیث کو لکھنے اور کتابوں کی صورت میں جمع کرنے کا کام مدینہ سے دُور معاویہ کو سپرد کیا گیا تھا۔ جسے اُس نے اور اس کی جانشین حکومتوں نے نہایت قوت و تدبر اور حُسن انتظام سے انجام دیا تھا۔ یہ نظام بھی قائم کیا کہ قریشی خیالات، تصورات، عقائد اور پالیسیوں کی قدامت ثابت کرنے کے لئے مصنوعی خطوط، خطبات، اشعار و قصائد و کہانیاں لکھوائی گئیں اور انہیں سابقہ و قدیم زمانہ کے لوگوں کے نام سے شائع کیا گیا۔ دوسروں کی تصنیفات کو اپنے نام سے لکھا گیا۔ اپنی تصنیفات کو دوسروں کے نام سے پھیلایا گیا۔ اور اتنی شہرت دی کہ ہر شخص اُن فریب کارانہ چیزوں کو حقیقت سمجھنے اور بیان کرنے لگا۔ اور وہ سب کچھ آج تک موجود ہے۔

(17-ج) معاویہ نے بھی دن رات رویہ اور خون پانی کی طرح بہایا تاکہ ابوبکر و عمر و عثمان کو علیؑ سے بڑھا کر اُن کے کردار کو اسلامی بنایا جاسکے

ہم نے بار بار کہا ہے کہ یہ اسلام جسے قارئین چاروں طرف پھیلا ہوا دیکھتے ہیں اس کو تعمیر کرنے اور سجانے میں نوع انسان کا لاکھوں من خون صرف کیا گیا، کروڑوں انسانوں کی گردنیں کاٹی گئیں، آنکھوں میں لوہے کی گرم سلاخیں پھیری گئیں، زبانیں گدی سے کھینچی گئیں۔ قریش کی خود ساختہ تاریخ سے وہ تمام مظالم ثابت ہیں جو اس سلسلے میں کئے گئے اور اسلام کی خدمت کے لئے اسی اسلام کی رُو سے اور اُن ہی احادیث و تقاسیر کی سند سے کئے گئے جن کا ذکر ہو رہا ہے اور جو خلفائے راشدین نے ہر زبان اور ہر دماغ تک پہنچادی تھیں۔ ذرا سوچئے کہ معاویہ نے علیؑ و خاندان علیؑ پر نام بنام لعنت کرنے کا حکم دیا اور ساری مملکت کی ہر مسجد و منبر سے اس پر عمل ہوا۔ کوئی ہنگامہ اور تصادم نہ ہوا اور یہ عمل سو سال تک جاری رہا۔ یقیناً خلفائے راشدین نے جو تصویر لوگوں کے ذہن میں علیؑ کے نام سے مرتسم کی تھی وہ یقیناً قابل نفرت و ملامت تھی اور اسی لئے تمام صحابہ اور مسلمانوں نے مزاحمت نہیں بلکہ تعمیل کی اور ثواب کی امید پر عمل جاری رکھا۔ اور جب اس رسم کو عمر بن عبدالعزیز نے بند کیا تو ہنگامے ہوئے مظاہرے کئے گئے اور کہا گیا کہ: ”علیؑ و خاندان علیؑ پر لعنت نہ کریں گے تو ہمارے اعمال و عبادات کیسے قبول ہوں گے؟“

لہذا معاویہ تو چوتھا خلیفہ تھا۔ پہلا نہ تھا۔ اُس نے تو خلفائے ثلاثہ کی اُس محنت کو (یعنی تحریک بلا تخریر کو) جو انہوں نے لوگوں کی زبان و ذہن تک محدود

رکھی تھی ضبط تحریر میں لانے اور لامحدود کر دینے کا انتظام کیا تھا۔ ہم اس مکمل انتظام کو خطبہ نمبر 201 کی ذیل میں لکھیں گے اس لئے کہ وہاں اس عنوان پر سرکار علیہ السلام نے اصولی روشنی ڈالی ہے۔ یہاں اس انتظام کے چند ایسے بنیادی پہلو سامنے لانا ضروری ہیں جن سے قریش کے اسلامی ریکارڈ تاریخ و تفسیر و حدیث کی حیثیت واضح ہو کر یہ عنوان (17) مکمل ہو جائے۔ چنانچہ ہم یہاں محض ترجمہ اور ضروری مقامات لکھتے ہیں سنئے:

(17-د) معاویہ کے حصے کا کام، خلفائے راشدین نے پبلک کو تیار کر رکھا تھا وہ معاویہ کے احکام کی تفصیلات خود سمجھ جاتے تھے

(1) ”معاویہ نے امام حسن علیہ السلام سے صلح کے بعد اسلامی مملکت کے ہر گورنر اور ذمہ دار افسر کو ایک ہی مضمون کا فرمان بھیجا جس میں سب کو لکھا کہ میں ہر اُس شخص سے بری الذمہ ہوں جو علیؑ اور اولاد علیؑ کے فضائل بیان کرے۔“ یعنی اگر کوئی اُن کو قتل کر دے تو حکومت کے ذمہ قتل کا قصاص نہیں ہے اور لکھا ہے کہ اس حکم کے بعد:

(2) ”ہر طبقہ و سرزمین میں ہر منبر پر لکچر اگھڑے ہو گئے اور حضرت علیؑ پر لعنت کرتے تھے اور اُن سے بیزار ی چاہتے تھے۔ اور اُن کی اور اُن کی اولاد کی مذمت کرتے تھے۔“

مطلب یہ ہے کہ پورا نظام اس طرح تیار تھا کہ بٹن دباتے ہی ساری مملکت میں تمہارا کی مشین حرکت میں آگئی اور اسلام کے باغی اور اُس کی اولاد پر نفرین شروع ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ لوگ پوچھتے ہوں گے ”علیؑ“ کون ہے؟ اس نے کیا جرم کیا تھا؟ جواب میں ایسی باتیں لازم تھیں جن کے بعد سوال کرنے والا مطمئن ہو کر خود بھی لعنت و مذمت میں حصہ لے۔ اور یہ اور اسی قسم کے سوالات و جوابات تو ہیں جو آگے بڑھ کر تاریخ و حدیث کی کتابوں میں لکھے جایا کرتے ہیں۔ اور اُن ہی پر قرآن کی تفسیر کا دار و مدار و انحصار ہو جاتا ہے اور یوں اللہ (قرآن) اور رسول (حدیث) قریشی اسلام و کردار کی تائیدی خدمات بجالانے لگ جاتے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ:

(3) ”معاویہ نے چاروں طرف اپنے عاملوں، گورنروں اور افسروں کو لکھا کہ عثمان کے پیروؤں اور دوستداروں اور اہل ولایت پر مہربانی کرو اور اُن لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو جو عثمان کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں۔ اور اُن کو اپنے درباروں میں اپنے قریب جگہ دو اور بٹھایا کرو۔ اُن کو اپنا مقرب بناؤ، اُن کی عزت و احترام بڑھاؤ۔ اُن کی بیان کردہ احادیث و روایات لکھ کر مجھے بھیجا کرو۔ بیان کرنے والے کا نام، اُن کے باپوں اور قبیلے کا نام اور ضروری معلومات مجھے لکھا کرو۔“

اس فرمان پر باقاعدہ عمل ہوا حتیٰ کہ عثمان کے فضائل و مناقب کے انبار لگ گئے اس لئے کہ معاویہ روایات بھیجنے اور لکھنے والوں کو قومات بھیجتا تھا۔ انہیں باغات اور جاگیریں دیتا تھا۔ اور ان احادیث و روایات کو مملکت میں نشر و شائع کرتا تھا۔ اور دوستداران عثمان کے پاس بھی بھیجتا تھا (تا کہ نمونہ کے طور پر مدد دیں)۔ پھر ہر شہر میں اس حدیث سازی کی کثرت ہو گئی۔ لوگ دنیا اور وجاہت دنیا کی طرف جھک پڑے وغیرہ۔“

(4) ابوبکر و عمر کے فضائل و مناقب: یہ بات بالکل قدرتی تھی کہ عثمان کے ساتھ ساتھ کچھ لوگوں نے ابوبکر و عمر کی شان میں بھی روایات گھڑ کر معاویہ کو متوجہ کیا ہو۔ بہر حال آگے چل کر لکھا ہے کہ:

”پھر معاویہ نے فرمان جاری کیا کہ عثمان کے حق میں فضائل و مناقب کی کثرت ہو گئی ہے اور وہ ساری مملکت میں پھیل گئے ہیں۔ لہذا میرا یہ فرمان ملے ہی تم صحابہ اور ابوبکر و عمر کے فضائل و مناقب بیان کرنے پر مائل و متوجہ کرو۔ اگر تم کوئی حدیث ابوتراب کے حق میں سنو تو ویسی ہی اور اُس کی مثل و نظیر دوسری حدیث صحابہ کے حق میں تیار کر کے مجھے بھیجو۔ یہ کام ادھر مجھے راحت و چین عطا کرنے والا ہے اور ادھر

شیعوں کی دلیل کو توڑنے والا ہے۔ اور اُن لوگوں کو فضائل ابو بکر و عمر و عثمان بہت گراں گزریں گے۔ معاویہ کے یہ فرمانات درباروں میں پڑھ کر سنائے جاتے تھے۔ چنانچہ اُن صحابہ کی تعریف و مدح و ثنا میں بہت احادیث تیار ہو گئیں۔ یوں تیار کی ہوئی احادیث منبروں سے بیان اور مستہر کی گئیں۔ استادوں کو مکتبوں اور اسکولوں میں دی گئیں۔ اور انہوں نے اپنے شاگردوں اور طالب علموں اور لڑکوں کو سکھایا جس طرح مدرسوں میں قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی اُسی طرح ان روایات کی تعلیم دی جانے لگی۔ معلموں نے اپنی بیٹیوں اور بیٹوں اور عورتوں کو تعلیم کیا۔ اور اس طرح نسلیں گزریں۔“

(ان تمام بیانات کیلئے دیکھیں شرح ابن ابی الحدید جز ثالث صفحہ 15-16 تشریح خطبہ اِنِّ فِیْ اَیْدِی النَّاسِ حَقًّا وَ بَاطِلًا خطبہ نمبر 201 اور ابوالحسن المدائنی کی کتاب الاحداث اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بہ نبطویہ) مندرجہ بالا طویل بیان کے آخر میں لکھا ہے کہ:

(5) ”اس سلسلہ میں سب سے بُرا حال قتل امام حسین علیہ السلام کے بعد عبدالملک اور ججاج ابن یوسف کے زمانہ میں ہوا اور ابن عرفہ نبطویہ نے جو بہت بڑے محدث ہیں اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ”زمانہ بنو امیہ میں صحابہ اور خلفائے ثلاثہ کی شان میں بہت سی حدیثیں بنائی گئی تھیں تاکہ اُن احادیث کو دکھا کر حکومت کا قرب حاصل کیا جائے۔ کیوں کہ بنو امیہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ اُن احادیث سے شیعوں کی ناک رگڑتے ہیں۔“ (حوالہ مندرجہ بالا)

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ قریش کے حق میں جو کچھ لکھا گیا وہ خود قریشی حکمرانوں نے لکھوایا اور یہی دلیل ہے جو اُن کے اپنے تیار کردہ ریکارڈوں اُن کے حق میں بطور ثبوت رکھ دیتی ہے۔ یوں وہ نہ قرآن سے سند پاتے ہیں نہ حدیث اُن کے حق میں قبول کی جاتی ہے۔ یعنی نظام ولایت نے انہیں گھیر کر منکرین اسلام، دشمنان رسول اور قاتلان اہل بیت بنا کے کونے میں کھڑا کر دیا ہے۔ اس طرح اُن مغضوب ترین خلائق دونوں یاروں کی ساری جدوجہد تباہ کر کے رکھ دی گئی ہے حالانکہ اُن دونوں نے اور قریش کے تمام دانشوروں نے اپنا منصوبہ اس مہارت سے تیار کیا تھا اور اس احتیاط و تدبیر سے پایہ تکمیل کو پہنچایا تھا کہ اس کے بکھر جانے کا وہم تک بھی ممکن نہ چھوڑا تھا۔ لیکن نظام مرتضوی نے بتدریج اُن کے تمام کمزور فریب کھول کر رکھ دیئے۔ آج اُن کی ہر چال اور ہر ترکیب پٹی پٹی ہے۔ اُن کی ہر دلیل مذاق بن کر رہ گئی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ جواب میں کوئی مکر نہیں کیا گیا، کوئی فریب نہیں دیا گیا۔ جھوٹ نہیں بولا گیا۔ غداری نہیں کی گئی۔ انسانی ہمدردی اور رحم و کرم کا دامن نہیں چھوڑا گیا۔ اُن کے خلاف پبلک کو بہکایا نہیں گیا اور کبھی کسی سے دب کر بھی نہیں رہا گیا۔ نصیحت و ہدایت اور بے باک صحیح مشورے سے کبھی جی نہیں چرایا، کبھی انتقامی سلوک نہیں کیا۔ الغرض اتنا ہمدردانہ سلوک مسلسل جاری رکھا کہ وہ بے غیرت اور دشمنان دین حضور کو (معاذ اللہ) چوتھا یا قرار دیتے ہیں۔ اور چار یا زندہ باد کے نعرے آج تک لگاتے ہیں اور ابو بکر و عمر کو حضرت علیؑ سے بزرگ تر اور افضل مانتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ابو بکر نے کہا تھا کہ:

لَسْتُ بِخَيْرِكُمْ وَ عَلِيٌّ فَيُكْتَمُ۔ میں تم سے اس لئے بہتر نہیں ہوں کہ علی تمہارے اندر ہیں۔“

(سر العالمین غزالی، تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن جوزی صفحہ 36)

اور عمر نے کہا تھا: (1) لَوْ لَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عَمْرُ۔ اگر علیؑ مجھے میری غلطی اور صحیح فیصلہ نہ بتاتے تو عمر کا دین و دنیا دونوں تباہ ہو جاتے۔“ اور

(2) ”اے اللہ میرے اوپر کوئی مصیبت نہ ڈالنا جب تک کہ اس کے حل کرنے کے لئے علیؑ موجود نہ ہوں۔“ (ریاض الضرفۃ)

لیکن یہ دونوں کاذب تھے۔ موقع شناسی سے کام چلاتے تھے۔ اُن کے اقرار و انکار دونوں کا اعتبار کرنا غلط ہے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 18

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 18

خطبہ (18)

نظام اجتهاد کا امام یعنی قرآن میں مذکور طاعت

- (1) قومی یا جمہوری حکومت اور حکمرانوں کا طرز حکمرانی؛
- (2) قرآن کو ناقص و نامکمل و ناکافی ثابت کرنا ضروری ہے؛
- (3) رسول کو غلط کار اور منشاء خداوندی سمجھنے سے قاصر کہنا؛
- (4) اللہ ضروریات انسانی پر احاطہ نہیں کرتا، بہت سی ضروریات اُس سے چھوٹ گئیں یا اُس نے خود چھوڑ دیں؛
- (5) مجتہدین اُن دینی خامیوں اور کوتاہیوں کا تدارک کرتے ہیں جو اللہ سے قرآن میں اور رسول سے حدیث میں رہ گئیں؛
- (6) قرآن میں موجود اختلافات و تضادات کی اصلاح اور مرمت کرنا نظام اجتهاد کی ذمہ داری ہے؛
- (7) نظام اجتهاد کے فیصلوں کو تسلیم کرنا اور اُن کے فیصلوں کے مطابق انسان کو جزا و سزا دینا اللہ کی ذمہ داری ہے؛
- (8) اجتهادی احکام میں اختلاف ترقی کا پیش خیمہ ہے؛

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	نظام اجتهاد کے حکمرانوں یا قاضیوں میں سے کسی بھی ایک حکمران یا قاضی کے پاس دین کے احکام سے متعلق کوئی معاملہ فیصلے یا حکم کے لئے پیش ہوتا ہے تو وہ حکمران یا قاضی اُس معاملہ کا اپنی مجتہدانہ رائے سے فیصلہ کر دیتا ہے۔	1	تَرُدُّ عَلٰی اَحَدِهِمُ الْقَضِيَّةَ فِي حُكْمٍ مِّنَ الْاَحْكَامِ فَيَحْكُمُ فِيهَا بِرَأْيِهِ؛
2	پھر وہی معاملہ، مع اُس فیصلے کے، دوسرے حکمران یا قاضی کے پاس، نظر ثانی کے لئے، پیش کیا جاتا ہے چنانچہ دوسرا حکمران یا قاضی پہلے فیصلے کے خلاف فیصلہ صادر کر دیتا ہے۔	2	ثُمَّ تَرُدُّ تِلْكَ الْقَضِيَّةَ بَعِيْنَهَا عَلٰى غَيْرِهِ فَيَحْكُمُ فِيهَا بِخِلَافِهِ؛
3	پھر وہ دونوں قاضی یا قاضیوں کے فیصلے اُس امام کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں جس نے اُن قاضیوں یا حکمرانوں کو اس عہدے پر تعینات کیا ہے اور وہ امام دونوں قاضیوں کے اجتهادی فیصلوں کو درست قرار دیتا ہے۔ حالانکہ	3	ثُمَّ يَجْتَمِعُ الْقُضَاةُ بِذَلِكَ عِنْدَ الْاِمَامِ الَّذِي اسْتَقْضَاهُمْ فَيَصَوِّبُ اَرَانَهُمْ جَمِيعًا؛
4	اور اُن سب کا معبود بھی ایک ہے۔	4	وَ اَلِهَهُ وَ اَحَدٌ؛

5	اور اُن کا نبی بھی ایک ہے۔	وَنَبِيَّهُمْ وَاحِدٌ؛
6	اور اُن کی کتاب بھی ایک ہی ہے۔	وَكِتَابُهُمْ وَاحِدٌ؛
7	کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں اختلاف کرنے کا حکم دیا تھا جو وہ اختلاف کر کے اس کی تعمیل و اطاعت کر رہے ہیں؟	أَفَأَمَرَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى بِالْاِخْتِلَافِ فَطَاعُوهُ؟
8	یا انہیں اختلاف کرنے سے منع کیا تھا اور وہ اس کی نافرمانی کر رہے ہیں۔	أَمْ نَهَاَهُمْ عَنْهُ فَعَصَوْهُ؟
9	یا اللہ پاک نے ایک ناقص دین نازل کیا تھا اور اُن سے اس دین کو مکمل کرنے میں مدد چاہی تھی؟ اور وہ مدد کر رہے ہیں؟	أَمْ أَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ دِينًا نَاقِصًا فَاسْتَعَانَ بِهِمْ عَلَى اِتِّمَامِهِ؟
10	یا وہ اللہ کے ساتھ حصہ دار ہیں کہ وہ جو چاہیں کہیں اور اللہ پر واجب ہے کہ وہ قبول کرتا رہے؟ اور اُن کی تعمیل کرتا رہے۔	أَمْ كَانُوا شُرَكَاءَ لَهُ فَلَهُمْ أَنْ يَقُولُوا وَ عَلَيْهِ أَنْ يَرْضَى؟
11	یا اللہ نے تو دین کو مکمل نازل کیا تھا مگر رسول نے دین کی تبلیغ میں اور اُسے پوری طرح ادا کرنے میں کمی اور کوتاہی کی تھی؟	أَمْ أَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ دِينًا تَامًا فَقَصَّرَ الرَّسُولُ (صلى الله عليه و آله) عَنْ تَبْلِيغِهِ وَ آدَائِهِ؟
12	اور اللہ پاک نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ہم نے قرآن میں کسی قسم کی اور کسی چیز کی بالکل کمی نہیں کی ہے۔“	وَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ يَقُولُ: مَا فَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ؛ (انعام 6/38)
13	اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا باقاعدہ بیان کر دیا گیا ہے۔	وَ قَالَ: فِيهِ تَبْيَانٌ كُلِّ شَيْءٍ؛
14	اور یہ ذکر بھی کر دیا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں کی تصدیق کرتے ہیں۔	وَ ذَكَرَ أَنَّ الْكِتَابَ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا؛
15	اور یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن میں ہرگز اختلاف نہیں ہے۔	وَ أَنَّهُ لَا اِخْتِلَافَ فِيهِ؛
16	چنانچہ اُس ذات پاک نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کثرت سے اختلاف پائے جاتے۔“	فَقَالَ سُبْحَانَهُ: وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اِخْتِلَافًا كَثِيرًا؛ (4/82)
17	یقیناً اس قرآن کی ظاہری صورت و معنی بڑی احتیاط سے حسین ترتیب رکھتے ہیں۔	وَ إِنَّ الْقُرْآنَ ظَاهِرُهُ اَنِّيْقٌ؛
18	اور قرآن کا پس منظر لا انتہا گہرا ہے۔	وَ بَاطِنُهُ عَمِيْقٌ؛
19	اس کے عجائبات فنا ہونے والے نہیں ہیں۔	لَا تَفْنَى عَجَائِبُهُ؛

اس کے بے بہا حقائق کبھی اختتام پذیر ہونے والے نہیں ہیں اور اگر قرآن سے مدد نہ لی جائے تو تاریخیاں کبھی روشنی میں نہ آئیں گی۔	20	وَلَا تَنْقِصِي عَرَائِبُهُ وَلَا تُكْشِفِ الظُّلُمَاتِ إِلَّا بِهِ؛
--	----	---

تشریحات:

1- نظام اجتہاد کے امام، یعنی طاعت، کا طرز حکمرانی

اس خطبہ میں اُس طریقہ کار کا بطور نمونہ ذکر فرمایا ہے جو خطبہ 17 میں مذکور دو سربراہان قریش یا پہلے دو خلفا نے جاری کیا تھا۔ اور جسے ماہرانہ طریقہ پر جاری کرنے کیلئے اُس نے: وَرَجُلٌ قَمَشَ جَهْلًا؛ مَوْضِعٌ فِي جُهَالِ الْأُمَّةِ (خطبہ 17 جملے 10-11)

بَكَرٌ فَاسْتَكْثَرَ مِنْ جَمْعٍ مَا قَلَّ مِنْهُ خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ؛ حَتَّى إِذَا أَرْتَوَى مِنْ مَاءٍ اجْنِ وَ اِكْتَنَزَ مِنْ غَيْرِ طَائِلٍ؛ جَلَسَ بَيْنَ النَّاسِ قَاضِيًا (خطبہ 17 جملے 15 تا 18)

”ایام جاہلیت کے تمام علوم ادھر ادھر سے جمع کر لئے ہیں تاکہ جاہلیت پسند جاہلوں میں اُن کی اشاعت کرے۔ وہ علی الصبح بیدار ہو کر ایسے قوانین و قواعد کثرت سے جمع کرتا رہتا ہے جن کا کم سے کم ہونا اُن کی کثرت سے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ ان باطل علوم اور ناکارہ قواعد و قوانین سے پوری طرح سیراب ہو چکتا ہے۔ اور مجتہدانہ نصاب کا ذخیرہ جمع کر چکتا ہے تو لوگوں کے درمیان اُن کے مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ قارئین اب آسانی سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ حضور نے خطبہ 17 میں جن دو مخصوص اشخاص کا تذکرہ کیا تھا وہ خود ایسے حکمران یا قاضی بنا چاہتے تھے کہ پوری اُمت محمدیہ کے ہمہ قسمی مسائل، مقدمات اور قضیے، مکمل ضمانت اور ذمہ داری کے ساتھ حل کر کے رکھ دیں اور ایسے احکام و فیصلے صادر کریں جن پر انگشت نمائی ناممکن ہو جائے (خطبہ 17 جملے 19-20) اسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے اُنھوں نے حق و انصاف اور داری کے علمی طریقوں کی حد بندی کر دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ اُن کے طرز استدلال و استنباط کے طریقہ سے ہٹ کر نہ کوئی علمی طرز فکر ہے نہ حق و حقانیت ہے (خطبہ 17 جملے 31-32) یعنی نظام اجتہاد ہی وہ آخری ضابطہ قوانین دیتا ہے جس کے بعد عدالت کو مقدمات کی تفتیش و تحقیق اور نتائج مرتب کر کے آخری فیصلہ کرنے کے لئے کسی اور سامان کی احتیاج نہیں رہتی۔ (خطبہ 17 جملے 31-32)

2- قارئین خود کو علی کی پوزیشن میں رکھ کر ناک بھوں نہ چڑھائیں؛ اپنی عقل و حیثیت کے مطابق تنقید و تبصرہ کریں

قارئین سے درخواست کی جاتی ہے کہ ابو بکر و عمر و عائشہ اور قریش کے دیگر افراد پر محض اس لئے اعتراض کر دینا کہ حضرت علی علیہ السلام اُن کی مذمت کرتے ہیں۔ اُن پر اعتراض کرتے ہیں اور انہیں باطل پرست کہتے ہیں؛ انصاف نہیں ہے۔ حضرت علیؑ حضرت علیؑ تھے۔ اور ہم اور آپؑ ہم اور آپ ہی ہیں۔ ہمیں حضرت علیؑ علیہ السلام کے اعتراضات میں سے وہ پہلو اختیار کرنا چاہیے جسے ہماری عقل و فکر بھی غلط کہتی ہے۔ جو بات ہماری اپنی رسائی سے باہر ہو یا جسے ہم خود نہ سمجھتے ہوں اُس پر اعتراض کی بنیاد رکھنا غلط ہوگا۔ آپ ذرا غور فرمائیں اور ساتھ ہی انصاف بھی فرمائیں اور خود کو ابو بکر و عمر کی پوزیشن میں رکھ کر سوچیں کہ کیا آپ اُن سے بہتر انتظامات و فیصلے کر سکتے ہیں؟ کیا آج ساری دنیا کی عدالتیں؛ قانون دان اور ساری حکومتیں اُن سے اچھا نظام چلا رہی ہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دانشوران عالم اُن کی اتباع اور پیروی کر رہے ہیں۔ اور تو اور وہ لوگ جو شیعہ اور پیروان علیؑ و آئمہ علیہم السلام کہلاتے ہیں وہ خود ابو بکر و عمر کے جاری کردہ نظام اجتہاد پر عمل کر رہے ہیں۔ ایک ہزار سال سے اُن کے علماء اور دانشورو

قانون دان اور مجتہد اور آیت اللہ اور امام خمینی کہلانے والے لوگ، حضرت علی اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے طریقہ کو اختیار کرنے کے بجائے اسی اجتہاد پر کاربند ہیں جس کی داغ بیل ابو بکر و عمر نے ڈالی تھی۔ اصل موضوع کو چھیڑنے سے پہلے ایک چچھٹا پ مجتہد اور مفتی جعفر حسین ہی کا ایک بیان سُن لیں جو انہوں نے اسی خطبے (خطبہ 18) کی ذیل میں سُنیوں پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے اور اقرار کیا ہے کہ اُن کے یہاں بھی نظام اجتہاد کے بحرِ موج میں غوطہ لگا کر مسائل و احکام نکالے جاتے ہیں جو کبھی غلط اور کبھی صحیح ہوتے ہیں اور غلط حکم یا فیصلہ صادر کرنے پر بھی اللہ کی طرف سے داد و ثواب اور اجر ملتا ہے اور غلط احکام پر عمل کرنے والوں کا عمل اللہ قبول کرتا ہے۔ سُنئے ارشاد ہے کہ:

3- شیعوں میں ابو بکر و عمر کا جاری کردہ اجتہاد، مفتی جعفر حسین کا شرمیلا، فریب کارانہ اقبال

”لیکن فرقہ امامیہ کا نظریہ، یہ ہے کہ اللہ نے نہ کسی کو شریعت سازی کا حق دیا ہے۔ اور نہ کسی چیز کے حکم کو مجتہد کی رائے کے تابع ٹھہرایا ہے اور نہ آراء کے مختلف ہونے کی صورت میں ایک ہی چیز کے لئے واقع میں متعدد احکام بنائے ہیں۔ البتہ جب مجتہد کی حکم واقعی تک رسائی نہیں ہونے پاتی تو تلاش و تفتیش کے بعد جو نظر یہ اس کا قرار پاتا ہے۔ اُس پر عمل پیرا ہونا اس کے لئے اور اُس کے مقلدین کے لئے کفایت کر جاتا ہے۔ لیکن اُس کی حیثیت صرف حکم ظاہری کی ہوتی ہے جو حکم واقعی کا بدل ہے اور ایسی صورت میں حکم واقعی کے پھوٹ جانے پر وہ معذور قرار پا جاتا ہے۔ کیونکہ اُس نے اُس دریاے ناپیدا کنار میں غوطہ لگانے اور اُس کی تہ تک پہنچنے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ مگر اس پر کیا اختیار کہ دُرّ شاہوار کے بجائے خالی صدف (سپی۔ احسن) ہی اُس کے ہاتھ لگے۔ لیکن وہ یہ نہیں کہتا کہ دیکھنے والے اُسے موتی سمجھیں اور موتی کے بھاؤ بکے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوششوں کا پرکھنے والا اس (صدف۔ احسن) کی بھی ادھی قیمت لگا دے تاکہ نہ اُس کی محنت کا رت جائے اور نہ اُس کی ہمت ٹوٹنے پائے۔“ (ترجمہ نچ البلاغہ جلد اول صفحہ نمبر 128)

4- شیعہ مفتی و مجتہد کے مکارانہ اور فریب کارانہ بیان کی وضاحت

جعفر حسین نے مان لیا ہے کہ شیعوں میں بھی مجتہد ہوتے ہیں اور وہ بھی اجتہاد کرتے ہیں۔ اور جب انہیں کسی معاملے یا مسئلے کا حکم واقعی معلوم نہیں ہوتا یعنی یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اُس مسئلے یا معاملے میں اللہ و رسول کا اپنا حکم کیا ہے؟ تب وہ اجتہاد سے اللہ و رسول کے اُس نامعلوم و نامذکور حکم واقعی کا پتہ لگاتے ہیں۔ اور پتہ لگانے کے لئے شیعہ مجتہد کسی ایسے دریا میں غوطہ مارتے ہیں جس کے کنارے اور لمبائی اور چوڑائی کسی کو معلوم نہیں ہے جو لا انتہا وسیع ہے۔ اور جس میں مجتہد کو یقین ہے کہ کہیں نہ کہیں حکم واقعی یا اللہ و رسول کا وہ حقیقی فیصلہ جو مطلوب ہے، غرق آب ہے۔ جعفر صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ مجتہد اُس بے پایاں اور لامحدود دریا میں کتنے غوطے مارتا ہے اور کہاں کہاں تلاش کرتا ہے مگر یہ جملہ ہماری مدد کے لئے لکھ دیا کہ: ”اُس نے اُس دریاے ناپیدا کنار میں غوطہ لگانے اور اُس کی تہ تک پہنچنے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔“ معلوم ہوا کہ مجتہد دریا کی لمبائی اور چوڑائی میں ہر جگہ لاکھوں غوطے لگاتا ہے اور کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑتا جہاں اُس حکم واقعی کے ہونے کا شبہ بھی ہوتا۔

پھر جعفر یہ تو نہیں بتاتے کہ مجتہد کو کبھی اُس دریاے ناپیدا کنار سے حکم واقعی بھی مل جاتا ہے۔ مگر یہ واضح الفاظ میں بتا دیا کہ اس تلاش اور تفتیش میں یعنی غوطہ زنی اور پیرا کی اور چھان بین کے بعد بھی اُسے حکم واقعی نہ ملے اور حکم واقعی کی جگہ کوئی حکم غیر واقعی مل جائے۔ یعنی اللہ اور رسول کے حکم کے علاوہ کوئی اور حکم مل جائے تو اُس کی مجبوری و معذوری ہے۔ یعنی اُس دریاے ناپیدا کنار میں بے شمار ایسے حکم بھی غرق آب ہیں جو اللہ و رسول کے احکام نہیں۔ مجتہد نے چونکہ اپنی کوشش کو انتہا تک پہنچا دیا لہذا اُن کوششوں، غوطہ خوریوں، اُچھل پھانڈ کو دیکھنے والا اللہ اُس مجتہد کو جو غلط حکم

نکال لایا ہے اس کی محنت پر آدھا ثواب دیتا ہے اور اُس غلط حکم کو ہی اپنے اور اپنے رسول کے حقیقی اور حکم واقعی کے بدلے میں قبول کرتا ہے اور اُس غلط حکم پر عمل کرنے والے مقلدین کے غلط اعمال صحیح اعمال کی جگہ قبول کرتا ہے۔ یہ سب رعایت اس لئے بھی کرتا ہے کہ شیعہ مجتہد اپنے نکالے ہوئے حکم کو حکم واقعی نہیں کہتے بلکہ اللہ و رسول کے حکم کے بدلے میں حکم مانتے ہیں۔

5- شیعوں کے اجتہاد اور مجتہد کے مندرجہ بالا بیان پر ایک تنقیدی نظر اور تبصرہ کر لیں

اس بیان میں یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ اگر حکم واقعی کی تلاش میں بہت سے مجتہد اُس دریاے ناپیدا کنار میں کود پڑیں اور غوطے لگائیں تو ہر ایک کو ایک ہی حکم غیر واقعی ملے گا یا ہر ایک کو مختلف احکام غیر واقعی ملیں گے؟ ظاہر ہے کہ ہر مجتہد اپنے اپنے علم و تجربے اور قوت برداشت کے مطابق غوطے کھائے گا اس لئے سب کو الگ الگ اور مختلف احکام غیر واقعی ملنا فطری اور قدرتی ہے۔ لہذا ہر مجتہد کے مقلدین اللہ اور رسول کے ایک حقیقی حکم کے بجائے بہت سے غلط احکام پر عمل کریں گے اور اللہ کو ہر مجتہد کو اور ہر مقلد کو معاف کرنا اور مختلف غلط اعمال کو قبول کرنا ہوگا۔ پھر یہ دیکھنا ہے کہ جس دریا میں مجتہد غوطے لگاتا ہے وہ لامحدود ہے لہذا مجتہد کو لامحدود زمانے تک غوطے لگاتے رہنا لازم تھا۔ مگر اُس کی عمر محدود ہے لہذا اُس نے حکم واقعی کی تلاش میں وہ کوشش نہیں کی جس کا جعفر نے ذکر کیا ہے کہ ”اُس نے کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔“ اُسے پہلے سے معلوم تھا کہ وہ دریا لامحدود ہے جس میں اُس نے حکم واقعی تلاش کرنا ہے۔ اور یہ کہ اُس کی عمر محدود ہے۔ لہذا اُسے خود اپنے علم کی رُو سے یہ تلاش اور غوطہ زنی کرنا ہی نہ چاہئے تھی۔ اور جب اُس نے ایسا کیا تو اپنے علم و یقین کے خلاف کیا جو ایک باطل فعل ہے۔ لہذا اُس غلط فعل پر اُسے کسی رعایت کی اُمید کرنا بھی غلط ہے۔ پھر مجتہد کے پاس کوئی ایسا ذریعہ یا آلہ نہ بتایا گیا ہے اور نہ ممکن تھا کہ وہ ہر دو سر غوطہ وہاں نہ لگائے جہاں پہلے غوطہ لگایا جا چکا ہے۔ لہذا اس کا ایک ہی جگہ غوطے لگاتے رہنا ممکن ہے۔ اور یہ بھی اس کی کوشش میں ایک معلوم خامی ہے۔ اس لئے بھی اُسے کسی اجر کی اُمید نہ ہونا چاہئے۔ پھر جب اُسے حکم واقعی معلوم ہی نہیں ہے تو وہ حکم واقعی کو تلاش کیسے کرے گا؟ اور پھر حکم واقعی اور حکم غیر واقعی میں تمیز کیسے کرے گا؟ ظاہر ہے کہ غوطہ مارنے کے بعد اُسے جو کچھ بھی ملے گا وہ اس کے لئے صحیح اور غلط اور واقعی اور غیر واقعی میں فرق نہ بتائے گا۔ لہذا اُسے یہ پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے کہ اُسے جو کچھ بھی ملے گا وہ مشکوک ہوگا۔ اور یہ کہ وہ ایک مشکوک حکم کی تلاش میں یہ غوطے مار رہا ہے۔ نہ کہ حکم واقعی کی تلاش میں۔

جعفر کی فریب سازی: مفتی اور مجتہد اگر دھوکہ نہ دے تو اُسے مجتہد نہیں بلکہ نقال یا قوال سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ جعفر نے بڑی چابکدستی و عیاری سے یہ حقیقت چھپالی ہے کہ اللہ نے زیر بحث مجتہد کو نہ ملنے والے احکام واقعی اُس ناپیدا کنار دریا یا سمندر میں دریا برد کیوں کر دیئے؟ اگر کسی مجتہد نہ وجہ سے تمام احکام واقعی کو دریا برد کرنا ضروری ہی تھا تو اُس دریا میں خالص حقیقی احکام کیوں نہ ڈالے؟ اور اُن کے ساتھ احکام غیر واقعی کا انبار کیوں ڈبو دیا؟ یعنی اللہ نے یہ کیوں کیا؟ کیا وہ مجتہدین کو دھوکہ دینے اور غلط احکام نکالنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا؟ یعنی کیا یہ چاہتا تھا کہ ہر مجتہد غلط حکم نکال کر لائے اور اپنے اپنے مقلدوں سے غلط حکم بجالانے کا انتظام کرے؟ دراصل جعفر نے یہ کہا ہے کہ اللہ نے اس لامحدود دریا میں لامحدود حقیقی یا لامحدود احکام واقعی کو انسانوں سے چھپا دیا ہے اور خود چاہا ہے کہ مجتہد غلط حکم نکالے اور انسان غلط احکام کی تعمیل میں لگے رہیں اور وہ اُن کو غلط اعمال پر اجر و جزا دیتا اور احسان کرتا رہے؟ یہ ہے بقول جعفر شیعوں کا اللہ، شیعوں کے مجتہدین اور شیعہ مجتہدین کا اجتہاد جس پر آج شیعوں کا عمل ہے۔ کیا قارئین اپنی سادہ عقل و بصیرت سے ایسے اللہ کو پسند کرتے ہیں جو اپنے حقیقی احکام کو بندوں سے چھپا کر کہیں دریا میں ڈال دے۔ اور لوگوں کو غلط اعمال بجا لانے پر مجبور کر دے؟ اور کیا ایسے مجتہد پسند ہیں جو یہ بھی نہ بتائیں کہ اُنہیں یہ اطلاع کہاں سے ملی ہے کہ اللہ نے اپنے حقیقی اور صحیح احکام کو چھپا دیا

ہے؟ کیا مجتہدین کو اللہ نے یہ بتایا ہے؟ اگر بتایا ہے تو کہاں؟ کیا قرآن میں یہ کہا گیا ہے؟ وہ کون سی آیت ہے؟ پھر انہیں یہ غوطہ زنی کا حکم کون سی آیت میں دیا ہے؟ اور یہ کہاں کہا ہے کہ تمہارے نکالے ہوئے حکم غیر واقعی کو حکم واقعی کا بدل مان لیا جائے گا؟ اور یہ کس آیت میں ہے کہ ان احکام غیر واقعی کے نکالنے پر اجر بھی دیا جائے گا؟ اور ان احکام پر عمل کرنے والوں کے اعمال قبول کر لئے جائیں گے؟

6- ابو بکر و عمر اور ان کے اجتہاد کی بات بعد میں کریں اور کرتے ہی رہیں۔ یہاں تو یہ دیکھیں کہ شیعوں کا اجتہاد بھی اس خطبے سے

باطل ہے

جعفر کے اس بیان سے ثابت ہے کہ اللہ نے ایک ناقص دین نازل کیا تھا (خطبہ 18 جملہ 9) جس میں لاتعداد و لامحدود احکام واقعی موجود اور معلوم اور انسانی دسترس کے اندر نہیں ہیں (جعفر) اور مجتہد کو غلط حکم پر اجر دیا جانا اور غلط اعمال کو قبول کر لینا گویا اُس جذبہ احسان مندی کا ثبوت ہے جو اپنے دین کو مکمل کرنے اور جان جو حکم میں ڈال کر سمندروں کی تہ سے حکم نکالنے اور اللہ کی خامی کو پورا کر نیوالوں کے ساتھ لازم تھا۔ اور ہر مجتہد کا حکم چونکہ مختلف ہوگا لہذا ثابت ہوا کہ خود اللہ نے دین میں اختلاف کرنے کا حکم دیا تھا (خطبہ 18 جملہ 7) اور تمام مجتہد اللہ کے حکم کی تعمیل و اطاعت کرتے ہیں۔ اور چونکہ اللہ کو ہر مختلف حکم اور اس پر عمل قبول کرنا لازم اور اجر و سزا دینا واجب ہے لہذا مجتہدین اللہ کے ساتھ کم از کم دین میں برابر کے شریک و مختار ہیں (خطبہ 18 جملہ 10) یہ ہیں وہ تمام چیزیں جن کو حضرت علی علیہ السلام نے اُمت کے سامنے رکھا ہے اور سادہ ترین عقل والے لوگوں کیلئے دلائل قائم کر دیئے ہیں۔ کہ ہر شخص نہ صرف ابو بکر و عمر کو بلکہ شیعہ مجتہدین کو بھی باطل پرست کہہ سکے اور فوراً دلیل و ثبوت سمجھا سکے۔ لہذا ہم ابو بکر و عمر قریش کی حضرت علی علیہ السلام کے معیار پر نہیں بلکہ خود اپنی عقل و بصیرت کے معیار پر ان کی مذمت کرتے ہیں۔ ان کو باطل پرست ثابت کر کے لعنتی و جہنمی کہتے ہیں۔ رہ گیا مولائے کائنات علیہ السلام کا معیار اُس پر الگ سے بات کرتے ہیں اور دین سیکھتے ہیں۔

7- خطبہ 18 سے تعارف اور علماء کا مسلمہ قدیم سے چلا آنے والا شان نزول

ہمیں اسی پر تعجب ہے کہ جناب رضی صاحب رضی اللہ عنہ اور دیگر علماء نے ان خطبات (17-18) کو الگ الگ دو خطبات کیوں سمجھا؟ جب کہ خطبہ 17 میں واضح طور پر نظام اجتہاد کی تیاری اور مقصد اور عملدرآمد بیان فرمایا ہے اور خطبہ 18 میں نظام اجتہاد کا طریقہ کار بیان فرما کر دونوں خطبات میں مذکور لوگوں کی اور ان کے اجتہاد اور طریق کار کی مذمت کی ہے۔ اور ان کے بطلان کے واضح اور عام فہم دلائل بیان فرمائے ہیں۔ یعنی دونوں خطبات مسلسل ایک ہی تقریر ہے اور دونوں کا موضوع اور عنوان بھی ایک ہی ہے۔ لیکن علماء نے دو الگ الگ شان نزول لکھ کر باقاعدہ ایک ہی خطبہ کے دو خطبے بنا دیئے ہیں۔ چنانچہ خطبہ 18 کے ساتھ یہ شان نزول چپکایا ہے کہ:

”فِي دَمِّ اِخْتِلَافِ الْعُلَمَاءِ فِي الْفُتْيَاءِ“

منفتی جعفر: فتاویٰ میں علماء کے مختلف الآرا ہونے کی مذمت میں یہ جملہ فرمایا:

یہ جملہ ہرگز ابو بکر و عمر اور قریش کی مذمت کی طرف متوجہ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اُس وقت ابو بکر و عمر اور ان کے تعینات کئے ہوئے مفتیوں، قاضیوں اور عمال و گورنروں کے لئے لفظ ”علماء“ استعمال نہ ہوتا تھا۔ اور نہ حضرت علی علیہ السلام نے ان دونوں خطبات میں لفظ ”علماء“ استعمال کیا ہے۔ اور نہ علماء کہہ کر مذمت کی ہے۔ البتہ یہ ضرور فرمایا ہے کہ کچھ انسان نما جانوروں نے اُس مجتہد کا نام عالم رکھ دیا حالانکہ وہ عالم نہیں ہے (قَدْ سَمَّاهُ اَشْبَاهُ النَّاسِ عَالِمًا وَ لَيْسَ بِهِ) (خطبہ 17 جملہ 14)

حقیقت یہ ہے کہ اس شان نزول کو چپکانے والوں کا مقصد یہ تھا کہ مذمت کا رخ ابوبکر و عمر کی طرف سے موڑ کر مستقبل میں آنے والے علماء کی طرف موڑ دیا جائے۔ گویا حضورؐ نے سچ مچ اپنے عہد کے لوگوں کی مذمت نہیں کی بلکہ ایک پیش گوئی فرمائی ہے کہ آنے والے زمانے میں فتاویٰ کا یہ اختلاف واقع ہوگا۔ حالانکہ حضرت علیؑ علیہ السلام ابوبکر و عمر اور ان کی قائم کردہ قومی حکومت کا طریقہ کار بیان فرماتے رہے ہیں۔ اور ان کے سلسلے میں قرآن کی پیش گوئیوں کو متعین فرما رہے ہیں۔ اور عملاً قرآن کو مجبور کرنے اور جھٹلانے کا نظام بیان فرما رہے ہیں۔

8۔ نظام اجتهاد کہیں بھی ہو وہ کتاب خداوندی اور رسول کی تکذیب کے اصولوں پر استوار ہوتا ہے۔ خطبہ 18 یہی بتاتا ہے

خطبہ 18 میں حضرت علیؑ علیہ السلام نے اجتهاد کی بنیاد یہ بتائی ہے کہ ”اللہ کے نازل کردہ دین کو ناقص و نامکمل سمجھا جاتا ہے۔“ (خطبہ 18 جملہ 9) یعنی قرآن کریم قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی تمام ضروریات کا اور زندگی کے تمام تقاضوں اور تمام مختلف حالات کا حل و تدارک پیش نہیں کرتا ہے بلکہ چند اصولی اور بنیادی قوانین مختصر و منجمد طور پر بیان کر دیئے ہیں اور رسولؐ نے بھی اپنے زمانے میں پیش آمدہ حالات اور تقاضات ہی پر توجہ دی تھی وہ بھی آنے والی نسل انسانی کے لئے فیصلے نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے نظام اجتهاد ہی وہ دینی ادارہ ہوگا جو قرآن اور حدیث کو سامنے رکھ کر اپنے زمانے میں پیش آنے والے حالات کا ایسا حل پیش کرے گا جو اُس وقت تک کے تمام سابقہ فیصلوں سے زیادہ مفید و نتیجہ خیز ہوگا اور نوع انسان میں کوئی شخص اُس سے بہتر فیصلہ تجویز نہ کر سکے گا۔ یعنی نظام اجتهاد کا فیصلہ پوری نوع انسان کی اجتماعی بصیرت کا نچوڑ ہوگا۔ نظام اجتهاد عہدِ رسولؐ میں بھی اس طریقہ کو بہترین دینی طرز عمل سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ تمام ماہرین، مجتہدین اور دانشوران قوم مل کر بیٹھیں، رسولؐ قرآن کی آیات کو سب کے سامنے رکھ دے اور خود بھی نظام اجتهاد کے ایک ممبر کی حیثیت سے آیات کی بہترین تفسیر پر غور کرے اور دوسرے ممبروں کی طرح اپنی تجویز بھی پیش کر دے اس کے بعد ان تمام پیش کردہ تجاویز میں جو سب سے مفید اور نتیجہ خیز اور وسیع تر مفاد عامہ کو مد نظر رکھنے والی تجویز ہو اُس کو اللہ کا آخری حکم سمجھ کر نافذ کر دیا جائے۔

قارئین نوٹ کریں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے اس خطبہ کے جملہ 9 کی تشریح میں ہم نے نظام اجتهاد کا جو موقف پیش کیا ہے۔ وہ اس چودہ سو سال میں گزرنے والے تمام مسلمان مجتہدین کے بیان کردہ موقفوں کا نچوڑ اور بہترین موقف ہے۔ آج بھی مجتہدین اس سے بہتر موقف پیش نہیں کر سکتے۔ ہم نے مجتہدین کی جماعت مشاورت میں جہاں نبیؐ کو جماعت کا ایک ممبر لکھا ہے وہیں ماہروں اور دانشوروں کو بھی جماعت مشاورت کا ممبر قرار دیا ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ جماعت حقیقی معنی میں نمائندہ جماعت بن جائے۔ یعنی نبیؐ خدا کی طرف سے نمائندہ ہو اور مجتہدین، ماہرین اور دانشوران انسان کے نمائندہ ہوں۔ نبیؐ مجتہدین کے نزدیک ان کے مثل و مانند بشر ہوتا ہے۔ مجتہدین اپنے زمانہ تک قرآن و حدیث کے انتہائی عالم ہوتے ہیں۔ ماہرین تمام انسانی فنون، صنعت و حرفت کے انتہائی نمائندہ ہوتے ہیں۔ دانشوروں میں وہ لوگ شامل ہیں جو عام انسانی علوم کی علمی حیثیت تک نمائندگی کرتے ہوں۔ یوں جماعت مشاورت ایک انتہائی درجہ کی نمائندہ جماعت ہوتی ہے جس کے اجتماعی فیصلے کے بعد یہ کہنا کہ اُس سے بہتر فیصلہ بھی ممکن ہے خالص جہالت و حماقت ہے۔ لیکن حضرت علیؑ علیہ السلام اس پوری صورت حال کو اس سارے نظام و انتظام کو طرح باطل قرار دیتے ہیں اور یہاں (خطبہ 18 جملہ 9) میں اُسے پورے دین کی تکذیب کا اور دین کو ناقص قرار دینے کا مجرم قرار دیتے ہیں۔ اور اس کا بہت نمایاں ثبوت یہ ہے کہ یہ نظام اجتهاد اللہ کے اُس بیان کو جھٹلاتا ہے جو اُس نے قرآن میں بار بار اور اصرار و تکرار کے ساتھ دیا ہے کہ:

9۔ وہ آیات جن کو نظام اجتهاد نہیں مانتا اور خود حضرت علیؑ نے خطبہ 18 میں پیش کر دی ہیں

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَيْرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ۝ (انعام 6/38)

”اے قریش ایک تم ہی امت نہیں ہو بلکہ اس زمین پر حرکت کرنے والے تمام ہی جانور اور ان ہواؤں میں پرواز کرنے والے تمام پرندے بھی تمہاری مثل امتیں ہیں۔ ہم نے الکتاب (قرآن) میں کسی بھی قسم کی فروگزاشت نہیں کی ہے۔ چنانچہ تمام امتوں کو باز پرس و حساب کتاب کے لئے اپنے پروردگار کے سامنے اکٹھا کیا جائے گا۔“

دوسری آیت جو حضور نے خطبے میں بیان کی ہے: یہ آیت تمام مخلوقات کو امتوں میں شمار کرتی ہے اور قیامت میں اُن کے حشر و نشر ہونے کا اعلان کرتی ہے اور کہتی ہے کہ قرآن میں کسی قسم کی اور کسی چیز کی کمی نہیں یعنی اُن تمام مخلوقات کو وہ سب کچھ بتانے اور سکھانے کا مکمل انتظام اس قرآن میں موجود ہے جس کی خلاف ورزی پر سزا اور تعزیر پر جزا دینے کے لئے قیامت برپا ہوگی۔ اگر اس آیت پر مجتہدین ایمان لاتے تو انہیں نظام اجتهاد اور جماعت مشاورت اور انسانی عقل و فکر و تجربات سے دین کے نام پر مسائل تیار کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ لہذا انہوں نے کتاب اور دین کو ناقص مان کر نظام اجتهاد کی تعمیر کی ہے۔ جو باطل ہے۔ اور سینے:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجُنَابِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝ (نحل 16/89)

”اے رسول تم قریش کو بتاؤ کہ اُس دن سے خبردار رہ کر عمل کریں جس دن ہم تمام امتوں کو جمع کر کے ہر قسم کی امت میں سے اُن ہی کے اندر سے ایک ایک ایسا گواہ تعینات کریں گے جو اپنی اپنی امت کے کردار پر چشم دید گواہی دے سکے اور پھر اے محمدؐ تمہیں اُن سب چشم دید گواہوں پر اور تمام امتوں پر ایسے گواہ کی حیثیت سے مقرر کریں گے جس نے تمام امتوں اور گواہوں کے ہر ہر فرد کے فکر و عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا ہوگا۔ اسی مقصد کی تیاری میں مدد دینے کے لئے ہم نے تم پر ایسی کتاب بھی نازل کی ہے جو اُن تمام متعلقہ چیزوں کو بیان کرتی ہے جو شہادت کے سلسلے میں ضروری تھی۔ اور ساتھ ہی یہ کتاب تمام اسلام لانے والوں کے لئے تمام ہدایات اور ساری رحمتوں اور خوشخبریوں کا ذخیرہ بھی ہے۔“

قارئین سوچیں کہ پہلی آیت (6/38) میں تمام مخلوقات کی امتوں کا اور قیامت میں حشر و نشر کا ذکر ہوا تھا اور یہ دوسری آیت (16/89) وہ اہتمام بیان کرتی ہے جو حساب اور باز پرس کے لئے کیا جانے والا ہے۔ اور پہلے اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ کتاب میں کوئی فروگزاشت نہیں کی گئی ہے (6/38) اور یہ بتایا کہ کتاب میں ہر چیز بیان کر دی گئی ہے۔ اس صورت میں وہ کونسا مسئلہ باقی رہ سکتا ہے جس کے مطابق مخلوقات نے عمل کرنا تھا اور اس قرآن میں بیان نہ کر دیا گیا ہو؟ پھر ہمارا یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ رسول ہے جس نے تمام مخلوقات کے اعمال و کردار و نقل و حرکت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو یعنی جس طرح اللہ تمام اعمال پر شہید ہے (وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ) (عمران 3/98) اسی طرح رسول تمام اعمال پر شہید ہیں۔ اور جس طرح اللہ ہر چیز پر عینی گواہ ہے (وَ أَنْتَ عَلَيَّ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ) (ماندہ 5/117) بالکل اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مخلوق پر عینی شاہد یعنی شہید ہیں۔ اس قدر علم و قدرت و تجربہ رکھنے والا رسول ہو اور اُسکے پاس وہ کتاب ہو جس میں

کسی چیز کو نظر انداز نہ کیا گیا بلکہ ہر چیز کا بیان کر دیا گیا ہو۔ کیا وہ رسول اور وہ کتاب ایسا دین پیش کرینگے جس میں لاتعداد مسائل اور فیصلے موجود نہ ہوں اور جنہیں مجتہدین ایک ناپیدا کناردریا میں تلاش کریں اور پھر نہ پائیں؟ یعنی نظام اجتہاد نہ صرف قرآن و اسلام و رسول کو ناقص و نامکمل کہتا ہے بلکہ وہ اللہ کا کھلامذاق اڑاتا ہے۔ اور ابلیس کے منصوبے کی تائید کرتا ہے۔

10۔ حضرت علیؑ نے نظام اجتہاد کو حقیر سمجھ کر صرف دو آیات کافی سمجھیں ورنہ اس ابلیسی نظام کے بطلان پر پورا قرآن گواہ ہے

حضرت علیؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک نظام اجتہاد بہت ذلیل و حقیر نظام ہے جس کے بطلان پر وہ صرف دو آیات پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم ایسے زمانہ میں ہیں کہ ساری دنیا اس نظام کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ مسلمانوں میں یہ نظام چودہ سو سال سے موجود ہے اور خود پیروان علیؑ کہلانے والے نام نہاد شیعہ عوام و علما بھی ایک ہزار سال سے اس نظام کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اور یہ سب بھی اب اس نظام کو اللہ و رسول کا پسندیدہ اور قرآن کے مطابق اسلامی نظام سمجھتے ہیں اور اس کی گرفت اور وقار اس لئے اور بھی بڑھ گیا ہے کہ مدت دراز سے یہ مان لیا گیا ہے کہ قرآن میں واقعی ہر چیز کا اور ہر انسانی ضرورت کا نہ بیان موجود ہے نہ ذکر ہی کیا گیا ہے۔ یعنی قریشی علما اور حکومتوں نے قرآن کو مجبور کرنے کے بعد اُس وقت تک دم نہیں لیا جب تک حدیث کے نام پر سینکڑوں ایسے افسانے تیار کر کے گھر گھر اور ہر شخص کے دماغ تک نہ پہنچا دیئے جن سے یہ یقین ہو جائے کہ قرآن میں صرف چند اصولی باتیں اور احکام ہیں۔ تفصیلات ہرگز قرآن میں نہیں ہیں۔ اس لئے اُن کے نزدیک ضروری ہے کہ تفصیلات اخذ کر کے مرتب صورت میں پیش کرنے کے لئے نظام اجتہاد و مشاورت موجود ہے۔ لیکن ہم حضرت علیؑ کی تائید اور نظام اجتہاد کی تردید میں آیات و احادیث کا ڈھیر لگا دیتے ہیں اور تمام مکر و حیلے باطل کر دیتے ہیں اور وہ تمام راہیں اور عذرات بند کر دیتے ہیں جو نظام اجتہاد اور مجتہدین نے چودہ سو سال کے تجربے سے نکالی ہیں۔ سُنئے کہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے کسی خبیثت کو مزید تفصیل اخذ کرنے کی گنجائش چھوڑی ہی نہیں گئی ہے۔

11۔ زیادہ مکار و ماڈرن مجتہدین کو ہمارا جواب اور ثبوت کہ قریشی مجتہدین قرآن کو جھٹلاتے ہیں

قارئین سنیں اور یاد کریں کہ قرآن کریم میں جب اللہ کے رسول نے قریش کو قرآن کے مجبور کرنے والی قوم قرار دے دیا (فرقان 25/30) اور اللہ نے قرآن میں جو باقریش کو دشمن قرآن و رسول فرما دیا (25/31) اور پھر اللہ نے اس قوم کو تکذیب کرنے کا مجرم بھی ٹھہرا دیا (6/66) تو کس دلیل سے قریش کا قائم کردہ نظام اجتہاد قرآن کا دشمن اور تکذیب کرنے والا نہ ہوگا؟ ان جرائم کے بعد تو عقلمند مسلمان قریش کی کسی بات کو قرآن کے معاملہ میں قابل اعتبار نہ سمجھیں گے۔ اور جبکہ رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی مسلمانوں کی حکومت پر قریش کا تسلط قائم ہو گیا اور سات سو سال تک انہیں یہ قدرت و مواقع و وسائل حاصل رہے کہ وہ رسول و قرآن کے نام پر جو چاہیں کہیں اور اُمت میں پھیلائیں۔ قرآن کی جس آیت کے جو معنی اُن کے لئے مفید ہوں بیان کریں اور لوگ انھیں رسول کے صحابہ اور مقبول بارگاہ رسول سمجھ کر قبول کریں۔ اور انھوں نے خود کو قرآن (6/66، 25/30-31) وغیرہ کی مار سے بچنے اور بات بنانے کے لئے صدیوں تک تاریخ و حدیث و تفسیر کے نام سے اپنی پالیسیاں اور منصوبے قرآن و حدیث کی سند سے لکھوائے۔ اُن ہی منصوبوں میں سے ایک منصوبہ اجتہاد ہے۔ جو قریش کی طرف سے پیش کئے جانے ہی سے باطل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ و رسول اور قرآن کی دشمن قوم کی بات اُن کے اپنے حق میں اور اللہ و رسول و قرآن کے خلاف عقلاً اور خود نظام اجتہاد کی رو سے قابل قبول و اعتنا نہیں ہو سکتی ہے۔

12- قرآن مفصل و مکمل کتاب ہے اس میں کسی کی یا خامی کا ماننا انکارِ حقیقت اور دشمنانِ اسلام کا کام ہے

اب ہم قارئین کو ایک مقام پھر دکھاتے ہیں کہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل خود اللہ نے نازل کی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہوا ہے کہ:

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصَدِّقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَ هُدًى وَ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ O (یوسف 12/111)

مودودی کا ترجمہ صحیح مگر تشریح میں انکار کر دیا ہے: ”یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی

ہوئی ہیں ان ہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438)

اس آیت کو پڑھنے اور مودودی کا ترجمہ دیکھنے کے بعد اس آیت کی رو سے بھی اللہ، رسول اور قرآن پر ایمان لانے والے تو یہ ضرور مانیں گے کہ اس قرآن میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔

مودودی قرآن پر نہیں بلکہ اجتہاد پر ایمان رکھتے ہیں: ”مگر وہ لوگ جو نظامِ اجتہاد پر ایمان رکھتے ہیں۔ ترجمہ صحیح کرنے کے بعد بھی لکھ دیں گے کہ:

”بعض لوگ ”ہر چیز کی تفصیل“ سے مراد خواہ نواہ دنیا بھر کی چیزوں کی تفصیل لے لیتے ہیں اور پھر ان کو یہ پریشانی پیش آتی ہے کہ قرآن میں

جنگلات اور طب اور ریاضی اور دوسرے علوم و فنون کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438)

یہ ہیں نظامِ اجتہاد کے ماحول میں پلے ہوئے علماء کہ قرآن میں ”تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ“ موجود ہوتے ہوئے بھی نہیں ماننے کہ ”ہر چیز کی تفصیل

ہے۔“ اور کمال یہ ہے کہ ترجمہ بھی کرتے ہیں کہ ”ہر چیز کی تفصیل ہے“ یہ صرف اس لئے کہ انھوں نے نبیؐ کو اپنے مثل بشر سمجھ کر اُس کو نظر انداز کر

دیا۔ خود قرآن پڑھا تو انہیں اُس میں ہر چیز کی تفصیل نہ ملی لہذا قرآن میں نازل شدہ جملے ”تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ“ کو اپنی عقل و بصیرت کے

ماتحت رکھ کر مجبور کر دیا۔ یعنی جملے کے معنی تو نہ بدل سکے مگر مفہوم بدل دیا یعنی ”تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ“ کے معنی ہوئے کہ:

”قرآن میں ہر چیز کی تفصیل نہیں ہے۔“ پھر علامہ مودودی تو صرف ”دنیا بھر کی چیزوں کی تفصیل“ کے منکر ہیں۔ آیت میں تو مطلقاً تمام چیزوں

کی تفصیل“ فرمایا ہے جس کے معنی اہل ایمان کے نزدیک تو ”اس کائنات کی اگلی پچھلی اور آئندہ کی ہر چیز کی اور ہر مخلوق کی تفصیل ہیں۔“ اور اہل

ایمان کے نزدیک چونکہ اس کائنات کی ہر چیز اور تفصیل کا عالم اسی آیت سے ہے اس لئے قرآن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھنا لازم

ہے تاکہ وہ سب کچھ قرآن میں ملے جس کا قرآن میں دعویٰ کیا گیا ہے اور وہ اہل ایمان کے لئے ہے (12/111) اہل اجتہاد کے لئے نہیں ہے

تاکہ وہ گمراہی میں پختہ ہوتے اور جہنمی بنتے جائیں۔ اور یہ سزا ہے رسولؐ کو اپنے برابر جماعتِ مشاورت کا ایک ممبر سمجھنے کی۔ اور اس کی کہ جہاں بھی

اللہ نے قرآن کی ہمہ گیری کا اعلان کیا ہے وہیں مجتہدین نے معنی تبدیل کئے یا مفہوم بدلایا معنی میں کمی و زیادتی کی ہے اور اسی کا نام ہے قرآن کو مجبور

کرنا۔ چنانچہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی پیش کردہ آیت (سورہ نحل 16/89) میں تَبَيَّنَا لِكُلِّ شَيْءٍ آیتا تھا وہاں مودودی نے مندرجہ بالا آیت

(12/111) کی طرح اُس کا ترجمہ تو صحیح کیا ہے مگر مفہوم بدل کر نفی کر دی ہے۔

مودودی صحیح ترجمہ کرنے کے بعد بھی مُصر رہتے ہیں کہ قرآن کو ناقص اور اجتہاد کو صحیح ثابت کریں

اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ: وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبَيَّنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ .. الخ (سورہ نحل 16/89)

مودودی ترجمہ:

”ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ نمبر 564)

مودودی پر نظام اجتہاد کا دباؤ:

”غلطی سے لوگ تَبَيَّنَا لِكُلِّ شَيْءٍ اور اسکے ہم معنی آیات کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ قرآن میں سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔ پھر وہ اسے نباہنے کیلئے قرآن سے سائنس اور فنون کے عجیب عجیب مضامین نکالنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ نمبر 564)

قارئین سوچیں کہ قرآن صاف اور سادہ الفاظ میں بلکہ یوں کہیے کہ اردو زبان میں ”تفصیل۔ کُل۔ شے“ فرماتا ہے مگر مجتہدین اس کا انکار کرتے ہیں۔ وہ قرآن میں تَبَيَّنَا لِكُلِّ شَيْءٍ فرماتا ہے یعنی ”ہر شے کو بیان کرنے والی“ کہتا ہے اور حد بندی نہیں کرتا کہ زمین کی ہر چیز یا آسمان کی ہر چیز مگر مجتہد کہتا ہے کہ نہ ہر چیز کا بیان ہے نہ ہر چیز کی تفصیل ہے۔ کیا قارئین، قرآن کے ساتھ اتنی کھلی دھاندلیاں دیکھنے کے بعد بھی اللہ، رسول اور قرآن کی اس بات پر ایمان نہ لائیں گے کہ: يَرْبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (25/30)

”اے میرے پروردگار یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو مجبور کر دیا۔“

اس سے بڑی اور خیانت کیا ہوگی کہ صحیح ترجمہ کر کے قرآن کی اور قرآن میں نازل شدہ الفاظ کی تصدیق بھی کرتے جاتے ہیں اور معنی اور مفہوم کو الٹ کر قرآن کا انکار بھی جاری رکھے ہوئے ہیں؟ صرف اس لئے کہ ان کی قومی حکومت اور اجتہاد کا جواز نکل آئے؟ اور قرآن سے جاہل لوگوں کو اللہ و رسول کا جانشین مانا جائے؟

13۔ عہد رسول کے مجتہدین رسول اللہ پر بھی دباؤ ڈالتے تھے تاکہ وہ جناب بھی طاغوتی طریقہ پر فیصلہ کرانے کے لئے راضی

ہو جائیں

یہ بات سترھویں (17) خطبہ میں ہو چکی ہے کہ عہد رسول کے قریشی مومنین اپنے مرکزی راہنما سے قرآن کے معنی و مفہم سمجھا کرتے تھے اور اپنا صحیح حاکم اسی سربراہ کو سمجھتے تھے جس کو اللہ نے طاغوت فرمایا ہے اور جس سے کفر کرنے کا حکم دیا تھا (نساء 4/60)۔ اور یہ بھی قرآن نے بتا دیا ہے کہ اس طاغوت کے مقابلہ میں قریش رسول کے احکام کو نظر انداز کر دیتے تھے مگر نظام اجتہاد کے امام کا حکم ہرگز نہ ٹالتے تھے۔ بلکہ رسول اللہ کا بھی صرف وہی حکم مانتے تھے جس کے ماننے کی مرکزی سربراہ یا طاغوت نے اجازت دے رکھی تھی (5/41) چنانچہ قرآن اُس صورت حال کا ذکر کرتا ہے جب رسول پر جماعت مشاورت کا ممبر بن کر آخری فیصلہ مرکز سے حاصل کرنے کا تقاضا ہو رہا تھا تو اللہ نے فرمایا کہ:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ وَ لَتَصْغَىٰ اِلَيْهِ الْاَفِيْدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلَيَرَّضُوْهُ وَيُلْقِيْنَ فُرُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝ اَفَغَيَّرَ اللّٰهُ اٰبْنَعِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الْمُفَصَّلًا وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنَهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اِنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ (انعام 114 تا 112/6)

”اور اے محمد ہم نے تو ان قریش ہی کی طرح انسانی شیطانوں کو اور جناتی شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنائے رکھا ہے وہ دونوں قسم کے دشمن شیاطین آپس میں ایک دوسرے کو وحی کرتے رہتے ہیں اور انسانوں کو سجا کر دھوکا دینے کی باتیں آپس میں ایک دوسرے کو بتاتے رہتے ہیں اور تیرے رب کی مشیت اگر نہ ہوتی تو وہ انسانوں کو فریب نہ دے سکتے تھے۔ چنانچہ آپ ان جناتی اور انسانی شیطانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو تاکہ وہ آزادی

سے اپنی مجتہدانہ ایجادات کرتے اور قوم کو دھوکہ دیتے رہیں۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل اُن کے منصوبے کی طرف مائل ہوتے اور اُن کی اسکیم پر خوش ہوتے رہیں اور جو نتائج وہ قومی حکومت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں حاصل کر لیں۔ تب رسول نے قریشی نظام کے راہنماؤں کو جواب دیا کہ کیا میں اللہ کے علاوہ بھی کسی کو حکم دینے والا یا فیصلہ کرنے والا پسند کر لوں جب کہ اللہ وہی تو ہے جس نے تمہاری طرف احکام اور فیصلوں کی یہ مفصل کتاب نازل کر دی ہے؟ اور اس پر اللہ نے رسول سے فرمایا کہ جن لوگوں کو ہم نے درحقیقت یہ مکمل کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ حق مجسم کی صورت میں تیرے پروردگار نے نازل کی ہے چنانچہ اے رسول تم آیات کے معنی نچوڑنے والوں سے الگ رہو۔“

معلوم ہوا کہ قرآن تمام قسم کے احکام پر ایک مفصل کتاب ہے اور رسول اللہ نے قریش کو بتایا تھا کہ میں اللہ کے فیصلوں کے علاوہ کسی اور کا فیصلہ اس کتاب مفصل کی موجودگی میں قبول نہیں کر سکتا۔ لیکن قریش کے وہ شیاطین جن کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے (25/27-29)، برابر نظام اجتہاد پر برقرار رہے اور وہ تمام فریب کارانہ تاویلات قوم میں پھیلاتے رہے جن سے قوم خوشی خوشی رسول سے ہٹ کر قریشی طاغوت سے وابستہ ہو جائے۔ لہذا ان آیات (6/112-114) کے بعد یہ کہنا کہ قرآن نے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ضروریات اور تقاضوں کو مد نظر نہیں رکھا اس لئے نظام اجتہاد کی ضرورت ہے سراسر اللہ رسول اور قرآن پر تہمت ہے۔ اور قرآن کی کھلی ہوئی تکذیب ہے۔“

اور یہی حضرت علی علیہ السلام نے قریش کے مفتیوں اور قاضیوں سے فرمایا ہے۔

14۔ قرآن کریم کی ہمہ گیری اور مجتہدین اور قریش کے موقف کی تردید اور بطلان پر قرآن اور صاحبان قرآن کے مزید بیانات

اس عنوان میں ہم چاہتے ہیں کہ قارئین حضرات پہلے قرآن سے پھر قرآن والوں سے ایسے چند اور بیانات سُن لیں جن سے یہ یقین ہو جائے کہ یہ قرآن ایک ہمہ گیر کتاب ہے اس میں پوری کائنات اور کائنات کی تمام ہی مخلوقات اور اشیاء پر معلومات کا ذخیرہ فراہم کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہاں سے آپ نے دیکھا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔ اور ہر چیز کہنے کے بعد کوئی چیز ایسی نہیں رہتی جس کا بیان و تفصیل قرآن میں نہ ہو۔ اور یہ کہ قریشی مخالفوں نے صاحب قرآن یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الگ چھوڑ کر قرآن سے استفادہ چاہا اور بدینتی و دشمنی اور مخالف تصورات رکھتے ہوئے استفادہ چاہا لہذا گمراہ ہوئے اور انہیں قرآن سے اور تو اور نماز کی رکعات اور اوقات بھی نہ ملے اور انہوں نے طے کر لیا کہ قرآن میں چند اصولی باتوں، قصوں کہانیوں کے سوا کچھ نہیں ہے اُن کی اس دشمنی اور نیت کو قرآن ہر اس موقع پر بیان کرتا ہے جہاں وہ اپنی ہمہ گیری کا ذکر کرتا ہے۔

14۔ الف) قرآن میں ہر چیز کو مثالیں دے کر بیان اور واضح کیا گیا ہے مگر قریشی کثرت رُوگردان اور حق پوٹ ہے

قریش پر حق پوٹنی کا جرم لگاتے ہوئے فرمایا کہ:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا . (بنی اسرائیل 17/89)

”اور ہم نے اس قرآن میں انسانوں کی ضروریات کی یقیناً ہر مثال (تمام مثالیں) طرح طرح بیان کر دی ہیں البتہ انسانوں کی کثرت

رُوگردانی کے لئے اس حقیقت پر پردہ ڈال رہی ہے (کُفُورًا)۔“

معلوم ہوا کہ ہر چیز کی تفصیل کو مثالیں دے دے کر بیان کر دیا گیا ہے۔ مگر مجتہدین کو یہ حقیقت اُن کی راہ اجتہاد میں رکاوٹ لگتی ہے اس لئے اُسے چھپا رہے ہیں۔

(i) قریش کی کثرت کو ایک خاص انسان نے بحث و مجادلہ سے مخالف بنایا ہے

اب قریش کے سب سے بڑے مجتہد کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ (کہف 18/54)

”اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں انسانوں کی ضروریات کی تمام مثالیں ہیر پھیر کر بیان کر دی ہیں مگر ایک خاص انسان اکثر معاملات میں بحث و مجادلہ کرتا رہتا ہے۔“

اس کے بعد کی دو آیات (18/55-56) پڑھنے سے اُس شخص اور اس کی قوم کا باطل اجتہاد بھی سامنے آجاتا ہے۔

(ii) لوگوں کی نصیحت کے لئے ہر مثال بیان کی گئی ہے تاکہ وہ ذمہ دار پوزیشن اختیار کر لیں

ہر شخص کو ذمہ دار بنانے کیلئے اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے تمام مثالیں بیان کر دی گئی ہیں چنانچہ فرمایا ہے کہ:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

(سورہ زمر 28-27/39) (سورہ روم 30/58)

”اور یقیناً ہم نے انسانوں کے لئے ذمہ داریوں اور نصیحتوں کے سلسلے میں اس قرآن کے اندر تمام قسم کی مثالیں ٹھونک بجا کر بیان کر دی

ہیں جن کا مجموعہ یہ بے عیب عربی قرآن ہے شاید یہ لوگ بھی پرہیزگار بن جائیں۔“

(14-ب) قرآن کی ہمہ گیری کا انکار کرنے کے لئے ”كِتَابٌ مُبِينٌ“ کو لوح محفوظ بنانے کی کوشش۔ قرآن کتاب المبین ہے

قرآن کریم کو قرآن میں جگہ جگہ الفاظ ”كِتَابٌ“، ”الْكِتَابُ“، ”كِتَابٌ مُبِينٌ“ اور ”كِتَابٌ الْمُبِينُ“ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اور لوح محفوظ کو کہیں بھی کتاب یا الکتب یا کتابت مبین اور کتاب المبین نہیں فرمایا ہے۔ خصوصاً اُس لئے کہ کتاب المبین کو تو ایسی ظاہر کتاب ہونا چاہیے جو سب کے دیکھنے، چھونے اور پڑھنے میں آئے۔ اور لوح محفوظ انسانوں کی دسترس و مشاہدہ اور محسوسات سے باہر ہے۔ لہذا لوح محفوظ کو معنوی و عملی دونوں حیثیتوں سے کتاب المبین کہنا اور ہونا بھی نہیں چاہئے۔

قرآن کو کتاب المبین فرمایا گیا ہے: حَمْدٌ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

وَ اِنَّهُ فِي اُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيَّ حَكِيمٌ ۝ (زخرف 1 تا 4/43)

ایک مجتہد اور دشمن اہلبیت کا ترجمہ: ”ح۔م۔تم ہے اس واضح کتاب کی کہ ہم نے اُسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم لوگ اسے سمجھو۔

اور درحقیقت یہ اُم الکتاب میں مثبت ہے، ہمارے ہاں بڑی بلند مرتبہ اور حکمت سے لبریز کتاب۔“

مودودی کی تشریح: ”قرآن مجید کی قسم جس بات پر کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس کتاب کے مصنف ”ہم“ ہیں نہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قسم

کھانے کیلئے قرآن کی جس صفت کا انتخاب کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ”کتاب مبین“ ہے۔“ (تفہیم القرآن 4 صفحہ 523)

یہ کتنا بڑا ظلم اور بددیانتی ہوگی کہ یہی علامہ قرآن کو ناقص ثابت کرنے کی غرض سے کتاب المبین کو قرآن نہ مانے۔

(14-ج) قرآن کریم سے پوری کائنات کی کوئی چیز باہر اور غائب نہیں ہے حتیٰ کہ قریش کے سینوں میں پوشیدہ منصوبہ بھی معلوم و مذکور ہے

آئیے قرآن کا وہ مقام دیکھئے جہاں قرآن کریم کی ہمہ گیری پر پردہ ڈالنے کے لئے یہی ملعون خود اپنی تردید کرتا ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے کہ: **وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَمِمَّنْ غَابَبَةٌ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ الْأَلْفِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝**

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (نمل 76 تا 74 / 27)

مکذّب قرآن قریشی عالم کا ترجمہ و تشریح: ” بلاشبہ تیرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ اُن کے سینے اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ آسمان و زمین کی کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جو ایک واضح کتاب میں لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔“

تشریح: ” 92 یہاں کتاب سے مراد قرآن نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا وہ ریکارڈ ہے جس میں ذرہ ذرہ ثبت ہے،“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 602) قارئین قریش اور اُن کے علماء پر لعنت بھیج کر خود سمجھ لیں کہ قریش اسلامی عقائد کے متعلق جو لوگوں کے سامنے اعلان کرتے تھے (يُعْلِنُونَ) وہ فریب تھا اور اُن کے سینوں میں منصوبہ اجتہاد و قومی حکومت دفن تھا۔ اور یہ کہ قرآن کریم میں زمین و آسمان کی ہر غائب و مشہود چیز لکھی ہوئی موجود ہے اور بقول مودودی، کائنات کا ذرہ ذرہ ثبت ہے۔ اور وہ لوگ فریب ساز ہیں جو قرآن کو چند اصولوں والی کتاب کہتے اور اجتہاد کرتے ہیں۔

(14-د) غیب کے حالات، غیب کی کنجیاں، خشکی و بحر کے حالات، درختوں کے ہر پتے کی عمر، زمین کی تاریکیوں کا ہر ذرہ قرآن میں مذکور ہے قرآن کی ہمہ گیری بیان کرنے میں اللہ نے کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنَ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ

فِي ظُلْمَتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝ (انعام 6/59)

مودودی کا ترجمہ: ” اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ جنہیں اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے وہ سب سے واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اُسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی ہوئی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 546)

یہاں بھی مودودی نے قرآن کے بجائے ایک کھلی کتاب لکھ دیا ہے اور تشریح کی ہوتی تو حسب سابق یہاں بھی کتاب مبین کو اللہ کا پرائیویٹ ریکارڈ لکھ دیا جاتا۔

بہر حال بات مکمل ہوگئی کہ اللہ نے قرآن کریم کی ہمہ گیری بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور قریش و قرآنی حقائق کو چھپانے یعنی کفر کرنے میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔

(14-ھ) اگر قرآن کائنات کی ہر چیز کے لئے مفصل قوانین و تفصیلات نہ رکھتا ہوتا تو کائنات کی ہر چیز کیسے مسخر کی جاسکتی تھی؟

اللہ نے قرآن میں تمام انسانوں کو مخاطب کر کے بار بار اور طرح طرح سے فرمایا ہے کہ ”اس کائنات کی ہر چیز و ہر مخلوق کو تمہارے لئے مطیع و مسخر کر دیا ہے“ (16/12)، (45/13)۔ ظاہر کہ پوری کائنات اور اس میں سنکھوں میں پھیلی ہوئی مخلوقات و اشیاء کو اپنا مطیع و مسخر بنانے کے لئے ہر چیز کی تفصیل درکار ہے، ہر ایک تک رسائی کا طریقہ و قوت مطلوب ہے۔ تمام متعلقہ قوانین و عملی ہدایات کی احتیاج ہے۔ وہ چھو منتر سے مطیع نہ ہو جائیں گے۔ اور یہ تمام ضروریات پوری کرنے کے لئے ہی اس قرآن اور اس کے لانے والے اور تعلیم دینے والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے جانشینوں کو ہمہ گیر علوم و قدرت عطا کی گئی ہے۔ لیکن قریش نے قرآن اور رسول دونوں کی اس پوزیشن کو چھپایا۔ انہیں اپنے ایسا بشر اور قرآن کو ایک نامکمل کتاب قرار دیا تو دیکھ لو کہ آج مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ وہ ساری دنیا کی اقوام کے سامنے بُری قسم کے بھکاری ہیں۔ اور

دنیا میں چاروں طرف اُن کی مذمت ہو رہی ہے۔ اور وہ خود بھی اپنی مذمت کرتے رہتے ہیں۔

(14- و) احادیث معصومین سے قرآن کی ہمہ گیر پوزیشن

جس طرح حضرت علی علیہ السلام نے قرآن کی عالم گیر پوزیشن پر قرآن کی آیات سے استدلال فرمایا ہے۔ بالکل اُسی طرح اور اُسی

آیت سے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

پہلی حدیث: عَنْ مَرَاذِمَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنْزَلَ فِي الْقُرْآنِ تِسْيَانًا كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى وَاللَّهِ مَا تَرَكَ اللَّهُ شَيْئًا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْعِبَادُ، حَتَّى لَا يَسْتَطِيعُ عَبْدٌ يَقُولُ "لَوْ كَانَ هَذَا أَنْزَلَ فِي الْقُرْآنِ إِلَّا وَقَدْ أَنْزَلَهُ اللَّهُ فِيهِ" (کتاب فضل العلم باب الرد إلى الكتاب)

”یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کو ہر چیز کے بیان کرنے کے لئے نازل کیا ہے۔ یہاں تک کہ اُن چیزوں میں سے کسی چیز کو بیان کرنے سے نہیں چھوڑا۔ جن کو جاننے یا سمجھنے کی بندوں کو ضرورت و احتیاج ہو سکتی تھی۔ اور اس حد تک بیان کر دیا کہ اب کوئی شخص یہ کہنے کی گنجائش نہیں رکھتا کہ: ”کاش قرآن میں فلاں چیز بھی بیان کی ہوتی“، مگر یہ کہ اللہ نے وہ چیز بھی قرآن میں پہلے ہی بیان کی ہوئی ہے۔“

دوسری حدیث: عَنْ عُمَرَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَمْ يَدَعِ شَيْئًا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ إِلَّا أَنْزَلَهُ فِي كِتَابِهِ وَبَيَّنَّهُ لِرَسُولِهِ وَجَعَلَ لِكُلِّ شَيْءٍ حَدًّا وَجَعَلَ عَلَيْهِ دَلِيلًا بَدَلًا عَلَيْهِ وَجَعَلَ عَلِيًّا مَنْ تَعَدَّى ذَلِكَ الْحَدَّ حَدًّا (دوسری حدیث، باب و کتاب ایضاً)

”جناب محمد باقر علیہ السلام سے عمر بن قیس نے سنا، فرماتے تھے: ”یقیناً اللہ نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی چیز نازل کئے بغیر نہیں چھوڑی جس کی اُمت کو ضرورت و احتیاج ہو سکتی تھی اور اُن تمام چیزوں کو اپنے رسول کے لئے واضح کر دیا۔ اور تمام چیزوں کی حدود بھی مقرر فرما دی ہیں اور اُن پر دلائل بھی قائم کر دیئے ہیں اور جو کوئی اُن حدود سے تجاوز کرے اس کے لئے سزا بھی طے فرمادی ہے۔“

تیسری حدیث: عَنِ الْمُعَلِيِّ بْنِ حَنِيْسٍ قَالَ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا مِنْ أَمْرٍ يَخْتَلِفُ فِيهِ اثْنَانِ إِلَّا وَ لَهُ أَصْلٌ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ لَكِنْ لَا تُبْلَغُهُ عُقُولُ الرِّجَالِ (ایضاً حدیث نمبر 6)

جناب امام جعفر صادق نے فرمایا ہے ”ایسا کوئی مسئلہ یا ایسی کوئی چیز یا ایسا کوئی معاملہ ہے ہی نہیں کہ جس پر دو آدمیوں میں اختلاف ہو اور وہ اپنی بنیاد کے ساتھ اللہ کی کتاب میں موجود نہ ہو۔ البتہ تمام لوگوں کی عقلیں اس تک پہنچتی نہیں ہیں۔“

قارئین یہاں رُک جائیں اور سوچیں کہ ان تینوں احادیث نے کیا ان لوگوں کا راستہ روک نہیں دیا جو یہ کہنا چاہیں کہ قرآن میں فلاں مسئلہ یا بیان یا تفصیل یا جزئیات نہیں ہیں؟ رہ گئی یہ ترکیب کہ قرآن کی ہر بات ہر آدمی کی سمجھ میں نہیں آتی؟ تو یہ بھی تیسری حدیث میں بتا دیا گیا ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ کوئی بھی الہامی یا انسانی کتاب ایسی نہیں ہے جس کی ہر بات ہر جاہل و عالم و جوان و بڑھا اور بچہ اور عورت سمجھتی ہو۔ کوئی ڈاکٹری و حکمت کی کتاب ایسی نہیں ہے جسے سارے لکھے پڑھے لوگ سمجھتے ہوں۔ ننانوے فیصد لوگ ڈاکٹر کا لکھا ہوا نسخہ نہیں سمجھتے مگر سمجھنے والے سمجھتے ہیں اور سو فیصد ٹھیک دوائیں دیتے ہیں۔ لہذا یہ ترکیب کہ مجتہدین کو یا کسی اور کو قرآن میں فلاں بات نہیں ملتی۔ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ناکام ہوئے ہیں۔ وہ جاہل ہیں۔ قرآن کو پڑھنا نہیں جانتے۔ اُنہیں اور تمام انسانوں کو کتاب یا قرآن دے کر آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا ہے۔ اُنہیں قرآن سیکھنے اور سکھانے

کیلئے بھی آزاد نہیں چھوڑا گیا ہے۔ اگر انہیں کوئی چیز قرآن میں نہیں ملتی یا نہ ملے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ قرآن فہمی کے لئے نالائق ہیں نہ کہ یہ کہنا کہ خدا نالائق ہے۔ انہیں اپنی کوشش میں کوتاہی کا اقرار کرنا چاہیے نہ کہ اللہ پر کوتاہی کی تہمت جڑ دینا چاہیے۔ جب اللہ رسول قرآن اور صاحبان قرآن نے فیصلہ کر دیا کہ قرآن میں ہر بات ہر چیز تفصیل سے مثالیں دے دے کر بیان کر دی ہے۔ اگر وہ مومن ہیں تو ایمان کا تقاضا ہے کہ پہلے اللہ، رسول، قرآن اور صاحبان قرآن کی بات مانیں اور ایک لاکھ دفعہ کہیں کہ واقعی ہر چیز قرآن میں موجود ہے ہم نالائق ہیں، جاہل ہیں، ہماری تلاش میں کوئی خامی ہے ورنہ مطلوبہ چیز ضرور قرآن میں موجود ہے۔ تمہارا اپنا بیچ گم ہو جاتا ہے۔ تمہیں نظر نہیں آتا۔ محلے میں نہیں ملتا۔ بس مطمئن ہو جانا چاہئے کہ وہ دنیا میں نہیں ہے۔ مگر تم ملعون ہو اپنے بچے کے لئے آس لگائے رہتے ہو۔ منادی کراتے ہو۔ مسجدوں سے اعلان کراتے ہو۔ پولیس کے تھانوں پر جاتے ہو۔ اخباروں میں اشتہار دیتے ہو۔ اور پھر بھی آس لگائے رہتے ہو۔

یہ اللہ، رسول، قرآن اور صاحبان قرآن ہی ہیں جن سے تم فوراً مایوس ہو جاتے ہو۔ اور ان کے خلاف فیصلہ کر کے بیٹھ جاتے ہو کہ قرآن ایک ایسی اصولی کتاب ہے جس میں کروڑوں اربوں ضرورتوں اور سوالوں کا حل نہیں ہے۔ اور اللہ و رسول کی جگہ بیٹھ جاتے ہو تا کہ وہ خامیاں دُور کرو جو اللہ و رسول سے رہ گئی تھیں۔ اور اُمید کرتے ہو کہ تمہاری غلط باتوں کو بھی اللہ کو ماننا پڑے گا اور اُمت سے غلط عمل کرا کے یہ سمجھتے ہو کہ خدا کو انہیں غلط اعمال پر اجر و ثواب دینا پڑے گا۔ سُنو تم سب کچھ ہو مگر مسلم و مومن نہیں ہو تم قرآن میں لعنتی لوگ ہو تم جہنم کا ایندھن ہو۔ اے شیطان زادو ذرا کل کسی عدالت میں، ہائی کورٹ یا کسی کورٹ میں جاؤ تعزیرات پاکستان (P.P.C) لے جاؤ اور جج کے برابر بیٹھ کر مقدمہ سُننے اور قانون پاکستان کے مطابق فیصلہ کرنے کا اعلان تو کرو۔ اگر تم نے جلدی سے معافی نہ مانگی تو سنو کہ تمہیں جیل کی ہوا اور روٹیاں کھانا پڑیں گی۔ جب تک تم یہ نہ مان جاؤ کہ تمہاری بغل میں، تمہاری لائبریری میں تھی تو وہی کتابیں جو پاکستان کا قانون ہے۔ مگر قانون کے معاملے میں تم لکھے پڑھے گدھے ہو۔ اس لئے کہ تم یہ بھی نہیں جانتے ہو کہ قانون کی کتاب ہر اردو دان یا انگلش دان کے لئے نہیں ہے۔ یعنی پاکستان کا قانون ہر ایک پاکستانی کے سمجھنے اور استعمال کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ ہر (B.A LL-B) بی اے ایل ایل بی کے لئے بھی نہیں ہے۔ اُس کے سمجھنے سمجھانے اور استعمال کرنے والے صرف وہ لوگ ہیں جن کو اس سال لائسنس دیا گیا ہے۔ اور بس۔ تم تو چوکور ملعون ہو۔ جانتے ہو کہ پاکستانی قانون کی نمائندگی کرنے کیلئے کورسز پاس کرنا پڑتے ہیں حکومت کے قانونی مسلمہ اور متعین نمائندوں سے سند لینا پڑتی ہے۔ انگلینڈ جا کر چھ سات سال باقاعدہ قانون پڑھنا پڑتا ہے بیرسٹر کی سند لینا پڑتی ہے پھر کسی کامیاب وکیل کی چیراسی کی حیثیت میں خدمت کرنا پڑتی ہے۔ فائلیں اٹھائے اٹھائے پھرنا۔ عدالتوں سے مخاطب سیکھنا۔ تاریخیں لینا ڈائری مرتب کرنا۔ ملازموں اور مدعیوں سے گفتگو کرنا سیکھنا پڑتی ہے۔ برسوں ڈانٹیں کھا کر درخواست دینا ہوگی سفارش کرانا ہوگی تب جگہ خالی ہونے پر آپ کو عدالت اور نمائندگی کا حق ہوگا۔

یہ کیا مذاق ہے۔ ہر اندھا، لنگڑا، لولا اور اپنا بیچ اسلام کی مکتب میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ ہر وہ لڑکا جو چوتھی پانچویں جماعت تک پبلک اسکول میں کامیابی سے نہ چلے اُسے یتیم خانہ کا مجتہد، مجتہد بننے کے لئے عراق بھیج دیتا ہے اور وہ مجتہد بن کر چلا آتا ہے۔ تمام دُھنیے، جُلاھے، چمار پوڑھے قرآن کے عالم بن جاتے ہیں۔ ترجمہ و تفسیر لکھ ڈالتے ہیں اور اللہ و رسول اور قرآن کے خلاف جو چاہتے ہیں کہتے ہیں؟ سُنو یہ طریقہ اُن لوگوں نے جاری کیا تھا جو ایک حرامی نسل کے مضروب حرامی تھے۔ ارے قرآن تو آج تک کہہ رہا ہے کہ ”جو چیز تمہیں معلوم نہ ہو وہ اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو (21/7، 16/43) یعنی اہل ذکر وہ لوگ ہیں جو قیامت تک ہر جگہ اور ہر زمانہ میں دستیاب رہیں گے اور ہر لاعلمی اور جہالت کو علم سے

تبدیل کر دیں گے۔

کیا تم نے کبھی سوچا کہ قرآن پڑھنے اور قرآنی علوم حاصل کرنے کا قرآن نے کیا طریقہ بتایا ہے؟ اس کی تعلیم کا کون ذمہ دار ہے؟ وہ ذمہ داری اُسے کس نے دی ہے؟ کیا اُس کے پاس اللہ ورسول کی دی ہوئی تحریری سند موجود ہے؟ سند اس بات کی کہ اُس نے خود اللہ ورسول سے مکمل قرآن پڑھا اور امتحان دے کر پاس ہوا ہے اور سند اس بات کی کہ وہ اُسی طرح لوگوں کو قرآن کی تعلیم دے گا جس طرح اُسے اللہ ورسول نے سندی ہے؟ تم نے کسی کی سند دیکھی ہے؟ تمہارے پاس کوئی سند ہے؟ وہ سند کس نے دی ہے؟ سُنو یہ قرآن صرف اور صرف لسانِ رسول پر آسان کیا گیا ہے۔ فَإِنَّمَا يَسْرُنَهُ بِلِسَانِكَ لِيُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا (مریم 19/97) ”اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہیں کہ ہم نے اس قرآن کو صرف تمہاری زبان کے ساتھ آسان کیا ہے تاکہ تم اس قرآن سے مخصوص متقین کو خوشخبریاں دیتے رہو اور اَلذُّلَّ الْخِصَام (2/204) کی اپنے مد مقابل دشمن قوم کو خبردار کرتے رہو۔“

یاد رکھو جن لوگوں نے عربی زبان جاننے کی وجہ سے قرآن کو خود پڑھا اور رسول کی زبانی مد نہیں لی وہ قرآن ہرگز نہیں سمجھ سکتے اور اُن ہی کو وہ تمام دقتیں اور الجھنیں اور شکوک اور شبہات پیش آنا چاہئیں جو رسول کو قرآن سے الگ کر دیں اور جو لوگ اس آیت (19/97) میں لفظ لِسَانِكَ کے معنی عربی زبان کر لیں۔ عربی زبان تمام عربوں کی زبان ہے اور تھی اور رسول کی پیدائش سے بہت پہلے سے موجود تھی۔ یہ صحیح ہے کہ رسول کے والدین علیہم السلام عربی زبان بولتے تھے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بچپن سے عربی ہی بولتے تھے۔ مگر یہ غلط ہے کہ حضور کی زبان عربی تھی حضور اس کائنات کی تمام مخلوقات کیلئے نذیر ورسول تھے اُن کی کوئی ایک مستقل زبان نہ تھی۔ وہ چرند و پرند و نباتات و جمادات و حیوانات اور تمام انسانوں کی زبانیں بولتے تھے اور وہ سب حضور کی زبانیں تھیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ تمام کتب الہیہ اُسی زبان میں نازل ہوئی ہیں جو زبان رسول کی مخاطب قوم بولتی تھی۔ لیکن اللہ کے انتظام سے اُسے جنات بھی سنتے تھے تو اپنی زبان میں سنتے تھے۔ یعنی رسول کی زبان سے نکلنے والی قرأت کائنات بھر کی مخلوق کو اُن کی اپنی زبان میں پہنچتی تھی۔ اسی اصول پر یونائیٹڈ نیشن (United Nation) کے اسمبلی ہال میں زبانوں کا ترجمہ ہو کر تمام ممبروں اور مندوبین کو اپنی اپنی زبانوں میں سنائی دیتا ہے۔

بہر حال رسول اللہ فدائی و اُمّی اِس کائنات اور کائناتی مخلوقات اور اُن کی زبانوں سے پیدا ہونے سے کروڑوں اربوں سال پہلے نورانی وجود کی نورانی صورت میں پیدا کئے گئے تھے۔ اور برابر عبادتِ خداوندی بجالاتے رہے۔ اُن کی اپنی وہی زبان تھی جس میں انہوں نے کروڑوں اربوں سال حمد و ثنا و عبادتِ الہی کی تھی۔ وہ وہی زبان ہے جو اللہ بولتا ہے جسے زمین و آسمان بلا تکلف و دقت سمجھتے ہیں۔ (41/11)

چوتھی حدیث۔ لوگوں نے قرآن کے متعلق ہر پہلو پر سوالات کر کے پوزیشن واضح کرائی تھی

علاشا اور کمپنی کی حکومتوں کے زمانے میں یہ بات پبلک میں مشہور اور مسلم چلی آرہی تھی کہ قرآن ایک مختصر سی کام چلا و اصولی کتاب ہے۔ اس سے مسائل اخذ کرنا مجتہدین اور حکمرانوں کا کام ہے۔ ورنہ خود قرآن میں کچھ بھی نہیں ملتا۔ ادھر قریشی حکومتوں کے مقابلے پر معصوم نظام تعلیمات خداوندی کا تحفظ کرنا چلا آ رہا تھا۔ جو لوگ اُن سے باقاعدہ وابستہ ہو جاتے تھے وہ قرآن کی تاکیدات کے ماتحت صاحبان قرآن علیہم السلام سے سوال کر کے اپنی ہر دقت اور عقائد و اعمال درست رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ:

عن سماعة عن ابي الحسن موسى عليه السلام قال: قُلْتُ لَهُ: أَكُلُّ شَيْءٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَ سُنَّةِ نَبِيِّهِ أَوْ تَقُولُونَ فِيهِ؟ قَالَ:

بَلْ كُلُّ شَيْءٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَ سَنَّةِ نَبِيِّهِ (ایضاً کتاب و باب حدیث نمبر 10)

”میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا کہ کیا واقعی قرآن میں ہر چیز کا ذکر و بیان موجود ہے یا آپ حضرات رعب و داب رکھنے کے لئے کہتے رہتے ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ سچ قرآن میں بھی اور نبیؐ کی سنت میں بھی تمام چیزوں کا بیان موجود ہے۔“

پانچویں حدیث۔ قرآن میں موجود سامان کی مختصر مگر جامع فہرست اور قرآن کے نگہبانوں کا علمی مقام

قرآن کی پوزیشن ہم ہر خطبے کی تشریح میں بالواسطہ مطالب کی بنا پر لکھتے آئے ہیں۔ مگر اس خطبے میں براہ راست قرآن زیر بحث ہے۔ اس لئے ہم یہاں ذرا کھٹل کر قرآن کی اور صاحبان قرآن کی پوزیشن سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہزاروں احادیث میں سے ایک مختصر حدیث اور ایک ذرا طویل حدیث لکھیں گے تاکہ قرآن اور صاحبان قرآن علیہم السلام پر اعتراض اور شکوک کا دروازہ بند ہو جائے۔ سنیئے کہ:

عن عبد الاعلیٰ بن اعین قال: سَمِعْتُ ابا عبد الله عليه السلام يقول: "قَدْ وَلَدَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَآنَا أَعْلَمُ كِتَابَ اللَّهِ وَفِيهِ بَدْءُ الْخَلْقِ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَفِيهِ خَيْرُ السَّمَاءِ وَخَيْرُ الْأَرْضِ وَخَيْرُ النَّارِ وَخَيْرُ الْجَنَّةِ وَخَيْرُ مَا كَانَ وَخَيْرُ مَا هُوَ كَائِنٌ أَعْلَمُ ذَلِكَ كَمَا أَنْظَرُ إِلَى كَفِّي إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ فِيهِ تَبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ - (ایضاً حدیث نمبر 8)

جناب عبدالاعلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا فرماتے تھے کہ ”مجھے رسول اللہ نے جنم دیا ہے اور اسی لئے میں قرآن کا سب سے بڑا عالم ہوں قرآن میں تخلیق کائنات سے لے کر قیامت تک جو کچھ بھی ہونا ہے سب موجود ہے اور قرآن میں آسمانوں کی خبریں اور حالات ہیں اور زمینوں کی خبریں اور حالات ہیں۔ اُس میں جنتوں کی خبریں ہیں جہنم کی خبریں ہیں۔ اور اُن تمام چیزوں اور واقعات کی خبریں ہیں جو گزر چکے اور اُن تمام چیزوں اور واقعات کی خبریں ہیں جو مستقبل میں ہونے والے ہیں۔ اور میں اُن سب کا ویسا ہی عالم ہوں جیسا کہ اپنی تھیلی کا عالم ہوں اور میں اُن سب کو دیکھ رہا ہوں۔“

ہے کوئی جو آگے بڑھے اور وہ چیز یا چیزیں بتائے جو امام علیہ السلام کی اس حدیث میں نہیں ہیں۔ یہ ہے قرآن اور قرآن کا اپنے زمانہ کا عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

چھٹی حدیث۔ عہدِ عباسیہ میں باقاعدہ امامت و خلافت پر کھلی بحثیں ہونے لگیں تو مخالفین کے دلائل کو باطل کرنے کے لئے امام کا بیان

عن عبد العزيز بن المسلم قال كنا مع الرضا عليه السلام بمرو - فأجتمعتنا في الجامع يوم الجمعة في بدء مقدمنا فآداروا أمر الإمامة و ذكر و اكثره اختلاف الناس فيها - فدخلت علي سیدی عليه السلام و أعلمته حوض الناس فيه فتبسّم عليه السلام ثم قال: يا عبد العزيز جهل القوم و خدعوا عن آرائهم، إن الله عزّ و جلّ لم يقبض نبيّة حتى أكمل له الدين و أنزل عليه القرآن فيه تبيان كلّ شيء بين فيه الحلال و الحرام و الحدود و الاحكام و جميع ما يحتاج اليه الناس كمالاً، فقال عزّ و جلّ ما فرطنا في الكتاب من شيء - و أنزل في حجة الوداع و هي آخر عمره صلى الله عليه و آله اليوم أكملت لكم دينكم و أتممت عليكم نعمتي و رضيت لكم الاسلام ديناً و أمر الإمامة من تمام الدين و لم يمض صلى الله عليه و آله حتى بين لأمتيه معالم دينهم و أوضح لهم سبيلهم و تركهم على قصد سبيل الحق و اقام لهم علياً عليه السلام علماً و اماماً و ما ترك شيئاً يحتاج اليه الأمة الا بينه - فمن زعم أن الله عزّ

و جلّ لم يكمل دينه فقد ردّ كتاب الله و من ردّ كتاب الله فهو كافرٌ به۔ هل يعرفون قدر الامامة و محلّها..... الخ

”عبدالعزیز بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ امام رضا علیہ السلام کے ساتھ ایک دفعہ شہر مرو میں مقیم ہوئے۔ اپنی آمد کے قریب ہی ہم جمعہ کو جامع مسجد میں جمع ہوئے اور مسئلہ امامت پر گفتگو کی جس میں بہت سے لوگوں کے اختلاف کا بھی ذکر آیا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد میں اپنے سید و سردار کے پاس آیا اور ان حضرت کو اُس بحث کی اور لوگوں کی فکری حالت کی روداد سنائی تو مسکرائے۔ پھر فرمایا کہ اے عبدالعزیز بات یہ ہے کہ اس خاص قوم یعنی قریش نے اپنے اجتہاد اور رائے سے جہالت اور دھوکا عام کر دیا ہے اور لوگ دین کو اذیت اور ناقص اور نامکمل سمجھنے لگے ہیں حالانکہ اللہ نے اپنے نبی کو اُس وقت تک واپس نہیں بلا یا جب تک دین کو مکمل نہ کر دیا اور حضور پر تمام چیزوں کو بیان کرنے والا قرآن نازل کیا ہے (16/89) قرآن میں تمام حلال و حرام بیان کر دیئے اور تمام حدود و احکام واضح کر دیئے ہیں اور تمام چیزیں مکمل طور پر بیان کر دی گئیں جن کی انسانوں کو کبھی بھی ضرورت ہو سکتی تھی۔ اور اللہ نے اسی بناء پر فرمایا کہ ہم نے قرآن میں کسی بھی چیز کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اور آخری و داعی حج میں جب کہ حضور کی عمر آخر ہونے والی تھی قرآن میں یہ بھی نازل کر دیا کہ آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کی تکمیل کر دی ہے اور تم سے اسلام دین کے لئے راضی ہو گیا ہوں۔“ (مائدہ 5/3) اور امامت کا تقرر ہی دین کا مکمل ہونا اور نعمتوں کا پورا ہو جانا ہے۔ اور رسول اللہ اس وقت تک امت سے رخصت نہیں ہوئے جب تک انہوں نے دین کے تمام پہلو و علوم بیان نہ کر دیئے اور ان کے لئے راہِ راست واضح نہ کر دی ہو۔ اور انہیں راہِ حق پر لگائے بغیر نہیں چھوڑا اور ایک راہنما اور امام کی حیثیت میں حضرت علی علیہ السلام کا تقرر کر دیا۔ اور ایسی بات بتائے اور سمجھائے بغیر نہ چھوڑی جس کی امت کو کبھی بھی ضرورت ہو سکتی تھی۔ ان تمام انتظامات اور اقدامات کے بعد بھی اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اللہ نے اپنے دین کو مکمل نہیں کیا تھا تو وہ قرآن کو رد کرتا ہے۔ اور جو قرآن کو ٹھکرائے وہ بلاشبہ قرآن کا کافر ہے۔“ (کافی کتاب الحجۃ باب فصل امام و صفاتہ)

(14-ز) مقام امام و امامت کو ذرا بہتر صورت میں سمجھنے اور ثابت کرنے کیلئے ضروری ہے کہ قارئین مندرجہ بالا حدیث پوری سن لیں

یہاں تک مندرجہ بالا حدیث کا جو حصہ آپ نے مطالعہ کیا ہے اُس میں زیر قلم عنوان ”تکمیل دین و قرآن اور اجتہاد کا بطلان“ مکمل ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ قریشی لیڈروں نے رسول کی قائم کردہ حکومت پر قبضہ کرنے اور خانوادہ رسول اور علیٰ حکومت سے محروم کرنے کیلئے اللہ رسول اور قرآن کے ساتھ دنیا کا سب سے بڑا فراڈ و ظلم و مکر کیا۔ قرآن کریم نے جیسا رسول اور جیسا نظام حکومت پیش کیا تھا۔ ویسے رسول کی جانشینی اور اس نظام حکومت کی سربراہی کیلئے قریشی راہنما ہرگز موزوں نہ تھے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اُس رسول اور نظام کو ایسا بنا لیا جائے جس کی جانشینی اور سربراہی کے لئے قریشی لیڈروں کا قد و قامت موزوں نظر آئے۔ یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا تھا جب تک قرآن کو درمیان سے نہ ہٹا دیا جائے۔ اس لئے کہ وہ محمد علیؑ کے بعد بھی امت کے ہاتھوں میں رہے گا اور ایک روز قریشی لیڈروں کی پوزیشن امت میں واضح ہو جائے گی۔

لہذا انہوں نے قرآن کو غائب کرنے کے لئے قرآن کو جمع کرنا رسول کی مخالفت قرار دینے کا اعلان اور کوشش کی (بخاری) لیکن چند مخالف تقاضوں سے ڈر کر یہ رائے بدل دی گئی۔ پھر قرآن جمع کرنے کی اسکیم میں قرآن کو نامکمل و مشکوک کرنے کا انتظام کیا۔ یہ انتظام بھی ناکام ہو گیا۔ پھر اسی کوشش پر انحصار کیا جو عہد رسول میں اعلانِ خلافت و وزارت مرتضوی سے شروع کیا تھا یعنی قرآن کے الفاظ و آیات کا بدل دینا تو ناممکن ہے اس لئے کہ وہ لوگوں کے حافظوں میں محفوظ ہے۔ مگر الفاظ کے معنی و مراد تبدیل کرتے رہو اور جہاں جہاں علیؑ و خانوادہ رسول کی یا خود رسول کی پوزیشن قریشی قومی حکومت کے منصوبے کے خلاف جاتی ہو وہاں الفاظ کے معنی و مفہوم کو عربی زبان کی خود ساختہ وسعت کی آڑ میں چھپاتے اور

موزوں معنی چسپاں کرتے چلے جاؤ مثلاً لفظ عالمین کو ساری دنیا بنا دو، ولی کو دوست اور رفیق کر دو۔ کفر اور کافر کو انکار اور منکر قرار دو وغیرہ۔ اسی کاروبار کو قرآن کے مجبور کرنے کا نام دیا گیا تھا (25/30) بہر حال رسول، جانشین رسول، نظام حکومت الہیہ اور خود قرآن کی ہمہ گیری کو تبدیل کر کے انہیں اپنے ایسا بلکہ کچھ گھٹیا درجہ کے انسان بنا یا، قرآن کو ایک ایسی کتاب بنایا جو دانشوران عرب کی اصلاح و اضافہ کی محتاج رہے۔ نظام حکومت کو قومی حکومت بنا لیا۔ اور یہ سب کچھ اپنی خود ساختہ تاریخ و تفاسیر و کتب احادیث اور ان کی اشاعت اور محمدؐ و علیؑ کے فضائل کی ممانعت کے ذریعہ سے کیا۔ اور اس اشاعت اور ممانعت پر حکومت کی سطح سے زرو جو اھر اور انسانی خون کے دریا بہا دیئے۔ جبر و استبداد اور داد و دھش کو انتہا تک پہنچا دیا۔ چونکہ سامنے شیعہ نام کے مخالف بھی تھے ان سے اپنی تیار کی ہوئی تاریخ اور دیگر کتب کو منوانے کے لئے ان کتب میں بڑی چابکدستی سے مناسب مقامات پر اپنی مذمت اور محمدؐ و علیؑ کی فضیلت بھی بیان کرتے رہے۔ شیعہ علماء نے ابو بکر و عمر وغیرہ کو اہل باطل ثابت کرنے اور علیؑ کو برحق ثابت کرنے کے لئے مذکورہ کتب کے حوالے دینا شروع کئے۔ اور یہی قریش چاہتے تھے۔

شیعہ کی پیش کردہ مذمت اور فضائل کیا نتائج حاصل کریں گے یہ تو بعد کی بات ہوگی پہلی بات تو یہ ثابت ہوگئی کہ شیعہ علما نے ان خود ساختہ تواریخ کا وجود مان لیا۔ اور اسی قسم کی سیاسی چالوں میں الجھا کر رفتہ رفتہ شیعوں سے بھی نظام اجتهاد یعنی ابو بکر و عمر کا نظام حکومت قبول کرا لیا اور آج ایک ہزار سال سے وہ بھی اس نظام کے حامی و مددگار ہیں اور سنی علما سے کچھ بڑھ کر اور زیادہ مضبوط دلائل سے نظام اجتهاد کا دفاع کرتے چلے آ رہے ہیں۔ جس پر ہم آگے چل کر بات کریں گے۔ یہاں تو یہ دیکھ لیں کہ قریش نے جو کچھ کیا اور اسے ساری دنیا سے منوالیا وہ سب کچھ قرآن سے باہر کیا گیا۔ قرآن کے بیان معنی بدلنے سے بدل نہیں گئے وہ بجنسہ آج تک قرآن میں موجود ہیں۔ عربی زبان کے قوانین خود قریش کے تسلیم کردہ موجود ہیں بس ان دونوں چیزوں سے ہم نے جو کچھ کیا وہ قارئین دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔ نوبت یہاں تک آئی ہے کہ قرآن کے معاملے میں قرآن کی رو سے قریش کی تمام باتیں ناقابل اعتماد قرار پائیں یعنی قرآن کی صرف ایک آیت (فرقان 25/30) کے صحیح معنی کر لینے سے قریشی حکومتوں کے سات سو سالہ دور میں لکھوائی ہوئی تمام تاریخیں، تمام تفاسیر، تمام کتب احادیث اور سارا ریکارڈ قریش کے حق میں بے کار ہو کر رہ گیا اور فضائل محمدؐ و علیؑ علیہما السلام سامنے آگئے اور قریش دشمنان خدا اور رسول اور مجرم قرار پائے (25/31) اور زرقلم حدیث میں مقام امام اور امامت سامنے لایا جا رہا ہے۔ یہاں ہم حدیث کی عربی عبارت کو اختصار کی غرض سے ساقط کر کے صرف ترجمہ لکھیں گے اور جہاں قارئین پر ترجمہ گراں گزرتا محسوس کریں گے وہاں وہ الفاظ بریکٹ میں لکھ دیں گے جن کا وہ ترجمہ ہوگا تاکہ قارئین کا الطمینان ہو جائے اور یہ اس لئے کہ چودہ سو سال میں قریشی پروپیگنڈے اور ان کے باطل و ابلیسی ریکارڈ نے محمدؐ و علیؑ و آئمہ علیہم السلام کے لئے بڑا گھٹیا تصور مانعوں میں جمادیا ہے جسے ہر حدیث جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔ امام رضا علیہ السلام کا باقی بیان سنیئے۔

(14-ح) حدیث کا باقی حصہ امامت کے اوصاف

”اب سوال یہ ہے کہ کیا قریشی قسم کے مسلمان امت میں امامت کے واقع ہونے اور اس کی قدر و قیمت پر مطلع ہیں کہ انہیں خود اپنے انتخاب اور رائے سے امام مقرر کر لینا جائز ہو جائے؟ یہ سمجھ لو کہ دانشوران قوم کی رائے اور ان کی عقل و فہم و فراست کے لئے امامت کا مفہوم ان کی رسائی اور طاقت سے زیادہ گہرا ہے۔ امامت کا مقام ان کے مقام سے بہت بلند و بالا ہے۔ اور ان کی شان و شوکت سے امامت کی شان بہت عظیم ہے۔ اور امامت ان کی نااہلی کی بناء پر انہیں اپنے پاس پھٹکنے سے روکتی ہے۔ امامت وہ بزرگ ترین مقام ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس

وقت دیا گیا جب وہ نبوت و رسالت اور خلقت کے بلند ترین عہدوں پر فائز ہو چکے تھے۔ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو امامت سے نوازتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”میں تمہیں تمام انسانوں کا امام بنا رہا ہوں۔“ حضرت ابراہیمؑ نے ازراہ مسرت و شادمانی سوال کیا تھا کہ ”کیا یہ عہدہ امامت میری ذریت میں بھی جاری ہوگا؟ جو اب ملا تھا کہ ”یقیناً جاری رہے گا مگر ظالموں تک نہ پہنچے گا۔“ یہ آیت ہر اس شخص کی امامت اور راہنمائی کو باطل کرتی ہے جس سے کوئی ایک فعل بھی بے محل سرزد ہوا ہو۔ لہذا قیامت تک کوئی ایسا شخص امام نہیں مانا جائے گا جو غلط کار بھی ہو۔

بہر حال اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو تیسرے اور آخری عہدہ امامت سے سرفراز کیا اور امامت کے وسیلے سے اُن کا نام و مقام بلند کیا۔ اور اپنے مخصوص برگزیدہ و پسندیدہ لوگوں کے لئے اس عہدے و منصب کو مخصوص کر دیا۔ اللہ نے اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو برابر عزت و محبوب رکھا اور اُن کی ذریت کے بہت پسندیدہ و منتخب حضرات میں عہدہ امامت کو جاری رکھا اور اس سلسلے میں فرمایا کہ ”ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاق اور یعقوب بطور تحفہ عطا کئے جو ہمارے عطیات میں سے فاضل عطیہ تھا۔ اور اُن سب کو بھی اصلاح کرنے والے صالح بندے بنایا تھا۔ اور انہیں بھی ہم نے امام بنایا تھا اور انہیں برابر اختیارات و خیرات کرنے کے لئے وحی کی اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ کا انتظام کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور وہ سب ہماری عبدیت، اطاعت و عبادت کرتے تھے۔“

یہ عہدہ امامت برابر اُن کی ذریت میں موروثی رہتا چلا گیا وہ ایک دوسرے سے یہ عہدہ میراث میں لیتے چلے گئے اور صدیاں گزرتی چلی گئیں۔ یہاں تک عہدہ امامت مسلسل چلتے چلتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا۔ (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد مسلسل خانوادہ رسول میں امامت اور امام علیہم السلام باقی رہے اور حضرت ابوطالب و عبدالمطلب و ہاشم و غیرہم علیہم السلام امام تھے) اسی سلسلے میں اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ”ابراہیمؑ سے متعلق لوگوں میں سے سب سے زیادہ مستحق حکمرانی وہ حضرات ہیں جنہوں نے امامت میں ابراہیمؑ کی اتباع کی جو ابراہیمؑ کے نقش قدم پر چلے اور یہ نبی اور وہ مخصوص مومنین حکمران ہیں اور اللہ تمام مومنین کا ہمدرد ترین حاکم ہے۔ اور عہدہ امامت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخصوص کیا ہوا تھا اور اللہ نے مسلسل چلے آنے والے دستور کے مطابق عہدہ امامت کے لئے حضرت علیؑ کو ذمہ دار بنایا۔ اور اُن کے بعد عہدہ امامت اور اُس کی ذمہ داریاں اُن کی پاک و منتخب ذریت میں منتقل ہوتی رہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہیں اللہ نے روز ازل سے مکمل علم و مکمل ایمان عطا کیا ہوا تھا۔“

چنانچہ اللہ نے اُن حضرات کا یہ جواب قرآن میں نقل فرمایا ہے کہ: ”جن لوگوں کو اللہ نے مکمل علم اور مکمل ایمان دے رکھا تھا۔ اُنہوں نے بروز قیامت جواب دیا تھا کہ ”تم سب تو برابر کتاب اللہ میں مذکور رہتے چلے آئے ہو یہاں تک کہ قیامت واقع ہوگئی ہے اور یہی قیامت کا دن ہے مگر تم نہ جانتے تھے (روم 30/56) اور وہ جواب دینے والے حضرات فرزند اُن علیؑ ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد رسالت و نبوت نہیں ہے۔ یہ سب کچھ نہ جاننے کے باوجود وہ کیسے خود ہی امام اور امامت گھڑ سکتے ہیں؟ امامت تو مقام انبیاء اور میراث اوصیاء ہے۔ امامت اور خلافت تو خدا اور رسول کی طرف سے مقام امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب اور میراث حسن و حسینؑ ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ امامت دین کی عنان (لگام یا لجام) ہے۔ اور اسلام لانے والوں کے لئے نظام الحیات ہے۔ اور مومنین کی عزت ہے۔ اور امامت ہی انسانوں کے لئے صلاحیت فراہم کرنے والی چیز ہے۔ امامت ہی دین اسلام کی اساس یا بنیاد ہے۔ اور اسلام ایک برکتیں فراہم کرنے والی شاخ ہے۔ اور امامت ہی کے وسیلے سے نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و جہاد صحیح قرار پاتے ہیں۔ امامت ہی سے غنیمت اور صدقات میں

اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ حدود و احکام نافذ ہوتے ہیں۔ امامت ہی سے مملکت اسلامیہ کی حدود اور اطراف محفوظ رہتے ہیں۔ امام اللہ کے حلال و حرام کو بیان کرتا ہے۔ اور اللہ کی عائد کردہ پابندیوں اور حد بندیوں کو نافذ اور برسر عمل رکھتا ہے۔ اور دین خداوندی کا تحفظ اور دفاع کرتا ہے۔ اور بڑے حکیمانہ وعظ و نصیحت سے اور اثر انگیز دلائل سے راہ خدا کی طرف دعوت دیتا ہے۔ امام ہمہ گیری کے ساتھ سورج کی طرح طلوع کرتا ہے اور افق عالم پر برقرار رہتا ہے اس تک لوگوں کی دسترس اور نظری گرفت نہیں ہو سکتی۔ امام چمکتا ہوا چاند اور جگمگاتا ہوا چراغ ہوتا ہے۔ دکھلتا ہوا نور اور وہ راہنما ستارہ ہوتا ہے جو رات کی تاریکی اور ہر قسم کے اندھیروں میں اور بیابانوں میں اور دریاؤں اور سمندروں کے طوفانوں میں راہنمائی کرتا ہے۔

امام پیاسوں کی پیاس بجھانے والا بیٹھا پانی اور راہ حق دکھانے والا نجات فراہم کرنے والا اور فنا ہو جانے سے بچانے والا ہے۔ وہ اُس شعلہ و آگ کی مانند ہوتا ہے جو بلند یوں سے راہنمائی کرے اور سردی سے کانپتے ہوئے لوگوں کو گرم رکھے۔ وہ تاریکیوں میں روشنی کی ایسی دلیل ہے کہ جو کوئی اُس سے جدا ہو جائے تباہ ہو جاتا ہے۔ امام برسنے والے بادل کی طرح ہوتا ہے اور ایسی بارش ہوتا ہے جو سیلاب پیدا کر سکتی ہے۔ امام آسمان کی طرح دنیا پر سایہ کئے ہوتا ہے۔ سورج کی طرح چمکتا اور اہل زمین کو روشنی فراہم کرتا ہے۔ زرخیز زمین کی مانند ہوتا ہے اور جوش مارنے والا چشمہ ہوتا ہے۔ اور وہ ایک تالاب اور ایک باغ بھی ہے۔ امام ایک امانت دار دوست، ایک مہربان باپ اور پشت پناہ ہمدرد بھائی ہوتا ہے۔ آفات و مصائب اور خوف و ہراس کے دوران بندگانِ خدا کے لئے پناہ و نجات دہندہ ہوتا ہے۔ اللہ کی مخلوق کے درمیان اللہ کا امین ہوتا ہے اللہ کے بندوں پر رحمت خدا ہوتا ہے۔ اور شہروں اور آبادیوں میں اللہ کا جانشین و خلیفہ ہوتا ہے۔ اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا ہوتا ہے۔ اور اللہ کے حقوق کی حفاظت اور دفاع کرنے والا ہوتا ہے۔ امام وہ ہوتا ہے جو گناہوں سے پاک اور تمام عیوب اور نقائص سے مبرا ہوتا ہے۔ وہ دانش اور علم سے مخصوص ہوتا ہے اور حلم و بردباری و تحمل میں اس کا نام ہوتا ہے۔ اس پر منافق لوگوں کو غصہ آتا ہے۔ اور حق پوش لوگوں کی تباہی ہوتا ہے۔ امام اپنے زمانہ میں یکتا و یگانہ ہوتا ہے۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہوتا۔ نہ دانشمندی و بصیرت میں کوئی امام کا ہم پلہ ہوتا ہے۔ امام کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ نہ امام کا کوئی مثل و نظیر ہوتا ہے۔ کمائی اور کوشش اور طلب کے بغیر اُسے ہر فضیلت و بزرگی کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے۔

یہ تمام خصوصیات و فضل و بزرگی اور علم و دانش اُسے اللہ کی طرف سے ہبہ کی جاتی ہیں۔ چنانچہ کون ہے جو امام کی معرفت تک بھی پہنچ سکے یا اُس کے اختیارات حاصل کر سکے۔ افسوس ہزار افسوس کہ عقلمیں گمراہ ہو کر رہ گئیں اور فراموش ہو گئیں۔ اور فہم رسا بھٹک گئے اور آنکھیں چندھیا گئیں۔ عظیم ترین لوگ امامت اور امام کے مقابلے میں حقیر و کوتاہ آستین ہیں، اہل حکمت اور حکماء حیران ہیں۔ بردبار لوگ اُن کے سامنے کوتاہ نظر ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے مقرر اور خطیب اُن کی بارگاہ میں گونگے ہیں۔ وہاں دانشور نادان اور جاہل ہیں۔ وہاں شاعروں کی گویائی ختم ہو جاتی ہے اور ادیب اور اہل زبان عاجز رہ جاتے ہیں۔ وہاں صاحبانِ بلاغت ہکلاتے ہیں۔ یہ سب مل کر بھی امام کے کسی ایک پہلو کی شرح کرنے سے قاصر ہیں۔ اور امام کے لاتعداد فضائل میں سے کسی ایک فضیلت کو بھی حقیقی صورت میں نہیں جانتے۔ تمام اپنی عاجزی اور بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہیں۔ امام کی حقیقت واقعی کا وصف کیسے بیان ہو سکتا ہے؟ اور امام کی حقیقت کے سربستہ راز کیسے سمجھے جاسکتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام کے تمام فضائل و اوصاف کوئی بیان کر دے۔ یا امام کے معاملات میں سے کسی ایک کو بھی سمجھ لے؟ کیسے کوئی شخص امام کی جگہ امام بن کر کھڑا ہو سکتا ہے؟ اور امام سے وابستہ ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کسی طرح اور کسی مقدر میں بھی نہیں کر سکتا۔ امام تو اپنے مقام پر وہ ستارہ ہے جو نور افشانی کرتا ہے اور لوگوں کی مداخلت اور پہنچ سے دُور تر و بالاتر ہے۔ اور حالات و اوصاف بیان کرنے والوں کی فہم و فراست سے

ارفع واعلیٰ ہے۔ انسانوں کا انتخاب اُس مقام مقدس تک کیسے پہنچ جائے گا۔

کہاں عقل اور کہاں مقام امام، یعنی اُن کی تو عقلیں بھی ناقص ہیں خود بھی ناقص ہیں۔ امام ایسی شخصیت کہاں سے ملے گی؟ وہ اس خطبہ میں بتلا ہیں کہ خاندان رسالت کے باہر والے خاندانوں میں امام مل جائے گا۔ وہ تو خود اپنی تکذیب کرتے رہے ہیں۔ نانہار قسم کی آرزوئیں رکھتے ہیں۔ سر بلند کر کے گردنیں ہلاتے ہوئے چلتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اپنی آرزوؤں کو کمینہ طریقہ سے حاصل کر سکیں گے۔ اور اپنی کوتاہ اور نارسا عقل سے امام گھڑ لیں گے۔ اور خود کو گمراہ کرتے رہنے والی رائے سے اپنا پیشوا تیار کر لیں گے۔ مقصد سے دُور ہی دُور ہوتے چلے جانے کے سوا انہیں اور کوئی فائدہ نہ ہو۔ خدا انہیں قتل کرے کس حد تک دروغ بانی کی ہے۔ اور سخت گمراہی میں جا گرے ہیں۔ اور سرگرداں رہنے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ کیسے خطرناک ڈھلوان پر پہنچ گئے ہیں کیسی افزا پردازی اختیار کر لی ہے؟ انہوں نے سمجھ بوجھ کر جاننے پہچانتے ہوئے اپنے حقیقی امام کو چھوڑا اور باطل کا جھنڈا بلند کر دیا۔ ایک خاص شیطان نے اُن کیلئے اُن کے اعمال کو پسندیدہ اور برحق بنا کر دکھا دیا ہے اور اس ترکیب سے انہیں راہ راست تک پہنچنے سے روک دیا ہے۔ حالانکہ یہ تمام لوگ بڑے با بصیرت لوگ تھے (عنکبوت 29/38) انہوں نے اللہ ورسول کے انتخاب کردہ امام کی تو مخالفت کی اور اپنے باطل انتخاب پر مجتمع ہو گئے۔ اسی سلسلے میں قرآن اُن سے کہتا ہے کہ ”تیرا پروردگار جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اختیار و پسند کرتا ہے اور ان لوگوں کو اختیارات حاصل نہیں ہیں اللہ اُن کے شُرکا کے مقابلہ میں بہت پاک و بلند مرتبہ ہے۔“ (قصص 28/68) اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”مؤمن کے لئے جائز ہے نہ کسی مومنہ کے لئے جائز ہے کہ جب اللہ اور اللہ کا رسول کسی بھی بات کا فیصلہ کر دیں تو وہ اُس بات کو کر گزرنے کا اختیار استعمال کریں۔ انہیں اپنے ذاتی معاملات میں بھی اللہ ورسول کے فیصلے کے بعد اختیار نہیں رہتا اور جو کوئی اس کی یا اللہ ورسول کی نافرمانی کرے وہ گمراہی میں بہت دور نکل چکا ہے“ (احزاب 33/36) اور فرمایا ہے کہ ”تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے کیسے احکام اور فتاویٰ جاری کرتے ہو؟“ (قلم 68/36) ”کیا تمہارے پاس الگ سے کوئی کتاب ہے جس میں سے یہ احکام صادر کرتے ہو۔“ (68/37) کیا تمہیں اس کتاب سے یہ حق مل گیا ہے کہ جو تم پسند کرو اس کو حکم کے ذریعہ سے نافذ کرو؟“ (68/38) ”یا یہ کہ تم نے ہم سے کوئی عہد لے رکھا ہے کہ تم قیامت تک جو بھی فیصلے کرو ہم انہیں ضرور مانتے رہیں گے۔“ (68/39) اے رسول ان قریش سے دریافت کرو کہ وہ کون ہے جو ایسی کتاب اور فیصلوں کے جواز کا دعویدار ہے؟“ (68/40) ”اور اگر وہ خود دعویدار اور صاحبان کتاب نہیں تو کیا کوئی اُن کے دین میں احکام نافذ کرنے کے اختیارات میں شریک ہے؟ اگر ہے تو اپنے اُن شرکا کو پیش کریں اگر وہ کسی طرح بھی سچے ہوں۔“ (68/41)

(1) آیا قریش اللہ کے ساتھ حصہ دار ہیں کہ وہ جو چاہیں کہیں اور اللہ پر واجب ہے کہ قبول کرتا اور اُن کی تعمیل کرتا رہے؟

(2) آیا اللہ نے دین کو ناقص حالت میں نازل کیا تھا اور قریش سے دین کی تکمیل میں مدد طلب کی ہے اور وہ اُسے مکمل کر رہے ہیں؟

(3) یا یہ کہ دین تو مکمل نازل کیا گیا تھا مگر رسول نے اُسے پہنچانے اور سمجھانے میں کوتاہی کی ہے؟

(4) کیا اللہ نے اختلافات پھیلانے کا حکم دیا تھا اور وہ اختلاف کر کے اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں؟ (وغیرہ وغیرہ)

حدیث مسلسل جاری ہے: ”اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ: ”کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر ہی نہیں کرتے؟ یا اُن کے دلوں پر قفل یا تالے پڑے ہوئے ہیں (محمد 47/24) کہ قرآن اندر تک پہنچ ہی نہیں سکتا؟“ یا یہ وہی مومنین ہیں جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم نے سُن لیا مگر دراصل نہ سُنتے ہیں اور نہ

سُنیں گے (انفال 8/21) ”یا اُن کے قلوب پر مہریں لگی ہوئی ہیں اس لئے وہ سمجھتے ہی نہیں ہیں؟“ (توبہ 9/87-9 منافقون 63/3)۔ یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ حقیقت کے سُننے کے لئے بہرے اور حق گوئی کے لئے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے صحیح کام نہیں لیتے اگر اللہ کو اُن کے اندر ذرا سی بھلائی کا وجود بھی معلوم ہوتا تو ضرور انہیں حق بات سُننے کی توفیق دے دیتا۔ لیکن اگر بھلائی کے وجود کے بغیر ہی انہیں توفیق دے دی گئی ہوتی تو بھی وہ بے زنجی کر کے قومی ولایت بناتے۔ (انفال 23-22/8) یا یہ کہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں جو قرآن کے الفاظ کو اُن کے موضوع سے ہٹاتے رہتے ہیں۔ (يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ) اور بلند آواز سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کا بیان سُن لیا اور آہستہ سے کہتے ہیں کہ ہم نے خلاف ورزی طے کر رکھی ہے (نساء 4/46) (بقرہ 2/93) بلکہ وہ تو اللہ کا فضل ہے جسے پسند کرتا ہے اُسے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور اللہ تو عظیم الشان فضل کا مالک ہے۔ (حدید 57/21)

سوال یہی ہے کہ ایسی صورت میں انہیں امام بن جانے کا یا امام بنا لینے کا اختیار کہاں سے مل گیا ہے؟ حالانکہ امام تو حقیقی معنی میں عالم ہوتے ہیں اُن میں نہ جہالت کا شائبہ ہوتا ہے نہ لاعلمی ہو سکتی ہے۔ وہ رعایا پرور ہوتے ہیں اور اس سے کبھی دستکش نہیں ہوتے ہیں۔ بے عیبی اور پاکیزگی، طہارت، نور و زہد و علم و عبادت کی کان ہوتے ہیں۔ وہ رسول اللہ کی جانب سے متعین و مقرر ہوتے ہیں انہیں دعوت الی اللہ کی سند دی جاتی ہے۔ وہ فاطمہ زہرا علیہا السلام سے مخصوص اور اُن کی اولاد میں مقرر و متعین ہیں۔ اُن کے حسب و نسب میں خرابی تاریکی و برائے نام بھی عیب نہیں ہو سکتا وہ قریش کو قریش بنانے والے خاندان کے بہترین افراد ہوتے ہیں وہ خاندانِ ہاشم کے اعلیٰ ترین افراد ہوتے ہیں۔ وہ رسول کی عزت ہیں اور اللہ کی پسند کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ وہ تمام شریفوں اور اشراف کا شرف ہیں اور اولادِ عبدمناف علیہ السلام ہیں۔ وہ چیر کر حقائق کو نمایاں کرنے والے اور مقام کمال کے دعویدار و حقدار ہیں، بردباری اور صبر و سکون کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں۔ امام تدبیر و سیاست اور معنویات امامت سے لبریز ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے احکام پر سو فیصد قائم رہتا ہے اور اُس کی اطاعت سب پر واجب ہوتی ہے خدا کے بندوں کو ہر حال میں اور ہر طرح کی نصیحت کرنے والا اور اللہ کے دین کا محافظ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں اور اماموں کو اللہ خاص توفیقات و علوم و حکمت اپنے خزانوں سے اس طرح عطا کرتا ہے کہ اُس طرح اور اتنا کسی اور کو نہیں دیتا۔ اور اُن کی بصیرت اور دانش کو اُن کے زمانوں والوں سے ارفع و اعلیٰ اور مکمل تر رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

”پھر بھلا بتلاؤ تو کہ جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے یا وہ شخص جو خود راہِ گم گشتہ ہے اور اس وقت تک راہِ راست نہیں پاسکتا جب تک کوئی اُس کی راہنمائی نہ کرے؟ آخر تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اُلٹے اُلٹے فیصلے صادر کرتے رہتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ محض قیاس و گمان والے اجتہاد کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ قیاس و گمان حق کی ضروریات کو کچھ بھی تو پورا نہیں کر سکتا ہے۔ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ اور یہ قرآن وہ کتاب نہیں ہے جو اللہ کی وحی و تعلیم کے بغیر گھڑی گئی ہو بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آئی ہوئی کتابیں ہیں اُن کی تصدیق بھی کرتی ہے اور ایک خاص کتاب کی تفصیلات کی حامل ہے اور رب العالمین کی طرف سے آئی ہوئی کتاب ہے (یونس 37 تا 10/35) اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جسے مکمل حکمت دے دی جاتی ہے یقیناً کثیر خیر و اختیارات دے دیئے جاتے ہیں (بقرہ 2/269) اور دانشوروں کے علاوہ اس حقیقت کا تذکرہ کوئی نہیں کرتا (2/269) امامت اور امام کی برتری کے سلسلے میں طاہرہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

”یقیناً اللہ نے طالوت کو تم پر برگزیدگی عطا کی ہے اور اُسے تم پر علمی اور مادی و جسمی فراوانی دی ہے۔ خدا جسے چاہتا ہے اُسے حکومت و مملکت عطا کر دیتا ہے۔ خدا فراوانیاں عطا کرنے والا علیم ہے۔“ (بقرہ 2/247) اور اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

”اور تیرے اوپر مکمل کتاب اور مکمل حکمت نازل کی ہے اور تو جو کچھ نہ بھی جانتا تھا وہ سب کچھ بھی تجھے سکھا دیا ہے اور تیرے اوپر تو اللہ کا عظیم الشان فضل اپنا کام کرتا رہا ہے (نساء 4/113) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت و اہلبیت و ذریت صلوة اللہ علیہم کے متعلق فرمایا کہ:

کیا ان قریش کا حکومت الہیہ میں کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ دوسروں کو پھوٹی کوڑی تک نہ دیتے۔ تو پھر کیا اس لئے حسد کر رہے ہیں کہ اللہ نے آل ابراہیم کو اپنے فضل سے نوازا دیا ہے؟ اگر یہ آل ابراہیم سے حسد کر رہے ہیں تو سنیں کہ ہم نے تو آل ابراہیم کو مکمل کتاب اور مکمل حکمت عطا کی ہے اور انہیں عظیم الشان مملکت بھی دی ہوئی ہے۔ ان ہی لوگوں میں سے تو وہ لوگ ہیں جو حسد کو پروان چڑھانے کے لئے ایمان لے آئے ہیں اور ان ہی میں سے وہ لوگ ہیں جو تیغ بدست آل ابراہیم کی حکومت قائم ہونے کو روک رہے ہیں اور ان کو تو بھڑکتا ہوا جہنم کافی ہے۔ (نساء 55-54/4)

اور حق یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ اپنے بندوں کے معاملات اور حالات کے سنوارنے کے لئے اختیار کر لیتا ہے تو وہ اُس کے سینے میں کشادگی پیدا کر دیتا ہے۔ اور اُسکے دل میں حکمت و فرزانگی کے چشمے جوش زن کر دیتا ہے۔ اپنے علوم و حکمت اسکے قلب و ذہن میں پہنچا دیتا ہے۔ لہذا امام کسی قسم کے سوال اور فیصلے میں نادان ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور کسی حالت میں بھی حق و حقیقت سے کنارہ کش و جاہل نہیں ہوتا۔ اسی لئے وہ منجانب خدا معصوم ہے۔ اللہ کی تائید و مدد ہر وقت اسکے شامل حال رہتی ہے۔ غلطی، غلط فہمی اور خطا و لغزش اور کوتاہی سے اللہ کی امان میں ہوتا ہے۔ اللہ نے اُسے ان صفات کی بنا پر خصوصیات عطا کی ہیں۔ تاکہ اللہ کی حجت بالغہ جہاں جہاں درکار ہے پہنچ کر رہے۔ یہ اللہ کا اپنا فضل ہے وہ جسے پسند کرتا ہے اُسے فضل سے نوازتا ہے اور اللہ تو عظیم الشان فضل کا مالک ہے (حدید 57/21) کیا ساری نوع بشر اس پر قدرت رکھتی ہے کہ وہ اپنے لئے امام چُنے یا اُنکے انتخاب کردہ امام میں یہ صفات موجود ہیں جسے وہ پیش نظر رکھے ہوئے ہیں؟ بیت اللہ کی قسم! انہوں نے مکمل حق پر زیادتی کی ہے اور قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا کہ وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ انہوں نے قرآن کے خلاف عمل درآمد کیا ہے۔ مکمل ہدایت اور ہر مرض سے شفا قرآن میں ہے جسکی طرف انہوں نے پشت کر لی ہے اور اپنے اجتہاد و مصالح کی پیروی کر رہے ہیں۔ اللہ نے مسلسل اُن کی مذمت کی ہے۔ انہیں دشمن سمجھا ہے اور بدبختی اُن کا مقدر بنا دی گئی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ: ”اُس سے گمراہ تر اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے خلاف اپنے ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ غلط کار لوگوں کو ہدایت کرتا ہی نہیں (قصص 28/50) اور فرمایا ہے کہ: ”اُن کے لئے تو ڈانواں ڈول رہنا طے شدہ ہے اور اُن کے تمام اعمال گمراہ کر دیئے گئے ہیں (محمد 47/8) اور فرمایا ہے کہ ”وہ لوگ اللہ کے نزدیک بھی اور مومنین کے نزدیک بھی بہت بڑے قہر و غضب اور نفرت کے لائق ہیں اُسی طرح اللہ نے تمام اُن لوگوں کے دلوں پر فطرت بنا کر مہر کر دی جو کبر یابی اور جبر پر عامل رہے۔“

(مومن 40/35) ”و صلی اللہ علی النبی محمد وآلہ وسلم تسلیماً کثیراً۔“ (کافی کتاب الحجۃ باب فی فضل الامام و صفاتہ۔ پہلی حدیث)

15۔ تو انین و مقدرات بنانے والا اللہ اور مہیبت اللہ و ارادۃ اللہ بنانے والے حضرات خود اپنی مخالفت نہ کر سکتے تھے

اللہ تو اللہ ہے ایک شریف آدمی بھی یہ پسند نہ کرے گا کہ خود اپنے بنائے ہوئے قواعد و قوانین و اصول کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرے اور

جب اپنے بنائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی اللہ کے لئے شایان شان نہیں ہے تو ان حضرات علیہم السلام کے لئے بھی خلاف ورزی ممکن نہیں ہو سکتی جنہیں اللہ نے اپنی مشیت و ارادہ کی حیثیت سے پیدا کیا ہو۔ مثال کے طور پر اسلام کا یا اللہ کا یہ قانون ہے کہ صاحب ارادہ و اختیار مخلوق کو ایک دفعہ ارادہ و اختیار دے کر ان کو ان کے ارادوں اور اختیارات کے خلاف مجبور کرنا عدل کے خلاف ہے۔ یعنی ”اسلام میں جبر نہیں ہے“ (لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ) یہی ازلی وابدی قانون تھا جس کو بحال رکھنے کے لئے ابلیس کو مجبور نہیں کیا گیا۔ اور مجبور نہیں کیا گیا تو دیکھ لو کہ اُسے آزاد رکھنے سے کیا کیا ہوا اور ابھی کیا کیا ہونا ہے؟

اسی طرح اللہ نے قریش کو آزاد رکھا روز ازل سے تیار کی جانے والی حکومت الہیہ کو ان پر جبراً مسلط نہیں کیا۔ انہیں طرح طرح تیس 23 سال تک سمجھایا؛ معجزات و بے مثال حالات دکھا کر سمجھایا؛ انہیں قرآن سے سابقہ اقوام کی مثالیں دیں؛ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا قصہ سنایا؛ انہیں ساری کائنات کو مطیع و مسخر کر سکنے کا طریقہ بتایا؛ انہیں ان کے امام علی علیہ السلام کے علم و قدرت سے عملاً دوچار رکھا۔ امامت اور امام کی وہ صفات اور قدرتیں دکھائیں اور سنائیں جو آپ نے مندرجہ بالا حدیث میں دیکھیں لیکن قریش نے نہ چاہا کہ علیؑ اور اولاد علیؑ علیہم السلام کی بے چوں و چراں اطاعت و عبدیت اختیار کر لیں اور جس اسلامی نظام کے ماتحت پیدا ہو کر بڑھے پلے تھے وہ ان کی قوم کے حریت پسند مجتہدین اور راہنماؤں کا تیار کیا ہوا اسلامی نظام تھا اُس نظام میں اللہ کی بھی بے چوں و چراں اطاعت ممنوع تھی۔ اسی لئے اللہ نے ذرا ذرا سے وقفے کے بعد قرآن میں ان پر تقاضا رکھا کہ: **أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ** (نساء 59/4 وغیرہ وغیرہ) ”تم لوگ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔“ لیکن ان قدیم مسلمانوں نے نہ کبھی اللہ کی اطاعت کی اور نہ رسول کی اطاعت کی وہ اپنے راہنما مجتہد کی اطاعت کیا کرتے تھے (نساء 4/60) اور اسی کے حکم کے ماتحت اللہ اور رسول کے وہ احکام مانتے رہتے تھے جو قومی پالیسی کے مطابق ہوا کرتے تھے (امدہ 5/41) قریش کو وہ تمام تنبیہات و ہدایات کی گئیں جو ایک غلط فہمی میں مبتلا قوم کو راہ راست پر لاسکتی تھیں۔ لیکن قریش کسی غلط فہمی یا دھوکے میں مبتلا نہ تھے۔ انہوں نے اپنی پوری پوری بصیرت و دانش سے یہ طے کیا تھا کہ انہیں ہر حال میں اپنی رائے اور اپنے ضمیر کو آزاد رکھنا ہے۔ اپنی بصیرت اور قوم کے اجتماعی تجربے کے ماتحت رہ کر کام کرنا ہے۔ اپنی عقل و جذبات کو ہرگز کسی کے ماتحت نہیں رکھنا ہے۔ چنانچہ قریش نے برسہا برس پہلے یہ فیصلہ اجماعی طور پر کر لیا تھا کہ حکومت ہماری قوم کے ماتحت رہنا چاہیے تاکہ ہم اپنی قوم اور ساری دنیا کو اُس تصویر حیات پر قائم کریں جو ہم نے تعلیمات قرآن (بقرہ 205-204/2) سے سمجھا ہے۔ اور اس قومی فیصلے کو پروان چڑھانے کے لئے کسی نافرمانی کو نافرمانی نہیں سمجھا جائے گا، کسی دھمکی اور دھونس کی پرواہ نہیں کی جائے گی اس لئے کہ ہمارا فیصلہ اور پروگرام ہی حقیقی معنی میں اللہ کی منشا کو پورا کرتے ہیں۔ اور یہ پروگرام تباہ ہو کر رہ جائے گا اگر ہم نے خلافت و حکومت اور اسلام و قرآن کی سربراہی کو خاندان نبوت میں موروثی ہو جانے دیا۔ (الفاروق حصہ اول صفحہ نمبر 103 تاریخ طبری جلد سوم صفحہ نمبر 279 تا 283)

وہ لوگ غور فرمائیں جو قریش پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ انہیں سمجھنا چاہیے کہ قریشی لیڈروں نے طرفداران محمدؐ علیؑ کی عقلوں سے اسلام کو نہیں سمجھا تھا۔ وہ اپنے سروں سے اور اپنی بصیرت سے فیصلے کرتے اور سمجھتے تھے اور ان کے فیصلوں میں مدد دینے کے لئے یہ حقیقت موجود تھی کہ ابوطالب علیہ السلام سربراہ مکہ، قریش و عرب تھے۔ اور ان کے بعد حضرت علی علیہ السلام ان کے جانشین اور سربراہ عرب و مکہ و قریش تھے۔ مگر نبوت کے اعلان نے اس جانشینی اور سربراہی کے اعلان و عمل کو ملتوی کر دیا تھا۔ لہذا قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر لیکچر اور تبلیغ کو سنتے ہوئے اس انتظار میں رہتے تھے کہ اسلامی و قرآنی تعلیمات کے دوران کب رسول اللہ علیؑ کے اُس حق کا ذکر کریں گے؟ اور قوم کو بھی اس

سلسلے میں حساس بنا دیا تھا۔ لہذا پوری قوم آنحضرت کے ہونٹوں پر نگاہ جمائے رہتی تھی اور منتظر تھی کہ رسول کی طرف سے ایسا، براہ راست یا بالواسطہ، بیان یا اعلان ہوتے ہی یہ طے ہو جائے گا کہ رسول اللہ..... اللہ، اسلام اور قرآن کو اپنے خاندان اور علی کے اقتدار کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ جو اللہ کا منشا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اللہ کسی ایک شخص یا خاندان کے اقتدار کے سامنے پوری نوع انسان کو محروم نہیں کر سکتا۔ اس تصور اور تہیہ کے بعد قریش نے آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا کہ رسول اللہ نے علی کی جانب داری میں حد کر دی۔ جب موقع ملا علی کی مدح و ثنا اور تعریفوں کے پُل باندھ دیئے۔ اپنے خاندان کے اقتدار کے لئے جو کچھ اُن کیلئے ممکن تھا، بلا تکلف کہتے اور کرتے رہے اور قریش کو یقین دلاتے رہے کہ میں علی اور علی کی اولاد کا طرفدار ہوں اور ہر اُس شخص کو منافق و مرتد اور دشمن اسلام سمجھتا ہوں جو علی کے خلاف تصورات رکھتا ہو۔ چنانچہ علی سے خلوص اور محبت کو ایمان کی اور اُن سے بغض و عناد و دشمنی کو نفاق کی علامت اور شناخت بنا دیا اور کبھی اس سلسلے میں نرمی و رواداری اختیار نہ کی۔ اس رویہ نے قریش کو اُن کے منصوبے اور اجتماعی فیصلے پر پختہ تر اور متعصب تر کر دیا۔ اور قریش نے اُن تمام نعمتوں، راحتوں اور بزرگیوں کو نظر انداز کر دیا جو ادھر عام فہم نہ تھیں اور ادھر تمام کی تمام ادھارتھیں۔ اُنھوں نے اپنی اسکیم سے نقد اور یقینی اور عام فہم برآمد ہونے والے مفاد کو ہر وقت سامنے رکھا۔

(سورہ دہر 76/27، سورہ قیامہ 21 تا 75/18، سورہ بنی اسرائیل 17/18)

(15- الف) جس طرح قریش اپنی فکر و عمل میں آزاد تھے اسی طرح ہم بھی اُن کے خود ہمیدہ اسلامی نظام کے تجزیہ و نتائج و مقاصد کو سمجھنے اور بیان کرنے میں آزاد ہیں: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قریشی حکومت نے بیس سال سے کم عرصے میں قریش اور پورے عرب کو دولت مند و خوشحال و فارغ البال کر دیا تھا۔ انہیں تمام اقوام عالم کا حاکم بنا کر چھوڑا تھا۔ ساری دنیا کو اُن کا محتاج اور زیرِ نگیں کر دیا تھا۔ اُن کے سامنے قیصر و کسریٰ ہاتھ جوڑے، سر جھکائے اطاعت کیلئے کھڑے نظر آرہے تھے۔ یہ انعام تھا اُس وفاداری و خلوص و تعاون کا جو قریش اور عرب نے اپنے دو (2) قومی حکمرانوں کے سامنے عملاً پیش کئے اور دنیا و آخرت سے لاپرواہ ہو کر اُن دونوں کی اطاعت و اتباع کی تھی۔ یہاں اس تفصیل میں جانے کا وقت نہیں کہ اُن دو (2) اولین حکمرانوں نے اپنی قوم اور عرب کو کس طرح اُس بام عروج پر پہنچایا جہاں نہ کوئی ملک و قوم پہنچی اور نہ پہنچنے لگی لہذا آپ یہ سب قرآن کی ایک آیت (بقرہ 2/205) میں یا خطبہ نمبر 3 کی تشریحات میں دیکھ لیں۔ ہم تو اب وہ نظام بیان کرنے کی مختصر سی کوشش کریں گے جس نے انہیں اُس مقام بلند تک پہنچایا اور جس نظام کو مع نام نہاد شیعہ، خمینی اور ساری دنیا کی حکومتیں اپنائے ہوئے ہیں اور دن رات دل و جان سے اس پر عمل پیرا ہیں۔

(15- ب) اللہ، رسول اور قرآن کے مقابلے میں ایک قدیم نظام جو انسانوں کو خیریت اور مکمل آزادی دیتا ہے یعنی نظام اجتہاد و مشاورت

نظام اجتہاد پر ہم نے سابقہ تشریحات میں بھی بہت کچھ لکھا ہے یہاں ہم اجتہاد کے طرفدار اور اجتہاد پر کاربند علماء کی طرف سے اجتہاد کے متعلق چند ایسے حقائق لکھیں گے جن سے بہتر اور کوئی نہ لکھے گا۔ اور جن کی شیعہ و سنی دونوں قسم کے مجتہدین تصدیق و تحسین کریں گے۔

(1) اجتہاد کے دوہرے معنی ”اجتہاد کے لغوی معنی ”امکانی کوشش صرف کرنے“ کے ہیں اور اصطلاح مجتہدین میں ”اُس امکانی کوشش کے صرف کا نام ہے جو مجتہدین کے ایجاد کردہ ”دلائل شرعیہ“ کے ذریعہ استنباط احکام کے لئے کی جائے۔“

بالفاظ دیگر ”وہ کوشش جو مندرجہ بالا ”اصول اساسی“ کی وساطت سے احکام شرع کے استخراج کے لئے کی جائے۔“

(2) تقلید کے معنی: ”بلاغور و فکر و تنقید کئے ہوئے دوسرے یعنی مجتہد کی پیروی کرنا“ بالفاظ دیگر: ”بلاچون و چرا مجتہد کی رائے پر عمل کرنا۔“

نوٹ: یہ یاد فرمائیں کہ اللہ، رسول، قرآن اور امام کی اطاعت بھی بے چوں و چرا لازم تھی اور ہے۔

یعنی اطاعت تو ادھر بھی اور ادھر بھی بے چون و چرا کرنا ہی پڑے گی اور لب کشائی، آزادی رائے اور ضمیر سے دستکش بھی رہنا ہوگا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کس کی بے چون و چرا اطاعت مفید ہوگی؟ اللہ و رسول اور امام و قرآن کی، یا لیڈران قوم کی؟ قریش کو لیڈران قوم کی اطاعت مطلقہ اور عبدیت مفید معلوم ہوئی۔ انھوں نے اللہ و رسول و امام و قرآن کو چھوڑا اور لیڈران قوم کو رہنما بنا لیا۔ (نساء 4/60)

(3) اجتہاد کی عملی صورت اور اس کی ضرورت: مجتہدین کے نزدیک شرع اسلامی ہی ”شریعت الہیہ“ ہے جو مشہور اور مقررہ اصول سے ماخوذ ہے۔ خواہ وہ اصول منقولہ ہوں جیسے کتاب اللہ اور سنت نبوی؛ یا عقلی ہوں، جیسے ”اجماع“؛ قیاس؛ اور استحسان وغیرہ۔ اس لئے ان ہی دلائل شرعیہ سے استخراج احکام کا نام اجتہاد ہے۔ اور اجتہاد ہی کے ذریعہ معاملات روزمرہ اور معاشرہ انسانی کے تقاضوں کو کا حقہ پورا کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے اجتہاد شرع اسلامی کی تاریخ کا لازمی عنصر شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ شرع اسلامی کے مجتہدین جب تک قرآن و حدیث پاتے تھے اس پر عمل کرتے تھے۔ اور جب کسی مسئلے میں قرآن و حدیث کا کوئی حکم نہ پاتے تھے تو اپنے اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ پس وہ کبھی تو مسائل حاضرہ کو ائمہ اور نظائیر پر قیاس کرتے تھے۔ اور کبھی استحسان و مسائل مرسلہ یا استصحاب و استدلال کے ذریعہ استنباط احکام کرتے تھے۔

(اس سلسلے کی باقی تفصیلات خطبہ نمبر 3 کی تشریحات میں دیکھیں)

(15-ج) اجتہاد اور نظام مشاورت پر ایمانی نظر اور مذہب شیعہ میں اجتہاد و مجتہدین کی رسائی۔ مجتہدین کی سازش

یہ بیان کیا جاتا رہا ہے کہ پہلی تین صدیوں میں یعنی تین سو سال تک ہمارے مخالفین نے یعنی قریشی حکومتوں اور ان کے ماہرین نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح نظام اجتہاد کو ملت شیعہ میں کوئی مقام مل جائے۔ لیکن آئمہ اہلبیت علیہم السلام نے اس طاغوتی طرز حیات (نساء 4/60) سے شیعوں کو محفوظ رکھا۔ اور ہر اس شخص کو ملت شیعہ سے خارج کرتے اور دُور رکھتے رہے جسے حکومت کے ماہرین تیار کرتے تھے۔ چنانچہ ہم نے کتاب ”نظام ہدایت و تقلید“ میں ان لوگوں کی باقاعدہ احادیث سے نشاندہی کر دی ہے جو آئمہ کے صحابہ میں داخل تھے اور ان حضرات سے کھل کر یا دبی زبان سے اجتہاد کی اجازت لینا یا گھلنا چاہتے تھے۔

نظام اجتہاد کی مرکزی اور ہمہ گیر اور نہایت پسندیدہ عملی صورت کا نام نظام مشاورت ہے۔ قریشی مذہب کے بعض دیدہ ور علمائے حضرت علیؑ کو محض اس لئے اپنے خلفائے راشدین کی فہرست سے خارج کر دیا ہے کہ حضور نے نظام اجتہاد کے ساتھ ہی ساتھ نظام مشاورت کو بھی تباہ کر دیا تھا۔ یعنی ابوبکر و عمر و عثمان کے زمانوں سے چلی آنے والی جماعت مشاورت کو ڈس مس (dismiss) کر دیا تھا۔ حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ محض عوام کو مطمئن کرنے کیلئے مانا جاتا ہے ورنہ درحقیقت اُنکے یہاں صرف پہلے تین خلفائے کو حقیقی اور خلفائے راشدین مانا جاتا ہے۔

(دیکھو کتاب ازالة الخفاء صفحہ نمبر 552-553، 521، 301-302، 297-298، 108 تا 114، 308)

جس طرح نظام اجتہاد کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی گئی ہے کہ قرآن و حدیث میں تمام انسانوں کی تمام ضروریات اور مختلف زمانوں میں پیدا ہوتے رہنے والے تمام تقاضات پر تفصیلی احکام نہیں ہیں۔ اسی طرح نظام مشاورت کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ جب تمام دانشوران قوم کسی مسئلے کا حل قرآن و حدیث سے نہیں جانتے تو سب مل کر غور و فکر و تدبر کریں اور نظریہ افادیت وغیرہ اصول اجتہاد کی روشنی میں ایک متفقہ حل نکالیں۔

(1) اجتہاد قرآن کی ہمہ گیری کا انکار اور نظام مشاورت، ہمہ گیر عالم کا انکار کرتے ہیں

یعنی نظام اجتہاد قرآن و حدیث کے نامکمل ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ اور نظام مشاورت یہ ثابت کرتا ہے کہ قرآن و حدیث کا مکمل وہمہ

مختلف فیصلوں کو صحیح قرار دینے اور دونوں کی تصدیق کرنے پر اعتراض کیا گیا ہے۔ یہ اعتراض عوام کو مجتہدین کی پیروی یا تقلید سے روکنے کے لئے ہے۔ یعنی جب عوام یہ دیکھیں گے کہ دو مجتہدین سے ایک ہی مسئلہ پوچھا جائیگا تو وہ دونوں ایک ہی مسئلہ کے دو الگ الگ مختلف جواب دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ ورسول نے تو ایک ہی جواب بتایا ہوگا۔ لہذا ان دو مختلف جوابوں میں سے صرف ایک ہی جواب صحیح ہو سکتا ہے۔ لہذا دوسرا جواب غلط ہوگا۔ لہذا عوام ایک مجتہد کو صحیح اور دوسرے کو غلط کارمائیں گے اور جو کوئی اُس غلط کار مجتہد اور اُسکے غلط فیصلے کو صحیح قرار دیکر عوام اُس کو بھی غلط کار کہیں گے یعنی عوام نہایت آسانی سے مجتہدین کے امام کو بھی غلط کار قرار دیں گے اس لئے کہ وہ صحیح جواب کو بھی اور غلط جواب کو بھی صحیح کہتا ہے۔ عوام کبھی اور کسی حالت میں صحیح اور غلط کو نہ صحیح مائیں گے اور نہ دونوں کو غلط کہیں گے۔ اس لئے کہ عام اور سادہ عقل کے نزدیک جو صحیح ہے وہ صحیح ہے غلط نہیں ہو سکتا اور جو غلط ہے وہ غلط ہی ہے ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا اور جب عوام کو یہ بتایا جائے گا کہ نظام اجتهاد ایک نہیں ایک ہزار غلط جوابات کو بھی صحیح کہتا ہے۔ تو ضروری ہے کہ عوام کو مجتہدین، اجتهاد اور مجتہدانہ مسائل سے نفرت ہو جائے۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا یہ اعتراض نہایت سادہ، عام فہم اور عوام کیلئے ہے۔ اور بلا کسی مزید غور و فکر کے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ مسلمانوں میں جتنے اختلافات پائے جاتے ہیں وہ سب نظام اجتهاد اور مجتہدین نے پیدا کئے ہیں۔ یعنی نظام اجتهاد اسلام اور مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنے اور انتشار و تفرقہ پھیلانے کا ذمہ دار ہے۔ اور آج دنیا کی اقوام میں مذاہب میں جو بھی اختلافات ہیں وہ بھی ان اقوام اور مذاہب کے مجتہدین نے پھیلانے ہیں۔ اور آج مسلمانوں میں سینکڑوں فرقے اور ہر فرقے کا باقی فرقوں کو گمراہ اور جہنمی کہنا بھی نظام اجتهاد کی وجہ سے ہے۔ اور اس کا خمیازہ ان دو (2) اولین مجتہدین کو بھگتنا پڑے گا جنہوں نے مسلمانوں میں حکومت الہیہ کی جگہ قومی حکومت بنائی تھی۔ اور مجتہدانہ احکام سے قرآن میں نازل شدہ اللہ کے احکام کو منسوخ کر دیا تھا۔ (دیکھو کتاب فلسفہ شریعت اسلام ڈاکٹر صبحی محمدصانی کی کتاب فلسفہ التشريع فى الاسلام کا ترجمہ اردو مولوی محمد احمد رضوی صفحہ نمبر 167 تا 177) اور (تشریحات خطبہ 3)

(15-د) ملت شیعہ میں نظام اجتهاد کا داخلہ اور شیعوں میں اولین مجتہدین، ملت شیعہ میں دو فرقے اور ان کے اختلافات

تیسری صدی ہجری اپنے اختتام کے قریب پہنچی تو ایک ہنگامی دور سامنے آیا۔ تحریک تشیع خلافت عباسیہ کی جڑیں ہلا چکی تھی۔ حکومت دم توڑ رہی تھی۔ مصر و عراق و ایران و دیلم و اندلس میں شیعہ حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ شیعوں کے سیاسی لیڈر برسر اقتدار آچکے تھے۔ ان کے سامنے وہی صورت حال پیش تھی جو ابوبکر و عمر کو پیش آئی تھی۔ دن رات جلدی جلدی بدلتے رہنے والے حالات کو وہ مذہب کا تحفظ دینا چاہتے تھے۔ نت نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ شیعہ حکمران چاہتے تھے کہ خلفائے عباسیہ اور خلفائے ثلاثہ کی طرح وہ بھی اپنے سیاسی احکام اور فیصلوں کو مذہبی اور دینی احکام و فیصلے کہہ کر نافذ کریں۔ چنانچہ چند علمائے شیعہ نے سنی مجتہدین کے تیار کردہ اصول و قواعد اور اجتهادی مسائل کو اختیار کر لیا اور ذرا سی رد و بدل کر کے شیعہ لیبیل کے ساتھ پیش کرنا شروع کیا اور شیعہ حکمرانوں کے دربار میں اسی طرح کرسی نشین اور تنخواہ دار ہو گئے جیسا کہ سنی علماء، قاضی و مفتی وغیرہ کرسی نشین تھے۔

یہی وہ زمانہ ہے کہ امام آخر الزمان علیہ السلام نے غیبت کبریٰ کا اعلان کر دیا تاکہ شیعہ علماء کے مجتہدانہ احکام اور فیصلے امام کے فیصلے یا امام کی زیر سرپرستی صادر ہونے والے فیصلے نہ کہلا سکیں۔ اعلان غیبت کے بعد وہ علماء کھل کھیلے جنہوں نے نظام اجتهاد اختیار کیا تھا۔ حکمرانوں کو خوش اور مطمئن رکھنے کے لئے ہر جائز و ناجائز فیصلے لکھ کر دیتے اور انعام و اکرام و جاگیر سے مالا مال ہوتے چلے جاتے۔ ساتھ ہی ان شیعہ علماء کو شیعہ

گورنمنٹ کی طاقت سے پکل دیتے جو اجتہاد کو حرام اور شیعہ مجتہدین کو حرام کاروبار دین کہنے کی جرأت کرتے تھے۔ چونکہ حکومت کی طرف سے مصرف خیر اور خمس و زکوٰۃ کے اموال اُن ہی کے وسیلے سے پبلک میں تقسیم ہوتے تھے۔ وہی شیعہ مساجد کے پیش نماز مقرر کرتے تھے۔ وہی شیعہ مفتی و قاضی منتخب کرتے تھے۔ وہی شیعہ مدرسوں اور دینی اداروں کے منتظم تھے لہذا بہت جلد پبلک اور روپے سے پیار کرنے والے شیعہ علما نے بھی نظام اجتہاد اختیار کر لیا۔ اور وہ علماء جو اجتہاد کو حرام سمجھتے تھے اور قرآن و حدیث پر شیعہ مذہب کا دار و مدار سمجھتے تھے یا تو قتل کر دیئے جاتے تھے یا جلاوطن ہو کر رہ جاتے تھے۔ چونکہ دینی مدرسوں میں اجتہاد کو نصاب میں داخل کر دیا گیا تھا۔ اس لئے ہر فارغ التحصیل ہو کر نکلنے والا شخص مجتہد بن کر نکلتا تھا۔ یوں ملت شیعہ پر شیعہ لیبیل کے ساتھ ابوبکر و عمر کا نظام اجتہاد مسلط ہو گیا اور آج تک مسلط ہے۔ اس وقت میرے اور میرے ساتھیوں کے علاوہ تمام علمائے شیعہ اور شیعہ عوام نظام اجتہاد کے پیرو یا مجتہد ہیں۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی پیروی میں ہم تنہا اس نظام کے اور مجتہدین کے باطل ہونے پر ایسی مہم چلا رہے ہیں۔ جس کا دفاع اُن کے مذہب کی قوت سے باہر ہے۔ اور شیعہ اُن کو چھوڑ رہے ہیں۔

(الف) ملت شیعہ کے اولین مجتہد خود مجتہدین کے ریکارڈ سے ثبوت اور مجتہدین کے قلم سے اُن کے عقائد و کردار کا مطالعہ

ہم اس عنوان سے حسب ضرورت تذکرہ کریں گے۔ تفصیل کے لئے ہماری کتب ”مذہب شیعہ“ اور ”اسلام اور علمائے اسلام“ دیکھنا چاہئیں۔ یہاں اس قدر دیکھ لیں کہ ملت شیعہ میں تین سو سال تک برابر برابر قرآن اور معصوم احکام پر دین کا دار و مدار رہتا چلا گیا اور شیعوں میں لفظ اجتہاد و مجتہد ایک بہت مذموم گالی تھے۔ اور تین سو سال کے بعد اجتہاد اور مجتہدین نے شیعوں میں بار پایا تھا۔ لہذا آپ ایک بہت خبیث اور متعصب و زبردست مجتہد علامہ سید محمد باقر موسوی کی کتاب ”رَوْضَاتُ الْجَنَّاتِ“ سے ثبوت ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ اس مجتہد کی علمی قابلیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگائیں کہ اس کی باقی تصنیفات کے علاوہ یہ کتاب روضات الجنات چار ضخیم اور بڑے سائز کی جلدوں میں (جدید چھ جلدوں میں) موجود ہے اور اس میں اُس نے اپنے زمانہ تک تمام علمائے اسلام کی سوانح عمریاں قلمبند کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

محمد بن احمد بن الجعید البغدادی الملقَّب بالکاتب المشتهر بالاسکافی۔ کان هذا الشیخ أوَّلَ مَنْ أَبَدَعَ آسَاسَ الإِجْتِهَادِ فِي أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ وَأَحْسَنَ الظَّنَّ بِأُصُولِ الفقه المخالفين مِنْ علماءِ الشَّيْعةِ وَتَبَعَ فِي ذَلِكَ ظَاهِرًا الحسَن بن ابی عقیل العمانی المتقدم ذكره السنی و المعاصر لِشَيْخِنَا الكَلْبِي نِي اذ قَلَّ مَا تَقَعُ المَخَالَفةُ فِي الفِئَاتِ وَ الاحكام بين ذينك الفقهين و من هذه بجهة بجمع بينهما في الذكر في كلماتِ فقهاء نا بلفظ القديمين إلا ان صاحب الآراء الفاسدة و زاد في الطنبور نعمة أخرى فَعَمَلٌ صَرِيحًا بِالقياساتِ الحنفيّةِ و اعتمد صبيحا على الاستنباطات الظنيّة بحيث قد عَمَرَ فِي حَقِّهِ من هذا الجهة كثير من أهل الحق لَمْ يَعتنوا بمخالفتِهِ الّتي عليها تطرق و اول من صرّح بصحة هذه النسبة اليه شيخنا الطوسي رحمة الله تعالى عليه۔ الخ (روضات الجنات حرف ميم)

محمد بن احمد بن الجعید بغداد کے رہنے والے تھے۔ وہ کاتب کا لقب رکھتے تھے اور موضع اسکاف کے باشندہ ہونے کی بناء پر اسکافی بھی کہلاتے تھے۔ یہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے مذہب شیعہ میں اجتہاد کی بنیاد رکھی تھی اور احکام شرع کے لیے مخالفوں کے اصول فقہ کو اختیار کیا تھا۔ ظن اور قیاس کو دین میں مفید مانا اور اس مسلک میں وہ حسن بن ابی عقیل کے پیرو تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ وہ جناب یعقوب کلینی کے ہم عصر تھے۔ ان دونوں کو مجتہدین شیعہ قدیمین یعنی دو قدیم مجتہد کہتے ہیں۔ ابن جنید نے علامہ کلینی کی مخالفت میں کافی احکام بیان کئے ہیں۔ بعض شیعہ مجتہدین نے

(ابن جنید اور علامہ کلینی) اُن دونوں کے مسائل میں سمجھوتہ کرانے کی بھی کوشش کی ہے۔ اور دونوں کو حق پر ثابت کرنا چاہا ہے۔ البتہ صاحب ترجمہ نے ابن جنید کی پیروی میں حد کر دی تھی۔ جنہوں نے ابن جنید کی فساد انگیز رایوں کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ ایک نیا ساز بڑی بلند آہنگی سے بجانا شروع کیا تھا اور ابوحنیفہ والے تمام قیاسات کی کھل کر احکام شرع میں پیروی کی اور نہایت کشادہ دلی اور بڑی رغبت کے ساتھ ظن و گمان و قیاسات کے ذریعہ سے استنباطات اور اجتہادات کئے۔ مگر اہل حق میں سے اکثر نے اس مخالفت کی طرف اعتنا اور توجہ نہ کی۔ اور جس نے سب سے پہلے ابن جنید کے قیاس و ظن پر عمل کرنے کی تصریح کی ہے وہ ہمارے بزرگ علامہ طوسی علیہ الرحمۃ ہیں۔“

(ب) علامہ محمد بن احمد بن جنید کی مذمت کرنے والوں کی بھرپور مذمت، اور مجتہد ہوتے ہوئے اُن کی مدح و ثنا کرنا لازم ہے

قارئین نے روضات الجنات کے بیان میں دیکھا کہ گو، ابن جنید کو پہلا مجتہد لکھا گیا ہے مگر دراصل وہ اُسی بیان کی رو سے پہلے مجتہد نہیں اسلئے کہ اُس بیان میں ابن جنید کو علامہ حسن بن ابی عقیل کا پیرو بھی لکھا ہے۔ لہذا ملت شیعہ کے ظاہر مجتہدین میں پہلا نمبر جناب حسن بن ابی عقیل کا ہے۔ بہر حال یہ دو حضرات ہیں جن کو علمائے شیعہ نے ملت شیعہ کے اولین مجتہدین ہونے کی سند دی ہے۔

ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ حضرت جتہ علیہ السلام کی پیدائش کو چند دینی مصلحتوں کے ماتحت پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ اور پھر مسلسل چوتھریں سال تک کسی لیڈر ٹائپ آدمی یا علما یا مشہور و معروف اشخاص کو ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس کو عرف عام میں غیبت صغریٰ کہا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں وہ تمام لوگ جو معیاری ایمان نہ رکھتے تھے، اور جن کی ملت شیعہ میں کثرت تھی۔ یہ سمجھنے لگے تھے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا کوئی بیٹا پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ گیارہویں امام علیہ السلام نے اپنے وارثوں میں مخصوص افراد کے نام لکھوا کر اہل باطل کو مغالطہ میں ڈال دیا تھا اس سے دو فائدے ملت شیعہ کو ہوئے پہلا یہ کہ وہ لوگ جنکے دلوں میں لیڈری کی یا امام بن جانے کی تمنائیں تھیں وہ لوگ کھل کھیلے اور انہیں ملت شیعہ سے پہچان کر الگ رکھنا آسان ہو گیا۔ دوسرا سب سے اہم فائدہ یہ ہوا کہ غیبت کبریٰ کے اعلان کے وقت لیڈروں، بزرگ اور مشہور صحابہ اور شیعوں میں کوئی ایسا نہ رہا جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں امام آخر الزمان علیہ السلام سے رابطہ رکھتا تھا یا یہ کہ میں ملاقات سے شرفیاب ہوا تھا۔ امام عصر علیہ الصلوٰۃ و السلام نہایت خاموشی سے، مع اُن ہزاروں حقیقی شیعوں یا انصار کے، لوگوں کی نظر سے اوجھل ہو گئے، ایسے کہ نہ انہیں دیکھا تھا نہ پہچان سکتے تھے لہذا وہ پورا اسٹاف اور امام عصر علیہم السلام کہیں دنیا سے باہر نہیں چلے گئے تھے اُن ہی لوگوں میں رہتے تھے اور آج تک رہتے چلے آئے ہیں مگر جب تک وہ نہ چاہیں نہ اُس وقت کوئی پہچانتا تھا نہ آج پہچان سکتا ہے۔

البتہ امام علیہ السلام نے اُس زمانہ کے اُن شیعہ علما اور لیڈروں کو ساتھ رہ کر قریب سے دیکھا جنہوں نے جھوٹی امامت کا دعویٰ کیا، جنہوں نے جھوٹے اماموں کو مانا، جنہوں نے نامہ ہونے کا جھوٹا اعلان کیا، جو اللہ رسول اور امام کی یعنی خود اُن کی جگہ بیٹھ کر شیعوں کو اُن کے نام پر گمراہ کر رہے تھے۔ پاس کھڑے ہو کر، اُن کی محفلوں اور مجلسوں میں شامل ہو کر دیکھتے چلے آ رہے ہیں اور اُن سے متنفر ہیں۔ غیبت کے زمانہ کے علما نے نائین امام بننے کے لئے فرضی خطوط لکھے اور لکھوائے اور مشہور کیا کہ سرکار جتہ علیہ الصلوٰۃ و السلام نے انہیں اپنا بھائی لکھا، اپنے مذہب کا عالم لکھا، انہیں دین اسلام کا طرفدار و دفاع کرنے والا قرار دیا اور دعائیں دیں اور اُن کی مدح و ثنا کی ہے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ شیعہ پبلک کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ حضور علیہ السلام اُن کی اس دروغ بانی کو کچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ لیکن وہ یہ جرم اسی طرح کرتے رہے جس طرح خدا کو حاضر و ناظر جانتے اور مانتے ہوئے باقی گناہ کرتے ہیں۔ اُن سے یقیناً یہ سوال کیا گیا ہوگا کہ ”کیا تم پہچانتے ہو کہ یہ تحریر حضرت جتہ علیہ

السلام ہی کی ہے اور کسی اور نے تمہیں بہکانے کے لئے ہرگز نہیں لکھی ہے؟ یہ بھی اعتراض ہوا ہوگا کہ: جناب آپ کے امام خود آپ کے پاس کیوں نہ آئے؟ خط کیوں لکھا؟ کیا وہ بیمار و معذور ہیں؟

ہمیں معلوم ہے کہ اُن پر سینکڑوں اعتراضات ہوئے اور ہوتے چلے آئے ہیں لیکن نشر و اشاعت پر اُن کا تسلط تھا وہ دشمنانِ اہل بیتؑ کے خلفاء اور بادشاہوں کے مددگار تھے اس لئے وہ اعتراضات عام طور پر شائع نہیں ہوئے۔ اور مجتہدین کا یہ گروہ اُن جھوٹے خطوط کو برابر اپنی اپنی کتابوں میں مسلسل فریب سازی کیلئے لکھتا چلا آیا ہے۔ آئیے ہم آپکو ایک سچے سچے خط دکھائیں جو حضورؐ نے شیخ مفید کو لکھا تھا۔ اور اپنی عُیبت کا سبب بھی شیخ صاحب کو بتایا تھا اور اگر شیخ صاحب اس خط پر عمل کر لیتے تو کم از کم اُن سے عُیبت کا حجاب ختم ہو جاتا اور حضورؐ اُن کو بھی اپنے نظام میں شامل کر لیتے۔ سُنئے لکھا تھا کہ:

(ج) امام عصر و الزمان علیہ السلام کا خط شیخ مفید کے نام 412 ہجری

”چنانچہ شیعانِ ماباد لہائے مجتمع گرد آمدہ بودند و بعد یکہ از ایشان گرفتہ شدہ و فامی کردند؟“

بمبعت ملاقات ماز و درنا کیل می شدند و با مشاہدہ مناسعدت بسوئے ایشان می شنافت و بکمال معرفت میرسیدند۔ پس منارا از ایشان محبوب نمیداردگر آنچه بما میرسد از اعمال ایشان کہ کراہت داریم و نمی پسندیم و انتظار چنینی اعمال را از ایشان نداریم از خداوند استعانت می جوئیم خدا مارا کافی است و بہتر و کیلے است و خداوند برسید ما کہ بشیر و نذیر است و بر اہلبیت پاک و پاکیزہ اش سلام و صلوات بفرستد۔ بتاریخ غرہ شوال 412 ہجری۔“

ترجمہ: ”اگر ہمارے شیعہ دلی رضامندی سے اجتماعی طور پر ہمارے چاروں طرف جمع ہو کر اُس عہد کو پورا کرتے جو اُن سے لیا جا چکا تھا تو وہ ہماری ملاقات کی برکتوں سے جلدی ہی وابستہ و سرفراز ہو جاتے۔ اور ہمارے مشاہدے کے بعد سعادت اُن کی طرف تیزی سے بڑھتی اور وہ معرفت کے کمال تک پہنچ جاتے۔ ہمیں اُن سے اور کوئی چیز حجاب میں نہیں رکھتی سوائے اُن بد کرداریوں کے جنہیں ہم برا سمجھتے ہیں اور ہم شیعوں کی اُن بد اعمالیوں کے انتظار میں نہیں رہتے۔ ہم شیعوں کے مقابلے میں خدا کی مدد چاہتے ہیں ہمیں خدا کافی ہے اور وہ بہتر و کیل ہے۔ اللہ ہمارے سردار پر جو بشیر و نذیر بھی ہیں اور اُن کے اہلبیت طاہرین پر درود و سلام بھیجے۔ بتاریخ غرہ شوال 412 ہجری۔“

(د) حضورؐ کو ہرگز خلیفہ وقت یا سنیوں سے خطرہ نہ تھا۔ خطرہ صرف دعوائے امامت و نیابت کرنے والے مجتہدین و مقلدین سے تھا

اس خط میں حضورؐ نے تمام شیعوں پر یہ جرم ثابت کیا ہے کہ اُنہوں نے حضورؐ کو ایک حقیقی امام کی حیثیت سے قبول نہیں کیا تھا اور اُنہوں نے وہ عہد پورا نہیں کیا تھا جو اُنہوں نے پہلے سے کر رکھا تھا۔ یعنی گیارہویں امام علیہ السلام کے ساتھ یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ بارہویں امام علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کی اطاعت و پیروی نہ کریں گے۔

ظاہر ہے کہ شیعوں نے دعوائے نیابت و امامت کرتے چلے آنے والوں کی اطاعت و تقلید اختیار کر لی تھی۔ اگر امام سے قطع تعلق نہ کیا گیا ہوتا اور دینی راہنمائی میں اُن کو اپنا راہنما سمجھا گیا ہوتا تو عُیبت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ یعنی قریشی مذہب والوں نے تو تین سو سال سے آئمہ معصومین علیہم السلام کو دینی راہنمائی سے معزول و معطل کر ہی رکھا تھا اب شیعوں نے بھی اسی نظامِ اجتہاد کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کے فرق کے ساتھ اختیار کر لیا تاکہ وہ بھی نعمتِ خداوندی سے اسی طرح مالا مال ہو جائیں جس طرح ابو بکر و عمر کے پیر و تین سو سال سے غالب و حاکم تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو تم نے نظامِ اجتہاد سے ہٹ کر کتنا نقصان اٹھایا ہے۔ اور تمہارے لیڈر خانہ نشینی اور غلط سیاست کو چھوڑ کر اپنے اجتہاد سے میدان میں نکلے اور چار پانچ

حکومتیں قائم کر لیں اور آج ہمارے مد مقابل ہیں۔ عشرہ محرم و عزاداری کی کھلی اجازت لے لی ہے۔ اذان میں شہادت ثالثہ جاری کر لی ہے۔ صرف اس لئے کہ انھوں نے محمد و آل محمد کی تعلیمات کو انجماد سے نکال کر اجتہادی وسعت دے دی ہے۔ ضرورت وقت و تقاضائے حیات کا اپنی عقل و بصیرت سے تعین کرنے لگے ہیں اور وہ زنجیریں توڑ دی ہیں جو خانہ نشینی اور رہبانیت کی قید میں رکھتی تھیں۔ یوں معصوم امام کی تمام مسلمانوں کو عقلاً و اجتہاداً ضرورت نہ رہی۔ اب صرف غیر مسلموں کو ہدایت کی ضرورت و اتمام حجت باقی تھی۔ چنانچہ اپنے ماننے والے شیعوں کے ساتھ حضورؐ نے لاتعلقی اختیار کر لی۔ اور نہایت کامیابی سے اپنے ”نظام ہدایت و تقلید“ کو دنیا میں پھیلاتے چلے آ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بھی یاد رکھیں کہ ہر وہ خط مصنوعی و باطل ہے جس میں حضورؐ کی طرف سے کسی مجتہد کو بھائی یا عالم لکھا ہوا ملے۔ ان لوگوں نے اپنی عزت بڑھانے کے لئے ایسے الفاظ لکھے ہیں جن سے ان خبیثوں کی عزت بڑھنے کی امید تھی اور آنحضرتؐ علیہ السلام کی توہین نکلتی ہے۔ ہم نے جس خط کی عبارت اوپر نقل کی ہے اُس میں بھی ایسے مردود الفاظ ہیں۔ آپ یہ سوچیں کہ حضورؐ نے زیر گفتگو خط میں یہ نہیں لکھا کہ:

”کچھ شیعوں“ نے ایسا اور ویسا کیا نہ یہ لکھا کہ: ”بعض شیعوں نے“ نہ یہ کہ ”شیعوں کی کثرت یا قلت“ نے یہ کیا اور یہ نہ کیا۔ آپ کا صرف ”شیعان“ یا ”الشیعہ“ لکھنا تمام شیعوں پر مشتمل ہے۔ کسی کا استثناء نہیں ہے یعنی وہ تمام شیعہ مجرم ہیں جن کو چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ اُن تمام شیعوں میں شیخ مفید، سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور بہت سارے علمائے شامل ہیں۔ اُن کو برادر وغیرہ لکھنا عقلاً و فعلاً غلط ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا خط ملے، جو ہمیں نہیں ملا، کہ جس میں اجتہاد کی مذمت ہو تو اُسے صحیح سمجھنے میں گناہ نہ ہوگا۔

(۵) محمد بن احمد بن الجندی کی مذمت کرنے والوں کی مذمت کے لئے زمین ہموار ہوگی تمام شیعہ مجتہدین امام کے یہاں مردود ہیں

ہم نے روضات الجنات سے اولین دو مجتہدین سے تعارف کرا کر (عنوان 15- د۔ الف) سرکار حجۃ علیہ السلام کی غیبت اور نظام غیبت پر مختصر سی گفتگو ضروری سمجھی تھی۔ لہذا اب یہ عرض کرنا ہے کہ اجتہاد بلارائے اور قیاس اور ظن اور تخمین اور خرص کے کیا ہی نہیں جاسکتا۔ جس طرح حجام کے اوزاروں (اُسترا، قینچی، مشین، کنگھا، برش، صابون، نہرنا وغیرہ) کے بغیر حجامت نہیں کی جاسکتی اسی طرح ایک مجتہد کے اوزاروں میں مندرجہ بالا پانچ چیزیں ہیں۔ اُن میں اگر کوئی ایک بھی استعمال نہ کی جائے تو یقین فرمائیں کہ اجتہاد کرنا ناممکن ہے۔ اور یہ تمام چیزیں شیعہ سنی دونوں کے یہاں قرآن و حدیث سے مذموم ہیں اور ان کو استعمال کر کے دین کو سمجھنا حرام اور کارِ شیطان ہے۔ اسی بنا پر شیعوں میں تین سو سال تک اجتہاد و مجتہد ملعون رہے۔ مگر چوتھی صدی میں جب علمائے شیعہ نے اس شیطان کو یعنی اجتہاد کو مسلمان کر لیا تو ضروری تھا کہ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر اُن شیطانی یا اجتہادی اوزاروں کی نفی کریں جو قرآن و حدیث میں شیعہ سنی علماء کے نزدیک دین میں حرام تھے۔ چنانچہ ہر شیعہ مجتہد یہ کہتا اور لکھتا چلا آیا ہے کہ: ”میں تو ایسا اجتہاد کرتا ہوں جس میں قیاس و رائے کو دخل نہیں ہوتا۔ میں ظن و تخمین کو اپنے پاس تک پھٹکنے نہیں دیتا۔“

چنانچہ روضات الجنات کے مندرجہ بالا بیان (عنوان 15- د۔ الف) میں جناب ابن جنید کی مذمت کی گئی ہے۔ ہم نے اُس بیان کو روک کر وضاحتیں شروع کر دی تھیں۔ لیکن نہ وہ بیان وہاں رکا ہے اور نہ مذمت رُکی ہے۔ بہر حال ہمیں یہ بتانا ہے کہ جتنے مکار و فریب ساز مجتہدین شیعہ لیبیل کے ساتھ گزرے ہیں اُن سب ہی نے جناب محمد بن احمد بن الجندی کی دل کھول کر مذمت کی ہے۔ اور انہیں شیعہ مجتہدین کی فہرست سے الگ رکھا ہے۔ چنانچہ پہلا مجتہد علامہ شیخ مفید کو کہا جاتا ہے دوسرے نمبر پر جھنڈے شاہ کو یعنی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کو رکھا جاتا ہے۔ لیکن وہ تمام مجتہدین کا ذب تھے دھوکے باز تھے۔ وہ دن رات قیاس و رائے اور ظن و تخمین اور استحسان اور استحباب کے ماتحت اجتہاد کرتے اور فتویٰ دیتے رہے

اور ابن جنید کی مذمت بھی کرتے رہے تاکہ لوگ انہیں اچھا مجتہد کہیں۔ ہم ابن جنید کے لئے جو سب سے بڑی بات کہتے ہیں اور جو سب سے بڑی مذمت کرتے ہیں یا کریں گے وہ یہی ہے کہ وہ مجتہد تھے۔ اور بس۔ ہم انہیں مکار و غدار و فریب ساز و محسن کش و جلسا ساز اور ملتِ شیعہ کو تباہ کرنے والے اور محمد و آل محمد کے نام کو بیٹہ لگانے والے نہیں کہتے۔ بلکہ اُن کی مذمت کرنے والے مجتہد ہوں یا شیاطین اُن کو یہ سب کچھ اور بہت کچھ کہتے ہیں۔ ابن جنید نے جو کچھ کیا بلا جھک لکھ دیا۔ اُنہوں نے یہ حقیقت بیان کر دی کہ:

”اجتہاد بلا قیاس و رائے وغیرہ کے ممکن ہی نہیں ہے۔“

مگر یہ ملائین کہتے تو یہ ہیں کہ وہ بلا قیاس و رائے وغیرہ کے اجتہاد کرتے ہیں۔ مگر عملاً فضائلِ محمد و آل محمد صلوة اللہ علیہم کو تباہ کرنے میں ابو بکر و عمر وغیرہ سے بھی بازی لے گئے۔ اُنکے اجتہاد میں اغلام جائز ہے۔ کینز کے ساتھ جو کچھ جائز ہے اُسے لکھتے ہوئے شرم و حیا منہ چھپائی ہے۔ میرے نزدیک ہر وہ شخص اُن خبیثوں سے ہزار درجہ بہتر ہے جو یہ کہے کہ: **أَقُولُ فِي الْكَلَالَةِ بَرَأئِي فَإِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللَّهِ وَإِنْ يَكُنْ خَطَاءً فَمِنِّي وَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَاللَّهُ وَ رَسُوْلُهُ مِنْهُ بَرِيْئَانِ** (فلسفہ شریعت، صفحہ نمبر 151)

یعنی ”میں اُس شخص کے بارے میں جو مرنے کے بعد وارث نہ چھوڑے، اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں۔ پس اگر میری رائے صحیح ہو تو، توفیق الہی ہے اور اگر وہ غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے، جس سے اللہ اور اللہ کا رسول بری ہیں۔“ (ایضاً صفحہ نمبر 151-152 مترجم مولوی محمد احمد رضوی)

ابو بکر و عمر تمام شیعہ مجتہدین سے بہتر تھے سوائے محمد بن احمد بن جنید کے

ایسا ہی بیان خلیفہ دوم کا بھی ہے اُس نے بھی غلطی کو اپنی اور شیطان کی طرف منسوب کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ابو بکر کے بیان میں شیطان سے مراد عمر ہے اور عمر کے بیان میں اصلی اہلبیت مراد ہے۔ لہذا یہ دونوں اور اہلبیت تمام شیعہ مجتہدین سے اس لئے بہتر ہیں کہ جو کچھ کرتے ہیں کہہ کر کرتے ہیں۔ رسول کو غلط کار سمجھتے تھے اُن کے منہ پر کہتے تھے۔ گردن پکڑ کر منافق (معاذ اللہ) کا جنازہ پڑھنے سے روکا تھا۔ دھوکا نہ دیا تھا۔ لہذا ایک دھوکے باز و غدار مومن سے کافر و منافق و مرتد بہتر ہے۔ جس نے اجتہاد اختیار کر لیا ہے اُس نے دین کو ترک کر دیا۔ بشرطیکہ اجتہاد اللہ و رسول اور قرآن کے بتائے ہوئے قوانین کی مخالفت میں ہو۔ لیکن اگر اللہ رسول و قرآن و آل محمد کی تائید میں ہو تو وہ مجتہد تمام علما سے بہتر ہے۔ مثلاً میرا اجتہاد یہ ہے کہ ماتم حسینؑ میں نکلنے والا خون پاک ہے۔ تمام شہدائے کربلا علیہم السلام محمد و آل محمد کے علاوہ پوری نوع انسان سے افضل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ اُن ملائین نے طریقہ طاغوتی کو طریقہ معصومین بنا کر دکھایا ہے۔ وہ اپنے فیصلوں کو خدا و رسول کا فیصلہ کہتے ہیں اور اُسے پوری امت پر واجب کہتے ہیں جو نہ مانے اُسکے تمام نیک اعمال بھی ضائع اور باطل قرار دیتے ہیں۔ اور اپنی غلطی پر بھی ثواب و اجر کے قائل ہیں۔ اور غلط فیصلوں کو بھی واجب التعمیل کہتے ہیں اور ضدی مخالف کے قتل کا حکم دیتے ہیں۔ ہمارے پاس ایسے مجتہدین کیلئے کوئی کلمہ خیر نہیں ہے۔ ہم اور ہمارا امام اور ہمارا نظام اُنکے مستقل دشمن ہیں اُن کی مذمت کرنا اُن پر لعنت کرنا ہمارے مذہب کی لازمی چیز ہے۔ اور میرے اجتہاد کی رُو سے اُن پر لعنت و تبرا کرنا اور دنیا سے اُن کے نظام و آثار کو مٹا دینا کُلّی دین ہے۔ کچھ بھولے بھالے لوگ اور بعض مجتہدین بھی کہتے ہیں کہ:

”محمد امین استر آبادی اپنے موقف میں برسرِ حق تھے مگر انہیں مجتہدین پر لعن طعن نہ کرنا چاہیے تھا۔ اُنہیں بے دین و گمراہ قرار نہ دینا تھا۔ آخر وہ ملتِ شیعہ کے زبردست علما تھے۔ اُنہوں نے فضائلِ محمد و آل محمد بیان کئے ہزاروں کتابیں تائید میں لکھیں۔ اُن کے ساتھ نرمی برتنا لازم تھا لوگوں کی نظروں سے اُن کا احترام ختم کر دینا اچھی بات نہ تھی۔“

ہم کہتے ہیں کہ پیدا ہونے کے بعد مرنے تک شیعوں کا مال کھاتے اور جائیدادیں و جاگیریں بناتے رہے۔ مومنین سے اپنے پیرو بواتے رہے۔ لہذا جن خدمات کا ذکر کیا گیا وہ اس حق الخدمت سے کہیں کم ہیں جو شیعہ قوم کا اُن کے ذمہ باقی ہے۔ کیا ہم اُن تمام سنی علماء اور خطیبوں اور شاعروں کو شیعہ قرار دے کر اُن کے احترام کا حکم دے دیں؟ جنہوں نے منبر پر بیٹھ کر اہلبیت کی مدح و ثنا کی اور اُن کی طرفداری میں کتابیں لکھیں؟ تو سنو پھر جناب علامہ حسن نظامی دہلوی کو شیعہ عالم مان کر اُن کا احترام کرنا پڑیگا۔ اُنہوں نے کتاب ”طمانچہ بر رخسار یزید“ لکھی اور عمر بھر شیعوں کی محفلوں، مجالس و میلاد میں اہلبیت کی شان بیان کرتے رہے۔ شیعہ فرسٹ کلاس کا دو طرفہ کرایہ دیتے ہیں۔ پوسٹروں میں اُن کا نام اُچھالتے ہیں۔ مرغیاں اور مرغن کھلاتے اور جیب گرم کرتے ہیں۔ ہم اُس ہندو شاعر کو جانتے ہیں کہ جس نے کہا تھا کہ: ہندو ہوں مگر دشمنِ شہیر نہیں۔

اُن مجتہدین نے تو ادھر شیعہ قوم کو لوٹا اور ادھر اُنکے مذہب کو تباہ کر دیا ہے۔ اللہ اُن پر بے حساب لعنت کرے۔ اُن ملاعین کا فتویٰ یہ ہے کہ زنجیر کا ماتم حرام ہے، لُحْن سے سوز خوانی مسجد میں زنا کرنے کے برابر گناہ ہے۔ اذان و نماز میں شہادتِ ثالثہ پڑھنے والے لعنتی ہیں۔ لیکن وہ ابن جنید ہی تھے جن کی وجہ سے خلافت عباسیہ میں زنجیروں کا ماتم ہوتا تھا۔ بازار اور مسرت بند رہتی تھی۔ مرثیہ خوانی ہوتی تھی اذنانوں میں علیؑ و آلہ اللہ میناروں سے پکارا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ اور بہت کچھ جناب محمد بن ابن الجندیہ کا کتاب الاسکانی کے اجتہاد کا نتیجہ تھا اور ہمیں اُمید ہے کہ اللہ انہیں مجتہد ہوتے ہوئے بھی بخش دیگا۔ آمین۔ کان کھول کر سن لیں کہ وہ ہندو، یہودی، عیسائی اور سنی اس لئے بخش دیئے جائیں گے کہ جن کو اُنکے مذاہب کے مجتہدین نے بہرکا کر غلط راہ پر قائم رہنے کا یقین دلا رکھا تھا۔ یعنی دنیا کے تمام مذاہب کے عوام بخش دیئے جائیں گے لیکن مجتہد خواہ کسی مذہب کے ہوں سب جہنم واصل کئے جائیں گے اس لئے کہ دنیا میں گمراہی و تباہی پھیلانے کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں اور یہ لوگ سادہ دل عوام کے گناہوں کی بھی سزا پائیں گے (عنکبوت 13-12/29) اس لئے کہ یہ لوگ اپنے غلط فیصلوں کے لئے بھی لوگوں کو یقین دلایا کرتے تھے کہ انہیں غلط اعمال پر بھی اللہ کو اجر و جزا دینا لازم ہوگی۔

(و) علامہ ابن جنید کی مدح و مذمت کرنے والوں اور اُنکی کارکردگی اور خدمات کا تذکرہ بھی روضات الجنات میں کیا گیا ہے۔ چند باتیں

روضات الجنات کا بیان روک دیا گیا تھا (عنوان 15-د- الف) یہاں اس بیان کو آگے بڑھایا جا رہا ہے تاکہ جناب محمد بن احمد بن الجندیہ کے متعلق چند باتیں اور سامنے آجائیں چنانچہ اختصار کی غرض سے ہم صرف ترجمہ پیش کرتے ہیں سُنئے:

”علامہ طوسی، ابن جنید کی تصنیفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اُن کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ اُن میں سے ایک کا نام ”تہذیب الشیعہ لاحکام الشریعة“ ہے۔ کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس کتاب کو آنے والے تمام مجتہدین نے چراغِ راہ بنایا ہوگا۔ اس لئے کہ ابن جنید نے شریعت کے احکام کو بڑی محنت سے مدُون و آراستہ کیا تھا۔ پھر کہا کہ اسی قسم کی بیسیوں جلدیں لکھی ہیں۔ جن میں کافی تعداد میں فقہ کے اصولوں پر علم الفقہ تیار کیا ہے یہاں تک کہ اُن کی ایک ہزار بنیادی چیزیں شمار کی گئی ہیں۔ پھر شیخ مفید اور اسی مرتبہ کے علما کی شہادتیں نقل کی ہیں۔ شیخ نجاشی کی زبانی لکھا ہے کہ بڑے بڑے بزرگ کہتے ہیں کہ ابن جنید قیاس سے کام لیتے تھے۔ اور سب نے اُن کو اُن کی کتابوں کے لئے سندات اور اجازے بھی دیئے تھے۔ اور کتاب ”خلاصہ“ میں علامہ نے لکھا ہے کہ ابن جنید پورے گروہ شیعہ کے مُسَلِّم الثبوت سربراہ تھے۔ بہترین کتابوں کے مصنف تھے۔ اور ہمارے صحابہ میں بہترین کردار کے حامل تھے۔ نہایت قابل اعتماد اور جلیل القدر تھے۔ کثیر التصنیف تھے۔ پھر علامہ طوسی نے ابن جنید کی کتاب کی مدح و ثنا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اُن

سے بہتر اور صحیح تر کتاب شیعہ علما کی نہیں دیکھی ہے نہ عبارت کے حسن میں نہ مضامین کی معنوی گہرائی اور متانت میں۔ اس کتاب میں اصول و فروع مذہب شیعہ پر بہترین دلائل قائم کئے ہیں۔ اور مذہب شیعہ کی طرز فکر اور استدلال کو نمایاں کیا ہے۔ جیسے ہی کوئی شخص ابن جنید کی اس کتاب کو پڑھے اور اُس کے معانی و مفاہیم پر غور کرے تو اس پر ابن جنید کی علمی منزلت چھا جائے گی۔ انہوں نے اس کتاب میں وہ معارف پیش کئے ہیں جو کسی دوسرے عالم کے یہاں سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ مجھے اُن کی تصنیفات میں سے اُن کی کتاب بنام ”احمدی فی فقہ المہدی“ دیکھنے کا موقع بھی ملا ہے۔ وہ تہذیب الشیعہ کا اختصار ہے۔ وہ ایک لاجواب کتاب ہے اور ابن جنید کے فضل و کمال کا بولتا ہوا ثبوت ہے اور ہم رسا کو انتہائی پیغام ہے۔ اُن کی فقہات اور سلجھی ہوئی جودت طبع کا اعلان ہے۔ اور میں نے اپنی کتاب ”مختلف الشیعہ فی احکام الشریعہ“ میں اُن کے اختلافی مسائل و اقوال کا ذکر کر دیا ہے۔ اب روایات الحجۃ کا مولف مجتہد باقر موسوی اپنی طرف سے لکھتا ہے کہ یہ جو کچھ علامہ طوسی نے لکھا ہے اس سے ابن جنید کی انتہائی قدر و منزلت اور علمی بزرگی ثابت ہو جاتی ہے۔ اور اُن کے زمانہ تک کے تمام علما پر ابن جنید کی فوقیت بھی اور ظن و قیاس کی نفی بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد یہ ماننا پڑے گا کہ وہ جو ابن جنید پر قیاس اور رائے کا الزام عائد کیا گیا تھا اس کی صورت صرف یہ ہوگی کہ وہ اپنے مخالفوں کو اُن ہی کے مذہب و مسلک کے مسلمہ قواعد سے ملزم ثابت کرتے تھے۔ اور اس غرض کے لئے رائے اور قیاس کو دلیل بنا لیتے ہوں گے۔ چنانچہ کتاب العُدَّہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ وہاں ابن جنید کا نام نہیں لکھا گیا ہے۔ بہر حال مطلب یہی ہے کہ یہ انکشاف ہو چکا ہے کہ جب وہ اپنے یہاں کی بات کرتے تھے تو ہرگز قیاس پر بنیاد نہ رکھتے تھے۔ اور جب اُن لوگوں سے بات ہوتی تھی جو پہلے قیاس پر عامل تھے تو اُن کو زچ کرنے اور مجرم ٹھہرانے کے لئے قیاس اور رائے کا استعمال کرتے تھے۔ حالانکہ اُن کا اپنا اعتقاد رائے اور قیاس کے خلاف ہی رہتا تھا۔ لہذا لوگوں نے (یعنی دشمن مجتہدین نے۔ احسن) اُن کے اس قسم کے مسائل اور اقوال کا رد و انکار کیا ہے۔ اور اُن سے اپنے آپ کو (فریب سازی کے لئے۔ احسن) بری الذمہ قرار دیا ہے اور اُن کی کتابوں سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے (یعنی چوری چوری فائدہ اٹھانے کو بہتر سمجھا۔ احسن) اور اُن کی کتابوں میں سے ایک کا نام ”کشف تمویہ والالتباس علی اغمار الشیعہ و القیاس“ بھی ہے جو اُن کے حق میں قابل توجہ ہے۔

اور اگر وہ سب الزامات صحیح ہیں جو شیعہ مجتہدین نے اُن پر لگائے ہیں۔ تو اُن سے اُن کے زمانہ میں قیاس کو حرام سمجھنے میں توقف نہ کرنا چاہئے۔ اور جناب الشیخ محمد بن الشیخ حسن کا اُس توثیق سے غافل رہ جانا بہت غور طلب ہے جو علامہ طوسی نے ابن جنید کی کی ہے اور مع رائے و قیاس کے کی ہے جس کے بعد ابن جنید کو فسق کرنے والا یا جاہل کہنا غلط ہو جاتا ہے اور جناب علامہ طباطبائی نے اسی لئے ابن جنید کے حق میں اپنے عذرات کو یوں پیش کیا ہے کہ ابن جنید اُسی قسم کی قیاس پر عمل کرتے تھے جو شیعہ مجتہدین میں جائز ہے۔ اور اپنی کتاب میں ابن جنید کی طرف داری کی ہے۔ اور ابن جنید کے خلاف جو کتاب النقص علی ابن جنید لکھی گئی ہے، اُن کے اجتہاد بالرائے پر، اُس میں کہا گیا ہے کہ اس زمانے میں ابن جنید سے قیاس اور رائے سے اجتہاد کرنے کی نسبت دینا وہ اس وقت کی ضرورت اور تقاضوں کو نظر انداز کرتی ہے۔ یہ تو واضح بات ہے کہ زمانہ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ مسائل میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے حقائق ہیں کہ قدیم علما پر ظاہر تھے اور بعد والوں سے مخفی ہو گئے۔ اُن کا زمانہ قریب تر تھا۔ بہت سے دلائل و برہان اُن کے سامنے تھے جو حالات بدلنے اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ضائع ہو گئے۔ اور اب اس زمانہ میں یقیناً منتشر شدہ دلائل کو جمع کر کے وضاحت کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ یا پچھلے مسائل پر لوگوں کے اتفاق کانٹے سرے سے پتہ لگانا ضروری ہے۔ تاکہ شاید

اس سلسلے میں قیاسات سے مدلل سکے اور سید مرتضیٰ علم الہدی نے اُن حدیثوں کے بارے میں جو ایک ہی راوی نے بیان کی ہیں کہا ہے کہ ہمارے حدیث کے راوی اور حدیثیں لکھنے والے بھی قیاس سے کام لیتے تھے (یعنی جھنڈے شاہ قیاس جاری رکھنے کے لئے حدیثوں کو بھی ناقابل اعتبار بتاتے تھے۔ احسن) جیسا کہ فضل بن شاذان اور یونس بن عبد الرحمن اور دیگر مشہور اور معروف لوگوں کی جماعت قیاس کرتی تھی۔ اور شیخ کے بیان میں بھی جو انھوں نے من لاصخرہ الفقیہ میں لکھا ہے قیاس ہی کی طرف اشارہ ہے۔ (یعنی یہ شاہ جی اعلیٰ درجے کے خبیث مجتہد تھے جو تمام راویوں اور محدثین پر قیاس کی تہمت لگاتے ہیں تاکہ اُن کے قیاس پر اعتراض نہ ہو سکے۔ احسن) پوتے کی میراث کے مسئلے میں اور ماں باپ کی میراث کے متعلق جس پر ابن جنید نے عذر کیا ہے۔ لہذا ابن جنید کو مذہب شیعہ سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ اُن کی مدح و ثنا پر سابقہ علماء متفق ہیں۔ اُن کی توثیق و تصدیق کرتے ہیں۔ اُن کی عدالت کے قائل ہیں۔ ابن جنید آل بویہ کے عہد حکومت اور معز الدولہ کے زمانہ میں تھے۔ معز الدولہ خلیفہ طابع کا وزیر تھا جو عباسی خلیفہ تھا۔ اور معز الدولہ شیعہ بھی تھا اور عالم بھی تھا۔ اور اُس کی وزارت کے زمانہ میں مذہب شیعہ عام تھا بالکل کھلم کھلا اُس پر عمل ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ معز الدولہ نے اہل بغداد پر ماتم کرنا نوحہ اور بکا کرنا لازم کر دیا تھا۔ عزا داری امام حسین علیہ السلام باقاعدہ ہوتی تھی۔ عاشورہ کے دن بازاروں میں، چوراہوں پر اور پورے شہر میں جلوس عزا داری نکلتے تھے۔ اور عید غدیر پر خوشیاں اور تقریبات منائی جاتی تھیں۔ اور میدانوں میں جا کر نماز عید پڑھی جاتی تھی۔ اور ابن جنید کے آخری ایام تک مذہب شیعہ کا عروج انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

ایسے حالات میں ابن جنید کے متعلق یہ تصور کیسے کیا جاسکتا ہے کہ وہ مذہب شیعہ کے مقاصد کے خلاف عملدرآمد رکھتے تھے؟ خصوصاً جب کہ تائید مذہب شیعہ کے لئے بہترین کتابیں لکھتے رہے۔ اہل خلاف کو اُن کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیتے رہے۔ مخالف پر جہالت اور بے دینی کا الزام قائم کرتے رہے۔ اگر اُن کے متعلق شیعہ مجتہدین نے شبہات نہ پیدا کر دیئے ہوتے تو اس قسم کی باتیں اُن کے خلاف سوچنے کا موقع تک نہ ملا ہوتا۔ امام یافعی اہلسنت نے اور دیگر اُن کے علمائے بھی لکھا ہے کہ معز الدولہ تین سو ستاون 357 ہجری میں مرحوم ہوا۔ اور اُس کے اور ابوالحسن علی بن محمد السمری کی وفات کے درمیان جو امام کے (جھوٹے اور مجتہدین کے مشہور کردہ۔ احسن) سفیروں میں سے تھے۔ اٹھائیس سال کا وقفہ ہے (یہ خبیث لوگ یہ کیوں نہیں کہتے کہ معز الدولہ کی وفات اور غیبت کبریٰ میں 28 سال کا وقفہ ہے؟۔ احسن) اس لئے کہ امام کا یہ (مصنوعی۔ احسن) سفیر 329 ہجری میں وفات پا چکا تھا (یہی اعلان غیبت کا سال ہے۔ احسن) اور اس کا تقاضا ہے کہ ابن جنید کو غیبت صغریٰ کے صحابہ میں شمار کیا جائے۔ اور امام کے (جھوٹے۔ احسن) سفراء کا ہم عصر مانا جائے۔ بلکہ نجاشی اور علامہ طوسی کے مطابق تو ابن جنید کو امام کا وکیل ماننا ہوگا (یہ قیاس سفرائے مشہور کے منصوبے سے تو بہتر ہوگا۔ احسن) پھر یہ بھی قابل توجہ ہے کہ امام کی طرف سے اور اُن کے (مصنوعی۔ احسن) سفیروں کی طرف سے ابن جنید کے خلاف ایک بھی اعتراض نہیں ہوا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ قیاس اور رائے کو اختیار کر لینا ایسی ہی خطا یا غلطی تھی جیسی کہ اس زمانے میں شیعہ مجتہدین کی فروعی مسائل میں خطا اور غلطی ہے۔ اور جس طرح ان خطا کار مجتہدین کا عذر قبول کر لیا جاتا ہے تو ابن جنید کا بھی عذر قبول کرنا چاہیئے۔ اور جب ہمارے بڑے بڑے مجتہدین اُسی قسم کے اختلاف اور خطاؤں سے دوچار رہے ہوں اور کسی نہ کسی طرح قیاس بھی کرتے رہے ہوں۔ تو یہ کیسے جائز ہوگا کہ ابن جنید کو مع اس کی شاندار اور اثبات حق کرنے والی کتابوں کے مذہب شیعہ سے خارج و ساقط کر دیا جائے؟ چنانچہ جس طرح یہ مان لیا گیا ہے کہ عظیم ترین مجتہدین کا بنیادی مسائل میں اختلاف اُن کو ساقط الاعتبار نہیں کرتا اور اس زمین و آسمان کے بُعد اور اختلاف کے باوجود اُن کی عدالت و ثقاہت مجتہدین کو تسلیم ہے (یاد کریں خطبہ 18 کے جملے 1 تا 11، اور شیعہ مجتہدین کو ابو بکر و عمر کے نظام و

قانون میں شامل کر دیں) تو ابن جنید ہی نے ایسی کوئی خطا کی ہے کہ جو ان شیعہ مجتہدین سے بڑھ کر ہو؟ جس کی وجہ سے اُسے ساقط الاعتبار کر دیا جائے؟ حالانکہ وہ تمام شیعہ مجتہدین اُن تمام (قریش ساز۔ احسن) اصول فقہ میں بھی اختلاف کرتے رہے ہوں اور آج بھی اختلاف کر رہے ہوں؟ جن (قریش ساز۔ احسن) اصولوں پر فروعی مسائل کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ تمام شیعہ مجتہدین احاد قسم کی حدیثوں میں، اور اصحاب اور مفاہیم کے اخذ کرنے میں اور (قریش ساز۔ احسن) اصول فقہ کے مسلوں میں مختلف الحال رہے ہیں۔ یہاں تک کہ تلاش کرنے والے کو دو بھی ایسے شیعہ (یاسنی) مجتہد نہ ملیں گے جو اپنے تمام مسائل میں متفق ہوں۔ حالانکہ اُس (خود ساختہ۔ احسن) مذہب پر سب مجتہدین متفق رہے ہیں جو اُن (قریش ساز۔ احسن) اصولوں کے ماتحت تیار ہوتا ہے جن اصولوں کو خود ہی باطل کرتے رہے ہیں۔ جب اُن اصولوں کو باطل کرتے رہے تو وہ مذہب خود بخود باطل ہو گیا جو اُن باطل کردہ اصولوں پر مبنی ہو۔ لہذا اس حیثیت سے تو تمام مجتہدین، اُن کا مذہب اور اُن کی تمام کتابیں بھی باطل ہو گئیں۔ (روضات الجنات صفحہ نمبر 563 وغیرہ حرف میم)

یہاں روضات الجنات سے ابن جنید کے متعلق شیعہ مجتہدین کے موافق اور مخالف تمام بیانات مکمل ہو گئے اور ان سے بھی اجتہاد باطل ہو گیا۔

(ز) ابن جنید اور روضات الجنات میں مذکور علما کے بیان پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے مجتہدین کا خود ساختہ شیعہ مذہب باطل ہو جاتا ہے

سابقہ عنوان (ہ) میں ہم نے ابن جنید کی جس حیثیت سے اور جس قدر ستائش کی ہے اُس سے زیادہ کی نہ گنجائش ہے اور نہ وہ حقیقت واقعی ہو سکتی ہے۔ اس زیر تنقید عنوان (و) میں جہاں جہاں مذمت یا مدح آپ نے دیکھی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ شیعہ مجتہدین کو بھی اپنے مسلک اجتہاد کے تحفظ کی ضرورت تھی اور اس مذمت اور مدح سرائی سے انہیں تحفظ مل جاتا ہے۔ لیکن ہم نے اس طویل بیان میں مناسب مقامات پر بریکٹوں میں چند ایسے الفاظ لکھ دیئے ہیں جو شیعہ مجتہدین کے مقصد کو توڑتے اور بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ عزائے حسین علیہ السلام کے سلسلے میں جواز ماتم وغیرہ کے متعلق فتاویٰ تو واقعی ابن جنید اور معز الدولہ ہی کے تھے۔ مگر یہ معز الدولہ، یہ وزارت، یہ تسلط اور عزاداری کے یہ مواقع ابن جنید یا اس وقت کے علمائے شیعہ یا مجتہدین نے پیدا نہیں کئے تھے۔ شیعہ مذہب اور شیعوں کا یہ بغدادی اقتدار اور مصر و عراق و دبلم و اندلس میں شیعہ حکومتوں کا قیام تحریک تشیع نے بزور بازو اور اپنی معصوم پالیسی سے حاصل کیا تھا (تفصیلات کتاب مذہب شیعہ ایک قدیم تحریک اور ہمہ گیر قوت میں) تحریک تشیع عہد مرقوم سے کام کرتی چلی آرہی تھی۔ اور مختلف صورتوں میں قریبی حکومتوں کے خلاف برسرِ کار تھی۔ جس کی راہنمائی امام وقت کرتے تھے۔ اور اس کے وجود اور طریقہ کار سے امام زمانہ علیہ السلام کے علاوہ کوئی واقف نہ ہو سکتا تھا۔ تحریک کے مختلف سربراہوں کا امام وقت سے ہر حال میں رابطہ رہتا تھا۔ اس کے مقاصد میں تحفظ مذہب حقہ، تحفظ و تسلط حکومت الہیہ، تحفظ تعلیمات خداوندی اور قریشی حکومت کی تباہی تھی۔ ضرورت پڑنے پر تحریک کا تیج بکف حصہ میدان جنگ میں نکل آتا تھا۔ مبلغین مذہب حقہ پبلک کو ہم خیال و ہم مسلک بناتے تھے۔ اہل قلم مذہبی ریکارڈ تیار کرتے اور محفوظ کرتے تھے۔ تحریک کا ہر شعبہ بلا تصادم کام کرنے میں لگا رہتا تھا۔

یہی تحریک تھی جسے لے کر سرکار حجۃ علیہ السلام نے لوگوں میں رہتے ہوئے اعلان غیبت کبریٰ کیا تھا۔ اور یہ تحریک روز اول سے غیبت صغریٰ میں پوشیدہ چلتی آرہی تھی۔ اُس نے مجاہد بنا کر وہ سب کچھ کیا تھا جس کا نتیجہ شیعہ حکومتوں کا قیام، مذہب حقہ کی آزادی اور قیام عزاداری تھا۔ اس آزادی سے مجتہدین نے اور اقتدار پر فائز ہونے والوں نے فائدہ اٹھا کر سیاسی احکام کو مذہب شیعہ کے لیبل سے نظام اجتہاد کے ماتحت نافذ

کرنا شروع کیا تھا۔ یہ تقریباً ویسی ہی صورت حال تھی جو آل محمد کے نام سے چلنے والی تحریک کو پیش آئی تھی اور عباسی لیڈروں نے فریب دے کر اپنی خلافت قائم کر لی تھی اور ابو مسلم خراسانی وغیرہ کو قتل کر دیا تھا۔

لیکن اب تحریک تشیع چونکہ سو فیصد خفیہ تھی اس لئے جن لوگوں کو کھلے محاذ پر آگے بڑھایا گیا تھا اور اقتدار کی کرسیوں تک پہنچایا گیا تھا ان میں کوئی بھی تحریک کے راہنماؤں سے واقف نہ تھا۔ اس لئے امام وقت نے تحریک کو الگ سمیٹ لیا اور شیعوں کی آزادی اور اقتدار کو بحال رکھتے ہوئے خود الگ ہو گئے اور اپنے وجود کا اعلان کر دیا تا کہ ہر شخص سمجھ لے کہ انہیں اپنی ولایت و مذہب سے خارج کر دیا گیا ہے۔ اس بیان میں امام کے سفراء اور وکلاء کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ امام آخر الزمان کا کسی عالم سے کسی لیڈر سے کسی مشہور و معروف شیعہ سے کوئی رابطہ اور تعلق نہ تھا۔ یہ تو وہ کہانیاں ہیں جو حضور کے اعلان لائق کے بعد گھڑی گئیں ہیں۔ حضور کے کسی وکیل و سفیر و کارکن کو جاننے والا کوئی نہ تھا۔ ہم نے اپنی کتاب ”نظام ہدایت و تقلید“ میں باقاعدہ کافی کی احادیث کا ہر پہلو سامنے لا کر دکھایا ہے کہ نوابین اربعہ اور سفراء والا قصہ ایک فراڈ ہے۔ حدیث سے حضور کا پورا نظام تو ملتا ہے مگر ان چاروں مصنوعی و مشہور ناموں کا کہیں نشان تک نہیں ملتا۔ جو عالم یا عامی ان کے نائب ہونے کا ذکر کرے اس سے ایک حدیث طلب کرو انشاء اللہ اس کا منہ آئندہ کے لئے بند ہو جائے گا۔ حدیث میں امام آخر الزمان علیہ السلام کا یا ان کے والد امام حسن عسکری علیہ السلام کا یہ بیان طلب کرو کہ:

”میں نے فلاں فلاں شخص کو اپنا نائب مقرر کیا ہے یا فلاں فلاں شخص امام آخر الزمان علیہ السلام کا نائب ہے۔“

ایسا بیان قیامت تک اُسے نہ ملے گا۔ تک بندی آپ منظور نہ کریں۔ متروک و مطروک و علما کا اپنا بیان قابل قبول نہیں ہے۔ اس طویل بیان میں مجتہدین ہی کے قلم سے ان کا اختلاف اور برسر باطل ہونا خود اپنی تردید و رد و ابطال کرنا دیکھا جا چکا ہے۔ ابن جنید کی مذمت اور مدح سرائی ایک فریب ہے۔ دراصل وہ بالواسطہ نظام اجتہاد کو منوانا چاہتے ہیں اور وہ قرآن سے واضح الفاظ میں باطل ہے۔ ہر وہ حکم و حاکم باطل ہے جو قرآن میں مُنَزَّل من اللہ نہ ہو اور جو قرآن کے الفاظ میں حکم نافذ نہ کرے۔ (مانندہ 47 تا 44/5)

(وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ، الظَّالِمُونَ، الْفَاسِقُونَ) آخر میں ہم پھر ابن جنید کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ انہیں عزا داری کے صدقہ میں بخش دے۔ آمین۔

(ح) منتخب التواریخ کی رو سے بھی ابن جنید اور ابن ابی عمیر شیعوں میں پہلے مجتہد تھے جنہوں نے اجتہاد کی بنیاد رکھی

ہم نے یہ سمجھتے ہوئے کہ مذہب شیعہ میں اجتہاد اور اصول فقہ کو جاری کیا پھر بھی محمد بن احمد بن الجندی کے لئے دعائے خیر کی ہے۔ جس کا قبول کرنا اور قبول نہ کرنا اللہ اور امام علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن ہم نے یہ سوچ کر اپنے اچھے جذبات کا اظہار کرنا ضروری سمجھا کہ عزا داران محمد و آل محمد اور غم خواران امام حسین علیہ السلام اور ماتم داران شہدائے کربلا علیہم السلام اور پُرسہ دہندگان فاطمہ الزہراء اور زینب و کلثوم علیہن السلام کو معلوم ہو جائے کہ روز اول سے مجتہدین و محدثین یعنی اصولیین و اخباریین دونوں نے زنجیر کے ماتم اور سیدہ کو بی کو اور لجن و دردناک آواز میں مرثیہ خوانی کو حرام سمجھا حرام لکھا ہے۔ البتہ بارہ سو سال کے بعد چند ایسے مجتہد گزرے ہیں جنہوں نے رسوم عزا داری کے ہر پہلو کو نام بنام جائز لکھا ہے۔ اور ہم نے ان حضرات پر تفصیلی مضمون لکھا ہے۔

کہنا یہ ہے مجتہدین کا مسلسل ماتم و نوحہ خوانی کو حرام قرار دینا شیعہ مومنین کو نہ نوحہ و مرثیہ پڑھنے سے باز رکھ سکا اور نہ زنجیر و قمع اور پتھر یوں کے ماتم

سے روک سکا۔ اور ابن جنید اور جناب رضی رضی اللہ اور شیخ صدوق کے زمانے میں شیعوں کی جواذان جاری ہوئی تھی اُسے بھی روکنے کی مجتہدین نے برابر کوشش کی اور اذان میں شہادتِ ثالثہ یعنی اعلانِ ایمان بر خلافت بلا فصل کرنے والوں پر اُن ملائین نے لعنت جاری کرانے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ ہماری حدیث کی کتاب مَنْ لَا يَحْضُرُهُ الْفَقِيهَةُ فِي مَوْقِعٍ مَلْنٍ پُرَاضَانَهُ كَرَادِ يَأْوُرُ الصَّلَاةَ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ کی اجازت لکھوادی (صفحہ نمبر 78) چنانچہ دیکھ لو کہ عرصہ دراز سے ایران میں شاہِ ایران اور مجتہدین کے حکم سے اذان میں سے ”خَلِيفَتُهُ بِلَا فَصْلٍ“ ساقط کر دیا گیا تھا۔ اور اب جبکہ وہاں باطل پرستوں کا امام خمینی شیعہ نقاب میں اسلامی یا شیعی انقلاب کا دعویٰ کر رہا ہے اذان کو برابر باطل رکھا ہے۔ چونکہ وہ بھی دشمنانِ اہلبیت والا ایمان رکھتا ہے اور ہرگز حقیقتِ مذہب کو سامنے نہیں لانا چاہتا ہے۔ اور نہیں سوچتا کہ جب وہ علی علیہ السلام کے بلافاصلہ خلیفہ ہونے کے اعلان کو پسند نہیں کرتا تو اُسے کس بنیاد پر شیعہ سمجھا جائے؟

شیعہ اور سنی مذہب میں تو فرق ہی یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو پہلا خلیفہ مانتے ہیں اور قریشی خلفا کو غاصب و غادر و خائن اور جہنمی سمجھتے ہیں اور خمینی کے سنی ہونے کی سب سے بڑی، عملی اور روزانہ مشاہدے میں آنے والی یہ حقیقت ہے کہ وہ ابنِ زبیر اور حجاج والے اسلام کی پیروی میں روزانہ شیعوں کو قتل کرانا چلا آ رہا ہے اور ہزاروں مُجانبِ اہلبیت کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے ہزاروں شیعہ عورتوں کو بیوہ اور معصوم بچوں کو یتیم کر چکا ہے (خدا اس پر اور اُس کے طرفداروں پر لعنت کرے) ابن جنید، ایسے ملائین مجتہدین سے ہزار درجہ بہتر تھا۔ اس کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے نظامِ اجتہاد کو اختیار کیا اور نتیجہ میں خمینی ایسے مجتہد میدان میں آ گئے۔ اس کا ثبوت دوبارہ ایک ایسی تاریخ سے ملاحظہ ہو جو ایران میں شیعوں نے تیار کی تھی اور جس کی ہر بات تمام ایرانی شیعوں کو صحیح ماننا ہوگی۔ جو ماڈرن زمانہ (1349 ہجری) میں لکھی گئی تھی۔ مورخ لکھتا ہے کہ:

”الْفَقِيهَةُ النَّبِيَّةُ ابُو عَلِيٍّ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ جَنِيْدِ الْبَغْدَادِيِّ الْمَلَقَبُ بِالْكَاتِبِ الْمَشْتَهَرِ بِالرَّسَاكِنِيِّ صَاحِبُ كِتَابِ تَهْذِيْبِ الشِّيْعَةِ لِأَحْكَامِ الشَّرِيْعَةِ كَمَا مَشْتَمَلُ اسْتِ بَرَعْدَهُ اَزْ كِتَابِ فُقَهِيَّةِ اسْكَافِ اَزْ نَوَاحِي نَهْرِ وَا نْ اسْتِ وَا بَيْنَ نَهْرِ وَا نْ وَا بَصْرَةَ وَا نْ اسْتِ وَا وَاوَّلُ كَسَمِ بُوْدُ كَمَا اسَاسِ اِجْتِهَادِ رَا تَا سِيْسِ نَمُوْدُ دِرَاحِمِ شَرِيْعَةٍ وَا جَنَابِ حَسَنِ بْنِ اَبِي عَقِيْلِ الْعَمَانِيِّ هَمَّ مَتَابَعَتِ كَرْدِ اِيْشَا نْ رَا وَا زْ اسْكَانِي وَا عَمَانِي فُقَهَاءٌ تَعْبِيْرٌ مَيْكُنْدُ بَعْدَ يَمِيْنِ“

ترجمہ: ”تنبیہات کرنے والے فقیہ تھے، کنیت ابو علی تھی نام محمد بن احمد بن جنید تھا؛ لقب کاتب تھا اور اسکانی سے شہرت پائی یہ ایک قصبہ ہے اسکان نام کا جو نہروان اور بصرہ کے درمیان واقع ہے۔ اُن کی بہت سی کتابوں میں سے ایک کتاب کا نام تہذیب الشیعہ ہے۔ وہ اولین شخص ہیں جنہوں نے اجتہاد کی بنیاد رکھی اور اُسے مستحکم کیا اور شریعت کے احکام کو اسکے ماتحت رکھا حسن بن ابی عقیل نے بھی پیروی کی ان دونوں کو دو قدیم فقیہ کہا جاتا ہے۔“

(15-ہ) سنی شیعہ مجتہدین کے چند بنیادی مسلمات پر متوجہ رکھنے کے لئے ہمارے چند بنیادی اعتراضات و سوالات و جوابات

پہلی اور اہم ترین بات: اجتہاد کو راہنما بنانے کے لئے سنیوں کے بابائے آدم ابو بکر و عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کو بہانہ بنا کر روز اول سے اجتہاد کے ذریعہ سے اسلام پر کھل کر عمل کرنا شروع کیا اور اجتہاد سے متعلق تجربات کرتے کرتے رفتہ رفتہ نہایت شاندار، قابلِ رشک بہترین اصول و قواعد بنائے تھے اور تین سو سال تک اپنے نظام کو خوب چلایا اور اپنے مخالف یعنی شیعوں کے لیڈروں کو خوب لپٹایا اور بہت سوں کو عملی طور پر اپنا ہمنوا بنا کر اُن کی مدد کی انہیں اپنا مبلغ بنایا جو شیعوں کے تصورات کو بدلتے رہنے کی قیمت و انعامات حاصل کرتے رہے۔ آئمہ معصومین علیہم السلام نے 255 ہجری تک ملتِ شیعہ کو شیعہ نما مجتہدین سے عملاً محفوظ رکھا لیکن اُن کے نظام کے تصورات پھلتے اور مشہور ہوتے چلے آ رہے تھے

اور اڑھائی سو سال کی مخالفانہ پروپیگنڈے کی محنت و کوشش سے وہ نفرت کم ہو چکی تھی جو ابوبکر و عمر و معاویہ نے اپنے ظالمانہ رویے سے پیدا کی تھی۔ ادھر جاں نثاران و فداکاران تحریک تشیع نے ملتِ شیعہ کو مصر و اندلس و دیلم اور عراق کی حکومتیں عطا کر دی تھیں چنانچہ شیعوں کے سیاسی لیڈر شیعہ حکمرانوں کے درباروں میں کرسی نشین ہو چکے تھے اور شیعہ حکمرانوں اور سیاسی لیڈروں کے سامنے دن رات بدلتے ہوئے حالات و تقاضات آ کھڑے ہوئے تھے اور ضرورت تھی کہ تمام مسائل کو شیعہ مذہب کی شریعت کے ماتحت حل کیا جائے۔ جس کے لئے نہ حکمرانوں کو نہ سیاسی لیڈروں کو معصوم شریعت اور قوانین پر ضروری و متعلقہ معلومات حاصل تھیں اور نہ اتنی فرصت ہی حاصل تھی کہ معصوم امام سے مرکزی ہدایات ہی حاصل کی جائیں۔ لہذا جس طرح عمر نے مفتوحہ ممالک کو انکے اپنے قدیم سے چلے آنے والے قوانین پر برقرار رکھا تھا۔ اسی طرح ان جدید شیعہ حکومتوں نے بھی مصر و اندلس و دیلم و عراق میں قریشی حکومتوں کے قوانین کی تصدیق کر دی اور چاہا کہ مملکت کے لئے شیعہ علماء اور امام سے مدد لی جائے۔ چنانچہ موٹے موٹے سربراہان و علماء مثلاً ابن جنید و ابن ابی عمیر وغیرہ کو درباروں میں کرسیاں اور مسندیں عطا کی گئیں، وظائف و تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ یہ بھی قریشی حکومتوں کی نقل و پیروی میں کیا گیا؛ اور امید کی گئی کہ یہ علماء حکومت کی ضرورتوں اور تقاضوں کے لئے آئمہ علیہم السلام اور قرآن سے قوانین کے ضابطے تیار کر کے دیں گے۔

اب یہ کام ان علماء اور سیاسی لیڈروں کا تھا کہ وہ دو سو پچاس سال میں تیار شدہ ریکارڈ کی ہزاروں کتابوں سے مدد لیتے۔ اور حکومت کیلئے ہر مسئلے کا سو فیصد معصوم قانون تیار کر کے دیتے۔ ظاہر ہے کہ یہ علماء وہ لوگ تھے جو احادیثِ معصومین اور شیعہ ریکارڈ کا مطلوبہ علم نہ رکھتے تھے۔ ورنہ پیدا شدہ ضرورت کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیتے۔ اور یہ کہ یہ وہی لوگ تھے جو شیعوں میں گھلے ملے رہنے کی حد تک شیعہ علوم سے واقف تھے۔ اور یہ کہ انہیں امام عصرؑ جناب حسن عسکری علیہ السلام سے بھی ربط و ضبط و خلوص حاصل نہ تھا۔ یعنی یہ علماء کی وہی جماعت تھی جو ملتِ شیعہ میں نظامِ اجتہاد کو جاری کرنے اور ابوبکر و عمر کے جاری کردہ اور بعد میں ترقی یافتہ اجتہادی قوانین میں مہارت حاصل کرتی رہی تھی۔ لہذا اس جماعت نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا طے کر لیا اور طریقہ اجتہاد سے حکومتوں کا کام چلانا طے کر لیا اور حکومتوں اور شیعہ عوام نے سمجھا کہ یہ علماء ضرور معصوم امام کے طرز حکومت پر عمل کر رہے ہیں۔ یہی زمانہ تھا کہ بارہویں امام علیہ السلام نے (جس کا نہ انہیں علم تھا نہ ان سے رابطہ تھا) اپنے وجود اور غیبت کا اعلان کر دیا تاکہ ناپسندیدہ شیعہ علماء و عوام اور حکومتوں کو اور سنی رعایا اور قریشی حکومتوں کو معلوم ہو جائے کہ امام معصوم علیہ السلام نے ان سے قطع تعلق کر لیا ہے تاکہ وہ شیعوں کے نام نہاد علماء کے بنائے ہوئے قانون کو امام سے منسوب نہ کر سکیں۔ اب شیعہ علماء نے بھی امام علیہ السلام کی غیبت اور قطع تعلق کو اسی طرح بہانہ بنا لیا جس طرح وفاتِ نبیؐ پر ابوبکر و عمر اور قریشی لیڈروں نے بہانہ بنایا تھا اور وہی کچھ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا جو انھوں نے کہا تھا یعنی یہ کہ:

”ہم پر وفاتِ نبیؐ سے یا غیبتِ امام سے علم کے دروازے بند ہو گئے۔ رابطہ ختم ہو گیا۔ اب ہم اس کے سوا کیا کر سکتے ہیں کہ قرآن و حدیث کو اپنے موجودہ علم و بصیرت سے استعمال کریں اور عقل و مشاورت اور اجماع سے یعنی اجتہاد سے اسلامی فیصلے کر کے روزمرہ پیش آنے والی مسلمانوں کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرتے رہیں۔ ہم رسول یا امام کی طرح معصوم نہیں نہ حقیقتِ واقعی پر مطلع ہیں۔ نہ حقیقتِ واقعی تک رسائی کا ذریعہ موجود ہے۔ لہذا اپنے فیصلوں میں انتہائی جدوجہد کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ جب ہم نے عقل و بصیرت و تجربات و عقلی قوانین کو آخری مقام تک استعمال کر کے وہ فیصلہ اجتماعی حیثیت سے طے کر لیا ہے جو انسانی کثرت کے لئے مفید ترین ہو تو ہماری وسعتِ علم یہاں ختم ہو گئی اور جو وسائل ہمیں دیئے گئے تھے انہیں ہم نے پوری طرح استعمال کر لیا اور اس طرح اللہ کے اس قانون کو پورا کر دیا کہ:

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ 2/286) لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا اتَّهَبَا (طلاق 65/7)

”ہر ذی حیات اپنی وسعت اور عطا شدہ وسائل کو استعمال کرنے کی حد تک ذمہ دار ہے۔“

لہذا اجتہاد کے بعد ہم بری الذمہ ہو گئے اور ہمیں اُمید ہے کہ اللہ ورسول نے ہماری عقل و بصیرت و علم و تجربہ کو برسر کار رکھنے اور ترقی دینے کے لئے جو جو مسائل بیان کرنے سے چھوڑ دیئے تھے وہ ہماری رسائی کے انتہائی حدود کے مطابق ہوں گے اور وہ وہی ہوں گے جو ہم نے مکمل جدوجہد یا اجتہاد کے بعد حاصل کئے ہیں۔ لہذا وہ احکام اور فیصلے اللہ ورسول کے فیصلے ہوں گے اور ان پر ہمیں اور تمام نوع انسان کو عمل کرنا واجب ہوگا اور عمل کرنے والوں کو اللہ کی طرف سے حسب وعدہ اجر دیا جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری کوشش میں خامی رہ جائے اور ہم حقیقی حکم حاصل نہ کر سکیں تو (بقول مفتی و مجتہد جعفر حسین) ”ہمارے حاصل کردہ حکم کی حیثیت حکم ظاہری کی ہوتی ہے جو حکم واقعی کا بدل ہوتا ہے اور ایسی صورت میں حکم واقعی کے چھوٹ جانے پر مجتہد معذور قرار پاتا ہے۔ کیونکہ اُس نے اس دریائے ناپید اکنار میں غوطہ لگانے اور اُس کی تہ تک پہنچنے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی مگر اس پر کیا اختیار کہ دُر شاہوار کی بجائے خالی صدف (سچی) ہی اُس کے ہاتھ لگے۔ لیکن وہ یہ نہیں کہتا کہ دیکھنے والے اُسے موتی سمجھیں اور موتی کے ہواؤ بکے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوششوں کا پرکھنے والا (اللہ) اُس کی بھی آدھی قیمت لگا دے تاکہ نہ اُس کی محنت اُکارت جائے اور نہ اُس کی ہمت ٹوٹنے پائے۔“ (مفتی کا بیان صفحہ نمبر 128 خطبہ 18 ختم ہوا) چنانچہ اس حکم سے بہتر کوئی اور حکم اخذ کرنا نوع انسان کی وسعتوں اور وسائل سے باہر ہے۔ بہر حال جب ہمیں اس حکم کی مضرت یا غلطی کا علم ہوگا تو ہم پھر نیا اجتہاد کریں گے نیا حکم اخذ کر کے اُس کو نافذ کریں گے اور اس غلط حکم کو واپس لے لیں گے۔ نوع انسان پر واجب رہے گا کہ وہ دوسرا حکم ملنے تک صدق و خلوص سے سابقہ حکم پر عمل کرتی رہے اللہ اُسے بھی معذور سمجھ کر اجر و ثواب دے گا۔

اس مجتہدانہ بیان پر تمام شیعہ سنی مجتہدین کو فخر یہ تصدیق کرنا لازم ہے :

ہم یہاں یہ غپ مارنے پر سونی صدق بجانب ہیں کہ دنیا کے تمام مجتہدین ہم سے بہتر بیان نہیں دے سکتے۔ یعنی ہم نے اپنے استاد مجتہدین کا حق ادا کرتے رہنا بھی واجب سمجھا ہے۔

ہمارے اعترافات اور طرزِ عمل

اول: مجتہدین یا نظامِ اجتہاد قرآن کی مکمل تکذیب کرتے ہیں (انعام 6/66) یعنی قرآن کی سینکڑوں آیات (یوسف 12/111 وغیرہا) میں مذکور تفصیلات کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی اجتہاد کی بنیاد تکذیبِ قرآن پر رکھتے ہیں۔

دوم: وہ کونسی آیت یا آیات ہیں جن سے یہ معلوم ہوا کہ نبی کی وفات کے بعد یا امام کی غیبت کے بعد اللہ کی طرف سے اُمت پر یا نوع انسان پر علم کے دروازے بند ہو جائیں گے؟ اور رابطہ ختم ہو جائے گا؟ جب کہ سینکڑوں آیات سے اللہ کے علم اور رابطے بلا ناغہ جاری رہنے کا ثبوت موجود ہے۔

سوم: وہ کونسی آیت یا آیات ہیں جن میں تمہیں ساری نوع انسان کے لئے اُن کی ضروریات و تقاضوں کا فیصلہ کرنے اور اُن پر اپنا اخذ کردہ حکم نافذ کرنے کا حکم یا اجازت دی گئی ہے؟

چہارم: وہ کونسی آیت یا آیات ہیں جن میں تمہارے اجتہاد سے نکلنے والے حکم کو اللہ کا حکم قرار دیا گیا ہو؟ اور اُس حکم پر عمل واجب فرمایا گیا ہو اور

تمہیں اور دوسروں کو اُجڑ دینے کا وعدہ کیا گیا ہو؟

پہلے: وہ کونسی آیت یا آیات ہیں جن میں بتایا گیا ہو کہ ہم نے بعض احکام تمہاری عقل و بصیرت کی ترقی کے لئے چھوڑ دیئے ہیں؟
ششم: وہ کونسی آیات ہیں جن میں مطلوبہ مسائل کو حاصل کرنے کے لئے کسی ناپیدا کنارہ دریا میں غوطے لگانے کا حکم ہے؟ اور وہ دریا کس آیت میں ہے؟ یعنی تمہارے اصول اجتہاد، اصول فقہ، اصول حدیث اور اصولِ درایت اور منطق و فلسفہ قرآن میں کہاں ملتا ہے؟
ہفتم: وہ کون سی آیت ہے جس میں انسان کے کسی حکم کو دین کا حکم اور قابلِ اجر فرمایا گیا ہے؟

ہمارے سوالات

اول: ہم جہالت یا جاہلیت کے فیصلوں پر کیوں عمل کریں؟ یعنی اگر تم نے صحیح کہا کہ وفاتِ نبی یا غیبتِ امام کے بعد نوعِ انسان پر اللہ نے علم کے دروازے بند کر دیئے ہیں؟ تو تمہاری ساری جدوجہد و اجتہاد حصولِ جہالت کے لئے ہوگا۔ اس لئے کہ علم کے تمام دروازے، سوراخ اور راہیں بند ہیں۔ تو جو کچھ تم اپنے اجتہاد سے حاصل کرو گے وہ ایامِ جاہلیت کا قانون اور فیصلہ ہوگا۔ ہم اُس کی تعمیل کو صرف گناہِ کبیرہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ دینِ اسلام سے خارج ہو جانے کے لئے قرآن کا فیصلہ سمجھتے ہیں۔ (مائدہ 5/51)

دوم: اگر تم اپنے اجتہاد سے وہ احکام اخذ کرتے ہو جو اللہ و رسول نے بیان نہیں کئے؟ تو کسی انسان پر ایسے احکام کا ماننا لازم ہی نہیں ہے۔ اگر لازم و واجب و ضروری ہوتا تو اللہ و رسول ہرگز اُن کو بیان کرنے سے باز نہ رہتے۔ (خطبہ 18 جملے 7 تا 16) لہذا تم باطل پرست اور فریب ساز ہو۔

(15- و) اجتہاد اور مجتہدین کے لئے ”دوسری بنیادی بات“ حقیقت یہ ہے کہ رتبہ اور عزت و اعتماد میں مجتہدین کو نبی سے بڑھا دیا

دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے یہ حکم دیا کہ:

فَاَحْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ (عَنْ مَا عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ)..... (مائدہ 5/48) وَأَنْ أَحْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ وَاحْذَرَهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ..... (مائدہ 5/49) أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (مائدہ 5/50)

ہمارا قریشی نایب مجتہد ترجمہ عنوانات کے مطابق

”ان قریش اور اہل عرب مسلمانوں کے درمیان قرآن میں نازل شدہ احکام سے فیصلے نافذ کرو اور اُن کے اجتہاد کی پیروی نہ کرنا؛ جو تمہارے پاس آئے ہوئے حق کے خلاف اجتہاد کر رہے ہیں۔“ (5/48) ”اور یہ کہ قریشی مسلمانوں میں قرآن میں نازل شدہ احکام سے فیصلے کرتے رہنا اور اُن کے اجتہاد کی پیروی نہ کر لینا اور اُن سے ڈرتے اور اُن کے اجتہادی مشوروں سے بچ کر رہنا ایسا نہ ہو کہ اللہ کی طرف سے جو احکام تمہاری طرف نازل کئے گئے ہیں یہ مجتہدین تمہیں اُن احکام میں سے بعض سے اُلجھا کر ہٹالے جائیں۔“ (5/49) کیا یہ قریشی لیڈر اسلام کا اعلان ہو جانے سے پہلے والے ایامِ جاہلیت کے احکام چاہتے ہیں؟ بھلا سوچو تو سہی کہ ایک یقین کرنے والی قوم کے لئے اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ (5/50)

ظاہر ہے کہ ان تینوں آیات میں رسول کو اپنی یا قریش کی عقل و رائے و بصیرت و مصلحت اور اجتہاد سے باز رہنے اور ڈرنے اور بچ کر رہنے اور خالص قرآن کے الفاظ میں حکم اور فیصلہ دینے کی دوسری تہری تاکید کی ہے اور پتہ لگتا ہے کہ حضور ایک بڑے چالاک اور پتہ باز مجتہدِ گردہ میں گھرے

ہوئے تھے جو ہر وہ ممکن حیلہ و ترکیب کر رہے تھے کہ رسول کو قرآن کی پٹری سے اُتار کر اجتہاد کی چوکھی گاڑی میں بٹھا دیا جائے۔
 دوسرا حکم: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل 17/36) ”کسی ایسی چیز کو اپنا موقف نہ بناؤ جس کے متعلق تمہیں علم حاصل نہیں یا دیکھو کہ اُن تمام اعضا سے باز پرس کی جائے گی جو اجتہاد میں استعمال ہوتے ہیں جیسے کان جو مشورے سُنتے ہیں تجربات کو دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ آنکھیں، بصیرت و بصارت اور قلب و ذہن و حافظہ وغیرہ۔

آنحضرت کو کس کس موضوع کو بلا علم موقف بنانے سے منع کیا مودودی اپنی بازی خود مارتے ہیں

مودودی کی تشریح سُنئے وہ زوروں میں ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ کل کیا ہو جائے گا: قانونی زبان بول رہے ہیں۔

”اس دفعہ کا منشا یہ ہے کہ لوگ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں وہم و گمان (قیاس و رائے و اجتہاد نہیں لکھا۔ احسن) کے بجائے ”علم“ کی پیروی کریں۔ اسلامی معاشرے میں اس منشا کی ترجمانی وسیع پیمانے پر اخلاق میں، قانون میں، سیاست اور انتظامِ ملکی میں، علوم و فنون اور نظامِ تعلیم میں، غرض ہر شعبہ حیات میں کی گئی اور اُن بے شمار خرابیوں سے فکر و عمل کو محفوظ کر دیا گیا جو ”علم“ کے بجائے گمان (عربی کا لفظ ”قیاس“ کہنے سے بچ کر گزر رہے ہیں۔ احسن) کی پیروی کرنے سے انسانی زندگی میں رونا ہوتی ہیں۔ اخلاق میں ہدایت کی گئی کہ بدگمانی سے بچو اور کسی شخص یا گروہ پر بلا تحقیق کوئی الزام نہ لگاؤ۔ قانون میں یہ مستقل اصول طے کر دیا گیا کہ محض شے پر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ تفتیش جرائم میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ گمان پر کسی کو پکڑنا اور مار پیٹ کر نایا حوالات میں دے دینا قطعی ناجائز ہے۔ غیر قوموں کے ساتھ برتاؤ میں یہ پالیسی متعین کر دی گئی کہ تحقیق کے بغیر کسی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا جائے اور نہ مجرد شہادت پر انوفاہیں پھیلائی جائیں۔ نظامِ تعلیم میں بھی اُن نام نہاد علوم کو ناپسند کیا گیا جو محض ظن و تخمین اور لا طائل قیاسات پر مبنی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عقائد میں اوہام پرستی کی جڑ کاٹ دی گئی اور ایمان لانے والوں کو یہ سکھایا گیا کہ صرف اس چیز کو مانیں جو خدا اور رسول کے دیئے ہوئے علم سے ثابت ہو۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ نمبر 616، 617)

علامہ نے جو کچھ لکھ دیا وہ اُن کے مقاصد کی تائید کے لئے ہے مگر آخر میں انھوں نے یہ سوال پیدا کر دیا کہ صرف عقائد اور ماننے اور نہ ماننے ہی میں ”اللہ و رسول کے دیئے ہوئے علم“ کی شرط لگا کر انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ: 1_ اخلاق میں 2_ قانون میں 3_ سیاست میں 4_ ملکی انتظامات میں 5_ علوم و فنون اور نظامِ تعلیم میں اور زندگی کے باقی تمام شعبوں میں اللہ و رسول کے دیئے ہوئے قانون کی ضرورت کیوں نہیں ہے؟ اس طولِ طویل و لا طائل بیان کی جگہ اگر یہ کہہ دیا ہوتا تو کافی تھا کہ ”زندگی کے ہر شعبہ اور ہر معاملے اور ہر مسئلے میں اللہ و رسول کا دیا ہوا علم استعمال کرنا واجب ہے۔“ اور بس۔ اُنہیں ایسا کہتے ہی ابو بکر و عمر کو برسرِ باطل کہنا پڑتا۔

تیسرا حکم بھی اجتہاد سے باز رکھنے کے لئے دیا گیا ہے

قریشی لیڈروں نے قرآن کو قبول کرنے کے لئے یہ شرط لگائی تھی کہ اُس کی آیات کے مفاہیم کو عقلی، قومی اور ملکی مصالح اور تقاضائے وقت کے ماتحت اختیار کیا جائے یعنی جو مفہوم اختیار کیا جائے وہ نہ عقلی تقاضوں کے خلاف ہو نہ وہ قومی و ملکی مصلحتوں کو اُلٹتا ہو اور نہ ہی مختلف حالات و تقاضوں اور ضرورتوں کے خلاف ہونا چاہیے بظاہر یہ تجویز یا مطالبہ بڑا صحیح اور مفید معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے سے قرآنی احکام انسانی عقل و بصیرت کے ماتحت آجاتے ہیں۔ اور عقول انسانی کسی سانچے میں ڈھلی ہوئی نہیں ہیں اُن میں ہمیشہ اختلاف و تفاوت رہتا ہے اور رہتا چلا جائے گا اور اللہ کے احکام کی تفہیم میں اختلاف ہو جانا لازم رہے گا۔ اور اختلاف کرنے والے دونوں افراد کو یا گروہوں کو دونوں مختلف تفہیموں میں سے کسی

ایک کو حقیقی اور اللہ کا مفہوم سمجھنے اور دوسرے مفہوم کو سچ مچ غلط قرار دینے کا یقین نہ ہوگا اور دوسرے چار فریقے اور دو سے چار فریقے ہو جانے کا باطل سلسلہ جاری ہو جائے گا جو نظامِ اہلسنی یا اجتہاد کا حقیقی منشا ہے (ماندہ 91-90/5) وہ یہ ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ اہل ایمان میں بغض و عناد و اختلاف و تفرقہ ڈال کر انہیں برباد کر دے۔ بہر حال اللہ سے قریش کی پیش کردہ تجویز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو حکم دیا گیا تھا وہ قرآن سے سنیے:

وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا نَآئِبَاتٍ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا اَوْ بَدِّلْهُ، قُلْ مَا يَكُونُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهُ

مِنْ تِلْكَآيَاتِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبَعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿يونس 10/15﴾

”جب انہیں ہماری منہ بولتی آیات کی تلاوت سنائی جاتی ہے تو جن لوگوں کو ہمارے نظام کے نتائج دُور اُفتادہ اور ناقابل حصول معلوم ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ”یا تو کوئی دوسرا موزوں قرآن لے آؤ یا اگر اسے ہی رکھنا ضروری ہو تو ہر پیش آمدہ صورت حال کے لئے قرآن کے معنی و مفہام کو موزوں تبدیلی کے ساتھ نافذ کر دیا کرو۔ اللہ نے رسول اللہ سے جواب دلویا کہ اُن کو بتاؤ کہ میں تو اپنی طرف بھیجی جانے والی وحی کے لفظ بلفظ پیروی کرنے کے سوا اور کچھ اختیار نہیں رکھتا چنانچہ اپنی ذاتی عقل و بصیرت اور مصلحت سے میں قرآن میں کوئی تبدیلی کر ہی نہیں سکتا ہوں۔ مجھے یہ دہشت ہر وقت سامنے رکھنا ہوتی ہے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بہت خوفناک دن کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔“ (یونس 10/15)

قریش دنیاوی امور میں قرآن فہمی میں آزادی چاہتے تھے

اس آیت کی تشریح پر مودودی کی تشریحات میں سے چند جملے اس آیت کا مفہوم ذرا واضح صورت میں سامنے آجائے گا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

”اگر تم راہنمائی کے لئے اٹھے ہو تو کوئی ایسی چیز پیش کرو جس سے قوم کا بھلا ہو اور اُس کو دُنیا بُنی نظر آئے..... کیوں نہ ایسا ہو کہ دین کے مطالبات کا ایک مناسب دائرہ ہماری اور تمہاری رضامندی سے طے ہو جائے۔ اور اس میں ہم خدا کا حق ادا کر دیا کریں۔ اس کے بعد ہمیں آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جس طرح ہم اپنی دنیا کا کام چلانا چاہیں چلائیں؟“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ نمبر 272)

معلوم ہوا کہ قرآن میں تبدیلی محض دنیاوی مفادات کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی غرض سے تھی۔ اور انہوں نے جیسا کہ بار بار قرآن سے ثابت ہوتا رہا ہے، دنیا ہی کے لئے اسلام اختیار کیا تھا (آل عمران 3/152) اور آخر کار انہوں نے قرآن کے مفہام کو نظامِ اجتہاد و مشاورت سے تبدیل کر کے چھوڑا تھا۔ (فرقان 25/30) (انعام 6/66) اور آج تک جتنے قرآن شائع ہوئے سب میں الگ الگ اور مختلف معنی و مفہام کئے گئے ہیں۔ اور یہ سلسلہ برابر قیامت تک جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

چوتھا حکم۔ قرآن مکمل شریعت اور علم ہے چنانچہ اتباع و پیروی صرف قرآن یا شریعت یا علم کی ہوگی

مندرجہ بالا آیات ہی میں نہیں بلکہ پورا قرآن اللہ کے اس حکم کو بیان کرتا ہے کہ یہ رسول اور اس رسول پر ایمان لانے والے مومنین صرف اور محض وحی کی پیروی کریں گے۔ اور چونکہ قرآن وحیوں کا ذخیرہ ہے۔ لہذا قرآن کی پیروی وحی ہی کی پیروی ہے۔ پھر قرآن اللہ کی طرف سے عطا شدہ علم ہے لہذا اُس علم کی پیروی بھی وحی اور قرآن کریم ہی کی پیروی ہے اور کوئی انسان ساز ایسی چیز نہیں جس کی پیروی یا اتباع یا تقلید کسی انسان پر واجب ہو۔ اللہ کا حکم سنیے ارشاد ہوا ہے کہ:

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ إِنَّهُمْ لَنُغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ

بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ۝ هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ
اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝ (45/18 تا 21)

”اے رسول! ہم نے تمہیں ایک شریعت پر تخلیق کیا ہے جو عالمِ امر سے ہے (یعنی عالمِ تکوین سے نہیں ہے) چنانچہ تم اسی امری شریعت کی پیروی کرو اور کراؤ۔ اور ان لوگوں کے اجتہاد کی پیروی نہ کرنا جو ہماری طرف سے عطا کردہ علم سے جاہل ہیں۔ یاد رکھو کہ آخرت میں وہ لوگ اپنے اجتہادی عذرات سے تمہیں اللہ کے سامنے بری الذمہ نہ کر سکیں گے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کو لفظ بلفظ خالص طور پر نافذ نہ کرنے والے (ظالمین کے قرآنی معنی۔ ماخذہ 5/45) لوگ تو اپنی آپس کی بنائی ہوئی ولایت کی بنا پر ایک دوسرے پر حکمران ہیں اور اس دباؤ کی بنا پر اجتہاد کرتے ہیں۔ لیکن ذمہ دار و پرہیزگار لوگوں کا حقیقی اور ہمدرد حاکم و حکمران تو اللہ ہی ہے۔ یہ قرآن تو تمام نوع انسان کے لئے بصیرت و بصارت کا ذخیرہ ہے اور ایک پُر یقین قوم کے لئے سراسر ہدایت اور رحمت ہے۔ کیا جن لوگوں نے بُرائیوں کی افزائش کے لئے اپنے مجتہدانہ آلات سے عملِ جراحی کیا ہے اُن کے حساب سے ہم انہیں اُن لوگوں جیسا بنا دیں گے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کی پابندی کی ہے؟ بہت ہی ناہنجار ہے جو فتویٰ اور حکم وہ صادر کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے (مضارع)۔“

مجتہدین کی پیروی سے روکنا مودودی نے بھی مان ہی لیا ہے: یہاں آیت (جاثیہ 45/19) کی تشریح میں علامہ مودودی نے مان لیا ہے کہ ان آیات (جاثیہ 20 تا 45/18) میں مجتہدین ہی کی بات ہو رہی ہے۔ سُنئے فرماتے ہیں کہ: ”24 یعنی اگر تم انہیں راضی کرنے کے لئے اللہ کے دین میں کسی قسم کا رد و بدل کرو گے تو اللہ کے مواخذہ سے وہ تمہیں نہ بچا سکیں گے۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ نمبر 587)

ثابت ہوا کہ یہاں آیت (45/18) میں لفظ ”اَهُوَاءَ“ کے معنی ”اجتہاد“ ہی ہیں اور لفظ ”الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ“ کے معنی ”مجتہد لوگ“ ہیں۔ اور یہ اس لئے بھی سو فی صد درست ہے کہ مجتہدین اپنے اجتہاد کرنے کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ:

”وفات نبی اور غیبتِ امام سے علم کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔“ یعنی اب مجتہد حضرات وہ لوگ ہیں جو حصولِ علم سے مایوس اور بے بہرہ ہیں۔ لہذا ایسے ہی لوگ تو ”الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ“ کہلانے کے صحیح مستحق ہیں۔

مجتہدین اور قرآن کی تصدیق سے ”الْعِلْمُ“ وہ علم ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء عطا فرمائیں

آئندہ ہمارے قارئین جس چیز کو علم قرار دیں پہلے یہ دیکھ لیں کہ آیا وہ چیز تعلیماتِ انبیاء علیہم السلام میں سے ہے یا نہیں قرآن کا بیان سُنئے:

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا اِنْ تَسْبَحُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ اٰجْمَعِينَ ۝ (انعام 148-149)

مودودی ترجمہ: ”ان سے کہو کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم تو محض گمان (ظن) پر چل رہے ہو، اور زری قیاس آرائیاں کرتے ہو۔ پھر کہو (تمہاری اس جُت کے مقابلے میں) حقیقت رس جُت تو اللہ کے پاس ہے، بے شک اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ نمبر 595-596)

یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ ہر وہ بات علم و ہدایت کی ضد ہوتی ہے جو ”ظن و قیاس“ کی پیداوار ہو۔ اور قریشی مومنین کا ظن اور قیاس پر عمل کرنا بلکہ جاہلیت والے ظن و قیاس پر عمل کرنا اور خود اللہ کی شان میں ظن و قیاس کرنا قرآن کی سینکڑوں آیات (آل عمران 154 - 3/152) سے ثابت ہے۔

یا نچواں حکم۔ نبیؐ کو مجتہدین سے الگ رہنے اور اجتہاد کی مہلت دینے کا حکم بھی دیا گیا۔ ساری دنیا کے قیاسی اور ظنی فیصلوں کو گمراہ کن قرار دیا قرآن کو مفصل بتایا گیا: ہم یہ دکھاتے چلے آ رہے ہیں کہ رسولؐ کو اللہ نے ظن و قیاس و خرص اور ذاتی بصیرت سے فیصلے کرنے اور احکام نافذ کی قطعاً اجازت نہیں دی بلکہ آنحضرتؐ کو اجتہاد سے اور اجتہاد کے ان ذرائع سے اور مجتہدین سے اور مجتہدین کے اجتہادی فیصلوں سے الگ رہنے کے سینکڑوں احکام دیئے جن میں سے ہم صرف پانچ احکام پر اس عنوان (15- و) کی ضرورت پوری کر رہے ہیں تاکہ ان احکام کا دوسرا اور دلچسپ (لطیفہ) پہلو سامنے لایا جا سکے لہذا اب آپ اللہ کے احکام اور بیانات سنئے اور باقی حقائق کے ساتھ ساتھ یہ دیکھئے کہ اللہ کے نزدیک ساری نوع انسان کا اجتماعی یا جماعی فیصلہ بھی باطل ہو جاتا ہے اگر اُس فیصلے کی بنیاد ظن و قیاس و عقل و رائے وغیرہ پر ہو۔ فرمایا گیا کہ:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا؛ وَلَوْ شَاءَ رَبِّكَ مَا فَعَلُوهُ قَدْ رُفِعَ لَهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرَوْهُ وَيَقْتِرُوا مَا هُمْ مُقْتِرُونَ ۝ أَفَعَيَّرَ اللَّهُ ابْنَعِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَإِنْ تُطِيعُوا أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ (انعام 117 تا 122/6)

”اور اے محمدؐ ہم نے تو ان قریش ہی کی طرح انسانی شیطانوں کو اور جناتی شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنا کر رکھا ہے۔ وہ دونوں قسم کے دشمن شیاطین آپس میں ایک دوسرے کو وحی کرتے رہتے ہیں اور انسانوں کو سجا کر دھوکا دینے کی باتیں آپس میں ایک دوسرے کو بتاتے رہتے ہیں۔ اور تیرے رب کی مشیت اگر نہ ہوتی تو وہ انسانوں کو فریب نہ دے سکتے تھے۔ چنانچہ آپ ان جناتی اور انسانی شیطانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو تا کہ وہ آزادی سے اپنی مجتہدانہ ایجادات کرتے اور قوم کو دھوکا دیتے رہیں۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل ان کے منصوبے کی طرف مائل ہوتے اور ان کی اسکیم پر خوش ہوتے رہیں۔ اور جو نتائج وہ قومی حکومت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں حاصل کر لیں۔ تب رسولؐ نے قریشی نظام کے راہنماؤں کو جواب دیا کہ کیا میں اللہ کے علاوہ بھی کسی کو حکم دینے والا یا فیصلہ کرنے والا پسند کر لوں؟ جب کہ اللہ وہی تو ہے جس نے تمہاری طرف احکام اور فیصلوں کی یہ مفصل کتاب نازل کر دی ہے۔ اور اس پر اللہ نے رسولؐ سے فرمایا کہ جن لوگوں کو ہم نے درحقیقت یہ مکمل کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ حق مجسم کی صورت میں تیرے پروردگار نے نازل کی ہے۔ چنانچہ اے رسولؐ تم آیات کے معنی نچوڑنے والوں سے الگ رہو۔ تمہارے رب کی بات سچائی اور عدل کے ساتھ مکمل ہو چکی ہے۔ کوئی اُس کے قرآنی کلمات کو تبدیل کر سکنے والا ہے ہی نہیں۔ اور وہ خود بھی سماعت و علم کا مالک و خالق ہے۔ اور اے محمدؐ اگر تم ساری زمین پر آبدنوع انسان کی کثرت کے اجتماعی فیصلوں کی اطاعت کرنے لگو تو وہ کثرت تمہیں اللہ کے راستے اور طریقے سے گمراہ کر کے چھوڑے گی وہ تو سب کے سب ظن کی پیروی کرتے ہیں اور قیاسات پر اپنے فیصلوں کی تعمیر کرتے ہیں۔ درحقیقت تمہارا پروردگار زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کے راستے اور طریقے سے گمراہ ہو گیا ہے اور ہو جائے گا۔ اور کون ہدایت پا چکا ہے اور پائے گا۔“

اس عنوان (15- و) میں مذکور چند ہی آیات سے اجتہاد اور اجتہاد کے آلات، عقل و ذاتی بصیرت و تجربہ، ظن و تخمین و قیاس و خرص کو دینی فیصلوں اور احکام کے لئے باطل کر دیا گیا ہے اور یہ طے ہو گیا کہ خود آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کسی حال میں اجتہاد کرنے کی یا مجتہدین سے

تعاون کرنے کی سختی سے ممانعت کی جاتی رہی ہے۔

(15- ز) آنحضرتؐ نے حکم خداوندی کی تعمیل میں کبھی اجتہاد یا آلات اجتہاد یعنی رائے و قیاس و ظن سے کوئی حکم یا فیصلہ صادر نہ کیا

یہاں چند احادیث سے یہ دکھانا ہے کہ شیعہ و سنی ریکارڈ میں یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ نے نہ صرف یہ کہ اجتہاد و رائے اور قیاس و ظن سے کام نہیں لیا بلکہ اُن سے کام لینے کی مذمت کی ہے اور حضورؐ کی یہ مذمت اُن کے زمانہ کے تمام صحابہ و عوام کو معلوم تھی اور ابو بکر و عمر نے اس ممانعت اور مذمت کے باوجود نظام اجتہاد کو اختیار کیا تھا اور اپنے مجتہدانہ فیصلوں سے اللہ کے واضح احکام کو معطل اور منسوخ کیا تھا۔

بخاری میں اجتہاد و رائے و قیاس کی ممانعت اور مذمت پر اقوال رسولؐ

چنانچہ خود عمر کا بیٹا عبداللہ ابن عمر اس سلسلہ میں سب سے بڑا گواہ آج تک کھڑا بیان دے رہا ہے اور کوئی نہیں سنتا اس لئے کہ یہ بیان پوری قریشی قوم اور اس کے عظیم الشان راہنما کے خلاف ہے اور قریش کی تمام کوششوں پر پانی پھیرتا اور رسولؐ کی حمایت کرتا ہے۔

علامہ محمد اسماعیل بخاری قریشی مذہب کا سب سے بزرگ مسلم محدث اجتہاد کا دشمن ہے

علامہ محمد اسماعیل بخاری کا باشندہ اہلسنت کے تمام فرقوں میں تمام محدثین سے بزرگ اور سو فیصد قابل اعتبار اور دشمن اہلبیتؑ سمجھا اور مانا گیا اور اُس کی کتاب صحیح بخاری کو منفقہ طور پر نہ صرف صحیح تسلیم کیا گیا ہے بلکہ اس کا مقام و درجہ قرآن کے بعد دوسرا رکھا گیا ہے۔ یعنی جو کچھ علامہ بخاری نے صحیح بخاری میں لکھا ہے وہ قرآن کی طرح صحیح ہے۔

حدیثوں کو چھوڑیے بخاری کا تو عنوان ہی نظام اجتہاد و آلات اجتہاد کو تباہ کرتا ہے

چنانچہ علامہ بخاری نے اپنی صحیح میں یہ عنوان قائم کیا ہے:

عنوان: بَابُ مَا يُدَكَّرُ مِنْ دَمِ الرَّأْيِ وَ تَكْلُفِ الْقِيَاسِ وَ قَوْلِ اللَّهِ "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ" (بنی اسرائیل 17/36)

”یہ وہ باب ہے جس میں قیاس و رائے کی مذمت کی جائے گی اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس موضوع پر تجھے علم خداوندی حاصل نہیں اُسے اپنا موقف نہ بنالینا“

اس باب کی موجودگی (بخاری پارہ نمبر 29) کے بعد اگر محمد اسماعیل ایک بھی حدیث نہ لکھتے تب بھی نظام اجتہاد باطل ثابت تھا۔ مگر انہوں نے تو اسلام میں اجتہاد کے بانی مبنائی کے بیٹے ہی کو عمر کے خلاف یہ کہتا ہوا دکھا دیا کہ:

”رسول اللہ نے فرمایا کہ تمہیں ایک مرتبہ علم دے کر اللہ اُس علم کو تم سے باقاعدہ مجد انہ کرے گا جب تک کہ وہ تم سے، علما کو مع اُن کے علم کے مجد انہ کر لے۔ چنانچہ علما کے جدا کر لئے جانے کے بعد ایسے جہلا باقی رہ جائیں گے وہ فتویٰ پوچھنے والوں کو اپنی رائے سے فتویٰ دیا کریں گے یوں خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا کریں گے۔“

(فَيْبِقِي نَاسٌ جُهَالٌ يُسْتَفْتَوْنَ فَيَفْتَوْنَ بِرَأْيِهِمْ فَيَضِلُّونَ وَيُضِلُّونَ)

آگے راوی عروہ کہتا ہے کہ میں نے یہ حدیث عائشہ سے بیان کی انہوں نے کہا کہ اے بھانجے عبداللہ ابن عمر کے پاس اب پھر جا اور اس سے کہہ کر اس حدیث کو میرے لئے دوبارہ تصدیق کرا کے آجا۔ چنانچہ میں عبداللہ بن عمر کے پاس آیا اور عائشہ کی طرف سے تصدیق چاہی تو ابن عمر نے حدیث کو بالکل اسی طرح ان ہی الفاظ میں دوہرا دیا میں نے آکر عائشہ کو سنا یا تو عائشہ نے بڑی حیرت سے کہا کہ یقیناً

عبداللہ نے سو فیصد حدیث کو حفظ کیا ہوا ہے۔“ (بخاری پارہ نمبر 29 کتاب اعتصام)

یہ سوال اٹھانے اور اس کا جواب دینے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ جواب خود اس حدیث میں تاریخ سے ثابت شدہ موجود ہے۔ یعنی رسول اللہ نے اپنے بعد جن لوگوں کو چھوڑا تھا ان میں سے ایک گروہ قریش تھا اور وہ برابر موجود رہے، حکومت قائم کی، بلا مزاحمت احکام و فتاویٰ صادر کئے جو نافذ العمل رہے اور رہتے چلے آئے۔ دوسرا گروہ خاندان رسول اور ان کے ہمنواؤں کا۔ ان کے فتاویٰ و احکام کو قانونی طور پر جاری نہ ہونے دیا گیا۔ اور آج تک جاری نہیں ہیں۔ یعنی جو علماء اللہ نے الگ کر لئے وہ قریش تو ہونے نہیں سکتے اور اسی قدر کافی ہے۔ پھر عمرو ابو بکر کے تمام فتاویٰ بقول ان کے، ان کی رائے کے ماتحت تھے اور خود کہتے تھے کہ اگر ہمارے احکام و فتاویٰ غلط ہیں تو ہمارے اور شیطان کے فتاویٰ ہیں۔ (سنی فقہ) یعنی قریش کے تمام خلفا اور نام نہاد علماء بقول عبداللہ بن عمر اور رسول کے فرمان سے جہلا یا بھٹال تھے اور وہی رائے اور اجتہاد سے فیصلے اور احکام نافذ کرنے کے برزے حدیث مجرم اور گمراہ اور گمراہ کنندہ بھی ہیں۔

بخاری ہی میں قریشی علمائے حاشیوں اور نوٹس میں ابو بکر و عمر کو بچانے کے لئے حدیث کو بے اثر کیا ہے

اب یہ دیکھ لیں کہ مندرجہ بالا حدیث کی زد سے ابو بکر و عمر اور دیگر قریشی مجتہدین کو بچانے کے لئے علامہ حافظ الشیخ الحدیث احمد علی سہارنپوری نے اس حدیث پر یہ حاشیہ لکھ دیا:

”5 قولہ“ اس کا یہ قول کہ اس باب میں رائے کی مذمت ہے۔“ اس سے مراد وہ رائے ہے جو کتاب اور سنت اور اجماع پر منحصر نہ ہو وہ رائے مذموم ہے۔ رہ گئی وہ رائے جو ان تینوں اصولوں پر مبنی ہو وہ قابل حمد و ثنا ہے۔ اور اسی کو اجتہاد کہتے ہیں۔ اور اس کا قول قیاس کی مذمت کے متعلق اس سے مراد وہ قیاس ہے جو مذکورہ اصول پر منحصر نہ ہو تو وہ ظن ہوتا ہے قیاس نہیں ہوتا اور ظن کو رد کیا گیا ہے۔ رہ گیا وہ قیاس جو مندرجہ بالا اصول، کتاب سننہ اور اجماع پر منحصر ہو وہ مذموم نہیں ہے اور وہ کتاب اور سنت اور اجماع کی طرح چوتھی اصل (بنیاد) ہے جو سابقہ تینوں اصولوں سے مستنبط ہے۔ اور قیاس دراصل اعتبار ہی کو کہتے ہیں اور اعتبار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:- ”فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ“ چنانچہ قیاس حجج خدا ہے۔“ (ایضاً بخاری مطبوعہ نور محمد صفحہ نمبر 1086 پارہ 29)

اس حاشیہ کو بحسنہ مان لیجئے اور طے کر لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی مذکورہ بالا حدیث بے کار و بے اثر کر دی گئی۔ اور اجتہاد کی گاڑی بلا رُکے چلتی رہی۔

بخاری کی طرح آئمہ معصومین کی احادیث بھی اجتہاد و آلات اجتہاد کو تباہ کرتی ہیں

یہی حال شیعہ یلیل کے مجتہدین نے آئمہ معصومین علیہ السلام کی احادیث کا بنایا لہذا پہلے بطور نمونہ ایک حدیث دیکھئے۔ پھر شیعہ مجتہد کا جواب سنئے اس کے بعد ہماری دوہری تنقید کا نمبر آئے گا۔ ہم حدیث کی عربی بھی لکھیں گے۔ اور حدیث کا فارسی ترجمہ لکھیں گے۔ جو ایک زبردست شیعہ عالم علامہ آیت اللہ الحاج الشیخ محمد باقر الکریمی نے پوری کافی کا کیا ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح بخاری کے حاشیہ مذکورہ میں شیخ محدث احمد علی نے ”رائے“ کو اجتہاد دکھا ہے اسی طرح یہ آیت اللہ بھی رائے کو اجتہاد لکھتے ہیں۔ پھر ہم اردو ترجمہ لکھیں گے تاکہ ہمارے قارئین کے سامنے صورت حال واضح ہوتی چلی جائے:

حدیث معصوم:

”حدثنی جعفر عن ابيه عليه السلام أَنَّ عَلِيًّا صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ قَالَ: مَنْ نَصَبَ نَفْسَهُ لِلْقِيَاسِ لَمْ يَزَلْ دَهْرَهُ فِي النَّبَاسِ وَمَنْ دَانَ اللَّهُ بِالرَّأْيِ لَمْ يَزَلْ دَهْرَهُ فِي ارْتِمَاسٍ قَالَ: وَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ أَفْتَى النَّاسَ بِرَأْيِهِ فَقَدْ دَانَ اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ وَمَنْ دَانَ اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فَقَدْ ضَادَّ اللَّهَ حَيْثُ أُحِلَّ وَحَرَّمَ فِيمَا لَا يَعْلَمُ۔“
(اصول کافی جلد اول کتاب فضل العلم باب البدع والرای والتقایس)

فارسی ترجمہ: علی (ع) فرمود ہر کہ خود برابرے و قیاس واداشت ہمیشہ عمرش در اشتباہ است و ہر کہ برائے واجتہاد برائے خدا دینداری کند ہمیشہ عمرش در لجن غوطہ و راست امام باقر فرمود ہر کہ برائے خود بمردم فتویٰ دھد ندانستہ خدا را دین داری کردہ و ہر کہ ندانستہ دین داری کند با خدا ضدیت کردہ برائے آنکہ انچہ را نمیداند حلال و حرام کردہ است۔“ (ایضاً کافی)

ہمارا اردو ترجمہ: ”امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد حضرت محمد باقر علیہ السلام کی زبانی سنایا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: ”جو کوئی اپنے آپ کو قیاس کے حوالے کر دے وہ ساری عمر شریعت کو مختلف لباس پہنا کر یعنی میک اپ (Make up) پیش کرتا رہیگا۔ اور جو کوئی ”رائے“ کے ماتحت اللہ کے دین کو نافذ کریگا وہ (مفتی جعفر کی طرح) گمراہی کے دریا میں غوطے کھاتا رہے گا۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”جو کوئی انسانوں کو اپنی رائے سے فتویٰ دے گا وہ گویا ایسا دیندار ہے جسے اللہ کا دین معلوم نہیں ہے۔ اور جو کوئی اللہ کے دین سے لاعلمی کے باوجود فتویٰ دیتا ہے وہ اللہ سے ضد اور مقابلہ کرتا ہے اس لئے کہ وہ ان چیزوں کو حلال و حرام کرتا ہے جن کا اُسے علم نہیں کہ وہ حلال ہیں یا حرام ہیں۔“

اس حدیث میں بخاری کی طرح قیاس و رائے سے فیصلے کرنا اور حکم نافذ کرنا باطل اور بے دینی ثابت ہے۔

لکھنؤ کا ایک مجتہد بارہ القاب والا مجتہد العصر والزمان حدیث کا مخالف

اب یہ دیکھئے کہ 1283 ہجری کا ایک مجتہد محمد تقی اپنی کتاب غنیۃ السائل میں لکھتا ہے کہ:

”قیاس خفی کہ آں را تمثیل می نامند یعنی اجرائے حکم اصل بر فرع بسبب وصف جامع کہ آں را علت مشترکہ بظن خود قرار می دہند و عمل باستحسان نزد شیعیان (یعنی شیعہ مجتہدین کے نزدیک) بالافتقار باطل است و آں غیر قیاس منصوص العلة است و غیر قیاس یا ولایت است کہ راجع بظہوی بدلا الخطاب است و از جملہ دلالات لفظیہ است و غیر تنقیح المناط است کہ علت مستنبطہ قطعی باشد و ایں قسم را اکثر اخبارائین ہم قبول دارند۔ بالجملہ اختلاف معنی قیاس باعث اشتباہ مردم نابلدی شود و در احادیث مذمت قیاس بمعنی اول و استحسان بسیار وارد شدہ است و اگر حدیثے در تجویز قیاس وارد شدہ نباشد محمول بر تقیہ باشد پس محمول بر معنی صحیح و قسم مجوز قیاس خواہد بود۔ و عمل بر ظن مطلقاً ممنوع نیست و بیشہد بقولہ سبحانہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثمٌ و مراد از او تعالیٰ اِنَّ الظَّنَّ لَا یغنی مِنَ الحقِّ شَیئاً۔ ظن فی اصول دین و ظنون غیر معتبرہ مثل استحسان و قول برائے است و الا ظنون حاصلہ از شہادت عدلین و از اخبار احاد و استنباطات از ظواہر قرآن و منہب از جہت دلالات لفظیہ ظنیہ و حقائین شرعیہ و عرفیہ قطعاً معتبر است و قائم مقام علم و اجماعیکہ دخول قول معصوم در آں معلوم باشد حجت است۔“

شیعہ مجتہد ابو بکر و عمر کے طریقہ اجتہاد سے کوسوں دور آگے نکل چکے ہیں

قارئین نے دیکھا کہ شیعہ مجتہد کا بیان بہت طویل چکر دار اور فریب کارانہ ہے۔ ہم اس کے ترجمہ پر وقت، محنت اور کاغذ ضائع نہ کریں گے۔ صرف یہ نوٹ کر لینا کافی ہوگا کہ شیعہ مجتہد کے نزدیک قیاس بھی جائز ہے۔ رائے بھی جائز ہے۔ اور ظن بھی جائز ہے مگر ذرا الٹ پلٹ کر جائز ہے۔ اور صرف جائز ہی نہیں بلکہ قطعاً معتبر است (بالکل سو فیصد معتبر ہے) اور حجت است (یعنی ایسی دلیل ہے کہ اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو باز پُرس ہوگی) قائم مقام علم و اجماع باشند (علم کا جانشین اور ایسا اجتماعی اصول ہے جس میں امام معصوم کا فرمان داخل ہو)۔ اس خبیث نے یہ کہہ کر فریب دیا ہے کہ جس رائے، قیاس اور ظن کی مذمت کی گئی ہے وہ سنیوں والی رائے قیاس اور ظن ہیں۔ شیعہ مجتہدین اُس قسم کی رائے، قیاس اور ظن استعمال نہیں کرتے۔ مٹھی ہو گئی۔

سنی مجتہد نے بھی بخاری کے حاشیہ میں شیعہ کی طرح فریب دیا تھا دلیل نہ تھی

سنی مجتہد نے یہ کہا تھا کہ اگر کتاب اور سنت اور اجماع پر دار و مدار کیا جائے تو رائے بھی جائز قیاس بھی صحیح اور ظن بھی درست ہے۔ مطلب وہی ہے کہ ہم جس طرح رائے اختیار کرتے ہیں، جیسا قیاس کرتے ہیں اور جس قسم کا ظن کام میں لاتے ہیں اس کی رسول نے ممانعت نہیں کی ہے۔

دونوں یا تمام مجتہدین کو دین کے میدان سے ناکام بھگا دینے والی چند باتیں

ہم اپنے قارئین کو نہایت آسان طریقے سے بڑے بڑے جھٹھے خان مجتہدین کو ناکام کرنے کے طریقے بتایا کرتے ہیں۔ یہاں بھی یہ بات یاد رکھیں کہ اجتہاد اور اجتہادی آلات عہد رسول کی چیز نہیں نہ حضور کی احادیث یا قرآن کی آیات سے اُن کا تعلق ہے لہذا مجتہد جب بھی بات کرے گا وہ حدیث اور قرآن سے دُور رہے گا۔ لہذا دیکھئے کہ مندرجہ بالا سنی اور شیعہ مجتہدین نے جو کچھ لکھا وہ صرف اُن کی ذاتی رائے ہے قیاس ہے اور ظن ہے۔ اُن سے یہ کہو کہ جناب اُن تین خبیث اور مردود چیزوں کے جواز پر ایک یا چند ایک آیت یا آیات لکھئے، ترجمہ کیجئے اور دکھائیے کہ ترجمہ میں یہ الفاظ آتے ہیں:

1 ”دین میں اپنی رائے کا استعمال جائز ہے۔“

2 ”قیاس سے دینی مسائل کے جواب دینا صحیح ہے۔“

3 ”ظن و گمان دین میں دلیل و حجت ہیں۔“

مطلب یہ کہ جو بھی نتیجہ نکالے وہ آیت سے نکالے ہم مطمئن ہو جائیں گے۔ یہ تو کھلا فراڈ ہے کہ رائے، قیاس اور ظن کو رائے زنی، قیاس آرائی اور بدظنی سے جائز کہہ دیا جائے۔ لہذا ترکیب یہ ہوئی کہ مجتہد کی بکواس بڑے اطمینان سے سنئے اور آخر میں کہیے کہ:

”حضور ذرا مجھے اُن آیتوں کے نمبر لکھا دیجئے جن کا آپ نے اپنی باتوں میں ترجمہ کیا ہے؟“ یہ سن کر مجتہد کو بخار ہو جائے گا۔

دھوکا دینے کے لئے قرآن کی آیات کا سراور پیر کاٹ کر بلا ترجمہ استعمال کرنا

ان دونوں خبیثوں نے عوام پر رعب ڈالنے کیلئے قرآن کی آیات بھی لکھ ماری ہیں۔ مگر نہ پوری لکھیں نہ ہی ترجمہ کیا۔ اُن کی عادت ہے کہ قرآن قرآن اور کتاب اور سنت کے نعرے ماریں گے مگر کبھی قرآن کو باقاعدہ دلیل نہ بنائیں گے نہ حدیث کو پورا لکھیں گے۔ قرآن کی آیت لکھیں گے تو کہیں پہلا کلمہ لکھا باقی آیت غائب۔ کہیں درمیان کا کلمہ لکھ دیا اور چل دیئے۔ کہیں ساری آیت چھوڑ کر آخری سر لکھ دیا اور گو یا قرآن سے ثبوت دے دیا۔ چنانچہ سنی مجتہد نے لفظ ”اعتبار“ پر اپنی بکواس کی تان توڑی تھی تو ایک آیت کا آخری حصہ لکھا جس میں لفظ ”اعتبار“ نظر آیا۔ دوسرے ملعون

نے بار بار لفظ ظن استعمال کیا تھا لہذا دوا ایسی آیتوں کے نکلنے جڑ دیئے جن میں اُسے بدظنی معلوم ہوئی۔ اور ہم ابھی دونوں کی پول کھولتے ہیں۔
مجتہدین کی پیش کردہ آیات اُن کو باطل پرست قرار دیتی ہیں
 چنانچہ سنی مجتہد نے جس آیت کا آخری کلمہ لکھا ہے وہ یہ ہے:

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ
 حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي
 الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ۝ (حشر 59/2)

”وہ وہی ذات پاک ہے جس نے اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کو اُن کے شہروں سے، پہلے ہی جھٹکے میں، نکال باہر کیا جو حقائق کو چھپایا کرتے
 تھے۔ اے مومنین تمہیں تو یہ ظن بھی نہ ہوا تھا کہ اُن کو جلا وطن بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ حق پوش لوگ بھی اس ظن میں مبتلا تھے کہ اُن کے قلعے اور قلعہ
 بندیاں انہیں اللہ سے بچائے رکھیں گی۔ چنانچہ اللہ اُن پر ایسی راہوں سے حملہ آور ہوا جن راہوں کا انہوں نے حساب بھی کبھی نہ کیا تھا۔ اور اللہ نے
 اُن کے دلوں میں ایسا رعب بھر دیا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو مسمار کرنے میں لگ گئے اور مومنین بھی اپنے ہاتھوں مسمار کرنے لگے۔
 چنانچہ اے اہل ہوش خرد اس حادثہ سے عبرت حاصل کرو (فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ) (حشر 59/2)
مجتہد کو آیت بھی معلوم نہ تھی لہذا غلط لکھا اور اس کی یہ غلطی بخاری صحیح کتاب میں ہے

مجتہد نے لفظ اعتبار کو اُر دو کے لفظ بھروسہ کی جگہ لکھا تھا لیکن جس آیت کا سمر لکھا اس میں لفظ ”اعْتَبِرُوا“ اپنے صحیح معنی یعنی عبرت یا
 سبق حاصل یا خبردار رہنے کے معنی میں آیا ہے لہذا غلط حوالہ دیا۔ پھر اس مجتہد کو یہ معلوم نہیں کہ یہ لفظ ”اعْتَبِرُوا“ قرآن میں ”أُولِيَ الْأَبْصَارِ“ کے
 ساتھ نہیں آیا ہے۔ لہذا اس جاہل مجتہد نے اس آیت کو یوں لکھا:

”فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ“ جو غلط ہے۔ ہونا یوں چاہئے تھا: فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ (حشر 59/2)

اور اس غلط کار مجتہد کی یہ غلطی صحیح بخاری کی صحت پر نہ معلوم کب تک ایک دھبہ کی طرح لگی چلی جائے گی۔

شیعہ مجتہد کی پیش کردہ آیات بھی پوری دیکھ لیں

پہلی آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيَحِبُّ

أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝ (حجرات 49/12)

”اے نام نہاد مومنین بکثرت ظن کرنے سے اجتناب کیا کرو یقیناً بعض ظن خود گناہ ہوتے ہیں۔ اور جا سوسیاں کر کے لوگوں کے پوشیدہ
 حالات کی ٹوہ نہ لگایا کرو۔ اور کسی کی بھی عدم موجودگی میں اُس کی سچی اور صحیح بُرائی بھی نہ کیا کرو جو تم ایک دوسرے کی غیبت میں کرتے
 رہتے ہو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو محبوب رکھے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ چنانچہ اُس سے تم کراہت کرتے ہو۔ تم
 مومنین ذمہ داری پر ہیز گاری اللہ کے لئے اختیار کر لو۔ بلاشبہ اس صورت میں اللہ ہدایت کے لئے بار بار متوجہ ہونے والا رحیم ہے۔“

یہ آیت قریشی مومنین مجتہدین کا طرز عمل بیان کر رہی ہے

قارئین غور فرمائیں کہ اس شیعہ مجتہد نے اتنی بڑی اور مفصل آیت میں سے چند الفاظ کا ٹکڑا بیچ سے اٹھا کر استعمال کیا ہے۔ اگر یہ ملعون

پوری آیت لکھ دیتا تو مومنین کے سامنے اسی کی قسم کا ایک مجتہد گروہ آجاتا جو دن رات بکثرت معاملات میں ظن و قیاس سے کام لیتے تھے۔ جاسوسیاں اس لئے کرتے تھے کہ جن کی طرف سے بدگمان ہوئے ہیں ان کے برے حالات کی ٹوہ لگائیں۔ فرضی حالات یعنی اپنے ظن و قیاس سے لوگوں کے متعلق بُری بُری باتیں تجویز کر کے غیبت کا کاروبار کرتے تھے تقویٰ اور اللہ کے سامنے ذمہ داری کا اُن کو ذرہ برابر احساس نہ تھا۔ ایسے خمیشت و ناپاک مجتہد مومنین کی بات ہو رہی تھی (آل عمران 3/179) جو نہ اللہ پر باقاعدہ ایمان رکھتے تھے نہ رسول پر اور نہ اُن کا اللہ کے تقویٰ سے کوئی تعلق تھا۔ اس آیت میں سے چُرائے ہوئے ٹکڑے (اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِنَّمَّ) کے یہ معنی اختیار کئے کہ: ”بعض ظن گناہ ہوتے ہیں۔“ یعنی سارے ظن گناہ نہیں ہوتے ہیں۔“ یہ معنی صحیح ہوتے ہوئے بھی مجتہد کے لئے یہ آیت ظن کو جائز نہیں کرتی اس لئے کہ اس آیت میں بات یوں نہیں ہے کہ: ”بعض ظن گناہ ہوتے ہیں اور بعض ظن گناہ نہیں ہوتے لہذا مومنین ظن کو استعمال کر لیا کریں۔“

یعنی اس آیت سے یہ معنی تو نچوڑے جاسکتے ہیں کہ بعض ظن ایسے بھی ہوتے ہیں جو گناہ نہیں ہوتے مگر ظن کے استعمال کی اجازت تو نہ اس آیت میں ہے نہ قرآن کی کسی اور آیت میں ہے۔ ایسی اجازت تو اسی حالت میں دی جاسکتی تھی جب کہ مجتہد کو یا تو ظنون کی وہ فہرست قرآن میں دے دی جاتی جو گناہ سے پاک ظن ہوتے، یا مجتہد کو وہ علم غیب دیا جاتا جس سے وہ خود صحیح فیصلہ کر لیتا کہ میرا فلاں ظن گناہ نہیں ہے۔ اور مجتہد کو اُن دونوں سے محروم رکھا گیا ہے۔ آیت کے اُس ٹکڑے میں یہ فرما کر کہ: ”یقیناً بعض ظن گناہ ہوتے ہیں۔“

تمام دیانتدار مومنین کو ہر قسم کے ظن سے روکا گیا ہے اس لئے کہ سر میں ظن و گمان کے آتے ہی آیت کا یہ ٹکڑا کہے گا کہ ”ہوسکتا ہے کہ تیرا یہ ظن گناہ ہو“ یعنی اس ٹکڑے نے ظنون کے پورے ذخیرے کو مشکوک و خطرناک بنا دیا اور اہل عقل ہر قسم کے ظن کو گناہ سمجھ کر اُن سے دُور رہیں گے۔

لطیفہ: اگر ہمیں یہ بتایا جاتا کہ فلاں جنگل میں موسم برسات میں شیر آجاتے ہیں تو ہم باقی موسموں میں اطمینان سے اس جنگل میں جاسکتے تھے۔ بالکل اسی طرح ہمیں معلوم ہے کہ فلاں شخص یا قوم کا دن کے بارہ بجے دماغی توازن خراب ہو جاتا ہے ہم بارہ سے پہلے اور بارہ کے بعد اُن سے دماغی کام لے سکتے ہیں لیکن اگر یہ کہا گیا ہوتا کہ کوئی نہیں جانتا کہ اُس کا دماغی توازن کب بگڑ جائے گا یا شیر جنگل میں کب موجود ہو تو چوبیس گھنٹے اور تمام موسم اور ہر ماہ و روز خطرناک ہو گیا لہذا اس جنگل اور اس شخص یا قوم یا ظن سے ہر وقت بچ کر رہنا لازم ہوگا اور یہ ظن کرنا کہ شاید یہ ظن گناہ نہ ہو ڈبل گناہ ٹھہرا اور معاملہ ظنی ہی رہا۔

دوسری آیت: شیعہ مجتہد نے پہلی آیت کا ٹکڑا لکھا اور ثابت ہوا کہ وہ ٹکڑا بھی باطل کی مدد نہیں کرتا۔ اب دوسری آیت ملاحظہ ہو:

وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا O (نجم 53/28)

ترجمہ: ”اس فیصلے میں (53/27) اُن کے پاس علم کا کچھ حصہ بھی نہیں ہے۔ وہ تو ظن کے سوا کسی اور چیز کی پیروی کرتے ہی نہیں اور ظن تحقیق حق میں ذرا سا بھی فارغ نہیں کرتا۔“ یعنی حق کا پتہ لگانے میں ظن کوئی مدد نہیں کرتا۔

ہمیں نہیں معلوم کہ اس آیت کا آخری ٹکڑا شیعہ مجتہد نے کیوں لکھا تھا؟ جب وہ حق کے معاملے میں ظن کو کوئی مقام نہیں دیتا بلکہ لَا شَيْءٍ قرار دیتا ہے؟ اور اگر وہ پوری آیت لکھ دیتا تو مومنین کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اللہ ظن سے کام لینے کی مذمت کر رہا ہے۔ اور علم خداوندی سے کام لینے کی تاکید کر رہا ہے۔ اور اس آیت (53/28) سے پیچھے والی سلسلہ کلام کی آیات بتلاتی ہیں کہ ظن کا استعمال مذموم ہے جبکہ اللہ کی طرف سے اُلْهُدٰی اور سلطان موجود ہے۔ لیکن مجتہدین کے دل و جان تو ہدایات الہی اور سلطان سے ہمیشہ کشیدہ رہتے ہیں۔ (نجم 28 تا 53/23)

بخاری کی رو سے آنحضرتؐ نے کبھی اپنی رائے اجتہاد، قیاس اور ظن استعمال نہیں کیا؛ وحی کی پابندی

علامہ محمد اسماعیل محدث بخاری نے پارہ نمبر 29 کتاب الاعتصام میں یہ باب قائم کیا ہے کہ:

بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ مِمَّا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي أَوْ لَمْ يُجِبْ حَتَّى يَنْزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ وَ لَمْ يَقُلْ بِرَأْيٍ وَلَا بِقِيَاسٍ“ (جلد 2 صفحہ نمبر 1087)

”وہ باب جس میں ایسی احادیث لکھی جائیں گی کہ جب بھی رسول اللہ سے کوئی ایسا سوال کیا جاتا تھا جس کے متعلق پہلے سے وحی نازل نہ ہو چکی ہوتی تھی تو آپؐ جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ ”میں مادی دلائل سے یعنی درایت سے نہیں جانتا۔“ یا آپؐ جواب ہی نہ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وحی نازل نہ ہو جائے۔ اور یہ کہ آپؐ نے کبھی اپنی رائے یا اپنے قیاس سے کوئی بات نہیں کہی۔“

بخاری میں ہر وہ اجتہاد باطل ہے جو رسولؐ کے خلاف ہو یا جس میں حکم رسولؐ شامل نہ ہو

چند صفحات کے بعد بخاری نے یہ باب قائم کیا ہے کہ:

بَابُ إِذَا اجْتَهَدَ الْعَامِلُ أَوْ الْحَاكِمُ فَاخْطَأَ خِلَافَ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ فَحُكْمُهُ مَرْدُودٌ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ (ایضاً صفحہ نمبر 1092)

”وہ باب جس میں یہ دکھایا جائے گا کہ اگر کوئی گورنر یا حاکم اجتہاد کرے اور رسول کے خلاف خطا کرے اس لئے کہ اس نے علم خداوندی کو استعمال نہیں کیا تو اس گورنر اور حاکم کا حکم و فیصلہ مردود ہے نبیؐ کے اس قول کی وجہ سے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی ایسا عمل کرے جس میں ہمارا امر تصدیق نہ کرتا ہو یا ہمارا حکم اس پر دلیل نہ بنتا ہو تو وہ عمل رد شدہ ہے۔“

(15-ح) رسولؐ سے مجتہدین کو بزرگ تر ثابت کرنے کا سامان جمع ہو گیا اب ایک ایرانی عالم کا تمثیلی بیان اور ترجمہ مجتہد کی پوزیشن بتاتا ہے

باز سوال می کٹیم: اگر نوکری از نوکر ہائے بادشاہ از جانب او اجازہ داشتہ باشد کہ عمل بکند، در کشور او بہ رائے خودش و با نچہ بعقلش برسد و آں را نیکو شمرد، آیا بچو نوکرے بزرگتر و گرامی تر است نزد بادشاہ؟ یا نوکرے کہ اجازہ آں نداده است کہ برائے و عقلش رفتار بکند؟ آیا اعتماد سلطان بان بیشتر است یا با ایں؟ آیا آں مقرب تر است یا ایں؟ بنا بر ایں لازم است کہ فرض شود آقا یان مجتہدین نزد خدا از رسول خدا و آئمہ اطہار گرامی تر و مقرب تر باشند چہ کہ خداوند بہ پیغمبر و آئمہ اطہار اجازہ نہ داده است کہ تصرف بکند در ملک خدا برائے خودشاں و اجازہ نہ داده است کہ بندگانش عمل برائے و گمان پیغمبر و آئمہ اطہار بکند۔ حالانکہ مجتہدین مدعیند کہ امت باید بآراء ایشان عمل بکند مطابعت عقول ایشان را نمایند و اگر نہ کنند فاسق شمردہ می شوند و شہادتشان مقبول نیست۔ گر تہا وں بکند و استخفاف نمایند کافر می شوند۔ و مخلد در آتش جہنم۔ آیا ایں تناقض در دین نیست؟ و خروج از طریقہ مسلمین نمی باشد؟ (صحو المعلو م تاریخ امام عصر علیہ الصلوٰۃ والسلام صفحہ نمبر 174)

”ہم پھر سوال کرتے ہیں کہ بادشاہ کے نوکروں میں سے ایک نوکر ایسا ہے جسے بادشاہ نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ اس کی مملکت میں اپنی رائے اور اپنی عقل سے جو کام اسے اچھا معلوم ہو کرتا رہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ بادشاہ کا یہ نوکر زیادہ پسندیدہ اور بزرگ ہے یا وہ نوکر جسے اس نے یہ اجازت و اختیار نہ دیا ہو کہ وہ اپنی عقل و رائے سے جو بہتر سمجھے کیا کرے؟ آیا بادشاہ کے نزدیک وہ زیادہ قابل اعتماد ہے یا یہ؟ آیا وہ بادشاہ کا زیادہ مقرب ہے یا یہ؟ اس واضح اصول کے مطابق یہ فرض کرنا پڑے گا کہ مجتہدین حضرات اللہ کے نزدیک پیغمبر اور آئمہ اطہار سے زیادہ

پسندیدہ و مقرب بارگاہ خداوندی ہیں۔ اس لئے کہ پیغمبرؐ کو اور آئمہ اطہار کو یہ اجازت نہیں دی گئی ہے کہ وہ ملکِ خدا میں اپنی رائے سے تصرف کریں یا یہ کہ جو پسند کریں کرتے رہیں۔ اور اپنے بندوں کو بھی یہ اجازت نہیں دی ہے کہ پیغمبرؐ اور آئمہ اطہار کی رائے اور گمان پر عمل کریں۔ حالانکہ مجتہدین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُمت کو چاہیے کہ وہ اُن کی رائے پر عمل کریں اور اُن کے عقلی احکام اور فیصلوں کی تقلید و اتباع کریں۔ اگر وہ تقلید و اتباع نہ کریں گے تو فاسق شہرہوں گے۔ اور اُن کی گواہی عدالت میں قبول نہ ہوگی اور اگر وہ مجتہدین کی توہین کریں یا انہیں تحارت سے دیکھیں تو کافر ہو جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلیں گے۔ کیا یہ دین کی رسی کے بل کھول دینا نہیں ہے؟ اور کیا یہ مسلمانوں کے طریقے سے خارج ہو جانا نہ ہوگا؟“

یہ بڑا سیدھا سادہ بیان ہے جسے اُن پڑھ لوگ اور دیہات کے رہنے والے اور عورتیں اور بچے بھی سمجھ کر یاد کر سکتے ہیں اور جو بیان کرے وہ مجتہد کو حیران و ششدر و لا جواب کر دے گا۔

16- عہدِ رسولؐ سے ہمارے زمانے تک نظامِ اجتہاد کے چودہ سو سالہ سفر کی جھلکیاں؛ اُس کے مخالفوں کے مختصر حالات؛ اُس

کے طرفداروں میں شیعوں کا کردار

یہ بات ذہن میں رہنا چاہیے کہ نظامِ اجتہادِ عہدِ رسولؐ میں شروع نہ ہوا تھا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں عزازیل کی سوجھ بوجھ اور بصیرت سے شروع ہوا تھا اور بتدریج انسانوں کو اپنے ممبر بنانا ہوا (نساء 4/118) ترقی کرتا ہوا آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا تھا۔ اور اسکی تفصیل بھی بائبل، اپوکریف، تلمود اور قرآن کریم میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری پیدائش سے پہلے ہی نظامِ اجتہادِ مدینہ میں موجود اور برسرِ کار تھا۔ جو سابقہ تمام انبیاء و رسل کی تعلیمات کو بنیاد بنا کر اس نظام کو شاندار صورت میں اپنے مدارس میں پڑھاتے اور ہونہار نوجوانوں کو انتہائی تعلیم دے کر مجتہد بنا کر سند دیتے تھے۔ اعلانِ نبوت و وزارت و خلافت ہونے کے بعد قریشی سرداروں، لیڈروں اور مذہبی و سیاسی راہنماؤں نے یہ اجتماعی یا اجتماعی قوم فیصلہ کیا کہ رسولؐ کی تعلیمات سے قائم ہونے والی حکومت کو خاندانی اور موروثی حکومت بنانے کے بجائے اُسے قومی و جمہوری حکومت بنانا ملک و قوم کے لئے بہتر ہوگا۔ (الفاروق و تاریخ طبری) اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے تعلیماتِ قرآن کو نظامِ اجتہاد کے ماتحت لانا ضروری ہے۔ لہذا عمر بن خطاب کو ہجرتِ نبوی سے بہت پہلے مدینہ کے یہودی مرکز میں بھیج دیا گیا۔ جنہوں نے وہاں باقاعدہ علمِ الاجتہاد پڑھنے کے لئے داخلہ لیا اور حضورؐ کی آمد کے بعد بھی برابر درس لیتے اور یہودی مدرسہ میں باقاعدگی سے جاتے رہے (الفاروق وغیرہا)

جب مدینہ مسلمانوں کا مرکز بن گیا تو اب قریش کو اپنے پُرانے اور بوسیدہ نظامِ اجتہاد کی ضرورت نہ رہی بلکہ اب ہزاروں سال کے ترقی یافتہ اجتہاد اور منجھے ہوئے قوانین اُن کے سامنے تھے۔ عمر اور اُن کا تیار کیا ہوا مسودہ قانون اور روزمرہ حاصل ہونے والے قانونی نکات اور یہودی علماء و مجتہدین کا پورا تعاون دستیاب تھا۔ چنانچہ قرآن کی پوری تعلیم کو اس سامان سے، سامان دینے والوں کی مدد سے مجتہدانہ صورت دے کر قوم میں رائج کیا گیا۔ اور اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ قومی حکومت جو پوشیدہ کام کر رہی تھی رسولؐ کی حکومت میں بدل گئی، رسولؐ اللہ رخصت ہو گئے۔ نہ کوئی غم منایا گیا نہ سوگواروں کو پُرسہ دیا گیا بلکہ آئندہ بھی رسولؐ کا سوگ منانا منع کر دیا گیا۔ قومی حکومت کے قیام کی خوشیاں میلادِ رسولؐ کے نام پر آج تک منائی جاتی ہیں مگر وفاتِ رسولؐ کا غم آج بھی نہیں منایا جاتا۔

سگواران محمد صلی اللہ علیہ وسلم جمعین نے قومی حکومت اور نظامِ اجتہاد کو تسلیم نہ کیا۔ اُن کو ہموار و وفادار بنانے کے لئے سب کچھ کیا گیا۔ اُن کا اور اُن کے طرفداروں کا قتل عام کر کے مخالفت کی آواز کو بظاہر خاموش کر دیا۔ یہ مظلوم دیکس لوگ اپنی جان و مال و دین کو بچانے کے لئے خفیہ اور زیر زمین کام کرنے پر مجبور ہوئے۔ قریشی حکومت نے ساری دنیا کو زیر نگیں کرنے کی مہم چلائی دنیا کو قتل و غارت و لوٹ مار کا میدان بنا دیا (سورہ بقرہ، 2/205) دنیا کی ساری اقوام اور حکومتوں پر تسلط حاصل کر کے مالا مال ہو گئے۔ چاروں طرف اذنانوں کی صورت میں اُن کا طوطی بولتا تھا۔ اُدھر وہ پیکس و ناتوان لوگ جہاں ملتے، جب پتہ لگتا تو اوروں کے گھاٹ اُتارے جارہے تھے۔ وہ جلاوطن ہو رہے تھے۔ اپنے ساتھ عزاداری حسینؑ اور خاندانِ رسولؐ کی عظمت کو بیجا رہے تھے وہ جہاں جہاں پہنچے قریش کے خلاف متعلقہ اقوام کو متفر کرتے تھے۔ ساری دنیا کو لوٹا اور قتل کیا تھا اس لئے ساری اقوام قریش کی دشمن ہو گئیں اور اُن بے سوں کو اُن کی اسکیموں میں مدد دینے لگیں۔

اندرونِ عرب بھی اُن کے ہمدرد اور ہمنوا پیدا ہو چکے تھے۔ مختصر یہ کہ قریشی تسلط ڈھیلا ہو گیا۔ اور شیعوں نے اُن کے چاروں طرف اپنی حکومتیں بنا کر انہیں گھیر لیا اور اپنا وجود و مذہب و دانشمندی منوا کر چھوڑی، آزادی حاصل کی۔ لیکن قریشی دانشوروں نے شیعہ لبادہ میں آکر اُن کے اندر اختلاف پیدا کیا اور مختصر یہ کہ نظامِ اجتہاد اُدھر سے اُدھر بھی آ گیا اور شیعہ لیبیل کے ساتھ ہمہ گیری کے زینہ پر قدم رکھا ہی تھا کہ شیعوں کے معصوم راہمنانے اُن سے قطع تعلق کا اعلان کر دیا۔ اور پھر شیعہ قریشی حکومتوں کے خلاف زیر زمین کام شروع کر دیا جو آج تک جاری ہے اور اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک انسانی ضمیر وہ ذہن خود اپنی خوشی سے معصوم نظام کے لئے تڑپ نہ اٹھے اور انسانی عقول امام کے حضور سر بسجود نہ ہو جائیں۔ بہر حال جس دن امام عصر و الزمان علیہ السلام نے شیعہ کہلانے والے لوگوں سے قطع تعلق کیا۔ اُس روز تک قریش کے خود ساختہ اور اختیار کردہ اسلام میں ایک سو (100) کے قریب فرقے بنتے اور بگڑتے رہے تھے۔ سینکڑوں امام کہلانے والے گزر چکے تھے اور بہت سے موجود تھے۔ اُن کو اور اُن کے سب کے مذاہب کو دو حصوں میں منقسم سمجھا جاتا تھا۔ وہ سب اہلسنت و الجماعت کہلانا پسند کرتے تھے مگر اُن کی کثرت چار بڑے مجتہدین کی مقلد تھی وہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے مقلد تھے اور ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتے تھے۔ یعنی وہ چار فرقوں میں تقسیم تھے اور مزید تفرقہ کو روکنے کے لئے انھوں نے آئندہ اجتہاد بند کر دیا تھا۔ اور مندرجہ بالا چاروں اماموں کے اجتہاد کی تقلید کو لازم و واجب کر لیا تھا۔ اُن چاروں فرقوں میں برابر مجتہد گزرتے رہے لیکن وہ سب اپنے اپنے اماموں کے اجتہاد کے مطابق فتاویٰ دیتے رہے۔ چونکہ قریشی خلافتوں نے اُن ہی چاروں اماموں، ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور احمد بن حنبل کے مذاہب کو سرکاری مذاہب کی حیثیت سے اختیار کیا اس لئے باقی سینکڑوں اماموں کے مذاہب پٹتے چلے گئے مگر وہ سب ابو بکر و عمر و عثمان کو اور اُن کے ایجاد و اختیار کردہ مذاہب کو برحق سمجھتے تھے۔ اُن کو برحق سمجھنے والا ایک اور فرقہ تھا جس کو غیر مقلد اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ مذکورہ چاروں اماموں کی تقلید کا قائل نہ تھا اور انہیں اہل حدیث اس لئے کہا جاتا تھا کہ قرآن اور حدیث پر زیادہ زور دیتے تھے اور اجتہاد کو کتاب و سنت کے ماتحت مانتے اور رکھتے تھے۔ ان میں بھی امام محمد اسماعیل بخاری کی طرح درجنوں امام گزر چکے تھے۔ اہل حدیث بھی باقی فرقوں کو گمراہ کہتے اور خود بھی گمراہ شمار کئے جاتے تھے۔ اہلسنت کہلانے والوں میں ایک اور فرقہ تھا جسے معتزلہ کہا جاتا تھا یہ حضرت علی علیہ السلام کو افضل تو مانتے تھے مگر خلافت میں خلفائے ثلاثہ کا ماتحت قرار دیتے تھے۔ ان چھ فرقوں کے علاوہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد والے اور بھی کافی فرقے تھے جو رفتہ رفتہ مٹ گئے اور معتزلہ وغیرہ بھی فرقہ کی حیثیت سے موجود نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عمر نے اپنے اجتہاد سے جو اسلام پھیلا یا تھا وہ تفرقہ اور انتشار کے ہاتھوں تباہ حالت میں چل رہا تھا۔

بارہویں امام کے قبل شیعہ صرف شیعہ تھے اُن میں کوئی فرقہ نہ تھا۔ گو بعد کے مجتہدین نے شیعوں میں بہت سارے فرقے مان لئے تاکہ وہ اپنے بڑے بھائیوں یعنی قریشی لیڈروں کی تائید کر کے شیعوں کو بھی اختلاف و افتراق میں مبتلا دکھا کر سنیوں کے برابر کر لیں۔ جنہوں نے ہر اُس لیڈر کو فرقہ ساز اور اُس کے ہمنواؤں کو فرقہ کہنا شروع کیا تھا جو اُن کے خلاف اعلانیہ بغاوت کا نعرہ یا تلوار لے کر اُٹھا۔ مثلاً حضرت زید بن امام زین العابدین علیہ السلام کے ذمہ فرقہ سازی کا اتہام لگایا تاکہ عوام شیعہ اُن سے تعاون کر کے حکومت کو نقصان نہ پہنچائیں۔ بہر حال اُن کے نام سے خود ہی سنیوں میں ایک زیدی فرقہ کھڑا کر دیا جو آج تک اُن کے نام سے جاری ہے۔ لیکن کوئی شیعہ فرقہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو ابو بکر و عمر و عثمان اینڈ کمپنی کو ملعون نہ کہتا ہو۔ بہر حال انہوں نے حضرت امیر مختار کو بھی فرقہ ساز کہا اور اُن کے متعلق ایسے عقائد مشہور کئے جن سے شیعہ عوام متنفر ہو جائیں اور اُن سے تعاون نہ کریں لیکن امیر مختار نے معاویہ اور بنی امیہ کی حکومت کو ہلا کر پھینک دیا تھا۔ چنانچہ سنی حکومتیں شیعوں میں فرقہ سازی میں کوشاں رہیں اور اُن ہی کوششوں سے ہمارے یہاں شیعہ مجتہدین وجود میں آئے شیعہ عوام پر اُن کی حکومتوں کی مدد سے تسلط حاصل کیا اور آج تک مسلط ہیں جو انہیں فائدہ پہنچاتے رہتے ہیں۔ حضرت حجۃ علیہ الصلوٰات والسلام کے اعلانِ لائق کے وقت شیعوں میں کچھ شیعہ علما اور عوام ایسے بھی تھے جو شیعہ مجتہدین کے مد مقابل تھے اور مسلسل گیارہویں صدی تک اُن کے خلاف محاذ بنائے رکھا جو مجتہدین نے اپنی اور قریشی حکومتوں کی طرف سے اُن پر مستقل تشدد اور جبر و ظلم جاری رکھا۔ موقع ملنے پر انہیں ہتھیں لگا کر قتل بھی کرتے رہے۔

شیعہ عالم پر جا دو گری کی تہمت اور قتل اور شیعہ عالم کے تاثرات شیعہ مجتہدین کے لئے

چنانچہ ایک نہایت خبیث مجتہد مرزا محمد تکانی مصنف کتاب ”قصص العلماء نے لکھا ہے کہ:

”لہذا لازم آمد کہ احوال میرزا محمد اخباری را در این جایان نمائیم بدانکہ میرزا محمد اخباری از اہل بحرین و اغلب اوقات در طہران و بعضی اوقات در اصفہان و در آخر کار در کاظمین مسکن و مدفن اوشد و اولاد صلیبی اود را این از منہ در بحرین بودہ اند۔ و میرزا محمد در جدل ید طولائی داشتہ (قصص العلماء صفحہ نمبر 177)

”در وقتی از اوقات وارد اصفہان شد و در مجلس از مجالس میرزا محمد و آقا سید محمد باقر حجۃ الاسلام و حاجی کلہاسی جمع شدند۔ پس میرزا محمد اخباری در مقام گلہ با حاجی کلہاسی برآمد کہ من و تو در ایام تحصیل با ہم رفیق بودیم و مرابا تو حق رفاقت بود چہ ابدیدن من نیامدی؟ حاجی کلہاسی سکوت کرد حجۃ الاسلام آقا سید محمد باقر در جواب گفت کہ چوں حاجی کلہاسی از شاگردان کسیتکہ بتلامذہ اش گفتہ است کہ ”ہر کہ از شاہا اخباریین مجالست و معاشرت کند از من عاق است۔“ از آن جہت حاجی بدیدن شانیامد۔“

میرزا محمد اخباری گفت کہ ”اکنون مسئلہ بمیان آمد کہ اگر حقوق با حقوق تعارض کند کدام یک مقدم اند؟ حجۃ الاسلام آقا سید محمد فرمود کہ حقوق مقدم است۔ و بر طبق مدعائے خود حدیثی ذکر فرمود۔ میرزا محمد اخباری در سند آں حدیث قدح نمود و در عربیت و الفاظ آں چند ایراد وارد آورد۔ پس از آن خود اختیار کرد کہ حقوق مقدم است و بر طبق مدعائے خود چند حدیث با سند از کتاب کافی آوردہ حاضرین ساکت شدند و در زمانی شیخ جعفر نجفی اعلی اللہ مقامہ وارد طہران شد و میرزا محمد اخباری نیز در طہران بود و شہاکہ اعیان شیخ جعفر را بضیافت دعوت نمود و میرزا محمد اخباری را نیز دعوت می کردند، و میرزا محمد اخباری با شیخ مکالمہ میکرد و چون مہارت شیخ در علم منقول بود و میرزا محمد اخباری را جامعیت و تسلط در مناظرہ و جدل بود لہذا میرزا محمد اخباری در انظار ناس بر شیخ جعفر نجفی غلبی نمود و اوقاتاً بسر شیخ جعفر نجفی تلخ داشت۔“ (صفحہ نمبر 178)

”میرزا محمد اخباری در علوم غریبہ مربوط بود و در انساب عرب مہارت داشت و می گفت العیاذ باللہ کہ شیخ جعفر نجفی از نسل بنی امیہ است و چون شیخ نجفی وفات کرد آن ملعون مطرود این عبارت را گفت کہ: ”مَا تِ الْخِنَزِيرُ بِمَرَضِ الْخِنَازِيرِ“ چون مرض شیخ از خنازیر بود کہ و حلق و گلویش و گردنش ورم کردہ بود۔ پس افعال شنیعہ از اُوصد و ریافت کہ علمائی عنبات اُورا تکفیر نمودند بسبب اقوال شنیعہ و سحر کردن پس حکم بقتل اُوشد چون خواستند کہ بخانہ اش در آیند دیدند کہ خانہ در ندارد بسبب کہ سحر یکہ کردہ بود پس دیوار خانہ شگافتند و یافتند اُورا و کشتند۔ مولف کتاب گوید کہ اخباری اگر قاصراً باشد یعنی ندارد و اگر مقصر باشد فاسق است، اگر مجتہدین را تکفیر کند کافر است و ما در اخبارین در کتب اصولیہ بیان نمودیم۔“ (فصل العلماء صفحہ نمبر 177، 178، 180)

میرزا محمد اخباری نے اپنے زمانہ کے تین بڑے مجتہدین کا ناطقہ بند رکھا انہیں مجرم ثابت کیا تھا

اس عبارت کا ترجمہ سننے سے پہلے یہ سن لیں کہ جس طرح اُن سنیوں کو اہل حدیث کہا جاتا تھا جو سنی مجتہدین کے اجتہاد کے منکر اور صرف قرآن اور حدیث سے اجتہادی مسائل نکالتے تھے۔ اسی طرح ان شیعوں کو جنہیں حضور علیہ السلام نے اپنے نظام سے الگ رکھا تھا اور جو شیعہ مجتہدین کے اجتہاد کے منکر تھے مگر خود قرآن و حدیث سے اجتہاد کرتے اور عوام سے اپنی پیروی کراتے تھے۔ اُن کا نام شیعہ مجتہدین نے اخباری رکھ دیا تھا۔ لہذا قطع تعلق کے بعد دو قسم کے شیعہ رہ گئے تھے ایک کو مجتہدین یا اصولیین کہا جاتا تھا اور دوسری قسم اخباری کے نام سے مشہور چلی آئی ہے۔ امام علیہ السلام کے نزدیک یہ لوگ بھی مردود تھے اس لئے کہ وہ اجتہاد بھی کرتے تھے اور شیعہ عوام کے راہنما بھی بن گئے تھے۔ اور ہم بھی اسی بنا پر اُن کی مذمت میں کمی نہیں کرتے۔ اب آپ اس طویل عبارت کا ترجمہ دیکھئے۔

ملعون مجتہد کا ترجمہ: ”چونکہ اس بحث میں میرزا محمد اخباری کا تذکرہ بھی کرنا پڑے گا اس لئے معلوم ہو کہ یہ میرزا محمد اخباری بحرین کے باشندوں میں سے ہے۔ وہ زیادہ تر طہران میں رہا کرتا تھا۔ اور بعض اوقات اصفہان میں بھی قیام کرتا تھا۔ اور آخر عمر میں اس نے کاظمین میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں دفن بھی ہوا تھا۔ اس کی صلیبی اولاد اس زمانہ تک بحرین ہی میں رہتی رہی ہے۔ اور میرزا محمد اخباری بحث و مباحثہ اور مناظرہ میں انتہائی دسترس رکھتے تھے۔“ (صفحہ نمبر 177 فصل)

میرزا محمد اخباری بحث و مناظرہ میں حد بھر دسترس رکھتے تھے

”ایسا ہوا کہ ایک دفعہ مرزا محمد اخباری اصفہان میں آیا اور وہ آقا سید محمد باقر حجۃ الاسلام اور (ایک دوسرا زبردست مجتہد) حاجی کلباسی (کلباس کا رہنے والا) ایک مجلس میں اکٹھے ہو گئے۔ جناب میرزا محمد اخباری نے بطور شکوہ حاجی کلباسی سے کہا کہ جناب حصول تعلیم کے دوران ہم ایک دوسرے کے رفیق و ساتھی رہے ہیں اور رفاقت کی بنا پر تم پر میرا حق رفاقت قائم ہے لیکن تم اس حق کو پورا کرنے کے لئے میرے اصفہان آنے پر مجھ سے ملنے بھی نہ آئے؟ اور خیر و عافیت بھی نہ پوچھی؟ شکوہ جائز تھا اس لئے مجتہد کلباسی تو شرمندہ سا ہو کر چُپ رہا مگر حجۃ الاسلام محمد باقر صاحب بولے کہ حاجی کلباسی تم سے اس لئے ملنے نہ آئے کہ وہ ایسے بزرگ مجتہد کے شاگردوں میں سے ایک ہیں جو اپنے شاگردوں کو یہ تعلیم دیا کرتا تھا کہ: ”اگر تم میں سے کسی نے بھی اخباری لوگوں سے ملنا جلنا اور اُن کے ساتھ بیٹھنا جاری کیا تو وہ میری شاگردی سے عاق ہو جائے گا یعنی خارج ہو جائے گا۔“

مجتہدین اخباری علماء سے میل جول حرام سمجھتے اور تبلیغ کرتے تھے

یہ سن کر میرزا محمد اخباری نے کہا کہ: ”یہاں ایک سوال پیدا ہو گیا یعنی اگر حقوق میں حقوق کا سامنا ہو جائے تو حق کو پہلا نمبر دیا جائے گا یا عاق کو ترجیح دیں گے؟ حجۃ اللہ محمد باقر نے جواب دیا کہ عاق کرنے کو اول نمبر دیا جائے گا اور حق کو مسترد کر دیا جانا چاہیے۔ اس کو ثابت کرنے کے لئے حجۃ اللہ نے (کہیں سے) ایک حدیث سنا دی۔ مرزا محمد نے (اُس بے سرو پا اور مجہول) اُن کی بیان کردہ حدیث میں نقائص بیان کئے اور اُس کی عربی اور الفاظ کو بے جوڑ اور غلط ثابت کر دیا۔ پھر اپنے موقف کی تائید میں یعنی یہ ثابت کرنے کیلئے کہ حق کو پہلا نمبر دیا جائیگا اور لوگوں کی ممانعت اور حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ شیعوں کی معتبر ترین کتاب کافی سے دھڑا دھڑکی حدیثیں اُنکے سامنے رکھ دیں جس پر حجۃ اللہ اور تمام حاضرین دم بخود ہو کر رہ گئے۔ اور جس زمانے میں (شیعوں کا عدیم المثال اور سرمایہ دار مجتہد جو چیف جسٹس بھی تھا) شیخ جعفر نجفی طہران تشریف لائے اور مرزا محمد اخباری بھی اتفاق سے طہران ہی میں تھے۔ تو شہر کے تمام رؤسا نے شیخ جعفر نجفی کی مہمانی کے طور پر دعوت کی تو ساتھ ہی میرزا محمد اخباری کو بھی مدعو کر لیا۔ وہاں میرزا نے شیخ صاحب سے مذہبی باتیں شروع کر دیں۔ چونکہ شیخ جعفر کو صرف علم منقول یا یوں کہئے کہ قرآن و حدیث میں مہارت تھی۔ یعنی باقی علوم سے جاہل تھے۔ اور میرزا محمد اخباری کو مناظرہ و بحث و مباحثہ میں انتہائی جامعیت و کمال حاصل تھا۔ وہ مسلط ہو کر رہ جاتے تھے۔ لہذا میرزا محمد اخباری نے لوگوں کی نظروں کے سامنے شیخ جعفر نجفی کی بُری طرح پٹائی کی اور اُن کی زندگی ہی تلخ کر دی۔“ (صفحہ نمبر 178)

چونکہ مجتہدین کو تنگ پکڑا ہوا تھا اور بڑے طاغوت چیف جسٹس کی توہین ہوئی تھی اس لئے قتل کر دیا گیا تھا

”مرزا محمد اخباری تمام عربوں کے خاندانوں اور نسب ناموں کے بھی اعلیٰ درجے کے عالم تھے اور بہت سے عجیب و غریب علوم میں بھی کامل تھے۔ اس لئے انہوں نے اعلان کر دیا تھا کہ یہ (شیعوں کا سب سے بڑا مجتہد چیف جسٹس) شیخ جعفر بنی امیہ میں سے ہے۔ اور جب شیخ جعفر نجفی مرآتو اس ملعون مرزا محمد اخباری نے یہ جملہ کہا تھا کہ: ”سُوْر کُنْھ مالا کے مرض سے مر گیا۔“

(کنْھ مالا کو عربی زبان میں خنازیر کہتے ہیں اور خنزیر (سُوْر) کی جمع بھی خنازیر ہے) اس لئے کہا تھا کہ شیخ جعفر خنازیر کے مرض میں مبتلا رہے اُن کے حلق اور گلے اور گردن پر سوجن رہا کرتی تھی۔ چنانچہ میرزا محمد اخباری کو بد اعمالی سرزد ہوتے رہنے پر کر بلا اور نجف وغیرہ کے مجتہدین نے کافر قرار دے دیا تھا اور بد اعمالی اور جادوگری کی بنا پر اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا گیا۔ جب اسے پکڑنے اس کے گھر گئے تو جادو کی وجہ سے اس کے گھر میں دروازہ ہی نہ تھا دیوار توڑ کر اندر گئے اسے پکڑا اور اسے قتل کر دیا۔ قصص العلماء کا مصنف حرامزادہ کہتا ہے کہ اگر اخباری، مجتہدین کو صرف بُرا سمجھتا رہے تو کوئی بُری بات نہیں لیکن اگر بُرا کہے بھی تو فاسق ہے اور اگر مجتہدین کو کافر بھی کہے تو وہ کافر ہے اور یہ کہ اس ملعون نے اپنی اصول کی کتابوں میں اخباریوں کے مذہب کو باطل ثابت کیا ہے۔“ (صفحہ 180)

ہمارے زمانے تک کے شیعوں پر دو طرح کے مجتہد مسلط رہتے آئے ہیں

یہ تھا اُن علماء اور شیعوں سے تعارف جن سے حضور نے لائقیت کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ لکھا گیا یہ دونوں فرقے آگے بڑھے۔ ان دونوں قسم کے مجتہدین نے اُن تمام سیاسی تحریکوں کے لیڈروں کو مذہب شیعہ سے خارج کرنے کا اعلان کر دیا جنہوں نے قریشی خلافتوں کو رفتہ رفتہ تباہ کر کے انہیں آزادی دلائی۔ یوں خارج کئے جانے والے لوگوں میں سے ایک گروہ کا نام اسماعیلی پڑ گیا۔ جنہوں نے خود بھی مجتہدین سے علیحدہ ہو

جانا طے کیا اور ایک سیاسی فرقہ کی حیثیت سے حضرت اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی مستقل سیاسی امامت کا اعلان کر دیا۔ آج اُن ہی کو آغا خانی بھی کہا جاتا ہے۔ چند صدیوں کے بعد اُن میں سے ایک اور گروہ سیاسی اختلاف کی بنا پر الگ ہو گیا اور وہ بوہرہ کے نام سے مشہور ہے۔

اخباری گروہ رفتہ رفتہ منتشر ہو گیا۔ اور صرف مجتہدین جیسے رہے اس لئے کہ ایران کی حکومت پر اُن کا تسلط برقرار رہا وہاں سے وہ ہندوستان میں بھی نظامِ نبیت کی تحریک کے پیچھے پیچھے سنی حکمرانوں کے ساتھ پہنچے اور یہاں کے شیعوں کو بھی اغوا و گمراہ کرنے میں مصروف ہو گئے اور آج تک انہیں پھانتے ہوئے جہنم کی طرف رواں دواں ہیں۔ اخباری شیعوں کا ایک گروہ ایران کے صوبے کرمانشاہ میں اپنا اڈا بنائے ہوئے ہے۔ آج اُن کا راہنما و مجتہد اعلیٰ شیخ رضا ہے۔ یہ لوگ شیخ احسائی اور رشتی صاحب کے پسماندگان ہیں۔ اُن کے اجتہاد میں یہ فرق ہے کہ انہوں نے خود کو بلند کر کے آئمہ علیہم السلام کی سطح سے اتنا قریب کر لیا کہ اُن کی جانشینی اُن پر موزوں اور فٹ ہو جائے۔ ہم اُن کے اجتہاد کو مثبت اجتہاد کا نام دیتے ہیں اس اجتہاد کی عمر صرف اڑھائی سو سال ہے۔ قدیم مجتہدین کے اجتہاد کو ہم منفی اجتہاد قرار دیتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے آئمہ اور محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے مقام سے ہر وہ چیز نفی کر دی جو اُن مجتہدین میں نہ تھی تاکہ وہ منفی شدہ معصوم راہنماؤں کے جانشین بن جائیں۔ ان شیعہ منفی مجتہدین اور ابو بکر و عمر کے عقائد تقریباً یکساں ہیں۔ سابقہ اخباریوں اور کرمانی اخباریوں کے عقائد کچھ بہتر ہیں۔ مگر وہ دونوں اجتہاد کی وجہ سے ہمارے یہاں ملعون و مردود ہیں۔

16- الف) منفی اور مثبت مجتہدین یا اخباری و اصولیین کے عقائد کا مختصر فرق

ہم یہ چودہ سو سالہ سفر ختم کر کے اپنے زمانہ تک آگئے ہیں یہاں اتنا اور بتادیں کہ حضرت امام آخر الزمان ولد جناب حسن عسکری علیہ السلام کے مشن نے مسلسل ہر مذہب میں تبلیغ جاری رکھی ہے۔ انہوں نے ہر اُس شخص کو قبول کیا ہے جو نظامِ اجتہاد سے سو فی صد عملی توبہ کر کے ساری دنیا سے اُسی طرح تعلق قطع کر کے آنا چاہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل (لوقا 28 تا 18/18) میں یا اللہ و محمد نے قرآن (توبہ 9/24) میں بتایا تھا۔ اسکے ساتھ ہی حضور نے انسانوں سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً یہ منوا کر چھوڑنا طے کیا ہے کہ محمد اور وہ خود اور اُن کے آبا و اجداد علیہم السلام اس ساری کائنات کے حقیقی حاکم ہیں اور کائنات کی جس چیز کو چاہتے ہیں مسخر کرنے اور اس سے کام لینے کے قواعد و قوانین جس کو حقدار دیکھیں بتا سکتے ہیں اور اُسکے ہاتھوں ہوائیں، فضا میں، چاند و سورج و ستاروں کو مسخر کر سکتے ہیں (لقمان 31/20) تاکہ وہ خبیث مومنین جو علیؑ و محمدؑ علیہما السلام کی قدرتوں اور معجزات کا انکار کرتے رہے۔ اپنے قراردادہ کافروں اور بے دینوں کی قدرت کے سامنے سجدے کریں اُن سے بھیک مانگیں۔ چنانچہ ساری دنیا اور خود اذائیں دینے والے، قرآن حفظ کرنے والے، اللہ اکبر یا علیؑ مدد کے نعرے مارنے والے، تہجد گزار نمازی و پرہیزگار اور اسلامی نظام قائم کرنے کے وعویدار، بقول اُن کے، یہود و نصاریٰ، کافروں و بے دینوں کے دروازوں پر دستک دے دے کر ہر چیز کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ کاش ان ملائین نے یہی یقین محمدؑ علیؑ میں رکھ کر اُن سے مانگا ہوتا تو وہ انہیں نعمتوں سے مالا مال کر دیتے (مائدہ 5/66 وغیرہ) لہذا میرے چاروں طرف منفی و مثبت اجتہاد کرنے والوں کے اور اُن کے مقلدین کے گروہ ہیں، اسماعیلی ہیں، بوہرہ ہیں، حنفی، مالکی، شافعی و حنبلی ہیں، اہل حدیث اور وہابی ہیں۔ گنتی کے بابی اور بہائی اور قادیانی ہیں۔ اور دیگر خالص غیر مسلم مذاہب اور مذاہب کے دانشور و عوام ہیں۔ اور ہم تنہا مسلمانوں کے نظامِ اجتہاد کے خلاف محاذ بنائے ہوئے ہیں اور کامیاب ہیں۔ اگر ہمیں تبلیغ کی عام اجازت مل جائے تو ہم صرف ایک سال میں تمام مذاہب سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً نظامِ ابلیس یعنی اجتہاد پر لعنت بھجوا سکتے ہیں۔ بلا کسی خون و خرابہ کے ساری دنیا کو دین حق پر استوار کر سکتے ہیں۔

وہ نظام جس میں اختلاف کا اس خطبہ کی بنیاد ہی میں ذکر ہوا ہے (خطبہ 18 جملے 16 تا 1) مجتہدین اور اخباری عقائد

یہاں یہ چیز ذہن میں رکھ کر بات سُنیں کہ کتابِ روضات الجنات کے مجتہد مصنف نے حقیقی بیانات میں سے کاٹ چھانٹ کر جتنا لکھا ہے ہم اُسے اُن ہی کے الفاظ میں مع عربی متن کے اپنی کتاب ”اسلام اور علمائے اسلام“ میں لکھ چکے ہیں۔ اور وہاں ہم نے تیس (23) عقائد کا فرق دکھایا ہے۔ یعنی چند غیر اہم عقائد کو وہاں بھی چھوڑ دیا تھا اور یہاں بھی بطور نمونہ چند عقائد دکھا کر آگے بڑھ جائیں گے تاکہ جو کچھ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے اس کا سبب خود دشمن کے قلم سے معلوم ہو جائے۔ سنئے:

(1) اجتہاد کا حلال و حرام ہونا

إِنَّ الْمُجْتَهِدِينَ يُوجِبُونَ الْأَجْتِهَادَ عَيْنًا وَ تَخْيِيرًا وَ الْأَخْبَارِيُّونَ يُحَرِّمُونَهُ وَ يُوجِبُونَ الْأَخْذَ بِالرِّوَايَةِ عَنِ الْمَعْصُومِ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

”مجتہدین اجتہاد کو غیر مشروط طور پر بالکلیہ یا ذرا سے اختیار کے ساتھ واجب مانتے ہیں اور اخباری اُن کے اجتہاد کو حرام مانتے ہیں اور

حدیثِ معصوم سے مسائل اخذ کرنا واجب سمجھتے ہیں۔“

یہاں یہ سمجھ لیں کہ مجتہدین کی طرح اخباری بھی امام علیہ السلام کو برائے نام زندہ اور موجود سمجھتے ہیں اس لئے قرآن و حدیث کے نام پر امام کا سارا کاروبار سنبھالے رہنا اور شیعوں کا راہنما بنے رہنا، مجتہدین کی طرح اپنا حق سمجھتے ہیں اور اُن کے اجتہادات میں بھی اور احادیث کو سمجھنے میں بھی اُن کی رائے اور قیاس اور ظن کو کافی دخل رہتا ہے۔ نہ مجتہدین امام کی وجہ سے کوئی کام کرنا یا مسئلہ بیان کرنا یا اُن حضرت سے اُمید کرنا یا اُن کا انتظار کرنا ضروری سمجھتے ہیں نہ اخباری مجتہدین امام کی پرواہ کرتے ہیں۔ البتہ موقع شناسی کے لئے باتیں دونوں خوب بناتے ہیں اور امام علیہ السلام وہ سب باتیں سنتے ہیں اور دونوں پر یکساں لعنت بھیجتے ہیں۔

(2) وہ بنیاد جس پر دین کا دار و مدار ہے

إِنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّ الْأَدِلَّةَ عِنْدَنَا الْأَرْبَعَةُ الْكِتَابُ وَ السُّنَّةُ وَ الْإِجْمَاعُ وَ دَلِيلُ الْعَقْلِ۔ وَ الْأَخْبَارِيُّونَ لَا يَقُولُونَ إِلَّا

بِالْأَوَّلِينَ بَلْ بَعْضُهُمْ يَقْتَصِرُ عَلَى الثَّانِي۔

”مجتہدین بڑے یقین سے کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک دین کا دار و مدار چار چیزوں پر ہے اول کتاب اللہ پھر سنت، تیسرے اجماع اور

چوتھے عقل کی دلیل۔ مگر اخباریوں کے نزدیک کتاب و سنت ہی دلیل شرعی ہے وہ عقل و اجماع کو دلیل شرعی نہیں مانتے۔ بلکہ اُن میں بعض

تو صرف سنت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔“

یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ منفی مجتہدین نے لوگوں کی یا صحابہ کی یا مجتہدین کی کثرت کو قرآن کے برابر تسلیم کیا ہے اور اجماع کی اصطلاح بیان کرتے ہوئے صرف دو مجتہدوں کا کسی مسئلہ پر متفق ہو جانا بھی اجماع میں داخل ہے۔ خواہ دونوں مجتہد مختلف زمانوں میں ہوں۔ یعنی دو مجتہد بھی اللہ و رسول کے برابر ہیں اور عقل کا اختلاف معلوم ہے اس کا ناقص ہو جانا ثابت ہے لیکن مجتہد کی عقل بھی اللہ و رسول کے برابر ہے۔ قرآن و حدیث میں انسانی کثرت اور دلیل عقلی کی مذمت ہوئی ہے۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ قولِ رسول ہمارے نزدیک بھی سب کچھ ہے وہی قرآن کو اللہ کی کتاب بناتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ نے سارے قرآن کو رسول کا ایک اور صرف ایک ”قول“ فرمایا ہے۔ اور جس رسول کا ایک قول ایک بات پوری کائنات کی تفصیلات ہوں، تبیان کل شئی ہوں۔ اُس کے باقی اور اقوال اور ساری ظاہری و باطنی زندگی کے تمام اقوال کیا ہوں گے؟

(3) مجتہدین کے نزدیک اللہ کے شرعی حکم میں بھی ظن کو دلیل بنا کر تبدیل کی جاسکتی ہے۔ اخباری اللہ کے حکم کو آخری بات کہتے ہیں

إِنَّهُمْ يُجَوِّزُونَ الْعَمَلَ بِالظُّنُونِ فِي نَفْسِ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ - وَالْأَخْبَارِيُّونَ لَا يُعَوِّلُونَ إِلَّا عَلَى الْعِلْمِ - أَلَا إِنَّ الْعِلْمَ عِنْدَهُمْ قَطْعِيٌّ وَوَاقِعِيٌّ وَعَادِيٌّ وَاصِلِيٌّ وَهُوَ مَا وَصَلَ عَنِ الْمَعْصُومِ وَكَمْ يَجْزِي فِيهِ الْخَطَاءُ عَادَةً -

”مجتہدین حکم شرعی میں بھی اپنے ظن کو دلیل بنانا جائز سمجھتے ہیں۔ مگر اخباری ظن پر عمل درآمد کرنا ناجائز کہتے ہیں۔ وہ عمل کا انحصار قطعی اور واقعی نیز عادی واصلی علم پر رکھتے ہیں۔ اور ایسا علم اُن کے نزدیک قول معصوم سے حاصل ہوتا ہے جس میں عادی کے ماتحت بھی غلطی کا امکان نہیں ہو سکتا۔“

یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسی قاعدہ کے مطابق عمر نے قرآن کے تمام احکامات کو تبدیل کیا مثلاً اُن کا ظن یہ تھا کہ:

”مولفۃ القلوب کو اللہ، رسول اور قرآن نے جو حصہ دلویا تھا وہ مستقل نہ تھا۔ بلکہ اُس وقت مسلمان کمزور تھے اور دشمنان دین طاقت ور تھے اُن کے شرف و فساد سے بچنے کے لئے یہ حصہ جاری کیا گیا تھا (توبہ 9/60) چنانچہ عمر نے اپنے مجتہدانہ ظن کو دلیل شرعی بنا کر اللہ کے درجنوں ایسے احکام کو تبدیل کر کے اپنے احکام جاری کئے جو قرآن میں آج تک موجود ہیں۔ اور جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے برابر عمل کیا تھا۔

(4) مجتہدین تمام انسانوں کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں ایک مجتہد دوسری مقلد، اخباری تمام انسانوں کو معصوم کا مقلد کہتے ہیں

إِنَّهُمْ يَحْصِرُونَ الرَّعِيَةَ فِي صِنْفَيْنِ مَجْتَهِدٍ وَمُقَلِّدٍ - وَالْأَخْبَارِيُّونَ يَقُولُونَ الرَّعِيَةَ كُلُّهَا مُقَلِّدَةٌ لِلْمَعْصُومِ وَلَا يَجُوزُ لَهُمُ الرُّجُوعُ إِلَى الْمَجْتَهِدِ بِغَيْرِ حَدِيثٍ الصَّحِيحِ -

”مجتہدین ساری رعایا کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں ایک مجتہد دوسری مقلد۔ مگر اخباری کہتے ہیں کہ ساری رعایا امام کی تقلید کرے گی اور بلا صحیح حدیث کے مجتہد کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔“

(5) شیعہ مجتہد زمانہ غیبت میں درجہ اجتہاد حاصل کرنا واجب کہتے ہیں اور حضور امام میں امام کے تابع رہنا مانتے ہیں۔

اخباری ہر حالت میں امام کے تابع ہیں:

إِنَّهُمْ يُوجِبُونَ تَحْصِيلَ دَرَجَةِ الْاجْتِهَادِ فِي زَمَانِ الْغَيْبِ وَالْإِخْذَ عَنِ الْمَعْصُومِ فِي زَمَنِ حَضُورِهِ وَالْأَخْبَارِيُّونَ يُوْجِبُونَ الْإِخْذَ عَنْهُ مَطْلَقًا وَإِنْ كَانَ بِالْوِاسِطَةِ -

”مجتہدین زمانہ غیبت میں درجہ اجتہاد حاصل کرنا اور آزادانہ احکام دینا واجب قرار دیتے ہیں البتہ امام کی حاضری کے زمانہ میں مجتہدین امام سے احکام لیں گے ورنہ خود امام کی جگہ کام کریں گے لیکن اخباری ہر حال میں امام سے احکام لینے کے قائل ہیں براہ راست امام سے معلوم کریں یا احادیث سے خود احکام نکالنے کے لئے اجتہاد کریں۔“

قارئین یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ یہ دونوں فریق قرآن کے الفاظ میں (ماندہ 47 تا 5/44) یا حدیث کے الفاظ میں احکام دینے کے قائل نہیں اسی لئے اس پہلو کو یہ دونوں سامنے نہیں آنے دیتے۔ یہاں سے ہم عربی کا ترجمہ لکھیں گے عربی کیلئے کتاب اسلام اور علمائے اسلام یا روضات الجنات دیکھیں۔

(6) مجتہد مطلق تمام احکام کا عالم ہوتا ہے

”مجتہدین کے نزدیک ہر مجتہد مطلق اپنے ملکہ اجتہاد سے تمام احکام کا عالم ہوتا ہے۔ اخباری کہتے ہیں کہ امام معصوم کے علاوہ کوئی بھی تمام

احکام کا عالم نہیں ہو سکتا۔“

(7) مجتہدین کے علاوہ کوئی شخص احکام نافذ نہیں کر سکتا

”مجتہدین اپنے سوا کسی غیر مجتہد کو فتویٰ دینے کا مجاز نہیں مانتے۔ اخباری کہتے ہیں کہ جو اللہ، رسول اور امام کے جتنے احکام سے واقف ہے اُن احکام کو ہر وقت نافذ کر سکتا ہے۔“

مطلب یہ کہ مجتہد اپنی پارٹی کے علاوہ کسی کو اقتدار تک پہنچنے کی اجازت نہیں دیتا۔

(8) مجتہد اجتہاد اور احکام کے لئے بہت سی شرطیں لگاتے ہیں

”مجتہد قرآن و حدیث سے احکام حاصل کرنے کے لئے بہت سے (خود ساختہ) علم حاصل کرنے کی شرط لگاتے ہیں خصوصاً علم الفقہ اُن کے نزدیک بہت ہی اہم ہے۔ مگر اخباری صرف یہ شرط لگاتے ہیں کہ احکام اخذ کرنے والے کو آئمہ علیہم السلام کی اصطلاحات معلوم ہوں اور وہ یہ جانتا ہو کہ جس حدیث سے وہ حکم لے رہا ہے۔ اس کی مخالف اور کوئی حدیث تو نہیں ہے۔“

نوٹ کر لیں کہ اخباری معصومین کی احادیث میں معارضہ یعنی جھگڑا، اختلاف اور ایک دوسری کی مخالف احادیث مانتے ہیں۔

(16-ب) اجتہاد کے جواز پر سید علی حائری مجتہد لاہوری اور اُن کے والد سید ابوالقاسم مجتہد کی کتاب کے چند بیانات پر ہماری تنقید

ہم نے اس کتاب پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اور نظام اجتہاد کی عموماً اور شیعہ مجتہدین کے اجتہاد کا بطلان و بکواس ہونا اس طرح ثابت کیا ہے کہ تیسری چوتھی جماعت کے طالب علم بھی مجتہدین کے اُس بڑے ہونے حال پر کھلکھلا کے ہنس پڑتے ہیں۔ (ملاحظہ کریں ”اسلام اور علمائے اسلام“) بہر حال یہاں صرف اتنا بتادینا ضروری ہے کہ یہ کتاب ”رسالة التَّنْقِيْدِ فِي اثْبَاتِ الْاِجْتِهَادِ وَ التَّقْلِيْدِ بِالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ“ 1313 ہجری میں علامہ سید علی حائری مجتہد لاہوری اور اُن کے والد سید ابوالقاسم مجتہد نے شیعہ نوابان سندھ کی سرپرستی میں اُن ہی کے سرمایہ سے شائع کرائی تھی۔ اس کتاب میں اپنے سابقہ بزرگ مجتہدین کی سنت کے مطابق کتاب کے دیباچہ میں اُن نوابوں کی مدح و ثنا اور قصیدہ خوانی کمینہ پن کی حدود سے کچھ آگے بڑھ کر کی ہے تاکہ مال و دولت کی فراوانی رہے۔ جس طرح سید مرتضیٰ علم الہدیٰ سے لے کر بعد کے تمام مجتہدین حکومتوں، وزارتوں اور نوابوں کے ہی خواہ اور وظیفہ خوار و تنخواہ دار و جاگیر دار و دین بردار رہتے آئے اور بے انتہاد دولت و عیش و عشرت میں کھیلتے رہے۔ ہم اس کتاب میں سے جتنے جتنے اور اُن کے زیادہ زوردار دلائل و بیانات قارئین کے سامنے اُن ہی کے الفاظ میں رکھ کر تنقید کی نظر ڈالیں گے۔

(16-ج) مجتہدین کے یہاں تقلید کی تعریف و تشخیص، مُقلد کی تصویر، اُس کی ضرورت اور اس کی ڈیوٹی یا ذمہ داری کی حدود

اس کتاب کے شروع میں وہ وجوہات لکھی ہیں جن کو اُن دنوں مجتہدوں کے سامنے رکھا گیا ہے اور جن کی بنا پر اُن سے جواب لکھنے کی درخواست کی ہے۔ درخواست کنندہ نے جو اعتراضات تقلید و اجتہاد پر کئے ہیں وہ بے پناہ ہیں، آیات و احادیث سامنے لائی گئی ہیں جن کا جواب ان دو تیبوں سے ہی نہیں بلکہ تمام مجتہدین مل کر بیٹھیں اور شیطان دن رات مددگار رہے تب بھی نہیں ہو سکتا۔ سائل نے گویا اُن دنوں کو سخت آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ اور کتاب کو پڑھ کر اُسے بھی اور ہر پڑھنے والے کو مجتہدین کی عقل و دانش پر افسوس کرنا پڑا ہوگا۔ بہر حال وہ کتاب شروع ہوتی ہے۔ علامہ سید علی حائری اینڈ کمپنی اپنے جواب کو لفظ ”تقلید“ کی تعریف (Definition) سے شروع کرتی ہے ارشاد ہے کہ:

اَلْاَوَّلُ: تقلید در علم اشتقاق مصدر تفعلیل از قلاوہ، و در لغت تعلیق القلاوہ فی العنق باشد۔ یعنی آویختن گردن بند۔ چوں حلقہ در گردن حیوان تابآں

بستہ از جائے خود حرکت نہ کند۔ چونکہ اُمّی عامی حلقہ تقلید را در گردن خود میاندا و لہذا خلاف و حرکت منافی از حلقہ تقلید نمی تواند کرد۔ انما در عرف اشہر تعریفش: ”هُوَ الْأَخْذُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ وَ بِقَوْلِ الْمُفْتَى فِي أُمُورِ الدِّينِ مِنْ غَيْرِ دَلِيلٍ“ باشد چہ اُمّی عامی بہ بے سواد و نادانی لاچار است۔ لہذا احکام شرعیہ فرعیہ دین خود را از مجتہد یعنی بلا استدلال دریافتہ و بد سیدہ عمل با می کند و اس را عین حکم اللہی پندارند۔

ترجمہ: ”پہلی بات تقلید ہے الفاظ کے بنانے والے علم کی رو سے لفظ تقلید، تفعیل کے مصدر سے نکلتا ہے اور قلاوہ (پٹہ) سے بنتا ہے۔ اور لغت میں اس کے معنی ہیں: ”گردن میں گلوبند یا پٹہ پہن لینا“ جیسا کہ کسی جانور کی گردن میں پٹہ ڈال کر رسی سے باندھ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس رسی کی لمبائی سے زیادہ حرکت نہ کر سکے۔ بالکل اسی طرح جہلا لوگ مجتہد کی تقلید کا پٹہ گردن میں پہن کر اُس کی اطاعت کی رسی میں باندھ جاتے ہیں تاکہ وہ مجتہد کی مرضی کے خلاف اور تقلید کے منافی کوئی حرکت نہ کر سکیں۔ عوام الناس میں تقلید کی مشہور ترین تعریف (Definition) یہ ہے کہ: ”کسی کے قول یا مجتہد یا مفتی کے قول کو بلا دلیل و ثبوت مانگے دین کے تمام معاملات میں اختیار کر کے اُس پر عمل کرنا“ جاہل عوام کو اپنی جہالت اور علمی بے چارگی کی وجہ سے دلیل و ثبوت دیا بھی جائے تب بھی وہ سمجھ نہ سکیں گے۔ لہذا تمام عوام کو دین کے شرعی و فروعی احکام، بلا دلیل و ثبوت طلب کئے، مجتہد سے دریافت کر کے عمل کرنا چاہیے۔ اور مجتہد کے احکام کو عین اللہ کے احکام مان کر اُن کی اطاعت واجب ہے۔ کسی قسم کی چوں و چرا جائز نہیں ہے۔“

(16-د) دین میں دلیل و ثبوت لازم ہے۔ انسانوں کو عاقل مانا گیا ہے اور اُن کا اکرام و احترام کیا گیا ہے؛ تقلید، تو بہن انسانیت ہے اور قرآنی

توانین کی مخالفت ہے

اس بیان کو خود وہ لوگ اپنی تو بہن سمجھتے ہیں جو نظام اجتہاد اور تقلید کے قائل ہیں اور تقلید کرتے ہیں۔ سوچنا یہ ہے کہ نظام اجتہاد کی تائید میں علامہ حاری نے اس قدر شرمناک و انسانیت سوز بیان دینے کی جرأت کن بنیادوں پر کی ہے؟ کیا اس خبیث کے علم میں یہ آیت نہیں ہے؟

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا فَضِيلًا (اسرائیل 17/70)

مودودی سے ترجمہ سنئے: ”یقیناً یہ تو ہماری عنایت ہے کہ، ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں؛ اور اُن کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوق پر نمایاں فوقیت بخشی۔“

اللہ حضرت آدم کی تمام اولاد کی بزرگی و عزت کا اعلان کرتا ہے اور یہ مجتہد ملائین انہیں حیوان لکھتے ہیں اور چوپایوں کی مثال دے کر انہیں طوق و زنجیر پہنا کر باندھتے ہیں اور اُن سے اللہ کی جگہ اپنی بے چوں و چرا اطاعت کراتے ہیں۔

شیعہ مجتہدین سے سنی مجتہد یعنی مودودی ہزار درجہ بہتر ثابت ہیں

ان ملائین سے ہزار درجہ بہتر تو سنی مجتہد ہیں جو ہر انسان کا احترام بھی کرتے ہیں۔ اور سب کو صاحبان عقل و ہوش ماننے میں سنئے:

”اُس کی مشیت ایک ایسی ذی اختیار مخلوق کو وجود میں لانے کی متقاضی تھی جو اپنی پسند اور اپنے انتخاب سے صحیح اور غلط، ہر طرح کے راستوں پر جانے کی آزادی رکھتی ہو۔ اسی آزادی کے استعمال کے لئے اُس کو علم کے ذرائع دیئے گئے، عقل و فکر کی صلاحیتیں دی گئیں۔ خواہش و ارادے کی طاقتیں بخشی گئیں۔ اپنے اندر اور باہر کی بے شمار چیزوں پر تصرف کے اختیارات عطا کئے گئے۔ اور باطن و ظاہر میں ہر طرف بے شمار ایسے اسباب رکھ دیئے گئے جو اُس کے لئے ہدایت و ضلالت، دونوں کے موجب بن سکتے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ نمبر 528 آیت نحل 16/9 کے ماتحت)

یہ شیطان اپنے سوا تمام انسانوں کو بے سواد لکھتا ہے۔ پوری انسانیت کو جاہل و نادان قرار دیتا ہے۔ اور اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ جو دلیل و ثبوت کو

سمجھ سکے۔ سوچئے کہ ہر مجتہد کے زمانہ میں ڈاکٹر، حکیم، فلاسفر، ریاضی دان، مورخ، علم الحیوانات، علم طبقات الارض وغیرہ کے باکمال علما موجود رہے کیا ان میں کوئی ان حرامزادوں کی دی ہوئی دلیل یا ثبوت کو سمجھنے کے قابل نہ تھا؟ یہ تو چند ناکارہ قواعد و ضوابط رٹتے ہیں دنیا میں تو ایسے علما موجود رہے ہیں جو انہیں اپنے دفتر کا چپڑا ہی بھی نہ رکھیں۔ ثمنی سے TV یا فضاؤں کے متعلق کچھ پوچھئے۔ یہ پوچھئے کہ ریڈیو کی سوئی گھمانے سے فضا میں کیا ہوتا ہے اور کیوں ہوتا ہے؟ کہ ہم وہیں سے آواز سننا شروع کر دیتے ہیں جہاں ریڈیو کی سوئی کو روکتے ہیں؟ فضا کو اس سوئی سے کیسے باندھا گیا ہے؟ یہ ساری دنیا اور تمام شہروں کو اس ذرا سی جگہ میں کیسے سمودیا گیا ہے؟ کیا ایسی عقل و بصیرت کے لوگ تمہاری بکواس کو نہیں سمجھ سکتے؟ قارئین سنیں کہ ان شیطان زادوں نے اللہ، رسول اور قرآن کا رعب ڈال کر بھولے بھالے عقیدت مند مسلمانوں کو دھوکہ دے کر پھانس رکھا ہے۔ ہمارے پاس بیٹھنے والا جاہل سے جاہل شخص بھی چند منٹ میں ان کے فریب کو گہرائی تک سمجھ جاتا ہے اور ان پر لعنت بھیج دیتا ہے۔

اللہ قرآن میں جگہ جگہ دلیل و ثبوت مانگتا اور تقاضا کرتا ہے، دلیل و ثبوت دیتا ہے۔ دعویٰ بلا دلیل قبول خرد نہیں

دنیا میں یہ مشہور ہے کہ: ”دعویٰ بلا دلیل قبول خرد نہیں۔“ یعنی عقل صرف اس بات کو مانتی ہے جس کی دلیل اسکے سامنے رکھ دی جائے۔ یعنی مجتہد کا نظام، عقلی تنقید کے سامنے ٹھہرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ دلیل و ثبوت مانگ لینا مجتہد کے لئے ایسا ہی ہے جیسے شیطان کے لئے لاجسور کا پڑھ دینا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے:

وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۔۔ الخ (انفال 8/42)

مودودی ترجمہ: ”لیکن جو کچھ پیش آیا وہ اس لئے تھا کہ جس بات کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا اسے ظہور میں لے آئے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے۔ یقیناً خدا سننے اور جاننے والا ہے۔“

(انفال 8/42 تفہیم 2 صفحہ نمبر 146-147)

اور عالم و جاہل کی شرط لگائے بغیر قرآن میں تمام انسانوں سے جگہ جگہ اور بار بار فرمایا گیا ہے کہ:-

”کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے (اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، الطّٰفٰت 37/138)

اگر کسی ایک انسان میں بھی دلیل کو سمجھنے کی عقل نہ ہوتی تو ہرگز یہ نہ فرمایا گیا ہوتا۔ اور ان سے یہ کہا گیا ہوتا کہ:

مودودی ترجمہ: ”تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسے حکم لگا رہے ہو، کیا تمہیں ہوش نہیں آتا؟ یا پھر تمہارے پاس اپنی ان باتوں کیلئے کوئی صاف سند ہے

(اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ) تو لاؤ اپنی وہ کتاب (فَاتُوْا بِكُتٰبِكُمْ) اگر تم سچے ہو، (صافات 157 تا 37/154 تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ نمبر 311)

ثابت ہوا کہ یہ ملائین طریقہ خداوندی کے بھی مخالف ہیں۔ ان سے معلوم کرو کہ وہ کون سی کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ حکم تو تم اپنی رائے، قیاس و ظن سے دو گے مگر وہ اللہ کا حکم ہوگا؟ بات یہ ہے کہ ان شیاطین کے پاس قرآن سے کوئی دلیل ہے ہی نہیں اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ دلیل کو سمجھیں گے نہیں یعنی دلیل تو ان کے پاس ہے مگر لوگ حیوان ہیں دلیل کس کو دیں؟

قرآن میں مجتہدین اور مقلدین کو بے عقل اور جانور کہا گیا ہے

قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ قرآن میں جہاں جہاں انسانوں کی یا ان کی سوجھ بوجھ اور عقل کی مذمت کی گئی ہے وہاں ہر جگہ یا تو مجتہد مخاطب ہیں یا ان کے اندھے مقلد مخاطب ہیں یا دونوں ملے جلے مخاطب ہیں۔ صرف ناسمجھی یا کمزور عقل کی بنا پر کسی انسان کی قرآن میں مذمت نہیں کی گئی

ہے۔ قرآن میں بہت چالاک اور مکار اور عقلی بدضمی رکھنے والوں کی مذمت ہوتی رہی ہے۔ پھر ان خمیشوں سے کہنا چاہئے کہ تم اپنے دلائل و براہین کو ایسی مستقل اور جناتی زبان میں بیان ہی کیوں کرتے ہو جسے کوئی نہ سمجھے تم اُن دلائل و براہین کو آسان زبان میں، اپنے مخاطب کی عقل و فہم و معلومات کے مطابق کیوں بیان نہیں کر سکتے؟ ہم تو سائنس کے مشکل ترین مسائل، دیہاتوں، عورتوں اور بچوں تک کو سمجھا سکتے ہیں۔ اور اجتہاد و تقلید اور اصول فقہ کو اگر ہم آسان سے آسان زبان میں بیان نہ کریں تو اُن کی پول کیسے کھلے گی اور لوگ کیسے مجتہدین سے متنفر ہوں گے؟ دراصل اُنہوں نے جان بوجھ کر اپنے شیطانی کاروبار کو چھپائے رکھنے کے لئے ایک موٹے موٹے الفاظ میں بکواس تیار کر کے اُسے خود رٹا ہے اور شاگردوں کو رٹواتے ہیں اور رٹئے اور دہرانے ہی کی سند دیتے ہیں۔ اور جو شخص اُس بکواس کو اُن ہی الفاظ میں اُگل سکتا ہو اُسی کو مجتہد کہتے ہیں۔ اگر اُن الفاظ کی بجائے اُس بکواس کو با معنی طریقے پر بیان کر دیا جائے تو سارا گھر و نڈا تباہ ہو جاتا ہے اور سب کو اجتہاد و تقلید کا بکواس ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ جو وہ نہیں چاہتے۔ اس مندرجہ بالا تقلید ہی کے بیان کو دیکھ لو زبان کی بد نظمی، جملہ بندی کرنے والے کی بد ذوقی، بے ہنگم الفاظ کی تکرار دماغ میں درد کرنے کے لئے کافی ہے۔ اُنہوں نے اپنا نام ’اصولی‘ رکھا ہے۔ لیکن اُن سے بڑا ’بد اصول‘ دنیا میں کہیں نہ ملے گا۔ انہوں نے اپنے دلائل شرعیہ میں عقلی دلیل کو شمار کیا ہے۔ مگر اُن سے بڑا بد عقل اور عقل کا دشمن ڈھونڈے سے نہ ملے گا۔ یہ کتنی بے اصولی اور بد عقلی کی بات ہے کہ بات تو کریں یہ لوگ اور بات کہلائے اللہ کی؟ حالانکہ نہ ان کی عقل اللہ تک رسائی رکھتی ہے نہ عقلی حیثیت سے کسی بات کو یقین کے ساتھ اللہ کی بات کہا جاسکتا ہے۔ (علیٰ)

(16-ہ) علامہ حارمی کا دوسرا بیان؛ انسانوں کی دو اقسام، 1: عالم 2: جاہل قرار دینا بھی قرآن و عقل و مشاہدہ کے خلاف ہیں

اب ہم حارمی صاحب کا دوسرا بیان لکھتے ہیں۔ اور دکھاتے ہیں کہ مجتہدین کو واقعی عقل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اُن کی ہر بات ماشاء اللہ قرآن و حدیث کی مخالفت میں ہوا کرتی ہے۔ بیان سنئے:

إمّا جواب سوال مَرُوراً جَمالاً واختصاراً دریں از جا بعقل ونقل است: اِنَّمَا عَقْلِي: بَدَاں كَدَرِ غِيَابِ بَنِي وَاَمَامِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كُلِّ مُكَلَّفِيْنَ مَنْصَرِدٍ رَدِّ قَوْمِ
اند عالم یا جاہل۔

ترجمہ: ”مندرجہ بالا سوال کا جواب گول مول اور مختصر طور پر دو طرح دیا جاسکتا ہے عقل کے دلائل کے ساتھ اور نقلی یعنی قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ: رہ گیا عقلی جواب تو جاننا چاہیے کہ نبیؐ اور امام علیہم السلام کی غیبت میں وہ تمام لوگ جن پر دین کے احکام پر عمل کرنا واجب ہے۔ دو اقسام میں داخل ہیں ایک جاہل دوسرے عالم۔“

مجتہدین کا جواب نہ عقلاً صحیح ہے نہ نقلاً

اس جواب کی غلطی معلوم کرنے کے لئے کسی بحث اور محنت کی ضرورت نہیں صرف اتنا دیکھ لیں کہ اس صدی کی اجتماعی عقل پچھلی صدی کی اجتماعی عقل سے بہتر پوزیشن میں ہے۔ بلکہ ذرا سے غور سے یہ کہنا مشکل نہ ہوگا کہ پچھلی تمام صدیوں کی مجموعی عقل سے بہتر ہے۔ آج کی عقل نے جو ایجادیں کی ہیں اُن میں سے بہت سی ایسی ہیں جن کو اگر دو سو سال پہلے کے لوگ دیکھیں تو حیران و ششدر رہ جائیں گے۔ اُن سے پہلے والے آدمی دیکھیں تو بعض بے ہوش ہو جائیں گے۔ بعض کی حرکت قلب بند ہو کر موت واقع ہو جائے گی۔ اور انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے علاوہ کوئی نہ ہوگا جو اُن ایجادات کا استعمال و تفصیل بتا سکے۔ ابو بکر و عمر جیسے دانشور اور مجتہد کہلانے والے صحابہ تو خدا سمجھ کر سجدے میں گر جائیں گے۔

الغرض بچپن سے لے کر بڑھاپے تک عقل ترقی کرتی ہے۔ افراد کی بھی اور نوع انسان کی بھی اور کسی عمر یا کسی صدی میں کوئی یہ نہیں کہہ

سکتا کہ اُس کی عقل میں ترقی کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ اس لئے اس دنیا میں انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے علاوہ کسی کی بھی عقل مکمل نہیں ہے۔ نہ کوئی مکمل عالم ہے ہر شخص جزوی علم رکھتا ہے۔ جتنا علم کسی ایک شخص کو ہوتا ہے اُس سے کروڑوں گنا علم اُس کے سامنے دنیا میں موجود ہوتا ہے وہ دنیا کے ہزاروں علوم و فنون میں سے کوئی ایک یا دو یا چند سیکھ سکتا ہے۔ سب کا حصول اس کے لئے ناممکن ہے۔ اُس سے زیادہ جاننے والے اس کے آس پاس داہنے بائیں ملتے رہیں گے۔ یعنی وہ دیکھے گا کہ اس کی جہالت کا وزن اس کے علم سے ہزاروں گنا زیادہ ہے یعنی حقیقی معنی میں کوئی شخص عالم نہیں ہے اس لئے کہ عقلاً عالم وہ ہے جو جاہل نہ ہو۔ اور یہاں ایسا کوئی شخص نہیں جس میں کسی نہ کسی مقدار میں جہالت موجود نہ ہو۔ ایک مجتہد حجام کے فن سے جاہل ہے۔ وہ ڈاکٹروں کے سامنے احمق ہے۔ وہ کاشتکار کے روبرو کوذن ہے۔ وہ معمار کے حضور میں بلڈی فول ہے۔ لاکھوں ایسے لوگ ہیں جن کے مقابلہ میں ایک مجتہد جانوروں سے زیادہ نہیں ہے۔ لہذا یہاں نہ کسی کی عقل مکمل ہے نہ کوئی حقیقی معنی میں عالم ہے البتہ پوری نوع انسان کے لئے جو لفظ موزوں ترین ہے وہ ”جاہل“ ہے۔ کوئی چھوٹا جاہل کوئی بڑا جاہل۔ اور مجتہدان سب سے بڑا جاہل ہوتا ہے۔

عالم صرف انبیاء و آئمہ ہیں، انسانوں کی دو نہیں تین قسمیں ہیں۔ قرآن وحدیث سے مجتہدین کے اقوال پر نظر ڈالیں

قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ: نَرَفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأٍ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿یوسف 12/76﴾

”ہم جس کو پسند کرتے ہیں اُس کے درجات بلند کر دیتے ہیں اور ہر صاحب علم پر ایک اور بڑا عالم موجود ہے۔“

یہ وہی حقیقت ہے جسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے یعنی ایک سے ایک زیادہ علم والا موجود ہے اور ہر زمانہ میں ایک ایسا عالم لازم ہے جو تمام اہل علم سے زیادہ بڑا عالم ہو اور وہی نبی یا امام ہوتا ہے۔ اور اس سے بڑا عالم اس کا خالق ہوتا ہے۔

آنحضرت مجسم علم تھے اور تعلیم دے کر شاگردوں سے جہالت کی نفی کر دیتے تھے

قرآن کریم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿نساء 4/113﴾

”اے رسول! ہم نے تمہیں ان تمام چیزوں کی تعلیم دی تھی جو تم نہ جانتے تھے۔“ یعنی تم میں لاعلمی، جہالت اور ناواقفیت ختم کر دی گئی تھی۔

اُس کے ساتھ ہی تمہیں کتاب اور حکمت بھی عطا کر دی تھی اور تم پر اللہ کا عظیم الشان فضل و کرم رہتا چلا آیا ہے۔“ اور فرمایا کہ:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا

تَعْلَمُونَ ﴿بقرہ 2/151﴾

”جیسا کہ ہم نے تمہارے اندر تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے اور تمہیں سنوارتا ہے اور تمہیں مکمل

کتاب اور مکمل حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تعلیم دیتا رہے گا (مضارع) اور کتاب و حکمت کے علاوہ وہ تمہیں ان تمام چیزوں کی تعلیم بھی دیتا

ہے اور دیتا رہے گا جو تم نہیں جانتے یا نہ جانو گے (مضارع)۔

یہاں قارئین دو باتیں نوٹ کریں کہ:

1) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کی ہر چیز کے عالم تھے اور۔ 2) تعلیم دے کر جسے چاہتے تھے ہر چیز کا عالم بنا سکتے تھے۔

انسانوں کی تین قسمیں حدیث معصومہ کی رو سے

النَّاسُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَصْنَافٍ: عَالِمٌ، مَتَعَلِّمٌ وَغُنَاءٌ فَفَنَحْنُ الْعُلَمَاءُ وَشَيْعَتُنَا الْمُتَعَلِّمُونَ وَ سَائِرِ النَّاسِ غُنَاءٌ (کانی)
 امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمام انسانوں کی تین اقسام ہیں۔ ایک عالم دوسرے طالب علم تیسرے ملقبہ چنانچہ ہم عالم ہیں، ہمارے شیعہ طالب علم ہیں اور باقی لوگ ملقبہ ہیں۔ یعنی جیسے چاہو انہیں بنا لو۔
 اس حدیث کی رو سے ہر وہ شخص دین سے نکل گیا اور آئمہ کی شیعیت سے منقطع ہو گیا جو عالم ہونے کا مدعی ہو۔ چونکہ وہ کاذب و فریب ساز بھی ہے اس لئے بھی انہیں آئمہ علیہم السلام سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیے۔ ان دو بیانات سے شیعہ مجتہدین کا حدود اربعہ معلوم ہو گیا۔ اب ہم ان کے وہ دلائل پیش کریں گے جو وہ اجتہاد و تقلید کے لئے پیش کرتے ہیں۔

(16- و) حائری صاحب آخر ابو بکر و عمر کے اجتہاد کی سند کے سہارے شیعہ مجتہدین کا کاروبار جائز کرتے ہیں، سنی شیعہ احادیث سے جواز اجتہاد ہم نے علامہ السید علی الحائری الجبجد کی بہت سی بحثیں طوالت کے خوف سے فی الحال ترک کر دی ہیں۔ اگر موقع ملا تو پھر قارئین کو محظوظ کریں گے۔ یہاں ان کی کئی صفحات کی بحث کو فی الحال فضول سمجھ کر چھوڑنے کی وجہ خود حائری صاحب سے سن لیں اور دیکھ لیں کہ وہ خود بھی اپنی بحثوں کو غیر متعلق اور فضول قرار دیتے ہیں سینے:

”اشکال: این اخبار نص و اجازہ اند خاص در رجوع نمودن بعلماء اعصار و بصحابہ خود ایشان..... و مطلوب ما اذن و اجازہ ایشان (علیہم السلام) در زمان غیبت امام در جواز رجوع بسوائے مجتہد و تقلید ایشان یعنی تقلید مجتہدین است..... پس در عمل کردن بر تقلید مجتہد بدون نص چگونہ معتقد بری الذمہ می تواند شد۔“

”اشکال یعنی مشکل یا الجھن یہ ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو میں نے بیان کی ہیں وہ تو یہ بتاتی ہیں کہ سابقہ آئمہ علیہم السلام کے زمانوں میں ان کے صحابہ اور علماء سے رجوع کرنے اور مسائل دریافت کرنے کا حکم اور اجازت ثابت ہے۔ مگر ہم سے جو جواب طلب کیا گیا ہے کہ غیبت امام زمانہ علیہ السلام میں مجتہدین کی تقلید کرنا اور مسائل دین میں ان کی طرف رجوع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایسا حکم واضح طور پر نہ بتانے یا ایسا حکم ثابت نہ کرنے کی صورت میں تقلید کرنے والے کیسے بری الذمہ ہو سکیں گے؟“

علامہ حائری نے یہ لکھ کر گویا تمام سابقہ بحثوں اور اپنے نام نہاد دلائل کو باطل یا فضول کی بکواس ثابت کر دیا۔ اسکے بعد جو گفتگو اور بحثیں لکھی ہیں وہ بھی حقیقتاً بکواس ہی ہیں اور حائری صاحب مجتہد کی تقلید اور اجتہاد کا جواز ثابت کرنے میں باقی علماء کی طرح ناکام رہے ہیں۔ جو آئندہ آنے والی بحث کو دیکھ کر بھی علامہ حائری کی ناکامی پر شہادت ہوگی۔ ہمیں تو یہ کہنا ہے کہ وہ جو ابات اور گفتگو بہت قیمتی ہے جو ہم نے ان کی بحثوں کی پول کھولنے میں کی ہے۔ اس لئے لکھا گیا ہے کہ اگر موقع ملا تو قارئین کو محظوظ کریں گے۔ ان بحثوں میں حائری نے قرآن کی آیات کا استیاناس کیا ہے۔ اور اب وہ حدیث سے اجتہاد اور تقلید کا جواز یا وجوب ثابت کرتے ہیں۔ ان کی یہ بحث پڑھیے اور سمجھ لیجئے کہ قرآن سے بھی ایسا ہی ثبوت دیا ہوگا۔

اجتہاد اور تقلید کے جواز پر پہلی حدیث۔ قارئین غور کریں کہ زمانہ غیبت میں جواز درکار ہے

حدیث شروع ہونے سے پہلے یہ نوٹ کریں کہ مجتہدانہ زبان میں ثبوت دو طرح کے مانے گئے ہیں ایک طریقہ کو وہ ”عقلی“ ثبوت کہتے ہیں۔ جس میں قرآن و حدیث کو سامنے نہیں رکھا جاتا صرف عقل کے تیر چلائے جاتے ہیں۔ دوسرے طریقے کو یہ لوگ ”نقلی“ یا ”سماعی“ کہتے

ہیں۔ ان خبیثوں نے قرآن اور حدیث سے ثبوت لانے کا نام نقلی یا سماعی رکھا ہے۔ اب حدیث سنئے:

و اما ادله سَمِعِيَّه احاديث

من جملہ آں متفق علیہ فریقین است:

حدیث اول: مرویہ نبی و تکتیہ معاذ جبل را قاضی بن ساخت فقال له النبي صلعم بما تحکم یا سعد؟ قال بما فی کتاب اللہ۔ قال صلعم: فان لم تجد فیما؟ قال بما فی السنة، قال صلعم: فان لم تجد؟ قال اجتهد برأی۔ فقال صلعم الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله بما يحب الله ورسوله؛

حاصل آں کہ نبی فرمود کہ اے سعد بچہ حکم کنی در ایشان؟ عرض کرد بموجب کتاب خدا۔ پیغمبر فرمود اگر در آں نیافتی؟ پس بچہ حکم کنی؟ عرض کرد بحدیث رسول اللہ، پیغمبر فرمود: اگر نیافتی پس بچہ حکم کنی؟ عرض کرد با اجتہاد و رائے خود حکم می کنم۔ پس پیغمبر حمد خدا کرد کہ توفیق داد مرسل پیغمبر را باں چه بموجب تعالی و رسول او بود۔ دریں جا صریح اجتہاد برائے خود ثابت است و نبی ہم بر اجتہاد کردن اجازت فرمود؛ ترجمہ: اور سنئے ہوئے حدیث کے دلائل:

مجملاً ان احادیث کے جن کو اجتہاد کے جواز میں پیش کیا جانے والا ہے تمام شیعہ سنی علما کی متفقہ و مسلمہ حدیث۔

پہلی حدیث، جو نبی سے روایت کی گئی ہے۔ اُس وقت سے متعلق ہے جب رسول اللہ نے معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ کرنا طے کر لیا تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل سے پوچھا کہ تم ان لوگوں میں کس چیز سے احکام نافذ کیا کرو گے؟ اُس نے عرض کیا کہ میں کتاب اللہ سے حکم نافذ کیا کروں گا۔ رسول نے فرمایا کہ اگر تمہیں کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟ اس نے عرض کیا کہ پھر میں رسول کی سنت سے حکم دیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر سنت میں بھی حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟ اس نے عرض کیا کہ اس صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کیا کروں گا۔ رسول نے اللہ کی حمد و ثنا کی کہ اُس نے اپنے رسول کے قاصد کو وہ توفیق عطا کی جسے اللہ و رسول پسند کرتے ہیں۔ اس حدیث سے واضح طور پر رائے سے اجتہاد کرنا ثابت ہو گیا اور یہ بھی کہ خود نبی نے بھی اجتہاد کی اجازت دے دی۔

حازی کی پیش کردہ حدیث سنی ریکارڈ کی بھی سند نہیں رکھتی ہے مجتہد نے ایک فریب کارانہ جھوٹ بولا ہے؛ خود اپنے خلاف لکھا ہے

حازی جی نے کھلا جھوٹ لکھا ہے کہ مندرجہ بالا حدیث ”شیعہ اور سنیوں میں متفقہ طور پر صحیح تسلیم کی گئی ہے۔“ تسلیم کرنا تو الگ شیعہ حدیث کی کتابوں میں تو اس حدیث کو لیا ہی نہیں گیا۔ ادھر یہ حدیث، حدیث کی حیثیت سے بخاری و مسلم نے قبول ہی نہیں کی ہے۔ البتہ علامہ ترمذی نے اس کو لکھا ہے اور تنقید کر کے اُسے غلط قرار دیا ہے۔

حازی والی حدیث ایک مردود و نامعقول روایت ہے: ترمذی کا پورا بیان سنئے:

مَارُوى أَنَّ مَعَاذًا لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللَّهِ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ لَهُ بِمَا تَحْكُمُ؟ قَالَ بَكِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَإِن لَمْ تَجِدْ؟ قَالَ بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ۔ قَالَ فَإِن لَمْ تَجِدْ؟ قَالَ اجْتَهَدُ بِرَأْيِ۔ وَالْجَوَابُ: إِنَّ الرِّوَايَةَ صَعِيفَةٌ مُرْسَلَةٌ۔ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ وَاسْنَادُهُ عِنْدِي لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ مَعَ أَنَّهُ مَعَارِضٌ بِمَا رُوى أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ لِمَعَاذٍ «اُكْتُبْ إِلَيَّ لَأَكْتُبَ إِلَيْكَ»

”روایت کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ نے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو اُس سے پوچھا کہ تم کس طرح احکام دیا کرو گے؟ اُس

نے کہا کہ کتاب اللہ سے۔ فرمایا کہ اگر تمہیں نہ ملے؟ عرض کیا سنت رسول سے۔ فرمایا کہ اگر تجھے نہ ملے؟ کہا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ یہ روایت ضعیف ہے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ راوی نے براہ راست یہ حدیث سنی بھی نہیں تھی لہذا یہ روایت مرسل ہے۔ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث اور اس کی سند متصل نہیں ہیں؛ بلکہ منقطع ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ روایت مخالف ہے اس حدیث کی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ نے معاذ سے کہا تھا کہ تم مجھ سے لکھ کر دریافت کر لیا کرنا میں تمہیں تحریری

جواب دیا کروں گا۔“ (کتاب التوضیح و التلویح باب الاجتہاد، صفحہ نمبر 338 اور مجمع البحرین صفحہ نمبر 532)

قارئین یہ ہے شیعہ مجتہدین کی دیانت کہ قریش کی ایک خانہ ساز روایت کو ”شیعہ سنیوں میں متفق علیہ کہہ کر فریب دیا اور شیعہ عوام کو مطمئن کر دیا کہ حدیث سے ثبوت مل گیا لہذا اجتہاد اور تقلید جائز ہے۔ حالانکہ روایت نہ شیعہ کتابوں میں ہے نہ صحاح ستہ میں اس کی تصدیق کی گئی ہے بلکہ اس پر تنقید کی گئی ہے۔ ہم نے بخاری کی احادیث سے ثابت کر دیا ہے کہ اجتہاد باطل ہے (15-ز) اور یہ کہ رسول اللہ خود اپنی رائے سے کوئی بات نہ کہتے تھے۔

حازری کی پیش کردہ روایت عُیُبِ اَمَم سے تعلق نہیں رکھتی اور خود حازری نے رائے سے اجتہاد کو باطل مانا ہے۔ محض دھوکا دیا ہے

حازری کی پیش کردہ روایت کا سنیوں میں بھی بطلان دیکھ لینے کے بعد یہ سوچئے کہ حازری تو یہ کہہ کر چلے تھے کہ اب انہیں زمانہ عُیُبِ اَمَم علیہ السلام میں اجتہاد و تقلید کا جواب و ثبوت پیش کرنا ہے۔ مگر وہ عہد رسول میں اجتہاد کے جواز پر ثبوت دینے بیٹھ گئے۔ اور ثبوت بھی ایسا لائے جس کو ہر جگہ سے ٹھکرایا ہوا ہے۔ پھر علامہ حازری نے تو یہ لکھا تھا کہ:

بقول حازری شیعہ مجتہدین اور کئی سنی فرقے رائے اور قیاس کو حرام کہتے ہیں

”مذہب اکثر صحابہ و تابعین و امامیہ، غیر ابن جنید چہ اول حجاجیہ غیر منصوص العللہ قیاس راقائل شدہ، و جمہور اصل ظاہر و اہل حدیث ثانی مذہب اکثر فرق اہلسنت۔ اما امامیہ مجمع علیہ ایشاں بر تحریم و بطلان رائے و قیاس می باشد و اصولیین ایشاں ہاں تصریح کردہ اند۔ چنانچہ در فصول الاصول وغیر آں فرماید ”امَّا الْفُتُوٰی بِالرَّأٰی و الْقِیَاسِ ذَلِکَ عِبْرَاةٌ عَنِ الْقَوْلِ بِالْهَوٰی و لَتَسْتَهٰی عَنِ الْقِیَاسِ و الاستحسان فهو باطل عند اصولیین اجمع۔ و اما لاخذ و ابالاجماع و بالکتاب و السنة و ما یرجع الیہا فهو مرغوب مطلوب بلا نزاع فلا خلاف فیہ فلا یسمٰی ذَلِکَ قَوْلًا بِالرَّائے۔“

”شیعوں میں ابن جنید ہی اکیلا مجتہد ہے جس نے غیر منصوص قیاس کو حجت مانا ہے۔ اس کے علاوہ اکثر صحابہ کا اور تابعین اور شیعوں کا اور جمہور اہل ظاہر کا اور اکثر اہلسنت کے فرقوں کا اور اہل حدیث کا مذہب رائے اور قیاس کے خلاف ہے۔ اور شیعہ مجتہدین کے یہاں تو قیاس اور رائے کے باطل ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ قیاس اور رائے کو حرام مانا گیا ہے۔ اور ان کے اصولیین نے (یعنی مجتہدین نے) اس کی وضاحت کر دی ہے۔ چنانچہ کتاب فصول الاصول میں اور دوسری کتابوں میں فرماتے ہیں کہ:

”رائے اور قیاس سے فتویٰ دینا ہوائے نفسانی کے ماتحت آتا ہے۔ البتہ ان کے یہاں اجماع، کتاب اور سنت سے اور جو ان سے متعلق ہو

اس سے حکم کا اخذ کرنا پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ اس میں نہ اختلاف ہے نہ جھگڑا ہے اس طرح کے فتویٰ کو رائے کے ماتحت نہیں کہا جاتا۔“

یہاں قارئین کے سوچنے کی پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر حازری اینڈ کمپنی اپنے اس بیان کے مطابق واقعی رائے سے اجتہاد کو حرام سمجھتی ہے تو

انہوں نے معاذ بن جبل والی روایت کیوں لکھی تھی؟ جبکہ اُس میں اُس نے ”اپنی رائے سے اجتہاد کرنے“ کا اعلان کیا ہے؟ اور جب کہ خود رسول نے (معاذ اللہ) رائے سے اجتہاد کرنے کو جائز ہی نہیں سمجھا بلکہ شکرِ خدا کر کے خدا کو بھی رائے سے اجتہاد کرنے پر خوش ثابت کر دیا؟ معلوم ہوا کہ حائری صاحب نے شیعوں کو ڈبل فریب دیا تھا۔ بہر حال یہ روایت جیسی بھی تھی مگر زمانہ غیبتِ امام علیہ السلام سے تو بہر حال اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسری حدیث۔ حائری شیعوں کے نام پر لاتے ہیں۔ زمانہ غیبت کا پتہ نہیں نہ اُس میں لفظ اجتہاد ہے نہ تقلید کا کہیں ذکر ہے
علامہ حائری صاحب کے لئے یہ شعر صادق آتا ہے کہ:

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

جس طرح علامہ نے وعدہ کے خلاف سابقہ غلط روایت کو متفقہ حدیث لکھ کر فریب دیا اور چاہا کہ کوئی یہ سوال نہ کر دے کہ جناب آپ تو زمانہ غیبتِ امام علیہ السلام میں اُن کی طرف سے اجتہاد و تقلید کی اجازت دکھانے چلے تھے یہ معاذ بن جبل کا من گھڑت قصہ کس غرض سے لکھ دیا؟ اب پھر علامہ ایک روایت کو حدیث معصوم کہہ کر لکھتے ہیں جو ہماری حدیث کی معتبر ترین کتاب کافی میں نہیں ہے۔ اور ویسے بھی اس کا سر پیر نہیں۔ علامہ کی حدیث سنیئے لکھا ہے کہ:

حدیث ثانی، طرق امامیہ از آئمہ اطہار است۔ قالوا عَلَيْنَا الْقَاءُ الْاِصْوَالِ وَ عَلَيْنَا بِالتَّفْرِيعِ۔ یعنی ایشان فرمودند کہ ”بر ما واجب است کہ بشما انقائیم اصول (مسائل و احکام الہی را) و بر شما واجب است کہ تفریع (مسائل و احکام آں اصول) نمائید۔“
پس ایں جا بوضوح کہ تفریع و استنباط احکام از اصول ماخذیات نمایند۔

”دوسری حدیث، شیعوں کے طریقہ پر آئمہ اطہار سے یہ ہے کہ: ”اُن سب نے فرمایا (قالوا) کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم تمہیں (مسائل و احکام الہی کے) اصول انقائیں اور تم پر واجب ہے کہ تم (اُن مسائل اور احکام کے اصول کی) تفریع کرو۔“ پس یہاں وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ تفریع اور احکام کا استنباط ماخذوں کے اصول سے کیا جائے گا۔“

یہ تھی حائری صاحب کی دوسری حدیث۔ اس میں جو کچھ ہے اُس پر سب سے پہلی بات وہی ہے کہ اُس میں زمانہ غیبت میں اجتہاد و تقلید کا نام و نشان نہیں ہے۔ رہ گئی باقی باتیں وہ صحیح بھی ہوتیں تو ہمارے لئے بیکار تھیں۔

علامہ حائری کی نام نہاد حدیث پر بہت سی باتیں کہنا اور پوچھنا ہیں

دوسری بات یہ ہے کہ مجتہد صاحب نے اس نام نہاد حدیث میں اپنے پاس سے ان الفاظ کا دوہرا اضافہ کیا ہے کہ:

1 ”مسائل و احکام الہی را“ (اللہ کے احکام و مسائل کو) اور 2 ”مسائل و احکام آں اصول“ (اُن اصول سے مسائل و احکام)“

یہ اضافہ نکال کر جو باقی رہا وہ یہ ہے کہ:

1 ”ہم پر واجب ہے کہ ہم تم پر اصول القا کریں۔“ اور 2 ”تم پر واجب ہے کہ تم تفریع کرو۔“

اس سے ثابت ہوا کہ ہر زمانے میں اصول سے دوچار رکھنا یا ملاقات (القا) کرنا آئمہ کے ذمہ ہے۔ اور چونکہ شیعہ ریکارڈ میں ”اصول“ احادیث کو بھی کہا گیا ہے لہذا بات یہ ہوئی کہ آئمہ معصومین علیہم السلام خود ملاقات کر کے احادیث بیان فرمایا کریں گے۔ لہذا مجتہد و مقلد پر واجب ہے کہ وہ ہر

فتویٰ یا حکم کے لئے ایک تازہ حدیث پیش کریں اور بتائیں کہ فلاں امام نے یہ حدیث ہمیں سنائی تھی اور اس پر ہمارا یہ عمل ہے۔ اور زمانہ غیبت کی چونکہ اس میں شرط نہیں لہذا ادھر اجتہاد حرام ہو گیا اور ادھر امام العصر سے روزانہ رابطہ ثابت ہو گیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس نام نہاد حدیث میں لفظ ”قالوا“ آیا ہے۔ یعنی ”اُن سب نے کہا“ سوال یہ ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اصول سے ملاقات کرانے کا وعدہ کیا ہے؟ اگر وہ آئمہ معصومین ہیں تو یہ حدیث نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُن سب کی طرف سے کوئی ایک حدیث بیک وقت روایت نہیں ہوئی۔ نہ وہ سب ایک زمانہ میں موجود رہ کر مخاطبہ کرتے تھے۔ اور نہ کوئی ایسا راوی ہو سکتا ہے جو ہر زمانہ میں رہتا اور حدیث سنتا رہا ہو۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اس نام نہاد حدیث میں تو تمام شیعہ مخاطب ہیں۔ سب سے کہا گیا ہے کہ ہم سب تمہیں احادیث دیا کریں گے اور تم اپنے اپنے حالات کے مطابق حسب ضرورت اس کو استعمال کر لیا کرنا۔ لہذا اجتہاد و مجتہد و تقلید سب مر گئے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ یہ حدیث اگر ہے بھی تو مجتہدین و مقلدین کے لئے اس میں مندرجہ ذیل باتیں نہیں ہیں:

اول: یہ کہ اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ ہم صرف مجتہدین کو یا علما کو یا کسی طبقہ کے لوگوں کو مخاطب کر رہے ہیں۔

دوم: یہ بھی نہیں کہ ہم کسی خاص زمانہ تک اصول عطا کریں گے۔ اُس کے بعد اصول دینا بند کر دیں گے اور اُس وقت مجتہد کو یا کسی اور کو اجتہاد کرنا چاہئے۔ اور جب ہر حال میں اُن پر اصول دینا واجب ہے تو اجتہاد کی ہنڈیا نہیں چڑھتی۔

سوم: اس میں نہ لفظ اجتہاد ہے نہ استنباط ہے۔ نہ تقلید ہے نہ لفظ مجتہد ہے نہ اصول فقہ ہے نہ اجماع ہے۔ نہ قیاس منصوص العلتہ ہے۔ نہ دلیل عقلی ہے۔ لہذا مجتہدین کا سارا تانا بانا اور اصول و قواعد باطل ہو گئے۔ اور یہ اُن کا حق ہے جو ہم پر ادا کرنا واجب ہے۔

تیسری حدیث نہ صرف یہ کہ اُس ثبوت سے خالی ہے جو ضروری قرار دیا تھا بلکہ وہ ناممکن الوقوع اور بے تکلی بھی معلوم ہو رہی ہے

یہ نام نہاد حدیث بھی ہماری معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ بہر حال حاضری لکھتے ہیں کہ:

حدیث ثالث: قَالَ الْبَاقِرُ اجلس في مسجد المدينة وافت الناس فاني احببت ان يروى في شيعتي مثلك، یعنی اے ابان بن تغلب بنشین دائماً در مسجد نبوی صلعم فتویٰ دہ مردم را چمن دوست دارم کہ معائنہ شود در شیعہ مفتی مثل تو۔“

ترجمہ تیسری حدیث: امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابان بن تغلب تو ہمیشہ مسجد نبوی میں بیٹھا کر لوگوں کو فتویٰ دیا کر اس لئے کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے شیعوں میں تیرے مانند مفتی دنیا دیکھے۔

مجتہد صاحب کی حدیث پر ہلکی سی نظر کافی ہے

اس نام نہاد حدیث میں بھی زمانہ غیبت کیلئے گنجائش نہیں ہے۔ یہاں بھی نہ اجتہاد مذکور ہے نہ اجتہادی فتاویٰ کی اجازت ہے۔ یعنی حاضری صاحب کے پورے عنوان و موضوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر اپنی اس حدیث کی عربی میں نہ ابان بن تغلب کا نام لائے نہ وہاں مسجد نبوی کی بات ہے۔ وہاں تو مسجد مدینہ کا ذکر ہوا ہے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانہ میں وہاں کئی ایک مساجد تھیں۔ اور اُن حضرت علیہ السلام کے زمانہ میں کسی شیعہ کا مسجد نبوی میں بیٹھ کر مذہب شیعہ کے مطابق فتویٰ دینا ایک ایسی بات ہے جسے کوئی قبول نہ کرے گا۔ پھر اس مجتہد نے اپنی جیب خاص سے لفظ ”دائماً“ بڑھا کر یہ بتایا ہے کہ گویا مدینہ میں شیعوں کی بادشاہت قائم اور فتویٰ جاری تھا۔ یہ باتیں پاگلوں اور چندو خانوں کے سوا کسی طرح مناسب ہی نہیں۔ بہر حال مجتہد اس سے کچھ کم نہیں ہوا کرتے۔

چوتھی حدیث۔ یعنی آخر حائری نے لید کردی

اب قارئین حائری صاحب کی اس کتاب میں مذکور حدیث بھی دیکھ لیں لکھا ہے کہ:

حدیث رابع: قَالَ أَنَّهُكَ خَصَلْتَيْنِ إِلَيَّ أَنْ قَالَ أَنْ تَفْتِيَ النَّاسَ بِمَا لَا تَعْلَمُ-

نبی می گم ترا از آں کہ فتویٰ بمردم بدھی از غیر معلوم۔ یعنی از غیر ماخذ کہ نبی دانی آں را۔

چوتھی حدیث: کہا کہ میں تمہیں دو خصلتوں سے منع کرتا ہوں..... یہاں تک کہ فرمایا میں تمہیں منع کرتا ہوں کہ تم لوگوں کو ایسا فتویٰ دو جو تم کو معلوم نہ ہو۔ یعنی ایسے ماخذ سے فتویٰ نہ دینا جو تو نہیں جانتا۔

قارئین آئیں اور اجتہاد کے لئے صف ماتم بچھائیں اور کوئی ایسا نوحہ پڑھیں جس سے یہ پتہ لگ سکے کہ حائری صاحب قبلہ نے یہ حدیث کیوں لکھ ماری؟ اس میں تو ان کے نظام اجتہاد و تقلید کا جنازہ نکل گیا ہے۔ اس ملعون نے حدیث لکھنا شروع کی اور پہلا جملہ لکھا اور وہ بھی غلط لکھا۔ اس کے بعد سلسلہ توڑ کر آخری جملہ لکھا اور وہ بھی غلط لکھا اور چل دیا۔ بہر حال ہم صحیح اور پوری حدیث لکھیں گے۔ فی الحال جو کچھ مجتہد نے لکھا ہے اس کی بات کیجئے۔ یعنی یہ مجتہد مانتا ہے کہ اس حدیث میں ہر وہ مسئلہ بیان کرنا؛ ہر وہ فتویٰ دینا منع کر دیا گیا ہے جس کا ماخذ مسئلہ بیان کرنے والے کو یا مفتی کو معلوم نہ ہو۔ اور اب یہ مجتہد اور ہر مجتہد غیر مجتہد جانتا ہے کہ علم و فتویٰ کے ماخذ اللہ، رسول اور آئمہ کے نزدیک صرف دو ہیں۔ اور وہ ہیں قرآن اور حدیث معصومہ اور مجتہد نے ان دونوں ماخذ کو مشکوک قرار دیا ہے اور دو عدد ماخذ قرآن کے خلاف، اور نکال لئے ہیں ایک اجماع دوسرا دلیل عقل۔ لہذا اس حدیث میں مجتہد کا راستہ بند ہو کر رہ گیا۔ اس لئے کہ شیعہ مجتہدین کی تاریخ ولادت تین سو انتیس (329) ہجری ہے۔ اور اس کے بعد صدیوں پیچھے یہ اجماع اور دلیل عقلی ماخذ بنائے گئے تھے۔ لہذا کوئی سا امام بھی ان کو ماخذ قرار نہیں دے سکتا تھا۔ چنانچہ ان حضرات کے مطلوبہ ماخذ قرآن و حدیث تھے۔ لہذا مجتہدین کا ہر فتویٰ اور ہر مسئلہ باطل ہو گیا۔

وہ حدیث جسے شرما کر غلط لکھا اور کم لکھا۔

پوری حدیث یہ ہے:

1: رواه عبدالرحمن عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال: اِيَّاكَ وَ خَصَلْتَيْنِ فَفِيهِمَا هَلَاكٌ مَنْ هَلَاكَ اِيَّاكَ اَنْ تَفْتِيَ

النَّاسُ بِرَايِكَ اَوْ تَدِينِ بِمَا لَا يَعْلَمُ۔ (اصول کافی باب النہی القول بغير علم کتاب فضل العلم) (حدیث نمبر 2)

”عبدالرحمن بن حجاج کہتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ دو خصلتوں سے بچ کر رہنا۔ جو بھی تباہ ہو اوہ ان ہی کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے۔ خبر دار اپنی رائے سے لوگوں کو فتویٰ نہ دینا یا ایسی چیزوں کو دینداری کے لئے اختیار کر لو جن کو تم نہیں جانتے۔“ اور

2: عن مفضل بن یزید قال: قَالَ لِيْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ: اِنَّهَاكَ عَنْ خَصَلْتَيْنِ فِيْهِمَا هَلَاكُ الرِّجَالِ - اِنَّهَاكَ اَنْ تَدِينِ

بِالْبَاطِلِ وَ تَفْتِيَ النَّاسَ بِمَا لَا تَعْلَمُ (ايضاً پہلی حدیث) (حدیث نمبر 1)

2: ”مفضل نے بیان کیا کہ مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تجھے دو ایسی خصلتوں سے منع کرتا ہوں جن میں لوگوں کی

ہلاکت ہے۔ تجھے منع کرتا ہوں کہ باطل کو دین میں داخل نہ کرنا اور لوگوں کو ان ذرائع سے فتویٰ نہ دینا جن کا علم ہونا تجھے معلوم نہ ہو۔“

حائری نے نہ معلوم کہاں سے یہ دوسری حدیث ادھوری لکھی تھی۔ بہر حال مجتہدین سے احادیث صحیح اور پورا لکھنے کی اُمید کیسے کی جاسکتی ہے جب

کہ وہ قرآن کی آیات کو بھی نہ پورا لکھتے ہیں نہ انہیں آیات و احادیث یاد ہوتی ہیں اور نہ ہی کاروبار اجتہاد میں قرآن و احادیث مفید ہیں۔ پانچویں حدیث۔ جو سب سے پہلی حدیث کی مخالف ہے اور ہم نے اسے بھی پوری کی پوری حدیث نمبر 1 کے ماتحت پہلے ہی لکھ دیا ہے حدیث خامس: "قَالَ أَنَهَاكَ أَنْ تَفْتِيَ النَّاسَ بِرَأْيِكَ - نَهَى مِيكَمُ تَرَاوِ فِتْوَى دَادِنِ اَز رَائِي (و قِيَاسِ) خُود -"

ترجمہ: "پانچویں حدیث: فرمایا کہ میں تجھے اپنے قیاس اور رائے سے فتویٰ صادر کرنے کو منع کرتا ہوں۔"

ذرا سوچئے اور کوئی مجتہد ملے تو پوچھئے کہ حازری نے اس حدیث کو کیوں لکھا تھا؟ اور کس طرح اس کو اجتہاد کے جواز میں لایا جاسکتا تھا؟ یہ حدیث تو معاذ والی سب سے پہلی حدیث کے بھی خلاف ہے اُس میں رائے سے اجتہاد کی اجازت معاذ کو ملی (معاذ اللہ) تو حازری صاحب کے لئے رائے سے اجتہاد جائز ہو گیا اور اب رائے سے اجتہاد کی ممانعت ہوئی تب بھی حازری کا اجتہاد جائز رہا۔ یہ کیا بکواس ہے؟ یہ کیا تماشہ ہے؟ یہ کون سا دین ہے؟ قارئین نے مسلسل یہ بھی دیکھا ہے کہ مجتہدین قرآن و حدیث کے ترجموں میں بھی ضرور اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس پانچویں حدیث کے ترجمہ میں بھی لفظ "قیاس" بڑھا دیا ہے ہم اُن کے اضافوں کو قوسین یا خط زدہ کرتے آئے ہیں۔

چھٹی اور ساتویں احادیث۔ جو مجتہد یا اجتہاد و تقلید میں مد نہیں دیتی ہیں

یہ دونوں احادیث بھی نہ پوری لکھی ہیں نہ مجتہد کو معلوم ہے کہ وہ حدیثیں حدیث کی کون سی کتاب میں ہیں۔ یہ لوگ عموماً ایک دوسرے کی کتابوں سے نقل مارا کرتے ہیں بہر حال سنئے لکھتے ہیں کہ:

حدیث سادس: قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ أَفْتَى النَّاسَ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ لَعَنَتْهُ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ -

یعنی ہر کہ بغیر علم و ہدایت فتویٰ دہلے لکھتا ہے اور فرشتہ ہائے رحمت۔

ترجمہ: "چھٹی حدیث: (اُمّ) علیہ السلام نے کہا کہ جو کوئی بلا علم و ہدایت لوگوں کو فتویٰ دیتا ہے اس پر رحمت والے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔"

یہاں بھی حازری نے اس حدیث میں سے الفاظ "عَلِمٌ وَلَا" نکال دیئے اور اپنی طرف سے لفظ "اللہ" بڑھا دیا ہے (دیکھو کافی مذکور) اور ترجمہ میں لفظ "علم" لکھ گئے ہیں۔ یقین کیجئے کہ اس مجتہد نے خود کافی سے یہ حدیث یا کوئی اور حدیث نہیں لکھی بہر حال عربی کچھ اور لکھی اور ترجمہ کچھ اور کر دیا ہے۔

حدیث سابع: قَالَ مَنْ أَفْتَى النَّاسَ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ النَّاسِخَ مِنَ الْمَنْسُوخِ وَ الْمَحْكَمَ مِنَ الْمُتَشَابِهَةِ فَقَدْ هَلَكَ -

یعنی ہر کہ فتویٰ دہد مرد مر او اؤنمید اندناخ راز منسوخ و محکم راز متشابہ بتحقیق اودر غایت ہلاکت یعنی در عذاب می باشد۔

ساتویں حدیث کا ترجمہ: "جو کوئی لوگوں میں فتویٰ دے اور ناسخ کو منسوخ سے اور محکم کو متشابہ سے الگ کرنا نہ جانتا ہو تو وہ انتہائی ہلاکت میں ہے یعنی عذاب میں مبتلا رہے گا۔"

اس حدیث کے ترجمہ میں لفظ "غایت" اور "عذاب" بڑھائے بغیر حازری کا ہاضمہ درست نہ ہوا۔ یہ تھا وہ سامان جو مجتہد ابن مجتہد یعنی سید علی حازری ابن ابوالقاسم المازری نے اجتہاد کے جواز میں لکھا تھا۔ شاید قاری حضرات بھی تقلید سے استفادہ کی بات سوچ رہے ہوں۔ بہر حال ہم یہاں اجتہاد کی گفتگو کو فی الحال روکتے ہیں۔ اگر کسی اور خطبے میں اجتہاد کا ذکر ہوا تو مزید سامان تو وضع پیش کریں گے۔ خطبہ نمبر 18 کی تشریحات بھی یہاں روکی جاتی ہیں۔ والسلام

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 19

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 19

خطبہ ﴿19﴾

- (1) حضرت علی علیہ السلام کو صورتِ شکل، ظاہری خلوص و خدمت دھوکا نہ دے سکتی تھی؛
- (2) وہ غداروں، دروغ بانوں، کفار اور منافقوں کو انتہائی اور سخت ضروری حالات میں بے نقاب کرتے تھے؛
- (3) اشعث ابن قیس، نسل مرتضوی کا، ابوبکر و عمر و عائشہ سے بھی، سنگین مکر در پردہ، بڑا دشمن تھا۔ لہذا؛
- (4) تمام راہوں سے ناکام ہو کر قتل کی سازش کی اور اپنی اولاد میں ایک کامیاب وصیت و عداوت چھوڑ گیا۔ لہذا؛
- (5) عائشہ نے آنحضرتؐ کو زہر دیا تھا تو اشعث کی بیٹی نے اپنے شوہر، فرزند علیؑ، امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زہر دیا تھا (وغیرہا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	تجھے یہ حقیقت کون سے ماڈی ذرائع (درایت) سے معلوم ہو سکتی ہے کہ کون سی چیز میرے حق میں ہے اور کون سی میرے خلاف ہے؟	مَا يُدْرِيكَ مَا عَلَيَّ مِمَّا لِي؟
2	تجھ پر اللہ کی لعنت ہو اور تمام لعنت کرنے والوں کی بھی لعنتیں ہوتی رہیں۔ (بقرہ 2/159)	عَلَيْكَ لَعْنَةُ اللَّهِ وَ لَعْنَةُ اللَّاعِنِينَ؛
3	او! دروغ بان کے فرزند دروغ سازی کرنے والے۔	حَاثِكَ ابْنُ حَاثِكَ؛
4	او! حق پوش کے بیٹے جعل ساز۔	مُنَافِقُ ابْنُ كَافِرٍ؛
5	خدا کی قسم تجھے ایک مرتبہ حق پوشی نے گرفتار کیا اور دوسری دفعہ تجھے اسلام نے پھانس لیا چنانچہ دونوں میں سے ایک دفعہ بھی نہ تیرا مال تجھے اُن سے بچا سکا نہ تیرا حسب و نسب ہی تیرے کام آیا۔	وَاللّٰهِ لَقَدْ اَسْرَكَ الْكُفْرُ مَرَّةً وَّ اِلْسَلامًا اُخْرٰى فَمَا فِدَاكَ مِنْ وَّاحِدَةٍ مِنْهُمَا مَالِكَ وَّ لَا حَسْبِكَ؛
6	اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص اپنی قوم کو دشمن کی تلواروں کا لقمہ بنا دے اور یوں انہیں تہ تیغ کر دے؛	وَ اِنَّ اَمْرًا دَلَّ عَلٰى قَوْمِهِ السَّيْفُ؛
7	اور اپنی قوم کی طرف جان بوجھ کر موت کی تباہی کو ہانک لائے؛	وَ سَاقَ اِلَيْهِمُ الْحَتْفُ؛
8	یقیناً وہی آدمی تو ہے جس سے اس کے قریب ترین واقفکار لوگ نفرت و عداوت رکھیں۔	لَحْرِيَّتِي اَنْ يَّمْقُتَهُ الْاَقْرَبُ؛
9	اور دُور پار کے لوگ بھی اُس سے ہمیشہ خطرہ محسوس کرتے رہیں۔	وَ لَا يَأْمَنُهُ الْاَبْعَدُ ○

تشریحات:

حضرت رضی اللہ عنہ کا تشریحی نوٹ:

أَقُولُ: (عليه السلام) أَنَّهُ أُسِرَ فِي الْكُفْرِ مَرَّةً وَفِي الْإِسْلَامِ مَرَّةً؛ وَ أَمَّا قَوْلُهُ (عليه السلام) دَلَّ عَلَى قَوْمِهِ السَّيْفِ؛ فَأَرَادَ بِهِ حَدِيثَنَا كَانَ لِلْأَشْعَثِ مَعَ خَالِدِ ابْنِ الْوَلِيدِ بِالْيَمَامَةِ عَرَفِيَهُ قَوْمَهُ، وَ مَكَرَ بِهِمْ حَتَّى أَوْقَعَ بِهِمْ خَالِدًا، وَ كَانَ قَوْمُهُ بَعْدَ ذَلِكَ يُسَمُّونَهُ عَرَفَ النَّارِ وَ هُوَ اسْمٌ لِلْغَادِرِ عِنْدَهُمْ؛

”سید رضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اشعث ایک مرتبہ گرفتار کیا گیا کفر میں اور ایک دفعہ گرفتار ہوا اسلام میں۔ اور حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ جو شخص اپنی قوم کو تلوار کی باڑھ پر رکھو اے۔ یہ اُس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں اشعث نے خالد بن ولید سے سازش کر کے پیامہ میں اپنی قوم کو فریب دیا تھا اور اُن سے مکر کیا تھا اور خالد نے اُس کی قوم کا قتل عام کر دیا تھا۔ اور اُس نے اپنی اور اپنے گھروالوں کی جان بچالی تھی۔ اس غداری کے بعد اشعث کی قوم نے اُس کو عَرَفَ النَّارِ کا نام دیا تھا جو اُن کے یہاں غدار کے لئے بولا جاتا ہے۔“

1- اشعث بن قیس ہوں یا دوسرے قریشی صحابہ ہوں وہ سب رسالت اور امامت محمد اور علیؑ کے دشمن تھے خواہ دشمنی پوشیدہ رہی ہو

قبیلہ کنده کے ایک شاطر اور جاہ پرست شخص کا نام اشعث بن قیس تھا جو حضرت موت کے علاقے میں آباد تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا۔ جب ابوبکر کی خلافت کے انکار پر سارے عرب اٹھ کھڑا ہوا تو یہ شخص بھی مع اپنے قبیلے کے تیغ بکف میدان میں آیا جنگ کی، شکست کھائی۔ پھر اپنے قبیلے کے خلاف بکری افواج کے کمانڈر سے ساز باز کر کے قبیلے کا قتل عام کر کے اپنے خاندان کو بچالیا۔ مدینہ میں آیا اور خلیفہ سے ساز باز کی اور بدلے میں ابوبکر کی حقیقی بہن ام فروہ بنت ابوقحافہ کا شوہر بنا اور اب وہ حکومت کا مستقل وفادار و راز دار تھا۔ ابوبکر و عمر کے مشیروں میں رہا تھا۔ خلیفہ دوم و سوم کے زمانہ میں عزت و مال و دولت اور عہدوں پر فائز رہا۔ عثمان نے اسے آذربائیجان اور آرمینیا کے صوبوں پر گورنر بنائے رکھا۔ حضرت علیؑ علیہ السلام خلیفہ ہوئے تو گورنری سے معزول ہو کر قریش کے اُس محاذ میں شریک ہو گیا جس کا کام حضرت علیؑ کے خلاف داخلی تخریب و فتنہ سازی تھا۔ حضرت علیؑ کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے ہر وہ کام کیا جو اس ایسے دانشور اور شاطر کے لئے ممکن تھا۔ موقع کی موزونیت کا منتظر رہا اور جنگ صفین کے آخری دن سے پہلے تک بڑے سے بڑے دانشوروں کو یہ پتہ نہ چلنے دیا کہ وہ دشمن ہے۔ میدان جنگ میں مالک اشتر کی طرح جم کر جنگ کرتا اور اپنے قبیلے کے باقی ماندہ لوگوں کو بھی لڑاتا تھا۔ خصوصاً اس وقت جب کہ معاویہ نے دریا کے بند توڑ کر افواج مرتضوی کو اس دھوکے میں مبتلا کر دیا تھا کہ بند ٹوٹے ہی وہ سب بہہ جائیں گے اور وہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود بھی اپنے نیچے اٹھا کر دوسری جگہ چلے گئے تھے اور معاویہ نے اپنی فوج کو اُن کی جگہ پڑاؤ ڈلوادیا تھا۔ چنانچہ پھر حضرت علیؑ علیہ السلام نے حکم دیا کہ معاویہ کی فوج کو وہاں سے اٹھا دیا جائے اور اپنی فوج کو وہیں خیمہ زن کیا جائے۔ یہ موقع تھا جب مالک اشتر اور اشعث نے جا کر معاویہ کی فوج کو وہاں سے ہٹنے پر مجبور کیا تھا۔ لیکن حضرت علیؑ علیہ السلام اُس کی اور داخلی قریشی محاذ کے ہر ہر فرد کی قلبی حالت جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اشعث کی اولاد کے ہاتھوں حضورؐ کی اولاد و خاندان پر کیا کیا مظالم و مصائب ٹوٹنا تھے۔ اور جب جنگ صفین میں اُس کی دشمنی کھل کر سامنے آئی اور مالک اشتر نے اُسے قتل کرنا چاہا تو مالک کو ٹھنڈا کرنے کے لئے مستقبل میں آنے والے حالات سُنائیے تھے۔ اُس نے اپنا اعتماد بڑھانے کے لئے اپنی ایک بیٹی جعدہ

بھی حضرت حسنؑ سے منسوب کر رکھی تھی۔ اُسے ان تمام منافقانہ خدمات کے باوجود جولاہا اور منافق ابن کافر فرما دیا ہے۔ جلاہا اس لئے کہ وہ سازش کا جال بننے میں وراثتاً ماہر تھا۔ منافق اس لئے کہ وہ مستقلاً حضرت علیؑ کے ساتھ رہنے کے لئے نہ آیا تھا بلکہ قریشی مشن کی تکمیل کے بعد واپس جانے کا راستہ تیار کئے ہوئے تھا۔ کافر کا بیٹا اس لئے کہ اس کا باپ اسلام نہ لایا تھا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے فرمایا کہ وہ غصہ اور حمیت کی بنا پر اپنی دشمنی ظاہر کر دے اور سننے والوں پر حقیقت کھلتی رہے اور اعتماد کا وزن کیا جاتا رہے۔ مگر اشعث ٹھوڑے پانی میں نہ تھا۔ غصہ تو بڑی احمقانہ حرکت ہوتی اُس نے حضورؐ کے سامنے یا بیٹھ پیچھے کبھی پیشانی پر بل تک بھی نہ پڑنے دیا۔ مفتی اور دیگر مترجمین نے اُسے حماقت میں ضرب المثل مانا ہے جو ان کی اپنی حماقت کی دلیل ہے۔ غلامشاہ اینڈ کمپنی احمقوں کو گورنر نہ بنا سکتی تھی۔ عہد عثمانی میں اشعث ایک نہیں دو صوبوں کا گورنر تھا۔ وہ قوم کا سردار تھا۔ احمق نہ سردار ہوتے ہیں نہ احمقوں کو سردار بنایا جاتا ہے۔ اس نے اپنی قوم کے خلاف سازش کی۔ اُس نے پہلے خلیفہ سے ساز باز کی اور اُس کا بہنوئی بنا۔ اس کی سازش سے جنگ صفین ناکام ہوئی۔ معاویہ کامیاب ہوا۔ کیا ایسی سازشیں احمق لوگ کیا کرتے ہیں؟ اسی بنا پر ہم نے حاتمک کے معنی سازشی جال بننے والا کر لئے ہیں۔

(الف) مترجمین اور مفتی کی احمقانہ ترجمانی

یہاں ایک پہلو اور دیکھیں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے اشعث بن قیس کے لئے فرمایا ہے کہ:

وَاللّٰهُ لَقَدْ اَسْرَكَ الْكُفْرَ مَرَّةً وَّ الْاِسْلَامَ اُخْرٰی۔ فَمَا فَدَاكَ مِنْ وَّاحِدَةٍ مِّنْهُمَا مَالِكَ وَّ لَا حَسْبُكَ (خطبہ 19، جملہ نمبر 5)

مفتی کا ترجمہ: ”تُو ایک دفعہ کافروں کے ہاتھوں میں اور ایک دفعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں اسیر ہوا۔

لیکن تجھ کو تیرا مال اور حسب اس عار سے نہ بچا۔ کا۔“ (ترجمہ نصح البلاغ طبع اول جلد اول صفحہ 130)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس جملے میں نہ لفظ ”کافرین“ ہے نہ لفظ ”مسلمین“ ہے۔ وہاں تو گرفتار کرنے والوں کو ”الکُفْر“ اور ”الاسلام“ فرمایا ہے۔ یعنی تجھے ایک دفعہ کفر نے گرفتار کیا تھا۔ یعنی تجھے کافر بنا دیا تھا۔ اور ایک دفعہ اسلام نے گرفتار کیا تھا یعنی مسلمان بنا دیا تھا۔ الکفر کے معنی کافروں نہیں ہو سکتے اور الاسلام کے معنی مسلمانوں نہیں ہوتے۔ اب ہمارے ترجمہ پر دوبارہ غور فرمائیں۔ مطلب یہ ہے کہ تُو کفر کے ہاتھوں میں قید تھا اب اپنے خیال میں کفر سے چھوٹ کر اسلام میں آ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تُو بدستور کفر کی قید میں ہے۔ اسلام نے بھی تجھے پھانس لیا ہے۔ تو اپنا سارا زور لگا کر مال و متاع خرچ کر کے اور خاندانی اثر و رسوخ استعمال کر کے بھی اب رہائی نہیں پاسکتا ہے۔ اور کوئی صورت تیرے فدیے کی تیرے قابو میں نہیں ہے۔ تاحیات تو کفر و اسلام کے ہاتھوں میں قیدی رہے گا۔ نہ کفر تجھے فائدہ پہنچائے گا۔ نہ اسلام تیرے کام آئے گا۔ اس لئے کہ تُو نہ کافر ہے نہ مسلمان ہے۔ تُو تو دونوں کا قیدی ہے۔ یعنی دونوں کے نزدیک مجرم اور قابل سزا ہے۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ اشعث بن قیس کو فہم میں عبدالرحمن ابن ملجم کے ساتھ موجود تھا اور اُسے تاکید کر رہا تھا کہ صبح صادق سے پہلے حملہ کر دے۔

(ب) خطبہ میں مخاطب شخص ایک قاتل، قاتلوں کا باپ، خدا رقوم، قوم کا قتل عام کرانے والا منافق و ملعون ہے

اشعث بن قیس ہی نے حضرتؐ پر اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ ”یہ بات تو خود آپ کے خلاف پڑتی ہے۔“ یہ اعتراض سُن کر حضورؐ نے اس خطبہ میں وہ سب کچھ فرما دیا جو اب تک نہ کہا تھا اور اُسے اُس کے سابقہ اور آئندہ حالات پر متنبہ کر دیا۔ قصہ یہ تھا (اور وہ خطبہ نمبر 119 کی ذیل میں بیان بھی ہوگا) کہ ایک شخص نے حضورؐ سے یہ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ پہلے تو آپ نے ہمیں قرآن کی تکمیل سے منع کیا اور پھر اُس کا حکم بھی

دے دیا تھا؟ معلوم نہیں ان دونوں احکام میں سے کون سا حکم زیادہ بہتر تھا؟ یہ سُن کر حضورؐ نے بطور افسوس اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور یہ جملہ فرمایا کہ:

”هَذَا جَزَاءُ مَنْ تَرَكَ الْعُقْدَةَ“ (خطبہ نمبر 119) ”جو پختہ اور صحیح عہد کو توڑ ڈالے اُس کی جزا یہی ہوتی ہے۔“

اشعث چونکہ گورنری سے معزولی کا کینہ اور دشمنی رکھتا تھا اس لئے بھرے مجمع میں ہملے کا مطلب سمجھے بغیر اعتراض کر بیٹھا۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے اس کا قلبی بغض و عداوت اُس کے منہ سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ اور وہ جملے ارشاد فرمادیئے جو اس خطبہ کی صورت میں آپ کے سامنے ہیں۔ اور جن کی تشریح میں ہمیں سب سے پہلے یہ طے کر کے چلنا ہے کہ آیا اشعث بن قیس کوئی بے وقوف و احمق شخص تھا؟ یا ایک نہایت زیرک، دانشور اور صاحب علم و بصیرت آدمی تھا؟ یہ سوال ہم نے اس لئے اٹھایا ہے کہ تمام مترجمین اشعث کو ایک حد بھر بے وقوف و سادہ لوح اور احمق شخص لکھتے چلے آئے ہیں۔ اور افسوس یہ ہے کہ یہ حماقت خود حضرت علی علیہ السلام کے سر لگاتے ہیں۔ یعنی نہ حضرت نے اُسے ”حائک“ کہا ہوتا نہ ہم اُسے یہو قوف قرار دیتے۔ مطلب یہ ہوا کہ حضورؐ کا اُسے حائک کہنا اس بات کی دلیل اور ثبوت بن گیا کہ اشعث یقیناً احمق تھا۔

(ج) مفتی جعفر چند اور شارحین نبی البلاغہ کی حماقتوں کی تصدیق میں حماقت کرتے ہیں

مفتی جعفر حسین نے چند سابقہ شارحین کی وہ تین وجوہات لکھی ہیں جو اُن کے خیال میں اشعث کو حائک کہنے کے لئے موزوں تھیں۔ تیسری وجہ لکھتے ہوئے تیسری وجہ کی تصدیق کے ساتھ لکھا ہے کہ:

”تیسری وجہ یہ ہے اور یہی زیادہ نمایاں اور واضح ہے کہ اُس کی حماقت و ذنابت (کمینہ پن) ظاہر کرنے کے لئے اُسے ”جولاہا“ کہا ہے۔

چونکہ ہر دُنی اور فرمایہ کو مثل کے طور پر جولاہا کہہ دیا جاتا ہے۔ اُن کے فہم و فراست کا یہی عروج کیا تھا۔ کہ اُن کی حماقتیں ضرب المثل بن چکی تھیں جب کہ کسی خصوصی امتیاز کے بغیر کوئی چیز ضرب المثل کی حیثیت حاصل نہیں کیا کرتی۔ کہ امیر المؤمنین نے بھی اس کی توثیق فرمادی

جس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔“ (ترجمہ نبی البلاغہ جلد اول صفحہ نمبر 133)

قارئین نے مفتی صاحب وغیرہم کے چند فیصلے دیکھ لئے۔ اول یہ کہ لفظ ”حائک“ کے معنی ”جولاہا“ ہی ہیں۔ حالانکہ حائک کہنے کی دوسری وجہ میں ”غرور سے جھوم جھوم کر یا بل کھا کھا کر“ چلنا بھی لکھا ہے۔ دوم یہ کہ حضرت علی علیہ السلام نے بھی اُسے حائک بمعنی جولاہا کہا ہے اور جولاہا کہہ کر اُس کی حماقت پر طنز کیا ہے۔ اور سوم یہ کہ جولاہا ہے ضرب المثل کی حد تک بے وقوف و احمق ہوتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

(د) اشعث بن قیس کچھ بھی تھا مگر وہ ہرگز احمق و جاہل ہی نہ تھا

اشعث بن قیس کا احمق نہ ہونا بلکہ چالاک و مکار ہونا خود حضرت رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے اور مفتی جعفر کے ترجمہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت رضی نے اس خطبہ کے بعد اپنے ریمارکس یوں لکھے ہیں کہ:

(ه) حضرت رضی کے ریمارکس خطبہ نمبر 19 کے بعد دیکھتے چلیں

”اقول: يُرِيدُ (عليه السلام) أَنَّهُ أُسِرَ فِي الْكُفْرِ مَرَّةً وَفِي الْإِسْلَامِ مَرَّةً وَ أَمَّا قَوْلُهُ (عليه السلام) دَلَّ عَلَى قَوْمِهِ

السَّيْفَ فَارَادَ بِهِ حَدِيثًا كَانَ لِلْأَشْعَثِ مَعَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ بِالْيَمَامَةِ عَرَفَ فِيهِ قَوْمَهُ، وَ مَكَرَ بِهِمْ حَتَّى أَوْقَعَ بِهِمْ خَالِدًا، وَ

كَانَ قَوْمُهُ بَعْدَ ذَلِكَ يُسَمُّونَهُ عَرَفَ النَّارِ وَهُوَ اسْمٌ لِلْغَادِرِ عِنْدَهُمْ۔ (نبی البلاغہ علامہ علی نقی طہرانی جلد اول)

مفتی جعفر نے اس عربی کا اپنی سچ البلاغہ میں ترجمہ لکھا ہے

”سید رضی فرماتے ہیں کہ یہ ایک دفعہ کفر کے زمانہ میں اور ایک دفعہ اسلام کے زمانہ میں اسیر کیا گیا تھا۔ رہا حضرت کا یہ ارشاد کہ ”جو شخص اپنی قوم پر تلوار چلوادے“ تو اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو اشعث کو خالد بن ولید کے مقابلے میں یمامہ میں پیش آیا تھا کہ جہاں اُس نے اپنی قوم کو فریب دیا تھا اور اُن سے چال چلی تھی۔ یہاں تک کہ خالد نے اُن پر حملہ کر دیا اور اس واقعہ کے بعد اُس کی قوم والوں نے اس کا لقب عُرف الثائر رکھ دیا اور یہ اُن کے محاورے میں غَدَّ اِر کے لئے بولا جاتا ہے۔“ (ترجمہ مفتی جلد اول صفحہ نمبر 130)

قارئین دیکھ لیں کہ السید رضی رضی اللہ عنہ کی سند سے اس احمق مجتہد نے اشعث بن قیس کو ”فریب کار“ لکھا اور کامیاب ”چال چلنے والا“ مانا اور رضی صاحب کی عربی میں اُسے ”مکار“ لکھا ہوا دیکھا۔ اس کے بعد بھی یہ عقلمند مجتہد اشعث کو ایک مثالی احمق لکھتا اور مانتا ہے۔“؟

(و) تدبیریں سوچنے اور انہیں پروان چڑھانے والا اور ساز باز کرنے والا ہرگز احمق نہیں ہو سکتا

پھر یہی مفتی تاریخی واقعہ لکھتے ہوئے یہ الفاظ اور سطرین بھی لکھتا ہے کہ:

”اشعث نے سوچا کہ وہ اس بے سروسامانی کے عالم میں کب تک قلعہ میں محصور رہ سکتا ہے؟ رہائی کی کوئی تدبیر کرنا چاہئے۔ چنانچہ وہ چپکے سے ایک رات قلعہ سے باہر نکلا، زیاد اور مہاجر سے جا کر ملا اور اُن سے یہ ساز باز کی کہ اگر اُسے اور اُس کے گھر کے نو آدمیوں کو امان دے دی جائے تو قلعہ کا دروازہ کھلوادے گا۔ اُنھوں نے اس شرط کو مان لیا۔ اور اُس سے کہا کہ اُن آدمیوں کے نام ہمیں لکھ کر دے دو..... اپنی قوم سے جا کر کہا کہ میں تمہارے لئے امان لے آیا ہوں قلعہ کا دروازہ کھول دو۔ جب دروازہ کھول دیا گیا تو زیاد کی فوج اُن پر ٹوٹ پڑی۔ اُن لوگوں نے کہا کہ ہم سے تو امان کا وعدہ کیا گیا تھا۔ زیاد کی سپاہ نے کہا غلط، اشعث نے صرف اپنے گھر کے دس آدمیوں کے لئے امان چاہی تھی۔ جن کے نام ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ غرض کہ آٹھ سو آدمیوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ اور کئی عورتوں کے ہاتھ قلم کئے گئے۔“ (مفتی جلد اول صفحہ نمبر 134)

قارئین بتائیں کہ کیا احمق جو لڑھے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ آزادی کی تدبیریں سوچیں؟ بلا خوف رات کو دشمن کے کیپ میں جا کر سردار فوج سے ملیں اور ساز باز کریں اور ہزار آدمیوں کے قتل کے بدلے میں آزادی حاصل کر لیں؟

(ز) کیا خلفائے ثلاثہ کے گورنر احمق لوگ ہو سکتے تھے؟

اب یہ سوچئے کہ یہ اشعث عثمان کی خلافت کے دوران دو صوبوں کا بہ یک وقت گورنر رہا تھا اور عہد مروضی تک برابر گورنر تھا۔ اور گورنری سے معزولی ہی کی بناء پر وہ علی اور خاندان علی علیہم السلام کا دشمن جانی ہو گیا تھا لیکن اُس کے کسی فعل یا قول سے یہ کئی پشتوں تک چلنے والی قاتلانہ عداوت کبھی ظاہر نہ ہونے پائی اور وہ حضرت علی علیہ السلام کے صحابہ کے نزدیک ایک پُر خلوص صحابی تھا۔ کیا احمق لوگ اتنے محتاط ہو سکتے ہیں؟

2- حضرت علیؑ کے الفاظ تو اشعث کی بصیرت کو ایک غیب دان، کاہن اور منطقی کے مقام تک بلند کر کے دکھاتے ہیں؟

چونکہ اشعث نے ایک ایسی بات کہی تھی جس کے کہنے کے لئے علم غیب کی ضرورت ہے۔ ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو پیشنگوی کر سکتا ہو۔ جو بات میں سے بات نکال کر صغریٰ و کبریٰ مرتب کر سکتا ہو اور پھر صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتا ہو۔ اس لئے حضور نے یہ سوال کیا کہ:

مَا يُدْرِيكَ مَا عَلَيَّ مِمَّا لِي؟ ”وہ کون سے مادی دلائل اور اصول درایت ہیں جو تجھے اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ

میرے لئے فلاں بات مفید ہے اور فلاں بات مضر ہے یا فلاں بات میرے حق میں ہے اور فلاں میرے خلاف ہے؟“
 قارئین غور فرمائیں کہ کیا حضرت علی علیہ السلام سے ایسی بات ایک احمق شخص کہہ سکتا تھا؟ اور کیا حضرت علی کسی احمق سے ایسا سوال کر سکتے تھے؟؟؟ اشعث کی بات اور موٹی کا سوال اس کی عقلمندی اور بصیرت پر گواہ رہیں گے۔ پھر آپ نے قرآن کے الفاظ میں اس پر لعنت بھیجی ہے۔ اور اللہ نے جس پر سب سے پہلے لعنت کی تھی وہ کوئی بھولا بھالا، سیدھا سادہ احمق شخص نہ تھا۔ وہ ابلیس تھا جسے اہل خرد عموماً اور پروریز خصوصاً ”مجسمہ عقل بے باک“ کہتے ہیں۔ یاد رکھو اور نوٹ کرو کہ بھولے بھالے اور احمق و سادہ لوح لوگوں پر نہ لعنت بھیجی گئی ہے اور نہ انہیں برا کہنا جائز ہے۔ یوں بھی اشعث احمق ثابت نہ ہوا بلکہ ابلیس اور اُس کے تیار کردہ مجتہدین کے ہم پلہ عقلمند ثابت ہوا۔ پھر اُسے اور اس کے باپ کی شان میں فرمایا کہ:
 حَائِكُ ابْنِ حَائِكٍ ”اُو دروغ باف کے فرزند دروغ سازی کرنے والے“۔

3- حَائِكُ کے معنی جولا ہائیں، جولا ہے کو تمام عرب نَسَاجُ اور جولا ہے خانہ کو مَنَسَجُ کہتے ہیں

یہاں رُک جائیے اور بتائیے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ہرگز نہ اشعث کو جولا کہا اور نہ وہ اور نہ اُس کا باپ جولا ہا تھا۔ یہ ایک تہمت ہے جو قریشی اسکیم کے ماتحت حضرت علی پر لگائی گئی اور تو اور خود اپنوں نے اس تہمت کو چھتہ کر لیا۔ دو تین مختلف معنی تو خود ان مترجمین اور شارحین ہی نے حَائِكُ کے لکھ دیئے ہیں۔ اب ہم آئندہ کے لئے اس گجنگ اور تہمت و حماقت کو ختم ہی کر دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل الفاظ کو باری باری اور غور سے دیکھیں:

- 1 نَسَجُ اُس نے بنا۔
- 2 نَسَجُ بُنَا۔
- 3 نَسِجُ الْعَنْكَبُوتِ مکرئی کا جالا۔
- 4 نَسَاجَةٌ بُنْئے کا پیشہ، جلا ہے کا پیشہ، بُنْئے کا مَنْر۔
- 5 نَسَاجُ جلاہا؛ بُنْئے والا۔
- 6 نَسِيجُ بُنَا ہوا کپڑا، یا دری، یا جانماز، یا چٹائی۔
- 7 نُسِجُ (نُسِجُ کی جمع) بُنْئے ہوئے کپڑے، دریاں وغیرہ۔
- 8 مَنَسَجُ یا مَنَسِجُ یا مَنَسَاجُ کر گئے یعنی کپڑے بُنْئے کا آلہ (LOOM) یا مشین۔
- 9 مَنَسُوجُ بُنَا ہوا۔

یہ نو الفاظ دکھا کر تمام علما یا تمام عربوں سے کہئے کہ وہ ح۔ و۔ ک کے مادہ سے بننے والے الفاظ مثلاً لفظ ”حَائِكُ“ (جولا ہا بُنْئے والا) کی طرح کے الفاظ ان نو الفاظ کے سامنے اسی طرح فٹ کر دیں جیسے لفظ ”حَائِكُ“ نمبر 5 کے سامنے صحیح بیٹھتا ہے۔ یہ سمجھا کر اُن کا سکرٹا ہوا، رنگ بدلتا ہوا، اُترتا اور چڑھتا ہوا چہرہ دیکھتے رہیں۔ جب وہ ہینڈس آپ (Hands Up) کر لیں تو بتائیے کہ عربی زبان میں ایک مصدر سے دو مختلف معنی یا دو مصدروں سے ایک ہی معنی نہیں نکلتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ قریشی سازش نے عربی زبان کے استقلال کو تباہ کرنے کی صدیوں کوشش کی ہے مگر وہ تباہ نہیں ہوا ہے۔ اگر مادہ ح۔ و۔ ک سے یا مصدر حَوْكًا یا حِيَاكًا یا حِيَاكَةً سے وہ معنی نکلتے ہیں جو ہم نے نو الفاظ کے سامنے لکھے ہیں تو نکال کر دکھائیے۔ اُن کو بتائیے کہ لفظ ”حَائِكُ“ کپڑے بُنْئے والے یا جلا ہے کے لئے ایسا نہیں ہوا تھا۔ اُس کیلئے تو نَسَاجُ ہی ہے۔ البتہ:

1 ”اسکیموں کا جال بُنْئے والا“،

2 ”دروغ بانی“ کرنے والا،

3 ”افتر پردازی“ کرنے والا،

4 ”لفظی تگ بندی“ کرنے والا؛ خیالی بلند پروازی کرنے والا“ ضرور حائک کہلائے گا۔

یہی ہوا اشعث بن قیس کے ساتھ۔ اُس نے بلا کسی مادی دلیل و درایت کے ایک فیصلہ بن لیا تھا۔ اس لئے اُسے اور اُس کے والد کو جھوٹی

باتیں گھڑنے والا فرمایا گیا نہ کہ جُلا؟ وہ ایک لیڈر تھا۔ سردار قوم تھا۔ مکرو فریب پر حاوی تھا۔ حضرت علی علیہ السلام اُس کے لئے ایک کھوکھلا لفظ ہرگز نہیں بول سکتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ منصوبوں اور اسکیموں کا تانا بانا بنچنا تھا۔ مگر وہ بُنا ڈنہی، خیالی، نظری اور مابعد الطبیعیاتی (Abstract) ہوتا تھا۔ نہ کہ کھڈی میں بیٹھ کر کپڑا بننا۔ اور تانا ایں تینیداجی۔ بانا ایں بنچیداجی، گنکنا؟۔

چنانچہ حضور نے پہلے اُس سے اُس کے مادی دلائل و درایت (Rational reasoning) پر بہت اونچا اور منطقیانہ سوال اور اعتراض کیا۔ پھر اُسے اہلیس کے برابر کھڑا کر کے ایک حسین و خوشنما منصوبہ ساز فرمایا (خطبہ 19، جملہ 1-2) اِس کے بعد اُسے اپنے معاملے میں دروغ باف و دروغ ساز قرار دیا (خطبہ 19، جملہ 3) پھر اُس کا کاروبار ہی جلسا سازی، اندر کچھ باہر کچھ، ظاہر کچھ باطن کچھ، یعنی منافق فرمایا اور چونکہ منافق چند حقائق کو چھپایا کرتا ہے اسلئے اُسے کافر کا بیٹا بھی بتایا (خطبہ 19، جملہ 3) اور وہ خود بخود کافر زادہ یعنی کافر یعنی حق پوش بھی ثابت ہو گیا۔

4- حضرت علیؑ نے اُسے گرفتار کرنے والوں کو نہ کافر فرمایا نہ مسلم قرار دیا

یہاں پھر رُک جائیے اور سوچئے کہ حضور نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ ”تو ایک دفعہ کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور ایک دفعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں اسیر ہوا۔“ حضور نے اُسے پکڑنے والوں کو نہ کافر فرمایا اور نہ مسلمان قرار دیا۔ بلکہ اُسے پکڑنے والوں کو کفر و اسلام فرمایا ہے یعنی وہ نہ دل سے کافر تھا نہ مسلم تھا۔ اس لئے کہ مجتہدین یا منصوبہ ساز لوگوں کا درحقیقت کوئی مذہب نہیں ہوا کرتا۔ اگر اُن کی اسکیم کفر میں رہ کر پروان چڑھتی ہو تو وہ کافروں میں رہا کرتے ہیں ورنہ مسلمانوں میں اپنا کاروبار کرنے لگتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ تجھے کفر نے پکڑا تھا تو اپنے خیال میں کفر سے چھوٹ کر اسلام میں آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تو بدستور کفر کے ہاتھوں میں قید ہے اسلام نے بھی تجھے پھانس رکھا ہے۔ تو اپنا سارا زور لگا کر، مال و متاع خرچ کر کے اور خاندانی اثر و رسوخ کو صرف کر کے بھی اب رہائی نہیں پاسکتا ہے اور کوئی صورت تیرے فدیہ کی تیرے قابو میں نہیں ہے۔ تا حیات تو کفر و اسلام کے ہاتھوں میں قیدی رہے گا۔ نہ کفر تجھے فائدہ دے گا نہ اسلام تیرے کام آئے گا۔

وَاللّٰهُ لَقَدْ اَسْرَكَ الْكُفْرَ مَرَّةً وَّ الْاِسْلَامُ اُخْرٰى فَمَا فِدَاكَ مِنْ وَّ اَحَدَةٍ مِنْهُمَا مَالِكَ وَّ لَا حَسْبُكَ۔

”خدا کی قسم تجھے ایک دفعہ حق پوشی نے گرفتار کیا اور دوسری مرتبہ تجھے اسلام نے پھانس لیا چنانچہ دونوں میں سے ایک دفعہ بھی نہ تیرا مال تجھے

اُن سے بچا سکا اور نہ تیرا حسب و نسب ہی تیرے کام آیا۔“ (خطبہ 19 جملہ 5)

اور آخر اُسے گئی گزری اور اُس کی بے رحمی اور غدارى یاد دلا دی اور بتا دیا جو شخص اپنی قوم کا قتل عام کرے اپنی جان بچالے اُس سے اپنے پرانے ہر کسی کو ہر وقت خطرہ محسوس کرنا چاہئے۔

وَ اِنَّ اَمْرًا دَلَّ عَلٰى قَوْمِهِ السَّيْفُ وَّ سَاقِ الْيَهُمِ الْحَنْفُ لَحَرِيٌّ اَنْ يَّمُتُّنَهُ الْاَقْرَبُ وَّ لَا يَامَنُهُ الْاَبْعَدُ۔

”اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص اپنی قوم کو دشمن کی تلواروں کا لقمہ بنا دے اور یوں انہیں تہہ تیغ کر دے۔ اور اپنی قوم کی طرف

جان بوجھ کر موت کی تباہی کو ہانک لائے یقیناً وہی شخص تو ہے جس سے اُس کے قریب ترین واقف کار لوگ نفرت و عداوت رکھیں اور

دُور پار کے لوگ بھی اُس سے ہمیشہ خطرہ محسوس کرتے رہیں۔“ (خطبہ 19 جملہ 6 تا 9)

گویا حضرت علی علیہ السلام نے اُسے بتا دیا تھا کہ میں تمہاری طرف سے تاریکی میں نہیں ہوں تمہارے قلب کی گہرائی میں پوشیدہ اسکیم مجھ سے مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ اشاروں اشاروں میں اُس کے حالات اُس کے سامنے رکھ کر اُسے بتایا گیا کہ ہر عقلمند اور تمہارے واقعات و حالات و عادات سے

واقف شخص کو تہاری طرف سے مطمئن نہ رہنا چاہیے۔ اور وہ سمجھتا تھا کہ علی علیہ السلام خود بھی اُس کی طرف سے مطمئن نہیں ہو گئے۔

5۔ اشعث نے حضرت علیؑ کو ہاتھ میں لینے کی غلط راہ اختیار کی تھی

بہر حال وہ اس کے بعد بھی اعلانیہ باغی نہیں ہوا۔ اُس کا اپنے تجربے کے ماتحت ہمیشہ یہ یقین رہتا چلا گیا کہ آج نہیں تو کل اور اس طرح نہیں تو دوسری طرح ایک دن علیؑ بھی مجھ پر بھروسہ کرنے لگیں گے۔ اور میں کسی کو مشکوک کئے بغیر عانثہ کی طرح اپنا کام کر سکوں گا۔ (بخاری) چنانچہ ایک رات کا قصہ خود حضرت علیؑ علیہ السلام سنا تے ہیں کہ:

22	وَ اَعْجَبُ مِنْ ذَلِكَ طَارِقٌ طَرَقَنَا بِمَلْفُوفَةٍ فِي وَعَائِهَا؛	”اور اس سے بھی عجیب تر وہ واقعہ ہے کہ ایک شب ایک شخص شہد میں گندھا ہوا حلوہ ایک لپٹے ہوئے برتن میں لے کر ہمارے گھر پر آیا۔
23	وَ مَعْجُونَةٍ شَبْتَتْهَا؛	جس سے مجھے بہت نفرت محسوس ہوئی تھی۔
24	كَانَمَا عَجِنَتْ بَرِيقَ حَبِيَّةٍ أَوْ قَبِيئِهَا؛	جیسا کہ اُسے سانپ کے تھوک میں یا سانپ کی تہ میں گوندھا گیا ہو۔
25	فَقُلْتُ: أَصَلَّةٌ أَمْ زَكَاةٌ أَمْ صَدَقَةٌ؟	میں نے پوچھا کہ کیا یہ کوئی بخشش ہے یا زکاۃ ہے یا یہ صدقہ ہے؟
26	فَذَلِكَ مُحَرَّمٌ عَلَيْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ؛	چنانچہ یہ چیزیں تو ہم اہل بیت پر حرام ہیں۔
27	فَقَالَ: لَا ذَا وَلَا ذَاكَ؛	اُس نے کہا نہ یہ وہ ہے نہ یہ ہے،
28	وَ لَكِنَّهَا هَدِيَّةٌ؛	بلکہ یہ تو آپ کے لئے ہدیہ پیش کرتا ہوں۔
29	فَقُلْتُ: هَبْلَتَكَ الْهَبُولُ؛	میں نے جواب میں اُس سے کہا کہ پسر مردہ عورتیں تجھ پر روئیں۔
30	أَعَنْ دِينَ اللَّهِ آتَيْتَنِي لِتَخْدَ عَنِي؟	کیا تو دین کی آڑ میں مجھے فریب دینے کے لئے آیا ہے؟
31	أَمْ حَتِيطٌ أَمْ أَدُو جِنَّةٌ أَمْ تَهْجُرٌ؟	کیا تیرا دماغ چل گیا ہے کیا تو جنونی ہے یا تو کوئی دوسرا ٹھکانہ بنانے جا رہا ہے؟
32	وَ اللَّهُ لَوْ أُعْطِيَتْ الْأَفَالِيمُ السَّبْعَةَ بِمَا تَحْتِ أَفْلَاكِهَا عَلَى أَنْ أَعْصَى اللَّهُ فِي نَمَلَةٍ أَسْلُبَهَا جَلْبَ شَعِيرَةٍ مَا فَعَلْتُهُ؛	خدا کی قسم اگر مجھے ساتوں کائناتی ملکیتیں مع اُس سامان کے دے دی جائیں جو آسمانوں کے نیچے ہے اور مجھ سے یہ اُمید کی جائے کہ میں ایک چیونٹی سے ایک جو کا چھلکا چھین لینے کا خدائی گناہ کروں تو مایوس ہونا بہتر ہے۔
33	وَ إِنَّ دُنْيَاكُمْ عِنْدِي لَأَهْوَنُ مِنْ وَرَقَةٍ فِي فَمِ جَرَادَةٍ لَفَضَمُهَا؛	میرے نزدیک یہ دنیا تو اُس چبٹی سے بھی حقیر ہے جسے ایک ٹڈی منہ میں لئے ہوئے چبا رہی ہو۔
34	مَا لِعَلِيٍّ وَ لِنَعِيمِ تَفْنَى؛	بھلا علیؑ سے اُن نعمتوں کا کیا تعلق جو فانی ہوں۔
35	وَ لَذَّةٍ لَا تَبْقَى؛	اور اُن لذتوں سے علیؑ کو کیا واسطہ جو باقی نہ رہیں۔
36	نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ سُبَاتِ الْعَقْلِ؛	ہم عقل کے خواب غفلت میں مبتلا ہو جانے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔
37	وَ قُبْحِ الزَّلَلِ؛	اور اُن تمام لغزشوں سے اللہ کی حفاظت چاہتے ہیں۔
38	وَ بِهِ نَسْتَعِينُ ۝	اور ہم اُسی سے مدد کے خواستگار بھی ہیں۔

یہ تھی اُن گھریلو کوششوں کی ایک مثال جو اشعث اور اُس کے گھر والے حضرت علیؑ اور اُن کے گھر والوں سے گھل مل جانے کے لئے کرتے رہتے تھے۔ اور ادھر سے تقویٰ و طہارت اور خاندانی عفت و عظمت کے تحت انکار ہوتا رہتا تھا۔ اشعث کی چال یہ تھی کہ یوں بار بار انکار سے اس کے جو روئے چنے علیؑ و اولاد علیؑ علیہم السلام سے متنفر ہوتے چلے جائیں اور اشعث نے بار بار اپنے متواضع رویے کو جاری رکھ کر اور ہر مرتبہ ڈانٹ ڈپٹ سُن کر یہ نتیجہ حاصل کر لیا تھا۔ اور اس کی اولاد کے قلوب میں نفرت و عداوت کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔

6- اشعث قتل جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی سازش میں شریک اور ابن ملجم کا مددگار تھا

آخر کار اشعث کی ریشہ دوانیاں اور منصوبہ سازیاں معاویہ کی مدد سے کامیاب ہوئیں۔ عین اُس روز جس دن ساٹھ ہزار فدا کاروں کا لشکر تیار تھا اور صبح معاویہ پر حملے کے لئے روانگی کا پروگرام بن چکا تھا۔ حضرت علیؑ علیہ السلام نے عبادت میں شب بسر کرنا اور نماز تہجد کے بعد لشکر میں آ کر نماز صبح پڑھانا طے کیا ہوا تھا۔ لوگ انتظار کر رہے تھے کہ ذرا دیر میں مولائے کائنات آتے ہوں گے اور نماز کے بعد افواج کوچ کریں گی۔ افسوس کہ ہمت شکن اطلاع ملی۔ ابن ملجم گرفتار ہو گیا ہے۔ سر میں زہر آلود تلوار بہت گہری لگی ہے۔ جنگی تیاری ختم ہو گئی چاروں طرف سے لوگ صورت دیکھنے کے لئے اُمنڈنے لگے۔

ابن ابی الحدید نے ابوالفرج اصفہانی سے نقل کیا ہے کہ:

”جس شب میں ابن ملجم تلوار استعمال کرے گا وہ اشعث ابن قیس کے پاس آیا تو ابن ملجم اور اشعث مسجد میں آئے اور تنہائی دیکھ کر ایک گوشے میں جا بیٹھے۔ اتفاقاً حجرؓ ابن عدی ادھر کہیں قریب سے گزرے تو انہوں نے سنا کہ اشعث کہہ رہا تھا کہ بس اب جلدی کرو ورنہ صبح صادق ہو کر تمہیں رُسوا کر دے گی۔ حجر نے یہ سُن کر اشعث سے کہا کہ اے کانے تُو حضرت علیؑ کے قتل کی بات کر رہا ہے اور پھر تیزی سے علیؑ ابن ابیطالبؑ کے گھر کی طرف گئے تاکہ اس سازش سے مطلع کریں۔ وہاں امیر المؤمنینؑ کو نہ پا کر واپس پلٹے تو ابن ملجم اپنا کام کر چکا تھا۔ اور شور بلند ہو رہا تھا کہ علیؑ علیہ السلام قتل کر دیئے گئے۔“ (شرح ابن ابی الحدید جلد 6 صفحہ نمبر 43)

یعنی حضرت حجرؓ کو یہ شبہ بھی نہ ہوا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام تو مسجد میں ہی مصروفِ عبادت ہیں۔

7- اشعث کے بیٹے اور بیٹی خاندان مرتضویؑ کے قتل عام میں شریک رہے

یہ تاریخی واقعات ہیں کہ اشعث کا خاندان خانوادہ مرتضویؑ کے قتل و قتل عام میں دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کا مدد و معاون رہا۔ علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ:

”امام حسن علیہ السلام کی زوجہ جعدہ بنت اشعث نے حضورؐ کو معاویہ سے ساز باز کے بعد زہر دیا تھا۔ معاویہ نے جعدہ سے وعدہ کیا تھا

کہ وہ اُسے ایک لاکھ درہم دے گا اور اُس کا نکاح بیزید سے کر دے گا۔“ (مروج الذهب جلد 2 صفحہ نمبر 50)

یہ تو عرب کا بچہ بچہ جانتا ہے اور تمام تاریخوں کا مشہور کردار ہے کہ اشعث کا بیٹا محمدؑ کر بلا میں خونِ حسین علیہ السلام بہانے میں شریک تھا۔ یہ تھیں وہ سازشیں اور اسکیمیں جن کے تیار کرنے کی وجہ سے حضرت علیؑ علیہ السلام نے اُسے ”حائیک ابن حائیک“ فرمایا۔ اُسے ”منافق ابن کافر“ قرار دیا اور اس پر تمام مظلوموں کی اور اللہ کی طرف سے لعنت کی تھی۔

8- ابو بکر کا وہ حکم جو اس نے اشعث کی قوم کے قتل عام کے لئے سردارِ لشکر کو بھیجا

قریشی حکومت کا استحکام لاکھوں مسلمانوں کے قتل عام کے بعد ہوا تھا اور اس کی خبر سورہ بقرہ (2/205) میں دے دی گئی تھی۔ تاریخ

طبری بتاتی ہے کہ ”ابوبکر نے مغیرہ بن شعبہ کے ذریعہ مہاجر (سردار لشکر) کو یہ حکم بھیجا تھا کہ جب تم کو میرا خط ملے اور تم کو اُس وقت تک فتح نہ ہوئی ہو تو جب تمہیں (مخالف مسلمانوں) دشمن پر فتح حاصل ہو تو اگر بزرگوار شمشیر مغلوب کئے گئے ہوں تو تم اُن کے جنگ جو مردوں کو قتل کر دینا اور اُن کے اہل و عیال کو قید کر لینا۔“ (ترجمہ طبری خلافت راشدہ صفحہ نمبر 162-163)

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 20

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 20

خطبہ ﴿20﴾

- (1) موت کے وقت وہ تمام حالات قلب و نظر اور جسم و روح پر عملاً وارد ہوتے ہیں جن کو کانوں سے سن کر سرسری طور پر ٹال دیا جاتا ہے؛
- (2) جو لوگ تنبیہات کا دل پر اثر لیتے ہیں اور تکلیف دہ بیانات پر یقین کر کے نیک روش اختیار کر لیتے ہیں، انہیں ہولنا کیوں کی بجائے شادمانیوں سے سابقہ پڑتا ہے؛
- (3) علی اُس پردہ کے پیچھے وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں جو انسان دیکھ لیس تو ہرگز رضائے خداوندی کے خلاف کوئی کام نہ کریں؛
- (4) آسمانی رسول، اللہ کی طرف سے تبلیغ نہیں کرتے تبلیغ تو صرف انسان ہی کر سکتے ہیں؛
- (5) مرنے سے پہلے تمہارے سامنے سے وہ پردہ ہٹا دیا جائے گا جو حقائق کو تم سے پوشیدہ رکھے ہوئے ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر تم نے بھی وہ سب کچھ اسی طرح اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہوتا جو تمہارے مرنے والوں نے دیکھا تھا تو تم چیخ اُٹھتے۔ مضطرب اور بے قرار ہو جاتے، تمہارے حواس جاتے رہتے۔	1	فَانِكُمْ لَوْ عَايَنْتُمْ مَا قَدَّ عَايَنَ مَنْ مَاتَ مِنْكُمْ لَجَزِعْتُمْ وَ وَهَلْتُمْ؛
اور تم ہدایت پر کان دھرتے اور اطاعت بھی کرتے۔	2	وَ سَمِعْتُمْ وَ اطَعْتُمْ؛
مگر جو کچھ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ تمہارے لئے ابھی پردے میں ہے،	3	وَ لَكِنْ مَّحْجُوبٌ عَنْكُمْ مَا قَدَّ عَايَنُوا؛
اور یہ بھی قریب ہی ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے سے موجودہ پردہ ہٹا دیا جائے۔	4	وَ قَرِيبٌ مَّا يُطْرَحُ الْحِجَابُ؛
اور حقیقت یہ ہے کہ اگر تم با بصیرت ہوتے اور دیکھنا چاہتے تو تمہیں دکھایا جا چکا ہے۔	5	وَ لَقَدْ بَصُرْتُمْ اِنْ اَبْصَرْتُمْ؛
اور اگر تم نے ہدایات و تنبیہات پر کان دھرا ہوتا تو تم ضرور سن لیتے۔	6	وَ اَسْمِعْتُمْ اِنْ سَمِعْتُمْ؛
اور اگر تم طالب ہدایت ہوتے اور ہدایت کی تلاش میں رہتے تو تمہیں ضرور ہدایت مل جاتی۔	7	وَ هُدَيْتُمْ اِنْ اهْتَدَيْتُمْ؛
میں تمہارے سامنے یہ حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ بلاشبہ تمہیں عمر تیں بلند آواز سے پکارتی رہی ہیں۔	8	بِحَقِّيْ اَقُوْلُ لَكُمْ لَقَدْ جَاهَرْتُمْ الْعَبْرُ؛
اور تمہیں ہر قسم کی ڈانٹنے والی چیزوں سے جھڑکیاں اور دھمکیاں دی جا چکی ہیں۔	9	وَ زَجَرْتُمْ بِمَا فِيْهِ مُرْدَجَرٌ؛

اور اب اللہ کی طرف سے تمہاری ہدایت کے لئے فرشتے تو آنے سے رہے، تبلیغ تو بشر ہی کیا کرتے ہیں جو کی جا رہی ہے۔	10	وَمَا يُبَلِّغُ عَنِ اللَّهِ بَعْدَ رُسُلِ السَّمَاءِ إِلَّا الْبَشَرُ؛
--	----	---

تشریحات:

اگر تم نے بھی وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہوتا جو تمہارے مرنے والوں نے دیکھا تو تم چیخ اٹھتے، راست روی کیلئے بیقرار ہو جاتے اس خطبے میں حضور مسلمانوں کو راست روی کے لئے تشبیہ فرما رہے ہیں۔ اُن کے نام نہاد ایمان و یقین کو جھنجھوڑ کر جگا دینا چاہتے ہیں۔ انہیں اللہ کی دھمکیوں پر متوجہ رکھنا چاہتے ہیں جو بد کردار لوگوں کو مرتے دم پیش آنا ہیں۔ تاکہ اُن پر یقین کر کے بد اعمالیوں سے باز آجائیں۔ ورنہ انہیں بھی فرشتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

1- کیا تم ایسی حالت میں بھی نافرمانیاں اور جرم کر سکتے ہو جب تمہارے چہروں پر مار پڑ رہی ہو؟

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهُهُمْ وَ أَدْبَارَهُمْ (محمد 47/27)

”اور وہ وقت آجائے گا جب ملائکہ تمہاری رو میں بھی اُن ہی کی طرح قبض کریں گے اور اُن کی پشت اور چہروں کو پیٹتے جا رہے ہوں گے۔“ مطلب یہ ہے کہ اگر تم لوگوں نے وہ حالات دیکھے ہوتے جو مرنے والوں پر گزرتے ہیں تو تم یہ بد معاشیاں ہرگز نہ کرتے۔ لہذا اللہ کے بیان پر یقین کر لو اور شریفانہ طرز زندگی اختیار کر لو۔

2- تم کتنے روپے لینا پسند کرو گے اگر روپے آگ میں لال ہو رہے ہوں اور ہر روپیہ سے تمہاری پیشانی داغ کرتے ہیں دیا جاتا ہے؟

يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوبُهُمْ وَ ظُهُورُهُمْ..... (توبہ 9/35)

”تمہیں بتایا جا چکا، تمہیں ڈرایا جا چکا کہ زرو جو ہر جمع نہ کروغریوں اور محتاجوں کی مدد کرو ورنہ تمہاری ساری دولت جہنم کی آگ پر تپائی جائے گی اور تمہارا سارا جسم اُس سے داغ دار کیا جائے گا۔“

تمہارے مرنے والوں کے ساتھ یہ سب کچھ ہو چکا۔ اگر تم نے یہ تماشا دیکھا ہوتا تو تم نہ مال حرام کھاتے نہ پیسے جوڑ جوڑ کر رکھتے اور نہ حق داروں کو محروم کرتے۔ تم نے ان آیات پر، اللہ کی کسی بات پر یقین نہ کیا ورنہ تم ایسا نہ کرتے۔ اور تمہارے تصور میں پیشانی کے جلنے کی تکلیف سما جاتی تمہارے ناک میں اپنے گوشت کے جلنے کی بدبو آتی رہتی تمہارے کان تمہاری کھال کے چٹختے اور مسکنے کی آوازیں سنتے رہتے۔ دوسروں کو دیکھ دیکھ کر بھی تم لرزتے اور کانپتے رہتے۔ (خطبہ 20، جملہ 1)

يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَ أَطَعْنَا الرَّسُولَ (احزاب 33/66)

”اور چہنیں مار مار کر تڑپ کر کہتے کہ ہائے افسوس ہم نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔“

وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوْ لِمَ نُعَمَّرُكُمْ..... الخ (فاطر 35/37)

وہ چلا چلا کر درخواست کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس صورت حال سے نکال لے اب ہم وہ نیک کام کریں گے جو پہلے نہ کرتے تھے۔“ لیکن تم نے یہ سب کچھ نہ دیکھا تمہاری آنکھوں کے آگے مشیت کا پردہ پڑا رہا (خطبہ 20، جملہ 3) اگر تم دیکھ لیتے یا سچا

ایمان لا کر تصور میں محسوس کر لیتے تو تم باتوں کو نور سے بھی سنتے اور ان پر عمل اور اطاعت بھی کرتے (خطبہ 20، جملہ 2) عنقریب تمہارے سامنے سے پردہ ہٹا دیا جائیگا (خطبہ 20، جملہ 4)

لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (ق 50/22)

اور تم سے کہا جائے گا کہ تو اپنے اس انجام سے غافل رہتا رہتا ہاچنا نچہ آج ہم نے تیرے سامنے سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے آج تو تیری نظر بہت گہرائی تک دیکھ رہی ہے۔“

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ○ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ○ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ ○ لَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ○ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ○ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○ (سورہ واقعہ 87، 83/56)

”تم نے مرنے والوں کی بے چینیاں دیکھی ہیں۔ وہ وقت دیکھا ہے جب ہاتھ پیرا بیٹھتے ہیں۔ اور جان حلق میں آ کر ٹک جاتی ہے اور تم بیٹھے حسرت و یاس سے تکتے رہتے ہو اور اُس وقت ہم ہی اُس سے قریب تر ہوتے ہیں مگر تم دیکھ نہیں سکتے۔ اُس وقت کیوں تم اس کی نکلتی ہوئی جان کو واپس نہیں لے آتے؟“

ایسے خوفناک نظارے زندگی بھر دیکھتے رہتے ہو لیکن چند ہی روز کے بعد بھلا دیتے ہو، اگر تم چاہتے تو ان ہولناک نظاروں کو دماغ میں فریم (Frame) کر کے سامنے لٹکا تے مگر تم نے دیکھا، ان دیکھا کر دیا (خطبہ 20، جملہ 5) تم نے اپنے کانوں سے مرنے والے کی بے قراری کو سنا اُس کی گھٹتی ہوئی مایوس آواز اور ٹوٹی پھوٹی بے جوڑ باتیں سنی مگر بھلا دیں۔ اگر تم چاہتے تو وہ تمہارے کانوں میں گونجتی رہتیں (خطبہ 20، جملہ 6) جس طرح تمہارے دھننے بائیں والوں نے ہدایات پر عمل کیا تم بھی راہنمائی حاصل کر سکتے تھے (خطبہ 20، جملہ 7) میں تمہیں اپنے یقین و تجربے اور مشاہدے کے ماتحت کہتا ہوں کہ غلط راہوں سے روکنے کے لئے ہر ممکن دھمکی دی گئی۔

اِفْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ○ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا ○ وَيَقُولُوا اسِحُّ ○ مُسْتَمِرٌّ ○ وَكَذَّبُوا ○ وَاتَّبَعُوا ○ أَهْوَاءَهُمْ ○ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ ○ لَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ○ (سورہ قمر 4-54)

چاند کا پھٹنا اور جڑنا دکھا کر قیامت یاد دلائی گئی۔ تمہیں وہ تمام اطلاعات دی گئیں تھیں جن میں دل ہلا دینے والی ڈانٹ اور پھٹکار تھی۔“ (خطبہ 20، جملہ 8، 9)

آنحضرت نے ساری عمر تمہیں تبلیغ کی اللہ سے اور عاقبت سے خبردار کیا۔ مگر تم نہ مانے اور میں تمہیں سمجھا رہا ہوں تم نہیں مانتے۔ یاد رکھو کہ تمہیں سمجھانے کیلئے فرشتے نہیں بلکہ تمہاری موت آئے گی۔ (خطبہ 20، جملہ 10)

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 21

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 21

خطبہ (21)

(1) منزل پر بہر حال پہنچنا ہے خواہ خوشی خوشی پہنچو یا دھکیلنے والوں کے دھکوں سے پہنچو؛

(2) سفر حیات سبکساری اور سہولت سے طے کرنا بہتر ہے؛

(3) جلدی اور تیزی سے سفر کرو کچھ لوگ تمہارے منتظر ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	فَإِنَّ الْغَايَةَ أَمَامَكُمْ؛	تمہارا مقصد حیات اور منزل تمہارے سامنے ہے۔
2	وَإِنَّ وِرَاءَكُمْ السَّاعَةَ تَحْدُوْكُمْ؛	مخصوص و متعین گھڑی تمہارے پیچھے ہے اور تمہیں منزل کا راگ سنا کر ہانک رہی ہے۔
3	تَخَفُّوْا وَتَلَحُّقُوْا؛	اس سفر میں خود کو ہلکا پھلکا کر کے چلو اور جلد سے جلد اگلوں سے جا ملو۔
4	فَإِنَّمَا يَنْتَظِرُ بَأْوَلِكُمْ آخِرُكُمْ؛	بات یہ ہے کہ تم سے پہلے والے مسافروں کو بعد والے مسافروں کے انتظار میں روکا ہوا ہے۔

تشریحات:

أَقُولُ: إِنَّ هَذَا الْكَلَامَ لَوْ وُزِنَ بَعْدَ كَلَامِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَبَعْدَ كَلَامِ رَسُولِ اللَّهِ (صلی اللہ علیہ و آلہ) بِكُلِّ كَلَامٍ لِّمَالٍ بِهِ رَاجِحًا؛ وَ بَرَزَ عَلَيْهِ سَابِقًا؛ فَأَمَّا قَوْلُهُ (عليه السلام) تَخَفُّوْا تَلَحُّقُوْا فَمَا سَمِعَ كَلَامًا أَقَلُّ مِنْهُ مَسْمُوعًا وَلَا أَكْثَرُ مَحْصُولًا، وَمَا أَبْعَدَ غُورَهَا مِنْ كَلِمَةٍ وَأَنْفَعَ نُطْفَتَهَا مِنْ حِكْمَةٍ وَقَدْ نَبَّهْنَا فِي كِتَابِ الْخَصَائِصِ عَلَى عِظَمِ قَدْرِهَا وَشَرَفِ جَوْهَرِهَا۔ سید رضی فرماتے ہیں کہ کلام خدا اور رسول کے بعد جس کلام سے بھی ان کلمات کا موازنہ کیا جائے تو حسن و خوبی میں ان کا پلہ بھاری رہے گا۔ اور ہر حیثیت سے بڑھے چڑھے رہیں گے۔ اور آپ کا یہ ارشاد کہ: ”تَخَفُّوْا تَلَحُّقُوْا“ اس سے بڑھ کر تو کوئی جملہ سننے ہی میں نہیں آیا ہے جس کے الفاظ کم ہوں اور معنی بہت ہوں۔ اس کلمے کے کتنے بلند معنی ہیں اور حکمت کا چشمہ کتنا صاف و شفاف ہے۔ اور ہم نے اپنی کتاب خصائص میں اس فقرے کی عظمت پر اور اس کے معنی کی بلندی پر روشنی ڈالی ہے۔“

1۔ انسانی زندگی کا مقصد و مدعا سفر حیات کو سہل بنانے کیلئے لہما کر آگے بڑھانے اور دھکیلنے کا پروگرام اور منتظرین کا پاس خاطر

کاش اس خطبے کا باقی حصہ بھی ملا ہوتا۔ یارضی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے کچھ راہنمائی کی ہوتی۔ انہوں نے خطبے کے ان چار جملوں کے بعد، اپنے نہایت غیر ضروری، ریمارکس کے لئے آٹھ جملے لکھے ہیں۔ غیر ضروری اس لئے کہا گیا کہ قاری کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ تو یہ بتانے سے پوری ہوتی تھی کہ:

1: ”حضرت علیؑ نے اس خطبے میں صرف چار جملے فرمائے تھے اور اس کے بعد نمبر سے اتر آئے تھے۔“ یا یہ کہ

2: ”مجھے ان چار جملوں کے علاوہ اور کچھ نہ مل سکا۔“

یہ ناممکن ہے کہ انسان تقریر کرنے کھڑا ہو اور چار ایسے جملے کہہ کر تقریر کو مکمل سمجھ لے جن کے شروع میں بھی خلا ہو اور آخر بھی نامکمل ہو۔ یہ جملے تو پکار کر چغلی کر رہے ہیں کہ ہم کسی پوری تقریر کے بیچ سے اٹھائے گئے ہیں۔ بہر حال ہم حضرت علیؑ علیہ السلام سے چودہ سو سال بعد کے لوگوں میں ہیں اور جناب رضی رضی اللہ عنہ صرف چار سو سال کے بعد کے زمانہ میں تھے۔ جب شیعہ سنی ریکارڈ مکمل موجود دستیاب تھا۔ وہ ہمیں بہت کچھ بتا سکتے تھے۔ یقیناً وہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ یہ تین تین چار چار جملے ہرگز پورا خطبہ نہیں ہو سکتے۔ اور وہ یقیناً اتنا بتا سکتے تھے، اور ان کی بات سند ہوتی اور مانی جاتی کہ ”یہ جملے اس لئے خطبے کے عنوان سے لکھ رہا ہوں کہ نہ یہ خطوط کے جملے ہیں نہ یہ ان کی چھوٹی چھوٹی نصیحتوں میں سے ہیں ورنہ انہیں بیچ البلاغہ کے آخر میں لکھا جاتا۔ لہذا میں ان جملوں کو خطبہ کہہ کر لکھ رہا ہوں گو یہ مکمل خطبہ نہیں۔“ یا کھل کر لکھتے کہ یہ تین چار جملے بھی مکمل خطبہ ہیں۔ ان کا پُچپ چا پ گز رنا اگر اختصار کی بنا پر ہوتا تو انہیں فضول کے ریمارکس سے بھی احتراز کرنا تھا۔ یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ خطبہ چار جملوں کا تو ریمارکس دس جملوں کے؟ اور وہ بھی ایسے جن سے ہمیں یا کسی اور کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بات سمجھنے میں کسی طرح کی مدد نہیں ملتی۔ مثلاً یہ کہ ”میں نے حضرت علیؑ کے اس جملے ”نَخَفْنَا تَلْحَقُوا“ کی عظمت اپنی کتاب ”خصائص“ میں بیان کی ہے۔“

عقیدت کی بنا پر بلا دلیل کچھ کہنا یا لکھنا ہمیں رضی صاحب کا بھی پسند نہیں:

سوال یہ ہے کہ جہاں یہ ریمارکس لکھے ہیں وہاں اُس عظمت کو بیان کرنے میں کون مانع ہوا؟ اور کیوں ایک ایسی کتاب میں لکھی جو بیچ البلاغہ نہیں تھی؟ بہر حال بیچ البلاغہ کو اُس عظمت سے محروم کر کے بیچ البلاغہ کے کروڑوں قاریوں کو محروم کر دیا گیا۔ پھر رضی صاحب نے یہ جملہ بھی لکھا ہے کہ: ”اللہ اور رسولؐ کے کلام کے بعد حضرت علیؑ کا کلام..... یہ ہے اور وہ ہے۔“

ہم پوچھنا اور کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ و رسولؐ کا کلام کس دلیل سے حضرت علیؑ سے بہتر و عظیم تر ہے؟ کلام کا کوئی نمونہ دکھانا چاہئے تھا یعنی کوئی آیت یا حدیث یا دونوں سامنے رکھ کر مقابلہ کرنا چاہیے تھا۔ اور دکھانا چاہئے تھا کہ اللہ و رسولؐ کا کلام فلاں جگہ اسی مطلب کو اس سے کم الفاظ میں بیان کرتا ہے اور اس سے زیادہ معنی پیش کرتا ہے۔ حضرت علیؑ کے صرف دو الفاظ ہیں تو آیت یا حدیث میں سے ایک ایک لفظ ایسا دکھانا چاہئے جو ان معنی کو یا ان سے زیادہ معنی کو اپنے اندر رکھتا اور عام فہم ہوتا۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ حدیث کے سارے سنی شیعہ ذخیرہ میں اور پورے قرآن میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہے جو چیلنج کا جواب بن سکے۔ البتہ قرآن و حدیث میں دینی ضرورت کے ماتحت ایسے الفاظ کا ڈھیر موجود ہے جو دیہاتی زبان سے زیادہ کچھ نہیں۔

2- اس خطبے میں بے پناہ اور لامحدود عملی تفصیلات کو چار جملوں میں سہولت سے سمودیا ہے

ہم ان چار جملوں کو اگر باقاعدہ چھیڑ دیں تو سارا قرآن اور تمام احادیث ان کے بیان میں صرف ہو کر رہ جائیں گی۔ مگر ہمیں پوری بیچ البلاغہ کو عام فہم طریقے سے لوگوں کے سامنے رکھنا ہے۔ اور کسی ایک خطبہ پر پوری قوت صرف کر دینے سے ہم یہ کام نہ کر سکیں گے اور رک کر کھڑے ہو جائیں گے۔ اس لئے ان چار جملوں میں سے وہی پہلو سامنے لائیں گے جو پڑھنے والوں کو خود بھی سہولت سے نظر آسکیں۔

پہلی بات: قارئین غور سے دیکھیں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام ایک ایسا نظارہ پیش فرماتے ہیں جس میں ساری نوع انسان سرگرم سفر ہے۔ ان کے

سامنے اُن کے مقاصد ہیں جن کے حصول میں ہر مسافر رواں دواں ہے۔ ساتھ ہی اُن کے پیچھے پیچھے خدی خوانی کرتا ہوا ایک اور قافلہ ہے۔ جو اُنہیں آگے بڑھانے میں کوشاں ہے یہ صورتِ حال حضور کے پہلے دونوں جملوں میں جھلک رہی ہے یعنی:

فَإِنَّ الْغَايَةَ أَمَامَكُمْ، وَإِنَّ وِرَاءَكُمْ السَّاعَةَ تَحْدُوكُمْ (خطبہ 21 جملے 2-1)

تمہاری غرض و غایت یقیناً تمہارے سامنے ہے۔ یعنی تم سے اوچھل یا پوشیدہ نہیں۔ یعنی تم اُسے ملحوظ رکھے ہوئے ہو۔ اور تمہارے پیچھے پیچھے یقیناً ایک خاص الخاص ناظم ٹیبل (Timetable) ہے۔ جو عربی قافلوں کی طرح اونٹوں کو مست کر کے تیز چلانے والا گانا (خدی) سنا سنا کر تمہیں وقت کے دھارے پر بہائے لئے چلا جا رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ خدی سنانے والا بے جان و بے شعور نہیں ہو سکتا۔ اُسے ہر وہ خدی معلوم ہونا چاہیے جو اُس آگے چلنے والوں کے مزاج اور پسند اور مختلف اوقات سفر میں موزوں اور موثر ہو۔ یہ نظارہ سامنے رکھیے اور اب سوچئے کہ:

دوسری بات: حضور فرما رہے ہیں کہ: تَحْفَفُوا وَتَلَحَّفُوا، فَإِنَّمَا يَنْتَظِرُ بَأْوَلِكُمْ الْآخِرُكُمْ (خطبہ 21 جملے 3-4)

”موجودہ صورتِ حال اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تم سے پہلے پہنچے ہوئے مسافروں کو بعد والے مسافروں کے انتظار میں روکا ہوا ہے چنانچہ اخلاق کا اور صورتِ حال کا تقاضا یہ ہے کہ اُنہیں انتظار کی تکلیف سے بچانے کے لئے ہلکے ہلکے ہو کر تیز تیز سفر کرو۔“

تیسری بات: فرمایا یہ ہے کہ اولین مسافروں کو یا پہلے سفر کرنے والے مسافروں کو بعد والے مسافروں کے پہنچنے کا انتظار کرایا جا رہا ہے۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ سفر کسی کنٹرولر کے ماتحت جاری ہے اور وہ ناظمِ سفر تمام مسافروں کو بیک وقت دیکھ رہا ہے۔ اُسی کے انتظام سے سفر جاری ہوا ہے۔ وہی آگے والوں کو ترکیب و انتظام سے روکے ہوئے انتظار کرا رہا ہے اور انتظار تو اس لئے ہو رہا ہے کہ اولین و آخرین تمام مسافر ایک خاص منزل پر پہنچ جائیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اُس منزل پر جو کچھ ہونا ہے یا جو کچھ کرنا ہے وہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ جو سب کے کرنے کا ہے یا سب سے متعلق ہے اور سب کو دکھا کر کرنا ہے یا کرنا ہے۔ اب سوچئے کہ حضرت علی علیہ السلام کے فرمانے سے پہلے کتنے انسان سفر کر چکے تھے؟ غالباً حضرت آدم علیہ السلام پہلے مسافروں میں ہونگے۔ غور کیجئے کہ حضور کے زمانے سے پہلے مسافروں کا مختصر مختصر حال بیان کرنے کے معنی تمام سابقہ انبیاء علیہم السلام اور امتوں کے حالات و واقعات بیان کرنا ٹھہرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی عہدِ مرتضوی کے بعد کے مسافروں کا تصور سر پر چھا جاتا ہے یعنی قیامت قائم ہونے تک کے مسافر زیر نظر ہیں۔ بتائیے اُن کی فہرست پیش کرنے کے مقابلہ میں میرے علم کا سا کتنا حقیر و فرومایہ ہے؟

معلوم ہوا کہ ان چاروں جملوں میں جس سفر کا اور جن مسافروں کا تذکرہ ہوا ہے وہ سفر بظاہر سب سے پہلے تخلیقِ آدم سے جاری ہوا تھا۔ اور اولین مسافر حضرت آدم و حوا علیہما السلام تھے جو ابلیس کی معیت میں پہلے جنت کی طرف گئے اور پھر تینوں اس خطہ زمین کی طرف آئے اور پھر وہ دونوں جناب آدم و حوا جنت کی طرف چلے گئے۔ اور وہاں قیامت تک آنے والے اپنے بچوں کے انتظار میں ہیں۔ اسی طرح وہاں تمام انبیاء اور اُن کی امتیں منتظر ہیں اور اب تو تمام (گیارہ) آئمہ، شہدائے کربلا اور ساری آگے پہنچی ہوئی نوع انسان منتظر ہے۔ پھر اُس کنٹرولر کی عظمت پر نظر ڈالئے کہ وہ ایسی ہستی ہے کہ اس سفر میں مصروف تمام انسانوں کو اور تمام انسانوں کے سفر سے متعلق تمام سامان و اشیاء اور اُن کے متعلقین پر مطلع اور مسلط ہے۔ اور یقیناً پیچھے پیچھے چلنے والا الساعۃ جو خدی خوانی کر رہا ہے اور انسانوں کے اس جہمِ غیر کو آگے بڑھا رہا ہے۔ اُس کی وسعتیں کیا ہوں گی؟

اور ظاہر ہے کہ وہ بھی اس ناظم سفر کے ماتحت ہوگا تاکہ اُس پورے سفر کا ٹائم ٹیبل بلا رکاوٹ و تاخیر کے مکمل ہو جائے یہی بات تو ہے جو فرمایا گیا کہ:

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ، إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (یونس 110/49 اعراف 7/34)

”ہر امت کیلئے ٹائم ٹیبل ہے جیسے ہی مقررہ وقت ہوتا ہے تو کوئی امت نہ اُس وقت سے پہلے پہنچ سکتی ہے نہ تاخیر کر سکتی ہے۔“

یہ ہے وہ حدیٰ خوانی کرنے والا ٹائم ٹیبل یا ”الساعة“ جو ناظم کی منشاء اور پروگرامنگ کے ماتحت ساری نوع انسان کو روزاڈل سے برسر سفر رکھنے کے لئے چلا جا رہا ہے۔

پھر یہ سوچئے کہ کسی انسان کو کبھی اور کہیں یہ محسوس تک نہیں ہوتا کہ اس کے سفر حیات میں کوئی ڈکٹیٹر ڈنڈا لئے اُسے جبراً ہانک رہا ہے۔ ہر شخص آزادی محسوس کر رہا ہے۔ وہ سوتا ہے۔ کام چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے جب چاہے جتنا چاہے وقت ضائع کرتا ہے، مگر وہ اپنی تمام آزادی اور پوری قوت و اختیار کے باوجود مذکورہ ٹائم ٹیبل اور پروگرام میں مانع اور حارج نہیں ہوتا۔ اگر ہم مشیت اور قانون قدرت اور مذکورہ انتظام بیان کرنا شروع کر دیں اور ساتھ ہی قرآن کی آیات اور اُن کا ترجمہ بھی لکھنا شروع کر دیں تو بات کہاں پہنچے گی؟ اور کتنا وقت لگے گا اور وہ سارا بیان وہی ہوگا جو یہ چار جملے فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام کے سامنے تھا۔ جس کو سمیٹ کر اُن جملوں میں پیوست فرمایا ہے۔ ساتھ ہی آپ خود آدمی ہیں اس لئے یہ سمجھتے ہیں کہ آپ تو خود آزادی سے وہ پروگرام چلا رہے ہیں جو آپ نے اور آپ کے والد نے بچپن سے بنایا تھا۔ جس غرض کے لئے آپ کو پڑھایا لکھایا، یا ہنر سکھایا تھا۔ تمہیں شادی کرنا تھی۔ تم پر کوئی جبر نہ تھا۔ متعلقہ سامان کرنا تھا۔ جلدی جلدی اور اچھے سے اچھا کرنا تھا۔ روپیہ جمع کرنا اور خرچ کرنا تھا۔ بچوں کی تنہائی۔ انہیں پالنا، تربیت دینا تھا۔ یعنی تم ہر قدم پر اور ہر منٹ ایک نہیں کئی کئی غایات و مقاصد سامنے رکھتے تھے۔ دن رات اُن کو پورا کرنے میں مصروف تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ تمہارے سامنے (أَمَّاكُمْ) جو مقاصد و اغراض یا جو تمنائیں ہیں وہ مجروح ہو جائیں اُن میں تاخیر و نا کامی ہو جائے چنانچہ تمہارے سامنے جو غایات تھیں (فَلِإِنَّ الْغَايَةَ أَمَّاكُمْ) تم نہایت تندگی سے اُن کو انجام دینے میں لگے رہے اور آخری سانس تک کسی قسم کی کوشش اٹھا نہیں رکھی اور اگر ممکن ہو تو اُس پروگرام کو جاری رکھنے کی وصیت کی اور مستحکم انتظام بھی کیا اور جیسے ہی آخری سانس لی تو اُن لوگوں میں شریک ہو گئے جو بعد میں آنے والوں کے منتظر تھے۔ یعنی شروع سے آخر تک آپ کے اوپر کوئی جبر نہ تھا۔ اور یہ اُس ناظم سفر کا کمال ہے کہ آپ سو فیصد بلکہ ہزار فی صد آزاد رہ کر بھی مذکورہ بالا ٹائم ٹیبل کے ہزار فیصد مطابق منزل پر پہنچے اور ایک لمحہ نہ دیر کر سکے نہ پہلے آئے۔ یہ ہے وہ حدیٰ خواں، الساعۃ، جو تمہیں تمہاری خوشی سے پسند کے گیت اور نغمے سنا تا وقت کے اندر اندر لے آیا۔ یہ ہیں وہ تو تین جن کے لئے فرمایا گیا ہے کہ:

وَالنَّزِيلِ عَرَفَا ۝ وَالنَّشِيطِ نَشِطًا ۝ وَالسَّابِحِ سَبْحًا ۝ فَالسَّابِقِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدْبِرِ أَمْرًا ۝ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ يَقُولُونَ ۝ إِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ إِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً ۝ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ (سورہ النازعات - 12-79/1)

(1) ”قسم ہے اُن مقدس افراد کی جو آپس میں گتھی ہوئی، اُلجھی ہوئی صورتِ حالات کو گہرائیوں میں اتر کر سلجھاتے اور الگ الگ کرتے ہیں (2) قسم ہے اُن مقدس ہستیوں کی جو نشاط و راحت و مسرت بھی حد بھر فراہم کرتے ہیں (3) اور قسم ہے اُن مقدس افراد کی جو فضاؤں، ہواؤں اور خلاؤں میں تیرنے میں بہت سریع السیر ہیں (4-5) پھر اُن مقدس افراد کی تمام سائقین پر ہمہ قسمی سبقت رکھنے

کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہی افراد ہیں جو حکم خداوندی کے ماتحت کائنات میں ارتقائی تدابیر انجام دیتے ہیں (6) اُس دن بھی اُن کی تدبیر سے زمین کو زلزلے سے ہلا کر رکھ دیا جائے گا (7) اور پے در پے زلزلے، آگے پیچھے آتے چلے جائیں گے (8) اُس روز کچھ دل زور زور سے دھڑک اور لرز رہے ہوں گے (9) اُن کی آنکھیں عاجز جھکی اور سہمی ہوئی ہوں گی (10) قریش کہتے ہیں کہ کیا واقعی ہمیں چھانٹ چھانٹ کر پھر واپس لایا جائے گا (11) کیا ایسی حالت میں بھی واپسی ہو سکے گی جب کہ ہم گل سڑ کر ہڈیوں کا ڈھیر ہو چکیں گے؟ (12) کہنے لگے کہ اگر ایسا ہوا تو یہ دوبارہ زندہ ہو کر واپسی تو خالص گھاٹے کا معاملہ ہوگا (نازعات)

یہ ہے وہ ”السنّۃ“ جو حُدی سُناتے سُناتے وہ پروگرام مکمل کرے گا جو روز ازل بنایا گیا تھا۔ چنانچہ اُس پروگرام کی تکمیل کے لئے سفر جاری ہے۔ منزل پر پہنچنے والے، باقی مسافروں کے منتظر ہیں۔ فرمایا یہ گیا ہے کہ ”ہلکے ہو جاؤ، مُلحق ہو جاؤ“

”تَخَفُّوْا تَلَخَفُوْا“ ہر وہ چیز الگ کر دو جو سفر کو دُھر کرتی ہو، ہر وہ رکاوٹ راہ سے ہٹا دو جو روک بن رہی ہو، ہر وہ تصور جھٹک دو جو لیت و لعل سے دوچار رکھتا ہو، ہر وہ بات سُننا بند کر دو جو راہِ پیمائی میں مغل ہوتی ہو، ہر اُس چیز سے نظریں ہٹا لو جو ٹھوکر کا باعث ہو، یعنی ہر وہ کام کرو جو جلد سے جلد ملحق کر دے۔ اگر ہو سکے تو زمین کو کھینچ کر فاصلے کو کم کر لو یہ بھی تخفیف (تخففوا) میں داخل ہے۔ ذرا سوچئے اور بتائیے کہ تَخَفُّوْا میں کیا داخل نہیں؟ تمہارے مکانات، تمہاری زمین و باغات، تمہاری تجارت، بینک، مال و دولت سامانِ آرائش و زیبائش، تصویریں، نقش و نگار والے پردے، نظارے سینئریاں، کھلونے، جھاڑ فائوس وغیرہ، سہولت کا سامان موٹریں اور سواری کی دوسری بہت سی چیزیں، جاندار اور آہنی وغیرہ، پھر سامانِ تحفظ بندوقیاس وغیرہ، کھانے پینے کا سامان اور متعلق برتن، پھر رشتہ دار یوں کے الجھاؤ۔ بیویاں، اولاد، ماں باپ، عزیز واقربا (توبہ 9/24) یہ اور غور کرنے پر لاکھوں چیزیں ملیں گی جو لفظ ”تَخَفُّوْا“ میں داخل ہیں۔ منفی صورت میں یہ تفصیل سمٹ کر ”یک بنی و دو گوش“ میں سما جاتی ہے۔ اسی سفر کو سہل اور سرج بنانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:

”اگر تو تکمیل ذات چاہتا ہے تو جا کر اپنی ملکیت کی تمام چیزیں فروخت کر کے مساکین کو دے دے اور واپس آ کر میرے پیچھے ہوئے“

(لوقا 28 تا 18/18)

پھر الحاق کی منزل کو کھینچ کر قریب لانے کیلئے مودۃ کی کند ڈالی جاسکتی ہے اور دورانِ سفر بھی ملحق رہنے کی تدابیر بتائی گئی ہیں۔ تاکہ پہر سفر پیارے پیارے معصوم راہنماؤں کے سائے میں گزرے اور منزل ہر وقت ساتھ رہے۔

چوتھی بات: وہ لوگ جو ہمارے راہنماؤں سے قلبی عناد رکھتے ہیں وہ لوگوں کو ہموار کرنے اور فریب دینے کے لئے ہمارے بزرگوں کے الفاظ اور جملے بولتے اور لکھتے رہتے ہیں تاکہ اُن کی محفلیں گرم رہیں۔ کاروبار چلتا رہے۔ لیکن اگر انہیں روک کر کسی مقدس لفظ یا دہرائے جاتے رہنے والے جملے کا مطلب معلوم کر لیا جائے تو وہ کچھ نہیں بتا سکتے اس لئے ہم حضرت علی علیہ السلام کی نصیحت کے مطابق اُن کی ”مخالفت میں حق“ سمجھتے ہیں۔ اس لئے اُن کو چیلنج کیا اور کرتے رہیں گے۔ ہمیں علم ہے کہ وہ قرآنی علوم و رموز سے جاہل ہیں۔ انہوں نے قرآن کی تعلیم صاحبانِ قرآن علیہم السلام سے نہیں بلکہ دشمنانِ قرآن سے پائی ہے۔ انہوں نے مجبور شدہ قرآن سے رابطہ رکھا ہے اس لئے وہ ہمارے چیلنج کے سامنے ذلیل و خوار رہنے پر مجبور ہیں لیکن ہم اپنے قارئین کے سامنے وہ دلیل رکھتے ہیں جس کی بنا پر خالق کے کلام کو مخلوق کے کلام پر برتری ہونا چاہئے۔ آپ ہمارے اسی بیان پر دوبارہ نظر ڈالیں اور تخفیف کی ذیل میں آنے والے سامان کی فہرست کو دیکھئے کہ لاکھوں ایسی چیزیں ملیں گی جو حضرت علی علیہ السلام کے لفظ

”تَخَفُّوْا“ کے ماتحت آئیں گی۔ یعنی حضورؐ نے صرف ایک لفظ بول کر یہ عظیم الشان فہرست اُس میں سمودی ہے۔ چیلنج یہ تھا کہ قرآن سے ایسا ایک لفظ دکھا دو جو اس تفصیل کو یا اس سے زیادہ سامان کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو۔ ذرا دیر پہلے ہم نے قرآن (9/24) سے تقریباً یہی فہرست پیش کی مگر وہ ایک لفظ میں نہ تھی ایک بڑی ساری آیت میں تھی۔ چیلنج کے جواب میں ایک اور صرف ایک لفظ چاہئے۔ تو سُنئے کہ قریش نے سوال کیا تھا کہ ”ہم کیا خرچ کریں یعنی کیا کچھ اپنے تصرف سے الگ کر دیں۔ جواب ایک لفظ میں تھا ”الْعَفْوُ“ (بقرہ 2/219) (سارا فالٹو) یہ چیلنج کا جواب تو ہے۔ اس میں وہ ساری فہرست داخل ہے جو اوپر بیان ہوئی مگر یہ برابر کی قابلیت نہیں ہے بڑھ کر ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا بولا ہوا لفظ ثقیل ہے۔ تین حرف ”ف“ جمع کئے۔ سات حرفوں سے کام چلایا ہے۔ اللہ نے دو حرف کم استعمال کر کے برابر کر دیا۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 22

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 22

خطبہ (22)

- (1) حضرت علیؑ کو دشمن کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی تو اپنے صحابہ کو اپنے ارادوں سے خبردار کیا؛
- (2) حکومت بزور شمشیر چھین لینے کا ارادہ رکھنے والوں کو اغتاہ؛
- (3) قتل عثمان کو بہانہ بنانے والوں کو جواب؛
- (4) اپنے برحق ہونے اور دشمن کے باطل پرست ہونے پر گفتگو؛
- (5) دعوت جنگ مجھے خوفزدہ نہیں کرتی، میں آؤں گا اور تلوار کا مزا چکھاؤں گا؛
- (6) متفرقات و متعلقات۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	خبردار ہو جاؤ کہ شیطان نے اپنے تمام گروہوں کو یقیناً ترتیب دے لیا ہے۔	1	أَلَا وَ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ زَمَرَ حَرْبَهُ؛
2	اور جس قدر سامان جنگ و جدل اُس کے قابو میں تھا وہ سب فراہم کر لیا ہے۔	2	وَ اسْتَجَلَبَ جَلْبَهُ؛
3	تاکہ وہ قوت کے ذریعہ سے ایک دفعہ پھر اپنی بستنیوں میں ظلم و جبر واپس لائے۔	3	لِيَعُوذَ الْجَوْرُ إِلَىٰ أَوْطَانِهِ؛
4	اور جبر و تشدد کی طاقت سے وہ باطل حکومت کو اُس کے دستور کے ساتھ نافذ کر دے۔	4	وَ يَرْجِعَ الْبَاطِلُ إِلَىٰ نِصَابِهِ؛
5	خدا کی قسم ہے کہ اُن شیاطین نے میرے خلاف نہ تو کوئی صحیح الزام ہی قائم کیا ہے۔	5	وَ اللّٰهُ مَا اَنْكَرُوا عَلَيَّ مُنْكَرًا؛
6	اور نہ ہی مجھ پر الزامات عائد کرنے میں کسی قاعدے اور انصاف ہی کو مد نظر رکھا ہے۔	6	وَ لَا جَعَلُوا بَيْنِي وَ بَيْنَهُمْ نَصْفًا؛
7	حقیقت یہ ہے کہ وہ مجھ سے اُس حق (حکومت) کا مطالبہ کر رہے ہیں جو انہوں نے خود ہی میرے لئے چھوڑ دیا تھا۔	7	وَ اِنَّهُمْ لَيَطْلُبُونَ حَقَّاهُمْ تَرَكَوهُ؛
8	اور وہ مجھ سے اُس خون کا بدلہ چاہتے ہیں جسے خود انہوں نے بہایا ہے۔	8	وَ دَمًا هُمْ سَفَكُوهُ؛
9	چنانچہ اگر اُس قتل میں میں بھی اُن کے ساتھ شریک تھا تو یقیناً وہ بھی تو میرے ساتھ برابر کے حصہ دار ٹھہرتے ہیں تو سارا انتقام مجھ سے کیوں؟	9	فَلَيْنَ كُنْتُ شَرِيكُهُمْ فِيهِ فَاِنَّ لَهُمْ لَنْصِيبَهُمْ مِنْهُ؛
10	اور اگر وہ قتل صرف اُن کے حکم سے اُن کی سرپرستی میں ہوا ہے اور میں اُس میں شامل نہیں تو اُس کی سزا بھی اُن ہی کو ملنا چاہئے نہ کہ مجھے؟	10	وَ لَيْنَ كَانُوا وَّلَّوهُ دُونِي فَمَا التَّبِعَةُ اِلَّا عِنْدَهُمْ؛

11	اور اس سلسلے میں وہ لوگ جو بھی بڑی سے بڑی دلیل پیش کریں گے وہ خود اُن کے خلاف جائے گی۔	وَ اِنَّ اَعْظَمَ حُجَّتِهِمْ لَعَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ؛
12	وہ لوگ اُس ماں کا دودھ پینا چاہتے ہیں جس کا دودھ منقطع ہو چکا ہے۔	يَرْتَضِعُونَ اُمًّا قَدْ فَطِمَتْ؛
13	اور وہ اُس بدعت اور بے دینی کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جو ایک دفعہ مر چکی ہے۔	وَ يُحْيُونَ بِدْعَةً قَدْ اُمِيَتْ؛
14	ہائے افسوس کتنا مراد ہے یہ شخص جو مجھے لگا رہا ہے؟	يَا خِيَّيَّةَ الدَّاعِي؛
15	یہ کون دعوتِ جنگ دے رہا ہے؟ اور اس کی پکار پر کون آمادگی ظاہر کر رہا ہے؟	مَنْ دَعَا وَ اِلَىٰ مَ اُجِيبُ؟
16	اور میں تو بلاشبہ اتنی سی بات پر خوش اور مطمئن ہوں کہ اُن پر اللہ کی حجت ختم ہو چکی ہے اور یہ کہ یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔	وَ اِنِّي لَرَاضٍ بِحُجَّةِ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَ عِلْمِهِ فِيهِمْ؛
17	اگر اُن لوگوں نے سرتابی جاری رکھی تو میں اُن کو تلوار کی باڑھ پر رکھ کر سرتابی کی سزا دوں گا۔	فَاِنْ اَبَوْا اَعْطَيْتُهُمْ حَدَّ السَّيْفِ؛
18	اور یہ سلوک باطل کی بیماری سے اُنہیں شفا دینے کے لئے اور حق و حقانیت کی نصرت کے لئے کافی ہوگا۔	وَ كَفَىٰ بِهٖ شَافِيًا مِّنَ الْبَاطِلِ وَ نَاصِرًا لِّلْحَقِّ؛
19	تعب اس پر ہے کہ وہ میری تیغ زنی سے واقف ہوتے ہوئے مجھے پیغام بھیجتے ہیں کہ اُن کے ساتھ نیزہ بازی کے لئے میدانِ جنگ میں نکلوں۔	وَ مِّنَ الْعَجَبِ بَعَثْتُهُمْ اِلَىٰ اَنْ اَبْرُرُ لِلطَّعَانِ؛
20	اور تلواریں برداشت کرنے کی ہمت کروں۔	وَ اَنْ اَصْبِرُ لِلْجِلَادِ؛
21	رونے والیاں ان کے ماتم میں روئیں۔	هَبَلْتُهُمُ الْهَبُولُ؛
22	حقیقت یہ ہے کہ میں کبھی جنگ و جدل سے دھمکایا نہیں جاسکا ہوں۔	لَقَدْ كُنْتُ وَ مَا اَهْدُدُ بِالْحَرْبِ؛
23	اور نہ مجھے شمشیر زنی سے ڈرایا جاسکا ہے۔	وَ لَا اُرْهَبُ بِالضَّرْبِ؛
24	اور میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے درجہ یقین پر فائز ہوں۔	وَ اِنِّي لَعَلَىٰ يَقِيْنٍ مِّنْ رَبِّي؛
25	اور مجھے اپنے دین اور طرز حیات میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے۔	وَ غَيْرِ شُبْهَةٍ مِّنْ دِيْنِي؛

تشریحات:

1- خطبے میں قبل عثمان کے قصاص طلب کرنے والوں کے ذکر سے طلحہ، زبیر اور عائشہ ہی کیوں سمجھے جائیں؟

اس خطبے میں حضرت علی علیہ السلام نے دشمن کی جنگی تیاریوں کا تذکرہ فرما کر یہ بھی فرمادیا ہے کہ:

وَ اللّٰهُ مَا اَنْكَرُوا عَلَيَّ مُنْكَرًا، وَ لَا جَعَلُوا بَيْنِي وَ بَيْنَهُمْ نَصْفًا، وَ اِنَّهُمْ لَيَطْلُبُوْنَ حَقَّاهُمْ تَرْكُوْهُ، وَ دَمًا هُمْ سَفَكُوْهُ، فَلَنْ اَكُنْتُ

شَرِيكُهُمْ فِيهِ فَاِنَّ لَهُمْ لَنْصِيْبَهُمْ مِنْهُ، وَ لَئِنْ كَانُوْا وَّلُوْهُ دُوْنِيْ فَمَا النَّبِيْعَةُ اِلَّا عِنْدَهُمْ، وَ اِنَّ اَعْظَمَ حُجَّتِهِمْ لَعَلَى اَنْفُسِهِمْ؛
(خطبہ 22 جملے 11 تا 5)

”نہ تو مجھ پر الزام عائد کرنے میں کسی قاعدے اور انصاف سے کام لیا گیا ہے اور نہ الزام ہی ناپ تول کر صحیح لگایا گیا ہے۔ حقیقی بات یہ ہے کہ وہ لوگ مجھ سے ایسا حق واپس طلب کرنا چاہتے ہیں جسے وہ ایک دفعہ چھوڑ چکے اور مجھے دے چکے یعنی خلافت اور خلافت واپس لینے کے لئے وہ مجھ سے ایسے خون (قتل) کا قصاص مانگتے ہیں جو خود انہوں نے بہایا تھا۔ یعنی قتل عثمان کا بدلہ مانگتے ہیں اب اگر میں بھی اُس قتل میں اُن کا شریک تھا تو قتل کے بدلے میں اُن کو بھی پکڑا جانا چاہئے۔ کیونکہ قتل میں وہ بھی شریک تھے اور اگر انہوں نے حکومت پر غلبہ کر کے اُسے میرے بغیر خود قتل کیا ہے تو ساری سزا اُن ہی کو ملنا چاہئے اس لئے کہ یوں تو وہ جو بڑی سے بڑی دلیل پیش کریں گے وہ اُن ہی کے خلاف جائے گی۔“

اس بیان کو پڑھ کر مفتی جعفر وغیر ہم یہ سمجھے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام طلحہ، زبیر اور عائشہ وغیرہ کی بات کر رہے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہاں علی علیہ السلام نے اُن لوگوں کے نام نہیں بتائے جن کی طرف خطاب کا رخ ہے۔ لیکن سرکار نے پہلے جملے میں اپنا مخاطب ایک شخص کو قرار دیا ہے اُسے خاص شیطان (الشیطان) فرمایا ہے۔ اس کے لئے واحد مذکر کی ضمیریں ارشاد فرمائی ہیں سنئے:

اَلَا وَ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ زَمَرَ حِزْبَهُ، وَ اسْتَجَلَبَ جَلْبَهُ، لِيَعُوْذَ الْجُوْرُ اِلَى اَوْطَانِهِ، وَ يَرْجِعَ الْبَاطِلُ اِلَى نَصَابِهِ؛ (خطبہ 22 جملے 1 تا 4)
”خبردار ہو جاؤ کہ شیطان نے اپنے تمام گروہوں کو یقیناً جنگی ترتیب دے دی ہے۔ اور جس قدر سامان جنگ و جدل اُس کے قابو میں تھا وہ سب فراہم کر دیا ہے۔ تاکہ وہ قوت کے ذریعہ سے ایک دفعہ پھر اپنی بستوں میں ظلم و جبر واپس لائے۔ اور جبر و تشدد کی طاقت سے وہ باطل حکومت کو اُس کے دستور و قوانین کے ساتھ نافذ کر دے۔“

اس بیان سے جنگی تیاریاں کرنے والا شخص معاویہ ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ جنگ جمل کے لئے جنگی تیاریاں کرنے والے تین اشخاص تھے۔ لہذا اس خطبے میں عائشہ و طلحہ و زبیر کا بطور خاص ذکر نہیں ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے تھے کہ شاید مولاً کا یہ خطبہ جنگ جمل سے پہلے کا ہو۔ اس لئے کہ معاویہ نے قتل عثمان کے بعد فوراً جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ مگر یہ اس لئے کہنا غلط ہوگا کہ حضور نے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

يَا خَيِّبَةَ الدَّاعِي، مَنْ دَعَا وَ اِلَى مِ اَجِيْبُ؟ وَ اِنِّي لَرَا ضٍ بِحُجَّةِ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَ عِلْمِهِ فِيْهِمْ، فَاِنَّ اَبُو اَعْطَيْتُهُمْ حَدَّ السَّيْفِ وَ كَفَى بِهٖ شَافِيًا مِّنَ الْبَاطِلِ وَ نَاصِرًا لِّلْحَقِّ، وَ مِّنَ الْعَجَبِ بَعْتُهُمْ اِلَى اَنْ اَبْرُزَ لِلطَّعَانِ، وَ اَنْ اَصْبِرَ لِلْجِلْدِ، هَبَلْتُهُمْ الْهَبُوْلُ، لَقَدْ كُنْتُ وَ مَا اَهْدُدُّ بِالْحَرْبِ، وَ لَا اَرْهَبُ بِالضَّرْبِ، وَ اِنِّي لَعَلَى يَقِيْنٍ مِّنْ رَبِّيْ، وَ غَيْرِ شُبُهَةٍ مِّنْ دِيْنِيْ؛ (خطبہ 22 جملے 14 تا 25)

”ہائے افسوس کتنا نامراد ہے یہ شخص جو مجھے لاکار رہا ہے؟ یہ کیوں دعوت جنگ دے رہا ہے؟ اور اُس کی پکار پر کون آمادگی ظاہر کر رہا ہے؟ اور میں تو بلاشبہ اتنی سی بات پر خوش اور مطمئن ہوں کہ اُن پر اللہ کی حجت ختم ہو چکی ہے اور یہ کہ یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔ اگر ان لوگوں نے سرتابی جاری رکھی تو میں اُن کو تلوار کی باڑھ پر رکھ کر سرتابی کی سزا دوں گا۔ اور میرا یہ سلوک باطل کی بیماری سے اُنہیں شفا دینے کے لئے اور حق و حقانیت کی نصرت کے لئے کافی ہوگا۔ تعجب اس پر ہے کہ وہ میری تیغ زنی سے واقف ہوتے ہوئے مجھے پیغام بھیجتے ہیں کہ اُن کے ساتھ نیزہ بازی کے لئے میدان جنگ میں نکلوں؟ اور تلواریں برداشت کرنے کی ہمت کروں؟ رونے والیاں اُن کے ماتم میں روئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں کبھی جنگ و جدل سے دھمکایا نہیں جاسکا ہوں۔ اور نہ مجھے کبھی شمشیر زنی سے ڈرایا جاسکا ہے۔ اور میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے

درجہ یقین پر فائز ہوں۔ اور مجھے اپنے دین اور طرز حیات میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے۔“ (خطبہ 22 جملہ 14 تا 25)

اس بیان کے بعد پورا یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کی جنگی تیاریوں کا ذکر فرمایا ہے۔ طلحہ وزیر وغیرہ نے آپ کو دعوتِ جنگ نہیں دی تھی۔ البتہ معاویہ نے جنگ کی دعوت کا خط بھی لکھا تھا اور جنگ سے ڈرانے کی کوشش بھی کی تھی۔ (یہ تفصیل خطوط کی ذیل میں ملاحظہ فرمائیں)

2- علی سے جنگ کی تیاریاں اسی روز شروع ہو گئی تھیں جس دن قریش نے علی کو محروم کر کے قومی حکومت بنانے پر اجماع کیا تھا

یہ تذکرہ بار بار ہوا اور تاریخ طبری اور علامہ شبلی کی کتاب الفاروق سے تفصیل دکھایا جا چکا کہ دعوتِ ذوی العشرہ کے بعد قریش نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہوگا اللہ اور قرآن سے قائم ہونے والی حکومت کو خاندانِ نبوت میں بطور میراث نہ چلنے دیں گے اور شخصی اور آمرانہ حکومت کی جگہ پچانچائی یا قومی حکومت بنا کر دم لیں گے اور اس سلسلے کی کوئی تدبیر اٹھانہ رکھیں گے۔ چنانچہ قریشی لیڈروں نے مسلسل تیس سال تک محاذ بنائے رکھا اور قرآن کریم نے اس محاذ کے قائم رہنے کی کھلے الفاظ میں یہ کہہ کر اطلاع دی ہے کہ:

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝
فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝ (نساء 55-54/4)

”کیا یہ لوگ اس بزرگی پر حسد کر رہے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے؟ یقیناً ہم نے آلِ ابراہیم کو مکمل کتاب اور مکمل حکمت دے دی ہے۔ اور ہم نے انہیں عظیم الشان مملکت دی ہے۔ چنانچہ ان حسد کرنے والوں میں دو گروہ ہو گئے ہیں ایک نے اُس مملکت اور حکمران پر ایمان لانے کی پالیسی اختیار کر لی ہے اور دوسرے نے اس مملکت کے قیام کو روکنے کا بیڑا اٹھالیا ہے۔ اور ان سب کے لئے دکھتا ہوا جہنم کافی ہے۔“

قریشی راہنماؤں نے عہدِ رسول میں جو تیاریاں کی تھیں ان کے نتیجے میں آخر قومی حکومت قائم ہو گئی مگر حقیقی اور مشہور و معروف جانشینِ رسول زندہ موجود تھا۔ لہذا اب تمام کوششیں اور تیاریاں قومی حکومت کے استحکام و استقلال پر صرف ہونے لگیں۔ پہلی کوشش یہ تھی کہ اُسے قومی فرد کی حیثیت سے بھی برسرِ حکومت نہ آنے دیا جائے چنانچہ حد بھر بے ایمانیوں اور سیاسی مکاریوں اور گدھ جوڑ سے اُسے تیسرے نمبر تک پیچھے ہٹایا گیا اور کوشش یہ کی گئی کہ عربوں کو ایسا بنا دیا جائے کہ وہ علی علیہ السلام کو خود ہی ناپسند و نالائق قرار دے دیں۔ اور ادھر انہیں اس قدر دینی آزادی اور مال و دولت دے دیں کہ علی خود بھی یقین کر لیں کہ اب عربوں پر حکومت کرنا اور اُس معیار کو برقرار رکھنا ان کے لئے بھی ناممکن ہے جو سابقہ خلفانے قائم کر دیا تھا۔ اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ قریشی لیڈر اپنے ہر سیاسی منصوبے، پالیسی اور کوشش میں اپنے پروگرام کے مطابق کامیاب ہوئے۔ ان کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت علی علیہ السلام نے ان کے کسی منصوبے اور پالیسی کا توڑ نہ کیا۔ وہ دینی کوشش بھی آزادی کے ساتھ نہ کر سکتے تھے۔ خود نبی البلاغہ کے خطبے آپ کو بتائیں گے کہ حضور کو اپنی بات کہنے میں اُس پبلک کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ جس کے سامنے دین کو، واقعات کو اور قرآنی پالیسیوں کو الٹ کر رکھا ہوا تھا اور وہ انہیں برحق سمجھنے کی عادی ہو گئی تھی۔ انہیں ساری دنیا برحق خلیفہ اور امیر المؤمنین سمجھتی اور کہتی تھی۔ علی کو حکومت کا لالچی اور باغی تک سمجھنے لگے تھے۔ سینکڑوں صحابہ نام کے جانورِ خلافت کے حقدار سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک علی کو بھی ان کے برابر کا حقدار خیال کیا جاتا تھا۔ یہ خیال بھی قریش میں نہیں بلکہ مجہول رعایا میں تھا۔ اور حضرت علی کھل کر اور ہر جگہ اور ہر وقت انہیں باطل پرست نہ

کہہ سکتے تھے۔ قریش اور سربرآوردہ لوگوں میں اُن کا مقام ایک اچھے نیک اور پابند مذہب فرد سے ہرگز زیادہ نہ تھا یعنی اگر کوئی جرم ثابت ہو جاتا تو اُن کے ہاتھ بھی کاٹے جاسکتے تھے۔ انہیں سنگسار بھی کیا جاسکتا تھا۔ پھر اُن کا سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ وہ خلفا کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرتے رہتے تھے۔ اس سے لوگوں کی سمجھ میں یہ آتا تھا کہ اگر کہیں علی خلیفہ ہو گئے تو ہم بھوکے مرجائیں گے۔ آزادی خیال و رائے چھین جائے گی اور علی ہمارے منہ میں لگام اور پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں گے۔ ہم گردن پکڑ کر بات اور اعتراض نہ کر سکیں گے۔ حضرت علی علیہ السلام اس لئے بھی کوشش نہ کرتے تھے کہ اُن کو رسول اللہ نے یقین دلایا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ خلافت اُن کے پیروں میں رکھی جا رہی ہے۔ منتیں کی جا رہی ہیں۔ بہر حال قریشی راہنماؤں نے یہاں تک انتظام کر دیا تھا اور پہلی ہی خلافت کے پہلے ہی ہفتہ میں کر دیا تھا کہ اگر بالفرض مجال علیؑ کو عوام خلیفہ بنا بھی لیں اور کثرت کے سامنے دیدہ و ران تو م ناکام ہو جائیں تو علیؑ چند روز سے زیادہ حکومت نہ کر سکیں اور اُن کے مقابلہ میں ایسے مشہور و معروف صحابہ تیغ بکف آئیں کہ پبلک رفتہ رفتہ علیؑ کو غلط راہ پر سمجھنے لگے۔ چنانچہ ہر قسم کا محاذ عہد رسول اور دوران نزول قرآن (تحریم 4-66/3) ہی قائم ہو چکا تھا۔ لوگ پہلے سے تعینات تھے جنہیں اپنا اپنا رول معلوم تھا۔ اور جب کوئی صحابی اس عظمت کا باقی نہ رہے جو تنہا علیؑ کے مقابلہ میں زیادہ مقدس کہلا سکے تو بھی ایک ہستی ایسی آگے بڑھنے کے لئے موجود رہے جسے ساری دنیا مقدس مانتی ہو اور وہ تھی عائشہ زوجہ رسولؐ جو محبوبہ رسولؐ مشہور تھی، جو سارے ایمان لانے والوں کی ماں تھی جس کا ساری امت پر، تمام صحابہ پر، بقول قریش خود علیؑ پر بھی احترام و اطاعت واجب تھی۔ وہ سامنے آئے گی۔ اور قریش کو اسکیم بنانے کے وقت یقین تھا کہ علیؑ کا ساتھ کوئی نہ دے گا۔ اور جو عائشہ کا حکم ہو گا وہ سارے مسلمان تسلیم کریں گے۔ پھر روز اول سے ابوسفیان کو مختار بنایا گیا تھا۔ معاویہ اسی کا بیٹا تھا۔ یزید اُسی کا بڑا بیٹا ملک شام کا آزاد حاکم تھا۔ اس کے بعد معاویہ نے اس ملک کو سنبھالا تھا اور یہ وہ آخری پناہ بنائی گئی تھی کہ اگر علیؑ سے کہیں اور پناہ نہ ملے تو شام اُن کی مضبوط پناہ ہو۔ اس ملک میں سابقہ خلفا بھی دخل نہ دیتے تھے۔ یہ ملک اور اس کا پایہ تخت دمشق، مکہ، مدینہ اور دیگر شہروں سے مختلف تھا۔ یہاں اللہ و رسولؐ کو اس لئے مانا جاتا تھا کہ سربراہ ملک مانتا تھا۔ یہاں اسلام وہ تھا جو ابوسفیان، یزید اور معاویہ کہتے تھے۔ یہاں ایک نئی تاریخ، عجیب اسلام اور جدید تصورات کا دور دورہ تھا۔ یہاں علیؑ اور خاندان علیؑ کا مقام صرف اس قدر تھا کہ معاویہ نے اُن پر منبروں سے لعنت کرنے کا حکم دیا تو بلا تکلف لعنت شروع ہو گئی اور چند سال بعد ساری مملکت اسلام میں ہر مسجد و منبر سے لعنت ہونے لگی اور ننانوے سال تک جاری رہی۔

3- مودودی کے قلم سے معاویہ اور اُس کے مقبوضات کی اہمیت، علیؑ کی راہ میں رکاوٹ کی قدیم اسکیم، معاویہ کی کارگزاریاں

(i) اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دُور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں: ایک یہ کہ حضرت عثمان نے حضرت معاویہ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کیسے رکھا۔ وہ حضرت عمر کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے۔ حضرت عثمان نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزائرہ سے ساحل بحر ابيض تک کا پورا علاقہ اُن کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت بارہ سال میں اُن کو اُسی صوبے پر برقرار رکھا یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علیؑ کو بھگتنا پڑا۔ شام کا یہ صوبہ اس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔ اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے۔ اور دوسری طرف تمام مغربی صوبے۔ بیچ میں وہ اس طرح حائل تھا کہ اگر اس کا گورنر مرکز سے منحرف ہو جائے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بالکل کاٹ سکتا تھا۔ حضرت معاویہ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ انہوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے۔ بلکہ مرکز اُن

کے رحم و کرم پر منحصر ہو گیا۔“ (خلافت و ملکیت صفحہ 115)

قارئین دیکھ لیں کہ یہ صوبہ پہلے معاویہ کے بڑے بھائی کے ماتحت روزاول سے یعنی 13 ہجری سے چھ سال تک رہا۔ پھر سولہ سال تک یعنی عثمان کی موت تک معاویہ اس پر حکمران رہا گویا اس صوبے کو بائیس سال سے مسلسل ابوسفیان کے بیٹوں کے تسلط میں رکھا گیا۔ اور بے الفاظ میں مودودی کو بھی اس کی شکایت ہے اور یہ تو انہوں نے مان ہی لیا کہ خلفائے ثلاثہ کی یہ حکمت عملی یا اسکیم آخر کار حضرت علی علیہ السلام کے لئے ایک مستقل مصیبت بن گئی۔ یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ معاویہ نے بالکل مودودی کے مطابق حضرت علیؑ کی مملکت کو بیچ سے کاٹ دیا تھا اور اس کی فوجیں اور سولین پبلک حضرت علیؑ علیہ السلام کے علاقہ کے مسلمانوں کو دن رات لوثی اور ان کا قتل عام کرتی رہتی تھی۔ اس کی شکایت بھی حضرت علیؑ کے خطبات میں ملے گی۔ مختصر اسیہ سمجھ لیجئے کہ خلفائے ثلاثہ کا یہ اتنا کامیاب انتظام تھا کہ علیؑ کے سوا کوئی اور ہوتا تو دو ماہ بھی حکومت نہ کر سکتا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ عمر و عثمان کی خلافتیں معاویہ کے رحم و کرم پر منحصر تھیں۔ مگر حضرت علیؑ علیہ السلام معاویہ کے لئے ایک ہولناک آفت تھے اور اگر کہیں سازش کر کے انہیں شہید نہ کر دیا ہوتا تو جس شب میں ان پر حملہ ہوا اسی صبح کو ساٹھ ہزار سواروں کو لے کر حضورؐ نے روانہ ہونا تھا۔ اور معاویہ کو لکھ دیا گیا تھا کہ تو نے مجھے دعوتِ جنگ دی ہے میں تیرا قصہ پاک کرنے کے لئے بہت جلد پہنچ رہا ہوں۔ یہی اطلاع تو تھی جس پر معاویہ کی پوری سیاسی مشین حرکت میں آگئی اور لے دے کر حضورؐ کو زخمی کر دیا گیا۔

(ii) معاویہ کی جنگی تیاریاں درحقیقت بڑی کمینہ سازشیں اور فریب کاریاں تھیں چند سطریں پھر مودودی سے سُنئے:

”حضرت عثمان کی شہادت 18 ذی الحجہ 35ھ کے بعد حضرت نعمان بن بشیر ان کا خون سے بھرا ہوا قمیص اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں حضرت معاویہ کے پاس دمشق لے گئے۔ اور انہوں نے یہ چیزیں منظر عام پر لائے تاکہ اہل شام کے جذبات بھڑک اٹھیں۔ یہ اس بات کی گھلی علامت تھی کہ حضرت معاویہ خونِ عثمان کا بدلہ قانون کے راستہ سے نہیں بلکہ غیر قانونی طریقہ سے لینا چاہتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ شہادتِ عثمان کی خبر ہی لوگوں میں غم و غصہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھی۔ اُس قمیص اور ان انگلیوں کا مظاہرہ کر کے عوام میں اشتعال پیدا کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔“ (ایضاً صفحہ 132)

قارئین دیکھیں کہ معاویہ جنگ کی تیاریاں ایسے کمینہ اشتعال دلا کر کر رہا ہے جسے خود ان کو حضرت اور رضی اللہ لکھنے اور ماننے والے علامہ مودودی بھی برا اور مجرمانہ فعل سمجھتے ہیں۔

(iii) قاتلانِ عثمان سے نہیں بلکہ خلیفہ وقت سے بدلہ لینے کے ارادے کی مذمت بھی مودودی سے سُن لیں:

”حضرت علیؑ نے ایک اور صاحب کو اپنے خط کے ساتھ حضرت معاویہ کے پاس بھیجا۔ مگر انہوں نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا اور صفر 36 ہجری میں اپنی طرف سے ایک لفافہ اپنے ایک پیغامبر کے ہاتھ اُنکے پاس بھیج دیا۔ حضرت علیؑ نے لفافہ کھولا تو اس میں کوئی خط نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا کہ میرے پیچھے دمشق میں 60 ساٹھ ہزار آدمی خونِ عثمان کا بدلہ لینے کیلئے بے تاب ہیں۔ حضرت علیؑ نے پوچھا کس سے بدلہ لینا چاہتے ہیں؟ اُس نے کہا آپ کی رگ گردن سے“ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ شام کا گورنر صرف اطاعت ہی سے منحرف نہیں ہے بلکہ اپنے صوبے کی پوری فوجی طاقت مرکزی حکومت سے لڑنے کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے اور اُس کے پیش نظر قاتلین عثمان سے نہیں بلکہ خلیفہ وقت سے خونِ عثمان کا بدلہ لینا ہے۔ یہ سب کچھ اس چیز کا نتیجہ تھا کہ حضرت معاویہ مسلسل 16-17 سال ایک ہی

صوبے، اور وہ بھی جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم صوبے کی گورنری پر رکھے گئے۔ اسی وجہ سے شام خلافتِ اسلامیہ کے ایک صوبے کی بہ نسبت اُن کی ریاست زیادہ بن گیا تھا۔“ (ایضاً صفحہ 133)

(iv) معاویہ کے ہاتھ عاشر اور طلحہ وزبیر نے مضبوط کئے ورنہ موذی مانتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے معاویہ کو پیٹ کر رکھ دیا ہوتا: یہ بھی موذی سے سنتے چلیں:

”حضرت علیؑ نے اس کے بعد شام پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ اُس وقت اُن کے لئے شام کو اطاعت پر مجبور کر دینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ کیونکہ جزیرۃ العرب، عراق اور مصر اُن کے تابع فرمان تھے۔ تنہا شام کا صوبہ اُن کے مقابلہ پر زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتا تھا۔ علاوہ بریں دنیائے اسلام کی عام رائے بھی اس کو ہرگز پسند نہ کرتی کہ ایک صوبے کا گورنر خلیفہ کے مقابلے میں تلوار لے کر کھڑا ہو جائے۔ بلکہ اس صورت میں خود شام کے لوگوں کیلئے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ سب متحد ہو کر خلیفہ کے مقابلے میں حضرت معاویہ کا ساتھ دیتے۔ لیکن عین وقت پر اُم المومنین حضرت عاشر اور حضرت طلحہ وزبیر کے اُس اقدام نے، جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، حالات کا نقشہ یکسر بدل دیا۔ اور حضرت علیؑ کو شام کی طرف بڑھنے کے بجائے ربیع الثانی 36 ہجری میں بصرے کا رخ کرنا پڑا۔“ (ایضاً صفحہ 134)

(v) چند نتائج جو موذی کے بیانات سے نکلے ہیں: اول تو وہی بات کہ علامہ نے بھی اُس سازش کا دوبارہ پتہ دیا ہے کہ معاویہ کو 16-17 سال جان بوجھ کر شام وغیرہ کا اس لئے گورنر رکھا کہ وہ صوبہ جنگی اہمیت رکھتا تھا۔ اور علیؑ کے لئے باعثِ ہزیمت ہو سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ عاشر، طلحہ اور زبیر نے معاویہ کے ہاتھ مضبوط کئے یعنی یہ سب علیؑ کو اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے۔ اور تیسرے یہ کہ معاویہ کے پاس ساٹھ ہزار کاشنکر ہر وقت تیار تھا۔ چوتھے یہ کہ علیؑ سے ناکردہ گناہ کا انتقام لینا اس لئے ضروری تھا کہ خلافت چھیننا مقصود تھی۔

4۔ جنگ صفین سے پہلے معاویہ نے حضرت علیؑ کے تمام ساتھیوں کو بیخامات، خطوط اور رشوت اور دھمکی سے توڑنے کی پوری کوشش کی۔

معاویہ کی جنگی تیاریوں میں سب سے مکینہ، بزدلانہ اور فریب کارانہ تیاری یہ تھی کہ اُس نے حضرت علیؑ علیہ السلام کے کمپ میں نزدیک و دور تمام بڑے بڑے سرداروں، گورنروں، فداکاروں اور بااثر لوگوں میں پھوٹ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اور وہ اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوا۔ اکثر خطبات میں آپ حضرت علیؑ کے ایسے بیانات پڑھیں گے جن میں حضورؐ اپنے ساتھیوں کا شکوہ کر رہے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ حضرت علیؑ تنگ آچکے ہیں، مایوس ہو گئے ہیں اور اُن کے ساتھیوں نے انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے قارئین بھی حضرت علیؑ علیہ السلام کے بیان پڑھتے ہوئے غمگین ہو جائیں گے۔ مگر انہیں ہر وقت یاد رکھنا چاہئے کہ معاویہ کی کامیاب پالیسیوں کے باوجود بھی نہ حضورؐ کی فوج کو کبھی شکست ہوئی اور نہ کسی مرکزی اور دینی اسکیم کو معاویہ توڑ سکا بلکہ اُسے ہر گھلے میدان میں ہزیمت، ناکامی اور رسوائی سے دوچار ہنا پڑا۔ حضرت علیؑ علیہ السلام کی شہادت سے پہلے معاویہ کو کسی محاذ اور کسی میدان میں کامیابی کا منہ دیکھنے کو نہ ملا۔

(i) حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو بہکانے کی کوشش: حضرت قیس بن سعد کے گورنر مقرر ہو کر گئے تو معاویہ کی نیند اُڑ گئی تھی۔ یہ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور جنہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ابو بکرؓ کی گھلی مخالفت کی تھی اور جنہیں عمر نے مرتد قرار دیا ہے۔ اور جنہوں نے قریش کی قومی حکومت کو تازیست شیطانی حکومت سمجھا اور اُسکے خلاف تبلیغ کرنے کیلئے مدینہ چھوڑ کر اندرون ملک گاؤں گاؤں اور شہر شہر پھرتے رہے اور قومی حکومت کے حکم سے انہیں سفر کے دوران دور سے تیر مار کر شہید کر دیا تھا۔ اُنکی اولاد ہمیشہ

قریبی حکومتوں کی دشمن اور خاندانِ مرتضوی کی فداکار دوست رہتی چلی گئی۔ چنانچہ جناب قیس رضی اللہ عنہ کو ورغلانے، اپنے ساتھ ملانے اور حضرت علیؑ سے توڑنے کی کوشش کا حال تاریخِ طبری سے سُنئے:

”امیر معاویہ تمام مخلوق میں قیسؑ کو اپنے لئے سب سے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ کیونکہ مصر کی سرحداتِ شام سے ملحق تھیں۔ امیر معاویہ کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک جانب سے علیؑ پر حملہ آور ہوں اور دوسری جانب سے قیسؑ حملہ کر بیٹھیں، اس طرح میں دونوں جانب سے گھیرے میں آ جاؤں گا۔ اس خطرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے امیر معاویہ نے ایک خط تحریر کیا۔ جس وقت یہ خط تحریر کیا گیا اُس وقت حضرت علیؑ کو فہ میں مقیم تھے۔ اور ابھی صفین کی جانب کوچ نہ کیا تھا۔ امیر معاویہ نے خط میں تحریر فرمایا:“

قبل اس کے کہ ہم آپ کو اُس ملعون کا خط سنائیں یہ سن لیں کہ حالانکہ معاویہ ساٹھ ہزار مسلح، مُستعد، آزمودہ اور عمر کے زمانہ سے چلی آنے والی تجربہ کار فوج (Standing Army) رکھتا ہے۔ جنگی نقطہ نظر سے بہترین پوزیشن میں ہے اور جانتا ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام جو فوج لائیں گے وہ نہ حقیقی معنی میں فوج ہوگی نہ اُس کے پاس تیر و تلوار و نیزہ نہ ہوگا۔ نیز اہوا تو تیر نہ ہوں گے۔ راشن کا کوئی سرکاری انتظام نہ ہوگا۔ اُس میں بڈھے، جوان اور کم سن ہوں گے۔ کسی کے پاس تلوار ہوگی تو نیزہ نہ ہوگا۔ نیز اہوا تو تیر نہ ہوں گے۔ راشن کا کوئی سرکاری انتظام نہ ہوگا۔ اُس میں بڈھے، جوان اور کم سن نو جوان بھی ہوں گے۔ نہ قواعد پر پڑ جانتے ہوں گے نہ فوجی ڈسپلن اور انتظام پر مطلع ہوں گے، ایک بے ترتیب بے مہارگر وہ ہوگا۔ اس یقین کے باوجود معاویہ کی کسی بات اور کسی عمل سے یہ شبہ بھی پیدا نہ ہوگا کہ وہ مسلمان ہے، خود کو حق پر سمجھتا اور اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے۔ اس کے برعکس وہ بے دریغ دھوکا پٹی کرتا ہوا پایا جاتا ہے۔ علیؑ کے خوف کی بنا پر تنکوں کے سہارے ڈھونڈتا ہے۔ اُدھر حضرت علیؑ کی ہر بات ایسی ہے جیسے ابھی ابھی خدا سے سُنی ہے ہر اقدام ایسا ہے کہ نتیجہ پہلے سے معلوم ہے۔ بہر حال ہم طبری سے سارا خط لکھ کر تفتیح اوقات نہ کریں گے صرف معاویہ کی ذہنیت اور خباثت کی انتہا ظاہر کرنے والے جملے لکھیں گے سُنئے:

”اے قیس اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ تو حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ کرے تو اس معاملے میں ہمارا ساتھ دے میں جب غالب آ جاؤں گا تو تجھے عراق، عرب اور عراقِ فارس کا حاکم بنا دوں گا اور اپنے گھر والوں میں سے جس کے لئے بھی تو پسند کرے گا اُسے جاز کی حکومت دے دوں گا۔ اور جب تک میری حکومت قائم رہے گی اس وقت تک تم اس عہدے پر برقرار رہو گے۔ اور اس کے علاوہ وہ بھی جو تم مانگنا چاہو میں دینے کے لئے تیار ہوں۔ تم اپنی رائے سے مجھے مطلع کرو۔ والسلام“ (مسلسل لکھا کہ)

”جب قیس نے امیر معاویہ کا یہ خط پڑھا تو انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ معاویہ کو ٹال دینا چاہئے اور اپنے دلی خیالات ظاہر نہ کئے جائیں اور نہ اُس سے جنگ میں عجلت کی جائے۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے قیس نے یہ جواب لکھا:“

ہم وہ جواب نظر انداز کرتے ہیں اور یہ دکھاتے ہیں کہ معاویہ نے جب قیسؑ کا خط پڑھا تو سمجھ گیا کہ مجھے ٹھکانا گیا ہے لہذا اس کا دوسرا خط طبری سے سُنئے:

”میں نے تمہارا خط پڑھا جس سے تم مجھے قریب بھی نظر نہ آئے کہ میں تم سے صلح کا وعدہ کر لوں اور دُور بھی نظر نہ آئے کہ جنگ کی تیاری کر لوں۔ اس معاملے میں تمہاری مثال اُونٹ کی گردن کی طرح ہے کہ جدھر چاہا موڑ دیا۔ یاد رکھو کہ مجھ جیسے شخص کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا اور نہ مجھ سے کوئی چالاکی کھیلی جاسکتی ہے۔ میرے پاس بے پناہ لشکر ہے اور میرے قبضہ میں بے پناہ گھوڑوں کی لگائی ہیں۔ والسلام“

(طبری مسلسل لکھتا ہے کہ)

”قیس بن سعد نے اس کا یہ جواب لکھا کہ:

”تم جو اس دھوکے میں مبتلا ہو اور یہ طمع رکھتے ہو کہ میں اُس شخص کی اطاعت ترک کر دوں گا جو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہے، سب سے زیادہ حق گو ہے، سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے اور سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریبی رشتہ دار ہے۔ تم نے مجھے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے تو کیا میں اُس شخص کی اطاعت کر لوں جس کی بلحاظ فضیلت کوئی حیثیت نہیں جو خوب جھوٹ بولنے والا اور گم کردہ راہ ہے۔ اور جو اللہ عزوجل اور اُس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دُور ہے۔ جو گمراہ اور گمراہ کنندوں کی اولاد ہے اور ابلیس کے حامیوں میں سے ایک حامی ہے۔ تم نے جو یہ تحریر کیا ہے کہ تم مصر کو سواروں اور پیادوں سے بھر دو گے تو خدا کی قسم میں تجھے کسی کام میں مشغول نہ کروں گا تا وقتیکہ تو اپنی جان کی قدر نہ کرنے لگے اور واقعتاً تجھ میں خوب کوشش کا مادہ پایا جاتا ہے۔“

جب امیر معاویہ نے قیس کا یہ خط پڑھا تو وہ اُس کی طرف سے مایوس ہو گیا۔ اور اب اس کو قیس کا وجود اور زیادہ کھلنے لگا۔“

(ترجمہ طبری حصہ ”حضرت علی“، صفحہ 250 تا 253)

(ii) معاویہ نے جنگ صفین کے لئے روانہ ہونے سے پہلے کن کن لوگوں کو اور غلامی اور غلامی وغیرہ کی کوشش کی تھی

ہم اور بھی چند نمونے دکھائیں گے مگر پہلے طبری سے فارغ ہو لیں وہ لکھتے ہیں کہ:

”حضرت معاویہ کو کوچ کرنے میں تاخیر سے کام لے رہے تھے انہوں نے ہر اُس شخص کو خط تحریر کیا ہے جسے علی سے کچھ خوف لاحق تھا۔ یا علی نے اس پر کوئی اعتراض کیا تھا یا جس کی نظروں میں حضرت عثمان کے خون کی عظمت تھی یا حضرت عثمان کی کسی صورت میں بھی اُس نے حمایت کی تھی۔“ (صفحہ 273)

ہم نے جنگ جمل کے سلسلے میں مودودی کے قلم سے معاویہ کا کافی کیریکٹر دکھا دیا ہے۔ یہاں تو یہ دکھانا ہے کہ وہ حضرت علی کے مقابلے میں جنگی تیاریوں سے زیادہ سازشی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں اُس نے ان قریشی لیڈروں کو بھی خطوط لکھے جو حضرت علی علیہ السلام کی بیعت سے الگ رہے اور جنگ جمل وغیرہ میں حضور کی نصرت نہ کی تھی۔ اُسے امید تھی کہ وہ صحابہ ضرور اُس کا ساتھ دیں گے۔ مگر اُسے وہاں سے بھی مایوس ہونا پڑا تھا چنانچہ ہم کتاب تہذیب المتین فی تاریخ امیر المؤمنین مطبع یوسفی پریس دہلی 1313ھ سے معاویہ کی خط و کتابت کے چند نمونے اور دکھاتے ہیں۔

(iii) عبداللہ ابن عمر خلیفہ دوم کو معاویہ نے لکھا:

”اما بعد۔ عثمان کے بعد میرے نزدیک قریش میں کوئی تجھ سے بہتر نہ تھا۔ مگر تو نے عثمان کے محاصرے کے وقت اُس کی نصرت نہ کی بلکہ اُس کی نصرت کرنے والوں کو مورطین و ملامت کیا تو میری یہ رائے بدل گئی تھی۔ مگر اب جو تو نے علی کے ساتھ مخالفت کی اور جنگ جمل میں اُس کا شریک نہ ہوا تو پھر میرا میلان قلبی تیری جانب ہے۔ پس اُس مظلوم خلیفہ کے مقدمہ میں ہماری اعانت کر۔ تجھ پر خدا کی رحمت ہو کہ میں جو حکومت حاصل کرنے میں کوشاں ہوں وہ صرف تمہارے لئے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اور اگر تم خلیفہ بننا پسند نہ کرو گے تو معاملہ شوریٰ کے سپرد کر دوں گا۔“

جب ابن عمر نے یہ خط پڑھا تو جواب میں لکھا کہ:

امابعد جب کہ میں نے علیؑ کے مجمع مہاجرین و انصار کے ساتھ بیعت نہیں کی اور طلحہ و زبیر و ام المومنین عائشہ کا ساتھ نہ دیا تو تیری اطاعت میں کیسے اور کیوں داخل ہو جاؤں گا۔ اور تیرا یہ گمان کہ میں نے علیؑ کی مخالفت کی ہے۔ پس مجھے اپنی جان عزیز کی قسم کہ میں ایمان و ہجرت میں اُن کا مساوی و مماثل نہیں اور جو قرب حضرت رسول خدا سے وہ رکھتے ہیں اور جو ایذائیں اور ہانتیں اُن کے ہاتھ سے کفار و مشرکین کو پہنچی ہیں میں کسی طرح اُن خصائل میں اُن کی برابری نہیں کر سکتا۔ مگر اس موقع پر مجھے وہ امر پیش آیا جس میں حضرت رسول خدا کی طرف سے میرے پاس کوئی عہدہ نہ تھا۔ اس لئے مجبوراً توقف کیا تھا۔ اور یہ سوچا تھا کہ اگر یہ امر طریق رشد و ہدایت ہے تو میں تارک فضل ہی ہوں گا۔ اور اگر یہ گمراہی اور باطل ہے تو اس سے محفوظ رہوں گا۔ پس اے معاویہ مجھ سے کوئی امید نہ رکھ۔“ (صفحہ 99-100)

عبداللہ ابن عمر کا ساری عمر بچھٹانا تمام قریشی کتاہوں میں لکھا ہوا ہے۔ مگر میں اُن ملائین کی کسی بات کا اعتبار نہیں کرتا سب کچھ انہوں نے اُن کی حکومتوں نے حکومتوں کے تنخواہ دار ملازمین نے خود ہی لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی عقلمند شخص اپنے خلاف مضر چیز کبھی نہیں لکھتا۔ وہ اپنی مذمت اس لئے لکھ دیتے ہیں کہ دشمن مذمت دیکھ کر باقی باتوں کو بھی صحیح مان لے گا۔ بہر حال معاویہ نے سعد بن ابی وقاص کو بھی خط لکھا تھا اور اس نے بھی ساتھ دینے سے انکار لکھ دیا تھا۔ (ایضاً صفحہ 100)

یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ معاویہ کے دربار میں صرف چار اشخاص تھے جن کو صحابہ کہا گیا ہے۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بظاہر معاویہ کے ساتھ تھے لیکن درحقیقت وہ دو سرداران اہل بیت سے تھے۔ باقی ایک ابو داء، دوسرا ابوامامہ باہلی، تیسرا بشیر انصاری یہ تینوں دشمنان اہلبیت تھے اور دل و جان سے معاویہ اور ابوسفیان کے بھی خواہ اور طرف دار تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو علمائے شیعہ کی کثرت نے مخالفوں میں شمار کیا ہے یہ اُن کی قلتِ تحقیق کی بنا پر ہوا ہے۔ انہوں نے سینکڑوں مغالطے کھائے ہیں یہ بھی ایک مغالطہ ہے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 23

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 23

خطبہ (23)

- (1) ہر ذی حیات کے لئے ہر لمحہ مقدرات و قوانین کی بارش ہوتی رہتی ہے؛
- (2) اُن لوگوں کے لئے محتاط طرز زندگی جو مذکورہ مقدرات و قوانین سے رابطہ نہیں رکھتے؛
- (3) حاجت مندوں کی حاجت روائی پر نصیحت؛
- (4) رشتہ داروں کے متعلق تنبیہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْأَمْرَ يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ كَقَطْرَاتِ الْمَطَرِ إِلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا قُسِمَ لَهَا مِنْ زِيَادَةٍ أَوْ نُقْصَانٍ؛	حمد و ثنائے خداوندی کے بعد یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام ذی حیات مخلوق کے لئے جو کچھ بھی بڑھوتری یا کمی کی صورت میں تقسیم ہو رہا ہے وہ سب احکامات و قوانین کی صورت میں ہر لمحہ بارش کی بوندوں کی رفتار سے آسمانوں سے زمینوں کی طرف نازل ہو رہا ہے۔
2	فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ لِأَخِيهِ غَفِيرَةً فِي أَهْلِ أَوْ مَالٍ أَوْ نَفْسٍ فَلَا تَكُونَنَّ لَهُ فِتْنَةً؛	چنانچہ جب تم میں سے کوئی ایک شخص یہ دیکھے کہ اُس کے کسی برادر انسان کے اہل و عیال میں یا مال و دولت میں یا اُس کی ذاتی عزت و وقار و جسم میں زیادہ تخفیف پایا جاتا ہے تو تمہیں اُس کی راہ میں فتنہ یا رکاوٹ پیدا نہ کرنا چاہئے۔
3	فَإِنَّ الْمَرْءَ الْمُسْلِمَ مَا لَمْ يَغْشَ ذَنَابَةً تَطْهَرُ فَيُخْشَعُ لَهَا إِذَا ذُكِرَتْ وَ تَعْرَى بِهَا لِقَامُ النَّاسِ كَانَ كَالْفَالِجِ الْيَاسِرِ؛	اور جو مسلمان مرد ایسی حالت میں خود کو سنبھال کر رکھے اور ایسی کوئی گھٹیا حرکت نہ کرے جو ظاہر ہو جائے تو اُس کا تذکرہ بھی اُسے ذلیل کرے اور ذلیل لوگوں کو نام دھرنے کی جرأت ہو تو ایسا مسلمان مرد تو اُس جو اکیلے والے کا میاب کھلاڑی کی طرح ہے۔
4	الَّذِي يَنْتَظِرُ أَوَّلَ فَوْزَةٍ مِنْ قَدَاحِهِ تَوَجَّبُ لَهُ الْمَغْنَمُ؛	جو پہلے ہی پانسہ پر جیتنے کا منتظر رہتا ہو اور فوری طور پر اُسے مالا مال کر دے۔
5	وَيَرْفَعُ بِهَا عَنْهُ الْمَغْرَمُ؛	اور اگر پہلے کوئی گھانا یا ہار بھی ہوئی تھی تو اُس کا وہ نقصان بھی یکسر پورا ہو جائے۔
6	وَكَذَلِكَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ الْبَرِيُّ مِنَ الْخِيَانَةِ يَنْتَظِرُ مِنَ اللَّهِ إِحْدَى الْحُسَيْنَيْنِ؛	اور اسی طرح وہ مسلمان مرد بھی فائدے میں رہتا ہے جو کسی قسم کی بھی خیانت نہ کرتا ہو، اور اللہ سے دو میں سے ایک اچھی بات کا ہمیشہ امیدوار اور منتظر رہتا ہو۔

7	اول۔ یعنی اگر اُسے اللہ خود بھی دعوت دے کر بلا لے پھر تو اللہ کے پاس ہمہ قسم کی اچھائیاں نصیب ہوں گی۔	إِمَّا دَاعِيَ اللَّهِ فَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لَهُ؛
8	دوم۔ یا یہ کہ اللہ اُسے بلائے بغیر ہی تمام ضروریات زندگی دے دے۔ ایسا ہو تو وہ مرد مسلمان صاحبِ اہل و عیال اور صاحبِ مال بھی ہو جائے گا۔ اور اس کا دین اور عزت بھی بحال رہے گا۔	وَأَمَّا رِزْقُ اللَّهِ فإِذَا هُوَ ذُو أَهْلٍ وَ مَالٍ وَ مَعَهُ دِينُهُ وَ حَسْبُهُ؛
9	مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ مال و دولت و اہل و عیال سب کا سب دنیا کی کھیتی اور کمائی ہے۔	إِنَّ الْمَالَ وَ الْبَنِينَ حَرْثُ الدُّنْيَا؛
10	اور نیک اعمال یقیناً آخرت کے لئے کھیتی اور کمائی ہیں۔	وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ حَرْثُ الْآخِرَةِ؛
11	اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ مخصوص اقوام کے لئے دنیاوی اور دینی اور آخرت کی کھیتیاں اور کمائی جمع کر دیتا ہے۔	وَ قَدْ يَجْمَعُهُمَا اللَّهُ لِأَقْوَامٍ؛
12	چنانچہ اللہ کی ذات کے احترام میں ان تمام چیزوں سے بچ کر رہا کرو جن سے اللہ نے بچنے کو کہا ہے۔	فَاحْذَرُوا مِنَ اللَّهِ مَا حَذَرَكُمْ مِنْ نَفْسِهِ؛
13	اور اُس سے ادب و احترام کے ساتھ اتنا ڈر کر زندگی گزارو کہ تمہیں کوئی معذرت ہی نہ کرنا پڑے۔	وَ احْشَوْهُ حَشِيَّةً لَيْسَتْ بِتَعَذِيرٍ؛
14	اور دکھاوے کے اعمال بھی نہ کرو اور ذاتی نام و نمود کی عبادت بھی نہ کرو۔	وَ اعْمَلُوا فِي غَيْرِ رِيَاءٍ وَ لَا سُمْعَةٍ؛
15	یہ بالکل صحیح بات ہے کہ جو شخص اللہ کے بجائے کسی اور کے لئے یا کسی اور وجہ سے عمل و عبادت کرتا ہے تو اللہ ایسے شخص کو اسی شخص کی وکالت میں دے دیتا ہے جس کے لئے وہ عمل کرتا تھا۔	فَإِنَّهُ مَنْ يَعْمَلْ لِغَيْرِ اللَّهِ يَكُلْهُ اللَّهُ الْإِلٰهِي مَنْ عَمِلَ لَهُ؛
16	اور ہم تو اللہ سے خاص شہیدوں کی منزلوں میں رہنے کی دعا کرتے ہیں۔	نَسَأَلُ اللَّهَ مَنَازِلَ اشْهَدَاءِ؛
17	اور مخصوص سعادت مند لوگوں والی زندگی اور زندگی کا سامان چاہتے ہیں۔	وَ مَعَايِشَةَ السَّعْدَاءِ؛
18	اور انبیاء کی رفاقت پسند کرتے ہیں۔	وَ مُرَافَقَةَ الْأَنْبِيَاءِ؛
19	اے لوگو سنو کہ ہر مرد، خواہ مال و دولت رکھتا ہو، اپنے قریب ترین بچپنوں اور برادری والوں کے بغیر کامیاب نہیں ہوتا ہے، اُسے اُن کے ہاتھوں اور زبانوں کی مدد کی احتیاج رہتی ہے۔	أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَا يَسْتَعْنِي الرَّجُلُ وَ إِنْ كَانَ ذَا مَالٍ عَنْ عَشِيرَتِهِ وَ دَفَاعِهِمْ عَنْهُ بِأَيْدِيهِمْ وَ أَلْسِنَتِهِمْ؛

20	وہی لوگ ہیں جو سب سے زیادہ اُس کے پشت پناہ اور محافظ اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔	وَهُمْ أَكْبَرُ النَّاسِ حَيْطَةً مِّنْ وَرَائِهِ؛
21	اور نوح و غم و مصیبت میں اُس کے ہمد و دمساز ہوا کرتے ہیں۔	وَالْمَهُمُ لَشَعْنِهِ؛
22	اور جب اُس پر کوئی آفت نازل ہو جائے تو وہی سب سے زیادہ اس پر مہربان اور شفیق ہوتے ہیں۔	وَاعْظَمُهُمْ عَلَيْهِ عِنْدَ نَازِلَةٍ إِذَا نَزَلَتْ بِهِ؛
23	اور جس کے لئے اللہ سچائی اور خیر خواہی کرنے والی زبانیں انسانوں کے اندر قائم کر دے اور اس کا ذکر خیر جاری کر دے تو یہ اُس مال و دولت سے بہت بہتر ہے جسے جمع کرتا رہے اور غیروں کو وارث بنا جائے۔	وَلِسَانُ الصِّدْقِ يَجْعَلُهُ اللَّهُ لِلْمَرْءِ فِي النَّاسِ خَيْرًا لَهُ مِنَ الْمَالِ يُورِثُهُ غَيْرُهُ؛
24	خبردار ہو کر سنو کہ تم میں سے کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے رشتے داروں اور قریبی لوگوں کی ضرورتوں میں وہ مال یا سامان خرچ نہ کرے جو ضرورت مندوں کو نہ دینے سے بڑھے گا نہیں اور اگر احتیاج رفع کرنے میں صرف کر دیا جائے تو اس میں کمی نہ آنے پائے گی۔	أَلَا لَا يَعْدِلَنَّ أَحَدُكُمْ عَنِ الْقَرَابَةِ يَرَى بِهَا الْخِصَاصَةَ أَنْ يَسُدَّهَا بِالذِّئْبِ لَا يَزِيدُهُ أَنْ أَمْسَكَهُ وَلَا يَنْقُصُهُ أَنْ أَهْلَكَهُ؛
25	اور جو شخص اپنے قریب ترین بچوں اور برادری والوں کی مدد سے اپنا ہاتھ روکے گا تو بلاشبہ اُن کی مدد کرنے والا تو ایک ہی ہاتھ رکا ہے اور خود اُس کی مدد سے تو بہت کثیر تعداد میں ہاتھ رک جائیں گے۔	وَمَنْ يَقْبِضُ يَدَهُ عَنْ عَشِيرَتِهِ فَإِنَّمَا تَقْبِضُ مِنْهُ عَنْهُمْ يَدٌ وَاحِدَةٌ وَتَقْبِضُ مِنْهُمْ عَنْهُ أَيُّدٌ كَثِيرَةٌ؛
26	اور جو شخص نرم رُو اور نرم خُو ہوتا ہے وہ اپنی قوم کی طرف سے اپنی عزت اور قدر و محبت برقرار رکھتا ہے۔	وَمَنْ تَلِنَ حَاشِيَتُهُ يَسْتَدِمُّ مِنْ قَوْمِهِ الْمَوَدَّةَ؛

تشریحات

ہر ذی حیات کی نشوونما، بقا اور تقائی ترقی کا پروگرام اور سامان ہر لمحہ بارش کی طرح برستار ہوتا ہے۔ آسمان سے زمین پر

ہم نے پچھلے خطبہ 22 میں عرض کیا ہے کہ قریش کی قومی حکومت کا قانون اور طرز زندگی اجازت نہ دیتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام وہ سب کچھ کھول کر بیان فرمادیں جو کچھ وہ کہنا چاہتے ہوں۔ یہ مسلمہ اور قریشی تاریخ کی حقیقت ہے کہ تمام صحابہ رسول مدینہ میں قید یا نظر بند تھے اور کسی کو بھی اجازت نہ تھی کہ جو حدیث رسول وہ چاہیں بیان کر سکیں۔ اور یہ بھی تسلیم شدہ واقعات ہیں کہ حکومت کی پالیسی کے خلاف جس کسی نے بھی حدیث رسول یا آیت قرآن بیان کی اُسے کوڑوں کی یا جیل کی سزا دی گئی (تذکرہ علامہ ذہبی) اور (مقام حدیث علامہ پرویز) اور علامہ محمد اسماعیل بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے قول نقل کیا ہے کہ اگر دوسری بوری والے ریکارڈ میں سے کچھ بیان کر دوں تو میری گردن مار دی جائے

گی۔ یہ پابندی خود جناب محمد اسماعیل کے زمانہ تک اور خود اُن پر بھی عاید تھی چنانچہ چھ لاکھ چورانوے ہزار (6,94,000) احادیث رسول اپنی صحیح بخاری میں نہ لکھ سکے۔ یہ تو حضرت علی علیہ السلام کی سطوت و جبروت و علم کا معجزہ ہے کہ انہوں نے اُن تمام پابندیوں کے باوجود ہم تک وہ سب کچھ پہنچا دیا جس سے حق و باطل الگ الگ کئے جاسکتے تھے۔ مگر انہوں نے حق پہنچانے میں وہی ترکیب و ترتیب استعمال کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پہنچانے میں کی تھی۔ اور اس ترکیب و ترتیب کی واضح مثال خود اسی زیر نظر خطبے میں موجود ہے۔ آپ نے خطبے کا افتتاح ایک ایسے جملے سے کیا ہے جو قرآن کریم (سورہ قدر) کی تشریح کرتا ہے اور جس پر کسی سیاسی لیڈر کو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی علیہ السلام اپنی انتہائی فضیلت بیان فرما رہے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو ادھر حالات پر مطلع ہیں اور ادھر مزاج قرآن صامت و ناطق سے آشنا ہیں، وہ پورے خطبے کی ترتیب پر نگاہ ڈالتے ہی وجد میں آجاتے ہیں۔ اُن کے سامنے قرآن کھل جاتا ہے، ساری کائنات اور نظام کائنات اپنی ترتیب کے ساتھ رُوبرو کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہ عرش خداوندی پر مرکز کائنات کا نظارہ کرتے ہیں۔ جہاں سے پوری کائنات اور کائناتی مخلوقات و موجودات کے لئے سامان بقا و ترقی (رزق) اور قوانین و اقدار تقسیم نازل ہو کر بارش کی طرح برستے ہیں اور اللہ کا محسوس و مشہود جانشین تدبیر کائنات کرتا ہے۔ تفصیل قرآن سے سُنئے:

2- آل محمد اور قرآن کی ہم آہنگی، آل محمد اور مرکز کائنات، آل محمد اور حکومت کائنات، آل محمد اور تدبیر و انتظام کائنات و موجودات

الْمَرَّةَ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِنَسْتَدِرَّ قَوْلًا مَّا آتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِى سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَالِكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ يٰۤاُدْبِرُ الْاُمْرَ مِنَ السَّمٰوٰءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِى يَوْمٍ كَانَ مِقْدٰرُهُ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيْمُ ۝ (سجده 6 تا 32/1)

آل محمد سامنے موجود ہے تو اس مکمل کتاب کے رب العالمین کی طرف سے ہونے میں کوئی شش و پنج نہیں ہونا چاہئے تھا۔ کیا یہ لیڈر یہ کہتے ہیں کہ محمد نے اس کتاب کو خود ہی گھڑ لیا ہے؟ ایسا نہیں ہے اُن کو بتاؤ کہ یہ کتاب تو حقائق کا مجموعہ ہے اور تیرے پروردگار کی طرف سے ہے اور اس لئے ہے کہ ایک ایسی قوم کو بھی متنبہ کر سکو جس کے پاس ماضی قریب میں کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں آیا تھا اور تم سے پہلے انہیں متنبہ نہیں کیا گیا تھا۔ شاید وہ اب ہدایت پا جائیں۔ اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب کو چھ روز میں پیدا کیا اور اس کے بعد عرش پر مکمل مرکز حکومت قائم کیا۔ چنانچہ تمہارے لئے اللہ کے سوانہ کوئی ہمدرد حاکم مطلق ہے اور نہ ہی کوئی اُس کے معاملات میں مداخلت کرنے والا جوڑی دار ہے کیا تم اس پوزیشن سے سبق نہیں لیتے؟ اللہ اپنی حکومت کے انتظام کی آسمانوں سے زمینوں کی طرف تدبیر کرتا ہے پھر ہر تدبیر کارِ عمل و نتیجہ پستیوں سے اُس کی طرف بلند ہوتا ہوا ایک ایسے دن میں پہنچتا ہے جو تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کی مدت ہوتی ہے۔ وہی ہے جو تمہاری نظروں سے پوشیدہ تمام چیزوں کا اور تمام مشہود چیزوں کا عالم اور ہر حال میں غالب رہنے والا ہے اور رحیم ہے۔“

ان آیات کو پڑھنے والے سب ہی لوگ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ وہ ہستی جو کائنات کی تدبیر و نظام برقرار رکھنے والی ہے وہ اللہ ہے۔ ایسا سمجھنا اس حیثیت سے تو صحیح ہے کہ اللہ اپنے جانشین رسول کے کاموں کو اپنے کام کہتا ہے یا ملک الموت کے روح قبض کرنے کو اپنا مارنا کہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ بذاتِ خود کسی کی روح قبض کرنے آتا جاتا ہے یا یہ کہ وہ خود نظام کو چلاتا ہے تو اس سے بڑی غلط سمجھ اور کوئی نہیں ہو سکتی اور یہ سمجھ ہی حقیقی

شک ہے۔ اس لئے کہ وہ شخص اس سمجھ کے ساتھ ساتھ یہ بھی مانتا ہے کہ اللہ کہیں اتنی دُور رہتا ہے کہ تدبیر امر اُس کے پاس پہنچنے میں ایک ہزار سال کی مدت لیتی ہے۔ یقیناً اگر کوئی چیز اللہ کی طرف کو بلند ہوتی ہے (بِعْرُجِ الْيَهِ) تو اللہ وہاں نہیں ہے جہاں سے وہ چیز بلند ہونے کا کام شروع کرتی ہے۔ اور یہ ہی ایسا غلط عقیدہ ہے کہ جس کو سُن کراہیں بھی ناپسند کرے گا۔ یہ صحیح ہے کہ مرکز کائنات سے یعنی عرش کی بلندیوں سے تدبیر امر زمین کی پستیوں کی طرف آتی ہے اور اس کے نتائج یقیناً پستیوں سے بلندیوں کی طرف معراج کرتے ہیں یعنی عرش جو ایک خاص جگہ قائم ہے وہاں تک پہنچتے ہیں۔ اب اگر اللہ عرش پر مانا جائے تو غلط و باطل بات ہے لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ عرش پر تخت نشین خلیفہ خدا ہے۔ اُس کے انتظام اور تدبیر کو اللہ اپنا انتظام اور تدبیر فرماتا ہے اور جو چیز اُس کی طرف سے اُترتی ہے یا اُس کی طرف بلند ہوتی ہے اُسے اپنی طرف بلند ہونا (بِعْرُجِ الْيَهِ) کہتا ہے۔ اور یہی بات حدیث معصومہ میں بھی فرمائی گئی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَنَانٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَفِيْكَ وَ خَلِيْلِكَ وَ نَجِيْكَ، اَلْمُدْبِرِ لِاَمْرِكَ (کافی کتاب الحجۃ باب مولد النبی)

”چنانچہ حضرت عبداللہ بن سنان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ”اے اللہ درود

بھیج اپنے برگزیدہ محمد پر اپنے دوست پر اپنے ہمراز پر کہ جو تیرے امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔“

پھر یہ بھی سُن لیں کہ براہ راست اللہ تو کہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تدبیر امور نہ کرتے تھے بلکہ اُن کے ماتحت ملائکہ کائناتی خدمات انجام دیتے تھے (فَالْمُدْبِرَاتُ اَهْرًا - نازعات 79/5) جیسا کہ اکیسویں خطبے میں خدی خوانی کرنے والوں کی ذیل میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اور یہاں (79/5) بھی قریشی قسم کے علما نے فرشتوں کے تدبیر امور خداوندی کرنے کو اللہ کا تدبیر کرنا مانا ہے۔ لیکن اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ تمام ملائکہ و ارواح شب قدر میں مرکز خداوندی پر نازل ہوتے ہیں۔

3- عرش کے مرکز سے تمام احکام لے کر ملائکہ اور ارواح زمینی مرکز پر شب قدر میں نازل ہوتے ہیں

چنانچہ سورہ قدر میں بتایا گیا ہے کہ: ”ہم نے قرآن کریم کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کو کون سے مادی دلائل (درایت) نے بتایا ہے کہ شب قدر کیا حیثیت رکھتی ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے زیادہ خیر والی رات ہے۔ اس لئے کہ اُس رات بھر ملائکہ اور ارواح اللہ کے حکم سے تمام احکام خداوندی لے کر نازل ہوتے رہتے ہیں، اور ہوتے رہا کریں گے (مضارع) اور صبح طلوع ہونے تک احکام پہنچاتے اور سلام کرتے رہتے ہیں اور سلام کرتے رہیں گے۔“ (القدر 5-97/1)

صاف ظاہر ہے کہ پوری کائنات کے مرکز سے زمین کے متعلق تمام احکامات خلیفہ الارض کے پاس پہنچتے ہیں۔ اور سال بھر وہی احکام تمام ذی حیات پر نافذ ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اس خطبے کے پہلے جملے میں قرآن کے ایسے ہی مقامات کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے اور فرمایا ہے کہ:

4- تمام ذی حیات کے لئے سامان حیات خلیفہ خداوندی پر نازل ہوتا ہے اور پھر بارش کی طرح اُن کی آبیاری ہوتی ہے

فَاِنَّ الْاَمْرَ يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۤءِ اِلَى الْاَرْضِ كَقَطْرَاتِ الْمَطَرِ اِلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا قُسِمَ لَهَا مِنْ زِيَادَةٍ اَوْ نَقْصَانٍ۔

”چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام ذی حیات مخلوق کے لئے جو کچھ بھی بڑھوتری یا کمی کی صورت میں تقسیم ہو رہا ہے وہ سب احکامات اور قوانین کی

صورت میں ہر لمحہ بارش کی بوندوں کی رفتار سے آسمانوں سے زمینوں کی طرف نازل ہو رہا ہے۔“

5- مولائے کائنات کے بیان پر ایک معنوی نظر ڈال کر دیکھیں

سب سے پہلے یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ حضورؐ نے یہاں لفظ ”انسان“ یا ”بشر“ استعمال نہیں کیا مگر مترجمین نے زبردستی یہاں انسان کے لئے رزق نازل ہونا سمجھ کر یہی لکھ دیا ہے۔ حضورؐ نے ”الٰی کُلِّ نَفْسٍ“ فرمایا ہے۔ اور لفظ ”نفس“ میں تمام انسان، تمام حیوانات، تمام چرند و پرند اور درندے، کیڑے مکوڑے، سانپ کچھو وغیرہ ہر وہ چیز داخل ہے جس میں زندگی اور حس و حرکت پائی جاتی ہے۔ پھر اسی جملے ”الٰی کُلِّ نَفْسٍ“ کے دوسرے معنی یہ لئے گئے ہیں کہ: ”جو رزق بارش کی بوندوں کی طرح برس رہا ہے وہ ہر انسان پر برس رہا ہے۔“ مثلاً رئیس احمد جعفری نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ:

”فرمان الہی بارش کے قطر کی طرح آسمان سے زمین پر نازل ہوتا رہتا ہے یہ قطرے ہر شخص کے دامن تک پہنچتے ہیں۔“ (ترجمہ دوسرا ایڈیشن صفحہ 183) اس ترجمہ میں آپ دونوں قابل اعتراض پہلو دیکھتے ہیں یعنی ”کُلِّ نَفْسٍ“ سے صرف انسان مراد لئے گئے ہیں۔ اور لفظ ”الٰی کُلِّ نَفْسٍ“ سے یہ سمجھا گیا کہ فرمان الہی ہر انسان پر براہ راست بوندوں کی صورت میں پہنچتا ہے۔ یہ بات اس لئے غلط ہے کہ اس میں فرشتوں وغیرہ کے توسط کے بغیر اللہ کا بذات خود فرمان پہنچانا ہے اور انسانوں کو بھی کسی رسول یا خلیفہ کے توسط کے بغیر پہنچا دیتا ہے۔ یہ طریق کار ادھر قرآن کے خلاف ہے اور ادھر اللہ کی پوزیشن کا مخالف اور ناممکن ہے۔ ان مترجمین نے لفظ ”الٰی“ کے اور لفظ ”علی“ کے معنی میں فرق نہیں کیا لفظ الٰی کے معنی ہیں ”طرف“ اور علی کے معنی ”اوپر“ لہذا ”الٰی کُلِّ نَفْسٍ“ کے معنی ہوں گے ”ہر ذی حیات کی طرف“ اور ”علی کُلِّ نَفْسٍ“ کے معنی ہیں ”ہر ذی حیات پر“ لہذا صحیح صورت حال یہ ہے کہ:

”مرکز خداوندی یعنی عرش الہی سے تمام احکامات جاری ہوتے ہیں۔ فرشتوں اور ارواح کے توسط سے بھیجے جاتے ہیں۔ اور یوں جاری

ہونے والے تمام احکامات خلیفہ خداوندی کے پاس لائے جاتے ہیں اور خلیفہ خداوندی کی بصیرت کے ماتحت تمام ذی حیات پر نافذ

ہوتے ہیں۔“

یہ بات پھر سمجھ لیں اور کبھی نہ بھولیں کہ خداوند عالم عرش پر مقیم نہیں ہے۔ وہاں سے بھی احکام کی ترسیل خلیفہ خداوندی کا کام ہے اور زمین اور ساری کائنات میں احکام کی تحفیذ بھی اللہ کے جانشین ہی کا کام ہے۔ اور حضرت علی علیہ السلام ہی اُس وقت خلیفہ خداوندی ہیں لہذا اللہ کے تمام احکامات و ہدایات اور ملائکہ کا نزول آجنگاں پر ہوتا تھا اور وہی حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام ذی حیات (نفوس) کو متعلقہ سامان حیات و بقا اور ترقی فراہم کرنے کی تدابیر کرتے تھے اور یہ کام آج تک ہر خلیفہ خداوندی کرتا چلا آیا ہے اور برابر کرتا چلا جائے گا۔ اور یہ خلافت و نیابت قریشی خلفا کو برسر عام باطل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اس خطبے کا افتتاح اہل حق کو دونوں قسم کی خلافتوں کا فرق بتانے کے لئے کافی ہے۔

(5- الف) پہلے جملے کے بعد عام انسانوں کے لئے طریقہ زندگی بیان کر کے سیاسی دشمنوں کو حقیقت حال پر غور کرنے سے محروم کر دیا

اس حقیقت کی طرف راہنمائی کر کے آگے بڑھ گئے اور بات کو عام کے طرز حیات میں بدل دیا تاکہ دشمنان حق حقیقت واقعی کے خلاف ایک عام تصور جو علما اور مترجمین نے اختیار کیا اپنالیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مگر مزاج شناسان قرآن وحدیث کو خطبے کے آخر میں یہ بتا دیا کہ انہیں عمومی اور اندھی زندگی سے ہٹ کر وہ طریقہ حیات اختیار کرنا چاہئے جو حضرت علیؑ اور ان کے ہمنوا لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ یعنی انہیں چاہئے کہ وہ بھی:

(1) مخصوص شہداء کا طرز حیات اختیار کریں (خطبہ 23 جملہ 16)

(2) اور مخصوص سعادتمند لوگوں والی معیشت اور معاشرت اپنائیں (خطبہ 23 جملہ 17) اور

(3) انبیاء علیہم السلام کی رفاقت میں رہنے کا انتظام کریں (خطبہ 23 جملہ 18)

معلوم ہوا کہ یہ تینوں صورتیں اختیار کر لینا انسانوں کے لئے ممکن اور قابل حصول ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا وہی لوگ کر سکیں گے جو حضرت علی علیہ السلام کے جملے نمبر (1) پر غور کر کے حضور سے راہنمائی حاصل کریں گے اور بارش کی طرح برسنے والے احکام و سامان سے پورا پورا استفادہ کریں، اُن سے رابطہ رکھیں اور خود کو زیادہ سے زیادہ کا مستحق بنانے میں لگے رہیں۔

6۔ انبیاء، شہداء اور سُعداء کے طریقے سے ہٹ کر چلنے والے عوام یا مسلمانوں کی زندگی قومی عصیتوں کے سہارے کی محتاج ہے

جن مترجمین اور علما نے خطبے کی اسپرٹ کو عموماً اور پہلے جملے کو خصوصاً نہیں سمجھا اُن کے خیال میں (معاذ اللہ) حضرت علی علیہ السلام نے اسلامی زندگی کو قوم و قبیلے اور سرچ لوگوں پر منحصر قرار دیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم صرف اللہ پر توکل کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود اولاد و ازواج و اموال کو فتنہ (تغابن 15-14/64) قرار دیتا ہے۔ قرآن کے علاوہ خود حضور نے بھی یہ نہیں فرمایا ہے کہ:

”تمام انسان اپنے ذوی العشرہ کے تعاون کے بغیر کامیاب زندگی نہیں گزار سکتے۔“ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَا يَسْتَعِينِي الرَّجُلُ وَإِنْ كَانَ ذَا مَالٍ عَنْ عَشِيرَتِهِ وَدَفَاعِهِمْ عَنْهُ بِأَيْدِيهِمْ وَالْأَسْتَيْهِمْ؛ (خطبہ 23، جملہ 19)

”اے لوگو! سو کہ ہر مرد (یا ایک خاص مرد) خواہ مال دار ہی کیوں نہ ہو اپنے قریب ترین لیڈروں اور برادری والوں کے بغیر کامیاب نہیں ہوتا ہے۔ اُسے اُن کے ہاتھوں اور زبانوں کی مدد کی احتیاج رہتی ہے۔“

ہم یہ مانتے ہیں کہ ہر مرد کامیاب نہیں ہو سکتا مگر کچھ مردوں کے کامیاب ہوجانے کی یہاں نفی نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ اصول دین اور اسلامی راہنما و امام و خلیفہ کے ماتحت اپنی زندگی کو نہ رکھتے ہوں وہ بھائی بندوں، عزیز و اقربا اور محلّہ و قوم کے تعاون کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتے اور یہ بات ہندوؤں، کافروں اور بے دینوں تک کے لئے صحیح ہے۔ لیکن اسلامی زندگی تو خود بخود انسانوں اور ملائکہ کی مدد کو کھینچ لائے گی۔ اور اُسے کسی کی احتیاج محسوس نہ ہوگی۔ سارے انسان اُس کی مدد و اعانت کو دوڑیں گے۔ اُس کی تیمارداری کریں گے۔ مگر اُس کا انحصار بندوں پر نہیں اللہ پر ہوگا اور وہ یہ اعتقاد رکھتا ہوگا کہ:

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ○ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ ○ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيَ ○ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ○ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ○ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ○ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ○ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ○ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ○ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا ○ وَالْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ ○ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ○ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ○ (شعرا 85-75/26)

”کیا تم لوگ جن کی اطاعت و عبادت کرتے ہو، تم اور تمہارے قدیم باپ دادا اُن کی حقیر پوزیشن پر غور نہیں کرتے تھے۔ یقین رکھو کہ تمہارے وہ سب معبود میرے نزدیک دشمن ہیں۔ البتہ میرا اللہ کائنات کا پروردگار ایسا ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور میری ہدایت کرتا ہے۔ وہی تو ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو شفا دیتا ہے۔ وہی تو موت دے کر دائمی حیات دے گا۔ وہی تو ہے جس سے تحفظ ملنے کی طمع رکھتا ہوں اور وہی نتائج نکالنے والے دن میری تمام خطائیں تحفظ سے بدل دے گا۔ اے میرے پالنے والے

مجھے حقیقی اور بنیادی صالحین سے ملحق کر دے اور آخر کے لوگوں میں میرے لئے ایک سچی زبان تعینات کر دے اور مجھے وارثانِ جنت میں سے ایک وارثِ جنت بنا دے۔“

قارئین یاد رکھیں کہ یہ بیان حضرت علی علیہ السلام کے والد اور اپنے زمانہ کے سربراہ اسلام اور خلیفہ خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ جنہوں نے محمد و علی علیہم السلام کے ظہور کی دعا کی تھی اور جنہوں نے اس بیان میں حضرت علیؑ کو لسان صدق کی حیثیت میں اللہ سے طلب کیا ہے۔ بہر حال ثابت ہوا کہ بے دینوں کے لئے دنیا میں اپنے عزیز و اقربا کا سہارا ضروری ہے اور دینداروں کے لئے اللہ سب سے بڑا سہارا ہوتا ہے اگر وہ نہ چاہے تو عزیز و اقربا اور دیگر وسائل بھی ساتھ نہیں دیتے ہیں۔ وہ خوش ہو تو کائنات کی ہر چیز تعاون کرتی ہے۔

اور اسی سلسلے میں حضورؐ نے دوسرے مسلمان کا ذکر فرمایا ہے جو کسی قسم کی خیانت نہیں کرتا اور اللہ سے دو اچھی چیزوں میں سے ایک کے لئے کام کرتا ہے اور امید لگائے رہتا ہے (خطبہ 23 جملہ 6) کہ یا تو اللہ اُسے خود ہی مدعو کر لے اور اس طرح اُسے وہ سب کچھ مل جائے جو اللہ سے مل سکتا ہے (خطبہ 23 جملہ 7) اور یا پھر اللہ اُسے دنیا ہی کا تمام ضروری سامان عطا کر دے تاکہ وہ ادھر صاحبِ اہل و عیال اور اُن کے تعاون کا مالک ہو جائے اور ادھر صاحبِ مال و دولت و فراغت ہو جائے اور ساتھ ہی اُس کی عزت اور دین محفوظ رہتا چلا جائے (خطبہ 23 جملہ 8)

اس کے بعد حضورؐ نے دنیاوی سامان کی بے قدری پر متوجہ فرما کر آخرت کے سامان پر اُکسایا ہے (خطبہ 23 جملہ 9-10) اور اُمید دلائی ہے کہ اللہ چاہے تو دنیا و آخرت دونوں میں مالا مال کر سکتا ہے (خطبہ 23 جملہ 11) اور دین داروں کو دنیا داروں اور سامانِ دنیا اور افرادی طاقتوں سے لاپرواہ کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ اُن تمام چیزوں سے اور اُن تمام اعمال سے اور اُن تمام تمنائوں اور کوششوں سے بچ کر رہا کرو جن کو اللہ ناپسند کرتا ہے اور جن سے بچ کر رہنے کی تاکید کرتا ہے (خطبہ 23 جملہ 12) مثلاً اولاد و ازواج و اموال کی فراوانی (تغابن 15-14/64) اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ راست روی کے ساتھ ساتھ اللہ کا احترام آمیز خوف دل کی گہرائی میں برقرار رکھو ایسا کہ تمہیں کسی معاملے میں عذر و بہانے کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے (خطبہ 23 جملہ 13) اور یہ کہ اپنے تمام اقوال و اموال و اعمال و عبادت کسی کو دکھانے یا کسی کی نظروں میں اپنی توقیر بڑھانے کے لئے نہ کرو، ورنہ وہ ساری محنت ضائع ہو جائے گی (خطبہ 23 جملہ 14-15) اور وہ اعمال تمہیں فائدہ نہ دیں گے اور بے عملی و بد عملی کی سزا الگ ملے گی۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسا انتظام کرو کہ تمہارے اعمال خیر کا تذکرہ جاری رہے لہذا اپنا مال و دولت اس مقصد کے لئے صرف کرتے رہو اور نابلوں کو ورثہ میں مال و دولت و سامان دینے سے یہ بہتر ہے کہ اللہ تمہارے رویہ سے تمہارے بعد تمہارے ذکر خیر کو جاری رکھنے کا انتظام کر دے۔ حضرت علی علیہ السلام یقین دلاتے ہیں کہ حاجت مندوں اور غربا کی مدد میں جو مال خرچ ہوتا ہے وہ بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا۔ اور جو مال کنجوسی کر کے محفوظ رکھا جائے اُس میں برکت و اضافہ نہیں ہوتا (خطبہ 23 جملہ 23-24) لہذا بے خوف ہو کر راہِ خدا میں خرچ کرتے رہو اس طرح تمہیں کبھی تنگی سے دوچار نہ ہونا پڑے گا۔

جس طرح حقیقی دین اور حقیقی نایب خداوندی سے ہٹ کر زندگی بسر کرنے والے لوگوں کے لئے ضروری قرار دیا تھا کہ وہ اپنی قوم و لیڈرانِ قوم اور عزیز و اقربا سے مل کر رہیں اور انہیں اپنے سب سے بڑے محافظ اور پشت پناہ یقین کریں۔ وہی اُن کے مصائب و آفات میں مددگار بتائے گئے۔ الغرض اُن کے سلسلے میں حضورؐ نے کہیں نہ اللہ پر توکل کا ذکر کیا اور نہ اللہ کی مدد و نصرت کی بات کی خالص مادی طرزِ فکر و دنیاوی چلن کی

باتیں بتائی ہیں (خطبہ 23 جملہ 19 تا 22) اُن ہی کو یہ بھی بتایا کہ اپنے عزیز واقارب سے دست کشی اختیار نہ کرو ورنہ تم گھائے میں رہو گے اس لئے کہ تم اکیلے اُن کی مدد سے ہاتھ کھینچو گے تو وہ سب بہت سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔ اُن ہی کو معاویہ کی طرح نرم روی کی نصیحت کی ہے۔ تاکہ قومی توجہ و تعاون حاصل رہے۔ (خطبہ 23 جملہ 25-26)

منشا اور مقصد اس خطبے کا یہ ہے کہ تم سب نائب خداوندی سے وابستہ رہ کر تو انین الہی کے مطابق زندگی بسر کرو تاکہ تم کو دینی اور دنیاوی خوبیاں اور نعمتیں حاصل رہیں۔ اور جو لوگ اس طرف نہ آنا چاہیں انہیں دنیا میں رہنے کا خالص دنیا دارانہ طریقہ بتا دیا ہے۔ زندگی گزارنے والوں میں اُس شخص کو کامیاب قرار دیا ہے جو مسلمانی کا یا صلح پسندی کا اتنا خیال تو ضرور رکھتا ہو کہ کوئی کھلی کھلی مکینہ حرکت نہ کرے (خطبہ 23 جملہ 3) اُسے اُس کی اس کامیابی میں ایک چالاک جواری کی مانند قرار دیا ہے جو داؤ لگانے میں محتاط رہتا ہو اور بازی جیت جانے میں سبقت لے جاتا ہو۔ (خطبہ 23 جملہ 4-5)

7۔ ایک ایسی نصیحت جو ہر آدمی کے لئے مفید ہے۔ یعنی کسی شخص کے اموال و عیال و عزت میں تخریب کرنے سے روکا ہے۔

قارئین جانتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا ہر مخالف اور ہر دشمن خوب پھل پھول رہا تھا۔ مال و دولت و افرادی قوت میں اُن تمام لوگوں سے بڑھا ہوا تھا جو حضرت علی علیہ السلام کے طرفدار تھے۔ اور خود مولائے کائنات دنیاوی مال و دولت میں نادار و غریب تھے۔ اس لئے لوگوں کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ حضور کو روڑ پتیوں سے بغض و حسد ہوگا اور اگر ہم مثلاً اُن میں سے کسی کو لوٹ لیں تو آپ بُرا نہ مانیں گے۔ اس قسم کی راہیں بند کرنے کے لئے آپ نے فرمایا ہے کہ جب تم لوگوں کو مال دار و خوشحال اور افرادی قوت میں بڑھا چڑھا دیکھو تو اُن کی راہ میں تخریب و فتنہ اندازی نہ کرو۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 24

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 24

خطبہ ﴿24﴾

- (1) حق کی مخالفت کرنے والے گمراہوں سے جنگ ہو تو اُن کی رعایت کرنا اور اُن سے دب جانا علی کا کام نہیں؛
- (2) اللہ کے غضب سے بھاگ کر اُسی کے دامن میں پناہ لے لو؛
- (3) اگر تم اللہ کی ہدایات پر عمل کرو تو علی تمہاری کامیابی کا ضامن ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	اور مجھے اپنی زندگی کی قسم کہ میں اُن لوگوں سے جنگ میں ذرہ برابر چشم پوشی، رُو رعایت اور سُستی نہ کروں گا جنہوں نے حق کی پوری مخالفت کی ہے اور جو گمراہی اور بے راہ روی میں گھل مل گئے ہیں۔	وَلَعَمْرِي مَا عَلِيٌّ مِنْ قِتَالٍ مَنْ خَالَفَ الْحَقَّ وَ خَابَطَ الْعَيَّ مِنْ اِدْهَانٍ وَلَا اِيْهَانٍ؛
2	چنانچہ اے اللہ کے بندو تم اللہ کا تقویٰ و ذمہ داریاں اختیار کر لو اور اللہ کی نافرمانی سے ڈر کر اللہ ہی کی پناہ کی طرف بھاگو۔	فَاتَّقُوا اللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ وَ فِرُّوا اِلَى اللّٰهِ مِنَ اللّٰهِ؛
3	اور اُس طرز زندگی اور راہ عمل پر گامزن رہو جو اُس نے تمہارے لئے مقرر کی ہے۔	وَامْضُوا فِي الدِّيْنِ نَهَجَهُ لَكُمْ؛
4	اور اُن پابندیوں پر قائم رہو جو اُس نے تم پر عائد کی ہیں۔	وَ قُوْمُوا بِمَا عَصَبَهُ بِكُمْ؛
5	چنانچہ ایسا کرو گے تو علی تمہاری کامیابیوں کا ضامن ہے اگر جلد نہیں تو ایک مقررہ وقت کا ذمہ ضرور لیتا ہے۔	فَعَلَيَّْ ضَامِنٌ لِّفَلْجِكُمْ اِجْلًا اِنْ لَّمْ تُمْنَحُوْهُ عَاجِلًا؛

تشریحات

1- ہر گمراہ اور باطل پرست سے جنگ جائز نہیں بلکہ جنگ اُن گمراہ و باطل پرستوں سے واجب ہے جو قوت سے حق کی مخالفت کریں

اسلامی تعلیمات میں جبر جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ہر مسلم و غیر مسلم کی زبان پر قرآن کا یہ جملہ جاری رہتا ہے کہ:

”لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (دین کے سلسلے میں جبر نہیں ہے)“ اور وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ:

..... قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا

وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيْمٌ (بقرہ 2/256)

”راست روی گمراہی سے الگ کر کے واضح کر دی گئی ہے چنانچہ جو شخص بھی طاغوت سے یعنی قانون ساز ادارہ سے کفر کر کے اللہ کے

قانون پر ایمان لاتا ہے وہ ایک لازوال سہارا اختیار کر لیتا ہے چنانچہ یہ سہارا کبھی ڈاؤنٹول ہونے والا نہیں ہے۔ اور اللہ یہ سب کچھ سُننا اور جانتا ہے۔“

بات واضح کر دینا اسلامی تعلیمات کی ذمہ داری ہے۔ حق و باطل کو ٹھیک ٹھیک سمجھا دینے کے بعد بھی اگر کوئی شخص یا قوم پر امن رہ کر غلط طریقے یا مذہب پر چلنا چاہے تو اُسے جبراً منع نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اپنے دشمنوں سے بھی زیادتی کرنا منع ہے۔ اور اُن سے اچھی باتوں میں تعاون کرنے کا حکم دیا گیا ہے سینے:

2- باطل پرست دشمنوں پر زیادتی کرنا حرام ہے اور اُن سے بھی نیکیوں میں تعاون کرنا فرض ہے

..... وَلَا يَجْرِ مَنْكُمْ شَنَاٰنٌ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلٰى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا

تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (ماندہ 5/2)

”جن لوگوں نے تمہیں کعبہ جانے اور عبادت کرنے سے روک دیا ہے تمہیں اُن پر بھی ایسا غضبناک نہ ہو جانا چاہئے کہ تم اُن پر بدلے میں زیادتیاں کرنے لگو اور تمہیں چاہئے کہ تم اُن سے نیکیوں میں اور ذمہ دارانہ کاموں میں مدد اور تعاون سے پیش آؤ۔ البتہ گناہوں اور غلط کاموں اور زیادتیوں میں اُن سے بھی تعاون نہ کیا کرو۔“

پھر اسلامی تعلیمات کا یہ جملہ ساری دنیا میں مشہور ہے کہ: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَ لِيَ دِيْنِ لِيْعْنِي ”تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔“ (اکافرون 109/6) مطلب یہ کہ مجھے تمہارے دین سے عداوت نہیں تم خوشی سے اُس پر عمل کرو اور مجھے میرے دین پر عمل کرنے دو۔ اس لئے کہ حق تو خود بخود انسانوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ پروپیگنڈے اور دھوم دھام اور جبر کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی بلکہ یہ چیزیں تو باطل کی شناخت ہیں۔ خوشبو تو خود اپنا عملی تعارف کراتی ہے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی کہ یہ خوشبو ہے۔

3- کسی کو اُس کی مرضی کے خلاف جبراً مومن بنانا بھی اللہ نے منع کیا ہے

چنانچہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبراً مومن بنانے سے بھی روکا ہے اور کہا ہے کہ:

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (يونس 10/99)

”اے رسول کیا تم لوگوں کو مومن بنانے کے لئے اُنہیں اُن کی مرضی کے خلاف مجبور کرو گے؟“

4- ظلم و جبر و زیادتیاں کرنے والوں سے برابر کی زیادتی جائز کی ہے

قرآنی تعلیمات میں ظلم و جبر و زیادتی پر بھی معاف کرنے اور درگزر کرنے کا ذکر قرآن میں بھرا پڑا ہے لیکن برابر کی زیادتی کرنے کی اجازت بھی دی ہے سینے:

فَمَنْ اَعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (بقرہ 2/194)

”جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اُس پر اتنی ہی اور ویسی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی اور جیسی زیادتی اُس نے تم پر کی تھی ساتھ ہی یہ سمجھتے ہوئے

اُن کی مانند و مثل زیادتی کرو کہ اللہ کی معیت صرف اُن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو زیادتی سے پرہیز کرتے اور ذمہ دارانہ کام کرتے ہیں لہذا اُن پر اُن کی مثل زیادتی کرنے میں اللہ سے بچ کر رہا کرو۔“

5۔ جنگ کی اجازت تو دی گئی ہے مگر خوشی سے نہیں تکلفات سے ملی ہے

پھر ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت بھی ملی ہے جو اپنی زیادتیوں میں فوج کشی اور قتل و غارت پر اتر آئیں۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿2/190﴾ (بقرہ)

’اور جو لوگ تم سے جنگ کریں تم بھی ان سے جنگ کر سکتے ہو۔ مگر یہ جنگ خالص اللہ کی راہ میں کھولنے کیلئے ہونا چاہئے تمہاری اپنی کوئی ذاتی، قومی، یا ملکی غرض نہ ہونی چاہیے۔ پھر جنگ کے دوران بھی کوئی زیادتی اس لئے نہ ہونی چاہئے کہ اللہ ہرگز زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا خواہ جنگ اسلام کے نام پر ہی کیوں نہ ہو رہی ہو اور خواہ جنگ کی سربراہی محمدؐ ایسا رسول ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔‘

6۔ علیؑ کے مخالفین کیسے تھے؟ ان کا اسلامی عملدرآمد کیسا تھا؟ علیؑ کی مجبوریاں کیا تھیں؟ علیؑ کے طرف دار کیسے تھے؟

یہ تھے اسلامی تعلیمات کے وہ چند نمونے جو اسلام کے مخالفوں اور غیر مسلموں کے ساتھ سلوک کے سلسلے میں اللہ نے قرآن میں بیان فرمائے اور جن پر محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ نے سو فیصد عمل کیا تھا۔ اور جن پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض تھا۔ ہم نے قرآن کریم سے قریش کی ان ناگوار یوں اور خلاف ورزیوں کا تذکرہ بار بار دکھایا ہے۔ جو اس قرآنی عملدرآمد کے خلاف تھیں اور جس کے خلاف انھوں نے برابر احتجاج بھی کیا اور رسولؐ کی مخالفت بھی کی۔ انہیں شکوہ تھا کہ ہمیں اسلامی قیادت میں برابر کا حصہ ملنا چاہئے اور چونکہ جنگی پالیسیوں میں بھی ہمیں اقتدار و اختیار حاصل نہیں ہے اس لئے ہماری قوم کو جانی و مالی نقصانات اٹھانے پڑ رہے ہیں۔ ہم یہاں صورت حال کو تازہ کرنے کے لئے صرف دو چار آیات لکھیں گے اور ساتھ ہی مودودی صاحب کا اور اپنا ملاحظاً ترجمہ لکھیں گے۔ ملاحظاً اس لئے کہ آیات قریشی مومنین یعنی ابوبکر و عمر وغیرہ صحابہ کی ذہنیت اور عملدرآمد بیان کر رہی ہیں اور مودودی پر لازم ہے کہ وہ اپنے راہنماؤں کی مذمت اور جرم کو ہلکا کرنے والے نرم الفاظ اور جملے استعمال کریں خواہ ترجمہ غلط ہی کیوں نہ ہو جائے اور ہم پر لازم ہے کہ جو کچھ اللہ نے فرمایا ہے اور جس انداز سے فرمایا ہے اس کو بحال رکھیں تاکہ حقیقت واقعی بگڑنے نہ پائے۔ لہذا آپ آیات اور ترجمہ دیکھیں اور جہاں ہم آیات کے الفاظ کے معنی سے ٹھیں، ہماری بات نہ مانیں۔ سُنِّیَ اللّٰہِ فَمَا تَہَکُمُ:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِأِذْنِهِ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَزَّعْتُمْ فِي الْأَمْوَالِ الَّتِي كُنْتُمْ مِمَّنْ يَدْعُونَ
مِنْكُمْ مِّنْ يُّرِيدُ اللَّهُ نِيَاً وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيدُ الْآخِرَةَ..... الخ ○ اِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُونَ عَلَيَّ أَحَدٌ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي
آخِرِكُمْ..... الخ ○ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ
شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخَفِّونَ فِي أَنفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَهُنَا
..... الخ ○ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَفَى الْجَمْعِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا..... الخ ○

(آل عمران 152-155)

’اللہ نے تائید و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا وہ تو اُس نے پورا کر دیا جب کہ تم اُس کے حکم سے اُن کو اپنی شدید برتری محسوس کر رہے تھے یہاں تک کہ تم نے بزدلی پیدا کر دی اور قیادت کے اختیارات حاصل کرنے کا تنازعہ کھڑا کر دیا۔ اور جیسے ہی اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار ہو کر جنگ کرنے کے لئے آئے تھے (یعنی مال غنیمت۔ مودودی) تم نے اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کر ڈالی اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کمانے کے ارادے ہی سے جنگ میں آئے تھے اور کچھ لوگ آخرت کے ارادے سے آئے تھے..... پھر وہ وقت آیا

کہ تم میدان جنگ چھوڑ کر بھاگے اور پہاڑ پر چڑھے جا رہے تھے اور تم میں کسی کو کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کی فرصت نہ تھی۔ اور رسول میدان جنگ سے تمہیں تمہارے پیچھے پکار پکار کر بلا رہا تھا۔ اور تم جواب تک نہ دیتے تھے..... اور تم میں کا ایک گروہ وہ تھا جس کے سامنے ساری اہمیت قیادت کے حصول ہی کی تھی وہ اللہ کے متعلق زمانہ جاہلیت والے حق کے مخالف ظن و گمان ظاہر کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کیا ہمارے لئے قیادت میں کوئی اختیار دیا گیا ہے جو ہم ذمہ دار بننے؟ اُن کو بتاؤ کہ قیادت کے تمام اختیارات صرف اللہ کے لئے ہیں۔ دراصل وہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے ہیں اُن کا اصل مطلب یہ ہے کہ اُن کا قیادت میں حصہ ہوتا تو وہ یہاں یوں نہ مارے جاتے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم میں سے جو لوگ جنگی مقابلے کے دن رسول کو زغہ اعدا میں قتل ہو جانے کے لئے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے یقیناً اُنہیں اُن کے بعض فیصلوں کی بنا پر ایک مخصوص شیطان نے متزلزل کر کے میدان جنگ سے ہٹا لیا تھا۔

7- ان آیات پر مودودی کے چند تشریحی جملے جن میں قریشی لیڈروں کی مخالفت اور نافرمانی اور مطالبہ اقتدار کی تصدیق مزید ہوتی ہے

ان چاروں آیات کے ترجمے میں مودودی نے قریشی صحابہ اور عوام کا بزدلی دکھانا، تنازع کھڑا کر دینا، نافرمانی کرنا، میدان جنگ سے رسول کو چھوڑ کر بھاگ جانا، رسول کے بلا نے پر بھی واپس نہ آنا، اللہ کے متعلق زمانہ جاہلیت کے باطل تصورات پھیلانا، دل میں ایک منصوبہ چھپائے رکھنا اور رسول پر ظاہر نہ کرنا اور اقتدار و حکومت میں حصہ طلب کرنا تسلیم کیا ہے۔ اور مانا ہے اُن میں مال غنیمت لوٹنے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے لوگ تھے جنہیں صرف اپنے مفاد کی فکر تھی۔ یہ دس باتیں اُن کے ترجمہ کے اندر تسلیم شدہ ہیں۔ اور ان سے ثابت ہو جاتا ہے کہ قریش اور اُن کے لیڈروں کو رسول کی اسلامی پالیسیوں سے اختلاف تھا اور اس اختلاف کی وجہ سے وہ رسول کی مخالفت اور نافرمانیاں بھی کرتے رہتے تھے۔ علامہ کی تشریحات میں آپ کو یہ جملے بھی ملتے ہیں:

1- مسلمانوں کی صفوں میں ابتری پھیل گئی تو کچھ لوگ مدینہ کی طرف بھاگ نکلے اور کچھ اُحد کے پہاڑ پر چڑھ گئے۔

2- اللہ کا رسول ایک انچ اپنی جگہ سے نہ ہٹا۔ دشمنوں کا چاروں طرف ہجوم تھا مگر اللہ کا رسول اُس نازک موقع پر بھی پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جما ہوا تھا۔ اور بھاگنے والوں کو پکار رہا تھا۔ اَللّٰہُ a

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ نمبر 294-295)

مودودی کا قریش کی طرفداری میں ترجمہ بدلنا اور مجرم کو نرم کرنا

ان چار آیات میں چار مرتبہ لفظ اَلَا مُسْرَ آيا ہے۔ چنانچہ پہلی مرتبہ آيا تو اللہ نے بتایا کہ اُن لوگوں نے اَلَا مُسْرَ میں تنازعہ کھڑا کیا اور بزدلی کا باعث ہوئے اور علامہ نے یہاں اَلَا مُسْرَ کا ترجمہ ”کام“ کیا ہے۔ مطلب یہ کہ کام میں تنازعہ کیا۔ دوسری دفعہ اَلَا مُسْرَ پھر آیا تو اللہ نے بتایا کہ وہ لوگ اَلَا مُسْرَ میں حصہ نہ ملنے پر بگڑے ہیں اور علامہ نے یہاں یہ ترجمہ کیا کہ ”یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟“ تیسری مرتبہ اَلَا مُسْرَ اس لئے آیا کہ انہیں بتایا گیا کہ اَلَا مُسْرَ میں اللہ کے سوا کسی کا حصہ نہیں ہے اور علامہ نے ترجمہ کیا کہ: ”کسی کا کوئی حصہ نہیں اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں“۔ چوتھی مرتبہ علامہ نے تقریباً صحیح ترجمہ کیا یعنی:

”دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ اُن کا اصل مطلب یہ ہے کہ اگر (قیادت کے)

اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 296)

لہذا معلوم ہوا کہ مودودی نے قریش کی پیدا کردہ صورت حال کی سنگینی کو ہلکا کرنے کے لئے لفظ ”الامر“ کے ترجمہ کو ڈھیلے الفاظ میں لکھا اور اپنے قارئین کے اذہان پر وہ وزن نہ پڑنے دیا جو اللہ نے چاہا تھا لہذا حقیقی بات یہ تھی کہ:

”قریشی لیڈروں نے اسلامی یا جنگی قیادت میں حصہ مانگنے پر عین اُس وقت زور دیا جب مسلمانوں کا جنگ میں پلہ بھاری چل رہا تھا رسول سے جھگڑنے اور نافرمانی کرنے کی بنا پر فوج میں اتنی پھیل گئی اور قیادت میں حصہ مانگنے والے رسول اللہ کو مجبور کرنے اور یہ دکھانے کے لئے کہ اگر ہم ساتھ نہ دیں تو تم جنگوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے میدان سے بھاگے تاکہ اور لوگ بھی بھاگ جائیں، رسول اللہ پکارتے رہ گئے لیکن وہ انہیں تیغ بکف دشمنوں میں گھرا چھوڑ کر پہاڑ پر جا چڑھے اور وہاں عوام کو اللہ کے متعلق غلط عقائد اور تصورات پر لیکچر دیتے رہے اور بتایا کہ جب ہمیں قیادت اور سربراہی میں ذرہ برابر حصہ نہیں دیا گیا تو ہم جم کر کیوں لڑیں اور قربانی کا بکرا کیوں بنیں؟ ادھر اللہ نے اعلان کر دیا کہ قیادت میں حصہ دینا یا نہ دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور یہ کہ تمہیں اللہ کی طرف سے خلافت و حکومت الہیہ میں کوئی حصہ نہ دیا جائے گا۔ پھر رسول اللہ کو ان کے دلوں میں چھپے ہوئے منصوبے کی اطلاع دی اور بتایا کہ وہ حکومت میں حصہ بنانے کا پروگرام رکھتے ہیں اس لئے تمہاری نافرمانی کی اور جنگ سے دست کش ہوئے تھے۔“

ہر وہ شخص جسے قریش کی طرف داری منظور نہیں ہے ان آیات سے صرف اور صرف یہی مطلب و منشا اخذ کرے گا جو ہم نے پیش کی ہے آپ نے پہلی ہی آیت (3/152) میں لفظ ”عَصَيْتُمْ“ دیکھا ہے جس کے معنی ہیں ”تم نے نافرمانی کی“ ظاہر ہے کہ اس آیت میں اللہ کی اور رسول کی یا ان دونوں کی نافرمانی کے سوا کسی اور کی نافرمانی کا ذکر نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ:

1- ”تم نے اللہ کی نافرمانی کی“۔ یا یہ کہ

2- ”تم نے رسول کی نافرمانی کی“ یا یہ کہ

3- ”تم نے اللہ و رسول دونوں کی نافرمانی کی“ اور ظاہر ہے کہ اللہ و رسول کی نافرمانی عموماً کرنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اس نافرمانی کو ہلکا کرنے کے لئے مودودی نے لکھا ہے کہ:

4- ”تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے“۔ (تفہیم اول صفحہ نمبر 294)

یہ تھے قریش، قریشی صحابہ اور قریشی عالم مودودی صاحب۔

8- علیؑ کے مخالفین نے پچاسی حکومت بناتے ہی اللہ، رسول اور قرآن کے خلاف جبر و ظلم و قتل عام کی پالیسی کو اسلامی کہہ کر نافذ کیا

قرآن کریم نے نزول قرآن کے دوران ہی یہ بتا دیا تھا کہ: مودودی کی زبانی:

”جب اُسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلانے، کھیتوں کو عارت کرے

اور نسل انسانی کو تباہ کرے“۔ (2/205 تفہیم القرآن جلد اول)

گو مودودی کا ترجمہ بھی سنت قریش (فرقان 25/30) کے ماتحت ڈھیلا ہے۔ پھر بھی اس میں اُسی اقتدار کو حاصل کر چکنے کے بعد کی بات بتادی گئی ہے جس میں کچھ حصہ مانگا جا رہا تھا۔ اور اب تو ماشاء اللہ پورا اقتدار بلا شرکت غیرے حاصل ہے۔ اس اقتدار کے دوران ابو بکر و عمر ہی نے ہزار ہا مسلمان نمازیوں کا قتل عام کیا اور اسلام کے نام پر کیا۔ لاکھوں غیر مسلموں کو تہ تیغ کیا اور اسے بھی اسلامی تعلیمات قرار دیا۔ غیر مسلموں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تو ہوا ہی تھا انھوں نے تو مسلمانوں کے قتل عام کے بعد ان کے اہل و عیال و مال و منال و ازوج اور بچوں کو لوٹا اور انہیں غلام و کنیز بنایا

اور اُسے عین خدا و رسول کی تعلیم قرار دیا۔ ہم نے خطبہ نمبر 3 میں تفصیلات لکھ دی ہیں یہاں تو ابو بکر کے سینکڑوں احکامات میں سے ایک حکم سنئے:

”حضرت ابو بکر نے مغیرہ بن شعبہ کے ذریعے مہاجر کو یہ حکم بھیجا تھا کہ جب تم کو میرا خط ملے اور تم کو اُس وقت تک فتح نہ ہوئی ہو تو جب تمہیں دشمن پر فتح حاصل ہو تو اگر بزرگ و شمشیر مغلوب کئے گئے ہوں تو تم اُن کے جنگ جو مردوں کو قتل کر دینا اور اُن کے اہل و عیال کو قید کر لینا“۔ (طبری خلافت راشدہ صفحہ نمبر 162-163)

یہ مسلمان قبیلہ ”کنده“ تھا۔ اشعث بن قیس ”ابو بکر کے بہنوئی کا مسلمان قبیلہ“ تھا۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جن مسلمانوں سے حضرت علی علیہ السلام کا سابقہ تھا وہ پچیس سال سے اپنے ہر مخالف کو قتل کرنے لُٹ لینے اور غلام و کنیز بنا لینے کے عادی تھے۔ اُن کے اسلام میں اُن کا ہر مخالف، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، واجب القتل تھا اُن کا مال حلال تھا اُن کے پس ماندگان کو لوٹنا اور لونڈی غلام بنانا جائز تھا اور ایسا کرتے ہوئے اُن کی تین خلائفیں، ابو بکر و عمر و عثمان کی حکومتیں، گزر چکی تھیں۔ وہ ساری دنیا کی اقوام کا قتل عام کر کے انہیں لوٹ کر غلام و کنیز بنا چکے تھے۔ اب انہیں ان کاموں سے روکنا اسلامی تعلیمات اور صحابہ عظام کی سنت کی کھلی مخالفت تھی۔ جن لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا تھا اُن کی عظیم الشان کثرت بھی اُسی اسلام کی عادی اور پابند تھی اور اُن کے گھر لُٹ کے مال سے اور لُٹے ہوئے غلاموں اور کنیزوں سے چھلک رہے تھے۔

9- علیؑ کی مجبوری قرآنی تعلیمات اور اللہ و رسولؐ کے احکام کی 100 سو فیصد اطاعت تھی اور مخالفین کی سہولتِ ملتِ ابو بکر و عمرؓ تھی

قارئین یہ سمجھ لیں کہ اگر حضرت علی علیہ السلام چھ ماہ کے لئے بھی قرآن کے اُس حکم کو اختیار کر لیتے جس میں یہ اجازت دی گئی ہے کہ:-

”جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اُس پر اتنی ہی اور اُسی کے مثل کی زیادتی کر سکتے ہو“۔

فَمَنْ اَعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (بقرہ 2/194)

تو یقین کیجئے کہ سارا عرب ہاتھ جوڑ کر اُن کے پیروں میں گر پڑتا۔ یعنی جس طرح معاویہ نے اپنے چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کو اُن کے سرداروں کے ماتحت آزاد چھوڑ رکھا تھا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے علاقوں میں آباد مسلمانوں کو قتل کرتے اور لُٹتے پھریں۔ اگر اسی طرح حضرت علیؑ بھی جوابی کارروائی کرتے تو معاویہ ایسے سینکڑوں کمینہ حکمران بھی رو دیتے مگر دنیا جانتی ہے اور تواریخ پکار پکار کر کہتی ہیں کہ حضرت علیؑ تو غیر مسلموں کا مال غنیمت بھی نہ لیتے تھے اور صرف اپنے ہاتھ سے قتل ہونے والے بہادر، مثلاً عمر بن عبدود کی تلوار لینا جائز سمجھتے تھے اور اُن کی افواج کی بددلی کا سبب یہی تھا کہ انھوں نے طلحہ و زبیر کی شکست خوردہ افواج کو لُٹے اور مال غنیمت حاصل کرنے سے اپنی فوج کو روک دیا تھا۔ اس لئے کہ اللہ نے زیادتی کرنے والوں سے برابر کی ہم مثل زیادتی کرنے کی اجازت دے کر یہ بھی فرما دیا ہے کہ: اللہ کا تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو اور سبھو لو کہ اللہ کی معیت صرف متقین کو ہی حاصل ہوتی ہے (وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ) یعنی جو برابر کی زیادتی کرتے ہیں وہ متقی نہیں ہوتے اور اللہ اُن کا ساتھی نہیں ہوتا“۔ اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام متقیوں کے زُمرہ سے بھی نکل جائیں جب کہ وہ تمام کائنات کے اولین و آخرین متقیوں کے امام تھے۔ پھر ایک دوسری عملی دقت تھی جس کی وجہ سے اُس برابر کی زیادتی والی آیت پر سو فیصد عمل ممکن نہ تھا۔ مثلاً عمر نے خالد پر زیادتی کی ہے۔ تو قرآن عمر کو مجرم قرار دیتا ہے اور خالد کو اجازت دیتا ہے کہ اگر وہ متقی نہ رہنا چاہے اور اللہ کی رفاقت کی ضرورت نہ ہو تو عمر پر عمر ہی کی مانند زیادتی کر لے۔ لیکن خالد کو یہ اجازت نہیں ہے کہ عمر کے کسی عزیز پر زیادتی کرے یا عمر کے قبیلہ یا عمر کی بستی والوں پر یا عمر کی قوم والوں پر یا عمر کے مذہب یا ملک والوں پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ صورت حال یہ تھی کہ معاویہ کا ایک فوجی دستہ کسی بستی میں قتل و

غارت مچا کر لوٹ مار کر کے چلا گیا۔ اب اگر وہی فوجی دستہ کہیں مل جائے تو اُس کے ساتھ وہ سب کچھ کرنا جائز ہے جو اُس نے کیا۔ اب حضرت علی علیہ السلام کا اُسی دستے کو تلاش کر کے سزا دینا ممکن ہی نہ تھا۔ یہی ہو سکتا تھا کہ آپ بھی اپنے فوجی دستوں کو قتل عام و لوٹ مار کی اجازت دے دیتے لیکن قرآن میں ایسی بے دینی اور بے رحمی کی اجازت نہیں ہے۔ لہذا وہ حضرت ایسا نہ کریں گے۔ لیکن حضرت علی کی رعایا تو وہی مذہب رکھتی ہے جو پچیس سال سے ابوبکر و عمر و عثمان نے عملاً جاری کیا تھا لہذا اُس رعایا کا بدل ہو جانا اور یہ سمجھنا کہ ہمارا حاکم یعنی علی ہمارا انتقام نہیں لیتا غلط نہ تھا۔ وہ رفتہ رفتہ معاویہ کے زیر تسلط چلے جانے کے لئے تیار و آمادہ ہوتے چلے جائیں تو کیسے روکا جاسکتا ہے؟ یہ تھیں وہ دینی، قرآنی اور اسلامی مجبوریاں جو حضرت علی کی راہ میں رکاوٹ اور اُن کے مخالفوں کے حق میں مفید بن گئی تھیں۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اللہ کے تمام قوانین کی تعمیل و احترام برقرار رکھتے ہوئے ہر محاذ پر اپنے مخالفوں کو بے دین و ناکام و نامراد ثابت کیا۔ اُنہیں دن رات فریب کاریاں اور سازشیں کرنا پڑیں اور اُن لوگوں نے علی کے مقابلہ میں کبھی بھی کوئی دینی یا قرآنی کام نہ کیا ساری ساری عمریں بے دینی اور دنیا داری کرتے گزار دیں۔

10۔ حضرت علی سے ان کی اپنی رعایا اگر معیارِ مرتضوی پر تعاون اور اطاعت کرتی تو معاویہ اینڈ کمپنی کی کہیں دھول تک بھی نہ ملتی

وہ خطبات جلد سامنے آنے والے ہیں جن میں حضور علیہ السلام اپنی رعایا اور اپنے صحابہ کا شکوہ اور عدم تعاون کا اظہار کرتے ہوئے ملیں گے۔ یہاں تو اس خطبہ میں حضور اپنے مخالف گروہ کی سادہ سی شکایت فرما کر اپنا ارادہ یوں ظاہر فرماتے ہیں کہ:

وَلَعَمْرِي مَا عَلَيَّ مِنْ فِتْنَالِ مَنْ خَالَفَ الْحَقَّ وَ خَابَطَ الْغَيَّ مِنْ اِذْهَانٍ وَ لَا اِيْهَانٍ؛ (خطبہ نمبر 24 جملہ نمبر 1)

”اور مجھے اپنی زندگی کی قسم کہ میں اُن لوگوں سے جنگ میں ذرہ برابر چشم پوشی، رُورعایت اور سُستی نہ کروں گا جنہوں نے مکمل حق کی مخالفت کی ہے۔ اور جو گمراہی اور بے راہ روی میں گھل گئے ہیں۔“

یہ ہے حضرت علی علیہ السلام کا ارادہ اور یہی ہے وہ راست اقدام جس کو اگر بروقت کیا جاتا رہے تو باطل پرست گروہ اپنی سرکشی میں جری نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ حضور راست اقدام کا حکم دے رہے ہیں لیکن معاویہ کے زیر اثر آ جانے والے لوگ خود بھی ڈھیل ڈال رہے ہیں اور دوسروں کو بھی سُستی اور چشم پوشی کی راہ پر لگا رہے ہیں۔ اور آج خناب نصیحت اور تنبیہ فرما رہے ہیں۔ یعنی راست اقدام میں اگر کبھی تاخیر ہوئی ہے تو وہ لوگوں کی طرف سے ہوئی ہے۔ اور لوگوں کی طرف سے تاخیر کا سبب یہ ہے کہ وہ تنخواہ دار سپاہی نہیں ہیں کہ حکم ملتے ہی کوچ کر جائیں۔ اُنہیں سامان جنگ خود فراہم کرنا ہے۔ کھانے پینے کا انتظام بھی سرکاری نہیں ہے۔ ہر فرد کو اپنا اپنا بندوبست کرنا ہے۔ گھر والوں، ازواج اور بچوں کی طرف سے بے فکری و اطمینان حاصل کرنا ہے۔ ان حالات میں تخریب کاروں کو بہکانے اور بھڑکانے کے کافی مواقع مل جاتے تھے۔ حضرت علیؑ حالات سے گھبرا کر وہ کام ہرگز نہ کریں گے جو سابقہ خلفا اور معاویہ کر رہا تھا۔ یعنی تنخواہ دار فوج بھرتی نہ کریں گے۔ اس لئے کہ اس طرح کی جنگ کافروں اور غیر مسلموں والی لڑائی ہو جائے گی۔ جہاد اور جہاد کا ثواب بے معنی ہو جائیگا۔ لوگ اپنے اپنے پیٹ کے لئے جنگ کریں گے۔ نہ کہ فی سبیل اللہ جہاد اور کوشش کریں گے۔

11۔ حضرت علی کے مستقل اور اسلامی رویہ نے اپنے اور پرانے سب کو جری کر دیا، ڈاکٹر طحسین کی زبانی حضرت علی کی اسلامی پالیسی

جیسا کہ قرآن کریم میں سے دکھایا گیا ہے کہ اللہ کسی حالت میں کسی پر جبر و بردستی کی اجازت نہیں دیتا۔ ہر شخص کو آزاد اور خود مختار رکھتا ہے اور یہ کہ حضرت علی علیہ السلام کی مجبوری یہی تھی کہ وہ کسی حالت میں اور کسی کے ساتھ ایسا رویہ اختیار نہ کرتے تھے جس سے اللہ ذرہ برابر ناخوش ہو

جائے۔ اور اُن کے اسلام مخالف قریشی مسلمان شرافت و شرم کو بالائے طاق رکھ کر علیؑ اور اُن کے طرفداروں اور مسلمان رعایا کے ساتھ بے دریغ مظالم و جبر و ستم روا رکھتے تھے اور حضرت علیؑ بدلہ بھی پورا نہ لیتے تھے۔ اس سلسلے میں چند ضروری باتیں ڈاکٹر طحسین سے سنئے:

(الف) حضرت علیؑ کی دینداری اور اصول پروری کی بد معاشوں اور ڈاکوؤں پر ہیبت

”غالبا بنی طے کے ایک دیہاتی شاعر کے مندرجہ ذیل اشعار سے اُس ہیبت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا جو لوگوں کے دلوں میں حضرت علیؑ سے متعلق اُس وقت تھی۔ یہ دیہاتی شاعر ایک لُیرا تھا۔ راستے میں لوگوں کا مال زبردستی چھین لیا کرتا تھا۔ حضرت علیؑ نے اس کو پکڑنے کے لئے دو آدمیوں کو بھیجا لیکن یہ اُن سے بھاگ نکلا وہ کہتا ہے“

وَلَمَّا اَنْ رَاَيْتُ اَبْنَى شَمِيْطٍ بِسَكَّةِ طَى وَاَلْبَابِ دُوْنَى
 ”جب میں نے شمیط کے دونوں لڑکوں کو دیکھا قبیلہ طے کا راستہ تھا اور دروازہ میرے پیچھے تھا
 تَجَلَّلَتِ الْعَصَارُ وَاَعْلَمْتُ اَنِّي رَهِيْنٌ مَخِيْسٌ اِنْ يَشْفَقُوْنِي
 میں گھوڑے پر چڑھ گیا اور یقین کر لیا کہ اگر مجھے پا جائیں گے تو میری جگہ جیل میں ہوگی؛
 فَلَوْ اَنْظَرْتَهُمْ شَيْئًا قَلِيْلًا لَسَا قُوْنِي اِلَى شَيْخِ بَطِيْنٍ
 اگر میں ذرا بھی انتظار کرتا تو مجھے بڑے پیٹ والے کے پاس لے جاتے۔
 شَدِيْدٌ مَجَامِعِ الْكَنْفِيْنَ صَلْبٌ عَلَى الْحَدَاتَانِ مَجْتَمِعِ الشُّوْنِ
 وہ سخت موٹڑھوں والا ہے حوادث اور مصائب کے لئے مضبوط اور مطمئن ہے۔“

یہ دیہاتی لُیرا بڑے پیٹ اور بڑے موٹڑھوں والے اور حوادث میں بہت سخت اور بے خوف رہنے والے شیخ (علیؑ) سے ڈرا جس طرح کہ عام لوگ اس قسم کے افراد سے ڈرتے ہیں۔ علاوہ ازیں دو باتوں کے لئے حضرت علیؑ کسی کو مجبور نہیں کرتے تھے۔ ایک یہ کہ آدمی اُن ہی کی حدود و مملکت میں قیام کرے۔ چنانچہ کتنے لوگ تھے جو عراق اور حجاز سے امیر معاویہ کے پاس چلے جا رہے تھے۔ اُن کو معاویہ کی دنیا علیؑ کے دین سے زیادہ پسند تھی۔ حضرت علیؑ اُن سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ اور نہ اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کرتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ لوگ آزاد ہیں جو گھر اُن کے لئے مناسب ہو اُس میں قیام کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جس کو حق بات اور ہدایت اچھی معلوم ہوئی آپ کے ساتھ رہا جس کو باطل اور گمراہی بھلی معلوم ہوئی امیر معاویہ سے جاملے۔

حضرت علیؑ کو مدینہ کے گورنر سہیل بن حنیف نے لکھا کہ بہت سے لوگ خفیہ طور پر بھاگ کر شام جا رہے ہیں۔ حضرت علیؑ نے جواب میں تسلی دی کہ اُن جانے والوں سے تعارض نہ کیا جائے۔ اور نہ اپنی اطاعت میں رہنے پر مجبور کیا جائے۔ خوارج (جو حضرت علیؑ کو کافر کہتے تھے) کے ساتھ بھی آپ کا یہی طرز عمل تھا۔ اُن کو مال غنیمت میں سے حصہ دیتے تھے اور جب تک وہ آپ کے ساتھ رہتے اُن کو کوئی تکلیف پہنچنے نہیں دیتے تھے۔ اور اگر کوئی ساتھ چھوڑ کر نکل جانا چاہتا تو اُس کو روکتے نہ تھے۔ اور نہ راستے میں اُن سے تعارض کرنے کی اپنے حاکموں کو ہدایت کرتے تھے۔ چنانچہ وہ دارالاسلام میں آزاد تھے۔ جہاں چاہتے ٹھکانا بناتے۔ ہاں شرط اتنی تھی کہ فساد نہ پھیلائیں۔ اور لوگوں پر زیادتی نہ کریں۔ لیکن شرط کی خلاف ورزی پر آپ بلا کسی نرمی کے اللہ کا حکم جاری فرماتے پھر کوئی کوتاہی آپ سے نہ ہوتی تھی۔ بسا اوقات بعض گستاخ اس حد تک

12۔ طہ حسین معاویہ کا تذکرہ بھی کرتے ہیں

حضرت علی علیہ السلام کا طرز عمل مصری عالم کے قلم سے دیکھ لینے کے بعد اب ہم چاہتے ہیں کہ جنگ صفین کا تذکرہ آنے سے پہلے پہلے معاویہ کی پوزیشن کی جھلک بھی سامنے آجائے۔

(الف) معاویہ نے فریب سازی اور علیؑ کے مقابلے میں کامیابی کے لئے عثمان کو ایک بہانا بنایا تھا

چنانچہ طہ صاحب کے چند بیانات سُن لیں لکھتے ہیں کہ:-

”حضرت معاویہ اگر اپنے معاملے میں انصاف و اخلاص سے کام لینا چاہتے تو اُن کا فرض تھا کہ لوگوں کی طرح حضرت علیؑ کی بیعت کر لیتے۔ اس کے بعد عثمان کے وارثوں کو لے کر آپ کے پاس آتے اور قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کرتے۔ لیکن اُن کو تو قصاص سے کہیں زیادہ اس کی فکر تھی کہ خلافت کا رُخ حضرت علیؑ سے پھیر دیا جائے۔

معاویہ ابو بکر و عمر کی اسکیم کے مطابق خلافت چھین لینا چاہتا تھا؟

چنانچہ حضرت علیؑ کی وفات اور حضرت حسنؑ سے مصالحت کے بعد جب اُن کے لئے حکومت کا میدان صاف ہو گیا تو قصاص یاد رہا نہ قاتلوں کی تلاش“۔ (کتاب علی صفحہ نمبر 53)

(ب) عائشہ، طلحہ اور زبیر میں گٹھ جوڑ ہوا تو معاویہ نے فوجی تیاری اور خفیہ ساز باز کا موقع پایا

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے طلحہ، زبیر و عائشہ کی طرف توجہ کی تو معاویہ نے جنگی تیاریاں اور ساز باز شروع کر دی سُنئے:

”حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور عائشہ بصرہ جانے کے ارادے سے نکل پڑیں اور ادھر حضرت علیؑ نے شام سے اپنی توجہ ہٹالی اور طے کر لیا اُن تینوں کو جا کر سمجھائیں گے اور واپس لائیں گے۔ ادھر حضرت معاویہ کو کافی وقت اور موقع ملا کہ اپنی حکومت مضبوط کر لیں اور فوجی تیاری کے ساتھ ساتھ مصر میں حضرت علیؑ کے خلاف خفیہ کارروائیوں کی بھی تکمیل کر دیں“۔ (ایضاً صفحہ نمبر 57)

(ج) معاویہ کا چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کو سرداروں کے ماتحت علیؑ کے علاقہ میں مسلمانوں کے قتل اور لوٹ مار کے لئے چھوڑ دینا

”امیر معاویہ نے ان باتوں سے اندازہ لگایا کہ عراق میں حضرت علیؑ سے گھلی جنگ کا ابھی وقت نہیں آیا۔ پس انھوں نے ایک دوسری راہ اختیار کی جو گھلی لڑائی سے کسی طرح کم نہ تھی۔ بلکہ جس نے لڑائی سے زیادہ لوگوں کو خائف اور دہشت زدہ بنا دیا۔ جس نے عراق والوں کو پوری شدت کے ساتھ باور کرایا کہ وہ مسلسل خطرات اور مستقل مصائب میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور جس نے ان کو محسوس کرایا کہ حضرت علیؑ کا اقتدار کمزوری اور ابتری کی اُس حد میں داخل ہو چکا ہے کہ اُس سے کچھ بن بگڑ نہیں سکتا اور وہ لوگ ہر وقت امیر معاویہ کی زد میں ہیں۔ وہ جب چاہیں جس طرح چاہیں اُن کو لوٹ سکتے ہیں۔ یا مار سکتے ہیں۔ چنانچہ امیر معاویہ نے فوج میں سے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر میدان جنگ کے کسی آزمودہ کار افسر کے ماتحت عراق کی حدود میں کچھ یہاں کچھ وہاں بھیج دیئے۔ اور اُن کو لوٹ اور غارت کا حکم دے دیا۔ بعض اوقات اُن دستوں کو حدود میں کافی دُور تک گھس جانے اور ممکنہ حد تک لوٹ مار کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اس کے بعد یہ فوجی دستے اُلٹے پاؤں غنیمت کا مال ساتھ لے کر واپس آجاتے اور اپنے پیچھے پراگندگی اور دہشت کے اثرات چھوڑ آتے۔ یہ اقدام تو ایک زہریلی سوئی کا سا تھا جو عراق میں مقیم جسموں میں تیزی کے ساتھ بار بار چُھائی جا رہی تھی۔ جس سے خون کے ساتھ رگوں میں زہر سرایت کرتا تھا۔۔۔۔۔ ضحاک ابن قیس کو معاویہ

ایک فوجی دستہ ساتھ کر کے شام سے متصل صحرائے عراق میں بھیجتے ہیں۔ اسی طرح سفیان ابن عوف کو ایک دوسری طرف روانہ کرتے ہیں۔ اور اُس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ حدود میں گھومتے گھومتے مقام انبار تک چلا جائے اور وہاں کے باشندوں کو تاراج کر کے کافی مال غنیمت ساتھ لائے۔ پھر نعمان بن بشیر کو تیسری سمت اور مسعد فزاری کو چوتھی سمت روانہ کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ لوٹ مار کی یہ خبریں سُن کر بہت بیچ و تاب کھاتے ہیں لوگوں کو بھلاتے ہیں لیکن کوئی سُننا نہیں حکم دیتے ہیں کوئی مانتا نہیں۔ کوفہ والوں کے دل خوف اور ذلت سے بھر چکے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے بے نیاز اور اسی پر قانع تھے کہ شہر کوفہ اور کوفہ سے تھوڑی دُور تک میں امن و چین کی زندگی جیتتے رہیں۔ اُن کے پیش نظر اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ وہ کسی طرح زندگی کے دن کاٹیں۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؑ کو انتہائی غصہ آیا اور ایک دن وہ دل ہلا دینے والا خطبہ دیا جو ساتھیوں سے آپؑ کی انتہائی مایوسی کی، آپؑ کے گہرے غیض و غضب کی، اور کسی وقت بھی جُدا نہ ہونے والے آپؑ کے رنج و الم کی ایک سراپا تصویر ہے۔ فرماتے ہیں ”اما بعد“ یہ خطبہ اپنے مقام پر ہم باقاعدہ لکھیں گے۔ ڈاکٹر صاحب پورا خطبہ لکھ کر لکھتے ہیں کہ: ”یہ اور اس قسم کی تقریریں بعض اُن لوگوں کے دلوں میں جذبات پیدا کرتی تھیں جو اب تک خاندانی حسب کی قدروں کا احساس رکھتے تھے۔ (یعنی حرامیوں پر اثر انداز نہ ہوتی تھیں۔ احسن) اُن ہی میں سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں ترتیب دی جاتیں پھر حضرت علیؑ اُن کیلئے سردار مقرر فرماتے اور اُن غارت گروں کے تعاقب میں بھیجتے۔ کبھی کبھی اُن کو پالیتیں اور کبھی پیچھے رہ جاتیں“۔ (ایضاً صفحہ نمبر 265 تا 269)

آگے بڑھنے اور قریشی خلفا کی مزید بے دینی پڑھنے سے پہلے یہ سوچیں کہ معاویہ اور اُس کے ساتھی کیسے مسلمان تھے؟ اُنھوں نے اللہؑ رسولؐ اور قرآن کو علیؑ کے مقابلے میں کیوں چھوڑ دیا تھا؟ اور کیا دنیا میں کسی بدترین ڈاکو نے بھی اتنی سنگ دلی اختیار کی تھی جتنی معاویہ اینڈ کمپنی نے مسلمانوں اور اُن کی ازواج اور بچوں کے ساتھ مسلسل روا رکھی؟ کیا کفار و بے دین اقوام میں سے کسی قوم نے اتنے مظالم کئے تھے؟ پھر اُن لوگوں کا دین و ایمان دیکھیں جو معاویہ کو اور اُس کے راہنماؤں کو بزرگ مانتے ہیں اور اُن کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور حد یہ ہے کہ ڈاکٹر طحسین اُن ملائین کے ناموں پر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

(د) معاویہ نے چھاپہ ماروں کا کامیاب تجربہ کر کے اس قتل و غارت اور لوٹ مار کو عراقی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پورے ملک کے مسلمانوں پر جاری کیا اب ڈاکٹر طحسین یہ بتاتے ہیں معاویہ کے چھاپہ مار فوجی دستوں کی کامیابی نے معاویہ کو جرأت دلائی کہ معاویہ حضرت علیؑ کے ماتحت تمام شہروں کے مسلمانوں پر قتل و غارت اور تاخت و تاراجی شروع کر دے سنیے:

”سرد پر حملوں کے یہ تجربات امیر معاویہ کے لئے اطمینان بخش ثابت ہوئے اس لئے انھوں نے ارادہ کیا کہ اب قدم آگے بڑھائیں اور لوٹ اور غارت کا سلسلہ عربی شہروں تک پہنچادیں عربی شہر معاویہ کی زد میں تھے۔ مکہ بلد الحرام تھا جہاں خونریزی نہیں ہو سکتی تھی اور جہاں طرفین سے کوئی بھی اُس کے قرب جواریں لڑائی نہیں کر سکتا تھا۔ مدینہ کے لوگ الگ تھلگ عافیت میں تھے۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ دارالہجرت میں ہونے کی وجہ سے وہ محفوظ ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ مسجد نبوی کے سائے میں ہیں۔ اور دارالحکومت کوفہ میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اُن پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا۔ اور وہیں کے نبرد آزما بڑی تعداد میں حضرت علیؑ کے ساتھ ہیں۔ اور کچھ تھوڑے سے امیر معاویہ کے ساتھ۔ یمن میں حضرت عثمان کے طرف دار ہیں۔ حضرت علیؑ کے حاکم عبید اللہ بن عباس کی مخالفت اور مقابلہ کرتے رہتے ہیں مگر اس مقابلے کی حد لڑائی نہ تھی بلکہ یہ (عثمانی) لوگ ایسی حرکتیں کرتے جس سے عبید اللہ بن عباس سختی کرنے پر مجبور ہو جاتے پھر یہ لوگ اُس سختی کی مذمت کرتے۔ یمن کے ان

عثمانیوں کی بات آگے چل کر اتنی بڑھی کہ حاکم کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس لکھنا پڑا۔ حضرت علیؑ نے اُن کی اصلاح اور درستی کے لئے آدمی بھیجا اور اُن کو فوج طلب کر لینے کی دھمکی دی تب اُن (عثمانی) لوگوں نے امیر معاویہ سے امداد کی درخواست کی اور اُن کو آمادہ کیا امیر معاویہ نے ایک سخت گیر، سنگ دل اور اکھڑتَم کے قریشی بُسر بن ارطاة کو منتخب کیا اور حکم دیا کہ اپنی فوج کے لئے افراد کا انتخاب خود کر لے۔ چنانچہ اُس نے انتخاب کیا۔ اس کے بعد اُس کو روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ دیہاتوں میں حضرت علیؑ کے جو حامی ملیں اُن پر اتنی سختی کرنا کہ اُن کے دل خوف و دہشت سے بھر جائیں اور مدینہ پہنچ کر وہاں کے باشندوں کو اس طرح لرزہ برانداز کر دینا کہ اُن کو موت نظر آنے لگے۔ اس کے بعد مکہ آنا اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اُن کو ڈرانا دھمکانا نہیں۔ پھر یمن جانا اور علیؑ کے حاکم کو وہاں سے نکال کر عثمانیوں کی امداد کرنا۔ بُسر بن ارطاة گیا اور معاویہ کی ہدایتوں پر عمل کیا، بلکہ سختی، سنگدلی، لُٹ مار اور بے حرمتی میں اپنی طرف سے بہت اضافہ کیا۔ چنانچہ (مسلمان) دیہاتوں پر بُری طرح جھپٹ پڑا اور زیادتیاں کیں۔ مدینہ آیا تو لوگوں کو اس طرح مرعوب و خوفزدہ کیا کہ مصائب کی تصویریں اُن کی آنکھوں میں بھر گئیں۔ اس کے بعد امیر معاویہ کی بیعت اُن کے سامنے پیش کی جس کو انھوں نے منظور کیا۔ اس کے بعد مکہ آیا اور وہاں کسی کو ڈرنا دھمکانا نہیں۔ البتہ طائف والوں کو ڈرانے اور اُن سے لڑنے کا ارادہ کیا لیکن مغیرہ بن شعبہ نے اُس کو سمجھایا بجھایا جس سے وہ باز آ گیا۔ اور یمن کی طرف روانہ ہو گیا۔ یمن سے حضرت علیؑ کا حاکم (عبید اللہ ابن عباس غدار کی اولاد اور غدار کی بیعت کے لئے علیؑ کے اور عمر وغیرہ کے ساتھ مل کر رہنے والے لوگ) اور اُس کے ساتھی نکل بھاگے۔ یہاں آ کر بُری طرح خونریزی کی لوگوں کو خائف بنا دیا اور بعد میں امیر معاویہ کے لئے بیعت لی۔

معاویہ اور بُسر بن ارطاة جیسے حرام زادوں اور چوروں کی بہادری

حضرت علیؑ کو جب اُس کی خبر ملی تو انھوں نے جاریہ ابن قتد امہ کو (صرف) دو ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ بھیجا کہ بُسر بن ارطاة کو یمن سے نکال دے۔ جاریہ بن قتد امہ کے یمن پہنچتے ہی بُسر وہاں سے بھاگا اور شام واپس آیا راستے میں بہت لوٹ مار کی۔ مسلمانوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا حد یہ کر دی کہ عبید اللہ بن عباس کے دونوں لڑکوں کو بھی ذبح کر دیا۔ حالانکہ وہ ابھی چھوٹے بچے تھے۔ جاریہ بن قتد امہ یمن پہنچا تو عثمانیوں کو (قصاص میں۔ احسن) قتل کر کے خونریزی میں اور اضافہ کر دیا۔ (ڈاکٹر کو یہ بہت ناگوار گزارا لیکن جاریہ نے اُن کے اہل و عیال کو لوٹا تو نہیں تھا۔ احسن) اور یمن کو پھر حضرت علیؑ کے زیر حکومت کر دیا۔ (ایضاً صفحہ نمبر 270-272)

قارئین یہاں ذرا رُک جائیں اور نوٹ کریں کہ جن لوگوں کو قریش کہا گیا ہے۔ وہ تمام جرائم پیشہ کچھڑی نسل کے لوگ تھے جنہیں حضرت قصبی علیہ السلام نے مکہ کے گرد و نواح سے سمیٹ کر مکہ میں آباد کر دیا تھا۔ ان لوگوں کی گھٹی میں غدار، دغا بازی، محن کشی، بد عہدی، بد کرداری، حرام زدگی پڑی تھی اُن میں کوئی شجاع یا شریف نہ تھا۔ جب ان لوگوں کے ہاتھ رسولؐ کی حکومت آگئی اور صدیوں تک اُن کے قابو میں رہی تو انھوں نے اپنی خود ساختہ روایات و تاریخ میں اپنی شرافت و نجابت اور شجاعت کی کہانیاں لکھوائی تھیں جو تمام کذب اور فریب کا پلندہ ہیں۔ یہ لوگ بُسر بن ارطاة کی طرح نہتے اور کمزور لوگوں پر مظالم کرنے اور بہادری دکھانے کے عادی تھے اور خطرہ دیکھتے ہی فوراً بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اُن کی نامردی، غدار، سازش اور محن کشی قرآن (آل عمران 154-152/3) میں قیامت تک کے لئے پڑھے جانے کے واسطے ریکارڈ کر دی گئی ہے یہ وہی قریش ہیں جو اپنے رسولؐ ایسے محسن کو قتل ہو جانے کے لئے تنگ بکف دشمنوں کے زرعہ میں چھوڑ کر پہاڑ پر جا چڑھے تھے اور رسولؐ بلاتا

رہ گیا تھا۔ عبد اللہ بن عباس یمن کا مرتضوی حاکم اسی قریشی قوم کا فرد تھا جو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو قتل ہو جانے کیلئے چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ آیا تھا۔ وہ ہُسر بن ارطاة جس نے ہزار ہانتے مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا اور معاویہ کی طرف سے دھوم مچادی تھی جاریہ کا نام سُنتے ہی وہ قریشی حرامزادہ بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر یہ دیکھیں کہ ڈاکٹر طہ گوان ملائین کے کا فرانہ کارنامے لکھ رہے ہیں لیکن اس احتیاط سے کہ قاری کے ذہن پہ زور نہ پڑے کہ وہ خمیث مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو لوٹ رہے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کی جگہ لفظ ”لوگوں“ لکھے چلے جاتے ہیں۔ ہم نے ایک جگہ لوگوں کی جگہ مسلمان لکھ دیا ہے۔ سوچئے کہ مدینہ میں تو سب صحابہ اور صحابہ کی اولاد تھے۔ وہاں بھی کوئی کھٹکنے والا لفظ نہیں لکھا ہے یعنی قریشی مذہب کے حقیقت نگار لوگ بھی صورت حال کو ہلکی اور ادل بدل کر کے لکھتے ہیں اور رضی اللہ عنہ تو لکھنا بھولتے ہی نہیں۔ پھر یہ سوچئے کہ اپنے مخالف مسلمانوں اور اُن کے اہل و عیال کا قتل عام کرنا کس کی سنت ہے جس پر معاویہ اور اُس کے مسلمان سردار و حاکم بے دریغ عمل کر رہے ہیں؟ یقیناً یہ خلیفہ اول و دوم ابو بکر و عمر کا بارہ سالہ عملدرآمد اور سنت تھی۔ پھر یہ سوچئے کہ یہ ملائین اپنے مخالف مسلمانوں کا قتل عام ہی جائز نہ سمجھتے تھے بلکہ ہر اُس مسلمان کا قتل بھی جائز رکھتے تھے جو اُن کے مخالف کے علاقہ یا حکومت میں آباد ہوتا تھا۔ اب بتائیے کہ کیا اُس مذہب کا نام اسلام رکھا جائے جو ابو بکر و عمر و عائشہ و عثمان اور معاویہ اور اُن کے ہمدردوں اور ساتھیوں اور طرفداروں نے اختیار کر رکھا تھا؟ پھر بتائیے کہ ہمارا اُن کو ملعون کہنا اور اُن پر لعنت بھیجنا کس طرح ناجائز ہے؟ یاد رکھو کہ یہ سب شیاطین تھے، قاتلِ رسول اور غاصبِ حکومتِ رسول تھے اور آگے بڑھ کر یہی لوگ اولادِ رسول اور انصارِ آلِ رسول کا قتل عام کریں گے اور ہر اُس شخص کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کریں گے جو رسول اور آلِ رسول کا نام لیا اور حقیقی اسلام کی تبلیغ کرتا ہوگا۔ یہی وہ قوم ہے جس نے قرآن کو بچور کیا (25/30) اور جھٹلایا (انعام 6/66)۔

(ہ) معاویہ کے نام نہاد اسلامی کردار پر طے کے چند اور بیماریاں

”مصلقلہ فرار ہو کر اُن لوگوں سے جاملتا ہے جو خلیفہ (علیؑ) سے برسرِ پیکار ہیں اور اُس کے خلاف ہر قسم کی ریشہ دوانیاں کرتے ہیں۔ اس طرح مصلقلہ دوستی کی حد سے نکل کر دشمنی کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ امیر معاویہ کا اُس سے ملاقات کرنا، اُس کو خوش آمدید کہنا اور اُس کے ساتھ حسن سلوک اُسی طرح بُرا فعل ہے جس طرح مصلقلہ کا قرض کی ادائیگی سے ٹال مٹول کرنا اور شام بھاگ آنا۔ امیر معاویہ نے جو کچھ کہا اُس کو چال اور کمر کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ایک سچا مسلمان ہرگز وہ بدلہ نہیں دے سکتا جو انھوں نے مصلقلہ کو دیا“۔ (ایضاً صفحہ نمبر 231)

قارئین غور کریں کہ طہ حسین نے ان آخری سطروں میں معاویہ کو سچی مسلمانی سے خارج لکھا۔ برحق خلیفہ کے خلاف چال و کمر کرنے والا مانا مگر یہاں بھی جب اُس خبیث کا نام ”امیر معاویہ“ لکھا تو اُس پر ” ” ضرور لکھ دیا یعنی ڈاکٹر طہ حسین کے نزدیک رضی اللہ عنہ کہلانے والے لوگ جھوٹے اور دغا باز و مکار مسلمان ہوا کرتے تھے۔ مسلسل تیسری سطر میں لکھتے ہیں کہ:

”اپنے خلیفہ (علیؑ) کے ساتھ مکاری کرنے والے کو پناہ دینا اور وہ محض اس لئے کہ شائد اُس سے عراق میں خرابیاں پیدا کرنے کا کام لے سکے۔ معاملہ کا یہ وہ پہلو ہے جو امیر معاویہ کی اُس سیاست کے اہم رُخ کو بے نقاب کر دیتا ہے جس پر اپنے جدید اقتدار کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔ یہ دنیاوی سیاست تھی جس کا دامن دنیاوی ساز و سامان، دنیوی ضرورتوں، منفعتوں، خواہشوں اور ہوسنا کیوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں پہنچ کر حضرت علیؑ اور امیر معاویہ کے سیاسی مسلک کا فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت علیؑ کے مسلک کی بنیاد خالص دین پر تھی۔ اور امیر معاویہ کے مسلک کی بنیاد خالص دنیا پر۔“ (ایضاً صفحہ نمبر 231-232) اگلے صفحہ پر لکھا کہ:

علیؑ کی پوزیشن پر چند آخری واقعاتی باتیں

”حضرت علیؑ آزمائش کے اسی تلخ دور سے گزرتے رہے۔ دوست غداوری اور دشمن مکاری سے پیش آتے رہے۔ لیکن آپؑ اُس پورے دور میں اپنے روشن مسلک پر ارادے کے پکے رہے۔ نہ معاملات میں کوئی پستی گوارا کی، نہ دین میں کوئی کمزوری دکھائی۔ نہ اپنی کھلی ہوئی سیاست سے ذرہ برابر انحراف کیا۔ مصیبتیں مسلسل آتی رہیں اور سیدہ راہ بنتی رہیں۔ مگر آپؑ اپنی راہ چلتے رہے۔ دائیں بائیں کسی طرف جھکے نہیں۔ شدید غصے کا عالم ہوتا۔ زندگی کی انتہائی تلخیاں ہوتیں۔ لیکن کوئی بات آپؑ کے ارادے کی راہ میں حائل نہ ہوتی“ (ایضاً صفحہ نمبر 233)

13- حضرت علیؑ کے طریق کار پر کاربند رہنے والے نہ کبھی ناکام ہوئے نہ ہو سکتے ہیں، حضورؐ کی ضمانت کامیابیوں کی ضمانت ہے

قارئین نے وہ تمام حالات اور ماحول دیکھا جس میں حضرت علیؑ علیہ السلام خُدا کی اطمینان و یقین سے حکمرانی کر رہے تھے۔ دشمن اسلام مسلمان اپنی تمام ایلوسی چالیں چل رہے تھے اُس زمانے سے آج تک رضی اللہ عنہ کہلانے والے موٹین اپنی فریب سازی اور تخریب کاری سے بے رحمی اور سنگ دلی اور شیطین کو بھی شرم رہے تھے۔ حضرت علیؑ اور اُن کے محروسہ علاقوں کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ ملک بھر میں چھاپے مار مار کر قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ چاروں طرف لوگوں کو رشوت و لالچ سے باغی کرنے کی مہم جاری ہے۔ اور حضرت علیؑ نہایت اطمینان و سکون سے اطمینان و سکون پیدا کرنے کیلئے صرف یہ شرط لگا رہے ہیں کہ:

فَاتَّقُوا اللَّهَ عِبَادَ اللَّهِ وَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ مِنَ اللَّهِ (خطبہ نمبر 24 جملہ نمبر 2)

”خُدا کے بندو، تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ کے سامنے تم ذمہ دار بن جاؤ اور اُس کی نافرمانیوں سے بھاگ کر اُس کی فرمانبرداری کی پناہ میں آ جاؤ۔

وَ اَمْضُوا فِي الدُّنْيَا نَهَجَهُ لَكُمْ (خطبہ نمبر 24 جملہ نمبر 3)

”اور اُس طرز زندگی اور راہ عمل پر گامزن ہو جاؤ جو اُس نے تمہارے لئے مقرر فرمائی ہے۔

وَقُوْمُوا بِمَا عَصَبَهُ بِكُمْ (خطبہ نمبر 24 جملہ نمبر 4)

”اور اُن پابندیوں پر قائم ہو جاؤ جو اُس نے تم پر عائد کی ہیں۔

فَعَلَيْكُمْ ضَامِنٌ لِفَلْبِكُمْ اَجَلًا اِنْ لَمْ تُمْتَحُوْهُ عَاجِلًا (خطبہ نمبر 24 جملہ نمبر 5)

”چنانچہ اس کے بعد علیؑ تمہاری کامیابیوں اور کامرانی کا ضامن ہے۔ دیر سویر تمہیں کامیاب ہونا ہے۔

یہ وہی ہدایات ہیں جن کے مطابق زندگی کو استوار کر لینے سے ناکامی، پریشانی اور شرمندگی دُور سے دُور ہوتی چلی جاتی ہے اور سکون اور چین اور کامیابیاں قدم چومتی ہیں۔ یہ مختصر مگر کلیدی ہدایات رفتہ رفتہ انسان کو اُس مقام پر لے آتی ہیں جہاں مشیتِ خداوندی اُس سے ہم آہنگ ہو کر اُس کی نقل و حرکت میں اُس کے ساتھ تعاون کرنے لگتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی قیادت میں کسی فوج کو کبھی شکست سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔ اور دشمن کی تمام چالیں، ہر کمزور فریب اور بڑی سے بڑی فوج پھٹ کر رہ جاتی تھی۔ اور حضورؐ کے اطمینان و سکون اور غیر متزلزل ارادوں کا بھی یہی ایک سبب تھا۔ اللہ نے اُن کے اقدامات کی کامیابی کی ضمانت لے رکھی تھی۔ اور ساری زندگی اللہ کی اسی ضمانت کے ماتحت کامیابی سے گزارتی تھی اور اُسی خداوندی ضمانت کے یقین پر آپؑ انسانوں کی ضمانت لیتے تھے اور انہیں کامیابی سے سرفراز کر کے دکھایا کرتے تھے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 25

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 25

خطبہ (25)

- 1- بُسْر بن ارطاة اور دیگر چھاپہ ماروں کی تاخت و تاراج کی اطلاع ملنے پر اور بھگوڑی نسل کے عبید اللہ بن عباس کے اپنی جان بچا کر اور ننھے بچوں کو بھینٹ چڑھا کر بھاگ آنے پر علیؑ کا رد عمل۔
- 2- اتحاد و امانت و اطاعت میں معاویہ کے ساتھیوں کی مدح۔ اور انتشار و خیانت اور نافرمانی میں اپنے ساتھیوں کی مذمت۔
- 3- حکومت چھن جانے کی پیشگوئی۔
- 4- اپنے ساتھیوں کے لئے برا حاکم مسلط ہونے کی بددعا،
- 5- بنی فراس ابن غنم کی سرفروشی کی مدح فرمائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	یہ اُس شہر کوفہ کی حالت ہے جس پر میرا قبضہ اور میرا بندوبست ہے۔	مَا هِيَ إِلَّا الْكُوفَةُ أَقْبَضُهَا وَ أَبْسَطُهَا ؛
2	اے شہر کوفہ میرا قبضہ و تسلط ہوتے ہوئے بھی اگر تیرے اندر فتنہ و فساد کی آندھیاں چلنے لگی ہیں تو خدا تجھے بھی برباد کر دے۔ یعنی پھر مجھے تیری بھی ضرورت نہیں ہے۔	إِنْ لَمْ تَكُونِي إِلَّا أَنْتِ تَهْتُبُ أَعَاصِيرُكَ فَقَبَّحَكَ اللَّهُ؛
	اور شعر بطور مثال کہا کہ:	(وَتَمَثَلُ بِقَوْلِ الشَّاعِرِ)
3	(اے عمر میں تیرے اچھے باپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے (مملکت میں سے) اتنی ہی تلچھٹ اور چکنائی ملی ہے جو خالی ہو جانے کے بعد بھی برتن میں لگی رہ جاتی ہے) پھر علیؑ نے فرمایا کہ:	(لَعَمْرُ أَبِيكَ الْخَيْرِ يَا عَمْرُو أَنْتِي؛ عَلِيٌّ وَ صَرِيحٌ مِنْ ذَا الْإِنَاءِ قَلِيلٌ) ثُمَّ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:
4	مجھے غائبانہ خبر ملی ہے کہ بُسْر بن ارطاة یمن پر چھا گیا ہے اور مجھے تو خدا کی قسم اب یہ خیال و اندیشہ ہے کہ قریشی قوم کے لوگ بہت جلد حکومت و سلطنت کو تم سے چھین کر اپنے قابو اور تسلط میں کر لیں گے۔ اس لئے کہ وہ قوم اپنے باطل مرکز پر مجتمع اور متحد ہے اور تم مرکز حق سے بھی متحد ہونے کی بجائے متفرق و منتشر ہو۔ یعنی ان میں اتفاق ہے اور تم میں اختلاف ہے۔	أُنْبِئْتُ بُسْرًا قَدْ أَطَّلَعَ الْيَمْنَ وَإِنِّي وَاللَّهِ لَأَظُنُّ أَنَّ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ سَيَدَاؤُنَ مِنْكُمْ بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلَيَّ بِأَطْلِهِمْ وَ تَفَرُّقِكُمْ عَنِّي حَقِّقًا؛
5	اور اس لئے کہ تم اپنے برحق امام کی حق میں بھی اطاعت نہیں کرتے ہو اور وہ	وَبِمَعْصِيَتِكُمْ إِمَامَكُمْ فِي الْحَقِّ وَ طَاعَتِهِمْ

6	قوم اپنے باطل امام کی غلط کاموں میں بھی اطاعت کرتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ قوم اپنے حاکم کی امانتوں کو بلا خیانت ادا کرتی ہے اور تم برابر خیانت کرتے رہتے ہو۔	إِمَامَهُمْ فِي الْبَاطِلِ ؛ وَبَادَأَهُمُ الْأَمَانَةَ إِلَىٰ صَاحِبِهِمْ وَخِيَانَتِكُمْ ؛
7	اور اس لئے بھی کہ وہ تم سے سب کچھ چھین لیں گے کہ ان کے شہروں میں امن و امان ہے اور تمہارے یہاں فساد ہے۔	وَبِصْلَاحِهِمْ فِي بِلَادِهِمْ وَفَسَادِكُمْ ؛
8	اگر میں تم میں سے کسی ایک کو لکڑی کے ایک پیالے کا امین بنا دوں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں اس کا گنڈا (Handle) غائب نہ کر لے۔	فَلَوْ تَسَمَّنْتُ أَحَدَكُمْ عَلَىٰ قُعْبٍ لَّخَشِيتُ أَنْ يَذْهَبَ بِعِلَاقَتِهِ ؛
9	اے اللہ یقیناً میں ان سے دل تنگ اور ملول ہو چکا ہوں اور یہ لوگ مجھ سے دل تنگ اور ملول ہو چکے ہیں۔ میں ان سے اکتا چکا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا چکے ہیں۔	اللَّهُمَّ إِنِّي قَدَمَلِلْتُهُمْ وَمَلُونِي وَسَمْتُهُمْ وَسَمُونِي ؛
10	لہذا اے خدا یا مجھے ان کے بدلے میں ان سے اچھے لوگ عطا کر اور انہیں میرے بدلے بدتر حاکم کے ماتحت کر دے۔	فَأَبْدَلْنِي بِهِمْ خَيْرًا مِنْهُمْ وَأَبْدَلْهُمْ بِي شَرًّا مِنِّي ؛
11	اے اللہ ان کے دلوں کو اس طرح گھول دے جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے۔	اللَّهُمَّ مَتِّ قُلُوبَهُمْ كَمَا يُمَاتُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ ؛
12	مجھے بہت پسند آتا اگر تمہاری جگہ میرے ساتھی بنی فراس ابن غنم میں کے صرف ایک ہزار ہی جوان ہوتے۔	أَمَا وَاللَّهِ لَوَدِدْتُ أَنَّ لِي بِكُمْ أَلْفَ فَارِسٍ مِنْ بَنِي فِرَاسِ ابْنِ غَنَمٍ ؛
13	اے اُمّ زینب اگر تو کسی موقع پر انہیں مدد کیلئے پکارے گی تو تیری مدد کیلئے جنگ جو بہادروں کا جھوم اس تیزی سے پہنچے گا جیسے برسات کے رواں دواں بادل چلتے ہیں۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نمبر سے اتر آئے۔	هُنَالِكَ لَوَدَعَوْتُ أَتَاكَ مِنْهُمْ ؛ فَوَارِسُ مِثْلُ أَرْمِيَةِ الْحَمِيمِ ثُمَّ نَزَلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْمُنْبَرِ ؛

تشریحات:

خطبہ 25 سے تعارف

جیسا کہ ہم نے خطبہ نمبر 24 کی ذیل میں معاویہ کی طرف سے چھاپہ ماروں کی فوجی ٹولیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اور بُسر بن ابی ارطاة کا یمن پہنچنا اور قتل و غارت اور لوٹ مار کرنا اور جارّیہ بن قدامہ کا حضرت علیؑ کی طرف سے آنا اور یہ کہ ان کی صرف آمد کی خبر سن کر بُسر کا فرار کر جانا بھی دکھایا ہے اور یمن کے گورنر عبید اللہ ابن عباس اور یمن کی فوج کے سردار سعید بن نمران کا بُسر بن ارطاة کی آمد کی اطلاع پاتے ہی اپنی پارٹی کے ساتھ بھاگ کر کوفہ حضرت علیؑ کے پاس پہنچے اور عبید اللہ اپنے بال بچوں کو بھی یمن میں چھوڑ کر بھاگے تھے جنہیں بُسر نے ذبح کر دیا تھا۔ ان حالات سے

متاثر ہو کر حضور نے یہ خطبہ 25 دیا اور عبید اللہ بن عباس جیسے نام نہاد صحابہ کی خفیہ سرگرمیوں اور منافقانہ کوششوں کا راز کھولا اور ان کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ اس خطبے کے شروع میں سابقہ علمائے اور رضی صاحب رضی اللہ عنہ نے ان ہی حالات کی طرف بطور راہنمائی اشارہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے۔ اس خطبے سے پہلے جو عبارت لکھی ہوئی تھی اُسے ہم بھی قارئین کے لئے پوری لکھتے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت علی علیہ السلام نے خطبے میں بھی اُس کا ذکر فرمایا ہے اور تاریخ سے ثابت ہے اور ہم نے خطبہ (24) کی تشریحات میں بھی اُسے لکھا ہے۔ لہذا سنئے حضرت رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ:

وَقَدْ تَوَاتَرَتْ عَلَيْهِ الْأَخْبَارُ بِاسْتِيْلَاءِ أَصْحَابِ مُعَاوِيَةَ عَلَى الْأَبْلَادِ وَقَدِمَ عَلَيْهِ عَامِلَاهُ عَلَى الْيَمَنِ وَهُمَا عُبَيْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَسَعِيدُ ابْنِ نُمَيْرٍ لَمَّا غَلَبَ عَلَيْهِمَا بُسْرُ بْنُ أَبِي أَرْطَاةَ فَقَامَ (عليه السلام) عَلَى الْمِنْبَرِ ضَجْرًا بِنَشْأَةِ أَصْحَابِهِ عَنِ الْجِهَادِ وَمُخَالَفَتِهِمْ لَهُ فِي الرَّأْيِ فَقَالَ:

”جب حضرت علی علیہ السلام کو پے در پے یہ خبریں ملیں کہ معاویہ کے ساتھی اُن کے علاقہ کے شہروں پر اپنا تسلط قائم کرتے چلے جا رہے ہیں اور یمن کا گورنر عبید اللہ بن عباس اور سپہ سالار سعید بن نمران بسر بن ابی ارطاة سے مغلوب ہو کر بھاگے اور حضرت علی علیہ السلام کے پاس آگئے تب آپ نے اپنے ان صحابہ کو جہاد سے جان چرانے اور حضرت علی علیہ السلام کی رائے سے اتفاق نہ کرنے پر انہیں ڈانٹنے اور تنبیہ کرنے کے لئے منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیا“ اور فرمایا کہ:

اس بیان میں عبید اللہ اور سعید کا بسر سے مغلوب ہو کر آنا غلط لکھا ہے۔ وہ تو یمن سے بسر بن ارطاة کے آنے کی خبر سنتے ہی اپنے بچوں تک کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کے ساتھیوں میں، تمام قریشی اور تمام معاویہ کے متعینہ لوگ موقع شناسی کے ماتحت وفا اور غدارگی کرتے رہتے تھے

حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ وہی کچھ کیا گیا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا گیا تھا۔ جس طرح قریش نے حضور کے خلاف دوہرا محاذ بنایا تھا بالکل اسی طرح حضرت علی پر غلبہ پانے کے لئے دو محاذ بنائے گئے۔ چنانچہ ایک محاذ وہ تھا جس نے پُر خلوص دوستی کا پارٹ ادا کرنا تھا اور کیا۔ دوسرا محاذ وہ تھا جس نے کھل کر مخالفت کرنا تھی اور آخری دم تک مخالفت پر قائم رہے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح آنحضرت کے زمانہ کے دونوں محاذوں میں رابطہ رکھنے والے قرآن کی زبان میں منافق کہلاتے تھے اسی طرح مرتضوی دور میں یہ کام جاسوس کرتے تھے۔ جو برابر ادھر سے اُدھر آتے جاتے رہتے تھے۔ اور جنگِ جمل ہار جانے کے بعد یہ دونوں محاذ معاویہ کی گھلی یا ڈھکی سرپرستی میں چلے گئے تھے۔ اور آخر تک اُس کی سرپرستی میں رہے۔ مخالف محاذ کے لوگوں کے متعلق تو محققین و مورخین کو شاذ و نادر ہی مغالطہ ہوا ہے لیکن مخلصانہ دوستی اور فداکاری کا پارٹ ادا کرنے والے لوگوں یا صحابہ کے متعلق شاید ہی کوئی عالم ایسا باقی رہا ہو جسے قریش کی خود ساختہ تاریخ اور روایات نے مغالطہ میں نہ رکھا ہو۔ چنانچہ قریشی تاریخ و روایات نے کئی ایک اشخاص کو حضرت علی علیہ السلام کا بہت مخلص صحابی دوست یا شاگرد اور انتہائی اعتماد و یقین کا حامل لکھا ہے۔ اور روایات کی دھوم اور شہرت نے بڑے بڑے شیعہ علماء کو بھی ایسا ہی ماننے پر رضا مند کر لیا ہے۔ ہم بفضلِ امام عصر علیہ الصلوٰۃ والسلام دشمنانِ محمدؐ و علیؑ اور آلِ محمدؐ کو ہر روپ میں پہچانتے ہیں اور جہاں جہاں ضروری ہوتا ہے اور ہمیں موقع ملتا ہے نام بنام اُن دشمنوں کا پردہ فاش کر کے اُن کی رُو نمائی کرتے ہیں اور اپنے یا پرانے علماء کے زور دار بیان سے ذرہ برابر متاثر نہیں ہوتے۔ یہ خطبہ اور اس سے متعلقہ روایات و بیانات ہمیں بتاتے ہیں کہ عبید اللہ بن عباس

نے جو وفاداری، اطاعت اور دیانت گورنری کے مقام تک پہنچنے سے پہلے پہلے دکھائی تھی وہ ہر حال میں آخر تک برقرار نہیں رکھی اور بصر بن ابی ارطاة کی آمد کی خبر سنتے ہی وفاداری اور فداکاری کا لبادہ اتار کر یمن سے بھاگے اور خود ہی نہیں بھاگے بلکہ صوبہ یمن کے سپہ سالار کو بھی ساتھ لے آئے۔ مگر وفاداری یا ظاہر داری کا اتنا لحاظ رکھا کہ آئے حضرت علی علیہ السلام ہی کے پاس۔ تاکہ ذرا اور اسی ڈانٹ ڈپٹ اور ملامت کے بعد حضرت کو رضامند رکھنے اور کسی بڑی تخریب کا موقع ملنے کی گنجائش رہے۔ چنانچہ علامہ علی نقی طہرانی فیض الاسلام اپنے ترجمہ نبی البلاغہ میں اسی خطبے کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

2- حضرت علیؑ عبید اللہ بن عباس اور سعید بن نمران کو فرار پر ملامت کرتے ہیں۔

أَوْ قَتَلِي وَإِدْ صَنَعَا شَدَّ عُبَيْدَ اللَّهِ وَ سَعِيدَ، عَبْدِ اللَّهِ تَقْفَى رَاجَا نَشِيْنِ خُودِ قَرَارِ دَا دَهْ اَزْ اَنْجَا كَرِ يَخْتَهْ بِسْمَتِ كُوفَهْ مِيَا مَدَنْدِ. بُسْرَ، عَبْدِ اللَّهِ تَقْفَى رَا بَقْتَلِ رَسَا نِيدِ. چوں این دو نفر در کوفه خدمت حضرت رسیدند آنحضرت ایشان را ملامت و سرزنش نمود که چرا با بسر ابن ابی ارطاة نجنگید آنها عذر آوردند باینکه ما توانائی جنگیدن با ورا ندا شیتیم حضرت در حالتیکه از تنبلی اصحاب خود از جهاد و مخالفت کردن ایشان بارائے و تدبیرش دل تنگ و آزرده گردیده بود برخاسته بمنبر رفت و فرمود:

”جیسے ہی بصر مقام صنعاء پر پہنچا عبید اللہ بن عباس اور سعید بن نمران عبد اللہ ثقفی کو اپنا جانشین بنا کر وہاں سے دونوں بھاگے اور کوفہ کی جانب چل دیئے۔ بصر نے اُن کے بنائے ہوئے جانشین عبد اللہ ثقفی کو قتل کر دیا۔ چونکہ یہ دونوں اشخاص حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں کوفہ پہنچے آنجناب نے اُن دونوں کو ملامت اور سرزنش کی اور کہا کہ تم دونوں نے بصر بن ابی ارطاة کے ساتھ جنگ کیوں نہ کی بھاگ کیوں آئے؟ انھوں نے یہ عذر کیا کہ ہمیں اس سے جنگ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ حضور چونکہ اپنے صحابہ کی جہاد سے جان پڑانے اور اپنی رائے کی مخالفت کرتے رہنے کی بنا پر دل تنگ اور آزرده تھے اس لئے اُٹھے اور منبر پر جا کر یہ خطبہ (25) دیا۔“

تاریخ امیر المومنین کے الفاظ یہ ہیں کہ:

”جب عبید اللہ بن عباس اور سعید بن نمران صنعاء سے بھاگ کر کوفہ میں آئے تو امیر المومنین نے انہیں عتاب کیا کہ کس لئے تم نے بصرین کے ساتھ لڑائی نہ کی؟

عبید اللہ نے سعید کو بھی صاف انکار کر دیا تھا:

سعید نے عرض کی قسم بخدا یا امیر المومنین میں نے اس کا مقابلہ کیا مگر (عبید اللہ) ابن عباس نے میری نصرت نہ کی۔ جب بصر نزدیک گیا تو میں نے اس سے کہا کہ امیر المومنین بدون جنگ ہم سے کبھی راضی نہ ہوں گے۔ کہا ہم کو طاقت اس کے مقابلے کی نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے جو لوگ میرے ساتھ تھے اُن کو لے کر جنبش کی اور مقابلہ میں گیا۔ مگر وہ مجمع جلد متفرق ہو گیا۔ مجبوراً میں بھی واپس ہوا۔“ (صفحہ نمبر 279)

عبید اللہ بن عباس کا ایک بھائی ثُم بن عباس بھی مکہ کا گورنر تھا وہ بھی بصر کی آمد سے پہلے ہی فرار کر گیا تھا؟

اس بیان سے معلوم ہوا کہ عبید اللہ بن عباس کا یہ کہنا کہ ”ہم میں بصر سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے“ کافی ہو گیا دوسروں کی ہمت شکنی کے لئے۔ یعنی جو لوگ بھاگے اور مقابلہ کے لئے نہ ٹھہرے وہ عبید اللہ کی بزدلی یا مصلحت کی بنا پر بھاگے۔ یعنی خود عبید اللہ نے نہ چاہا کہ کوئی جم کر

لڑنے اور مرنے کو تیار ہو سکے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ عبداللہ ثقفی کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ اگر وہ شہید ہونے سے ڈرتا تو وہ بھی عبید اللہ کی طرح بھاگ سکتا تھا۔ مگر غور سے سُنیں کہ عباس کا کوئی بیٹا نہ علیؑ کا حقیقی معنی میں دوست تھا نہ اسلام پر جان دینے کیلئے تیار تھا۔ البتہ یہ بہترین موقع شناس ڈپلومیٹس (Diplomats) تھے۔ ایسے اقدامات کرنے میں ماسٹر تھے کہ دلیل کے ساتھ انہیں اونچے سے اونچا عہدہ دیا جائے۔ اور اس کے لئے وہ جان توڑ محنت اور قربانی کرتے نظر آتے تھے۔ چنانچہ مولانا سید علی حیدر اپنی کتاب نفس رسول جلد چہارم میں قسم کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

”----- اس کے بعد اُس نے بہت سے مکانات میں آگ لگوا دی۔ پھر وہاں سے مکہ پہنچا وہاں کے عامل قسم بن عباس تھے وہ بھی وہاں سے نکل بھاگے۔“ (صفحہ نمبر 353)

3- خاندان عباس اور ان کے ہم مثل لوگوں کی ریشہ دوانیوں اور کوفہ پر اثر اندازیوں کا شکوہ۔

بہر حال علمائے شیعہ میں سے بعض وظیفہ خواروں نے عباس کے تینوں بیٹوں کی عموماً اور عبداللہ بن عباس کی خصوصاً پیٹ بھر کر بلا کسی عقلی و عملی و مادی دلیل کے مدح سرائی کی ہے۔ ہم حضرت علی علیہ السلام کے خطبوں سے فارغ ہو کر باقاعدہ عبداللہ ابن عباس کا کیریئر پیش کریں گے اور یہ اس وقت موزوں ہوگا جب ہم حضرت علی علیہ السلام کے خطوط کی تشریحات کرتے ہوئے ان خطوط پر پہنچیں گے جو حضور نے عبداللہ ابن عباس کی خیانت اور غداری کے سلسلے میں لکھے ہیں۔ یہاں تو یہ دیکھنے کہ حضور نے عبید اللہ اینڈ کمپنی کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ:-

اُنَيْسَتْ بُسْرًا قَدْ اَطَّلَعَ الْيَمَنَ وَاِنِّي وَاللَّهِ لَا طُنَّ اَنْ هُوَ لَآءِ الْقَوْمِ سَيِّدُ الْوَنِّ مِنْكُمْ بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلٰى بَاطِلِهِمْ وَتَفَرُّقِكُمْ
عَنْ حَقِّكُمْ؛ وَبِمَعْصِيَتِكُمْ اِمَامَتِكُمْ فِي الْحَقِّ وَطَاعَتِهِمْ اِمَامَتَهُمْ فِي الْبَاطِلِ؛ وَبِادَائِهِمْ الْاِمَانَةَ اِلَى صَاحِبِهِمْ وَخِيَانَتِكُمْ؛
وَبِصَلَاحِهِمْ فِي بِلَادِهِمْ وَفَسَادِكُمْ؛ فَلَوْ تَمَنَّتْ اَحَدُكُمْ عَلٰى فُجْبٍ لَخَشِيْتُ اَنْ يَنْذَهَبَ بِعِلَاقَتِهِ؛

(خطبہ نمبر 25، جملہ 4 تا 8)

مجھے غائبانہ خبر ملی ہے کہ بُسر بن اراطہ یمن پر چھا گیا ہے اور مجھے تو خدا کی قسم اب یہ خیال و اندیشہ ہے کہ قریشی قوم کے لوگ بہت جلد حکومت و سلطنت کو تم سے چھین کر اپنے قابو اور تسلط میں کر لیں گے۔ اس لئے کہ وہ قوم اپنے باطل مرکز پر مجتمع اور متحد ہے اور تم مرکز حق سے بھی متحد ہونے کی بجائے متفرق و منتشر ہو۔ یعنی ان میں اتفاق ہے اور تم میں اختلاف ہے۔ اور اس لئے کہ تم اپنے برحق امام کی حق میں بھی اطاعت نہیں کرتے ہو اور وہ قوم اپنے باطل امام کی غلط کاموں میں بھی اطاعت کرتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ قوم اپنے حاکم کی امانتوں کو بلا خیانت ادا کرتی ہے اور تم برابر خیانت کرتے رہتے ہو۔ اور اس لئے بھی کہ وہ تم سے سب کچھ چھین لیں گے کہ ان کے شہروں میں امن و امان ہے اور تمہارے یہاں فساد ہے۔ اگر میں تم میں سے کسی ایک کو کلٹری کے ایک پیالے کا امین بنا دوں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں اس کا گنڈا (Handle) غائب نہ کر لے۔

یہ ہیں وہ تجربات جو حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بڑے بڑے صحابہ رسول کو امین بنا کر، گورنر بنا کر ہوئے ہیں۔ حضور کا یہ شکوہ ہو یا اور کوئی شکوہ آپ پڑھیں، یہ عوام سے نہیں بلکہ خواص سے ہے کہ جن کو اگر بڑے عہدے نہ دیئے جائیں تو رعایا کو بھی اعتراض ہوتا ہے کہ صحابہ رسول اور قریشی مسلمہ سرداروں کو چھوڑ کر غیر معروف لوگوں کو ہمارے سروں پر سوار کیا جا رہا ہے اور وہ نام نہاد منصوبہ ساز صحابہ بھی ہنگامہ مچانے کو تیار رہتے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ سابقہ خلفوں میں کسی بھی خلیفہ نے انہیں کوئی عہدہ نہیں دیا تھا۔

4۔ خلیفہ دوم عمر کا عبداللہ بن عباس کو جاسوسی اور کٹھ پتی کی طرح استعمال کرنا اور عہدوں سے دور رکھنا

بلکہ خلیفہ دوم نے عبداللہ بن عباس کو حضرت علیؑ اور دیگر بنی ہاشم کے لئے بطور جاسوس استعمال کیا مگر صاف الفاظ میں اُسے متنبہ کر دیا تھا کہ: **فِي نَفْسِي مِنْكَ شَيْءٌ**۔ یعنی میرے دل میں تمہاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے۔ اُنھوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا۔ **اِنِّي خَشِيْتُ عَلَيْنَكَ اَنْ تَاتِي عَلَيَّ الْفَيْءُ الَّذِي هُوَ اَت**۔ یعنی مجھ کو ڈر ہے کہ تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو۔ (علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ) یہ صرف سوء ظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا۔ حضرت علیؑ نے اپنے عہد خلافت میں جب حضرت عبداللہ بن عباس کو عامل مقرر کیا تو اُنھوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی اور جب حضرت علیؑ نے باز پرس کی، تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔ (الفاروق حصہ دوم صفحہ نمبر 90-91)

یہ ہیں وہ خیانت کار صحابہ رسولؐ جو روز اول سے حضرت علیؑ کو نچوڑنے اور کامیاب شکست دینے کے لئے دوستی کے محاذ میں سرگرم کارکن اور ممبر تھے۔ یہی ہیں وہ حضرت رضی اللہ عنہ جو بیت المال کے لاکھوں درہم و دینار سمیٹ کر مکہ جا بیٹھے تھے۔ اور اُن کے چھوٹے بھائی عبید اللہ بن عباس معاویہ سے نقد روپیہ لے کر امام حسن علیہ السلام کے خلاف معاویہ کی گود میں جا بیٹھے تھے۔ چنانچہ علامہ عالمی سے سنئے:

5۔ عبید اللہ بن عباس کی حضرت علیؑ کے علاوہ امام حسنؑ سے بھرپور غداری

”ظاہری بات یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس کا امیر المؤمنین سے علیحدہ ہو جانا اور بصرہ کا مال لے لینا مشہور واقعہ ہے۔ امام حسنؑ نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد عبید اللہ بن عباس کی سرکردگی میں بارہ ہزار کا ایک لشکر معاویہ سے لڑنے کے لئے روانہ کیا اس لشکر میں جناب قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ عبید اللہ معاویہ سے پانچ لاکھ درہم نقد لے کر معاویہ سے مل گئے اور امام حسن علیہ السلام کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے۔ اُس وقت قیس بن عبادہ نے امام حسنؑ کے لشکر کے سامنے تقریر کی:

”عبید اللہ بن عباس نے جو حرکت کی ہے اُس سے تم لوگ ہراساں نہ ہونا یہ پورا گھرانہ ہی ایسا ہے۔ ان کا باپ عباس بروز بدر پیغمبرؐ سے لڑنے کو نکلا تھا۔ اُن کے بیٹے عبداللہ بن عباس نے بصرہ کا سب مال ہتھیالیا اور مکہ بھاگ گئے تھے دوسرے بیٹے عبید اللہ نے جو حرکت کی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو۔“ عبداللہ بن زبیر بھی عبداللہ بن عباس کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ تم نے بصرہ کا مال غصب کر لیا تھا۔ اور وہاں کے مسلمانوں کو اس عالم میں چھوڑا تھا کہ گھٹلیاں کھاتے تھے۔ ابن عباس نے اس واقعہ سے اپنی بریت ظاہر نہیں کی ہے بلکہ یہ جواب دیا ہے کہ اُس مال میں ہمارا حق تھا ہم نے لے لیا۔“ (نفس رسولؐ جلد چہارم صفحہ نمبر 339-340)

قارئین نوٹ کریں کہ جناب قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے تجربہ کے ماتحت صرف عبداللہ، عبید اللہ اور قثم ہی غدار نہ تھے بلکہ اُن کا باپ اور پورا گھرانہ ہی غدار تھا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کریں کہ مدینہ آنحضرتؐ اور علی مرتضیٰ صلی اللہ علیہما کے بزرگوں کی تنہیال ہے اور قیس بن عبادہ قبیلہ خزرج سے خزرج کے سردار تھے اور یہی حضرات محمدؐ و علیؑ کے قبیلے کے لوگ ہیں۔ لہذا اگر عباس کا گھرانہ اور رسول اللہ کا گھرانہ ایک ہی ہوتا تو عباس کے گھرانہ کو جناب قیس ہرگز بُرا نہ کہتے لہذا ثابت ہوا کہ قریش نے فراڈ تیار کیا تھا کہ عباس کو عبدالمطلب علیہ السلام کا بیٹا مشہور کر کے (معاذ اللہ) اُس ملعون کو حضورؐ کا چچا بنا دیا اسی طرح جس طرح ابولہب کو چچا بنایا تھا۔ ہم نے اپنی کتاب ”مرکز انسانیت“ میں قریش کے اس فراڈ کی دھجیاں اُڑادی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ قریش کہلانے والے لوگ ہرگز نسل رسولؐ یا نسل ابراہیمؑ سے نہیں ہیں۔ وہ شجرہ نسب ہی غلط اور قریشی مشین کا بنایا ہوا ہے جو اُن لوگوں نے رسولؐ کیلئے گھڑا تھا۔ محمدؐ و علیؑ علیہما السلام تو نبطی ہیں۔ اور اُنھوں نے اُنہیں قیدار کی اولاد بتایا ہے۔ (دیکھو مواضع

القرآن علامہ سید سلمان ندوی اور توریت (عباس اور عبداللہ بن عباس قریش کے مہتر تھے جن کو قریش زندگی بھر محمدؐ و علیؑ کے خلاف بطور جاسوس استعمال کرتے رہے۔ پھر ان کی نسل (خلافت عباسیہ) مسلسل دشمنانِ اہلبیت رہی۔ قریش کہلانے والے لوگوں کو حقیقت حال معلوم تھی اس لئے حکومت پر تسلط حاصل کرنے میں ابو بکر و عمر نے عباس اینڈ کمپنی کو سقیفہ بنی ساعدہ کی ہوا تک نہ دکھائی ورنہ وہاں خلافت عباس ہی کو دینا پڑتی اس لئے کہ انھوں نے اُسے چچا مشہور کر رکھا تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ رسولؐ کا چچا کوئی نہیں ہے اس قدیم اور مصطنع کی ہوئی غلطی کی بناء پر حکومت ہی ہاتھ سے نکل جاتی۔ لہذا عباس کو اس سلسلے میں دُور سے دُور رکھا گیا۔ اور حکومت پر قابو پالینے کے بعد بھی عباس اور اُس کے بیٹوں کو کوئی مقام نہ دیا حالانکہ ابوسفیان کو پورے پورے اختیار دے دیئے تھے اور اُس کے بڑے بیٹے یزید کو فیلڈ مارشل بنا دیا تھا۔ البتہ عباس و عبداللہ کو فرضی احترام کی کرسی پر بٹھا کر رکھا تا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کو ان کے ذریعے سے استعمال کیا جاسکے۔ اس عمل درآمد نے ان دونوں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ علیؑ کے ساتھ بھی چپکے رہیں اور ادھر بھی لاگ لپیٹ کی روش جاری رکھیں۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ ابو بکر و عمر کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے یا مایوس کر دیئے گئے اور انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ایک روز حضرت علیؑ نے کامیاب ہونا ہے لہذا انھوں نے ساری امیدیں اہلبیتِ رسولؐ سے وابستہ کر دی تھیں اور طے کر لیا تھا کہ اگر کبھی ہمیں اقتدار پر قبضہ کرنے کا موقع ملا تو صرف علیؑ کے ساتھ رہنے سے مل سکتا ہے۔ اس لئے کہ ادھر ڈپلومیسی (Diplomacy) اور فریب کارانہ سیاست پر عمل نہ ہوگا اور انھیں دھوکا دینا آسان ہوگا۔ چنانچہ یہی وہ محاذ تھا جو مخلص دوستوں اور فداکاروں کی صورت میں علیؑ کو گھیرے ہوئے تاک لگائے ہوئے اور مواقع کی تلاش میں لگا رہا۔ اور اُس روز تک ساتھ ساتھ رہا جس روز ابو مسلم وغیرہ کو دھوکا دے کر خلافت عباسیہ کا افتتاح کیا تھا۔ پھر انھوں نے خانوادہ رسولؐ کے ساتھ ابو بکر و عمر و عثمان اور بنی امیہ سے کئی گنا بڑھ کر مظالم کئے اور کھل کر نبوت و ولایت و اسلام کی مخالفت کی۔ اس روز تک جس روز دستدارانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے خلافت عباسیہ کی ہلاک کو خان کے ذریعہ دھول اڑادی۔ لہذا یاد رکھیں کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ صلوات اللہ علیہم اور ان کے دوستوں، ہمدردوں اور پیروؤں کو جتنی تکلیف عباس اور اُس کی اولاد سے پہنچی ہے اتنی ابو بکر و عمر سے نہیں پہنچی تھی۔

6۔ عباس اور اُس کی اولاد کا محاذ حضرت علیؑ کے سامنے تھا جب اس خطبہ میں بددعا کی گئی

حضرت علیؑ علیہ السلام نے اس خطبے میں جو دردناک تمنا اور بددعا کی ہے۔ اُس کا سبب ڈاکٹر طحسین سے اُس خط کے چند جملوں میں سنئے جو حضورؐ نے بڑے دُکھ کے ساتھ عبداللہ بن عباس کو لکھے ہیں اور اپنا سلوک اور اعتماد یاد دایا ہے۔ سنئے اور اس درد کا اندازہ کیجئے جو حضورؐ کے دل میں ہے۔

عبداللہ بن عباس کی ظاہر داری کا بدلہ حضرت علیؑ نے کتنا بھرپور دیا تھا۔

”ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”ابا بعد۔ میں نے تم کو اپنی امانت میں شریک بنایا، میرے گھر والوں میں تم سے زیادہ بھروسے کے لائق کوئی آدمی نہ تھا۔ جو میری ہمدردی کرتا، میری تائید کرتا اور امانت مجھے واپس کرتا۔ لیکن تم نے دیکھا کہ اب بھائی کے وہ دن نہیں رہے، دشمن حملہ آور ہے، لوگوں کی دیانت خراب اور اُمت فتنوں سے دوچار ہو چکی ہے تو تم نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ چھوڑنے والوں کے ساتھ تم نے بھی اُس کا ساتھ چھوڑ دیا اور بُری طرح اُس کو بے یار و مددگار کر دیا۔ غداروں کے ساتھ تم نے بھی اُس سے بے وفائی کی، نہ ہمدردی کی نہ امانت واپس کی، گویا جہاد میں تمہارے پیش نظر اللہ نہ تھا۔ تم کو اپنے خدا کی طرف سے کوئی راہنمائی نہ ملی تھی۔ یا پھر تم محمدؐ کی اُمت کے ساتھ اُن کی دنیا حاصل کرنے کی چال چل رہے تھے؟“

جن ملائین کے ساتھ یہ پیارا سلوک کیا گیا، جن پر بھائیوں کی طرح اعتماد کیا گیا۔ اُن سے یہ شکوہ کیا گیا ہے۔ اور اس شکوہ کرنے والے مظلوم کو اور بات بات میں بھائی بھائی کہہ کر اپیل کرنے والے کو جس قسم کے بے دردانہ جواب لکھے گئے اُن کو پڑھ کر ایک قریشی عالم طہ حسین کا دل بھی دکھنے لگا اور انھوں نے بھی اپنی ہمدردی کا یوں اظہار کیا کہ:

ابن عباس کا درد انگیز و ملعون جواب اور طہ حسین کی حضرت علیؑ سے ہمدردی

”ابن عباس نے اسی غلطی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے بھائی کے حق میں ایسے الفاظ کہے جن سے اُن کو حد درجہ تکلیف پہنچی جو اُن کے دل میں چمکنے والا غم اور بے چین رکھنے والا درد بن کر رہ گیا۔ ابن عباس لکھتے ہیں کہ ”اللہ سے ایسی حالت میں ملنا کہ مسلمانوں کے کچھ مال کی ذمہ داری میرے سر ہو مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ جمل، صفین اور نہروان کے معرکے میں نبیے ہوئے خونوں کی ذمہ داری مجھ پر ہو۔“ گویا ابن عباس خیال کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے جو جنگ کی وہ اللہ کی راہ میں نہ تھی۔ اور اس سلسلے میں انھوں نے جتنا خون بہایا وہ سب کا سب ملک گیری کیلئے تھا؟ حضرت علیؑ کے لئے یہ بات کس قدر جگر خراش اور دل دکھانے والی ہے کہ بھائی کے لئے یہ سب باتیں تو لکھیں لیکن ایک چھوٹی مگر بہت اہم بات لکھنا بھول گئے اور وہ یہ کہ ان خونریزیوں میں وہ خود بھی بھائی کے شریک رہے۔ چنانچہ جمل میں صفین میں موجود تھے۔ اور ان دونوں معرکوں میں بھائی کی فوج کے سپہ سالار تھے۔ پس وہ اللہ سے ایسی حالت میں نہیں ملیں گے کہ اُن کے ذمہ صرف مسلمانوں کا کچھ مال ہے۔ بلکہ اس ملاقات میں اُن کے دامن پر اُس خون کے داغ بھی ہوں گے جو اپنے بھائی علیؑ کی جماعت میں شریک رہ کر بہائے ہیں۔ اور علیؑ میں اور اُن میں ایک فرق بھی ہوگا۔ علیؑ نے تو اس ایمان اور عقیدے کے ساتھ یہ خونریزی کی ہے کہ وہ حق کی راہ میں لڑ رہے ہیں۔ اور ان عبد اللہ بن عباس کی ساری خون ریزی ملک گیری اور اقتدار کی ہوس میں ہوئی ہے۔“

(کتاب علیؑ صفحہ نمبر 248-249)

یہ تھا اُس ملعون عبد اللہ بن عباس کا سنگدلا نہ جواب اور یہ ہیں ڈاکٹر طہ حسین کے تاثرات۔ اور ہم تو پہلے ہی سے یہ یقین رکھتے اور لکھتے چلے آ رہے ہیں کہ یہ عبد اللہ اور اُس کے ساتھ بہت سے ڈپلومیٹس حضرت علیؑ کے ساتھ مخلص دوستوں اور فداکاروں کی نقاب میں شریک تھے۔ اور چاہتے تھے کہ یا تو علیؑ کے ہاتھوں اقتدار حاصل کریں یا موقع ملنے پر خود اقتدار پر قابض ہو جائیں۔ یا معاویہ کی مدد کر کے اُس کے ساتھ اقتدار میں شرکت کر لیں۔ ان کے لئے حضورؐ نے فرمایا کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ قَدِمَلْتُهُمْ وَمَلَوْنِيْ وَسَمْتُهُمْ وَسَمُّوْنِيْ، فَاَبْدَلْنِيْ بِهِمْ خَيْرًا مِنْهُمْ وَاَبْدَلْهُمْ بِيْ شَرًّا مِنِّيْ، اَللّٰهُمَّ مَثْ قُلُوْبُهُمْ كَمَا يُمَاثُ الْمَلْحُ فِي الْمَاءِ، اَمَّا وَاللّٰهِ لَوْ دَدْتُ اَنْ لِّيْ بِكُمْ اَلْفَ فَارِسٍ مِّنْ بَنِيْ فِرَاسٍ اَبْنِ غَنَمٍ،

(خطبہ 25، جملہ 9 تا 12)

”اے اللہ میں یقیناً ان لوگوں سے دل تنگ اور ملول ہو چکا ہوں اور یہ لوگ مجھ سے دل تنگ اور ملول ہیں۔ اور میں ان سے مایوس اور اکتا چکا ہوں اور یہ بھی مجھ سے مایوس اور اکتا چکے ہیں۔ خدا یا ایسا کر کہ تو مجھے اُن کے بدلے میں ان سے اچھے لوگ عطا کر دے اور انہیں میرے بدلے میں برا حاکم دے دے۔ اے اللہ تو ان کے دلوں کو اس طرح گھول دے جس طرح پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔ مجھے بہت پسند آتا اگر تمھاری جگہ میرے ساتھ بنی فراس ابن غنم کے صرف ایک ہزار جوان ہوتے۔“

یہی وہ ملائین تھے جو امامِ برحق کی اطاعت اس لئے نہ کرتے تھے کہ وہ انہیں مالِ غنیمت اور لوٹ مار کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اور یہ ابو بکر و عمر و عثمان کی خلافوں کے دوران مالِ حرام کھانے اور اُس سے اپنے گھر بھرے رکھنے کے عادی تھے۔ یہ لوگ معاویہ سے گھر بیٹھے رشوتیں اور دُخانے لے رہے تھے اور اُس کے لئے زمینیں ہموار کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ اور عوام کو کوفہ میں اور دوسرے شہروں میں حضرت علیؑ کے خلاف اُکساتے رہتے تھے۔ چونکہ حضرت علیؑ کے مخلص ترین کوفہ میں آباد تھے اس لئے حضورؐ نے کوفہ والوں کو خبردار رہنے کیلئے تنبیہ کی ہے اور خطبہ کا پہلا اور دوسرا جملہ اُن ہی کیلئے فرمایا ہے کہ:

مَا هِيَ إِلَّا الْكُوفَةُ أَقْبَضُهَا وَ أَبْسَطُهَا، إِنَّ لَمْ تَكُونِي إِلَّا أَنْتِ تَهْتُبِ أَعَاصِيرُكَ فَفَبَحَكَ اللَّهُ (خطبہ 25 جملے 1-2)

”یہ اُس شہر کوفہ کی حالت ہے جس پر میرا قبضہ اور میرا بندوبست ہے۔ اے کوفہ والو! میرا قبضہ اور تسلط ہوتے ہوئے بھی اگر تمہارے اندر فتنہ و فساد کی آندھیاں چلنے لگی ہیں تو خدا تجھے بھی برباد کر دے۔ یعنی پھر مجھے کوفہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔“

اس خطبے میں حضورؐ نے دو شعر بھی فرمائے ہیں پہلے شعر میں اُسی کوفہ کے باشندوں کی قلت پر رنج آمیز فخر فرمایا ہے۔ یہ بتانا چاہا ہے کہ مجھے اپنے مد مقابل معاویہ کے مقابلے میں بہت تھوڑے سے وفا شعار و اطاعت گزار و حق پرور فردا کار لوگ ملے ہیں جن کی مثال اُس خالی برتن سے دی ہے جس میں خالی ہو جانے کے باوجود ذرا اور اسی چکنائی لگی رہ جاتی ہے۔ یعنی وفا پرستوں کی قلت ہے۔ دوسرے شعر میں بنی فراس کے بہادروں کی مدح کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ مدد طلب کرنے والے کی مدد کے لئے آنا فائنا پہنچتے ہیں اور ایسی نصرت کرتے ہیں کہ مدد طلب کرنے والا مطمئن ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے چاروں طرف ایسے لوگ موجود ہیں جو نہ خود مدد کے لئے تیار ہوتے ہیں نہ عوام تک میری آواز اور ضرورت کو پہنچاتے ہیں۔ یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ عوام نے کبھی بھی حضرت علیؑ علیہ السلام کی نصرت سے جان نہیں چُرائی۔ جیسے ہی اُن تک حضورؐ کی آواز پہنچتی تھی تن من دھن کی بازی لگا دیتے تھے۔ یہ تو بڑے بڑے لوگ تھے جو غداری یا سُستی کرتے تھے۔ اور پبلک کو فریب میں رکھتے تھے۔ اور اُنہی میں وہ لوگ بھی تھے جو معاویہ سے رومات لے کر وقت نکال دیتے تھے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 26

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 26

خطبہ ﴿26﴾

- 1- محمد پوری کائنات اور کائنات میں موجود مخلوقات کو متنبہ کرنے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔
- 2- آنحضرتؐ نزول کتبہائے خداوندی پر امین و خازن تھے۔
- 3- بعثت محمدیہ کے وقت عربوں کا دین شر اور فساد تھا اور ان کا جائے وقوع بھی جسمہِ شتر تھا۔
- 4- عربوں کی حالت اور کردار کی تفصیل، بدترین لوگ تھے۔
- 5- اہل بیت کے علاوہ کوئی بھی حضرت علیؑ کا ناصر و مددگار نہ تھا اور خانوادہ رسولؐ کو محفوظ رکھنے کیلئے علیؑ نے صبر کیا اور تکلیفیں برداشت کیں
- 6- معاویہ کے ہاتھوں لوگوں کا پکنا اور اس کا دھڑا دھڑ لوگوں کو دولت و جاگیر کے بدلے میں خریدنا۔
- 7- حضرت علیؑ اپنے ساتھیوں کو جنگ کیلئے تیاری کرنے اور سامان خود مہیا کرنے کی تاکید فرماتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جنگ کی آگ بھڑکادی گئی ہے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	بلاشبہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو پوری کائنات کی مخلوقات کو اللہ کے احکامات پہنچانے اور خبردار کرتے رہنے کے لئے مبعوث کیا تھا۔	اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ) نَذِيْرًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ؛
2	اور انہیں تمام نازل ہونے والے احکام اور کتابوں کا امین و محافظ بنایا تھا۔	وَاْمِيْنًا عَلٰى التَّنْزِيْلِ ؛
3	اے عربی معاشرہ کے لوگو تم اس وقت شر و فساد والے دین پر تھے اور تمہارا ٹھکانہ بھی شر و فساد میں ڈوبا ہوا تھا۔	وَاَنْتُمْ مَّعَشَرَ الْعَرَبِ عَلٰى شَرِّ دِيْنٍ وَّ فِى شَرِّ دَارٍ ؛
4	تم کھر درے پتھروں اور زہریلے سانپوں کے اندر بستے اور گزر کیا کرتے تھے۔	مُتَنَحِّوْنَ بَيْنَ حِجَارَةٍ خُسْنٍ وَّ حَيَاتٍ صَمِّمٍ
5	گدلا اور گند اپانی پیا کرتے تھے۔	تَشْرَبُوْنَ الْكَلْدَرَ ؛
6	اور کوڑا کرکٹ و گندہ کھانا کھاتے تھے۔	وَتَاْكُلُوْنَ الْجَشْبَ ؛
7	اور آپس میں ایک دوسرے کا خون بہایا کرتے تھے۔	وَتَسْفِكُوْنَ دِمَآئِكُمْ ؛
8	اور اپنی نسل کشی کیا کرتے تھے۔	وَتَقَطَّعُوْنَ اَرْحَامَكُمْ ؛
9	تمہارے درمیان مجھے مستحکم مقام و منصب رکھتے تھے۔	الْاَصْنََامُ فِیْكُمْ مِّنْصُوْبَةٍ ؛
10	اور گناہ تم سے لپٹے ہوئے ہیں۔	وَالْاٰثَامُ بِكُمْ مَّعْصُوْبَةٌ ؛

11	میں نے دیکھا کہ اچانک وہاں تو میرے اہل بیت کے علاوہ کوئی ایک بھی میرا معین و مددگار نہ رہا۔	فَنظَرْتُ فَإِذَا لَيْسَ لِي مُعِينٌ إِلَّا أَهْلُ بَيْتِي
12	چنانچہ میں نے اپنے اہل بیت کو موت کے منہ میں بھیجنے میں کنجوسی کر لی۔	فَصَنِنْتُ بِهِمْ عَنِ الْمَوْتِ ؛
13	آنکھوں میں گرد و غبار اڑنے کو میں نے نظر انداز کر دیا۔	وَاعْضَيْتُ عَلَى الْقَذَى ؛
14	اور تاسف و غمگینی کو مفید سمجھ کر پی لیا۔ یعنی برداشت کر لیا	وَشَرِبْتُ عَلَى الشَّجَى ؛
15	اپنے غصہ کو پی جانے میں میں نے صبر سے کام لیا۔	وَصَبَرْتُ عَلَى أَحَدِ الْكَظْمِ ؛
16	اور صبر ہی کے ساتھ تھوہرا ایسی کڑوی صورت حال کو ہضم کر لیا۔	وَعَلَى أَمْرٍ مِنْ طَعْمِ الْعَلَقَمِ ؛
17	اور اُس (عمر و بن عاص) نے معاویہ سے اُس وقت تک بیعت نہ کی جب تک اپنی بیعت کی قیمت ادا کرنے کی شرط نہ منوالی۔	وَلَمْ يُبَايِعْ حَتَّى شَرَطَ أَنْ يُؤْتِيَهُ عَلَى الْبَيْعَةِ ثَمَنًا ؛
18	چنانچہ اس بیعت کرنے والے کو فسخ و ظفر ہاتھ نہ آئے۔	فَلَا ظَفِرَتْ يَدُ الْبَايِعِ ؛
19	اور بیعت خریدنے والے کو اپنی سپردہ امانت میں ذلت اٹھانا پڑے۔	وَخَزِيئَةُ أَمَانَةِ الْمُبْتَاعِ ؛
20	چنانچہ اب تم لوگ جنگ کی تیاریاں شروع کر دو۔	فَخُذُوا لِلْحَرْبِ أُهْبَتَهَا ؛
21	اور اس کا تمام سامان تیار و مہیا کر لو۔	وَأَعِدُّوا لَهَا عِدَّتَهَا ؛
22	جنگ کی آگ بھڑکادی گئی ہے	فَقَدْ شَبَّ لَظَاهَا ؛
23	اور اس کے شعلے بلند ہو چکے ہیں۔	وَعَالَسَنَاهَا ؛
23	صبر کو اپنا شعار بنا لو اس لئے کہ صبر فتح و نصرت کو قریب لے آتا ہے۔	وَأَسْتَشْعِرُوا الصَّبْرَ فَإِنَّهُ أَدْعَى إِلَى النَّصْرِ ؛

تشریحات

اس خطبہ (26) میں قریش اور عرب کی پیدائش اور وجود، روز اول سے بیان کیا گیا ہے اور علیؑ و محمدؐ کے شجرہ کو سامنے لایا گیا ہے لہذا بیان الامامة کی تشریحات جس نے نہیں پڑھیں وہ نہ قریش اور عرب کو جانتا ہے نہ خانوادہ نبوت و امامت سے واقف ہے۔ خطبہ 26 کی تشریحات دوسو اٹھیس قلمی (219) صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ مکمل اطلاعات درکار ہوں تو بیان الامامة مکمل پڑھیں تاکہ آپ کو علماء کی خیانتیں بھی معلوم ہو جائیں اور یہ بھی پتہ لگے کہ قریش کا علیؑ و محمدؐ کے خاندان اور نسل سے کوئی تعلق نہیں۔ اس خطبہ (26) میں عمر و عاص کا معاویہ سے یہ معاہدہ بھی مذکور ہے جس میں اُس نے اپنے دین اور تعاون کی قیمت مصر کی حکومت کے وعدہ کی صورت میں وصول کی تھی۔

خطبے سے تعارف:-

نہج البلاغہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رضی صاحب رضی اللہ عنہ نے اس خطبے میں پہلے وہ بیان لکھا جو حضرت علیؑ علیہ السلام نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور پوزیشن بیان کرنے اور عربوں کی حالت یاد دلانے پر دیا ہے۔ اس کے بعد رضی صاحب نے اپنی عادت کے مطابق ایک بالکل مختلف بیان لا کر لکھ دیا اور لکھ دیا کہ یہ بیان بھی اسی خطبے کا حصہ ہے (وَمِنْهَا) پھر ایک اور بیان لا کر اور وَمِنْهَا لکھ کر اسی خطبے میں جوڑ دیا ہے اگر رضی صاحب خطبے کے تیس (23) جملے مسلسل لکھتے چلے گئے ہوتے تو کسی کو کچھ سوچنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہر قاری یہ سمجھ لیتا کہ حضورؐ نے خود ہی اس خطبے میں تین مختلف عنوانات پر تقریر فرمائی ہے۔ لیکن رضی صاحب کا دو مرتبہ ”وَمِنْهَا“ لکھ کر مختلف عنوانات کو ملانے اور انہیں اسی خطبے کا جُز بتانے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ خطبہ انہیں ایک ہی جگہ لکھا ہوا ملتا تھا تو دو مرتبہ بیچ میں ”وَمِنْهَا“ لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر یہ متفرق مقامات پر لکھے ہوئے تین مختلف عنوانات تھے تو کس دلیل سے انہیں ایک ہی خطبہ قرار دیا گیا ہے؟ اور کیوں نہ ان تینوں کو الگ الگ خطبہ قرار دیا گیا جیسا کہ اکثر علامہ نے دو دو تین تین جملوں کو پورا خطبہ کہہ کر لکھ دیا ہے؟ یعنی صورت حال کو خود علامہ حضورؐ نے مشکوک کر دیا ہے۔ اور جیسا کہ اکثر ریمارکس دیتے رہے ہیں، یہاں کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔ بہر حال ہم نے حسب سابق ”وَمِنْهَا“ کے دُم چھلے کوچ البلاغہ سے ساقط و خارج کر دیا ہے تاکہ آئندہ یہ مشکوک صورت حال آگے نہ بڑھے۔ اور یہاں خطبے کی تشریح اس حیثیت سے پیش کرتے ہیں کہ گویا حضور علیہ السلام نے تین عنوانات پر تقریر فرمائی تھی۔

1۔ اپنے مخاطب مسلمانوں کے سامنے اللہ کے ساتھ ساتھ ہی آنحضرتؐ کی ہمہ گیر پوزیشن پیش کر کے خلافت پر متوجہ فرمایا ہے

عہد مرتضوی کے مسلمان بھی اللہ کو پوری کائنات کا خالق و رازق و مالک مانتے تھے اور آج تک تمام مسلمان مانتے ہیں۔ مگر ان کا یا ان کا اللہ کو ایسا ماننا بالکل اسی طرح کا تھا جیسا کہ بعثت رسولؐ سے پہلے کے قریش مانتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے منکر قریش بھی اللہ کو کائنات کا خالق و مالک و رازق اور واحد و احد مانتے تھے۔ چنانچہ اللہ نے قریش کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ سے فرمایا ہے کہ:

(1) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاسْحَرَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ؟ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (عنکبوت 29/61) (31/24)

”اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو مطبوع کیا ہوا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ

نے۔ (31/24, 29/61, 39/38, 43/9)

(2) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (29/63)

”اور اگر آپ ان سے یہ پوچھیں کہ وہ کون ہے جو آسمانوں سے پانی اتارتا ہے اور اُس پانی سے زمین کو مر جانے کے بعد پھر زندہ کر دیتا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ وہ اللہ ہے“

(3) قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَبِّحُوا لِلَّهِ (يونس 10/31)

”ان سے پوچھو کہ تمہیں زمین اور آسمان سے رزق کون دیتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے اور وہ کون ہے جو بے جان

چیزوں میں سے جاندار اور جانداروں میں سے بے جان پیدا کر دیتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو نظام کائنات کا بندوبست کرتا ہے وہ جلدی سے کہہ

دیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے۔“

(4) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (زخرف 43/87)

”اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہہ دیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے“

(5) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿43/9﴾

”اور اگر تم یہ سوال کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اُن کو ہر حال میں غالب رہنے والے اور ہر چیز کو جاننے والے نے پیدا کیا ہے۔“

قرآن کریم نے طرح طرح یہ بتایا ہے کہ عرب اور مکہ کے باشندے عموماً اور قریش خصوصاً بعثتِ رسول سے پہلے بھی اللہ کے متعلق وہی عقائد و تصورات رکھتے تھے جو اسلام لانے کے بعد انہوں نے برقرار رکھے تھے۔ چنانچہ مرتضویؒ نے زمانے کے مسلمانوں کو بھی اتنا تو ماننا ہی تھا کہ اللہ اُن کا اور ساری کائنات کا اور تمام کائناتی مخلوقات کا خالق و رازق و مالک و منتظم اور زندگی و موت دینے والا اور ہر حال میں ہر چیز سے باخبر اور پوری کائنات پر غلبہ رکھنے والا ہے۔ اور یہی کچھ مندرجہ بالا آیات (31/24, 29/61, 29/63, 10/31, 43/87, 43/9) میں بھی فرمایا گیا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ اس حقیقت سے قرآن کا کوئی صفحہ خالی نہیں ہے۔ قرآن کی اسی حقیقت کو حضرت علیؑ علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے مسلمانوں کے سامنے اس صورت میں رکھا ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا نَّذِيْرًا لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (خطبہ نمبر 26 جملہ نمبر 1)

”یقیناً اللہ نے محمدؐ کو تمام عالمین پر ایک نذیر کی حیثیت سے مبعوث فرمایا ہے۔“

حضرت علیؑ علیہ السلام کو بھی اور قارئین کو بھی یہ امید ہونا چاہئے کہ عہد مرتضویؒ کے مسلمان آپ کے اس جملے کو نہ صرف مانیں گے بلکہ اس پر پہلے سے پورا پورا ایمان بھی رکھتے ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ بات تو اللہ نے بہت پہلے قرآن میں یوں بھی فرمادی تھی کہ:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنُ لِّلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴿25/1﴾ (سورہ فرقان)

”بہت ہی برکتوں والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر حق اور باطل میں، صحیح اور غلط میں، جائز و ناجائز میں فرق کر دینے والا نازل کر دیا۔ تاکہ وہ تمام عالمین کو خبردار کرنے والا بن جائے۔ یعنی جو تمام عالمین کو حق و باطل سے، صحیح اور غلط سے اور جائز و ناجائز سے خبردار رکھے۔ باطل اور غلط اور ناجائز سے ڈراتا اور حق و راستی اور جائز کی طرف موڑتا رہے۔“

حضرت علیؑ اور ہمارے قارئین کو یہ بھی امید ہونا اور رہنا چاہئے کہ مسلمان روزانہ پانچ مرتبہ نمازوں میں سورہ (الحمد) کم از کم دس مرتبہ پڑھتے یا سنتے ہوں گے اور وہاں اللہ کے ”رب العالمین“ ہونے کو مانتے ہوں گے اور یہ سمجھتے ہوں گے کہ تمام عالمین کو ربوبیت یعنی پرورش و پرداخت کی ضرورت ہے اسی لئے اللہ نے خود کو عالمین کا رب فرمایا ہے اور وہ سارے عالمین کی پرورش و پرداخت اور دیکھ بھال و حفاظت کرتا ہے۔ لہذا مسلمانوں کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت و تکلف نہیں ہونا چاہئے کہ جن عالمین کی اللہ ربوبیت کرتا ہے اُن کو حق و باطل، صحیح و غلط اور جائز و ناجائز سے خبردار رکھنے کی بھی ضرورت ہے اور یہ ضرورت بھی عالمین کی ربوبیت میں شامل ہے۔ لہذا ربوبیت کے اس حصہ کو پورا کرنے کے لئے اللہ نے اپنے بندے محمدؐ کو فرقان دے کر ساری کائنات کو خبردار رکھنے والا بنا کر متعین کر دیا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔ یعنی آنحضرتؐ کا انسان ہونا، بشر ہونا اور زمین پر بلکہ مکہ و مدینہ میں رہنا اُن کے اس فریضے میں رکاوٹ نہ تھا۔ وہ جہاں بھی ہوتے تھے جس حال میں بھی رہتے تھے پوری کائنات اور تمام کائناتی مخلوقات پر نظر رکھتے تھے اور کسی لمحہ اُن کو خبردار رکھنے سے غافل نہ ہوتے تھے۔ غالباً اسی لئے سوتے ہوئے بھی سب کچھ سنتے اور ماحول سے خبردار رہتے تھے اور آگے دیکھتے ہوئے بھی پیچھے اور چاروں طرف دیکھنے پر قادر تھے۔ یعنی جو ساری کائنات کو

خبردار رکھنے کے ذمہ دار پیدا کئے گئے تھے وہ یقیناً اپنی ذات سے ہرگز غافل نہ رہ سکتے تھے۔ لہذا حضورؐ سے کسی وقت اور کسی حالت میں غفلت یا غلطی سرزد ہو جانا ممکن نہ تھا ورنہ وہ یہ کائناتی ذمہ داری پوری نہ کر سکتے تھے۔ اور یہ ہونی نہیں سکتا کہ اللہ جس کو جس کام کی قدرت دے یا جس کام کیلئے بنائے وہ اُس کام میں خرابی کر سکے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی عہد رسولؐ سے عہد متضویٰ تک اور عہد متضویٰ سے لے کر ہمارے زمانہ تک مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "نَذِيرٌ لِّلْعَالَمِينَ" مانا ہے؟ یعنی کیا واقعی وہ قرآن (فرقان 25/1) پر ایمان رکھتے تھے اور ایمان رکھتے ہیں؟ پھر قرآن کریم میں اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:-

2- قریشی مسلمانوں نے کبھی بھی آنحضرتؐ کو نذیر للعالمین اور رحمۃ للعالمین نہیں مانا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (21/107)

”ہم نے تو تجھے بھیجا ہی اس لئے ہے کہ تو تمام عالمین کے لئے رحمت بن کر رہے“ (انبیاء 21/107)

معلوم ہوا کہ حضورؐ ساری کائنات کے نذیر ہی نہیں بلکہ پوری کائنات پر رحمت بھی ہیں۔ اور اسی رحمت کے لئے یہ بھی فرمادیا ہے کہ:- ”میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے“ (وَ رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ) (اعراف 7/156) لہذا اب سوال یہ ہے کہ کیا مذکورہ مسلمان آنحضرتؐ کو کائنات کی ہر چیز تک رسائی رکھنے والی رحمت اور ہر چیز کے ساتھ رہنے والے نذیر مانتے تھے یا آج مانتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

3- قریشی علماء محمدؐ کے ساتھ علیؑ کی خلافت کی وجہ سے ہمیشہ بددیانت رہے قرآن کے معنی بدلتے رہے۔

ہم نے نبج البلاغہ کی اولین تشریحات میں قرآن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوزیشن کو بھرپور طریقے سے ثابت کر دیا ہے۔ یہاں صرف یہ دکھا کر آگے بڑھ جائیں گے کہ آنحضرتؐ کی قرآنی پوزیشن تسلیم کر لینے کے بعد قریش کو یہ موقع نہ ملتا تھا کہ وہ رسولؐ کے جانشین بن کر اپنی حکومت قائم کر لیتے۔ لہذا انہوں نے رسولؐ کو (معاذ اللہ) وحی کی مجبوری کے علاوہ، اپنے جیسا ایک انسان ایک آدمی اور ایک بشر مانا اور اس طرح اُن کی جگہ حکومت الہیہ سنبھال لی اور علیؑ کو محروم کر دیا۔ چنانچہ قریش نے آنحضرتؐ کے لئے جو عقائد و تصورات رائج کئے تھے اور جو مذہب دنیا کو دیا تھا اس مذہب کے علما نے رسولؐ کو وہی کچھ سمجھا جو ابو بکر و عمر وغیرہ نے سمجھا یا تھا۔ اس لئے اُن کے علما نے بھی آنحضرتؐ کے ساتھ کھلی کھلی بے ایمانی اور بددیانتی جاری رکھی ہے۔ چنانچہ زیر گفتگو آیات میں آئے ہوئے لفظ ”العالمین“ کے معنی میں علامہ مودودی کی بددیانتی دکھا دینا ضروری سمجھتے ہیں لہذا العالمین کے معنی ملاحظہ ہوں:-

لفظ العالمین کے اللہ اور محمدؐ کے حق میں مختلف معنی۔

(1) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

”تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے“ (سورہ فاتحہ پہلی آیت۔ تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 43)

(2) قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (بقرہ 2/131)

”اُس نے فوراً کہا میں مالکِ کائنات کا مسلم ہو گیا“ (ایضاً صفحہ 113)

(3) وَ اٰمِرْنَا لِنُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (انعام 6/71)

”ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ مالکِ کائنات کے آگے سرِ اطاعت خم کر دو“ (ایضاً صفحہ 551)

ان تینوں مثالوں میں مودودی نے لفظ عالمین کا ترجمہ ”کائنات“ کیا ہے۔ اور دیکھئے:

(1) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢١١﴾ (انبیاء 21/107)

”اے محمدؐ نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 189)
”دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ:-

”ہم نے تم کو دنیا والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے“ (ایضاً صفحہ 192، حاشیہ 100)

(2) تَبَرَّكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ﴿٢٥١﴾ (25/1)

”نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کیلئے نذیر ہو“ (فرقان 25/1 ایضاً جلد 3 صفحہ 431-432)
”پھر یہ جو فرمایا کہ“ سارے جہاں والوں کیلئے نذیر ہو“ تو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی دعوت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کسی ایک ملک کے لئے نہیں پوری دنیا کے لئے ہے۔ اور اپنے ہی زمانہ کے لئے نہیں آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہے“۔ (ایضاً جلد 3 صفحہ 432)

(3) إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٢٤﴾ (یوسف 12/104)

”یہ تو ایک نصیحت ہے جو دنیا والوں کیلئے عام ہے“۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 434 - 435)

ہمارا خیال ہے کہ مودودی کی اس ترجمانی پر بیمار کس دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ انہیں ضرورت ہے اس امر کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور انکی کتاب قرآن کو جس طرح ہو سکے گھیر کر دنیا میں محصور رکھا جائے۔ بہر حال اللہ نے آنحضرتؐ کو اور قرآن کو وہی ہمہ گیر پوزیشن دی ہے جو اپنی ربوبیت اور بادشاہت کے لئے بیان فرمائی ہے۔ اور انہیں پوری کائنات کا نذیر اس لئے بنایا تھا کہ وہ حضرتؐ ساری کائنات پر اللہ کے نائب اور خلیفہ اور جانشین رہ کر وہ تمام خدمات اور فرائض انجام دیں جن کیلئے ان حضرتؐ کو مادی و مشہود جسم و صورت دی گئی تھی۔ تاکہ انہیں دیکھ کر اللہ کو دیکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ ان کی قوت و قدرت اللہ کی قوت و قدرت کو ثابت کرے۔ ان کی اطاعت و فرمانبرداری اللہ کی اطاعت و فرماں برداری ہو۔ ان کی خوشنودی اور خفگی اللہ کی خوشنودی و خفگی ہو۔ ان کی حکومت اللہ کی فرمانروائی ہو اسی لئے سورہ فرقان کی پہلی آیت میں جہاں حضورؐ کو پوری کائنات کا نذیر قرار دیا ہے وہیں اگلی آیت میں یہ بتا دیا ہے کہ جس نے محمدؐ کو تمام عالمین پر نذیر بنایا ہے وہ وہی ہے۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَّخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيْرًا ﴿٢٥٢﴾ (فرقان 25/2)

”جو زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہت کا تنہا مالک ہے اُس کی بادشاہت میں کوئی حصہ دار و شریک نہیں ہے اور نہ ہی اُس نے کسی کو اپنی ملکیت اور بادشاہت و وراثت میں حصہ دینے کی غرض سے اپنا بیٹا بنایا ہے۔ اس لئے کہ اُس نے تو ہر چیز کو پیدا کر کے اُن کے لئے مستقل قوانین تقدیرات و مقدرات طے کر دیئے ہیں“۔

اس آیت کو ساتھ کے ساتھ بیان کر دینے سے مقصود یہ ہے کہ محمدؐ بھی میری مخلوق اور میرا بندہ ہے۔ جسے قوانین مقدرات کی رو سے پوری کائنات کی اور کائناتی مخلوقات کی تندر کرنا ہے۔ اور میری حکومت و بادشاہت میں کسی کو اپنے فرائض سے غافل نہیں ہونے دینا ہے۔ غلط کھج سے اور باطل کو حق سے اور جائز کو ناجائز سے مخلوط نہیں ہونے دینا ہے۔ اور ہر مخلوق کو احکام خداوندی بروقت و قبل از وقت فراہم کرنا ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضورؐ کے بعد قیامت تک ہر مخلوق کو ہدایت و تندریر کی مسلسل ضرورت رہتی چلی جائے گی اس لئے حضورؐ کا نائب و خلیفہ اور جانشین وہی ذات والا

صفات ہو سکتی ہے جو پوری کائنات کی ہر چیز تک رسائی رکھتی ہو سب کو جانتی پہچانتی اور ان سے متعلق مقدرات و تقدیرات پر مطلع ہو۔ یہ دُھنئے، جولاہے، تیلی، تنبولی اور قصاب و جوام و جراح تو کسی طرح حکومتِ الہیہ کو سنبھالنے اور سمجھنے کے قابل نہیں یہ تو اسی کا کام ہے جو سارے عرب سے کہتا رہا کہ: أَيُّهَا النَّاسُ سَلُونِي قَبْلَ أَنْ تَفْقِدُونِي، فَلَا نَابِطُرُقِ السَّمَاءِ أَعْلَمُ مِنِّي بِطُرُقِ الْأَرْضِ... الخ (خطبہ 187)

”اے لوگو مجھے کھودینے سے پہلے پہلے لوگ زمین اور آسمانوں کے متعلق مجھ سے جوچا ہو دریافت کر لو۔ یہ سمجھ لو کہ میں زمین کے راستوں سے زیادہ آسمانوں کی راہوں کو جانتا ہوں۔“

4- حضرت علیؑ کے فداکار مسلمان علیؑ کو بالکل وہی مقام دیتے تھے جو اللہ، رسول اور قرآن نے دیا تھا۔

قارئین سوچیں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے تمام مخاطب عربی زبان جانتے اور بولتے تھے اُن کے مجمع میں یہ اعلان کرنا کہ وہ زمین کے راستوں سے آسمان کے راستوں کو زیادہ جانتے ہیں اس بات کا ثبوت ہے کہ حضورؐ وہ تمام علوم و قدرت و صفات رکھتے تھے جو نذیر للعالمین اور رحمة للعالمین کیلئے ضروری ہیں اور کیوں نہ ہوں اُدھر آپؐ جزائے محمدیؐ کے نور ہیں۔ اُدھر روزِ ازل سے وہ سارا علم آپؐ کے سینے میں موجود ہے جو قرآن کی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا (عنکبوت 29/49) اُن پر کائناتی علوم کا عالم ہونا سو فیصد صادق آتا ہے۔ اس لئے آپؐ نے اپنے مخاطب مسلمانوں کو یاد دلایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزِ ازل سے اس پوری کائنات کیلئے رحمت و نذیر تھے۔ مملکتِ خداوندی یا حکومتِ الہیہ کے فرمانروا اور بادشاہ تھے اُن کا جانشین بھی اُن تمام صفات کا حامل ہونا چاہئے کہ اُن ہمہ گیر کائناتی ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔

5- آنحضرتؐ کی دوسری صفت، تمام اہل بیتؑ تمام کتب اور وحی کے نازل ہونے پر امین و محافظ۔

یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ حضورؐ اپنی ظاہری پیدائش کے بعد کائنات کے لئے رحمت و نذیر بنائے گئے ہوں گے۔ اس لئے کہ کائنات کی ہر مخلوق کی ضرورتیں اُن کی پیدائش کے ساتھ ہی ساتھ شروع ہونا فطری ہے لہذا کروڑوں اربوں سال تک کائنات کو رحمت و تنذیر و ہدایت سے محروم رکھنا نہ صرف عدل و فطری ضرورت کے خلاف ہے بلکہ ایسا فعل ہے جسے کوئی احمق بھی نہ کرے گا۔ لہذا حضورؐ کا نور کائنات کی تخلیق سے کروڑوں اربوں سال پہلے پیدا کیا گیا تھا وہ جناب اُسی وقت سے مجسم رحمت و نذارت تھے۔ پھر حضورؐ کے لئے حضرت علیؑ کا دوسرا جملہ یہ ہے کہ:

وَ اَمِينًا عَلَي السَّنَنِ (خطبہ 26 جملہ 2) ”اور اللہ نے اُن کو تمام نازل ہونے والی، وحی اور کتب کا امین بنایا تھا“ (خطبہ 26 جملہ 2)

اس جملے کو سمجھنے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ لفظ ”تَسْنِينٌ“ مصدر ہے جس سے بہت سے الفاظ بنتے ہیں۔ اور اس کے معنی ہیں ”اُتارنا“ اسی کی تفصیل لغات القرآن مولفہ مولانا محمد عبدالرشید صاحب سے سینے:-

”تَسْنِينٌ“ = اُتارنا۔ بروزن تَفْعِيلٌ، مصدر ہے ”تَسْنِينٌ اور“ اَنْزَالٌ“ میں یہ فرق ہے کہ تنزیل میں ترتیب اور یکے بعد دیگرے تفریق کے ساتھ اُتارنا ملحوظ ہوتا ہے۔ اور ”اَنْزَالٌ“ عام ہے۔ ایک دم کسی شے کے اُتارنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اور یکے بعد دیگرے ترتیب سے اُتارنے کیلئے بھی آتا ہے۔ (جلد 2 صفحہ 195)

یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ قرآن نے لفظ ”اَنْزَالٌ“ کو جگہ نہیں دی ہے۔ اور لفظ تَسْنِينٌ اور اس سے بننے والے الفاظ کو بار بار اور بار بار استعمال کیا ہے۔ پھر یہ سمجھئے کہ حضرت علیؑ، رسول اللہؐ کو ”نازل شدہ“ یا مَنزُولٌ وحی کا امین نہیں فرما رہے ہیں۔ یعنی آپؐ نے یہ نہیں کہا کہ حضورؐ قرآن کے یا نازل ہو چکنے والی وحی کے محافظ تھے یا امین تھے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ حضورؐ ”وحی اُتارنے کے امین تھے“۔ اگر یہ کہا گیا ہوتا کہ حضورؐ نازل شدہ وحی کے یا نازل ہو چکنے

والی وحی کے یا قرآن کے امین تھے تو لفظ تَنْزِيلٌ کی جگہ لفظ مُنْزَلٌ فرمایا جاتا۔ یعنی مفعول صورت بولی جاتی۔ یہ لفظ بھی قرآن کریم میں ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اُس کی صورت، معنی اور تفصیل بھی لغات القرآن سے دیکھتے چلیں: مُنْزَلٌ۔ اسم مفعول واحد مذکر، تَنْزِيلٌ مصدر (تفعلیل)، اُتارا گیا، بھیجا گیا۔ (جلد 5 صفحہ 420)

6۔ لفظ تنزیل اور مُنْزَل کے معنی کے تعین کی بحث کا فیصلہ قرآن کریم سے ملاحظہ کر لیں۔

اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ الفاظ مُنْزَل اور تَنْزِيل کا استعمال قرآن کریم سے بھی دیکھ لیں ارشاد ہے:

لَفْظُ مُنْزَلٌ: - اَلَيْكُمُ الْكِتَابُ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ اَتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ اَنَّهُ مُنْزَلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (انعام 6/114)

”اور وہی حقیقی فیصلہ کرنے والا ہے جس نے تم سب لوگوں کی طرف ایک مکمل اور مفصل کتاب بھیجی ہے۔ اور جن لوگوں کو یہ مکمل و مفصل کتاب دی گئی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتاری گئی ہے چنانچہ اے رسول تم ان میں شامل نہ ہونا جو باآباکر الفاظ کے معنی نچوڑتے ہیں“

(ب) لَفْظُ تَنْزِيلٌ: - اَلَمْ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سجده 2-32/1) (زمر 39/1) (مومن 40/2)

”ال (آل محمد) اس مکمل کتاب کا اُتارنا بلا کسی گجھک کے اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔“

اس گفتگو کے بعد پہلی بات یہ سنیں کہ امین وہ شخص ہوتا ہے جس کو کوئی چیز واپسی کی صحیح استعمال کی شرط پر سپرد کر دی جائے لہذا لامحالہ ایک امین خود محافظ بھی ہوتا ہے۔ لہذا حضور تنزیل کے امین بھی تھے اور محافظ بھی تھے۔ یعنی تنزیل کا سارا سامان سرکار علیہ السلام کے سپرد تھا اور اُن ہی کی نگرانی میں وحی و احکام خداوندی نازل ہوتے تھے۔

7۔ تنزیل کی امانت و حفاظت اور ترسیل و تنزیل پر معصوم احادیث میں محمد و آئمہ ذخیرہ علم و رسالت ہیں۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع کو قطعاً مکمل کر دیا جائے اور احادیث سے بھی دکھا دیا جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے جانشین آئمہ علیہم السلام نہ صرف تنزیل کے ہی امین تھے بلکہ وہ حضرات تو اللہ کی طرف سے اُن تمام مکملہ علوم کا ذخیرہ تھے اُس کے محافظ اور مخلوقات کو عطا کرنے کے ذمہ دار تھے۔ قرآن اور اس سے پہلے آنے والی تمام کتابوں اور وحی کا منبع و مصدر لوح محفوظ ہے۔ اور یہ حضرات لوح محفوظ کے عالم تھے۔ تمام نبوتوں اور رسالتوں کے معدن یعنی کان (MINES) تھے۔ یعنی ”عَيْنَةُ الْوَحْيِ“ (LEATHER BAG چمڑے کے بیگ) وحی رکھنے کا صندوق تھے۔ (وغیرہ)

(1) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَثِيرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ:

نَحْنُ وَوَلَاةُ أَمْرِ اللَّهِ وَخَزَنَةُ عِلْمِ اللَّهِ وَعَيْنَةُ وَحْيِ اللَّهِ (كافي كتاب الحجّة باب الاثمة وولاية أمر الله و خزانة علمه)

ترجمہ: ”حضرت عبدالرحمن بن کثیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:-

”ہم اللہ کی طرف سے اُس کی حکومت کے حکمراں ہیں۔ ہم اللہ کے علم کے خزانچی اور محافظ ہیں ہم اللہ کی وحی کے صندوق ہیں۔“

اللہ کی وحی کے مترجم اور اللہ کے علم کے خازن و محافظ ہیں۔

(2) - وَاللّٰهِ اِنَّا لَخَزَانُ اللّٰهِ فِي سَمَائِهِ وَاَرْضِهِ، وَنَحْنُ تَرَاجِمَةُ وَحْيِ اللّٰهِ وَنَحْنُ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ مَن دُونَ السَّمَاءِ و

مَنْ فَوْقِ الْأَرْضِ - (ایضاً حدیث نمبر 2-3)

”جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ یقیناً ہم آسمان وزمین پر اللہ کے علوم کے خازن و محافظ ہیں اور اللہ کی وحی کے مترجم ہیں۔ اور آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر جتنی مخلوقات ہیں ہم اُن سب تک پہنچنے والی جنت ہیں۔“

(3) - اَنَا عَيْنُ اللَّهِ وَ اَنَا يَدُ اللَّهِ وَ اَنَا جَنْبُ اللَّهِ، وَ اَنَا بَابُ اللَّهِ - الخ (بصائر الدرجات)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میں اللہ کی آنکھیں ہوں، میں اللہ کے ہاتھ ہوں، میں اللہ کا جانب دار ہوں، پہلو نشین، مصاحب ہوں (سورہ زمر 39/56) میں اللہ تک پہنچنے کا دروازہ ہوں۔“

(4) - نَحْنُ جَنْبُ اللَّهِ وَ نَحْنُ الطَّرِيقُ وَ صِرَاطُ اللَّهِ الْمُسْتَقِيمِ اِلَى اللَّهِ وَ نَحْنُ مَعْدَنُ النَّبُوَّةِ وَ نَحْنُ مَوْضِعُ الرِّسَالَةِ وَ نَحْنُ الَّذِينَ الْيَنَاتُخْتَلِفُ الْمَلَائِكَةُ نَحْنُ حُجَّةُ اللَّهِ وَ نَحْنُ بَابُ اللَّهِ وَ نَحْنُ لِسَانُ اللَّهِ وَ نَحْنُ وَجْهُ اللَّهِ وَ نَحْنُ عَيْنُ اللَّهِ فِي خَلْقِهِ وَ نَحْنُ وِلَاةُ اَمْرِ اللَّهِ فِي عِبَادِهِ - (ایضاً بصائر الدرجات)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم اللہ کے جانب دار، پہلو نشین، مصاحب ہیں (سورہ زمر 39/56) اور ہم راہ خداوندی ہیں، وہ قائم و برقرار رہنے والا (صراط مستقیم) راستہ ہیں جو اللہ کی طرف لے جاتا ہے۔ ہم نبوت کی کان (Mine) ہیں اور ہم رسالت جاری کرنے کا مقام ہیں۔ ہم ہی وہ لوگ ہیں جن پر آنے جانے والے ملائکہ کا ہجوم رہتا ہے۔ اور ہم اللہ کی جیتے ہیں اور اللہ کی طرف جانے والا دروازہ ہیں۔ ہم اللہ کی زبان ہیں اور ہم اللہ کا چہرہ ہیں، ہم مخلوقات کے اندر اللہ کی آنکھیں ہیں اور ہم اللہ کے تمام بندوں پر اللہ کے احکامات نافذ کرنے والے اللہ کی طرف سے حکمران ہیں۔“

آخر میں حضرت علی علیہ السلام کا ایک طویل بیان ہے جسے حضور نے امامت کے مقام کا تعارف کراتے ہوئے جناب طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے دیا ہے۔ اگر ہم یہ سارا بیان لکھیں تو آٹھ دس صفحات پر ختم ہوگا مگر امام اور امامت کا ہر پہلو مکمل ہو جائے گا۔ ہم اختصار کی غرض سے اس میں سے چند متعلقہ جملے لکھتے ہیں تاکہ حضور کے جملے ”اَمِينًا عَلَي السَّنَائِلِ“ پر روشنی پڑ جائے۔

سُنَّے ارشاد ہے:

(5) - قَالَ يَا طَارِقَ الْاِمَامُ كَلِمَةُ اللَّهِ، وَ حُجَّةُ اللَّهِ وَ نُوْرُ اللَّهِ وَ حِجَابُ اللَّهِ وَ آيَةُ اللَّهِ بِخِتَارِهِ اللَّهُ..... وَ الْاِمَامُ يَا طَارِقَ بَشَرٌ مَلِكِيٌّ وَ جَسَدٌ سَمَائِيٌّ وَ اَمْرٌ اِلَهِيٌّ وَ رُوْحٌ قُدْسِيٌّ وَ مَقَامٌ عَلِيٌّ وَ نُوْرٌ جَلِيٌّ وَ سِرٌّ خَفِيٌّ فَهُوَ مَلِكُنِي الدَّاتِ، اِلَهِي الصِّفَاتِ، مُبْدِءُ الْوُجُوْدِ وَ غَايَتُهُ وَ قُدْرَةُ الرَّبِّ وَ مَشِيئَتُهُ وَ اُمُّ الْكِتَابِ وَ خَاتَمَتُهُ وَ خَزَنَةُ الْوَحْيِ حَفِظْتَهُ وَ مَعْدَنُ السَّنَائِلِ وَ نَهَايَتُهُ.. الخ (كتاب العوالم)

(5) ”فرمایا کہ اے طارق خدا کی طرف سے جو امام ہوتا ہے وہ تو اللہ کا کلمہ ہوتا ہے اُس کی حجت ہوتا ہے اُس کا نور ہوتا ہے اور وہ پردہ ہوتا ہے جو اللہ کو چھپائے رکھتا ہے اور وہ معجزہ ہوتا ہے جسے اللہ انتخاب کر کے متعین کرتا ہے۔ اے طارق امام ایک ایسا بشر ہوتا ہے جو ملائکہ والی صفات اور آسمانی بدن رکھتا ہے اور مجسم حکم خداوندی ہوتا ہے اور ایک مقدس روح ہوتا ہے۔ اور مقام بلند اور نمایاں و مشہور نور ہوتا ہے سر سے پیر تک ایک خفیہ راز ہوتا ہے۔ ذات میں ملوکیت اور الہی صفات رکھتا ہے۔ ابتداء تخلیق کرنے والے اور اس کی غرض و مقصد ہوتے ہیں۔ پروردگار کی

قدرت ہوتا ہے اور اس کی مشیئة ہوتا ہے وہ اُم الکتاب اور اُسکی انتہائی تکمیل ہوتا ہے وہ وحی کا خزانچی اور محافظ ہوتا ہے۔ وہ ہر قسم کی تنزیل کی کان (Mine) اور اس کی انتہا کا ذمہ دار ہوتا ہے۔“

ان احادیث کے بعد یہ سمجھنا ذرہ برابر مشکل نہیں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے مخاطبوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے ایک ہمہ گیر پوزیشن کے ساتھ مبعوث کئے گئے تھے اور اُن کی ذمہ داریاں صرف عرب و عجم و دنیا تک محدود نہ تھیں بلکہ وہ ساری کائنات کی اصلاح و ہدایت و تنزیر کے لئے بھیجے گئے تھے اور اُن کی یہ ذمہ داری تا قیامت باقی ہے۔ جسے نظر انداز کر دیا گیا اور اُنہیں ایک عام مصلح اور راہنما سمجھ کر اُن کی جگہ ایسے لوگوں نے سنبھال لی جو بعثت کے وقت تک ایک ایسے دین پر عمل کر رہے تھے جو ہر پہلو سے شرفساد تھا۔ اور عرب دین سمجھ کر شرفساد پر ہمہ تن عمل کر رہے تھے۔

(7۔ الف)۔ عربوں کے دین و مذہب اور اُن کی کمینہ پختہ حالت کا بیان و مذمت۔

وَأَنْتُمْ مَعْشَرَ الْعَرَبِ عَلَى شَرِّ دِينٍ وَ فِي شَرِّ دَارٍ؛ مُتَّخِضُونَ بَيْنَ حِجَابَةِ حُشْنٍ وَ حَيَاتٍ صَمٍّ؛ تَشْرَبُونَ الْكَلْبَرِ؛ وَ تَأْكُلُونَ الْجَشْبَ؛ وَ تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ؛ وَ تَقْطَعُونَ أَرْحَامَكُمْ؛ الْأَصْنَامُ فِيكُمْ مَنْصُوبَةٌ؛ وَ الْأَتْنَامُ بِكُمْ مَعْصُوبَةٌ؛ (خطبہ 26، جملہ 10:3)

”اپنے مخاطبین کو یاد دلاؤ کہ رسول تو ایسا تھا اور تم اے عربو! ایک مقدس دین کے بجائے ایک شرانگیز دین پر عمل پیرا تھے اور جہاں رہتے تھے وہ علاقہ بھی شرفساد میں ڈوبا ہوا تھا۔ تم اُس زمانے میں تہذیب سے عاری گھر درے نو کیلے پتھروں اور زرہریلے سانپوں کی وادیوں میں بستے اور گزر بسر کیا کرتے تھے۔ وہاں گدلا اور گنداپانی پیتے اور کوڑا کرکٹ اور گندی خوراک پر جیتے تھے اور اپنی تنگ حالی اور معمولی ضروریات کیلئے آپس میں ایک دوسرے کا خون بہایا کرتے تھے اور اپنی نسل کشی سے بھی نہ چوکتے تھے۔ تمہارے درمیان اشخاص پرستی کا منصوبہ جاری تھا لیڈروں کے جیسے بڑا مقام و منصب رکھتے تھے، بدترین گناہ اور بدکرداری تمہیں لٹی ہوئی تھی۔“ (خطبہ 26، جملہ 10:3)

8۔ عربوں کو بعثت کے زمانہ کی حالت بتانا مہذب طریقہ پر انہیں موجودہ حالات پر متوجہ کر کے تمبیہ کرنا اور اسلام کا احسان جتانا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام نے عربوں کی سابقہ حالت کی طرف محض اشارہ کیا ہے تاکہ وہ خجالت محسوس کئے بغیر خود ہی بعثت سے پہلے اور موجودہ زمانے کا تقابل کریں اور سوچیں کہ اگر بعثت نہ ہوئی ہوتی تو وہ اپنی ذلیل و حقیر و قابل نفرت زندگی کی کونسی منزل میں ہوتے؟ جس عظیم الشان رسول نے انہیں اس حد تک مہذب بنایا کہ چند ہی سال میں انہیں سلاطین عالم کو فتح کرنے کے خواب نظر آنے لگے۔ اور یہ کہ اگر انہوں نے اُس رسول کی اطاعت کی ہوتی تو نہ صرف اقوام عالم بخوشی حلقہ گوش اسلام ہو جاتے بلکہ کائناتی قوتیں خود کو مخمر ہونے کے لئے اُنکے سامنے پیش کر دیتیں۔ لیکن قریشی منصوبہ سازوں اور لیڈروں نے نہایت مکاری اور فریب سازی سے ایسا نقشہ پلٹا کہ وہ لوگ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی اور اُن کے بچوں کی حد بھر عزت کرتے تھے اور اشاروں پر جان دینے کو تیار ہو جاتے تھے۔ وہ ایسے بدل گئے کہ سب نے آنکھیں پھرا لیں اور خانوادہ رسول یکہ و تنہا رہ گیا۔

9۔ چاروں طرف دشمنوں خونخواروں کا نرغہ، کوئی ہمدرد معین و مددگار نہیں، سب خون کے پیاسے۔

جدھر نظر اٹھا کر دیکھا پورا ماحول بدلا ہوا سب اُسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح لوگ اپنے بھائی اور باپ کے قاتل کو دیکھا کرتے ہیں۔ کسی کو اسلامی جہاد اور جنگ بدر و احد و خیبر کے فاتح سے ہمدردی نہیں ہے وہ علی کا چہرہ دیکھ کر اپنے مقتولوں کو یاد کر کے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہیں۔ انتقام کی راہیں تلاش کر رہے ہیں۔ تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ جاتے جاتے رک جاتے ہیں۔

فَنظَرْتُ فَإِذَا لَيْسَ لِي مُعِينٌ إِلَّا أَهْلُ بَيْتِي، فَصَنَنْتُ بِهِمْ عَنِ الْمَوْتِ؛ وَأَعْصَيْتُ عَلَى الْقَدَى؛ وَصَبَرْتُ عَلَى الشَّجَى؛ وَصَبَرْتُ عَلَى أَخْذِ الْكَظْمِ؛ وَعَلَى أَمْرٍ مِنْ طَعْمِ الْعَلَقَمِ؛ (خطبہ 26، جملہ 11 تا 15)

اُن قہر آلود چہروں میں کسی پر رحم و شفقت و ہمدردی و طرفداری کے تاثرات نہیں ہیں۔ اچانک تمام ہمدردی اور نصرت کا اظہار کرنے والے نظروں سے اوجھل ہو گئے اور میرے اپنے گھر والوں کے علاوہ کوئی موت کے منہ میں جانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ایسی حالت میں، میں نے اہل بیت کو موت کے سامنے دھکیلنے میں کجی کی تھی۔ آنکھوں میں خطرات کے گرد و غبار کے اڑنے کو میں نے فی الوقت نظر انداز کر دیا تھا اور دشمن پر آنے والے غصے کو صبر کے ساتھ پی لیا تھا۔ اور صبر ہی کی مدد سے سخت کڑوی صورت حال کو ہضم کر لیا تھا۔ (خطبہ 26، جملہ 11 تا 15)

10۔ معاویہ کی کمینہ کو ششوں اور عمرو بن العاص سے گٹھ جوڑ کر قریش کی سازش سے ملحق کر دیا گیا۔

یہ بیان دینے کے بعد اُس عمری و بکری سازش کو معاویہ اور عمرو بن العاص کے گٹھ جوڑ سے وابستہ کر دیا جس نے حضور کو یکہ و تنہا کر دیا تھا۔ وہاں ابو بکر و عمر نے معاویہ کے باپ ابوسفیان کا سہارا لیا تھا۔ اور یہاں ابوسفیان کا بیٹا اپنی قوت قاہرہ اور سارے قریشیوں کے تعاون کے باوجود عمرو بن العاص کو ساتھ ملانے پر مجبور ہوا ہے۔ لوگوں کو رشوتیں دے کر، فریب دے کر علی سے جنگ پر تیار کر رہا ہے۔ اس بیان سے حضور کے مخاطب خود ہی سمجھ جائیں گے کہ علی علیہ السلام نے اپنے صبر و تحمل اور حق پرستی سے سابقہ خلفا کی پالیسیوں، منصوبوں اور سازشوں کو شکست دے دے تھی اور ایک ایسا وقت لے آئے تھے جب خلفا ثلاثہ کی قریشی حکومت کا جنازہ نکل گیا تھا اور لوگوں نے حضور کو حکومت سنبھالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور آج پھر قریش چاہتے ہیں کہ جس طرح ہو سکے علی سے حکومت چھین لیں۔ لیکن آج علی کے ساتھ فداکار ہیں حق پرست ہیں۔ انہیں نہ فریب دینے کی ضرورت ہے نہ رشوت دینے کی اور نہ جنگ کی تیاری کے لئے جائز مدد کی احتیاج وہ خود سامان جنگ فراہم کریں گے اُن کے کانوں تک حضور کی دعوت جنگ پہنچنے کی دیر ہے۔ اس لئے حضور نے بتایا کہ میرا مقابل بے دین و کمینہ ہے وہ ایک مشہور حرامزادے اور مکار و فریب ساز کو اپنے منصوبے میں شامل کرنے کے لئے اُس سے سودا کر رہا ہے اور عمرو بن العاص قیمت مانگ رہا ہے۔ اور حضور فرماتے ہیں کہ:

وَلَمْ يُبَاعِ حَتَّى شَرَطَ أَنْ يُؤْتِيَهُ عَلَى الْبَيْعَةِ تَمَنًّا؛ فَلَا ظَلَمَوتَ يَدِ الْبَائِعِ؛ وَخَزِيَّتَ أَمَانَةَ الْمُبْتَاعِ؛ (خطبہ 26، جملہ 16 تا 18)

”عمرو بن العاص نے معاویہ کی اُس وقت تک بیعت نہ کی جب تک اپنی بیعت کی قیمت کی شرط نہ منوالی۔ چنانچہ مال کے بدلے میں بیعت کرنے والا ہاتھ فتح و ظفر سے محروم رہے اور بیعت خریدنے والے کی امانت یا عہد ذلیل و رسوا ہوتا رہے۔“ (خطبہ 26، جملہ 16 تا 18)

معاویہ اور عمرو بن العاص کے اس گٹھ جوڑ کا ذکر کر کے حضور نے اپنے فداکاروں کو بتا دیا کہ ہمارے مقابلے میں بے دین لوگ ہیں اور بے دینی ہی کو بنیاد بنا کر ہمارے خلاف لوگوں کو جمع کر رہے ہیں۔ لہذا بے دینوں، دنیا طلب لوگوں کی خواہ کتنی ہی بڑی کثرت دینداروں اور آخرت طلب لوگوں کے مقابلے میں آئے ہمیشہ ذلت و رسوائی کی شکست کھائے گی۔ تمہیں نہایت اطمینان اور دینی خلوص کے ساتھ اُن سے جنگ کرنے اور شکست کی تیاریاں کرنا چاہئیں۔ اس لئے کہ اُن بزدلوں اور کمینہ خصلت بے دینوں نے پورے ملک میں فتنہ و فساد پھیلا دیا جنگ کے شعلے بھڑکا دیئے ہیں جن کی لپٹیں ہمارے بے خطا لوگوں تک پہنچنے لگی ہیں۔ یہ مقصد ذہن نشین کرانے کے لئے آپ نے خطبے کے آخری جملے فرمائے ہیں۔ سنئے:

فَخُذُوا الْحَرْبَ أَهْبَتَهَا؛ وَأَعِدُّوا هَالِغَاتَهَا؛ فَقَدْ شَبَّ لَهَا؛ وَعَلَّاسِنَاهَا؛ وَأَسْتَشْعِرُوا الصَّبْرَ فَإِنَّهُ أَدْعَى إِلَى النَّصْرِ؛ (خطبہ 26،

”چنانچہ تم لوگ بھی میدان جنگ اور جنگ میں کام آنے والا تمام سامان مہیا اور جمع کر لو، اور جنگ کے اسلحہ، خمیے گھوڑے، راشن، دوائیں وغیرہ حاصل کر لو۔ یقیناً جنگ بھڑکادی گئی ہے۔ شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ تم حسب سابق صبر کو اپنا ہتھیار و شعار بنا لو۔ صبر ہی تمہاری کامیابی تمہارے سامنے لاکھڑا کرے گا۔“

11- خطبے کے تمام عنوانات تقریر کے مقصد سے مربوط و ترتیب وار ہیں۔

یہاں آ کر حضرت علی علیہ السلام کی تقریر مکمل ہو گئی ہے اور تقریر کے مقصد میں کوئی اختلاف و تضاد نہیں ہے۔ تضاد و اختلاف علامہ رضی کے دو مرتبہ ’و مِنْهَا‘ لکھ دینے سے محسوس ہوا تھا چنانچہ پھر ایک طائرانہ نظر ڈالئے۔ خطبے میں یہ تین عنوانات یا موضوع ہیں:

(1) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام (2) عربوں کا مقام (3) اپنا مقام۔

لہذا ضروری تھا کہ عربوں کو یہ بتایا جائے کہ، 1۔ جو کچھ تم نے بعثت رسول کے بعد کیا اور اب کر رہے ہو وہ نہایت احسان فراموشی، محسن کشی اور بے دینی ہے۔ 2۔ تمہیں یہ منزل و مقام جس نے دلایا وہ کیسا رسول تھا؟ اور تمہارا حال اُس کی آمد سے پہلے کیا تھا؟ لہذا اپنا رویہ تبدیل کر لو دین دار بن جاؤ۔ 3۔ لیکن وہ بڑھ چڑھ کر سازش کرتے رہے اور مسلسل اُس کے خلاف برس پیکار ہیں جس کی پیکار نے انہیں یہ مقام دیا اُسے دنیا میں یکہ و تنہا چھوڑ دیا تھا اور اب خود اُسے حاکم بنا کر اس سے محاذ آرائی کر رہے ہیں۔ 4۔ لہذا اُن سے جنگ ناگزیر ہے۔ ہمیں بھی تیاری کر لینا چاہئے۔ یہ ہے سارا خطبہ اور خطبہ کا مقصد۔

12- خطبے کا ربط و تسلسل دکھانے کے لئے ادھر ادھر دیکھے بغیر رواں دواں چلے گئے اور چند اہم اور ضروری حقائق کو بھی نظر انداز کر دیا۔

یہاں سے حضور کے خطبے کے تینوں عنوانات اور مقصد پر جو حقائق، ربط و تسلسل کے لئے چھوڑ دیئے گئے، وہ چھوڑ دینے کے نہیں ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کے مخاطب لوگ بعض مطالب اور تفصیلات کو ایک لفظ سے اور بعض حالات میں ہاتھ یا سر کے ایک اشارے سے سمجھ جاتے تھے۔ لیکن ہمارے مخاطب چودہ سو سال بعد کے لوگ ہیں اور اس طویل زمانے میں حالات خود بھی تبدیل ہوئے اور لیڈروں اور علمائے بھی مصلحتاً بدل دیئے۔ قریشی حکومتوں نے سات آٹھ صدیوں کے تسلط کے دوران جو تاریخ و روایات و تفاسیر تیار کرائیں اُن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری اور حضور کے زمانے کے تمام حالات کو اپنی مصلحتوں کے ساتھ موزوں کر کے دنیا میں پھیلا یا ہے۔ اور جب تک قریش کے ڈالے ہوئے پردے نہ ہٹا دیئے جائیں حقیقت واقعی ہرگز سامنے نہیں آ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے دیکھا تھا کہ قریشی علما کا یہ رویہ مسلسل رہا ہے۔ کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں لفظ ”الْعَالَمِينَ“ اللہ کے لئے آیا ہے وہاں عالمین کے معنی ”پوری کائنات“ کئے ہیں اور جہاں جہاں حضور یا قرآن کے ساتھ وہی لفظ ”عالمین“ آیا وہاں معنی اس حد تک تبدیل کئے ہیں کہ عالمین سمٹ کر کروڑوں اور اربوں روشنی کے میلوں میں پھیلا ہوا کارخانہ قدرت یہ حقیر سی دنیا بن گیا۔ جس کی لمبائی چوڑائی اتنی بھی نہیں جتنی سمندر کے سامنے مودودی کی ڈاڑھی کی ہے۔

کیا کوئی عربی دان یہ مان سکتا ہے کہ اس دنیا کو عالمین کہنا صحیح ہے؟ کیا اللہ کو لفظ عالمین اور دنیا کا فرق معلوم نہ تھا جو غلطی سے دنیا کی جگہ عالمین بول گیا؟ بہر حال قریشی حکومتوں، خلفاء، لیڈروں اور قریشی علمائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ جو بددیانتی اور بے ایمانی اور حضور کی پوزیشن میں جو کمی کی ہے اس کی پیمائش کرنے کے لئے خود علامہ کا ایک بیان پڑھئے اور کائنات اور دنیا کا فرق دیکھئے:

13۔ قریشی خلفا اور علمائے رسول کی پوزیشن کو کتنا کم کیا ہے؟ کتنی بے ایمانی اور خیانت کی ہے اسکی پیمائش پر مودودی کا ایک بیان۔

افلاک کی بحث کی ذیل میں علامہ نے لکھا ہے کہ:

”ہماری یہ زمین جس نظام شمسی میں شامل ہے۔ اُس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اُس کا مرکز سورج زمین سے تین لاکھ گنا بڑا ہے۔ (یعنی اگر اللہ نے سورج کے لئے نذیر فرمایا ہوتا اور علامہ نے سورج کے معنی زمین کردیئے ہوتے تو قریشی بے ایمانی کی وسعت تین لاکھ میل ہوتی یعنی حضور کی اصل پوزیشن کو تین لاکھ میل کم کر دینا ہوتا) اور اُس کے بعید ترین سیارے نیچوں کا فاصلہ سورج سے کم از کم دو ارب اُناسی کروڑ تیس لاکھ میل ہے بلکہ اگر پلوٹو کو بعید ترین سیارہ مانا جائے تو وہ سورج سے چار ارب ساٹھ کروڑ تیس دوڑ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس عظمت کے باوجود یہ نظام شمسی ایک بہت بڑی کہکشاں کا محض ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ جس کہکشاں (Galaxy) میں ہمارا یہ نظام شمسی شامل ہے۔ اُس میں تقریباً تین ہزار ملین (تین ارب) آفتاب پائے جاتے ہیں۔ اور اُس کا قریب ترین آفتاب ہماری زمین سے اس قدر دور ہے کہ اس کی روشنی یہاں تک پہنچنے میں چار سال صرف ہوتے ہیں (جب کہ روشنی کی رفتار ایک سیکنڈ میں 186000 میل ہے) پھر یہ کہکشاں بھی پوری کائنات نہیں ہے۔ بلکہ اب تک کے مشاہدات کی بنا پر اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ تقریباً بیس لاکھ لولہی سحابیوں (Spiral Nebulae) میں سے ایک ہے۔ اور اُن بیس لاکھ سحابیوں میں سے نزدیک ترین سحابے کا فاصلہ ہم سے اس قدر زیادہ ہے کہ اُس کی روشنی دس لاکھ سال میں ہماری زمین تک پہنچتی ہے۔ رہے بعید ترین اجرام فلکی جو ہمارے موجودہ آلات سے نظر آتے ہیں۔ اُن کی روشنی زمین تک پہنچنے میں دس کروڑ سال لگ جاتے ہیں۔ اس پر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انسان نے ساری کائنات دیکھ لی ہے یہ خدا کی خدائی کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے جو اب تک انسانی مشاہدے میں آیا ہے۔ آگے نہیں کہا جاسکتا کہ مزید ذرائع مشاہدہ فراہم ہونے پر اور کتنی وسعتیں انسان پر منکشف ہوں گی۔ تمام معلومات جو اس وقت تک کائنات کے متعلق ہم پہنچی ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پورا عالم اسی مادہ سے بنا ہوا ہے جس سے ہماری یہ چھوٹی سی ارضی دنیا بنی ہے۔ اور اس کے اندر وہی ایک قانون کام کر رہا ہے جو ہماری زمین کی دنیا میں کارفرما ہے۔ ورنہ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ہم اس زمین پر بیٹھے ہوئے اتنی دور دراز دنیاؤں کے مشاہدے کرتے۔ اور اُن کے فاصلے ناپتے۔ اور اُن کی حرکات کے حساب لگاتے۔ کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی خدا کی تخلیق ہے اور ایک ہی فرمانروا کی سلطنت ہے۔ پھر جو نظم، جو حکمت، جو صنایع اور جو مناسبت ان لاکھوں کہکشانوں اور اُن کے اندر گھومنے والے اربوں تاروں اور سیاروں میں پائی جاتی ہے اس کو دیکھ کر کیا کوئی صاحب عقل انسان یہ تصور کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ سے آپ ہو گیا ہے؟ اس نظم کے پیچھے کوئی ناظم، اس حکمت کے پیچھے کوئی حکیم، اس صنعت کے پیچھے کوئی صانع اور اس مناسبت کے پیچھے کوئی منصوبہ ساز نہیں ہے؟“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 261، 262)

14۔ کائنات کی اس جھلک پر مودودی اور قارئین سے چند سوالات

مودودی کا یہ بیان جن لوگوں کی تحقیق اور محنت و کاوش کا نتیجہ ہے وہ اس نام نہاد اسلام کے مومن نہیں بلکہ کافر ہیں۔ مسلمانوں نے اس ذیل میں نہ کوئی تحقیق کی اور نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے نہ قرآن پر وہ ایمان رکھا اور نہ قرآن لانے والے پر وہ ایمان لائے جس کا تقاضہ قرآن کریم اور اللہ نے کیا تھا یہ تحقیقات جن لوگوں نے کی ہیں وہ قریشی اسلام، قریشی اللہ، قریشی رسول اور قریشی قرآن کے منکر رہتے چلے آئے ہیں۔ وہ ان نام نہاد مسلمانوں کے دشمن رہتے رہے جنہوں نے اپنے رسول اور اپنے قرآن کو رسول کے سامنے ہی جھٹلادیا تھا اور اللہ نے قرآن میں نازل کر دیا کہ:

وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ (انعام 6/66)

”اے رسول تیری قوم نے اس قرآن کو جھٹلا دیا ہے حالانکہ وہ برحق ہے۔ لہذا اُن سے کہہ دو کہ میں تمہارے مقدمہ کی وکالت نہ کروں گا“
پھر اللہ نے قرآن میں رسول اللہ کی یہ شکایت بھی قلم بند کر دی تھی کہ:

قَالَ الرَّسُوْلُ يَرْبِ اِنَّ قَوْمِي اَتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (فرقان 25/30)

”رسول اللہ نے کہا کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو مجبور کر دیا ہے“

اور قارئین دیکھ چکے کہ قریش قرآن کے الفاظ کے معنی بدلتے رہے تاکہ قرآن و رسول کو اسی دنیا تک محدود کر دیں۔ حالانکہ اللہ اور قرآن رسول اللہ کی تنزیر و ہدایت کی رسائی وہیں تک بتاتا رہا ہے جہاں تک اللہ کی ربوبیت کی رسائی ہے۔ اللہ کی رحمت کی رسائی کا دائرہ ساری کائنات کو اپنے دامن میں رکھتا ہے ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ لیکن قریش نے رسول اور قرآن کو صرف اس دنیا تک محدود رکھا لہذا انہیں آسمانوں، فضاؤں اور افلاک کی معلومات کہاں سے ملتیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ ظاہری پیدائش کے بعد بھی اسی مادی جسم سے کم از کم ایک سو بیس 120 مرتبہ معراج کے لئے گئے اور اس ساری کائنات کا چپہ چپہ اُن کے قدم چومنے پر فخر کرتا ہے۔ قریش نے ان حقائق کا کھلا انکار کیا اور کائناتی علوم سے محروم ہوئے۔ انہوں نے رسول کی حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے تمام قرآنی حقائق کا انکار کیا تعلیمات قرآن کو صاحبان قرآن کے بجائے اپنی عربی دانی کے ماتحت کر لیا اور ہر اُس چیز کا انکار کر دیا جو اُن کی سمجھ سے بلند تھی۔ رسول کے جانشینوں کا بائیکاٹ رکھا۔ موقع ملا تو انہیں قتل کیا اور ہر اُس آدمی کو قتل کیا جو رسول یا ائمہ معصومین کی تعلیم کو پھیلاتا تھا۔ اس لئے صاحبان قرآن نے اپنی تعلیمات کو ان ممالک میں پہنچا دیا جہاں ان دشمنان دین کا قاتلانہ ہاتھ نہ پہنچتا تھا۔ باہر کی اقوام نے اہلیت علیہم السلام کی تعلیمات کو اختیار کیا، اُن پر تجربات کئے، تحقیقات کے لئے زندگیاں وقف کر دیں۔ آج قریشی مسلمان انہیں کافر و بے دین کہتے ہیں اور انہی سے عقل و علم و کائناتی نعمتوں کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ لہذا مودودی نے یہ بیان چوری کر کے چرا کے لکھا ہے۔ اُن کے تو فرشتوں کو بھی پتا نہیں کہ کائنات کیا ہے کتنی بڑی ہے وہ جاہل تو عالمین کو دنیا سمجھنے سے آگے جو کچھ سمجھتے ہیں وہ اُن کا نہیں بلکہ چوری کا مال ہے۔ یا بقول اُن کے کافروں، عیسائی اور یہودیوں یا کمیونسٹوں کا دیا ہوا ہے۔

15۔ مودودی کے اس حقیقت انگیز مگر چوری کے بیان کے ساتھ حضرت علی کا بیان ملا لیں۔

پھر یہ دیکھیں کہ علی علیہ السلام اعلان کر رہے ہیں کہ مجھے ہاتھوں سے کھودینے سے پہلے پہلے کوئی کائناتی بات معلوم کر لو کہ میں زمین سے زیادہ آسمانی راستوں کا عالم ہوں کیا یہ بیان اس حقیقت کو ثابت نہیں کرتا کہ جس طرح قرآن میں اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو پوری کائنات کا نذیر اور رحمت فرمایا اُس طرح حضرت علی علیہ السلام اس ساری کائنات کے عالم و نذیر و رحمت تھے۔ اور حقیقی معنی میں وہ کائناتی ذمہ داریاں انجام دیتے تھے جو اللہ نے آنحضرت کو سونپی تھیں۔

16۔ جب تم یہ مانتے ہو کہ اللہ اس پوری کائنات کا فرمانروا ہے، اور ناظم ہے اور

یہ بھی کہ: نبی اور رسول اللہ کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے تو نیابت محدود کیوں۔

ہر عالم نے انبیاء اور رسل کو اللہ کا نائب، خلیفہ اور جانشین مانا اور لکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کون سی آیت یا عقل سے تم لوگ اس خلافت و نبوت و نیابت کو پوری کائنات میں نہیں مانتے؟ جبکہ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمة للعالمین اور نذیر للعالمین فرماتا ہے یعنی صرف اس لئے

کہ تم رسول کی جگہ بیٹھ کر پوری کائنات کی راہنمائی نہیں کر سکتے؟ تم پر کس نے تقاضا کیا تھا کہ تم ضرور رسول اللہ کے جانشین و خلیفہ بن جانا؟ پھر تم تو بیک وقت اس دنیا کی تندرستی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ تم کسی انسان کیلئے رحمت بھی نہ تھے چہ جائے کہ ساری دنیا کے لئے یا ساری کائنات کے لئے رحمت ہو سکتے؟ تم نے صرف حضرت علیؑ کو خلافت الہیہ سے محروم نہیں کیا بلکہ تمام مسلمان کہلانے والے لوگوں کو علوم و نعمات الہیہ سے محروم کر دیا اور انہیں بھکاری بنا کر چھوڑ دیا۔

17۔ خطبہ کے دوسرے جملے اور اُس کی تائید میں پیش کردہ احادیث سے محمدؐ مصطفیٰ کا جو مقام سامنے آتا ہے اُس پر بھی ایمان رکھنا لازم ہے

دین کی بنیادی بات یہ ہے کہ ایمان لانے پر کوئی جبر یا زبردستی نہیں ہے۔ اگر آپ کسی حقیقت پر ایمان نہیں لاتے تو اللہ اور رسولؐ کا کوئی نقصان نہیں کرتے اور ایمان لاتے ہیں تو انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے۔ فائدہ اور نقصان آپ کا اپنا ہوتا ہے۔ البتہ ایمان نہ لانے سے آپ کو نقصان بھی ہوتا اور سزا بھی ملتی ہے۔ وہ اس لئے کہ اللہ نے آپ کو ترقی کرنے اور لامحدود قدرت حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا تھا اور اس مقصد کے لئے یہ کائنات اور اس کی تمام مخلوقات کو پیدا کیا تھا تاکہ وہ تمہاری فلاح و بہبود اور ترقی میں مددگار رہیں۔ اسی مقصد کے لئے تمہیں نقصانات و مضمرات سے بچنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اس تعلیم کے لئے انبیاء و رسلؑ کو بھیجا گیا تھا۔ تم نے ایمان نہ لاکر اپنے خالق و مالک و مربی کے احکام کو رد کر دیا۔ احسان شناسی کے خلاف احسان فراموشی کی لہذا تمہارے لئے سزا لازم ہو گئی ہے۔ اگر تم حقائق پر ایمان لاتے اور حق پروری کے سلسلے میں کام کرتے تو تمہیں فائدہ بھی پہنچتا اور انعام بھی ملتا۔ اس لئے کہ تم نے مقصد تخلیق کی تائید میں کام کیا۔ اللہ نے تمہیں کس قدر ترقی دینے کا ارادہ کیا ہے اور تمہیں کس بلند مقام پر پہنچانا چاہتا ہے؟ اس کا پتہ لگانے کیلئے اُس سامان کی وسعتوں پر نظر ڈالو جو تمہاری ترقی کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ مثلاً اس کائنات اور اس میں موجود مخلوقات کی تعداد اور وسعت ہی کو سامنے رکھ لو تو تمہاری عقل حیران و مبہوت ہو کر رہ جائے گی۔ یہ سب چیزیں تمہارے لئے یعنی تمہاری ترقی کے لئے وجود میں لائی گئی ہیں اور انہیں تمہاری ترقی کیلئے مسخر و مطیع کیا گیا ہے۔ (لقمان 31/20، جاثیہ 45/13) پھر اُن راہنماؤں کی ہمہ گیری کو دیکھیں جو تمہیں تمہاری ترقی کی انتہائی منزلوں تک پہنچانے کے لئے تعینات کئے ہیں اُن کی حیران کن و ناقابل فہم ہستیتوں سے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا سکیں گے؟ پھر اس ضابطہ حیات کو سامنے رکھیں اور غور کریں کہ وہ تمہیں کس قدر لامحدود تعلیمات دیتا ہے یہ تینوں حقیقتیں تمہیں تمہاری ترقی کا جو مقام بتائیں گی وہ تمہیں ناممکن نظر آئے گا۔ لیکن وہ تمہاری موجودہ عقل و فہم کیلئے ناممکن ہے۔ حقیقتاً ناممکن نہیں ہے۔ لیکن اگر تم بات سننا ہی نہیں چاہتے؟ آنکھیں کھول کر اپنے گرد و پیش کو بھی دیکھنا نہیں چاہتے تو اس میں اللہ، رسولؐ اور علیؑ کی کیا خطا ہے؟ انہوں نے تو بار بار تمہیں سمجھایا ہے۔ اور تمہیں سمجھاتے رہنے کا لازوال انتظام کیا ہے۔ تمہیں بار بار مواقع دیئے ہیں۔ تمہاری غفلت اور قصوروں کو معاف کر دینے کے طریقے بھی بتا دیئے ہیں۔ بہر حال انہوں نے بھی بتایا تھا اور ہم بھی اُن کی باتیں تمہیں پہنچانے اور سمجھانے کے لئے یہ محنت کر رہے ہیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو ہر نازل ہونے والی چیز کا امین کہا (أَمِينًا عَلَى السَّنَائِلِ) نازل ہونے والی تمہیں کئی ایک چیزیں معلوم ہیں۔ فرشتے بھی نازل ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں آپ نے پڑھ لیا کہ آئمہ اہلبیت وہ حضرات ہیں جن پر تمام آنے جانے والے ملائکہ کا ہجوم رہتا ہے (عنوان نمبر 7 حدیث نمبر 4) اللہ کی تمام کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں۔ وحی خداوندی بھی نازل ہوتی ہے۔ اور آپ نے پڑھ لیا کہ تمہارے راہنما وحی اور کتب خداوندی کے امین و خازن و محافظ اور ذخیرہ تھے۔ (مذکورہ بالا احادیث) لہذا ہر وحی ہر کتاب اور ہر فرشتہ اُن کی معرفت اور اُن کی طرف سے نازل ہوتا تھا جسے اللہ نے اپنی طرف سے نزول فرمایا ہے۔ اگر اللہ نے یہ نیابت قائم نہ کی ہوتی تو وحی اور ملائکہ کا

نزول ایک خاص مقام سے ماننا اور اللہ کو ایک خاص جگہ کہنا پڑتا ہے۔ ان ہی احادیث میں آپ نے دیکھا ہے کہ ہمارے یہ راہنما اور نائین خداوندی اللہ کے تمام آسانی اور زمینی خزانوں کے محافظ و امین ہیں (عنوان نمبر 7 حدیث نمبر 4) لہذا اس کائنات میں اللہ کا رزق اور تمام نعمات اُن کے انتظام میں داخل ہیں۔ وہ ہمارے ایسے انسان ہوتے تو کیسے روز ازل سے رحمتِ خداوندی بنائے جاسکتے تھے۔ کیسے نذیر ہو سکتے تھے؟ کیسے اللہ کے خزانوں کے نگران و قاسم ہو سکتے تھے۔ اسی لئے انہیں ایسے بُشرے والے بشر کہا جو ساری کائنات کا مقصد تخلیق تھے۔ جو پوری تخلیق کی بنیاد تھے۔ جو ملکیت کی اصل تھے۔ جن کو سماوی بدن دیا گیا تھا۔ جو امر الہی کا بولتا چالتا مجسمہ تھے۔ جن میں روح القدس تھی۔ اور اللہ کا خالص و مشہود نور تھے۔ جن کی ذات ہی ملکوت تھی۔ جو اللہ کی صفات کا ذخیرہ تھے الغرض ایسے بشر جو سراسر ایک پوشیدہ راز تھے جن کو اللہ کی قدرت اور مشیت الہیہ کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا (عنوان نمبر 7 حدیث نمبر 4) یہ ہیں محمدؐ اور اجزائے نور محمدؐ جو نوع انسان کو بے پناہ قدرت و ترقی عطا کرنے کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔

18۔ خطبہ کا دوسرا عنوان عربوں کی حالت اور نسلی مکینہ پین جو اللہ و رسول کے فضل و کرم سے رفیعہ رفتہ یعنی ہوئے پھر نمر و دوشدا بن گئے۔

حضرت علیؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت بیان کر کے عربوں کی حالت اور اُن کے دین و کردار پر چند جملوں میں توجہ دلائی ہے۔ تاکہ اپنی رسوا کن حالت کا موجودہ حالت سے تقابل کریں اور اُس رسول کے احسانات کو یاد کریں اور خانوادہ رسول پر مظالم سے باز آجائیں۔

(الف) عربوں میں نمرودیت و ہمدانیت عہد رسول ہی میں جنم لے چکی تھی اللہ نے طنز کیا تھا۔

عرب مخلوط النسل ہونے کی وجہ سے ہمیشہ سے محسن گش اور احسان فراموش تھے۔ اللہ کے اس بیان سے اُن کی ذہنیت، مذہب اور کردار پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ فرمایا گیا تھا کہ:

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا وَبَعَدَ إِسْلَامَهُمْ وَهُمْ أَوْ بِمَالِهِمْ إِنَّا لَأَن أَعْنَهُمُ اللَّهُ
وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ... الخ (توبہ 9/74)

”انہوں نے جو کچھ فیصلہ کیا ہے وہ حلفیہ کیا ہے۔ اور یقیناً انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ کفر کی بات ہے۔ چنانچہ اپنے اسلام اختیار کرنے کے بعد حق کو چھپانے میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اور اُس قول و قرار کے لئے انہوں نے (قتل رسول) ایسے کام کی ہمت کی تھی جس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور انہوں نے یہ منقمانہ کوشش صرف اس لئے کی ہے کہ اللہ اور رسول نے انہیں اپنے فضل سے دولت مند و فارغ البال کر دیا ہے۔ بہر حال اگر وہ اب بھی توبہ کر لیں تو اُن کے حق میں بہتر ہوگا۔ لیکن اگر اب بھی انہوں نے ولایت قائم رکھی تو اللہ انہیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور جب دنیا میں عذاب میں مبتلا کرے گا تو روئے زمین پر کوئی اُن کو بچانے والا ہمدرد حاکم اور ناصر نہ ہوگا“۔ (سورہ توبہ 9/74)

(ب) اس آیت میں فضل کرنے والا واحد ہے، حلفیہ معاہدہ حکومت غصب کرنے پر ہوا تھا۔ قتل رسول کی کوشش کئی بار کی گئی تھی۔

قارئین کرام اس آیت میں تین باتوں پر غور کرنا چاہئے۔ قریش کو دولت مند بنانے میں اللہ نے اپنے ساتھ رسول کو شریک رکھا ہے۔ (اعْنَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ) مگر اس کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ مَنْ فَضَّلَهُمْ هُمْ دُونَ نَبِيِّهِمْ وَلَا يَكْفُرُوا بِهِمْ وَلَا يَتَوَلَّوْا كُفْرًا بِهِمْ وَلَا يَتَوَلَّوْا كُفْرًا بِهِمْ وَلَا يَتَوَلَّوْا كُفْرًا بِهِمْ... الخ (من فضلہ)“ اُس اکیلے نے اپنے فضل سے اُن کو دولت مند بنا دیا اور قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر اپنے قریب ترین اسم سے وابستہ کی جاتی ہے اور قریب ترین اسم رسول کا

ہے۔ لہذا پہلا مطلب یہ ہوا کہ یہ فضل رسول اللہ کا تھا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے وہ فضل اللہ کا تھا اور تیسرا مطلب واضح ہے کہ رسول اللہ فضل کریں تو بھی وہ اللہ کا فضل ہوگا اور اللہ فضل کرے تب بھی وہ رسول اللہ کا فضل ہے۔ اس لئے کہ وہ نائب ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ ہی کا کیا ہوا ہوتا ہے۔ (انفال 8/17)

(ج) حضرت علیؑ کی وزارت و خلافت کے اعلان کے بعد قریش نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ حکومت خاندان رسول سے نکالنا ہے۔

ہم نے تاریخ طبری اور الفاروق سے یہ دکھا دیا ہے کہ خلیفہ دوم نے عبد اللہ بن عباس پر یہ راز کھول دیا تھا کہ قریش نے یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ نبوت اور خلافت کو ایک خاندان میں نہ رہنے دیں گے۔ چنانچہ اسی فیصلے پر عمل کیا گیا تھا (الفاروق حصہ اول صفحہ 103) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام سر پنچوں اور حکومت کا دعویٰ دار ہو سکنے والوں کو جمع کیا تاکہ انہیں قرآن کے حکم سے خبردار کر دیا جائے (شعراء 26/214, 215) اور انہیں اپنی نبوت و حکومت سے مطلع کیا اور ایک ایسے شخص کو آگے بڑھنے کے لئے فرمایا جو حضور کی وزارت کی ذمہ داریاں سنبھالے اور حضور کے ماں جائے بھائی کی طرح ہر وقت جان قربان کرنے کو تیار رہے اور ان کے بعد ان کا جانشین و خلیفہ بن کر ان کی تمام ذمہ داریاں پوری کرنے کا انتظام کرے۔ لیکن اس دعوت (شعراء 26/214) پر کوئی آمادہ نہ ہوا۔ تیسری مرتبہ حضور نے علیؑ کو یہ تمام خدمات سپرد کر دیں۔ جب قریش کو یہ یقین ہو گیا کہ محمدؐ واقعی ایک مضبوط حکومت قائم کر لیں گے تو انہوں نے مندرجہ بالا فیصلہ کیا تھا اور چونکہ معلوم تھا کہ محمدؐ ان کے فیصلے سے اتفاق نہ کریں گے اس لئے انہیں قتل تک کرنے کی اسکیم بنائی گئی جو قرآن میں ریکارڈ ہے۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا الْيَهُودَ أَوْ يُقْتُلُونَكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينِ ۝

”جب حق کو چھپانے والے لوگ تیرے لئے خفیہ چالیں چل رہے تھے تاکہ تجھے تیری راہ میں ثابت قدم رکھیں یا ضروری ہو تو قتل کر دیں یا اس راہ سے خارج کر دیں اور جہاں وہ خفیہ اسکیمیں بنا رہے تھے وہیں اللہ بھی خفیہ اسکیم بنا رہا تھا اور اللہ تو سارے مکاروں سے بہتر خفیہ اسکیم بنانے والا ہے ہی“۔ (سورہ انفال 8/30)

یہ تھا وہ اولین قریشی فیصلہ جو حکومت بن جانے کے بعد حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے بطور پالیسی طے ہوا تھا۔ چنانچہ ابتدا میں قریش نے اپنے چند دانشوروں کو رسول کے مشن میں تائید و ثبات قدم کے لئے شامل کر دیا۔ اور انہیں رسول کے قریب تر رہنے کی تاکید کر دی۔ اور شخصی حکومت قائم کرنے سے روکنے کے لئے اس کے نقصانات اور جمہوریت کے فوائد گوش گزار کرتے رہے اور جب مایوس ہو گئے تو جنگ تبوک سے واپسی کے دوران حضور کو قتل کر ڈالنے کی اسکیم بنائی جو اللہ نے ناکام کر دی تھی اور اسی کے سلسلے میں سورہ توبہ کی مذکورہ بالا آیت (9/74) میں یہ راز کھولا گیا تھا۔ چونکہ قتل کی اس سازش میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے اس لئے ان کے نام صیغہ راز میں رکھے گئے اور قریشی مسلک کے علما ان صحابہ کا پردہ رکھنے کے لئے انہیں منافقوں کی ٹولی کہتے ہیں۔ لیکن آیت (9/74) میں انہیں منافق نہیں کہا گیا بلکہ حق پوش مسلمان قرار دیا گیا لہذا ان پر نفاق کی نقاب اڑھانے والے خود حق پوش اور جھوٹے ہیں۔

(د) قریشی صحابہ نے رسول اللہ کو قتل کرنے کی ناکام کوشش کی مودودی کا بیان۔

بہر حال مودودی سے اُس کے بزرگوں کا حال سننے لکھتے ہیں کہ:

”انہوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جو کر نہ سکے“ یہ اشارہ ہے ان سازشوں کی طرف جو منافقوں نے غزوہ تبوک کے سلسلے میں کی

تھیں۔ اُن میں سے پہلی سازش کا واقعہ محدثین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ تبوک سے واپسی پر جب مسلمانوں کا لشکر ایک ایسے مقام کے قریب پہنچا جہاں سے پہاڑوں کے درمیان راستہ گزرتا تھا تو بعض منافقین نے آپس میں طے کیا کہ رات کے وقت کسی گھاٹی میں سے گزرتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڈ میں پھینک دیں گے۔ حضور کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ آپ نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ وادی کے راستے سے نکل جائیں اور آپ خود عمار یاسر اور حذیفہ بن یمان کو لے کر گھاٹی کے اندر سے ہو کر چلے۔ اثنائے راہ میں یکا یک معلوم ہوا کہ دس بارہ منافق ڈھاٹے باندھے ہوئے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت حذیفہ اُن کی طرف لپکتے تاکہ اُن کے اونٹوں کو مار مار کر اُن کے منہ پھیر دیں۔ مگر وہ دور ہی سے حذیفہ کو آتے دیکھ کر ڈر گئے اور اس خوف سے کہ کہیں ہم پہچان نہ لیتے جائیں فوراً بھاگ نکلے۔

(تفہیم القرآن 2 صفحہ 216-217)

علامہ مودودی نے پورے واقعہ پر روشنی نہیں ڈالی لیکن شکر ہے کہ اس سازش کو تسلیم کر لیا اور ہم بھی واقعہ کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ البتہ اس واقعہ کے بعد کی چند باتیں ضرور لکھیں گے تاکہ قریشی لیڈر سامنے آجائیں۔

(ہ) مودودی کے بیان پر روشنی اور اس سازش کے سرغنہ کی بے چینی، حقیقی صحابہ کا رد عمل

چنانچہ قریشی کتاب السنان العیون میں لکھا گیا ہے کہ ”لیسۃ العقبہ کی صبح کو اسید بن حضیر کو رسول اللہ صلعم سے اُن منافقین کا حال معلوم ہوا تو اسید نے عرض کی کہ یا حضرت آپ حکم دیجئے کہ جو منافق جس قبیلے کا تھا اُس کو قتل کریں۔ اگر مناسب ہو تو اُن کے نام مجھے بتائیے قسم خدا کی ابھی اُن کے سر لاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس سے کراہت کرتا ہوں کہ لوگ کہیں کہ جن کی بدولت کفار سے جہاد کیا اور فتح و غلبہ پایا اب اُن ہی کو قتل کرتے ہیں۔ اسید نے کہا یا رسول اللہ وہ آپ کے اصحاب نہیں ہو سکتے۔ آپ نے فرمایا ”کیا اظہار شہادتین نہیں کرتے؟ (یعنی توحید و رسالت کا کلمہ نہیں پڑھتے؟) افسوس ہے کہ اصحاب عقبہ کے نام کسی مورخ نے نہیں لکھے۔ اس سبب سے مسلمانوں کے ایک فریق کو (اشارہ ہے شیعوں کی طرف) بہت بڑی جرأت مل گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مورخین نے جان کر اُن کے ناموں کو نہیں لکھا۔ حالانکہ یہ لکھا ہے کہ حضرت کی دعا کے موافق اُن میں سے آٹھ بمرض و دبلہ فوت ہوئے اور تین نے عذر کیا کہ ہم نے منادی نہیں سنی تھی اور منافقوں کے مشورہ پر آگاہ نہ تھے۔ غلطی سے عقبہ پر چلے گئے تھے۔ جیسا کہ (قریشی کتاب) روضۃ الاحباب میں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نام نہ لینے کی وجہ یہی تھی کہ وہ اکابر صحابہ سے تھے۔“

کیونکہ عوام میں سے جو منافقین گزرے ہیں اُن کی تشہیر اور ملامت میں مورخین اہلسنت نے درگزر نہیں کیا ہے۔ اور اُن کی مالداری (غنی کرنے کا اہتمام 9/74) اور قوم میں رسوخ ہی کی وجہ تھی کہ رسول اللہ نے حذیفہ اور عمار کو اُن کے نام ظاہر کرنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ کبھی عام منافقین کی نسبت حضرت نے ایسا نہیں کیا۔ اسی بنا پر اُس فریق کے عالم ابن بابویہ نے حذیفہ بن الیمان کی زبانی اہلسنت کے جلیل القدر صحابیوں کے نام لکھے ہیں مگر ہم ترک ادب سمجھ کر اعراض کرتے ہیں۔“ (از تاریخ اسلام، جلد دوم صفحہ 147، از ذاکر حسین جعفری)

(و) وادی عقبہ میں گھاٹی سے گزرتے ہوئے حملہ آوروں کی تعداد پندرہ تھی

اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ ”روضۃ الاحباب میں مسلم سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اہل عقبہ میں سے ایک شخص نے حذیفہ سے قسم دے کر پوچھا کہ اصحاب عقبہ کتنے آدمی تھے؟ اُنھوں نے کہا کہ اے حذیفہ جب یہ قسم دے کر پوچھتا ہے تو بتا دو۔ حذیفہ نے کہا مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ وہ چودہ آدمی تھے اور تجھ سمیت پندرہ ہوتے ہیں۔ قسم خدا کی اُن میں سے بارہ دنیا اور دین میں دشمن خدا اور رسول کے ہیں۔ اور اُن میں

سے تین نے عذر کیا کہ اُن کو آنحضرت کی منادی کی خبر نہ پہنچی تھی اور نہ انہیں منافقوں کے ارادے کی خبر تھی۔ (ایضاً صفحہ 147)

(ز) عمر بن خطاب اپنی قسم کی رو سے اُن حملہ آوروں میں شریک رہا تھا

سورہ برآة آیت (9/74) کے فیصلے اور عمل میں عمر بن الخطاب بہر حال شامل تھا اُس نے زمانہ حکومت میں قسم کھا کر اقبال کیا تھا۔ تاریخ کے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ:

(1) ”معارض النبوة (قریشی کتاب ہے) میں ہے کہ امیر المؤمنین عمر کچھ عرصہ تک حدیث کے پاس جاتے اور قسمیں دے دے کر پوچھتے رہے کہ مجھ کو تو رسول اللہ نے گروہ منافقین میں شامل نہیں کیا؟ حدیث کہتے تھے نہیں نہیں اور کتاب سواد و بیاض (Black and white) میں ہے کہ چونکہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ سب سے زیادہ منافقوں کے احوال سے حدیث واقف ہے۔ اس لئے امیر المؤمنین عمر نے دو مرتبہ اُن کو اپنے نزدیک بلا کر کہا کہ تو منافقوں کو پہچانتا ہے۔ ہلا کہ میں بھی اُن میں شامل ہوں کہ نہیں؟ حدیث ہر بار یہی کہتے تھے کہ میں رسول اللہ کا راز ظاہر نہ کروں گا۔ اس پر حضرت عمر نے بروایت کتاب میزان الاعتدال (سنی کتاب) فرمایا ”يَا حذيفه انا بالله من المُنَافِقِينَ (اے حدیث قسم بخدا میں بھی اُن منافقین میں شامل تھا)“ (صفحہ 147)۔

(ح) حضور کو قتل کرنے کی سازش پر چند وضاحتیں اور تنقیدی توجہات؟

اس سازش اور حملے پر جو روایت کثرت نے مشہور کی وہ ہے آپ نے دیکھ لی ہے۔ اس روایت میں رسول اللہ کے ساتھ صرف دو آدمی تھے اور کہا گیا کہ صرف ایک آدمی نے دس بارہ یا چودہ آدمیوں کو بھگا دیا جو ایک عجیب اور ناقابل قبول بات ہے۔ اور حملہ آوروں کو نہ صرف بزدل اور انتہائی ڈر پوک ثابت کرنے والی روایت ہے بلکہ اُن کو نہایت احمق اور کسی کو قتل کرنے کی اسکیم بنانے کا نا اہل اور ناقابل اندیش بھی ثابت کرتی ہے یعنی انہوں نے نہ تصادم کے متعلق کچھ سوچا اور نہ حفظ مقدم کا خیال رکھا اور اس طرح سوچا کہ رسول اللہ تھا اونٹ پر بیٹھے، اونگھتے چلے جا رہے ہوں گے۔ اور اگر کچھ لوگ رسول کے ساتھ جا رہے ہوں گے تو وہ اندھے بہرے ہوں گے انہیں مار دیا جائے گا۔ اگر اندھے نہ ہوں گے تو دس پندرہ آدمیوں کو دیکھ کر بھاگ جائیں گے یا سلام کر کے ہماری اطاعت اختیار کر لیں گے۔ رہ گیا روایت میں پہچان لئے جانے کا اندیشہ یہ بھی روایت ساز کی حماقت ہے جب وہ قتل کر دیں گے تو پہچان لئے جانے سے انہیں کیا نقصان ہوتا؟ بہر حال سازش کرنے والوں کی سازشی بصیرت کو اللہ نے مکر فرمایا ہے جو نہایت عقلمند ہونے کا ثبوت ہے اور اُن کے مکر کے مقابلہ میں اللہ نے خود کو خیر الما کرین فرما کر اُن کے مکر کے درجہ کو بہت بلند کر دیا ہے۔ البتہ روایت ساز شخص اور روایت قبول کرنے والے یا خود احمق تھے یا پھر وہ سارے مسلمانوں کو احمق سمجھتے تھے۔

ہم قرآن کے مقابلے میں ہرگز قریش کی یا سارے عرب کی بات کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ چونکہ قرآن نے اُن کو اسلام اختیار کر لینے کے بعد کفر کا مجرم کہا ہے لہذا قتل کی سازش میں جو لوگ تھے انہیں قریشی زبان میں کافر یعنی منکر اسلام کہا جاسکتا ہے۔ منافق نہیں۔ منافق تو اسلام اختیار ہی نہیں کرتا اور منافق کے ظاہری اسلام کو اللہ اسلام نہیں کہتا۔ پھر عربی زبان میں اور قرآن میں کافر یا کفر کے معنی منکر اسلام ہیں ہی نہیں۔ حق کو چھپانا کفر ہے (تفہیم جلد اول صفحہ 129) اور حق کو چھپانے والے سارے قریشی مسلمان تھے۔ اگر قریش کی پوری قوم کو منافق مانا جائے تو خیر ہے۔ لہذا روایات میں یا ترجموں میں بار بار سازش کرنیوالوں کو منافق کہنا پر دو پیگنڈا ہے حقیقت نہیں ہے اور یہ راویوں کے اپنے الفاظ ہیں رسول کے نہیں۔

سازش اور سازشین کی صحیح صورت حال

جس گھاٹی میں حملہ کی اسکیم بنائی گئی تھی اس کا نام ’عقبہ‘ تھا۔ یہ ایک تنگ راستہ تھا جس میں سے بمشکل دو گھوڑے سوار برابر برابر گزر سکتے تھے۔ دونوں طرف بلند پہاڑ تھے اور چڑھنا بہت ہی مشکل تھا۔ اسکیم یہ تھی کہ رات کو تمام سازشی لوگ پہاڑوں کی دوسری طرف سے اوپر چوٹیوں پر چڑھ جائیں گے۔ اور پہاڑوں کی ڈھلوان پر پڑے ہوئے پتھروں کو اس طرح ترتیب دیں گے کہ اگر اوپر والے ایک پتھر کو لڑھکا دیا جائے تو وہ دوسرے کو اور پھر وہ دونوں تیسرے پتھر کو لڑھکاتے چلے جائیں۔ لہذا رسول کے گھاٹی میں داخل ہوتے ہی یہ لوگ اپنے اپنے سامنے والے پتھر کو دھکیل کر چلتا کر دیں اور پھر اینٹوں کی ریل کی طرح پتھر لڑھکتے ہوئے رسول اور ان کے ساتھیوں کو گرائیں اور کام تمام کر دیں۔ یہ انتظام کر کے وہ لوگ منتظر تھے اور حضور مع حذیفہ وعمار رضی اللہ عنہما گھاٹی میں داخل ہوئے جیسے ہی نشانے کی سیدھ میں پہنچے جگلی چمکی، کڑا کا ہوا، اور روشنی پھیل گئی اور کافی دیر تک منظر روشن رہا۔ دو چار پتھر لڑھکائے گئے مگر ناکام رہے۔ روشنی میں سب پہچان لئے گئے اور یہ گروہ بھاگ کر فوج میں جا ملا۔ پہاڑوں کے اُس پار قیام کیا گیا۔ صبح کو ہوا جو بیان ہوا۔

19- حضرت علیؑ نے عربوں کے دین کو ’شُرُ الدین‘ فرمایا ہے، یعنی عرب دین کے بدترین مجموعہ پر یا، دین کی بدترین صورت پر عمل کرتے تھے

حضرت علیؑ علیہ السلام نے اس خطبے میں اپنے دوسرے عنوان کی ابتدا یوں فرمائی ہے کہ:

وَ اَنْتُمْ مَعْشَرَ الْعَرَبِ عَلٰی شَرِّ دِيْنٍ وَ فِیْ شَرِّ دَارٍ -

”اے عربی معاشرہ کے لوگو تم دین کے بدترین پہلو پر کار بند ہو اور اسی طرح قابل آبادی علاقوں میں تم بدترین علاقے میں سکونت پذیر ہو۔“ حضور کا یہ بیان بہت معنی خیز ہے اور عربوں کے سابقہ اور موجودہ دین کو لمحہ فکریہ بنا دیتا ہے اور دونوں زمانوں پر صادق آتا ہے۔ یعنی بعثت سے پہلے بھی عربوں کا دین یہی تھا جو اسلام لانے کے بعد انہوں نے اختیار کیا اور آج تک جس پر قریشی مسلمان عمل کرتے آئے ہیں۔

(الف) عربوں کے لیڈروں، علما، مجتہدین اور راہنماؤں نے حقیقی دین کا میک اپ make up کر کے رائج کر دیا تھا

اس بات کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم سے مدد لینا ہوگی چنانچہ اللہ نے عربوں کے دین کے ایک پہلو کو بیان فرماتے ہوئے اُن کے چند مسائل اور فیصلوں کو سامنے رکھا ہے۔ اور پھر اُن مسائل کو تیار کرنے کی وجہ بیان کی ہے۔ لہذا مودودی کے قریشی ترجمے سے قرآن کا بیان پڑھئے:

”اے محمد! کہہ دو کہ لوگو، (بِقَوْمٍ) تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو اور میں بھی اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار (عَاقِبَةُ الدَّارِ) کس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔ (وجعلوا) اُن لوگوں نے اللہ کے لئے خود اُسی کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ”یہ اللہ کے لئے ہے“ بزعم خود، اور یہ ہمارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کے لئے۔ پھر جو حصہ اُن کے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کے لئے ہے ”وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا“ مگر جو اللہ کے لئے ہے ”وہ اُن کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے“ کیسے بُرے فیصلے کرتے ہیں یہ (قوم کے - احسن) لوگ؟ (وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا) اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لئے اُنکے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے تاکہ اُن کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور اُن پر اُن کے دین کو مشتتبہ بنا دیں۔ (لِيَلْبَسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ)۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ (قوم - احسن) ایسا نہ کرتے لہذا انہیں چھوڑ دو کہ اپنی افترا پرداز یوں میں لگے رہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ جانور اور یہ کھیت محفوظ ہیں، انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھلانا چاہیں، یہ پابندی اُن کی خود ساختہ ہے۔ پھر

کچھ جانور ہیں جن پر سواری اور بار برداری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ پر افترا کیا ہے، عنقریب اللہ انہیں ان افترا پرداز یوں کا بدلہ دے گا۔ (سورہ انعام 138 تا 135/6) (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 583 تا 587)

(ب) ان چاروں آیات کی تشریح قریشی اجتہاد و استنباط احکام کی قدامت اور اللہ کے دین کی جزئیات مقرر کرنے پر روشنی ڈالتی ہے۔

آیات میں مذکور مسائل تک پہنچنے سے پہلے آپ چند ابتدائی اور بنیادی باتیں نوٹ کر لیں تاکہ قریشی علما اور مشرکین میں مماثلت اور یکسانی دیکھی جاسکے۔ اول یہ بات کہ اگر ان آیات میں سے لفظ مشرکین اور شرکان کا لیا جائے تو موجودہ یا گذشتہ مسلمانوں میں اور بعثت سے پہلے کے لوگوں میں کوئی فرق نہیں رہتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ جنہیں مشرکین یا بعثت سے پہلے کے لوگ کہا جا رہا ہے وہ اللہ کو نہ صرف مانتے ہیں بلکہ اپنے مسائل میں اللہ کو ہر وقت ملحوظ رکھتے ہیں، اُس کا حق اور حصہ تجویز کرتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ جہاں وہ اللہ کا حق اور حصہ مانتے اور تجویز کرتے ہیں، وہیں اُن کے کچھ شرک یا شریک بھی ہیں۔ اُن کا حصہ بھی دینی حیثیت سے مانتے اور تجویز کرتے ہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جنہیں اللہ نے اُن کے شریک یا شرک فرمایا ہے اور جن کو وہ خود بھی اپنے شرک مانتے ہیں وہ کوئی پتھر یا لکڑی وغیرہ کے بت یا مجسمے نہیں ہیں بلکہ وہ وہ علما ہیں جو دین میں، بقول قرآن افترا کر رہے ہیں یا بقول مودودی اُن کے دین سے خود ساختہ مسائل و احکام تیار کر کے نافذ کرتے ہیں۔ اور جن کو وہ لوگ اللہ کی طرح حصہ دیتے ہیں۔ اور جن کو اللہ کا حصہ بھی مل سکتا ہے اور جن کا حصہ اللہ کو نہیں مل سکتا۔ اور جو اُن کے دین کو اُن پر مشتبہ کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے قتل اولاد کو بھی پسندیدہ فعل بنا کر دکھا دیا ہے۔ اور جن کے لئے اللہ نے آنحضرت کو حکم دیا ہے کہ انہیں اُن کی افترا پرداز یوں میں لگا رہنے دو۔ پانچویں بات یہ ہے کہ اُن لوگوں کو شرک اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ دینی مسائل تیار کرنے میں اللہ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں اور ایسے لوگوں کو مشرک کہا گیا ہے جو اللہ کے ساتھ دینی مسائل تیار کرنے میں علما کو شریک مانتے ہیں اور اُن کے تیار کردہ دینی احکام کو واجب التعمیل مانتے ہیں۔

(ج) ان آیات کی رو سے قریش اسلام لانے کے بعد بھی مشرک ہی رہے ہیں۔

چھٹی بات آخری بات ہے اور وہ یہ ہے کہ ان آیات میں مذکور لوگوں کے پاس ایک حقیقی دین تھا مثلاً جسے اُن کے شرک، بقول مودودی مشتبہ کر رہے تھے (لَيْبَسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ) اور بقول خدا، میک اپ (make up) کرتے تھے۔

قریش کے مسلمانوں میں اور بعثت سے پہلے قریش میں نظام اجتہاد مشترک تھا۔

بہر حال ان چھ باتوں سے معلوم و ثابت ہوا کہ بعثت سے پہلے کے قریش کے پاس بھی حقیقی دین تھا اور وہ اس دین پر ایمان رکھتے تھے۔ اُسی طرح قریشی مسلمانوں کے پاس بھی حقیقی دین تھا اور وہ بھی اُس پر ایمان رکھتے تھے۔ ان دو قسم کے لوگوں کے یہاں علما، راہنما یا دانشوروں کا ایک ایسا گروہ تھا جو اُن کے حقیقی دین میں تسلیم یا افترا کر کے خود مسائل تیار کرتے تھے اور دونوں جماعتیں اُن خود ساختہ مسائل پر عمل کرتی تھیں۔ ایسے گروہ کی موجودگی اور کارکردگی کی بنا پر اللہ نے اول الذکر کو مشرک فرمایا ہے لہذا ثانی الذکر خود بخود مشرک ثابت ہو گیا ہے۔

قریشی مسلمانوں کو مشرکین کے طریقے پر چلنے اور شرک کی اطاعت کرنے سے منع کیا گیا تھا۔

اور نظام شرک و اجتہاد کی اطاعت کرنے اور مشرک بن جانے سے قریشی مسلمانوں کو روکنے کے لئے فرمایا تھا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرِيدُوا كُفْرَكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ----- الخ (آل عمران 3/149)

”اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو اگر تم نے اُن لوگوں کی اطاعت اختیار کر لی جو حق کو چھپاتے ہیں تو تمہیں پھر پچھلی طرف واپس کر لیں

گے یعنی سابقہ مذہب پر ڈال دیں گے۔

معلوم ہوا کہ مسلمان پہلے ہی سے اُن لوگوں کی اطاعت میں مصروف تھے۔ اسی لئے اُن مسلمانوں کو اُن کی اطاعت سے منع نہیں کیا بلکہ اطاعت کے نتیجے سے خبردار کیا ہے اور بتایا ہے کہ تم خسارہ اور نقصانات کے انقلابات میں پھنس جاؤ گے (آل عمران 3/149)۔

(د) ان آیات سے قریش کا نظام اجتہاد یعنی شرک ثابت ہوا اب اُن کے مسائل کا آپس میں مشترک ہونا بھی دیکھ لیں۔

اُن آیات (سورہ انعام - 138 تا 6/135) میں پہلا اجتہادی مسئلہ یہ ہے کہ بعض چیزوں میں بعثت سے پہلے کے قریش اللہ کا اور اپنے راہنماؤں کا الگ الگ حصہ مقرر کرتے تھے بالکل اسی طرح قریشی مسلمانوں نے اللہ ورسول کا الگ حصہ مقرر سمجھا چنانچہ قریشی عالم کا ترجمہ سنئے:

(1) ”جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ و مساکین اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ اللہ سے ڈرو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔“ (حشر 59/7 تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 389...392)

(2) اور سنئے: ”تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں؟ کہو کہ یہ انفال تو اللہ اور اُس کے رسول کے ہیں۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔“ (انفال 8/1، تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 128)

(3) تیسرا متعلقہ مقام: ”اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور اُس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اُس چیز پر جو فیصلے کے روز یعنی دونوں فوجوں کی مڈ بھڑکے دن، ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی (تو یہ حصہ بخوشی ادا کرو) اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (انفال 8/41، تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 145-146)

اس مابھی صورت حال اور ان تینوں آیات (8/41، 8/1، 59/7) کے متعلق تفصیلی گفتگو ہماری تفسیر میں ملاحظہ ہو یہاں تو صرف یہ دکھانا ہے

کہ گوا اللہ نے زیر بحث آیات میں تمام اموال کی ملکیت اپنے اور اپنے رسول کیلئے مخصوص کر دی (8/1) اور پھر اموال تقسیم کے تمام اختیارات بھی رسول کو دے دیئے ہیں اور حکم دے دیا ہے کہ کوئی رسول کے معاملے میں چون و چرا نہ کرے اور چوں نہ کرنیوالوں ہی کو مومن گردانا ہے۔ (59/7) پھر آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے شرکاء یعنی مجتہدین نے مشرکین کی طرح اللہ کا حصہ الگ سے بیان کیا ہے۔ سنئے:

اول۔ ”ان میں سب سے پہلا حصہ اللہ اور رسول کا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 391) اور

دوم۔ ”اس تقسیم میں اللہ اور رسول کا حصہ ایک ہی ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 146)

سوم۔ ”حضور کے بعد (اللہ ورسول کا۔ احسن) حصہ مسلمانوں کے بیت المال کی طرف منتقل ہو گیا،“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 391)

چہارم۔ ”فقہائے شافعیہ کی اکثریت کا قول اس معاملے میں وہی ہے جو جمہور کا قول ہے کہ (اللہ ورسول کا۔ احسن) حصہ اب مسلمانوں کے دینی واجتماعی مصالح کے لئے ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 391)

(ہ) اللہ ورسول کے حصہ کے ساتھ رسول کے اہلیت کا حصہ بھی قریش کے شرکاء نے یعنی مجتہدین نے غصب کر لیا تھا۔

یہاں دوسرے حصہ کے تعین کے لئے فرمایا ہے کہ:

اول۔ ”دوسرا حصہ رشتہ داروں کا ہے اور اُن سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 391)

قریشی مومنین کے شرک یا مجتہدین کے فیصلے سن لیں۔

- 1- بعض لوگوں کی رائے تھی کہ پہلا (یعنی اللہ ورسول والا) حصہ حضور کے (بن بنائے) خلیفہ کو ملنا چاہئے۔ 2- کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ دوسرا حصہ حضور کے رشتہ داروں کو ملنا چاہئے۔ 3- کچھ اور لوگوں کا خیال تھا کہ دوسرا حصہ خلیفہ کے رشتے داروں کو دیا جانا چاہئے۔
- 4- آخر کار اس بات پر اجماع ہو گیا کہ یہ دونوں حصے (یعنی اللہ، رسول اور اہلبیت کے حصے۔ احسن) جہاد کی ضروریات پر صرف کئے جائیں۔
- 5- عطاء بن سائب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد میں اللہ ورسول کا حصہ اور رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم کو بھیجا شروع کر دیا تھا، (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 392)

آیات انعام (6/134-138) میں اللہ نے بعثت سے قبل کے قریش کے دین کو شرک، قریش کو مشرک اور ان کے دین میں خود ساختہ مسائل گھڑنے والوں کو قریش کے شرک فرمایا تھا اور وہی سب کچھ قرآن اور مودودی کے بیان سے بعثت کے بعد والے بلکہ آج تک والے مومن قریش کے لئے ہم نے پیش کر دیا۔ دین کی اسی مجتہدانہ صورت کو حضرت علی علیہ السلام نے ”شَرِّ دین“ دین کی بدترین صورت فرمایا ہے۔

(و) مودودی مانتے ہیں کہ بعثت سے قبل کے قریش کے پاس بھی حقیقی دین تھا جسے مجتہدین نے خود ساختہ اجتہادی مسائل سے بگاڑا تھا

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ قریش بعثت سے پہلے بھی نظام اجتہاد یا نظام شرکت پر کار بند تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی اسی پر کار بند رہے۔ اب مودودی سے ایک بیان سنئے اور دیکھئے کہ وہ بھی اس حقیقت کو مانتے ہیں مگر احتیاطی الفاظ اور جملے لکھتے ہوئے گزرتے ہیں تاکہ نہ اجتہاد کی بوائے نہ قریشی شرک یا مجتہدین کی طرف دھیان جائے۔ سنئے اور خود اپنی بصیرت سے حقیقی نتیجے تک پہنچ جائیے۔

زمانہ جاہلیت کے قریش اور حقیقی اسلام میں دین سازی

”زمانہ جاہلیت کے عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا پیرو کہتے اور سمجھتے تھے۔ اور اس بنا پر ان کا خیال یہ تھا کہ جس مذہب کا وہ اتباع کر رہے ہیں وہ خدا کا پسندیدہ مذہب ہی ہے۔ لیکن جو دین ان لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے سیکھا تھا۔ اُس کے اندر بعد کی صدیوں میں مذہبی پیشوا (یہ دراصل مجتہد تھے۔ احسن)، قبائل کے سردار، خاندانوں کے بڑے بوڑھے اور مختلف لوگ طرح طرح کے عقائد اور اعمال اور رسوم کا اضافہ کرتے چلے گئے جنہیں آنے والی نسلوں نے اصل مذہب کا سچا سمجھا اور عقیدت مندی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔۔۔ اسی صورت حال کی ترجمانی اس فقرے (وَلْيَلْبَسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ) میں کی گئی ہے، (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 587)

رسالت و نبوت پر ایمان لا کر قریش نے زمانہ جاہلیت والے قریش کو بھی مات کر دیا

ہمارے پاس فی الحال اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم مودودی کے قلم سے قریشی راہنماؤں اور شرک کے شرک و اجتہاد کی تفصیل لکھیں اس لئے مودودی کا صرف مختصر سا ایک بیان لکھ دیتے ہیں تاکہ اسلام لانے کے بعد قریش کی پوری مشرکانہ کوششوں کا لب لباب سامنے آجائے۔ چنانچہ ایک آیت، اُس کا ترجمہ اور تشریح مودودی سے سنئے: قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كُفْرِينَ O (5/102 المائدة)

”تم سے پہلے ایک گروہ نے اسی قسم کے سوالات کئے تھے۔ پھر وہ لوگ ان ہی باتوں کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے،“ (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 508)

مودودی تشریح ”17۔ یعنی پہلے انہوں نے خود ہی عقائد اور احکام میں موٹگیافیاں کیں اور ایک ایک چیز کے متعلق سوال کر کر کے تفصیلات اور قیود کا ایک جال اپنے لئے تیار کر لیا، پھر خود ہی اس میں الجھ کر اعتقادی گمراہیوں اور عملی نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے اس گروہ سے مراد یہودی ہیں جن کے

نقش قدم پر چلنے میں، قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات کے باوجود، مسلمانوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے، (ایضاً صفحہ 508)

یہ تھا عربوں کا وہ دین جس میں شرف و فساد و گمراہی روز افزوں طریقے پر بڑھتی چلی آئی ہے۔ سوچئے کہ جن لوگوں کے باپ دادا اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے اپنے مذہب کی روشنی میں نکاح کرتے چلے آ رہے ہوں اُن لوگوں کو حرامی نہ کہنا اور اصلاح کیلئے انہیں سوسائٹی میں قبول کر لینا کتنی وسیع القسمی چاہتا ہے؟ یہ کام صرف اللہ کا نائب ہی کر سکتا ہے۔ وہ ایسی زبان بولتا ہے جو لوگوں کو ہدایت کی طرف کھینچے، دُور نہ بھگائے۔ حضرت علی علیہ السلام کے اس جملے کی متانت اور گہرائی کو کہ:

اے عربی معاشرہ کے لوگو تم دین کی شرعی حالت میں تھے (یا مَعْشَرَ الْعَرَبِ اَنْتُمْ عَلٰی شَرِّ دِيْنٍ) (خطبہ 26، جملہ 3)

(ز) اللہ، رسول، علی اور قرآن نے عربوں کے ساتھ جو نرمی اور مہذب زبان استعمال کی وہ عربوں کو نہ راس آئی، اور نہ وہ اُن کیلئے مخصوص تھی؟

قرآن کی اس آیت (نساء 4/22) کے آئینے میں دیکھیں کہ قرآن عربوں کو مخاطب تو کرتا ہے۔ مگر اُن تک محدود نہیں ہے۔ اگر قرآن کے مخاطب صرف عرب ہوتے تو اُن کے لئے وہ زبان بولنا ضروری تھی جو، ہم بولتے ہیں تاکہ اُن کو پوری طرح سمجھ میں آئے اور ٹخنوں تک اُتر جائے۔ بہر حال انہیں بڑے مہذب انداز میں یہ کہا گیا کہ:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيْلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَ

بَنَاتُكُمْ وَاَخْوَتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ... الخ۔ (سورۃ النساء 23-24)

”اور اے عربو تم اُن عورتوں سے نکاح نہ کیا کرو جن سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا تھا۔ درحقیقت باپ دادا کی منکوحہ عورتوں سے نکاح کرتے چلے آنا بڑی بے حیائی کا فعل تھا بہت ناپسندیدہ حرکت تھی اور بہت بُرا مذہبی طریقہ تھا۔ بہر حال جو پہلے ہو چکا وہ تو ہو ہی چکا مگر اب آئندہ تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیوں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہو اور اُن بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارے ازدواجی تعلقات رہ چکے ہوں حرام ہیں۔ البتہ اگر عورتوں سے صرف نکاح ہوا تھا تعلق زوجیت نہ ہوا تھا تو اُن کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں حرج نہیں ہے۔ اور تم پر اپنے صلب سے پیدا ہونے والے بیٹوں کی بیویاں بھی حرام ہیں اور دو حقیقی بہنوں کا نکاح میں ایک ساتھ رکھنا بھی حرام ہے۔ البتہ جو پہلے ہو چکا وہ تو ہو ہی چکا یقیناً آئندہ پابندی کرنے والے لوگوں کے لئے اللہ غفور اور رحیم ہے۔“ (نساء 23-24)

سوچئے کہ عربوں میں کیا کیا ہو چکا تھا؟ اپنی ماں سے اولاد پیدا کرنے والا شخص کیسا ہو سکتا ہے؟ پھر اپنی ماں سے اپنی بیٹی پیدا کر کے اُس سے نکاح کرنے والے کو کیا کہو گے؟ پھر وہ شخص کتنا شاندار آدمی ہو سکتا ہے جس کی بیویوں میں ایک اس کی حقیقی ماں ہو ایک اس کی حقیقی بیٹی ہو ایک اس کی حقیقی بہن ہو ایک خالہ ہو ایک بھانجی اور ایک بھتیجی ہو اور ایک پھوپھی ہو اور اُن سب سے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ بھی اسی قریشی سنت اور قانون پر عمل کریں تو اُس نسل کو کیا کہو گے جو اس مرکب زنا یا نکاح سے دو سو سال میں پیدا ہوگی ایسی نسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخاطب تھی۔ اس نسل کے لئے یہ کہنا تو بہت حقیر سی بات ہے کہ تم دین کی بدترین حالت میں تھے۔ اس جملے کو شریف النسل لوگ اُس گہرائی سے نہیں سمجھ سکتے جس گہرائی سے خود عرب سمجھتے تھے۔

(ح) اللہ اور انبیاء کیسا معاشرہ چاہتے ہیں اور قریشی مسلمان علما نے اُسے از سر نو کیسا بنانا چاہا؟

عربوں کی پیدا کردہ اس حرام در حرام درد و لاکھ گنا حرام نسل کو حلال و طیب نسل میں بدلنے کے لئے قرآن و احادیث نے جنسی تعلق پر سیکڑوں پابندیاں لگائیں مگر قریشی مجتہدین نے کوشش جاری رکھی کہ حرام دنیا سے غائب نہ ہو جائے لہذا ادل بدل کر اور مین میخ نکال کر قریشی علما اور مجتہدین حرام کو برقرار رکھنے میں کوشاں رہے۔ اس سلسلے میں بھی مودودی کی ناگواری ملاحظہ کریں لکھا ہے کہ:-

”اس امر میں اختلاف ہے کہ جس عورت سے باپ کا ناجائز تعلق ہو چکا ہو وہ بھی بیٹے پر حرام ہے یا نہیں؟ سلف میں سے بعض علما اس کی حرمت کے قائل نہیں ہیں اور بعض علما اسے بھی حرام قرار دیتے ہیں، بلکہ اُن علما کے نزدیک جس عورت کو باپ نے شہوت سے ہاتھ بھی لگایا ہو وہ بھی بیٹے پر حرام ہے۔ اسی طرح سلف میں اس امر پر بھی اختلاف رہا ہے کہ جس عورت سے بیٹے کا ناجائز تعلق ہو چکا ہو، وہ باپ پر حرام ہے یا نہیں؟ اور جس مرد سے ماں یا بیٹی کا ناجائز تعلق رہا ہو یا بعد میں ہو جائے اُس سے ماں اور بیٹی کا نکاح کرنا حرام ہے یا نہیں؟ اس باب میں فقہیانہ بحثیں بہت طویل ہیں، مگر یہ بات باندنی تامل سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی شخص کے نکاح میں ایسی عورت کا ہونا جس پر اُس کا باپ یا اُس کا بیٹا بھی نظر رکھتا ہو یا جس کی ماں یا بیٹی پر بھی اُس کی نگاہ ہو، ایک صالح معاشرت کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہو سکتا۔ شریعت الہی کا مزاج اس معاملے میں اُن قانونی موشگافیوں کو قبول نہیں کرتا (جو قریشی علما نے جاری کی ہیں اور) جن کی بنا پر نکاح اور غیر نکاح اور قبل نکاح اور اُلس اور نظر وغیرہ میں فرق کیا جاتا ہے (اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا جاتا ہے۔ احسن) سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ خاندانی زندگی میں ایک ہی عورت کے ساتھ باپ اور بیٹے کے، یا ایک ہی مرد کے ساتھ ماں اور بیٹی کے شہوانی جذبات وابستہ ہونا سخت مفاسد کا موجب ہے“۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 336-337، حاشیہ 34)

علامہ کے بیان سے ثابت ہوا کہ قریشی علما حرام کردہ جنسی تعلقات کو چند الفاظ کی آڑ لے کر حلال کرتے رہے ہیں۔

(ط) بیٹی اور ماں سے جنسی تعلق کی ایک ایک مثال ایسی کتاب سے جو عربوں کے فضائل و مناقب میں لکھی گئی۔

علامہ آلوسی عربوں کی طرفداری میں بددیانتی کی انتہا تک متعصب ہیں وہ اپنی مشہور کتاب بلوغ الارب میں لکھتے ہیں کہ:

(1) ”بنی تمیم کے سردار حاجب بن زرارہ نے اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی اور اُس سے بچے بھی پیدا ہوئے تھے۔

اُس نے کسریٰ کی بیٹی کے نام پر اس کا نام دُختنوس رکھا تھا“۔ (جلد 2 صفحہ 369)

(2) ”اُن فتوح باتوں میں سے جو عرب کیا کرتے تھے ایک یہ تھی کہ ایک شخص باپ کے مرجانے پر باپ کی بیوی کو اپنے عقد میں لے لیتا

تھا“ (ایضاً صفحہ 371)

(3) ”ابوجحہ سعید بن عاصم نے مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم کی دو بیٹیوں ہندا اور صفیہ کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھا مگر اسلام نے

اسے باطل قرار دے دیا“۔ (ایضاً صفحہ 371)

یہ تھا عربوں کے علما اور مجتہدین کا تیار کیا ہوا دین جسے حضرت علی علیہ السلام نے ”شَرِّ دین“ فرمایا اور اس سے نرم ریمارکس ممکن نہیں تھے۔

20- عربوں کے بود و باش کے مقام کو بہت شراگین یا بہت بُری جگہ قرار دیا ہے۔ قدیم الایام اور اُن کی ابتدائی حالت بتائی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام جن عربوں کی بات کر رہے ہیں وہ مخلوط نسل لوگ ہیں۔ جو کسی ایک خاص قبیلے کے لوگ نہیں ہیں بلکہ جنگل و

بیابانوں اور ریگستانوں میں پیدا ہونے والے لوگ ہیں۔ اُن سے صحیح تعارف کے لئے حضورؐ کے ایک اور خطبہ کے چند جملے ملاحظہ کر لیں تاکہ ہمارے لئے حضرت علیؑ کے مخاطبوں کا حال بیان کرنا اور آپ کے لئے اُنہیں سمجھنا اور پہچانا آسان ہو جائے۔ ارشاد ہے کہ:

فَاعْتَبِرُوا بِحَالِ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ وَبَنِي إِسْحَاقَ وَبَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ؛ فَمَا أَشَدَّ اغْتِدَالَ الْأَحْوَالِ؛ وَأَقْرَبَ اشْتِبَاءَ الْأَمْثَالِ؛ تَأَمَّلُوا أَمْرَهُمْ فِي حَالِ تَشْتِيهِمْ وَتَفَرُّقِهِمْ؛ لِيَأْتِيَ كَانَتِ الْأَكْاسِرَةُ وَالْقِيَاصِرَةُ أَرْبَابًا لَهُمْ؛ يَحْتَازُونَهُمْ عَنْ رَيْفِ الْأَفَاقِ؛ وَيَحْرِ الْعِرَاقَ وَخَضِرَةَ الدُّنْيَا إِلَى مَنَابِتِ الشَّيْحِ؛ وَمَهَافِي الرِّيحِ وَنَكِدِ الْمَعَاشِ؛ فَتَرَكُوهُمْ عَالَةً مَسَاكِينَ إِخْوَانَ دَبْرٍ وَوَبْرٍ؛ أَذَلَّ الْأُمَمِ دَارًا؛ وَأَجْدَبَهُمْ قَرَارًا لَا يَأْوُونَ إِلَى جَنَاحِ دَعْوَةٍ يَعْتَصِمُونَ بِهَا؛ وَلَا إِلَى ظِلِّ أَلْفَةٍ يَعْتَمِدُونَ عَلَى عِزِّهَا؛ فَالْأَحْوَالُ مُضْطَرِبَةٌ؛ وَالْأَيْدِي مُخْتَلِفَةٌ؛ وَالْكَثْرَةُ مُتَفَرِّقَةٌ؛ فِي بِلَادِ أَرْزَلٍ؛ وَأَطْبَاقِ جَهْلٍ مِنْ بَنَاتِ مَوُودَةٍ؛ وَأَصْنَامِ مَعْبُودَةٍ؛ وَأَرْحَامِ مَقْطُوعَةٍ؛ وَغَارَاتٍ مَشْنُونَةٍ؛ (مفتی جعفر خطبہ 190، علی نقی خطبہ 234، بیان الامامة خطبہ 235)

”تم اے مسلمانوں اولاد اسماعیلؑ اور اولاد اسحاقؑ اور بنی اسرائیلؑ یعنی اولاد یعقوبؑ کے حالات پر نظر ڈالو اور عبرت و سبق حاصل کرو۔ دیکھو کہ سابقہ بیان شدہ لوگوں کے اور ان تینوں حضرات کی اولادوں کے حالات کتنے شدید اعتدال کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ اور اُنکے حالات زندگی کی مثالیں کتنی مشابہ ہیں۔ چنانچہ تم لوگ اُن تینوں کی اولاد کے اُن حالات پر غور کرو جن سے اُن تینوں میں تفرقہ پڑا اور وہ بکھر گئے تھے۔ وہ چین کی راتیں جن میں شاہان ایران (کسری لوگ) اور شاہان روم (قیصر لقب بادشاہ) اُنکے ارباب (ربوبیت کر نیوالے) تھے۔ تو وہ تفرقہ و انتشار پھیلانے والوں کو تمام اطراف سے ڈھونڈ نکالتے تھے اور تینوں گروہوں سے الگ کر دیتے تھے پھر انھیں سرسبز علاقوں سے اور عراق کے (دجلہ و فرات) دریاؤں سے سیراب ہونے والے علاقوں سے جلا وطن کر کے خاردار جھاڑیوں میں، آندھیوں کے بے روک بیابانوں میں اور ضروریات زندگی سے محروم ریگستانوں میں دھکیل دیتے تھے۔ اور انہیں ایسی حالت میں چھوڑ آتے تھے جہاں وہ زخموں سے چورچور رائونٹوں کے چرواہے اور بالوں سے بنائی ہوئی جھونپڑیوں کے باشندے بن کر رہ جاتے تھے۔ اُن کا مقام بود و باش تمام اُمتوں سے ذلیل ترین ہوتا تھا؛ اور اُن کا پڑاؤ خشک سالیوں سے تباہ حال ہوتا تھا۔ نہ اُن کو کوئی ایسی دعوت سنائی دیتی تھی کہ جسکے بازوؤں میں جا کر پناہ اور تحفظ حاصل کر سکیں۔ نہ کوئی الفت و محبت کا سایہ فراہم تھا جسکے وقار و عزت کا بھر و سہہ کر سکیں۔ یوں دھکیل دیئے جانے والوں کے حالات مضطرب اور درداگیز تھے۔ سب کے ہاتھ الگ الگ اور تعاون سے محروم تھے۔ اُن کی کثرت افتراق و اختلاف سے دو چار تھی۔ جان سوز مصیبتوں اور جہالت کی تہوں کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ لڑکیاں زندہ درگور تھیں اور بت معبود بنے ہوئے تھے۔ رشتے ناطے اور نسل منقطع ہو چکی تھی۔ لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت پر بھی گزارہ نہ ہوتا تھا۔“

(مفتی جعفر خطبہ 190، علی نقی خطبہ 234، بیان الامامة خطبہ 235)

(الف) بنو اسماعیلؑ، بنو اسحاقؑ اور اولاد یعقوبؑ میں سے تمام فتنہ و فساد پھیلانے والوں کو عرب کے بے آب و گیاہ ریگستان میں کب دھکیلا جاتا تھا؟ اس خطبہ 234 کی تشریح کرنے والے وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے قریشی حکومتوں کے مسلسل اور صدیوں کے پروپیگنڈے سے سیکڑوں حقائق کو غلط صورت میں اختیار کر کے اُنہیں صحیح سمجھ کر بڑے زور شور سے دنیا کے سامنے رکھا اور دنیا بھر کو فریب و فراڈ میں اپنے ساتھ متفق کر لیا ہے۔ اس غلط فہمی کو حقیقت سمجھنے کی حد یہ ہے کہ بہت سے حقائق کو قرآن نے چیخ چیخ کر بیان کیا اور انہوں نے چودہ سو سال تک سنا اور کبھی خیال تک نہ کیا

کہ اللہ نے کیا کہا ہے اور ہم کیا کہہ رہے ہیں؟

(ب) قریش کے نام سے مشہور لوگ نہ نسل اسماعیل سے ہیں نہ آنحضرت سے اُن کا کوئی رشتہ ہے۔ وہ مخلوط النسل لوگ تھے۔ دشمنانِ رسول اور حزبِ الشیطان تھے۔

حضرت علی علیہ السلام نے جن تین خاندانوں کے حالات پر غور کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ اُن میں پہلا خاندان حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ہے۔ دوسرا حضرت اسحاق کا خاندان ہے۔ تیسرا حضرت یعقوب کا خاندان ہے۔ حضرت یعقوب کے خاندان کو الگ سے اس لئے فرمایا کہ اُن کی اولاد کو آنکھ بند کر کے بنی اسرائیل کہہ دیا جاتا ہے۔ یعنی حضرت اسحاق کا ایک فرزند بنام حضرت عیسو علیہ السلام اپنے بھائی حضرت یعقوب سے ناراض ہو کر اپنے چچا حضرت اسماعیل کے پاس چلے آئے تھے اور حضرت اسماعیل نے اپنی بیٹی کی شادی اُن سے کر دی تھی اور اُن سے پیدا ہونے والی نسل کو حضرت علی نے حضرت اسحاق کی اولاد الگ سے فرمایا ہے اور یہ نسل مسلسل حضرت اسماعیل کی اولاد سے وابستہ اور ساتھ ساتھ رہتی چلی آئی ہے اور آج تک ساتھ ساتھ ہیں۔ کوئی جانے نہ جانے کوئی سمجھے نہ سمجھے حقیقت واقعی یہی ہے۔ حضرت عیسو ہی کو آدم کے لقب سے بھی پکارا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں۔ 1۔ جناب سارا سے حضرت اسحاق۔ 2۔ حضرت ہاجرہ سے جناب اسماعیل علیہ السلام تھے۔ 3۔ قطورا۔ اُن سے جناب مدین اور کئی اولادیں تھیں۔ جنہوں نے زبردست بادشاہتیں قائم کی تھیں اور اسرائیلی و نابتی حکومتوں سے بھی برسرِ پیکار رہتی تھیں۔ حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے نام و حالات پر علامہ سید سلیمان ندوی متوفی 1373 کا بیان سنئے:

حضرت اسماعیل کے بیٹوں کے نام جو حجاز میں آباد تھے 2000 ق م

”حضرت اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ تھے۔ 1۔ نبایوط، 2۔ قیدار، 3۔ ادبائیل، 4۔ مبشام، 5۔ مشماع، 6۔ دوام، 7۔ مشاء، 8۔ حدر، 9۔ تیما، 10۔ بطور، 11۔ نفیس، 12۔ قیدماہ۔ یہ بارہوں بیٹے حسبِ بشارت ربانی اپنے خاندان کے بارہ رئیس تھے (تکوین 25-13) اُن میں سب سے بڑے نبایوط اور اُن سے چھوٹے قیدار تھے۔ اور یہی دونوں کچھلی تاریخ میں سب سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ تمام بھائی باپ کے زمانہ میں اور ایک عرصہ بعد تک حجاز ہی میں آباد رہے اور پچازاد بھائی کے بیٹوں یعنی فرزندانِ مدین کے ساتھ مل کر یمن و حجاز سے شام و مصر تک تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔“ (کتاب ارض القرآن جلد دوم صفحہ 49)

توریت سے حضرت اسماعیل کے بیٹوں کے نام تمام تاریخوں اور روایات کی بنیاد ہیں۔

یہ نام اور ناموں کی ترتیب تو صحیح ہے لیکن سید صاحب نے حوالہ غلط دیا تھا صحیح حوالہ اور نام دوبارہ دیکھیں:

هَذِهِ اَسْمَاءُ بَنِي اِسْمَاعِيلَ بِحَسَبِ اَسْمَائِهِمْ وَ مَوَالِدِهِمْ: نَبَا يُوثُ بَكْرُ اِسْمَاعِيلَ وَ قَيْدَاوُ وَ اَدْبَيْيْلُ وَ مَيْسَا مُ وَ مِشْمَاعُ وَ دُوْمَةُ وَ مَسَاوُ حَدَاوُ وَ تَيْمَا وَ بَطُوْرُ وَ نَافِيْشُ وَ قَيْدَمَةُ هُوَ لَآءِ بَنُوْ اِسْمَاعِيْلَ وَ هَذِهِ اَسْمَاؤُهُمْ بِحَسَبِ اَحْوَابِيْنِهِمْ وَ حَضَاوُ هُمْ اِثْنَا عَشَرَ زَعِيْمًا لِقَبَا ئِلِهِمْ۔ الخ (الكتاب المقدس الفصل الخامس والعشرون آيات 13 تا 19)

”اور اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ یہ نام ترتیب وار اُن کی پیدائش کے مطابق ہیں۔ اسماعیل کا پہلا نانا بایوت تھا۔ پھر قیدار اور ادبائیل اور ميسام اور مشماع اور دومہ اور مشا حد اور تیما اور بطور اور نفیس اور قدمہ۔ یہ اسماعیل کے بیٹے ہیں اور اُن ہی کے ناموں سے اُن کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں اور یہی بارہ اپنے قبیلوں کے سردار ہوئے اور اسماعیل کی کل عمر ایک سو سینتیس برس کی ہوئی تب اُس نے

دم چھوڑ دیا اور وفات پائی اور اپنے لوگوں میں جا ملا۔ اور اس کی اولاد حویلیہ سے شورتک جو مصر کے سامنے اس راستے پر ہے جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے۔ (اردو بائبل صفحہ 25 باب 25 آیات 13 تا 19)

(ج) حضرت ابراہیمؑ کا خاندان 2000 ق م کے بعد عرب کے آباد علاقوں پر اور اُن کے چاروں طرف کے ممالک پر حکمران رہتا چلا آیا بعثت رسول تک یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں ظہور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مسلسل نبوت رہی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مستقلاً و مسلسل، بلا انقطاع امامت عظمیٰ جاری رہی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آخری و انتہائی درجہ و مقام تھا۔ یعنی حضورؐ کے دو بیٹے، اسماعیلؑ و اسحاقؑ یکساں طور پر نبوت و رسالت و رشتہ میں پاسکے۔ لیکن درجہ امامت سے صرف حضرت اسماعیلؑ ہی نوازے گئے تا کہ اس امامت سے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پیدا ہوں۔ چنانچہ حضرت اسماعیل کے بعد اُن کے جانشین امام نابت علیہ السلام ہوئے اور اُن کی اولاد میں امامت جاری رہی۔ اور آخر تمام انبیاء و رسل کے نبی اور رسول (آل عمران 3/81) محمدؐ پیدا ہوئے اور تمام انبیاء، رسل اور آئمہ کے امام علیؑ پیدا ہوئے تھے۔

تاریخ یونان و روم اور بائبل اور کتاب ارض القرآن سے ثابت ہے کہ حضرت مدینؑ و حضرت نابت اور حضرت یعقوبؑ کی اولادیں برابر حکومت کرتی رہیں اور ظہور حضرت ختمی مرتبت کے وقت تک سلطنت روم میں عیسائی حکومت تھی اور سورہ روم میں اُس کے مومن ہونے کا ثبوت موجود ہے باقی عربی آباد علاقوں پر نابت علیہ السلام کی اولاد حکمران تھی اور یہ نابتی اور عیسائی حکومتیں آپس میں تعاون اور اتحاد رکھتی تھیں اور سلطان یونان و ایران سے ہمیشہ برسرسپکا رہتی تھیں اُدھر تیسرے بھائی مدین کی اولاد کی حکومتوں سے برابر جنگ جاری رہی یہاں تک کہ آخر مدین کی حکومتوں کو اللہ نے اُن کی بد اعمالیوں کی بنا پر برباد کر دیا تھا۔ اُن کی بربادی اور سرکشی کے حالات قرآن میں کئی جگہ بیان ہوئے ہیں (ہود 11/84...95) اور حضرت مدین ہی کی اولاد اور حکومتیں تھیں جو حضرت شعیب علیہ السلام کے مخاطب تھے اور یہی لوگ تھے جن کی سرکشی اور بغاوت کا ذکر حضرت علیؑ نے فرمایا ہے (خطبہ 234) اور یہی لوگ تھے جن کی طرفداری کرنے والوں کو ہر جگہ سے اور ابراہیمی خاندانوں کی ہر حکومت سے عرب کے ریگستانوں میں ڈھکیلا جاتا رہا۔ اور یوں وہ لوگ وجود میں آئے جنہیں آگے چل کر جاز تک رسائی ملی اور جنہوں نے خود کو حضرت اسماعیلؑ کے خاندانوں سے وابستہ کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش و کمینہ راہیں اختیار کیں۔ یہی وہ لوگ تھے جن میں عورتوں کی کمی کی بنا پر ماں، بیٹی اور بہنوں سے اولادیں اور نسل پیدا کی گئی تھی۔ یہی تھے جو قریش کے نام سے خود کو متعارف کراتے رہے۔ یہی لوگ تھے جن میں حضرت اسماعیلؑ کی پارسا نسل سے عداوت اور دیرینہ کینہ تھا۔ انہیں اپنے ابا و اجداد سے معلوم ہوتا چلا آیا تھا کہ انہیں ایک زمانہ میں نبطی اور اسرائیلی حکومتوں نے بے دست و پا کر کے ریگستانوں میں پھینک دیا تھا۔ ریگستانی زندگی اور بود و باش ہی کو حضرت علیؑ نے خطبہ 26 میں فی شہر دار فرمایا ہے اور اسی بود و باش کو خطبہ 234 میں اَذَلَّ الْأُمَمِ دَارًا قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ ذلیل ترین لوگوں کی ایک قوم بن گئی تھی۔ جن کی ذاتی یا قومی ضروریات اور مصلحتیں ہی اُن کا دین تھیں، جسے حضورؐ نے ”عَلَى شَرِّ دِينٍ“ فرمایا ہے۔ اور عَلَى شَرِّ دِينٍ وَ فِی شَرِّ دَارٍ“ فرما کر اُن کی تمام کمینہ خصلتوں اور ابلیسی حالتوں اور ناخوار ذہنیات کا خلاصہ فرما دیا ہے۔

(د) عرب اور اہل عرب کے متعلق چند اور حقائق اور قریشی لوگوں کا فراڈ، نسل رسول میں شامل ہو کر رسول کی قوم بن جانے کی مہم

قرآن کریم اور جدید سنجیدہ تحقیقات کے مطابق نسل انسانی جس نطفہ ارض سے شروع ہو کر دنیا میں پھیلی وہ خطہ کئی ہزار سال بعد عرب

کہلایا ہے۔ جس مقام کو مکہ کہا جاتا ہے قرآن کریم نے اُسے بگہ فرمایا ہے (آل عمران 3/96) اور یہیں بیت اللہ کو اولین بیت یعنی زمین پر پہلا گھر فرمایا گیا ہے۔ اور اسی کعبہ کو قدیم گھر بیت العتیق (حج 22/29) بھی فرمایا ہے۔ ساتھ ہی مکہ کو دنیا کی تمام بستیوں کی ماں اُمُّ الْقُرْیٰ (انعام 6/93) کہا گیا ہے۔ اس طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ زمین پر نسل انسانی کی جائے پیدائش یہی خطۂ زمین ہے جسے بعد میں دنیا عرب کہہ کر پکارتی رہے گی۔ یہاں یہ بھی سُن لیں کہ زمین پر جہاں جہاں ریگستان ہیں وہاں ایک زمانہ میں بہت دریا اور پانی کی افراط تھی وہ علاقے دنیا کے سرسبز و شاداب ترین علاقے تھے۔ رفتہ رفتہ پانی نے وہاں سیم اور شورہ پیدا کیا زمین کی مٹی ریت میں تبدیل ہو گئی۔ اور اس معاملہ میں سب سے پہلا ریگستان بھی عرب ہی میں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ عربی ریگستان میں اب بھی ایسے مقامات ہیں جہاں انسانی قدم نہیں پہنچے ہیں۔ چنانچہ عرب کے ریگزار میں وہ مقام، جہاں دنیا سے اغوا کئے ہوئے بچوں، عورتوں اور مردوں کو غلامی کی تعلیم و تربیت و تعزیر دی جاتی ہے، ایسا دشوار گزار ہے کہ اگر چند آدمیوں کو وہاں پہنچانا ہوتا ہے تو ہر آدمی کے لئے ایک ایک اونٹ پانی سے لدا ہوا ساتھ لینا پڑتا ہے اور پندرہ روز تک ریگستان میں سفر کرنا اور بہت اختصار و احتیاط سے نپاٹل پانی اور غذا استعمال کرنا لازم ہے اونٹوں کو بھی بہت کم پانی پلایا جاتا ہے۔ اُس تربیتی مقام پر چشمے اور درخت ہیں وہاں اُن لوگوں کو چھوڑ کر یہ قافلہ واپس آ جاتا ہے۔ اسی طریقے سے انہیں دیگر سامان زندگی پہنچایا جاتا ہے۔ ٹریننگ کے بعد فارغ التحصیل غلاموں اور کینروں کو مکہ کے بازار نخّاس، قلعہ نما خفیہ عمارت ہوتی ہے پہنچا دیا جاتا ہے جہاں سے وہ بڑے انتظام کے ساتھ عربی شیوخ کو فروخت کئے جاتے ہیں۔ اُسی قسم کا انتظام ایرانی، عراقی، رومی اور یونانی حکومتیں کرتی تھیں۔ تمام ناپسندیدہ لوگوں، لیڈروں، بدمعاشوں اور سیاسی خطرناک لوگوں کو فوجی قافلوں کی نگرانی میں عرب کے مذکورہ ریگزاروں میں پہنچا دیتی تھیں۔ اسی طرح جس طرح ہندوستان سے مجرموں اور قیدیوں کو انڈمان نکو بار کے جزیروں میں بھیج دیا جاتا تھا۔ عرب کے ریگستانوں میں یوں پہنچائے جانے والے لوگ تھے جن کی نسل کو جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

وَ اَنْتُمْ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ عَلٰی شَرِّ دِيْنٍ وَ فِيْ شَرِّ دَارٍ؛ مَتَّبِعُوْنَ بَيْنَ حِجَارَةٍ حُشْنٍ وَ حَيَاتٍ صُمِّمٍ، تَشْرَبُوْنَ الْكَلْبَرِ؛ وَ تَاْكُلُوْنَ الْحَشْبَ؛ وَ تَسْفِكُوْنَ دِمَا تِكُمْ؛ وَ تَنْقَطِعُوْنَ اَرْضَا مِكُمْ؛ اَلَا ضَنَامٌ فِيْكُمْ مَنصُوبَةٌ؛ وَ اَلَا نَامٌ بِكُمْ مَعصُوبَةٌ؛ (26 خطبہ، جملہ 3 تا 10)

”اور اے عرب کے معاشرہ کے لوگو تم شر و فساد والے دین پر قائم تھے اور تمہارا ٹھکانہ بھی شر و فساد میں ڈوبا ہوا تھا۔ تم کھر درے پتھروں اور زرہریلے سانپوں کے اندر بیستے تھے۔ گدلا و گندہ پانی پیا کرتے تھے اور گندہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کا پانی اور روٹی کے لئے خون بہا دیا کرتے تھے حتیٰ کہ اپنی نسل کشی اور رشتہ داری کا بھی خیال نہ کرتے تھے۔ تمہارے درمیان مجھے بڑا مقام رکھتے تھے اور تم سر سے پیر تک گناہوں میں لپٹے ہوئے تھے۔“

مطلب یہ کہ تم ایسی ذلیل و رسوا حالت میں رہتے ہوئے اچانک خوش حالی سے وابستہ کر دیئے گئے۔ اگر تم حلال زادے اور شریف نسل کے لوگ ہوتے تو اُن سب کا احسان مانتے جنہوں نے تمہیں ذلت کے غار سے نکال کر اوج کمال پر پہنچایا ہے۔ مگر تم جو کچھ کرتے رہے ہو وہ تمہاری نسل و ابا و اجداد کی کمیٹنگی بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔

پرویز اور عرب: غلام احمد پرویز کہتے ہیں کہ:

”تمدن و تہذیب کی بلند سطح تو ایک طرف، روزمرہ کے حواج زندگی میں بھی وحشت و بربریت چلتی پھرتی نظر آتی تھی۔ مثلاً کھانے

پکانے میں حلال و حرام تو ایک طرف نفیس و خبیث کی بھی تمیز نہ تھی حشرات الارض اُن کی عام غذا تھی۔ چھپکلیوں تک کو کھا جاتے تھے۔ خون کو جمالیاتے اور مزہ لے لے کر کھاتے۔ مردہ جانوروں کو کھا جاتے۔ حتیٰ کہ چمڑے تک کو بھون کر کھا لیتے۔ درندگی کا یہ عالم کہ زندہ اونٹ کا کوہان اور دنبہ کی دم کی چکی کاٹ کر کھا جاتے۔ باپ کے مرنے کے بعد اُس کی تمام بیویاں بیٹی کی وراثت میں آ جاتیں اور اُس کی جائز بیویاں سبھی جاتیں۔ بیویوں کی تعداد کی کوئی حد ہی نہ تھی۔ عارضی نکاح (متعہ) کا عام رواج تھا۔ بدکاری کی اور بھی عجیب قسمیں تھیں۔ مثلاً شجاعت اور بہادری میں کسی کی شہرت سنتے تو اپنی بیوی اُس کے پاس بھیج دیتے۔ تاکہ اُس سے شجاع اور بہادر بچہ پیدا ہو۔ زنا کی اولاد کے متعلق عورت جس کی طرف انگلی اٹھا دیتی وہی اس کا باپ قرار پا جاتا اس پر طرفہ یہ کہ فسق و فجور کی ان خواہشات پر فخر کرتے اور ان کا ڈھنڈورا پیٹتے۔ (معارف القرآن جلد 4 صفحہ 137)

یہ تھا عربوں کا گناہوں میں لپٹا ہوا ہونا (وَ الْاِثْمَامُ بِكُمْ مَعْصُوبَةٌ) یعنی حرام کاریوں کے مرکب سے پیدا ہونے والے اجسام و دماغ و قلب و ذہن جن کا ہر ذرہ ناپاک و خبیث تھا۔

اسلام لانے والوں میں دو قسم کے مومن موجود تھے، خبیث اور طیب دونوں کو الگ کرنا تھا

اس حقیقت کو اللہ نے بڑی کراہت اور تحمل سے نوٹ کیا مگر اعلان کر دیا تھا کہ :

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَتَنَقَّوْا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿آل عمران 3/179﴾

”یہ بات اللہ کیلئے موزوں نہیں ہے کہ اللہ مومنین کو اس مخلوط حالت میں چھوڑے رکھے جس میں تم آج کل چھوڑے ہوئے ہو۔ یہاں تک کہ خبیث مومنین میں اور نفیس مومنین میں تمیز نہ کرادے۔ اور اللہ کے لئے یہ بھی موزوں نہیں ہے کہ وہ تمہیں اُس پوشیدہ اسکیم پر مطلع کر دے جس سے وہ تمیز کرائے گا۔ لیکن ایسے معاملات کو حل کرنے کے لئے اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے پسندیدہ بنا کر اُس سے ایسا کرایا کرتا ہے۔ چنانچہ اے مخلوط الحال مومنین تم فی الحال اتنا کرو کہ تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ازر سر صحیح ایمان لے آؤ۔ چنانچہ اگر اب تم ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کر لیا تو تمہارے لئے عظیم الشان اجر ہوگا۔ ورنہ نہیں۔“ (آل عمران 3/179)

یہ آیت پکار کر ان لوگوں کی طرف متوجہ کرتی ہے جو ایمان کا اعلان کرنے، نمازیں پڑھنے، روزے رکھنے، زکاۃ دینے، اور جہاد میں ساتھ ساتھ رہنے اور حج کرتے رہنے کے بعد بھی از سر تاپا خبیث تھے۔

سوچئے کہ یہ لوگ اُن لوگوں کے سوا اور کون ہو سکتے ہیں جن کا ذکر ابھی ابھی پرویز نے کیا۔ جن کو حضرت علیؑ نے زیر توجہ رکھا۔ جن کو ماں اور بیٹی وغیرہ سے نکاح نہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟ یہ یقیناً وہی ملائین ہیں جو علیؑ و اولاد علیؑ اور رسولؐ کی حکومت سے محروم کر کے خود حاکم بنے اور اُن پر تمام ممکن مظالم بے دریغ کئے۔ اور جو معاویہ کی صورت میں علیؑ کے مد مقابل آئے۔ اور رسولؐ کی قوم اور اُن کے رشتہ دار بن جانے کا فراڈ کرتے رہے۔ لیکن اُن کی بے رحمی، کینہ پروری، سنگدلی اور خباثت نے ثابت کر دیا کہ رسولؐ اور رسولؐ ہیں۔ اُن لوگوں میں کسی شریف نسل کا خون بھی نہ تھا۔ قریش نے خود کو رسولؐ کے رشتے دار بنانے کیلئے رسولؐ کا جو شجرہ نسب بیان کیا رسولؐ اُس شجرے سے نہیں تو رشتہ داری باطل ہوگی

ہم اس عنوان پر چند اصولی باتیں لکھیں گے تفصیلات ہماری کتاب مرکز انسانیت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ سابقہ عنوانات میں یہ معلوم ہو

چکا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سب سے بڑے اور پہلے بیٹے جناب نابت علیہ السلام ہوئے تھے۔ اور وہی جانشین اسماعیل و ابراہیم علیہما السلام ہوئے۔ یہ بات تاریخ یعقوبی نے بھی لکھی ہے کہ: فَلَمَّا تَوَفَّى اسْمَاعِيلَ وَ لَى الْبَيْتُ بَعْدَهُ نَابِتُ بْنُ اسْمَاعِيلَ ، وَ يُقَالُ وَ لِيَهُ قِيدَارٌ وَ بَعْدَ قِيدَارٍ نَابِتُ بْنُ اسْمَاعِيلَ۔ (جلداول صفحہ 222) ”جب حضرت اسماعیل نے وفات پائی تو اُنکے بعد نابت بیت اللہ کے والی ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیدار والی ہوئے اور قیدار کے بعد نابت والی ہوئے“

یہ قیدار والی بات ظاہر ہے کہ اُن لوگوں کی طرف سے اضافہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدار کی اولاد میں بتاتے ہیں۔ کیونکہ اسی صفحہ (222) پر چند سطروں کے بعد لکھا ہے کہ: فَقَامَ بِأَمْرِ الْكَعْبَةِ بَعْدَ نَابِتِ بْنِ آمِينَ ، ثُمَّ يَشَجِبُ بْنُ آمِينَ ، ثُمَّ الْهَمِيسُ ثُمَّ أَدَدُ (صفحہ 222) ”نابت کے بعد کعبہ کے انتظام کے لئے امین مقرر ہوئے پھر یثجب امین کے بیٹے پھر الهميسع پھر اُددا حاکم ہوئے“۔

اس بیان میں دلیل یہ ہے کہ نابت علیہ السلام کے بعد والی و حاکم ہونے والے لوگ حضرت نابت کی اولاد ہیں۔ یعنی اگر واقعی قیدار پہلے نمبر پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جانشین ہوئے ہوتے تو قیدار کے بعد اُن کی اولاد میں امامت چلتی اور اگر بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت نابت کو قیدار کے بعد امام مقرر کیا گیا ہوتا تب بھی حضرت نابت کے بعد قیدار کی اولاد کو امامت لوٹ جاتی۔ لیکن بات ہے، ہی غلط اس لئے کہ قیدار حضرت نابت سے چھوٹے ثابت ہو چکے ہیں لہذا امامت اور جانشینی کا نمبر حضرت نابت کا تھا جیسا کہ کتاب ارض القرآن میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ: ”نبا یوط کو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں۔ اُن کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسماعیل کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصہ میں آئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبا یوط نے حجاز ہی میں قیام کیا“۔ (جلد 2 صفحہ 56)

اگر خدا نخواستہ آنحضرت قیدار کے شجرے سے اُن کی اولاد میں ہوں تو وہ ابراہیم و اسماعیل کے جانشین نہیں

اگر ہم یہ مان لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ حضرت قیدار کی اولاد میں ہیں تو آنحضرت اور آپ کے ابا و اجداد کو امامت اور حضرت ابراہیم و اسماعیل کی جانشینی سے خارج بھی ماننا پڑے گا جو غلط ہے۔ اس لئے کہ اسلامی ریکارڈ اور قرآن کی رو سے آپ اور آپ کے ابا و اجداد حضرات ابراہیم و اسماعیل کے وراثت اور جانشین ہیں۔ اور علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

”صحیح بخاری باب معث النبی میں یہیں تک ہے لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عدنان سے حضرت ابراہیم تک نام گنوائے ہیں۔ یعنی

عدنان بن عدو بن المقوم بن تارح بن یثجب بن یعر ب بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیم“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 160)

رسول اللہ نے خود کو حضرت نابت سے منسوب فرمایا ہے

علامہ طبری تاریخ طبری میں لکھتے ہیں کہ:

” (1) ام المؤمنین ام سلمہ رسول اللہ صلعم کی بیوی فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ کی زبانی سنا ہے کہ ”معد بن عدنان بن ادد بن زند بن

یری بن اعرابی الثری“ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ زند، همیسع ہے۔ یری بنت ہے اور اعرابی الثری خود اسماعیل بن ابراہیم ہیں۔

(2) مقداد بن اسود البهرانی کی بیٹی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ”معد بن عدنان بن ادد بن یری بن اعرابی الثری“

(3) بعض نساب کہتے ہیں کہ عدنان بن ادد بن مقوم بن نا حور بن تیرح بن یعر ب بن یثجب بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیم“

(ترجمہ جلد سیرۃ النبی صفحہ 53)

حضرت علیؑ قید اڑکی اولاد میں نہیں وہ حضرت توکوٹ کے علاقے سے اور حضرت نابتؑ کی اولاد سے تھے۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

”حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اُن کا نسب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ”ہم کوئی (واقع عراق) کے نبط ہیں“ اس سے ثابت ہو گا کہ نبط اسماعیلی عرب ہیں۔ جو عراق تک پھیلے تھے۔ نابت کی بقیہ اولادیں خود اندرون ملک میں بھی تھیں۔ اور متعدد وجوہ سے ہماری یہ رائے ہے کہ عرب شمالی کی وہ اکثر قومیں جو غلطی سے قحطانی کہلاتی ہیں، وہ دراصل نابتی ہیں۔ من جملہ دیگر قبائل کے غسان اور اوس و خزرج کے متعلق تو تصریح ثابت ہے کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ نابتی ہیں۔ تفصیل آتی ہے۔“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 58-59)

اس بیان سے بھی ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ علیہ السلام قریش کے فراڈ کے خلاف قیداری نہیں بلکہ نابطی ہیں لہذا قریش کے جوڑے ہوئے سارے رشتے حضرت محمدؐ اور اُن کے ابا و اجداد سے منقطع ہو گئے۔ اور معلوم ہوا کہ قریش اُن ہی لوگوں کی مخلوط نسل سے تھے جن کا تذکرہ گزر چکا جن کو شریف اقوام ریگستان میں جلا وطن کرتی چلی آ رہی تھی۔

(و) قریش کہلانے والے لوگوں نے نبطیوں کو غیر عرب قرار دیا اور بد نسل بتایا ہے لہذا قریش کچھ بھی ہوں نبطی نہیں ہو سکتے پھر وہ کیا تھے؟

قریش کہلانے والے لوگ اپنے منہ میاں مٹھو بنے ہیں۔ اگر اُن کی حکومتوں کے پروپیگنڈے اور خود ساختہ تواریخ و روایات اور شجروں کو نظر انداز کر دیا جائے یا اُن کے تیار کردہ ریکارڈ پر غور کر لیا جائے تو قریش نام کے لوگ ایک مخلوط و حرام سے پیدا ہونے والی نسل کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہوتے۔ یہاں تک یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ آنحضرتؐ اور علیؑ صلی اللہ علیہما حضرت نابتؑ کی اولاد میں ہیں اور قریشیت کے دعویدار نبطی نہیں ہیں لہذا خانوادہ رسولؐ کا قریش کہلانے والے لوگوں سے کوئی بھی نسبی رشتہ نہیں ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ قریشی علما اپنے نبطی ہونے کا طرح طرح انکار کرتے ہیں۔

عمر بن خطاب نبطیوں کو صحیح النسب ہرگز نہیں مانتے اور نبطیوں کی طرح بد نسل ہونے سے منع کیا ہے

سنئے اس ملعون کا بیان سید سلیمان نے یوں لکھا ہے کہ:

تَعَلَّمُوا النَّسَبَ وَلَا تَكُونُوا كَنَبِطِ السَّوَادِ، إِذَا سُئِلَ أَحَدُهُمْ عَنْ أَصْلِهِ قَالَ مِنْ قُرَيْبَةٍ كَذَا (عقد الفرید جلد 3 صفحہ 37)

”نسب نامہ سیکھو، عراق کے نبطیوں کی طرح نہ بن جاؤ کہ جب ان میں سے کسی سے پوچھا جائے کہ تم کس خاندان سے ہو؟ تو جواب دیتے

ہیں کہ فلاں شہر کے ہیں۔“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 57)

قارئین غور فرمائیں کہ یہ شخص نبطیوں سے نفرت کرتا ہے اور ہرگز حضرت نابتؑ کی اولاد سے نبطی نہیں ہے۔ ساتھ ہی اُس کے شجرے کے تمام لوگ یعنی ابو بکر کا خاندان، ابوسفیان کا خاندان عبداللہ بن عباس کا خاندان وغیرہ تمام نبطی نہیں ہیں۔ اور جب وہ نبطی نہیں تو اُن کا خاندان رسولؐ سے کوئی تعلق اور رشتہ نہیں ہے۔

(2) قریش کے علمائے انساب نے دروغ بانی سے غلط شجرے اور نسب نامے تیار کر کے فریب دیا

پھر قریش کہلانے والوں نے خود کو نسل ابراہیمؑ سے ملحق کرنے کے لئے جھوٹے اور باطل شجرے اور نسب نامے تیار کئے اور نبطی نسل کو غائب کرنا چاہا ہے۔ ارض القرآن سے سنئے:

”عام علمائے انساب کی تشریح کی بنا پر آل غسانِ قحطانی سب کے خاندان کہلان سے تھے۔۔۔۔۔ لیکن اصول تحقیق کی رو سے یہ تمام تر افسانہ ہے۔ گذشتہ ابواب میں قحطانی و اسماعیلی خاندانوں کی تشخیص و تمیز کی اتنی علامتیں بیان کی جا چکی ہیں کہ اُن کے ذریعہ سے آسانی دونوں سلسلوں میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ جس سے علامہ کلبی اور علامہ ابن ہشام (علمائے انساب) کے اکاذیب (جھوٹ) کا انبار دفعہٴ جل کر خاکستر ہو جاتا ہے“ (صفحہ 78)

معلوم ہوا کہ قریش کے مورخین اور علمائے انساب نے اپنی کتابوں میں جھوٹ اور فریب کے انبار جمع کر کے آگے بڑھائے اور وہی جھوٹے افسانے آگے چل کر تاریخ و حدیث اور اسلامی ریکارڈ مانا جاتا رہا ہے۔ اور انہی فریب سازوں نے ایک حرام و مخلوط نسل کو رسول کے رشتے دار اور اولاد ابراہیم و اسماعیل بنا دیا ہے۔ جب کہ وہ قرآن (نساء 23-22/4) کی رو سے اپنی ماں اور بیٹی اور بہنوں سے اپنے بیٹے پیدا کرنے والے لوگ تھے۔ جب کہ اُن کا ہر بہادر اور فیاض آدمی سو فیصد حرامی ہوتا تھا۔ یعنی کسی بہادر اور فیاض شخص سے نطفہ لے لیا جاتا تھا۔ اور اولاد اپنے نام سے مشہور کرتے تھے۔

(3) مکہ میں خاندانِ رسول کی نسل کا کوئی خاندان یا شخص موجود نہ تھا البتہ مدینہ میں حضور کی نسل سے اوس اور خزرج دو بڑے قبیلے تھے

قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے نسب میں گھسنے اور اُن کے رشتہ دار بننے کے لئے جو فریب کاریاں کیں اور جو روایات و افسانے گھڑے آج وہ سب باطل ثابت ہو گئے ہیں۔ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ مکہ میں نہ حضرت قصی علیہ السلام کا ہم نسب و رشتہ دار تھا نہ حضرت ہاشم و عبدالمطلب علیہما السلام کا کوئی رشتہ دار تھا۔ نہ جناب ابوطالب اور آنحضرت صلی اللہ علیہما کا کوئی رشتہ دار تھا۔ البتہ مدینہ اُن کی نسل سے آباد تھا اوس و خزرج حضرت علی و محمد کے رشتہ دار تھے اور قریشی رشتہ دار یاں تھیں۔ سید سلیمان خزرج کا نسب نامہ لکھتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں:

”جشم بن خزرج۔ بنو خزید، بنو سلمہ، بنو بیاضہ، عوف بن خزرج = بنو الحلیلی (قبیلہ عبد اللہ بن ابی بن سلول راس المنافقین)

بنو قوافل، بنو سالم، عمر و بن خزرج = بنو نجار (آنحضرت کے نانہالی لوگ)“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 87)

دیکھا آپ نے آنحضرت کی والدہ مدینہ سے تھیں۔ عبدالمطلب کی ماں بھی مدینہ کے اسی خاندان سے تھیں (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 166-167) یاد رکھیں کہ اس مقدس خاندان کی مائیں مدینہ کے اسی خاندان سے تھیں۔ مکی خاندانوں یا نسلوں سے اُن کے یہاں کوئی عورت اس خاندان یا اس نسل کی ماں نہیں بنی ہے۔ یہ غیروں میں شادی نہ کرتے تھے۔ اس کے خلاف ہر بات افسانہ اور قریشی فیکٹری کا تیار کردہ مال ہے اور جھوٹ کا انبار ہے۔

اوس و خزرج کا حضور کے رشتہ دار ہونا ثابت ہے

آج کسی مسلمان سے کہئے کہ مدینہ کے تمام انصار رسول اللہ کی نسل سے تھے اور یہ کہ حضور کے دشمنوں میں سے ہجرت کر کے اپنے خاندان والوں میں آئے تھے۔ وہ ہرگز نہ مانے گا وہ تو مکہ کے ملائین کو چچا اور بھائی اور خاندانی افراد سمجھتا ہے۔ خود نام نہاد شیعوں میں کوئی نہیں جانتا کہ حضور ہجرت کر کے غیروں میں نہیں، بلکہ اپنے خاندان میں آئے تھے۔ صرف اس لئے کہ قریش نے یہ افسانہ مشہور کیا کہ ”ہم خاندان رسول سے ہیں لہذا خلافت ہم سے باہر نہ جانا چاہیے“ یہ ایک سفید جھوٹ ہے جو بہت بعد میں گھڑ کر روایات میں لکھا گیا تھا۔ علامہ السید سلیمان ندوی کا بیان سنئے اور جھوٹوں پر لعنت بھیجئے:-

”اوس و خزرج عرب کے دو مشہور قبیلوں کے نام ہیں جو اسلام کے پہلے سے مدینہ میں آباد تھے۔ اسلام آیا تو وہ اُس کے پُر زور دست و بازو

تھے اور انصار اُن کا خطاب تھا۔ عام طور سے اُن کو بھی قحطانی الاصل اور کہلان کے خاندان سے قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے بھی صحت سے تہی مایہ ہے۔ زبان، مذہب اور اخلاق قومی کے علاوہ روایات سے بھی اُن کے اسماعیلی ہونے پر مستحکم دلائل قائم ہیں۔

1۔ بخاری میں روایت ہے کہ ابو ہریرہؓ نے انصار کے ایک مجمع کو مخاطب کر کے حضرت ہاجرہؓ کا قصہ سنایا۔ آخر میں کہا کہ تِلْكَ اُمَّتٌ مِّمَّا بَنِي مَادِ السَّمَاءِ ”اے پاک نسبویہ تھیں تمہاری ماں“ محدثین کو اس حدیث کی تاویل میں نہایت دقتیں تھیں (یعنی وہ نہ مانتے تھے۔ احسن) لیکن آج جدید تحقیق نے تاویل و اشتباہ کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

2۔ تمام علمائے انساب اس پر متفق ہیں کہ اوس و خزرج، غسان کے ہم نسب ہیں اور خود اوس و خزرج کا بھی بجائے خود یہی دعویٰ تھا“

(جلد 2 صفحہ 85)

قارئین یہ دیکھتے رہیں کہ قریش کے تنخواہ دار و وظیفہ خوار مورخین و محدثین و مصنفین نہیں چاہتے کہ اوس و خزرج کی رشتہ داری میں آنحضرتؐ کو شامل کیا جائے چنانچہ دو سو سال بعد تک کے محدث، اسماعیل بخاری کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو یہ بات پسند نہیں کہ انصار کو آنحضرتؐ کے رشتے دار بنا دیا جائے۔ مگر روایت پھر بھی لکھی اور طرح طرح کے افسانے لکھ کر روایت کا منشا بدل دیا گیا۔

قریشی مورخین کا سازشی رویہ خانوادہٴ رسولؐ اور اُن کے ہم نسب لوگوں پر مزید روشنی

بہر حال ارض القرآن پھر دیکھنے لکھا ہے کہ:

”اوس و خزرج کا اسماعیلی النسب ہونا بخاری (باب و تنخد، اللہ ابراہیمؑ خلیلا) کی روایت سے ثابت ہے۔ اور خود اوس و خزرج کو بھی اس کا دعویٰ تھا، کندہ کے شاعر خود اپنے کو معد (بنی اسماعیل) کہتے ہیں، غسان کا بھی اسماعیلی ہونا شعرائے عرب کے کلام سے ثابت ہے۔ اصل یہ ہے کہ عام علمائے انساب کو صرف تین سلسلے معلوم تھے 1۔ عرب باندہ 2۔ قحطانی سبا 3۔ اور اسماعیلی تیدار (عدنان) اس بنا پر جب کسی قبیلے کی نسبت یہ ثابت ہو جاتا تھا کہ وہ باندہ اور عدنانی نہیں ہے تو (راجہ نجیت سنگھ کے اصول پر۔ احسن) لامحالہ اسے قحطانی فرض کر لیتے تھے۔ حالانکہ توراۃ اور تاریخ کی رو سے عرب میں اور بہت سلسلے ثابت ہیں۔ قحطانی اور اسماعیلی خاندانوں میں تمیز کرنا نہایت آسان ہے۔ جنوبی عرب عموماً بنو قحطان کا مسکن ہے اور شمالی بنو اسماعیل کا۔ بنو قحطان کی زبان سبائی اور حمیری ہے۔ بنو اسماعیل کی عدنانی اور نابتی۔ اول کا خط تحریر مسند ہے اور ثانی کا نابتی۔ دونوں کے نام کا طریقہ، مذہبی تخیل اور دیوتاؤں کے نام بالکل مختلف ہیں۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے بعد یہ عقدہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ بعض علمائے انساب و حدیث خود قحطان کو اسماعیلی کیوں کہتے ہیں؟ امام اسماعیل بخاری کا میلان طبع بھی ادھر ہی نظر آتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں انہوں نے ”باب نسبة الیمن الی بنی اسماعیل“ ایک مستقل باب باندھا ہے۔ علمائے انساب میں زبیر بن بکار کی، اور ابن اسحاق کی بھی یہی روایت ہے۔ علامہ ابن حجر بھی فتح الباری میں اسی پہلو کو راجح قرار دیتے ہیں۔ اس مبالغہ میں اصل حقیقت صرف اس قدر ہے کہ بعض قحطانی (مشہور کردہ۔ احسن) شاخیں اسماعیلی ہیں اور یمن میں سکونت

کے باعث یا کسی اور سبب سے اُن کو قحطانی فرض کر لیا گیا ہے“۔ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 271-272)

آپ نے دیکھ لیا کہ قریشی علما کو رے لٹھ ہوتے ہیں۔ خواہ محدث ہوں یا علمائے انساب و تاریخ ہوں۔ اور اُن کے لکھے ہوئے کسی واقعہ، کسی شجرے یا نسب کی صحت پر اعتبار و یقین کرنا حتمانہ فعل ہے۔

(4) عرب اور قریشی لوگ نبطیوں کو ملک عرب سے باہر کی قوم سمجھتے تھے اس لئے کہ وہ بدو نہ تھے

یہاں تک یہ ثابت ہو گیا کہ خانوادہ رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور یہ کہ حضرت نابت اپنے والد کے بعد امام و جانشین ہوئے اور امامت اس نسل میں چلتے چلتے آنحضرت اور حضرت علی علیہما السلام تک پہنچی۔ اور یہ کہ حضور کو قیدار کی نسل میں بتانے والے تمام علما اور اُنکے تیار کردہ شجرے اور نسب نامے محض بکواس و فراڈ ہیں اور یہ کہ خانوادہ رسول کے ہم قوم و ہم نسب انصار تھے نہ کہ قریش کہلانے والے کی لوگ۔ اور یہ کہ عمر بن خطاب اور اُن کے ہم نسب کہلانے والے لوگ نبطی نہ تھے لہذا وہ رسول کے خاندان سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے اور تمام قریش کے نسل اسماعیل اور خاندان رسول سے نہ ہونے کا سب سے بڑا یہی ثبوت کافی ہے کہ وہ نبطی ہونے کا نہ صرف انکار کرتے تھے۔ بلکہ نبطیوں سے متنفر بھی تھے جیسا کہ عمر بن خطاب کے بیان سے ثابت ہے۔ اس سلسلے میں پھر ارض القرآن سے چند باتیں ملاحظہ ہوں:-

(1) اہل عرب عموماً نبط کو تو مآ و اصلاً غیر عرب سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک عرب و عجم جس طرح دو متقابل نام ہیں اُسی طرح نبطی و عربی کو بھی باہم متقابل سمجھتے ہیں۔ اس کا سبب صرف معاشرت، طرز زندگی اور زبان کا اختلاف ہے ورنہ درحقیقت نبط بھی اسماعیلی عرب ہیں۔

(جلد 2 صفحہ 57)

(2) ”یا قوت حموی نے (لفظ ”عربہ“ کے تحت میں) ایک نئی بات لکھی ہے کہ ”عرب ہر اس قوم کو نبط کہتے ہیں جو گلہ بان اور سپاہی نہ ہو“ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو غیر بدوی زندگی بسر کرتی ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نبط نے عراق کے آثار سے متدن زندگی اختیار کر لی تھی اس لئے بادیہ نشینان عرب نے ہر غیر بدوی قوم کو نبط کا مرادف سمجھ لیا۔“ (ایضاً صفحہ 58)

یہ کتنا عمدہ لطفہ ہے کہ جو قوم بدو، جاہل اور گنوار اور اجڈ و بدتہذیب ہوں وہی صحیح عرب ہوتے ہیں۔ اور نبطی مہذب اور متدن لوگ تھے اس لئے وہ حقیقی معنی میں عرب نہ تھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ خانوادہ رسول عرب نہ تھا وہ تو بابل سے ہجرت کر کے آنے والے حضرت اسماعیل اور ہاجرہ علیہما السلام کی نسل تھے۔ اور اسی بنا پر حضرت علی علیہ السلام نے خود کو عرب نہیں فرمایا بلکہ کوئی کہا جو عراق کا علاقہ ہے اور نبطی فرمایا ہے۔ رہ گیا نبطیوں کا سپاہی ہونا یا نہ ہونا؟ شبلی سے سُنئے:

(5) حضرت نابت کا نام عرب کے تمام علاقوں پر حکمرانی کرتا تھا اور نابتی نسل حقیقی اسماعیلی ہیں

وہ لکھتے ہیں کہ: ”نابتی حکومت جو شام کی حدود سے متصل تھی اور جو قوم شہود کی مرادف، یا اُن کی قائم مقام تھی اُس کے متعلق فارٹر صاحب اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں ”ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانہ قدیم میں نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر مستولی تھا بلکہ حجاز و نجد کے صوبہائے عظیمہ پر بھی حاوی تھا۔ نابتی جہاں ایک طرف منافع تجارت سے بہرہ اندوز ہونے میں کمال رکھتے تھے۔ وہاں دوسری طرف بطور سچے بنو اسماعیل کے خطرات جنگ کے لئے بھی بالکل مستعد رہتے تھے“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 113)

قارئین سوچیں کہ خانوادہ رسول زمانہ قدیم سے حکمران رہتا چلا آ رہا تھا۔ سارے عرب کے بادشاہوں سے یہ قریش اس لئے جلتے اور حسد کرتے تھے کہ وہ اُن ملائین کی طرح وحشی کیوں نہیں؟ حرام خور و حرام کار کیوں نہیں؟ یہ سب تھا کہ عربوں اور قریش نے نبطیوں کو غیر ملکی اور عمر نے بد نسب قرار دیا تاکہ رسول اور خانوادہ رسول خود کو نبطی نہ کہنے پائے۔ اور نبطی ہونے کا اعلان کرے تو بد نسب و غیر ملکی کہلائے۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اپنے کوئی اور نبطی ہونے اعلان (انسا الکوئی النبطی) کر دیا۔ لیکن عرب مورخین نے اس اعلان کو چھپانے کی کوشش کی اور یہ اعلان کتابوں

میں موجود ہوتے ہوئے مشہور نہ ہوا یعنی پبلک تک نہ پہنچا۔ اور ہمیں از سر نو حقائق سے پردہ ہٹانا پڑا۔ بہر حال قارئین تو اس قدر نوٹ کر لیں کہ عرب کو عموماً اور قریش (عمر) کو خصوصاً نبطی ہونے سے انکار و نفرت ثابت ہے۔ لہذا قریش و عرب ہرگز نبطی نہ تھے۔ اور جب وہ نبطی نہ تھے تو وہ رسول کے شجرہ نسب و خاندان و نسل سے نہ تھے اس لئے کہ اُن کا نبطی ہونا ثابت ہے۔ علاوہ ازیں قریش کے خلاف انصار مدینہ (اوس و خزرج) نابتی تھے۔ اور وہی رسول کا خاندان تھا۔ اور یہ حقیقت بلاشبہ یہاں تک بار بار ثابت ہوگئی۔ لہذا قریش کا رسول کے نسب و نسل سے ہونا اور اُن کے رشتہ دار بن جانا ایک ایسی فریب کاری ہے جو قریشی حکومتوں نے اپنے زرخیز مورثین و محدثین و مفسرین سے تیار کرائی تھی۔

(ز) وہ ملک عظیم جو قرآن میں آل ابراہیم کی ملکیت میں دیا گیا تھا۔ وہ قوم جسے بدلہ میں لانے کی دھمکیاں دی گئیں

قریش کی نقاب پوری بلند کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اُن کی قرآنی پوزیشن کو ایک بار پھر مختصراً سامنے لائیں۔ لہذا سنئے کہ کتبہائے خداوندی میں رسولوں کی اولین مخاطب قوم کو رسول کی قوم اور رسول کو اُن کا بھائی بھی کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت لوط علیہ السلام، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادے (بھتیجے) تھے، کی مثال کافی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ:-

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ لُوطًا لَا تَقْنُونِ ۗ اِنِّى لَكُمْ رَسُوْلٌ ۗ اٰمِيْنَ ۝ (شعراء 162 تا 160/26)

مودودی:- ”لوٹ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب کہ اُن کے بھائی لوٹ نے اُن سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں؟

میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 526)

علامہ مودودی نے لفظ قوم اور بھائی پر یہاں کوئی نوٹ نہیں دیا اس لئے کہ وہ نہیں چاہتے کہ قریش کا راز کھل جائے اور وہ رسول کے نسب اور نسل و قوم سے خارج ہو کر اپنی اصلی صورت میں نظر آئیں۔ لیکن دوسرے علما اتنے حساس اور بددیانت نہیں چنانچہ پرویز نے یہ آیت لکھ کر یہ ترجمہ کیا کہ:

” (اور دیکھو) قوم لوٹ نے (بھی) رسولوں (کی تعلیمات) کو جھٹلایا (یا دیکرو) جب اُن کے بھائی بند لوٹ نے

اُن سے کہا کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں؟ بلاشبہ میں تمہارے لئے خدا کا امانت دار پیغمبر ہوں۔“ (معارف القرآن جلد 3 صفحہ 87)

پرویز کی تشریح:- ”دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ حضرت لوٹ اس قوم میں پہلے رسول نہ تھے۔ بلکہ یہ قوم آپ سے پیشتر

رسولوں کی بھی تکذیب کر چکی تھی اس لئے كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ نِ الْمُرْسَلِيْنَ فرمایا دوسرے یہ کہ حضرت لوٹ کو اس قوم کا بھائی کہا گیا (اٰخُوهُمْ) ہے۔ اسی سورہ میں حضرت نوحؑ، ہودؑ اور صالحؑ علیہم السلام کا ذکر بھی ان ہی الفاظ میں کیا گیا ہے۔ لیکن اُن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ چونکہ اُن ہی قبائل میں تھے جن کی طرف وہ مبعوث کئے گئے تھے۔ اس لئے قبیلہ کی نسبت سے اُن کے بھائی تھے۔ لیکن حضرت لوٹ تو باہر سے تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے قوم سدوم سے کسی قبائلی نسبت کی بنا پر رشتہ اخوت نہ تھا بلکہ اُن میں رہنے سہنے کی وجہ سے ایسا کہا گیا ہے۔“ (ایضاً جلد 3 صفحہ 87)

قرآن کا یہ اصول سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھ لیں کہ قریش کو جہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی قوم فرمایا گیا ہے وہاں یہی طریقہ کار فرمایا ہے۔ مگر قریش نے اسے بھی آڑ بنایا اور جھوٹے شجرے اور بیانات بھی گھڑوائے اور اس قرآن کی ملعون قوم کو رسول کا ہم نسب مشہور کر دیا اور اس قدر پروپیگنڈا کیا کہ علمائے شیعہ بھی ایمان لے آئے اور یوں دشمنان خدا و رسول آنحضرتؐ کے چچا، بھتیجے اور بھائی بند بنادیئے گئے۔ اسی قوم کو قرآن کے جھٹلانے والی قوم فرمایا گیا ہے (6/66) اسی قوم کو قرآن کا مجبور و بے اثر کرنے والا اور رسول کا دشمن اور جرائم پیشہ فرمایا گیا (فرقان، 31-30/25) اسی قوم کے لئے فرمایا گیا کہ وہ ہرگز ایمان نہ لائے گی (زخرف 30/43) اور یہ ناممکن ہے، اور قرآن کے

خلاف ہے کہ کوئی قوم رسول کی حقیقی قوم ہو یعنی رسول کے نسب سے ہو اور پوری کی پوری رسول کی ایسی دشمن ہو جیسی قوم قریش تھی۔

(1) قریش اللہ رسول اور قرآن کی مستقل دشمن قوم تھی اس لئے اُسے دوسری قوم سے بدلنے کی دھمکیاں بار بار ملیں

اور حقیقی قوم کبھی ساری کی ساری منکر اسلام نہیں ہوئی ہے سارا قرآن چھان ماریے کوئی بدترین قوم بھی ایسی نہ ملے گی جو قریش کی طرح منکر اسلام (زخرف 43/30) اور دشمن رسول رہی ہو (31..25/30) یہی وجہ ہے کہ اس خبیث قوم کا پردہ یوں فاش کیا گیا کہ:

مودودی کا ترجمہ قریش کے نام نہاد مومنین رسول کی مدد نہیں کرتے تھے

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے - احسن) نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین سے چٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سر و سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔ تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا (وَ يَسْتَبْدِلُ قَوْمًا غَيْرَكُمْ) اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے“ (سورہ توبہ 39-38/9 تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 193-195)

مودودی اپنی سرپرست قوم کے تحفظ میں اللہ سے بھی نہیں ڈرتے ہیں

اس ترجمہ میں بھی مودودی نے اللہ سے بددیانتی کی ہے۔ اور بلا خوف و خطر ترجمہ غلط کیا ہے۔ چنانچہ اللہ نے تو قریشی مومنین کو دردناک عذاب دینے کی بات کی ہے مگر مودودی نہیں چاہتے کہ اُن کے راہنماؤں ابو بکر و عمر اور اُن کی پوری قوم کو عذاب دیا جائے اس لئے وہ لفظ ”عذاب“ کا لفظ ”سزا“ ترجمہ کرتے ہیں۔ پھر اللہ تو ساری قریشی قوم کو دوسری قوم سے بدل لینے کی بات فرماتا ہے مگر مودودی قریشی قوم کو بچانے کے لئے لفظ ”قوم“ کا ترجمہ ”گروہ“ کر دیتے ہیں تاکہ قارئین سارے قریش کو مجرم و جہنمی نہ سمجھیں۔ پھر اللہ تو فرماتا ہے کہ ”اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا“۔ مگر مودودی نے اللہ کی اس بات کو بدل کر یہ لکھ دیا کہ ”تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا“۔ یہ وجہ ہے کہ ہم نے اُن کے ترجمہ میں لفظ عذاب اور قوم کو بحال رکھا ہے۔ بہر حال قارئین نے دیکھا ہے اور خود اپنے اپنے گھر کے قرآنوں میں ان آیات کو اور اُن کے ترجموں کو پڑھیں اور دیکھیں کہ قریش ایسا ایمان لائے تھے جس میں اسلام اور رسول کی مدد نہ کرنا جائز تھا۔ جس میں اللہ اور رسول کے حکم ملنے کے باوجود جنگ کے لئے میدان میں نکلنا ناجائز تھا۔ اور یہ کہ یہ پوری قوم جہنمی اور عذاب کی مستحق تھی اور یہ کہ اسے مسلمانوں میں شامل رکھنا بے فائدہ تھا۔ اور اُس کی جگہ ایک دوسری قوم کو لے آنا اور اُن جہنمیوں سے بدل لینا طے ہو گیا تھا۔ اور یہ کہ ایک ایسی مسلم و مومن و اطاعت شعار قوم موجود تھی جو اشارہ ملتے ہی قریش کو مار بھگاتی اور اللہ و رسول کے احکام کی دل و جان سے تعمیل کرتی۔ وہ کون سی قوم اور کہاں تھی یہ بعد میں قرآن ہی بتائے گا۔

(2) قریش کا اسلام مردود تھا انہیں دوسری قوم سے بدلنے کے لئے اللہ کا دوسرا فیصلہ

یہاں ہم پھر قرآن کی آیات اور مودودی ترجمہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں یہاں بھی لفظ ”كُفَرُوا“ کا ترجمہ ”منکرین“ اور لفظ ”قوم“ کا ترجمہ ”لوگ“ کر چکے لیکن ہم کفر و ا کے اصلی معنی چھپانا (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129) اور قوم کے معنی قوم ہی لکھیں گے تاکہ اُن کے ترجمہ پر سے اُن کی ڈالی نقاب اُٹھ جائے۔ سنئے:

مودودی ترجمہ: ”پس اے نبی! کیا بات ہے کہ یہ حقائق کو چھپانے والے لوگ دائیں اور بائیں سے گروہ درگروہ تمہاری طرف دوڑے چلے

آ رہے ہیں؟“ (معارف 37-36/70)

مودودی کی تشریح:۔ ان آیات میں اور مسلسل آگے آنے والی آیات میں کن لوگوں کا ذکر ہوگا؟ مودودی سے سنیے:

”24 یہ اُن لوگوں کا ذکر ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ اور تلاوت قرآن کی آوازن کر مذاق اڑانے اور آوازے کسے کے لئے چاروں طرف سے دوڑ پڑتے تھے۔“

مسلسل آیات کا ترجمہ: ”کیا اُن میں سے ہر ایک یہ لالچ رکھتا ہے کہ وہ نعمت بھری جنت میں داخل کر دیا جائے گا، ہرگز نہیں۔ ہم نے جس چیز سے اُن کو پیدا کیا ہے اُسے یہ خود جانتے ہیں۔ پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں مشرقتوں اور مغربوں کے مالک کی، ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر قوم بدل لیں (اِنَّ نُبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ) اور کوئی ہم سے بازی لے جانے والا نہیں ہے۔ لہذا انہیں اپنی بیہودہ باتوں اور اپنے کھیل میں پڑا رہنے دو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پہنچ جائیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ جب یہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اس طرح دوڑے جا رہے ہوں گے جیسے اپنے بتوں کے استھانوں کی طرف دوڑ رہے ہوں“۔ (معارج 43 تا 70/36 تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 92 تا 94)

ان آیات (70/36 تا 43) سے قریشی قوم کا مسلمان اور جہمی ہونا اور کفر و کافر کے صحیح معنی ثابت ہوتے ہیں

ان آیات میں یہ ثابت ہے کہ قریش بحیثیت قوم، ایمان لائے تھے۔ مگر اُن کا ایمان اُن کے اپنے ”غور و خوض“ اور بصیرت کے ماتحت تھا (يَخُوضُوا) اور انہیں پختہ یقین تھا کہ وہ اپنے اختیار کردہ اسلام کی رو سے جنت میں جائیں گے۔ (يُذْخَلُ جَنَّةَ نَعِيمٍ) اور یہ کہ اللہ نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ وہ قیامت تک اپنے غور و خوض اور اجتہادی مذہب میں مبتلا رہیں گے۔ یعنی کبھی حقیقی ایمان نہ لاسکیں گے۔ اور جہنم واصل ہوں گے۔ انہیں اللہ نے نطفہ یاد دلا کر یہ بتایا کہ وہ نطفہ ہی کی طرح ناپاک ہیں۔ یعنی یہ وہی خبیث و ناپاک مومن ہیں جن کو حقیقی مومنین سے الگ کیا جائے گا (عمران 3/179)۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کفر و کافر کے معنی منکر یا منکر اسلام نہیں ہوتے بلکہ اہل ایمان مومن رہتے ہوئے بھی کفر کر سکتے ہیں اور کافر ہو سکتے ہیں اس لئے کہ حق کو کوئی بھی چھپائے وہ کافر ہوتا ہے۔ اور قرآن میں قریش اور قریش کے ہم مثل لوگوں کو عموماً کافر کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہ ان آیات میں اُس دوسری قوم کو قریش سے بہتر فرمایا گیا ہے۔

(3) قریش دولت و اقتدار حاصل کرنے اور قومی ولایت و حکومت قائم کرنے کے لئے ایمان لائے تھے اس لئے انہیں بدلنا تھا

قریش کو دائرہ اسلام سے باقاعدہ خارج کرنے اور اُن کی جگہ زبر گفتگو قوم کو لانے کے لئے اللہ کا ایک اور فیصلہ اس عنوان کی آخری مثال ہوگی اُس کے بعد ہم اُس مخصوص و پسندیدہ قوم کا ذکر کریں گے جس کا قرآن میں بار بار اور مختلف عنوانات کے ماتحت ذکر ہوتا رہا ہے۔ اور جسے تمام مترجمین و مفسرین نے چھپانے میں کمال کر دیا ہے۔ سنیے ارشاد ہے کہ:

هَٰذَا نُنْتَمِ هَٰؤُلَاءِ تَدْعُونَ لِنَبْتَلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَمِنْكُمْ مَنْ يَّبْتَغِلْ وَمَنْ يَّبْتَغِلْ فَاِنَّمَا يَّبْتَغِلْ عَنِ نَفْسِهِ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ وَاِنْ تَنَوَّلُوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ۔ (محمد 47/38)

”اے مومنین تم وہی لوگ تو ہو کہ جنہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں اور جو کنجوسی کرتا ہے وہ خود اپنے ساتھ کنجوسی کرتا ہے۔ اللہ تو یقیناً غنی ہے اور تم بھکاری ہو۔ اگر تم نے ولایت و حکومت قائم کر لی تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو بدل لے گا پھر وہ قوم تمہاری مانند دغا باز و سرکش و مکار نہ ہوگی۔“

(4) قریش کے بدلے میں آنے والی قوم کی چند اہم ترین صفات، محبوب خدا، مومنین پر شفقت، حق پوشوں پر بھاری اور مجاہد لیجئے وہ قوم سامنے آرہی ہے جسے لانے کی قریش کو دھمکیاں دی جاتی رہی ہیں۔ سنئے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ، ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (مائدہ 54-56)

”اے وہ تمام لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم میں سے کوئی اُس دین سے واپس ہو جائے گا جس کو ایمان لاکر اُس نے اپنا دین بنایا تھا تو اُس رکھو کہ عنقریب اللہ ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جو اللہ کی محبوب قوم ہے اور جو خود بھی اللہ کو محبوب رکھتی ہے۔ جو مومنین کے ساتھ بہت نرم رو اور حق پوشوں پر بہت گراں گزرنے والی ہے۔ جو اللہ کی راہ میں اس طرح جنگ و جہاد کرتی ہے کہ مخالفوں کو قتل کرنے میں کسی کی ملامت کی پروا نہ نہیں کرتی۔ اس میں جس قدر صفات ہیں وہ اللہ کے فضل و کرم کی نمائندہ ہیں اور جسے اللہ پسند کرتا ہے اس پر ایسا فضل کرتا ہے۔ اُس محبوب خدا قوم کو لانے کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے کہ اے موجودہ اور قیامت تک آنے والے مومنین تم سب کا ہمدرد ترین حاکم اللہ اور اُس کا رسول اور وہ مومنین ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور ناداری کی حالت میں بھی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور رسول اور اُن مومنین کی حکومت کو تسلیم کرتا ہے تو یقیناً وہ اللہ کا گروہ ہے اور وہی ہمیشہ غالب رہنے والے ہیں۔“

(5) حکومتِ خداوندی، اُس کے سربراہ و حکمران، اُن کی قوم، اُن کا طرزِ عمل، اور اُس قدیمی حکومت کے جدید حکمرانوں کی پوزیشن

اب قارئین کرام سورہ انعام میں وہ مکالمہ پڑھئے جو حضرت ابراہیم اور اُن کے والد میں ہوا تھا (6/74) پھر یہ دیکھئے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام آسمانوں اور زمین کی حکومت دکھائی تھی تاکہ وہ حکومت الہیہ کی وسعتوں پر یقین حاصل کر لیں (6/75) اس ہی سلسلے میں انہیں چاند، سورج اور ستاروں کی حقیقت پر مطلع کیا تھا تاکہ وہ بابل کے سائنسدانوں کو ساری کائنات کے خالق و مالک و رازق و ربوبیت کرنے والے اللہ سے وابستہ کر کے اسلام کی ہمہ گیری کا مومن بنا دیں (79 تا 6/75) آپ نے اہل بابل اور شاہنشاہ بابل کی حجت اور بحث و فلسفہ کا عملی رد پیش کر کے بتایا کہ میں جسے اپنا رب سمجھتا ہوں وہ تو اس کائنات کی ہر چیز کا عالم ہے (6/80) لہذا مجھ پر اُن چیزوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے جو میرے رب کی مخلوق اور اُس کے ماتحت اور لاعلم ہیں اور تم نے اللہ کی نازل کردہ دلیل و حکم ہی کے بغیر اُن کو دین میں شریک بنا رکھا ہے (6/81) الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ اور دلائل کا تذکرہ فرما کر (83 تا 6/82) اللہ نے اُن سے چلنے والی اُس نسل کے چند سربراہان حکومت الہیہ کا نام بنام تذکرہ کیا ہے، جسے حکومت و نبوت دی گئی تھی (88 تا 6/84) اُس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی مخاطب قوم اور اُس قوم کا تذکرہ شروع فرمایا جسے قریش پر مسلط کیا گیا تھا اور جس کے برسر کار آجانے کی دھمکیاں اور اطلاعات دی جاتی رہی ہیں۔ سنئے:

أُولَئِكَ الَّذِينَ اتَّيَّهُمُ الْكِتَابُ وَالْحُكْمُ وَالنَّبُوءَةُ فَاِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ۝
أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْتَدَهُ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرًا لِلْعَالَمِينَ ۝ (انعام 90-89)

جن انبیاء و رسول اور ذریتوں علیہم السلام کا ذکر یہاں تک ہو چکا (87 تا 6/84) ”وہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے مکمل کتاب اور مکمل حکومت الہیہ اور

مکمل نبوت عطا کی تھی اور جو اب اے رسول تمہیں دی گئی ہے۔ چنانچہ اگر یہ قریش ان مسلمہ حقائق پر پردہ ڈالتے ہیں تو پرواہ نہیں ہم نے تو ان حقائق اور ذمہ داریوں پر ایک ایسی قوم کو دیکھ لیا ہے جو ہرگز ان پر پردہ نہ ڈالے گی بہر حال اے رسول مذکورہ بالا (6/84...87) حضرات ہی وہ قدیم انبیاء و رسل اور ان کی ذریتیں ہیں جن کی اللہ نے راہنمائی کی تھی چنانچہ تم بھی اُس راہنمائی کی اور ان حضرات کی اقتدا کرو اور ان مخاطب لوگوں سے کہہ دو کہ میں اپنی اس راہنمائی پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا یہ تو پوری کائنات کے لئے درس و راہنمائی ہے۔“

آنحضرت تمام انبیاء کے اور حکومت الہیہ کے اور تعلیمات و علوم خداوندی کے وارث مرجع اور منبع رہے ہیں

اس خطبہ 26 کی ابتدا میں مقام محمد و آل محمد علیہم السلام بیان ہو چکا ہے۔ وہ جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت و رسالت کی کان اور علوم خداوندی کا ذخیرہ تھے ان آیات (6/74-90) میں گفتگو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ (2200 ق م) سے شروع کی گئی ہے اور مختصراً یہ بتایا گیا ہے کہ نبوت و رسالت و خلافت و حکومت کس طرح اور کہاں کہاں سے گزرتی ہوئی آنحضرت تک پہنچی ہے۔ اور ان حضرات علیہم السلام کی تیار کردہ ایک قوم ساتھ ساتھ چلی آئی ہے۔ اُس قوم کے وجود میں آنے اور برقرار رہ کر حضور کو جنم دینے کی دعائیں حضرت ابراہیم نے کی تھیں (بقرہ 2/128) اسی قوم کو اللہ نے ابراہیم کی قوم و ملت قرار دیا ہے اور حضور کو اُس کی پیروی کا حکم دیا ہے (نساء 4/125) اور یہ ظاہر ہے کہ جس چیز یا شخص یا اشخاص کی پیروی کا حکم دیا جائے گا۔ وہ چیز، شخص یا اشخاص موجود ہونا لازم ہیں۔ اور یہ بھی معلوم و تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جو زیادہ بزرگ ہوتا ہے اُس کی پیروی اور اقتدا کی جاتی ہے۔ لہذا آیت (6/90) کو غور سے پڑھ کر یہ سمجھ لیں کہ آنحضرت اُس آیت کی رو سے پیروی کرنے پر مامور کئے گئے ہیں۔ پیروی کا یہ حکم بار بار دیا گیا ہے۔

(6) ملت ابراہیم کی پیروی بھی رحمت للعالمین اور نذیر للعالمین پر واجب تھی، ملت کے معنی دین نہیں ہیں

آیت (6/90) میں کھول کر اللہ سے ہدایت یافتہ لوگوں کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے، (أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَفْتَدَى) (6/90) یہاں جن لوگوں کی اقتداء کا حکم ملا ہے۔ اُن ہی لوگوں کو اور اُن کی مانند لوگوں کو ملت ابراہیم بھی فرمایا گیا ہے۔ یعنی ملت ابراہیم کی پیروی کے معنی ابراہیم کے دین کی پیروی نہیں ہیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کے تیار کردہ اور اللہ کے پسندیدہ لوگوں کی پیروی مطلوب ہے۔ چونکہ یار لوگ قرآن کا غلط ترجمہ کرتے رہے ہیں اور ملت کے معنی دین اور مذہب اور طریقہ لکھتے رہے ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ملت ابراہیم کی پیروی کے حکم کو قرآن سے سامنے لانے سے پہلے ملت کے معنی مودودی کے قلم سے دکھادیں تاکہ آنے والے حکم کا ماحول اور مقصود واضح ہو جائے۔

سنن: مَاسْمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْأَخْرَةَ، إِنَّ هَذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ O (ص 38/7)

مودودی ترجمہ ”یہ بات ہم نے زمانہ قریب کی ملت میں کسی سے نہیں سنی، یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک من گھڑت بات“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 320) علامہ کی تشریح ”و یعنی قریب کے زمانے میں ہمارے اپنے بزرگ بھی گزرے ہیں۔ عیسائی اور یہودی بھی ہمارے ملک میں اور آس پاس کے ملکوں میں موجود ہیں، اور مجوسیوں سے ایران و عراق اور مشرقی عرب بھرا پڑا ہے۔ کسی نے بھی ہم سے یہ نہیں کہا کہ انسان بس ایک اللہ رب العالمین کو مانے اور دوسرے کسی کو نہ مانے۔ الخ“ (ایضاً صفحہ 321) واضح ہو گیا کہ ”ملت“ میں نہ سننے کے معنی ملت کے لوگوں سے نہ سننا ہوتے ہیں۔

(10) حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہؓ ہی نہیں بلکہ اُن کے بزرگ حضرات ابوطالبؓ اور عبدالمطلبؓ بھی ملتِ ابراہیمؑ اور واجب الاحترام و

اتباع موجود تھے

اگر حضورؐ کے والدین علیہما السلام موجود ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُن کی اتباع و احترام واجب تھا اور وہ حضرت اُن کے سامنے مندرجہ بالا آیات (24-17/23) کے مطابق جھک کر آداب و کورنشائت بجالاتے اور پھر آنحضرتؐ مع اپنے والدین کے حضرت ابوطالبؓ کے سامنے تعظیم بجالاتے اور پھر یہ تمام بزرگ حضرت عبدالمطلبؓ کے حضور جھکتے اور آداب بجالایا کرتے۔ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے والدین کی اور حضرت ابوطالبؓ اور حضرت فاطمہ بنتِ اسد علیہما السلام کی اور جناب عبدالمطلب علیہ السلام کی تعظیم اُسی قرآنی حکم (24-17/23) سے واجب تھی۔ اور یہی حضرات ملتِ ابراہیمؑ تھے اور حضورؐ پر اُن ہی کی پیروی لازم کی گئی تھی (نحل 16/123) یعنی یہ پیروی کا حکم کوئی نئی بات نہ تھی۔ یہ فطری طور پر بھی لازم تھی اور وحی نے آکر اُسی فطری صورت کو شرعی حکم بنا دیا تھا۔ پھر یہ دیکھئے کہ نزولِ قرآن اور بعثت کا اعلان کرنے کے وقت حضورؐ کے تمام بزرگوں کی بزرگیاں حضرت ابوطالب علیہ السلام اور فاطمہ بنتِ اسد علیہما السلام میں سمٹ چکی تھیں اور اُن ہی دونوں حضرات نے حضورؐ کے والدین کے فرائض ادا کئے تھے اور حقیقی معنی میں حضورؐ کو پالنے والے اور آپؐ کی ربوبیت کرنیوالے تھے۔ لہذا اُن دونوں کی اقتدا اور پیروی حضورؐ پر واجب تھی اور یہ اقتدا اور پیروی سابقہ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی اقتدا اور پیروی تھی جس کا حضورؐ کو حکم دیا جا چکا تھا (انعام 6/90) یعنی حضرت ابوطالب علیہ السلام تمام سابقہ انبیاء و رسل کے نمائندہ تھے اور اُدھر حضرت نابت علیہ السلام کی نسل کے آخری امامؑ تھے۔ یعنی وہ ذاتِ پاک تھے جنہوں نے تمام سابقہ انبیاء و رسل اور آئمہ علیہم السلام کی کتابیں اور تبرکات حضورؐ کو سپرد کئے۔ ذرا اُن ملائین کو بھی یاد کر لیں جنہوں نے لکھا اور مشہور کیا کہ (معاذ اللہ) ابوطالبؓ کا فرمے تھے۔ حضورؐ پر ایمان نہ لائے تھے۔ اُن کے وارثوں کو بتاؤ کہ خود آنحضرتؐ کو حضرت ابوطالبؓ، عبداللہؓ، عبدالمطلبؓ اور اپنے تمام جنم دینے والوں پر ایمان لانا تھا نہ کہ ابوطالبؓ کو آنحضرتؐ پر؟ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

وَمَنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ

لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (توبہ 9/61)

”اُن ہی مسلمانوں میں وہ مسلمان بھی ہیں جو باتوں ہی باتوں میں نبیؐ کو ایذا پہنچاتے رہتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ رسولؐ تو کانوں کا کچا ہے سب کی باتیں سن لیتا ہے۔ اے نبیؐ تم اُن کو بتاؤ کہ نبیؐ تم پر ایک بھلائی فراہم کرنے والا کان ہے وہ تو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مومنینؑ پر بھی ایمان رکھتا ہے اور تم میں سے جو لوگ ایمان دار ہیں اُن کے لئے وہ رحمت ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

اس آیت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنینؑ پر ایمان لائے تھے۔ ان مومنینؑ میں، جن پر حضورؐ ایمان لائے ہیں، عام مومنین داخل نہیں بلکہ وہ مومنینؑ داخل ہیں جن کی پیروی و اقتدا حضورؐ پر فرض ہے اور اُن پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔ رہ گئے عام مومنینؑ؟ اُن پر حضورؐ کے ایمان لانے کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے کہ وہ تو خود آنحضرتؐ پر ایمان لانے کے لئے مامور ہیں۔ اسی فرق کو دکھانے کے لئے آیت میں اُن خاص مومنینؑ کو الگ کرنے کیلئے یہ جملہ فرمایا ہے کہ: ”وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ“

”اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لئے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں“

یعنی ایمان لانے والے مومنین اُن مومنین سے الگ ہیں جن پر رسول خود ایمان رکھتا ہے اور یہ بات کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ عام مومنین رسول اللہ پر ایمان لاتے اور رسول مذکورہ حضرات پر ایمان رکھتا ہے تو عام مومنین خود بھی مذکورہ حضرات کے مومن ثابت ہو گئے یہ ہے مقامِ ملتِ ابراہیم علیہ السلام کا اور یہ تھا نوع انسان کے تمام راہنماؤں، سربراہوں اور فداکاروں کا حال۔

(11) محمدؐ، فاطمہؑ اور اُن کے بچوں کو مادی ظہور کے لئے تیار کرنے والوں کا، اپنا گوشت پوست اور خون فراہم کر کے جنم دینے اور نبوت و

امامت کی راہ چلانے والوں کا حال

ہم لکھتے لکھتے اتفاق سے اس مقام پر آ گئے جہاں خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ہمیں اپنی کتاب ”مرکز انسانیت“ (یعنی حسینؑ) کے چند پیرا گراف نقل کرنا ضروری ہو گیا ہے تاکہ نسلِ رسولؐ پر ذرا کھل کر روشنی پڑ جائے۔ چنانچہ یہاں سے ”مرکز انسانیت“ کے عنوانات اور بیانات آپ کے سامنے آئیں گے اور اُن کے خاتمہ پر ہم بتائیں گے کہ وہ ختم ہو گئے سنئے:-

(iv-6) دعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحاؑ قرآن کی مندرجہ بالا آیات کا منشا و مدعا؟

اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ مندرجہ بالا دعائے ابراہیمؑ پوری ہوئی اور آنحضرتؐ اُن ہی کی دعا کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ:-

ہوئی پہلوئے آمنہ سے سویدا دعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحاؑ

مسلمانوں کو اتفاق ہو یا اختلاف۔ ہمارے لئے یہ دونوں باتیں نہ دلیل ہیں نہ سند ہیں۔ سب سے بڑی سند قرآن کریم کو مانا جاتا ہے۔ اور اُس میں حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل علیہ السلام کی دعا سامنے آچکی ہے۔ اس میں دعا کا پہلا حصہ یہ ہے ”ہماری ذریت میں ایک مسلم امت قائم کرنا، اور اُس امتِ مسلمہ میں سے ایک رسولؐ کو مبعوث کرنا“۔ لہذا اگر یہ ماننا لازم ہے کہ محمدؐ مصطفیٰ رسولؐ تھے۔ تو اس سے بھی پہلے یہ ماننا لازم و واجب ہے کہ وہ امتِ مسلمہ میں سے تھے۔ یعنی انہیں جنم دینے اور نبوت تک پہنچانے والے مسلم تھے۔ لہذا وہ تمام لوگ جو محمدؐ مصطفیٰ کے والدین اور ابا و اجداد و اعزہ کو کافر کہتے ہیں خود کافروں کی اولاد ہیں۔ اور آنحضرتؐ کو کافروں کی اولاد کہہ کر اپنے کافر بزرگوں کو رسول اللہ کے آباء و اجداد کے برابر کرنا چاہا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے طرح طرح آنحضرتؐ کے بزرگوں اور عزیز و اقربا سب کو واضح الفاظ میں مومنین قرار دیا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا کہ:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ أَلَيْسَ اللَّهُ بِذِي فَضْلٍ عَلَى الْبَشَرِ لَقَدْ عَلَّمَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ..... (آل عمران 3/164)

”یقیناً اللہ نے مومنین پر اُس وقت بطور منت احسان کیا تھا جب مومنین میں مومنین ہی میں سے وہ رسول مبعوث کیا جو اُن مومنین پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے اُن مومنین کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں تمام کتبہائے خداوندی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے“۔

یہ دونوں مقام ایسے واضح ہیں کہ اس کے بعد کسی شخص کو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ معاذ اللہ رسول اللہ کافروں میں سے مبعوث ہوئے یا کافروں میں اور کافروں سے پیدا ہوئے تھے گئے مشرکین و مجتہدین عرب جو بھی اتہام لگائیں وہ اس لئے ناقابل شکایت ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام و قرآن اور دشمنانِ خاندانِ رسولؐ ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ خود رسولؐ کے خاندان کے افراد سمجھے جائیں۔ اور پھر خاندانی ہونے کی وجہ سے اُن کی ہر کو اس رسولؐ اور خاندانِ رسولؐ کے لئے قابلِ اعتبار سمجھی جائے۔ چنانچہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس امتِ مسلمہ کے تسلسل اور بقاء کے

لئے دعا کی تھی وہ مسلم ملت برابر قائم رہتی چلی آئی اور ملت کے سربراہ خاندان جناب عبدالمطلب سے نبوت و رسالت و امامت نے جنم لیا اور ساری دنیا کو اپنے نور سے منور کر دیا۔ قارئین کے سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس کے ماں باپ مسلمان ہوں۔ کیا اُس بچہ کو پیدائشی مسلم نہیں کہتے؟ کیا آپ نے پیدا ہونے کے بعد کبھی، کسی عمر میں کوئی ایسی رسم ادا کی ہے جیسی کسی کافر کو مسلمان کرنے میں کی جاتی ہے؟ پھر یہ سوچئے کہ یہ کتنی بڑی سازش اور کتنی ستم ظریفی ہے کہ ”خیر عبد اللہ بن عبدالمطلب اور عبدالمطلب تو اسلام سے پہلے ہی مر گئے تھے۔ مگر ابوطالب تو اعلان نبوت کے بعد کافی عرصہ زندہ رہے آیا وہ اسلام لائے تھے یا نہیں؟“

پھر اُن علمائے شیعہ کی بد مذہبی اور بے بصیرتی پر پاگلوں کو بھی رونا چاہئے جنہوں نے ان بحثوں کو بحث و نظر کیلئے قبول کیا۔ اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان لانے یا ایماندار ہونے پر کاغذ کا لے کئے اور مذکورہ آیات میں سے کسی کو نہ سمجھے اور نہ دلیل میں لکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کو اٹھانے والے اور اعتراضات کرنے والے اور حضرت ابوطالب کو کافر قرار دینے والے اور بحث کو قبول کر کے جواب دینے والے ایک ہی گروہ کے علمائے محض لیبیل مختلف لگا رکھے تھے۔

7- مخزن و معدن نبوت و رسالت و امامت، یعنی خانوادہ حسینؑ

احادیث و توارخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بیان موجود ہے کہ ”میرا نور اصلاص طاہرہ و پاکیزہ سے ارحام طیبہ و مطہرہ میں منتقل ہوتے ہوتے عبد اللہ و آمنہ علیہما السلام تک پہنچا“ اور یہ کہ ”میں ایسی پاک و پارسا نسل سے پیدا ہوا ہوں جس میں کفر و شرک و الحاد و فسق و زنا کبھی داخل نہیں ہوا۔“ یہاں ہم کتاب ”اسلام میں جنسی تعلقات“ کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ جس سے زیر گفتگو اس ملت مسلمہ کا ازلی وابدی اور آنحضرت تک وجود و مقام سامنے آکھڑا ہوگا۔ سنئے کہ اُس کتاب مذکور کی ضرورت کے مطابق وہاں یہ عنوان تھا کہ:

(1) ”خاطی و خطا کار قیادت و عصمت کا آئینہ دکھاؤ“

”قرآن کریم اور عقل سلیم سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ خلاق عالم اپنے علم و قدرت کی بنا پر تمام نقائص و عیوب اور احتیاج سے پاک اور منزہ ہے۔ اور یہ کہ غلطی، خامیاں، قصور و خطائیں اور لغزشیں اور کوتاہیاں اور بھول چوک، علم و قدرت کے فقدان سے ظہور میں آتے ہیں۔ اور یہ سب نقائص و عیوب اور احتیاج میں شامل ہیں۔ لہذا اللہ ان سے بھی پاک و منزہ ہے۔ چنانچہ خالق علم و حق اور خالق قدرت کا ہر فعل اور ہر قول حق مطلق و حق محض اور عصمت مطلقہ ہونا لازم ہے۔ اسی وجہ سے قرآنی قول کی حیثیت سے کائنات اور سرور کائنات مجسمہ حق محض اور عصمت مطلقہ ہیں۔ جو اللہ کے اولین افعال و اعمال ہیں۔ اور ترتیب تخلیق کی حیثیت سے اللہ نے تخلیق کون و مکان و عرش و کرسی اور لوح و قلم سے کہیں بہت پہلے نور محمدؐ کی کو پیدا کیا تھا۔ اور اپنے انوار قدس میں لپیٹ کر اُس نور کو اپنے علم و قدرت و عظمت و عصمت و تمام صفات کا محسوس و مشہود مجسمہ بنا دیا۔ اور اپنے اپنے تعارف کے لئے تیار کیا اور ساتھ ہی اس تعارف کے سلسلے کی تمام چیزوں کو ترتیب وار یکے بعد دیگرے پیدا کرنا شروع کیا مثلاً علم و قدرت و مشیت و لوح و قلم و عقل و ایمان و ادراک۔ تاکہ وہ مجسمہ صفات خداوندی عملاً کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم حاصل کرے اور ایک روز یہ آیت عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿96/5﴾ سمجھ میں آسکے۔ اور یوں وہ ذات پاک ہر چیز کی تخلیق پر بصیر و نذیر و شہید بنا چلا جائے (53/56, 25/1) اور ہر پیدا ہونے والی مخلوق کو عبادت کر کے عبادت سکھاتا جائے اور ہدایت کرتا رہے (20/50)۔ اور سب کو حسب توفیق صفات خداوندی کو جذب کرنے میں مددگار رہے۔ چنانچہ تخلیق کائنات معصوم رفتار سے بڑھتی گئی۔ عصمت کے سائے میں ارتقا جاری رہا۔ کہیں معصوم ملائکہ وجود میں آنے کے لئے مجبور

ہوئے۔ کہیں جنات کو وجود و آزادی ملی، مسلسل اور بلا فصل وہ تمام سامانِ عالم وجود میں آ گیا جس کے بعد اللہ نے خلافتِ الہیہ کے قیام کی بنیاد رکھنا طے کر رکھا تھا۔ اب ایک ناقابلِ شمار مدت میں اور عقل و وہم و بیان سے بلند و بالا قوانینِ تخلیق سے اللہ نے اُس مجسمہٴ انوار و علم و قدرت کو، اُس ہادی و نذیر و رحمۃ للعالمین کو ایک گوشت و پوست و اعضاء و جوارح رکھنے والے جسم میں محفوظ کرنے کا سر و سامان کیا۔ تاکہ وہ ساری کائنات سے پہلا مسلم و عابد ایک مسلم و عبادت گزار مخلوق کی تخلیق و اصلاح و ہدایت میں مدد و معاون رہے۔ اعلان ہوا۔ خلیفۃ الارض نے اس خلاصہٴ انوارِ ربانی سے منور ہوتے ہی آنکھیں کھول دیں تو دیکھا کہ ملائکہ اور تمام و سائر خداوندی سجدہ سے اُن کی تعظیم بجالا رہے ہیں۔ یہی وقت تھا۔ جب ایک عابد و زاہد و مطہج و فرمانبردار اور کروڑھا سجدے کر چکنے والی ہستی نے آدمؑ کے اندر نہ معلوم کیا کیا دیکھ لیا کہ اُس کی حالت میں انقلاب شروع ہوا۔ اُس پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔ کبھی وہ اغوا اور مغالطے کے تصورات سے دوچار ہوتا اور کبھی خطا و فریب میں الجھ جاتا۔ کہیں اس سے گناہ و کوتاہیاں جنم لے رہی تھیں کہیں غلطیاں اور لغزشیں برآمد ہو رہی تھیں۔ کہیں خباثت و غلاظت گلے میں باہیں ڈال رہی تھیں کہیں مکرو کید و بغل گیر ہو رہے تھے۔ کہیں فرمانبرداری میں کوتاہیاں اور قصور سامنے آ رہے تھے۔ کہیں خیانت و حماقت و جہالت اجتہاد میں مصروف تھے۔ القصہ جتنی دیر میں آدمؑ کی تعظیمی رسومات پوری ہوئیں یہ ہستی تمام خامیوں اور خرابیوں کا نمائندہ بن کر ابلیس کے نام نامی سے پکارے جانے کا مستحق ہو گیا۔ قارئین اس کے بعد کا ٹوٹا پھوٹا اور بگاڑا ہوا قصہ اکثر سنتے ہی رہتے ہیں۔ مختصر اُیہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلافتِ ارضی کے لئے تیار کیا گیا۔ ملائکہ کو خلافتِ آدمؑ کے لئے تعلیم و ہدایات دلائی گئیں۔ پوری کائنات کے اعلیٰ ترین (عالمین) سربراہوں اور ہادیانِ مطلق سے تعارف کرایا گیا۔ آدمؑ و ابلیس کو آس پاس رہ کر مزاج شناسی کا موقع دیا گیا۔ حضرت آدمؑ کو وصولِ وحی اور حق و باطل کا فرق سمجھنا سکھایا گیا۔ اچھا بُرا، گناہ و ثواب، فرمانبرداری اور نافرمانی سے متعارف کرایا گیا۔ عصمت کا امتحان لیا گیا۔ مصطفیٰ بنا کر دنیا میں بھیجا اور تخلیقِ انسانی اور انسانوں کی پرورش و تربیت کے عظیم ترین کام میں اپنا شریک کار بنایا گیا۔ نسلِ انسانی کو علم و عصمت و قدرت عطا کرنے اور ابلیس اور اُس کے مذکورہ بالا سامان سے محفوظ و پاک و منزہ رکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ چنانچہ حضرت آدمؑ نے زمین پر ایک با بصیرت، آزاد و مختار و جہاں گیر و جہاں ساز نوعِ آدم کو جنم دیا۔ پھیلا یا۔ علم و قدرت کے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ جنہیں اللہ نے اپنی وحی و الہام و مشاہدات و مکالمات سے لبریز کئے رکھا۔

اُدھر ابلیس نے اپنی اجتہادی غلطی اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی راہ سے نوعِ انسان کے ساتھ راہ و رسم اور اختلاط کی غرض حاصل کر لی۔ اور انسانوں کی خود ارادیت اور عقلی و عملی آزادی سے فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ اور اپنے لئے ذریتِ آدمؑ میں سے وہ لوگ چنا شروع کئے جو اپنے اوپر کسی قسم کی پابندی نہ چاہتے ہوں۔ جو عقل و تجربہ اور تقاضائے وقت کے علاوہ کسی اور تصوراتی راہنمائی کو غیر مفید یا آہستہ خرام سمجھتے ہوں (نساء 4/118) بہر حال انبیاء علیہم السلام نے انسانوں میں وہ جماعت یا ذریت تیار کرنا شروع فرمائی جس پر ابلیس اور ابلیس سے متعلقہ و مذکورہ بالا سامان کا ذرہ برابر اثر و تسلط ہونے نہ پائے (15/42) اللہ نے ایسی ذریت کے پیدا ہونے اور موجود رہنے کا وعدہ فرمایا تھا (آل عمران 3/33, 34) اور شیطان نے بھی ایسی ذریت کے موجود رہتے چلے جانے کا اقرار کیا تھا اور اُن پر اثر انداز نہ ہو سکنے میں اپنی بے بسی قبول کی تھی (حجر 15/40) یہ وہ ذریت تھی جو انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو جنم دیتی تھی، جو حضرت آدم علیہ السلام سے اُس وقت تک ملتے چلے آنے والے علوم و ہدایات سے انبیاء و ائمہ کی بچپن سے نشوونما و تربیت کرتی تھی۔ وہ تمام کتابہائے خداوندی کی حامل و حافظ اور وارث رہتی چلی جاتی تھی۔ اُدھر ہر نبی کے پروگرام و ہدایات کا عملی نمونہ بن کر انسانوں کو انبیاء کی راہ چلنے میں مدد دیتی تھی۔ اُن کی تمام کمزوریاں، خامیاں، کوتاہیاں غلطیاں اور لغزشیں

واضح کرتی اور اُن کی اصلاح میں مدد دے کر انہیں اپنی اور اپنے نبی کی عصمت کی طرف لاتی اور اُن کی گمراہی کو ہدایت سے، غلطیوں کو صواب سے، خامیوں اور قصوروں کو تکمیل سے، بغرضوش کو استحکام اور گناہوں کو ثواب سے بدلنے کا انتظام اور طریقے سکھاتی ہوئی چلی جاتی تھی۔ ہر نبی ہر امام اس ذریت کا بچہ تھا۔ تمام انبیاء و رسل اور آئمہ اسی درخت (شجرہ طیبہ) کے ثمر یا پھل تھے۔ اُن سب نے اس ذریت کی بقا اور ترقی کے لئے دعائیں مانگیں اس لئے کہ اُن کی بقا اور ترقی میں انبیاء و آئمہ کی بقا اور ترقی کا راز مضمر تھا۔ خود اُن کی تعظیم و تکریم میں کمی نہ کی اور اپنی امتوں کو اُن کی تعظیم و احترام کی ہدایات کیں۔ اُن کی اتباع اور پیروی کو واجب کیا اُن کی مودت کو اجر رسالت قرار دیا (شوری 42/23) یہ صاحبانِ ارحام و اصلاب ہیں جو طاہر و مطہر تھے۔ جن سے نبوت و رسالت و امامت جنم لیتی تھی۔ جو نبوت و رسالت و امامت کی کان (معدن) تھے۔ جن سے نبیوں رسولوں اور اماموں کو گوشت و پوست و خون اور ہڈیاں ملتی تھیں جن سے عقل و فکر و دماغ و قلب ملتے تھے۔ جن کے دودھ سے نبوت و رسالت و امامت کی پرورش ہوتی تھی۔ یہ وہ مبارک ترین ذریت تھی جن کی گود میں نبوت پلتی تھی۔ رسالت مسکراتی تھی اور امامت بولنا سیکھتی تھی۔ نبوت و رسالت و امامت اُن کے سایہ عافیت میں پل کر جوان ہوتی تھی۔ وہ انبیاء رسل اور آئمہ کا انگلی پکڑ کر نبوت و رسالت و امامت کی راہ چلاتے تھے انہیں اللہ اور اس کی تعلیمات کی طرف راہنمائی و ہدایت کرتے تھے (ضحیٰ 93/7) انہیں امن و پناہ فراہم کرتے تھے (93/6) انہیں ساری دنیا سے مستغنی کر دیتے تھے (93/8) یہ ذریت طاہرہ آدم سے لے کر خاتم تک موجود رہتی چلی آئی اسی ذریت سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و آباءہ نے جنم لیا تھا (آل عمران 3/164) رُوح القدس ہو یا جبرئیل امین ہوں ہمیشہ کی طرح اب بھی ساتھ ساتھ تھے۔ صفات نبوت کی طرح جز و لا ینفک تھے۔ اب لوح و قلم سب یکجا تھے۔ تمام علوم و تعلیمات ایک مرکز پر مجتمع تھیں۔ تمام عصمتیں، تمام قدرتیں، تمام معجزات حضور میں مرکوز تھے اللہ کے تمام علوم و قدرت و صفات کا بولتا چالتا مجسمہ، ساری کائنات اور تمام انبیاء و رسل و آئمہ کی تمام مختوں اور کاشوں کا ثمرہ۔ انسانی صورت میں ایک لا محدود اور بے پناہ محیر العقول ہستی۔ جو نہ صرف آگے دیکھتی ہے بلکہ پیچھے اور ہر طرف دیکھتی ہے۔ کائنات کی کوئی چیز نظروں سے غائب نہیں۔ جس کی انگلیوں سے پانی اور دودھ کے کبھی ختم نہ ہونے والے چشمے پھوٹ پڑتے ہوں۔ کھاری کنویں میں تھوک دیں تو قیامت تک میٹھا پانی ختم نہ ہونے پائے۔ وہ ذات پاک جو انسانوں کو برق و براق پر تسلط عطا کر دے۔ جو زمین پر ریگینے والے انسانوں کو فلک الافلاک اور قاب قوسین و سدرة المنہما تک بلند ہونے کا تصور اور عملی نمونہ پیش کرے۔ جو تسخیر کائنات کی راہیں اور ابواب السموات چوپٹ کھول دے۔ انگلی کے اشارہ سے شمس و قمر کو راہیں بدلنے والا بنا کر دکھا دے۔ یہ اسی عظیم الشان ذریت کے تیار کردہ رسول تھے۔ جنہیں اللہ نے اس قرآن میں علم مَسَاكِنَ وَ مَا يَحْكُونُ وَ مَا هُوَ كَائِنٌ (جو ہو چکا، جو ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے) کی سند عطا کی ہے (بقرہ 2/151) اور اسی آیت میں یہ بھی فرمادیا کہ وہ جسے چاہتا ہے ماضی و حال و مستقبل کے تمام علوم و اطلاعات سکھا دیتا ہے (2/151) اور یہ کہ وہ اس بے حد و حساب تعلیم کو برابر جاری رکھے گا یہاں تک کہ پچھلے اگلوں سے آملیں (جمعہ 3-62/2) (اقتباس ختم ہوا مگر مرکز انسانیت جاری ہے)

انبیاء و رسل و آئمہ اگر پھل و ثمر ہیں تو وہ اُن درختوں کے رہیں منت ہیں جنہوں نے انہیں پیدا کیا تھا

قارئین کرام ذرا سا اپنے پیارے گھر اور گھر والوں پر نظر ڈالیں۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ آپ خواہ ایم اے ہوں یا ان پڑھ ہوں، چوکیدار ہوں یا تھانیدار، کوئی منسٹر ہوں یا صدر مملکت، آپ رانی ہوں یا راجہ، ملکہ ہوں یا بادشاہ و شہنشاہ۔ آپ اپنے پالنے والوں، اپنے لئے تکلیفیں اٹھانے والوں، رات کو دس دس دفعہ اٹھ کر دودھ پلانے والوں اور معصوم ضروریات پوری کرنے والوں، اور آپ کو منتوں مرادوں اور دعاؤں کے سائے میں

پال کر جوانی کے منتظر رہنے والوں، قرض ادھار لے کر، دقتیں اٹھا اٹھا کر، بھوکا رہ کر، محنت و مزدوری کر کے پڑھانے والوں اور پروان چڑھانے والے ماں باپ کے ساتھ کیسا سلوک پسند کریں گے؟ ہمیں آپ کا حال اور جواب معلوم نہیں۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ شریف و مہذب، امیر و غریب، مسلم و غیر مسلم تمام خاندانوں میں ماں باپ کے قدم چھوئے جاتے ہیں۔ انہیں صبح و شام، جھک کر بڑے پیار و ادب سے سلام کرتے ہیں۔ اُن کے سامنے چھوٹا سا بچہ بن جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن سے دھی اور پسندیدہ آواز اور لب و لہجہ میں بات کرتے ہیں۔ اُن کا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ اُن کے روبرو اپنے پیارے بچوں کو اور اپنی عزیز ترین شریک حیات کو پیار نہیں کرتے۔ اپنے بچوں کو بتاتے ہیں کہ تمہارے ابا وہ ہیں جنہیں ہم ابا کہتے ہیں۔ تمہاری امی وہ ہیں جنہیں ہم امی کہتے ہیں۔ اپنے لئے بھائی جان یا کوئی اور مناسب رشتہ سکھاتے ہیں تاکہ نچے غلطی سے بھی اپنے دادا اور دادی کے سامنے ماں باپ کو ابایا امی نہ پکاریں۔ یہ عمل درآمد ہر ملک و مذہب و ملت میں جاری رہتا چلا آیا ہے اور آج بھی جاری ہے۔ اور یہی عمل درآمد تھا زیرِ قلم ذریت کے یہاں۔ وہ وہ لوگ تھے جن پر تمام انبیاء و رسل اور تمام آئمہ سلام بھیجتے رہے۔ ارے صاحب انبیاء و رسل اور آئمہ علیہم السلام تو ایک طرف قرآن میں اللہ نے آلِ یاسین یعنی آلِ محمد پر سلام بھیجا ہے (سَلَامٌ عَلٰی آلِ یٰسِیْنَ (صافات 37/130)) (دیکھو درِ منشور تفسیر جلد 5 صفحہ 286) پھر تمام انبیاء اسی ذریت طاہرہ کے افراد تھے (آل عمران 34-33/3) اور نبیوں پر اللہ نے نام بنام سلام بھیجا ہے (صافات 120, 109, 37/79 وغیرہ)۔ بہر حال نبی، رسول اور آئمہ تو گنتی کے تھے اور اسی خانوادہ میں سے تھے۔ ذریت کے ہر ہر فرد کو نہ نبی بنایا جاسکتا تھا نہ امام اور رسول بنانا موزوں ہوتا۔ انتظام خداوندی یہ تھا کہ کچھ حضرات کو نبی یا رسول یا امام بنایا جائے۔ اور ایسے حضرات ہوں جو نبوت و رسالت و امامت کا مادی و محسوس سامان اور تعمیر بنائیں کسی کو رسالت کیلئے تیار کریں کسی کی ربوبیت اس طرح کریں کہ وہ عہدہ امامت سنبھالے۔ کسی کو نبی بنائیں۔ یعنی جس طرح حضرت آدم کو نوع انسان کے پیدا کرنے میں اللہ نے اپنا واسطہ ذریعہ اور وسیلہ بنایا تھا اسی طرح اس ذریت کا ہر فرد نبی، رسول اور امام بنانے میں اللہ کا وسیلہ تھا اور ظاہر ہے کہ بنانے والا بننے والے سے افضل ہوتا ہے۔ جھک کر سلام کرنے والا مفضل ہوتا ہے۔ جب رسول اللہ خانوادہ رسالت پر صبح سلام کرتے تھے (اسلام علیکم یا اھل الایت) تو تمام انبیاء و رسل اور ملائکہ اور خود خداوند عالم مل کر سلام کرتے تھے۔

(3) آئیے ذریت طاہرہ کی فضیلت پر نظر ڈالیں

حقیقت تو اسی قدر ہے کہ ایک نور سے پیدا ہونے والے حضرات مرتبہ میں سب برابر ہی تھے۔ چونکہ ابلیسی نظام کے سب سے بڑے حربوں میں سے ایک حربہ طبقہ و اربیت کو مٹانے اور تمام انسانوں کو برابر کرنے کا حربہ ہے۔ اور یہ حربہ روزانہ جہلا اور تہی مایہ لوگوں میں تیزی سے مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ اور آج سوشلزم اور کمیونزم کے سب سے اونچے نعروں میں سے ایک نعرہ یہی ہے۔ اور یہی حربہ انبیاء کے خلاف سب حربوں سے زیادہ کارگر ہوتا اور لوگوں کو گمراہ کرتا رہا ہے۔ لہذا تعلیمات خداوندی میں اس حربے کو بے اثر اور بے نتیجہ کرنے کے لئے بہت سی ایسی باتیں اور ہدایات بیان ہوئی ہیں جو محض انتظامی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور جن کی حقیقت ایمان کے کئی درجے گزر جانے اور بہت سے دینی فوائد و نتائج کے برآمد ہو جانے کے بعد سمجھ میں آتی ہے۔ اور جب سمجھ میں آتی ہے تو پھر مومن کو اپنی ابتدائی پوزیشن اور عقائد پر ہنسی آتی ہے۔ لہذا اسلامی تعلیمات میں ہزاروں باتیں بھری پڑی ہیں جن کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور ہے۔ اور وہ خدائی تعلیم ہونے کی بنا پر اپنے ظاہر میں بھی حق اور صحیح ہیں۔ اور باطن میں بھی خالص حق ہیں۔ لیکن جو شخص محض ظاہر پر اڑ جاتا ہے اور باطن کا انکار کر دیتا ہے۔ یا باطن کا اقرار کر کے ظاہر کا منکر ہو جاتا ہے۔ وہ

اسلامی حقائق کا منکر اور اسلام سے خارج ہو جاتا ہے لہذا پھر نوٹ کریں کہ بعض باتیں محض ابلیس کا راستہ روکنے کے لئے کہی گئی ہیں۔ مثلاً یہ حقیقت کتب احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے عائشہ سے فرمایا تھا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ ”تیری قوم“ دوبارہ مشرک ہو جائے گی تو میں کعبہ کو توڑ کر دوبارہ اُن بنیادوں پر تعمیر کرتا جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا یعنی ابلیس کا نظام فوراً رسول پر یہ فتویٰ لگا دیتا کہ یہ شخص نبی نہیں ہو سکتا یہ خدا کے گھر کو ڈھائے دے رہا ہے۔ ان باتوں کو سامنے رکھیے اور ایک لطیفہ سنئے:

”کسی بڑھیا کے بیٹوں کو قتل کے مقدمہ میں گرفتار کر کے مقدمہ چلایا گیا۔ تحقیقات و تفتیش سے جج کو معلوم ہوا کہ محض شہر کی بنا پر بڑھیا کے بیٹوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ لہذا جج نے اپنا فیصلہ سنانے کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔ بڑھیا ماں کسی طرح گرتی پڑتی فیصلہ سننے کے لئے عدالت میں کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ پولیس اور تمام ملزمان ہتھکڑی لگے ہوئے حاضر تھے۔ عدالت کا کمرہ تماشا بیٹوں سے کچھ کچھ بھرا ہوا تھا۔ ذرا دیر بعد اصل قاتلوں کو سزائے موت سنائی گئی۔ بڑھیا دل تھامے ہوئے خود کو سنبھالے سانس روکے ہوئے اپنے بیٹوں کا نام سننے کی منتظر تھی کہ جج نے کہا کہ میں فلاں فلاں کو بری کرتا ہوں۔ جب بڑھیا کی سمجھ میں اصل فیصلہ آ گیا تو اُس نے چیخ کر کہا کہ ”جج صاحب اللہ تجھے جلد سے جلد پٹواری بنائے آمین“۔ جج صاحب بڑھیا کی سادگی پر مسکرائے اور سارا مجمع کھل کھلا کر ہنسنے لگا۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ سننے والے اور قاری حضرات بھی مسکرا رہے ہیں۔

آپ سب کے لئے اس میں ہنسنے کی بات یہی ہے نا؟ بڑھیا بے چاری کو پٹواری ہی سب سے بڑے عہدے کا آدمی معلوم تھا۔ سیشن جج کو پٹواری بنانے کی دعا دراصل بظاہر اُسے ذلیل و خوار کر کے ایک بدترین تنزل سے دوچار کرنے والی بددعا تھی۔ لیکن باطن بڑھیا چاہتی تھی کہ جج کا عہدہ اور بڑھے کہ وہ زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچا سکے۔ بڑھیا کی نادانی، سادگی اور خلوص نے ظاہر کو ناگوار نہیں رہنے دیا۔ اب آپ ذرا سنجیدہ ہو جائیں اس لئے کہ اب اللہ، قرآن اور انبیاء و رسول کی ایسی ہی باتیں سامنے آئیں گی۔ جو بظاہر نظر بڑھیا کی بات یا دعا کی طرح مضحکہ خیز مگر باطن فضیلت ساز اور حقیقت انگیز ہوں گی۔

(4) نبوت، رسالت اور خلعت کے بعد امامت کا دیا جانا کیا معنی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی بھی تھے رسول بھی تھے اور خلیل بھی تھے اور ساتھ ہی کم از کم دو نبیوں اور رسولوں کے باپ بھی تھے اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ: ”چونکہ تم آزمائش میں کامیاب ہو گئے ہو اس لئے اب میں تمہیں انسانوں کا امام بناتا ہوں“ (بقرہ 2/124)

قارئین اب آپ کیوں نہیں مسکرائے؟ حالانکہ آپ نے یہ سنا بھی ہے۔ اور اسی پر ایمان بھی رکھتے ہو کہ امام سے نبی و رسول افضل ہوتا ہے۔ اور اس عقیدے کی رو سے اللہ کی یہ بات یقیناً بڑھیا والا لطیفہ ہے۔ پھر آپ اس آیت (2/124) میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جیسے ہی اللہ نے حضرت ابراہیم کو امام بنانے کی بات کی فوراً حضرت ابراہیم نے پھٹ سے یہ سوال کر دیا کہ میری ذریت میں بھی امامت رہے گی؟ آپ نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اللہ نے اسی آیت میں امامت کو اپنا ایک ”عہد“ قرار دیا ہے۔ جب کہ نبوت و رسالت کو عہد نہیں فرمایا گیا۔ اسی آیت میں اللہ نے ہر اُس شخص کو امامت سے خارج کر کے ذریت ابراہیم میں امامت کو جاری کر دیا جو کوئی ذرا سی بات یا کام بھی بر محل نہ کرے۔ یعنی امام وہ ہوگا جس کی ہر بات اور ہر کام بر محل ہو جس سے غلطی یا غلط فہمی ناممکن ہو۔ یہ بھی سوچئے کہ حضرت ابراہیم نے نبوت و رسالت اور خلعت کے سلسلے میں اپنی ذریت کے لئے کوئی تمنا نہیں کی تھی۔ یہاں خود بخود یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ تعلیمات خداوندی کو کونوع انسان میں نافذ کرنے کے لئے نبوت و خلافت و رسالت کے بعد

امامت کا درجہ آتا ہے۔ اب قارئین چاہیں تو درجہ امامت کو نبوت و خلافت و رسالت سے افضل اور بلند تر درجہ مان لیں یا بڑھیا والا لطیفہ سمجھ کر مسکرائیں اور نظر انداز کر دیں مگر یہ سمجھ کر کریں جو کچھ بھی کریں کہ بڑھیا تو نادان تھی۔ انسان تھی مگر اللہ؟ بہر حال ہم قرآن کی روشنی میں امام کو نبیوں، رسولوں اور خلفائے خداوندی سے بہت بزرگ و افضل یقین کرتے ہیں۔ (اور یہاں بیان الامامت ہی مقصود ہے)۔

یہاں مرکز انسانیت کے پیرے ختم ہو گئے۔

(12) ملتِ ابراہیم یا آلِ ابراہیم کے فضائل و مناقب کے بعد ان کی دنیا میں قدر و منزلت، مقبولیت، تسلط اور اللہ کے اعلانات پر گفتگو

اب ہم قارئین کے سامنے مختصر طور پر ملتِ ابراہیم یا آلِ ابراہیم کی مادی یا دنیاوی پوزیشن کی جھلک پیش کریں گے اور اس کی بنیاد بھی تفصیل سے توریت و زبور و انجیل میں مذکور ہے اور قرآن کریم بھی اس سے خالی نہیں ہے اور اختصار کا تقاضا ہے کہ ہم قرآن ہی سے وہ جھلک دکھائیں جس سے قارئین کو اس قوم کے حالات کے ساتھ ساتھ اُس کے راہنماؤں اور آئمہ علیہم السلام کے حالات بھی معلوم ہو جائیں جس قوم کو بدلے میں لے آنے کی قریش کو دھمکیاں دیا جانا پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ اللہ نے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پیدا ہونے والی قوم کو ریگستان کے ذروں کی تعداد میں بڑھانے کا وعدہ کیا ہے اور انہیں ایک بہت بڑی قوم بنا دینے کی پیشگوئی فرمائی ہے وہیں ذریت و آلِ ابراہیم کو ایک عظیم الشان مملکت کے فرمانروا بنانے اور بنائے رکھنے کی اطلاع بھی دی ہے اور ابھی ابھی اسی آلِ ابراہیم و ذریت ابراہیم کا مقام بلند پیش کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ اب قومِ ابراہیم اور ان کے فرماؤں اور اماموں کا دنیاوی مقام سامنے آتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا

عَظِيمًا ۚ فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝ (نساء 55-54/4)

”کیا قریشی لوگوں کو اُس پر حسد ہو رہا ہے جو اللہ نے اپنے فضل سے محمدؐ اور خانوادہ محمدؐ کو دیا ہے؟ حالانکہ یقیناً ہم نے تو آلِ ابراہیم کو مکمل کتاب، مکمل حکمت اور عظیم الشان ملک و مملکت دے رکھی ہے یعنی وہ آلِ ابراہیم کتاب و حکمت و مملکت کے حامل و مالک اور حکمران ہیں۔ چنانچہ قریشی حاسدوں کے دو گروہ یا محاذ ہیں ایک نے حسد میں کامیابی کے لئے ایمان کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور ان میں دوسرے محاذ نے رکاوٹیں کھڑی کرنے کا پروگرام بنا لیا مگر تمام حاسدوں کو بھڑکتے اور دکھتے ہوئے جہنم میں جلنے کا فیصلہ کافی ہے۔“

(الف) ان دونوں آیات (4/54-55) سے آلِ ابراہیم سے تمام قریشی خارج ہیں، وہ حاسد و دشمن اور جہنمی ہیں، عظیم الشان سلطنت کا موجود

ہونا اور فرمانروائی ثابت ہے

قریش کی حیثیت قومی دشمنی قرآن (فرقان 31-30/25) سے اور بار بار ثابت ہے لہذا اس پر یہاں بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور بتانا ہے کہ قریش کی یہ دشمنی اور حسد جہنم میں جانے تک برقرار رہنا لفظِ حَسُدُونَ سے بھی ثابت ہے یہ لفظ مضارع کی صورت میں لایا گیا ہے اور اُس کے دوہرے معنی ہوتے ہیں جو حال و مستقبل تک حاوی ہوتے ہیں یعنی "وہ حسد کرتے ہیں اور وہ حسد کرتے رہیں گے اور یہ حسد دشمنی آج ہمارے زمانہ تک باقی رہنے کی ہزاروں قابل مشاہدہ عملی ثبوت ہیں۔ مثلاً بخاری کی رو سے درود میں آلِ محمدؐ کو شریک رکھا جانا یعنی اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ کہنا لازم ہے لیکن قریشی مسلک کے لوگ آلِ محمدؐ کو درود میں شامل نہیں کرتے۔ وغیرہ۔

دوسری بات ان آیات (4/54-55) میں یہ کہ ”اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ آلِ محمدؐ کو دینے کا ذکر فرمایا ہے اُس کے اندر لفظ

”انہم اللہ“ فرمایا ہے اور انہم ماضی کا صیغہ ہے یعنی ”اللہ اپنے فضل سے دے چکا ہے“ یعنی ایسا نہیں کہ ابھی دینا باقی ہو اور کہیں مستقبل میں دینے کا وعدہ کیا ہو۔ اسی طرح عظیم الشان مملکت کا دیا جانا بھی ماضی کے صیغے ”اتیننا“ اور ”اتینہم“ سے ظاہر فرمایا ہے یعنی آل محمد کو کتاب و حکمت و ملک عظیم دیا جا چکا ہے اور اس وقت وہ جہاں کتاب و حکمت اپنے پاس رکھتے ہیں وہیں وہ اُس ملک یا عظیم مملکت کے فرمانروا، حاکم و بادشاہ بھی ہیں۔ اور اگر ابھی یہ چیزیں نہ ملی ہوتیں یا مستقبل میں ملنا ہوتیں یا کبھی پہلے کی بات ہوتی تو حسد کرنے اور حسد کرتے رہنے کی بات ہی غلط ہو جاتی۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ آیت کے نزول سے پہلے ہی محمد و آل محمد کے پاس کتاب بھی تھی۔ حکمت بھی تھی اور وہ اُس عظیم الشان مملکت کے بادشاہ بھی تھے اور نہ معلوم ماضی میں کب سے یہ چیزیں اُن کے پاس تھیں؟ بس یہی ہمیں یہاں بتانا ہے کہ وہ پہلا شخص جو اُس مملکت عظیم کا فرمانروا ہوا تھا اُس کا نام نامی حضرت نابت علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔ اور اُن کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ تک حضرت نابت کی اولاد میں وہ امام وہ بادشاہ یا فرمانروا ہر اس مملکت عظیمہ کے راہنما و مالک رہے جو اللہ نے ذریت ابراہیم میں جاری کی تھی۔ (بقرہ 2/124)

(1) اولادِ اسماعیل میں سب سے پہلا فرمانروا نابت بن اسماعیل ہیں

تاریخ طبری میں علامہ طبری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کا شجرہ نسب حضرت اسماعیل تک پہنچانے کے لئے نام بنام آپ کے اجداد کا اور اُن کے حالات کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ:-

”37- سہمی یہی سما اور مجشتر ہے یہ ایک نہایت ہی عادل منتظم اور مدبر بادشاہ تھا۔ امیہ بن ابی صلت نے ہرقل بادشاہ روم کو خطاب کرتے ہوئے اُس (مجشتر) کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

كُنْ كَمَا لَمْ جَشْتَرِ اِذْ قَالَتْ رَعِيْتَهُ
كَانَ الْمَجَشْتَرُ اَوْ فَا نَا بِمَا حَمَلَا

”تم بھی مجشتر ایسے بنو اُس کی رعایا نے کہا تھا کہ مجشتر ہم میں سب سے زیادہ اپنے عہد کا ایفا (وفا) کرنے والا ہے۔“

38- (مجشتر کا باپ) ابن مزرأ سے مرہر بھی کہا جاتا ہے۔

39- (مرہر کا باپ) ابن صیقا، یہی سمر ہے جو صیفی ہے یہ سب سے بہتر بادشاہ تھا جو روئے زمین پر پیدا ہوا۔ اس کے متعلق امیہ بن ابی صلت نے یہ

شعر کہا ہے۔ اِنَّ الصَّفِيَّ بِنِ بِنِيْت (نابت) مُمْلِكًا اَعْلَى وَاَجْوَدُ مِنْ هِرْقُلٍ وَ قِيصْرَا

”بے شک صفی بن نبیت ایسا بادشاہ ہوا ہے جو ہرقل اور قیصر سے سخی اور بہتر تھا۔“

40- (ابن صیقا کا باپ) ابن جعشم، یہی عرام ہے، نبیت اور قیصر ہے۔ قیصر کے معنی صاحبِ مُلک کے ہیں۔ اسماعیل کی اولاد میں سب سے پہلا فرمانروا یہی ہوا ہے۔

41- (نابت کے والد) ابن اسماعیل سچے وعدے والے ابن ابراہیم (42) خلیل الرحمن ابن تارح (43) یہی آذر ہے ابن ناحور (44)۔۔۔۔۔

۔۔۔ الخ۔ (ترجمہ جلد اول صفحہ 56-57)

(2) قریشی شجرہ کا فراڈ پھر واضح ہوا، قریش کا نسل ابراہیم سے ہونا کئی طریقوں سے باطل ہو گیا، مُلک عظیمہ کے ملنے کی ابتدا معلوم ہو گئی۔

قارئین نے طبری کے بیان میں دیکھ لیا کہ حضرت نابت علیہ السلام نسل اسماعیل میں سب سے پہلے بادشاہ ہوئے یعنی جس حکومت اور عظیم مملکت کا اللہ نے دیا جانا فرمایا ہے (نساء 4/54.55) اس کے پہلے حکمراں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بیٹے ہوئے اور ان کا نام

توریت میں پہلوٹے بیٹے کی حیثیت سے نبا یوٹ لکھا ہے۔ اور اُن ہی کو نابت و عنیت کہا جاتا ہے (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 56) اُن ہی کی اولاد کو نابتی، نبطی اور نبط کہتے ہیں (ایضاً) اور حضرت علی علیہ السلام نے اپنا نسب نابطی یا نبطی بتایا تھا۔ (آنا کوئی النبطی۔ ایضاً) اور قریش نے اور عمر نے نبطی ہونے کا انکار کیا اور نبطیوں کو مخلوط النسل اور غیر ملکی قرار دیا تھا لہذا قریش کا آنحضرتؐ اور علیؑ سے کوئی نسبی، قومی یا ملکی رشتہ نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر قریش رسولؐ کی نسل سے یعنی اولاد اسماعیلؑ سے ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کی ازسرنو تعمیر کرنے والی حدیث میں قریش کو عائشہ کی قوم (قَوْمُک) نہ فرماتے (صحیح بخاری جلد اول کتاب المناسک صفحہ 215)

حضرت نبا یوٹ یا نابت علیہ السلام کا زمانہ دو ہزار سال قبل مسیح (2000 ق م) ہے لہذا حضرت اسحاقؑ اور اُن کی اولاد کے تمام انبیاء امامت ابراہیمی کے ماتحت تھے۔ یا یوں کہتے ہیں کہ وہ سب حضرات مذکورہ بالا مُسَلِّکاً عَظِیْمًا (عظیم ترین مملکت) کے مشیر قانون اور رعایا تھے۔ اور وہ تمام حکمران جو بنی اسرائیل میں گزرے، خواہ نبیؐ ہوں یا غیر نبیؐ، سب اس عظیم و ہمہ گیر مملکت کے آئمہ کے ماتحت تھے۔ اور چونکہ نابطی حکومت آنحضرتؐ کے بعد تک (عہد عمر تک) باقی تھی لہذا اسماعیلیؑ و اسرائیلی حکومتیں سب مرکزی امامت کے ماتحت تھیں۔ یعنی آنحضرتؐ کے آباؤ اجداد، ابوطالبؑ، عبدالمطلبؑ، ہاشمؑ اور قصیؑ وغیرہم کے ماتحت تھیں۔

آپ نے طبری کے بیان میں دیکھا کہ حضرت نابتؑ اور اُن کے بعد کئی ایک خاندانی بادشاہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی بہت زمانہ تک نابطی آئمہ علیہم السلام بذات خود حکومت کرتے رہے لیکن بعد میں اپنے خاندان کے قابل افراد کو بادشاہ بنا تے رہتے تھے۔ یہی طریقہ اسرائیلی حکومتوں نے اختیار کیا تھا مگر دونوں سلسلوں کی حکومتیں مرکزی امامت کے ماتحت رہتی چلی آئی تھیں۔ یہی تو سبب تھا کہ حضرت عبدالمطلبؑ اور حضرت ہاشم علیہما السلام کے خطوط کی تعمیل فرمان شنہشاہی کی طرح کی جاتی تھی۔ شاہان ایران و یونان و روم قریش کو خصوصاً اور سارے عرب کے تاجروں کو عموماً اُن حضرات کے حکم کے مطابق اپنے ملک میں آنے جانے، بسنے اور بلائیکس تجارت کرنے کی چھوٹ دیتے تھے اور عرب کے تاجروں کے قافلے کا استقبال کرتے تھے۔ اور قریش ایسے ملعون لوگ تھے کہ، جن کی عطا کردہ یہ رعایا تھیں، جن کی وجہ سے انہیں بادشاہوں کے درباروں میں رسائی اور کرسیاں ملتی تھیں اُن ہی کی اولاد کے نبیؐ کے خلاف ابوسفیان بادشاہ حبش کے دربار میں شکایت کرنے سے نہ شرمایا اور وہاں سے ذلیل ہو کر واپس آیا اور شاہ حبش نے حضرت جعفر طیار علیہ السلام کا خطبہ سُن کر اسلام اختیار کیا تھا۔ اور تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں ارسال کئے۔ حضرت فضہ علیہا السلام شاہ حبش کی ہی بیٹی تھیں۔ جو حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں رہنے کے لئے بھیجی گئیں تھیں اور کربلا کے میدان میں بھی ہمراہ تھیں۔ ابو بکر و عمر کے جانشین خلیفہ اور قریشیوں کے امیر المومنین کے حکم سے خانوادہ رسولؐ کا قتل عام کیا گیا اور رسولؐ زادیوں اور بچوں کے ساتھ حضرت فضہؑ بھی سال بھر اس ملعون خلیفہ کی قید میں رہیں۔ اہلبیت رسولؐ کے ساتھ رہا ہو کر دمشق سے کربلا اور کربلا سے مدینہ آئی تھیں اور وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ اور خاندان اہل بیت کے قبرستان میں دفن ہوئیں تھیں۔

(3) حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کی اولاد بھائی بھائی تھی اُن کی حکومتوں میں ہم آہنگی اور بھائی چارہ اور تعاون فطری تھا

قریشی حکومتوں کی تیار کی ہوئی تاریخ و تفسیر و احادیث کی کتابوں میں ہر اُس بات کو الٹ کر، بدل کر یا بطور افسانہ لکھا ہے جو اُن کی اہلبیسی پالیسیوں یا مخالف اسلام کردار کے خلاف جاتی تھیں۔ بہر حال ہمیں قرآن کریم بتاتا ہے کہ دونوں بھائیوں، اسماعیلیؑ و اسرائیلیؑ، کی حکومتوں میں تعاون تھا، ہمدردی و ہم آہنگی تھی۔ دونوں ہم مسلک و ہم مذہب تھے۔ وہ یہودی یا عیسائی جن کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے۔ حقیقتاً اولاد اسحاقؑ نہ

تھے۔ بلکہ وہ وہ لوگ تھے جو مالی استفادہ کے لئے یہودی یا عیسائی بن گئے تھے۔ اور عرب کی اسی مخلوط نسل میں سے تھے جس سے قریش تھے۔ انہوں نے قریش کی طرفداری میں آنحضرت اور اسلام کی مخالفت کی تھی۔ ورنہ حقیقی یہودی یا عیسائی کبھی اسلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے نہ مخالف رہے نہ دشمن بنے۔ بلکہ وہ محمد و آل محمد کے دوست، جانبدار و معاون رہتے چلے گئے اور آج تک ہمارے طرفدار ہیں البتہ جب قریش نے خانوادہ رسالت و نبوت و امامت سے حکومت غصب کر کے قومی حکومت بنائی اور اہلبیت محمد پر مظالم کا آغاز کیا اور دنیا بھر میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا تو یہود و نصاریٰ ہی نہیں ساری دنیا کی اقوام قریشی قوم اور قریش ساز اسلام کی دشمن ہو گئیں اور آج تک دشمن ہیں۔ اور قیامت تک دشمن رہیں گی اس لئے کہ قریش قیامت تک آل محمد کے دشمن رہیں گے۔

(ب) سورہ روم مرکزی حکومت اور حکمرانوں کا تعین کرتی ہے اور اس مصلحت کا پردہ اٹھاتی ہے جو ظہور ختمی مرتبت کے لئے ڈال دیا تھا

حضرت نابت علیہ السلام سے لے کر خلیفہ دوم عمر تک مسلسل نابتی حکومت اور ظہور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ تک نابتی امامت اور اماموں کی موجودگی تاریخ روم و یونان و ایران سے خود قریش کی بگاڑی ہوئی تاریخ سے بھی ثابت ہے اور اسماعیلی یا نابتی اور اسرائیلی یا رومی حکومتوں کا اتحاد اور ہم آہنگی ثابت کرنے کیلئے سورہ روم پکار کر کہتی ہے کہ:

الْمَ عُلَيْبِ الرُّومِ ۝ فِى اٰذْنِى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيِّغُلِيُوْنَ ۝ فِى بَضْعِ سِنِيْنَ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ مِّنْ قَبْلِ
وَمِنْ بَعْدِ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ، يَنْصُرُ مَن يَّشَاءُ ۝ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعَدَّ اللّٰهُ، لَا
يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ
هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (روم 7-30/1) نیز (15-30/8)

ترجمہ: ”الف۔ لام۔ میم (1) ملک روم کی حکومت مغلوب ہوگئی (2) وہ عرب کے نزدیک کی سرزمین تک مغلوب ہوگئی ہے۔ لیکن اس شکست کے بعد پھر غالب آجائے گی (3) اُس کے غالب آنے میں چند سال لگیں گے۔ اور حکم تو بہر حال اللہ ہی کا پہلے بھی چلتا تھا اور اسی کا حکم بعد میں بھی چلتا رہے گا۔ مگر روم کے غالب آنے پر تمام مومنین جشن مسرت منائیں گے (4) اللہ کی عطا کردہ فتح اور نصرت پر خوشیاں منائی جائیں گی جو جس کی چاہتا ہے مدد و نصرت کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا۔ اور وہی ہر حال میں غالب اور رحیم ہے (5) اللہ نے روم کی فتح کا وعدہ کر لیا ہے اور کبھی اور کسی حالت میں اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور کبھی خلاف ورزی نہ کرے گا مگر انسانوں کی کثرت روم کی فتح کو نہیں جانتے (6) لوگ تو دنیا کی زندگی کے دوران صرف ظاہری اور دنیاوی پہلوؤں کو جانتے ہیں اور انسانوں کی یہ کثرت درحقیقت آخرت و عاقبت و انجام کار سے غافل رہا کرتی ہے (7)“

(ج) آل محمد کی حکومت اور اسرائیلی حکومت، رومۃ الکبریٰ کا وجود، اللہ و محمد کی قدر دانی اور انہیں اپنی حکومت قرار دینا، دونوں طرف کے لوگوں

کا مومن ہونا، مل کر خوش ہونا

یہاں پہلے ہم اپنی تفسیر کا بیان لکھتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ:

”یہ سورہ مبارکہ بھی آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے مبارک تذکرے سے شروع ہوتی ہے۔ اور ایک خوشخبری اور پیش گوئی سناتی ہے۔ جو دس سال سے کم مدت میں پوری ہونا تھی۔ (بِضْعِ سِنِيْنَ) چند سال) اور قرآن کو کلام اللہ اور عالم الغیوب کی کتاب ثابت کرنے والی ہزاروں

پیشگوئیوں میں سے ایک مسرت انگیز تاریخی مسلمہ شہادت ہے۔ اور جو اُس قریب ترین رشتے کی مضبوطی اور خلوص کی مظہر ہے جو خانوادہ ابراہیم علیہ السلام کی دونوں حکمران شاخوں میں موجود تھا۔ اور اہل مکہ اور قریش جس رشتے اور تعلق پر پردے ڈالتے چلے آ رہے تھے۔ اُسے اللہ نے سورہ روم کا سرنامہ بنا کر حقیقی یہود و نصاریٰ اور مکے کے مومنین کو تسلی دی ہے اور انہیں بتایا ہے کہ گھبرانے اور دل شکستہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ پوری کائنات میں آج بھی کل بھی ہر لمحہ ہمارا حکم چل رہا ہے۔ ہماری ہی مشیت کے ماتحت رومی حکومت کو شکست ہوئی ہے۔ لیکن چند سال میں ہمارے ہی حکم سے روم کی مذہبی حکومت پھر ایرانیوں پر فتح حاصل کر لے گی۔ اور اُن سے اپنے تمام مفتوح علاقے چھین لے گی۔ اور جس روز یہ فتح ہوگی اُس دن تمام مومنین خوشیاں منائیں گے کہ اللہ نے اہل ایمان کو کفر پر فتح دی ہے اور یہ کہ اللہ ہی ہر حال میں غالب رہنے والا رحیم ہے۔ چنانچہ آج کے مکی مومنین سے اللہ نے رومی مومنین کی فتح کا وعدہ کر لیا ہے۔ اور کہہ دیا کہ یہ فتح ضرور ہو کر رہے گی کیونکہ اللہ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔ مومنین اُن حالات سے دل برداشتہ نہ ہوں جن میں انسانی عقلموں کی کثرت رومیوں کی فتح کو ناممکن سمجھ رہی ہے۔ یہ کثرت تو ان لوگوں کی ہے جو حالات حاضرہ پر اپنے ماضی کے تجربوں کی روشنی ڈال کر خود ہی مستقبل کے لئے فیصلے کرتی رہتی ہے۔ جن میں عاقبت و آخرت پر فیصلے کرنے کی سوجھ بوجھ نہیں ہے، تفسیر کے بیانات برابر آگے بڑھتے چلے گئے ہیں ہم اپنے عنوان (12-ج) کی طرف مڑتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ سورہ روم لفظ ”الْم“ سے شروع کی گئی ہے جو ”آل محمد“ کا مخفف ہے۔ یعنی اللہ کی مخاطب آل محمد ہے۔ جن کو یہ اطلاع دس سال پہلے دی گئی ہے اور اطلاع ”الْرُّوم“ یعنی رومۃ الکبریٰ کے متعلق ہے جو بنی اسرائیل کی مرکزی حکومت ہے۔ معلوم ہوا کہ آل محمد اور بنی اسرائیل کا تعلق بالکل قریب کا ہے اور دونوں کی ہمدردیاں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور ان دونوں پر اللہ و محمد مہربان اور حاکم ہیں۔ اور اُن دونوں کو اللہ نے قرآن میں مومن قرار دیا ہے جو روم کی فتح پر خوش ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ نے دونوں طرف کے مومنین کو شکست کا رنج بھلانے کے لئے یہ مسرت انگیز اطلاع دی ہے۔ ثابت ہوا کہ نابتی اور اسرائیلی حکومتیں ایک دوسرے کے رنج و غم اور خوشی میں شریک رہتی چلی آئی تھیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت دونوں سلسلوں اور حکومتوں کے راہنما، حکمران رسول اور محافظ و ہادی تھے۔

(د) ظہور محمد کے وقت نابتی و اسرائیلی یا رومی و حبشی حکومتوں سے تعلق، اور اقتدار خانوادہ رسالت کیوں اور کیسے غائب ہو گیا تھا؟

قریشی تاریخ پڑھنے سے یہ وہم تک بھی نہیں ہوتا کہ محمد اور اُن کے آباء و اجداد کا نابتی قوم یا نابتی حکومت سے اور بنی اسرائیل یا اسرائیلی حکومت سے کوئی رشتہ یا تعلق تھا۔ بلکہ اُن کی خود ساختہ تاریخ میں تو اس تعلق اور رشتہ کی نفی کے لئے کافی بکواس بھری پڑی ہے۔ اُن خبیثوں نے تو انصار رضی اللہ عنہم کو بھی ایک غیر قوم کی حیثیت سے پیش کرنے کی جرأت کی ہے اور سو فیصد عوام و خواص کو یہ معلوم نہیں کہ انصار رسول اللہ کی اپنی نسل سے اور رشتہ دار تھے اور یہ کہ وہ حضور مکہ والوں سے مایوس ہو کر مدینہ میں اپنے عزیزوں کے یہاں آئے تھے۔ بہر حال قریش نے جو کچھ کیا وہ بعد کی بات ہے۔ پہلے تو یہ دیکھئے کہ حضرت ہاشم تک سارا عرب مانتا ہے کہ حضرت ہاشم علیہ السلام سارے عرب کا انتظام سنبھالتے تھے پورے عرب کے ذمہ دار اور حکمران تھے علامہ شبلی سے سنئے:

حضرت ہاشم کی پوزیشن عرب اور شاہانِ عجم میں

”ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا، حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے، چرمی حوضوں میں پانی بھرا کر چاہ زم زم

قدم رنج فرمائیں تو میں اُسکی شادی آپ کے ساتھ کر دوں۔ اس لئے کہ میرے علم میں آپ مجسمہ جود و سخاوت اور کرم و حیا ہیں۔ مگر حضرت ہاشم ایسی درخواستوں کو قبول نہ کرتے تھے۔ (مرکز انسانیت صفحہ 321)

حضرت ہاشم کے سامنے بادشاہوں اور رؤسا کا اپنی بیٹیاں پیش کرنا اور ہندوستانی علما

جناب ڈپٹی، شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کا تائیدی بیان بھی سنتے ہی چلیں۔ لکھتے ہیں کہ:

”ہاشم کو فیاضی اور سیرچشمی کے علاوہ ذاتی وجاہت و وقار و تمکنت بھی حاصل تھا۔ اور قدرت نے اُن کی جسمانی ساخت میں ایک خاص قسم کا اعتدال و دیعت کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے عمائدین اور فوجدار اپنی لڑکیاں اُن کے نکاح میں دینے کی غرض سے پیش کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہ روم ہرقل نے ایک مرتبہ ہاشم کے پاس اس مضمون کا پیغام بھیجا کہ میری ایک لڑکی ہے جو نہایت حسین و جمیل ہونے کے علاوہ لطیفہ گو اور بذلہ سنخ بھی ہے۔ اگر تم یہاں آ جاؤ تو میں اُس کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں کیوں کہ تمہارے مکارم اخلاق اور جود و سخا کا شہرہ میں نے سنا ہے۔ ہاشم نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا اور بادشاہ روم کے پیغام کی مطلق پرواہ نہ کی۔“

(کتاب اُمہات الامامة مطبوعہ دہلی صفحہ 37)

(ہ) بادشاہان عالم کا یہ سلوک، شاہ روم کا یہ مذہبی و نسلی رشتہ، تمام عرب کے عمائدین کی یہ عاجزی کیسے سامنے سے غائب ہو گئی تھی

یہ بیانات و واقعات، خانوادہ رسول کا یہ مقام ارفع و اعلیٰ ظہور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے پس منظر و پیش منظر سے کیسے غائب ہو گیا تھا؟ قریش کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ اللہ کو یہ آیت نازل کرنا پڑی کہ:

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقُرْآنِ عَظِيمٍ ﴿٤٣/٣١﴾ (زخرف 43/31)

مودودی کا ترجمہ: ”کہتے ہیں، یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 535)

مودودی کی تشریح: ”30 دونوں شہروں سے مراد مکہ اور طائف ہیں۔ کفار کا یہ کہنا تھا کہ اگر واقعی خدا کو کوئی رسول بھیجنا ہوتا اور وہ اُس پر اپنی کتاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا؟ تو ہمارے ان مرکزی شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو اس غرض کے لئے منتخب کرتا۔ رسول بنانے کیلئے اللہ میاں کو ملا بھی تو وہ شخص جو (1) یتیم پیدا ہوا (2) جس کے حصے میں کوئی میراث نہ آئی (3) جس نے بکریاں چرا کر جوانی گزار دی (4) جو آب گزر اوقات بھی کرتا ہے تو بیوی کے مال سے تجارت کر کے (5) اور جو کسی قبیلے کا شیخ یا خانوادے کا سربراہ نہیں۔ کیا مکہ میں ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ جیسے نامی گرامی سردار موجود نہ تھے؟ کیا طائف میں عروہ بن مسعود، حبیب بن عمرو، کنانہ بن عبد عمرو اور ابن عبد یامیل جیسے رئیس موجود نہ تھے؟ یہ تھا اُن لوگوں کا استدلال۔۔۔۔۔ تو انہوں نے یہ دوسرا پینتر بدلا کہ اچھا، بشر ہی رسول سہی، مگر وہ کوئی بڑا آدمی ہونا چاہئے، مال دار ہو، بااثر ہو، بڑے جتھے والا ہو، لوگوں میں اُس کی شخصیت کی دھاک بیٹھی ہوئی ہو۔ محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مرتبے کے لئے کیسے موزوں ہو سکتے ہیں؟“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 536)

معلوم ہوا کہ حضرت ہاشم علیہ السلام کے صرف ساٹھ سال بعد خانوادہ نبوت کی تمام عظمت، تمام احسانات اور اُن کی عالمی شہرت و سیادت و اقتدار ایک سرفراموش ہو کر فنا کے پردوں میں معدوم ہو گیا تھا۔ اور آنحضرت کی پیدائش (570 یا 571 عیسوی) کو ایک سو فیصد مجہول و غیر معروف خاندان میں سمجھا گیا اور دعویٰ نبوت (610 یا 611 عیسوی) تک انہیں ایک ایسے خاندان کا فرد مانا گیا جس میں کوئی مذکورہ بالا چھ عدد

سرداروں ایسا شخص بھی نہ گزرا تھا۔ قارئین سوچیں کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ سارا عرب اور قریش حضرت ہاشم علیہ السلام کو کیسے بھول گئے جب کہ وہ برابر ان مراعات سے فائدہ اٹھا رہے تھے جو جناب ہاشم نے دلائی تھیں؟ وہ سب اور سارا عرب چاہہ زم زم کا پانی پیتے تھے اور حضرت عبدالمطلب علیہ السلام اور ان کے احسانات و کارنامے کیسے یکسر بھول گئے تھے؟

(و) غربت کا طعنہ مقصد رسالت میں ہر طرح مفید تھا، یہ بہت مضر ہوتا کہ قریش کہتے کہ لوگ تو اپنے حکمرانوں اور بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہی ہیں ہم لکھ چکے ہیں کہ قریش ایک مخلوط النسل، احسان فراموش اور محسن کش اور کینہ پرست قوم تھی۔ اپنے محسن پر ہر ممکن ظلم کر گزرا ان کے خمیر میں تھا۔ علامہ احمد امین مصری لکھتے ہیں کہ:

عربوں نے نسل رسول کا قتل عام اور قلع قمع کیوں کیا تھا؟

”عزتِ نفس کا اُسے پورا پورا شعور ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ تسلط و تغلب پر برا فروختہ ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ کسی شکل میں بھی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ سردار قبیلہ اور امیر لشکر کو بھی پہلے دن سے، جب سے اُسے سرداری کے لئے منتخب کیا گیا ہو، ہر فرد قبیلہ سے حسد، بغض اور خیانت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ خواہ وہ اب سے پہلے اُس کا کتنا ہی مخلص دوست کیوں نہ رہا ہو۔ جو آدمی اُس پر احسان کرتا ہے وہ اُس سے انتقام لینے کے درپے رہتا ہے۔ کیوں کہ اُس کا احسان اُس کے اندر اپنی ذلت اور فروتنی کے احساس کو بیدار کر دیتا ہے“۔ (فجر الاسلام صفحہ 123)

سوچئے کہ جو حقیقی معنی میں سچ مچ کے قریش تھے ان کے لئے خانوادہ رسول سے بڑا دشمن تو اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اللہ بھی حقیقی قریش اور سچے عربوں کو محسن کش اور انتقام پرست کہتا ہے

اس لئے کہ خانوادہ نبوت سے زیادہ نہ کسی اور خاندان یا قبیلے نے عربوں اور قریش پر احسانات کئے اور نہ کوئی ان سے زیادہ قریش اور عربوں کا ہمدرد و مہربان رہا تھا۔ اور عربوں اور قریش کی انتقامی کاروائیوں سے تمام دنیا کو مطلع کرنے کے لئے ان کی اس پاہی ذہنیت کو قرآن میں قیامت تک پڑھے جانے کیلئے ریکارڈ کر دیا اور بتایا ہے کہ:-

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا وَبَعَدَ اِسْلَامَهُمْ وَهُمْ اَبِمَا لَمْ يَأْتُوا وَمَا نَقَمُوا
اِلَّا اَنْ اٰغْنَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَاِنْ يُتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لّٰهُمْ وَاِنْ يُتُوْلُوْا يُعَذِّبُهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝----- الخ (توبہ 78-74/9)

”زیر گفتگو مسلمان حلفیہ اُس بیان کا انکار کر رہے ہیں جو یقیناً انہوں نے دیا تھا اور وہ بیان حق کو چھپانے سے متعلق تھا۔ یقیناً ان مسلمانوں نے اسلام اختیار کر لینے کے بعد حقائق کو چھپانے کا عملدرآمد اختیار کیا تھا۔ اور انہوں نے ایک ایسی مہم چلانے کی ہمت کی تھی جس میں وہ ناکام رہے۔ اور ان کی انتقامی کارروائیوں کا سبب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے مال دار و آسودہ حال و مستعنی کر دیا ہے۔ بہر حال یہ مسلمان اگر اب بھی توبہ کر لیں تو ان کے لئے کچھ بہتر ہی ہوگا۔ اور اگر وہ اب بھی اپنی ولایت پر قائم رہے تو اللہ انہیں دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور روئے زمین پر کوئی ان کا ہمدرد حاکم و ناصر نہ ہوگا۔ اور ان ہی مسلمانوں میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے رسول کے سامنے اللہ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے دولت عطا کی تو وہ ضرور تصدق کیا کریں گے۔ اور یہ کہ وہ صالح اور اصلاح کرنے والے بن جائیں گے۔ مگر جب ان کو اللہ نے

اپنے فضل سے دولت عطا کر دی تو انہوں نے بخیلی اور ولایت سازی اختیار کر لی اور اپنے عہد سے منہ پھرا لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی وعدہ خلافی اور بدعہدی اور دروغ بانی کی بنا پر اللہ نے اُن کے دلوں میں دو قسمی زندگی کا تصور (نفاق) بٹھا دیا جو انہیں قیامت میں ملاقات کے وقت تک لپٹا چلا جائے گا۔ کیا انہیں یہ علم نہیں ہو سکا کہ اللہ تو تمام نبی چیزوں کا بہت جاننے والا ہے چنانچہ وہ اُن کے خفیہ منصوبوں کو بھی جانتا ہے اور پوشیدہ مشوروں پر بھی مطلع ہے، (سورہ توبہ 78-74/9)

ان پانچوں آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ عربوں اور قریش پر جوں جوں اللہ اور خانوادہ رسالت کے احسانات بڑھتے گئے۔ عرب و قریش کے لوگ احسانات و مراعات میں دبتے اور عاجزی سے جھکتے اور مطیع ہوتے گئے مگر دلوں کے اندر اپنی ذہنیت کی بنا پر انتقام کا جذبہ پالتے رہے اور وہ تمام راہیں کھولنے اور اسکیمیں بنانے میں شدت اختیار کرتے گئے جن سے کسی طرح پوزیشن بدل جائے۔ یعنی وہ احسانات کرنے کی پوزیشن میں آجائیں اور خانوادہ رسالت، ہاشم و قصی نہ سہی، اُن کے پس ماندگان کنگال و محتاج اور اُن کے ہاتھوں کی طرف دیکھتے رہنے والے بن جائیں۔ اور یہ ہو نہیں سکتا تھا جب تک ہاشم علیہ السلام تک چلی آنے والی حکومت پر قبضہ نہ ہو جائے اور یہ قبضہ زور و قوت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے کہ زور اور قوت و اقتدار و افرادی کثرت خانوادہ رسالت کے ساتھ تھی۔ چنانچہ عاجزی، خدمت و اطاعت اور اظہارِ خلوص سے اعتماد و قربِ خاندان رسالت حاصل کر کے پانسہ پلٹنے کی اسکیم بنائی گئی اور جناب ہاشم اور اُن کے اقربوں کی خدمت میں لگ گئے۔ اور وہ تمام کام کڑا لے جن کا نتیجہ مخدوم کی توجہ اور اعتماد و خوشنودی دلانا تھا۔ اس اسکیم سے بھی بہت پہلے اللہ اور خانوادہ رسالت کی اپنی اسکیم برسرِ کار تھی۔ اور اسی اسکیم کے ماتحت مدت ہائے دراز سے حضرت نابت علیہ السلام سے شروع ہونے والی یہ حکومت اڑھائی ہزار سال میں کئی مرتبہ اپنے مقرر کردہ قابلِ خاندانی افراد کو حکومت سونپتی اور بالواسطہ حکومت کرنے کی پالیسی پر عمل کر چکی تھی تاکہ لفظ مملکت، بادشاہ اور شہنشاہ اُن سے مستقلاً چپک کر نہ رہ جائے۔ اسی بالواسطہ مرکزی حکومت کے اصول پر اپنے چچا زاد اسرائیلی بھائیوں کو ادھر حکومت کا موقع دیا اور ادھر اپنے خاندان کے قابلِ افراد کو حکومت سونپتے رہے۔ یہی پوزیشن تھی حضرت ہاشم علیہ السلام کے زمانہ میں۔ یعنی روم میں اسرائیلی حکومت کا دار الخلافہ اور ہرقل بادشاہ تھا ادھر حجر میں نبطی حکومت کا دار الخلافہ تھا اور یہاں جناب جبلیہ اول غسانی حکمران تھا۔ اور جبلہ کی حکومت عرب اور ملک شام تک وسیع تھی۔ اور حضرت ہاشم علیہ السلام خاندان شاہی کے سربراہ ہونے کی بنا پر ان دونوں اسرائیلی (ہرقل) اور اسماعیلی (جبلہ) حکومتوں کے مرکزی حکمران تھے۔ ارض القرآن کا یہ جملہ سینے:

حضرت ہاشم کے ماتحت مٹلی بادشاہ تھے

” (شہر) پڑا (رقیم) جو عمدہ قوانین رکھتا ہے، اس پر شاہی خاندان میں سے ہمیشہ ایک بادشاہ حکومت کرتا ہے“ (جلد 2 صفحہ 64-65)

حضرت ہاشم علیہ السلام کے معمولی خطوط کی فرمان شاہی کی طرح تعمیل خود بتاتی ہے کہ روم و حجر و رقیم کی حکومتیں آپ کے ماتحت تھیں اور لوگ اُن ہی حکومتوں کے حکمرانوں کو شہنشاہ و بادشاہ اور ملوک کہتے تھے اور خانوادہ نبوت کی اطاعت و احترام دینی حیثیت سے کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ اسی اصول پر اُن حضرات نے کمی ذمہ داریوں کو بھی قریشی اور دیگر قبائل کے خدمت گزار افراد کو سونپنا اور عزت گزینی اختیار کرنا شروع کر دیا اور عوام اُن ہی لوگوں کو منصب دار و حاکم کہنے اور سمجھنے لگے جن کو حضرت ہاشم و عبدالمطلب و ابوطالب علیہم السلام عہدے سپرد کرتے اور خانہ نشین ہوتے جا رہے تھے اور یہ اُس عظیم مقصد کے ماتحت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت پر یہ اعتراض نہ ہو کہ وہ ایک شاہی خاندان کے فرد ہیں اور اُن پر ایمان لانے والے شاہی دین کے پیرو ہوتے رہے ہیں تاکہ شاہی مراعات زیادہ سے زیادہ حاصل کر سکیں۔۔۔ یہ قول ساری دنیا میں مشہور اور صحیح بھی ہے

کہ: **النَّاسُ عَلَى دِينِ مَلُوكِهِمْ** ”لوگ تو اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہی ہیں“

یہ تھی وہ پالیسی جس کی بنا پر اعلان نبوت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غریب و نادار و غیر معروف خاندان کے فرد کہلائے۔ مگر یہ قریشی سازش کا نتیجہ اور انتقام تھا کہ انہوں نے پچھلے تمام حالات اور بزرگی و عظمت و احسانات پر پردہ ڈالے رکھا اور یوں حق کو چھپانے اور مسلسل چھپاتے رہنے کی وجہ سے مستقلاً ”کافر“ بنے اور قرآن میں بھی کافر کے لقب سے پکارے گئے۔ اور آج تک ”کافر“ ہیں اور قیامت تک ”کافر“ کے جال سے نہ نکلیں گے۔ یہاں قارئین اللہ کے انتظام و مشیت اور حکمت سے لطف اندوز ہوں کہ دشمنان خانوادہ رسول کی سازش اور انتقامی اسکیم خود اللہ کے پروگرام میں مفید بن گئی۔ یعنی سرکش اور نافرمان لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ الٹ پلٹ کر الہی پروگرام میں مدد و معاون بنتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ ان کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتا اور انہیں اور ابلیس کو پوری جھوٹ اور آزادی دیتا ہے۔

(4) حضرت اسماعیل کے پہلو ٹے بیٹے حضرت نابت کی امامت اور حکومت پامل کا عظیم کی مختصر سی رویداد اور خانوادہ رسالت کی عظمت

اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی عظمت و امامت و حکومت پر بیانات علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب ارض القرآن سے پیش کریں گے مگر ان بیانات کو اپنے عنوان سے مسلسل و مربوط رکھنے کے لئے ان بحثوں اور جملوں کو ساقط کر دیں گے جو علامہ نے تحقیق کی غرض سے لکھے ہیں اور جن سے قاری بحث میں الجھتا چلا جاتا ہے۔

ارض القرآن کے اقتباسات

(1) ”نبایوط کو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں ان کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسماعیل کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصے میں آئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوط نے حجاز ہی میں قیام کیا۔ لیکن بعض حوالوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرزند ان نبایوط عراق میں موجود تھے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ بدویانہ زندگی کے ساتھ وہ حجاز سے عراق خانہ بدوشانہ پھیلے ہوئے ہوں گے۔ تحریری حیثیت سے نبایوط کا نام ساتویں صدی قبل مسیح میں نظر آتا ہے۔ یسعیاہ نبی پیشگوئی کرتے ہیں کہ نبایوط کی بیٹیوں نذرلی جائیں گی۔“ (60/7) یوسیفوس یہودی جو پہلی صدی مسیحی میں تھا لکھتا ہے کہ: ”ملک، بحر احمر (حجاز) سے نہر فرات (عراق) تک اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضے میں ہے۔ جن کے سب سے اس کا نام نباطیہ پڑ گیا ہے (حوالہ آتا ہے)“

نبطیوں کی عظیم الشان حکومت

اُسی زمانہ میں جب رومی شام پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو نبطی عربوں سے ان کی مدد بھیڑ ہوتی ہے اور شام و عرب کے حدود پر ان کی ایک عظیم الشان حکومت نظر آتی ہے۔ اہل عرب بھی ان نبطیوں سے واقف تھے۔ اسی لفظ ”نبط“ کی جمع انباط ہے“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 56)

(2) ”انباط کا رقبہ حکومت“ یہ عنوان قائم کر کے علامہ لکھتے ہیں کہ:

”انباط کی حکومت کے حدود اَوَّلًا وَاوَّلًا قطعہ ملک تھا جس کو یونانی عرب سنگستان کہتے ہیں۔ (عربیا پیڑا) اور عبرانی ادوم اور سبیر (سراة) یعنی خلیج عقبہ سے بحر میت تک۔ ڈائمنڈ وروس (80 ق م) بیان کرتا ہے کہ انباط خلیج ایلہ (عقبہ) پر رہتے ہیں۔ اسٹرابو (24 عیسوی) ایک ضمنی تذکرہ میں کہتا ہے کہ اہل ادوم انباط ہیں۔ لیکن ادوم سے بڑھ کر اب وہ عرب آبادان پر بھی قابض ہو گئے تھے۔ مصنف مذکور لکھتا ہے کہ۔۔۔ اور اہل ادوم و سبائی جو شام کے اوپر واقع ہیں، پہلی قوم ہیں جنہوں نے عرب آبادان (عربیا فلکس) پر قبضہ کیا ہے۔ یوسیفوس جو پہلی صدی مسیحی میں تھا بیان کرتا ہے کہ اس عہد میں

وہ عرب ریگستان (عربیپاڈزرنٹا) تک پھیل گئے تھے۔ اس کے خاص الفاظ یہ ہیں:

”ملک، بحر احمر سے نہر فرات تک اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضے میں ہے۔ جن کے سب سے اس کا نام ”ملک نباطینہ (Nabatena) پڑ گیا ہے۔ اُس کی سرحد (مغرب میں) مصر اور عرب سنگستان سے مل گئی ہے۔ اور بہت سے بیابانوں اور بلند و فراز زمینوں کو شامل ہے جو مشرق کی طرف خلیج فارس تک منتهی ہوتی ہے۔ عموماً اس ملک کے باشندوں کا نام نباطیوں ہے“ (ایضاً صفحہ 59-60) اس کے بعد علامہ لکھتے ہیں:

”ان شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انباط کا ملک مغرب میں بحر احمر اور مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھا۔ اور اس کے درمیان کے تمام ممالک یعنی عرب سنگستان اور عرب ریگستان و بعض قطعہ عرب آبادان پر قابض تھے۔ لیکن اس طویل و عریض ملک میں انباط کی (اپنی) اصل آبادی خلیج عقبہ (ایلہ) کے اطراف میں تھی۔ ڈانڈوروس کا بیان ہے کہ:

”اوپر گزرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) (Laiarites Gulf) میں داخل ہو گے۔ جس کے حدود پر اُن عربوں کی بہت سے آبادیاں ہیں۔ جن کو لوگ ببط (Nabataisi) کہتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف سواحل کے بڑے حصے پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیل گئے ہیں۔ کیوں کہ زمین آباد اور نہایت سرسبز ہے“۔ تخصیص کے ساتھ ملک انباط کے دس شہروں کے نام یوسیفوس میں مذکور ہیں۔ لیکن یونانی تلفظ نے عربی رنگ و روغن اُن کے چہروں سے بالکل اتار دیا ہے۔ وہ شہریہ ہیں: 1- میدابہ 2- بنا لوبیس، 3- ٹرابہ، 4- غالہ، 5- اثون، 6- صور، 7- اورون، 8- مریسہ، 9- روہ، 10- لوسہ عربوہ، اس کے علاوہ رقیم (پٹرا) اور حجر مشہور تھے“۔ (ایضاً صفحہ 60-61)

(3) ”انباط کا دار الحکومت“ اس عنوان کے ماتحت لکھا ہے کہ:

”انباط کا ملک جن حدود پر مشتمل تھا وہ درحقیقت تین قدیم ممالک کا مجموعہ تھا۔ 1- ملک شمود (وادی القرئی) جس کا دار الحکومت حجر تھا۔ 2- ملک مدین جس کا پایہ تخت خود شہر مدین تھا، اور 3- ملک ادوم جس کی حکومت کا مرکزی شہر رقیم (پٹرا) تھا۔ انباط کا پایہ تخت پہلے شہر رقیم (پٹرا) تھا جہاں اُنکے آثار اب تک باقی ہیں۔ پٹرا (رقیم) سے ہٹ کر اب (24 عیسوی) انباط نے حجر کو اپنا مرکز قرار دیا تھا۔ جو ملک شمود میں واقع تھا۔۔۔ حجر جس صوبہ ملک میں واقع ہے عربوں کے ہاں اس کا نام وادی القرئی ہے۔ اس کے لفظی معنی آبادیوں کی وادی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ میدان (وادی احسن) عہد قدیم میں نہایت کثرت سے آباد تھا۔ اس کی تصدیق اب معاصر مورخین کی روایتوں سے بھی ہوتی ہے۔ ابھی ڈانڈوروس کا بیان گزر چکا ہے کہ حدود ایلہ پر انباط کی بہت آبادیاں ہیں اور وہ نہایت کثرت سے آباد ہیں۔ اسٹرابو بھی انباط کی نہایت گنجان آبادی کا ذکر کرتا ہے“ (ایضاً صفحہ 61)

(4) ”شاہان انباط“: اس عنوان کے ماتحت علامہ لکھتے ہیں کہ:

”اشوری کتبہ کی شہادت کی بنا پر گو شاہان ببط کا ابتدائی سلسلہ 700 ق م سے شروع ہوتا ہے (قارئین یاد کریں کہ طبری سے جناب نابت کا سب سے پہلا بادشاہ ہونا ثابت ہے جو 2000 ق م کی بات ہے۔ احسن) جب کہ ”ناتان“ شاہ ببط، بادشاہ اسیریا، اشور بانیپال کی خدمت میں نذر پیش کرتا ہے۔ لیکن یونانی تاریخ اور موجودہ خطی آثار اور سیکے 200 ق م سے پہلے کسی خطی بادشاہ کا ذکر نہیں کرتے۔ اس کے اسباب بھی واضح ہیں۔ یونانیوں کو اس سے پہلے انباط سے سروکار نہ تھا اور نہ خود انباط اس عہد سے پہلے متدن زندگی بسر کرتے تھے“۔ (ایضاً صفحہ 61-62)

غلطی کا ازالہ

یہاں رک کر چند باتیں سامنے رکھنا ضروری ہیں اول یہ کہ حضرت نابت علیہ السلام نبی خاندان کے سب سے پہلے بادشاہ تھے اور ان کا زمانہ تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت نابت کا خاندان ایک زمانہ کے بعد اپنے قریبی عزیزوں اور قابل افراد کو اپنے ماتحت بادشاہ بنانے لگا تھا۔ اور اس زمانہ میں یونانی یا رومی حکومتیں وجود میں نہ آئی تھیں۔ وہ جب وجود میں آئیں تب سے ان کی تاریخ شروع ہوئی اور جب اسماعیلی نابتی حکومتوں سے واسطہ و تعلق ہوا تب سے ان کی تاریخ میں غلطیوں کا تذکرہ ہونا قدرتی تھا۔ لہذا یونانی، ایرانی یا رومی تاریخ انباط کی ابتدا معلوم کرنے کیلئے غلط ذریعہ ہیں۔

دوم یہ کہ غلطیوں کو بدوی زندگی میں غیر متمدن کہنا بھی غلط ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں نموداریسی متمدن حکومت میں اور شاہی طرز پر درس و تربیت کے پروردہ تھے اور تمدن کے ہر پہلو پر مطلع تھے اور شاہ مصر نے شاہی تمدن میں پروردہ بیٹی ان کو زوجیت میں دی تھی جس سے حضور کا بدو اور جاہل و گنوار نہ ہونا ثابت ہے پھر اللہ نے آپ کو بابل ہی میں ملکوت السموات والارض سے متعارف کرایا تھا۔ لہذا آپ متمدن و انتہائی ترقی یافتہ شخص تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جناب ابراہیم و حضرت ہاجرہ شاہ مصر کی بیٹی کے فرزند تھے اور تورات کی رو سے شاہی خاندان کے داماد تھے یعنی ان کی زوجہ محترمہ بھی شاہی خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ لہذا ان کی اولاد کو بدویا غیر متمدن کہنا خود کہنے والے کی ذہنیت یا حالت کا راز کھولتا ہے۔ یا وہ خود بدو اور گنوار ہے یا وہ قریشی پالیسی کا طرفدار دوغاباز ہے۔ کم از کم اُسے فریب خوردہ اور کوتاہ نظر تو کہنا ہی پڑے گا۔ دیہات میں سادہ زندگی بسر کرنے کے معنی بدویا غیر متمدن نہیں ہوتے۔ پھر اقتباسات شروع ہوتے ہیں علامہ مسلسل لکھتے ہیں کہ:

”بہر حال تاریخ و آثار نے اب تک جو انکشاف حال کیا ہے اس کی اعانت سے اب تک ڈوسے (Dussaud) نام کے ایک فرنج مستشرق نے بادشاہوں کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی ہے۔ یہ فہرست 169 ق م سے شروع ہو کر 106 عیسوی پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں ایک نام مالک اول کا اضافہ ہم پوسیفوس کے حوالے سے کرتے ہیں:

تقریباً مدت حکومت	نام
47 ق م تا 30 ق م	مالک دوم بن عبادہ ثانی
30 ق م تا 9 ق م	عبادہ ثالث بن مالک دوم
9 ق م تا 40 عیسوی	حارث رابع بن مالک دوم
	خلدو (خالہ) زوجہ حارث، شقیلیہ زوجہ حارث
40 عیسوی تا 75 عیسوی	مالک سوم بن حارث شقیلیہ زوجہ مالک
75 عیسوی تا 101 عیسوی	ریبال ثانی بن مالک ثانی جمیلیہ زوجہ ریبال
101 عیسوی تا 109 عیسوی	مالک چہارم

(ایضاً ارض القرآن صفحہ 62-63)

مدت حکومت تقریباً	نام
169 ق م	حارث اول
146 ق م	زید بابل
	مالک اول (اضافہ)
110 ق م تا 96 ق م	حارث ثانی
90 ق م	عبادہ اول
87 ق م	ریبال اول بن عبادہ اول
87 ق م تا 62 ق م	حارث ثالث بن ریبال
61 ق م تا 47 ق م	عبادہ ثانی بن حارث ثالث

تاریخ قریشی مصلحتوں کے ماتحت تیار کی گئی ہے

ہم نے تاریخ ایران و روم و یونان کے متعلق چند جملے لکھ دیئے ہیں جو کافی ہیں قریشی حکومتوں نے جو تاریخ تیار کی تھی اس میں بجائے قدیم تواریخ کی اصلاح کے اپنی مصلحتوں کے ماتحت اور زیادہ جنگل و گڑ بڑ پیدا کرنے کی کوشش جاری رکھی گئی۔ چنانچہ نبطی حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دکھایا گیا جو دراصل ایک ہی اسماعیلی خاندان کی حکومت تھی۔ صرف اس لئے کہ اس حکومت میں آخری بادشاہ نہر غسان کے اطراف میں رہنے والے نبطی تھے۔ لہذا ان کا نام غسانی بادشاہ رکھ کر نبطی حکومت کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔ بہر حال علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی مان لیا اور لکھ دیا کہ غسانی بادشاہ بھی نبطی تھے۔ چنانچہ نبطیوں کی حکومت کو مسلسل رکھنے کی بجائے دو الگ الگ فہرستوں میں تقسیم کر دیا ہے اور قریش زدہ دامغوں کو مطمئن کرنے کے لئے لمبی چوڑی بحثیں اور ثبوت پیش کئے ہیں یوں حکمرانوں کی فہرست مسلسل رہنے کے بجائے اٹھارہ (18) صفحات کے بعد دوسرے سلسلے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:-

”اس خاندان کے بادشاہوں کی تعداد حمزہ نے بتیس (32) بیان کی ہے۔ لیکن اس تعداد میں بعض معاصر حکمران غسانی

شہزادوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے۔ حقیقی اور مستقل بادشاہوں کی تعداد مسعودی نے انیس (19) اور ابن قتیبہ نے دس لکھی

ہے لیکن چار سو برس کی مدت کے لئے یہ تعداد کم ہے“۔ (ایضاً صفحہ 81)

نبطی حکمرانوں کی تعداد نہ بھی معلوم ہو تو بھی حقیقت میں تبدیلی نہیں ہوتی

علامہ ندوی نے حمزہ کی لکھی ہوئی تعداد (32) کو زیادہ بتایا اور پھر (19) اور (10) کو کم کہہ کر یہ گنجائش پیدا کر دی کہ علامہ کی مذکورہ بالا فہرست میں مدت حکومت 169 ق م سے 109 عیسوی تک لکھی گئی ہے جس کا میزان (109+169) 278 سال ہوا۔ اس مدت میں حکمران کل سترہ لکھے گئے ہیں۔ اس حساب سے چار سو سال کی مدت میں چھبیس (26) بادشاہ گزرنا چاہئیں۔ لہذا حمزہ والی تعداد (32) بالکل صحیح ہے اور شہزادوں والی بات کے لئے کوئی ثبوت موجود نہیں ہے اس طرح بھی نبطی حکمران کی تعداد پچاس کے قریب ہوئی۔ اب ہم پھر نبطی حکومت پر اقتباسات لکھتے ہیں سینے:

(5) تمدنی حالات تمدنی حالات کی ذیل میں لکھا ہے کہ:-

”وہ یعنی انبساط کلی ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ناقابل سکونت فضا میں رہتے ہیں۔ اُن کے ملک میں نہ کوئی دریا ہے اور

نہ چشمہ، جس سے حملہ آور دشمن فائدہ اٹھا سکیں۔

نبطیوں کے قوانین کی جھلکیاں ”اُن کا قومی آئین یہ ہے کہ وہ نہ غلہ کی زراعت کریں اور نہ درخت لگائیں۔ نہ شراب پیئیں اور نہ گھر بنائیں۔ جو شخص اس کے خلاف کرتا ہے اُسے سزائے موت دی جاتی ہے۔ بعض لوگ اونٹ کے گوشت پر گزر کرتے ہیں۔ اور بعض بکری اور بھیڑ کے گوشت پر۔۔۔ صحرا میں بہت سے قبائل رہتے ہیں۔ لیکن دولت میں انبساط سب سے زیادہ ہیں۔ اور اپنے ہمسایوں میں اُن کو امتیاز حاصل ہے۔ گو کہ اُن کی تعداد دس ہزار آدمی سے زیادہ نہیں ہے اُن کا ملک پانی سے خالی ہے۔ اپنے لئے پہاڑوں میں بڑے بڑے حوض کھود کر بناتے ہیں۔ جن کا منہ باہر سے تنگ اور اندر سے چوڑا رہتا ہے۔ اور اُن کی لمبائی 250 فٹ تقریباً ہوتی ہے۔ اُن حوضوں میں بارش کا پانی جمع کر کے اُن کو چھپا دیتے ہیں۔ اور اُن پر کوئی نشانی بنا دیتے ہیں۔ جب سفر کرنا چاہتے ہیں تو اپنے جانوروں کو تین روز کا پانی پلاتے ہیں انبساط گوشت، دودھ اور بعض جنگلی سبزیوں

کھاتے ہیں۔ جنگلی شہد (من) بھی اُن کو ملتا ہے۔ جس کو پانی میں گھول کر پیتے ہیں۔ اُن میں عرب کے غیر نبطی قبائل بھی شامل ہیں۔ جن میں سے بعض شامیوں کے ساتھ گھروں میں رہنے کے علاوہ اور تمام عادات میں مماثل ہیں، (ایضاً صفحہ 63-64)

پھر کہتے ہیں کہ: ”اسٹرابو (24 عیسوی) جو ڈائیڈوروس کی طرح انباط کا معاصر تھا، اُن کے متعلق دل چسپ واقعات بیان کرتا ہے:-

” (شہر) پٹرا (رقیم) جو عمدہ قوانین رکھتا ہے، اُس پر شاہی خاندان میں سے ہمیشہ ایک بادشاہ حکومت کرتا ہے۔ وزیر ہمیشہ اُس بادشاہ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ اسی لئے اس (وزیر-احسن) کو بھائی کہہ کر پکارتے ہیں۔ انباط کفایت شعارانہ ذخیرہ ملکیت کے شائق ہوتے ہیں۔ جماعت اُن پر جرمانہ کرتی ہے جو اپنی دولت ضائع کرتے ہیں۔ اور جو اپنی دولت بڑھاتا ہے اس کو انعام دیتی ہے۔ انباط کے پاس غلام کم ہیں اکثر اُن کی خدمت اُن کے متعلقین کرتے ہیں۔ یا ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں۔ یا ہر شخص اپنا نوکر آپ ہوتا ہے یہ طریقہ بادشاہوں تک میں جاری ہے۔ جو جمہور کی رضا مندی کے اس قدر آرزو مند ہیں کہ وہ اپنی رعایا کی خدمت کرتے ہیں۔۔۔ مکانات عالی شان اور سنگین ہیں۔ آبادیوں میں شہر پنپا نہیں ہوتیں۔ ملک کا بڑا حصہ سرسبز ہے۔ تاہم وہاں زیتون نہیں۔ (جانوروں کی پیداوار کا بیان ہے) گھوڑے نہیں ہوتے۔ اُن کے بجائے اونٹ مصرف میں آتے ہیں۔ بعض اشیائے تجارت کی درآمد بھی یہاں ہے۔ اور بعض چیزیں خود ملک میں ہوتی ہیں۔ جیسے سونا، چاندی اور بہت سے خوشبو مسالے لیکن لوہا، تانبہ، ارغوانی کپڑے، زعفران، عود، قسط، سنگتراشی، نقاشی اور تصویروں کی چیزیں جُسمے ملک میں نہیں پائے جاتے۔۔۔ بادشاہوں تک کی لاشوں کو زمین میں دفن کرتے ہیں، (ایضاً صفحہ 64-66)

(6) ”سیاسی حالات“ یہ عنوان قائم کر کے لکھا ہے کہ:

”انباط ہم کو سب سے پہلے 700 ق م میں سیاسی میدان میں نظر آتے ہیں۔ اسیر یا اور بنی قیدار (برادران انباط) کے مابین اس عہد میں جنگ برپا ہوتی ہے۔ بنی قیدار کا شیخ شکست کھا کر ”انباط کی ایک چھوٹی سی ریاست“ میں پناہ لیتا ہے۔ پھر بنی قیدار اور انباط کی متحدہ فوج اسیریا کے مقابلے میں آتی ہے۔ لیکن سوئے قسمت سے ناتان شاہ انباط گرفتار ہو جاتا ہے۔ بابل کے بعد ایران و یونان کی قوت دنیا کی تاریخ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ انباط جہاں آباد تھے۔ یہ وہ مقامات تھے جو اہل فارس اور یونان کی دائمی جنگ کے طبعی راستے تھے۔ اس بنا پر ہر دو فریق (یونان و ایران-احسن) اُن نبطی عربوں کی دوستی و ہمدردی کے طالب تھے۔ جن کی اعانت کے بغیر ان خشک اور بے آب ریگستانوں کو طے کرنا ناممکن تھا“۔ (ایضاً صفحہ 66)

پھر لکھا کہ: ”چنانچہ اس انقلاب نے اس بدوی قوم کو وہ اہمیت بخشی کہ یونان عظمیٰ، رومۃ الکبریٰ اور خاندان اسرائیل کی گردنیں بھی کبھی کبھی ان (مبطیوں-احسن) کے آگے جھک جاتی تھیں“ (صفحہ 68)

مختلف حالات کے بعد لکھا ہے کہ: ”حارث سوم (87 تا 62 ق م) حکومت انباط کا سلطان اعظم ہے۔ انطیاخوس ڈیانیسیوس سلوقی اُس وقت ملک عرب پر حملہ آور تھا۔ حارث کی فوج خالص عرب شجاعت کے ساتھ یونانیوں کے مقابل تھی۔ پہلے حملے میں وہ پسپا ہو رہی تھی۔ کہ دفعتاً حارث دس ہزار سواروں کے ساتھ میدان جنگ میں نمودار ہوا۔ انطیاخوس بہادری سے لڑتا رہا۔ اور عین اس وقت جب کہ جلوہ فح اُس کے سامنے تھا۔ لڑائی میں کام آیا۔ اُس کے مرنے کے ساتھ فوج کے پاؤں اکٹھے گئے۔ حارث کے لئے اب یہاں سے دمشق تک، جو سلوقیوں کا پایہ تخت تھا، کوئی روک نہ تھی۔ اور خود بطلمیوس و سلوقی خاندان باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ خود اہل دمشق کی دعوت پر حارث دمشق پہنچا اور سکندر اعظم کے جانشینوں

(سلوکیوس) کا تختِ حارث کے پاؤں کے نیچے تھا“ (ایضاً صفحہ 70-71)

پھر لکھتے ہیں کہ: ”رومیوں کی تاریخ میں جن غسانی (نبطی) بادشاہوں کے نام آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

583 عیسوی	حارث اصغر بن حارث اکبر	5	500 عیسوی	1	جبلہ
تا	حارث اعرج بن حارث اصغر	6	569 عیسوی	2	حارث اکبر بن جبلہ
°	نعمان بن حارث اصغر	7	582 عیسوی	3	ابو کرب منذر بن حارث
614 عیسوی	عمر و بن حارث اصغر اور حجر بن عمر	9-8		4	نعمان بن منذر
	جبلہ بن ابھم	10	636ء		

آلِ غسان کی تاریخ تمام تر ایران و روم کی تاریخ کا خلاصہ ہے اور اسی تعلق سے غسان ہمیشہ حیرہ کے بادشاہوں سے لڑتے رہتے تھے۔ ایرانیوں کے مقابلے میں رومیوں کو اگر کبھی کامیابی ہوئی تو وہ ہمیشہ غسانیوں کی امداد کا نتیجہ تھا۔ اور خود رومی بھی شکرگزاری کے ساتھ اس نتیجہ کا احساس کرتے تھے۔ (مسلل لکھتے ہیں کہ:)

”رومیوں کی تاریخ میں سب سے پہلے ”جبلہ“ کا نام آتا ہے۔ 497 عیسوی کی ملکی بغاوت میں اُس نے رومیوں کی بڑی مدد کی تھی۔ (قارئین سورۃ الروم کو نہ بھولیں۔ احسن) جبلہ کے بعد ”حارث بن جبلہ“ رومیوں کی نظر میں عرب کا سب سے بڑا ہیرو ہے۔ یہ نہایت مہیب، شجاع اور پُر دل بادشاہ تھا۔ 528 عیسوی میں حیرہ کی اور 531 عیسوی میں رومیوں کے ساتھ ایرانیوں کی لڑائی میں اُس نے نہایت ناموری حاصل کی۔ 563 عیسوی میں قیصر روم کی ملاقات کو قسطنطنیہ گیا۔ اُسی کی وساطت سے کندہ کا شہزادہ، اور عربی کا مشہور شاعر امرء القیس قیصر تک پہنچا تھا، حارث نے 569 عیسوی میں وفات پائی۔ حارث کے بعد منذر تخت نشین ہوا۔ بہادری اور رومیوں کی اعانت میں یہ بھی اپنے پیشرو (حارث) سے کم ثابت نہ ہوا 580 عیسوی میں قسطنطنیہ گیا۔ رومیوں نے اُس کے سر پر تاج رکھا۔“ (ایضاً صفحہ 82)

علامہ ز مصطفیٰ نبطی حکومت کی دوسری شاخ یعنی غسانی حکومت کے چند آخری بادشاہوں کا ذکر کیا ہے؟

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ علامہ سلیمان صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سلسلہ حکومت ملا دینے کے لئے نبطیوں کے چند آخری بادشاہ سامنے رکھے ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ اسرائیلی (رومی) اور اسماعیلی (نبطی) حکومتوں کی دینی و دنیاوی راہنمائی خانوادہ رسول کے مندرجہ ذیل بزرگ امام فرما رہے تھے:

(1) حضرت قسّی جن کی وفات 480 عیسوی میں ہوئی تھی۔

(2) جناب ہاشم جو 510 عیسوی تک راہنما رہے اور وفات پائی۔

(3) حضرت عبدالمطلب جو 579 عیسوی تک دونوں حکومتوں کے سربراہ، راہنما و ہادی رہے۔

(4) ابوطالب علیہ السلام 620 عیسوی تک حکمران رہے۔

(5) حضرت علی علیہ السلام 620 عیسوی سے 40ھ تک، جبلہ بن ابھم نبطی بادشاہ آپ ہی کے ماتحت تھا۔ (تاریخ اسلام ذاکر حسین صفحہ 27-28)

نوٹ:- حضرت ہاشم علیہ السلام کا انتقال ملک شام میں ہوا تھا اور اُس وقت جناب عبدالمطلب اپنی والدہ کے ساتھ اپنی تہہ پال مدینہ میں ایام

طفولیت گزار رہے تھے اور دس سال کی عمر میں حضرت طالبؑ کے ساتھ مکہ آئے تھے اس لئے اُن کی عدم موجودگی میں جناب طالبؑ حضرت ہاشمؑ کی نیابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

(13) حضرت قیدارؑ کا بیٹا اور پوتا وغیرہ کون تھے؟ کیوں غائب کئے گئے؟ قیداری عوام کا ذکر ملتا ہے خواص کا نہیں۔ قیداری نسل کب تک موجود رہی؟

حضرت قیدار علیہ السلام کے متعلق جو کچھ تواریخ اور توریت سے ملتا ہے۔ اُس سے اُن کی اولاد کا نام بنام شجرہ تیار کر لینا ممکن ہی نہیں ہے۔ عربی سازش نے نابت علیہ السلام کی اولاد کو قیدارؑ کی اولاد بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدار کی نسل میں دکھا دیا ہے۔ جسے ہم نے سابقہ عنوانات میں غلط ثابت کر کے آنحضرتؐ کو حضرت نابت کی نسل سے ثابت کر دیا ہے۔ حضورؐ کو قیدار کی نسل سے ثابت کرنے کیلئے ہمیں ضرورت ہے کہ حضرت نابتؑ کی طرح حضرت قیدارؑ کے بیٹوں کے نام لکھے جائیں پھر اس بیٹے کا نام لکھا جائے جس کی اولاد میں آنحضرتؐ کو دکھانا ہے۔ یوں سلسلہ وار پوتوں اور اُن کی اولاد کا نام بنام شجرہ دکھایا جائے اور یہ عربوں اور اُن لوگوں کیلئے ناممکن ہے جو حضورؐ کو قیدار کی نسل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

(الف) آنحضرتؐ کو قیدار کی نسل میں قرار دینا اور ماننا بہت بڑا نسلی فراڈ ہے جو فریب اندر فریب سے بھی ثابت نہ ہوا۔

اس سے بڑا فراڈ اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کو اور حضرت علیؑ کو حضرت نابتؑ کی اولاد میں مان کر بھی (طبری جلد اول صفحہ 53، 57) قیدار کی نسل میں مانا اور لکھا جائے؟ اور اس فراڈ کو ثابت کرنے کیلئے یہ فراڈ کیا جائے کہ حضرت نابتؑ قیدار کے بیٹے تھے؟ (طبری ترجمہ جلد اول صفحہ 54-55) اور چھ مرتبہ نابتؑ کو قیدار کا بیٹا لکھا جائے، جب لکھنے اور ماننے والے یہ مانتے ہیں کہ حضرت نابتؑ اور حضرت قیدار علیہما السلام دو بھائی تھے اور حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے تھے۔ اس کے باوجود چھ مرتبہ یوں لکھا کہ: (1) نبیت بن قیدار بن اسماعیل (2) صفی بن نبیت بن قیدار بن اسماعیل (3) ہمسمیع بن نبیت بن قیدار بن اسماعیل (4) ہمسمیع بن نبیت بن سلیمان (یہی سلیمان ہے) بن حمل بن نبیت بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیمؑ (5) یشجب بن ملک بن ایمن بن نبیت بن قیدار بن اسماعیل (6) کنانہ بن العوام بن نبیت بن قیدار بن اسماعیل۔ (طبری کا ترجمہ جلد اول صفحہ 54-55) بہر حال جو عرب کے بیان کردہ شجروں اور ناموں میں تلاش حق کرے گا وہ اُسے نسلی فراڈ کے علاوہ اور کوئی لقب نہ دے گا۔

(ب) شجروں کے اس فراڈ پر علامہ شبلی نے لپیلا پوتی کر کے اپنا اور اپنے ہم مذہبوں کا دل بہلا لیا ہے

علامہ شبلی بھی اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ میں آنحضرتؐ کا شجرہ نسب لکھے بغیر نہ گزر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضورؐ سے لے کر حضرت عدنان تک نام لکھے اور آگے بڑھتے ہوئے فراڈ اُنکے سامنے تھا۔ اس لئے انہوں نے اکا بلا برگردن مللا کے اصول پر امام محمد اسماعیل محدث کو پٹائی کے لئے آگے بڑھا دیا اور لکھا کہ:

”امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عدنانؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک نام گنائے ہیں۔ یعنی عدنانؑ بن عدد بن المقوم بن تارح ابن یشجب بن

یعر بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیمؑ“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 160)

اس کے بعد جو کچھ شبلی نے لکھا ہے وہ ابھی ہم آپ کے سامنے لاتے ہیں مگر پہلے اُن کے لکھے ہوئے اس اسماعیلی بخاری کے بیان میں دیکھیں کہ حضرت عدنان علیہ السلام کو حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد میں لکھا ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیداری نہ ہوئے بلکہ نابتی ہوئے۔ پھر قارئین نے مذکورہ بالا چھ (6) عدد فرادی بیانات میں حضرت یشجبؑ کو قیدار کی اولاد میں بھی دیکھا تھا (5) یعنی زبردستی وہ شجرہ گھڑا گیا ہے جو آج

تک شیعوں اور سنیوں اور سیدوں اور امتیوں میں مشہور زبان زد عوام و خواص ہے۔ اور فراڈ کی کامیابی ہے۔
شبلی مسلسل لکھتے ہیں کہ:

”حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ جن کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ اُن میں قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی۔

اُن ہی کی اولاد میں عدنان ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کے خاندان سے ہیں۔“ (ایضاً صفحہ 160)

علامہ شبلی کو سب سے بڑا محقق ماننے اور کہنے کا سبب فراڈ و فریب کی تائید اور حق سے کج نگاہی تھا۔

قارئین اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ اہلسنت کے سب سے بڑے محدث اور حق گو عالم کا بیان شبلی نے دھنے ہاتھ سے لکھا اور لکھا کہ

”عدنان بن عد بن المقوم بن تارح ابن یثجب بن یعرب بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیم“

یعنی عدنان نابت بن اسماعیل کی اولاد میں ہیں۔ اور تیسری ہی سطر میں اس کے خلاف عدنان کو قیدار کی اولاد میں لکھ دیا۔ حالانکہ عدنان کے بعد اسماعیل تک قیدار کا نام کہیں نہیں ہے۔ قارئین اپنے دل و دماغ سے سوچیں اور غور کر کے بتائیں کہ شبلی نے زیر بحث فراڈ کی تصدیق کس تحقیق اور دلیل کے ماتحت کی ہے؟ قارئین رُک کر غور سے سنیں اور یاد رکھیں کہ ابوبکر و عمر اور قریش کے پیروا اگر اپنے مذہب و مسلک و عقائد و اعمال پر دلیل و برہان اور تحقیقی نظر اختیار کر لیں تو خود کو سر سے پیر تک ابلیس کے جال میں پھنسا ہوا پائیں گے۔

شبلی کی لپیلا پوتی اور اصل راز اور فراڈ کی طرف راہنمائی

شبلی مسلسل لکھتے ہیں کہ: ”عرب کے نسب داں تمام پشتوں کو محفوظ نہ رکھتے تھے“ (ایضاً صفحہ 160)

سوال یہ ہے کہ جب وہ لوگ انساب کے عالم یعنی بقول شبلی نسب داں تھے اور اُن کی ذمہ داری ہی یہ تھی کہ وہ ہر شخص کو اُس کے صحیح باپ دادا و پردادا اور ابا و اجداد کا ترتیب وار شجرہ بتائیں تو وہ کیوں تمام پشتوں کے نام محفوظ نہ رکھتے تھے؟ اور کیوں اُن کو غیر محفوظ رکھتے تھے؟ کیا اس لئے کہ کچھ رقم لے کر جس کو دل چاہے کسی بھی شجرے میں شامل کر دینا سہل رہے؟ اور قریشی علما شبلی اینڈ کمپنی کو یہ معلوم ہے کہ عربی نساب یا نسب داں تمام پشتوں کے تمام ناموں کو محفوظ نہیں رکھتے تو وہ کس دلیل سے ایسے نسابوں کے بیان پر یقین کر لیتے ہیں؟ یعنی پھر وہی دلیل و برہان کی بات آگئی جس سے قریش اور قریشی علما کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔

قارئین کو فراڈ کا ایک عدالتی پکا طریقہ بتائیں

اگر آپ چاہتے ہیں کہ 1981 عیسوی میں ایک ایسی دستاویز تیار کریں جو عدالت میں بلا شک و شبہ 1971 عیسوی میں تیار کی ہوئی مان لی جائے تو عدالت میں دلائل سے ملنے وہ آپ کو ایک پرانے سمجھ دار اشامپ فروش سے ملائے گا۔ وہ آپ کو ایک پرانے رجسٹر میں، عربوں کی طرح چھوڑی ہوئی جگہ دستخط کرنے کو کہے گا اور ایک اشامپ اُسی پرانی تاریخ میں اندراج کر کے تمہارے حوالے کر دے گا اور وہی تاریخ رجسٹر اور اشامپ پر لکھ دے گا۔ اشامپ سادہ ہو گا جو چاہے اس پر لکھ لیں۔ کام ہو گیا۔ کام کے پیسے وہ دلائل اور اشامپ فروش طے کر کے آپ سے پہلے لے لیں گے۔ عربی نساب تو کورے لٹھے، اُن پڑھ بالکل پیدل، مراٹھی یا بھانڈ ہوتے تھے۔ نہ کوئی رجسٹر ہوتا تھا نہ عربوں کو صحت و یقین کی ضرورت ہوتی تھی وہاں تو چاروں طرف حرامی اولاد کا دور دورہ تھا۔ البتہ حرامی کو حلالی بنانے میں مذکورہ بالا اور مذکورہ ذیل قسم کے بھانڈ بلائے جاتے تھے۔ انہیں مقصد ذہن نشین کر دیا جاتا تھا۔ وہ مل کر اعلان کر دیتے تھے کہ عمر عاص کا بیٹا ہے یا خطاب کا بیٹا ہے اور بس یہی آخری سند و ثبوت تھا۔ اس سے زیادہ باریک

چھانٹتے تو قریش تو حرام در حرام ثابت ہو گئے ہوتے اور چودہ سو سال بعد ہمیں یہ کام نہ کرنا پڑتا۔ بہر حال علامہ شبلی مسلسل لکھتے ہیں کہ:

قریشی نسب ناموں کی حالت اور اُن میں فراڈ کی گنجائش

’چنانچہ اکثر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسماعیل تک صرف آٹھ نو پشتیں بیان کی ہیں۔ لیکن صحیح نہیں، عدنان سے لے کر حضرت اسماعیل تک اگر صرف نو دس پشتیں ہوں تو یہ زمانہ تین سو (300) برس سے زیادہ نہ ہوگا۔ اور یہ امر بالکل تاریخی شہادتوں کے خلاف ہے‘۔ (صفحہ 160)

اگر آٹھ نو پشتیں نہ رکھی جائیں اور بڑھادی جائیں تو نساب کیلئے داخل خارج مشکل ہو جائے گا

غور طلب بات یہ ہے کہ آٹھ نو پشتوں والا بیان بھی نسب دانوں ہی کا ہے۔ لہذا اُسے عربی اصول پر صحیح ماننا لازم ہے اور یقیناً ایک زمانے میں صحیح مانا گیا تھا اور وہی زمانہ وہی تھا جب نسابوں نے رشوت لے کر کچھ لوگوں کو خاندان رسالت سے خارج کر دیا تھا یا یوں کہیے کہ جب قریش نے کسی خاندان یا قبیلے کو قریشی ٹائٹل (Title) سے محروم کیا تھا۔ ورنہ ہمیں اُن نسابوں کے نام بتائے جائیں جنہوں نے یہ آٹھ نو پشتیں بیان کی تھیں اور ساتھ ہی اُن لوگوں کے نام بھی بتائیں جن لوگوں نے نساب کے منہ پر اُن کو شبلی والی کم مدت کی دلیل دے کر جھٹلایا تھا۔ لہذا وہ بھی ویسا ہی فراڈ ہے جیسا قبیلہ تیم و عدی و امویوں کو خاندان رسالت میں شامل کرنے کا فراڈ ہے۔ وہ بھانڈوں، میراثیوں اور غلط گونسا بوں کے بل بوتے پر ہوا تھا اور یہ بھی اُسی قاعدے کے مطابق ہے۔ شبلی مسلسل لکھتے ہیں کہ:

’علامہ سہیلی کتاب روض الانف (صفحہ 8) میں لکھتے ہیں کہ:

وَيَسْتَحِيلُ فِي الْعَادَةِ أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا اَرْبَعَةُ اَبَاءٍ اَوْ سَبْعَةٌ كَمَا ذَكَرَ ابْنُ اسْحَاقَ اَوْ عَشْرَةٌ اَوْ عَشْرُونَ
فَان الْمُدَّةَ اطْوَلَ مِنْ ذَلِكَ كُفْلًا.

’اور یہ عادت محال ہے کہ دونوں میں (عدنان اور ابراہیم) چار یا سات پشتوں کا فاصلہ ہو، جیسا کہ ابن اسحاق نے (چار یا سات پشتیں ہونے کا) ذکر کیا ہے۔ یاد بس بیس پشتیں ہوں کیونکہ زمانہ اس سے بہت زیادہ ہے‘ (صفحہ 160-161)

قارئین یہ نوٹ کریں کہ علامہ سہیلی نے ثابت کر دیا کہ قریشی نساب ہی نہیں بلکہ اُن کے مورخ ابن اسحاق جیسے لوگ بھی اُمت کو گمراہ کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ چنانچہ شبلی نے خود حضرت عدنان کو امام بخاری کے قلم سے نابت کی اولاد میں لکھا لیکن بلا تردید کئے بلا کوئی دلیل دیئے تیسری ہی سطر میں عدنان کو فیدار کی اولاد لکھ دیا، مان لیا اور امت کو گمراہ کر دیا۔

قریشی اجتماعی فراڈ کی غرض یہ تھی کہ پاتو انہیں بھی خاندان رسالت سے مانا جائے گا ورنہ محمدؐ بھی آل ابراہیم سے خارج ہو جائیں گے

شبلی کو مسلسل پڑھیے: ’علامہ موصوف (سہیلی) نے بہت سے تاریخی حوالوں اور شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ عدنان سے حضرت اسماعیل تک چالیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ اس غلطی (کم پشت ماننے) نے بعض عیسائی مورخین کو اس بات کا موقع دیا کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندان ابراہیم سے ہیں۔

سارے عربوں نے نسلی فراڈ ہمیشہ جاری رکھا تھا

اس غلطی (کم و بیش پشتیں بتانے) کی زیادہ وجہ یہ ہوئی کہ ’اہل عرب‘ زیادہ تر مشہور آدمیوں کے نام پر اکتفا کرتے تھے۔ اور بیچ کی پیڑھیوں (پشتوں) کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ ’اہل عرب‘ کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسماعیل کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی

تھا۔ اس لئے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلہ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے اور پرکے اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے چند مشہور آدمیوں کا نام لے کر چھوڑ دیتے تھے“ (صفحہ 163-162)۔

اس کے بعد شبلی نے طبری سے لکھا ہے کہ فلاں فلاں کے بیان سے چالیس پشتیں ثابت ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ: ”بہر حال یہ واقعہ یقینی ہے کہ عدنان حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہے اور آنحضرتؐ عدنان کے خاندان سے ہیں“۔ (صفحہ 162) قارئین علامہ شبلی اور تمام عربی مورخین و نساب کی یہ دلیل سامنے رکھیں کہ:

(1) عدنان اسماعیلؑ کے خاندان سے ہیں۔ اور

(2) محمدؐ عدنان کے خاندان سے ہیں۔ اور

(3) محمدؐ اور عدنان دونوں قیدار کی اولاد سے ہیں یعنی چچ؟

یہ تو جب صحیح ہوتا جب قیدار حضرت اسماعیلؑ کا کلوتا بیٹا ہوتا۔ وہاں تو بارہ بیٹے تھے۔ دلیل اس کی درکار ہے کہ:-

”آیا عدنان قیدار کی اولاد میں ہے یا حضرت نابت کی؟“ اور قریشی ریکارڈ (طبری سیرۃ النبیؐ شبلی) سے وہ نابت کی اولاد ثابت ہیں۔

(ج) قیدار کی پوزیشن شاندار بنانے کے لئے سید سلیمان ندوی نے توریت سے غلط بیانات لکھے، فریب کیا یا فریب کھایا؟ فیصلہ کریں

علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب ارض القرآن سے ہم نے بڑی تفصیل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ کوئی اور نبطی ہیں اور یہ کہ علامہ صاحب بھی اسی پر یقین کرتے ہیں۔ مگر آخر وہ قریشی مذہب کے ایک عالم ہیں قریشی عالم کی شان ہی یہ ہے کہ غلط عقائد و تصورات کو حمایت کرے اور ابو بکر و عمر کی پالیسیوں کی تائید کرے خواہ اللہ نفا ہو یا اہل عقل مذاق اڑائیں۔ انہیں مرغ کی ایک ٹانگ پر دانت جمائے رکھنا ہیں۔ قارئین علامہ سلیمان کا بیان پڑھیں وہ توریت سے حضرت قیدار کی عظمت دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

(1) توریت اور اشعیاہ نبیؑ پر تہمت لگائی گئی

”اشعیاہ نبی تقریباً اسی زمانہ میں تھے یعنی آٹھویں صدی قبل مسیح میں، وہ بیان کرتے ہیں کہ (1) ”قیدار ایک شاندار اور بہادر قوم ہے“ (21-16)

(2) ”گاؤں میں اُن کی بہت سی آبادیاں ہیں“ (42-11) (3) ”بھیڑ بکری اُن کی دولت ہے اسی کی وہ تجارت کرتے ہیں“ (60-7)

(ارض القرآن جلد 2 صفحہ 93)

ایک سادہ دل قاری ہی نہیں بلکہ اچھے خاصے محقق بھی یقین کر لیں گے کہ جو کچھ علامہ نے ان تین حوالوں (21-16، 42-11، 60-7) کی ذیل میں لکھا ہے وہی کچھ اشعیاہ نبیؑ کی کتاب (توریت) میں بھی لکھا ہوا ہوگا۔ آئیے ہم باری باری آپ کو عربی اور اردو کی توریت سے وہ کچھ دکھائیں جو حضرت اشعیاہ نبیؑ نے فرمایا اور لکھا ہے۔

(2) قیدار کی نسل کی تمام عزت و تعداد کے کلیتہً فنا ہو جانے اور چند گوالوں چرواہوں کے بچنے کی پیشگوئی (اشعیاہ 21-16)

سنئے اللہ کا بیان یوں صادر ہوتا ہے کہ:

وَقَرَّ عَلَى الْعَرَبِ، بَيْتُوا فِي غَابِ الْعَرَبِ يَا قَوَائِلَ الدَّذَا نِينَ (13) وَ أَفُوا بِالْمَاءِ لِلِقَاءِ الْعَطْشَانِ يَا سُكَّانَ أَرْضِ

تِيْمَاءَ، اسْتَقْبِلُوا الْمُنْهَزِمَ بِخَبْرِهِ (14) فَإِنَّهُمْ قَدْ أَنْهَزُمُوا مِنْ أَمَامِ السُّيُوفِ مِنْ أَمَامِ السَّيْفِ الْمَسْلُوقِ وَالْقَوْسِ

الْمَوْطُوءَةَ وَشِدَّةَ الْقِتَالِ (15) لِأَنَّهُ هَكَذَا قَالَ لِيَ السَّيِّدُ بَعْدَ سَنَةٍ كَسَنَةِ الْأَجْبَرِ يَفْنَى كُلُّ مَجْدٍ قَيْدَارِ (16) وَبَاقِي
عَدَدِ أَصْحَابِ الْقَيْدَارِ مِنْ جَبَا بَرَقَ بِنِي قَيْدَارٍ يُضْحِي قَلِيلًا لِأَنَّ الرَّبَّ إِلَهَ إِسْرَائِيلَ قَدْ تَكَلَّمَ (اشعيا 17-21/13)

ہمارا ترجمہ:

”پورے عرب کے لئے لاکاروانتاہ۔ اے ددانیوں کے قافلہ تم عرب کے بیابان میں رات گزارو۔ اے تیما کے باشندے تم پیاسوں کے لئے پانی لے کر ان سے ملاقات کرو اور شکست خوردہ بھوکے لوگوں کا روٹیوں کے ساتھ استقبال کرو یقیناً وہ لوگ کھینچی ہوئی برہنہ تلواروں اور کرتی ہوئی کمانوں سے اور جنگ کی شدت کے سامنے سے شکست کھا کر بھاگے ہیں۔ یہ اس لئے کہ مجھ سے اللہ نے کہا ہے کہ ایک مزدور والے سال کی مدت میں قیدار کی تمام عزت و بزرگی فنا ہو جائے گی۔ قیدار کے جابر لوگوں میں سے صرف چند چرواہے باقی رہ جائیں گے۔ اس لئے کہ بلاشبہ اسرائیل کے معبود اور پروردگار نے یہ فیصلہ سنا دیا ہے۔“

(3) اُردو توریت کا بیان

عرب کی بابت باریت: اے ددانیوں کے قافلہ تم عرب کے جنگل میں رات کاٹو گے۔ وہ پیاسے کے پاس پانی لائے (عطشان کا غلط ترجمہ) تیما کی سرزمین کے باشندے روٹی لے کر بھاگنے والے (منہزم کا غلط ترجمہ) سے ملنے کو نکلے۔ کیوں کہ وہ تلواروں کے سامنے سے نگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ (ہزیمت شکست کو کہتے ہیں) کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار کی ساری حشمت (مجد کا غلط ترجمہ) جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کی تعداد کا بقیہ یعنی بنی قیدار کے بہادر تھوڑے سے ہوں گے۔ کیونکہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا ہے (سزھویں آیت کا سارا ترجمہ غلط ہے) “(اشعیاہ باب اکیس آیات 13 تا 17) (کتاب المقدس۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور) ایک اور بائبل میں تیرھویں آیت کا ترجمہ یہ ہے۔“

”اے ددانیوں کے قافلہ پانی لے کر پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔“

تاریخ تلاش فرمائیں کہ علامہ صاحب کی بیان کردہ قیداری شاندار اور بہادری کہاں ہے؟ یہاں تو یہ بتایا ہے کہ قیدار کی عزت فنا ہو جائے گی اور قیداری قوم کی تباہی اور فنا میں صرف ایک سال باقی ہے۔ اور علامہ نے بھی اسی حوالے (17-21/16) کے ماتحت یہ مانا اور لکھا ہے کہ:

”قیدار کا تمام جاہ و جلال مٹ جائے گا۔ تیر انداز اور بہادر فرزند ان قیدار کی تعداد گھٹ جائے گی“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 94)

یہ ترجمہ اُس عربی کا ہے نہ یہ وہ اُردو ہے جو ہم نے بائبل سے لکھی ہے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ قیدار کے متعلق علامہ چار سو بیس کر رہے ہیں۔

(4) علامہ نے توریت سے دوسرا حوالہ بھی لفظ بلفظ نہیں لکھا

یہاں آپ کو عربی اور اُردو توریت کے مقابلے میں علامہ کا بیان دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کہاں تک اللہ کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں؟

لِشِدَّةِ الْبَرِّيَّةِ وَمُدْنَهَا وَالْحَطَايِرَ الَّتِي يَسْكُنُهَا قَيْدَارُ وَكَيْسَرُ نَمَّ سَكَّانُ الصَّخْرَةِ وَوَلَيْهَتِفُوَامِنْ رُوُوسِ الْجِبَالِ (اشعياہ 42/11)

اُردو توریت: ”بیابان اور اُس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاہوں اپنی آواز بلند کریں،

سلع کے بسنے والے گیت گائیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے لکاریں“ (42/11)

عربی سوجھ بوجھ رکھنے والے حضرات اُردو بائبل کے الفاظ میں بھی غلط ترجمانی دیکھ سکتے ہیں بہر حال اُردو بائبل میں کہا گیا کہ:

1- ”قیدار کے آبادگاؤں اپنی آواز بلند کریں“ علامہ نے کہا کہ:

2- ”گاؤں میں اُن کی بہت سی آبادیاں ہیں۔“

دیکھئے کہ یہاں کہیں بہت سی آبادیوں کا ذکر نہیں ہے۔

(5) علامہ کا تیسرا حوالہ بھی توریت کی ترجمانی نہیں کرتا

توریت میں فرمایا گیا کہ: ”كُلُّ غَنَمٍ قَيْدَارَ تَجْتَمِعُ إِلَيْكَ وَكِبَاشُ نَبَا يُوتُ تَخَذُ مُكَّ (اشعیاہ 60/7)

أردو توریت: ”قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی اور نبا یوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے“

علامہ نے لکھا تھا کہ: ”بھیڑ بکری اُن کی دولت ہے اُسی کی وہ تجارت کرتے ہیں“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 93)

علامہ کے بیان کو توریت کے بیان سے ملا کر یہ بات ہوئی کہ: ”قیدار کی دولت اور تجارت یروشلم کی تحویل میں آجائے گی اس لئے کہ وہ خود ایک

سال کے اندر اندر فنا ہونے یا مٹنے والے ہیں“ (اشعیاہ، 60/7، 21/16)

(6) آنحضرتؐ کو قیدار کی نسل میں دکھانے کیلئے فراڈ کیا مگر قیدار کی نسل آٹھ سو سال قبل مسیح فنا ہو چکی تھی دوسری اور علامہ کی مسلمہ پیشین گوئی

علامہ صاحب کا توریت کی غلط ترجمانی کرنا ثابت ہوا اور معلوم ہوا کہ علامہ کے مذکورہ اقتباس (اشعیاہ 17-21/16) سے قیدار کی

دولت و حشمت و عزت و بزرگی اور بہادریوں کی تعداد کا فنا ہو چکا بھی ثابت ہے۔ اور خود علامہ نے بھی اگلے صفحہ (صفحہ 94) پر مان لیا ہے اور یہیں

توریت سے قیدار کی نسل کی تباہی پر دوبارہ یرمیاہ نبی کی پیشینگوئی یوں لکھی ہے کہ:

”قیدار پر اور حضور کی حکومتوں پر افسوس ہے۔ جن کو بابل کا بادشاہ بنوخذنذرتباہ کرے گا۔“

اسی طرح خدا کہتا ہے اٹھو اور قیدار کے پاس جاؤ اور اہل مشرق کو برباد کر دو“ (یرمیاہ 49/28)

علامہ نے یرمیاہ نبی کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے پانچ سو چھیالیس سال قبل لکھا ہے جو غلط ہے۔ بابل میں 645 ق م حضرت یرمیاہ کی

پیدائش لکھی ہے۔ یعنی قیدار کا خاندان تقریباً ولادت عیسیٰؑ سے سات سو سال پہلے فنا ہو چکا تھا۔ اور آنحضرتؐ کی پیدائش کے وقت تک تقریباً ڈیڑھ

ہزار سال قیدار کی نسل کو آغوش فنا میں لپٹے ہوئے گزر چکے تھے۔ اسی لئے ہم قیدار پسند قریشی علما کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ہمیں قیدار کے بیٹوں پوتوں

سے لے کر چالیس (40) پشتوں کے نام گوائیں اور حضرت عدنان علیہ السلام کو اُن سے ملا کر دکھائیں۔

(7) قیدار کی نسل کا اور اُن کے طرفدار پڑوسی قبیلوں اور اقوام کی تباہی کا نظارہ عربی اور اردو بابل سے ملاحظہ کر کے إِنَّا لِلّٰهِ رٰہیں

سلیمان ندوی صاحب نے تو چونکہ قیدار کی نسل کو بچا کر رکھنا تھا۔ اس لئے سرسری طور پر دوسریں لکھ کر گزر گئے لیکن ہم تو اس فراڈ کو مسماہر کرنا طے کئے

ہوئے ہیں اس لئے آئیے توریت پڑھئے:

لِذٰلِكَ اسْمَعُوا مَسْوَرَةَ الرَّبِّ الَّتِي اتَّسَمَرَ بِهَا عَلٰى اَدُوْمَ وَاَفْكَارَةَ الَّتِي فَكَّرَ بِهَا عَلٰى سُوْكَانَ تَيْمَانَ. اِنَّ صِغَارَ

الْقَطِيْعِ يَبْصُرُوْنَهُمْ وَيَقُوْضُوْنَ مَسْكِنَهُمْ عَلَيْهِمْ. مِنْ صَوْتِ سَقُوْطِ طِهِمْ تَزَلَّزَلَتِ الْاَرْضُ وَصُرَاْهُمْ سَمِعَ صَوْتُهُ

فِيْ بَحْرِ الْقُلُوْمِ. هَا اِنَّهُ يَرْتَفِعُ كَمَا لِنَسْرٍ وَيَنْسُرُ جَنَاحِيْهِ عَلٰى بُصْرَةَ فَتَنْصِيْرُ قُلُوْبٍ جِبَابِرَةَ اَدُوْمَ فِيْ ذٰلِكَ

الْيَوْمِ كَقَلْبِ امْرَاةٍ مَّا خَصِصَ. عَلٰى دِمَشَقٍ. قَدْ خَزِيَتْ حَمَاةٌ وَاَرْفَادٌ قَدْ سَمِعُوْا بِسَمْعَةٍ هَائِلَةٍ فَاَبُوْا فِيْ الْبَحْرِ

اصْطَرَابُ لَا يُمْكِنُ اَنْ يَهْدَا. اِسْتَرَحْتُ دِمَشْقُ وَ وُلْتُ هَارِبَةً. اَخَذَتْهَا الرَّعْدَةُ وَ اَذْرَكَهَا الْكُرْبُ وَ اَلْمَخَاضُ كَمَا لَتِي تَلْدُ. كَيْفَ لَمْ يَبْقَ عَلَى الْمَدِينَةِ الْمُوصُوفَةَ قَرِيَةً مَسَرَّتِي. يَسْقُطُ شَبَابُهَا فِي سَا حَاتِهَا وَ يَصْمُتُ جَمِيعُ رِجَالِ الْقِتَالِ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ يَقُولُ رَبُّ الْجُنُودِ. وَ اضْرُمُ نَارًا فِي سُورِ دِمَشْقُ فَنَأْكُلُ قُصُورَ بَنَاهِدَدَ. عَلَى قَيْدَارٍ وَ مِمَّا لَكَ حَاصُورَ الَّتِي ضَرَبَهَا نَبُوكَذَرُ صَرْمَلِكَ بَابِلَ. هَكَذَا قَالَ الرَّبُّ فُومُوا اصْعَدُوا اِلَى قَيْدَارٍ وَ دَمِّرُوا اِبْنَاءَ الْمَشْرِقِ. اِنَّهُمْ يَأْخِذُونَ اَخْبِيَّتَهُمْ وَ غَنَمَهُمْ وَ يَسْتَوْلُونَ عَلَى شَقَقِهِمْ وَ جَمِيعُ اَدْوَاتِهِمْ وَ اِبْلِهِمْ وَ يَنَادُونَ عَلَيْهِمْ بِالْهَوْلِ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ. اَهْرَبُوا سَرِيْعًا وَ اَشْرُدُوا اَسْكِنُوا فِي الْاَعْمَاقِ يَا سَكَّانَ حَاصُورَ يَقُولُ الرَّبُّ فَاِنَّ نَبُوكَذَرُ صَرْمَلِكَ بَابِلَ قَدْ اَنْتَمَرَ عَلَيْكُمْ بِمَشُورَةٍ وَ نَكَرَ عَلَيْكُمْ فِكْرًا. فُومُوا اصْعَدُوا اِلَى اُمَّةٍ مُطْمَئِنَّةٍ سَاكِنَةٍ فِي الدَّعَةِ يَقُولُ الرَّبُّ لَا اَبْوَابَ لَهَا وَ مَزَالِيحَ سَكْنَا هُمْ فِي الْعُرْلَةِ. فَتَصِيرُ اِبْلُهُمْ نَهَبًا وَ مَوَاشِيَهُمْ الْكَثِيْرَةَ سَلْبًا وَ اَذْرَى لِكُلِّ رِيحٍ اَوْلَشَكَ الْمَقْصُوصِ الرِّوَايَا وَ مِنْ كُلِّ حُدُودٍ هُمْ اَجْلَبُ عَطَبَهُمْ يَقُولُ الرَّبُّ. فَتَصِيرُ حَاصُورَ مَآوَى لِبَنَاتِ اَوَى مُسْتَوْحِشَةً اِلَى الْاَبْدِ لَا يَسْكُنُ هُنَاكَ اِنْسَانٌ وَ يَتَعَرَّبُ فِيهَا ابْنُ بَشَرٍ. (نبوة ارمياہ 34 تا 49)

”پس خداوند کی مصلحت کو جو اُس نے اُدوم کے خلاف ٹھہرائی ہے اور اُس کے ارادہ کو جو اُس نے تیمان کے باشندوں کے خلاف کیا ہے سنو۔ اُن کے گلے کے سب سے چھوٹوں کو بھی گھسیٹ لے جائیں گے۔ یقیناً اُن کا مسکن بھی اُن کے ساتھ ہی برباد ہوگا۔ اُن کے گرنے کی آواز سے زمین کانپ جائے گی۔ اُن کے چلانے کا شور بحر قلزم تک سنائی دے گا۔ دیکھو وہ چڑھ آئے گا اور عقاب کی طرح اڑے گا۔ اور بصراء کے خلاف بازو پھیلائے گا۔ اور اُس دن اودوم کے (جابر) بہادروں کا دل زچہ کے دل کی مانند ہوگا۔ دمشق کی بابت:۔ حمات اور ارفاد شرمندہ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بُری خبر سنی ہے۔ وہ پکھل گئے۔ سمندر نے جنبش کھائی، وہ ٹھہر نہیں سکتا، دمشق کا زور ٹوٹ گیا۔ اُس نے بھاگنے کے لئے منہ پھیرا اور تھر تھراہٹ نے اُسے آ لیا۔ زچہ کے سے رنج اور درد نے اُسے آپکڑا۔ یہ کیوں کر ہوا کہ وہ نامور شہر میرا شادمان شہر نہیں بچا؟ سو اُس کے جوان اس کے بازاروں میں گر جائیں گے۔ اور سب جنگی مرد اُس دن کاٹ ڈالے جائیں گے۔ رَبُّ الْاَفْوَاجِ فرماتا ہے۔ اور میں دمشق کی شہر پناہ میں آگ بھڑکاؤں گا جو دینِ ہدٰد کے مخلوق کو بھشم کر دے گی۔ قیدار کی بابت اور حاصور کی سلطنتوں کی بابت جن کو شاہ بابل بنوکدرصر نے شکست دی:۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ اٹھو قیدار پر چڑھائی کرو اور اہل مشرق کو ہلاک کر دو۔ وہ اُن کے خیموں اور گلوں کو لے لیں گے۔ اُن کے پردوں اور برتنوں اور اوزاروں اور اونٹوں کو چھین لیں گے۔ اور وہ چلا کر اُن سے کہیں گے کہ چاروں طرف خوف ہے۔ بھاگو دور نکل جاؤ، نبیب میں بسو اور حاصور کے باشندو خداوند فرماتا ہے۔ کیوں کہ شاہ بابل بنوکدرصر نے تمہاری مخالفت میں مشورت کی اور تمہارے خلاف ارادہ کیا ہے۔ خداوند فرماتا ہے۔ اٹھو اُس آسودہ قوم پر جو بے فکر رہتی ہے جس کے نہ کواڑ ہیں نہ اڑینگے (رکاڈیں) اور اکیلی ہے چڑھائی کرو۔ اور اُن کے اونٹ غنیمت کے لئے ہوں گے۔ اور اُن کے چوپاؤں کی کثرت لوٹ کے لئے۔ اور میں اُن لوگوں کو جو گاؤم ڈاڑھی رکھتے ہیں ہر طرف ہوا میں پراگندہ کروں گا۔ اور میں اُن پر ہر طرف سے آفت لاؤں گا۔ خداوند فرماتا ہے اور حاصور گیدڑوں کا مقام ہمیشہ کا ویرانہ ہوگا نہ کوئی آدمی وہاں بسے گا اور نہ کوئی آدم زاد اُس میں سکونت کرے گا۔“

(یرمیاہ باب 49 آیات 20 تا 34)

(8) قیدار کی نسل کی تباہی ویربادی کا سلیمان ندوی کا تہمید کر لیتے ہو جاتا ہے کہ قیدار کی اور ان کے پڑوسیوں کی نسلیں فنا ہو گئی تھیں

توریت سے جناب ارمیاء نبی علیہ السلام کے اس طویل و تفصیلی بیان کے بعد اب کسی اور ثبوت کی ضرورت ہرگز نہیں رہتی لیکن پھر بھی ہم سید صاحب کا ایک بیان لکھ کر اس عنوان کو مکمل کرتے ہیں لکھا ہے کہ:

اسماعیلی کا مطلب حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹوں کی اولادیں ہوتا ہے

”حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں (تقریباً 1500 ق م) بنی اسماعیل تمام حجاز میں یمن (حولہ) سے شام (اشور) تک پھیل گئے تھے۔ (تکوین 25/18-احسن) حضرت موسیٰؑ کے بعد قضاة بنی اسرائیل کے زمانہ میں (تقریباً 1300 ق م) وہ عمالیق و اہل مدین (قطورہ سے حضرت ابراہیمؑ کا ایک بیٹا تھا۔ احسن) کے پہلو بہ پہلو، سپاہیانہ جوہر کے ساتھ بنی اسرائیل پر چھاپہ مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سات برس تک متصل بنی اسرائیل اسماعیلیوں (یعنی مدانیوں اور عمالقیوں۔ احسن) کے پنجے میں گرفتار رہے، سال میں جب فصل تیار ہوتی، اسماعیلی (مدیانی اور عمالقی۔ احسن) برق و باد کی طرح آتے اور سب (فصل۔ احسن) کاٹ کر لے جاتے۔ آٹھویں برس بنی اسرائیل میں جدعون نامی ایک پہلوان پیدا ہوا، اُس نے اسماعیلیوں کو شکست فاش دی (قضاة 6، 7، 8) (تفصیل مدین میں گزر چکی) اس زمانہ میں بنو اسماعیل کا نہایت دولت مند قوموں میں شمار تھا۔ کانوں میں مرد سونے کے زیور پہنتے تھے (یہ بظنی نسل نہ تھی وہاں ملک بھر میں کہیں سونانا ملتا تھا۔ صفحہ 65) اونٹوں کے گلے میں سونے کے فلا دے (پٹے۔ احسن) ڈالتے تھے۔ اس (مذکورہ بالا۔ احسن) جنگ میں بنی اسرائیل کو مال غنیمت ہاتھ آیا اُس میں صرف کان کے زیور کے سونے کا وزن سترہ سو مثقال تھا (قضاة 26/8) شاول (طالوت) کے عہد میں (غالباً 1050 ق م میں) بنو اسماعیل حجاز سے نکل کر باد یہ شام اور باد یہ عراق تک پھیل گئے تھے۔ عموماً مورخین عرب کا بیان ہے، کہ مکہ اور حجاز میں جب اسماعیل کی اولاد بہت زیادہ ہو گئی تو نجد اور حدود عراق وغیرہ ممالک میں پھیل گئی (عراق آنے والی اولاد بظنی تھی۔ احسن) اس کی تائید روایات یہود سے بھی ہوتی ہے۔ اسی زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک ٹکڑا بھی نہر فرات کے قریب باد یہ عراق میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ آخر بنو ہاجرہ سے سامنا ہو گیا۔ بنو اسرائیل نے لڑکر بنو ہاجرہ کو نکال دیا۔ اور ان کے خیموں میں جا کر خود آباد ہو گئے۔ اس واقعہ کے چالیس برس کے بعد اسماعیل و بنو ہاجرہ شمالی عرب و حدود شام کے قبائل سے متحد ہو کر حضرت داؤد کے عہد میں (غالباً 1000 ق م میں) بنی اسرائیل پر حملے کی تیاریاں اور مشورے کر رہے ہیں (زبور 6-83/5) 700 ق م میں جلعاد اور دیگر حدود شام میں جنگ آزمودہ اسرائیل دوبارہ بنو ہاجرہ سے برسر مقابلہ ہوتے ہیں۔ اور ان کو شکست دیتے ہیں مال غنیمت میں ان کو پچاس ہزار اونٹ، ڈھائی لاکھ بھیڑیں، دو ہزار گدھے اور ایک لاکھ قیدی ہاتھ آئے۔ (2 ایام 20، 21) اس کے بعد 600 ق م میں وہ زمانہ آتا ہے جب بنو خندزر (بخت نصر) آندھی کی طرح اسیر یا سے اٹھتا ہے اور تمام شام و عرب کی خاک اڑا دیتا ہے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے بنو اسرائیل اور آل اسماعیل کی خاصمانہ حوصلہ مندویوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہ بنو اسماعیل کی اجتماعی تاریخ تھی۔ اب تفرق و انتشار کے بعد ہر ایک اولاد اور نسل کی تاریخ کے متعلق جو کچھ معلوم ہے، علیحدہ علیحدہ بہ ترتیب اہمیت و امتیاز لکھتے ہیں۔ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 50، 51)

(د) قیدار کی نسل کے تباہ ویرباد و فنا ہو جانے کی وضاحتیں اور اسباب، ظلم و ستم و بد کرداری اور انبیاء و اولاد انبیاء سے بد سلوکیاں

علامہ کے اس آخری بیان میں چند ایسی باتیں بھی موجود ہیں جن سے غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے خود بھی یہ جملہ لکھ دیا ہے کہ:

”یہ بنو اسماعیل کی اجتماعی تاریخ تھی“

یعنی علامہ نے اور اُن کے شیوخ نے جو سامنے آیا وہ لکھ دیا۔ اُس کی فکر نہیں کی کہ ”اسماعیلیوں“ سے اسماعیلؑ کے کون سے بیٹے کی اولاد مراد لی جائے۔ یعنی سب کو ”اسماعیلی“ یا بنو ہاجرہ کہہ کر ایک ڈنڈے سے ہانک دیا گیا ہے۔ ہمیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آبا و اجداد کو پاکیزہ و پاکباز اور طیب و طاہر نسل سے تلاش کرنا ہے۔ اس لئے محض اسماعیلی و ابراہیمی یا ہاجری سے ہمارا الطمینان نہیں ہوتا۔ اور ہم اس نسل کو متعین کرنے ہی کے لئے یہ عنوانات پیش کر رہے ہیں۔ اور یہاں تک اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ حضور حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اور یہ فراڈ اسی فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا کہ وہ قیداری تھے، جس فنا کے گھاٹ قیداری کی نسل اتاری گئی تھی۔ بہر حال علامہ کے اس بیان سے بھی اور قدیم تواریخ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے مدین کی نسل بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ رہتی رہی یہاں تک کہ اُن کو بھی حضرت نابت علیہ السلام نے اپنی اپنی حکومت میں عہدے دیئے۔ اور رفتہ رفتہ مدیانی نسل کے لوگوں نے اپنے زیر تسلط صوبوں کو نابطلی مرکزی حکومت سے الگ کر کے اپنی حکومت کا اعلان کیا اور یوں بڑے بھائی کی اولاد سے بغاوت کی اور ادھر بنی اسرائیل کی حکومت کے ساتھ بھی جنگ و پیکار جاری رکھی۔ اور آخر خدا نے مدیانی نسل کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا۔ قرآن کریم میں اہل مدین ہی وہ قوم ہے جس کی طرف جناب شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ اس نسل کے قصبے اور تباہی کی داستان سورہ ہود میں موجود ہے۔ آپ نے علامہ کے اس بیان میں اُن اسماعیلیوں کا ذکر پڑھا ہے جو مدیانیوں کے ساتھ مل کر بنی اسرائیل پر چھاپے مارتے اور اُن کی فضیلت کاٹ کر لے جایا کرتے تھے۔ یہ اسماعیلی حضرت نابت کی اولاد کے لوگ نہ تھے اُن میں کثرت قیداری کی اولاد کی تھی۔ دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ ظالم اور لیڈرے بھی تھے اور اپنے چچا زاد بھائیوں یعنی بنی اسرائیل کا قتل و غارت و لوٹ مار جازر رکھتے تھے۔ سونے کے زبور پہنتے تھے۔ جبکہ حضرت نابت کی اولاد از اول تاروی حکومت بنی اسرائیل کی دوست، مدد و معاون رہی اور ہر اُس حکومت سے سرسپر پیکار رہتی چلی گئی جو اسرائیلی حکومت سے جنگ و جدل کرتی تھی۔ اس ہمدردی، ہم آہنگی اور ربط و ضبط کی حد یہ تھی کہ بعض مورخین نے غلطی سے اور بعض خبیثوں نے جان بوجھ کر انہیں عیسائی المذہب لکھا ہے۔ اور یہ کہ نبطی نسل کے لوگ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور قانوناً اُن کے زیر حکومت ممالک میں سونا اور چمچے وغیرہ نہیں ہوتے تھے (دیکھو اروض القرآن صفحہ 65) لہذا یہ سمجھ لیں کہ جہاں جہاں تواریخ میں اسماعیلیوں کو بنی اسرائیل سے متصادم یا برسرِ جنگ دکھایا گیا ہے وہاں نبطی نسل کے اسماعیلی نہیں بلکہ حضرت اسماعیلؑ کے باقی گیارہ بیٹوں کی اولاد ہوتی ہے۔ اور ناواقف لوگ سب کو ایک طرف سے اسماعیلی کہہ دیتے ہیں۔

دوسری وضاحت کہ وہ اسماعیلی جن کو جدعون نے شکست دی، جنگ و شکست کے تواریخی حالات

علامہ نے اسماعیلیوں کی شکست و ریخت اور تباہی کا تذکرہ کرتے ہوئے توریت (کتاب قضاة) کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ ہم قارئین کے سامنے صحیح اور پوری تصویر رکھنے کے لئے اُردو کی توریت سے جدعون اور قیداری نسل کی تفصیل پیش کرتے ہیں تاکہ ادھر یہ یقین ہو جائے کہ جن لوگوں کی تباہی کی دعائیوں نے کی وہ تو میں یقیناً فنا ہو گئیں اور وہ فنا ہونے والی نسل نبطی نہ تھی بلکہ قیداری تھی اور ادھر یہ معلوم ہو جائے کہ بنی اسرائیل کے خلاف منصوبہ سازی اور گٹھ جوڑ کرنے والے اہل باطل تھے۔ اُن کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔

تیسری وضاحت کہ وہ لوگ جو جدعون اور اس کے بعد دیگر اسرائیلیوں کے ہاتھوں فنا ہوئے انبیاء کی بددعا سے فنا ہوئے

اُن کی بے دینی اور بدکاری کی بنا پر حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں اُن کے لئے فرمایا گیا ہے کہ:

’اے خدا خاموش نہ رہ۔ اے خدا چپ چاپ نہ ہو اور خاموشی اختیار نہ کر۔ کیونکہ دیکھ تیرے دشمن اودھم مچاتے ہیں۔ اور تجھ سے عداوت رکھنے

والوں نے سراٹھایا ہے۔ کیونکہ وہ تیرے لوگوں کے خلاف مکاری سے منصوبہ باندھتے ہیں۔ اور اُن کے خلاف جو تیری پناہ میں ہیں مشورہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا آؤ ہم ان کو کاٹ ڈالیں ”کہ اُن کی قوم ہی نہ رہے“۔ ”اور اسرائیل کے نام کا پھر ذکر نہ ہو“ کیوں کہ انہوں نے ایکہ کر کے آپس میں مشورہ کیا ہے۔ وہ تیرے خلاف عہد باندھتے ہیں یعنی ادوم کے اہل خیمہ اور اسماعیلی موآب اور ہاجرہ جبل عمون اور عمالیق۔ فلسطین اور صور کے باشندے۔ اسور بھی اُن سے ملا ہوا ہے۔ انہوں نے بنی لوط کی کمک کی ہے۔ تو اُن سے ایسا کر جیسا مدیان سے اور جیسا وادی قیسوں میں سیرا اور یابین سے کیا تھا۔ جو عین دور میں ہلاک ہوئے۔ وہ گویا زمین کی کھاد ہو گئے۔ اُن کے سرداروں کو عوریب اور زیب کی مانند بلکہ اُن کے شاہ زادوں کو زنج اور ضلمع کی مانند بنا دے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ آؤ ہم خدا کی بستیوں پر قبضہ کر لیں۔ اے میرے خدا اُن کو گولے کی گرد کی مانند بنا دے اور جیسے ہوا کے آگے ڈنٹھل۔ اُس آگ کی طرح جو جنگل کو جلا دیتی ہے۔ اس شعلے کی طرح جو پہاڑوں میں آگ لگا دیتا ہے۔ تو اُسی طرح اپنی آندھی سے اُن کا پیچھا کر۔ اور اپنے طوفان سے اُن کو پریشان کر دے۔ اے خداوند اُن کے چہروں پر سوائی طاری کرتا کہ وہ تیرے نام کے طالب ہوں۔ وہ ہمیشہ شرمندہ اور پریشان رہیں۔ بلکہ وہ رسوا ہو کر ہلاک ہو جائیں۔ تاکہ وہ جان لیں کہ تو ہی ہے جس کا نام یہوداہ (اللہ) ہے تمام زمین پر بلند و بالا“۔ (زبور کا تراسیواں 83)

قارئین بتائیں اس دعا کے بعد، قیداری ہوں یا کوئی اور ہو، دشمنانِ خدا و رسولؐ کا کیا حشر ہونا چاہیے؟ چنانچہ اس دعا میں مذکور عریب اور زیب کے لئے یہ جملہ پڑھیں: ”عوریب کو عوریب کی چٹان پر اور زیب کو زیب کے کولھو کے پاس قتل کیا اور مدیانیوں کو رگید اور عوریب و زیب کے سر یردن پار جدعون کے پاس لے آئے“ (قضاة 7/25) اور دعا میں مذکور سیرا کا حال دیکھیں:

”تب حبر کی بیوی یا عیمل ڈیرے کی ایک میخ اور ایک میخ چھو کو ہاتھ میں لئے دے پاؤں اُس کے پاس گئی اور میخ اُس کی کپٹیوں پر رکھ کر ایسی ٹھونگی کہ وہ پار ہو کر زمین میں دھنس گئی کیونکہ وہ گہری نیند میں تھا۔ پس وہ بے ہوش ہو کر مر گیا“ (قضاة 4/21) پھر دعا میں زنج اور ضلمع کا بھی ذکر ہے۔ جو اُن مدیانیوں کے بادشاہ تھے جو بنی اسرائیل کی فصلیں کاٹ کر لے جاتے تھے۔ اور جنہوں نے قیدار کی نسل اور دوسری اقوام کو لے کر بنی اسرائیل کو تباہ کرنے کے لئے حملہ کیا تھا۔ سلیمان صاحب کے بیان کی تفصیل تو ریت سے ملاحظہ ہو:-

چوتھی وضاحت وہ کون لوگ تھے جو بنی اسرائیل قوم کی فصلیں کاٹ لے جاتے تھے اور اُن کی تباہی چاہتے تھے

”اور بنی اسرائیل نے خداوند کے آگے بدی کی اور خداوند نے اُن کو (بطور سزا) مدیانیوں کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور مدیانیوں کا ہاتھ اسرائیلیوں پر غالب ہوا۔ اور مدیانیوں کے سبب سے بنی اسرائیل نے اپنے لئے پہاڑوں میں کھوہ اور غار اور قلعے بنا لئے۔ اور ایسا ہوتا تھا کہ جب بنی اسرائیل کچھ بوتے تھے تو مدیانی اور عمالیق اور اہل مشرق (یعنی قیدار کے اسماعیلی۔ احسن) اُن پر چڑھ آتے تھے اور اُنکے مقابل ڈیرے لگا کر غزہ تک کھیتوں کی پیداوار کو برباد کر ڈالتے اور بنی اسرائیل کیلئے نہ تو کچھ معاش نہ بھیڑ بکری نہ گائے بیل نہ گدھا چھوڑتے تھے۔ کیوں کہ وہ اپنے چوپایوں اور ڈیروں (خیموں) کو ساتھ لے کر آتے اور ٹڈیوں کے دل کی مانند آتے اور وہ اُنکے اونٹ بے شمار ہوتے تھے۔ یہ لوگ ملک کو تباہ کرنے کیلئے آ جاتے تھے۔ سو اسرائیلی مدیانیوں کے سبب نہایت خستہ حال ہو گئے اور بنی اسرائیل خداوند سے فریاد کرنے لگے“ (قضاة 6/1-6)

یہی وہ صورت حال جس کو علامہ نے مختصراً لکھا ہے۔ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 50)

چوتھی وضاحت اُن لوٹ مار کرنے والے مدیانیوں اور قیدیوں کے ساتھ کیا ہوا تھا؟

اب وہ مزاد یکھے جو اللہ نے اُن قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے والوں کو دی تھی۔

”اور زنج اور ضلمع اپنے قریباً پندرہ ہزار آدمیوں کے لشکر سمیت قرقو میں تھے۔ کیونکہ فقط اتنے ہی اہل مشرق کے لشکر میں سے بچ رہے تھے۔ اس لئے کہ ایک لاکھ بیس ہزار شمشیر زن مرد قتل ہو گئے تھے۔ سو جدعون اُن لوگوں کے راستے سے جو نج اور یگبہاہ کے مشرق کی طرف ڈیروں میں رہتے تھے گیا اور اُس لشکر کو مارا کیونکہ وہ لشکر بے فکر پڑا تھا۔ اور زنج اور ضلمع بھاگے اور اُس نے اُن کا پیچھا کیا اور دونوں مدیانی بادشاہوں زنج اور ضلمع کو پکڑ لیا۔ (قضاة 12-8/10) جدعون نے اٹھ کر زنج اور ضلمع کو قتل کیا۔ اور اُن کے اونٹوں کے گلے کے چندن ہار لے لئے تب بنی اسرائیل نے جدعون سے کہا کہ تو ہم پر حکومت کر۔ تو اور تیرا بیٹا اور تیرا پوتا بھی کیوں کہ تو نے ہمیں مدیانیوں کے ہاتھ سے چھڑایا۔ تب جدعون نے اُن سے کہا کہ نہ میں تم پر حکومت کروں اور نہ میرا بیٹا بلکہ خداوند ہی تم پر حکومت کرے گا۔ اور جدعون نے اُن سے کہا کہ میں تم سے یہ عرض کرتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنی لوٹ کی بالیاں مجھے دے دے۔ (یہ لوگ اسماعیلی تھے اس لئے اُن کے پاس سونے کی بالیاں تھیں) (یہ بریکٹ مترجم نے خود ترجمہ کے اندر لکھا ہے۔ احسن) انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بڑی خوشی سے دیں گے۔ پس انہوں نے ایک چادر بچھائی اور ہر ایک نے اپنی لوٹ کی بالیاں اس پر ڈال دیں۔ سو وہ سونے کی بالیاں جو اُس نے مانگی تھیں وزن میں ایک ہزار سات سو مثقال تھیں۔ علاوہ اُن چندن ہاروں اور جھمکوں اور مدیانی بادشاہوں کی ارغوانی پوشاک کے جو پہنے تھے۔ اور اُن زنجیروں کے جو اُن کے اونٹوں کے گلے میں پڑی تھیں“ (قضاة 26-8/21)

یہاں صرف اس بات پر توجہ رہنا چاہیے کہ اس جنگ و شکست میں بار بار مدیانیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اہل مشرق کا سرسری ذکر ہوا ہے یعنی قیداری نسل کے لوگ اپنے چچا مدیان کی اولاد کے بادشاہوں کی فوج میں بھرتی ہو کر آئے تھے۔ اور مدیان وہ قوم ہے جس کی تباہی پر قرآن شہد ہے اور قیداری نسل اُن تمام اقدامات و اعمال میں اُس تباہی کی مستحق قوم کے ساتھ ہمنوا اور عامل چلی آرہی ہے لہذا اُس کا فنا کے گھاٹ اترنا بھی اُسی سبب سے قدرتی و لازم تھا جس سبب سے مدیانی نسل تباہ کی گئی تھی۔ اور اسی بنا پر زبور میں مدیانیوں اور اُن کے ساتھیوں کو دشمنان خدا قرار دیا گیا ہے اور اُن کو دنیا سے مٹا دینے کی بدعا کی گئی ہے جو قبول ہونا لازم تھا۔ زبور کی اس دعا میں مدیانیوں کے اُن حلیفوں کے برباد ہونے کی درخواست بھی ہے جو ”صور“ کے باشندے تھے۔ (زبور 83/7) لہذا قارئین آپ ان صورتوں کو یاد رکھیں یہ بھی قیداری نسل کے لوگ تھے اور اُن کی تباہی کے متعلق توریت کا ایک اور بیان سامنے آئے گا۔ فی الحال آپ علامہ سلیمان کا ایک اور بیان سنیں جس میں وہ قیداری نسل کی قدامت دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

(ہ) قیداری نسل کا وجود ثابت کرنا بھی ایک مصیبت بن گیا، وہ کاذب دشمن دین اور دشمن صلح ثابت ہو گئے

”ایک قوم ہونے کی حیثیت سے قیدار کا نام سب سے پہلے 1100 ق م میں حضرت داؤد کی زبور میں نظر آتا ہے۔ بنو قیدار اُس زمانہ میں خیموں میں رہتے تھے۔ حضرت داؤد بادشاہی سے پہلے بہت دنوں تک بنو قیدار کے خیموں میں رہے تھے (120-5) 1000 ق م میں حضرت سلیمان بھی اپنی غزل میں قیدار کے خیموں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کالے رنگ کے ہوتے ہیں۔ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 91) ان دونوں حوالوں سے تو یہ ثابت ہے کہ قیداری نسل 1100 ق م میں موجود تھی۔ مگر ان حوالوں سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ نسل ایک ہزار سال کے طویل زمانہ تک کہیں گوشہ گمنامی میں دفن پڑی رہی تھی۔ یہ اس لئے کہ اُن کا ابا قیدار 2000 قبل مسیح کا آدمی ہے۔ لہذا قارئین ہمارا بیان یاد کریں کہ قیداری نسل ایک

ہزار سال تک حضرت نابت علیہ السلام کے اور اُن کی اولاد کے ساتھ مل کر رہی اور چونکہ حضرت نابت اسماعیلی نسل کے پہلے امام اور بقول طبری، پہلے بادشاہ تھے لہذا قیداری نسل حکومت سے استفادہ کر کے پھلتی پھلتی رہی اور آسودہ حالی کی زندگی نے انہیں عیاشی و بد معاشی میں لگا دیا اور بدکاری کے لئے انہیں مدیانی نسل سے ربط و ضبط بڑھانے کا موقع ملا اور رفتہ رفتہ انہوں نے نابتی حکومت سے بغاوت کی اور اُن علاقوں پر قبضہ کر لیا جن پر انہیں گورنر و ناظم بنایا جاتا تھا۔ اور یوں وہ ٹھیلی نسل سے کٹ کر مدیانی حکومتوں سے ملحق ہو گئے۔ اور مدیانیوں کے ساتھ مل کر وہ تمام جرائم کرنے لگے جو مدیانیوں پر عذاب اور تباہی کا باعث ہوئے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر وہ کونسی مصیبت آپڑی تھی کہ انہیں شہر کی متمدن زندگی چھوڑ کر قیداری بدوؤں کے خیموں اور جنگلوں میں رہنا پڑا تھا؟ اس کا پتہ لگانے کے لئے ہمیں وہ حوالہ آپ کو دکھانا پڑے گا (5-120) جو علامہ نے قیداری وجود ثابت کرنے کیلئے لکھا اور خاموشی سے گزر گئے اور سوچا کہ کون مزید تحقیق اور توریث وزبور پڑھنے کی زحمت اٹھائے گا؟ بہر حال آپ زبور سے حضرت داؤد علیہ السلام کا بیان سنیں:

إِلَى الرَّبِّ صَرَخْتُ فَمَنْعَتْنِي فَمَا سَتَجَابَ لِي. يَا رَبِّ أَنْفَذَ نَفْسِي مِنْ شَفَةِ الزُّورِ مِنْ لِسَانِ الْمَكْر. مَاذَا يُجْعَلُ لَكَ وَمَاذَا يُدْرَأُ لَكَ يَا لِسَانَ الْمَكْر. نَبَأُ الْجَبَّارِ مَسْنُونَةٌ مَعَ جَمْرٍ جَمْرَ الرَّثَمِ. وَيَبُلُّ لِي فَانِي تَغْرَبْتُ فِي مَا شَكَّ سَكَنْتُ فِي أَحْبَبَةِ قَيْدَارٍ مَا أَطْوَلَ سَكْنِي نَفْسِي مَعَ مُبْعِضِي السَّلَام. إِنِّي لِلْسَّلَامِ وَحِينَ أَنْطِقُ بِهِ فَاَنْهَمُ لِلْحَرْبِ. (مزمور 119)

ہمارا ترجمہ:-

”میں نے اپنی جلا وطنی کی گھٹن سے تنگ آ کر اپنے پروردگار کے حضور میں چیخیں مار مار کر فریاد کی اور اُس نے قبول فرمایا میں نے عرض کیا کہ پروردگار میری جان کو ان فریب ساز ہونٹوں والوں سے اور ان مکارانہ زبان بولنے والوں کی ملاقات سے نجات عطا فرما دے۔ اے مکرو فریب کی زبان بولنے والو تمہارے ساتھ تو بین انگیز سلوک؟ افسوس ہے مجھ پر کہ میں مسک میں قیداری خیموں میں جلا وطن یہ تیروں سے زیادہ نوکیلے جملے اور ان کے ساتھ تو بین انگیز سلوک؟ افسوس ہے مجھ پر کہ میں مسک میں قیداری خیموں میں جلا وطن ہوں۔ مجھے ان صلح سے بغض رکھنے والے لوگوں میں رہتے ہوئے کتنا طویل زمانہ گزر گیا ہے؟ الٹی بات یہ ہے کہ میں تو ہر حال میں صلح دوست ہوں اور جب بھی میں صلح کی بات کرتا ہوں تو یہ قیداری لوگ آمادہ جنگ ہو جاتے ہیں۔“

ہمارا یہ ترجمہ عربی زبور کی اس عبارت کا ایسا ترجمہ ہے کہ کوئی بھی ترجمہ سے واقف عالم اس کے خلاف کچھ نہ کہہ سکے گا۔ اصول یہ ہے کہ جب بے جان چیزوں کو مخاطب کیا جاتا ہے جیسے کہ اللہ نے فرمایا کہ:-

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعَمِ اللَّهِ فَأَذَا اللَّهُ لَهَا لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ (نحل 16/112)

”اللہ ایک ایسی بستی کی مثال دیتا ہے جو امن و امان میں مطمئن رہتی تھی اور اُس کے لئے سامانِ حیات (رزق) ہر جگہ سے چلا آتا تھا۔ چنانچہ اُس بستی نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ اس لئے اللہ نے اس بستی کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا ان کی صنعت کار یوں کی بنا پر۔“

یہاں بستی سے مراد بستی کے باشندے ہیں۔ اور آیت کا آخری جملہ اس کا ثبوت ہے۔ لہذا حضرت داؤد کا یہ فرمانا کہ:

”اے مکرو فریب کی زبان“ اس سے مکرو فریب مقصود ہیں۔ نہ کہ گوشت کا لوتھڑا؟ جیسا کہ اردو کی توریث کے مترجمین کے تراجم میں بے

ڈھنگے پن کا قدم قدم پر مظاہرہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ لہذا اردو کی زبور سے یہی حوالہ پڑھیں۔

اردو کی زبور سے

”اپنی پریشانی میں میں نے خداوند کو پکارا۔ اُس نے میری سنی۔ اے خداوند میری جان کو جھوٹے ہونٹوں اور دغا باز زبان سے رہائی دے۔ اے جھوٹی زبان تجھے کیا دیا جائے اور تجھے کیا حاصل ہوگا۔ پہلوان (جبار کا غلط ترجمہ) کے تیز تیر رتمہ کے جلتے ہوئے (ایک بے تکا غیر متعلقہ جملہ لکھا) کو کلوں کے ساتھ۔ مجھ پر داویلا ہے کہ میں مسک میں سکونت کرتا اور قیدار کے خیموں کے پاس رہتا ہوں۔ میری جان اُنکے ساتھ جو صلح سے کینہ رکھتے ہیں۔ اپنے واسطے زیادہ عرصے سے رہتی ہے میں تو صلح کا آدمی ہوں لیکن جب میں بولتا ہوں تو وہ جنگ پر تیار ہو جاتے ہیں“۔ (زبور 120 پورا)

ایک اور اردو کی زبور

”میں نے مصیبت میں خداوند سے فریاد کی اور اُس نے مجھے جواب دیا۔ جھوٹے ہونٹوں اور دغا باز زبان سے اے خداوند میری جان کو چھڑا۔ اے دغا باز زبان تجھے کیا دیا جائے اور تجھ سے اور کیا کیا جائے؟ زبردست کے تیز تیر جھاؤ کے انگاروں کے ساتھ۔ مجھ پر افسوس کہ میں مسک میں بستا اور قیدار کے خیموں میں رہتا ہوں۔ صلح کے دشمن کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے بڑی مدت ہو گئی۔ میں تو صلح دوست ہوں۔ پر جب بولتا ہوں تو وہ جنگ پر آمادہ ہو جاتے ہیں“ (ایضاً)

ترجمہ کچھ بھی ہو یہاں دیکھیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام جس علاقہ میں ہیں اُس کا نام مسک ہے۔ اور جن لوگوں میں داؤد پیغمبرؑ جلاء وطن (تَغْرَبْتُ) کئے گئے ہیں وہ قیدار کی نسل ہے۔ قیدار کی نسل مکار دغا باز ہے، امن اور صلح کی دشمن ہے۔ جن کی یلغار اور ڈاکہ زنی علامہ سلیمان نے بھی مانی اور توریت میں بھی موجود ہے۔ یہ ہے قیدار کی نسل کا کیریکٹر کہ وہ اپنے ہاتھوں میں پھنسنے ہوئے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کو دن رات ستاتی رہی یہاں تک کہ مسک کا یہ علاقہ اور اس کے آس پاس کے تمام علاقوں اور شہروں، اُن کے تمام باشندوں اور قیداریوں پر ایک نیا عذاب مسلط ہوا۔

(و) قیداری نسل اور مسک اور گردونواح کے اقوام اور بادشاہ اللہ نے تباہ کر دیئے تھے

علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی لکھا تھا کہ 1100 ق م میں قیدار کے خیموں میں حضرت داؤد کا قیام تھا۔ اور زبور نے بتایا کہ وہ خیمے اور داؤد کا قیام مسک میں تھا۔ اب حضرت حزقیال نبی علیہ السلام پر نازل ہونے والا اللہ کا کلام اور فیصلہ سنئے اور اہل مسک یعنی قیداریوں کے لئے صف ماتم بچھائیئے: ارشاد ہے کہ:

اردو کی توریت اور قیدار اور اس کے حلیفوں کی تباہی و بربادی

”اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد جوج کی طرف جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور تُو بل کا فرماں روا ہے، متوجہ ہو اور اس کے خلاف نبوّۃ کر اور کہہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ اے جوج، روش اور مسک اور تُو بل کے فرمانروا میں تیرا مخالف ہوں۔ اور میں تجھے پھر ادوں گا۔ اور تیرے جڑوں میں آنکڑے ڈال کر تجھے اور تیرے تمام لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو سب کے سب مسلح لشکر ہیں جو پھر یاں اور سپریں لئے ہیں۔ اور سب کے سب تیغ زن ہیں۔ کھینچ نکالوں گا۔ اور اُن کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط جو سب کے سب سپر بردار ہیں۔ اور حُو د پوش ہیں۔ حُر اور اس کا تمام لشکر اور شمال کی دُور اطراف کے اہل شجر مہ اور ان کا تمام لشکر یعنی

بہت سے لوگ جو تیرے ساتھ ہیں۔ تو تیار ہو اور اپنے لئے تیاری کر۔ تو اور تیری جماعت جو تیرے پاس فراہم ہوئی ہے اور تو اُن کا پیشوا ہو۔ (38/1-7)

یہ خطاب مسلسل اور مفصل طور پر جاری ہے یہاں تک کہ فرمایا گیا کہ:- ”اور تیری کمان تیرے بائیں ہاتھ سے چھڑادوں گا۔ اور تیرے تیرے دھنے ہاتھ سے گرادوں گا۔ تو اسرائیل کے پہاڑوں پر اپنے لشکر اور حمایتیوں سمیت گرجائے گا۔ اور میں تجھے ہر قسم کے شکاری پرندوں اور میدان کے درندوں کو دوں گا کہ کھا جائیں۔ تو کھلے میدان میں گرے گا۔۔۔۔۔ تب اسرائیل کے بسنے والے نکلیں گے۔ اور آگ لگا کر ہتھیاروں کو جلائیں گے۔ یعنی سپروں اور پھریوں کو کمانوں اور تیروں کو اور بھالوں اور برچھیوں کو اور وہ سات برس ان کو جلاتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ نہ میدان سے لکڑی لائیں گے اور نہ جنگلوں سے کاٹیں گے کیوں کہ وہ ہتھیار ہی جلائیں گے۔ اور وہ اپنے لوٹنے والوں کو لوٹیں گے۔ اور اپنے غارت کرنے والوں کو غارت کریں گے۔ خداوند خدا فرماتا ہے اور اسی دن یوں ہوگا کہ میں وہاں اسرائیل میں جو جگہ کو ایک گورستان دوں گا۔ یعنی راہ گزروں کی وادی جو سمندر کے مشرق میں ہے۔ اس سے راہگزاروں کی راہ بند ہوگی اور وہاں جوج کو اور اس کی تمام جمعیت کو دفن کریں گے۔ اور جمعیت جوج کی وادی اس کا نام رکھیں گے۔ اور سات مہینے تک اُن کو بنی اسرائیل دفن کرتے رہیں گے۔ تاکہ ملک کو صاف کریں۔ ہاں اُس ملک کے سب لوگ ان کو دفن کریں گے۔ اور یہ اُن کے لئے ناموری کا سبب ہوگا۔۔۔۔۔ اور اے آدمزاد خداوند خدا فرماتا ہے۔ ہر قسم کے پرندے اور میدان کے ہر ایک جانور سے کہہ جمع ہو کر آؤ میرے اُس ذبیحہ پر جسے میں تمہارے لئے ذبح کرتا ہوں۔۔۔۔۔ ہر طرف سے جمع ہو کر تم گوشت کھاؤ اور خون پیو۔ تم بہادروں کا گوشت کھاؤ گے اور زمین کے اُمرا کا خون پیو گے“ (الخ) (حز قیال 18-1/ 39)

(ز) قیدار کی نسل پر اور اُن کے مسکنوں اور ساتھی باغی اقوام پر اللہ نے نوحہ پڑھنے کا طوطا حکم دیا ہے تو ریت سے سننے اور سر ڈھننے

علامہ سید سلیمان ندوی نے یہ مان کر کہ حضرت علیؑ اور محمدؐ دونوں نابت علیہ السلام کی نسل و اولاد سے کوئی اور نبی ہیں۔ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 59) پھر بھی قریشی پالیسی کی تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدار کی نسل و اولاد سے لکھ دیا (ایضاً جلد 2 صفحہ 91) اور جب لکھ دیا تو ہیرا پھیری کر کے بڑی تلاش سے قیدار کا وجود دکھانے کے لئے ادھر ادھر سے ایسے حوالے لکھے کہ قارئین کی تفریح طبع کا باعث بن گئے۔ اب ہم ایک آخری حوالہ نقل کرتے ہیں اور پھر تو ریت سے قیدار کی نسل کی تباہی کا حال آخری مرتبہ سنا کر اس عنوان کو ختم کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ سننے علامہ نے لکھا ہے کہ:

”حز قیال نبی جو بنو خزندہ کی ان جہاں سوزیوں کے زمانہ میں موجود تھے اور فلسطین سے قید ہو کر (597 ق م) میں بابل گئے تھے، قیدار کے شاہزادوں

کا ذکر کرتے ہیں کہ ”عرب اور قیدار کے تمام شاہزادوں نے بھیڑ بکری کا تجھ سے بیوپار کیا (27-21)“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 94-95)

ہم یہ عرض کریں گے کہ یہ حوالہ لکھ کر علامہ نے اپنے اور قیدار کی نسل کے گلے میں ایک اور مصیبت لٹکالی ہے۔ اس لئے کہ ہم تو تو ریت میں وہ مقام قارئین کو دکھائیں گے جہاں علامہ کا یہ حوالہ لکھا ہوا ہے۔ اور وہ مقام پڑھ کر علامہ کی کج نگاہی اور زبردستی حوالے چپکانے کا راز کھل جائے گا۔ لہذا ذرا سا ٹھہر کر یہ سوچیں کہ قیدار کے وہ ”شاہزادے“ کونسا لباس اور تاج پہن کر بھیڑوں اور بکریوں کو منڈی میں لاتے ہوں گے؟ یقیناً ٹانگوں میں پھٹا پرانا تہ بند ہوتا ہوگا۔ سر پر کوئی چیتھڑا لپیٹے ڈنڈا ہاتھ میں لئے ہٹو بچو کہتے ہوئے بازاروں سے گزرتے ہوں گے اور شہر کے کتوں کے لئے بھونکنے کا سامان بننے ہوں گے۔ بہر حال آپ اُن شاہزادوں پر نوحہ سننے:

”پھر خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدمزاد تو صورت (شہر و علاقہ کا نام) پر نوحہ شروع کر۔ اور صورت سے کہہ تجھے، جس نے سمندر کے مدخل میں جگہ پائی اور بہت سے بحری ممالک کے لوگوں کیلئے تجارت گاہ ہے۔ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ اے صورت تو کہتا ہے (یعنی تیرے باشندے کہتے ہیں۔ احسن) کہ ”میرا احسن کامل ہے“ تیری سرحدیں سمندر کے درمیان ہیں، تیرے معماروں نے تیری خوشمنائی کو کامل کیا ہے، انہوں نے سینر کے سرووں سے تیرے جہازوں کے تختے بنائے، لبنان سے دیودار کاٹ کر تیرے لیے مستول بنائے، بسن کے بلوط سے ڈانڈ بنائے، اور تیرے تختے جزائر کتیم کے صنوبر سے ہاتھی دانت جڑ کر تیار کئے گئے۔ تیرا بادبان مصری منقش کتان کا تھا۔ تاکہ تیرے لئے جھنڈے کا کام دے۔ تیرا شامیانہ جزائر الیہ کے کبودی و انغوانی رنگ کا تھا۔ صیدا اور اُرود کے رہنے والے تیرے ملاح تھے۔ اور اے صورت تیرے دانشمند تجھ میں تیرے ناخدا تھے۔ جبل کے بزرگ اور دانشمند تجھ میں تھے کہ رخنہ بندی کریں۔ سمندر کے سب جہاز اور ان کے ملاح تجھ میں حاضر تھے۔ کہ تیرے لئے تجارت کا کام کریں۔ فارس اور لُود اور فوط کے لوگ تیرے لشکر کے جنگی بہادر تھے۔ وہ تجھ میں سپہ اور خو دکولکاتے اور تجھے رونق بخشنے تھے۔ اُرود کے مرد تیری ہی فوج کے ساتھ چاروں طرف تیری شہر پناہ پر موجود تھے۔ اور بہادر تیرے برجوں پر حاضر تھے۔ انہوں نے اپنی سپہیں چاروں طرف تیری دیواروں پر لٹکائیں۔ اور تیرے جمال کو کامل کیا۔ ترسیس نے ہر طرح کے مال کی کثرت کے سبب سے تیرے ساتھ تجارت کی۔ وہ چاندی اور لوہا اور رانگا اور سیسا لاکر تیرے بازاروں میں سوداگری کرتے تھے۔ یاوان، توہل اور مسک (قیداری لوگ) تیرے تاجر تھے۔ وہ تیرے بازاروں میں غلاموں اور پیتل کے برتنوں کی سوداگری کرتے تھے۔ اہل ثجر نے تیرے بازاروں میں جنگی گھوڑوں اور خچروں کی تجارت کی۔ اہل دَدَّان تیرے تاجر تھے۔ بہت سے بحری ممالک تجارت کے لئے تیرے اختیار میں تھے۔ وہ ہاتھی دانت اور آبنوس مبادلہ کے لئے تیرے پاس لاتے تھے۔ آرامی (آرمینین) تیری دستکاری کی کثرت کے سبب تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ وہ گوہر شب چراغ اور انغوانی رنگ اور چکندوزی اور کتان اور مورنگا اور لعل لاکر تجھ سے خرید و فروخت کرتے تھے۔ یہود اور اسرائیل کا ملک تیرے تاجر تھے۔ وہ مہیت اور پنگ کا گیہوں اور شہد اور روغن اور بلسان لاکر تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ اہل دمشق تیری دستکاری کی کثرت کے سبب اور قسم قسم کے مال کی فروانی کے باعث خلون کی مے (شراب) اور سفید اون کی تجارت تیرے یہاں کرتے تھے۔ ددان اور یاوان اوزال سے تاج اور ابدارنولاد اور ”اگر“ تیرے بازاروں میں لاتے تھے۔ ددان تیرا تاجر تھا۔ جو سواری کے چارجے تیرے ہاتھ بیچتا تھا۔ عرب اور قیدار کے سب امیر تجارت کی راہ سے تیرے ہاتھ میں تھے۔ (الْعَرَبُ وَ جَمِيعُ رُؤَسَاءِ قَبِيْلَاتِهِمْ تُجَارُ يَدِكِ) (عربی تورات) وہ بڑے اور مینڈھے اور بکریاں لاکر تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ سبا اور عماہ کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے۔ وہ ہر قسم کے نفیس مسالے اور ہر طرح کے قیمتی پتھر اور سونا تیرے بازاروں میں لاکر فروخت کرتے تھے۔ حزان، کنہ اور عدن اور سبا کے سوداگر اور اُسور اور رکلمد کے باشندے تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے۔ یہی تیرے سوداگر تھے۔ جو لاجوردی کپڑے اور کخواب اور نفیس پوشاکوں سے بھرے دیودار کے صندوق ڈوری سے کئے ہوئے تیری تجارت گاہ میں بیچنے کو لاتے تھے۔ ترسیس کے جہاز تیری تجارت کے کارواں تھے۔ تو معمور اور وسط بحر میں نہایت شان و شوکت رکھتا تھا۔ تیرے ملاح تجھے گہرے پانی میں لائے، مشرقی ہوانے تجھ کو وسط بحر میں توڑا۔ تیرا مال و اسباب اور تیری اجناس تجارت اور تیرے اہل جہاز و ناخدا، تیرے رخنہ بندی کرنے والے اور تیرے کاروبار کے گماشتے اور سب جنگی مرد جو تجھ میں ہیں اُس تمام جماعت کے ساتھ جو تجھ میں ہے تیری تباہی کے دن سمندر کے وسط میں گریں گے۔ تیرے ناخداؤں کے چلانے کے شور سے تمام نواحی تھر جائے گی۔ اور تمام ملاح اور اہل جہاز اور سمندر کے سب ناخدا اپنے جہازوں سے اتر

آئیں گے۔ وہ خشکی پر کھڑے ہوں گے۔ اور اپنی آواز بلند کر کے تیرے سب سے چلائیں گے۔ اور زار زار روئیں گے۔ اور اپنے سروں پر خاک ڈالیں گے۔ اور راکھ میں لوٹیں گے۔ وہ تیرے سب سے سرمندا ئیں گے۔ اور ٹاٹ اوڑھیں گے۔ وہ تیرے لئے دل شکستہ ہو کر روئیں گے اور جاگداز نوحہ کریں گے۔ اور نوحہ کرتے ہوئے تجھ پر مرثیہ خوانی کریں گے، (حز قیال 32... 27/1)

یہ تھے قیدار کی نسل کے حالات اور ان کے تباہ و برباد ہونے کے واقعات جنہیں قریشی مورخین و محققین ہمیشہ چھپاتے رہے تاکہ کسی کو یہ معلوم ہی نہ ہو سکے کہ قیدار کی نسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے پندرہ سو سال پہلے فنا ہو چکی تھی۔ اور فراڈ کرنے والوں کو اس حقیقت کا علم تھا۔ لہذا انہوں نے اس کو مشکوک کرنے کے لئے تمام ممکن اسکیمیں بنائیں اور ان پر بڑی احتیاط اور باقاعدگی سے عمل کیا۔ اُن ہی میں سے ایک اسکیم یہ تھی کہ وہ نسب دانوں پر قابو حاصل کر سکیں۔ چنانچہ اُن میں جو لوگ نابغہ تھے۔ یعنی جو ذیل حرام سے پیدا کئے گئے تھے۔ وہ سب نسا بوں میں شریک ہو گئے تھے تاکہ وہ تمام ترکیبیں جاری کریں جن کا ذکر شجروں میں غلطیوں کی ذیل میں علامہ شبلی وغیرہ نے بطور عذرات کیا ہے۔ مثلاً محض بڑے بڑے اور مشہور مشہور لوگوں کے نام لے کر اور درمیانی پشتوں کو چھوڑ کر شجرے بیان کر دیئے جائیں اور لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے پسندیدہ قسم کے عذر کر دیئے جائیں۔ اسی قسم کے قریشی نسب دانوں کے چشم و چراغ خلیفہ دوم عمر بن الخطاب بھی تھے۔ جنہوں نے خاص طور پر حضرت نابت علیہ السلام کے نبطی خاندان کے شجروں کو بدنام کیا تھا (ارض القرآن) اور ہم نے اُن کا بیان سابقہ عنوان میں لفظ بلفظ لکھ دیا ہے۔ اسی قسم کے بے نام نسا بوں نے حضرت نابت علیہ السلام کو حضرت قیدار کا بیٹا بیان کیا اور طبری نے چھ مرتبہ ”نابت بن قیدر“ لکھا ہے۔ تاکہ اس فراڈ سے قیدار کی نسل کو برقرار رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدار کی مصنوعی نسل میں شریک کیا جائے۔ اور قیدار کی شجرہ کے خلا کو پُر کرنے کے لئے حضرت عدنان علیہ السلام کو اُن سے ملا دیا جائے۔ اس فراڈ کو توڑنے کیلئے ہی ہم نے یہ شرط لگائی ہے کہ ہمیں پہلے قیدار کے بیٹوں کے نام اور تعداد قدیم تواریخ سے بتائے جائیں۔ پھر قیدار کے اُس بیٹے کا نام بتایا جائے جس کی اولاد میں یہ قریشی نساب آنحضرت کو رکھنا چاہتے ہیں اور جس اولاد میں حضرت عدنان کو ملحق کرنا ہو، اور یوں ترتیب وار ساری دنیا مل کر بھی قیدار کا باقی رہنا ثابت نہیں کر سکتی۔ پھر ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم نے قیدار کی نسل کے تباہ اور فنا ہو جانے پر توریت و زبور سے ثبوت فراہم کیا ہے اسی طرح قیدار کی نسل کے برقرار رہنے پر ہمیں ثبوت فراہم کیا جائے۔ اور یہ بھی قریش کے لئے اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک موجودہ توریت و زبور کو دنیا سے مٹا کر دوبارہ اپنی پالیسیوں کے مطابق توریت و زبور تیار نہ کی جائے اور توریت و زبور کا مٹا دینا تو الگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اُن کا ایک شوشہ بھی نہ مٹائے جا سکنے کی پیشینگوئی فرمائی ہے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 27

علی نقی طهرانی: خطبہ نمبر: 27

خطبہ (27)

- 1- جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جسے اللہ نے اپنے مقرر و مخصوص کردہ حکمرانوں کے لئے کھولا ہے
- 2- جہاد ذمہ داریوں کی پوشاک ہے۔ اللہ کی عطا کردہ زرہ اور سپر ہے۔
- 3- جہاد سے پہلو بچانے والوں پر اللہ کی طرف سے تمام آفات و مصائب و آلام و ذلت مسلط کر دی جاتی ہے۔
- 4- حضرت علیؑ نے جہاد کی تبلیغ اور دعوت میں انتہائی کوشش کی۔
- 5- علیؑ کے ساتھ ایسے مسلمان بھی تھے جنہوں نے جہاد سے پہلو تہی میں کمینہ عذرات روا رکھے۔ اور علیؑ کی سیاست و طرز حکومت کو بدنام کیا۔ نافرمانیاں کیں۔ علیؑ کے قلب و ذہن کو مجروح کیا۔
- 6- معاویہ کے چھاپہ ماروں کی نہتے مسلمانوں، عورتوں اور بچوں پر یلغار، قتل عام اور لوٹ مار۔
- 7- حضرت علیؑ کی جنگی و سیاسی پوزیشن اور قوت فیصلہ۔
- 8- غدار ساتھیوں کی مذمت اور پوزیشن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَتَحَهُ اللّٰهُ لِحَاصَّةِ اَوْلِيَآئِهِ؛	حمد و ثنائے خداوندی کے بعد معلوم ہو کہ یقیناً مکمل جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک ایسا دروازہ ہے جس کو اللہ نے صرف اپنے مقرر کردہ اور مخصوص حکمرانوں کے لئے کھولا ہے۔
2	وَهُوَ لِبَاسُ التَّقْوَى؛	اور یہ کہ جہاد تمام ذمہ داریوں کی پوشاک ہے۔
3	وَدِرْعُ اللّٰهِ الْحَصِيْنَةُ؛	اور اللہ کی ایسی زرہ ہے جو قلعہ کی طرح محفوظ رکھتی ہے۔
4	وَجَنَّتُهُ الْوَثِيْقَةُ؛	اور اللہ کی ایسی ڈھال ہے جو تحفظ کا وثوق فراہم کرتی ہے۔
5	فَمَنْ تَرَكَهُ رَعْبَةً عَنْهُ الْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ الدَّلِّ وَشَمْلَةَ الْبَلَاءِ؛	چنانچہ جس کسی نے بھی جان بوجھ کر جہاد کو ترک کیا اللہ اسے ذلت کا لباس پہنا دیتا ہے۔ اور آفات و حادثات و آزمائشوں کا کوٹ پہنا دیتا ہے۔
6	وَدُبَيْتٌ بِالصَّغَارِ وَ لَقَمَاءٍ؛	بدنامی اور تنزل میں مبتلا رہنے کے لئے راندہ درگاہ کر دیا جاتا ہے۔
7	وَضُرِبَ عَلٰی قَلْبِهِ بِالْاِسْهَابِ؛	اور اللہ اس کے دل پر بے عقلی اور بے بضاعتی وارد کر دیتا ہے۔

<p>اور جہاد کو ضائع کرنے کے سبب حق اس سے سلب کر لیا جاتا ہے وہ باطل پر چلنے لگتا ہے غربت و بے چارگی میں دھنستا چلا جاتا ہے اور اسے انصاف سے محروم ہونا پڑتا ہے۔</p>	8	<p>وَ اَدِيْلَ الْحَقِّ مِنْهُ بِتَضْيِيعِ الْجِهَادِ وَسِيْمِ الْخَسْفِ وَ مِيعِ النَّصْفِ ؛</p>
<p>خبردار ہو جاؤ کہ میں نے تم کو یقیناً اس قریشی قوم سے جنگ کرنے کی دن رات دعوت دی ہے تمہیں نہایت رازداری سے بھی جنگ کی اسکیمیں سمجھائی ہیں اور برسر عام بھی اعلان جنگ کرتا رہا ہوں۔</p>	9	<p>اَلَا وَاِنِّيْ قَدْ دَعَوْتُكُمْ اِلَى قِتَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَيَالٍ وَ نَهَارًا وَّ سِرًّا وَّ اِعْلَانًا ؛</p>
<p>میں نے تم سے بار بار یہ کہا ہے کہ ان سے ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی تم جنگ کر لو۔</p>	10	<p>وَقُلْتُ لَكُمْ : اُعْزُوهُمْ قَبْلَ اَنْ يَّعْزُوَكُمْ ؛</p>
<p>خدا کی قسم وہ قوم ہمیشہ ذلت سے دوچار ہوئی ہے جس نے اس وقت جنگ شروع کی جب حملہ آور دشمن ان کے گھروں تک پہنچ گیا۔</p>	11	<p>فَوَاللّٰهِ مَا عَزَى قَوْمٌ قَطُّ عَقْرَ دَارِهِمْ اِلَّا ذُلُّوْا ؛</p>
<p>مگر تم آپس میں ایک دوسرے کو جنگی کارروائی کے لئے وکیل بناتے اور ٹالتے رہے۔ تم نے ایک دوسرے کی پشت پناہی اس وقت تک نہ کی جب تک خود تم پر قتل و غارت کا آغاز نہ ہو گیا۔</p>	12	<p>فَتَوَاكَلْتُمْ وَ تَحَادَثْتُمْ حَتَّى شُنِيتْ عَلَيْكُمْ الْغَارَاتُ ؛</p>
<p>اور جب تک تمہارے وطن کے لوگوں پر تمہارے دشمن نے حملہ کر کے قبضہ نہ کر لیا۔</p>	13	<p>وَمَلِكْتُ عَلَيْكُمْ اَلْاَوْطَانَ ؛</p>
<p>دیکھو کہ یہ غامدی (ابوسفیان بن عوف) اور اس کے چھاپہ مار سوار لوٹ مار اور قتل و غارت کے لئے شہر انبار پر چڑھ آئے۔</p>	14	<p>وَهٰذَا اَخُو غَامِدٍ وَ قَدْ وَرَدَتْ خَيْلُهُ الْاَنْبَارَ ؛</p>
<p>اور وہاں کے حاکم حسان ابن حسان الکبریٰ کو انہوں نے بے دریغ قتل کر دیا، اور وہاں سے تمہارے محافظ فوجی دستوں کو ان کی چھاؤنی سے نکال باہر کیا۔</p>	15	<p>وَقَدْ قَتَلَ حَسَّانَ ابْنَ حَسَّانَ الْبَكْرِيَّ ؛ وَ اَزَالَ خَيْلَكُمْ عَنْ مَسَالِحِهَا ؛</p>
<p>اور مجھے تو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان چھاپہ مار دستوں کا ایک ایک آدمی مسلمان یا ذمی عورتوں کے گھروں میں گھس جاتا تھا اور ان عورتوں کے زیورات، پیروں کے پازیب، ہاتھوں سے کنگن، گلے سے گلوبند اور کانوں سے بندے اور جھمکے اتار لیتا تھا۔</p>	17	<p>وَلَقَدْ بَلَّغْنِيْ اَنَّ الرَّجُلَ مِنْهُمْ كَانَ يَدْخُلُ عَلَى الْمَرْءَةِ الْمُسْلِمَةِ وَالْاُخْرَى الْمُعَاهِدَةِ فَيَنْتَزِعُ حِجْلَهَا وَ قَلْبَهَا وَ قَلَابِدَهَا وَ رِعَاثَهَا ؛</p>

18	وَمَا تَمْتَنِعُ مِنْهُ إِلَّا بِالِاسْتِزْرَجِ وَإِلِاسْتِرْحَامِ	ان لوگوں کو اس لوٹ مار سے روکنے والی کوئی صورت نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ وہ مظلوم عورتیں ہاتھ جوڑیں، منت اور رحم کی درخواست کریں۔
19	ثُمَّ انْصَرَفُوا وَافْرِينَ؛	یوں وہ لٹیرے لوٹ کے مال سے لدے ہوئے واپس پلٹ جاتے ہیں۔
20	مَانَالِ رَجُلًا مِنْهُمْ كَلِمٌ وَلَا أُرِيقَ لَهُمْ دَمٌ	نہ ان میں سے کسی شخص کو کوئی زخم لگتا ہے اور نہ کسی کا خون بہتا ہے۔
21	فَلَوْ أَنَّ أُمَّراً مُسْلِماً مَاتَ مِنْ بَعْدِ هَذَا أَسْفَاً مَا كَانَ بِهِ مُلُوماً؛	چنانچہ اگر ایک مسلمان شخص اس بے رحمی، بے بسی اور ظالمانہ سلوک پر صدمہ اور افسوس کرتا ہوا مر جائے تو اسے اس کی موت پر ملامت نہیں کی جاسکتی۔
22	بَلْ كَانَ بِهِ عِنْدِي جَدِيراً؛	اور میری رائے میں تو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ سننے والے شرم سے مرجائیں۔
23	فِيَا عَجَبًا عَجَبًا وَاللَّهِ يُمِيتُ الْقَلْبَ وَيَجْلِبُ لَهُمُ اجْتِمَاعُ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ عَلَى بَاطِلِهِمْ وَتَفَرُّقُكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ؛	مجھے تعجب بالائے تعجب ہے۔ خدا کی قسم دل پر مردنی چھانے لگتی ہے اور سینہ غم سے پھٹنے لگتا ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ قریشی قوم تو اپنے باطل مذہب اور منصوبے پر سو فیصد متحد اور متفق اور مجتمع ہے اور تم اپنے مذہب حق کے خلاف منتشر اور متفرق ہو۔
24	فَقَبْحًا لَكُمْ وَتَرَحُّاً حِينَ صِرْتُمْ غَرَضًا يُرْمَى؛	تمہارا استیہناس جائے تم پر غم و اندوہ چھا جائے تم تو خود ہی تیروں کا نشانہ بنے ہوئے ہو۔ (یعنی خود کو (Target) بنا رکھا ہے)
25	يُغَارُ عَلَيْكُمْ وَلَا تُغَيَّرُونَ؛	تم پر غارتگری کی جارہی ہے تم پر چھاپے مارے جارہے ہیں مگر تم غارتگری اور چھاپے مارنے کو تیار نہیں۔
26	وَتُغَزَوْنَ وَلَا تُغَزَوْنَ؛	تم سے بر ملا جنگ کی جارہی ہے مگر تم لڑنے کو آمادہ نہیں ہو۔
27	يُعْصَى اللَّهُ وَتَرَضُونَ؛	اللہ کے گناہ اور نافرمانیاں کی جارہی ہیں اور تم اس پر راضی ہو۔
28	فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِالسَّيْرِ إِلَيْهِمْ فِي أَيَّامِ الْحَرِّ قُلْتُمْ هَذِهِ حَمَارَةٌ الْقَيْظِ أَمْهَلْنَا يُسْبِخُ عَنَّا الْحَرُّ؛	میں نے جب کبھی تمہیں موسم گرما میں ان پر دھاوا کرنے کو حکم دیا تو تم نے کہا کہ یہ انتہائی شدت کی گرمی کا زمانہ ہے ہمیں اتنی مہلت دیں کہ گرمی کی یہ شدت کم ہو جائے۔
29	وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِالسَّيْرِ إِلَيْهِمْ فِي الشِّتَاءِ قُلْتُمْ هَذِهِ صَبَارَةٌ الْقَرِّ أَمْهَلْنَا نَيْسَلِخُ عَنَّا الْبَرْدُ؛	اور جب کبھی تمہیں موسم سرما میں اس قوم پر حملہ کے لئے کوچ کرنے کا حکم دیا تو تم نے جواب دیا کہ کڑا کے کی سردی پڑ رہی ہے ہمیں اتنی مہلت دیں کہ ذرا سردی قابل برداشت ہو جائے تب چلیں گے۔

30	یہ سردی اور گرمی سے بچنے کے بہانے دراصل سردی اور گرمی کی تکلیف سے فرار ہے۔	كُلُّ هَذَا فِرَارًا مِنَ الْحَرِّ وَالْقُرِّ؛
31	اور سوچو کہ جب تم سخت گرمی اور سخت سردی سے بھاگتے ہو تو تمہیں تلوار کی گرمی سے بہت زور سے بھاگنا لازم ہے۔	فَإِذَا كُنْتُمْ مِنَ الْحَرِّ وَالْقُرِّ تَفِرُونَ فَاَنْتُمْ وَاللَّهِ مِنَ السَّيْفِ أَفْرُ؛
32	اے مردوں کے مشابہ نہ مرد لوگو!	يَا أَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَلَا رِجَالٍ؟
33	اے بچگانہ سوچ بوجھ بوجھ رکھنے والے دانشورو!	حُلُومُ الْأَطْفَالِ؛
34	اور اے چار دیواری کے پیچھے پلنے والی پردہ نشین عورتوں کی عقل والے مردو!	وَعُقُولُ رَبَّاتِ الْحِجَالِ؛
35	کاش کہ نہ میں نے تمہیں دیکھا ہوتا اور نہ تم سے میری جان پہچان ہوئی ہوتی۔	لَوْ دِدْتُ أَنِّي لَمْ أَرَكُمْ وَلَمْ أَعْرِفْكُمْ؛
36	تم سے جان پہچان ندامت کا سبب بن گئی خدا کی قسم اس جان پہچان سے رنج و تکلیف میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔	مَعْرِفَةٌ وَاللَّهِ جَرَّتْ نَدَمًا وَأَعْقَبَتْ سَدَمًا؛
37	اللہ تمہیں غارت کرے تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے۔	فَاتَلَّكُمْ اللَّهُ لَقَدْ مَلَأْتُمْ قَلْبِي قَيْحًا؛
38	اور میرے سینے کو غیظ و غضب سے چھلکا دیا ہے۔	وَسَحَّخْتُمْ صَدْرِي غَيْظًا؛
39	تم نے مجھے ہر سانس پر رنج و غم کے جام پلائے ہیں۔	وَجَرَّعْتُمُونِي نَعْبَ التَّهْمَامِ أَنْفَاسًا؛
40	مسلل میری نافرمانیاں کر کے اور مجھے میری پالیسیوں میں تنہا چھوڑ کر تم نے میری رائے اور فیصلوں کو بدنام کر دیا یہاں تک کہ قریش ایسے گھٹیا لوگ کہنے لگے کہ۔	وَأَفْسَدْتُمْ عَلَيَّ رَأْيَ بِالْعَصِيَانِ وَالْخِذْلَانِ حَتَّى قَالَتْ قُرَيْشٌ:
41	”یہ تو ایک حقیقت ہے کہ علی بن ابی طالب ایک بہادر آدمی ہے مگر اسے جنگ کا علم نہیں ہے۔“	إِنَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ رَجُلٌ شَجَاعٌ وَلَكِنْ لَا عِلْمَ لَهُ بِالْحَرْبِ؛
42	ان کے باپ خدا کے حوالے، کیا ان میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا ہے جس کو مجھ سے سخت تر جنگی تجربات ہوئے یا وہ اس میدان میں مجھ سے قدیم تر ہو؟	لِلَّهِ أَبُوهُمْ! وَهَلْ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَشَدُّ لَهَا مِرَاسًا وَأَقْدَمُ فِيهَا مَقَامًا مَنِي؟
43	میں تو ابھی بیس سال کی عمر کو بھی نہ پہنچا تھا کہ جنگ و قتال کے میدان میں آ گیا تھا	لَقَدْ نَهَضْتُ فِيهَا وَمَا بَلَغْتُ الْعِشْرِينَ؛
44	اور اب تو میں ساٹھ سال کی عمر تک آ گیا ہوں اور جنگ کا طویل ترین علم رکھتا ہوں۔	وَهَا أَنَا ذَا قَدْ دَرَفْتُ عَلَى السِّتِينَ؛
45	لیکن بات یہ ہے کہ اس رائے اور فیصلے کی قدر و قیمت کیسے معلوم ہو سکتی ہے جس کو آزمایا ہی نہ گیا ہو؟ کسی نے اس پر عمل ہی نہ کیا ہو؟	وَلَكِنْ لَا رَأْيَ لِمَنْ لَا يُطَاعُ؛

تشریحات:

حضرت علیؑ کے خطبات اور تعاون کی اپیلیوں پر منفی ردِ عمل ظاہر کرنے والا گروہ قریشی ساتھیوں یا سازشی صحابہ پر مشتمل تھا

قارئین کو حضرت علیؑ علیہ السلام کے بعض خطبوں کو پڑھتے ہوئے رنج و ملال ہوگا۔ اس لئے کہ وہ حضرت علیؑ کے دردناک خطبوں کو پڑھتے ہوئے دیکھیں گے کہ حضرت علیؑ کے صحابہ حضورؐ کی مدد سے کتر رہے ہیں۔ ایسے خطبات سے قاری کے دل پر حضرت علیؑ علیہ السلام کی بے بسی و بے کسی چھا جائے گی۔ قاری کے دل میں رنج و ملال کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ سب لوگ اٹھتے اور حضورؐ کی مدد کرتے۔ یعنی اگر قاری اُس وقت موجود ہوتا تو وہ ضرور نصرت کرتا۔ یہ جذبات قاری کو اللہ کے یہاں محمدؐ و آل محمدؐ کے ناصروں میں شکر کرائیں گے۔ لیکن اس سلسلے میں حقیقت حال کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کو کسی جنگ میں کبھی اور کسی زمانہ میں شکست نہیں ہوئی خواہ وہ تنہا لڑنے کے لئے گئے ہوں یا فوج لے کر گئے ہوں۔ لہذا بڑی بے انصافی ہوگی اگر اُس فوج کو بُرا سمجھیں جس نے کبھی شکست نہ کھائی ہو۔ اور جو اپنا راشن، اسلحہ اور لباس اپنے گھر سے لاتی ہو۔ جسے نہ مال غنیمت لوٹنے کی اجازت ملے اور نہ کوئی تنخواہ دی جاتی ہو۔ جو صرف فی سبیل اللہ جہاد کیلئے آتے تھے اور اپنے اہل و عیال اور کاروبار کو خیر باد کہہ دیتے تھے اور اپنی جان و مال حضرت علیؑ کے اشارہ پر قربان کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ درحقیقت وہ شکوے اور دردناک اپیلیں اپنے حقیقی صحابہ اور حقیقی مسلمان فداکاروں کو مخاطب نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ اُن کے مخاطب وہی قریشی صحابہ اور قریشی مسلمان ہوتے تھے جن سے عہد رسولؐ میں اللہ نے بار بار اپیلیں کیں سینکڑوں میں سے ایک اپیل سنئے۔ اپیل قریشی مومنین سے کی جا رہی ہے کہ:

مودودی ترجمہ ”آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس لہتی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔“

مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا (نساء 4/75)

علامہ کی تشریح ”(104) اشارہ ہے اُن مظلوم بچوں، عورتوں اور مردوں کی طرف جو مکہ میں اور عرب کے دوسرے قبائل میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر نہ ہجرت پر قادر تھے اور نہ اپنے آپ کو مظالم سے بچا سکتے تھے۔ یہ غریب طرح طرح سے تخریب مشق ستم بنائے جا رہے تھے اور دعائیں مانگتے تھے کہ کوئی انہیں اس ظلم سے بچائے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول 372-373)

مودودی قریش پرست ہیں اس لئے نہ علم لَدُنِي پسند کرتے ہیں نہ لَدُنِي وَلِيٍّ وَنَصِيرًا اُن کو پسند ہے۔

آپ نے اللہ کی اپیل دیکھی اور وہ دردناک حالت ملاحظہ کی جس کے لئے اپیل کی گئی مگر عہد رسولؐ کے وہ مومنین ٹس سے مس نہ ہوئے تھے۔ اسی طرح کی صورت حال حضرت علیؑ کی مملکت میں معاویہ نے پیدا کر رکھی تھی۔ اُس کی فوجوں کے چھوٹے چھوٹے دستے سارے ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ دیہاتوں میں نہتے لوگوں، عورتوں بچوں کا قتل عام کرتے اور لوٹ مار کرتے اور سامان لاد کر لے جاتے تھے۔ اور حضرت علیؑ قریشی مومنین سے اپیلیں کرتے رہتے تھے۔ مندرجہ بالا آیت کے آخری دو جملے غور طلب ہیں۔ جو قریشی علماء کیلئے فاج کا حکم رکھتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ مودودی نے لفظ ”وَلِيًّا“ کا ترجمہ ”حامی“ کیا ہے اور حامی خود عربی کا لفظ ہے۔ یعنی حمایت کرنے والا۔ یہ ترجمہ اس لئے بھی غلط ہے

کہ دوسرے جملے میں لفظ ”نَصِيرًا“ آیا ہے اور مودودی نے اُس کا ترجمہ ”مدگار“ کیا ہے جو صحیح ہے۔ چونکہ مدگار حمایتی ہی ہوتا ہے اس لئے مودودی کی رو سے لفظ ”وَلِيًّا“ بلا ضرورت اور عبث ہو کر رہ گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ”وَلِيًّا“ کے معنی نصیر ہی ہوتے تو دونوں میں سے ایک لفظ کا لانا کافی ہو جاتا۔ یعنی آیت کا ایک جملہ بھی بے کار اور فضول ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر یہ سوچئے کہ اگر اُس وقت تک کوئی ولی اور نصیر معلوم و موجود ہوتا تو یہ عیا فریاد غلط ہو جاتی۔ پھر تو یہ کہنا چاہتے تھے کہ:

”اے اللہ تو ہمیں ظلم سے بچانے کے لئے فلاں ولی یا نصیر کو بھیج۔“ اور پھر یہ سوچئے کہ بقول مودودی سورہ نساء 3ھ سے 5ھ ہجری تک نازل ہوئی تھی۔ یعنی رسول اللہ موجود تھے۔ اور فریاد کرنے والے مومنین کو معلوم تھا اس لئے کہ وہ اللہ و رسول پر ایمان لائے تھے۔

ان کا یہ کہنا کہ:- **وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا** O

1- اور ہمارے لئے اپنی طرف سے ایک ولی متعین کر دے“

2- اور ہمارے لئے اپنی طرف سے ایک نصیر متعین فرما دے“

بتاتا ہے کہ جس ولی اور نصیر کی بات ہو رہی ہے وہ رسول اللہ خود نہیں ہیں اور نہ وہ رسول کی طرف سے ولی و نصیر مانگ رہے ہیں۔ یہ بھی غور طلب بات ہے کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ:

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَنَصِيرًا۔ ”اور ہمارے لئے اپنی طرف سے ایک ولی اور نصیر متعین کر دے“

وہ دو جملوں میں الگ الگ ولی و نصیر کا تعین چاہتے ہیں۔ مکمل بحث آگے تفصیلاً سامنے آئے گی یہاں تو یہ سمجھ لیں کہ اللہ کی طرف سے متعین ہونے والا ولی نہ رسول تھے نہ کوئی اور تھا۔ سوائے حضرت علی علیہ السلام کے وہی حاکم مطلق ولی مطلق اور ذاتی طور پر نصیر تھے۔

خطبہ کے متعلق یاد کر لیں کہ حضرت علی علیہ السلام تنہا ساری مخالف قوم کو اُن کی آن میں شکست دینے کی قدرت رکھتے تھے اور تنہا معاویہ پر حملہ کے لئے روانہ ہو گئے تھے تاکہ حقیقی مومنین کو دکھا دیں کہ قریشی صحابہ اسلام کے اور علی کے کتنے ہمدرد ہیں۔ رہ گئے حقیقی مومنین وہ بلا اجازت بولتے بھی نہ تھے۔ سُننے اور قریشیوں کا حال دیکھتے رہتے تھے اور اشارہ ملتے ہی تن من دھن سے نصرت کو تیار ہو جاتے تھے۔ یعنی علی بے یار و مددگار بے بس کبھی نہ تھے۔

الْجَهَّادِ اور اس کی عظمت

حضرت علی علیہ السلام نے اس خطبہ کا افتتاح جہاد کی عظمت اور کیفیت سے کیا ہے۔ اور پہلے چار جملوں میں جہاد کی حقانیت، شناخت اور اثر انگیزی میں جو کچھ فرمایا ہے وہ بیان کر دیئے جانے کے بعد بھی مترجمین کی سمجھ سے باہر ہی رہا ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے حضور کو چکا چوند سے بچنے کا چشمہ لگا لگا کر دیکھا ہے۔ جیسا کہ علامہ رومی نے فرمایا تھا کہ: **تَوَعَّلَى رَا زَتَارِكِي دِيْدِهٖ اِي**

مسلمان عوام ہوں یا علما ہوں اُن کے ذہن میں نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کی طرح جہاد کا بھی اتنا ہی گھٹیا تصور جما ہوا ہے جتنا قریشی راہنمائی سے سمجھ میں آسکتا تھا۔ انہوں نے ان پانچوں چیزوں کو بڑی سختی و پابندی سے اختیار کیا تاکہ نتیجہ میں مارشلزم قائم کر کے دنیا کو بزورِ شمشیر زیرِ نگین لایا جاسکے (بقرہ 204-205 / 2) اور تمام ممالک میں قتل و غارت اور لوٹ مار کر کے اہل عرب کو دولت مند بنایا جاسکے۔ چنانچہ انہوں نے نماز کو فوجی حاضری کا ذریعہ بنایا تاکہ دن میں سارے ملک کی پانچ یا تین مرتبہ تعداد اور حاضر و غیر حاضر لوگوں پر احکام نافذ کرنے میں سہولت رہے۔ جو حاضر نہ ہوں انہیں مخالف سمجھا جائے اور تنبیہ و تعزیر سے جبراً قابو میں رکھا جاسکے۔ اور جب پبلک کی یا ملک کی تعداد معلوم رہے گی تو حکومت اور فوج

کے اخراجات کے لئے زکوٰۃ بہت مفید اور وصولیابی قطعاً آسان ہو جائے گی۔ روزے رکھا کر فوجی مشقوں اور راشن بندی میں مدد ملی جائے گی حج موقع دے گا کہ پوری مملکت کے نمایاں اور آسودہ حال مسلمانوں سے رابطہ رہے اور ان کی افرادی و مالی حالت معلوم رہے اور ضرورت کے مطابق استعمال کی جاسکے۔ اور جب کسی قوم پر اجتماعی ڈاکہ ڈالنا مقصود ہو تو اللہ اکبر کا نعرہ مار کر جہاد کا اعلان کر کے دھاوا بول دیا جائے۔ چنانچہ قارئین جہاد کی دھمکیاں، جہاد کے نعرے اور جہاد کی باتیں سنتے رہتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ قارئین اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہیں اور دُہرا افسوس ہے کہ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے لاعلم کیوں ہیں؟ سنئے کہ قریشی لیڈروں کو معلوم تھا کہ فوج میں بہت لکھے پڑھے لوگ فوجی مقاصد کو نقصان پہنچا دیا کرتے ہیں۔ وہ عین حملہ کے موقع پر اپنے لیڈروں سے حملہ کی وجہ اور طریقہ پوچھنے میں خود کو برسرِ حق سمجھتے ہیں۔ اور ضروری ہے کہ عام فوجیوں کو حقیقی سبب نہ بتایا جائے بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ جب سے افواج میں بی اے، ایم اے تعلیم والے لوگ آئے ہیں۔ جنگی کارروائیاں ناکام ہوتے ہوتے بند ہو گئی ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں اور چوہ و چرا اور ان کے جواب ہی میں برسوں گزر جاتے ہیں۔ لیکن جب تک افواج میں ان پڑھ اور جہلا رہے۔ فوجی کارروائیاں بڑی تیزی سے کامیاب ہوتی رہیں۔ اُس قدیم مارشلز م کے اصول پر لازم تھا کہ قریشی راہنما تعلیم کو عام نہ کریں۔ اور علما کو میدان جنگ اور جنگی سرداری سے دور رکھیں۔ انہیں علم کی چادر یواری میں بند رکھ کر باہر کی دنیا سے جاہل رکھیں اور اپنے لئے ان سے مفید قوانین بنواتے رہیں۔ اُس ابتدا کو ایسی شان، اہتمام اور سختی سے برسرِ کار لایا گیا کہ آج تک بھی مسلمان علوم اسلام سے دور و نا بلد ہیں۔ چنانچہ عرب ممالک جب دل چاہتا ہے ریڈیو پر اسرائیل کے یا کسی بھی حکومت کے خلاف اعلان ”جہاد“ کرتے رہتے ہیں۔ یعنی مطلب تو ان کا یہ ہوتا ہے کہ ہم تم پر حملہ کر دیں گے۔ یعنی جنگ کریں گے۔ مگر وہ لفظ جنگ نہیں بولتے بلکہ لفظ ”جہاد“ کہتے ہیں تاکہ مسلمان عوام جوش میں آجائیں اور ان سے جنگ کو جہاد سمجھ کر ہر ممکن تعاون کریں اور جنگ ہوتی ہے تو وہ جہاد سمجھ کر سردھڑکی بازی لگا دیتے ہیں۔ جیسا کہ مسٹر یا طاغوت خمینی نے عراق کی مسلمان حکومت کے خلاف اعلان جنگ نہیں بلکہ اعلان جہاد کیا۔ لوگوں نے، فوجی قواعد سے ناواقف لوگوں نے خود کو مجاہد جنگ پر لکھیوں اور چھروں کی طرح مرنے کو پیش کیا اور عراقی افواج نے ان کو بھون کر رکھ دیا۔ حد ہو گئی کہ پاکستان سے بھی بہت سے نام نہاد جاہل شیعوں نے خود کو پیش کیا تھا۔ مگر حکومت کی پابندیوں کی وجہ سے مرنے کو جانہ سکے ورنہ یہاں کے شیعوں کو جہنم واصل ہونے والی شہادت نصیب ہو جاتی۔ اور قبل قیامت ہی اپنی صحیح منزل پر پہنچ جاتے۔ جہاد کا نعرہ مارتے ہی شیعہ ہوں یا سنی ہوں، اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ گالیاں اور عورتوں کی طرح کوسنوں پر اتر آتے ہیں۔ خدام کو آج تک صدام کہا اور لکھا جا رہا ہے۔ ہم نہ عراق کے طرف دار ہیں نہ ایران سے ہمیں دشمنی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ دونوں باطل پرست ہیں اور ان کے باطل ہونے کی سب سے بڑی اور موٹی شناخت یہ ہے کہ وہ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اپنی کافرانہ جنگ کو جہاد کہتے چلے آئے ہیں۔ آئیے ہم اپنے قارئین کو حضرت علی علیہ السلام کی زبان سے اُس عظیم ترین دینی رکن سے متعارف کرائیں جسے اللہ نے لفظ ”جہاد“ سے ہمیں سمجھایا ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ:-

فَإِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَتَحَهُ اللَّهُ لِحَاصَّةِ أَوْلِيَّائِهِ ؛ وَهُوَ لِبَاسُ التَّقْوَى ؛

وَدِرْعُ اللَّهِ الْحَصِينَةُ ؛ وَجُنَّتُهُ الْوَثِيقَةُ ؛ (خطبہ 27، جملہ نمبر 1 تا 4)

مُتْرَحِ تَرْجَمِه ”چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ مکمل جہاد (الجہاد) جنت کے دروازوں میں سے ایک ایسا دروازہ ہے جسے اللہ نے صرف اپنے خاص حکمرانوں کے لئے کھولا ہے۔ اور یہ کہ مکمل جہاد تمام قسم کی ذمہ داریوں سے تیار کی ہوئی پوشاک ہے جو ان ہی مخصوص حکمرانوں کے لئے ہے۔ اور یہ

کہ جہاد اُن مخصوص و مقرر کردہ حکمرانوں کے لئے ایسی زرہ ہے جو انہیں قلعہ کی طرح محفوظ رکھتی ہے۔ اور یہ ایک ایسی ڈھال یا سپر ہے جو انہیں دشمن کے ہتھیاروں اور حملوں سے محفوظ رہنے کا وثوق و یقین فراہم کر دیتی ہے۔“

اب قارئین! ہمیں اُس جنگ یا جہاد کا نام بتائیں اور اُس لیڈر سے ہمارا تعارف کرائیں جو اُس جنگ یا جہاد کا راہنما، لیڈر یا سردار یا قائد تھا اور جس کے لئے وہ جنگ یا جہاد زرہ اور سپر بن گیا تھا اور اُسے کوئی زخم لگا نہ ضرر پہنچا۔ جو تیروں، نیزوں، سنانوں، برچھیوں اور تلواروں کی بارش میں بے خوف و خطر پھر رہا ہے اور جسم پر نہ کوئی زرہ تھی نہ ڈھال تھی؟ گلے میں ایک پرانا سا کرتہ تھا۔ ننگے سر تھا۔ ٹانگوں میں معمولی روزمرہ والا پاجامہ تھا۔ ٹوٹی ہوئی جوتی پیروں میں تھی؟ اگر آپ کے حافظہ میں ایسے نام ہوں جو لوہے کی زرہ و بکتر پہنے ہوئے ہوں۔ ڈھال ساتھ ہو اور جہاد کے میدان میں مادی تحفظ کا انتظام کر رکھا ہو اور پھر بھی زخمی ہوا ہو تو وہ نام ہمیں نہ بتائیے۔ اس لئے کہ اُن کی جنگ کو جہاد کہنا غلط ہے نہ جہاد پر انہیں مختار و مجاز مانا جاسکتا ہے۔ جن کا تحفظ خود جہاد نے نہ کیا ہو۔ جو شخص اللہ کی طرف سے جہاد پر مختار و مجاز بنایا جائے گا اُس کا تحفظ کرنا خود اللہ اور جہاد کی ذمہ داری ہے۔ اور وہی شخص وہ مخصوص اور خدا کا مقرر کردہ ولی یا حکمران ہے جس کو جہاد تمام حالات میں محفوظ رکھے۔ اور کبھی میدان جنگ میں زخمی نہ ہونے پائے۔ ورنہ نہ وہ جنگ جہاد ہوگا نہ وہ حکمران اللہ کا مخصوص ولی ہوگا جس میں زخم لگے اور جو زخمی ہو جائے۔ اور جس قائد کو جہاد خود محفوظ رکھے وہی وہ مخصوص ولی اللہ ہوگا جس کے لئے اللہ نے جہاد کو جنت کا دروازہ بنایا ہے اور اُس ولی اللہ کی سرکردگی میں قتل ہونے والے مجاہد یقیناً جنت میں جانے والے ہوں گے۔ ورنہ نہیں۔ اور اُسی ولی اللہ کی اجازت سے کی جانے والی ہر جنگ جہاد کہلائے گی۔ ورنہ نہیں۔ اُس کے مقرر، متعین کردہ قائدین ہی مجاہدین کے حقیقی سردار ہوں گے ورنہ نہیں۔

2۔ حضرت علیؑ امت محمدیہ کیلئے وہ ولی ہیں جن پر جہاد محافظ تھا اور جن کی رضامندی کے بغیر کوئی جنگ جہاد نہیں ہے

یہاں قرآن کریم سے اُس ولی اللہ یا خدائی حکمران کی تعیناتی بھی دیکھ لی جائے جس کے تقرر کے بغیر کوئی جنگ جہاد نہیں ہو سکتی تھی۔ اور جس کی تعیناتی کے لئے مظلوم و مقہور و بے کس لوگوں نے اللہ سے دعائیں اور فریاد کی اور جس نے ظالموں کی کمر توڑ کر ہمیشہ کے لئے ہتھیار رکھوا لئے تھے اور جس کے ماتحت جنگ کرنے والی فوج کو کبھی شکست نہ ہوئی۔ اللہ نے فرمایا کہ:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا (نساء 75/4)

”اے قریشی مسلمانوں تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راہ میں، اُن بے بس اور مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں پر بھی رحم کھا کر جنگ نہیں کرتے جو کمزور و بے بس سمجھے جاتے جا رہے ہیں؟ اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی (مکہ) سے محفوظ نکال لے جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور اے پروردگار اپنی طرف سے ہمارے بچانے کے لئے ایک درد مند ہمدرد حاکم (ولی) مقرر فرما دے اور اپنی طرف سے ایک مددگار تعینات کر دے۔“

قارئین نوٹ کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ مطلوبہ ولی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ حضورؐ تو بقول قریش بھی، چودہ پندرہ سال سے ایک رسول اور نبی کی حیثیت سے موجود چلے آ رہے تھے۔ مگر مکہ کے مظلوم مسلمان آنحضرتؐ پر ایمان رکھنے کے باوجود اب ایک اور ولی اور نصیر کی تقریر کی دعا کر رہے ہیں۔ اور ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام ہی وہ بزرگ و برتر و شجاع شخصیت تھے۔ جنہوں نے قریش کے ہر تنگ زن بہادر کو قتل

کیا۔ قریشی افواج کے گھٹنے زمین پر ٹکوا دیئے۔ اور اُن ہی کی تلوار و تقریر سے قریش نے اپنے لیڈروں کے جسموں (بتوں) کو خیر باد کہا تھا۔ اور حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں انہیں بھی پاش پاش ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور جبراً و قہراً اطلاق کے لقب سے اسلام اختیار کر لیا تھا۔ اور پھر اللہ و رسول کی جگہ علیؑ اور اولاد علیؑ ہی سے اپنی شکست و ریخت کا انتقام لینے کے لئے حکومتِ رسول پر قبضہ کرنے کا محاذ بنایا تھا (الفاروق حصہ اول صفحہ 103 اور طبری ترجمہ حصہ سوم صفحہ 282-279) اور اُن ہی کے خاندان کا قتل عام کیا تھا۔ اور ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ علیؑ ہی تھے جو میدان جنگ میں تیروں کی بوچھاڑ میں صرف ایک کرتہ پا جامہ پہنے ہوئے مطمئن اور بے خوف پھرتے رہتے تھے۔ اور پوچھنے والوں کو بتایا تھا کہ:-

”رسولؐ نے فرمایا تھا کہ تم گھوڑا اور تلوار رہنے دو یہ دونوں جہاد میں تمہارے کام آئیں گی۔ مگر زرہ کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔ اُسے تم فروخت کر کے اپنی شادی کا انتظام کر لو“۔ اس فرمان کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ مجھے دورانِ جہاد و جنگِ زخم نہیں لگ سکتا چنانچہ میرا تحفظ اللہ، رسولؐ اور جہاد کی اپنی ذمہ داری ہے۔

3- ایک مکمل غلط فہمی کا ازالہ

قارئین کو یہ خیال آسکتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام میدانِ جہاد میں نہ صرف زخموں سے چور چور ہوئے بلکہ وہ حضرت مقتول بھی ہوئے تھے۔ کیا اُن کا جہاد فی سبیل اللہ نہ تھا؟ یا وہ جہاد کے مجاز و مختار نہ تھے؟

یہاں قارئین کو دو باتیں سامنے رکھنا ہوں گی۔ اول یہ کہ اُمت محمدیہ میں دوسرے محمد تک یا یہ کہنے کے گیارہویں امام علیہ السلام کے آخری زمانہ تک تمام اسلامی جہاد و جنگوں کے ولی مطلق حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ اور باقی تمام حضرات علیہم السلام مجاہد ہیں جہاد کے ولی نہیں ہیں۔ اور مجاہدین کے شہید ہونے کے متعلق اس خطبہ 27 میں ممانعت نہیں ہے۔ اور قرآن کریم بھی مجاہدین کے شہید ہونے اور دشمنوں کو قتل کرنے کی اطلاع دیتا ہے (فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ 9/111) لہذا خطبہ میں صرف جہاد کے ولی کی بات ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ ائمہ علیہم السلام کو اُن کی موت و حیات پر مختار بنایا گیا تھا (کافی) اگر وہ حضرات مشیت کے ماتحت قتل ہو جانا پسند کر لیتے تھے تو خدائی تحفظ الگ کر لیا جاتا تھا۔ اور عام تو انین اُن پر اثر انداز ہوتے تھے۔ یہی دلیل ہے آخری محمدؐ کے زندہ رہنے کی۔

4- حضرت علیؑ خود رسول اللہ کے لئے، بحکم خدا، ولی و نصیر تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی قرآن نہ پڑھے یا کج نگاہی برتے

ہم نے حضرت علیؑ علیہ السلام کو ولی مطلق لکھا ہے۔ اس لئے کہ ہمیں قرآن کا یہ اعلان یاد ہے کہ:

وہ کام جن کے کرنے سے آنحضرتؐ مقام محمود میں مبعوث ہوں گے، حق قائم ہوگا، باطل فرار کرے گا

”اے نبیؐ نماز قائم کر زوال آفتاب سے لے کر رات کا اندھیرا ہو جانے تک اور فجر کو قرآن کو پڑھو اس لئے کہ قرآن کا صبح کو پڑھنا شہادت کو چشم دید بنا دیتا ہے۔ اور رات کو تہجد پڑھنا اختیار کر، یہ صرف تمہارے لئے فاضل عبادت ہے اس طرح تمہارا پروردگار تمہیں اس مقام پر مبعوث کرے گا جو اللہ کے نزدیک بھی قابلِ حمد و ثنا ہے۔ اور ان عبادتوں کے دوران یہ دعا کیا کرو کہ اے پروردگار مجھے جہاں بھی داخل کر سچائی کے ساتھ داخل کرنا اور جہاں سے بھی نکالے سچائی میرے ساتھ ساتھ رہے اور یہ کہ میرے لئے اپنی جانب سے ہر ایک تمنا اور مقصد میں مدد کرنے والا سلطان مقرر فرما دے۔ اور اُس سلطان کے تقرر کے ساتھ ہی اے رسولؐ تم اعلان کر دینا کہ:

وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نَصِيْرًا ۝ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبٰطِلُ اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زُهُوْفًا ۝

”الْحَقُّ آگیا اور الباطل مٹ گیا اور باطل تو تھا ہی مٹنے کے لئے“ (بنی اسرائیل 81-17/78)

قارئین کو یاد ہے کہ اللہ نے مکہ کے مظلوم و بے بس مسلمانوں کی دعا نقل فرمائی تھی جس میں انہوں نے رسول کی موجودگی کو کافی نہ سمجھ کر اُس ولی مطلق کی تقرری کی دعا کی تھی جو انہیں قریشی ظلم و استبداد سے نجات دلا کر اُن کی ظالمانہ قوت کو تباہ کر دے گا (نساء 4/75)۔ اُسی ولی مطلق کو سُلْطَانًا نَصِيرًا فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیام مکہ ہی میں تاکید کی گئی تھی اور وہ عبادتیں کرنے کا حکم دیا تھا جو اس ولی و سلطان کو مقرر کرانے والی تھیں۔ لہذا جہاں امت کو حضرت علی علیہ السلام ایسے ولی اور نصیر کی احتیاج تھی وہیں اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی نصرت کی احتیاج تھی۔

5- حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے ابا و جدِ اولیٰ تھے قرآن نے اُن کی موروثی سلطانی اور ولایت کی تصدیق کی ہے نہ کہ ابتدا؟

طبری کا یہ بیان پڑھئے اور خطبہ 26 میں نابتی حکومت و مملکت و قیادت و ملتِ ابراہیمؑ پر نظر ڈالئے تو حقائق تازہ ہو جائیں گے:-
 ”واقعہ فیل کے آٹھ سال بعد (حضرت) عبدالمطلبؑ مر گئے۔ چونکہ ابوطالبؑ اور رسول اللہ کے باپ عبد اللہ حقیقی بھائی تھے۔ اسلئے (حضرت) عبدالمطلبؑ نے اپنے بعد رسول اللہ کی پرورش اور ”ولایت“ ابوطالبؑ کے سپرد کر دی تھی۔ اور حسن سلوک کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ اسکے بعد ابوطالبؑ رسول اللہ کے ”ولی“ تھے“۔ (تاریخ طبری ترجمہ جلد اول صفحہ 58)
 اور ہم یہ دکھا کر فارغ ہو چکے ہیں کہ حضرت نابت بن اسماعیل علیہما السلام سے لے کر حضرت عبدالمطلبؑ علیہ السلام تک مسلسل مملکتِ عظیمہ کے بادشاہوں نے ایک دوسرے کے بعد حکومت کی اور حضرت عبدالمطلبؑ کے جانشین و بادشاہ حضرت ابوطالبؑ ہوئے اور اُن کے بعد حضرت علیؑ بادشاہ و سلطان تھے۔

6- جس طرح رسولؐ کی موجودگی میں حضرت علیؑ ولی مطلق اور سلطان ہیں۔ اُسی طرح رسولؐ کی موجودگی میں حضور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ تھے۔

اسلام اور اسلامی اعمال و عبادات اللہ کے حضور میں قبول کئے جانے کی شرط اور معیار یہ ہے کہ وہ اسلام اور اسلامی عبادات حضرت علیؑ علیہ السلام کے پسندیدہ ہوں اور وہ حضرت بذاتِ خود ان کو قبول کئے جانے کی اللہ سے سفارش کریں۔ چنانچہ اللہ نے یہ طے فرما دیا ہے کہ ہر مسلمان کو اپنے اسلام اور اسلامی عبادات کو اور حدیہ ہے کہ اپنے تقویٰ اور جہاد کو مقبولیت کیلئے بھی وسیلہ اختیار کرنا پڑے گا چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ O (مائدہ 5/35)
 ”اے تمام وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کے حضور میں اپنی اور اپنے اعمال کی مقبولیت کے لئے مجسم و مکمل وسیلہ اختیار کر لو اور پھر اللہ کے مقاصد پورا کرنے کے لئے جہاد کرو شاید تمہیں اس طرح کامیابی حاصل ہو سکے“۔

7- اللہ کے وہ تمام احکامات، جن میں اللہ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان کسی غیر خدا کو وسیلہ یا ذریعہ یا شرط بنایا، ابلیس کو ناپسند ہیں

یہی آیت نہیں بلکہ ایسی بہت سی آیات ہیں جن کو ابلیس اور ابلیس کے تیار کردہ موئین ناپسند کرتے ہیں اور کبھی انہیں اور اُن میں آئے ہوئے احکامات کو دل سے نہیں مانتے ہیں ہمیشہ ایسی آیات اور متعلقہ احکامات میں موزوں رد و بدل کر کے اختیار کرتے ہیں۔ اور اُن کے عذرات انسانوں

کی کثرت کو فوراً پسند آتے ہیں۔ اور بظاہر مجھے بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ اللہ تو ہماری نیتوں اور اعمال و اقوال سے کما حقہ مطلع ہے۔ اگر ہم نہایت خلوص کے ساتھ ایمان لائے ہیں تو اسے معلوم ہے۔ جب ہم نہایت خلوص سے اُس کے احکامات کی تعمیل کر رہے ہیں وہ بھی وہ دیکھ رہا ہے۔ اس کے بعد اللہ کو اس کی ضرورت کیوں ہوگی کہ کوئی اور شخص اللہ سے ہمارے پُر خلوص اسلام و عبادات کو قبول کرنے کی سفارش کرے تب ہماری عبادت وغیرہ قبول ہو؟ چونکہ اللہ کو کسی سفارش کی احتیاج نہیں ہے۔ اس لئے ایسی آیات اور احکام کا منشا اور مفہوم وہ نہیں ہو سکتا جس سے اللہ محتاج و جاہل ثابت ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ کچھ اور لوگوں (غیر اللہ) کو شریک کار بنایا جاتا ہے۔ لہذا اُن آیات اور احکامات کو یا تو متشابہات کے ماتحت رکھنا ہوگا ورنہ اُنکے الفاظ کے معنی میں موزوں تبدیلی کرنا لازم ہوگی۔ اور جب اور جہاں مناسب موقع ہوگا ہر واسطے اور وسیلے کا انکار کر دیا جائیگا۔ چنانچہ مودودی نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں طرح طرح سے اللہ اور انسانوں کے درمیان واسطے اور وسیلے کا انکار کیا ہے۔ سنئے لکھتے ہیں کہ:

(الف) مودودی اور قریشی علما واسطے اور وسیلے کے مخالف اور منکر ہیں

”میں کائنات بے پایاں کا فرمانروائے مطلق، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے اور وسیلے اور سفارش کے براہ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 144 حاشیہ نمبر 188)

مودودی نے صحیح بات لکھی ہے یعنی اللہ واقعی براہ راست تمام مخلوقات کی باتوں، تمنائوں اور عرضیوں پر مطلع ہے اس اطلاع میں کسی واسطے اور وسیلے کی احتیاج اسے نہیں ہے۔ مگر اس صحیح بات میں لپیٹ کر واسطے اور وسیلے کا انکار کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ عرضیوں، دعاؤں وغیرہ کے قبول کرنے میں بھی واسطے اور وسیلے کی احتیاج کیوں ہوگی؟ دوسرے انداز میں مگر ذرا سی تفصیل سے انکار کیا ہے۔ سنئے:

(ب) واسطے اور وسیلے کا انکار بالانداز دیگر سنئے:

”اللہ کو دنیوی بادشاہوں اور راجوں مہاراجوں پر قیاس نہ کرو کہ جس طرح کوئی اُن کے مصاحبوں اور مقرب بارگاہ لوگوں کے توسط کے بغیر اُن تک اپنی عرض و معروض نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح اللہ کے متعلق بھی تم یہ گمان کرنے لگو کہ وہ اپنے قصر شاہی میں ملائکہ اور اولیاء اور دوسرے مقررین کے درمیان گھرا بیٹھا ہے۔ اور کسی کا کوئی کام ان واسطوں کے بغیر اُس کے ہاں سے نہیں بن سکتا۔“ (تفہیم القرآن 2 صفحہ 557 حاشیہ 65)

قارئین نوٹ کر لیں کہ قریشی اور قریشی علما اللہ اور مخلوق کے درمیان کسی بھی واسطے اور وسیلے کے منکر ہیں۔ اور بظاہر تو حید کی شان بھی اسی میں سجتی ہے کہ ہر مخلوق سے اللہ کا تعلق براہ راست اور بلا واسطہ وسیلہ ہو۔

(ج) عمر بن الخطاب کے عقائد کو قریشی علما نے اختیار کیا وہ اللہ کے براہ راست بلا واسطہ تعلق کا قائل تھے

اور یہ ابلسی عقیدہ قریش میں عمر نے جاری کیا تھا۔ اُس کی بات سنئے: علامہ شبلی القاروق میں لکھتے ہیں کہ:

”سن رُشد کو پہنچ کر اُن کے باپ نے اُن کو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعائر تھا لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی۔ اُس کا نام ضحنان تھا جو مکہ معظمہ کے قریب قدید سے دس میل کے فاصلہ پر ہے خلافت کے زمانہ میں ایک دفعہ حضرت عمر کا ادھر گزر ہوا تو اُن کو نہایت عبرت ہوئی آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ ”اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں مندے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ

دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں،۔ (حصہ اول صفحہ 14)

یعنی عمر کو رسول کی حاکمیت بھی پسند نہ تھی اور ابلیس نے حضرت آدم کی حاکمیت کا انکار کیا تھا۔

بہر حال اللہ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان انبیاء علیہم السلام کو وسیلہ بنایا ہے خواہ ابلیس اور عمر و قریش کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ اور مودودی کو بھی مذکورہ بالا آیت میں بادلِ ناخواستہ وسیلہ کو ماننا پڑا ہے۔ ہم اُن کا ترجمہ مناسب مقام پر دکھانے والے ہیں۔ یہاں تو یہ دیکھیں کہ جن لوگوں کو قریش اور قریشی ذہنیت کے لوگ بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ و سفارشی اور مقبول بارگاہ سمجھتے تھے اور جن سے یا جن کی معرفت دعائیں مانگا کرتے تھے وہ خود بھی اُس وسیلہ کو اپنا کارساز مانتے تھے جسے اللہ نے خود اپنا وسیلہ بنایا تھا۔ اور جسے وسیلہ بنانے کا حکم سابقہ آیت (مائدہ 5/35) میں امت محمدیہ کو بھی دیا ہے۔

(د) حضرت علیؑ کی اُن تمام ہستیوں، ملائکہ، انبیاء اور اولیاء کے لئے بھی وسیلہ تھے جو مسلمہ طور پر اللہ کے وسائط و وسائل تھے

اللہ کا اعلان قرآن سے ملاحظہ ہو جہاں اللہ نے قریش کو یہ تنبیہ کی ہے کہ جسے وسیلہ بنانے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ تو اُن تمام وسیلوں سے بھی زیادہ اقرب و افضل ہے جن کو تم پہلے سے وسائطِ خداوندی مانتے ہو۔ وہ سب بھی اللہ کے حضور اسی وسیلہ کو اپنا وسیلہ بنانے میں مصروف ہیں۔ سنئے:-

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ رَعِمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفِ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا نَحْوِهَا ۗ اُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيْهُمْ اَقْرَبُ وَيَزُجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝۱ (بنی اسرائیل 57-56/17)

”اے نبی آپ اُن لوگوں سے کہہ دیں جو اللہ کے سوا کچھ اور لوگوں سے دعا کے مستجاب کرنے یا کرانے کا خیال کر کے دعائیں کرتے ہیں کہ اُن کو نہ تو یہ قدرت ہے اور نہ وہ تمہارے مصائب اور نقصانات کو تم سے دور رکھنے کی ملکیت رکھتے ہیں۔ اور نہ وہ تمہاری تکلیفوں کا رخ کسی اور طرف موڑ سکتے ہیں۔ اور یہ کہ جن کو تمہاری قوم شفیق، حاجت روا اور بزرگ سمجھتی ہے وہ تو خود ہی اپنے رب سے تعلق و تقرب کے لئے سب سے قریب ترین مخصوص (الْوَسِيْلَةَ) وسیلے کی تلاش میں رہے ہیں اور اُس کی رحمت کے امیدوار اور اُس کے عذاب سے خوفزدہ تھے۔ اور اس میں شبہ بھی نہیں کہ اے نبی میرے پروردگار کا عذاب ہے بھی بیچ کے رہنے کے قابل۔“

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس وسیلہ کو ان دونوں آیات (17/57, 5/35) میں اختیار کرنے کا حکم ہے وہ ایسا وسیلہ ہے جو تمام باقی وسائل و وسائط سے زیادہ اللہ سے قریب و مقرب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب وہ وسیلہ خود رسول کے علاوہ ہے اور خود امت محمدیہ میں ہے تو بتاؤ کہ وہ علی علیہ السلام کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟ جنہیں خود اللہ نے امت کی دعاؤں کے مستجاب کرنے اور ظالموں کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے جہاد پر اپنا ولی بنایا اور جسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام محمود میں مبعوث کرنے کے سلسلے میں سلطان اور مددگار (سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا) بنایا تھا۔ (17/80-81) اور جسے مکمل حق (الْحَقُّ) فرمایا ہو اور جس کی وجہ سے مکمل باطل (الْبَاطِلُ) تباہ ہو گیا ہو (17/81)؟ اگر ان صفات کا حامل کوئی اور شخص آپ کے علم میں ہو تو اس کا نام لوگوں کو بتائیے تاکہ حق واضح ہو جائے۔

(ه) مودودی نے لفظ الْوَسِيْلَةَ سے بیچ کر نکلنے کی راہ نہ پائی تو لفظ جہاد کے معنی بدل کر وسیلہ کو مٹھوک کر کے رکھ دیا ہے

یہاں ہم مودودی کا ترجمہ اور تشریح لکھیں گے تاکہ قارئین آیت (مائدہ 5/35) کے معنی اور مفہوم سے یہ معلوم کر سکیں کہ علامہ نے کس

حسن سے الوسیلہ کو بے معنی اور ناقابل اختیار و اعتبار بنا دیا ہے۔ سنئے:

علامہ کا ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اُس کی جناب میں باریابی کا ”ذریعہ“ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جدوجہد کرو، شاید کہ

تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے، (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 466)

قارئین کو شکر کرنا چاہئے کہ مودودی کا وسیلہ اور واسطے سے انکار (7- الف، ب) کر کے یہ مان لینا ان کی مجبوری ہے کہ: اللہ کے حضور میں باریابی بلا واسطہ نہیں ہو سکتی بلکہ باریابی کے لئے ایک ذریعہ (الوسیلہ) درکار ہے۔ یعنی یہ قریش اور ان کے سب سے بڑے راہنما عمر کے عقائد کی شکست اور بطلان پر منہ بولتا ترجمہ اور آیت (5/35) ہے۔

(و) مودودی نے جان بوجھ کر لفظ جَاهِدُوا کا غلط ترجمہ کیا ہے؟

اب یہ دیکھئے کہ مودودی کو لفظ ”جَاهِدُوا“ کا صحیح ترجمہ نہ صرف معلوم تھا بلکہ انہوں نے دوسرے مقامات پر اس لفظ جَاهِدُوا کا صحیح ترجمہ بھی کیا ہے۔ دیکھئے:

1- جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ (توبہ 9/41)

”جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 196)

2- امِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ (توبہ 9/86)

”اللہ کو مانو اور اُسکے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو“ (ایضاً صفحہ 221)

ان دو مقامات سے ثابت ہو گیا کہ لفظ ”جَاهِدُوا“ کا صحیح ترجمہ ”جہاد کرو“ ہونا چاہیے تھا۔ مگر علامہ نے وسیلہ والی آیت (مائدہ 5/35) میں لفظ ”جَاهِدُوا“ کا ترجمہ اس لئے ”جدوجہد کرو“ کر دیا کہ ادھر جہاد اپنے مخصوص اور متعین معنی کے بجائے عام کوشش اور دوڑ دھوپ بن کر رہ جائے اور ادھر جہاد پر ولی بنائے جانے والے علی کی طرف سے توجہ ہٹ جائے۔ اور علی کی جگہ کسی اور چیز کو وسیلہ سمجھا جائے۔ چنانچہ اس آیت (مائدہ 5/35) کی تشریح میں آیت کے مفہوم کو متعین کرنے کے بجائے بکھیر کر تباہ کر دیا اور لکھ دیا کہ ”58 یعنی ہر اس ذریعہ کے طالب اور جو یاں رہو جس سے تم اللہ کا تقرب حاصل کر سکو اور اس کی رضا کو پہنچ سکو“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 466) مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے نہ تو یہ بتایا کہ اس سے قربت و تقرب حاصل کرنے کا وسیلہ یا ذریعہ کیا ہے اور نہ یہ بتایا کہ وہ جدوجہد کس قسم اور کس طرح کی ہونا چاہئے کہ محنت و کوشش رائیگاں نہ جائے؟ پھر علامہ کی تشریح کا مطلب تو یہ ہے کہ ہر شخص آزادانہ اپنی عقل و فکر سے جس چیز کو بھی تقرب خداوندی کا ذریعہ یا وسیلہ سمجھ لے اُسے اختیار کر لے اور جتنے مسلمان علامہ والی یہ جدوجہد کریں گے اتنے ہی الگ ذریعے اور وسیلے اختیار کر لیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ پیران پیر دستگیر کو وسیلہ بنا لیں۔ کچھ خواجہ غریب نواز کو تقرب کا ذریعہ بنا لیں اور ہوا بھی یہی کہ لوگوں نے انہیں وسیلہ بنایا ہوا ہے مودودی نے ان وسیلہ بنانے والوں کو مشرک لکھا ہے (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 46) اور یہ بھی ہوا ہے کہ اسلامی جماعت نے خود مودودی کو اللہ کے تقرب کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ لیکن علامہ کا اور باقی لوگوں کا باطل پرست ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ وسیلہ والی یہ آیت (مائدہ 5/35) تو خود رسول اللہ پر نازل ہوئی تھی۔ اگر وہ حضرت وسیلہ یا تقرب خداوندی کا ذریعہ نہ تھے اور کون شخص ایسا ہو سکتا ہے جسے وسیلہ بنایا جائے؟ اور اگر وسیلہ کوئی شخص نہ تھا۔ بلکہ کوئی چیز یا چیزیں تھیں یا کچھ اعمال تھے تو بتاؤ کہ وہ کون سا عمل تھا؟ یا کون سی چیز تھی؟ ظاہر ہے کہ کسی چیز کو وسیلہ بنانا بالکل بتوں کی طرح غلط ہوگا۔ رہ گئے اعمال تو وہ معلوم تھے۔ نماز تھی، روزہ تھا، زکوٰۃ تھی، حج تھا ان میں سے کسی ایک عبادت کو وسیلہ اور تقرب کا ذریعہ بنانا بے معنی ہوگا۔ اس لئے کہ ان کو اور دیگر نیک اعمال کو اللہ کے یہاں قبول کرانے ہی کے لئے تو وسیلہ درکار ہے۔ بہر حال اللہ نے مذکورہ بالا آیات میں ولی و نصیر اور سلطان فرما کر بات واضح کر دی تھی۔ مگر علی سے بغض و عناد رکھنے اور ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والوں نے بعد میں قرآن کے مفایم و مطالب کو الٹ کر امت کو بتایا۔ خود گمراہ جنہمی ہوئے اور

دوسروں کو گمراہ و جہنمی بنایا۔

یہ نوٹ کر لیں کہ قرآن میں کوئی ایسا حکم موجود نہیں ہے۔ جس کی اللہ و رسول نے وضاحت اور تعین نہ کیا ہو اور لوگوں کو بے مہاراؤنٹوں کی طرح چھوڑ دیا ہو کہ جس کا جس طرح دل چاہے مطلب اختیار کر کے عمل کرتا رہے۔ اور اسی عمل کو اللہ کا حکم سمجھتا چلا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں جہاں قرآن میں مقام مرتضوی بیان ہوا ہے۔ وہاں ہر جگہ قریش اور قریشی علما نے بے دریغ معنوی تبدیلیاں کی ہیں (فرقان 25/30) اور مقاصد خداوندی کو الٹ کر اللہ اور قرآن کو جھٹلایا ہے (انعام 6/66)۔

8- جہاد ان لوگوں کے لئے جنت کا یا دائمی حیات کا دروازہ ہے جو جہاد کے ولی کے ساتھ مل کر یا ان کی رضا کے لئے جہاد کریں

آپ دیکھ چکے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے جہاد کو جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ (بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ) فرمایا ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ جنت میں ”دائمی حیات“ تمام مذاہب میں مسلمہ بات ہے۔ تو گویا حضرت علی علیہ السلام نے جہاد کو جنت کا دروازہ فرما کر جہاد کو دائمی حیات تک پہنچنے کا دروازہ قرار دیا ہے۔ اور کہیں یہ نہیں فرمایا کہ وہ دروازہ جہاد میں قتل ہو جانے یا مرجانے والوں کے لئے ہے۔ لہذا بات یہ ہوئی کہ جہاد میں داخل ہونے والا مجاہد، جنت میں یا دائمی حیات میں داخل ہوتا ہے۔ یعنی پہلے وہ جنت یا دائمی حیات میں داخل ہوتا ہے۔ اُس کے بعد زندہ رہنے یا قتل ہونے کی بات کا نمبر آتا ہے۔ یعنی وہ زندہ رہے تب بھی جنت یا دائمی حیات میں رہتا ہے اور قتل ہو جائے یا مرجائے تب بھی وہ جنت یا دائمی حیات ہی میں رہتا ہے۔ یعنی جنت ہر حال میں اس کی قیام گاہ ہوتی ہے۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ قتل ہو جانے یا مرجانے کی صورت میں اُس کا ظاہری اور مشہور قیام عام زندہ لوگوں کے ساتھ نہیں رہتا۔ اور زندہ رہنے کی صورت میں جنت کا قیام عام زندہ لوگوں کی نظر میں ظاہر و مشہور نہیں ہوتا لیکن مجاہد بہر حال جنت میں رہنے اور عام لوگوں میں رہنے پر مختار ہوتا ہے۔ اور یہ اختیار اسے جہاد کے ولی علیہ السلام کی طرف سے ملتا ہے۔ جو دنیا اور جنت دونوں کا مالک و سلطان ہوتا ہے۔ ہمارا یہ بیان گو تعلیمات قرآن کی لفظ بلفظ ترجمانی ہے مگر اس لئے عجیب اور ناممکن نظر آتا ہے کہ قریشی علما اور راہنماؤں نے اپنے عقائد و تصورات قرآن کے الفاظ پر نہیں بلکہ ذاتی تصور پر قائم کئے ہیں۔

(الف) اگر آپ قرآن کے الفاظ کے عام اور معروف معنی اختیار کر کے اپنے عقائد و تصورات قائم کریں تو باطل خود مر جائے گا

اپنے سابقہ عقائد و تصورات سے ذہن کو خالی کر کے یہ تین آیات پڑھیں:

وَالَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۖ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَأْسَهُمْ ۖ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا لَهُمْ ۝ (محمد 6-47/4)

مودودی کا غلط ترجمہ؟ ”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ وہ ان کی راہنمائی فرمائے گا۔ ان کا حال درست کر دے گا، اور ان کو اس جنت میں داخل کرے گا جس سے وہ ان کو واقف کرا چکا ہے۔“

(ب) مودودی نے ان آیات (6-47/4) کا صحیح ترجمہ کرنے کے لئے پہلے جملے کا ترجمہ غلط کیا ہے ورنہ پورا ترجمہ غلط کرتے

قارئین مودودی کے ترجمے کو بار بار پڑھیں اور دیکھیں کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ زندہ لوگوں کے لئے لکھا ہے۔ یعنی وہ اس آیت میں مذکور لوگوں کی آئندہ مسلسل راہنمائی جاری رہنا مانتے ہیں۔ 2- وہ آئندہ ان لوگوں کے حالات کو درست کر دینے کے قائل ہوئے ہیں۔ اور یہ دونوں باتیں صرف زندہ لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد نہ تو علامہ اینڈ کمپنی کسی آدمی کو ہدایت کئے جانے کی قائل ہے اور نہ مر چکنے والوں کے دنیاوی حالات کا درست کیا جانا مانتی ہے۔ اور یہ دونوں باتیں علامہ ہرگز نہ مانتے اور ہرگز نہ لکھتے اگر انہوں نے پہلی

آیت (47/4) میں آئے ہوئے لفظ فُتِلُوا کا صحیح ترجمہ کیا ہوتا۔ ان تینوں آیتوں کے صحیح ترجمہ سے لطف اندوز ہونے سے پہلے آپ مودودی کی خیانت اور فریب سے لطف اندوز ہو لیں۔ زیر قلم آیت میں لفظ فُتِلُوا کے معنی:

لفظ فُتِلُوا کے صحیح اور غلط معنی مودودی کی خیانت و فریب

1- فُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (47/4)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے“، یعنی وہ ابھی مرے نہیں تھے۔

2- وَفُتِلُوا وَفُتِلُوا (آل عمران 3/195)

اور میرے لئے لڑے اور مارے گئے“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 312)

3- وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ فُتِلُوا (الحج) (سورہ حج 22/58)

”اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کر دیئے گئے“۔ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 245)

ساری دنیا کے عربی دان بلکہ دوسری جماعت کے تمام طلبا بھی جانتے ہیں کہ لفظ فُتِلَ (وہ مرد قتل ہو گیا) فُتِلَا (وہ دو مرد قتل ہو گئے) اور فُتِلُوا (وہ سب قتل ہو گئے) ماضی مذکر غائب کا صیغہ مگر علامہ جیسے بے بدل عالم نے اس فُتِلُوا کو مستقبل کا صیغہ بنا کر معنی کئے اور اس تفسیر کے پڑھنے والے تمام لوگوں کو قیامت تک فریب دیتے چلے جانے کا پختہ انتظام کر دیا۔ بہر حال قریش اور ان کے ملعون علما سے قرآن میں رد و بدل روز اول سے متوقع اور جاری ہے (فرقان 25/30)

(ج) جہاد میں قتل ہو جانے والے برابر دنیا میں بھی رہتے ہیں اور جنت میں بھی رہتے ہیں اور دونوں جگہ ان کے ساتھ متعلقہ سلوک کیا جاتا ہے۔

ہمارا لفظ بلفظ ترجمہ ”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو چکے ہیں اللہ ان کے سابقہ و آئندہ اعمال کو گمراہ یعنی بے اثر و بے نتیجہ نہ ہونے دے گا (47/4) اور ان قتل ہو چکنے والے لوگوں کی برابر راہنمائی کرتا رہے گا، اور ان کے قلبی و ذہنی اور گھریلو حالات بالکل درست کر دے گا (47/5) اور انہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا اور داخل رکھتا ہے (مضارع يُدْخِلُ) جن کا ان سے برابر تعارف کراتا رہ چکا ہے“۔ (47/6)

(د) عام اور معمولی حالات میں مخصوص حالات اور مخصوص لوگوں کو بھی چھپا دینا قریشی پالیسیوں کا تقاضا تھا لیکن قرآن بلفظ موجود ہے

قریشی ملائین نے اسلامی تعلیمات کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا پتہ لگانا ناممکن ہو جاتا اگر کہیں انہیں قرآن کا متن بگاڑنے اور بدلنے پر قدرت ہوتی۔ یہ اللہ کا فضل و کرم اور صاحبان قرآن علیہم السلام کی پالیسی اور انتظام تھا کہ آج قرآن من و عن موجود ہے اور قریشی علما ہمارے ہاتھوں میں گرفتار ہیں۔ یہاں قارئین سنیں کہ یہ تینوں آیات (6-47/4) روز اول سے علما کی پریشانی کا باعث رہتی چلی آئی ہیں۔ چونکہ یہ حضرات اپنی دینی معلومات و تحقیقات کی روشنی میں یہ فیصلہ کئے بیٹھے ہیں کہ جنت اور جہنم میں داخلہ اور رہائش قیامت کے حساب کتاب اور باز پرس سے فراغت کے بعد ہی ممکن ہے۔ اور اس سے پہلے کوئی شخص جنت یا جہنم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہاں رکھا جاسکتا ہے۔ مندرجہ بالا آیات ان کے اس فیصلے اور عقیدہ کو واضح اور عام فہم الفاظ میں باطل ٹھہراتی ہیں۔ اس لئے ہر مترجم یہاں پہنچ کر کھکا بکا رہ جاتا ہے۔ کوئی دم دبا کر چپکے سے گزر جانے میں خیریت سمجھتا ہے۔ کوئی ان آیات کو اپنے معمول پر رکھتے ہوئے بلا کوئی چونکا دینے والا لفظ منہ سے نکالے سرسری طور پر گزر جاتا ہے۔ اور کوئی اپنے مذکورہ فیصلے اور عقیدے کے ساتھ ان آیات کو مطابق کرنے اور عام حالات پر ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر یہ سب اس مقصد میں برابر متفق رہے

ہیں کہ قرآن پڑھنے والے قاریوں کو چومنے نہ دیا جائے۔ بعض مترجمین نے ان تینوں آیات کے الفاظ کو زمانہ ماضی سے نکال کر زمانہ مستقبل میں تبدیل کر دیا۔ اور ایسا کرنے والوں میں سے مودودی کو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ وہ تمام مترجمین قرآن کی غلط ترجمانی کرنے کو جرم بھی سمجھتے اور لکھتے ہیں۔ بہر حال یہ تینوں آیات شہدائے راہ خدا اور اسلام پر فدا ہو جانے والوں کو عام لوگوں سے اور ان کے عام حالات سے بالکل الگ کرتی ہیں اور انہیں ان حالات میں داخل کرتی ہیں جن میں محمدؐ اور علیؑ وفاطمہؑ اور باقی آئمہ علیہم السلام ہمیشہ رہتے تھے۔ ان سب حضرات کے لئے ہر وقت جنت اور جنت کا سامان موجود رہتا تھا (کافی) چونکہ ان حضرات علیہم السلام کی اجازت سے اور ان ہی کی خوشنودی کے لئے وہ فدا کاران اسلام ان ہی کے نقش قدم پر چلتے تھے اور دنیا کی ہر عزیز ترین چیز کو نچ دیتے تھے بیوی بچوں کو مسکرا کر ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے رخصت کر کے مرنے کے لئے رخصت ہو جاتے تھے۔ زخموں پر زخم کھاتے کھاتے جاں بحق ہو جاتے تھے۔ لہذا اللہ اور اس کے رسولؐ و امامؑ دوئی ایسے لوگوں کو دنیا اور اس کے متعلقات سے منقطع نہ کرتے تھے اور قتل ہو جانے کے امتحان سے گزرنے والوں کو فوراً ہدایات جاری کر کے (سَيَهْدِيْهُمْ) اپنے عزیز و اقربا اور دوستوں سے تعلقات رکھنے کا طریقہ بتا دیتے تھے۔ اب وہ لوگ خود بھی حیران رہ جاتے تھے۔ اسلئے کہ وہ بھی تو یہی سمجھتے تھے کہ مرتے ہی دنیا اور دنیا والوں سے انسان سو فیصد منقطع ہو جاتا ہے۔ کسی سے کوئی سروکار نہیں رہتا۔ وہ مسرت سے پھولے نہ سماتے تھے اور اپنے بعد باقی رہ جانے والے ساتھیوں کو بھی جا کر خوشخبریاں دیتے اور فداکاری کے نتائج بیان کر کے انہیں بے خوف کر دیتے تھے (آل عمران 171-169/3)

(ہ) جہاد میں جہاد کے ولی کی سرپرستی میں قتل ہو جانے والے شہدا کا ہم سے بہتر اور ہمارے ساتھ رہ کر زندگی گزارنا اور تاقیامت زندہ رہنا نئی اطلاع نہیں

قارئین کرام اپنے دل و دماغ کو ٹھولیں اور سابقہ معلومات و تعلیمات کے سمندر میں غوطہ لگا کر پتہ لگائیں کہ آپ کے سر میں مر چکنے والوں کے لئے کیا تصورات ہیں؟ کیا آپ نے کبھی کسی شیعہ یا سنی عالم سے یہ سنا تھا کہ راہ خدا میں قتل ہو جانے والے شہدا کیوں کہلاتے ہیں؟ وہ کاہے کی شہادت دیں گے؟ اگر وہ دنیا والوں سے کہیں الگ رکھے جاتے ہیں تو وہ دنیا والوں سے تو لاعلم رہیں گے۔ رہ گیا ان کا اپنے مرنے پر گواہ ہونا یا قتل کرنے والوں کے چند افعال پر شاہد ہونا؟ تو اتنی سی بات کے لئے انہیں دائمی زندگی دینا اور شہید یعنی چشم دید اور حاضر و ناظر گواہ کہنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ دائمی زندگی اس لئے کہ وہ اپنے قاتلوں کے ساتھ رہیں ان کے تمام اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں، پھر ان کی اولاد در اولاد اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو دیکھتے اور جانچتے رہیں۔ ادھر اپنے بچوں اور بزرگوں اور رہنماؤں کو دیکھیں ان کی خدمت بجالائیں۔ اسلامی منصوبوں کو پروان چڑھانے میں قیامت تک مددگار رہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو نہ ان کی دائمی حیات یا معنی یا مقصد ہے نہ وہ شہید علی الناس کہلا سکتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ آیات (6-47/4) کی رو سے ان کے اعمال نہ ختم ہوں گے نہ بے نتیجہ و گمراہ رہیں گے۔ وہ حضرات بدستور برسر کار رہیں گے۔ اور اسلام کی تائید و حمایت میں موقع بموقع نتائج مرتب کرتے چلے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی ان کی عملی راہ نمائی جاری رہے گی۔ تاکہ وہ بہتر سے برتر اسلامی اقدامات کرتے چلے جائیں۔ اور ساتھ ہی ان کے ان کمزور حالات کی اصلاح جاری رہے گی جن کی کمزوری کی بنا پر دشمنان اسلام انہیں قتل کرنے پر قادر ہوئے تھے۔ انہیں مضبوط اور طاقتور بننے جانے کی ترکیبیں بتائی جائیں گی تاکہ وہ اپنے قاتلوں کو تباہ کر سکیں اور سربراہ اسلام علیہم السلام کے مشن میں باعث تقویت و طمانیت بنیں۔ اسی دوران انہیں جنت میں بار بار آنے جانے کا موقع دیا جاتا رہے گا۔ اور جب قیامت کے بعد وہ آخری مرتبہ جنت میں جائیں گے تو جنت ان کے لئے دیکھی بھالی چیز ہوگی۔

علامہ حضرت محمد احمد رضا خان صاحب کا ایک جملہ جو ان کے ایمان کا پتہ دیتا ہے

یہاں علامہ محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی کے قرآنی ترجمہ سے ایک جملہ سن کر ان کے لئے دعائے رحمت فرمائیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ:

”18۔ وہ منازل جنت میں نو واردنا آشنا کی طرح نہ پہنچیں گے جو کسی مقام پر جاتا ہے تو اُس کو ہر چیز کے دریافت کرنے کی حاجت درپیش ہوتی ہے۔ بلکہ وہ واقف کار اند داخل ہوں گے۔ اپنے منازل و مساکن کو پہچانتے ہوں گے۔ اپنی زوجہ و خدام کو جانتے ہوں گے۔ ہر چیز کا موقع و محل ان کے علم میں ہوگا۔ گویا وہ ہمیشہ سے یہیں کے رہنے بسنے والے ہیں۔“ (ترجمہ، حاشہ 18، صفحہ 657-658)

یعنی ان کی ازواج اور خدمتگار جنت میں پہلے سے موجود ملیں گے۔

جنت میں بہت بیویاں اور بہت مکانات و محلات بھی سمجھ لیں۔

شہدائی زندگی کے حالات سے یہ بھی سمجھ لیں کہ جنت میں ان گنت ازواج اور لاتعداد مکانات کا کیا مطلب ہے؟ ظاہر ہے کہ شہدانے تو قیامت تک زندہ رہنا ہے اور زندگی کی تمام ضروریات سے دوچار رہنا ہے۔ لیکن ان کی ازواج تو اپنی اپنی فطری عمر میں مرتی رہیں گی۔ انہیں مرنے کے بعد جنت میں رکھا جائے گا۔ اور قیامت تک نہ معلوم کتنی ازواج سے دنیا میں تعلق رہے گا۔ ان سب کو یہ حضرات نہ صرف جانتے پہچانتے ہوں گے بلکہ بارہا ان سے جا کر ملتے بھی رہیں گے۔ اور ان سب کے لئے مکانات کی حد بندی کرنا بھی ناممکن ہے۔ لہذا جب دنیا اور دنیاوی زندگی ختم ہو جائے گی اور جنت میں آخری مرتبہ داخلہ ہوگا تو ہر شہید راہ خدا کا اپنا علاقہ بہت وسیع و عریض ہوگا۔ اور حدیث کے تمام بیانات صحیح و صادق ثابت ہوں گے۔ شہدائے راہ خدا جنت کے قیام میں بھی محمد و آل محمد علیہم السلام کی نوازشات سے محروم نہ رہیں گے۔ یہ تفصیلات قرآن نے سمیٹ کر یوں بھی بیان کی تھیں کہ:

مودودی ترجمہ: ”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 126)

دوسرے مقام پر فرمایا کہ:-

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۝ وَ يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ ۝ وَفَضْلٍ ۝ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران 171-169/3)

ہمارا مشرح ترجمہ:- ”تم لوگ یہ حساب نہ لگا بیٹھنا کہ جو مومنین راہ خدا میں قتل ہو گئے ہیں، وہ مرجاتے ہیں۔ وہ مرتے نہیں ہیں بلکہ وہ تو زندہ رہتے ہیں۔ اور بدستور سابق اپنے پروردگار سے تمام سامان حیات و سامان ترقی حسب ضرورت حاصل کرتے رہتے ہیں اور سامان حیات و ترقی کے علاوہ ان کے پروردگار نے جو کچھ انہیں اپنے فضل و کرم سے عطا کر رکھا ہے اس پر تو بہت ہی شاداں و فرحاں رہتے ہیں اور جو مومنین ان کے پیچھے رہ گئے اور قتل ہو کر ابھی ان سے آکر نہیں ملے ہیں ان کو خوشخبریاں سناتے ہیں کہ انہیں قتل ہو جانے یا راہ خدا میں قربان ہو جانے کا وہ خوف اور اعزاء واقربا سے جدائی کا وہ رنج و ملال نہیں رہے گا جو عموماً ناواقفوں کو ہوا کرتا ہے۔ اور انہیں اللہ نے جن نعمتوں اور احسانات سے نوازا ہے وہ بھی ان کو خوشخبری کے طور پر بتاتے رہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ اللہ ان کے اعمال ضائع نہ کرے گا یعنی شہید نہ بھی ہوئے تب بھی نیت کی بنا پر شہداء میں شامل کرے گا۔“

تیسرے مقام پر فرمایا گیا کہ:-

وَ الَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَتِلُوا أَوْ مَا تُوَا كَبِرُوا قَتَلَهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ خَيْرُ الرَّزِقِينَ ۝ كَيْدُ حَلَنَّهُمْ
مُدَّخَلًا يَرْضُونَهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ (حج 59-22/58)

ہمارا مشرح ترجمہ:- ”اور وہ مومنین جنہوں نے اسلامی مقاصد کے ماتحت اپنے وطن سے ہجرت کی پھر وہ اسلام کی وجہ سے قتل ہو گئے یا عام مرنے والوں کی طرح مر گئے اللہ کے لئے ضروری ہے کہ انہیں ان کی اسلامی نیتوں کی بنا پر عمدہ قسم کا سامان حیات و ترقی عطا کرے اور عطا کرتا رہے (مضارع) اور اللہ تو ان کو سامان حیات و ترقی دینے والے باقی تمام رازتوں سے بہتر رازق ہے۔ اور اللہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ انہیں ایسی قیام گاہوں میں داخل کرے اور داخل کرتا چلا جائے جن سے وہ مومنین راضی اور خوش ہوتے رہیں۔ اور یقیناً اللہ تو ان کے حالات و مقامات و خوشنودی کا ذاتی طور پر جاننے والا اور بردبار ہے۔“ (22/58-59)

قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ حیاتِ دائمی یا جہاد کے متعلق ان تینوں مقامات (بقرہ 2/154، آل عمران 3/169-171، حج 22/58-59) کی تفسیر سورہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آیات (6-47/4) میں کی گئی ہے۔ اور یہ تمام مقامات مختصراً اُس صورتِ حال کے لئے کافی ہیں جو ولی مطلق علیہ السلام کی نوازشات پر بہت سی آیات میں سے بطور نمونہ سامنے لائی گئی ہیں۔ اب ہم ان مقامات پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر تمام نتائج کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں غور سے پڑھئے اور آیات مذکورہ کے الفاظ سے مقابلہ کر کے تصدیق فرمائیے:-

(و) ولی مطلق سے ملحق ہو جانے والوں کے متعلق وہ پہلو جو جلدی یا تسلسل کی بنا پر پوری توجہ نہ پاسکے یا ہمارے الفاظ کی گنجائش میں نہ آسکے

سب سے پہلے اس ہمہ گیر حقیقت پر توجہ دیں کہ ان تمام آیات میں جن حضرات کا تذکرہ ہوا ہے وہ وہی لوگ ہیں جن کو ساری دنیا کی زبانوں میں ”مردہ“ کہا جاتا ہے۔ مگر قرآن میں اللہ نے تمام ہی انسانوں کے فیصلے کے خلاف انہیں قتل ہو چکنے اور مر چکنے کے باوجود زندہ (أَحْيَاءٌ) فرمایا ہے۔ اور سب کو منع کر دیا ہے کہ کسی بھی حیثیت یا حساب سے انہیں نہ مردہ کہو نہ مردہ سمجھو۔ اور یہ مان لیا ہے کہ لوگوں کو ان کی زندگی کا یا زندہ رہنے کا شعور نہیں ہے (وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ) یہ جملہ کہ: ”تمہیں ان کے زندہ موجود رہنے کا شعور نہیں“۔

اُسی صورت میں با معنی ہو سکتا ہے۔ جب ہمارا شعور ان تک رسائی رکھتا ہو۔ یعنی وہ لوگ ہمارے آس پاس اُسی طرح موجود رہتے ہوں جس طرح وہ چیزیں موجود ہیں جن کا ہمیں شعور ہے یا ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر وہ لوگ کہیں ہماری عقل و نظر کی رسائی سے دور رکھے گئے ہوں، جیسا کہ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ:

”تمہیں اُنکی زندگی کا یا زندہ موجود رہنے کا شعور نہیں“۔ اس جملے کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ حضرات ہماری ہی طرح ہمارے ہی ساتھ زندہ ہیں، ہم میں گھلے ملے رہتے ہیں اور ہمیں اس کا قدرتی شعور نہیں ہوتا۔ یعنی جب تک ہمیں کوئی زیادہ ارفع و اعلیٰ شعور رکھنے والی ہستی مدد نہ دے ہم ان سے اپنے دیگر ساتھیوں، پڑوسیوں اور عزیز و اقربا کی طرح رابطہ قائم نہیں کر سکتے۔ لہذا یہ بات فطری ہے کہ جن جن لوگوں سے وہ شہدا علیہم السلام رابطہ رکھنا چاہیں گے ان کو مذکورہ بلند شعور دیا جائے گا۔ تاکہ وہ انہیں فائدہ پہنچا سکیں بشارت دے سکیں اور ان کے اعمال و افکار و منصوبوں میں اصلاح دے سکیں اور انہیں امام عصر سے مربوط کر سکیں۔ اور یہ سب کچھ ان کی تفسیر (6-47/4) میں واضح کر دیا گیا ہے۔ یہ حضرات اور ان کے پسندیدہ حضرات سربراہ اسلام سے مربوط رہتے ہیں۔ اور آجکل حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کے ممبران ہیں۔ اور

انہیں قرب امام زمانہ سے زیادہ اور کوئی مقام پسند بھی نہیں۔ انہیں کے پسندیدہ مقام (مُذَخَلِي) میں رکھنے کا وعدہ بھی کیا گیا ہے (22/59) لہذا اُن کا زیادہ وقت سرکار کے ساتھ گزرتا ہے۔

دوسرا پہلو: مندرجہ بالا آیات اور شہدائے راہ خدا کی دائمی حیات اور مذکورہ بالا حالات کو علمائے نہ صرف یہ کہ سمجھا نہیں بلکہ مختلف مقامات پر ایسے تشریحی بیانات بھی لکھ دیئے ہیں جن سے صورت حال اور اللہ کے بیانات مشکوک ہو کر رہ گئے اور وہ راہ بھی بند ہو گئی کہ کوئی قاری چونکتا، سوچتا اور حقیقت حال کو سمجھ جاتا۔ چنانچہ ہم یہاں علامہ مودودی کا ایک بیان لکھتے ہیں جس سے وہ راہ بند ہوئی ہے۔ وہ اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

مودودی اور تمام علماء شہد اکوانسوں سے کہیں دو مگر اللہ کے پاس قید کرتے ہیں

”یہ بات ملحوظ رہے کہ یہاں فی الْجَنَّةِ (جنت میں) نہیں بلکہ عِنْدَ رَبِّهِمْ (اُن کے رب کے ہاں) کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے رب کے ہاں تو بندہ مرنے کے بعد ہی پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے آیت کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں پہنچ کر ہی نہیں بلکہ مرنے کے وقت سے دخول جنت تک کے زمانے میں بھی مومن صالح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی رہے گا۔ وہ عذابِ برزخ سے 2۔ روز قیامت کی سختیوں سے، 3۔ حساب کی سخت گیری سے، 4۔ میدانِ حشر کی رسوائی سے، 5۔ اپنی کوتاہیوں اور قصوروں پر مواخذہ سے لازمًا بچنا چاہے گا اور اللہ جل شانہ اس کی یہ ساری خواہشات پوری فرمائے گا۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 373)

یہاں قارئین صرف اتنا نوٹ کریں کہ مذکورہ مومنین عام انسانوں کے ساتھ بہر حال نہ رہیں گے۔ نہ انہیں اپنے عزیزوں اور اقربا سے کوئی تعلق رہے گا نہ وہ اپنے دشمنوں پر اثر انداز ہو سکیں گے۔ اور اس قطع تعلق اور نظر بندی یا قید کی دلیل علامہ کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ نے اُن کے لئے جملہ عِنْدَ رَبِّهِمْ فرمادیا ہے۔

”عِنْدَ رَبِّهِمْ“ کے معنی صرف ”اللہ کے پاس“ کرنے سے بھی کام نہیں چلتا

ہم قارئین کو پہلے یہ بتادیں کہ یہ لفظ ”عِنْدَ“ کے معنی ”پاس“ بھی ہیں اور کچھ اور بھی ہیں۔ یہ اس لئے کہ عربی زبان میں یہ لفظ لفظ نہیں بلکہ حرف ہے۔ اور اسی قسم کے اور بھی بہت سے حرف ہیں۔ ایسے حروف، الفاظ اور جملوں میں، ربط پیدا کرنے اور مفہم کو متعین کرنے کے لئے بہت سے ہیں اور اُن کے اغراض و مقاصد اور معنی و مفہم قواعد کی کتابوں میں بیان ہو چکے ہیں جن پر تمام عربی علماء کا اتفاق ہے۔ اور اسی بنا پر ہم نے مودودی کے مذکورہ معنی کو فی الحال قبول کر لیا ہے۔ یعنی شہد اور صالح مومنین مرتے ہی اللہ کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور قیامت تک وہیں رہتے ہیں۔

مگر اللہ رہتا کہاں ہے؟

جب ہم نے یہ مان لیا تو علامہ ابن کثیر کا یہ کام ہے کہ وہ جگہ بتائیں جہاں اللہ رہتا ہے؟ اگر اُن کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کائنات میں ہر جگہ اپنی پوری قوت و قدرت و صفات کے ساتھ موجود ہے۔ تو وہ منکر ذات و صفات خداوندی ہیں اور اُن سے گفتگو کی ضرورت نہیں رہتی؟ اور اگر وہ یہ مانتے ہیں تو پھر یہ ماننا لازم ہوگا کہ وہ شہد اور صالح لوگ بھی کائنات میں ہر جگہ موجود ہیں۔

ہمارا اللہ کے وجود پر صحیح عقیدہ اور قرآن کے بیانات اور الفاظ دونوں ہماری تائید اور مودودی کی تردید کرتے ہیں

اور ہمارا موقف بھی یہی ہے اس لئے کہ جہاں تک اللہ کی ربوبیت (رب العالمین) ہے وہیں تک اُس کی رحمۃ (رحمۃ للعالمین) ہے۔ یعنی امام زمانہ علیہ السلام کا نظام سارے عالمین کو محیط ہے۔ اور شہد علیہم السلام اُس نظام کے ممبران ہیں اور ہر جگہ ہیں۔

عِنْدَ اللَّهِ نَبِيٌّ فَرَمَا يَلِكُهُ عِنْدَ رَبِّهِمْ فَرَمَا يَهُ

پھر یہ بات یوں بھی صحیح ہے کہ اللہ نے قرآن میں عِنْدَ اللَّهِ نہیں فرمایا اور نہ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ فرمایا ہے۔ لہذا قرآنی دلیل کے ماتحت رب العالمین کے ماتحت تمام ارباب میں امام زمانہ علیہ السلام سب سے بزرگ رب ہیں۔ وہ وہی رب ہیں جن کے کھلے ظہور سے یہ زمین جگمگا اٹھے گی (وَاشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا - زمر 39/69)

عِنْدَ رَبِّهِمْ کے موزوں ترین معنی مودودی جانتے تھے۔ نمونہ دیکھئے

قریشی علما پر ایلینس نے واجب کر دیا ہے کہ محمد و آئمہ علیہم السلام کے مقام بلند کو چھپانے اور مشکوک کرنے کیلئے متعلقہ آیات کے معنی تبدیل کرتے رہیں (فرقان 25/30) چند مثالیں دیکھیں:-

1- دشمنان دین خود ساختہ مطالب کو اللہ اور اُس کی کتاب کے سر چکاتے رہے ہیں

وَأَنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونُ السِّنَنَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿آل عمران 3/78﴾

”اور حقیقت یہ ہے کہ اُن میں ضرور ایک ایسا فرقہ موجود ہے۔ جو کتاب پڑھتے ہوئے اس طرح زبان کا الٹ پھیر کرتا ہے کہ تم یہ سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں وہ کتاب ہی کی عبارت ہے۔ حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی۔ وہ کہتے ہیں کہ:

مودودی ترجمہ: ”یہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتا“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 267)

2- دوسرا نمونہ: قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْتَجِلُونَ بِهِ لَفُضِي الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ - الخ (انعام 6/58)

مودودی ترجمہ: ”کہو اگر کہیں وہ چیز میرے اختیار میں ہوتی جس کی تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 546)

3- تیسرا نمونہ: قَالُوا يَمْؤُوسَى اذْعُ لَنَا رَبِّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ (اعراف 7/134)

مودودی ترجمہ: ”کہتے ”اے مؤسیٰ تجھے اپنے رب کی طرف سے جو منصب حاصل ہے“ (ایضاً جلد 2 صفحہ 73)

4- چوتھا نمونہ: - وَإِنْ تُصِيبَهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ، قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ .. الخ (نسا 4/78)

مودودی ترجمہ: ”اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ تمہاری بدولت ہے کہو سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے“ (ایضاً جلد اول صفحہ 375)

مودودی کو جھوٹا اور فریب ساز ثابت کرنے کے لئے یہ سیکڑوں نمونوں میں سے چار ہی نمونے کافی ہیں اور یہ جملہ عِنْدَ رَبِّهِمْ کے معنی ”اپنے پروردگار کی طرف سے“ کرنے کی دلیل بنتے ہیں اور حقیقت واقعی بھی یہی ہے کہ شہدا علیہم السلام ہوں یا کوئی اور سب کو اُن کے پروردگار ہی کی طرف سے ملتا ہے جو کچھ بھی ملتا ہے۔ لہذا شہداء کے لئے یہ پابندی لگانا باطل ہے کہ وہ جنت میں یا کہیں اور رہنے پر مجبور ہیں۔

5- شہدا کے متعلق ہماری ترجمانی مودودی کے بیان سے بھی صحیح ہو جاتی ہے

حقانیت میں وہ جبروتی قوت ہوتی ہے کہ وہ مخالف کے ہاتھوں بھی حق ثابت ہوتا رہتا ہے۔ مودودی کی ایک بات سنئے:

”مسند احمد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص نیک عمل لے کر دنیا سے جاتا ہے اُسے اللہ کے

ہاں اس قدر لطف اور پرکیرف زندگی میسر آتی ہے جس کے بعد وہ کبھی دنیا میں واپس آنے کی تمنا نہیں کرتا۔ مگر شہید اُس سے متشبیٰ ہے۔ وہ تمنا کرتا ہے کہ پھر دنیا میں بھیجا جائے اور پھر اس لذت، اس سرور اور اس نشے سے لطف اندوز ہو جو راہِ خدا میں جان دیتے وقت حاصل ہوتا ہے۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 302-303)

6۔ اس روایت کو قرآن سے متفق کرنے کے لئے یا ایک بات ماننے یا اس کا انکار کیجئے

علامہ کا وہ بیان جس میں صالح مومنین کو اللہ کے پاس قید رکھنے کی بات ہو چکی ہے آیت کے الفاظ دیکھئے، آیت کا پورا ترجمہ مودودی سے سنئے اور پھر ترجمہ کا نتیجہ ہم سے سنئے اور فیصلہ کیجئے: اللہ نے فرمایا ہے کہ: لَّهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ O (زمر 34/39)

مودودی ترجمہ:

” انہیں اپنے رب کے ہاں وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یہ ہے نیکی کرنے والوں کی جزا“۔ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 372)

آیت کے الفاظ اور اس ترجمہ کا تقاضا ہے کہ جو کچھ وہ لوگ چاہیں یا خواہش کریں یا جو کچھ بھی اُن کی تمنا ہو اللہ اسے پوری کرتا ہے۔ لہذا روایت کی رو سے شہدا کی تمنا دنیا میں واپس جا کر راہِ خدا میں قتل ہونا اور مودودی کا مذکورہ لطف حاصل کرنا ہوگی جو اللہ کے بیان کے مطابق پوری کی جائے گی۔ لہذا اللہ تمام شہدا کو واپس دنیا میں بھیج دے گا۔ یہاں تک تو بات آسان ہے۔ اس کے بعد شہدا کے دوبارہ قتل ہونے کا انتظام فطری طور پر تو یہ ہوگا کہ وہ مومنین کے گروہ میں رہیں دشمنِ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں بنیں تاکہ وہ انہیں اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے قتل کر ڈالیں۔ اور وہ پھر اللہ کے پاس جائیں اور وہاں فراہم کردہ نعمتوں سے پھر مطمئن نہ ہوں اور پھر دنیا میں آنے اور قتل ہونے کی تمنا کریں۔ پھر جائیں۔ پھر دشمنانِ خدا کو خفا کریں اور قتل ہوں۔ یعنی جب تک اللہ اُن کے لئے لذتِ قتل سے زیادہ لذتِ نعمت فراہم نہ کر دے یہ تمنا ختم نہ ہوگی اور جب تک یہ تمنا رہے گی دنیا میں آنا جانا اور دشمنانِ اسلام سے جنگ و قتل ختم نہ ہوگا۔ بہر حال یہ دشمنانِ خدا اور رسول جتنا مان لیں اس پر شکر کریں۔ قرآن بہر حال حق ہے اور اُس کی ہر بات اُٹل ہے خواہ قریش مانیں یا نہ مانیں۔

9۔ جہاد کو ترک کرنے والے یا اُس سے جان و مال عزیز رکھنے والے مومنین علیؑ اور اللہ کی نظر میں کیا مقام رکھتے تھے؟ چند فیصلے۔

قارئین نے جہاد کی تعریف، اُس کے معنی و مفہوم تفصیل سے ملاحظہ کئے جہاد اور مجاہدین کی عظمت دیکھی۔ جہاد پر ولی مطلق بنائے جانے والے علیؑ علیہ السلام کا مختصر سا حال پڑھا۔ اب ہم یہ دکھائیں گے کہ اعلانِ جہاد ہو جانے کے بعد جہاد کی تمام شرائط پوری ہو جانے کے بعد بھی جہاد کے ولی کے حضور میں اپنی جان و مال سے حاضر نہ ہونا اور دل و جان سے مقاصدِ خداوندی کے حصول میں کوشاں نہ ہونا اللہ، رسول اور علیؑ کی نظر میں کیسا ہے؟

(الف) علیؑ کی نظر میں تارکِ الجہاد، ذلتوں، آفات و مصائبِ حوادث، رسوائی، تنزل، حماقت، محرومی اور مظالم کا تخیلِ مشق اور منزل بن جاتا ہے حضرت علیؑ علیہ السلام نے مسلسل فرمایا ہے کہ:

(1) جس کسی نے بھی جان بوجھ کر جہاد کو ترک کیا۔ اللہ سے ذلت کا لباس پہنا دیتا ہے اور آفات و حوادث اور آزمائشوں کا کوٹ

پہنا دیتا ہے۔ (خطبہ 27، جملہ 5)

(2) اور بدنامی اور تنزل میں رہنے کے لئے راندہ درگاہ کر دیتا ہے۔ (خطبہ 27، جملہ 6)

(3) اور اللہ اس کے دل پر بے عقلی اور بے بضاعتی وارد کر دیتا ہے۔ (خطبہ 27، جملہ 7)

(4) جہاد کو ضائع کرنے کے سبب سے اس سے حق رسی کو سلب کر لیا جاتا ہے لہذا وہ باطل پر کاربند ہو جاتا ہے۔ غربت و بے چارگی میں

دھنستا اور پھنستا چلا جاتا ہے اور اس کو انصاف سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ (خطبہ 27، جملہ 8)

جس طرح حضور نے چار جہلوں میں جہاد اور مجاہدین کی عظمت بیان فرمائی تھی اسی طرح قریشی مسلمانوں کو جہاد ترک کرنے اور اس سے

جی چرانے کے نتائج بھی چار ہی جہلوں میں سمیٹ کر قیامت تک اور بعد قیامت پیش آنے والے مصائب و آلام کا انبار لگا دیا ہے۔ جس کا بہت بڑا

ذخیرہ ہم دنیا کے مسلمانوں پر مسلط دیکھ رہے ہیں اور جس سے چھٹکارے کی ہر کوشش ہزار سال سے ناکام و بے نتیجہ ثابت ہوتی چلی آرہی ہے۔ یہ

جہاد کے نعرے مارتے اور اپنے نام نہاد کفر سے پٹنے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے پاس کوئی چیز ان کی اپنی نہیں ہے۔ اگر حکومت ہے تو کافروں کی دی

ہوئی ہے اگر افواج ہیں تو اسلحہ کفر کا صدقہ ہیں۔ یہ روزمرہ صبح شام ریڈیو پر اسلحہ اور ہوائی جہازوں اور دوسرے سامان جنگ کی بھیک مانگتے سنائی

دیتے ہیں۔ کان پک گئے ان کی اپیلوں اور گیدڑ بھیکوں کو سنتے سنتے۔ یہ دنیا کی ساری اقوام میں ذلیل و ذلیل ترین لوگ ہیں۔ ان کی بدکرداری،

بدکردار کافروں سے بھی گھٹاؤنی اور حیا سوز ہے۔ اللہ نے انہیں اور ان کی حکومتوں کو خدا کے منکروں، کمیونسٹوں، یہود و نصاریٰ کا اور ہندوؤں کا

بھکاری بنا دیا ہے۔ یہ مادی سامان کے علاوہ ان سے عقل کی بھیک بھی دن رات مانگتے ہیں۔ یہ ورلڈ چرچ سروس کا صدقہ اپنے دینی مدرسوں کے طلبا

کو کھلانے میں شرم محسوس نہیں کرتے۔ جو سامان ان کے نام نہاد کافروں اور بے دینوں کے یہاں سے غربا کی مدد کے لئے مفت بھیجا جاتا ہے اسے

بازاروں اور مارکیٹوں میں فروخت کر کے لکھ پتی بننے رہتے ہیں الغرض مسلمانوں پر وہ تمام نتائج مسلط ہیں جن کی اطلاع حضرت علی علیہ السلام

نے اپنے مخاطبوں کو دی تھی۔

(ب) اللہ، رسول اور جہاد انتظامی حیثیت سے ہم رتبہ ہیں ان سے اپنی جان و مال و اولاد و اعزاء کو عزیز رکھنے والے عذاب خداوندی کا انتظار کریں

یہاں سے قارئین یہ دیکھیں گے کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور جہاد کو اپنا ہم پلہ اور ہم رتبہ قرار دیا ہے۔ اور یہاں جہاد

کے معنی وہ ہستی ہیں جسے جہاد پر ولی بنا کر (نسا 4/75) مظلوموں، بے کسوں اور بھولے بھالے لوگوں کی رستگاری کا ذمہ دار بنایا ہے۔ اور جس کی

اجازت سے نوع انسان پر تلوار اٹھائی جائے گی۔ اور وہ اجسام کاٹ کر پھینک دیئے جائیں گے جو نوع انسان کے جسم میں پھوڑے اور ناسور کی طرح

مزید خرابی کا باعث ہوں۔ یعنی جس کے فیصلے کے بعد انسانی سروں اور اعضا کا کاٹنا اسی طرح مفید انسانیت ہو جس طرح ایک سرجن کے آپریشن

کے بعد بہتری کا یقین ہوتا ہے۔ اور یہ الم انگیز صورت حال عقلاً و تجرباً مسرت انگیز سمجھی جائے کہ کتنی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی اور کتنے بچے یتیم ہو

جائیں گے۔ جن بچوں کو ان کے والد کی زندگی ڈاکو بنا دے ان کا یتیم ہو جانا اس لئے بہتر ہے کہ انہیں رسول ایسا مہربان باپ پرورش کرے گا عظیم

الشان اور اللہ کا پسندیدہ انسان بنائے گا۔ اور بیواؤں کو ان کے شوہروں سے کہیں زیادہ تحفظ فراہم کرے گا۔ لہذا اللہ اور اللہ کا رسول اور جہاد پر ولی

حضرت علیؑ انتظامی معاملات میں ہم رتبہ ہیں اور جہاد کو چھوڑنے والا درحقیقت اللہ، رسول اور ولی کو چھوڑتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے یوں مخاطب

فرمایا ہے کہ:

قُلْ اِنَّ كَانَ اَبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَاَمْوَالٌ اِفْتَرْتُمْوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا
وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا حَبَّ الْبِكْمِ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَجِهَادٍ فِى سَبِيْلِهِ فَنَبِّضُوْا حَتّٰى يٰتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرٍ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (توبہ 9/24)

”اے نبی آپ تمام مخاطبوں کو بتادیں کہ اگر تمہیں تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے سرخیچ (uper tens) اور تمہارے وہ اموال و جائیدادیں جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہاری وہ تجارت اور کاروبار جس کے منداپڑ جانے کا تمہیں کھٹا لگا رہتا ہے، اور تمہارے وہ گھر جو تمہیں بہت پسند آتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز اور محبوب تر ہیں؟ تو تم بہت خبردار رہ کر اللہ کے دوسرے حکم کے پہنچنے کا انتظار کرو اور سمجھ لو کہ اللہ ایسی پوری قوم کی ہدایت نہیں کیا کرتا جو فاسق یعنی لا تاقانون ہو۔“

اس آیت کے مقاصد نوٹ کر لیں

ہر ایمان لانے والے شخص پر واجب ہے کہ وہ اللہ، رسول اور جہاد کے ولی (4/75) کے سامنے اپنی جان و مال و اولاد و ازواج و آباء و اجداد اور سارے کنبے اور قبیلے اور لیڈروں کو بلا تکلف پیش کرے تاکہ وہ انہیں جس طرح چاہیں استعمال کریں۔

(2) اگر انہیں مندرجہ بالا آیت میں مذکور کوئی چیز اللہ و رسول اور جہاد کے ولی سے عزیز تر ہو تو وہ فاسق ہیں اور انہیں عذاب خداوندی کا منتظر رہنا چاہیے۔

(3) اگر کسی شخص نے اپنے خیال و عقل و تجربے سے اپنا مفاد اللہ و رسول اور ولی سے ہٹ کر سمجھا تو وہ سمجھ و عقل و تجربہ باطل ہوگا۔ اور تمام اعمال باطل ہوں گے جو یوں بجالائے جائیں۔

(4) وہ افراد جو کسی حالت میں کسی مومن کو نقصان نہیں پہنچا سکتے وہ اللہ، رسول اور ولی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتے۔

(5) اللہ، رسول اور ولی کے مقابلے میں اپنی یا اپنے مذکورہ اعزاء، قوم اور لیڈروں کی مصلحت کو ترجیح دینا بھی باطل ہے۔

(6) اللہ، رسول اور ولی کا ہر حکم واجب التعمیل اور مفید ہوگا۔

(7) ہر وہ مسلمان باطل پرست ہوگا جو کسی بھی مسلمان کو اللہ، رسول اور ولی کی منشا کے خلاف مشورہ دے۔

(ج) جو لوگ ایمان لانے کے بعد جہاد نہ کریں یا دلوں میں احکام خدا و رسول کے متعلق کوئی الجھن رکھتے ہوں نہ مومن ہیں نہ سچے لوگ ہیں

حقیقی مومنین اور صادق القول صرف اُن لوگوں کو کہا جاسکتا ہے جو ایمان لانے کے بعد کسی قلبی الجھن میں مبتلا نہ ہوئے ہوں اور جان و مال سے جہاد کیا ہو۔ سنئے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمْ يَرتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (حجرات 49/15)

”درحقیقت مومن تو صرف وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے کے بعد کبھی بھی دلوں میں الجھن محسوس نہ کی اور اپنی جان و مال سے اللہ کے مقاصد کے لئے جہاد کیا۔ اور وہی سچے لوگ بھی ہیں۔“

(د) جن مومنین نے جہاد میں صبر و ثبات قدم نہ دکھایا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ جہاد سے مراد جہاد کا ولی ہے

اللہ نے جنت میں جانے کے لئے ایسی شرط لگائی ہے جسے کسی بھی زمانے کے مسلمانوں کی کثرت پورا نہیں کرتی لہذا سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کی

کثرت جہنم میں جائے گی؟ اللہ کا اعلان سینے اور غور کیجئے:-

(1) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (آل عمران 3/142)

مودودی ترجمہ: ”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں۔

جو اُس راہ میں جائیں لڑانے والے اور اُس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 290)

(2) وَ لَنْبَلُوْنَكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجْهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَ نَبْلُوْا اَخْبَارَكُمْ ۝ (محمد 47/31)

”ہم ضرور تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ تمہارے حالات کی جانچ کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں“

(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 29)

(ہ) مودودی اینڈ کمپنی اگر اللہ کی اصلاح نہ کرتی تو ان دونوں آیات میں محمدؐ کی پوزیشن واضح ہوگئی ہوتی، مگر اللہ متعدد پھر بھی رہ گئے؟

مودودی ترجمہ پر تنقید نہ بھی کی جائے تب بھی یہ ثابت ہو گیا کہ جنت میں ایسا کوئی مومن داخل نہ ہو سکے گا جس نے جہاد نہ کیا ہو۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاد کا حکم 2۔ ہجری میں آیا تھا لہذا حکم نازل ہونے سے پہلے کے مسلمان جنت میں جانا چاہئیں اور ان تمام مسلمانوں کو بھی جنت میں جانا چاہیے جو جہاد کے لئے صالح نہ ہوں یعنی تندرست و توانا نہ ہوں۔ یا اپنے گھر میں اکیلے مرد ہوں۔ یعنی جو لوگ جہاد سے مستثنیٰ ہوں ان کو جنت میں جانا چاہئے۔ بظاہر ان دونوں آیات میں یہ پہلو مذکور نہیں ہے اور نہ ہی تخیلی و پینٹنگی اور جامع طریقے پر مجاہدین کے علاوہ اور مومنین کو جنت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ لیکن ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ جہاں جہاد کا تذکرہ ہو آپ جہاد کے ولی علیہ السلام کے بغیر جہاد کا تصور نہ کریں۔ اس لئے کہ جہاد، جہاد کے ولی کی رضا کے ساتھ جہاد ہے۔ جسے وہ حضرت معذور سمجھیں وہ جہاد میں شریک سمجھا جائے گا۔ جو لوگوں کو جہاد کے لئے تیار کریں ان کی عدم موجودگی میں ان کی ذمہ داریاں سنبھالیں تاکہ وہ اطمینان سے جہاد کریں وہ تمام مومنین و مومنات جہاد کے ولی کے ساتھ جہاد میں شریک مانے جائیں گے۔ یعنی جہاد ہو یا نہ ہو اگر جہاد کا ولی خوش و مطمئن ہے تو اُس کی خوشنودی اور اطمینان ہی جنت میں داخلہ کی ضمانت ہیں۔

(د) دونوں آیات (3/142, 47/31) کو سمجھنے کی وہ راہ جو علامہ نے اللہ کے بیان کی اصلاح کی آڑ میں قارئین سے چھپا دی ہے

اللہ نے ان دونوں آیات میں تین دفعہ ایسی بات فرمادی ہے جو اللہ کے لئے مودودی کو شایان شان معلوم نہیں ہوئی اس لئے علامہ نے لفظ ”يَعْلَمُ“ دو مرتبہ اور لفظ ”نَعْلَمُ“ کا ترجمہ ”دیکھا“ اور ”دیکھ لیں“ کر دیا ہے جو غلط ہے ہم آپ کو صحیح ترجمہ دکھاتے ہیں:-

1- لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ ”ابھی تو اللہ کو علم ہی نہیں ہوا ہے“

2- يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ”صبر کرنے والوں کا علم حاصل کر لے“ یہ دونوں جملے پہلی آیت (3/142) میں استعمال ہوئے تھے۔

3- نَعْلَمَ الْمُجْهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ ”جہاد کرنے والوں کا علم حاصل کر“ اور ”صبر کرنے والوں کا علم حاصل کر لے“

علامہ نے چاہا کہ اللہ سے علم کی نفی کی اصلاح کر دی جائے۔ یعنی اللہ نے اپنی ذات سے علم کی نفی کر کے غلطی کی تھی۔ علامہ کو یہ غلطی پسند نہ

آئی انہوں نے اللہ کی لاج رکھ لی اور قارئین سے غلطی چھپا دی۔ ہم دونوں آیتوں کا لفظ بلفظ ترجمہ کرتے ہیں۔ سنئے:

پہلی آیت کا ترجمہ۔ ”کیا تم نے یہ حساب لگا رکھا ہے کہ تم بلا باز پرس ہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ کو ان لوگوں کا علم ہی نہیں ہوا

جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور نہ یہ معلوم ہوا کہ تم میں سے صابر کون کون ہیں،‘ (3/142)

دوسری آیت کا ترجمہ۔ ”ہم ضرورتاً لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں گے۔ یہاں تک کہ ہمیں یہ علم ہو جائے کہ تم میں سے مجاہدین کون کون ہیں اور صبر کرنے والے کون کون ہیں اور تمہاری خبروں کو بھی آزمائیں گے،‘ (47/31)

اللہ نے یہی کچھ فرمایا ہے، ہمیں اس میں کسی اصلاح کی اس لئے ضرورت نہیں کہ اللہ نے قرآن میں بار بار اپنی اور اپنے جانشینوں خلفاء اور انبیاء و رسل یا ناسین کی پوزیشن واضح کی ہے اور ہم اس پوزیشن پر ایمان لائے ہیں اور ہمارے ایمان میں کسی صورت میں کوئی الجھن (ریب) اور کوئی شک و شبہ ممکن ہی نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ کے اقوال و افعال اللہ کے اقوال و افعال ہیں۔ یہاں تک کہ یہ سارا قرآن اور اسکی تمام تفصیلات بقول خدا، رسول کا ایک قول ہے (اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِيْمٍ) (حاقہ 69/40، یکمور 81/19) رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ حضور کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ رسول کی خوشنودی اللہ کی خوشنودی ہے۔ رسول کا دیکھنا اللہ کا دیکھنا ہے۔ الغرض رسول سر سے پیر تک اللہ کے نمائندے ہیں رسول کا جاننا اللہ کا جاننا ہے۔ لہذا ان دونوں آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب تک لوگ تلوار لے کر جہاد نہ کر لیں اور ثبات قدم کا ثبوت نہ دے دیں، اُس وقت تک اللہ کسی کو علم غیب کی رو سے مجاہد اور صابر نہ کہے گا اور جب رسول کو عملی علم ہو جائے گا تب اللہ اُن کے جہاد و صبر کو قبول کرے گا اور تصدیق کر دے گا۔ پھر علامہ کی اس اصلاح میں اللہ کے علم کی نفی تو دور کر دی گئی مگر اللہ کی وحدانیت پر جو حرف آتا تھا۔ اُس کی اصلاح نہیں کی گئی یعنی اللہ کی وحدانیت کی نفی کر دی گئی اور مان لیا کہ اللہ ایک نہیں بلکہ کئی ایک اللہ ہیں اور اسی لئے جمع کے صیغے سے بات کرتے ہیں۔ یعنی:-
علامہ کا ترجمہ: ہم ضرورتاً لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں گے۔

ہم نے بار بار یہ بتایا ہے کہ اللہ نے جہاں جہاں بھی اپنے لئے جمع کا صیغہ (فَحَسْبُ) بولا ہے وہاں اُن جمع میں ادارہ نبوت محمدیہ شامل ہوتا ہے۔ یعنی ”میں، میرا رسول اور میرا ولی اور میرے ملائکہ تمہیں ضرور آزمائش میں ڈالیں گے۔ اور ہم سب تمہارے حالات و اخبار کی ٹوہ لگائیں گے۔ اور معلوم کر کے رہیں گے کہ تم میں مجاہدین اور ثبات قدم کون کون ہیں اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے والے اور پہاڑوں پر جا چڑھنے والے کون ہیں،‘ (3/142, 47/31)

ہمارے عقائد ایسے عقائد ہیں کہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ بدلنے کی احتیاج نہیں ہوتی۔ ہم اللہ کے ہاتھ علی کے ہاتھوں کو مانتے ہیں اللہ کا چہرہ ان حضرات کا چہرہ ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ جہاں جہاں اللہ کی بات یا صفات میں ممکن الوجود جھلکتا ہے وہاں اللہ سے محمد یا اجزائے نور محمد صلی اللہ علیہ و علیہم مراد ہوتے ہیں۔ ہم اللہ سے محمد اور اُن کے جانشین حضرات کو جدا کرنا بے دینی یقین کرتے ہیں (نساء 4/150, 151) اور وہی بے دینی قریش کا حقیقی دین ہے (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا)

(ز) جہاد کا ولی اگر تمام مسلمان فوج کے قلوب کا تسلیم شدہ نہ ہو تو جہاد اُس فوج کا محافظ نہیں ہوتا اُسے نماز خوف پڑھنا پڑتی ہے

عہد رسول کے مسلمانوں کی کثرت یعنی قریش حضرت علی علیہ السلام کی روز اول سے مخالف تھی۔ یہ مخالفت دعوت ذی العشرہ (شعرا 26/214) کے دن (نبوت کے چوتھے سال سے) شروع ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ اس دعوت میں قریش آنحضرت کی وزارت و حکومت و خلافت کیلئے تیار نہ ہوئے، آخر حضور نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ اور وزیر بنانے کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد قریش نے یہ اجماعی فیصلہ کیا کہ خاندان نبوت میں خلافت اور حکومت نہ جانے دیں گے (الفاروق حصہ اول صفحہ 103 طبری حصہ سوم صفحہ 282-279) لہذا قریش نے حضرت علی علیہ السلام کو ولی

اور خلیفہ رسول اور وزیر کبھی نہیں مانا تھا۔ وہ صرف دنیاوی اقتدار و حکومت اور دولت کیلئے ایمان لائے تھے (آل عمران 155, 153, 152/3) یہ لوگ جہاد کو لوٹ مار اور مال غنیمت حاصل کرنے کا ذریعہ یعنی عام قبائلی جنگ سمجھا کرتے تھے۔ اور ان کے نزدیک فتح و کامیابی اللہ کے ہاتھ میں نہیں بلکہ فوجی کثرت اور فنون جنگ جانے پر ہوتی تھی۔

قریش جہاد کو جنگ سمجھتے تھے اور فتح و شکست اپنی فوجی کثرت اور سامان جنگ پر منحصر رکھتے تھے اس لئے ہزیمت ہوتی تھی

اللہ نے قریش کو ان کی کثرت پر غور کے لئے میدان جہاد میں شکست دی تھی اور ان کا کافرانہ تصور بیان کیا تھا کہ:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعَجَبْتُمْكُمْ كَثْرَتَكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ... الخ (توبہ 27 تا 29/9)

”یقیناً اے قریشی فوج اللہ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کی ہے۔ اور غزوہ حنین میں بھی تم نے اللہ کی نصرت کو دیکھا تھا۔ جب تم اپنی افرادی کثرت پر گھمنڈ میں مبتلا تھے اور وہ کثرت ذرہ برابر تمہارے کام نہ آسکی بلکہ اللہ اللہ پر یہ وسیع و عریض زمین تنگ ہو گئی تھی اور تم دم دبا کر پیٹھ پھرا کر اپنی ولایت کی طرف فرار کر گئے تھے۔ پھر تمہارے میدان جنگ سے بھاگ جانے کے بعد اللہ نے اپنے رسول اور باقی ماندہ مومنین پر اپنا سکینہ نازل کیا اور ساتھ ہی وہ فوجیں نازل کر دیں جنہیں تم نہ دیکھ سکے۔ اور حق پوٹ برسر جنگ افواج والوں کو عذاب میں مبتلا کیا اور وہی حق پوشی کا اور حق پوشوں کے لئے بدلہ تھا۔ اور اللہ نے جنہیں معاف کرنا پسند کیا ان کی توبہ قبول کر لی تھی۔ اور اللہ تو ہے بھی غفور اور رحیم“ (توبہ 27 تا 29/9)

قارئین نوٹ کر لیں کہ عہد رسول میں مسلمانوں کو کثرت کے باوجود شکست بھی ہو جاتی تھی اور پھر خاص انتظام کے ذریعہ سے رسول کو شکست سے بچا لیا جاتا تھا۔ اور چونکہ قریش کے مسلمان اپنی قریشی قوم کے حملہ آوروں کو گلوں سے جنگ کرنا چاہتے نہ تھے۔ اور موقع ملتے ہی فرار ہو جاتے تھے تاکہ حملہ آور قریش رسول کو گھیر کر قتل کر دیں اور یوں قریشی مسلمان رسول کی حکومت سنبھال لیں۔ رسول بھاگنے والوں کو پکارتے رہ جاتے تھے اور وہ پلٹ کر رسول کی طرف دیکھتے بھی نہ تھے (آل عمران 3/153) قریش کی بے دینی کی وجہ سے جہاد کا ولی اور اللہ انہیں برابر تجربہ کراتے رہے تاکہ وہ اپنی بد عقیدگی اور بے دینی کو ترک کریں اور اللہ علی کا تحفظ حاصل کر لیں۔ مگر ان کا مقصد عقائد کی اصلاح کرنا تھا ہی نہیں وہ تو افرادی قوت سے کامیابی چاہتے تھے۔ اس لئے جہاد میں بھی ان پر جنگ والے قوانین عائد رکھے گئے تھے۔

عہد رسول کے بد عقیدہ قریش کی وجہ سے جہاد کا سفر بھی محفوظ نہ تھا اور خود جہاد کے دوران انہیں ڈرتے ڈرتے آدھی نماز بھی نہ ملتی تھی

حضرت علی علیہ السلام کو جہاد کا ولی مانا جاتا تھا تو جہاد خود مومنین کا محافظ اور فتح کا ضامن تھا اور عہد رسول کے قریشی مجاہدین کو ڈر ڈر کر

پھونک پھونک کر قدم رکھنا اور سفر کرنا پڑتا تھا اور جنگ کے دوران انہیں آدھی نماز بھی ایک دم پڑھنے کو نہ ملتی تھی۔ قرآن کا اعلان سنئے:

وَإِذَا صَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا أَعْدَاؤُكُمْ وَأَعْدَاؤُكُمْ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكُمْ وَلْيَا خُذُوا أَسْلِحَتِهِمْ فَاذًا سَجِدُوا فَلَئِكُمْ مِنْ وَرَائِكُمْ وَلَتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكُمْ وَلْيَا خُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَذَ الَّذِينَ كَفَرُوا

لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْعِيَّتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً.. الخ (ساء 102, 101/4)

”اور جب تم لوگ جہاد کے سفر پر نکلو تو نماز کو کم کر دینے میں کوئی حرج نہیں جب کہ تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ لوگ کوئی فتنہ برپا کر دیں گے جنہوں نے حق کو چھپا دینے کا تہیہ کر رکھا ہے اس لئے کہ حق پوش لوگ تو تمہارے کھلم کھلا دشمن ہیں۔ اے نبیؐ دوران جہاد جب تم ان فوجیوں کے ساتھ خود بھی میدان کارزار میں موجود ہو اور انہیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہو تو ان فوجیوں میں سے ایک گروہ تمہارے پیچھے نماز کے لئے کھڑا ہو جائے اور اپنا اسلحہ ساتھ رکھے جب یہ گروہ سجدہ کر چکے تو نماز چھوڑ کر واپس میدان جنگ میں جا پہنچے۔ ساتھ ہی دوسرا گروہ آجائے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہو وہ بھی پہلے گروہ جتنی نماز پڑھے اسلحہ ساتھ رکھے اور چوکنا رہے۔ اور سجدہ کے بعد لڑائی میں شریک ہو جائے۔ اسلحہ کا بڑا خیال رکھیں کیونکہ حق پوش لوگ تمہاری غفلت کا انتظار کرتے ہیں۔ تاکہ جیسے ہی تمہیں غافل پائیں تو تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔“

(ح) جہاد کے ولی کو اُس کا پورا مقام دینے والے مجاہدین خوف و ہراس سے محفوظ ہو جاتے ہیں سفر اور عبادت میں خلل نہیں پڑتا ہے

قارئین نے دیکھ لیا کہ عہد رسولؐ میں قریش کی وجہ سے سارے مسلمانوں کو خوف و ہراس سے دوچار رہنا پڑتا تھا۔ اس لئے بھی کہ رسولؐ کے مقابلہ میں تیغ بکف گروہ قریش کا تھا۔ اور انہوں نے اپنے قابل اعتماد لوگوں کو اسلام کی نقاب میں خود آنحضرتؐ کے چاروں طرف پھیلا دیا تھا۔ جنہوں نے منت سماجت کر کے اپنی بیٹیاں رسولؐ کے حرم میں پہنچا دی تھیں۔ یعنی رسولؐ اپنے گھر کے اندر بھی اپنے دشمنوں سے محفوظ نہ تھے۔ وہاں عائشہ بنت ابوبکر اور حفصہ بنت عمر نے اسلام کے نام پر رسولؐ کے خلاف محاذ بنا رکھا تھا۔ (تحریم 4 تا 66/1)

یہاں یہ بھی نوٹ کریں کہ نماز کو جہاد کے دوران ثانوی پوزیشن بھی نہیں دی گئی ہے۔ اگر بھاگتے دوڑتے ایک رکعت بھی مل جائے تو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ جو لوگ دن رات نماز کے نعرے مارتے ہیں ان کو بتاؤ کہ تم جھوٹے ہو۔ تمہاری کوئی عبادت بلا وسیلہ (ماندہ 5/35) قبول نہیں ہوتی ہے۔

(ط) قریشی مسلمانوں کا عہد رسولؐ میں قریشی مخالفوں سے جنگ و جہاد سے بچ کر رہنا اور جی چرانا ہی قریشی سازش و گٹھ جوڑ کاراز کھولتا ہے

قارئین یہ سمجھ لیں کہ اگر اللہ نے جہاد اور جہاد کے ولی کا اعلان نہ کیا ہوتا اور مکہ کے قریشی سرداروں نے جارحانہ حملے نہ کئے ہوتے تو کوئی بھی قریشی سازش کو نہ سمجھ سکتا۔ سب نے ابوبکر و عمر و طلحہ و زبیر کو، ان تمام قریشیوں کو حقیقی مومن ہی سمجھا ہوتا جو اعلان نبوت کے بعد جلدی جلدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اور قریشی علما جو مقام ان لوگوں کو دیتے چلے آ رہے ہیں۔ اُس پر شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ رہتی۔ مگر قریش کی بد قسمتی کہنے یا ان کی سازش پالیسی کی خامی قرار دیجئے یا ان کا اپنی افرادی اور مالی قوت پر غلط بھروسہ سمجھنے کہ انہوں نے جبر و ظلم و نیزہ و تلوار کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بنا لیا۔ جیسا کہ بعد کے حالات سے ظاہر ہوا کہ وہ اپنی سازش میں کامیاب تو ضرور ہو گئے۔ مگر سازش کا سر بستہ راز کھل گیا۔ اور آخر خلیفہ دوم نے خود بھی تسلیم کر لیا۔ (الفاروق۔ تاریخ طبری)

یہ سب جہاد اور جہاد کے ولی حضرت علیؑ علیہ السلام کی پالیسیوں سے ممکن ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن میں جگہ جگہ آپ کو اللہ کے ایسے بیانات ملیں گے جن سے اسلام اختیار کر لینے والے قریشیوں کا اسلام کے منکر اور دشمن قریشیوں سے ساز باز کرتے رہنا، ان سے راہ و رسم و روابط برقرار رکھنا، ان سے محبت و مودت رکھنا، ان کو راز دار و مونس و غمخوار سمجھنا ہی نہیں ثابت ہوتا بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا چلا جاتا ہے کہ مسلمان ہو چکنے والے قریش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا حقیقی مرکز و حکمراں ماننے کے بجائے مکہ کے قریشی مرکز کو اپنا حکمران مانتے اور اُس کے احکام کی تعمیل کرتے چلے گئے۔ اللہ کا یہ بیان سننے جو اعلان نبوت سے اکیس سال کے بعد کیا گیا تھا۔ یعنی قریش کو اسلام لا کر روزہ نماز و زکوٰۃ و حج و جہاد بجالاتے ہوئے اکیس سال گزر چکے ہیں اور رسول کی وفات میں صرف دو سال باقی ہیں۔ اُس وقت قریش کیسے مسلمان و مؤمن تھے؟ سنئے: ترجمہ مودودی کا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْخُدُوا عِدَّوِيَّ وَعَدَّوَكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمُودَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ، يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُوْا مِنْوَابًا لِلَّهِ رَبِّكُمْ، إِنْ كُنْتُمْ حَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمُودَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (سورہ ممتحنہ 60/1)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم اُن کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور اُن کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلاء وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب، اللہ پر ایمان لائے ہو۔ تم چھپا کر اُن کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو اعلان نہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 423-424)

اس ترجمہ پر تنقیدی نظر، قرآن کو خود ساختہ افسانوں کے ماتحت نہیں رکھا جاسکتا، اولیاء اور مودۃ کے معنی دوست اور دوستی نہیں ہوتے، مضارع کو آزاد رکھیں قارئین نوٹ کریں کہ قریش نے روز اول سے قرآن کا رخ موڑنے کے لئے تمام اہم اور اپنے لئے آنے والی خطرناک آیات کے سلسلے میں چار سو سال تک اپنے ماہرین سے موزوں افسانے گھڑوائے تھے۔ جنہیں قرآن کی تفسیر کہہ کر پبلک میں پھیلانے کے لئے دن رات دولت اور خون بہایا گیا۔ اس آیت (60/1) کے متعلق بھی ایک شخص حاطب بن ابی بلتعہ کو ہیر و بنا کر ایک افسانہ مشہور کیا گیا ہے کہ اُس نے اہل مکہ کو ایک خط کے ذریعہ سے رسول اللہ کی فوجی تیاری اور حملہ کے متعلق اطلاع دینا چاہی تھی۔ اور وہ خط پکڑا گیا تھا۔ بہر طور یہ قصہ سر سے پیر تک ایک سیاہ جھوٹ اور مکر ہے تاکہ اُن کی قومی پالیسی ڈھکی رہ جائے اور ایک فرضی شخص کو قربانی کا بکرا بنا کر پھر اُسے بھی جال سے نکال لیا جائے۔ اس آیت (60/1) میں کہیں کوئی ایسا لفظ یا اشارہ تک نہیں ہے کہ یہاں کسی ایک آدمی کی کوتاہی یا غلطی یا غداري بیان ہوئی ہے۔ یہ تو پوری قوم کی بات کرتی ہے اور اس قوم کی مستقل عادت بیان کر رہی ہے۔ اور تمام مجرم مؤمنین کو یَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ اگر قصور ایک آدمی کا ہوتا تو سب کو مجرم قرار دینا خود جرم ہوتا۔ پھر اگر علامہ کے ترجمہ کو بلفظ صحیح مان لیا جائے تب بھی تمام مخاطبین کی مستقل عادت بیان کی گئی ہے کہ:

(1) تَسْخُدُوا: مضارع ہے اور ثابت کرتا ہے کہ مجرم مؤمنین بحیثیت مجموعی اللہ کے دشمنوں کو اپنا دوست بناتے تھے اور بناتے رہیں گے۔

اس لئے حکم دیا گیا کہ: ”تم میرے دشمنوں کو دوست نہ بنایا کرو“

اگر ترجمہ صحیح کیا گیا ہوتا تو اللہ کا حکم یہ ہے کہ: ”اے لوگو جو ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو تم میرے دشمنوں کو اپنے حکمران نہ بنایا کرو“۔

ہم علامہ کے قلم سے صحیح ترجمہ دکھانے والے ہیں۔ اور آگے بڑھنے اللہ نے فرمایا کہ:-

(2) تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمُودَّةِ - یہاں بھی لفظ تُلْقُونَ مضارع ہے۔ اور مودۃ کے معنی دوستی کئے گئے ہیں۔ حالانکہ مودۃ میں دوستی سے بڑھ

کراحترام لازم ہے۔ یعنی مودۃ بزرگوں سے ہوتی ہے۔ تُلْقُونَ کے معنی ”طرح ڈالنا“ محض بکواس ہے۔ یہ لفظ ”لِقَاء“ سے بنتا ہے اور معنی ہیں

زیارت یاد دلا کرنا (قرآن) حکم کا مطلب یہ ہوا کہ:

”تم لوگ اُن کا بڑے احترام اور عقیدت سے دیدار کرتے ہو اور کرتے رہو گے، یعنی جب بھی ملتے ہو تو سرفوق تعظیم بجالا کر زیارت کرتے ہو“ کہیں بھی نہ خط لکھنے کی بات ہے نہ ایک شخص کا ذکر ہے اور نہ اتفاقاً یہ بات ہے۔ مستقل رویہ یہی ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ:

(3) تَسْرُوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ - یہ لفظ تَسْرُوْنَ بھی مضارع ہے اور معنی یہ ہوئے کہ:

”تم اللہ کے دشمنوں سے نہ صرف اتنا کہ بڑے احترام و عقیدت سے ملاقاتیں کرتے ہو اور کرتے رہو گے بلکہ تم اُن عقیدت مند انہ ملاقاتوں کو صیغہ راز میں بھی رکھتے ہو اور برابر رازداری سے ملاقات کرتے بھی رہو گے“ اور یہ کہ:

(4) ”تم اللہ کے دشمنوں کو اپنے حکمران بناتے ہو اور بناتے چلے جاؤ گے۔ تم اللہ کے دشمنوں کے حضور میں اپنا خلوص و عقیدت پیش کرتے ہو اور برابر ایسا کرتے رہو گے اور یہ سب کچھ تم نے نہایت رازدارانہ انداز میں جاری کیا ہوا ہے مگر میں تمہاری ہر خفیہ اسکیم پر خوب مطلع ہوں۔ تمہارا ظاہر تو یہ ہے کہ تم اسلام لائے ہو مومن ہو مگر باطن یہ ہے کہ تم اسلامی اقتدار پر قبضہ جمانے کے لئے یہ سب پاپڑ بیل رہے ہو۔ اگر تم سے ہو سکے تو آئندہ یہ کاروبار بند کر دو اور سن رکھو کہ جو کوئی بھی اس کاروبار میں لگا رہے گا وہ راہ راست سے ہٹ کر باطل کا پیرو ہو چکا ہے۔“

قارئین قریشی دانشوروں کا افسانہ پڑھیں اور دیکھیں کہ اس آیت اور ان مستقل بیانات سے اُس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے اللہ نے تو تمام مجرم مخاطبین پر یہ طنز کیا ہے کہ:

”بظاہر تو تم میری راہ میں اور میری خوشنودی کے لئے جہاد کے لئے نکلے ہو لیکن حال تمہارا یہ ہے کہ نہایت رازداری سے تم مکہ کے قریشی مرکز سے وابستہ ہو۔ چپکے سے اپنا خلوص اور عقیدت برقرار رکھتے ہوئے موقع کی تلاش میں ساتھ ساتھ رہتے ہو دشمنانِ دین کو اپنا حکمران بنا رکھا ہے اور سمجھتے ہو کہ کسی کو اس سازش کا علم نہیں ہے۔“

قریش ساز افسانہ کو فریب ثابت کرنے کے لئے آیت کا ایک اور جملہ

قارئین کرام اُس قصے میں کہیں یہ وہم تک بھی نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے جہاد کے لئے فوج لے کر نکل چکے تھے۔ مگر آیت یہ کہتی ہے کہ: **إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي..... (60/1)**

علامہ کا ترجمہ ”اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو، میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔“

اس ترجمہ سے اور آیت کے لفظ **خَرَجْتُمْ** (تم نکلے ہو) سے واقعہ یہ ہے کہ آیت جہاد کے سفر کے دوران کی بات کر رہی ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کی رو سے مدینہ میں مقیم نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کی فوج کو مدینہ سے لے کر کہیں باہر ہیں اور جہاد کی غرض سے سفر جاری ہے یا کہیں مدینہ سے دور دشمن سے جنگ کا انتظار فرما رہے ہیں اور یہ کہ تمام مسلمان اس لئے مدینہ سے نکلے تھے (خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي) کہ وہ راہ خدا میں جنگ کے لئے جا رہے ہیں۔ اس صورت حال کے خلاف قریشی افسانہ یہ بتاتا ہے کہ حضور اور تمام مسلمان مدینہ میں اپنے اپنے گھروں میں ہیں اور ابھی ننانوے فیصد مسلمانوں کو یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ انہیں کہیں جہاد کے لئے جانا ہے۔ لیکن افسانے کا ہیر و کسی طرح رسول اللہ کے دل کی یا اللہ کے غیب کی بات معلوم کر لیتا ہے اور اہل مکہ کو اطلاع خط لکھتا ہے کہ ہوشیار ہو جاؤ تم پر رسول اللہ حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ خط

ایک عورت کو دیتا ہے۔ عورت کو مدینہ سے باہر پکڑ کر اس سے وہ خط برآمد کر لیا جاتا ہے۔ اور خط والے ہیر کو ڈانٹ ڈپٹ بھی مدینہ کے اندر ہی کی جاتی ہے۔ یعنی افسانہ مدینہ میں قیام بتاتا ہے اور اللہ سارے مسلمانوں کو جنگ کیلئے مدینہ سے باہر دکھاتا ہے۔ لہذا افسانہ سازوں کو یقین تھا کہ نہ کوئی ہمارے افسانے پر شک کرے گا اور نہ غور و خوض و تنقید کرے گا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ثلاثہ اینڈ کمپنی کے نام نہاد مخالفوں یعنی شیعہ علمائے بھی اس افسانہ کو من و عن تسلیم کر کے اپنی تفسیروں اور تشریحات میں بھی لکھ دیا۔ اور کسی نے آیت کے الفاظ (خَوْرَجْتُمْ) پر توجہ نہ دی۔ جو بتاتے ہیں کہ واقعہ مدینہ کے اندر کا ہے ہی نہیں۔ اور نہ کسی ایک دفعہ کی بات ہے بلکہ یہ تو قریشی مسلمانوں کی مستقل عادت و سنت رہی ہے کہ جنگ کے دوران بھی اپنے مکی مرکز کے اشاروں پر چلیں۔ اس مستقل عادت و سنت اور عملدرآمد کا نتیجہ قریشی مسلمانوں کو یہ فرما کر بتایا تھا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا اللَّهَ وَاللَّيْنِ كَفَرُوا يُرَدُّكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَسَبِقُوا خَيْبَرَ إِنَّ أُولَٰئِكَ لَمُؤْمِنُونَ (آل عمران 3/149)

مودودی ترجمہ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم ان لوگوں کے اشاروں پر چلو گے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو وہ تم کو الٹا پھیر لے جائیں گے۔ اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 293)

قارئین سوچیں کہ اگر ایسے مسلمان اور مومن موجود نہ تھے اور مکہ والے کافروں کی ”اطاعت“ نہ کرتے تھے؟ تو اللہ نے اس آیت (3/149) میں مومنین پر تہمت لگائی ہے۔ اور ایسا خیال خالص بے دینی پر مبنی ہے۔ لہذا یہ مان کر مسلسل چند آیات (154-155/3) کو پڑھئے قریشی سازش کھل کر سامنے آجائے گی کہ یہ تہمت نہیں حقیقت واقعی ہے۔

(ی) قریشی لیڈروں اور علمائے علیؑ سے عداوت اور ثلاثہ اینڈ کمپنی سے محبت کی بنا پر پورے قرآن میں رد و بدل کی (25/30) اور لفظ ”ولی“ و ”مولیٰ“ کا بھی ستیاناس کیا۔

اس خطبے (27) کے ماتحت بات جہاد کے ولی (ہمدرد ترین حاکم) کی ہو رہی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم قریش کی اُس سازش کی جھلک دکھاتے چلیں جس میں عربی زبان کے معنوی استقلال کو عموماً اور قرآن کریم کے الفاظ کو خصوصاً تباہ کیا گیا ہے۔ تاکہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے لئے استعمال شدہ الفاظ کے معنی کو بدل بدل کر اتنا مشکوک کر دیا جائے کہ بڑے سے بڑا محقق بھی زیر تخریب الفاظ کے معنی کا صحیح تعین اور تشخیص کرنے میں ناکام ہو کر رہ جائے اس سلسلے میں ہم یہاں صرف ایک لفظ ”ولی“ کی تخریب پر صرف ایک قریشی عالم کی کوشش آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ اسی گفتگو کے دوران آپ کو قریش کی اُس ہمہ گیر سازش کا پتہ بھی چل جائے گا جس کے ماتحت انہوں نے اپنے راج کردہ غلط معنی سے لغات یا ڈکشنریوں کو بھی بھروا دیا تاکہ معنی تلاش کرنے والا شخص خود گم ہو کر رہ جائے۔ اور جو گم نہ ہونا چاہے وہ مجبور ہو کر وہی معنی اختیار کرے جو قریشی سازش نے پسند کئے تھے۔

اول۔ ”ولی“ اور ”اولیاء“ کے معنی و مفاہیم کو بکھیرنے، بگاڑنے اور مشکوک کرنے میں مودودی تمام سابقہ علماء سے بڑھ گئے ہیں

مودودی صاحب نے الفاظ ”ولی“ اور ”اولیاء“ کے معنی کو تباہ کرنے کے لئے عربی زبان کی غلط وسعت کی آڑ اختیار کرتے ہوئے لکھا کہ:

”اصل میں لفظ ”اولیاء“ استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم عربی زبان میں بہت وسیع ہے۔ معبودانِ باطل کے متعلق گمراہ انسانوں کے

مختلف عقائد اور بہت سے مختلف طرز عمل ہیں جن کو قرآن مجید میں ”اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا ولی بنانے“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن

پاک کا تتبع کرنے سے لفظ ”ولی“ کے حسب ذیل مفہومات معلوم ہوتے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 480)

آیت (ممتحنہ 60/1) میں ذکر مومنین کا ہوا ہے مگر مودودی گمراہ انسانوں کے ولی کی بات سے دھوکا دیتے ہیں

زیر بحث آیت (60/1) میں اللہ نے مومنین کو منع کیا ہے کہ ”تم میرے دشمنوں کو ولی نہ بناتے رہو“ مگر علامہ لفظ ”ولی“ کے وہ مفہام لکھیں گے جو بقول اُن کے ”گمراہ انسان“ ”ولی“ کے متعلق اختیار کرتے تھے اور اس ہیرا پھیری کے بعد اُن مفہام کو اس آیت (60/1) کے ہی نہیں سارے قرآن کے سرچکا کر مسلمانوں کو کھلا دھوکا دیں گے۔ بہر حال اُن کے بیان کردہ مفہام سننے ارشاد ہے کہ:

ولی کے کافرانہ مفہام جو علامہ نے اختیار کئے یا گاڑے ہیں۔

- 1- ”جس کے کہنے پر آدمی چلے، جس کی ہدایت پر عمل کرے۔ اور جس کے مقرر کئے ہوئے طریقوں، رسموں اور قوانین و ضوابط کی پیروی کرے۔ (نساء آیات 118 تا 122 - سورہ اعراف 3، 27، 30) (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 480)
- 2- ”جس کی راہنمائی (Guidance) پر آدمی اعتماد کرے اور یہ سمجھے کہ وہ اُسے صحیح راستہ بتانے والا اور غلطی سے بچانے والا ہے۔ (البقرہ 257 - بنی اسرائیل 97 - الکہف 17، 50 - الجاثیہ 19) (ایضاً صفحہ 480)
- 3- ”جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ میں دنیا میں خواہ کچھ بھی کروں وہ مجھے اُسکے بُرے نتائج سے، اور اگر خدا ہے اور آخرت بھی ہونے والی ہے، تو اُسکے عذاب سے بچالے گا“ (النساء 123، 173 - الانعام 51 - الرعد 37 - العنکبوت 22 - الاحزاب 65 - الزمر 3) (ایضاً صفحہ 480)

4- ”جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ وہ دنیا میں فوق الفطری طریقے سے اُس کی مدد کرتا ہے، آفات و مصائب سے اُس کی حفاظت کرتا ہے، اُسے روزگار دلاتا ہے، اولاد دیتا ہے، مرادیں بر لاتا ہے، اور دوسری ہر طرح کی حاجتیں پوری کرتا ہے (ہود 20 - الرعد 16 - العنکبوت 41)۔ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 480)“

قارئین نے نوٹ کر لیا ہوگا کہ مودودی نے صرف ایک لفظ (ولی) کے اتنے معنی و مفہام لکھ دیئے ہیں کہ قاری ان چاروں نمبروں کے ماتحت لکھے ہوئے معنی میں سے کسی ایک معنی کو اختیار کرنے میں ہچکچائیں گے۔ اور جس مفہوم کو اختیار کریں گے اُسے اختیار کرنے میں اُن کے پاس کوئی ایسی دلیل نہ ہوگی جس سے باقی معنی کو ترک کرنا جائز ہو جائے۔ اور یہی صورت خود مودودی کے سامنے آئی ہے۔ اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ: ”بعض مقامات پر قرآن میں ”ولی“ کا لفظ ان (چار نمبروں میں مذکور معنی) میں سے کسی ایک معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور بعض مقامات پر جامعیت کے ساتھ سارے مفہومات مراد ہیں“۔ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 480-481)

یعنی یہ فیصلہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے کہ قرآن میں لفظ ولی کے کون سے معنی کہاں کئے جائیں؟ اور کون سے معنی کہاں اور کیوں چھوڑ دیا جائے؟ نتیجہ یہ نکلا کہ جس مترجم کا جو دل چاہے لفظ ”ولی“ کو وہی کچھ بنا لے مگر مودودی کی چوحدی کی حدود سے باہر نہ نکلے۔

(دوم) عربی زبان اور قرآن کے معنوی استقلال کو تباہ کرنے میں فریب ساز علمائے جو چالاکی کی ہے اُس چالاکی سے تعارف؟

ہمارے اُردو داں قاریوں کو اُس چالاکی سے متعارف کرانا ضروری ہے جس چالاکی اور چال بکدستی سے علماء قرآن کے غلط معنی کو صحیح معنی بنا کر نادان قاریوں کو گمراہ کرتے چلے آئے ہیں۔ پہلی بات یہ یاد رکھیں اور سمجھ کر غور فرمائیں کہ عربی زبان واقعی بہت وسیع ہے۔ اور علماء عربی کی وسعت ہی سے لوگوں کو مرعوب کر کے اپنا اُلوسیدھا کرتے ہیں۔

وہ زبان ہرگز وسیع نہیں ہو سکتی جس میں ہر تصور کے اظہار کے لئے مستقل الفاظ موجود نہ ہوں

نادان و ناسمجھ لوگوں کے سامنے ایسا جملہ بولتے بھی ہیں اور لکھتے بھی ہیں کہ:

”عربی زبان بہت وسیع زبان ہے اُس میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں“۔

یہ یا ایسا جملہ سُن کر نادان لوگوں کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اگر واقعی عربی زبان میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں تو اُس سے وسیع تر اور کوئی زبان نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم ابھی دکھاتے ہیں کہ علما کا یہ یا ایسا کوئی اور جملہ فریب انگیز بکواس اور عربی زبان کی توہین کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

جس زبان کا ایک ایک لفظ کئی کئی معنی میں بولا جاتا ہو وہ انتہائی تنگ دامن زبان ہے

ذرا سوچئے کہ اگر ہمیں کسی سے یہ کہنا ہو کہ:

(1) ”بھائی تم یہاں آؤ“ تو اس سے عربی کا ایک لفظ کہا جائے گا۔ پھر اگر ہمیں یہ بتانا ہو کہ:

(2) ”بھائی تم بیٹھ جاؤ“ تو پھر اُس سے وہی لفظ کہا جائے گا جو بلانے کے لئے کہا تھا اس لئے کہ عربی کے اس لفظ کے معنی بیٹھ جانے

کے بھی ہیں۔ پھر اُس آدمی سے ہم پوچھتے ہیں کہ:

(3) ”بھائی کیا تم کھانا کھاؤ گے؟“ اب بھی ہم اُس سے وہی لفظ کہتے ہیں جو ”بلانے“ اور ”بٹھانے“ کے لئے کہا تھا۔ اس لئے کہ

اس لفظ کے یہ معنی بھی ہیں۔ اس کے بعد ہم اُس سے معلوم کرتے ہیں کہ:

(4) ”بھائی تم کب جاؤ گے؟“ چنانچہ اب پھر وہی پہلا لفظ بولنا ہوگا۔ اسی طرح ہم اُس سے دس بارہ باتیں اور بھی کرتے ہیں اور ہر

بات کے لئے وہی ایک لفظ یا جملہ بولتے جاتے ہیں تو سوچئے کہ جس زبان میں ایک ایک لفظ جتنے زیادہ معنی میں بولا جائے گا اس زبان

میں اتنے ہی الفاظ کی کمی ماننا ہوگی۔ یعنی اُس زبان میں نہ:

(1) بیٹھنے کے لئے کوئی ایک مستقل لفظ ہے اور نہ ہی:

(2) کھانے کے لئے کوئی لفظ ہے۔ اور نہ ہی:

(3) جانے کے لئے کوئی لفظ ہے۔

یعنی وہ زبان اتنی تنگ دامن ہے کہ اُس میں چند گنتی کے الفاظ ہیں جنہیں ہیر پھیر کر کئی کئی مطالب کے لئے بول کر کام چلایا جاتا ہے لہذا

کسی زبان میں ایک ہی لفظ کے کئی کئی معنی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُس زبان میں اُن ”کئی معنی“ کے لئے الفاظ کا قحط ہے۔ ایک ہی لفظ ہے جسے

رگڑ رگڑ کر کام چلایا جاتا ہے۔ ایسے فریب ساز اور جاہل علما کو بتائیے کہ عربی کی وسعت یہ ہے کہ پوری نوع انسان کو آج تک جتنے خیالات و تصورات

آئے ہیں اور جتنے تصورات قیامت تک آنا ممکن ہیں۔ اُن تمام تصورات کے لئے عربی زبان میں پہلے سے مستقل و غیر متبدل الفاظ موجود ہیں۔ اور

عربی زبان ہی دنیا کی ساری (245) زبانوں میں ایسی زبان ہے جس میں ایک لفظ کے یا کسی بھی ایک لفظ کے ایک سے زیادہ معنی نہیں ہو

سکتے۔ اس لئے کہ اُس ”دوسرے“ ”معنی“ کے لئے بھی عربی زبان میں ایک مستقل لفظ موجود ہے تو دو معنی ہونے کی ضرورت کیوں ہوگی؟ البتہ

قریش نے عہد رسول ہی میں قرآن کے علوی الفاظ کو کئی کئی معنی میں بولنے کا طریقہ جاری کر دیا تھا۔ حالانکہ جن دوسرے معنی میں وہ کسی لفظ کو

استعمال کرتے تھے اُن معنی کے لئے عربی میں مستقل الفاظ موجود تھے۔ منشا اور مقصد اُن کا یہی تھا جو مودودی اینڈ کمپنی کا ہے کہ قرآن کے الفاظ کے

معنی کا استقلال تباہ کر دیا جائے (سورہ فرقان 25/30) اور جس لفظ کے جو معنی چاہیں استعمال کر کے حقیقت حال کو چھپا دیا جائے۔ اس طرح حقیقت کو چھپانا ہی ”کفر کے اصلی معنی ہیں“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129) اور اسی چھپاتے رہنے کی بنا پر قریش کو اسلام لانے کے باوجود کافر کہا جاتا رہا ہے۔ اور اس کافرانہ حقیقت کو چھپانے کی غرض ہی سے تمام کافروں یعنی تمام قریشی علما نے کفر کے معنی اسلام کا انکار کئے ہیں جب کہ لفظ انکار خود عربی زبان کا لفظ ہے۔ چنانچہ مودودی نے مندرجہ بالا اپنے چار یاری نمبروں میں جو معنی و مفہیم لفظ ”ولی“ کے سرچکائے ہیں ان تمام مفہیم و معانی کے لئے قرآن میں مستقل الفاظ موجود ہیں۔ ہم ابھی آپ کو مودودی کی چالاکی پکڑ کر دکھاتے ہیں۔

سوم) ولی کے معنی بدلنے میں یہ چالاکی کی گئی ہے کہ اس لفظ ”ولی“ کے ایسے معنی لکھ دیئے گئے جن کے لئے عربی میں مستقل الفاظ ہیں

ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہمیں اپنے موقف کے ثبوت میں قرآن کی آیات پیش کرنا ہوتی ہیں اور ہمارے مخالفوں کی سہولت یہ ہے کہ وہ دلیل و برہان اور قرآن کی پرواہ کئے بغیر جو چاہتے ہیں کرتے، بکتے اور لکھتے چلے جاتے ہیں۔ لہذا آئیے اور قرآن پڑھئے، پھر مودودی کا ترجمہ دیکھ کر قرآن میں آئے ہوئے لفظ کے معنی کا تعین کیجئے:

لفظ ”رفیق“ کے معنی:

(1) وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَ الرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَ

وَالصَّالِحِينَ وَحَسَنٌ أَوْلَئِكَ رَفِيقًا (نساء 4/69)

مودودی کا ترجمہ: ”جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور

شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ ”رفیق“ جو کسی کو میسر آئیں“ (نساء 4/69) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 369-370)

اس ترجمہ اور قرآن کی آیت میں دو الفاظ نوٹ کر لیں۔ آیت میں ایک لفظ ”مَعَ“ آیا ہے جس کا ترجمہ ”ساتھ“ کیا گیا ہے۔ دوسرا لفظ ”رَفِيقًا“ آیا ہے جس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہ تھی اس لئے لفظ ”رَفِيقًا“ کی جگہ ”رفیق“ ہی لکھ دیا ہے۔ اور تمام اردو دان حضرات بھی لفظ ”ساتھی“ کی جگہ لفظ ”رفیق“ بولتے رہتے ہیں۔ یعنی اردو زبان میں ساتھی کہا جاتا ہے اور عربی میں رفیق بولا جاتا ہے مگر اردو میں لفظ رفیق بھی عام ہو کر اردو ہی بن گیا ہے۔

رفیق اور ساتھی کے معنی واضح ہو جانے کے بعد علامہ کے کتب ملاحظہ فرمائیں اور سوچیں

بہر حال اگلا قدم اٹھائیے اور پھر قرآن اور مودودی ترجمہ دیکھئے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكُفْرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ - (نساء 4/144)

مودودی ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ”رفیق“ نہ بناؤ“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 411)

قارئین بلا کسی دور بین اور چشمے کے دیکھ سکتے ہیں کہ عربی ہی میں نہیں بلکہ اردو میں بھی رفیق، رفیق کار، رفیقہ حیات بولا جاتا ہے اور اُس کے معنی ”ساتھی“ کے ہوتے ہیں۔ اور مودودی ان معنی کو جانتے ہی نہیں بلکہ لکھ چکے ہیں۔ اس کے بعد مودودی نے لفظ ”أَوْلِيَاءَ“ کے معنی رفیق کیوں کئے؟ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ کو لفظ ”رفیق“ اور اُس کے معنی معلوم ہیں اور سابقہ آیت (نساء 4/69) میں اللہ نے لفظ ”رفیق“ کو استعمال بھی کیا ہے۔ اور اگر اللہ کو یہاں کافروں کو رفیق بنانے سے منع کرنا تھا تو وہ لفظ ”رفیق“ استعمال کر سکتا تھا۔ اور پھر لفظ ”رفیق“ میں تو وہ تمام مفہومات

نہیں ہیں جو علامہ نے فریب سازی کے لئے چار نمبروں کے ماتحت لکھے ہیں۔ (پیرا (ی) کا اول) لہذا ثابت ہوا کہ قرآن کے الفاظ کے مستقل معنی کو مشکوک کرنے کے لئے یہ خبیث شخص اور اسکے ہم مسلک علما خواہ مخواہ اُن الفاظ کو معنی میں بدلتے رہتے ہیں جو عربی زبان اور قرآن میں استعمال ہونے والے مستقل الفاظ سے پورے ہو سکتے ہیں۔ تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ لفظ ”ولی“ کے ایک معنی ”رفیق“ بھی ہیں۔ سرپرست بھی ہیں۔ دوست بھی ہیں (وغیرہ) حالانکہ عربی میں دوست کے لئے لفظ خلیل ہے۔ (وغیرہ)

(چہارم) جہاد کے ولی کی پوزیشن اور اُن کے دشمنوں کی دشمنی کی گہرائی دکھانے کے لئے قرآن سے موذی کو گرفتار کرنے کا دوسرا ذریعہ

دشمنانِ علیؑ نے کس طرح پورے قرآن کو مشکوک و ناقابل اعتبار بنایا اور قرآن کے الفاظ کے معنی و مفہم کے ساتھ کیا کچھ کیا اُس کی ایک جھلک اور اُس جھلک کے اندر جہاد کے ولی مطلق علیہ السلام کے ساتھ عداوت دیکھنے کے لئے قرآن کی چند آیات کے ساتھ ساتھ چلیں اور موذی کے کرتب ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ:

(1) ایک سادہ قدم اٹھائیے اور لفظ قَرِینُ کے معنی دیکھئے

فَاقْبَلْ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِینٌ ۝
يَقُولُ أَتِنَّكَ لِمَنِ الْمُصَدِّقِينَ ۝ (الضُّفَّت 52 تا 50/37)

موذی ترجمہ: ”پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر حالات پوچھیں گے۔ اُن میں سے ایک کہے گا، ”دنیا میں میرا ایک ”ہم نشین“ تھا۔ جو مجھ سے کہا کرتا تھا کیا تم بھی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 288، 287)

یہاں قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ لفظ ”قرین“ کے معنی یہاں ”ہم نشین“ ٹھیک کئے ہیں۔

(2) دوسرا تحقیقی قدم اٹھائیے اور اُسی لفظ ”قَرِینُ“ کے معنی میں تبدیلی دیکھئے

مگر قریشی علما قرآن کے الفاظ کو بلا ضرورت بھی تبدیل کر کے قارئین کو غلط معنی کرنے کے عادی بنا دیتے ہیں تاکہ وہ مخصوص مقامات پر بدلے ہوئے معنی دیکھ کر چونک نہ جائیں۔ سنئے اللہ نے وہی لفظ پھر فرمایا کہ: وَمَنْ يَعِشْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نَقِيضٌ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِینٌ ۝
موذی ترجمہ: ”جو شخص رحمان کے ذکر سے تغافل برتتا ہے، ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اُس کا ”رفیق“ بن جاتا ہے“
(سورہ زخرف 36/43 تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 538)

دیکھئے کہ اللہ اس آیت میں وہی لفظ فرماتا ہے جو سابقہ آیت (37/51) میں فرمایا تھا۔ مگر موذی یہاں وہ ترجمہ نہیں کرتے جو پہلے (ہم نشین) کیا تھا۔ بلکہ وہ لفظ قَرِینُ کے معنی رفیق کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرین کے معنی بھی مستقل نہیں ہیں بلکہ الفاظ اولیا، ولی، قرین اور رفیق سب ہم معنی الفاظ ہیں۔ اور اِس کے معنی کو اُس کی اور اُس کے معنی کو اِس کی جگہ لکھ دینے سے نہ مفہوم بدلتا ہے نہ مقصد میں فرق آتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ زیر گفتگو آیات میں ان چاروں الفاظ کو اول بدل کر لکھا جاسکتا ہے مثلاً: (1) فَهُوَ لَهُ وَلِيٌّ (2) فَهُوَ لَهُ رَفِیقٌ
کیا علامہ اور اُن کے بزرگ اس صورت حال کو قبول کریں گے؟ اگر نہیں؟ تو کیوں؟ جب کہ یہ سب الفاظ اللہ ہی کے نازل کردہ اور علامہ کے مسئلہ ہم معنی ہیں؟

(3) قرین کے معنی رفیق و رفاقت دوبارہ دیکھ کر پختہ کرتے چلیں

ایک اور مقام دیکھیں جہاں مودودی نے قرین کے معنی میں رفیق و رفاقت کو مستحکم کر دیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ:

وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۝ (نساء 4/38)

مودودی ترجمہ: ”سچ یہ ہے کہ شیطان جس کا ”رفیق“ ہوا اُسے بہت ہی بری ”رفاقت“ میسر آئی۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 353)

تحقیق ہو گیا کہ ولی کے معنی رفیق بھی صحیح ہیں، ساتھی بھی ٹھیک ہیں، ہم نشین بھی درست ہیں۔ سنئے اللہ کا ارشاد اور مودودی کا ترجمہ:

(4) ولی کے معنی ساتھی مودودی کے نزدیک بھی صحیح ہیں۔

وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (سورہ الجاثیہ 45/19)

مودودی ترجمہ: ”ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے“۔ (سورہ الجاثیہ 45/19 تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 587)

اب یہ دریافت طلب ہے کہ جب قرین کے معنی رفیق ہیں تو ہم بقول مودودی اللہ کو ولی بھی کہہ سکتے ہیں رفیق بھی اور ساتھی بھی۔ اور جب قرین کے

معنی رفیق وہم نشین بھی ہیں اور ولی کے معنی بھی یہی ہیں تو ترجمہ یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ:

”ظالم لوگ ایک دوسرے کے ہم نشین و ساتھی ہیں اور متقیوں کا ہم نشین و ساتھی اللہ ہے“۔

ہمیں معلوم ہے کہ یہ خبیث علماء اس ترجمہ کو اختیار نہ کریں گے۔ لیکن اُن سے پوچھا جائے گا کہ یہ ترجمہ تو خود تمہارے اپنے ترجموں کا پتھر ہے۔ جسے

قبول نہ کرنا تمہاری ترجمانی کو فریب سازی ثابت کر دیتا ہے۔ لہذا وہی صورتیں رہ جاتی ہیں یا تو اللہ کو متقیوں کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے والا ساتھی مانو یا یہ

مانو کہ تم غلط ترجمہ کر کے لوگوں کو فریب میں مبتلا کرتے ہو۔ بہر حال تم مانو یا نہ مانو ہماری یہ محنت قارئین کو یقین دلاتی ہے کہ تم نے اپنی اس طرز

ترجمانی سے قرآن کو مجبور کیا ہے اُس کے تمام مقاصد کو الٹ کر رکھ دیا ہے۔ اور یہ طرز ترجمانی تمہارے بزرگ قریشی لیڈروں نے راج کی تھی اور اللہ

نے تمہیں قرآن کا ستیاناس کرنے اور دشمن رسول ہونے کا مجرم قرار دیا تھا (فرقان 25/30-31)

(5) ولی، اولیاء، رفیق، قرین کو ہم معنی بنا کر ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرنا جائز رکھا تھا اور ان سب کے معنی ساتھی کئے تھے اب لفظ اصحاب ہممعنی بناتے

اب ہم یہ دکھائیں گے کہ الفاظ ولی، اولیاء، رفیق اور قرین کے معنی مودودی کے نزدیک وہی ہیں جو لفظ ”صحابہ“ اور ”اصحاب“ کے معنی ہیں۔ قرآن

سنئے اور مودودی کا کمال دیکھئے: کَمَا لَذَى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيْطَانُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُوهُ إِلَى الْهُدَىٰ... (انعام 6/71)

مودودی ترجمہ: ”کیا ہم اپنا حال اُس شخص کا سا کر لیں جسے شیطانوں نے صحرا میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و سرگردان پھر رہا ہو درآں حالے کہ اُس

کے ”ساتھی“ اُسے پکار رہے ہوں کہ ادھر آئیے سیدھی راہ موجود ہے“۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 550)

اصحاب کے معنی ساتھی نہیں مگر مودودی کے قلم سے اصحاب کے معنی ساتھی پکے کر لیں

بات صاف ہوگئی کہ مودودی کے نزدیک لفظ ”اصحاب“ کے معنی بھی وہی ہیں جو لفظ ”ولی“ اور ”اولیاء“ کے ہیں یعنی ”ساتھی“، مگر پھر

بھی ان معنی کو دوبارہ دیکھ کر بات پختہ کر لیں۔ اللہ نے فرمایا کہ: قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرِكُونَ ۝ (شعرا 26/61)

مودودی ترجمہ: ”تو موسیٰ کے ”ساتھی“ چیخ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 497)

دوبارہ لفظ ”اصحاب“ کے معنی ساتھی دیکھ کر بات بچی ہوگئی اور مودودی اینڈ کمپنی کے پاس کوئی عذر اور بیچ نکلنے کی راہ باقی نہیں ہے۔

ولی اور اولیا کا ترجمہ رفیق اور ساتھی کیا تھا لہذا لفظ اصحاب اور ولی ہم معنی ہوئے

لہذا اب سابقہ آیت (45/19) کا ہم معنی ترجمہ دوبارہ دیکھیں:

وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (سورہ الباقیہ 45/19)

مودودی کا پہلا ترجمہ: ”ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور متقیوں کا ”ساتھی“ اللہ ہے“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 587) اور

مودودی کا دوسرا ترجمہ: ”ظالم لوگ ایک دوسرے کے اصحاب ہیں اور متقیوں کا صحابی اللہ ہے“ (شعراء 26/61) کا ترجمہ، ایضاً جلد 3 صفحہ 497)

مقام ولایت اور ولی منصب کر کے قریش حضرات اللہ کے ولی اور رفیق ہی نہیں بلکہ یارِ غار بن گئے

قارئین نوٹ کریں کہ لفظ اصحاب صحابی کی جمع ہے اور ص۔ح۔ب کے مادہ سے بنتا ہے۔ اور اس کے معنی وہ شخص ہیں جو کسی شخص کے ساتھ اُس کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کی خاطر رہے۔ ایک گدھے کو ساتھی کہا گیا ہے اور کہا جاسکتا ہے لیکن گدھے کو ”صحابی“ نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح گدھے کو رفیق نہیں کہا جاسکتا، ہم نشین نہیں کہا جاسکتا۔ مگر قریش اور قریشی علما نے اپنے گدھوں کو انسان اور پھر انسان سے ولی اور اللہ کے یار تک بنا دیا آئیے ایک اور آیت اور مودودی ترجمہ پڑھیں اور نتیجہ ملاحظہ فرمائیں:

اللَّهُ نَزَّلَ فِي آيَاتِهِ الْكُرْآنَ وَالَّذِينَ شَاءُوا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ (حج 22/51)

مودودی نے فرمایا: ”اور جو ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے وہ دوزخ کے ”یار“ ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 237)

لہذا بات یہ ہوئی کہ: ”ظالم لوگ ایک دوسرے کے یار ہیں اور متقیوں کا یار اللہ ہے“۔

مطلب یہ ہے کہ علیؑ سے دشمنی ضروری ہے خواہ: اللہ کو انسانوں کا یار بنانا پڑے یا ساتھی قرار دینا پڑ جائے یا اللہ کو انسانوں کا ہم نشین، ساتھی اور صحابی ہی کیوں نہ کہہ دیا جائے جس طرح اس خبیث نے اور اُس کے ملعون ہم مسلکوں نے قرآن کے معنوی استقلال کو اور مقام مرتضوی کو تباہ کرنے کی سر توڑ کوشش کی ہے اُسی طرح ہم نے اُن ملاعین کی سازش کی پردہ دردی میں نہ محنت کی پرواہ کی نہ یہ سوچا کہ قارئین بور ہوں گے۔ نہ اپنے عنوان سے دور چلے جانے کی فکر کی۔

(6) ولی اور ولایت کی تائید و حمایت میں لغات القرآن پر ایک نظر ڈال کر پھر قریشی سازش پر آخری تبصرہ کریں گے

اس عنوان میں یہ سمجھ لیں کہ قریشی حکومتوں اور علما نے قرآن اور صاحب قرآن علی مرتضیٰ علیہ السلام کی عظمت کو گھٹانے اور کم کرنے کے لئے جس قسم کی کوششیں کی ہیں اُس کے چند نمونے آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ انہوں نے اپنے سازشی پروپیگنڈے کو ساری دنیا میں پھیلا یا۔ یہ کام کرنے کے لئے انہیں ابلیس کی طرح اللہ نے قیامت تک مہلت دی اور چھ سات سو سال تک اُن کی حکومت و اقتدار ساری دنیا پر چھایا رہا۔ انہوں نے قرآنی الفاظ کے جو معنی گھڑے تھے اُن کو لغات کی صورت میں شائع کرا کے دنیا میں رائج کیا۔ انہیں اہل زبان اور رسول کے ہم مذہب سمجھ کر لوگوں نے اُن کے بیان کردہ معنی کو صحیح سمجھ کر اختیار کیا اور اپنی زبانوں میں وہی ترجمہ کیا اور عربوں کے پھیلائے ہوئے تصورات کے ماتحت ایک ایک عربی لفظ کے کئی کئی مختلف و متضاد معنی خود بھی اپنی تیار کردہ لغات میں بھر دیئے، یوں قرآن اور عربی زبان عجمی زبانوں کی لائن میں کھڑی کر دی گئی۔ لیکن قریشی اقتدار و حکومت نہ تو قرآن کے متن کو بدل سکا اور نہ عربی زبان کے قوانین میں رد و بدل کر سکا۔ اس لئے ہم آج بھی

اُن کی سازش کی پردہ دری کر سکتے ہیں۔ اور اُن کے فریب کو منظر عام پر لاسکتے ہیں چنانچہ ہم لغات میں بھری ہوئی، خلافِ قانون، قریشی بکواس کو نظر انداز کر کے آپ کو لغات القرآن سے لفظِ وَلِيّ کے حقیقی اور قانونی معنی دکھاتے ہیں جلد دوم میں لکھا گیا ہے کہ:-

لغات القرآن سے ولی اور ولایت کی طرف راہنمائی

تَوَلَّى = ”تُو پھرا“ ”تُو ہٹ جا“ ”تومنہ پھیر لے“ ”تَوَلَّى“ کا تعدیہ جب بلا واسطہ ہوتا ہے تو اس کے معنی ”کسی سے دوستی رکھنے“ ”کسی کام کو اٹھانے“ اور ”والی و حاکم ہونے کے ہوتے ہیں“ (لغات القرآن عبدالرشید جلد 2 صفحہ 213)

اس بیان میں کوئی معنوی قانون بیان کئے بغیر قریشی بکواس بھی لکھی ہے مگر بہر حال ولی ہونا اور حاکم ہونا بھی مان لیا ہے۔ اور مادہ (و۔ل۔ی) اور مصدر (ولایۃ) کی رو سے صحیح معنی یہی ہیں۔ باقی وہ غلط استعمال ہے جو مودودی کے بیانات میں دکھایا جا چکا ہے۔ یعنی قریشی علما نے اس لفظ کو ”پھر آنے، ہٹ جانے اور منہ گھمانے کے معنی میں بھی استعمال کیا ہے تاکہ معنی میں استقلال نہ رہے۔

ولی و ولایت کے معنی حاکم اور حکومت ہوتے ہیں

دو صفحات کے بعد لکھا ہے کہ:

تَوَلَّيْتُمْ = ”تم پھر گئے“ ”تم نے منہ موڑا“ ”تم والی ہوئے، تم حاکم ہوئے“ ”تَوَلَّيْتُمْ“ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب“ (ایضاً صفحہ 215)

معلوم ہو گیا کہ تَوَلَّيْتُمْ مصدر ہے اور مصدری معنی والی اور حاکم ہونا ہیں۔

وَلَايَةَ کے معنی ”حکومت اور اقتدار ملک“ ہوتے ہیں

اور ملاحظہ ہو: وَلَا يَتَّبِعُهُمْ = مصدر مضاف (سَمِعَ) هُمْ ضمیر مضاف الیہ، ”اُن کی مدد“ (زنجشری) اور بقول اکثر مفسرین ”میراث“ زنجشری نے لکھا ہے ولایت ”حکومت اقتدار ملک“ اور ولایت نصرت۔ مدد۔“ (کشاف)، جلد 6 لغات القرآن صفحہ 133)

قریشی استعمال اور تھکنڈوں کے باوجود حقیقی معنی ”حکومت اور اقتدار ملک“ موجود ہیں۔

وہ ترکیب جس کو حربہ بنا کر لفظ ولی اور اُس سے بننے والے الفاظ کے معنی بدلے گئے ہیں

اسی لغات القرآن سے یہ بھی دیکھ لیں کہ قریش کا وہ کون سا حربہ تھا جس کی آڑ میں الفاظ کے معنی بدلنا جائز کیا تھا۔ یعنی وہ جس لفظ کے معنی بدلتے تھے اُس لفظ میں ایسا معنوی پہلو پیدا کر لیتے تھے جس کو سامنے رکھ کر دھڑا دھڑا معنی بدلے جا سکیں۔ چنانچہ لغات القرآن میں لکھا گیا ہے کہ:

مَوَالِيكُمْ = جمع مضاف۔ کُم۔ مضاف الیہ ”تمہارے دینی دوست۔ وَلَا غَاوَر تَوَالِي دُو چیزوں میں ایسی کیفیت اِثْصَالِیہ کہ اجنبیت حائل نہ رہے۔ مجازاً مراد قرب ہوتا ہے، کیسا ہی ہومو کانی یا نسبی یا دینی یا دوستی کے لحاظ یا اعتقاد کے لحاظ سے یا امداد کے اعتبار سے یا مالکیت اور مملوکیت کے اعتبار سے۔ وَلَا يَتَّبِعُهُمْ اَمْدَادٌ وَلَا يَتَّبِعُهُمْ“ ”کسی کام کا ذمہ دار ہونا“ ”وَلِيٌّ اور مَوْلَى دُونوں ہم معنی ہیں۔ ہر ایک کے معنی میں قرب و اتصال کا مفہوم ماخوذ ہے۔ اسی لئے دُونوں لفظوں کا اطلاق اللہ پر بھی ہوتا ہے اور بندوں پر بھی۔ اہل

ایمان اور فرمانبرداروں کا اللہ وَلِيٌّ اور مَوْلَى ہے“ (جلد 5 صفحہ 472، 473)

قارئین نوٹ کریں کہ ساری دنیا میں ”ولی عہد“ آئندہ ہونے والے جائز اور نامزد بادشاہ کو کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی ولی کے معنی دوست اور عہد کے معنی زمانہ کر کے ولی عہد کے معنی ”زمانہ دوست“ قرار دے وہ یقیناً قریشی نطفہ کی یا قریشی مذہب کی پیداوار ہوگا۔ لغات القرآن کے اس آخری بیان

سے قریش کا حربہ یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے لفظ ولایۃ، ولی اور ولا اور والی میں ایک اتصال یا قرب فرض کر کے ہر قربت رکھنے والے معنی میں استعمال کر لیا۔ حالانکہ وہاں ہر لفظ کے لئے پہلے سے بنا بنایا ایک عربی لفظ موجود تھا۔ لہذا معلوم ہوا کہ جن معنی یا مفہیم کو ادا کرنے والے الفاظ موجود ہوں ان معنی اور مفہیم میں کسی اور لفظ کو استعمال کرنا غلط ہے۔

(7) ولی اور ولایۃ کے معنی کی تصدیق عربی انگریزی لغت سے

ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو لغت ”الفرائد الدرہ“ فی الغتین العربیۃ والانکلیزیۃ“ سے بھی چند مقامات دکھا کر مودودی سے ملائیں۔

1. To be set over (a province), to have charge of

وَلِیْ وَلاَیَۃٌ -

ترجمہ: 1- کسی صوبہ پر حکمران بنایا جانا - 2- کسی چیز کی ذمہ داری سنبھالنا۔

To rule a.o

” کسی پر حکومت کرنا “

ولی۔

.To set a.o. over, To intrust a.o with the government

وَلِیْ تَوَلِیَۃٌ، وَاوَلِیْ اِیْلَآءٍ

of (a province), the management of (an affair).

ترجمہ۔ کسی کو کسی پر ذمہ داری کے لئے تعینات کرنا۔ کسی کو کسی صوبے پر حکومت کے اختیارات دینا۔ کسی معاملے کا انتظام کرنا۔

Government, management of a province, supremacy, dominion.

وَلِیَۃٌ -

ترجمہ۔ حکومت، کسی صوبے کا انتظام، اختیار اعلیٰ، مقبوضہ۔

The united states

(متحدہ ریاستیں)

اَلْوَلَا یَا تِ الْمُنْتَحِدَۃ

Crown Prince

(امیدوار شہزادہ)

وَلِیُّ الْعَهْدِ

(8) قرآن کریم سے دوبارہ ولی اور ولایت پر مودودی کے تراجم و تشریحات

ان دونوں لغات یا ڈکشنریوں سے ولی اور ولایت کے معنی کی تصدیق کے بعد پھر قرآن پڑھیں اور لفظ ولایت کا استعمال ملاحظہ فرمائیں:

وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُوْنَهُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ اِهْلَاكَ الْوَلَا یَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ.. (کہف 44-43/18)

مودودی ترجمہ: ”نہ ہوا اللہ کو چھوڑ کر اُسکے پاس کوئی جتھا کہ اُس کی مدد کرتا، اور نہ کرے گا وہ آپ ہی اُس آفت کا مقابلہ، اُس وقت معلوم ہوا کہ کار

سازی کا اختیار خدائے برحق ہی کے لئے ہے“۔ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 27)

یہاں علامہ نے لفظ ”الْوَلَا یَةُ“ کا ترجمہ ”کار سازی کا اختیار“ کیا ہے۔ اگر ہم بھی اس لفظ میں آئے ہوئے ”الف لام“ کو

نظر انداز کر دیں اور مودودی کے اس ترجمہ کو قبول کر لیں تب بھی لفظ ”ولی“ کے معنی ”کار سازی کا اختیار رکھنے والا“ ہوتے ہیں۔ اور ان معنی کو

اختیار کرنے کے بعد علامہ کے تمام ترجمے عموماً اور سورہ ممتحنہ کی آیت (60/1) کا ترجمہ خصوصاً غلط ہو جاتا ہے۔ دیکھئے اللہ نے فرمایا تھا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ،

يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُوْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ، إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ

إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ.... الخ (سورہ ممتحنہ 60/1)

مودودی ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم اُن کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور اُن کی روش“۔۔۔۔۔ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 422)

قارئین سوچیں اور کوئی موزوں عذر تلاش کریں کہ کیوں مودودی نے یہاں یہ ترجمہ نہ کیا کہ؟

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنی کارسازی کے مختار نہ بناؤ۔“

ہر شخص یہ جواب دے گا کہ مودودی اور تمام قریش پرست علماء قریشی مسلمانوں کی سازش پر پردہ ڈالنے کے لئے لفظ ولی کا ترجمہ بدلتے رہے ہیں۔ ورنہ وہ لغات القرآن سے واقف تھے جہاں لفظ ولایۃ کے معنی ”حکومت“، ابھی ابھی دیکھے جا چکے ہیں اور لفظ ”ولی“ کے معنی ”صوبہ یا گورنمنٹ کا حکمران“ بھی لغات میں موجود ہیں۔ مگر ولی اور ولایت کے حقیقی معنی لکھنے سے اُنکا اور اُنکے راہنماؤں، ابوبکر و عمر کا سارا منصوبہ اور خود ساختہ مذہب تباہ ہو جاتا ہے۔ قریشی حکومت باطل ٹھہر جاتی ہے اور حق اپنے صحیح مقام پر پلٹ جاتا ہے۔ جو قریشی علماء کو اب کسی طرح منظور نہیں ہو سکتا۔ بہر حال انہیں منظور ہو یا نہ ہو ہم لفظ ولی کے صحیح معنی اُن سے لکھوا کر چھوڑیں گے۔ مگر پہلے اُنکی چالاکیاں، فریب کاریاں اور خیانتیں دکھانا ہیں۔

(دوم) زیر بحث آیت (18/44) میں ولایۃ کا ترجمہ علامہ رفیع الدین سے سُن لیں

مودودی نے اس آیت (کہف 18/44) میں لفظ ”الْوَلَايَةُ“ کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ اور یہ غلطی لغات القرآن کے متعینہ معنی کے خلاف ثابت ہے۔ بہر حال اب زیر نظر آیت کا ترجمہ علامہ رفیع الدین سے سُنیں اور دیکھیں کہ اُن کا ترجمہ، حقیقی ترجمہ کی طرف کم از کم راہنمائی تو کرتا ہے۔ آیت یوں تھی کہ: هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ (کہف 18/44)

”اس جگہ ”حکم چلانا“ واسطے اللہ کے ہے ثابت“

علامہ رفیع الدین کے اس ترجمہ سے ”حکمرانی“ یا ”حکومت“ اللہ کے لئے ثابت ہوگئی۔ مطلب یہ ہوا کہ:

”وَلَايَةَ حَقِّهِ“ اللہ کے سوا اور کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اور ولایۃ حقه ہی کو ”حکومت الہیہ“ کہا جاتا ہے۔ لہذا اللہ کے مقرر کئے بغیر نہ کوئی ”ولی“ ہو سکتا ہے نہ کسی کو اللہ کی طرف سے حکمران مانا جاسکتا ہے۔ لہذا قریشی مسلمانوں کو بلا حکم خداوندی ”ولی“ اور ”حاکم“ بنانے سے منع کیا گیا تھا۔ لیکن وہاں پوری قوم قریش کا اجتماعی فیصلہ اور دباؤ تھا۔ (الفاروق حصہ اول صفحہ 103 تاریخ طبری حصہ سوم صفحہ 282-279) جس کی وجہ سے قریش نے اللہ کے ایسے تمام احکامات کی تاویل کر کے تعمیل نہ کی جن میں انہیں قومی ولایت و حکومت اور ولی و خلیفہ بنانے سے منع کیا گیا تھا۔ لہذا مکہ میں ابوسفیان اور مدینہ میں ابوبکر و عمر و عثمان اور شام میں یزید بن ابوسفیان اور معاویہ بن ابوسفیان قریشی مسلمانوں کے ولی، خلیفہ اور حکمران یا امیر المؤمنین برقرار رکھے گئے۔ اور اُن کے بعد سات سو سال تک اُن کی حکومت چلتی رہی ان سب کو قریش کے اولیاء اور اللہ کے دشمن فرمایا گیا تھا۔

(مختہ 60/1 وغیرہ)

(سوم) اسی آیت (18/44) کا ہمارا ترجمہ ہماری تفسیر سے بھی دیکھ لیں

بہتر ہوگا کہ قارئین الْوَلَايَةُ کے سلسلے میں ہمارا ترجمہ اور تفسیر دیکھ لیں پھر مودودی سے بات کریں گے۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ... (کہف 18/44)

”وہی مقام تو ہوتا ہے جہاں اللہ کی حق پرور ولایت کام آتی ہے۔ وہی بہتر ثواب دینے (هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَ خَيْرٌ عَقْبًا) والا ہے اور وہی انجام بخیر کرنے والا ہے۔“

”ہمیں صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ لفظ ”وَلِيٌّ“ اولیاء، مَوْلٰی وغیرہ کا مادہ اور بنیادی مصدر ایک ہی ہے۔ اور ان تمام الفاظ میں حکومت، حاکم اور حکمرانی ہمیشہ شامل ہوتے ہیں۔ وہ شخص ہرگز ولی نہیں ہے۔ جسے کسی قسم کی حکومت اور اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ اور جسے کسی کی سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ اور چونکہ حقیقی اور مطلق ولی اللہ ہے۔ لہذا کوئی شخص منجانب اللہ ولی یا اولیاء مولى نہیں ہو سکتا اگر اُسے اللہ نے ولایت کی سند اور اختیار و قدرت دے کر ولی نہیں بنایا ہے۔ یعنی مسلمانوں پر یا کسی بھی قوم پر کوئی بھی حاکم ہو سکتا ہے، اور حاکم ہوتے رہے ہیں اور حاکم موجود ہیں۔ مگر اُن میں سے کسی کو منجانب خدا ولی نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک پہلے اس کی ولایت کی سند میں اللہ کا حکم و تصریح موجود نہ ہو۔ پھر یہ کہ ہر حاکم ولی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ولی ہر حال میں مخلوقات کا ہمدرد و غمگسار ہوتا ہے۔ ہمدردی و غمگساری اُس کی سرشت میں داخل ہونا چاہئے۔ وہ کسی حال میں رعایا کا نقصان نہیں چاہتا اسی لئے اللہ کا ولی ہر حال میں ولی ہوتا ہے خواہ کوئی اسے مانے یا نہ مانے جانے یا نہ جانے۔ حاکم حکومت چھٹتے ہی رعایا ہو جاتا ہے۔ حاکم کو معزول کیا جاسکتا ہے۔ حاکم پناہیت سے بھی بنایا جاسکتا ہے، جیسا کہ ابوسفیان و ابوبکر و عمر کو بنایا گیا تھا لیکن ولایت من جانب خدا ہوتی ہے۔ کسی کے بنانے سے نہ کوئی نئی بنتا ہے نہ رسول نہ امام اور ولی بنتا ہے۔ حاکم اچھا ہو سکتا ہے۔ بُرا ہو سکتا ہے۔ ظالم ہو سکتا ہے۔ کافر و منافق ہو سکتا ہے۔ اور ہوتے رہے ہیں، جیسا کہ خلفائے قریش تھے، اور آج حاکم موجود ہیں۔ لیکن ولی اللہ ہمیشہ اسلام کا سربراہ ہوتا ہے۔ اور اللہ کی صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی طرح لفظ سلطان، بادشاہ، خلیفہ وغیرہ کا حال ہے۔ اسی لئے اُن کے ساتھ اپنی طرف سے کوئی لفظ لگا کر، مثلاً راشد، عادل اور سخی کہہ کر اُن کا تشخص کیا جاتا ہے۔ یزید بھی خلیفہ تھا۔ معاویہ بھی خلیفہ تھا۔ اور عمر بن عبدالعزیز بھی خلیفہ ہی تھا۔ کہنا یہ ہے کہ لفظ ”ولی“ ایک ہمہ گیر لفظ ہے۔ اُس کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ ولی سے بغاوت کرنے والا دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ لہذا نوٹ کریں کہ خدائی سند کے بغیر کوئی ولی نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے بہت سے اشخاص و اقوام کو خلیفہ قرار دیا ہے اور پھر انہیں جہنم کا قلمہ بنایا ہے (یونس 10/12) مگر جسے ولی بنایا وہ روز ازل سے منتخب و مجتبیٰ و مرتضیٰ بندہ تھا۔ ولی اللہ بادشاہ بھی ہوتا ہے سلطان و خلیفہ بھی ہوتا ہے۔

(9) مودودی کو ولی اور ولایت کے سامنے جھکانے کے لئے خود اُن کا ایک بیان قاعدہ کلیہ کی صورت میں دیکھنا ضروری ہے

مودودی نے لفظ ”ولی“ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کا بڑا حصہ قارئین دیکھ چکے ہیں۔ اور جو کچھ باقی ہے وہ بھی سامنے آنے والا ہے مگر ہم یہاں رُک کر مودودی کا ایک ایسا جملہ لکھتے ہیں جسے دیکھ کر قارئین ایک قاعدہ سمجھ سکیں گے۔ فرماتے ہیں کہ:

”أَمِّتٌ وَسَطٌ“ کا لفظ اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا، (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 119) اس جملے کے بعد مسلسل یہ لکھا کہ: ”اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ و اشرف گروہ ہے، جو عدل و انصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو۔“

2۔ جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہے 3۔ جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو۔ اور

4۔ ناحق، ناروا تعلق کسی سے نہ ہو۔ (ایضاً صفحہ 119)

مودودی نے یہ بتایا ہے کہ: ”وسیع معنویت رکھنے والے الفاظ کا ترجمہ ناکافی و ناقص ہوتا ہے اسلئے وسیع معنویت والے لفظ کا ترجمہ نہیں کرنا چاہئے“

چنانچہ علامہ نے برابر بلا ترجمہ لفظ ”امت وسط“ کو جوں کا توں لکھا ہے۔ اسی قاعدے کو سامنے رکھتے ہوئے مودودی کی یہ بات غور سے سنئے:-
 ”6 اصل میں لفظ ”اولیاء“ استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم عربی زبان میں بہت وسیع ہے۔ معبودانِ باطل کے متعلق گمراہ انسانوں کے مختلف عقائد اور بہت سے مختلف طرز عمل ہیں۔ جن کو قرآن مجید میں ”اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا ولی“ بنانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن کا تتبع کرنے سے لفظ ”ولی“ کے حسب ذیل مفہومات معلوم ہوتے ہیں:- (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 480)

اس کے بعد مودودی نے وہ مفہومات چار نمبروں کے ماتحت الگ الگ لکھے ہیں جو انہیں معلوم ہوتے تھے۔ اس تفصیل کے دے چکنے کے بعد علامہ کو چاہئے تھا کہ جہاں جہاں لفظ ”ولی“ یا ”اولیاء“ قرآن میں آتا جاتا وہاں ترجمہ کرنے کے بجائے ”أمة وسط“ کی طرح الفاظ ”ولی“ اور ”اولیاء“ کو مجسم لکھتے جاتے اور ترجمہ نہ کرتے۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ علامہ نے ہر دفعہ نہ صرف ولی اور اولیاء کا ترجمہ کیا بلکہ نہایت مضحکہ خیز و فریب کارانہ ترجمہ کیا کہیں رفیق بنایا کہیں جانشین مقرر کیا کہیں ساتھی لکھا کہیں اصحاب بنا دیا۔ حالانکہ انہوں نے قرآن مجید میں استعمال ہونے والے تمام مفہومات کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کے باوجود نئے اور غیر متعلق معنی اور ترجمہ کرتے چلے گئے۔ حالانکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے
قاعدہ کلیہ:- اور اسی پر تمام علما کا اور خود مودودی کا عمل ہے کہ انہم الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اس خبیث نے بھی نہ صلوة کا ترجمہ کیا نہ زکوٰۃ کے معنی لکھے۔ نہ اللہ کا ترجمہ کیا نہ نبی کا نہ رسول کا۔ اگر انہم الفاظ یا اصطلاحات کا ترجمہ کر دیا جائے تو حقیقی مقصد فنا ہو کر رہ جائے گا۔ اور مقصد کو فنا کر دینا ہی ولی کی ذیل میں مودودی کو مطلوب تھا۔ بندرگاہ کا ترجمہ اگر بندر رکھنے والی جگہ کر دیا جائے یا قرآن کا ترجمہ پڑھا جانے والا کر دیا جائے تو مقصد فنا ہو کر رہ جائے گا۔

(10) اگر لفظ ”ولی“ کا ہر جگہ ترجمہ کیا ہوتا تو اعتراض تو ہوتا مگر اتنا سنگین اعتراض نہ ہوتا جتنا بعض جگہ ترجمہ نہ کرنے سے ہوتا ہے

اب ہم چند ایسے مقامات دکھاتے ہیں جہاں اس ملعون نے مصلحتاً ترجمہ نہیں کیا بلکہ ترجمہ میں ”ولی“ کو ”ولی“ ہی رہنے دیا ہے۔

(1) قَالُوا تَقَا سَمُوا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّنَنَّهٗ وَاَهْلَكَ ثُمَّ لَنَنْقُوْلَنَّ لُوْلِيْهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلَكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ (نمل 27/49)

مودودی ترجمہ:- ”انہوں نے آپس میں کہا ”خدا کی قسم کھا کر عہد کر لو کہ ہم صالح“ اور اُس کے گھر والوں پر بشنون ماریں گے اور پھر اُسکے ”ولی“

سے کہہ دیں گے کہ ہم اُس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے، ہم بالکل سچ کہتے ہیں“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 584)

مودودی کی تشریح میں ولی کو قبیلے کا سردار کہا

قارئین نے دیکھ لیا کہ یہاں لفظ وَلِيْهِ کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ ولی کی جگہ ولی ہی لکھ دیا ہے۔ لیکن تشریح میں فرماتے ہیں کہ:

”یعنی حضرت صالح“ کے قبیلے کے ”سردار“ سے، جس کو قدیم قبائلی رسم و رواج کے مطابق اُن کے خون کے دعوے کا حق پہنچتا تھا“

(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 585)

یہاں بھی علامہ نے ولی کے معنی صحیح نہیں کئے۔ بلکہ سردار کئے ہیں مگر آیت سے صحیح معنی ظاہر ہیں یعنی سازش کرنے والے حضرت صالح کے ولی سے

خوفزدہ تھے اور جانتے تھے کہ وہ ولی اُن کو بدلے میں قتل کر دے گا۔ یعنی ولی دراصل حاکم تھا۔

ولی کی مخالفت کرتے کرتے آخر علیؑ کو موروثی اور ازلی ولی ماننا پڑ گیا یعنی علیؑ کے والد کو آنحضرتؐ کا بھی ولی مان لیا۔

دنیا تجربہ کرتی رہی ہے کہ حق ہمیشہ غالب آتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا لفظ ولی کی تشریح کرتے ہوئے پوری عبارت یہ لکھی تھی کہ:

یعنی حضرت صالح علیہ السلام کے قبیلے کے سردار سے، جس کو قدیم قبائلی رسم و رواج کے مطابق اُن کے خون کے دعوے کا حق پہنچتا تھا۔ یہ وہی پوزیشن تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے چچا ابوطالب کو حاصل تھی، کفار قریش بھی اس اندیشے سے ہاتھ روکتے تھے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں گے تو بنی ہاشم کے سردار ابوطالب اپنے قبیلے کی طرف سے خون کا دعویٰ لے کر اٹھیں گے، (ایضاً صفحہ 585) اور ہم تاریخ طبری سے بھی دکھا چکے ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولی تھے۔ اور حضرت علی علیہ السلام تین ہزار سال سے چلے آنے والے ولیوں اور اماموں کے جانشین اور پشتینی ولی تھے اور قرآن نے اُس قدیم ولایت کی تصدیق کی تھی۔

ولی کو صاحب سلطان فرمایا گیا ہے اللہ نے ولی کی نصرت کا وعدہ کیا اور ولی کو منصور قرار دیا ہے (قرآن)

دوسرا مقام دیکھئے جہاں مودودی لفظ ولی کا ترجمہ نہیں کرتے اور جہاں ولی کے معنی بدلنے کا سارا فریب کھل جاتا ہے:

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنصُورًا ۝ (بنی اسرائیل 17/33)

مودودی ترجمہ: ”اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اُس کے ”ولی“ کو ہم نے قصاص کے مطالبہ کا حق عطا کیا ہے، پس چاہیے کہ وہ (ولی۔ احسن) قتل میں حد سے نہ گزرے۔ اس کی مدد کی جائے گی۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 614, 615)

مودودی کی تشریح:

”اصل الفاظ ہیں ”اُس کے ولی کو ہم نے سلطان عطا کیا ہے“ سلطان سے مراد یہاں ”حجت“ ہے۔ جس کی بنا پر وہ قصاص کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس سے اسلامی قانون کا یہ اصول نکلتا ہے کہ قتل کے مقدمے میں اصل مدعی حکومت نہیں بلکہ (اصل مدعی۔ احسن) اولیائے مقتول ہیں اور وہ قاتل کو معاف کرنے اور قصاص کے بجائے خون بہالینے پر راضی ہو سکتے ہیں“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 614)

ہمیں صرف یہ دکھانا ہے کہ ولی، صاحب اختیار حاکم ہوتا ہے یہاں اُس کے اختیار میں کئی زندگیاں ہیں اور اُس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے وہ قاتل کو قتل کرنے اور بخش دینے کے اختیارات رکھتا ہے۔ اگر وہ قاتل کو قتل کرنے میں کسی کا ماتحت ہوتا تو یہ نہ کہا جاتا کہ ”وہ قتل میں زیادتی نہ کرے“ (فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ)

ولی ہی متولی ہوتا ہے یعنی تمام متعلقہ معاملات و حالات و حاجات و ضروریات کا نگران اور فراہم کرنے والا ہوتا ہے

یہ ثابت ہو چکا کہ مودودی لفظ ”ولی“ کی حقیقت کو چھپانے میں اہلیس سے کئی گنا بڑھ کر ملعون ہو چکے لہذا اُنکے لگائے ہوئے اڑنگے ہٹا کر ”ولی“ کے معنی سمجھیں ارشاد ہوا تھا کہ: وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۝ (شوری 42/28)

مودودی ترجمہ: ”وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہوجانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی قابلِ تعریف ولی ہے“

(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 504)

قارئین غور سے اس آیت کے اور ترجمہ کے الفاظ کو دیکھیں اور یہ سوچیں کہ کیا یہاں کسی تشریح کی احتیاج و ضرورت ہے؟ کیا اس ترجمہ میں کوئی ایسی خامی ہے کہ جب تک اُسے بیان نہ کیا جائے قاری حضرات اللہ کی بات نہ سمجھیں گے؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ ترجمہ اللہ کی بات کو سو فیصد واضح کرتا ہے۔ لیکن مودودی کی مذہبی ضرورت یہ ہے کہ لفظ ”ولی“ کے لئے چند ایسے الفاظ لکھ دیں کہ معاملہ صرف اللہ تک محدود ہو جائے۔ چنانچہ اُن کی تشریح سنئے:

ولی کی ایسی تشریح جس کا لفظ ولی سے کوئی تعلق نہیں ہے

”یہاں ”ولی“ سے مراد ایسی ہستی ہے جو اپنی پیدا کردہ ساری مخلوق کے معاملات کی مُتَوَلّیٰ ہے، جس نے بندوں کی حاجات و ضروریات پوری کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 504-505)

قارئین یہ سمجھ لیں کہ اس تشریح کا لفظ ولی سے وہ تعلق ہرگز نہیں جو مودودی نے پیدا کرنا چاہا ہے۔ یعنی لفظ ولی میں نہ خالقیت داخل ہے۔ نہ یہ شرط ہے کہ ولی جو کچھ کرے گا وہ اپنے بندوں کے ساتھ کرے گا۔ اور جن کے معاملات کا متولیٰ ہوگا وہ اس کی پیدا کردہ مخلوق ہوں گے مودودی نے یہ شرطیں اپنی جیب خاص سے لگائی ہیں۔ ورنہ یہ تمام صفات و قدرت یعنی رحم کرنا، حاجات و ضروریات پوری کرنا، اللہ نے تمام صاحبان استطاعت مسلمان عوام پر بھی فرض کیا ہوا ہے۔ اور قرآن کریم اللہ کے ایسے احکام سے بھرپڑا ہے جن میں فقرا و یتامیٰ و مساکین و محروموں اور مظلوموں کی پرورش کرنے اور انہیں ان کی تمام ضروریات فراہم کر کے خود مکلفی بنانے کا اور پیار و محبت و رحم و کرم سے پیش آنے کا تقاضا فرمایا گیا ہے۔ جو لوگ غربا اور محتاجوں کے ساتھ داد و دھش و رحم و کرم سخاوت و ایثار کا سلوک کرتے ہیں ان کی مدح و ثنا کی گئی ہے۔ ان کے اجر و ثواب و درجات پر خاص وعدے کئے گئے ہیں۔ اور جب عوام کو اس قدر استطاعت و قدرت اللہ کی طرف سے ملتی ہے تو وہ حضرات علیہم السلام جن کو اللہ اپنا نمائندہ، جانشین خلیفہ، ظہور اور ولی بنا تا ہے جنہیں تمام مخلوقات کیلئے رحمت اور اپنی بارگاہ میں، بقول مودودی، باریابی کا وسیلہ اور ذریعہ بنا تا ہے، ان کو اتنی استطاعت بھی نہ دے گا جتنی عوام الناس کو دی ہوئی ہے؟ ہم ولی کے معنی پر گفتگو کر رہے ہیں۔ اور اس گفتگو کو جاری رکھنا چاہتے ہیں ورنہ محمدؐ اور علیؑ اور فاطمہؑ اور دیگر ائمہ معصومین کی استطاعت پر قرآن اور حدیث سے یہاں پھر ڈھیر لگا سکتے ہیں۔ فی الحال اتنا ضرور یاد دلائیں گے کہ مودودی اور اسکے ملعون مذہب والوں کی مقدس و معتبر ترین کتاب (بخاری) میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے فوارے نکلتے تھے جس سے افواج سیراب ہو جاتی تھیں۔ ان ملائین سے پوچھو کہ پانی کا یہ ذخیرہ حضورؐ کی استطاعت میں تھا یا نہیں؟ بہر حال یہ نوٹ کر لیں کہ اس کائنات میں روز ازل سے تمام قسم کی مخلوقات کو ان کے جسم و جان سمیت جو کچھ ملا ہے اور آئندہ ملے گا وہ سب علیؑ، محمدؐ، فاطمہؑ اور ان کی اولاد کے آئمہ کے وسیلے سے اور ان ہی کے ہاتھوں سے ملا ہے اور ملے گا۔ وہ اللہ کے دینے کا باب ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

(11) مودودی ملعون کے قلم سے ”ولی“ کے معنی حاکم اور حکمرانی کرنے والے کے دیکھ لیں

قارئین نے لغات القرآن کے حوالوں میں لفظ تَوَلّیٰ کا مصدر تَوَلّیٰ اور اس کے معنی ”کسی ذمہ داری کو سنبھالنے“ اور ”ولی اور حاکم ہونے“ کے دیکھے تھے“ (جلد 2 صفحہ 213) اب یہی معنی قرآن سے مودودی کے ترجمے کے ساتھ دیکھیں۔ ارشاد ہوا ہے کہ:

وَإِذَا تَوَلَّيْتُمْ سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثُ وَالنَّسْلُ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَاسِدِينَ (بقرہ 2/205)

مودودی ترجمہ: ”اور جب اُسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اُس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلانے، کھیتوں کو

غارت کرے، اور نسل انسانی کو تباہ کرے حالانکہ اللہ، جسے کہ وہ گواہ بنا رہا تھا، فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا“۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 159)

قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ جو شخص ساری زمین (الارض) کو قتل و غارت اور لوٹ مار کا کاٹھڑہ بنا دے، کھیتیاں اور انسانی نسلیں تباہ کر دے،

اور زمین کو فساد سے لبریز کر دے وہ بلاشبہ فراعنہ، نمرید اور سکندر و دار اور نپولین سے کہیں بڑا بادشاہ ہی ہو سکتا ہے اور مرثدہ باداے قریشی مذہب کے لوگو کہ وہ شخص عہد رسولؐ کا ایک ایسا شخص تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا بے تکلف تھا جو انہیں اسلام کو ساری دنیا پر مسلط کرنے کی

مطلب غلط ترجمہ کی رو سے لکھا ہے۔ احسن) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب تمہاری سیرت اور کردار کا حال یہ ہے کہ جس دین پر ایمان لانے کا تم نے اقرار کیا تھا اُس کے لئے تمہارے اندر کوئی اخلاص اور کوئی وفاداری نہیں ہے، اور اُس کی خاطر کوئی قربانی دینے کے لئے تم تیار نہیں ہو، تو اس اخلاقی حالت کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اقتدار عطا کر دے اور دنیا کے معاملات کی باگیں تمہارے ہاتھ میں آجائیں تو تم سے ظلم و فساد اور برادر کشی کے سوا اور کس چیز کی توقع کی جاسکتی ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 26، 27، حاشیہ 34)

(د) ان آیات (26 تا 47/22) پر اور علامہ کے تراجم اور تشریحات پر طائرانہ نظر ڈال کر جہاد کے ولی علی اور قریش کے متعلق فیصلہ کر لیں

ہم نے پیرا نمبر 9 کی (ی) میں لفظ وَلِيّ اور مَوْلِيّ کے معنی میں مودودی اینڈ کمپنی کی نقاب کشائی شروع کی تھی اور اُن کی تمام چالاکیاں خیاںتیں اور فریب کاریاں دکھاتے ہوئے آخر یہاں تک پہنچے اور مودودی کے ہاتھ سے ولی اور ولایت کے معنی کا صحیح تعین کر دیا 2۔ اور وہ راز بھی کھول دیا جس کو چھپانے کے لئے قریشی حکومتوں نے لفظ ولی اور ولی سے متعلق الفاظ سے بازیگری اختیار کی تھی۔ یعنی یہ ثابت ہو گیا کہ عمرو لیڈر تھا جس نے اُس قومی حکومت کا تانا بانا تیار کیا تھا جس نے خاندان رسالت کا بھی قتل عام کیا تھا اور دنیا کی تمام اقوام میں قتل و غارت اور لوٹ مار کی تھی اور کروڑوں انسانوں کو اسلام کے نام پر اور اپنی مخالفت کی بنا پر قتل کیا تھا (بقرہ 2/205) اور (محمد 47/22، 23) اور 3۔ ساتھ ہی علامہ مودودی اور دیگر قریش کے علما نے مان لیا کہ ان آیات (26 تا 47/22، 2/205) میں قریش سے مخاطبہ ہے۔ اور یہ کہ قریش اسلام کو بہر حال ترک کر کے بختِ رسول سے پہلے والے اپنے دین کے مطابق مظالم اور تخریب و فساد پر عمل پیرا رہیں گے۔ 4۔ ان ہی آیات (26 تا 47/22) کو مسلسل پڑھنے سے قریش کے متعلق یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ:

اول:- ”یہ لوگ غاصب و ملعون ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن سے بے تعلق ہو گئے تھے (25/30، 47/24) اور اسلام اختیار کر لینے اور ہدایاتِ خداوندی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ اور

دوم:- ”اُن کیلئے شیطان نے اس روش (ارتداد) کو سہل بنا دیا تھا اور تو قعات کا سلسلہ اُن کیلئے (قیامت تک) دراز کر دیا تھا (تفہیم 5 صفحہ 27)۔ سوم:- اور ”اسی لئے انہوں نے اللہ کے نازل کردہ دین کو ناپسند کرنے والوں سے کہہ دیا تھا کہ بعض معاملات میں ہم تمہاری مانیں گے یعنی وہ اندر ہی اندر دشمنانِ اسلام سے ساز باز کرتے رہے اور اُن سے وعدے کرتے رہے اور یہ کہ اللہ اُن کی خفیہ سازشوں کو خوب جانتا تھا۔ (ایضاً صفحہ 28) (26-47/25)

چہارم:- یہ کہ واقعی قریش نہ جنگ و جہاد میں دل چسپی لیتے تھے یعنی مخالفانِ اسلام چونکہ قریش ہی تھے اس لئے مسلمان قریشی اُن سے قتال کیسے کر سکتے تھے۔ اور اُن کی خفیہ ساز باز کا راز بھی اسی جنگ نہ کرنے سے ظاہر ہوا تھا۔ اور علامہ نے مان لیا کہ جو مسلمان ان آیات (26 تا 47/22) میں مخاطب ہیں وہ نہ اللہ و رسول سے خلوص رکھتے تھے نہ وہ اسلام کے وفادار تھے۔ اور انہیں جہاد اور جہاد کے ولی کے مقابلہ میں اپنی قوم و مال و دولت اور ہر چیز عزیز تھی۔ اور اُن ہی کے لئے اللہ نے دوسرے حکم کے انتظار کا وعدہ کیا تھا (توبہ 9/24) اور وہی قریشی مسلمان تھے جو میدانِ جنگ سے بھاگ کر اپنے مرکز اور حکومت کی اطاعت میں لگ گئے تھے (9/25) اور یہاں (28، 47/27) میں) وقت و فوات ملائکہ کا اُن کو مزادینا اور اُن کے تمام اعمال ضائع ہوجانے کی اطلاع دی گئی ہے۔

(د) مودودی کی تشریح میں لکھے ہوئے صحیح ترجمہ کو اُن کے متن والے غلط ترجمہ کی جگہ لکھ کر آیات (47/22,23) کو دوبارہ دیکھیں

ان آیات کا صحیح ترین ترجمہ دیکھنے کے لئے یہ بات پہلے سمجھ لینا چاہئے کہ مودودی نے اُن تمام مقامات پر اپنے قریشی راہنماؤں کو محفوظ رکھا ہے جہاں اللہ نے اُن کی مذمت کی ہے۔ اور تحفظ دینے کی ترکیب یہ کرتے رہے ہیں کہ اُن لوگوں کو منافق کہہ دیا کرتے ہیں۔ لیکن مودودی نے سورہ ممتحنہ (60/1) میں مذکور لوگوں کو منافق نہیں لکھا حالانکہ وہ مومنین اللہ کے دشمنوں کو خفیہ طور پر اپنا مرکز اور ولی (حکمران) بنائے رہے۔ اور نہ یہاں زیر بحث آخری آیت (47/22) میں مذکور مومنین کو منافق لکھا حالانکہ وہ، بقول مودودی بھی جہاد میں جان و مال صرف نہ کرتے تھے اور انہیں اللہ، رسول اور اسلام سے کوئی خلوص و ہمدردی نہ تھی اور وہ اپنی حکومت کی پالیسیوں کے سامنے کسی اور کی بات نہ مانتے تھے۔ انہیں مودودی کا منافق نہ کہنا اور تمام مخاطبوں کو مومن مان لینا ثابت کرتا ہے کہ تمام مومنین اللہ و رسول اور اسلام کے مخالف تصورات رکھتے تھے۔ اور یہ مطلب قرآن کے خلاف جاتا ہے اور خود مودودی اینڈ کمپنی بھی فدا کار و جان نثار مومنین کا وجود مانتی ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ آیات (محمد 47/22 اور ممتحنہ 60/1) میں کون لوگ جمع کے صیغے سے مخاطب ہیں؟

تین ایسی دلیلیں جو اُن مخاطب مومنین کو قریش ثابت کرتی ہیں

پہلی دلیل یہ ہے کہ مودودی نے اُن کو محفوظ کرنے کے لئے متن میں لفظ ”تَوَكَّيْتُمْ“ کا غلط ترجمہ کیا ہے۔ اور ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مودودی اینڈ کمپنی اُن ہی آیات کا غلط ترجمہ کرتی ہے جن میں حضرت علیؑ کی فضیلت اور قریش کی مذمت ہوتی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مودودی نے یہاں (47/22) قریش کو تمام مومنین کی آڑ میں چھپایا ہے ورنہ وہ مذکورہ صفات والے مومنین کو ہر جگہ منافق لکھتے رہے ہیں۔ اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اُن پر حکومت بنانے اور مظالم کرنے کا اللہ نے جرم عائد کیا ہے اور تاریخ میں اُن کی ظالم حکومت کا قائم ہونا ناقابل انکار ہے۔

تیسری قرآنی دلیل و پیشگوئی کی تصدیق سنی ریکارڈ کی احادیث سے بھی ہوتی ہے کہ وہ مذکورہ لوگ قریش تھے

قارئین کسی بھی صحیح بخاری کو کھول کر اُس میں کتاب الفتن نکال لیں اور دیکھیں کہ بڑے سائز کے کئی صفحات میں آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہی الفاظ ملیں گے جو مودودی نے اپنی تشریح میں قطع جمی کے متعلق لکھے ہیں (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 26، 27) یعنی:

1- ”جاہلیت والادین اختیار کر لینا“۔ 2- ”ایک دوسرے کے گلے کاٹنا“۔

3- ”دنیا بھر میں فساد پھیلانا“۔ (صفحہ 26، 27) (اور یہ سب کچھ کرنے والی قریشی حکومت تھی۔)

احادیث میں یہ الفاظ ملیں گے:-

1- دین اسلام کو بدلنا نئے نئے طریقے جاری کرنا (جلد 2، صحیح بخاری صفحہ 1045)

2- میرے بعد تم لوگ کافر نہ ہو جانا کہ لگو ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے۔

(لَا تَرَجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ) (جلد 2 صفحہ 47-1048)

3- ان ہی بیانات میں عمر بن الخطاب کو فتنوں کا دروازہ فرمایا ہے (صفحہ 1051)

آیات (محمد 47/22,23) کا مودودی ترجمہ جو اُن کی تشریحات کی رو سے ہونا چاہئے تھا

اب وہ ترجمہ دیکھئے جو متن میں نہ کیا گیا بلکہ ادھر ادھر تشریحات میں بکھیر دیا گیا تھا:-

”اب کیا اے قریشی مومنین تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ اور توقع کی جاسکتی ہے کہ تم لوگوں پر حاکم بن گئے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹو گے؟ یہی قریش ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جنہیں حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے باقی حقائق کی طرف سے اندھا اور نصیحت و ممانعت سننے کے لئے بہرا بنا دیا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 26-27)

مودودی کی اصلاح یافتہ تشریح

”34 اس ارشاد (47/22-23) کا اولین مقصد یہ ہے کہ جب تم اسلام کی مدافعت سے جی چراتے ہو اور اُس عظیم الشان اصلاحی انقلاب کے لئے جان و مال کی بازی لگانے سے منہ موڑتے ہو جس کی کوشش محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمہارے علاوہ دیگر اہل ایمان کر رہے ہیں۔ تو اس کا نتیجہ آخر اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اے قریشی مسلمانو، تم پھر اپنے جاہلیت کے دین کی طرف پلٹ جاؤ جس میں تم لوگ صدیوں سے ایک دوسرے کے گلے کاٹتے رہے اور خدا کی زمین کو ظلم و فساد سے بھرتے رہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب اے قریش تمہاری سیرت اور کردار کا حال یہ ہے کہ تم جس دین پر ایمان لانے کا دعویٰ کر رہے ہو اُس کے لئے تمہارے اندر کوئی اخلاص اور کوئی وفاداری نہیں ہے۔ اور اُس کی خاطر کوئی قربانی دینے کو تیار نہیں ہو تو اس اخلاقی حالت کے ساتھ ساتھ اگر تم نے حکومت الہیہ پر قبضہ کر بھی لیا اور دنیا کی قسمت تمہارے ہاتھوں میں آگئی تو تم سے ظلم و فساد اور براد رکشی کے سوا اور کس چیز کی توقع کی جاسکتی ہے؟“

یہ ہیں قریش کے حالات جو قرآن (بقرہ 2/205) سے ثابت ہیں۔

10- قریشی کامیابی کے لئے ضروری تھا کہ قریش ولایة و امامة کے مقابلہ میں نبوة کے مخالف دونوں محاذ برقرار رکھتے ہوئے

علیٰ کو شکست دیں

ہم نے تفصیل سے دکھایا ہے اور یہ ایک تاریخی و واقعاتی حقیقت بھی ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے ہی اہل علم کو معلوم تھا کہ مکہ کے اندر نبی ہاشم میں ایک رسول مبعوث ہونے والا ہے۔ جس کی پیشینگوئیاں سابقہ انبیاء اور ان کی کتابوں میں انجیل تک بیان ہوتی اور لکھی چلی آرہی تھیں۔ علمائے یہود و نصاریٰ ان پیشینگوئیوں کا ہم عصر اقوام میں اعلان کر کے اپنی حقانیت اور ساکھ مستحکم کرتے چلے آ رہے تھے۔ عربی مسلم ریکارڈ بھی بتاتا ہے کہ بحیرہ راہب نے آنحضرتؐ کو دیکھ کر حضرت ابوطالبؓ اور عربی قافلے کے سامنے آپؐ کی نبوت کا اعلان و تصدیق کی تھی اور یہ بھی ثابت ہے کہ ابوبکر و عمر کو بھی بعثت کے بہت پہلے سے یہ خبر مل چکی تھی اور سب سے بڑا مادی و مشہور اور چلتا پھرتا وہ نبوت تھا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر حضرت عبدالمطلبؓ، عبد اللہ اور ابوطالبؓ علیہم السلام تک تمام آئمہؑ کو شخص کرتا چلا آیا تھا۔ وہ پیشانی میں تاباں رہنے والا نور تھا جسے دیکھ کر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کا تعین ہوتا چلا آ رہا تھا اور دو ہزار پانچ سو سال سے نور محمدیؑ کا منتقل ہونا دیکھا جا رہا تھا۔ اور پیشین گوئیوں کا وقت قریب آ لگا تھا۔ کہنا یہ ہے کہ نبوت عربوں یا اہل مکہ کے لئے کوئی اچانک حادثہ نہ تھی۔ وہ بھی پشہا پست سے منتظر اور تیار تھے اور انہیں نسلاً بعد نسل یہ تجربہ ہوتا چلا آیا تھا کہ نبوت و امامت کونا کام نہیں کیا جاسکتا البتہ اُس کا رُخ بدلا جاسکتا ہے۔ اُسکے مقاصد میں التواء اور تاخیر پیدا کی جاسکتی ہے۔ اور یہ بھی اُسی صورت میں ممکن ہے جب کہ پہلے اُسے تسلیم کر لیا جائے اور متعلقین کو اپنے خلوص کا یقین پہلے سے دلادیا جائے۔ سابقہ اقوام کے اس آزمودہ اصول کے ماتحت اہل مکہ نے وہ لوگ انتخاب کر لئے تھے جو اعلان نبوت ہوتے ہی ایمان لائیں اور تصدیق کریں اور سابقین اولین میں شمار ہو جائیں ان منتخب لوگوں میں ابوبکر و عمر کو اس لئے شناخت کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریکارڈ میں یہ مانا گیا ہے کہ انہیں

یہود و نصاریٰ و دیگر قدیم علماء نے نبوت محمدؐ کی اطلاع دی تھی اور خود اُن کے بادشاہ بن جانے کی خوش خبری سنا کر اس سلسلے میں چند احتیاطی اقدامات بھی بتائے تھے۔ ان حالات میں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دونوں اشخاص سابقہ پیش گوئیوں کی تحقیقات اور چھان بین پر تعینات تھے اور قدیم علما سے جا جا کر ملتے اور تفتیشیں کرتے تھے۔ اور یہی دونوں وہ ہیرو ہیں جو آنحضرتؐ کے بعد مسلمانوں کے بادشاہ بھی ہوئے۔ لہذا یہ سب کچھ اتفاقیہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ قریشی اسکیم کے ماتحت عقل و بصیرت و کوشش کا نتیجہ تھا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ قریش نے جو ریز مین محاذ بنایا تھا اس کے کرنا دھرتا اور قائد و راہنما ابو بکر و عمر تھے۔ اور قریش کا یہ مسلم محاذ دوستی اور اسلام کا دبیز نقاب پہنے ہوئے وفات رسولؐ تک رسولؐ کو گھیرے میں لئے رہا (آل عمران 3/159) اور مسلسل نظامِ شرکت و مشاورت قائم کرنے پر گناہوں اور نافرمانیوں تک کی حدود تک مُصر رہا۔ حکومت اور احکام میں قومی لیڈروں کو شامل کرانے کے لئے خفیہ سازشیں اور رسولؐ کو قتل کرانے کی کوششیں تک کرتا رہا (157 تا 3/152) یہ نقاب پوش مسلم گروہ رفتہ رفتہ رسولؐ کے خانگی حالات پر بھی غالب آ گیا انہوں نے اپنی پسند کی دانشور مستورات اور اپنی بیٹیاں تک رسولؐ کی ازواج میں شامل کر دیں جنہوں نے ایک گھریلو داخلی محاذ قائم کر کے رسولؐ کے حالات بدلنے کی کوششیں جاری رکھیں (تحریم 6/1 تا 66/1، احزاب 57 تا 33/52، احزاب 34 تا 33/28) یہ قریشی مسلم محاذ روز اول سے اپنے مکی مرکز کے ماتحت رہا۔ اور اس کی کارکردگی کا سابقہ عنوانات میں بھی تذکرہ ہوتا رہا ہے۔ جب مکی مرکز کے تیغ بکف قریشی محاذ نے ہتھیار ڈال دیئے تو وہ سب کلمہ پڑھ کر اپنے عمری و بکری محاذ کی پناہ میں آ گئے اور قریشی محاذوں نے متحدہ کوششیں شروع کر دیں۔

(الف) دعوتِ ذوی العشرہ نے قریش کو قانونی و قومی حیثیت سے محروم کر دیا تو انہوں نے چونک کر اپنے مسلم محاذ کا رخ علیؑ کی طرف موڑ دیا۔

دعوتِ ذوی العشرہ (سرپنوں کو تبلیغ) کا حکم (شعرا، 215، 26/214) نازل ہوا، رسالت کے لئے ولایتِ وولیٰ و حاکم و خلیفہ طلب کیا گیا۔ قریش نے موجودہ حالات میں اس دعوت کو مذاقِ سمجھ کر ٹھکرا دیا اور رسولؐ نے حضرت علیؑ علیہ السلام کی ولایت و نیابت و وزارت و خلافت و اخوت کا اعلان کر دیا۔ بہت جلد قریش کو اپنی اس غلطی کا احساس ہوا اور محسوس کر لینے کے بعد انہوں نے قومی و قانونی صورتِ حال کی مرمت کے لئے ایک عدارانہ فیصلہ کیا تھا۔ اور جس کا طعنے عبداللہ ابن عباس نے خلیفہ دوم کو اُن کے عہدِ خلافت میں یہ کہہ کر دیا تھا کہ:

قریش کا رسولؐ کے بعد حکومت پر قبضہ باطل نہ ہوتا اگر انہوں نے دعوتِ ذوی العشرہ قبول کی ہوتی

”میں نے (عبداللہ نے) کہا: ”اے امیر المؤمنین اگر آپ مجھے گفتگو کرنے کی اجازت دیں اور مجھ پر ناراض نہ ہوں تو کچھ عرض کروں۔“ آپ نے (عمر نے) فرمایا ”اے ابن عباس تمہیں بولنے کی اجازت ہے۔“ میں نے کہا ”آپ نے فرمایا کہ قریش نے اپنے لئے اسے (حکومت کو) انتخاب کیا اور اس معاملے میں وہ درست تھے اور کامیاب ہوئے“ اس بارے میں یہ عرض ہے کہ اگر قریش اپنے لئے یہ انتخاب اُس وقت کر لیتے جب اللہ بزرگ و برتر نے (دعوتِ ذوی العشرہ کی رُو سے) انہیں اختیار دیا تھا تو اُس وقت یہ صحیح معاملہ ناقابلِ ردّ اور ناقابلِ حسد ہوتا، آپ (عمر) نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”وہ لوگ (قریش) یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت اور خلافت دونوں چیزیں ہمارے (بنی ہاشم) اندر جمع ہو جائیں، تو خدائے بزرگ و برتر نے بھی ایک جماعت کی ناپسندیدگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

”یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اُس وحی کو جو اللہ نے نازل فرمائی تھی پسند نہیں کیا اس لئے اُس نے اُن کے اعمالِ اکارت کر

دیئے۔“ (تاریخ طبری کا ترجمہ حصہ سوم خلافت راشدہ) (صفحہ 282-279)

یہاں عبداللہ بن عباس کے عمر کے ساتھ دو مکالمے ہیں دونوں کے پڑھنے سے بھی تمام بیانات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ علامہ شبلی نے پہلا مکالمہ پورا لکھا ہے دوسرے کو ترک کر دیا (الفاروق حصہ اول صفحہ 103)

وہ آیات جن کی طرف عبداللہ بن عباس نے عمر کو متوجہ کیا اور مردود ٹھہرایا

عبداللہ ابن عباس نے عمر کو اور اُس کی پوری قوم قریش کو اللہ اور قرآن کا مخالف ٹھہرا کر یہ یاد دلایا کہ تمہارے اور تمہاری قوم کے تمام اعمال اس لئے رایگاں ہو گئے کہ تم نے دعوت ذوی العشرہ کو ٹھکرایا اور خاندان رسالت کو حکومت سے محروم کیا وہ آیات ملاحظہ ہوں۔ اللہ نے فرمایا اور مسٹر مودودی نے ترجمہ کیا کہ: **وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَا لَهُمْ وَاَصَلَّ اَعْمَالُهُمْ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوا مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاحْطَبُ اَعْمَالُهُمْ ۗ**۔ (محمد 9-47/8)

مودودی ترجمہ: ”رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے۔ تو اُن کے لئے ہلاکت ہے 13 اور اللہ نے اُن کے اعمال کو بھٹکا دیا ہے۔

کیوں کہ انہوں نے اُس چیز کو ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل کیا ہے 14۔ لہذا اللہ نے اُن کے اعمال ضائع کر دیئے۔“

مودودی کی تیرھویں اور چودھویں تشریحات

”13 اصل الفاظ ہیں فَتَعَسَا لَهُمْ۔ تَعَسَىٰ ُٹھو کر کھا کر منہ کے بل کرنے کو کہتے ہیں۔“

”14 یعنی انہوں نے اپنی پرانی جاہلیت کے اوہام و تخیلات اور رسم و رواج اور اخلاقی بگاڑ کو ترجیح دی اور

اس تعلیم کو پسند نہ کیا جو اللہ نے اُن کو سیدھا راستہ بتانے کے لئے نازل کی تھی۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 19-20)

قرآن کو معنوی حیثیت سے بالکل بدل کر الٹ کر رکھ دیا گیا ہے

قارئین ریوٹ کریں کہ خلیفہ دوم کے زمانہ میں ان دونوں آیات سے قریش کی بے دینی اور عاقبت کی تباہی سمجھی جاتی تھی اور عمر کا اُسے قبول کرنا اور جواب میں کوئی تاویل و تدبیر نہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ اُس زمانہ تک لوگوں کو عموماً اور عبداللہ اور عمر کو خصوصاً قرآن کی عملی صورت اور تنزیلی مقاصد معلوم تھے۔ لیکن علامہ مودودی کے زمانہ تک حالت یہ ہو گئی کہ شیعہ علما بھی ان دونوں آیات کو اُسی طرح عام اور بے معنی سمجھنے لگے جیسے انہوں نے سارے قرآن کو پاژند بنا کر سمجھا اور اختیار کیا ہے۔ حالانکہ عبداللہ کا اعتراض اور عمر کا اقرار بتاتا ہے کہ یہ دونوں آیات دعوت ذوی العشرہ ہ حضرت علیؑ کی وزارت و خلافت، اور قریش کے حکومت پر قبضہ کر لینے کی تصریح اور نتیجہ بیان کرتی ہیں۔

(ب) قریش نے اپنے نقاب پوش مسلم مجاز کو علیؑ پر نگرانی کرنے، اُن کا اعتماد حاصل کرنے پر اُسی طرح متعین کر دیا جیسے رسولؐ پر تعینات کیا تھا

حضرت علیؑ علیہ السلام کی وزارت و حکومت و خلافت کا اعلان اُن تقریبات میں ہوا تھا جن کو تاریخ طبری نے یوں لکھا ہے کہ:

دعوت ذوی العشرہ یعنی تمام قبائل کے اہل حن و عقد کو نظام اسلام کی تفصیلی دعوت

”علیؑ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ جب یہ آیت **وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ ۖ أَلَا قُرْبٰیٰنَ** (26/214) رسول اللہ پر نازل ہوئی آپؐ

نے مجھے بلایا اور کہا علیؑ، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی کنبہ والوں کو ہدایت کروں مگر میں اپنے کو اس سے عہدہ برآ ہونے میں مجبور پاتا ہوں۔ کیوں کہ جب میں اُن کو اپنی دعوت دوں گا وہ مجھے تکلیف پہنچائیں گے۔ اس خوف سے میں اس حکم کی بجا آوری میں خاموش تھا کہ جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ محمدؐ اگر تم اللہ کے اس حکم کی بجا آوری نہ کرو گے تمہارا رب تم کو عذاب دے گا۔ اس لئے تم آدھا سیر تین پاؤ کا کھانا تیار کرو اُس پر بکری کی ران بھون کر رکھ دینا اور دودھ سے بھر کر ایک کٹورا لا دو۔ اس کے بعد تمام بنو عبدالمطلب کو

میرے پاس بلا لاؤ تاکہ میں اُن سے گفتگو کروں۔ اور اللہ کے حکم کو اُن تک پہنچا دوں۔ میں نے رسول اللہ کی فرمائش پوری کر دی اور پھر تمام بنو عبدالمطلب کو، جو اُس زمانے میں کم و بیش چالیس مرد تھے، آپ کے پاس بلا لایا۔ اُن میں آپ کے چچا ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے۔ سب کے جمع ہو جانے کے بعد رسول اللہ نے مجھے اس کھانے کے لانے کا، جو میں نے آپ کے لئے تیار کیا تھا، حکم دیا۔ میں نے اُسے لا کر رکھا۔ رسول اللہ نے اُس میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اُسے اپنے دانتوں سے چیرا اور پھر اُس خون کے کناروں پر رکھ دیا اور سب سے کہا بسم اللہ کر کے کھانا شروع کیجئے۔ تمام جماعت نے شکم سیر ہو کر کھانا کھا لیا۔، مجھے صرف اُن کے ہاتھ چلتے دکھائی دیتے تھے۔ اور قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں علیؑ کی جان ہے کہ جتنا کھانا میں نے اُن کے لئے تیار کیا تھا، اُن میں سے ہر شخص اُس کو کھا جاتا۔ کھانے کے بعد رسول اللہ نے فرمایا کہ ان سب کو دودھ پلاؤ۔ میں نے وہ کٹورلا کر اُن کو دیا۔ اُسے پی کر وہ سب سیر ہوئے۔ حالانکہ بخدا وہ صرف اتنا تھا کہ اُن میں کا ہر شخص اُسے پی جاتا۔ اس کے بعد رسول اللہ نے چاہا کہ اُن سے گفتگو کریں۔ مگر آپ کے بولنے سے پہلے ابولہب نے کہا ”عرصہ سے یہ تم پر جادو کرتا رہا ہے“ یہ سن کر تمام جماعت اٹھ کھڑی ہوئی۔ رسول اللہ نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ مجھ سے کہا علیؑ تم نے دیکھا کہ اس شخص نے مجھے آج بات کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اور سب لوگ چلے گئے۔ کل پھر اسی قدر کھانے کا انتظام کرو اور اُن سب کو میرے پاس بلاؤ“۔ (تاریخ طبری ترجمہ پہلی جلد سیرۃ النبی صفحہ 88-89)

مسلسل دوسری روایت لکھی ہے کہ:

”حسب الحکم دوسرے دن پھر میں نے اُسی قدر کھانے اور دودھ کا انتظام کر کے سب کو رسول اللہ کی خدمت میں جمع ہونے کی دعوت دی۔ جب وہ آگئے آپ نے کل کی طرح مجھے کھانا لانے کا حکم دیا۔ میں کھانا لایا۔ آپ نے آج بھی وہی کیا جو کل کیا تھا۔ اُس کی برکت سے سب نے شکم سیر ہو کر کھانا کھا لیا۔ پھر آپ نے مجھ سے کہا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔ میں اُس کٹورے کو لے آیا۔ اُسی سے وہ سب سیر ہو گئے۔ اس سے فراغت کے بعد رسول اللہ نے فرمایا کہ اے بنو عبدالمطلب! میں نہیں جانتا کہ کوئی عرب مجھ سے پہلے اس سے بہتر کوئی نعمت تمہارے پاس لایا ہو۔ جو میں تمہارے لئے لایا ہوں۔ اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس بھلائی کی دعوت دوں تم میں سے کون اس معاملہ میں میرا بوجھ بٹانے کے لئے آمادہ ہوتا ہے تاکہ وہ میرا بھائی بنے، میرا وصی ہو اور تم میں میرا جانشین ہو؟ اس دعوت میں سب کے سب ساکت و صامت رہے کسی نے حامی نہ لی۔ البتہ میں نے کہا، حالانکہ میں اس جماعت میں سب سے کم عمر تھا، سب سے زیادہ چھوٹی آنکھیں تھیں، پیٹ بڑا اور پنڈلیاں پتلی پتلی تھیں، اے اللہ کے نبیؑ میں تمہارا وزیر بنتا ہوں۔ رسول اللہ نے میری گردن تھام کے کہا کہ ”یہ میرا بھائی ہے میرا وصی ہے اور تم میں میرا خلیفہ ہے تم اس کی بات سنو اور جو کہے اُسے بجالاؤ“ اس پر ساری جماعت ہنسنے لگی۔ اور انہوں نے ابوطالب سے کہا کہ سنو تم کو حکم ہوا ہے کہ تم اپنے لڑکے کی اطاعت و فرماں برداری کرو“۔ (ایضاً صفحہ 89)

پھر مسلسل لکھا ہے کہ:

”ایک مرتبہ ایک شخص نے علیؑ سے پوچھا ”امیر المؤمنین آپ اپنے چچا زاد بھائی کے اپنے چچا کی موجودگی میں کیونکر وارث ہوئے؟ انہوں نے کہا ”سنو“ تین مرتبہ، اس پر تمام حاضرین گوش بر آواز ہوئے کہ کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ: ”رسول اللہ صلعم نے تمام بنو

عبدالمطلب کو پلاؤ اور چھاچھ کی دعوت دی۔ آپ نے اُن کے لئے صرف ایک مُد کھانا پکوا یا تھا۔ تمام لوگوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی وہ کھانا جو کٹاؤں بچ گیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا ”اے بنو عبدالمطلب اللہ نے مجھے خاص طور پر تمہاری طرف اور عام طور پر تمام انسانوں کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ اس معاملہ کے متعلق جو کچھ ہے وہ تمہارا مشاہدہ ہے۔ کون اس کے لئے میرے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے کہ وہ میرا بھائی، دوست اور میرا وارث بنے؟“۔ کوئی شخص کھڑا نہ ہوا۔ میں آپ کے پاس گیا۔ حالانکہ میں سب سے کم عمر تھا۔ مجھ سے آپ نے کہا ”بیٹھو“ اُس بات کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا مگر ہر بار میں کھڑا ہو کر آپ کی طرف بڑھتا تھا۔ تیسری مرتبہ آپ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا۔ اس طرح میں اپنے چچا زاد بھائی کا وارث ہوا اور میرے چچا نہ ہوئے۔“ (ایضاً صفحہ 89-90)

مسلسل لکھتے ہیں کہ: ”اعلانۃ تبلیغ، حسن بن ابی الحسن سے مروی ہے کہ جب یہ آیت **وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ** (شعراء، 26/214) رسول اللہ پر نازل ہوئی آپ نے انج میں کھڑے ہو کر کہا ”اے بنی عبدالمطلب، اے بنی عبدمناف، اے بنی قصی“ پھر آپ نے قریش کے تمام قبائل کو اور خاندانوں کو فرداً فرداً نام لے کر مخاطب کر کے کہا ”میں تم کو اللہ کی جانب بلاتا ہوں اور اُس کے عذاب سے ڈراتا ہوں“ (ایضاً صفحہ 90)

مسلسل لکھتے ہیں کہ: ”عبدالرحمن بن القاسم اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ کو حکم دیا گیا کہ جو پیغام اللہ کی طرف سے اُن کو ملا ہے اُس کا وہ اعلان کریں۔ لوگوں کو اپنی تعلیم دیں۔ اور اللہ کی طرف دعوت دیں۔ نبی ہونے کے بعد تین سال تک آپ خفیہ طور پر اپنی تعلیم دیتے تھے۔ اس کے بعد اب آپ کو اعلانۃ طور پر تبلیغ کا حکم ہوا“ (ایضاً صفحہ 90)

(ج) حضرت علیؑ کی ولایت و خلافت و وزارت و حکومت پر طبری کی ان روایات کی تکمیل اور چند غلط باتوں پر تنقید اور اصلاح

قارئین کو پھر یاد دلائیں کہ قریشی حکومتوں اور خلفا کی سرپرستی میں تیار ہونے والی احادیث و روایات و واقعات میں سے وہ تمام پہلو رد کر دیئے جائیں گے جو قریشی پالیسی اور منصوبوں کی تائید میں ہوں یا جن سے قرآنی مسلمات میں ترمیم و تنسیخ و تردید کی جھلک ملتی ہو۔ چونکہ قریش کسی طرح یہ ماننے کو تیار نہیں کہ حضرت علیؑ پوری امت یا نوع انسان پر رسول اللہ کے خلیفہ یا جانشین بنائے گئے تھے۔ اگر وہ یہ مان لیں تو چار یاری حکومت باطل و مغصوبہ ہو جائے اس لئے دعوت ذوی العشرہ میں وہ اس دعوت کو صرف خاندان عبدالمطلب تک محدود کرتے ہیں جو یوں بھی باطل ہے کہ ہم نے طبری کی وہ روایت بھی لکھی ہے جس میں قریش کے سارے قبائل اور خاندان کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔ اور یوں بھی غلط ہے کہ لفظ ”عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ“ کے معنی میں ہمہ گیر سازش ثابت ہے یعنی نہ یہاں مصدری معنی لئے گئے نہ محاورے کا خیال رکھا گیا ہے اور نہ آیت میں بیان شدہ صورت حال کو مد نظر رکھا ہے۔ سازش ملاحظہ کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

(د) دعوت ذوی العشرہ والی آیت (26/214) کو خاندان عبدالمطلب میں سازشاً محدود کر کے حکومت مرتضوی کو غائب کرنے کی کوششیں

قریش کی معنوی سازش کا پردہ فاش کرنے کیلئے ہم نے اکثر مودودی کے متضاد تراجم پیش کر دینا کافی سمجھا ہے اور یہ اس لئے کہ اردو زبان میں تمام مترجمین اور مفسرین سے زیادہ خیانت کاری اور زیادہ مضبوطی سے بددیانتی میں مودودی اول نمبر پر آتے ہیں۔ اور اُن کی تردید و ابطال کے بعد قریشی علما کے پاس کوئی نیا حربہ نہیں بچتا ہے۔ لہذا آیت ذوی العشرہ (26/214) کے سلسلے میں مودودی نے جو چالاکی اور ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے اُسے واضح کرنے میں ہم جو بیان دیں گے اُن کی تصدیق کے لئے آپ کو مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کے پیش کردہ حوالوں کو سمجھنا اور اُن کی کتاب میں خوددیکھنا آپ کی اپنی ذمہ داری ہوگی۔ لہذا پہلے اُس آیت کا مودودی ترجمہ اور آیت کے الفاظ کو دیکھ لیں۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ:

(اڈل) ولایت و وزارت و خلافت و حکومت والی آیت؟

وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ (شعر، 26/214)

مودودی ترجمہ:- ”اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ“۔ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 541)

مودودی کی تشریح:- ”135 یعنی خدا کے اس بے لاگ دین میں جس طرح نبی کی ذات کے لئے کوئی رعایت نہیں اسی طرح نبی کے خاندان اور

اُس کے قریب ترین عزیزوں کے لئے بھی کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے“۔ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 542)

آپ نے آیت کا مودودی ترجمہ دیکھ لیا اس میں نہ کسی بے لاگ دین کا ذکر ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملے میں نہ اُن کے خاندان کے سلسلے میں کسی رعایت کے ہونے یا نہ ہونے کا قصہ ہے۔ یہ مودودی کا اپنا عقیدہ ہے جس میں نبی کی پوزیشن کو گھٹانا لوازمات میں سے ہے آپ تو یہ دیکھیں اور سوچیں کہ اس ترجمہ میں دو الفاظ کا ترجمہ کون کون سا ہے یعنی لفظ ”عَشِيرَة“ کا ترجمہ کونسا ہے اور ”اَقْرَبِينَ“ کا ترجمہ کونسا ہے؟ یا یوں کہئے کہ ”رشتہ داروں“ کے لئے آیت میں عربی کا کون سا لفظ ہے اور ”قریب ترین“ کیلئے آیت میں کونسا لفظ ہے؟ اور یہ فیصلہ بھی خود نہیں کرنا بلکہ مودودی اور قرآن سے فیصلہ کرانا ہے۔ لہذا آیت میں آئے ہوئے الفاظ پر ایک دوسری آیت اور مودودی کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔ اللہ نے فرمایا کہ:

لَفِظِ عَشِيرَةٍ كَاتِرْجَمَہ اور استعمال دیکھیں

يَذْعُو الْمُنَافِقُ هَ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ لَيْسَ الْمَوْلَىٰ وَكَانَ الْعَشِيرُ ۝ (سورہ حج 22/13)

مودودی ترجمہ:-

”وہ اُن کو پکارتا ہے جن کا نقصان اُن کے نفع سے ”قریب تر ہے“ بدترین ہے اُس کا مولیٰ اور بدترین ہے اُس کا رفیق“ (ایضاً صفحہ 208)

گو آپ نے لفظ ”عَشِيرَة“ کے معنی یا ترجمہ ”رفیق“ دیکھ لیا ہے مگر ہم چونکہ جھوٹوں کو گھر تک پہنچائے بغیر نہیں مانتے اس لئے اسی آیت (22/13) پر علامہ کی تشریح پڑھ کر اُن کو کھلی چھوٹ دے دیں اور پھر ایک دم ڈھیل دی ہوئی رسی کو کھینچ کر اُنہیں منہ کے بل گرا ہوا دیکھیں۔

مودودی کی تشریح:- 19 یعنی جس نے بھی اُس کو اس راستے پر ڈالا، خواہ کوئی انسان ہو یا شیطان، وہ بدترین کارساز و سرپرست ہے اور بدترین

دوست اور ساتھی ہے“۔ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 208)

(دوم) عَشِيرَة کے معنی رفیق، دوست اور ساتھی اور مولیٰ کے معنی کارساز و سرپرست ہوئے اور ”اَقْرَب“ کے معنی ”قریب تر“ ہیں

یہ معانی دیکھ لینے کے بعد یہ سمجھ لیں کہ لفظ ”اَقْرَب“ کی جمع اَلَا قَرَبُونَ یا اَلَا قَرَبِينَ ہے اور اسی بنا پر مودودی نے اَلَا قَرَبِينَ کا

ترجمہ ”قریب ترین“ کیا ہے جو صحیح ہے اس ثبوت اور تجزیہ کے بعد علامہ کا ترجمہ اور معنی یہ ہونا چاہئیں۔

ولایت و وزارت و حکومت والی آیت اور اُس کا دوسرا ترجمہ

وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ (26/214) ”اپنے قریب ترین رفیقوں، دوستوں اور ساتھیوں کو ڈراؤ“۔

اور پہلا ترجمہ یہ تھا کہ: ”اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ“۔ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 541)

تاریخ بتائیں کہ مودودی کا کونسا ترجمہ صحیح ہے؟ اور صحیح ہونے کی دلیل کیا ہے؟

مودودی خود سازش کا شکار ہو گئے: بہر حال ہم فی الحال مودودی کو اُس کے اپنے بنے ہوئے جال میں پھانسنے کے لئے لفظ عَشِير کا ترجمہ رفیق، دوست اور ساتھی مان کر یہ کہیں تو مودودی اینڈ کمپنی کو انکار کی مجال نہیں ہو سکتی کہ اس آیت (26/214) میں اُن لوگوں کو ڈرانے اور خبردار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار نہ تھے بلکہ حضور کے رفیق اور دوست اور ساتھی ہونے کا ڈھونگ رچا رہے تھے۔ اور وہ حقیقت میں قریشی مرکز کی طرف سے تعینات نقاب پوش مسلمان تھے۔ اور جن کے سرغنہ ادھر ابوسفیان اور ادھر عمر و ابو بکر تھے۔ یوں قریش کی سازش اور مودودی کی معنوی ہیرا پھیری اور تحریف سے دشمنان اہل بیت پٹ گئے۔

جن لوگوں کو ڈرانے کے لئے یہ آیت (26/214) آئی تھی وہ سب کے سب رسول کی پیروی نہ کرتے تھے

اور یہ حقیقت بھی علامہ کی ہیرا پھیری پر نوٹ کر لینا چاہئے کہ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو بُرے نتائج سے خبردار (تنبذیر) کرنے کا حکم ملا ہے وہ سب کے سب رسول کی اتباع نہ کرتے تھے یعنی رسول کے قدم بقدم نہ چلتے تھے۔ سنئے: اللہ نے مسلسل فرمایا ہے کہ:

وَاحْفَظْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِرِيءٍ مِمَّا تَعْمَلُونَ ۝ (شعراء 26/215-216)

مودودی ترجمہ: ”اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں اُن سے تو اضع سے پیش آؤ، لیکن اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو اُن سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے میں بری الذمہ ہوں۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 541 تا 543)

اس لنگڑے ترجمہ سے بھی ثابت ہے کہ جن کو ڈرانے کا حکم دیا گیا تھا وہ سب کے سب رسول کی اتباع نہ کرتے تھے مگر مومن تھے۔ اور اُن کے اعمال اللہ و رسول کے نزدیک مردود تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی مصنوعی یا رِعا د دوست اور رفیق و ساتھی تھے جنہیں ہم نے قریش کا نقاب پوش مسلم گروہ قرار دیا تھا۔ لہذا عملاً شاہد اینڈ کمپنی مودودی کی سازش کے بعد بھی مردود قرار پا گئی ہے۔

سوم) سازش کو بے نقاب کرنے کا دوسرا زاویہ، لفظ عَشِير کے وہ معنی جو خاندانِ رسول کو نشانہ بنانے میں مددگار ہوتے ہیں؟

قرآن اور مودودی کے ترجمہ سے ایک اور مقام دیکھیں جہاں مودودی لفظ ”عَشِير“ کے ساتھ دوہری بازی گری کرتے ہیں۔ یعنی اس لفظ کو ”واحد“ سے ”جمع“ میں تبدیل کر دیتے ہیں اور دوسرے اس کے معنی کو رفیق و دوست اور ساتھی کے بجائے اب پھر ”عزیز و اقارب“ بنا کر پبلک کو فریب دیتے ہیں: قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ-----الْخ (توبہ 9/24) مودودی ترجمہ: ”اے نبیؐ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب، اور تمہارے وہ مال-----“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 184)

اس آیت اور ترجمہ میں غور و توجہ طلب پہلو

”پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ اس آیت میں اُن تمام رشتوں کا نام بنام ذکر فرما دیا گیا ہے جنہیں ساری دنیا میں ”قریب ترین رشتہ دار“ کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ اور اُن کے علاوہ باقی رشتے ایک ایک یا دو دو درجے دور کے ہوتے ہیں۔ مثلاً بھائیوں کی اولاد، باپوں کے باپ (دادا) وغیرہ لہذا اس آیت میں تو لفظ ”عَشِيرَتُكُمْ“ کے معنی ہرگز ”عزیز و اقارب“ صحیح نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ یہاں تو قریب ترین رشتہ داروں یا ”قریب ترین عزیزوں“ کی خداداد فہرست موجود ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اردو زبان میں عزیز ”رشتہ داروں“ ہی کو کہتے ہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ لفظ ”اقارب“ لفظ ”اقرب“ کی جمع ہے اور ”اقرب“ کے معنی مولیٰ اور رفیق والی آیت (22/13) میں نقصان کو نفع سے ”قریب تر“ لکھے تھے۔ لہذا

تیسری خطا

(3) اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِينَ (نسا 4/135)

(3) ”تمہارے والدین اور رشتہ داروں“ پر، (ایضاً صفحہ 405-406)

بزرگوں کا ایک قول اور رسول کی ایک حدیث کی تصدیق ہو گئی ہے

قارئین نے دیکھ لیا کہ اس ملعون شخص نے اپنے داہنے ہاتھ سے جھوٹی لکھے ہوئے معنی ”قریب ترین“ کو تین مرتبہ بدل کر ”رشتہ دار“ بنا دیا ہے بزرگوں نے فرمایا تھا کہ: ”ایک خطا، خطا۔ دوسری خطا بھی خطا۔ تیسری خطا مادرِ خطا“

حدیث یہ ہے کہ: ”علیؑ سے بغض و دشمنی رکھنے والا یا منافق ہوگا یا حرامی ہوگا“

اور ماشاء اللہ مودودی اور قریشی علما کے لئے یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔

11۔ دعوت ذوی العشرہ کے بعد قریش کا مسلم محاذ دوستی کے پردہ میں حضرت علیؑ کو ناکام کرنے کے لئے آخری سانس تک گھیرے رہا

دعوت ذوی العشرہ تک کے حالات یعنی اعلان نبوت کے تین سال بعد تک کے حالات سے قریشی مرکز نبوت اور اعلان نبوت کو بنی ہاشم کی حرکات مذہبی میں شمار کرتا رہا۔ چنانچہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی وزارت و خلافت و اطاعت کے اعلان پر بھی قریش کو یہ وہم تک نہ ہوا کہ علیؑ کی وزارت اُن کا سارا گس بل نکال کر اُن کا زور توڑ دے گی اور انہیں ایک دن اس حکومت کے سامنے ہتھیار ڈال کر سرنگوں کھڑا ہونا پڑے گا۔ بہر حال تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ یہ وزیر علیہ السلام واقعی رسول کی مطلق العنان حکومت قائم کر لے گا۔ اس یقین کے بعد قریش نے وہ تاریخ ساز فیصلہ کیا تھا جو طبری کے قلم اور خلیفہ دوم کی زبانی سنایا جا چکا ہے اور اُسی فیصلے کے بعد انہوں نے طے کر لیا تھا کہ انہیں اپنا نشانہ محمدؐ کو نہیں علیؑ کو بنانا ہے۔ چنانچہ قریش کے مسلم محاذ نے وہ تمام ترکیبیں اور راہیں سوچ سمجھ کر اختیار کیں جن سے تمام قسم کے مسلمان عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً قریش کو علیؑ کا دوست خیال فرمائیں اور علیؑ کی دوستی کی بنا پر اُن پر خصوصی توجہ دیں۔ یہ ابو بکر و عمر و عثمان اور حضرت علیؑ کو آج تک ”چار پیار“ کہنا اُن ہی منافقانہ اور سیاسی چالوں کا نا سمجھا نتیجہ ہے۔ حالانکہ قریش نے حضرت علیؑ علیہ السلام سے بڑا دشمن کسی اور کو کبھی نہیں سمجھا اور کسی اور سے اتنا بے رحمانہ و سنگدلانہ سلوک کبھی نہیں کیا۔ واقعات کا تقاضا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قطعاً دشمنی نہ تھی اور نہ آج تک ہے اور اگر تھی تو وہ بھی حضرت علیؑ علیہ السلام کی وجہ سے تھی۔ حضرت علیؑ قریش کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے اور قیامت تک رکاوٹ رہیں گے۔ عہدِ رسولؐ میں ہوں یا بعدِ رسولؐ، قریش کی جب بھی مذمت ہوئی یا آئندہ ہوگی وہ علیؑ کی وجہ سے ہوئی تھی اور ہوتی رہے گی۔ اور قریشی مسلمانوں نے جب بھی اللہ، رسول اور قرآن سے بددیانتی و خیانت برتی وہ صرف اور صرف حضرت علیؑ علیہ السلام کی وجہ سے تھی۔ اور اس دشمنی کا اصل سبب وہی دعوت ذوی العشرہ کا اعلان اور حکومت الہیہ کی سربراہی تھا۔ اور یہ اعلان نہ محمدؐ کی غلطی تھا نہ علیؑ کا قصور تھا یہ اللہ کا حکم تھا اور اس حکم میں قریش ہی کو نہیں بلکہ اُن تمام قبیلوں خاندانوں اور موجودہ اقوام کے نمائندوں، سرپنچوں یا عشیرہ کو دعوت دی گئی تھی جن سے آنحضرت کی نبوت و رسالت و حکومت کا تعلق رہنا تھا۔ اور اُن سے چاہا تھا کہ وہ اپنے اندر سے حضور کو ایک ایسا شخص انتخاب کر کے دیں جو اُدھر اُن سب کا صحیح اور آخری نمائندہ ہو اور ادھر رسول اللہ کی ہمہ گیر حکومت کی وزارت یا ذمہ داریاں کا محققہ سنبھال سکے۔ نمائندگان نے اسے مذاق سے زیادہ کچھ نہ سمجھا۔ ٹال دیا، ٹھکرا دیا، اور جب انہیں حضرت علیؑ علیہ السلام کے نظام و وزارت و امارت و ولایت نے سنجیدہ حالات سے دوچار کیا تو اب انہوں نے قوت و بکر سے حکومت پر قبضہ کی راہیں نکالیں۔ اور اسلامی تعلیمات میں تاویل میں کر کے، قوم سے ساز باز کر کے، اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈال کر رسول پر اِقربا

بنایا گیا تھا۔ اور اُن کے کردار پر نظر رکھنے کا اعلان فرمایا گیا تھا۔

مودودی نے مان لیا کہ ان تمام ہی آیات (15-10/13) میں قریش مخاطب ہیں

مودودی نے مانا ہے کہ: ”18 خیال رہے کہ خطاب اہل عرب سے ہو رہا ہے۔ اور اُن سے کہا یہ جارہا ہے کہ پچھلی قوموں کو اپنے زمانہ میں کام کرنے کا موقع دیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے آخر کار ظلم و بغاوت کی روش اختیار کی اور جو انبیاء اُن کو راہِ راست دکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے اُن کی بات انہوں نے نہ مانی اس لئے وہ ہمارے امتحان میں ناکام ہوئیں۔ اور میدان سے ہٹادی گئیں۔ اب اے اہل عرب تمہاری باری آئی ہے تمہیں اُن کی جگہ کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ تم اس امتحان گاہ میں کھڑے ہو جس سے تمہارے پیش رو ناکام ہو کر نکالے جا چکے ہیں۔ اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارا انجام بھی وہی ہو جو اُن کا ہو تو اس موقع سے، جو تمہیں دیا جا رہا ہے، صحیح فائدہ اُٹھاؤ، پچھلی قوموں کی تاریخ سے سبق لو اور اُن غلطیوں کا اعادہ نہ کرو جو اُن کی تباہی کی موجب ہوئیں“۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 271)

(ج) خلیفہ جن اقوام کے بنے تھے قریش نے اُن اقوام کی پوری پوری پیروی و اتباع کی

قریش نے خلیفہ بن جانے کے بعد جن اقوام کے خلیفہ بنے تھے اُن کی بھرپور پیروی کی۔ اللہ نے اُن سے کہا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ - الخ (الاحزاب 33/69)

مودودی ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اُن لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیتیں دی تھیں“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 134)

(د) قریش کو سابقہ ظالم اقوام کا خلیفہ اس لئے بنایا گیا تھا کہ قریش میں اُن کی تمام صفات موجود تھیں اور اس کے قدم بقدم چلنا بھی تھا

مندرجہ بالا آیت (33/69) سے پہلے ہی اسی سورہ میں اللہ قریشی مسلمانوں کی خباثت کا عموماً اور اُن کی آنحضرت اور دیگر مومنین کی ایذا رسانی کا خصوصاً ذکر کر چکا تب اُن سے کہا گیا ہے کہ تم بنی اسرائیل کی طرح نہ ہو جانا۔ چنانچہ یہ فرمایا گیا تھا کہ:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ (احزاب 33/57)

مودودی ترجمہ: ”جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں اُن پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور اُن کے لئے رسوا کن

عذاب مہیا کر دیا ہے“۔ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 123)

معلوم ہوا کہ واقعی قریش صحیح معنی میں سابقہ اقوام کے خلیفہ بنائے گئے تھے اور یہ جو فرمایا گیا تھا کہ تمہیں اس لئے خلیفہ بنایا جا رہا ہے کہ:

”تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو (لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ) یہاں معنی یہ کرنا ہوں گے کہ:

”تمہیں اس لئے خلیفہ بنایا ہے کہ تم سابقہ اقوام والے مظالم اور بد کرداریاں کس کس حد تک اور کن کن طریقوں سے کرو گے؟

مطلب یہ ہے کہ قریش سے اُن ہی مظالم، نافرمانیوں اور بد کرداریوں کی امید تھی جو اُن کی پیش رو اقوام سے ظہور میں آئی تھیں دیکھنا یہ تھا کہ قریش

اُن سے کتنا بڑھ چڑھ کر عمل کرتے ہیں؟ اسی لئے اُن سے یہ بھی فرمایا گیا کہ (مودودی کے تراجم)

(1) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو“۔ (سورہ نور 24/21 تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 371) اور

(2) ”شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے“۔ (6/143 تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 590)

(3) ”اُس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اُس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں

پراگندہ کر دیں گے۔ (انعام 6/153، تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 601)

(4) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لئے کیا سامان کیا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو اللہ یقیناً تمہارے

اُن سب اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے،“ (59/18، 19) (ایضاً جلد 5 صفحہ 409-410)

(5) ”اے ایمان لانے والو جانتے بوجھتے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو۔“ (انفال 8/27، ایضاً جلد 2 صفحہ 139)

یہ تمام آیات اور مودودی ترجمے بتاتے ہیں کہ قریش:

1- ”شیطان کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ اور شیطان کے نقش قدم ہوتے ہی نہیں وہ صرف مشورہ دیتا ہے عمل کر کے نہیں دکھاتا لہذا یہاں

شیطان اُسی شخص کو کہا گیا ہے جو دو یاروں میں کا ایک یار تھا اور جس نے اپنے یار کو رسول کے طرز عمل سے ہٹا دیا تھا۔

(فرقان 29 تا 25/27) اور اللہ نے قریش کو اُس شیطان کی پیروی سے روکا تھا“ اور

2- ”وہ اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذاہب اور راستوں کو اختیار کئے ہوئے تھے اور انہیں اسلام پر چلنے کے لئے کہا گیا تھا“۔ اور

3- ”انہوں نے اللہ کو بھلا رکھا تھا اور اللہ و رسول کے احکام میں جان بوجھ کر بددیانتی اور خیانت کرتے رہتے تھے۔ اور اُن میں وہ تمام

صفات و عادات موجود تھیں جن کی بنا پر انہیں سابقہ اقوام کا جانشین اور خلیفہ بنایا گیا تھا اور جن کی وجہ سے سابقہ اقوام تباہ و برباد ہوئی تھیں۔

(ہ) قریش کو رسول نے بتا دیا تھا کہ تم یہود و نصاریٰ اور باقی تمام عجمی اقوام کے قدم بقدم چلو گے اور مودودی نے بھی تفہیم القرآن میں تصدیق کر دی ہے

مودودی ہی کی نہیں بلکہ اُن کے تمام ہم مذہبوں کی معتبر ترین کتاب صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَأْخُذَ أُمَّتِي بِأَخَذِ الْقُرُونِ قَبْلَهَا شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا

بِذِرَاعٍ، فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَارِسَ وَالرُّومَ، قَالَ: وَمَنْ النَّاسُ إِلَّا أَوْلِيْنَاكَ؟ (صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 1088 الصحیح المطابع)

”ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ ”قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک اُس سے پہلے پہلے میری

امت سابقہ زمانوں کی اقوام کی بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ بھر پیروی نہ کر چکی ہو“۔ حضور سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ کیا اہل ایران اور اہل

روم کے لوگوں کی پیروی؟ فرمایا کہ ”اُن کے علاوہ اور انسان ہیں ہی کون سے؟“

دوسری حدیث:- عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا ذِرَاعًا ذِرَاعًا حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جَحْر

صَبَّ تَبَعْتُمُو هُمْ قَلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى قَالَ: فَمَنْ؟

ابی سعید الخدری نے رسول اللہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے سے پہلے والوں کی بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ بھر

پیروی کرو گے یہاں تک کہ اگر اُن میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں گھسا ہوگا تو تم بھی اُسی طرح ضرور گھسو گے۔ ہم نے پوچھا کہ کیا ہم

یہود و نصاریٰ کی پیروی کریں گے؟ فرمایا کہ پھر کن کی؟ (ایضاً جلد 2 صفحہ 1088)

(و) اللہ کی طرف سے قریش کو مہلت مل جانے کے بعد علی نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ قریش کو اپنی حقانیت میں کم سے کم شبہ ہو سکتا تھا۔

ان عنوانات میں قریش کو آزاد چھوڑ دینے اور سرسری نصیحت کرتے رہنے اور انہیں سابقہ اقوام میں شمار کر کے اُن کا خلیفہ بنادینے کی بات

بھی مکمل ہو گئی اور ساتھ ہی انہیں اُن کے مستقبل پر مطلع کرنے کا ثبوت بھی سامنے آ گیا۔ اب روز ازل سے مقرر چلے آنے والے اور دلیل و اعلان

کے ساتھ خلیفہ و وزیر بنادیئے جانے والے حضرت علی علیہ السلام کا فریضہ ہو گیا کہ وہ بھی قریش پر جبر و طاقت سے اپنی حکومت مسلط نہ کریں اور انہیں یاد دلاتے رہنے اور ملامت کرتے رہنے کے علاوہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں کہ وہ مجبور ہو کر حکومت حضرت علیؑ کے حوالے کر دیں۔ لہذا انہوں نے بھی اللہ کی اُس سنت پر عمل کیا جو اللہ نے ایسے حالات میں برسرِ کار رکھی اور قرآن میں بیان فرمادی ہے۔

(اول) اللہ کی سنت ہے کہ مستقل سرکشوں کو مالامال کر دو اور جب مطمئن ہو جائیں تو تباہی کی رسی کھینچ لو یہ اللہ نے اسی پر عمل کیا تھا۔

اللہ نے قرآن میں اپنا طرز عمل یا سنت یوں بیان فرمائی ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَآخَذْنَا مِنْهُم مَّا نَبَا سَاءٍ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ۝ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (انعام 45-42/6)

” اے رسول! تم سے پہلے ہم نے بہت سی امتوں پر سخت حالات ارسال کئے اور ہم نے انہیں اپنے سامنے جھکانے کے لئے باز پرس کے طور پر مصائب و آلام میں مبتلا کیا ہے چنانچہ اگر سخت حالات میں ہر قوم عاجز ہو جایا کرتی تو وہ کیوں عاجزی اختیار نہ کر سکے؟ بات یہ ہوئی کہ شیطان نے انہیں اُن کے اعمال کو سجا کر دکھایا اور یوں اُن کے دل سخت ہو گئے اور اپنے رویے پر قائم رہے۔ چنانچہ جب ایسی سخت دل اور شیطان کی پیروی نے ہماری ہدایات و نصیحتوں کو طاق نسیان پر رکھ دیا تو ہم نے اُن کے لئے تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ اُن کو اپنے اعمال و اقوال پر صحیح ہونے کا یقین ہو گیا اور انہوں نے اپنے کردار پر فخر و ناز کرنا شروع کر دیا۔ تب ہم نے اچانک تباہی کی رسی کھینچی اور وہ ابلیس کی طرح ابوسی کے جال میں پھنس گئے۔ اور پھر ہم نے ایسی قوم کا نام و نشان دنیا سے مٹا کر رکھ دیا جو تمہاری قوم کی طرح ہر ظلم و جبر پر کمر باندھے ہوئے ملی۔ اور حمد و ثنا تو پوری کائنات کے پروردگار کا حق ہے ہی۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَابْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ أَنْظِرْ كَيْفَ نَصَرَفَ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْذَبُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ اتَّخَذْتُ اللَّهُ بِغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الظَّالِمُونَ ۝ (انعام 47-46/6)

لہذا اے رسول! تم بھی اُن سے کہہ دو کہ بتاؤ اگر اللہ تم سے تمہاری بصیرت و بصارت اور سماعت چھین لے اور تمہارے منصوبہ ساز دل پر مہر لگا دے تو بتاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو یہ تو تین تمہیں عطا کر دے؟ دیکھو اے نبی! ہم کس کس ترکیب سے اور ہیر پھیر کے ساتھ اپنی آیات میں سب کچھ بتاتے رہتے ہیں اور قریشی قوم کس طرح اُن بیانات کو نظر انداز کرتی رہتی ہے؟ قریش سے یہ بھی کہو کہ کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تم پر اچانک یا اعلانیہ عذاب بھیج دے تو کیا ظالم قوم کے علاوہ وہ عذاب کسی اور کو تباہ کرے گا؟“

(دوم) ان آیات نے صورتِ حال کو واضح کر دیا اور قریش کی پوزیشن بھی سامنے آگئی کہ وہ مدت دراز سے عذاب کے مستحق تھے۔ مگر انہیں معمول کے مطابق عذاب دینا مقصود نہیں تھا۔ انہیں عذاب یافتہ اقوام کا خلیفہ بنا دیا گیا تاکہ وہ حکومت و اقتدار حاصل کر کے وہ تمام مظالم و استبداد کر سکیں جو بلا حکومت نہیں کئے جاسکتے۔ لہذا انہیں اُس وقت عذاب دیا جائے گا جب وہ اپنے تمام ارمان نکال چکیں۔ اور مظالم کا کوئی پہلو باقی نہ رہ جائے لہذا فی الحال طے ہوا کہ اُن کے لئے ہر ہر شے کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام اللہ کی اس مشیت میں مدد و معاون بننے کے لئے حکومت سے دست بردار ہو گئے۔ انہیں یہ بتا کر کہ تم ظلم و غصب کے مجرم ہو۔ اُن سے نیکیوں میں تعاون شروع کر دیا اور اُس حد تک گئے کہ

آج تک یار لوگ یار کہتے ہیں۔ اپنے تمام طرفدار مومنین کو تخلیوں میں اللہ کی سنت اور اپنے منصوبے سے متعارف کرایا، پروگرام بتایا۔ اور تاریخ جانتی ہے کہ آتی ہوئی حکومت کو اسلامی اصول کے ماتحت لات ماردی۔ عربوں پر حکومت کرنے کی قیمت اپنی جوتی سے کم تر قرار دی۔ اور قریشی خلفا کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا کہ خلفا خود بھی اور اُن کے لگے سگے اور اُن کے علما بھی آج تک مدح سرائی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اُن کی حکومت سازی کی راہیں کھلی چھوڑ دیں۔ مگر اُن پر یہ حقیقت ہمیشہ واضح رکھی کہ وہ اور اُن کی حکومت غاصب و غادر و خائن ہے۔ اُس کا اللہ و رسول اور اسلام سے ویسا ہی تعلق ہے جیسے نمراید و فرعون یا ایرانی حکومتوں سے تعلق ہے۔ تمہیں دنیا دار بادشاہوں کی طرح سمجھتے ہوئے امن عامہ اور مفاد انسانی کے سلسلے میں میرا تعاون حاصل رہے گا۔ میں حکومت حاصل کرنے کی غرض سے تلوار و قوت استعمال نہ کروں گا اور ایک پُر امن شہری کی حیثیت سے زندگی گزاروں گا۔ اور مکافات عمل اور نتائج کا انتظار کروں گا۔ آپ اللہ کی قائم کردہ اس راہ (45-6/42) پر چلے اور خوب چلے۔ اُدھر قریشی حکومت نے حضرت علیؑ اور خاندان رسولؐ سے حکومت کے ساتھ ہی حکومت سے متعلق اور تمام فطری حقوق بھی چھین لئے۔ انہیں پیسے سے اور افرادی قوت سے محروم رکھنے کا ہر انتظام کیا۔ دنیا بھر میں قتل و غارت اور لوٹ مار کر کے عربوں کو دنیا کی اقوام پر مسلط کیا اللہ نے ہر شے کے دروازے کھلے رکھے۔ عرب میں دولت کی نہریں بہتی ہیں۔ اسلام و قرآن کے نام پر ایک جدید مگر مکمل اسلام تیار کر کے دنیا میں پھیلا دیا گیا اللہ کی طرف سے کھولے ہوئے ہر چیز کے دروازوں (اَبْوَابٌ مَّكْلٍ شَسَى ۶/44) میں زوال و تباہی کے دروازے بھی تھے وہ بھی کھلے ہوئے تھے۔ چنانچہ قریشی حکومت کا جنازہ مدینہ کی گلیوں میں کتوں کی ضیافت کا سامان بنا۔ حضرت علیؑ علیہ السلام کی وساطت سے یہودی قبرستان میں دفن ہوا۔ اور قریش نے بہزار منت و سماجت و ذلت و رسوائی کے بعد حضرت علیؑ علیہ السلام کو اپنی حکومت کی باگ ڈور سونپی اور یہ چونکہ اُن کے بزرگان دین کی نصیحت و وصیت و انتظام کے خلاف کام تھا اس لئے لیڈران قوم یا یہ کہئے کہ رسولؐ کے بڑے بڑے صحابہ نے اپنے اُس منصوبے کے مطابق عمل شروع کیا جو شکست کی صورت میں پہلے سے مرتب اور تیار کیا ہوا رکھا تھا۔ چنانچہ مخالف محاذ نے بغاوت اور بزورِ شمشیر حکومت واپس لینے کے لئے اقدامات شروع کئے اور دوستی کی آڑ میں روز اول سے چلے آئے والا محاذ علیؑ کے حاشیہ نشینوں میں فدا کاروں کی نقاب پہن کر شامل ہو گیا۔ اس کا کام وہی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاروں طرف رہنے والے قریشی مسلمان محاذ کا تھا۔ یہاں سے مخالف محاذ کو خبریں بھیجنا۔ اُن کے لئے حالات سازگار بنانا۔ پبلک کو وہ مال و رشوت پہنچانا جو مخالف محاذ کے سربراہوں کی طرف سے بھیجا جاتا تھا۔ مرتضوی طرفداروں میں پست ہمتی پھیلانا۔ علیؑ کے پروگراموں میں مناسب تاخیر و ڈھیل پیدا کرنا اور علیؑ کے کاموں کے نتائج کو الٹ دینا۔ اور موقع ملنے پر علیؑ کو ٹھکانے لگا دینا۔ اور اُن تمام مواقع سے بڑھ چڑھ کر فائدہ اٹھانا جن سے علیؑ اور عوام کی نظر میں اُن کا فدا کار و وفادار اور پُر خلوص ہونا ثابت ہو سکے۔

(۵) حضرت علیؑ کے گرد جمع رہنے والے قریش کے نقاب پوش دوستوں اور اُن کے کردار و مقاصد پر طہ حسین کا مختصر تبصرہ

حضرت علیؑ علیہ السلام کے خطبات میں عموماً اور زبیر قلم خطبہ 27 میں خصوصاً جن لوگوں کا شکوہ ہوا ہے۔ اُن کے مختصر حالات کا ذہن میں رہنا خطبہ کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ چنانچہ ڈاکٹر طہ حسین مصری نے اپنی کتاب فتنۃ الکبریٰ کے دوسرے حصے ”علیؑ“ میں عنوان ”علیؑ اور حامیان علیؑ“ کے ماتحت بہت کچھ لکھا ہے ہم اُس میں سے چند جملے بطور نمونہ نقل کریں گے سنئے:

(1) حامیان علیؑ یا قریشی نقاب پوش گروہ قریشی مرکز کس طرح استعمال کرتا تھا؟

”یہ امن کی زندگی اُن کو بڑی محبوب تھی اور بہر حال اُس بے نتیجہ لڑائی سے تو بہت اچھی تھی۔ جس میں مالِ غنیمت تو کچھ نہیں ملتا تھا۔ اُلٹے

تاوان پرتاوان ادا کرنا پڑتا تھا اور دوستوں اور سرپرستوں کا قتل مزید برآں، اس طرح حضرت علیؑ کے ساتھی آرام و راحت کی زندگی گزارتے رہے اور جنگ و مقابلے کی ہر دعوت اور تحریک کو ٹالتے رہے۔ (علیؑ صفحہ 116)

(2) آنحضرتؐ کے صحابہ یعنی مسلمانوں کا قریشی حماز بھی اپنے قریشی دوستوں اور سرپرستوں سے جنگ نالتا رہا

ڈاکٹر صاحب نے ثابت کر دیا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام اپنی فوج کو لوٹ مار کی قطعاً اجازت نہ دیتے تھے اور انٹاؤن کے فوجی اپنے اخراجات سے جنگی سامان فراہم کرتے تھے اور اپنی عدم موجودگی میں اپنے اہل و عیال کی کفالت اور آرزو کے بھی خود ہی ذمہ دار ہوتے تھے۔ یعنی ان کی فوج خالصتاً نبیؐ اللہ جہاد کرتی تھی۔ لیکن جن لوگوں کے حالات اس عنوان میں قلم بند کرنا ہیں وہ اس نبیؐ اللہ جہاد کو بے نتیجہ اور تاوان و جرمانہ سمجھتے تھے اور دشمن کی فوج میں خود ان کے دوست و سرپرست لوگ ہوتے تھے جن سے لڑنا اور انہیں قتل کرنا نہیں پسند نہ تھا۔ دوسرے الفاظ میں حضرت علیؑ علیہ السلام کے ساتھ ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو آنحضرتؐ کے دشمنوں کو برسرِ حق سمجھتے تھے اور انہیں قتل کرنا یا ان سے جنگ یا جہاد فی سبیل اللہ کرنا بھی ان کے اختیار کردہ اسلام میں جائز نہ تھا۔ ادھر عہدِ رسولؐ میں رسولؐ کے فوجیوں کو مال غنیمت بھی ملتا تھا مگر وہ قریشی صحابہ جو اسلام لاکر رسولؐ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے وہ بھی رسولؐ کے دشمنوں سے جنگ کرنا اپنے اختیار کردہ قریشی اسلام میں ناجائز سمجھتے تھے اور دشمنوں کے ساتھ آنے والے اپنے دوستوں رشتہ داروں اور سرپرستوں سے لڑنا اور انہیں قتل کرنا پسند نہ کرتے تھے۔

(3) جس طرح حضرتؐ کے ساتھی نقاب پوش دوست، اپنے قریشی مرکز کی حکومت کے طرف دار تھے، اسی طرح قریشی مسلمان حکومت رسولؐ میں

حصہ مانگتے تھے۔

حضرت علیؑ کے ساتھ وہی قریش کا مومن گروہ تھا اور اپنے دلوں میں اسی طرح خفیہ منصوبہ چھپائے ہوئے تھا جیسے رسولؐ کے قریشی صحابہ پوشیدہ منصوبہ رکھتے تھے اور حکومت میں اقتدار چاہتے تھے۔ مودودی کا ترجمہ دیکھیں لکھا ہے کہ:

مودودی ترجمہ:-

”مگر ایک دوسرا گروہ جس کے لئے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی۔ اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر خلافِ حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ ”اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟“ ان سے کہو کہ ”کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ ”اگر (قیادت کے) اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے“ ان سے کہہ دو کہ ”اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔“ (آل عمران 3/154، تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 296)

نوٹ کریں کہ اس آیت میں جو لوگ اعتراض کر رہے ہیں وہ زندہ مسلمان قریش ہیں۔ چونکہ وہ لیڈر اور قومی نمائندے ہیں اس لئے قومی مقتولوں کا قتل ہو جانا اپنے قتل ہو جانے کے برابر سمجھ رہے ہیں۔ یہی حال ڈاکٹر صاحب نے حضرت علیؑ علیہ السلام کے قریشی ساتھیوں کا بتایا ہے۔ اور مسلسل لکھا ہے کہ:

(4) معاویہ کے آدمی حضرت علیؑ کے گرد دوستوں کی نقاب میں قریشی مرکز سے مربوط تھے اور رشتہ میں پہنچاتے تھے

”پھر امیر معاویہ کی چال نے ان کی دولت اور فارغ البالی میں اور اضافہ کر دیا تھا اور ان (علیؑ) کے افسروں اور سرداروں کو معاویہ مسلسل

خطوط میں سبز باغ دکھاتے رہے ساتھ ہی عطیات اور انعامات کی پیشکش بھی کرتے رہے جو اُن کو آئندہ کی توقعات پر آمادہ کرتی رہیں۔ اور چھوٹی سی نقد رقم، وعدے کی بڑی رقموں کا فریب دیتی رہیں۔ تا آنکہ اُن افسروں اور سرداروں کو خرید لیا اور اُن کے دل خلیفہ کی طرف سے خراب کر کے اُن کو منافق بنا ڈالا۔ جو زبان سے خلیفہ (علیؑ) کی اطاعت کا اعلان کرتے تھے اور دلوں میں اُس کے غدار اور نافرمان تھے۔ اور یہی کیفیت یہ سردار اپنے ماتحتوں میں بھی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ (ایضاً صفحہ 116)

یہ ہیں وہ قریشی مرکز کے بھیجے ہوئے دستدارانِ مرتضوی جو حضرت علیؑ علیہ السلام کے مقاصد اور منصوبوں سے قریشی مرکز کو مطلع رکھتے تھے اور اپنے حقیقی مرکز کے لئے عہد رسولؐ کی طرح کام کرتے تھے۔ انعامات و اعزاز حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن مگر خاموش زیر زمین غداری کرتے تھے۔ اسی گروہ کو حضرت علیؑ علیہ السلام مخاطب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

أَلَا وَإِنِّي قَدْ دَعَوْتُكُمْ إِلَى قِتَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لِيَلَاؤُنَهُمْ يَوْمَئِذٍ سِرًّا وَعِلَانًا؛ وَقُلْتُ لَكُمْ: اُعْزُواهُمْ قَبْلَ أَنْ يَعْزُواكُمْ؛ (خطبہ 27، فقرہ نمبر 9-10)

”خبردار ہو کر سنو کہ میں نے تم کو اس قریشی قوم سے جہاد کرنے کے لئے دن رات دعوت دی ہے۔ تمہیں نہایت رازداری سے بھی جنگی ضرورت اور پالیسیاں سمجھائی ہیں اور برسراٹھ بھی تمہیں اس قوم کے مقابلہ کے لئے دعوت دیتا رہا ہوں۔ میں نے تم سے بار بار یہ کہا ہے کہ قریشی افواج کے حملہ آور ہونے سے پہلے تم اُن پر دھاوا بول دو“ (مسلل فرمایا ہے کہ:)

خدا کی قسم وہ قوم ہمیشہ ناکام اور ذلیل ہوئی ہے جس نے اُس وقت جنگ شروع کی جب حملہ آور دشمن اُن کے گھروں تک پہنچا (27/11 خطبہ) چنانچہ تم بھی جنگ کو ایک دوسرے پر ٹالنے اور غلط توکل کرتے چلے گئے۔ اور تم نے ایک دوسرے کی پشت پناہی اُس وقت تک نہ کی جب تک خود تم پر قتل و غارت کا آغاز نہ ہو گیا (27/12 خطبہ) اور جب تک تمہارے وطن کے لوگوں پر دشمن حملے کر کے قابض نہ ہو گیا (27/13 خطبہ)

(5) جس طرح حضرت علیؑ کو اپنے نام نہاد قریشی دوستوں سے قریشی مرکز پر فوج کشی نہ کرنے کی شکایت ہے اسی طرح قریشی صحابہ سے شکوہ تھا قریشی مومنین عہد رسولؐ میں قریشی مرکز پر فوج کشی کے لئے تیار نہ ہوئے تو اللہ نے بھی حضرت علیؑ علیہ السلام کی طرح شکایت میں قریشی مسلمانوں سے کہا تھا کہ:

مودودی ترجمہ: تمام مسلمانوں اور رسولؐ کے لئے جہاد کا ولی نصیر

”آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدا یا ہم کو اس ہستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔“

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 372، سورہ نسا 4/75)

یہ ملعون شخص ولی کا غلط ترجمہ کر کے مقام مرتضوی کو چھپانے کا عادی ہے۔ بہر حال یہ تھا قریشی مسلمانوں کا حال عہد رسولؐ میں کہ اللہ تقاضوں پر تقاضے کرتا رہتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریشی صحابہ اور قریشی مسلمان اپنے قریشی مرکز پر حملہ کرنے کے لئے ٹال مٹول کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ مودودی کے ترجمہ سے اللہ کا ایک اور تقاضا سنتے چلیں پھر حضرت علیؑ کا خطبہ آپ کو دکھائیں گے۔

قریشی مسلمان عہد رسول ہی سے اپنے قومی مرکز مکہ پر فوج کشی کے لئے مظلوموں کی طرف داری میں تیار نہ ہوئے تھے۔

اللہ نے فرمایا کہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب بھی تم سے اللہ کی راہ میں جنگ کے لئے نکلنے کو کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے۔ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور کو اٹھائے گا۔“ (توبہ 39-38/9، تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 193-195)

(6) قریشی صحابہ جو کچھ رسول کے ساتھ کرتے رہے۔ وہی کچھ حضرت علیؑ کے قریشی صحابہ نے علیؑ کے ساتھ کیا۔ وہاں اللہ کو شکوہ تھا یہاں علیؑ کو

شکایت ہے

اللہ کے بیانات و آیات محض قریشی مسلمانوں کا حال قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو بتانے اور مطلع رکھنے کے لئے قرآن میں ریکارڈ کیا گیا ہے۔ ان آیات و بیانات سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اللہ و رسولؐ قریش کی تلوار یا مال اور ان کی مدد کے محتاج تھے۔ ہرگز نہیں۔ انہوں نے تو روز ازل سے بھی، اعلان اسلام کے ساتھ ساتھ بھی اپنی ذمہ داریاں حضرت علیؑ علیہ السلام کو سونپ دی تھیں اور انہیں اطمینان حاصل تھا کہ ان کا وزیر و خلیفہ قیامت تک حکومت الہیہ کو مغلوب نہ ہونے دے گا۔ قریش مدد کریں یا مخالف رہیں جہاد پر مقرر ہونے والا ولیؑ علیؑ ہمیشہ غالب رہے گا۔ اور کبھی مفتوح و مغلوب نہ ہوگا چنانچہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے قریش کے مقابلے پر ایسی صورت حال قائم رکھی کہ انہیں اللہ بھی ڈانٹتا اور لعنتی و جہنمی کہتا رہا اور خود بھی ساری عمر ان کو ملامت کرتے رہے اور قیامت تک انہیں لعنت و ملامت کا شکار بنا کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ الغرض حضرت علیؑ علیہ السلام نے قریش کے ظاہر و باطن کو کھول کر رکھ دیا تھا۔ ان کا سارا مذہبی میک اپ (make up) اُتار کر دنیا کے سامنے ننگا کر کے پیش کیا۔ ان کی قرآن میں آئی تمام مذمتوں اور خباثوں کی تفصیلات عملی طور پر مشاہدے کے لئے اور نمائش کے لئے منظر عام پر رکھوا دیں۔ اور انہیں دلائل اور اپنے دور بین اقدامات سے گھیر کر ان سے ہر وہ کام کروا کر چھوڑا جسے وہ درپردہ کرنا اور پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ اور پھر یہ سب کچھ اپنے خطبات کے حسین اور دلوں میں اتر جانے والے اور دماغوں میں پیوست ہو کر رہ جانے والے الفاظ میں محفوظ کر دیا جو سینہ بسینہ اور لب بہ لب قریشی مسلمانوں کا کردار پیش کرتے کرتے ہم تک آپہنچے اور آج ہم ان کی تشریحات بیان کرنے کی عزت حاصل کر رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے سامنے قریشی صحابہ بیٹھے ہوئے ہیں اور حضور فرما رہے ہیں کہ:

”یہ عامی بھائی یعنی سفیان بن عوف معاویہ کے حکم سے اپنی فوج لے کر انبار شہر کے مسلمانوں پر چھا پہ مارنے کے لئے ٹوٹ پڑا، وہاں کے مسلمان حاکم حسان بن حسان الکبریٰ کو قتل کیا شہر بھر کے مسلمانوں کو قتل و غارت اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا اور وہاں کے تمہارے فوجی مسلمان دستوں کو مار بھگا یا اور شہر پر قبضہ کر لیا“ (خطبہ نمبر 27، جملہ 14 تا 16)

اور مجھے تو یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ معاویہ کے مختلف چھا پہ مار فوجی دستے مختلف شہروں اور بستیوں میں پھیل جاتے ہیں اور ان کا ایک ایک آدمی مسلمان یا غیر مسلم عورتوں کے گھروں میں گھس جاتا ہے اور ان عورتوں کے پیروں میں سے پازیب، اور ہاتھوں میں سے کنگن، اور گلے میں سے گلو بند و چمپا کلی اور ہنسلیاں، اور کانوں میں سے بوندے، اور گوشوارے اور جھمکے اُتار اُتار کر ڈھیر لگا لیتا ہے۔ ان لوگوں کو اس ظلم اور لوٹ سے روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ عورتیں ہاتھ جوڑتی ہیں منت خوشامد کرتی ہیں اللہ و رسولؐ کے واسطے دیتی اور مایوس ہو جاتی ہیں۔ اور وہ قریش کے مسلمان لیرے لوٹ کے مال سے لدے ہوئے آرام سے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ ان میں سے کسی لیرے کو نہ کوئی زخم لگتا ہے نہ ان میں سے کوئی قتل ہوتا ہے نہ کسی

کا خون بہتا ہے۔ (خطبہ نمبر 27، جملہ نمبر 17 تا 20) اگر وہ شخص جو ان مظالم اور بے کسی و بے بسی کی داستانوں کو سن کر صدمہ سے مر جائے تو اسے ملامت نہیں کی جاسکتی میری رائے میں تو اس قسم کی خبریں سن کر غیور انسانوں کو شرم سے مر جانا چاہیے (خطبہ نمبر 27، جملہ نمبر 21 تا 22) مطلب یہ ہے کہ اے میرے قریشی دوستو تمہیں تو نہ شرم آتی ہے نہ قریشی لیروں اور قتل و غارت کرنے والوں پر غصہ ہی آتا ہے۔

مجھے حیرانی اور تعجب بالائے تعجب ہے اور خدا کی قسم دل پر مردنی چھانے لگتی ہے۔ اور سینہ غم و درد سے پھٹنے لگتا ہے۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ قریشی مرکز اور قریشی مسلمان تو اپنے باطل مذہب اور ابلیسی منصوبے پر سو فیصد متحد و متفق و مجتمع ہیں اور تم اپنے مذہب حق کے خلاف متفرق و منتشر ہو۔ تمہارے لئے تباہی مقدر ہو جائے تمہارا ستیا ناس جائے تم تو خود ہی اپنی کوششوں سے تیروں کی آماجگاہ (target) بنے ہوئے ہو۔ تم پر غارت گری اور لوٹ مار کی جارہی ہے، تم پر شب و روز چھاپے مارے جارہے ہیں اور تم غارتگری اور چھاپہ ماری کے لئے بھی تیار نہیں۔ اللہ کے گناہ اور نافرمانیاں کی جارہی ہیں مگر تم اس پر راضی ہو۔ تم سے بر ملا جنگ کی جارہی ہے مگر تم لڑنے پر آمادہ نہیں ہو۔ (خطبہ نمبر 27، جملہ نمبر 23 تا 27)

(7) عہد رسول کے قریشی مسلمان بھی گرمی کو بہانہ بنایا کرتے تھے اور حضرت علی کے قریشی صحابہ بھی گرمی و سردی کی شدت کو آڑ بناتے رہے

حضرت علی علیہ السلام نے ہمیشہ قریش کو قرآن کی کسوٹی پر چڑھا چڑھا کر رسوا رکھا سینے اللہ کا ارشاد ہے کہ:

مودودی کا ترجمہ قریش کے خفیہ منصوبے اور سازشی بہانہ بازیوں

”کیا یہ لوگ جانتے نہیں کہ اللہ کو ان کے مخفی راز اور ان کی پوشیدہ سرگوشیاں تک معلوم ہیں اور وہ تمام غیب کی باتوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ (وہ خوب جانتا ہے ان کنجوں دولت مندوں کو) جو برضا و رغبت دینے والے اہل ایمان کی مالی قربانیوں پر باتیں چھانٹتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس (راہ خدا میں دینے کے لئے) اُس کے سوا کچھ نہیں ہے جو وہ اپنی مشقت برداشت کر کے دیتے ہیں۔ اللہ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لئے دردناک سزا ہے“ (توبہ 9/79)

”اے نبی تم خواہ ایسے لوگوں کے لئے معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو، اگر تم ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے، اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نجات نہیں دکھاتا (9/80) جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ اللہ کے رسول کے ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ ”اس سخت گرمی میں نہ نکلو“ اُن سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے، کاش انہیں اس کا شعور ہوتا“ (9/81) اب چاہیے کہ یہ لوگ ہنسنا کم کریں اور روئیں زیادہ اس لئے کہ جو بدی یہ کھاتے رہے ہیں اُس کی جزا ایسی ہی ہے (کہ انہیں اس پر رونا چاہئے)۔“ (9/82) تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 218-220

حضرت علی نے اپنے قریشی صحابہ سے بھی وہی کچھ فرمایا جو اللہ نے بار بار کہا

اللہ کا بیان ذہن میں رکھتے ہوئے خطبہ مسلسل سنئے:

فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِالسَّيْرِ فِي اَيَّامِ الْحَرِّ قُلْتُمْ هَذِهِ حَمَارَةٌ الْقَيْظِ اَمَهْلُنَا يَسْبِخُ عَنَّا الْحَرُّ؛ وَ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِالسَّيْرِ فِي اَشْتَاءِ قُلْتُمْ هَذِهِ صَبَارَةٌ الْقُرِّ اَمَهْلُنَا يَنْسَلِخُ عَنَّا الْبَرْدُ؛ كُلُّ هَذَا فِرَارًا مِّنَ الْحَرِّ وَالْقُرِّ؛ فَاِذَا كُنْتُمْ مِّنَ الْحَرِّ وَالْقُرِّ تَفْرُوْنَ فَاَنْتُمْ وَاللّٰهُ مِنَ السَّيْفِ اَفْرُ؛

”میں نے جب کبھی تمہیں موسم گرما میں قریشی مرکز پر دھاوا کرنے کا حکم دیا تو تم نے کہا کہ یہ انتہائی شدت کی گرمی کا زمانہ ہے۔ ہمیں اتنی مہلت دیں کہ گرمی کی یہ شدت ذرا کم ہو جائے، اور جب کبھی تمہیں موسم سرما میں اس قوم پر حملہ کرنے کے لئے کوچ کا حکم دیا تو تم نے جواب میں کہا کہ کڑا کے کی سردی پڑ رہی ہے ہمیں اتنی مہلت دیں کہ ذرا سردی قابل برداشت ہو جائے تب چلیں گے، یہ سردی اور گرمی سے بچنے کے بہانے دراصل سردی اور گرمی کی تکلیف سے فرار ہے۔ اور سوچو کہ جب تم سخت گرمی اور سخت سردی سے بھاگتے ہو تو تم

میدان کارزار میں تلوار کی گرمی کے سامنے سے تو بہت زور شور کے ساتھ بھاگو گے؟ (خطبہ نمبر 27، جملہ نمبر 28 تا 31)

اے مردوں سے مشابہ نامرد لوگو! اے بچکانہ سوچ بوجھ رکھنے والے دانشورو! اور اے چار دیواریوں کے اندر پلنے والی پردہ نشین عورتوں کی عقل رکھنے والو! کاش کہ نہ میں نے تمہیں دیکھا ہوتا اور نہ تم سے میری شناسائی ہوتی، تم سے شناسائی ندامت کا باعث بن کر رہ گئی ہے۔ خدا کی قسم تمہاری شناسائی سے رنج و تکلیف میرے پیچھے پڑ گئی ہے، خدا تمہیں غارت کرتے تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے، اور میرے سینے کو غیظ و غضب سے چھلکا دیا ہے۔ تم نے مجھے ہر سانس پر رنج و غم کے جام پلائے ہیں۔ اور مسلسل میری نافرمانیاں کر کے اور مجھے میری پالیسیوں میں تنہا چھوڑ کے تم نے میری رائے اور فیصلوں کو بدنام کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ قریشی ایسے گھٹیا لیڈروں کو بھی یہ کہنے کا موقع مل گیا ہے کہ:

”علی بن ابی طالب بلاشبہ ایک جری اور بہادر شخص ہے۔ مگر اُسے فنون جنگ اور جنگی پالیسیوں کا علم نہیں ہے“

ایسا کہنے والوں کے باپ کون تھے؟ خدا ہی جانے، کیا اُن میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا ہے جس کو مجھ سے سخت تر جنگی تجربات ہوتے ہوں؟ یا وہ میدان جنگ میں مجھ سے پہلے اترا ہو؟ میں تو ابھی بیس سال کی عمر کو بھی نہ پہنچا تھا کہ میدان کارزار میں اپنا ہلانا منوا چکا تھا اور اب تو میں ساٹھ سال کی عمر تک آ گیا ہوں اور جنگ کا طویل ترین تجربہ رکھتا ہوں۔ لیکن بات یہ ہے کہ اُس رائے، فیصلے اور پالیسی کی قدر و قیمت کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔ جس کو آزما یا ہی نہ گیا ہو، کسی نے اُس پر عمل ہی نہ کیا ہو؟ (خطبہ 27، جملہ نمبر 32 تا 45)

(8) قریشی مسلمانوں نے آنحضرت کو بھی اسی طرح ستایا تھا جس طرح حضرت علی کو ستاتے رہے، وہاں بھی حکومت علویہ ہی کی بات تھی۔

آگے بڑھنے سے پہلے ایک دفعہ پھر وہ اصول یاد کر لیں جو ہم نے سابقہ خطبوں کی تشریحات میں قرآن کی ترتیب و تلاوت کے سلسلے میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اُن میں کی پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت اور ترتیب تلاوت اس انداز سے کی گئی ہے کہ قریشی ماہرین مذہبیات و سیاسیات قرآن کے عربی الفاظ یا متن میں رد و بدل یا تحریف نہ کر سکیں اس کیلئے قرآن کی تلاوت میں ہر موضوع یا بیان کو پورا ایک دم بیان نہیں کیا گیا بلکہ مناسب ترین وقفوں اور حصوں میں بیان کیا گیا ہے جسے قرآن نے عَلَسِی مُکْثِ (نبی اسرائیل 107-105/17) کے معنی خیر لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ نے اپنے بیانات میں الفاظ اور جملوں میں مسلسل یہ اصول مدنظر رکھا ہے کہ قریشی ماہرین کسی لفظ یا جملے کو سیاسی حربہ نہ بنا سکیں۔ اس کے لئے بہت سی ترکیبیں کی گئی ہیں مثلاً آنحضرت کو ایک عام بشر کی حیثیت میں رکھتے ہوئے اونچی سے اونچی پوزیشن بیان کر دی ہے۔ یا مجرموں کے اور ایسے حضرات کے نام بیان نہیں کئے جن کے خلاف یا جن کے حق میں کسی بات کو ہلڑ چنانے کا ذریعہ بنایا جاسکے۔ لیکن ناموں کے بجائے ذکر اس طرح کر دیا ہے کہ ایک عام آدمی کی نظر و توجہ فوراً زیر بحث آدمی کی طرف چلی جائے۔ اور ہر شخص سمجھ لے کہ فلاں شخص کا ذکر ہوا ہے۔ کہیں مذمت کی ہے مگر اس طرح کہ مذموم شخص کے طرفدار تاویل کر کے مذمت کا رُخ بدل سکیں اور کسی دوسرے مقام پر سامنے لا کر تاویل کو باطل اور حق کو واضح کیا جاسکے کہیں مدح و ثنا کی ہے اور کسی کا اعلیٰ ترین حق یا مقام بتایا ہے مگر یہاں بھی تاویل کی گنجائش رکھدی اور دوسرے

مقام میں تاویل کرنے والوں کا منہ بند کرنے کا گر بیان کر دیا ہے۔ بہر حال قرآن فہمی کے لئے مودودی یا زیدی ایسے لوگوں پر انحصار کرنا اس لئے غلط ہے کہ یہ لوگ نہ تو صاحبان قرآن علیہم السلام ہیں نہ یہ وہ حضرات ہیں جن کے سینوں میں قرآن نزول قرآن سے پہلے ہی آیات کی صورت میں لکھا ہوا موجود تھا (عنکبوت 49-29/48) یہیں یہ راز کھول دیا ہے کہ رسول چالیس سال تک عملاً ایسے بنے رہے کہ گویا لکھنا پڑھنا بالکل نہ جانتے تھے۔ ورنہ یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا کہ اُن کو کس نے لکھنا پڑھنا سکھایا، اور کب سکھایا جب کہ اُن کے شب و روز اور ساری زندگی لوگوں کے سامنے کھلی ہوئی موجود تھی (یونس 10/16) اور یہ کہ میں خود ہی قرآن بھی لکھتا رہا ہوگا۔ جی وغیرہ سب بہانہ ہے۔ لہذا قرآن فہمی صرف اور صرف محمدؐ و علیؑ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے لازم ہے۔ وہ مجسم قرآن تھے۔

رسول کو ستا سنا کر ہلاکت کے قریب پہنچا دیا تو اللہ نے حضور کو سنبھالا

قرآن کریم کی ایک بات یا ایک حدیث قریش نے آخر تک دل سے قبول نہیں کی اور اس معاملہ میں مسلمانوں نے آنحضرتؐ کو بہت دکھ دیئے۔ اللہ نے فرمایا کہ:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝ إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَىٰ الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِيَبْلُوهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَإِنَّا لَجَعَلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرًّا ۝ (سورہ کہف 18 تا 20)

”اے نبی! اگر قریش اس خاص حدیث ولایت کو نہ مانیں تو کیا تم اُن کے قومی طرز عمل اور سنت پر افسوس کے مارے خود کو ہلاک کر لو گے؟ حقیقت یہی ہے کہ وہ دنیا کے اُس تمام سامان پر قبضہ چاہتے ہیں جسے ہم نے زمین کی زینت بتایا ہے تاکہ ہم اُن کو آزمائیں اور دیکھیں کہ قریش میں سے کون کون بہترین عمل کرتا ہے؟ اور ہم تو یقیناً زمین کو سجانے والے تمام سامان کو مٹا کر اُسے چٹیل میدان بنا دیں گے یعنی قریش کے حاصل کردہ سامان کو فنا کر دیں گے۔“

علامہ مودودی قریشی مومنین کو ان آیات کی زد سے بچانے کے لئے تشریحات سے رخ بدلتے ہیں۔

مودودی صاحب حسب عادت مندرجہ بالا آیات (18/6 تا 8) کا رخ منکرین اسلام کی طرف موڑنے میں آیت کے ایک جملہ کی بنا پر نا کام ہو گئے ہیں۔ ان آیات کو دوبارہ دیکھیں ان میں نہ کہیں کفر و کافر کا ذکر ہوا نہ کسی منکر ہدایات و تعلیم خداوندی کی بات ہوئی ہے مگر مودودی لکھتے ہیں کہ:

”یہ اشارہ ہے اس حالت کی طرف جس میں اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبتلا تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو رنج اُن تکلیفوں کا نہ تھا جو آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو دی جا رہی تھیں، بلکہ جو چیز آپؐ کو اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی وہ یہ تھی کہ آپؐ اپنی قوم کو گمراہی اور اخلاقی پستی سے نکالنا چاہتے تھے اور وہ کسی طرح نکلنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ آپؐ کو یقین تھا کہ اس گمراہی کا لازمی نتیجہ تباہی اور عذاب الہی ہے۔ آپؐ اُن کو اس سے بچانے کے لئے اپنے دن اور رات ایک کئے دے رہے تھے۔ مگر انہیں اصرار تھا کہ وہ خدا کے عذاب میں مبتلا ہو کر رہیں گے۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 10، حاشیہ 4)

دوسری تشریح

”پہلی آیت (18/6) کا خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اور ان دونوں آیات (8-18/7) کا روئے سخن کفار کی جانب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حرف تسلی دینے کے بعد اب آپؐ کے منکرین کو مخاطب کئے بغیر یہ سنایا جا رہا ہے کہ یہ سر و سامان جو زمین کی سطح پر تم دیکھتے

ہو اور جس کی دل فریبیوں پر تم فریفتہ ہو، یہ ایک عارضی زینت ہے۔ جو محض تمہیں آزمائش میں ڈالنے کے لئے مہیا کی گئی ہے۔ تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ یہ سب کچھ ہم نے تمہارے عیش و عشرت کے لئے فراہم کیا ہے، اس لئے تم زندگی کے مزے لوٹنے کے سوا اور کسی مقصد کی طرف توجہ نہیں کرتے، اور اسی لئے تم کسی سمجھانے والے کی بات پر کان نہیں دھرتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سامان عیش نہیں بلکہ وسائل امتحان ہیں جن کے درمیان تم کو رکھ کر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ تم میں سے کون اپنی اصل کو فراموش کر کے دنیا کی ان دل فریبیوں میں گم ہو جاتا ہے، اور کون اپنے اصل مقام (بندگی رب) کو یاد رکھ کر صحیح رویہ پر قائم رہتا ہے۔ (ایضاً 3 صفحہ 10-11، حاشیہ 5)

مودودی کا بیان دونوں دفعہ بلا دلیل ہے، آیت کی منشا اور الفاظ کے خلاف ہے، بات ایک خاص حدیث اور مومنین کی ہے۔

ہمارا بنیادی عنوان آیات اور مودودی کی تشریحات سے ثابت ہے کہ رسول کی قوم قریش بحیثیت مجموعی رسول کو ستاتی رہی۔ اور پھر انہوں نے حضرت علیؑ کو ستایا۔ فرق یہ رہ گیا کہ مودودی اُن ستانے والوں کو رسول کی قوم تو مانتے ہیں مگر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ستانے والے لوگ مسلمان اور مومن نہ تھے۔ اور اسی مغالطہ کو مستحکم کرنے کے لئے علامہ نے ایڑی چوٹی کا ڈھیروں زور لگا دیا ہے۔ لیکن ستانے والوں کے مومن ہونے کی سب سے پہلی دلیل تو یہی ہے کہ مودودی پوری قوم کو گمراہ، دنیا پرست اور ستانے والی لکھتا ہے۔ حالانکہ ان آیات کے نزول کے وقت ساری قوم منکر اسلام نہ تھی قریش کے کافی لوگ اسلام پر ایمان لا چکے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان آیات (8/18) میں ستانے والوں کو کافر و منکر و فاسق و منافق نہیں کہا ہے۔ اُن پر بڑے سے بڑا الزام دنیا کے حصول اور دنیا پرستی کا لگایا ہے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اُن کی آزمائش کے سلسلے میں ایمان کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ: **أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا** ” اُن میں سے کون بہترین عمل کرتا ہے “ لفظ احسن کے معنی بہتر نہیں۔ بہتر کے لئے عربی میں لفظ ”حَسَن“ آتا ہے اور احسن بہترین کو کہتے ہیں اور منکرین ایمان و اسلام کا کوئی عمل نہ حسن ہو سکتا ہے نہ احسن۔ البتہ ایمان لانے کے بعد بعض اعمال کو اچھے کہا جائے گا۔ بعض کو بہت اچھے اور بعض کو بہت ہی اچھے۔ سب سے اچھے کو بہترین، یا احسن کہا جائے گا۔ لہذا ستانے والے قریشی مومن اور مسلمان تھے۔ اُن پر کفر کی چادر ڈالنا تہمت، فریب اور بددیانتی ہے۔ لہذا قریشی مومنین صرف ایک بات کو ناپسند کرتے اور نہ مانتے تھے اور وہ بات تھی ولایت و حکومت مرتضوی (دیکھو طبری خلافت راشدہ صفحہ 282-279 اور الفاروق حصہ اول صفحہ 103) لہذا آیت (8/18) میں ”الحدیث“ سے تمام اسلامی تعلیم یا قرآن مراد لینا محض فریب سازی ہے ”الحدیث“ کے معنی ”ایک خاص بات“ نہ کہ خاص باتیں اس سلسلے میں دوسرا مقام ملاحظہ ہو اللہ نے فرمایا ہے کہ:

رسول کو ستا سنا کر ہلاکت کے قریب پہنچانے پر قریشی مومنین کی دوسری شکایت

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا يَا تَبِيَهُمْ مِنْ ذِكْرِ مِنَ الرَّحْمَنِ مُحَدَّثِ إِلَّا كَا

نُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۝ (شعراء 5 تا 3/26)

مودودی ترجمہ:۔ ”اے محمدؐ شاید تم اس غم میں اپنی جان کھودو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل کر سکتے ہیں کہ اُن کی گردنیں اُس کے آگے جھک جائیں۔ ان لوگوں کے پاس رحمان کی طرف سے جو نئی نصیحت بھی آتی ہے یہ اُس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 476-478)

مودودی فریب دینے کے لئے اپنی تشریح میں رسول کو ستانے والے چند اور مقامات خود لکھتے ہیں مگر گھلے نہیں۔

ان آیات (شعراء 5 تا 26/3) میں بھی رسول کو ستانا ثابت ہے مگر مودودی اینڈ کمپنی یہاں بھی ستانے والوں کو قریش کے مسلمان نہ مانے گی اور لفظ ”مومنین“ کو الٹ کر کافر قرار دے گی۔ مگر یہاں بھی اللہ نے ستانے والوں کو نہ کافر کہا نہ منکر قرار دیا اور پھر ایک کلیدی بات ایسی کہہ دی کہ ستانے والے قریشی مسلمان ثابت ہو جاتے ہیں یعنی وہ سارے قرآن کے نہیں بلکہ بقول مودودی، صرف ”نئی نصیحت“ سے روگردانی کرتے ہیں غور فرمائیں کہ پہلی آیات میں لفظ ”الحدیث“ آیا تھا اور اب لفظ مُحَدَّثِ آیا ہے اور ان دونوں الفاظ کے لئے ایک ہی مادہ اور مصدر (ح-د-ث) اور حَذَّثُ ہے۔ لہذا لفظ ”الحدیث“ کے معنی بھی ”ایک خاص نئی بات“ ہوتے ہیں اور لفظ ”محدث“ کے معنی بھی نئی بات ہیں۔ اور وہ بات محض ولایت مرتضوی تھی اور کچھ نہیں جس سے وہ روگردانی کرتے چلے گئے۔ یعنی وہ حکومت الہیہ کو نہ مانتے تھے بلکہ قومی حکومت چاہتے تھے۔ اس لئے اُن کو اسلام کا منکر نہیں کہا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ولایت مرتضوی کا منکر بھی جہنمی ہے۔ علامہ کی تشریح دیکھئے وہ خود بلا ضرورت قریش کے ستانے پر دو اور مقامات لکھتے مگر اپنے خیال میں ایسے مقامات لکھتے ہیں جہاں ستانے والوں کو مخالف اسلام قرار دینے کا موقع رہے لیکن ہم یہ دکھا کر عنوان کو مکمل کریں گے کہ رسول کو ستانے والے مومنین تھے۔ سنئے:

مودودی تشریح:- ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کا ذکر قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ کہف میں فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝” شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو

دینے والے ہو۔ اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے“ (آیت 6)۔ اور سورہ فاطر میں ارشاد ہوا فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ

”ان لوگوں کی حالت پر رنج و انفسوس میں تمہاری جان نہ گھلے“ (آیت 8)۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں اپنی قوم کی گمراہی و

ضلالت، اُس کی اخلاقی پستی، اُس کی ہٹ دھرمی، اور اصلاح کی ہر کوشش کے مقابلے میں اُس کی مزاحمت کا رنگ دیکھ دیکھ کر نبی صلی اللہ

علیہ وسلم برسوں اپنے شب و روز کس دل گداز و جاں گسل کیفیت میں گزارتے رہے ہیں۔ بَخَع کے اصل معنی پوری طرح ذبح کر ڈالنے

کے ہیں بَاخِعٌ نَفْسَكَ کے لغوی معنی یہ ہونے کہ تم اپنے آپ کو قتل کئے دے رہے ہو“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 477 حاشیہ 2)

حضرت علیؑ اور رسولؐ کی حالت کی یکسانی مان لی ہے

یہ بیان پوری قوم کے ستانے کا ثبوت ہے اور سو فیصد حضرت علیؑ علیہ السلام کے بیان و شکایت و حالت کی یکسانی تسلیم کرتا ہے۔ بات

صرف اس قدر رہ گئی کہ یہ ستانے والے کون لوگ تھے۔ چنانچہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا مودودی نے یہ مان لیا کہ قرآن میں مختلف جگہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ستائے جانے کا ذکر ہے مگر ایسا مقام کوئی نہ لکھا کہ ستانے والوں کا مذہب معلوم ہو جائے۔

قرآن کی آیات اور مودودی کے ترجمے سے آنحضرتؐ کو ستانے اور ایذا دینے والوں کی پوزیشن اور مذہب

بہر حال ہم مودودی کا ترجمہ اور اختصار کی غرض سے آیات کے مخصوص الفاظ بھی لکھتے ہیں تاکہ اُن کی چالاکی پوشیدہ نہ رہ جائے اور آپ

اُن کے قلم سے دیکھ لیں کہ قریش کے عوام ہی نہیں بلکہ قریش کے بڑے بڑے ایسے لوگ بھی آنحضرتؐ کو روحانی و جسمانی اذیتیں دیتے رہتے تھے

جنہیں رسول اللہ نے اپنے گھروں میں آنے جانے سے بھی نہ روکا تھا یعنی مخصوص مومن صحابہ ستاتے تھے۔ سنئے اللہ فرماتا ہے کہ:-

حضور کو روحانی و جسمانی اذیت دینے والے قریشی یا رفاہیوں کے مومن صحابہ تھے

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، (1) (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا) نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔ نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ (2) (غَيْرَ نَظَرٍ إِنَّهُ) ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلا یا جائے تو ضرور آؤ (ضرور کیلئے کوئی لفظ نہیں ہے۔ احسن) مگر جب کھانا کھا لو تو منتشر ہو جاؤ، باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ (3) (وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ) تمہاری یہ حرکتیں نبی کو تکلیف دیتی ہیں۔ (4) (كَأَن يُؤْذَى النَّبِيُّ) مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ (5) (فَيَسْتَعْجِي) اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔ نبی کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ (6) (ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ) (وَقُلُوبِهِمْ) تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اللہ کے رسول کو تکلیف دو۔ (7) (مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ) اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔ (8) (وَلَا أَنْ تَسْكَحُوا أَوْ وَجْهَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا) یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ تم خواہ کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ (9) (إِنْ تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ) اللہ کو ہر بات کا علم ہے۔ ازواج نبی کیلئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی، ان کے بھتیجے، ان کے بھانجے، ان کے میل جول کی عورتیں، اور ان کے مملوک گھروں میں آئیں۔ (اے عورتو!) (اے نبی کی بیویو۔ احسن) تمہیں اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔ اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے۔“

(سورہ احزاب 57 تا 33/53، تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 119-123)

علامہ کی ترجمانی میں بددیانتی اور ستانے والوں کی طرف داری بھی ثابت کرتی ہے کہ وہ قریشی بزرگ صحابہ تھے

علامہ مودودی کے اس ترجمہ میں جہاں جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ستانے والوں کی پردہ پوشی کی گئی ہے۔ ان مقامات کو شامل کرنے سے ستانے والوں کے ارادوں اور جرم کی سنگینی اور خباثت میں اضافہ ہوگا۔ اور اسی غرض سے ہم نے قرآن کے اہم الفاظ کو بریکٹوں میں لکھا ہے تاکہ مودودی کی اُردو میں عیاری اور بددیانتی سامنے لائی جاسکے۔ سینے:

پہلا بریکٹ:- 1۔ یہاں اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ تم گھر میں جا کر ”برتنوں کو نہ دیکھتے رہا کرو“ مطلب یہ کہ کون سی ہنڈیا میں کیا پک رہا ہے اور فلاں چیز کس برتن (انہ) میں رکھی ہے یعنی یہ بے تکلف مومن صحابہ وقت بے وقت، رسول کی عدم موجودگی میں، رسول کی جس بیوی کو اپنے ہم خیال سمجھتے تھے اُس کے پاس چلے جاتے تھے اور وہاں اپنی مرضی کا کھانا پکواتے تھے۔ یہ نوٹ کریں کہ سب بیویاں ایک گھر میں نہ رہتی تھیں ہر ایک کا حجرہ یا کمرہ الگ الگ تھا۔ اور آنے والا شخص بالکل محفوظ طور پر گھر میں جتنی دیر چاہتا تھا رہتا تھا۔

دوسرا بریکٹ:- مودودی نے یہاں اپنی طرف سے لفظ ”ضرور“ لکھ کر کھانے پر بلانے والی ہر بیوی کے پاس جانا اللہ کی طرف سے لازم کر دیا ہے۔ یعنی یہ شرط نہیں لگائی کہ کھانے کی دعوت کون دے گا؟ گویا ہر بیوی آزاد ہے جسے چاہے کھانے پر مدعو کر لیا کرے۔

تیسرا بریکٹ:- تیسرے بریکٹ میں اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ ”تم کھانا کھا چکنے کے بعد منتشر ہو جا یا کرو رسول کی بیویوں سے انس و محبت کی یا مانوس کرنے کی باتوں میں نہ لگے رہا کرو“ یہ بریکٹ بھی ان ستانے والوں یا بلا اجازت آنے جانے والوں کی قلبی حالت اور ان کا باطل مقصد واضح

کرتا ہے۔ لفظ ”مُسْتَأْنَسِبِينَ“ کے معنی انس پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔

چوتھا بریکٹ:- یہ بریکٹ بتاتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان حرکات سے رسول کو اذیت پہنچتی تھی۔

پانچواں بریکٹ:- یہ بریکٹ بتاتا ہے کہ ستانے والے لوگ آنحضرت کی ازواج سے کچھ بے حیائی یا شرم انگیز باتیں کرتے تھے جو انس پیدا کرنے کے لئے ضروری ہوا کرتی ہیں اور رسول ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے وہ باتیں بطور شکوہ فرماتے ہوئے بھی شرماتے تھے اور صبر کرتے تھے لہذا اللہ نے فرمادیا کہ میں حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔

چھٹا بریکٹ:- چھٹا بریکٹ تو ان قریشی صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور ان بیویوں کو ان کا قلبی حال بھی بتا دیتا ہے کہ تم دلوں میں جو گندگی لئے ہوئے ہو اس سے بچنے کے لئے تمہیں آئندہ رسول کے گھر میں ہرگز نہیں جانا اگر ان بیویوں سے تمہارا کچھ لین دین بھی ہو چکا ہے۔ تب بھی تم باہر کھڑے رہو اور پردہ کے پیچھے سے بات کیا کرو اور جو کچھ تمہارا ان کے پاس ہے وہ باہر ہی سے مانگا کرو یہ طریقہ تم دونوں کے دلوں کو پاک رکھنے میں مددگار بن سکے گا۔

ساتواں بریکٹ:- یہ بریکٹ دو باتوں کی تصدیق کرتا ہے اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے قریب رہنے والے مومن صحابہ مسلسل ایذا دیتے رہتے تھے۔ دوم یہ کہ وہ مومن صحابہ اس ایذا رسانی کو جائز بھی سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ فرمایا گیا کہ:

”تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ تم رسول کو اذیت دو۔“ یہاں یہ سوچنے کی بات ہے کہ قریشی مومن صحابہ یا لیڈروں نے کبھی اس حکم پر عمل نہیں کیا اور ہر قسم کی ایذا رسانی آج تک اپنے اختیار کردہ اسلامی طریقہ پر جاری رکھی ہوئی ہے۔ آنحضرت نے، ان ہی زیر بحث آیات (احزاب 57: 53/33) میں، صَلُّوا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوا تَسْلِيمًا کی تشریح میں حکم دیا تھا کہ حضور کے ساتھ ان کی آل (علیہم السلام) کو شامل رکھا جائے اور درود بھیج کر عملاً نمونہ دیا تھا (صحیح بخاری کتاب التفسیر جلد دوم صفحہ 709، 708) مگر اس چودہ سو سالہ عرصہ میں ابو بکر و عمر کے پیروؤں نے کروڑوں مرتبہ اس حکم کے خلاف آل محمد کو درود سے الگ رکھا ہے اور ملعون مودودی کی تفہیم القرآن میں قدم قدم پر محمد کا نام آیا اور اس شیطان نے ہر دفعہ درود لکھا مگر کبھی بھول کر بھی اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ یا صلی اللہ علیہ وآلہ نہیں لکھا ہر مرتبہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھ کر رسول اللہ کی اذیت کا باعث ہوا ہے۔ اور یہ مستقل عمل درآمد اس لئے جاری رکھا کہ اس کے ملعون بزرگوں نے کربلا میں آل محمد کا قتل عام کیا تھا۔ انہیں ان کی وراثت و حکومت سے محروم کرنا ان کے یہاں جائز رکھا گیا تھا۔ اَللّٰهُمَّ لَعْنُ عَلٰی مَوْدُوْدِی وَ عَلٰی اَبُو بَکْرٍ وَ عَمْرٍ وَ اَصْحَابِهِمْ

واحبنا بهم اجمعین۔

آٹھواں بریکٹ:- اس بریکٹ میں آئے ہوئے قرآن کے الفاظ قریش اور ان کے ابا و اجداد کی ایک نہایت حیا سوز دینی سنت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سارے مسلمان مانتے ہیں کہ اللہ نے قرآن میں رسول کی بیویوں کو اُمت کی مائیں فرمایا ہے (وَ اِذْ وَاٰجِهْ اُمَّهَاتُهُمْ 33/6 اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 71) یعنی رسول کو ایذا دینے والے قریشی صحابہ اپنی قرآنی ماؤں سے معاشقہ کرتے تھے یعنی رسول کے انتقال کے بعد رسول کی بیویوں اور اپنی ماؤں کو نکاح کیلئے جائز سمجھتے تھے۔ یعنی قریش کو یہ کافی نہ ہوا کہ رسول کی بیویوں کو ان قریشیوں کی بدکاری سے بچانے کے لئے ان کی مائیں بنا دیا جائے۔ اس لئے کہ قریش تو والد کے مرجانے کے بعد اپنی ماؤں کو اور اپنے باپ کی ازواج سے نکاح کر کے اولادیں پیدا کرتے چلے آئے تھے۔ لہذا ان ملائین سے یہ بھی کہنا پڑا کہ: ”نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے ابدًا نکاح کرو“ (33/53)

یعنی رسول کے قریشی صحابہ کے جذبہ شہوت رانی سے رسول کی بیویوں کو بچانے کے لئے جب ان کی مائیں بنانے سے بھی کام نہ چلا تو باقاعدہ حکم دے کر دونوں فریق کو ایک دوسرے پر حرام کر دیا۔ یہاں تک تو قرآن کے واضح الفاظ میں آیا ہوا معاملہ تھا۔ اب قارئین یہ غور فرمائیں کہ نہ رسول کی زیر بحث بیویوں کو تا ابد زندہ رہنا تھا اور نہ زیر بحث شہوت ران صحابہ نے ہمیشہ جینا تھا۔ پھر کیونکر اللہ نے انہیں تا ابد نکاح نہ کرنے کا حکم دیا؟ اور کیوں مودودی نے لفظ ”اَبَدًا“ کا ترجمہ نہ کیا؟ یا تو یہ مانئے کہ رسول کے مذکورہ ستانے والے صحابہ اور ان کی منظور نظر عورتیں تا ابد زندہ رہنے اور نکاح کر سکنے کی پوزیشن میں رہنا تھیں۔ یا یہ مانئے کہ اللہ نے خواہ مخواہ ایک بے معنی سا جملہ بول دیا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں ماننے کی نہیں ہیں۔ لہذا یہ مانئے کہ کوئی ایسی صورت ضرور موجود تھی کہ تا ابد ایسا حرام نکاح ہو سکتا ممکن تھا۔ اس کی ایک محدود مدت تو وہ تھی جو رسول کی ازواج میں سے سب سے کم سن بیوی یعنی عائشہ کی زندگی کے آخری سانس تک باقی تھی یعنی اُس سے نکاح ممکن تھا اور زید نے نکاح کا پیغام دیا بھی تھا۔ لیکن عائشہ کے مرنے کے بعد قیامت تک یہ امکان فطری طور پر موجود تھا یعنی رسول کی زوجہ علیہم السلام سے پیدا ہونے والی بیٹی اور بیٹی سے پیدا ہوتے چلے جانے والی بیٹیاں قیامت تک موجود رہنا تھیں جو ماں کی بیٹیاں ہونے کی بنا پر امت پر حرام تھیں۔ اللہ کو معلوم تھا کہ وہ شہوت پرست صحابہ جس طرح اپنی حقیقی ماؤں سے اپنے ابا و اجداد کی بیویوں سے باپ کے مرنے کے بعد نکاح کر کے حرام نسل پیدا کرنا قریشی مذہب میں جائز رکھتے تھے اسی طرح صرف مائیں کہنے سے وہ باز نہ آئیں گے اس لئے انہیں کھول کر نکاح سے منع کیا گیا اور تا ابد فرما کر ان ماؤں کی بیٹیوں کو بھی حرام کر دیا گیا۔ مگر قریشی مسلمانوں نے قرآن میں آئے ہوئے کسی حکم کے بغیر ہی یہ فیصلہ کیا کہ رسول کی بیویاں ایسی مائیں نہیں ہیں جن کی بیٹیاں حرام ہوں۔ مودودی سے قریشی مجتہدین کا اجتہادی فیصلہ سنئے: مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

رسول کی بیویاں بلاشبہ امت کی مائیں اور نکاح کے لئے حرام ہیں مگر حرام ماؤں کی بیٹیاں حلال ہیں

”13 اسی خصوصیت کی بنا پر جو اوپر مذکور ہوئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی اپنی منہ بولی مائیں تو کسی معنی میں بھی ان کی ماں نہیں ہیں؛ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اسی طرح ان کے لئے حرام ہیں جس طرح ان کی حقیقی مائیں حرام ہیں۔ یہ مخصوص معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دنیا میں کسی اور انسان کے ساتھ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی معنی میں امہات المؤمنین ہیں کہ ان کی تعظیم و تکریم مسلمانوں پر واجب ہے۔ اور ان کے ساتھ کسی مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ باقی دوسرے احکام میں وہ ماں کی طرح نہیں ہیں۔ مثلاً ان کے حقیقی رشتہ داروں کے سوا باقی سب مسلمان ان کے لئے غیر محرم تھے۔ جن سے پردہ واجب تھا۔ ان کی صاحب زادیاں مسلمانوں کیلئے ماں جانی بہنیں نہ تھیں۔ کہ ان سے بھی مسلمانوں کا نکاح ممنوع ہوتا“ الخ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 72)

یعنی نظام اجتہاد کی رو سے حرام عورت یعنی ماں کی بیٹیاں حلال ہیں اور سنی و شیعہ مجتہد کا جاری کردہ یہ حرام آج ہمارے زمانہ تک جاری ہے اور سید زادی غیر سید کے نکاح میں دے کر حرام اولاد پیدا کی جا رہی ہے۔ اللہ حرامیوں پر لعنت کرے۔

نواں بریکٹ:۔ اس آخری بریکٹ سے یہ فیصلہ ہو گیا کہ رسول کی ایذا رسانی کے لئے قریشی صحابہ خفیہ اسکیمیں بناتے رہتے تھے۔ اور صحابہ ہی نہیں بلکہ خود ان کی منظور نظر رسول کی ازواج بھی آنحضرتؐ کے خلاف ساز باز و محاذ بنائے رکھتی تھیں۔ (سورہ تحریم 5-66/3) اور تمام سنی علما نے عموماً اور مودودی نے خصوصاً مانا اور لکھا ہے کہ وہ دونوں عورتیں عائشہ اور حفصہ ابوبکر و عمر کی بیٹیاں تھیں، (ایضاً 6 صفحہ 26-28) اور یہی عورتیں تھیں

جن کے لئے فرمایا گیا کہ:

رسول کی مرضی کے خلاف جنسی تسکین کا انتظام کرنے والی رسول کی بیویوں سے اللہ نے کیا کیا فرمایا اور انہیں باز رکھنے کے لئے کیا کیا انتظامات کئے قارئین ہم یہ ثابت کرتے آرہے ہیں کہ رسول کے مقرب قریشی صحابہ رسول اللہ کو ستایا کرتے تھے تو وہ اور ان کی اولاد حضرت علی علیہ السلام کو کیوں نہ ستاتے۔ اس گفتگو کے دوران قرآن میں مذکور ان عورتوں کا تذکرہ سامنے آ گیا جو رسول کو ستانے والے صحابہ کے محاذ میں شامل تھیں اور ستانے کے عام طریقوں کے علاوہ وہ جنسی حیا سوز طریقے بھی استعمال کر رہی تھیں اور حضور کے بعد تک ستانے کا کبھی نہ رکنے والا پروگرام بنا رہی تھیں ان کے متعلق قرآن کے الفاظ تو قرآن میں دیکھیں مگر ترجمہ مودودی کے طرفدار و جانب دار قلم سے سن لیں۔ لکھتے ہیں کہ:

”نبی نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں کہی تھی۔ پھر جب اُس بیوی نے (کسی اور پر) وہ راز ظاہر کر دیا، اور اللہ نے نبی کو اُس (افشائے راز) کی اطلاع دے دی، تو نبی نے اُس پر کسی حد تک (اس بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اُس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبی نے اُسے (افشائے راز کی) یہ بات بتائی تو اُس نے پوچھا آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ نبی نے کہا ”مجھے اُس نے خبر دی ہے جو سب کچھ جانتا ہے اور خوب باخبر ہے۔“ اگر تم دونوں اللہ سے تو بہ کرتی ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ تمہارے دل سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں، اور اگر نبی کے مقابلے میں تم نے باہم جھٹھ بندی کی تو جان رکھو اللہ اس کا مؤولیٰ ہے اور اُس کے بعد جبرئیل اور تمام صالح اہل ایمان (صالح المؤمنین۔ احسن) اور سب ملائکہ اُس کے ساتھی اور مددگار ہیں۔ بعید نہیں کہ اگر نبی تم سب بیویوں کو طلاق دے دے تو اللہ اسے ایسی بیویاں تمہارے بدلے میں عطا فرمادے کہ جو تم سب سے بہتر ہوں، سچی مسلمان، باایمان، اطاعت گزار، توبہ گزار، عبادت گزار، اور روزہ دار، خواہ شوہر دیدہ ہوں یا باکرہ۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اُسے بجالاتے ہیں (اس وقت کہا جائے گا کہ) اے کافرو، آج معذرتیں پیش نہ کرو، تمہیں تو ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے جیسے تم عمل کر رہے تھے۔“ (تحریم 7/366)

ان آیات (66/3 تا 7) اور مودودی کے ترجمہ سے رسول کو ستانے والے قریشی مومنین اور مومن ازواج نبی کے متعلق جو حقائق سامنے آ گئے ان کو

نمبر وار دیکھیں

- (1) رسول کی، زیر نظر آیات میں بیویاں، رسول اللہ کی راز کی باتیں لوگوں کو بتاتی رہتی تھیں۔
- (2) رسول کی وہ بیوی جس نے راز فاش کیا تھا یہ نہ سمجھتی تھی کہ رسول کو اُس کا اللہ حقیقت حال سے مطلع کرتا رہتا ہے۔
- (3) رسول کی دو بیویاں ایسی تھیں جن کے دل ٹیڑھے ہو چکے تھے اور جنہوں نے رسول کے خلاف باقاعدہ جھٹھ بندی اور محاذ بنا رکھا تھا۔
- (4) مودودی نے ان دونوں بیویوں کی طرفداری میں جملہ صالح المؤمنین کا ترجمہ غلط کیا ہے اور ”تمام صالح مومنین سے زیادہ صالح مومن“ کی جگہ دیدہ دلیری سے تمام صالح مومنین ترجمہ کر دیا تاکہ مقام مرتضوی سامنے نہ آنے پائے۔ حالانکہ وہاں اللہ، جبرئیل اور ملائکہ کے ساز کا ایک شخص ہونا چاہیے جو قریشی جھٹھ بندی اور محاذ آرائی کے گھٹنے ڈھیلے کر سکے۔ اور دنیا نے دیکھا کہ علی نے اُنکی ناک میں کیل ڈال دی تھی۔
- (5) رسول کی بیویوں سے بہتر عورتیں اُس وقت مسلمانوں میں موجود تھیں لہذا عائشہ و حفصہ وغیرہ کو بہترین عورتیں کہنا قرآن کی مخالفت ہے۔ پھر

(6) اس وقت کی زیر نظر بیویاں نہ سچی مسلمان تھیں، نہ باایمان تھیں، سرکش اور رسول کی مخالف تھیں، نہ وہ توبہ کو کوئی اہمیت دیتی تھیں، نہ وہ عبادت کرتی تھیں، نہ روزہ دار تھیں، یعنی نہایت بد عمل و بد باطن تھیں۔

(7) اُن عورتوں کے ساتھی اور رشتہ دار مومن صحابہ کو جہنم سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور بتایا ہے کہ حق کو چھپانے والے کافر تھے اور قیامت میں اپنے باطل عقائد کو معذرت کے لئے کافی سمجھتے تھے اور جہنمی تھے۔

(8) اور اُن کے ساتھ وہی کچھ کیا جانے والا ہے جو وہ خود کرتے رہتے تھے۔

مودودی کی تشریحات سے زیر بحث آیات میں مذکور ازواج رسول کی پوزیشن کو سمیٹنے سے چند مزید حقائق بھی شمار کرتے چلیں

مودودی نے ان آیات کی تشریحات میں آٹھ دس صفحات میں حقائق لکھے ہیں۔ اور ایسے حقائق لکھے ہیں جن کی وجہ سے سنی صحابہ پرست علماء اُن پر خفا ہوئے ہیں اور مودودی نے ان میں اپنا جواب بھی لکھا ہے۔ لہذا ہم اختصار کی خاطر یہاں چند حقائق کو مختصر انداز میں مگر اُن ہی کے الفاظ میں، نمبر دے کر لکھتے ہیں مگر ہم وہ باطل اعزازی الفاظ نہ لکھیں گے جو کہ ازواج نبی کے لئے لکھے ہیں ”مطہرات“ وغیرہ۔

(1) ازواج کو بھی متنبہ کیا کہ انہوں نے ازواج نبی ہونے کی حیثیت سے اپنی نازک ذمہ داریوں کا احساس نہ کیا۔ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 15)

(2) راز فاش کرنے کا معاملہ نجی نہ تھا اور نہ قیامت تک کے پڑھے جانے کے لئے قرآن میں بیان نہ ہوتا۔ وہ ایسا راز تھا کہ حضور کی ساری محنت ضائع ہو سکتی تھی (صفحہ 21-22)

(3) اُن دونوں بیویوں کے دل: (1) کج شدہ تھے (2) کج ہو گئے تھے (3) راہ راست سے ہٹ گئے تھے (4) رسول کے خلاف مخالفت پر مڑ گئے تھے۔

(4) دونوں بیویاں رسول کے خلاف تعاون کر رہی تھیں۔ (2) متفق ہو گئیں تھیں۔ (3) چڑھائی کرنے میں مصروف تھیں۔ (4) مد مقابل کارروائیاں کر رہی تھیں۔ (5) کارروائیاں اور مظاہرے کر رہی تھیں۔

(5) بخاری وغیرہ سے عمر کا بیان لکھا ہے کہ۔ (1) وہ دونوں عورتیں عائشہ اور حفصہ تھیں۔ (2) رسول کے سامنے زبان درازی کرتی تھیں۔

(3) صدمہ پہنچاتی تھیں۔ (4) دن دن بھر رسول غم و غصہ میں مبتلا رہتے تھے۔ (5) دونوں کو عمر نے نامراد اور گھائے میں قرار دیا۔ (6) اللہ و رسول کو غضب ناک کرنے کا مجرم کہا۔ (7) عمر نے حفصہ کو رسول سے زبان درازی کرنے سے منع کیا تھا۔

(6) مودودی اعتراض کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ: (1) غیر معمولی بات نہ ہوتی تو اللہ نے کیوں قرآن میں بذات خود تنبیہ کی؟۔ (2) عمر نے کیوں ڈانٹا اور ہرزوہ کو اللہ کے غضب سے ڈرایا؟۔ (3) کیا رسول اللہ ایسے تک مزاج زور درنج آدمی تھے کہ ذرا سی بات میں بگڑ جاتے اور مقاطعہ کر کے حجرے میں جا بیٹھتے تھے؟

(7) ان سوالات پر اگر کوئی شخص غور کرے تو اُسے لامحالہ ان آیات کی تفسیر میں دو ہی راستوں میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑے گا۔ یا تو اسے ازواج کے احترام کی اتنی فکر ہوگی کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول پر حرف آجانے کی پروا نہ کرے۔ یا پھر سیدھی طرح یہ مان لے کہ اس زمانہ میں اُن ازواج کا رویہ فی الواقع ایسا ہی قابل اعتراض ہو گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض ہو جانے میں حق بجانب تھے اور حضور سے بڑھ کر خود اللہ تعالیٰ اس بات میں حق بجانب تھا کہ ان ازواج کو اس رویہ پر شدت سے تنبیہ فرمائے۔

(8) رسول کے خلاف جتھا بندی کر رکھی تھی۔

(9) قصور صرف عائشہ اور حفصہ کا ہی نہ تھا۔ بلکہ دوسری ازواج بھی کچھ نہ کچھ قصور وار تھیں اس لئے کہ سب کو تنبیہ کی گئی ہے۔

(10) احادیث کے حوالوں سے لکھا ہے کہ: 1- ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے آپس کے رشک و رقابت میں مل جل کر حضور کو تنگ کر دیا

تھا۔“ 2- امہات المؤمنین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کچھ ناچاقی ہو گئی تھی۔ 3- جب نبی ﷺ نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کر

لی۔ 4- حضور نے ایک مہینہ تک کے لئے اپنی بیویوں سے علیحدہ رہنے کا عہد کر لیا۔ 5- ازواج کی دو پارٹیاں بن گئیں تھیں۔ ایک میں خود عائشہ اور

حفصہ، سودہ اور صفیہ تھیں دوسری پارٹی میں حضرت زینبؓ، حضرت ام سلمہؓ، اور باقی ازواج شامل تھیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 21 تا 27)

مذکورہ بالا ازواج رسول کی عادت و خصلت پر قرآن کا ایک اور مقام دیکھیں

قارئین کرام عائشہ والی پارٹی کی عادت و خصلت و چال چلن کی حیا سوزیاں اللہ نے ہر پہلو سے بیان کی ہیں۔ لیکن عام علما نے عموماً

اور قریشی مسلمان علما نے خصوصاً قرآنی الفاظ و مقاصد اور بیانات کے معنی اور رخ بدل کر رسول کی اُن خبیث ازواج کی پردہ پوشی چودہ سو سال سے

جاری رکھی اور انہیں رسول کی اُن بیویوں کے برابر رکھنے کی کوشش کی ہے جو حقیقی معنی میں واجب الاحترام اور اللہ و رسول کو پسند تھیں۔ لہذا پہلے ہم

مودودی کو گھیر کر حق کی طرف لانے کے لئے اُن کے قلم سے چند آیات و الفاظ کے معنی و مطالب واضح کرائیں گے اور پھر وہ آیات لائیں گے جو

مذکورہ بالا عائشہ گروپ کا حال بیان کریں گی۔

عائشہ اور عائشہ ناسپ کی ازواج رسول جن تمناؤں اور جس لذت سے محروم رکھی گئیں اور جن پر پردہ ڈالا گیا وہ تدریجاً سمجھئے

اللہ نے عائشہ اینڈ کمپنی کا مہذب انداز میں، جس لفظ سے کیریکٹر بیان کیا ہے اُس لفظ کے معنی اور مفاہیم مودودی کے ترجمہ سے اخذ

کیجئے۔ اللہ نے فرمایا کہ: وَ لَوْ طَا اِذْ قَالَ لَقَوْمِهِ اَنَا تَوْنٌ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ

دُوْنِ النِّسَاءِ (اعراف 81-80/7)

مودودی ترجمہ:۔ ”پھر یاد کرو جب اُس نے اپنی قوم سے کہا ”کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے

نہیں کیا؟ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو؟“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 51)

قارئین اس آیت میں لفظ ”الْفَاحِشَةُ“ پر نظر رکھیں کہ یہ لفظ جنسی خواہش پوری کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ بات زیادہ گھناؤنی اس لئے

ہو گئی کہ حضرت لوط کی قوم عورتوں کی جگہ مردوں کو استعمال کرتے تھے۔ مطلب جنسی خواہش کو تسکین دینا بہر حال تھا۔ لہذا قرآن میں جہاں یہ لفظ

”الْفَاحِشَةُ“ آئے اس کے معنی جنسی خواہش مودودی کے قلم اور سند سے جائز ہوں گے۔ اللہ نے یہی بات سورہ عنکبوت (29/28) میں بھی

فرمائی ہے کہ: اِنَّكُمْ لَتَاتُونَ الْفَاحِشَةَ۔۔ الخ (29/28)

مودودی ترجمہ: ”تم تو وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا“ اِنَّكُمْ لَتَاتُونَ الرِّجَالَ۔۔ الخ (29/29)

مودودی ترجمہ: ”تمہارا حال یہ ہے کہ مردوں کے پاس جاتے ہو“

مودودی فحش اور فاحشہ کے معنی۔ ”51 یعنی اُن سے شہوت رانی کرتے ہو، جیسا کہ سورہ اعراف میں ہے:

اِنَّكُمْ لَتَاتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاءِ ”تم خواہش نفس پوری کرنے کیلئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو“

(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 694-695)

ان دونوں مقامات کو اکٹھا کرنے سے لفظ ”الْفَاحِشَةُ“ کے معنی ”شہوت رانی کی خواہش“ ماننا پڑیں گے۔ اور وہی جنسی خواہش ہوتی ہے۔ ایک اور بیان سنئے: فرمایا گیا کہ:

لفظ ”فَاحِشَةُ“ کے معنی پر قرآن کا ایک اور بیان اور مودودی کا ترجمہ

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا ، وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا .. (اعراف 71/28)

مودودی ترجمہ:- ”یہ لوگ جب کوئی شرمناک کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور اللہ ہی نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔“ (تفہیم القرآن، جلد 2 صفحہ 20)

اب قارئین یہ بھی شامل کر لیں کہ لفظ ”فَاحِشَةُ“ کے ماتحت جنسی خواہش اور شہوت رانی کے سلسلے کے تمام شرمناک کام آتے ہیں۔

قرآن میں اللہ نے لفظ ”فَاحِشَةُ“ کے معنی ”زنا“ بتائے ہیں

اب آپ بلا تڑد دیکھ لیں کہ لفظ ”فَاحِشَةُ“ کے خدائی یا قرآنی معنی ”زنا“ بھی ہیں۔

سینے: وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجِيْنَ اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّ سَاءَ سَبِيْلًا O (17/32)

مودودی ترجمہ:- ”زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت بُرا فعل ہے اور بڑا ہی بُرا راستہ۔“ (نبی اسرائیل 17/32)

مودودی تشریح:- ”32 زنا کے قریب نہ پھٹکو“ اس حکم کے مخاطب افراد بھی ہیں۔ اور معاشرہ بحیثیت مجموعی بھی۔ افراد کے لئے اس حکم کے معنی یہ

ہیں کہ وہ محض فعلِ زنا ہی سے بچنے پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ زنا کے مقدمات اور اُس کے ابتدائی محرکات سے بھی دور رہیں جو اس راستے کی طرف لے

جاتے ہیں۔ رہا معاشرہ، تو اس حکم کی رو سے اُس کا فرض یہ ہے کہ وہ اجتماعی زندگی میں زنا، اور محرکاتِ زنا اور اسبابِ زنا کا سدِ باب کرے، اور اس

غرض کے لئے قانون سے تعلیم و تربیت سے، اجتماعی ماحول کی اصلاح سے، معاشرتی زندگی کی مناسب تشکیل سے اور دوسری تمام موثر تدابیر سے

کام لے۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 613)

قارئین یہاں رک کر یہ سوچیں کہ اس آیت (17/32) میں اللہ نے فرمایا ہے کہ: ”یقیناً زنا ہی فَاحِشَةُ ہے اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً یعنی لفظ

”فَاحِشَةُ“ یا ”الْفَاحِشَةُ“ جہاں بھی آئے وہاں ”زنا“ اس میں داخل ہوتا ہے۔

پھر یہ غور فرمائیں کہ یہاں تک جو آیات سامنے لائی گئی ہیں اُن میں لفظ ”الْفَاحِشَةُ“ یا ”فَاحِشَةُ“ تنہا آیا ہے۔ یعنی اُس کے ساتھ کوئی ایسا

دوسرا لفظ نہیں آیا جس سے اس لفظ کی سبب یا گھناؤنا پن بڑھ جاتا۔ لہذا اب ہم وہ مقام دکھاتے ہیں جہاں یہ لفظ فَاحِشَةُ ایک وضاحتی لفظ کے

ساتھ آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ: اِلَّا اَنْ يَّاتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِيْنَةٍ (4/19)

مودودی ترجمہ:- ”ہاں اگر وہ کسی ”صریح بدچلنی“ کی مرتکب ہوں“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 334)

یہاں مودودی نے لفظ ”مُبِيْنَةٍ“ کے معنی ”صریح“ کئے ہیں۔ قارئین اتنا ضروری طور پر جاننے ہوں گے کہ لفظ مُبِيْنَةٍ بھی لفظ مُبِيْنِ ہی

سے بنتا ہے اور اب دونوں کو لفظ ”بیان“ سے بنایا جاتا ہے۔ اور مُبِيْنِ ہو یا مُبِيْنَةٍ ہوں دونوں کے اندر ”بیان کرنے“ کے معنی کا ہونا قانونی ہے۔ مثلاً

قرآن کو ”کتابِ مبین“ فرمایا گیا ہے یعنی ”خود بیان کرنے والی کتاب“ اور اردو میں ”منہ بولتی کتاب“ لہذا فَاحِشَةُ مُبِيْنَةٍ کے معنی ہوں گے۔

1- ”منہ بولتا زنا“ 2- ”منہ بولتی بدکاری“ یا ”منہ بولتی بدچلنی“ یعنی لفظ مُبِيْنَةٍ کے معنی ”صریح“ نہیں ہیں۔ اول اس لئے کہ لفظ ”صریح“ خود عربی

زبان کا لفظ ہے اور ایک الگ مصدر سے ہے۔ اور عربی میں ایک لفظ کے دو معنی نہیں ہوتے اور نہ دو مختلف مصدروں کے معنی ایک ہوتے ہیں۔
مودودی اپنی ازواج مطہرات کو تحفظ دینے کے لئے بہت دور رس احتیاط کرتے رہے ہیں

حقیقت صرف اس قدر ہے، اور ہم اُسی کو سامنے لانے کے لئے مندرجہ بالا آیات کا مودودی ترجمہ ذہن نشین کراتے آئے ہیں کہ یہی الفاظ ”فَاحِشَةٌ مُّبِينَةٌ“ ذرا دیر بعد عائشہ اینڈ کمپنی کے لئے آنے والے ہیں اس لئے مودودی ترجمہ تو کرتے ہیں، کرنا ہی پڑتا ہے مگر ہلکے پھلکے الفاظ لا کر اُن کے جرائم کو ہلکا پھلکا بنانے کی فکر میں رہے ہیں۔ اور اسی لئے ہم نے اُن کے قلم سے لفظ ”فَاحِشَةٌ“ کے معنی 1۔ بے حیائی کا فحش کام 2۔ جنسی خواہش پوری کرنے والا کام 3۔ شہوت رانی کرنا 4۔ شرمناک کام 5۔ بد چلنی وغیرہ آپ کو دکھائے ہیں۔ تاکہ جب عائشہ اینڈ کمپنی کے لئے یہی الفاظ آئیں تو ہم اُن کے جرائم سے وہ تمام پردے نوج لیں جو مودودی اینڈ کمپنی چودہ سو سال سے ڈالتی آئی ہے اور اُن بد معاش و بد چلن و بد کار و بے حیاء و خیانت کار عورتوں کو ننگا پیش کر سکیں۔ قارئین غصہ کرنے کے بجائے غور کیا کریں کہ ہم کسی کی مذمت اور مدح میں ایک لفظ بھی اپنی طرف سے اور ایسا نہیں لکھتے جو حقیقتِ واقعی کے خلاف ثابت کیا جاسکے۔

مودودی کا عائشہ اینڈ کمپنی کے جرائم پر پردہ ڈالنے کی ایک اور مثال دیکھیں

مندرجہ بالا آیت (4/19) میں آپ نے مودودی کے قلم سے الفاظ ”فَاحِشَةٌ مُّبِينَةٌ“ کے معنی ”صریح بد چلنی“ دیکھے تھے۔ اب پھر اُن ہی دونوں الفاظ کا ترجمہ دیکھئے اور ہم سے آنکھ ملا کر کہیے کہ ”زیدی صاحب آپ مودودی کی مذمت غلط کرتے ہیں۔“

وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ۔ (65/1)

مودودی ترجمہ: ”(زمانہ عدت میں) نہ تم انہیں اُن کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کسی ”صریح بُرائی“ کی مرتکب ہوں۔“

(سورہ طلاق 65/1، تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 563)

دیکھ لیجئے کہ یہاں ”صریح بد چلنی“ کو ”صریح بُرائی“ بنا کر زنا جیسی حیا سوز بد چلنی کو معمولی بُرائی بنا دیا گیا ہے۔ اگر سوچنا پسند ہو تو سوچئے کہ بُرائی یا بُرا کام تو یہ بھی ہے کہ لوگ بلا ہاتھ دھوئے یا بلا بسم اللہ کھانا کھایا کریں۔ بد چلنی تو فضول خرچی بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مودودی اپنی تفسیر پڑھنے والوں کو رفتہ رفتہ تیار کر رہے ہیں کہ جب عائشہ اینڈ کمپنی کے لئے ”فَاحِشَةٌ مُّبِينَةٌ“ کے الفاظ استعمال ہوں تو وہ گھبرانہ جائیں۔ انہیں معمولی قسم کی فروگزاشت یا بے احتیاطی سے زیادہ قصور وار و مجرم نہ سمجھیں۔ اس لئے وہ ابو بکر و عمر اور اُن کے لگے لگے کو قرآن کے الفاظ کے معنی بدل بدل کر تحفظ دینے کے عادی ہیں۔ مگر ہم اُن دشمنانِ خدا اور سول کو اُن کے اصلی روپ میں پیش کرنے کے لئے مودودی اینڈ کمپنی کی چالاکیاں، ہاتھ کی صفائیاں اور کرتب و خیانتیں واضح کرنے میں تکلف نہیں کرتے اور اُن کی تفہیم القرآن کے چار ہزار ایک سو ننانوے صفحات میں سے اُن کی مکاریاں تلاش کر کے قارئین کو اُن سے اور اُن کی فریب کاری سے روشناس کر دینا خدمتِ اسلام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک ایسا مقام دیکھئے جہاں وہ قرآن کی چوتھی سورت کی ابتدا میں آئی ہوئی دو آیات (4/15, 25) کی تشریح کرتے ہیں جس سے لفظ فَاحِشَةٌ کا صحیح مطلب واضح ہوتا ہے مگر یہ مقام تیسری جلد میں صفحہ 326 پر سورہ نور یعنی چوبیسویں سورہ میں آیا ہے۔ اُن کے مذہباً غبی الذہن قاری اتنی دور تک بات کیسے یاد رکھیں گے؟ جبکہ مودودی نے الفاظ کے معنی بھی ڈھیلے اور قابل برداشت بنا کر لکھے ہوں اور اُن سادہ معنی کو پڑھے ہوئے بھی بیس سو تیس سالوں سے گزر گئی ہوں اور ذہن پر سترہ سو دو صفحات (1702) کا گمراہ کن بوجھ بھی لدا ہوا ہو؟ بہر حال ہم وہ بوجھ اپنے کندھوں پر لئے لیتے ہیں۔

مودودی کی ایک دور افتادہ، سترہ سو دو صفحات کے نیچے دبی ہوئی تشریح جس سے عائشہ اینڈ کمپنی کے جرائم اور فاحشہ کے معنی معلوم ہوتے ہیں۔

مودودی زنا کی سزا میں رجم کئے جانے کے مسئلے میں الجھے ہوئے ہاتھ پیر مارتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

” (6) اس آیت (نور 24/2) میں زنا کی جو سزا مقرر کی گئی ہے وہ دراصل ”محض زنا“ کی سزا ہے، زنا بعد احسان (یعنی شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کے ارتکاب) کی سزا نہیں ہے جو اسلامی قانون کی نظر میں سخت تر جرم ہے۔ یہ بات خود قرآن ہی کے ایک اشارے سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ یہاں اُس زنا کی سزا بیان کر رہا ہے جس کے فریقین غیر شادی شدہ ہوں۔ سورہ نساء میں پہلے ارشاد ہوا کہ:

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (آیت 15)

مودودی ترجمہ: ”تمہاری عورتوں میں سے جو ”بدکاری“ کی مرتکب ہوں اُن پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو، اور اگر وہ گواہی دے دیں تو اُن لوگوں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ اُن کے لئے کوئی راستہ نکال دے۔“

اس کے بعد ٹھوڑی دور آگے چل کر فرمایا:

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكَحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَمْلَكَتٍ أَيْمَانِكُمْ مِنْ فَيَنْتِكُمْ الْمُؤْمِنَاتِ

فَإِذَا أَحْصَيْنَ فَإِنَّ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ - (آیت 25)

”اور تم میں سے جو لوگ اتنی مقدرت نہ رکھتے ہوں کہ مومنوں میں سے محصنات کے ساتھ نکاح کریں تو وہ تمہاری مومن لونڈیوں سے نکاح کر لیں۔۔۔۔۔ پھر اگر وہ (لونڈیاں) محصنہ ہو جانے کے بعد کسی بدچلی کی مرتکب ہوں تو اُن پر اُس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو محصنات کو (ایسے جرم پر) دی جائے۔“

ان میں سے پہلی آیت میں توقع دلائی گئی ہے کہ ”زانیہ عورتیں جن کو سر دست قید کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ بعد میں کوئی سبیل پیدا کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورہ نور کا یہ دوسرا حکم وہی چیز ہے جس کا وعدہ سورہ نساء کی مذکورہ بالا آیت میں کیا گیا تھا۔ دوسری آیت میں شادی شدہ لونڈی کے ارتکاب زنا کی سزا بیان کی گئی ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 325، 326)

ہماری محنت کا نتیجہ یہ ہے کہ لفظ ”فَاحِشَةٌ“ تمہاری لفظ زنا اور اُس کی سزا کے لئے فرمایا گیا ہے۔ لہذا عائشہ کا کیا مقام ہوگا؟

قارئین یہاں تک ہماری محنت اور قرآن کریم کی طرز تلاوت و ترتیب کی داد دیں کہ اللہ کے کلام سے اور مودودی ایسے ناخجاریوں سے دین طرف دار کی ترکیبوں اور احتیاطوں کے باوجود اُس کے قلم سے یہ ثابت کر دکھایا کہ لفظ ”فَاحِشَةٌ“ تمہاری لفظ زنا اور زنا کے ارتکاب اور زنا کی سزا کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ بُرے کاموں یا برائیوں یا سادہ سی غلط روش کے لئے ہرگز نہیں بولا جاتا۔ اور جب اس لفظ فَاِحِشَةٌ کے ساتھ لفظ مُبِیِّنَةٌ بھی لگا دیا جائے تو اُس کے معنی: ”چینٹا پکارتا دھوم دھام سے کئے جانے والا زنا ہوتا ہے۔“

عائشہ اور عائشہ ثانیہ کی ازواج رسول سے اللہ نے کیا کچھ فرمایا اور کیوں فرمایا؟

اب ہم بہت دور پیچھے رہ جانے والے عنوان کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے والے زنا کار گروہ کو اللہ کے الفاظ میں آپ کے سامنے لاتے ہیں۔ لیکن اتنا ضرور چاہتے ہیں کہ جو کچھ قرآن کریم سے سامنے آنے والا ہے وہ عائشہ اینڈ کمپنی پر سچ گرفت ہو جائے اور اُس کی انتہا یہ ہو کہ وہ اِسْمُ بَاسْمُ ہو کر رہ جائے اور دوست دارانِ محمد و آلِ محمدؐ کو ہمیشہ گدگد اتارے۔

عائشہ نے جو کچھ کیا وہ اُس کے نام کی حدود کے اندر محدود تھا

لہذا اس عنوان کو پروان چڑھانے کے لئے بھی قرآن اور مودودی کے ترجمہ اور بیان پر بنیاد رکھنا ہے۔ آیات سنئے:

إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلْكٌ حَسَا بِيَّةٍ ۖ فَهُوَ فِي عَيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ (الحاقہ 21-20/69)

مودودی ترجمہ: ”میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے۔ پس وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔“

فَأَمَّا مَنْ تَقَلَّتْ مَوَازِينُهُ ۖ فَهُوَ فِي عَيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ (القارعة 7-10/101)

(2) ”پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 75 اور 435)

آپ سبھی کیا بات ہوئی؟ بات یہ ہوئی کہ زیر بحث عورت کے نام کا مادہ ع۔ی۔ش ہے۔ اسی مادہ سے یا اسی بنیاد سے الفاظ عَيش، عَيْش، عَيْشِی اور عائشہ بنتے ہیں۔ اور عائشہ کے معنی ”عیش پرست عورت“ ہیں۔

عائشہ اینڈ کمپنی کی عیش پرستانہ ذہنیت اور کردار کی تفصیل اللہ سے سنئے اور مالی و جنسی عیاشی کا اہتمام و انتظام دیکھئے

آنے والی آیات آپ کو یہ بتائیں گی کہ عائشہ اینڈ کمپنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دنیاوی عیش و عشرت اور زیب و زینت کا سامان فراہم کرنے کا تقاضا کرتی تھیں۔ اس سلسلے میں ثلاثہ پرست علما کے تیار کردہ ریکارڈ میں سے ایک بیان مودودی کے قلم سے سنئے لکھتے ہیں کہ:

”صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ اُس زمانہ کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ابو بکر اور عمر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور

دیکھا کہ آپ کی ازواج آپ کے گرد بیٹھی ہیں اور آپ خاموش ہیں۔ آپ نے عمر کو خطاب کر کے فرمایا ”هَنْ كَمَا تَوَلَّى بَسْنَا النَّبِيَّ الْفَقْفَةَ“

”یہ میرے گرد بیٹھی ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے خرچ کے لئے روپیہ مانگ رہی ہیں۔“ اس پر دونوں صاحبوں نے اپنی اپنی بیٹیوں

کو ڈانٹا اور اُن سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تنگ کرتی ہو اور وہ چیز مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور

اُس وقت کیسی مالی مشکلات میں مبتلا تھے اور کفر و اسلام کی انتہائی شدید کشمکش کے زمانے میں خرچ کے لئے ازواج کے تقاضے مزاج

مبارک پر کیا اثر ڈال رہے تھے؟“

”اس آیت کے نزول کے وقت حضور کے نکاح میں چار بیویاں تھیں۔ سودہ، عائشہ، حفصہ، اور حضرت ام سلمہ ابھی حضرت زینب سے حضور

کا نکاح نہیں ہوا تھا۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 84، 85۔ حاشیہ 41، 42)

یہ ہے وہ قریش ساز پس منظر جو یہ تاثر دینے کے لئے تیار کیا گیا ہے کہ ازواج نان و نفقہ یعنی کھانے پینے اور کپڑے کے لئے روپیہ مانگتی رہتی تھیں۔ یعنی حق بجانب تھیں مگر اللہ نے کچھ اور ہی فرمایا ہے۔ سنئے: اور مودودی ترجمہ سے سنئے:-

عائشہ اور کمپنی جو کچھ رسول سے مانگتی تھیں وہ اتنا ناجائز تھا کہ جس کی سزا میں طلاق دینا جائز تھا

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجِكُمْ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَّتْهَا فَمَنْ لَيْنَ أَمْتِعْتِكُنَّ وَأَسْرَحْتِكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝

وَأَنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ مَنْ

يَّاتٍ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ وَمَنْ يَقْنُتْ لِلَّهِ وَ

رَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ ۝

اتَّقِيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُبْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝ (احزاب 33-34)

”اے نبی، اپنی بیویوں سے کہو، اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو (تُرِدْنَ) تو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر (اُمْتِعُكُنَّ) بھلے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دیر آخرت کی طالب ہو (تُرِدْنَ) تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکو کار ہیں ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویوں، تم میں سے جو کسی صریح بخش حرکت کا ارتکاب کرے گی اُسے دو ہر اعذاب دیا جائے گا، اللہ کے لئے یہ بہت آسان کام ہے۔ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی۔ اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دو ہر اجر دیں گے اور ہم نے اُس کے لئے رزقِ کریم مہیا کر رکھا ہے۔

اے نبی کی بیویوں، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا بتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے، بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں نیک کر رہو، اور سابق دور جاہلیت کی سی سچ دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہلیت نبی سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔ یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔ بیشک اللہ لطیف اور باخبر ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 84-94)

حقیقی ترجمہ اور تشریح سے پہلے مودودی کے چند حقیقت نما جملے اور تشریحی الفاظ

یہ تھا ان سات آیات کا ڈھکا چھپا مختصر ترجمہ۔ ہم اپنی سابقہ مذکورہ محنت سے اخذ کیا جانے والا ترجمہ و تشریح ابھی ابھی پیش کرنے والے ہیں لیکن پہلے مودودی کے چند ایسے جملے بطور تشریح نوٹ کر لیں جن سے ہمیں اور آپ کو مدد ملے گی۔

پہلی بات: ازواجِ نبی سے مواخذہ

”یعنی تم اس بھلاوے میں نہ رہنا کہ نبی کی بیویاں ہونا تمہیں اللہ کی پکڑ سے بچا سکتا ہے یا تمہارے مرتبے کچھ ایسے بلند ہیں کہ ان مرتبوں

کی وجہ سے تمہیں پکڑنے میں اللہ کو کوئی دشواری پیش آسکتی ہے“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 88، حاشیہ 44)

دوسری بات عانتہ ایند کھنی کی پیروی کرنے والوں کو عذاب ہوگا

”جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ انسانی معاشرے میں کسی بلند مقام پر سرفراز کرتا ہے وہ بالعموم لوگوں کے راہنما بن جاتے ہیں اور بندگانِ خدا کی بڑی تعداد بھلائی اور بُرائی میں اُن ہی کی پیروی کرتی ہے۔ اُن کی برائی تنہا اُن کی برائی نہیں ہوتی بلکہ ایک قوم کے بگاڑ کی موجب بھی ہوتی ہے۔۔۔ اس لئے جب وہ بُرے کام کرتے ہیں تو اپنے بگاڑ کے ساتھ دوسروں کے بگاڑ کی بھی سزا پاتے ہیں“ (ایضاً، حاشیہ 45)

تیسری بات۔ باتوں باتوں میں دل بھانا اور متوالا بناؤ الننا

”یعنی ضرورت پیش آنے پر کسی مرد سے گفتگو میں مضائقہ نہیں ہے، لیکن ایسے مواقع پر عورت کا لہجہ اور انداز گفتگو ایسا ہونا چاہئے کہ جس سے بات کرنے والے مرد کے دل میں کبھی یہ خیال تک نہ گزر سکے کہ اس عورت سے کوئی اور توقع بھی قائم کی جاسکتی ہے۔ اُس کے لہجے

میں کوئی لوچ نہ ہو، اس کی باتوں میں کوئی لگاوٹ نہ ہو، اُس کی آواز میں دانستہ کوئی شیرینی گھلی ہوئی نہ ہو، جو سننے والے مرد کے جذبات میں کوئی انگینت پیدا کر دے، اور اُس سے قدم بڑھانے کی ہمت دلائے“ (ایضاً صفحہ 89، حاشیہ 47)

چوتھی بات گھر میں نیک کر بیٹھنا اور کوئی گل نہ کھلانا؟

”اُس کی بیوی اُس کے گھر اور بچوں کو سنبھالے بیٹھی ہو، اور اُس سے کوئی خطرہ اس امر کا نہ ہو کہ پیچھے اُس کی بیوی کوئی گل کھلا بیٹھے گی تو یہ اطمینان جو عورت مجاہد کو فراہم کرے گی وہ گھر بیٹھے اُس کے جہاد میں برابر کی حصہ دار ہوگی (حدیث)“ (ایضاً صفحہ 90، حاشیہ 48)

پانچویں اور آخری بات عائشہ اینڈ کمپنی کی نمائش پر

”تَبْرُج کے معنی عربی میں نمایاں ہونے ابھرنے، اور کھل کر سامنے آنے کے ہیں۔ عورت کے لئے جب لفظ تَبْرُج استعمال کیا جائے تو اُس کے تین مطالب ہوں گے۔ ایک یہ کہ وہ اپنے چہرے اور جسم کا حسن لوگوں کو دکھائے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے لباس اور زیور کی شان دوسروں کے سامنے نمایاں کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ اپنی چال ڈھال اور چٹک منک سے اپنے آپ کو نمایاں کرے (علا کے اقوال لکھے ہیں کہ) 1۔ ناز و ادا کے ساتھ لکچھے کھاتے اور اٹھلاتے ہوئے چلنا 2۔ عورت کا اپنے ہار اور اپنے بندے اور اپنا گلانا نمایاں کرنا۔ عورت اپنے وہ محاسن ظاہر کر دے جن کو اُس سے چھپانا چاہیے“ (ایضاً صفحہ 91، حاشیہ 49)

ہمارا وہ ترجمہ اور تشریحات جو مودودی کے ترجمہ اور تشریحات سے سابقہ عنوانات میں ثابت ہو چکا ہے اور جو آخری فیصلہ ہے

سورہ احزاب کی ان سات آیات (34-33/28) میں اللہ نے عائشہ اینڈ کمپنی کو اُن کی عیش پرستانہ زندگی اور ناپاک چال چلن سے روکنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختار بنا دیا اور اپنے خانوادہ کو اُن کی خباثت و نجاست سے پاک رکھنے کے لئے عائشہ اور دیگر عیاش عورتوں کو شریفانہ انداز سے رخصت کر دینے کا اور دیگر شرائط کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ اللہ نے رسول کی زبانی فرمایا کہ:

”اگر خانوادہ رسالت میں تمہارا قیام اس مقصد اور ارادہ کے ماتحت ہے کہ تمہیں دنیا پرستی اور عیش و مستی، زیبائش و آرائش و نمائش کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے اور تمام عقیدتمندان اسلام تمہارے گرویدہ و شیدا ہو جائیں تو تمہارا یہ مقصد اس پاک و پاکیزہ گھرانے کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ چونکہ تم ازواج رسول کی پوزیشن میں ہو اس لئے میں تمہیں مال و متاع دے کر (أَهْتَبِعُكُمْ) نہایت شریفانہ انداز میں اس گھر سے رخصت کر سکتا ہوں۔ لیکن اگر تم اپنا مقصد حیات اللہ و رسول اور آخرت کو بنا لو تو تم اس پاک و پاکیزہ اور بلند ترین خانوادہ میں اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ رہ سکتی ہو مگر ان شرائط کے ساتھ کہ:

(1) تمہیں اپنے حسن و جمال کی نمائش کرتے پھرنے سے باز رہنا ہوگا اور وہ تمام جنسیات کو بھڑکانے والے طریقے چھوڑنا پڑیں گے جن کی تم عادی ہو اور جو تمہارے ابا و اجداد میں اعلان نبوت سے پہلے جائز سمجھے جاتے تھے (اعراف 7/28)

(2) تمہیں اپنے اپنے حجروں میں جم کر رہنا ہوگا۔ حجروں سے باہر نکلنے کے لئے رسول کی معیت اور اجازت لازم ہوگی۔

(3) حجروں کے قیام کی زندگی میں تمہیں لوگوں کو لبھانے اور اُن کی جنسی خواہشوں کو ابھارنے والی باتیں کرنے کی اجازت نہ ہوگی جیسا کہ مردوں کو تمہارے حجروں میں آنے اور دلوں میں اُنس و محبت ابھارنے والی باتوں سے روک دیا گیا ہے (مُسْتَسَا لِسَيْنِ لِحَدِيثِ (33/53) اور انہیں ہر بے حیائی کی حرکت سے منع کر دیا گیا ہے لہذا اب تم کو ایسی تمام باتوں سے باز رہنا ہوگا۔ اور ہر ایسی بات کو کہنے کی اجازت ہے جو شادی شدہ شریف

عورتوں کے لئے ساری دنیا میں پسندیدہ و معروف ہو جس سے خانوادہ رسول کی شرافت اور پاکیزگی میں خلل پیدا نہ ہو۔ تم اس سے پہلے ہر وہ بات کرتی رہی ہو جس سے بیمار ان عشق کی ہمت افزائی ہوتی ہو۔

(4) تمہیں آئندہ پابندی سے نماز پڑھنا ہوگی سابقہ بے دینی و بد اعتقادی پیدا کرنے والا رویہ چھوڑ دینا پڑے گا۔

(5) جو مال تمہارے پاس جمع ہو گیا ہے آئندہ اس میں سے زکوٰۃ دینا لازم ہوگا۔

(6) تمہیں اللہ و رسول کی باقاعدہ اطاعت کرنا پڑے گی پرہیزگاری تم پر لازم ہوگی تاکہ تم عام عورتوں سے بڑھ جاؤ۔

(7) وراگر تم میں سے کسی نے بھی آئندہ ایسے کام کئے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے اور جن سے زنا کا ظہور ہوتا ہے۔ تو یاد رکھو تمہیں زنا کی دوہری سزا دی جائے گی۔ اور اگر تم نے مذکورہ بالا ہدایات پر عمل کیا تو تمہیں دوہرا اجر بھی دیا جائے گا۔

عائشہ اینڈ کمپنی کو ہدایات و تنبیہات کر دینے کے بعد معززین اہلبیت علیہم السلام کو مخاطب کر کے اللہ نے فرمایا کہ:

”اے مردمان اہلبیت چونکہ ہم نے تمہیں ایسا پاک و پاکیزہ رکھنے کا ارادہ کر رکھا ہے کہ جیسا پاک و پاکیزہ رکھا جانا ممکن ہو اور تم سے ہر

گندگی و خباثت کو دور رکھنے ہی کے سلسلے میں عائشہ اینڈ کمپنی پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں اور انہیں تمام بے حیائی اور رسوائی اور ناپاک طور

پر یقینوں سے روک دیا گیا ہے۔ اور ان پر نماز و زکوٰۃ و تقویٰ لازم کر دیا گیا ہے اور یہ بھی کہ:

(8) جو کچھ آیات خداوندی اور حکمت الہی تمہارے گھروں میں تلاوت ہوتی رہتی ہے تم اُسے یاد کیا کرو گی۔ اور یہ کہ اللہ ہر ڈھکی چھپی، ظاہر و باطن بات کو دیکھنے میں باریک بین ہے۔

قارئین نوٹ کریں کہ عورتیں ہی نہیں بلکہ گھر میں پلے ہوئے جانور بھی گھر والوں (اہلبیت) میں شامل ہوتے ہیں۔ مگر وہ عورتیں جو گھر والے مردوں کی عزت ہوں۔ اُن کا مقام الگ ہوتا ہے اور جو خاندان کے لئے باعث رسوائی ہوں وہ الگ ہوتی ہیں اور اُن سے اُن کے ماں باپ اور بھائی بہن اور شوہر تو ایک طرف، محلہ دار و شہر والے لوگ بھی نفرت کرتے ہیں۔ سوچئے کہ جو بیویاں اپنی چال ڈھال سے اپنے حسن و جمال کی نمائش سے، اپنی زبان اور باتوں کی شیرینی سے لوگوں کے دلوں میں شہوت رانی کی آرزو اور امید جگائیں، اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر ہوس پرست مردوں کو اپنے گھروں میں بلائیں اُن سے معاشقہ کی رنگین باتیں سنیں، بے محابا اپنے پوشیدہ اعضا دکھائیں، مالدار ہوں اور زکوٰۃ نہ دیں، دین دار کہلائیں اور نماز و تقویٰ سے دور رہیں، انہیں حرام کاروں کی اہلبیت تو کہا جاسکتا ہے۔ انہیں اہلبیت رسول کہنے سے بڑی اور کوئی گالی رسول کے لئے نہیں ہو سکتی۔ یہ تھا وہ ٹولہ جو دن رات رسول کے سینے پر مونگ دلتا اور جسمانی و روحانی تکلیفیں پہنچاتا تھا۔ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ہم بھی اُن پر لعنت کرتے ہیں۔ اور اُن لوگوں پر بھی لعنت کرنا واجب ہے جو قرآن میں رسول کو ستانے والے نام نہاد صحابہ اور نام نہاد اذواج کی پوجا کرتے ہیں اور اُن کو اپنا راہنما سمجھتے ہیں۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 28

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 28

خطبہ (28)

دنیا اور عاقبت، جنت و جہنم کا سامنا کرو: دُنیا الوداع کہہ کر رخصت کا اعلان کر رہی ہے اور منزلِ آخرت اپنی جھلکیاں دکھا رہی ہے؛ کل کی دوڑ کیلئے آج تیاری کر لو؛ ہر اُس بوجھ اور الجھاؤ سے فارغ ہو جاؤ جو جنت کی طرف دوڑنے اور سبقت میں حارج ہو کر تمہیں جہنم کیلئے سست خرام کر دے؛ موت اور تباہی، اُمیدوں، آرزوؤں اور تمناؤں کی آڑ میں تم پر حملہ کیلئے تیزی سے بڑھتی آرہی ہے؛ موت کی اس آڑ کے پار جھانک کر دیکھو اور تم بھی موت کو ناکام کرنے کا انتظام کر لو؛ مسرت انگیز حالات میں وہی جدوجہد اور اقدامات کرو جو مصائب و آلام و نا کامیوں کے دور میں کرتے ہو، تاکہ مسرت میں استقلال پیدا ہو؛ جنت کا مسافر سو جائے تو جہنم لازم ہے، منافع کی پرواہ نہ کرنا نقصان کو دعوت دیتا ہے؛ مسافر سفر میں تاخیر کرے تو منزل سے دُور رہتا ہے؛ کوچ کا اعلان ہو گیا زوراہ بتا دیا گیا اب خواہشوں کی پیروی اور اُمیدوں کا الجھاؤ تمہیں منزل سے بھٹکا دے گا۔

زمانہ رجعت و قیامت

مفتی اینڈ کمپنی اس قسم کے خطبوں کی شرح کے لئے مُنہ نہیں کھولتی۔ حالانکہ اس خطبہ (28) میں محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے مقام کی آخری بلندی اور زمانہ رجعت و قیامت میں اُن کی کارکردگی، پوری نوع انسان کا اُن کے رُوبرو حاضری و حساب و جزا و سزا کی تفصیلات لکھنا ضروری تھیں۔ اس میں نظام اجتہاد و مجتہدین کا کردار اور انبیاء کے مقابلہ میں قائم رہتے چلے جانے والے محاذ کا حال لکھنا چاہئے تھا۔ بہر حال ہماری کتاب بیان الامامت میں اس خطبہ کی شرح ایک سوننا نوے قلمی صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ بتائیے کہ مفتیانہ و مجتہدانہ شرح کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ اور ہم کیسے خطبوں کے ساتھ اُس شرح کو لکھ کر خطبوں کو دبا سکتے تھے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الدُّنْيَا قَدْ اَدْبَرَتْ وَ اَذْنَتْ بِوَدَاعٍ ؛	بعد از حمد خداوندی معلوم کرو کہ دُنیا نے الوداع کہہ کر منہ موڑنے اور رخصت ہو جانے کا اعلان کر دیا ہے؛ (یعنی تم بھی دُنیا سے جدائی کا یقین کر لو۔)
2	وَ اِنَّ الْاٰخِرَةَ قَدْ اَقْبَلَتْ وَ اَشْرَفَتْ بِاطْلَاعٍ ؛	اور سمجھ لو کہ یقیناً آخرت سامنے آ کھڑی ہوئی ہے اور اپنی آمد کی اطلاع سے شرفیاب کر چکی ہے؛
3	اَلَا وَاِنَّ الْيَوْمَ الْمِصْمَارُ ؛	خبردار ہو کر نوٹ کرو کہ آج کا دن کل کیلئے تیاری اور ہلکے پھلکے ہو جانے کا دن ہے؛
4	وَ عَدَدَانِ السِّبَاقِ ؛	اور کل کا دن مقابلے اور سبقت لے جانے کا دن ہوگا؛
5	وَ السَّبَقُ الْجَنَّةُ وَ الْغَايَةُ النَّارُ ؛	سبقت لے جانا اور مقابلہ ہے جنت کے لئے ورنہ بعد کی منزل تو جہنم ہی ہے؛
6	اَفَلَا تَاتِبُ مَنْ حَطَبْتَهُ قَبْلَ مَنِيَّتِهِ ؟	کیا کوئی بھی ایسا شخص موجود نہیں جو فیصلہ کن گھڑی آ جانے سے پہلے اپنی خطاؤں کی اصلاح اور تدارک کے لئے مقام اصلاح کی طرف پلٹ آئے؟
7	اَلَا عَامِلٌ لِنَفْسِهِ قَبْلَ يَوْمِ بُؤْسِهِ ؟	کیا کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جو اپنے یوم بد کے آنے سے پہلے اپنے تحفظ کے لئے کام کر سکے؟
8	اَلَا وَ اَنْتُمْ فِيْ اَيَّامٍ اَمَلٍ مِّنْ وَّرَائِهِ اَجَلٌ ؛	سنو اور خبردار ہو جاؤ کہ تم امیدوار آرزوؤں کے دنوں میں بنتلا ہو اور ان تمناؤں اور امیدوں کی آڑ میں موت تمہاری طرف بڑھتی چلی آرہی ہے؛
9	فَمَنْ عَمِلَ فِيْ اَيَّامٍ اَمَلِهِ قَبْلَ حُضُوْرِ اَجَلِهِ نَفَعَهُ عَمَلُهُ ؛	چنانچہ یہ سمجھ لو کہ جو شخص موت کے پہنچنے سے پہلے امیدوں اور آرزوؤں کے دور میں اعمال پر کاربند رہتا ہے اُسے اُس کے اعمال نفع میں رکھتے ہیں؛
10	وَ لَمْ يَضُرَّهُ اَجَلُهُ ؛	اور موت اُسے تکلیف نہیں دے سکتی ہے؛
11	وَ مَنْ قَصَرَ فِيْ اَيَّامٍ اَمَلِهِ قَبْلَ حُضُوْرِ اَجَلِهِ فَقَدْ خَسِرَ عَمَلُهُ ؛	اور جو کوئی امیدوں اور تمناؤں کے دور میں اور موت کے آنے سے پہلے عمل میں کوتاہیاں کرتا ہے اُسے اُس کے اعمال گھائے میں رکھتے ہیں؛
12	وَ ضَرَّهُ اَجَلُهُ ؛	اور اُسے اُس کی موت دکھ دیتی ہے؛
13	اَلَا فَاَعْمَلُوْا فِيْ لِرْعَبَةٍ كَمَا تَعْمَلُوْنَ فِي الرِّهْبَةِ ؛	خبردار تم لوگ اُسی طرح شوق سے خوشحالی میں بھی اعمال بجا لاؤ جس طرح مصائب اور عالمِ دہشت میں عاجزی سے عمل کیا کرتے ہو؛
14	اَلَا وَاِنِّيْ لَمْ اَرَ كَالْجَنَّةِ نَامَ طَالِبَهَا ؛	غور کرو کہ مجھے تو جنت ہی ایسی چیز دکھائی دیتی ہے جس کے طلب گار سو کر وقت گناتے ہیں؛

15	اور نہ میں نے دوزخ کے علاوہ کوئی اور چیز دیکھی کہ جس سے بچنے اور بھاگنے والوں سے زیادہ کوئی اور غفلت میں مبتلا رہتا ہو؛	وَلَا كَالنَّارِ نَامَ هَارِبُهَا ؛
16	ہوشیار ہو جاؤ کہ جو شخص حق سے فائدہ نہیں اٹھاتا ہے اُسے باطل سے نقصان اٹھانا پڑا کرتا ہے؛	أَلَا وَانَّهُ مَنْ لَا يَنْفَعُهُ الْحَقُّ يَضُرُّهُ الْبَاطِلُ ؛
17	اور جسے ہدایت راست روی میں پائیداری نہ بخشنے اُسے گمراہی، تباہی اور بربادی کی طرف کھینچ لے جایا کرتی ہے؛	وَمَنْ لَا يَسْتَقِيمُ بِهِ الْهُدَى يَجْرُبُهُ الضَّلَالُ إِلَى الرَّدَى ؛
18	خبردار رہو کہ میں نے تمہیں اس خطرناک سفر کا حکم دے دیا ہے؛	أَلَا وَإِنَّكُمْ قَدْ أَمَرْتُمْ بِالظُّعْنِ ؛
19	اور سفر کے دوران اور اُس کے بعد کام آنے والی چیزوں اور ضرورتوں سے میں نے آگاہ کر دیا ہے؛	وَدَلَّلْتُمْ عَلَى الزَّادِ ؛
20	تمہارے لئے جن کارروائیوں سے میں ڈرتا ہوں ان میں سب سے زیادہ خوفناک یہ ہے کہ تم امیدوں و آرزوؤں کے پھیلاؤ کو سمیٹنے کیلئے اجتہاد میں مبتلا ہو جاؤ گے؛	وَإِنَّ أَحْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ اتِّبَاعُ الْهُوَى وَطُولُ الْأَمَلِ ؛
21	درست یہی ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے اُسی قدر سامان لے لو جو سفر میں اور بعد سفر تمہارے کام آئے۔ (یعنی عمل صالح کرو)	فَتَزْ وَدُّوْا فِي الدُّنْيَا مِنَ الدُّنْيَا مَا تَحْرِزُونَ أَنْفُسَكُمْ بِهِ عَدَا ؛

تشریحات:

1- اللہ اور نمائندہ خداوندی کا طرز تکلم، تمام کائناتی مخلوقات کا اپنے مالکوں سے کلام کرنا

اس خطبہ میں مولائے کائنات صلوٰۃ اللہ علیہ اپنے مقام ربانی سے یہ اطلاع دے رہے ہیں کہ:

فَإِنَّ الدُّنْيَا قَدْ أَذْبَرَتْ وَ اذْنَتْ بَوْدَاعِ ؛ وَإِنَّ الْأَخِرَةَ قَدْ أَقْبَلَتْ وَ اَشْرَفَتْ بِاطِّلَاعِ ؛ أَلَا وَ إِنَّ الْيَوْمَ

الْمِصْمَارُ ؛ وَ عَدَدَانِ السِّبَاقِ ؛ وَ السَّبَقُ الْجَنَّةُ وَ الْعَايَةُ النَّارُ. (خطبہ 28، جملہ نمبر 1 تا 5)

”دُنیا نے الوداع کہہ کر منہ موڑنے اور رخصت ہو جانے کا اعلان کر دیا ہے۔ (یعنی تم بھی دنیا سے جدائی کا یقین کر لو) اور

یہ سمجھ لو کہ یقیناً آخرت سامنے آ کھڑی ہوئی ہے اور اپنی آمد کی اطلاع سے شرفیاب کر چکی ہے۔ خبردار ہو جاؤ کہ آج کا دن

کل کے لئے تیاری اور ہلکے پھلکے ہو جانے کا دن ہے۔ اور کل کا دن مقابلے اور سبقت لے جانے کا دن ہوگا۔ سبقت لے

جانا اور مقابلہ ہے جنت کے لئے ورنہ بعد کی منزل تو جہنم ہے ہی۔“

یہ پانچ جملوں کا بیان بتاتا ہے کہ دُنیا اور آخرت نہ صرف یہ کہ حضرت علیؑ کے سامنے ہیں بلکہ دونوں نے اپنی آمد و رفت پر علی صلوٰۃ اللہ علیہ کو مطلع کیا

ہے اور یہ حقیقت ظاہر و قدرتی ہے کہ اطلاع دینا اور اپنے حالات و تفصیلات پر مطلع رہنا صرف باشعور و صاحبانِ نطق کا کام ہے۔ یعنی ہماری

تصوراتی و مشاہدہ میں آنے والی ذرات و مخلوقات و نباتات و جمادات و حیوانات و انسانوں میں بکھری ہوئی دُنیا نہ خود مطلع ہو سکتی ہے نہ باشعور و ناطق

ہوسکتی ہے نہ اطلاع دے سکتی ہے۔ اور نہ کسی قسم کے جسم کو اختیار کر کے سامنے آسکتی ہے نہ بول سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ سرکار علیہ السلام نے جس مقام سے بات کی ہے وہ ہماری عقل و فہم کی رسائی سے قطعاً رفع و اعلیٰ ہے۔ اور یہ وہی مقام ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ کائنات سے اور کائناتی مخلوقات سے بات کرتا ہے۔ اور ہر ذرہ ذرہ کے حالات پر مطلع رہتا ہے اور کائنات کی ہر چیز اپنے خالق و مالک سے مجسم صورت میں بات کہتی ہے اور قرآن کریم اُس مقام کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔

2- اللہ اپنی تمام مخلوقات پر خیالی حکمرانی نہیں کرتا، بلکہ ساری مخلوقات اُس کیلئے مجسم و باشعور ہے اور شعوری حیثیت سے اُن پر حکمران ہے

مسلمانوں میں بھی اور تمام اہل مذاہب میں بھی یہ بات بلاشبہ تسلیم کی جاتی ہے کہ اللہ ملائکہ سے باتیں کرتا ہے، انہیں احکام دیتا ہے اور وہ اللہ اور اُس کے رسولوں سے بات کرتے ہیں، سمجھتے ہیں اور جواب دیتے اور احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ ساتھ ہی علمائے ملائکہ کو وسایط خداوندی بھی کہتے ہیں، مجرد قوتیں بھی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ ابلیس سے اللہ کے مکالمات کو بھی مانتے ہیں اور ابلیس کے جسم و وجود کے متعلق طرح طرح کا اختلاف بھی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ، ان علماء اور اُن کے تصورات سے لاپرواہ رہ کر قرآن میں ہر وہ ہدایت جاری کرتا رہا جو انسانوں کی ترقی کے مختلف مراحل میں کام آنا تھی۔ خواہ یہ نام نہاد علماء سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ اس لئے کہ سارے قرآن اور پوری کائنات کو سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا اللہ نے اپنے جانشینوں، نمائندوں اور انبیاء و رسل و خلفاء اور آئمہ علیہم السلام کے سپرد کیا ہے۔ یہ نام نہاد علماء تو خود اپنی ذات سے بھی جاہل ہوتے ہیں۔

(الف) اللہ کا آسمانوں اور زمینوں سے کلام کرنا؛ اُن کا جواب دینا پھر انہیں مخصوص و مطلوب صورت اختیار کرنے کا حکم دینا اور ان کی تعمیل کرنا

قرآن کریم میں اللہ نے بتایا ہے کہ:

ثُمَّ اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؛ فَالْتَمَتَا اَتَيْنَا طَائِعِينَ ۝
فَقَضَيْنَهُنَّ مِمَّا سَمَّوْنَ فِي يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِى كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا وَزَيْنَا السَّمَآءِ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَحِفْظًا
ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ (حَم السجدة 12-41/11)

”پھر اللہ نے آسمان کو موزوں کیا اور وہ اُس وقت دھوئیں کی سی حالت میں تھا۔ پھر اللہ نے آسمان سے اور زمین سے کہا کہ تم دونوں خوشی خوشی یا ناگوارى سے بہر صورت ہمارے حضور میں حاضر ہو جاؤ۔ اُن دونوں نے عرض کیا کہ ہم دونوں خوشی خوشی حاضر ہیں۔ چنانچہ ہم نے اُن دونوں کو سات سات آسمان و زمینیں بن جانے کا فیصلہ کر دیا اور دونوں میں وجود پذیر کر دیا۔ اور اس طرح تیار ہو جانے والے ساتوں آسمانوں اور زمینوں میں اپنے احکامات کی وحی جاری کر دی اور دنیاوی آسمانوں کو چراغوں سے آراستہ کر کے محفوظ کر دیا۔ وہ ہر چیز اور صورت حال پر غالب رہنے والے علیم کی تقدیر و منصوبہ ہے۔“

(ب) یہ ترجمہ ہماری تفسیر کے ترجمہ سے بظاہر مختلف ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بیان الامامة میں ضروری تھا۔ وجوہات حسب ذیل ہیں:

سب سے پہلے مستقل عنوان کی یہ حقیقت نوٹ فرمائیں کہ اس آیت (41/11) میں اللہ کا آسمان اور زمین سے اور زمین و آسمان کا اللہ سے باتیں کرنا اور سمجھنا ثابت ہو گیا ہے۔ لہذا نمائندگانِ خداوندی سے کائنات کی کسی چیز یا ہر چیز کا باتیں کرنا قابلِ تعجب نہیں ہونا چاہئے اور اس عنوان پر مزید دلائل و براہین کا انتظار فرمائیں جو وضاحت کے بعد آنے والے ہیں۔

اب آیت (41/12) کو دوبارہ دیکھیں اور ترجمہ کی حقیقت کو سمجھیں۔ اللہ نے پہلی آیت (41/11) میں زمین اور آسمان دونوں کو حاضر ہونے کا

حکم دیا ہے اور دونوں اللہ کے حضور میں حاضر ہوئے ہیں۔ اس کے بعد دوسری آیت (41/12) میں لفظ فَفَضَّهِنَّ فرمایا گیا ہے جس میں ضمیر جمع مونث غائب هُنَّ لائی گئی ہے۔ یعنی پھر زمین اور آسمان دونوں کو سات آسمان اور سات زمینیں بن جانے کا فیصلہ کر دیا۔ اگر صرف آسمان کو حکم دیا گیا ہو یا صرف اکیلے آسمان کیلئے فیصلہ کیا گیا ہوتا تو لفظ فَفَضَّهِنَّ کی جگہ لفظ فَفَضَّهَا لایا جاتا۔ لہذا دونوں کو بلا دیا گیا۔ دونوں کو حکم دیا گیا اور دونوں ایک ایک کی جگہ سات سات ہو گئے۔ اس کی تفسیر میں یہ فرمایا گیا ہے کہ:

زمینیں بھی سات ہیں: اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِّنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ، يَنْزِلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (طلاق 65/12)

”اللہ وہی ہستی ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور اترقم زمین بھی سات ہی زمینیں آسمانوں کی مانند بنائیں آسمانوں اور زمینوں کے درمیان احکامات خداوندی نازل ہوتے رہتے ہیں۔ تاکہ تم یہ علم حاصل کر سکو کہ اللہ یقیناً ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ یقیناً اللہ نے ہر چیز کو اپنے علمی احاطہ میں گھیرا ہوا ہے۔“

لہذا ثابت ہوا کہ آیت (41/12) میں زمین و آسمان دونوں مخاطب اور زیر حکم تھے اور دونوں کو سات سات بن جانے کا حکم دیا اور سات زمینیں اور سات آسمان بن گئے۔ بیان الامامة کیلئے ہم نے ابتدا میں عرض کیا ہے کہ اس میں نظام امامت والی تشریحات کچھ زیادہ گھل کر لائی جائیں گی جنہیں ہم نے سادہ ترجمہ و تفسیر میں عمداً چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ یہ حقیقت بھی نظام امامت ہی میں لکھی جا رہی ہے کہ آئمہ اہلبیت علیہم السلام عموماً اور حضرت علی علیہ السلام خصوصاً مقام خداوندی سے بات کیا کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے یہ مستقل عنوان نمبر 2 قائم کیا گیا ہے۔

(ج) انسانی اعضاء بھی اللہ اور اللہ کے نمائندوں سے بات کر سکتے ہیں

اور دکھایا جا رہا ہے کہ اللہ اور اللہ کے نمائندوں کے حضور میں کائنات کی ہر جاندار بے جان اور ہر باشعور بے شعور چیز زبان و شعور حاصل کر لیتی ہے اور بات کرتی ہے چنانچہ آسمان و زمین پر آیات آپکی ہیں اب یہ دیکھیے کہ جسم کے تمام اعضاء بھی بات کر سکتے ہیں۔

(1) ہاتھوں اور پیروں کا گواہی دینا: قرآن کریم میں اللہ نے قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَ تَكَلِّمُنَا اَيْدِيهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿36/65﴾ (یس)

”آج ہم ان کے منہ بند کئے دیتے ہیں۔ اُنکے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور اُن کے پیر گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کمائی کرتے رہے۔“ یہاں منہ بند کرنے کے معنی بولنے کا اختیار چھین لینا ہے تاکہ وہ غلط بات کہہ ہی نہ سکیں۔

(2) ہاتھوں پیروں اور زبانوں کا ذاتی طور پر بولنا: جیسا کہ دیکھا گیا کہ اللہ بولنے کا اختیار چھین لے گا اور ہاتھ و پیر باتیں کریں گے اسی طرح اُن کی زبانیں قلب و دماغ کی مدد کے بغیر شہادت دیں گی۔ فرمایا گیا کہ:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿نور 24/24﴾

”اُس روز اُن کی اپنی زبانیں اور اُن کے ہاتھ اور پیر اُن کے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کیا کیا اعمال کرتے رہے تھے۔“

(3) کانوں، آنکھوں اور کھالوں کا اور ہر چیز کا بولنا: فرمایا گیا کہ:

حَتّٰى اِذَا مَا جَاءَ وَهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَاَجْلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿وَقَالُوْا لَجَلُوْدُهُمْ لِمَ شَهِدْتُمْ

عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَآلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَوُونَ أَنْ يَشْهَدَ
عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ۝ (41/22 تا 20)

”یہاں تک کہ جب وہ سب وہاں پہنچ جائیں گے تو اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن کے جسم کی کھالیں اُن پر گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے۔ وہ اپنے جسم کی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے کیوں ہمارے خلاف گواہی دی؟ وہ جواب دیں گی کہ ہمیں تو اسی خدا نے قوت گویائی عطا کی جس نے ہر چیز کو زبان و قوت گویائی عطا کی ہوئی ہے۔ اور اسی نے تمہیں پہلی مرتبہ زبان و قوت گویائی دے کر پیدا کیا تھا۔ اور اب تم اسی کی طرف رجوع کرائے گئے ہو۔ تم دنیا میں جب چھپ کر اور چھپا کر جرائم کیا کرتے تھے تو یہ نہ جانتے تھے کہ اعمال ناموں کے علاوہ تم پر خود تمہارے کان تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی۔ اس کے برخلاف تمہارا تو گمان یہ تھا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اُس کا بہت کثیر حصہ اللہ کو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ تمہارا یہی گمان تمہیں لے ڈوبا جو تمہیں اپنے پروردگار کے خلاف رہتا رہتا اور اسی ظن کی وجہ سے تم آج خسارے میں رہے ہو۔“
(حَمَّ السَّجْدَةِ 20 تا 41/22)

(4) جانوروں کا انسانوں سے بولنا: اب یہ دیکھیے کہ جاندار بے شعور مخلوق بھی بول سکتی ہے اور بولتی ہے (41/21)۔ فرمایا گیا کہ:

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ۝ (نمل 27/82)
”اور جب اُن پر بات واقع ہو چکے گی تو ہم اُن کے لئے زمین سے ایک جاندار نکالیں گے جو اُن سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہ کیا کرتے تھے۔“

(5) اس زمین کا ایک خاص انسان کی باز پرس پر، اپنی سرگزشت سنانا، نوع انسان کے لئے اپنے تمام دینی نکال کر اُس کے حضور پیش کرنا

قارئین کرام نے پہلے ہی نمبر پر زمین کا بولنا اور اللہ کے حکم کی اطاعت کرنا دیکھا تھا۔ اب یہاں پھر زمین کا بولنا سامنے آنے والا ہے اور یہ بولنا اسی ”گل“ کے واقع ہونے کا نظارہ پیش کرے گا جس کی اطلاع حضرت علی علیہ السلام نے اس خطبہ (28/4) میں دی ہے۔ اور جس کے لئے یہ کائنات وجود میں لائی گئی تھی اور نوع انسان کو اس زمین پر ترقی کے لئے ایک طویل مدت و مہلت عطا کی گئی تھی۔ اور انسانوں کی راہنمائی کو انتہا تک پہنچانے کے لئے انبیاء اور ائمہ علیہم السلام نے بڑی دردناک و روح فرسا قربانیاں دی تھیں۔ اور وہی زمین اور پوری نوع انسان اُس وقت تمام انبیاء و رسل، ائمہ و شہدائے جانشین، اللہ کے آخری نمائندے اور قائم قیامت علیہ السلام کے قابو میں ہوگی اور پوری کائنات اُن کے احکام کی تعمیل کر رہی ہوگی۔ سینے اللہ کا ارشاد ہے کہ:

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ
رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصُدُّرُ النَّاسُ أَسْتَاتًا لِّئُرْوَا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ
ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (الزلزال 8 تا 99/1)

”اے رسول اُس وقت کا ذکر کرو جب اس زمین کو اندرونی زلزلے سے اس طرح ہلایا جائے گا کہ ہلانے کا مقصد مکمل ہو سکے تاکہ زمین اپنے ودیعت شدہ، برداشتہ، اور پروردہ سامان کو باہر نکال سکے۔ اس پر ایک مخصوص انسان زمین سے دریافت کرے گا کہ اُسے کیا ہو گیا کہ لرز رہی ہے؟ اُس دریافت کرنے والے انسان کو اُس روز زمین اپنی تمام خبریں اور سرگزشت سنائے گی۔ اس لئے کہ اے رسول آپ کا پروردگار

اُس دن زمین کو وحی کرے گا کہ وہ اپنا تمام حال اُس مخصوص شخص سے بیان کر دے۔ وہی دن تو ہوگا جس روز تمام متعلقہ لوگ یکے بعد دیگرے منتشر حالت میں صادر ہوتے رہیں گے تاکہ انہیں اُن کے کئے ہوئے اعمال باری باری اور مختلف طور پر دکھائے جاسکیں۔ چنانچہ جس نے ذرہ بھر بھی بھلائی کی ہوئی ہوگی اور جزانہ ملی ہوگی وہ اُس نیکی اور جزا کو موجود پائے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوئی ہوگی اور سزا نہ ملی ہوگی وہ اس ذرہ برابر برائی کی سزا بھی پا کر رہے گا۔“

3۔ نماسندگان خداوندی بھی اس کائنات پر خیالی حکمرانی نہیں کرتے بلکہ ساری مخلوقات اُن کیلئے مجسم و باشعور ہیں اور وہ عملاً حکمران ہیں

مندرجہ بالا سورۃ کی تشریحات و تفصیلات کے لئے ذرا سا انتظار فرمائیں یا ہماری تفسیر احسن التعمیر ملاحظہ فرمائیے۔ بہر حال یہ سورہ یہ واضح کرتی ہے کہ ایک مخصوص انسان ایسا بھی موجود تھا اور ہے جسے زمین اپنی طویل ترین سرگزشت سنائے گی اور وہ انسان زمین سے باز پرس کرے گا اور اُس کے تمام دینے نکلوائے گا اور تمام انسانوں کو اُن کے اعمال دکھانے اور جزا و سزا دینے پر مامور کیا جائے گا۔ وہ مخصوص انسان کون تھا؟ اس کا جواب تفصیل سے بتدریج آنے والا ہے یہاں تو اتنا سمجھ لیں کہ وہ نائب الہی اور نمائندہ خداوندی ہے۔ اور جس طرح زمین و آسمان اپنے خالق کے حضور اپنی ضروریات بیان کرتی اور اس کی اطاعت کرتی ہیں بالکل اسی طرح نائب خداوندی اور ناظم کائنات کے حضور مطیع و فرمان بردار محتاج ہوتے ہیں۔

4 تخلیق کائنات کا ہر مرحلہ حقیقی اور اولین مخلوق و نائب خداوندی کے سامنے سے گزرتا ہے اس لئے اولین نائب پوری کائنات کی خبر رکھتا ہے

نور محمدی اور اجزائے نور محمدی کے متعلق تفصیلات سابقہ خطبات میں بیان ہوتی رہی ہیں۔ یہاں تو قرآن سے ایک دو آیات اُس مطابقت کے لئے پیش کرنا ہیں جو کائناتی معلومات و اطلاعات پر ایک مخصوص نائب خداوندی کا مقام و زمانہ و نام متعین کرنے میں مدد دیں گی سنئے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهِ وَ كَفَىٰ بِهِ بَدُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ۝۱۰ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمٰنُ فَسُئِلَ بِهٖ خَبِيرًا ۝۱۱ (فرقان 59-58/25)

علامہ مودودی کا ترجمہ: ”اے محمد، اُس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں۔ اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو۔ اپنے بندوں کے گناہوں سے بس اُس کا باخبر ہونا کافی ہے۔ وہ جس نے چھ دنوں میں زمین اور آسمانوں کو اور اُن ساری چیزوں کو بنا کر رکھ دیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں، پھر آپ ہی (کائنات کے تخت سلطنت) ”عرش“ پر جلوہ فرما ہوا، اُس کی شان بس کسی جاننے والے سے پوچھو۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 460)

(الف) وہ کون شخص ہو سکتا ہے جو آیات (فرقان 59-58/25) کی تفصیل سے ویسا ہی خبردار (خبیر) ہو جیسا اللہ خبیر ہے؟ اور رسول کو خبریں دے سکے؟

ان دونوں آیات (25/58-59) میں دو خبیروں کا ذکر ہوا ہے۔ اور ایک خبیر کو ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر دوسرے خبیر کو قریشی خلفا اور علمائے جان بوجھ کر چھپایا ہے۔ مگر وہ خبیر اپنی قوت کے زور سے ظاہر ہونے پر مامور تھا۔ اور ایسا تھا کہ اللہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری کائنات و موجودات کی تفصیل بتا سکتا تھا اور رسول مامور تھے کہ اُس سے جو چاہیں پوچھتے رہیں۔ اور اللہ کو اُس خبیر پر یقین تھا کہ وہ ہرگز غلط اطلاع یا خبر نہ دے گا۔ قارئین خود سوچیں اور بتائیں کہ عہد رسول میں ایسا کون شخص ہو سکتا ہے؟ چاہیں تو حضرات ابو بکر و عمر کا نام لے دیں۔ مگر ذمہ دار ہیں اور یاد رکھیں کہ وہ بے چارے تو اپنی جہالت و لاعلمی کا اقرار کرتے کرتے تھکتے نہ تھے اور مدینہ کی عورتوں کو بھی اپنے

سے زیادہ عالم کہتے تھے۔ ساری امت میں مسلمہ ایک ہستی ہے جسے قرآن کریم نے نام لے کر ایک ایسی زبان قرار دیا ہے جو صحیح و صحیح بیان کرنے کی ذمہ دار ہے اور انسانوں کے آخری دور تک ذمہ دار ہے (مریم 19/51، شعراء 26/84) (تفسیر قمری) اور تمام سابقہ ادوار میں بھی ہر نبی کیلئے مجسم سچائی حضرت علی علیہ السلام تھے۔ (مقبول احمد صاحب دہلوی ترجمہ صفحہ 492 و صفحہ 590)

اب ہمارے قارئین یہ یقین فرمائیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اُس خطبے (خطبہ نمبر 28، جملہ نمبر 1 تا 5) میں دنیا و آخرت کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ خبیالی و نظری نہیں ہے بلکہ دنیا اور آخرت نے حضور کو اُسی طرح مجسم و باشعور ہوتے ہوئے اپنی رخصت اور آمد کی اطلاع دی ہے جس طرح کائنات کی ہر چیز کے بولنے اور اطاعت کرنے کا ثبوت قرآن کریم سے سامنے لایا جا چکا ہے۔

(ب) سورہ زلزال کی تشریح اور قریشی علما کا مقام مرتضوی کو چھپانا: قارئین کرام کی سہولت کیلئے ہم یہاں بھی سورہ زلزال کی شرح میں چند حقائق بیان کرتے ہیں۔ اس سورہ کو پڑھتے ہوئے یہ دیکھیں کہ اس میں کہیں بھی اللہ نے نہ لفظ قیامت استعمال کیا ہے اور نہ کہیں یہ فرمایا ہے کہ زمین کا یہ زلزلہ قیامت کے روز واقع ہوگا اور قیامت سے پہلے ایسا زلزلہ ہرگز نہ آئے گا۔ پھر یہ معلوم ہے کہ اس دنیا میں چھوٹے بڑے، ہلکے اور شدید تباہ کن زلزلے آتے ہی رہتے ہیں۔ اور ایسا آدمی ماننا مشکل ہے جس نے کوئی بھی اور کسی قسم کا بھی زلزلہ نہ دیکھا ہو۔ ہم نے ان دونوں باتوں پر اس لئے متوجہ کیا ہے کہ قریشی علما ہر اُس بات کو قیامت میں واقع ہونے والی بات کہتے رہتے ہیں جو زمانہ رجعت میں تفصیلی جزا و سزا کو ثابت کرتی ہو۔ اور جب قرآن لفظ قیامت کہہ کر کچھ بتاتا ہے تو اُسے قیامت کے آخری دور میں واقع ہونے والی بات کہہ کر حقائق پر پردہ ڈال کر اپنے پیروؤں کو تارکی میں رکھتے ہیں۔ سورہ زلزال کے زلزلے کو بعض قریشی مفسروں نے قیامت کے پہلے دور کا زلزلہ لکھا ہے جو کسی قدر غنیمت اور حق سے قریب تھا۔ مگر علامہ مودودی بھانپ گئے اور جانتے بوجھتے اور اقبال کرتے ہوئے بھی اُس زلزلے کو قیامت کے دوسرے دور یا مرحلہ کا زلزلہ لکھ دیا سنئے لکھا ہے کہ:

(ج) علامہ مودودی اینڈ کمپنی اُس زلزلہ کو قیامت کے دوسرے دور کا زلزلہ لکھتے ہیں

”بعض مفسرین نے اس زلزلے سے مراد وہ پہلا زلزلہ لیا ہے جس سے قیامت کے پہلے مرحلے کا آغاز ہوگا یعنی جب ساری مخلوق ہلاک ہو جائے گی اور دنیا کا یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا، لیکن مفسرین کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک اس سے مراد وہ زلزلہ ہے جس سے قیامت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوگا۔ یعنی جب تمام اگلے پچھلے انسان دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ یہی دوسری تفسیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ بعد کا سارا مضمون اسی پر دلالت کرتا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 420)

(د) جھوٹوں کی شیطان بھی حفاظت نہیں کرتا وہ خود اپنے بیانات کے خلاف لکھا کرتے ہیں، اُن کے تمام متعلقہ بیانات کو جمع کر لیا جائے تو فریب کھل جاتا ہے

علامہ مودودی نے آثار قیامت اور قیامت کے حالات کو اگر قرآن کے بیانات تک محدود رکھا ہوتا اور قرآن کے متعین کردہ مقاصد پر غور کر کے آیات کے بیانات کو ترتیب دیتے تو وہ اُس نقشہ کو تیار کر سکتے تھے جو لفظ قیامت کی ترتیب و تصویر ہوتی۔ لیکن جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے کہ قریشی علما اُس طویل دور کو قطعاً سامنے نہیں لانا چاہتے جس میں اسلام کا خالص غلبہ ہوگا (توبہ 33-32-9/32) اور نور خداوندی یعنی نور محمد ساری کائنات کو منور کر کے مکمل ہو جائے گا۔ (فتح 29-28/48، الصف 9-61/8) اور اس دنیا میں کسی اور دین یا نظام کا وہم تک بھی نہ رہے گا۔ حقیقی تعلیمات اسلام برسر کار ہوں گی اور یہ وہ زمانہ ہوگا جب حضرت حجۃ، امام العصر و الزمان یعنی حضرت مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ظہور فرما کر اس دنیا

سے ظلم و جبر کو ختم کر دیں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے لبریز کریں گے۔ طبقہ واریت اور استحصال کو نیست و نابود کر کے مساوات قائم فرمائیں گے اور حضور کی تائید و نصرت کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام حاضر ہوں گے۔ اور دوسرے منتظر رکھے گئے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مل کر حضرت حجۃ کے ماتحت مختلف فرائض انجام دیں گے۔ یہ دور چونکہ اولاد مرتضوی کا ہوگا اور اسی دور میں قیامت کے تمام ادوار واقع ہونا ہیں اور تمام نوع انسان کے محروموں اور مظلوموں کو اُن کی وہ جزا دیا جانا ہے جس کے ملنے کا اللہ نے قرآن میں وعدہ کیا ہے اور پوری نوع انسان کے اُن ظالموں اور جاہلوں کو اسی دنیا میں وہ سزائیں دینا ہیں جن سے وہ بچ نکلے تھے۔ یوں عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے فرمانے اور حقوق العباد پورے کرا چکنے کے بعد حضور قیامت قائم قیامت کا اعلان فرمائیں گے اب نوع انسان کی حقوق اللہ اور عقائد و تصورات پر بازپرس کے لئے تیاری کی جائے گی۔ اسی لئے حضور کا ایک لقب قائم قیامت ہے۔ قریش اس عظمت محمدی اور علوی کو چھپا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لئے قیامت کے ادوار کو گڈ مڈ کر کے مضحکہ خیز بناتے چلے آ رہے ہیں۔ چنانچہ مودودی کے بیان عنوان (ج) میں لکھا دیکھا گیا ہے:

(1) مودودی کی قیامت کا پہلا دور: ”بعض مفسرین نے اس زلزلے سے مراد وہ پہلا زلزلہ لیا ہے جس سے قیامت کے پہلے مرحلے کا آغاز ہوگا۔

یعنی: ”جب ساری مخلوق ہلاک ہو جائے گی اور دنیا کا یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 420)

قارئین یہ بات نوٹ کر لیں کہ مودودی والی قیامت کے پہلے دور میں، ”ساری مخلوق ہلاک ہو جائے گی اور دنیا کا یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔“

(2) پہلے مرحلے میں مخلوق ہلاک نہ ہوگی یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا: اسی جلد کے صفحہ 435، 436 پر لکھتے ہیں کہ:

”یہاں تک قیامت کے پہلے مرحلے کا ذکر ہے۔ یعنی جب وہ حادثہ عظیم برپا ہوگا جس کے نتیجے میں دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو

جائے گا۔ اُس وقت لوگ گھبراہٹ کی حالت میں اس طرح بھاگے بھاگے پھریں گے جیسے روشنی پر آنے والے پروانے ہر طرف پرا

گندہ منتشر ہوتے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 435، 436)

قارئین نے دیکھ لیا کہ علامہ مودودی کی قیامت کا پہلا مرحلہ ہی غلط نکل گیا ہے تو باقی مراحل کے لئے کیا کہا جائے؟

(3) دوسرے مرحلے یا دوسرے دور پر پوری نوع انسان زندہ ہو کر میدان حشر میں پیش ہوگی

اب یہ ملاحظہ فرمائیں کہ علامہ کی قیامت کے دوسرے مرحلے میں یا دوسرا تصور پھونکے جانے پر کیا ہوگا؟ سنئے:

1- ”یہاں سے قیامت کے دوسرے مرحلے کا ذکر شروع ہوتا ہے جب دوبارہ زندہ ہو کر لوگ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے۔

(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 436)

2- ”دوسرا تصور پھونکا جائے گا اور تمام اولین و آخرین از سر نو زندہ ہو کر اپنے آپ کو میدان حشر میں پائیں گے۔“

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 552)

(4) دوسرے مرحلے یا دوسرے دور کے لئے زندہ ہو کر پیش ہونا علامہ مودودی نے غلط کہا اس لئے کہ یہ سب کچھ تو تیسرے مرحلے یا تیسرے دور

پر ہونا لکھا ہے

1- ”پھر نفعِ صور آخر کے ساتھ ہی تمام وہ انسان جو تخلیقِ آدم سے لے کر قیامت تک پیدا ہوئے تھے، از سر نو زندہ کئے جائیں گے اور اللہ

تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔ اسی کا نام قرآن کی زبان میں حشر ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 493)

2- ”اسی بنا پر احادیث میں تین مرتبہ صور واقع ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک نفخۃ الفزع، یعنی گھبرا دینے والا صور۔ دوسرا نفخۃ الصعق، یعنی مار گرانے والا صور۔ تیسرا نفخۃ القیام لرب العالمین، یعنی وہ صور جسے پھونکتے ہی تمام انسان جی اٹھیں گے اور اپنے رب کے حضور پیش ہونے کیلئے اپنے مرقدوں سے نکل آئیں گے۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 343، حاشیہ 97)

ان دونوں حوالوں میں مودودی کی قیامت کے تمام مراحل ختم ہو گئے۔ اس لئے کہ عدالت و جزا و سزا آخری مرحلہ ہے، سنئے:

(3) ”یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں (سورہ عاشیہ میں۔ احسن) بحیثیت مجموعی پورے عالم آخرت کا ذکر ہو رہا ہے جو نظام عالم کے درہم برہم ہونے سے شروع ہو کر تمام انسانوں کے دوبارہ اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کی عدالت سے جزا و سزا پانے تک تمام مراحل پر حاوی ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 320)

قارئین نے پھر دیکھا کہ علامہ مودودی کے سمجھے ہوئے تمام مراحل ایک دوسرے کا رد کرتے ہیں اور سب متضاد ہیں۔

5- سورہ زلزال میں مذکور زلزلے کو اور اُس کے مقصد کو الجھانے کے لئے مودودی نے چند اور مضحکہ خیز بیانات دیتے ہوئے قرآن کے

الفاظ کے معنی بھی بدل دیئے

قریشی علما کا اصول یہ ہے کہ: ”کوئی سُنے یا نہ سُنے، غلط قرار دے یا صحیح کہے، تم برابر کہتے ہی چلے جاؤ۔“

ہم نے اُن کے اس اصول کو اپنی تفسیر میں بڑی تفصیل سے واضح کیا ہے اور نہج البلاغہ کی تشریحات میں اُن باطل پرستوں کی نقاب کشائی ضروری ہے۔ اس لئے ہم کچھ دُر تک مودودی کا تعاقب کریں گے تاکہ سورہ زلزال کا حقیقی مقصد قارئین کو سمجھ میں آجائے اور وہ پردے اٹھ جائیں جو قریشی علما نے ڈالے ہیں۔ لہذا مودودی کے مغالطہ انگیز چند بیانات اور اُن کی حقیقت دیکھنا شروع کیجئے:

(اَوَّل) زمین نے جب تمام اگلے پچھلے مُردوں کو نکال پھینکا اور وہ سب زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے تو زلزلے سے وہ کون سے مُردے باہر

نکالے گی؟ اس سلسلے میں مودودی یہ لکھتے ہیں کہ:

”وَ اٰخِرَ جَتِ الْاَرْضِ اٰثَقًا لَهَا“ (99/2) یہ وہی مضمون ہے جو سورہ انشقاق آیت (84/4) میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وَ اَلْفَتْ مَا فِيهَا وَ تَحَلَّتْ ۝ اور جو کچھ اُس کے اندر ہے اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی“ اس کے کئی مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ مرے ہوئے انسان زمین کے اندر جہاں جس شکل اور جس حالت میں بھی پڑے ہوں گے اُن سب کو وہ نکال کر باہر ڈال دے گی۔ دوسرا مطلب یہ کہ صرف مرے ہوئے انسانوں ہی کو وہ باہر نکال پھینکنے پر ہی اکتفا نہ کرے گی، بلکہ اُن کی پہلی زندگی کے افعال و اقوال و حرکات و سکنات کی شہادتوں کا جو انبار اس کی تہوں میں دبا پڑا ہے اُس سب کو بھی وہ نکال کر باہر ڈال دے گی۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 420-421)

(دوم) علامہ کے بیان پر بار بار نظر ڈالنا ہوگی: سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ مودودی نے سورہ زلزال کی دوسری آیت کا صحیح ترجمہ و تشریح کرنے اور اُس کے نتیجے پر بات کرنے کے بجائے سورہ انشقاق کی چوتھی آیت کو اُس کا ہم معنی کر دیا۔ پھر سورہ انشقاق کے غلط معنی کر کے اُن پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُس کے کئی مطالب کہہ کر دو مختلف و متضاد مطالب لکھ بھی دیئے اور اپنی اس دھاندلی کی چادر کے نیچے دونوں آیات کے مقاصد کو چھپا کر ٹھنڈے ٹھنڈے چل دیئے۔ پھر یہ دیکھئے کہ پچھلی زندگی کے اقوال و حرکات و سکنات مادی جسم رکھنے والی چیزیں نہیں ہیں کہ وہ مُردوں یا لوہے تانبے اور چاندی سونے کی طرح یا اُن سکوں کی طرح کہیں زمین میں دفن پڑے رہتے اور زمین اُن کو نکال پھینکتی؟

پھر یہ سوچئے کہ الفاظ اعمال و اقوال و افعال و حرکات و سکنات تمام عربی زبان کے الفاظ ہیں اور مذکورہ بالا دونوں آیات (84/4، 99/2) میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ لہذا یہ مودودی کا اپنا قریشی مطلب ہے، آیت یا آیات کا مطلب نہیں ہے۔

پھر یہ دیکھئے کہ سورہ اشقاق میں کہیں بھی نہ زمین کو ہلانے یا زلزلے کی بات ہے نہ وہاں مُردوں کا تذکرہ ہو نہ زمین کو یہ حکم ملا کہ وہ اپنا سامان نکالے۔ بہر حال جب، بقول علامہ، وہ بلا کسی حکم اور زلزلے کے سب کچھ نکال بیٹھی تو اُسے زلزلے میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جب تمام مُردے نکل چکے تو اب زلزلے سے کون سے مُردے نکالے گی؟ یہ ہے وہ قریشی شعور جسے مودودی صاحب آیات کا مطلب اور قرآن کی تفسیر کہتے ہیں اور جسے اُن کے پیر و مسلمان تعلیمات خداوندی سمجھ کر مانتے اور گمراہ رہتے چلے آئے ہیں۔

6۔ قریش اور قریشی علما نے قرآن کے ساتھ جو کچھ کیا اُسے سمجھنا آئمہ معصومین کی مدد کے بغیر علما کے لئے ناممکن تھا۔ ہمارے

بیانات کو بغور پڑھئے اور قریشی پالیسی سمجھئے

شیعہ علما نے ایک ہزار سال سے اپنا تعلق اور رشتہ راہنمائی صاحب قرآن امام عصر و الزمان علیہ السلام سے منقطع رکھا ہے اور قریش کی طرح قرآن اور شریک قرآن کو مجبور چھوڑ کر اپنا مرکز و راہنما طاغوت کے اجتہاد کو بنائے رکھا ہے (نساء 60-61، فرقان 25/30) اس لئے شیعہ علما ہوں یا سنی علما ہوں دونوں کا ماخذ طاغوتی اجتہاد ہے۔ دونوں کا طرز فکر اور طریق استدلال ایک ہی ہے۔ دونوں کے دلائل اور براہین میں لیبیل کی رعایت کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس لئے اُن دونوں کو اللہ و امام علیہ السلام سے راہنمائی و ہدایت کیوں ملتی؟ ہدایت و راہنمائی تو طالبان ہدایت اور محتاجان راہنمائی کو ملا کرتی ہے۔ اور یہ لوگ ہرگز طالبان ہدایت نہیں ہیں نہ وہ اللہ و امام کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔ وہ بفضل شیطان طاغوت کی طرف سے خود مکتفی اور قرآن کے امام بنا دیئے گئے ہیں۔ قرآن اُن کی ترجمانی و تفسیر کا محتاج ہے وہ اللہ اور قرآن کے محتاج نہیں ہیں۔ جب سے انہوں نے اپنے رد و ابطال میں بلند ہونے والی آوازوں کو پکچل کر خاموش کیا ہے۔ انہیں کسی مخالف یا اختلاف رائے کا خطرہ بھی نہیں رہا لہذا نہایت بے باکی اور اطمینان سے جو چاہتے ہیں خود کہتے اور لکھتے ہیں اور اپنے اقوال کو اللہ کا کلام منواتے ہیں (بقرہ 2/79) اور چونکہ اپنے پیروؤں (شیعہ سنی دونوں) کو عربی سے جاہل رکھا ہوا ہے اس لئے اس کی بھی فکر و پروا نہیں کرتے کہ ہمارا ترجمہ لغات و قواعد کے خلاف ہوتا ہے۔ لہذا اُمت کے سیدھے سادے عربی سے ناواقف قاریوں کو یہ پتہ کیسے چلتا کہ اُن دونوں آیات (84/4، 99/2) میں آئے ہوئے الفاظ اَلْقَتْ اور اَخْرَجَتْ کے معنی میں زمین و آسمان کا فرق اور اختلاف ہے اور جو خود مودودی کے اپنے ترجموں سے بھی ثابت ہے۔ ہم اختصار کی غرض سے غیر اہم پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ لفظ اَلْقَتْ کی بنیاد یا مادہ ل۔ق۔ی ہے۔ جس سے لفظ لَقَاءٌ (دیدار) اور لفظ مُلَاقَاتٌ بنتے ہیں۔ اور لفظ اَخْرَجَتْ کا مادہ یا بنیاد، خ۔ج۔ہے۔ جس سے لفظ خَارِجٌ وغیرہ بنتے ہیں۔ اور الفاظ ملاقات اور خارج کا آپس میں نہ کوئی معنوی تعلق ہے نہ رشتہ ہے۔ پھر سورہ زلزال میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ:

”زمین کے اندر جو کچھ بھی ہے وہ سب کچھ خارج کر دے گی۔“ بلکہ وہاں تو اَخْرَجَتْ اَلْاَرْضُ اَنْقَالَهَا فرمایا گیا ہے یعنی:

”زمین اپنے اَنْقَالَ کو خارج کر دیگی۔“ اور یہ معلوم ہے کہ لفظ ”اَنْقَالَ“ کے معنی ہرگز ”سب کچھ“ نہیں ہوتے اور خود مودودی نے اس

لفظ کے معنی ”سب کچھ نہیں کئے“ حالانکہ انہوں نے اس لفظ کے غلط معنی کئے ہیں۔ لہذا قرآن سے ایک آیت کا ایک ٹکڑا ملاحظہ فرمائیں جس میں اللہ نے مودودی اینڈ کمپنی کو ہماری گرفت میں دینے کے لئے اس لفظ ”اَنْقَالَ“ کو تین مرتبہ استعمال کیا ہے:

”وَلِيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَانْقَالَا مَعَ انْقَالِهِمْ“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 683)

(الف) مودودی کا غلط ترجمہ: ”ہاں ضرور وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسرے بہت سے بوجھ بھی۔“

پہلے یہ سمجھ لیں کہ لفظ انْقَال کے معنی اگر واقعی ”جو کچھ“ اور ”سب کچھ“ ہوتے تو مودودی یہاں بھی تینوں جگہ وہی معنی کرتے۔

(ب) اگر مودودی کے اختیار کردہ لفظ انْقَال کے معنی کو آیت (99/2) میں اختیار کر لیا جائے تو (معاذ اللہ) آنحضرتؐ اور انبیاء اور شہداء کو بار زمین ماننا ہوگا

جب یہ دیکھ لیا گیا کہ علامہ صاحب لفظ انْقَال کے معنی سچے دل سے ”بوجھ“ کرتے ہیں تو سورہ زلزال کی آیت (99/2) کی ذیل میں

اس ترجمہ پر سنجیدہ اعتراض قائم نہیں ہوتا کہ: وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا

(ج) مودودی کا (99/2) کا ترجمہ: ”اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دیگی۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 420)

اگر ہم انْقَال کے معنی زمین کا بوجھ مان لیں تو تمام انبیاء و شہداء کی مدفون لاشوں کو بار زمین ماننا ہوگا اور کہنا پڑے گا کہ (معاذ اللہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاش کو بھی بار زمین ہونے کی بنا پر زمین باہر پھینک دے گی۔ یہ سب ہے کہ ہم مودودی کے ان معنی کو غلط اور توہین

انبیاء و رسل علیہم السلام کہنے پر مجبور ہوئے اور ہم ان معنی کو یہ سمجھ کر برداشت کر لیتے کہ مودودی محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کا مخالف ہے اور لغت عربی سے

جاہل ہے۔ مگر کیا کریں کہ اس دشمن خدا و رسولؐ نے تو ہر جگہ اس لفظ کے معنی بوجھ نہیں کئے ہیں یعنی وہ حقیقی معنی پر مطلع ہے اور جان بوجھ کر ازراہ بغض

و عناد و دشمنی غلط معنی کرتا رہا ہے، سنئے:

(د) مودودی کے جرم کو واضح کرنے کیلئے اللہ نے قرآن میں آیات کو دشمنان قرآن کی گھات میں لگا رکھا ہے جو انہیں گرفتار کر دیتی ہیں

اللہ نے فرمایا ہے کہ: يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا؟ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي، لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ

تَقَلَّتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمُ إِلَّا بَغْتَةً..... الخ (اعراف 7/187) (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 105)

(ه) مودودی کا اپنے ترجمہ کے خلاف ترجمہ کرنا: ”یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ آخر وہ قیامت کی گھڑی کب نازل ہوگی؟ کہو ”اُس کا علم میرے

رب ہی کے پاس ہے اُسے اپنے وقت پر وہی ظاہر کرے گا۔ آسمانوں اور زمین میں وہ بڑا سخت وقت ہوگا۔ وہ تم پر اچانک آجائے گا۔“

قارئین دیکھیں کہ یہاں لفظ ”تَقَلَّتْ“ انْقَال ہی کے خاندان اُسی مادہ ”ث۔ق۔ل“ سے آیا ہے اور اب اُس کے معنی بھاری وقت

نہیں کئے بلکہ بڑا سخت وقت کئے ہیں۔ اور تمام اردو دان جانتے ہیں کہ لفظ ثَقِيل سخت کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بیمار کو نرم غذا دینا،

ثَقِيل خوراک سے پرہیز کرنا یعنی ایسی غذا سے بچانا جو زود ہضم نہ ہو۔ الفاظ ثَقِيل۔ انْقَال وغیرہ کے حقیقی اور بنیادی معنی دیکھنے سے پہلے اسی مادہ ث

ق ل سے نکلنے والے ایک اور لفظ کے معنی دیکھ لیں جہاں وہ بوجھ اور بوجھل معنی نہیں کرتے اور پکڑے جاتے ہیں۔

(و) دوسرا مقام جہاں علامہ مودودی بوجھ اور بوجھل ترجمہ نہیں کرتے:

اللہ نے فرمایا کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنْفَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ..... الخ

مودودی ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین سے چٹ کر رہ

گئے؟“ (توبہ 9/38) (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 193-194)

یہاں موقع تھا کہ علامہ یہ ترجمہ کرتے کہ تم بوجھل ہو کر رہ گئے مگر اس لفظ کے بنیادی معنی بوجھ ہوتے تو یقیناً علامہ سے غلطی بھی نہ ہوتی اور وہ

پکڑے بھی نہ جاتے۔

(ز) قریشی پالیسی نے قرآن کے معنی بدلنے میں ہر وہ راہ اختیار کی جو حکومت کے جبر و استبداد و دولت و پروپیگنڈے سے سات سو سال میں ممکن تھی قرآن میں معنوی تبدیلی کے بغیر فضائلِ خاندانِ رسالت اور حقائقِ اسلام کو چھپانا ناممکن تھا لہذا سات سو سال کے تسلط کے دوران قریشی حکومتوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ نہ صرف عربی الفاظ کو غلط معنی میں استعمال کرنے کا مستقل رواج ڈالا، مدارس اور خطیبوں اور مقررین سے اس رواج کو عام کرایا بلکہ ایسی لغات بھی تیار کیں جن میں ایک ایک عربی لفظ کے سینکڑوں غلط معنی بھر دیئے۔ حالانکہ عربی زبان میں کسی بھی لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ناممکن تھے۔ بہر حال ہم نے قریش کو اس میدان میں بھی شکست فاش دی اور ان کو شرمندہ و ذلیل کرنے کے لئے مستقل انتظام کیا۔ پہلے انہیں قرآن ہی سے مجرم قرار دیا جیسا کہ ابھی علامہ زیر حراست ہیں پھر ان ہی کی تیار کردہ لغات سے انہیں مات دی اور حقیقی معنی نکال کر دکھادیئے۔ اور اس وقت اور اس عنوان میں ہم لغت سے ہی حقیقتِ حال سامنے رکھنے والے ہیں۔ لہذا اُس لغت سے مدد لیتے ہیں جو عربی اُردو کی مستند لغت ہے اور نام لغات القرآن ہے اور خالص علما کی تیار کردہ ہے اور قرآن کے تمام الفاظ اور ان کے معنی پر حاوی ہے۔ اور ث۔ ق۔ ل سے بننے والے تمام الفاظ کے معنی بلا تکلف ہر جگہ و زنی بھاری اور بوجھ لکھتی رہی ہے۔ مگر اللہ کا فطری قانون یہ ہے کہ ہر مجرم سے جرم کے دوران احتیاط کے باوجود کم از کم ایک غلطی ضرور سرزد ہونا لازم ہے۔ لہذا ہر محقق اور مُفْتِّش کو تحقیق اور تفتیش کے دوران اُس غلطی کی تلاش ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا لغات القرآن میں لاشعوری طور پر وہ غلطی ہو گئی ہے جس سے حقیقت کی طرف راہنمائی ہوتی ہے۔ سنئے کہ مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی رفیق ندوۃ المصنفین دہلی نے جلد اول میں اسی لفظ ”اَنفَلْتُمْ“ کی تشریح اور معنی بیان کئے ہیں جو آیت (9/38) میں مودودی کو زمین سے چٹ جانے پر مجبور کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ:

لغات القرآن کا بیان: ”اَنفَلْتُمْ“ ”تم بوجھ سے جھکے“ تَفَاؤُلُ سے جس کے معنی گراں بار اور بوجھل ہونے کے ہیں۔ ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ اشیاء کو کبھی تو ہلکے اور بھاری ہونے کے اعتبار سے ثقیل کہا جاتا ہے۔ اور کبھی جن اجسام کا رُخ اوپر کی طرف ہوتا ہے اُن کو خفیف (ہلکا) کہتے ہیں جیسے آگ اور دھواں، اور جو نیچے کی طرف مائل ہوتے ہیں اُن کو ثقیل کہا جاتا ہے جیسے پانی اور پتھر۔ یہاں دوسرے معنی ہی کے اعتبار سے ”بوجھ سے جھکے جانے“ کے معنی مراد ہیں (10/12 دسویں پارہ کا بارھواں رکوع) (جلد اول صفحہ 25-26)

لغات القرآن کے اس بیان سے جو راہنمائی ملتی ہے اس کو سمجھنے کے لئے ایک دوسری عربی اردو لغت، اَلْمُعْجَمُ الْاَعْظَمُ مرتبہ محمد حسن الاعظمی من علمائے ازھر، جنرل سیکریٹری جماعت الاخوة الاسلامیہ مصر سے دیکھئے:

اَلتَّقَلُ۔ ج (جمع) اَتَقَالَ وزن، بوجھ، کشش ثقل (2) اسباب (3) جرائم۔ (جلد اول صفحہ 381 کالم نمبر 3)
اور: اَلتَّقَلُ: بھاری پن۔ کشش ثقل (2) بہرہ پن (صفحہ 382)

اس لغت سے ہم حقیقت کی طرف کافی بڑھ آئے ہیں۔ مگر ابھی ایک آخری لغت یعنی فیروز اللغات مرتبہ مولوی فیروز الدین عربی اور فارسی کی اُردو لغت کے چند حوالے دیکھ لیں:

کشش ثقل۔ وہ قوت جو اجسام کو بہ ہیئت مجموعی فاصلے سے ایک دوسرے کی طرف کھینچنے میں اثر کرتی ہے۔
کشش زمین۔ زمین کی وہ کشش جو ہر چیز کو مرکز زمین کی طرف مائل کرتی ہے۔ (صفحہ 262) (حصہ دوم)

ثقلین۔ دو گروہ یعنی جن اور انسان (2) دونوں جہان (3) اہلبیت نبوت۔ (صفحہ 291) (حصہ اول)

ایک عربی اور انگریزی لغت **الْفَرَائِدُ الدُّرِّيَّةُ فِي اللَّغَتَيْنِ الْعَرَبِيَّةِ وَالْاِنْكَلِبِيَّةِ** (صفحہ 70)

Weightiness, Gravitation

ثقل

Weight, Burden, Loan, Gravity, Crime, Importance

(ح) **قریشی لغات سے مرصومی حقیقت** آخر سامنے آگئی ہے: لغات القرآن کے مرتب کرنے والے کی تحریر میں یہ حقیقت ٹپک گئی کہ:

”وہ چیزیں خفیف یا ہلکی کہلاتی ہیں جو آسمان کے طرف مائل رہتی ہیں جیسے دھواں اور آگ کا شعلہ۔ اور وہ چیزیں ثقیل یعنی بھاری کہلاتی ہیں جو زمین کی طرف مائل رہتی ہیں۔“

باقی لغات سے یہ معلوم ہو گیا کہ: (1) ”زمین کے مرکز کی طرف کھینچنے والی قوت کو کشش ثقل کہا جاتا ہے۔“
لہذا لغات القرآن کے بیان کا مطلب یہ ہوا کہ کسی چیز کو ہلکا یا بھاری، جو جھل یا وزن کی قرار دینے والی چیز کا نام ثقل ہے۔ جس چیز کو ثقل جس قدر زور سے اپنی طرف کھینچتا ہے اُس چیز کا اُسی قدر بھاری یا ہلکا ہونا مانا جاتا ہے اور اُسی قوت کو اُس چیز کا وزن یا بوجھ کہتے ہیں۔ لہذا اشیاء کے اپنے مرکز سے وابستہ رکھنے والی قوت کا نام ثقل ہے اور جس قدر وابستگی کی مقدار ہوتی ہے اُس مقدار کو اُس چیز کا وزن یا بوجھ قرار دیا گیا ہے۔ اسی فطری اصول کی جزئی حقیقت کو ظاہر کرنے کیلئے قرآن (رحمن 55/31) میں انسانوں اور جنوں کو دو ثقل (ثقلان) فرمایا ہے اور کُلّی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن وآل محمد کو ثقلین یا ثقلان فرمایا گیا۔ (فیروز اللغات حصہ اول صفحہ 291)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش سے فرمایا تھا کہ: ”إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ كِتَابُ اللَّهِ وَعُتْرَتِي أَهْلِبَيْتِي...“
”میں تمہارے اندر دو ثقل چھوڑنے والا ہوں ایک اللہ کی کتاب قرآن ہے دوسرا میرے نورانی اجزاء اور خانوادہ کے افراد ہیں جو ہرگز ایک دوسرے سے جدا یا مختلف اور متفرق نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ ساتھ ساتھ میرے پاس حوض پر آجائیں اگر تم نے اُن سے تمسک رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔“

(ط) **حضرت علیؑ نے ثقل اکبر (قرآن) پر عمل کیا اور ثقل اصغر (حسینؑ) کی حفاظت کی:**

(طبرانی نے مسند میں زید بن ثابت سے روایت کیا)

اگر قریش نے علیؑ اور اولاد علیؑ کے آئمہ معصومین علیہم السلام سے تمسک و تعلق رکھنا ہوتا تو انہیں آنحضرتؐ تمسک کرنے کی تاکید کیوں کرتے؟ وہ تو قومی حیثیت سے علیؑ و خاندان علیؑ اور قرآن کو دُنیا سے نیست و نابود کرنا طے کر چکے تھے اور اس تہیہ پر عمل کرنے کے لئے ہی تو انہوں نے کر بلا میں خاندان رسولؐ کا قتل عام کیا۔ صدیوں تک علیؑ و اولاد علیؑ کے نام لیواؤں تک کو تلوار کے گھاٹ اُتارا اور قرآن کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی ہم لکھتے رہے ہیں اور قرآن ہی کی معنوی تحریف پر یہ عنوان چل رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ قرآن میں لفظ **وزن** استعمال ہونے کے باوجود وہ لفظ ثقل کے معنی اس لئے وزن اور بوجھ کرتے رہے اور غلط لغات تیار کرتے رہے کہ علیؑ و قرآن کو مٹایا جاسکے مگر آپ نے ہماری محنت و نظر دیکھی کہ اُن ہی لغات میں سے ہم نے حق کو باہر نکال کر رکھ دیا۔ اور ادھر قریش کی کافرانہ کد و کاوش اور فریب سازی کو سامنے لے آئے اور ادھر آپ دیکھ رہے ہیں کہ ثقل کے حقیقی معنی واضح ہو گئے اور ثابت ہو گیا کہ محمدؐ اور آئمہ معصومین اس کائنات کے مرکز و مرجع اور ثقل ہیں۔ اب خود حضرت علیؑ علیہ

السلام کا فرمان سننے ارشاد ہے کہ:

فَلَا تَقُولُوا بِمَا لَا تَعْرِفُونَ؛ فَإِنَّ أَكْثَرَ الْحَقِّ فِيْمَا تَنْكُرُونَ؛ وَ أَعْدُوْا مَنْ لَا حُجَّةَ لَكُمْ عَلَيْهِ، وَ أَنَا هُوَ، أَلَمْ
أَعْمَلْ فِيكُمْ بِالنَّقْلِ الْأَكْبَرِ، وَ اتْرُكْ فِيكُمْ النَّقْلَ الْأَصْغَرَ وَ رَكَّزْتُ فِيكُمْ رَايَةَ الْإِيْمَانِ، وَ وَقَفْتُكُمْ عَلَي
حُدُودِ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ الخ (خطبہ 86 صفحہ 206 فیض الاسلام کا ترجمہ نصح البلاغہ)

”اے قریشی مسلمانو! تم ایسی باتیں منہ سے نہ نکالا کرو جن کا تمہیں تعارف تک حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ حق کا کثیر حصہ ان ہی چیزوں میں ہے جن کا تم انکار کر کے منکر ہو گئے ہو۔ اُسکے عذرات کو قبول کرو جس پر تمہاری کوئی سی حجت بھی تمام نہ ہو سکی اور اُس نے تم پر ہر حجت تمام کر دی ہے اور وہ شخص میں ہی تو ہوں۔ کیا میں نے تمہارے تمام پیدا کردہ حالات کے دوران بھی بڑے نقل (قرآن) پر پورا پورا عمل نہیں کیا اور کیا میں نے نقل اصغر (حسینؑ) کو محفوظ رکھتے ہوئے تم تک نہیں پہنچا دیا؟ میں نے تمہارے درمیان ایمان کا علم قائم رکھا اور تمہیں حلال و حرام کی حدود سے واقفیت فراہم کی۔“ یہ تھے علیؑ اور قریش، اور یہ تھے مجھے جسم ایمان و یقین اور مجسم کفر و انکار کے دو نمائندے۔

7- سورہ زلزال میں زمین سے مخاطبہ اور مکالمہ کرنے والی ذات پاک نامہ خداوندی اور مرکز و نقل کائنات حضرت علیؑ علیہ السلام تھے

سورہ زلزال کے سلسلے میں احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں جو بتاتی ہیں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام ہی وہ انسان ہیں جن سے زمین اپنی سرگزشت بیان کرے گی۔ چنانچہ کتاب الخراج میں جناب امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جب جناب امیر المؤمنین کے سامنے سورہ زلزال پڑھی گئی تو آپؑ نے فرمایا کہ:

”الانسان“ میں ہوں اور مجھ ہی سے زمین اپنی تمام خبریں بیان کرے گی۔ اور علل الشرائع میں تمیم ابن حاتم نے بیان کیا ہے کہ ہم حضرت علیؑ علیہ السلام کے ساتھ بصرہ شہر جا رہے تھے۔ راستے میں زلزلہ آیا تو آپؑ نے زمین پر اپنا ہاتھ مار کر فرمایا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس پر زلزلہ رک گیا۔ اس کے بعد ہم لوگوں سے فرمایا کہ اگر یہ وہ زلزلہ ہوتا جو سورہ زلزال میں مذکور ہے تو زمین بھی مجھ سے باتیں کرتی، لیکن یہ وہ زلزلہ نہ تھا۔ کتاب الوحدت میں چھ عدد قریشی راویوں کے سلسلے نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ مدینہ کے قبرستان میں زلزلہ محسوس ہوا اور جس سے مدینہ بھی ہلنے لگا۔ خلیفہ دوم اور اُن کے مقرب صحابہ نے دعائیں کیں لیکن زلزلہ بڑھتا گیا اور اہل مدینہ گھروں سے باہر نکل آئے۔ چنانچہ حضرت عمر نے حضرت علیؑ علیہ السلام کو بلایا اور صورت حال کی شدت پر اپیل کی۔ حضورؐ نے منتخب بدری صحابہ کو اپنے آگے پیچھے چلنے کا حکم دیا اور قبرستان بقیع کے درمیان پہنچ کر زمین پر پیر مارا اور فرمایا کہ تجھے کیا ہو گیا؟ زمین تھم گئی زلزلہ ختم ہو گیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے مجھے آج کی خبر بھی دی تھی۔ پھر سورہ زلزال پڑھ کر فرمایا کہ اگر یہ وہ زلزلہ ہوتا تو زمین اپنے تمام دینے میرے سامنے نکال کر پیش کر دیتی۔“ (خلاصہ روایت کتاب التوحید)

8- قریشی سازش اور سازشی تصورات کو نظر انداز کر کے آپؑ سورہ زلزال کے الفاظ کی حدود میں محدودہ کر سورہ کا مطلب اور مقصد اپنے طور پر سمجھیں

یہاں سے ہم چاہتے ہیں کہ قارئین، سورہ زلزال کے الفاظ کے ساتھ ساتھ چلیں اور الفاظ سے جو مطلب و مقصد نکلتا ہو اس تک محدود رہیں۔ اور اُن تمام تصورات کو جھٹک دیں جو آج تک قریشی سازش اور پروپیگنڈے نے پھیلانے اور دماغ میں راسخ کئے ہیں۔ اور یہ سمجھ کر ابتدا کریں کہ اس سورہ میں قیامت کا نہ لفظ ہے نہ کوئی ایسا قرینہ ہے جس سے قیامت مراد لینا لازم ہو جائے۔ ساتھ ہی نہ کہیں صورت پھونکنے کی بات ہوئی ہے جو قیامت کے تذکرہ میں اکثر مذکور ہوتا ہے۔ جس بات سے قیامت کا دھوکہ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے سورہ زلزال میں اعمال دکھانے اور

چھوٹی سے چھوٹی برائی اور بھلائی سامنے لے آنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اُس ذہن کیلئے اللہ کا یہ بیان کافی ہے جو قریشی سازش سے تیار ہوا ہو۔ اس لئے کہ قریشی پالیسی میں ضروری رہا ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں اعمال کا ذکر ہوا یا جزا و سزا کی بات ہوئی یا لوگوں پر مواخذہ اور باز پرس کا مقصد بیان ہوا انہوں نے فوراً قیامت قیامت کا شور مچا دیا اور ایسی ہر بات کو قیامت میں واقع ہونے والا کہہ کر عظیم ترین حقائق کو قیامت کے پردہ میں چھپا دیا ہے۔ اور اُن کی یہ ترجمانی اور تفسیر چودہ سو سال سے برابر، مسلسل جاری رہتی چلی آئی ہے اور ماشاء اللہ شیعہ مجتہدین نے بھی ایک ہزار سال سے قریش کی ہاں میں ہاں ملانا، اُنکے قدم بقدم چلنا اور تائید کرنا اختیار کئے رکھا ہے لہذا عوام الناس کو اس باطل ترجمانی اور تفسیر کے خلاف کوئی خیال آ ہی نہ سکتا تھا۔ لیکن ہم دکھائیں گے، اور اپنی تفسیر میں دکھا چکے ہیں کہ قریش نے لفظ قیامت اور روزِ آخر اور یوم معلوم اور اَلْسَاعَة اور یَوْمُ الْفَصْلِ وغیرہ الفاظ کو قیامت بنا کر فریب دیا ہے۔ اور فریب اس لئے دیا ہے کہ اُن کا اختیار کردہ اسلام، اُنکی بنائی ہوئی قومی حکومت و خلافت اور اُن کی تیار کردہ تاریخ و تفسیر برحق ثابت ہو جائے اور حضرت علیؑ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام اپنے قرآنی اور اسلامی مقام سے محروم ہو جائیں اور اسلام کی حقیقی تعلیمات کبھی سامنے نہ آسکیں اور اگر کوئی کوشش کرے تو وہ اُسی طرح مضحکہ اور بے نتیجہ ہو کر رہ جائے جس طرح آج تک نام نہاد شیعہ علماندق بنے ہوئے ہیں۔ بہر حال ہم قریشی چالاکیوں کو ذرا دیر بعد واضح کر کے قارئین کو اس دھوکے سے نکالیں گے۔ یہاں تو یہ دیکھ لیں کہ سورہ زلزلا قیامۃ، روزِ آخر، یوم الفصل اور صور وغیرہ کا ذکر کئے بغیر یہ بتا رہی ہے کہ:

”زمین کو ہلایا جائے گا۔ یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ زمین کو ہلانے والا کون ہوگا؟ بہر حال پھر فرمایا کہ زمین اپنے تمام اثقال خارج کر دے گی۔ اور یقیناً زلزلے یا ہلانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ زمین سے اثقال نکال لئے جائیں۔ پھر فرمایا کہ زمین کو حالت زلزلہ میں دیکھ کر ایک مخصوص انسان زمین سے دریافت کرے گا کہ اُسے کیا ہو گیا ہے؟ آیت میں الفاظ یہ ہیں کہ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا آیت کا یہ جملہ واضح نہیں کرتا کہ وہ مخصوص انسان براہ راست زمین سے سوال کرے گا یا کسی ایسے مخصوص انسان سے دریافت کرے گا جو زمین کے ہلانے کا سبب جانتا ہو۔ یا یہ کہ وہ مخصوص انسان اللہ سے دریافت کرے گا؟ اس لئے کہ اگر زمین سے دریافت کرتا تو یہ کہتا کہ ”تجھے کیا ہو گیا ہے؟ یعنی مَا لَهَا؟ کہتا۔ پھر جملہ میں اللہ کا لفظ ہے ہی نہیں کہ ہم اللہ سے سوال سمجھیں۔ اب یا تو یہ سمجھنا ہوگا کہ وہ مخصوص شخص کسی کو زمین کے ہلنے اور ہلانے کا قصہ سن رہا ہے کہ ”جب زمین ہلنے لگی یا جب زمین کو زلزلہ آیا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ اُسے کیا ہو گیا ہے؟ ایسے اطلاعی جملے میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ”جب زمین ہلنے لگی تو میں نے اُس سے پوچھا کہ ”اُسے کیا ہو گیا ہے“ یعنی سوال مَا لَهَا اُسے کیا ہو گیا ہے، دونوں طرح صحیح ہے۔ قصہ سناتے ہوئے بھی صحیح ہے اور براہ راست دریافت کرنے میں بھی صحیح ہے جبکہ اطلاع دینا مقصود ہو۔ یعنی اللہ قرآن کے قاریوں کو اطلاع دے رہا ہے کہ جب زمین کو ہلایا جائے گا تو کہہ گا کہ وہ اپنے تمام اثقال خارج کر دے تو زمین کو حرکت میں دیکھ کر ایک مخصوص اور زمین کی حرکات و سکنات پر ذمہ دار بنایا ہوا انسان زمین سے دریافت کرتے ہوئے کہے گا کہ ”اُسے کیا ہو گیا ہے جو حرکت میں آگئی ہے؟ چنانچہ اُس روز زمین اُس مخصوص شخص کو اپنے حالات و سرگزشت پر مطلع کرے گی اور یہ اس لئے کہ اے محمدؐ زمین کو اللہ نے بذریعہ وحی اُس متعلقہ و مقررہ مخصوص شخص کو اپنے حالات و سرگزشت سنانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ اور اُس روز مخصوص لوگ اپنی مختلف حالتوں میں صادر ہوں گے تاکہ وہ لوگ اپنے اعمال کو دیکھیں اور اُن کے اعمال میں سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی برائی یا بھلائی ایسی نہ رہ جائے جس کا دکھایا جانا دکھائے جانے کے مقصد میں ضروری ہو۔“

قارئین یہاں بھی اور قرآن کی ترجمانی میں ہر جگہ بھی یہ قاعدہ یاد رکھیں کہ ترجمہ یا تفسیر میں اُسی حد تک جائیں جس حد تک قرآن میں اللہ

کے نازل کردہ الفاظ لے جائیں یا جس حد تک الفاظ میں گنجائش ہو۔ یعنی اپنی جانب سے یا کسی مترجم کی جانب سے کوئی اضافہ نہ خود کریں نہ قبول کریں۔ اگر آپ نے اس قاعدے پر عمل کیا تو قریش کا فریب کھل کر حقیقتِ قرآنی سامنے آکھڑی ہوگی اور آیات میں کہیں گنجلک یا خامی نہ ملے گی۔ چنانچہ اس سورہ زلزال کو دوبارہ پڑھیں اور ہمارا یا کسی اور کا ترجمہ دیکھیں اور نوٹ کریں کہ یہاں ”تمام انسانوں“ کا صادر ہونا مذکور نہیں ہے۔ یعنی یَصْذُرُ النَّاسُ جَمِيعًا نہیں فرمایا گیا ہے۔ اور نہ ہی صادر ہونے والے لوگوں کو اُن کے ”تمام اعمال“ دکھانا مذکور ہے۔ یعنی ”لَيَرَوْنَ اَعْمَالَهُمْ جَمِيعًا“ نہیں فرمایا گیا ہے۔ اور نہ مودودی ہی نے اپنے ترجمہ میں تمام انسانوں کا یا پوری نوع انسان کا صادر ہونا لکھا ہے اور نہ انہوں نے تمام اعمال کا دکھایا جانا لکھا ہے۔ لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علامہ کا ترجمہ ہماری تائید کرتا ہے۔ اور اُس کی رُو سے بھی سورہ زلزال میں جس دن کی بات ہو رہی ہے وہ قیامت کا دن نہیں ہے۔ اس لئے کہ قیامت میں تو پوری نوع انسان کا حشر و نشر ساری دنیا میں مسلمات میں سے ہے۔ لہذا علامہ کا اپنی تشریحات اور تفسیر میں سورہ زلزال میں مذکور دن کو قیامت کا دن قرار دینا باطل اور فریب ہے اور اللہ اور سورہ زلزال پر خود ساختہ تہمت و افتراء ہے اور یہ عین قریشی پالیسی کے مطابق ہے۔ بہر حال ہمارے ترجمہ اور بیان سے اور مودودی کے ترجمہ سے یہ ماننا اولین اور پہلی بات ہے کہ سورہ زلزال میں مذکور واقعات قیامت سے پہلے وقوع میں آئیں گے اور اُن کا وقوع میں آنا نہایت ضروری ہے۔

دوسری حقیقت جو سورہ زلزال میں نوٹ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کو اُن کے کچھ اعمال دکھائے جائیں گے۔ اور یہ کہ دکھائے جانے والے اعمال میں کچھ بُرے اعمال ہوں گے، اور کچھ بھلے اعمال ہوں گے اور کچھ بہت ہی چھوٹے اعمال ہوں گے۔ اور ضروری ہے کہ یوں اعمال دکھائے جانے کا کوئی معقول و مفید مقصد بھی ہونا چاہئے۔ جس کے لئے ہم فی الحال یہ کہہ کر آگے بڑھتے ہیں کہ بظاہر سورہ میں وہ مقصد مذکور نہیں ہے۔ یا یہ کہ ابھی قارئین کے دماغ میں قریش کی اڑائی دُھول اور گرد و غبار باقی ہے۔ اُس کے صاف ہوتے ہی انہیں وہ مقصد اپنی آنکھوں سے نظر آنے لگے گا۔ لہذا پہلے ہم پر لازم ہے کہ آپ کے ذہنوں سے وہ گرد و غبار دُور کریں۔

9۔ اللہ نے قرآن کریم میں اپنے بیانات و مقاصد بڑے واضح الفاظ و انداز میں پیش فرمائے ہیں مگر صاحبانِ قرآن کو الگ کرنے سے قرآن ناکارہ ہو گیا۔ قرآن کریم سے قیامت اور جزا و سزا اور حساب کی حقیقت کو واضح کاف الفاظ میں سمجھنے کے لئے چند بنیادی مسلمات کو سامنے رکھنا ہوگا۔ جن میں سے ایک تو وہی ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا تھا۔ یعنی یہ کہ جسے قیامت کہتے ہیں وہ پوری نوع انسان سے باز پرس کا دن یا دور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

(الف) قیامت چند انسانوں کی قیامت نہیں بلکہ از آدم تا خاتم انسانوں کی قیامت ہے

يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا..... الخ (سورہ انعام 6/128)

مودودی ترجمہ: ”جس روز اللہ ان سب لوگوں کو گھیر کر جمع کرے گا، اُس روز وہ چٹوں سے خطاب کر کے فرمائے گا کہ ”اے گروہ جن، تم نے تو نوع انسانی پر خوب ہاتھ صاف کیا۔“ انسانوں میں سے جو اُن کے رفیق تھے وہ عرض کریں گے پروردگار! ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے کو خوب استعمال کیا ہے، اور اب ہم اُس وقت پر آپہنچے ہیں جو تو نے ہمارے لئے مقرر کر دیا تھا۔“ (آیت 6/128 تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 580)

اُن کے جواب میں مسلسل اسی آیت (6/128) میں اللہ نے فرمایا کہ:

قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَلِيدِينَ فِيهَا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (6/128)

مودودی ترجمہ: ”اللہ فرمائے گا ”اچھا اب آگ تمہارا ٹھکانا ہے، اس میں تم ہمیشہ رہو گے۔“ اُس سے بچیں گے صرف وہی جنہیں اللہ بچانا چاہے گا، بے شک تمہارا رب دانا اور علیم ہے۔“

یہاں اور آنے والے تمام قرآنی بیانات میں قارئین نے یہ نوٹ کرنا ہے کہ علامہ مودودی کے ترجموں کی رُو سے بھی قیامت ساری نوع انسان سے باز پرس کا دن ہے نہ کہ چند لوگوں سے اور یہ کہ قیامت میں لوگوں کا حشر ہوگا یعنی انہیں گھیر کر لایا جائے گا نہ کہ وہ خود بخود صادر ہوں گے اور صادر بھی مختلف حالات و احوال میں ہوں گے۔ (الزلزال 99/6)

دوسرا بیان: وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا..... الخ (سورہ سبأ)

مودودی: اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا ”کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 208)

یہاں بھی لفظ جمیعاً فرما کر پوری نوع انسان کا محشور ہونا بتایا گیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ ہم آیت کا ضروری حصہ مگر مودودی کا ضروری ترجمہ ضرور لکھتے جائیں گے تاکہ قارئین قیامت کی ہمہ گیری اور مودودی اور قریشی فریب کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اور جب مودودی یا کوئی اور شخص قیامت کو محدود کرے یا کسی محدود حالت کو قیامت قرار دے تو آسانی سے پکڑا جاسکے۔ جیسا کہ سورہ زلزال کے متعلق بیان ہوا کہ نہ وہاں لفظ قیامت ہے نہ صور پھونکنے کی بات ہے نہ کہیں حشر کا لفظ آیا نہ جہنم و جنت مذکور ہوئے مگر قریشی محاذ نے سورہ زلزال کو قیامت بنا دیا اور ساری دنیا سے منوا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو جہاں قیامت کی بات کرتا ہے وہاں تفصیل اگر نہ بھی ہو تو کوئی نہ کوئی ایسا کلیدی لفظ فرما دیتا ہے جس سے قیامت واضح ہو جائے بہر حال سنتے چلیں یہاں تک کہ تھک جائیں اور قرآنی تفصیلات پر یقین ہو جائے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:

تیسرا بیان: وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ..... (انعام 6/22)

مودودی ترجمہ: ”جس روز ہم اُن سب کو اکٹھا کریں گے اور مشرکوں سے پوچھیں گے کہ اب وہ تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریک کہاں ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 530)

پھر معلوم ہوا کہ حشر و نشر کا دن ہی قیامت کا دن ہوگا جس دن لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا نہ کہ وہ خود صادر ہوں گے۔ اور لفظ جمیعاً کلیدی لفظ ہے۔

چوتھا بیان: وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ..... الخ (یونس 10/28، تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 281)

مودودی: ”جس روز ہم اُن سب کو ایک ساتھ (اپنی عدالت میں) اکٹھا کریں گے، پھر اُن لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ہے کہیں گے کہ ٹھیر جاؤ تم بھی اور تمہارے بنائے ہوئے شریک بھی، پھر ہم اُن کے درمیان سے اجنبیت کا پردہ ہٹا دیں گے۔“

اللہ کا پانچواں بیان: يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ (طہ 20/102)

مودودی کا ترجمہ: ”اور قیامت کے دن اُن کے لئے (اس جرم کی ذمہ داری کا بوجھ) بڑا تکلیف دہ بوجھ ہوگا، اُس دن جبکہ صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اس حال میں گھیر لائیں گے کہ اُن کی آنکھیں (دہشت کے مارے) پتھرائی ہوئی ہوں گی۔“ (طہ 20/101-102، تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 122)

چھٹا بیان: وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ وَ كُلُّ اتَّوَّاهٍ خَيْرِينَ ۝

مودودی کا ترجمہ: ”اور کیا گزرے گی اُس روز جب کہ صور پھونکا جائے گا اور ہول کھا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ اُس ہول سے بچانا چاہے گا۔ اور سب کان دبائے اُس کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔“
(نمل 27/87 تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 606)

قارئین اللہ کے ان بیانات اور مودودی کے ترجموں سے تھکنے کے بجائے اس تصور و یقین کو مستحکم کرتے جائیں کہ قیامت ہمہ گیر باز پرس کا نام ہے۔ تاکہ کسی محدود و مشروط باز پرس کو قیامت کہہ کر تمہیں دھوکا نہ دیا جاسکے۔

ساتواں بیان: یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اِنْسَانٍ بِاِمَامِهِمْ فَمَنْ اٰخِ... (بنی اسرائیل 17/71)

مودودی ترجمہ: ”پھر خیال کرو اُس دن کا جب کہ ہم ہر انسانی گروہ کو اُس کے پیشوا (امام۔ احسن) کے ساتھ بلائیں گے اُس وقت جن لوگوں کو اُن کا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا گیا وہ اپنا کارنامہ پڑھیں گے۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 631 و صفحہ 632)

یہ تصور بھی ذہن میں راسخ ہو جانا چاہئے کہ قیامت میں اعمال نامہ کے بغیر باز پرس نہ ہوگی۔

آٹھواں بیان: یَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۔۔۔ (المطففين 6-83/5)

مودودی کا بیان: ”ایک بڑے دن یہ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں؟ اُس دن جب کہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔“
(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 280)

یہاں نوٹ کریں کہ آیات میں لفظ کُل ہے نہ جَمِيعًا ہے مگر مودودی نے یہاں خود ہی ”سب لوگ“ لکھ دیا ہے۔ تاکہ لوگوں کو عادت رہے اور الفاظ کُل اور جَمِيعًا کی پرواہ دماغ سے جاتی رہے۔ اور مولانا لوگ جو چاہیں لکھتے رہیں۔ اور تفہیم القرآن سے اگر ہم ایسی مثالیں لکھیں تو سو صفحات کالے ہو جائیں۔ اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ سینکڑوں آیات ایسی ہیں جہاں الفاظ موجود ہیں اور مودودی نے ترجمہ غائب کر دیا اور سینکڑوں جگہ ایسی ہیں جہاں آیات میں الفاظ موجود نہیں مگر مودودی نے ترجموں میں اپنی جیب خاص سے اُردو کے الفاظ بڑھا کر لکھ دیئے ہیں۔

نواں بیان: هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمْعَكُمْ وَاَوَّلِيْنَ ۝ (المُرْسَلَت 77/38)

مودودی: ”یہ فیصلے کا دن ہے ہم نے تمہیں اور تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو جمع کر دیا ہے،“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 215)

نوٹ کریں کہ یوم الفصل بھی قیامت ہی کو کہا گیا ہے۔

دسواں بیان: اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي السُّورِ فَنَاتُونَ اَفْوَاٰجًا ۝ (النبا 18-17/78)

مودودی ترجمہ: ”بے شک فیصلے کا دن ایک مقرر وقت ہے جس روز صور میں پھونک مار دی جائے گی تم فوج در فوج نکل آؤ گے۔“
(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 228)

قارئین اللہ کے ہر بیان میں قیامت واقع ہونے پر کھلا اور واضح نقشہ دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔ ہر جگہ یہ فیصلہ سامنے آ رہا ہے کہ قیامت میں ساری نوع انسان حاضر ہوگی اور یہ کہ تمام لوگوں کو گھیر کر یعنی جبراً لایا جائیگا اور یہ کہ قیامت کا دن اور وقت مقرر ہے۔ لہذا قارئین نوٹ کر لیں کہ جہاں مودودی یا قریشی بیان قرآن کی ان تھیتوں کی موجودگی کے بغیر واقعات کو قیامت کے واقعات قرار دے تو وہ فریب ہوگا۔

اللہ کا گیارہواں بیان: یَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ (القارعة 101/4)

مودودی: ”وہ دن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ برنگ کے ڈھنکے ہوئے اُون کی طرح ہوں گے۔ پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔“ (7 تا 101/4 تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 435)

نوٹ کریں کہ لوگوں کا پروانوں کی طرح بکھرے ہوئے ہونے کے ہرگز وہ معنی نہیں ہو سکتے جو سورہ زلزال میں ”متفرق احوال میں صادر ہوں گے“ کے ہوتے ہیں۔ پھر سورہ زلزال میں اعمال کا تولا جانا اور ترازو کے پلڑوں کا ہلکا اور بھاری ہونا بھی مذکور نہیں ہے۔ نہ صور کے پھونکنے جانے کی بات ہوئی ہے۔ اس سب کے باوجود مودودی نے اس سورہ کو اُن حوالوں میں لکھ دیا ہے جن سے وہ قیامت میں تمام نوع انسان کی حاضری ثابت کرتے ہیں سنئے:

”اُس دن نوع انسان کی اگلی پچھلی تمام نسلیں جمع کر دی جائیں گی۔ 215-240-280-423 (چھٹی جلد کی فہرست صفحہ 637)

یہ صفحہ 423 کا حوالہ سورہ زلزال ہی کے لئے دیا ہے۔ یعنی علامہ اپنے قارئین کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ سورہ زلزال میں بھی ”نوع انسان کی اگلی پچھلی تمام نسلوں کو باز پرس کے لئے حاضر کرنے کی بات ہے۔“ اس سے کھلا فریب اور کیا ہو سکتا ہے؟

قرآن کا بارہواں بیان: وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَٰلِكَ يَوْمَ الْوَعِيدِ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ (50/20-21)

مودودی کا اقرار: ”اور پھر صور پھونکا گیا، یہ ہے وہ دن جس کا تجھے خوف دلایا جاتا تھا۔ ہر شخص اس حال میں آ گیا کہ اُس کے ساتھ ایک ہانک لانے والا ہے اور ایک گواہی دینے والا ہے۔“ (سورہ ق 21-50/20 تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 117-118)

قارئین آئندہ قیامت کے تصور میں، صور پھونکنے جانے، اور تمام انسانی نسلوں کے حاضر ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا اور اضافہ کر لیں کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت خاتم تک انسانوں کی جولا تعداد کثرت ہوگی اُس سے دو گنا تعداد اُن کے ساتھ ہانکنے والوں اور گواہی دینے والوں کی ہوگی۔ یعنی قیامت کا لفظ سنئے ہی سننے والوں کے ذہن میں ایک ایسا انبوہ اور اثر دھام بھر جانا چاہئے کہ جو دماغ و عقل میں کسی اور چیز کے سامنے کی جگہ نہ چھوڑے مگر ”يُضِدُّ النَّاسُ اَشْتَاتًا“ سُن کر تو ذہن بالکل خالی رہتا ہے۔ ایک ایک آدمی کا خود بخود، مختلف و منتشر حالت میں نکل نکل کر آنا تو دوسرے آدمی کی آمد و صدور تک آنکھوں اور دماغ کو منتظر و خالی رکھتا ہے۔ حالانکہ قیامت میں تو انسان کیڑوں، ہڈیوں اور پروانوں کی طرح بکھرے ہوئے ہوں گے جو نہ صرف زمین پر بلکہ دماغ پر بھی چھا جائیں گے جیسا کہ:

تیرھواں بیان: جس میں اللہ اور صور کے علاوہ کوئی اور مخصوص دعویٰ تمام نوع انسان کو ناپسندیدہ صورت حال پر بلائے گا اور وہ سہمے ہوئے اُس کے حضور حاضر ہوں گے

(الف) اس قرآنی بیان میں بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کو قائم کرنے والا یعنی قائم قیامت علیہ السلام تمام نوع انسان کو حاضری کا حکم دے گا اور اُس کے اعلان پر تمام انسان خوفزدہ حالت میں اُس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ سنئے اور نوٹ کیجئے:

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلَى شَيْءٍ نُّكِرٍ ۝ خَشَعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَانْتِهِمْ جَرَادًا مُّنتَشِرًا ۝
مُهِطِعِينَ اِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكٰفِرِيْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝ (تمر 8/54)

مودودی کا اقبالی ترجمہ: ”پس اے نبی اُن سے رُخ پھیر لو، جس روز پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا، لوگ سہمی ہوئی نکاہوں کے ساتھ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔ پکارنے والے کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے۔“

(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 232)

(ب) ان آیات (6 تا 54/8) پر مودودی کی تصدیق کے ساتھ ہماری تشریح کہ اللہ نے اپنی طرف رجوع کرنے سے ہر جگہ اپنے آخری نائب کی طرف رجوع فرمایا ہے

قارئین نے مودودی کے ترجمہ میں یہ دیکھ لیا کہ مودودی نے لفظ ”الداع“ کا نہ ترجمہ تبدیل کیا اور نہ اُس ”پکارنے والے“ کو اللہ قرار دیا۔ یعنی یہ مان لیا کہ وہ ”پکارنے والا“ اللہ کے علاوہ کوئی اور شخص ہوگا۔ اور یہ بھی مان لیا کہ اُس ”پکارنے والے“ کے بلانے میں اتنی طاقت و قدرت ہوگی کہ ساری نوع انسان قبروں سے نکل نکل کر خوف زدہ اور سہمی ہوئی حالت میں دوڑتی ہوئی اُس پکارنے والے کے حضور میں حاضر ہو جائے گی۔ یہ سب کچھ مان کر مودودی نے اپنی تشریح میں یہ بھی مان لیا ہے کہ اس آیت (54/6) میں اور باقی آیات (8-54/7) میں اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریش کو مخاطب کرایا ہے، سنئے:

علامہ کی تشریح میں قریش مخاطب ہیں

”5 بالفاظ دیگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو جب انہیں زیادہ سے زیادہ معقول طریقے سے سمجھایا جا چکا ہے، اور انسانی تاریخ سے مثالیں دے کر بھی بتا دیا گیا ہے کہ انکار آخرت کے نتائج کیا ہیں اور رسولوں کی بات نہ ماننے کا کیا عبرت ناک انجام دوسری قومیں دیکھ چکی ہیں، پھر بھی یہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے، تو انہیں اسی حماقت میں پڑا رہنے دو۔ اب یہ اسی وقت مانیں گے جب مرنے کے بعد قبروں سے نکل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ وہ قیامت واقعی برپا ہوگئی جس سے قبل از وقت خبردار کر کے راہِ راست اختیار کر لینے کا مشورہ انہیں دیا جا رہا تھا۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 232)

علامہ کی اس تشریح سے واضح اور ثابت ہو گیا کہ مندرجہ بالا آیات کے مخاطب قریش تھے۔ اور قریش سے کہا گیا ہے کہ ”تمہیں بھی باقی نوع انسان کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص پکارنے والے کے روبرو خوفزدگی اور سہمی ہوئی حالت میں اور پتھرائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ (پانچواں بیان) اور کان دبائے (چھٹا بیان) اُس پکارنے والی ہستی کے حضور حاضر ہونا پڑے گا۔ لہذا ان آیات (8 تا 54/6) میں اور مودودی کے ترجمہ اور تشریح میں سوال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ پکارنے والا شخص اللہ نہیں تو اور کون ہے؟ وہ کون ہے جس کی آواز پر تمام اولین و آخرین قبروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے اُس کے حضور میں آجائیں گے؟ وہ کون ہے جس کے حکم سے زمین لاکھوں سال کے گڑے ہوئے مردوں کو نکل جانے میں مدد دے گی؟ وہ کون ہے جس کی آواز سے گلے سڑے جسم اور ہڈیاں از سر نو وہ ساز، صورت اور قوای بن جائیں گے؟ وہ کون ہے جس کے اشارے پر عالم ارواح میں رہتی بستی ہوئی روہیں اپنے اپنے جسم کو پہچان کر داخل ہو جائیں گی اور حساب و مواخذہ کے لئے تیار ہو کر جمع جسم آ موجود ہوں گی؟ ہم عرض کر چکے ہیں کہ وہ ہستی آخری سربراہ کائنات ہیں اور اُس کا نام محمد ہے، وہی قائم قیامت اور امام عصر والزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں وہی نوع انسان پر اسلام کی اور اللہ و قرآن کی موعودہ نعمتیں مکمل کریں گے۔ وہی اس دنیا سے اہلیس و ملک الموت کو رخصت کریں گے اور انسانوں کو اپنے دور میں قیامت ہی زندگی جاوید عطا کریں گے۔ اُن ہی کے تیار کردہ لاکھوں افراد ہوں گے جو قیامت کے صور سے نہ خوفزدہ ہوں گے نہ مرین گے (نمل 27/87 وغیرہ)۔ وہی اللہ کے آخری اعلان یعنی قیامت کو قائم کرنے والے ہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے مواخذہ اور جزا و سزا کے ذمہ دار ہیں۔ وہی خود تمام نوع انسان سے باز پرس کا انتظام فرمائیں گے۔ اس حقیقت کو اگر ہم احادیث معصومین علیہم السلام سے دکھانا شروع کر دیں تو کم از کم سو (100) صفحات کا اضافہ ہو جائے گا۔ اور طول سے بچتے بچتے بھی صرف اٹھائیس خطبوں کی شرح میں تین ہزار (قلمی) صفحات کے آس

پاس پہنچ چکے ہیں۔ حدیثوں کو اختیار کیا ہوتا تو یہاں تک پانچ ہزار صفحات ہو چکتے۔ پھر احادیث میں تو فریقین کھلا اختلاف کرتے ہیں خود سنی علمائے ریکارڈ (بخاری و مسلم وغیرہ) کی احادیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور ہم انہیں اس طرح گھیرنا چاہتے ہیں کہ وہ قرآن کا انکار کریں تاکہ عوام کے نزدیک بھی جہنمی ثابت ہو جائیں، ہم تو یہ پوچھتے ہیں کہ اللہ نے ایک پکارنے والے کا ذکر کیا ہے۔ اور اُس کی پکار کا نتیجہ اور عظمت شان بیان کی ہے اور یقیناً وہ پکارنے والا اللہ نہیں ہے۔ کوئی اور ہے یا وہابی زبان میں یہ کہتے کہ کوئی غیر اللہ ہے، سوال یہ ہے کہ کون غیر اللہ ہے جو قیامت برپا کر کے رکھ دے گا؟ اور ساری نوع انسان اُس کے حضور دوڑتی ہوئی حاضر ہو جائے گی؟ یہاں دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے فریاد میں ہیں یا تو وہ یہ کہیں اور قرآن کی آیات سے ثابت کریں کہ وہ غیر اللہ نہیں خود اللہ ہے یا کسی غیر اللہ کا نام لے کر بتائیں اور ثبوت دیں یا قرآن کی بات کا انکار کریں اور اسلام سے خارج و جہنمی ہو جائیں۔

(ج) اللہ نے اُسی پکارنے والے (الْمُنَادِ) کو منادی کرنے والا (الْمُنَادِ) بھی فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ اس کی آواز ساری مخلوقات تک قریب سے پہنچے گی
اللہ نے تو اُس پکارنے والے کا تعارف اور اُس کی جلالتِ قدران الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

چودھواں بیان:

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ آذْبَارَ السُّجُودِ ۝ وَ اسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادُ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَ نُمِيتُ وَ اِنَّا الْمَصِيرُ ۝ يَوْمَ تَشْفَقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ، ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَ مَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكَرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَ عِيْدِهِ (ق 45 تا 50/39)

مودودی ترجمہ بھی تائید کرتا ہے

”پس اے نبیؐ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اُن پر صبر کرو، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُسکی تسبیح کرتے رہو، طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے، اور رات کے وقت پھر اُس کی تسبیح کرو اور سجدہ ریز یوں سے فارغ ہونے کے بعد بھی۔ اور سنو، جس دن ”منادی کرنے والا“ (ہر شخص کے) قریب ہی سے پکارے گا، جس دن سب لوگ آوازِ حشر کو ٹھیک ٹھیک سُن رہے ہوں گے، وہ زمین سے مُردوں کے نکلنے کا دن ہوگا۔ ہم ہی زندگی بخشتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری طرف ہی اُس دن سب کو پلٹنا ہے جب زمین پھٹے گی اور لوگ اُس کے اندر سے نکل کر تیز تیز بھاگے جارہے ہوں گے۔ یہ حشر ہمارے لئے بہت آسان ہے۔ اے نبیؐ جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں انہیں ہم خوب جانتے ہیں اور تمہارا کام اُن سے جبراً بات منوانا نہیں ہے۔ بس تم اس قرآن کے ذریعے سے ہر اس شخص کو نصیحت کرو جو میری تنبیہ سے ڈرے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 125 تا 128)

مودودی کی تشریح سن لیں تو ہم اپنی بات کہیں: علامہ مودودی اَلْمُنَادِ اور منادی کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

”52. یعنی جو شخص جہاں مرا پڑا ہوگا، یا جہاں بھی دنیا میں اُس کی موت واقع ہوئی تھی، وہیں خدا کے منادی کی آواز اُس کو پہنچے گی کہ اُٹھو اور چلو اپنے رب کی طرف اپنا حساب دینے کے لئے۔ یہ آواز کچھ اس طرح کی ہوگی کہ روئے زمین کے چپے چپے پر جو شخص بھی زندہ ہو کر اٹھے گا وہ محسوس کرے گا کہ پکارنے والے نے کہیں قریب ہی سے اس کو پکارا ہے۔ ایک ہی وقت میں پورے کرۂ ارض پر ہر جگہ یہ آواز یکساں

سنائی دے گی۔ اس سے بھی کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ عالمِ آخرت میں زمان و مکان کے اعتبارات ہماری موجودہ دُنیا کی بہ نسبت کس قدر بدلے ہوئے ہوں گے اور کیسی قوتیں کس طرح کے قوانین کے مطابق وہاں کار فرما ہوں گی۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 127)

(د) **الْمُنَادِیَ الدَّاعِ** ہے اور اُس کی پکار ہی عالم گیر اور زندگی و موت پر قادر ہے۔ وہ صاحبُ الزمان وقت و مکان پر حاوی اور حاضر و محاسب ہے وہ قریشی عالم یا قریش کا نمائندہ ہو ہی نہیں سکتا جو قرآن یا تفسیر قرآن میں گڑ بڑ کئے بغیر گزر جائے۔ ہم علامہ کے ہاتھ کی صفائی اور گڑ بڑ کو فی الحال نظر انداز کر کے اُن کی تسلیم کردہ حقیقتوں سے اپنے سابقہ عنوان کی تائید و تصدیق و تشریح پیش کرتے ہیں چنانچہ مندرجہ بالا آیات (45 تا 50/39) کے الفاظ اور مودودی کے ترجمہ اور تشریح میں پہلی بات یہ دیکھیں کہ ان آیات میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براہِ راست اللہ کے مخاطب ہیں اور بات قریش کی ہو رہی ہے اور بات بھی ایسی ہے جو حضور کو برا فر وختہ اور غضبناک کر نیوالی ہے۔ اُس بات پر صبر و سکون سے رہنے اور پسندیدہ لوگوں سے وہ تذکرہ جاری رکھنے کا حکم ملا ہے جس سے قریش علیحدہ رہنا چاہتے ہیں۔ اور یہ فرما کر قریش کی بات ختم کر دی ہے کہ اُن پر زبردستی اُس تذکرے کو ٹھونسنا مقصود و مطلوب ہے ہی نہیں۔ دوسری بات یہ دیکھیں کہ مودودی کے نزدیک بھی وہ منادی کر نیوالا خدا نہیں ہے بلکہ بقول مودودی ”خدا کا منادی“ ہے یعنی ”غیر خدا“ ہے۔ تیسری بات میں بہت سی باتیں اور حقیقتیں ہیں۔ یعنی اُس المنادی کی آواز روئے زمین کے چپے چپے میں اس طرح پہنچے گی جیسے کہ وہ المناد ہر جگہ ہر چپے پر موجود ہو اور یہ کہ اُس المناد کو زمان و مکان پر قابو و تسلط حاصل ہے وہ ہر جگہ اور بیک وقت موجود ہو سکتا ہے اور ہوگا۔ اور دنیا کے یہ موجودہ قوانین اُسکی راہ میں خارج نہیں ہو سکتے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ ان آیات میں یا مودودی کے ترجمہ میں کہیں یہ بات نہیں کہی ہے کہ المنادی کی آواز میں لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے رب کی طرف اپنا حساب دینے کے لئے چلیں۔ مگر علامہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ ان آیات میں اللہ سے یہ بات رہ گئی کہ ساری نوع انسان کو اپنے رب کی طرف جانا اور حساب دینا ہے۔ اس لئے ترجمہ میں نہ سہی علامہ نے تشریح میں اللہ کی اصلاح کر دی حالانکہ یہ اصلاح اور یہ عقیدہ کہ نوع انسان اللہ کی طرف حساب دینے جائے گی تین طرح باطل ہے اول اس لئے کہ ان آیات (45 تا 50/39) میں یہ فرمایا ہی نہیں گیا کہ منادی لوگوں کو اللہ کی طرف بھیجے گا۔ دوسرے اس لئے باطل ہے کہ اللہ کسی ایک طرف، سمت یا جگہ میں ہے ہی نہیں وہ تو ہر جگہ اور ہر طرف ہے۔ لہذا اللہ کی طرف جانے سے نوع انسان کو ذرات میں تقسیم کر کے ہر ذرہ کو ہر جگہ اور ہر طرف پہنچانا لازم آتا ہے اور اس طرح کوئی ایک انسان پورا پورا جسم و روح سمیت کہیں بھی نہ ہوگا۔ لہذا نہ حساب ہوگا نہ بات چیت ممکن ہوگی۔ تیسرے اس لئے باطل ہے کہ سابقہ عنوان (الف) میں یعنی اللہ کے بیان نمبر 13 میں نہایت سادہ، عام فہم اور واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ:

مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ (القمر 8/54)

مودودی کا ترجمہ: ”پکارنے والے کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 232)

لہذا معلوم ہوا کہ مودودی نے اللہ کی باطل اصلاح کی ہے۔ مگر ہم اُن کی تحریر سے یہ بات مانے لیتے ہیں کہ الدَّاع اور الْمُنَاد ہی ساری نوع انسان کے رب ہیں اور اُن کے حضور حاضری اور اُن کا محاسبہ کر کے آخری فیصلہ کرنا اور نوع انسان کو اُن کے اعمال و عقائد کے مطابق جنت اور جہنم میں دائمی طور پر بھیجنا دراصل اللہ کی طرف رجوع کرنا اور اللہ کا خود حساب لینا اور آخری فیصلہ کرنا کہلاتا ہے۔ اس لئے کہ حقیقی اور ازلی اور تخلیقی حیثیت میں بنائے جانے والے نائبان و مظاہر خداوندی کا ہر کام اللہ ہی کا اپنا کام ہوتا ہے۔

(ہ) محمدؐ مع اپنے اجزائے نورانی یعنی چہادہ معصومین جمع کے صیغے میں اللہ کے ساتھ مذکور ہیں

اور اسی کو ثابت کرنے کے لئے قرآن میں بار بار عموماً اور ان آیات (50/45 تا 39) میں خصوصاً سات مرتبہ اللہ نے واحد و احد و یکتا و یگانہ ہوتے ہوئے جمع کا صیغہ فرمایا ہے یعنی:

(1) اِنَّا (2) نَحْنُ (3) نُحْيِي (4) نُمِيتُ (5) اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ (6) عَلَيْنَا يَسِيْرُ (7) نَحْنُ اَعْلَمُ۔

ان سات میں سے پانچوں جملہ ”ہماری ہی طرف پلٹنا ہے“ کو اَلدَّاع کی طرف پلٹنا مودودی نے یہ ترجمہ کر کے مان لیا ہے کہ ”پکارنے والے کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے“ (54/8)۔ معلوم ہوا کہ اللہ اور مودودی کے نزدیک وہ پکارنے والا شخص اِلَيْنَا ”ہماری طرف“ میں کا ایک فرد ہے۔ پھر چھٹا جملہ عَلَيْنَا يَسِيْرُ ”ہم پر آسان ہے“ میں بھی الدَّاع اور الْمُنَاد داخل ہے اس لئے اُس کی پکار کی قوت سے سب لوگ دوڑیں گے اور پکار دوڑتے ہوئے بھی قریب ہی سے روئے زمین کے چپے چپے پر سنی جائے گی اور اللہ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ اُس پکارنے والے یا منادی کرنے والے کو پکارنے اور ساری نوع انسان کو حاضر کرنے میں کوئی محنت یا دقت پیش آئے گی لہذا وہ اُس ”ہم“ کے مجموعہ کا ایک فرد ہے جس پر ساری نوع انسان کو اکٹھا کر کے گھیر لانا آسان ہے۔ یہی نہیں ساری دنیا کے تمام انسان اُس کی آواز کی تاثیر سے زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے اور دوڑیں گے لہذا وہ ذات پاک اس مجموعہ میں کا ایک شخص ہے جو جملہ نمبر اِنَّا. نَحْنُ. نُحْيِي. نُمِيتُ میں زندگی اور موت پر قادر ہے۔ اُس مجموعہ ”نَحْنُ“ میں اللہ اور اُس کی وہ تمام قوتیں شامل ہیں جو تخلیق کائنات و نظم کائنات اور ربوبیت کائنات کرتی ہیں اور ان قوتوں کے بنیادی مظاہر ہیں محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ اور گیارہ ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اور قائم قیامت علیہ السلام میں وہ قوتیں جمع اور مرکوز ہیں۔ (اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ)

(و) قرآن سے صاحبان قرآن اور شریک قرآن کا مقام جسے قریش نے چھپایا اور شیعہ علما نے مدوکی

یہ ہے قرآن کے الفاظ میں محمدؐ و علیؑ اور اُن کے خاندانہ علیہم السلام کا مقام جسے نبج البلاغہ میں بھی بڑی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ اور جسے چھپانے کے لئے قریش نے اپنی حکومتوں کا سارا زور خرچ کیا۔ اور شیعہ علما نے کبھی قرآن کو اس طرح پیش ہی نہ کیا کہ قریشی فریب کھل سکتا۔ اسی لئے ہم شیعہ علما کو قریش کا طرفدار اور پیرو کہتے ہیں۔

قارئین ہم قرآن سے قیامت کے تشخص اور شناخت کے لئے اللہ کے بیانات اور آیات کا ڈھیر اس لئے لگا رہے ہیں کہ آپ کو قریشی سازش اور فریب سے باہر نکال کر حقیقت سے روشناس کریں۔ مگر اس ہنگامہ آیات میں آپ یہ نہ بھول جائیں کہ ہم حضرت علیؑ علیہ السلام کے اُس جملے کی وضاحت میں یہ سب کچھ لکھ رہے ہیں جس میں حضورؐ نے آنے والے ”کل“ کی تیاری کی نصیحت فرمائی ہے اور دنیا اور آخرت کی آمد و رخصت کا ذکر کیا ہے۔ اور مقام ربانی سے خطبے کے اولین پانچ جملے ارشاد فرمائے ہیں۔

اللہ کا پندرہواں (15) بیان قیامت کا نظارہ اور قیامت کا ضروری سامان:

چنانچہ قیامت کس عظیم الشان صورت حال کو کہنا چاہئے اس پر قرآن سنئے اور اُس سے کم پر کسی واقعہ کو قیامت تسلیم نہ کیجئے، ارشاد ہے کہ:

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٍ بِيَمِينِهِ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نَفَخَ فِيهِ أُخْرٰی فَاذٰهُمْ قِيٰمٌ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِآءَ بِالنَّبِيِّْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ

لَا يَظْلَمُونَ ۝ وَوَقَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝ (زمر 70 تا 39/67)

مودودی ترجمہ برداشت کیجئے: ”ان لوگوں نے اللہ کی قدر رہی نہ کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ (اس کی قدرت کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے دست راست میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ پاک اور بالاتر ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں اور اُس روز صور پھونکا جائے گا اور وہ سب مر کر جائیں گے۔ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے اُن کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا اور یکا یک سب کے سب اُٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔ زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔ کتاب اعمال لا کر رکھ دی جائے گی۔ انبیاء اور تمام گواہ حاضر کر دئے جائیں گے، لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اُن پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ اور ہر تنفس کو جو کچھ بھی اُس نے عمل کیا تھا اُس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اُس کو خوب جانتا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 382-383)

(الف) مودودی کا قیامت کے بیان میں اپنی طرف سے اضافہ کرتے رہنا:

علامہ مودودی نے قرآن کے بیان نمبر چودہ (14) میں ترجمہ تقریباً صحیح کیا تھا۔ اس لئے کہ وہاں اضافہ اور فریب کی گنجائش نہ تھی مگر اپنی تشریح میں اپنی طرف سے المناد علیہ السلام کی آواز میں یہ جملہ لکھ دیا کہ:

”اُٹھو اور چلو اپنے رب کی طرف حساب دینے کے لئے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 127 حاشیہ 52)

حالانکہ قرآن (50/41) میں اور مودودی کے ترجمہ میں نہ یہ جملہ ہے اور نہ یہ بتایا گیا ہے کہ المناد کیا کہے گا؟ یعنی قرآن اور اللہ کے سراپک باطل تصور لگا دیا تاکہ لوگوں کا اللہ اعیا المناد کے حضور میں حاضر ہونا چھپا دیا جائے۔

دوسرا اضافہ اسی تشریح میں یہ کیا کہ: ”جو شخص بھی زندہ ہو کر اُٹھے گا وہ محسوس کرے گا کہ پکارنے والے نے کہیں قریب ہی سے اُس کو پکارا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 127 حاشیہ 52)

اس اضافہ سے علامہ مودودی نے یہ دھوکا دیا ہے کہ لوگ منادی کی آواز سے زندہ نہ ہوں گے بلکہ آواز دینے سے پہلے ہی زندہ موجود ہوں گے اور آواز سنیں گے۔ تاکہ اللہ اع اور المناد کی عظمتِ شان چھپ جائے۔ حالانکہ نہ یہ تصور آیات (45 تا 39/50) میں ہے اور نہ مودودی کے ترجمہ میں ہے۔ معلوم و ثابت ہوا کہ قریشی علماء برابر عوام کو دھوکے دیتے اور قیامت کے حالات میں رد و بدل اور کمی و زیادتی کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ تو سابقہ بیانات میں کیا گیا ہے اب قارئین اس تازہ بیان نمبر 15 کی آیت (39/69) میں صرف الفاظ ”وُضِعَ الْكِتَابُ“ آئے ہیں۔ یعنی ”مخصوص و مکمل کتاب قائم کی جائے گی۔“ مگر مودودی نے اپنی جیب خاص سے اُس ”الْكِتَابُ“ کو اپنے ترجمہ میں کتاب اعمال بنا کر گویا اللہ کو اور عوام کو یہ بتایا کہ ان آیات (67 تا 39/70) میں اعمال ناموں کی خامی رہ گئی ہے لہذا ”الْكِتَابُ“ کا مطلب اعمال نامے ہے۔ یہ ہے مودودی اینڈ قریشی علماء کا طریقہ جس سے وہ قیامت کے واقعات میں رد و بدل، کمی و زیادتی کر کے تصورات کو اپنی پالیسی پر ڈھالتے رہے ہیں۔

(ب) زمین اللہ کے نور سے نہیں بلکہ قائم قیامت کے نور سے دکنے لگی جو اُس وقت زمین کے رب ہیں

قارئین آیت (39/69) میں اس جملے پر غور فرمائیں کہ ”وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا“ زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگی۔ اگر ہم بھی مودودی اینڈ کمپنی کی طرح یہاں اللہ کا نور سمجھ لیں تو ہمیں یہ بھی کہنا ہوگا کہ اُس روز تک یا تو اللہ کو نور حاصل ہی نہ تھا یا یہ کہ اللہ زمین

سے کہیں بہت دور تھا جہاں سے اُس کا نور زمین تک نہ پہنچتا تھا اور یہ دونوں باتیں خالص کا فرانہ ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کا نور تو زمین اور ساری کائنات میں چھایا ہوا اور ہر لمحہ موجود ہے۔ یہ چمکنا اور دکھلنا تو نور محمدی کے ظہور اور خالص زمین پر مرکوز ہوجانے کی وجہ سے ہوگا۔ اور وہ نور ہی حقیقتاً مادی اور قابل مشاہدہ رَبُّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتِ ہے۔ جب تک رب العالمین نہ کہا جائے رب کے معنی جزوی ہوتے ہیں اور یہ لفظ ہر ماں باپ کیلئے (بنی اسرائیل 17/24) اور فرعون کے لئے بھی قرآن میں بولا گیا ہے۔ (یوسف 12/42)

(ج) قیامت کی ضروریات اور انتظامات ذہن میں رکھیں

یہ بات ذرا غور سے پایہ یقین تک پہنچ جاتی ہے کہ اللہ بذات خود نہ کسی ایک جگہ موجود ہو سکتا ہے نہ کسی جگہ سے غائب ہو سکتا ہے۔ اُس کا موجود ہونا ایسا نہیں ہے جیسا ہمارا موجود ہونا ہے۔ لہذا نہ وہ ہماری طرح لوگوں سے سوال و جواب کر سکتا ہے نہ کرتا ہے، وہ بات کرنے ہی کے لئے نہیں (النور 79/5) بلکہ ہر کام کے لئے اپنے قوانین و وسائل و اسباب کو استعمال کرتا ہے۔ لہذا قیامت میں تمام نوع انسان سے الگ الگ محاسبہ کرنے اور اُن کو مجرم ثابت کرنے کے لئے بھی وہ اُن ہستیوں کو استعمال کرے گا جن کا تذکرہ ہو چکا ہے اور جو انسانوں کے سامنے کھڑے ہو سکتے ہیں، کرسی یا تخت پر بیٹھ سکتے ہیں۔ لہذا جیسا کہ عرض کیا گیا کہ جناب قائم قیامت علیہ السلام قیامت کا انتظام کریں گے اور تمام انبیاء و آئمہ و شہداء کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں گے۔ ایک ہمہ گیر کتاب ہوگی جس میں ساری نوع انسان اور اُس کے متعلقات کی تفصیل ہوگی۔ اُدھر تمام انسانوں کے پاس اپنا اپنا اعمال نامہ ہوگا۔ تمام متعلق ملائکہ حاضر اور برسر کار ہوں گے۔ آسمانوں اور زمینوں پر اللہ کا مکمل قبضہ ہوگا۔ یعنی قیامت میں وہ اپنے متعلق ریکارڈ اُمَام کے حضور پیش کرنے کے لئے تیار ہیں گے۔ اسرافیل صور پھونکنے کے اشارے کا منتظر رہے گا۔ اُمَام کے انتظام میں وہ حضرات بھی ہوں گے جو اُن کے دور امامت میں تیار کئے گئے تھے۔ اُن کے انصار بھی ہوں گے اور تمام اسٹاف گوش برآواز رہے گا اور اُن حضرات کی ہر بات اقتضائے عالم تک ہر جگہ پہنچے گی۔ قارئین کا کام یہ ہے کہ آپ قیامت کو ایک ہمہ گیر حقیقت سمجھ کر علماء اور مترجمین کی بات سنیں گے تو آپ کو اُن کے بیانات فریب نہ دے سکیں گے۔ اسی لئے قرآن کریم سے قیامت کا ہر انتظامی پہلو آپ کے سامنے رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ کے بیانات توجہ سے پڑھیں اور آنے والے بیانات سے قیامت کے نقشہ میں اضافہ کرتے چلیں۔

سولھواں بیان:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝ وَإِذَا الْمَوْءَدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۝ (التکویر 14 تا 81/1)

مودودی کا جھکا ہوا ترجمہ: ”جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، اور جب تارے بکھر جائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے، اور جب دس مہینے کی حاملہ اُونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی، اور جب جنگلی جانور سمیٹ کر اکٹھے کر دئے جائیں گے، اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے، اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑ دی جائیں گی، اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس تصویر میں ماری گئی؟ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے، اور جب آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا، اور جب جہنم دکھائی جائے گی، اور جب جنت قریب لے آئی جائے گی، اُس

وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 263 تا 267)

ہم یہاں مودودی کے ترجموں پر بحث اور ان کی غلطیوں کو واضح کرنے میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہمارا مقصد واضح ہے کہ ہم وہ سامان قارئین کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں جو بروز قیامت موجود ہونا چاہئے تاکہ قریشی علما جہاں دل چاہے اور جس صورتحال کو موزوں سمجھیں قیامت نہ کہتے رہیں۔ بہر حال ترجمہ پر اتنا ضرور عرض کر دیں کہ مودودی کے یہاں لفظ ”مَطْوِيَّاتٌ“ کے معنی بھی ”پلیٹنا“ ہیں اور لفظ ”كُوْرَثٌ“ کے معنی بھی ”پلیٹنا“ ہی ہیں۔ حالانکہ ان کے مادے اور مصادر بالکل الگ الگ اور مختلف ہیں اور دونوں کے معنی بھی مختلف ہیں۔ معنی کا یہ اختلاف اور مودودی کی چالاکی دکھانے میں ہمارا بہت وقت لگے گا جو ہمیں عنوان سے دُور لے جائے گا۔ مگر قارئین کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ ہم صحیح کہہ رہے ہیں ایک ایسی بات اور ایک ایسا دھوکا ضرور دکھاتے ہیں جس سے نہ صرف مودودی کا بلکہ تمام شیعہ سنی مترجمین کا دھوکا واضح ہو جائے گا۔

(الف) تمام مترجمین نے جنت و جہنم کو بہت سستی چالاکیوں سے بار بار تبدیل کیا ہے

لہذا وہ وقت یاد فرمائیں جب نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلادینے کا حکم دیتا ہے اور اہل دربار کہتے ہیں کہ:

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۝ (الصَّافَّاتُ 37/97)

مودودی ترجمہ:

”انہوں نے آپس میں کہا ”اس کے لئے ایک الاؤ تیار کرو اور اُسے دھکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 293) یہاں بھی ہمیں قرآن سے اور مثالیں دے کر ان خبیث علما کا پردہ چاک کرنا چاہیے لیکن وقت کم ہے اس لئے صرف اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ مندرجہ بالا قیامت والی آیات میں لفظ ”الْجَحِيمِ“ آیا ہے (81/12) اور نمرود والی آیت (37/97) میں وہی لفظ ”الْجَحِيمِ“ موجود ہے مگر وہاں مودودی نے اس کا ترجمہ جہنم کیا تھا۔ مگر اب اسی لفظ کا ترجمہ جہنم نہیں کیا بلکہ آگ کا ڈھیر ترجمہ کیا ہے۔ بس اتنا نوٹ کر لیں کہ لفظ جحیم کے معنی ہرگز ہرگز جہنم نہیں ہوتے ہیں۔ گزشتہ آیات میں جو آثار و شناخت قیامت کے لئے بتائے گئے ہیں انہیں سامنے رکھیں اور اگلا بیان سنیں:

سترہواں بیان:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْحَةٌ وَاحِدَةٌ ۝ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝
وَأَنْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝ وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَنِيَةٌ ۝ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَذَا مَا أقرءُ وَأَكْتَبِيهِ ۝ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلْقٍ حَسَابِيهِ ۝
فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ (الحَاقَّةُ 99/13-22)

مودودی کا ترجمہ ”پھر جب ایک دفعہ صور میں پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، اُس روز وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا۔ اس دن آسمان پھٹے گا اور اُس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے گی۔ فرشتے اس کے اطراف و جوانب میں ہوں گے اور اٹھ فرشتے اُس روز تیرے رب کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ وہ دن ہوگا جب تم لوگ پیش کئے جاؤ گے، تمہارا کوئی راز بھی چھپا نہ رہ جائیگا۔ اُس وقت جس کا نامہ اعمال اُسکے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ کہے گا ”لودیکھو، پڑھو میرا نامہ اعمال، میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے، پس وہ دل پسند عیش میں ہوگا، عالی مقام جنت میں، جس کے پھلوں کے گچھے جھکے

پڑھے ہوں گے۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 74 تا 76)

ہمیں امید ہے کہ قارئین قیامت کے آثار و سامان و واقعات کی ایک بڑی فہرست بنا رہے ہوں گے۔ یہاں سارا قرآن پیش کرنا مقصود نہیں ہے یہ تو چند اہم مقامات تھے جن کا سامنے رکھنا ضروری تھا اب صرف دو مقامات اور دیکھ لیں تو ہم عنوان تبدیل کریں۔

اٹھارواں بیان

قَالَ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَ لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِئِدِ يَوْمِئِدِ يَحْسُرُ الْمُبْطِلُونَ ۝ وَ تَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَائِيَةً كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا، الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ هَذَا كِتَابُنَا... ۝ (الجماعية 29 تا 45/26)

مودودی کا ترجمہ: ”اے نبی، ان سے کہو اللہ ہی تمہیں زندگی بخشتا ہے، پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہی تم کو اُس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے، اور جس روز قیامت کی گھڑی آکھڑی ہوگی اس دن باطل پرست خسارے میں پڑ جائیں گے۔ اُس وقت تم ہر گروہ (گروہ نہیں اُمت۔ احسن) کو گھٹنوں کے بل گرا دیکھو گے ہر گروہ (گروہ نہیں اُمت۔ احسن) کو پکارا جائے گا کہ آئے اور اپنا نامہ اعمال (نامہ اعمال نہیں اپنی کتاب۔ احسن) دیکھے۔ اُن سے کہا جائے گا: ”آج تم لوگوں کو اُن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔ یہ ہمارا تیار کر لیا ہوا اعمال نامہ (اعمال نامہ نہیں کتاب۔ احسن) ہے جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک شہادت دے رہا ہے (شہادت نہیں تمہارے متعلق باتیں کر رہا ہے۔ احسن) جو کچھ بھی تم کرتے تھے اُسے ہم لکھواتے (لکھواتے نہیں لکھتے۔ احسن) جا رہے تھے۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 591-592)

بس جناب مثالیں یہاں ختم کرتے ہیں اور اللہ کا ایک اصولی بیان اور لکھتے ہیں تاکہ قیامت واقعی ہمہ گیر ہو جائے، سنئے:

اُنیسواں بیان۔ تمام جاندار مخلوقات کو قیامت میں حاضر کیا جائے گا

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ، مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ۝ (انعام 6/38)

یہاں ہمارا ترجمہ ضروری ہے اس لئے کہ قریشی علما اس آیت میں آئی ہوئی تین حقیقتوں کے منکر رہے ہیں۔ اس لئے غلط ترجمہ کرنے پر مجبور ہیں۔ اول یہ کہ وہ اُمت اور اُمت کی جمع اُمت کا غلط ترجمہ کر کے حقیقی مقصد کو چھپا دیتے ہیں دوم وہ لفظ الکتب کو قرآن نہیں بلکہ نوشتہ تقدیر کہہ دیتے ہیں تاکہ قرآن میں کمی اور خامی کی لٹی نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ وہ قرآن کو مکمل کتاب نہیں مانتے۔ سوم یہ کہ وہ قیامت میں باقی جانداروں کو شامل نہیں کرتے، ہمارا ترجمہ پڑھئے:

ہمارا ترجمہ: ”زمینوں پر چلنے یا حرکت میں رہنے والے تمام جاندار اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے تمام پرند و ملائکہ وغیرہ سب تمہاری مثل اُمتیں ہیں۔ ہم نے الکتب یعنی قرآن میں کسی بھی چیز کے بیان کرنے میں کوئی کمی و کسر نہیں چھوڑی ہے۔ پھر مذکورہ جانداروں کو اُن کے پروردگار کی طرف اکٹھا کر کے (محشور) لایا جائے گا۔“

یہ ہے قیامت قرآن کی رو سے جس میں کوئی ذی حیات مخلوق ایسی نہ رہے گی جو میدان حشر میں حاضر نہ ہو اور جس کی مواخذہ میں ضرورت نہ

پڑے۔ اور جس کے بعد کسی کے ذمہ حقوق العباد رہ جائیں اور تمام حقوق اللہ سامنے نہ آجائیں۔ رہ گئی وہ قیامت جو قریشی پالیسی کے ماتحت شیعہ سنی علمائے بیان کی ہے اُس میں حقوق العباد کے تحفظ کا کہیں نام و نشان تو کیا وہم بھی نہیں ہوتا۔ اُس میں انصاف و عدل و جزا و سزا کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ اُس میں امرت دھارا کی طرح ہر عبادت اور ہر نیکی اور ہر جرم و گناہ کا علاج جنت و جہنم بنا دیا گیا ہے۔

10- قریشی قیامت قرآنی تصورات اور وعدوں کی تکذیب کرتی ہے اور عدل و انصاف کا مذاق اڑاتی ہے اور عقل و دانش کا منہ چڑھتی ہے

اللہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا تھا کہ:

وَقَالَ الرَّسُولُ لِرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝

”اور محمد رسول اللہ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار حقیقتاً میری قوم نے اس قرآن کو اپنے اخذ و استنباط سے مجبور کر کے رکھ دیا ہے۔“

(فرقان 25/30) یعنی اس کی راہنمائی سے ہجرت کر کے اپنی راہنمائی کے لئے ایک دوسرا راہنما اختیار کر لیا ہے۔ (نساء 4/60)

اللہ نے جواب میں فرمایا کہ:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيْرًا ۝ (فرقان 25/31)

”جس طرح تمہاری قوم نے کیا ہے اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے جرائم پیشہ لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بنائے رکھے ہیں۔ بہر حال

تمہاری قوم کے عمل درآمد کے مقابلے میں تمہارا رب تمہاری راہنمائی اور نصرت کے لئے کافی ہے۔“

اور اللہ نے قرآن میں یہ آخری فیصلہ بھی رسول کو سنا دیا تھا کہ:

اللہ کا قریش کے متعلق آخری فیصلہ: وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ؛ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ (انعام 6/66)

”اے رسول، تیری قوم نے قرآن کی تکذیب کر دی ہے حالانکہ وہ ہر حیثیت سے حق ہے۔ اُن کو بتا دو کہ میں تمہارے بارے میں تمہاری

وکالت نہ کروں گا۔“

یہ دونوں آیات یہ فیصلہ کر دیتی ہیں کہ قریش نے قرآن کے ہر کلیدی تصور کو تبدیل کر کے اپنا تصور اور عقیدہ قرآن کے نام پر پھیلانا تھا اور یوں قرآن کی تکذیب کرنا تھی۔ چنانچہ انہوں نے قیامت کے تصور کو قطعاً تبدیل کر دیا ذرا سوچئے کہ:

ایک شخص مشرک تھا۔ ساری زندگی مشرک رہا، مشرک مرا مگر اُس نے زندگی بھر نہ کسی انسان کو ستایا نہ کسی کا حق مارا نہ زنا کیا نہ چوری کی الخضر شریفانہ زندگی گزار کر مر گیا۔ قریشی اور قریش کے تیار کردہ شیعہ اور سنی علمایا عوام سے پوچھئے کہ قیامت میں اس کے لئے کیا فیصلہ ہوگا۔ سب بڑے اطمینان اور بلا سوچے سمجھے کہیں گے کہ اُسے جہنم واصل کیا جائے گا اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ (یہی ہمارا جواب ہے) پھر پوچھیں کہ ایک اور مشرک تھا، مشرک رہا، مشرک مرا مگر اُس نے قتل بھی کئے ڈاکے بھی ڈالے اور بدترین مجرمانہ زندگی بسر کی تھی۔ اس کیلئے قیامت میں کیا فیصلہ ہوگا؟ اُن دونوں فریق کے علما کا جواب ہوگا وہ جہنم میں جائے گا اور ہمیشہ وہیں رہے گا۔ (ہمارا جواب یہ نہیں ہے)

اب مومنین کے لئے پوچھیں کہ: ایک مومن نے جان بوجھ کر ایک دوسرے مومن کو بلا خطا قتل کر دیا اور دنیا میں اُسے قتل کی سزا نہ ملی تھی۔ قیامت میں اس کیلئے کیا فیصلہ ہوگا؟ وہ بھی کہیں گے اور قرآن بھی کہتا ہے کہ وہ جہنم میں جائے گا اور ہمیشہ وہاں رہے گا۔ (نساء 4/93) ہمارا بھی یہی جواب ہے۔ پھر پوچھئے کہ:

ایک مومن نے ایک سے زیادہ مومنین کو بلاخطا قتل کیا اور اُس سے دنیا میں کوئی سزا نہ ملی اُس کے لئے قیامت میں کیا فیصلہ ہوگا؟ اُن سب کا جواب جہنم میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

پھر پوچھئے کہ: ایک مومن نے ساری عمر نماز نہ پڑھی تو کیا ہوگا۔ جواب جہنم ہوگا۔ اور

1: ایک مومن نے شریفانہ زندگی بسر کی، احکام خداوندی پر عمل کرتا رہا۔ اُس کا حشر کیا ہوگا؟ جواب جنت ہوگا۔ پھر:

2: ایک مومن نے شریفانہ زندگی بسر کی، احکام خداوندی پر عمل کیا اور مسجد بھی بنوائی تو.....؟ جواب پھر جنت ہے۔

3: ایک مومن نے شریفانہ زندگی بسر کی، مسجد بنوائی، احکام خداوندی پر عمل کرتا رہا۔ اُس کے بچوں کو لوگوں نے مار ڈالا۔ اُس نے صبر کیا

اُس کو لوٹ لیا گیا۔ اُس نے انتقام نہ لیا بلکہ صبر کیا تب.....؟ جنت جواب ہے۔

4: مندرجہ بالا قسم کے مومنین اگر عہدِ رسول کے تھے تب کیا ہوگا؟ جنت جواب ملے گا۔

اس لئے عرض کیا گیا تھا کہ جنت اور جہنم قریشی مذہب کیلئے اُمرت دھارا ہیں یعنی ہر قسم کی اور ہر مقدار کی نیکی اور بدی کی جزا جنت و جہنم ہے۔

(الف) قریشی کے اسلامی نظام میں دنیا کی زندگی میں بھی نہ عدل ممکن ہے اور نہ انصاف ہو سکتا ہے

یعنی قاتل خواہ ایک شخص کا ہو یا بیس کا سزا ہر حال میں پھانسی ہے۔ اور جن کا آدمی قتل ہوا ہے، جو بچے یتیم ہوئے، جو عورت بیوہ ہوئی،

جو ماں باپ بے سہارا ہو گئے، اُن کے لئے اسلامی نظام میں کیا جزا ہے؟ چور کے ہاتھ کاٹ دینے اور قاتل کو پھانسی دے دینے سے تو وہ نقصان پورا

نہ ہوا جو مقتول اور چوری سے متاثر ہونے والوں کو ہوا۔ بات یہ ہوئی کہ ایک شخص کو کسی نے قتل کر کے اُس کے متعلقین کو بے سہارا کر دیا اسلامی نظام

نے قاتل کو پھانسی دے کر ایک اور بے قصور خاندان کو بے سہارا کر دیا۔ اگر یہ انصاف و عدل ہے تو ظلم و جبر کس چیز کا نام ہوگا؟ لہذا ہم نے صحیح کہا کہ

قریشی نظام ہو یا قریشی خدا کی قیامت ہو دونوں جگہ قرآن کی تکذیب ہوتی ہے۔ عدل و انصاف کا منہ چڑایا جاتا ہے۔

11- قرآن کی تکذیب قرآن میں اللہ کے وعدوں کی تکذیب ہے۔ اللہ نے کیا کیا وعدے کئے جن کو پورا کرنا اللہ پر واجب ہے؟

(1) اللہ کا ایک اعلان یا وعدہ: اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو رخصت کرتے وقت فرمایا تھا کہ:

فَاِمَّا يَنْتَظِرُكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿2/38﴾

مودودی ترجمہ: ”پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، اُن کے لئے کسی

خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 68)

اللہ نے اس ابتدائی وعدہ کو قرآن میں بار بار دہرایا ہے۔ (2/62، 2/112، 2/262، 2/274، 3/170، 5/69، وغیرہ وغیرہ)

ہم اور ساری دنیا گواہ ہے اور خود مودودی نے بھی ان مقامات پر چپکے سے گزر کر اپنی گواہی دے دی ہے کہ اللہ کی ہدایات پر لفظ بلفظ عمل

کرنے کے باوجود ہر قسم کا خوف اور ہر قسم کا حزن لوگوں کو پیش آتا رہا ہے۔ ہمارے سامنے محمد و آل محمد صلوة اللہ علیہم کی پوری زندگیاں ہیں نہ اُن سے

زیادہ اللہ کی ہدایات پر عمل کرنے والا کوئی گزرا اور نہ اُن سے زیادہ روح فرسا خوف و حزن کسی اور کو پیش آیا۔ اُن کے لئے اس وقت بھی شیعہ عورتوں

کا ماتم اور نوحہ سُن رہا ہوں جو امام بارگاہ بیت العزا میں شہدائے کربلا کی مجلس پر پراکٹے ہوئے امام کا چالیسواں منارہی ہیں۔ یعنی اُن حضرات پر

ہدایات خداوندی پر عمل کرنے کی وجہ سے جو مظالم ہوئے جو ننھے ننھے بچوں اور خاندانِ رسالت کی مستورات پر خوف و حزن اور شہدائے گزرے اُن پر

آہ وزاری اور نوحہ اور ماتم کرتے ہوئے تیرہ صدیاں گزر گئیں۔ اس نام نہاد قریشی اسلام نے کوئی ایسی صورت بیان نہیں کی جس سے اللہ کے مندرجہ بالا قسم کے وعدوں کے پورا ہونے کی کوئی راہ نکلتی، اور فرمایا کہ:

(2) اللہ کا ایک اور اعلان اور وعدہ: **وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ** (مائدہ 5/56)

مودودی ترجمہ: ”اور جو اللہ اور اُس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنا لے اُسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔“

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 482)

(3) **(اور دوسری آیت) وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ** (صفت 173 تا 37/171)

”..... اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ یقیناً اُن کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔“

(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 313)

یہ خدا کے دو وعدے سامنے رکھیں اور یہ اعلان بھی سنیں کہ:

(4) **أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخٰسِرُونَ** (مجادلہ 58/19)

مودودی ”خبردار ہو، شیطان کی پارٹی والے ہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 365)

قارئین دل پر ہاتھ اور تارنخ پر نظر رکھ کر بلا رور عایت یہ بتائیں کہ آیا امام حسین علیہ السلام کا لشکر اللہ کا لشکر تھا یا نہیں؟ اور یہ کہ آیا حسینؑ اور اُن کے لشکر والوں نے اللہ و رسول کو اپنا ولی سمجھا تھا یا نہیں؟ اور یہ کہ اُن کا مخالف یزید کا لشکر شیطان کا لشکر تھا یا نہیں؟ پھر یہ بتائیں کہ کربلا میں کس کا لشکر غالب رہا؟ حسینؑ کا یا یزید کا؟

ہم تاویلوں کے قائل نہیں ہیں اور ہم اللہ ہو یا رسول ہوں قرآن کے الفاظ کے معنی بدلنے کو باطل کہتے ہیں۔ ہمیں اُن تاویلات سے اس وقت کوئی دلچسپی نہیں جو اس سلسلے میں کی گئی ہیں۔ بعد میں کیا ہوا زین غور نہیں ہے نہ آیات میں بعد کی بات ہے نہ غلبہ کی قسمیں بیان کی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یزید کا لشکر غالب رہا اور ایسا غالب کہ طرفداران حسینؑ کا بچہ بچہ قتل ہوا، پس ماندگان کو لوٹ کر قیدی بنا یا گیا، جلوس کی صورت میں شہروں اور سڑکوں پر پھرا کر ذلیل و رسوا کیا گیا اور ایک سال سے زیادہ قید میں رکھا گیا، لشکر کے تمام افراد کے سروں کو نیزوں پر نمائش کے لئے گشت میں رکھا گیا، اس شکست کو فتح کہنے والے لفظ فتح کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس تباہی کو غلبہ قرار دینے والے اللہ اور اس کے وعدہ کو جھوٹا ثابت کرتے ہیں اور یہ قرآن کی کھلی تکذیب ہے۔ حسینؑ کی فتح تو تباہ ہوتی کہ یزید کی فوج میدان جنگ میں ڈھیر ہو جاتی اور انہیں لٹا جاتا اور اُن کے اہل و عیال کو در بدر پھرایا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ تمام وعدے اور اعلان غلط نکلے۔ اُن کے بعد بھی آج تک یزیدیت و قریشیت کا غلبہ ہے اور شیعوں میں سنیوں میں کہیں حسینؑ کو دربار ہے نہ عمل ہے نہ نظریہ ہے۔ اور اس کے برخلاف چاروں طرف یزیدیت کا غلبہ ہے اور خود یہ ماتم کرنے والے یہ مجالس عزابرا پر کرنے والے شیعہ، خلفاء قریش کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔ بہر حال قریش اور قریش کی پیروی کرنے والوں نے جو قیامت پیش کی ہے اُس میں قاتلان حسینؑ اور شہدائے کربلا کے قتل کرنے والوں کے لئے بھی جہنم ہی ہے جیسا کہ ایک قتل کرنے والے کے لئے جہنم ہے اور حسینؑ اور دیگر شہداء کے لئے بھی جنت ہی ہے۔ رہ گیا جنت میں درجات کی بات تو وہ خود عدل خداوندی پر سبقتی نہیں ہے۔ اور اُس قاعدہ سے غلط ہو جاتی ہے جو اللہ نے بیان کیا ہے کہ جنت میں کسی کو کسی قسم کی تکلیف اور رنج و غم اور تشویش نہ ہوگی اور درجہ کی کمی یقیناً باعثِ رنج و ملال اور مستقل تکلیف ہوگی اور باعثِ تحقیر

بھی ہوگی جو جنتی کے لئے ممنوع ہے۔ لہذا اب قریشی علما کو اللہ کے ایک اور وعدہ کی تکذیب کا مجرم کہنا پڑے گا۔ بہر حال قریشی اسلام میں قرآن کی صرف تکذیب کا سامان ہے (سورہ انعام 6/66)۔ اُن کو چاہئے کہ مندرجہ بالا اور آئندہ آنے والے وعدوں کی تصدیق میں کوئی آیت یا آیات پڑھیں اور دنیا کو بتائیں کہ یوں اللہ کا ہر وعدہ سچ نکلتا ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں اور ہرگز نہ کر سکیں گے تو مان لیں کہ اُن کے اختیار کردہ اسلام اور تفہیم قرآن کی بنیاد، بقول خداوندی (6/66) تکذیب قرآن پر ہے۔

(5) اللہ کا ایک اور وعدہ جھٹلایا گیا

اللہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُنَقَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ

مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (مائدہ 5/33)

مودودی کیا سمجھے: ’جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں اُن کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلا وطن کر دیئے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی تو اُن کیلئے دنیا میں ہے اور آخرت میں اُن کیلئے اس سے بڑی سزا ہے۔‘ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 464-465)

اس ترجمے میں مودودی نے دو جگہ آیت کے حکم کی سنگینی کو ہلکا کرنے والے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اول اللہ و رسول سے جنگ کو ’لڑنا‘ بنایا ہے جو زبانی سخت کلامی تک استعمال ہوتا ہے۔ دوم ’عذاب عظیم‘ کو ’بڑی سزا‘ بنا دیا ہے جو سچ پر کھڑا کر دینے یا کان پکڑوادیئے تک نیچے اتر آتی ہے۔

آیت میں اللہ و رسول سے جنگ دراصل رسول ہی سے جنگ ہے اسلئے کہ اللہ سے جنگ انسانوں کے قابو کی بات ہی نہیں۔ اور ہر معصوم سربراہ اسلام سے جنگ رسول اللہ سے جنگ ہے۔ ورنہ رسول کے انتقال کے بعد یہ جرم اور آیت کا حکم ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ قرآن کا ہر حکم قیامت تک نافذ العمل ہے۔ اب سوچئے کہ خود رسول اللہ سے جنگیں کی گئیں پھر حضرت علیؑ سے جنگ کی گئی اور تمام سربراہان اسلام کو قید و بند میں رکھا گیا، زہر اور تلوار سے قتل کیا گیا، امام حسین علیہ السلام کو مع اُن کے طرفداروں کے قتل کیا گیا۔ لیکن دنیا میں اس قتل عام اور جنگوں اور فساد کرنے کی سزا نہ خلافتِ الہیہ پر قبضہ کرنے والوں اور واقعہ کربلا کی بنیاد رکھنے والوں کو ملی، نہ یزید اور اس کی حکومت کے اہل کاروں کو ملی، نہ بعد کی خلافتوں کے سربراہوں کو ملی۔ حالانکہ اللہ کے وعدہ میں لازم تھا کہ دنیا میں اُن کو قتل و سولی اور قطع اعضا اور جلا وطنی کی سزا ملتی۔ لہذا اس وعدہ اور اعلان اور حکم کا نفاذ نہیں ہوا اور مجرم مرچکے۔ اب یا تو قریشی علما قرآن سے یہ دکھائیں کہ یہ وعدہ فلاں فلاں آیت یا آیات کی رو سے پورا ہو چکا یا قرآن سے دکھائیں کہ قیامت میں اُن تمام مجرموں کو جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر پہلا صورت پھونکنے تک اللہ و رسولوں سے یا اُن کے جانشینوں سے جنگ کرتے رہے یا دنیا میں فتنہ و فساد پھیلاتے رہے، اُن سب کو قیامت میں قتل کیا جائے گا یا پھانسیاں و سولی دی جائے گی اور اُن کے ہاتھ پیر کاٹے جائیں گے اور یوں انہیں پہلے ذلیل و رسوا کیا جائے گا اور اس کے بعد انہیں عذاب عظیم میں مبتلا رکھا جائے گا؟ قریشی علما اب کوئی نیا قرآن بنا نہیں سکتے اور اس قرآن کے اندر قیامت میں ان سزاؤں کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ لہذا یہ ماننے کے قریشی کے اختیار کردہ مذہب میں اور اُن کی تفہیم قرآن میں قرآن کے اس وعدہ کو بھی جھٹلایا گیا ہے۔

(الف) سنگین مجرموں کو دنیا میں بھی سزا دینے اور آخرت میں بھی سزائیں دینے کے وعدے

اب چند مقامات مودودی کے ترجموں کے ساتھ قرآن سے اور دیکھ لیں کہ دنیا میں سزا دیا جانا ضروری ہے تاکہ باقی لوگ جرائم سے باز رہیں اور مظلوموں کو عدل و انصاف سے مطمئن کیا جائے اور سنگین جرائم پر آخرت میں بھی انہیں عذاب دیا جائیگا۔ قرآن سنئے اور قریشی علما کو بھی سنائیے اور یہ بھی نوٹ کیجئے کہ ہم لفظ عذاب کا ترجمہ مودودی کو ’سزا‘ نہ کرنے دیں گے بلکہ عذاب کو عذاب ہی لکھیں گے، سنئے:

(1) دنیا میں عذاب کا ایک وعدہ:

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَعَذَبَهُمُ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ (آل عمران 3/56)

مودودی نے مانا:

”جن لوگوں نے کفر و انکار کی روش اختیار کی ہے انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں سخت عذاب دوں گا اور وہ کوئی مددگار نہ پائیں گے۔“
(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 259)

مودودی اینڈ کمپنی سے پوچھو کہ کروڑوں انسان کفر و انکار کی روش پر چلتے ہوئے مر گئے۔ خصوصاً یزید اور اُس کی حکومت کے تمام افسران و عہدیدار و افواج کفر و انکار و قتل و غارت کی مستقل روش پر قائم رہ کر مر گئے اور اُن کے بزرگ قریش اور اُن کی نسلیں دنیا سے گزر گئیں اُن کو عذابِ خداوندی بلکہ شدید عذاب میں کب مبتلا کیا گیا اور اُن کے ناصرین برابر موجود ہے۔

(2) اور سنئے کہ قریشی مسلمانوں اور اُن کے راہنماؤں کا طرزِ عمل بیان ہو رہا ہے، قریشی راہنما اپنی قوم کو حکم دیا کرتے تھے کہ رسول کا وہ

حکم ماننا جو ہماری اس تفہیم کے مطابق ہو ورنہ بلا انکار کئے بیچ نکلا کرو۔ یعنی

..... يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ، يَقُولُونَ إِنْ أُوتِينَاهُمْ هَذَا فَنُحَدِّثُوهُ وَإِنْ لَمْ نُؤْتُوهُ فَاحْذَرُوهُ، وَمَنْ يَرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ

فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ قُلُوبَهُمْ، لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ، وَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (مائدہ 5/41)

مودودی کا بادلِ ناخواستہ ترجمہ:

”کتاب اللہ کے الفاظ کو اُن کا صحیح محل متعین ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں، اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے

تو مانو نہیں تو نہ مانو (یہ بددیانتی ہے فَاحْذَرُوهُ کے معنی تو حذر کرنا بیچ کر نکل جانا ہیں۔ احسن) جسے اللہ ہی نے فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو

اُس کو اللہ کی گرفت سے بچانے کیلئے تم کچھ نہیں کر سکتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہ چاہا، اُن کے لئے دنیا میں رسوائی

ہے اور آخرت میں سخت سزا۔ (عذابِ عظیم۔ احسن)“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 470-471)

قارئین نے پہچان لیا ہوگا کہ یہ رسول کی وہی قوم ہے جس کے اخذ و استنباط کی حضور نے اللہ سے شکایت کی تھی (فرقان 25/30) جس

نے قرآن کو مجبور کیا تھا۔ یہاں قوم کے راہنماؤں کا طریقہ قرآن نہی اور اپنی قوم کو احکام دینا بھی ثابت ہو گیا۔ یہی وہ طرزِ عمل تھا جس سے سارے

قرآن کو جھٹلا کر اپنے تصور کی تائید کرائی ہے۔ اور جس کا ثبوت سامنے ہے۔ بتائیے قرآن کی تحریف کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کو دنیا میں کب

رسوا کیا گیا؟ وہ تو سب بڑی عزت و احتشام سے دنیا سے رخصت ہوئے تھے؟

(3) قریش کو دنیا میں عذاب دینا ضروری ہے: قریش کو دنیا میں عذاب میں مبتلا کرنے کی ایک پیش گوئی سنیں، ارشاد ہے:

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَرْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝
(توبہ 9/55)

مودودی ترجمہ: ”ان کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ، اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ان ہی چیزوں کے ذریعہ سے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب کرے اور یہ جان بھی دیں تو انکار حق ہی کی حالت میں دیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 202)

ثابت ہوا کہ قریش کو دنیا میں زندگی گزارنے کے دوران اللہ کی طرف سے عذاب میں مبتلا کرنا تھا۔ لیکن قریشی تاریخ کی رو سے قریش کو عذاب نہ ہوا اور وہ اپنی اپنی فطری موت مرتے رہے۔ لہذا دنیا میں عذاب کا یہ وعدہ بھی اللہ کے ذمہ باقی ہے۔ اور قریش کے مذہب میں یہ وعدہ بھی غلط نکلا۔ اور وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ وعدہ پورا ہوا یا نہیں؟ اور ہوا تو کب ہوا؟ یا اب ان کے دنیا سے گزر جانے کے بعد کب اور کیسے صحیح ثابت ہوگا؟ اور قرآن سے یہ بات ہرگز معلوم نہیں ہو سکتی کہ دنیاوی زندگی کے دوران ان کے ہوئے وعدوں کو اللہ قیامت میں پورا کرے گا۔

(4) مودودی نے اپنے بزرگوں کو چھپانے کے لئے کافرؤن کا ترجمہ غلط کیا ہے

چونکہ قریش کو دنیا میں عذاب دینے کی بات ہوئی ہے اور ان کے لئے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ کفر کی حالت میں مریں گے اور چونکہ قریشی علماء کفر اور کافر کے معنی ”منکرِ اسلام“ یا ”منکرِ دین“ کرتے رہتے ہیں اس لئے تمام مسلمان، شیعہ ہوں یا سنی، یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں لفظ ”کافر“ آتا ہے وہاں مسلمان نہ مخاطب ہوتے ہیں نہ وہاں مسلمانوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ تو مومن ہوتے ہیں، خواہ اچھے مومن ہوں، یا بُرے اور گھٹیا درجے کے مومن ہوں؛ بہر حال مسلمان، منکرِ اسلام یا منکرِ خدا اور سول نہیں ہوتے۔ لیکن قریشی علمائے یہ بڑا گہرا اور مسلسل فریب دیا ہے۔ یہ بات خود مودودی کے قلم سے پڑھیں وہ لکھتے ہیں کہ:

(5) کفر کے اصلی معنی مودودی سے: ”161 کفر کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں۔ اسی سے انکار کا مفہوم پیدا ہوا اور یہ لفظ ایمان کے مقابلے

میں بولا جانے لگا۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129)

آپ نے دیکھا کہ لفظ ”کفر“ کے اصلی معنی ”چھپانے“ کے ہوئے تو لفظ ”کافر“ کے معنی خود بخود ”چھپانے والا“ ہوئے اور لفظ ”کافرؤن“ کے معنی ”چھپانے والوں“ ہونا چاہیں نہ کہ ”منکروں“ یا ”نہ ماننے والوں“ کے۔ لہذا اللہ نے اس آیت (9/55) میں یہ فرمایا ہے کہ قریش مرتے دم تک حقیقت کو چھپاتے ہی رہیں گے ہرگز ظاہر نہ ہونے دیں گے۔ اور قریش کا تو مذہب ہی یہ ہے کہ وہ جس طرح ہو سکے حق کو چھپاتے چلے جائیں۔ اسی لئے انہوں نے قرآن کے ہر کلیدی لفظ کے معنی مقررہ و متعینہ مقام سے ہٹا کر دوسرے اور کئی کئی معنی جڑ دیئے اسی لئے قرآن نے ابھی ابھی (سابقہ وعدہ نمبر 2) فرمایا تھا کہ: يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ..... (ماندہ 5/41)

مودودی: ”کتاب اللہ کے الفاظ کو ان کا صحیح محل متعین ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 470-471)

یہی کام مودودی نے کیا ہے۔ یعنی مان کر کہ کفر کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں اسلامی حقیقت چھپانے والوں کو ساری دنیا کی نظروں سے چھپا دیا ہے۔ اور شیعہ اجتہادی علمائے بھی شروع سے کفر و کافر کے قریشی معنی کر کے اپنے حقیقی بزرگوں اور راہنماؤں کو چھپانے میں قریشی علماء کی مدد کی ہے۔

(6) لفظ کفر کے معنی پر مزید روشنی: قارئین یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ عربی زبان میں تین ایسے لفظ ہیں جن کے معنی اُردو میں ”چھپانا“ کر لئے

جاتے ہیں۔ اور وہ تینوں قرآن میں مختلف عربی صورتوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

اول: ”کَمَّ“ سے مضارع کا لفظ یا صیغہ ”يَكْتُمُ“ قرآن میں ہے: رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنَ الِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اٰيْمَانَهُ..... الخ
 مودودی ترجمہ: "آل فرعون میں سے ایک مومن شخص، جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔" (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 405)
 دوسرا لفظ: ”خَفِيَ“ جس سے الفاظ خفیہ اور مخفی وغیرہ بنتے ہیں۔

قرآن: قرآن کریم نے اس لفظ کو بار بار اور کئی صورتوں میں استعمال کیا ہے۔ لہذا ایک مقام دیکھیں جہاں قریش کی اسی خفیہ پالیسی کا ذکر ہو رہا ہے۔ پوری آیت پڑھنے سے قریشی مسلمانوں کا اسلام بھی واضح ہو جاتا ہے۔ ہم صرف لفظ کا استعمال اور معنی دکھا کر آگے بڑھیں گے ارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ يُخْفُونَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَتَلْنَا هٰهٰنَا الخ
 (آل عمران 3/154)

مودودی: ”ان سے کہو“ (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں“ دراصل یہ لوگ (یہ لوگ نہیں یہ قریشی مسلمان۔ احسن) اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے اُن کا اصل (قلبی و قومی اور پوشیدہ۔ احسن) مطلب یہ ہے کہ ”اگر (قیادت کے) اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 296)
 دونوں باتیں واضح ہو گئیں یعنی ادھر یہ معلوم ہو گیا کہ چھپانے کے لئے عربی زبان میں دوسرا لفظ خَفِيَ ہے اور طرح طرح سے قرآن میں استعمال بھی ہوا ہے لہذا علما کو یہ چاہیے تھا کہ وہ الفاظ کے صحیح معنی استعمال کرتے۔ مگر اُنکی پالیسی اور مذہب ہی یہ تھا کہ وہ رسول کے قائم کردہ اقتدار اور حکومت پر قبضہ کر لیں اور انہوں نے اپنی قومی حکومت بنا کر چھوڑی اور اپنی حکومت اور مذہب کو برحق ثابت کرنے اور حقیقت اسلامی کو چھپانے کے لئے قرآن میں معنوی تغیر و تبدل جاری کیا اور اس حق پوشی ہی کو لفظ کفر سے قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

(7) کفر کے معنی کسی چیز یا حقیقت کو اپنے فائدے کے لئے چھپانا ہیں

ہم فی الحال تفصیل میں جانے کا وقت نہیں پاتے صرف اتنا بتاتے ہیں کہ کاشکار عمدہ اناج کو بیج کے لئے محفوظ رکھتا ہے۔ گھر میں تنگی ترشی سے بسر کرتا ہے لیکن فصل بونے اور کئی گنا اناج حاصل کرنے کے لئے اُدھر بیج کو سال بھر چھپائے رکھتا ہے پھر کھیت میں ڈال کر مٹی میں چھپا دیتا ہے اسلئے اللہ نے کسانوں کو کفار فرمایا ہے یعنی عمدہ فصل اور نتیجہ حاصل کرنے کے لئے بیج کو چھپانے والا، سنئے:

قرآن کا اصلی جملہ: كَمْثَلٍ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاٌ تَهُ..... (الحج 57/20)

مودودی: پوری آیت کا ترجمہ سنئے: ”خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتاننا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اُس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو گئے۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 317)

ثابت ہوا کہ واقعی کفر کے معنی حقیقت کو چھپانا ہیں اور کفر یا کافر کے معنی منکر اسلام یا منکر یا انکار کرنا قریشی فریب ہے جو سارے قرآن میں پھیلا یا گیا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ لفظ کفر سے مذہب اور عقیدے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک دیندار بھی کفر کر سکتا ہے اور کافر ہو سکتا ہے۔ ایک

بے دین بھی کفر کر سکتا ہے اور کافر کہلا سکتا ہے۔ اور ایک مسلمان بھی مسلمان رہتے ہوئے حقیقتِ حال کو چھپانے کی بنا پر کافر کہلا سکتا ہے۔ لہذا قریش مسلمان و مومن و نمازی و حاجی اور تہجد گزار ہوتے ہوئے پورے قرآن میں ادھر سے ادھر تک لفظ کافر سے پکارے جاتے رہے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے حکومتِ علویہ کو غصب کرنے کو چھپانا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کے حق حکومت کو چھپانا تھا، آپ کے حقوق کو غائب کرنا تھا اور اپنی بدکرداری اور ظلم و ستم اور استبداد پر پردہ ڈالنا تھا اور خود کو حقیقی مومن و مسلم کی صورت میں پیش کرنا تھا یہی سبب تھا قرآن میں معنوی تحریف کا۔

(8) کفر کے معنی میں مودودی کی بوکھلاہٹ اور ہمارے بیان کردہ معنی کی تصدیق و تفصیل

قبل اس کے کہ ہم کفر کے معنی پر قرآن سے مزید ثبوت اور حقیقی مومنین کو خوشخبریاں پیش کریں یہ سمجھ لیں کہ لفظ انکار اور منکر خود عربی زبان کے الفاظ ہیں اور قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اور مودودی سے ترجمہ سنئے:

قرآن: منکر کے معنی: وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبْرَكٌ أَنْزَلْنَاهُ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿انبیاء 21/50﴾

مودودی ترجمہ: ”اور اب یہ بابرکت ”ذکر“ ہم نے (تمہارے لئے) نازل کیا ہے۔ پھر کیا تم اس کو قبول کرنے سے انکاری ہو؟

(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 163)

خوشخبریاں اور کفر کے معنی چھپانا: اب یہ دیکھیں کہ جو مومنین محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے پسندیدہ ہوں گے ان کی ہر برائی جو ملائکہ نے ان کے اعمال نامہ میں لکھی ہوگی اللہ بروز حساب ان تمام برائیوں کو ان کے نامیہ اعمال سے غائب کر دے گا، چھپا دے گا، پوشیدہ کر دے گا۔ یعنی لفظ کفر کا ان تین معنی میں استعمال ہونا دیکھیں اور اپنی محبت محمد و آل محمد پر خوش ہوں۔ اور ہر وہ کام نہ کریں جس سے وہ حضرات علیہم السلام ناراض ورنجیدہ ہوتے ہوں۔ قرآن سنئے اور مودودی کی بد نصیبی اور کمائی پر افسوس کیجئے:

مومنین کی دعا: (1) رَبَّنَا فَاعْفُرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا..... (آل عمران 3/193)

مودودی ترجمہ: ”پس اے ہمارے آقا، جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگزر فرما، جو برائیاں ہم میں ہیں انہیں دُور کر دے۔“

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 311-312)

یہاں اس قدر دیکھنا ہے کہ اب لفظ کفر کے معنی اسلام کا انکار نہیں کرتے بلکہ کَفِّرُ کے معنی دُور کرنا کرتے ہیں؛ اور سنئے:

اللہ کا فیصلہ: (2) لَا كُفْرَانَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ..... (3/195)

مودودی ترجمہ: ”ان کے سب قصور میں معاف کر دوں گا۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 312-313)

یہاں دُور کرنے کی جگہ معاف کرنا لکھا ہے، اور سنئے:

اللہ کا وہی بیان: (3) لَا كُفْرَانَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ..... (مائدہ 5/12)

مودودی کا بدلتا ہوا ترجمہ: ”یقین رکھو کہ میں تمہاری برائیاں تم سے زائل کر دوں گا۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 451)۔

اب دور کرنا، معاف کرنا کی جگہ زائل کرنا معنی ہو گئے؛ ایک مقام اور دیکھئے:

اللہ کا وہی بیان: (4) نَكْفِرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ..... (نساء 4/31)

مودودی کا کھیل: ”تمہاری چھوٹی موٹی برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کر دیں گے“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 346)

مودودی اپنے بزرگوں کی سنت یعنی فریب سازی سے نہیں بچو کے

قارئین نوٹ کرتے چلیں کہ اس آخری آیت (4/31) میں کوئی ایسا عربی کا لفظ نہیں ہے جس کے معنی ”چھوٹی یا موٹی“ کے جاسکتے۔ یعنی مودودی نے بفضل شیطان خود ہی اضافہ کر دیا اور بتا دیا کہ مودودی کو یہ پسند نہیں کہ اللہ چھوٹی موٹی برائیوں کے علاوہ کوئی بڑی برائی چھپا دے یا معاف کر دے یا اعمال نامہ سے ساقط کر دے یا زائل کر دے۔ بہر حال ہم نے تمام جھوٹوں کو گھر تک پہنچا دیا۔ اب پھر اللہ کے وعدے ملاحظہ ہوں اور دیکھیں کہ مودودی قسم کے لوگوں کو اس دنیا میں عذاب اور سزا ملنا ضروری و لازم ہے اور ان کو سزا اور عذاب ملنے سے پہلے قیامت ہر گز قائم نہ ہوگی۔

(9) قریش کو دنیا و آخرت دونوں جگہ دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے حق پوشی کا اعلان کیا، اسلام لاکر حق پوشی

کی، انتقام لیا

اللہ کا اعلان اور وعدہ: يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا، وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهُمْ وَا بِمَا لَمْ يَنَالُوا وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكْ خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَالَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (توبہ 9/74)

مودودی کا کفرانہ ترجمہ: ”یہ لوگ (یہ لوگ نہیں یہ قریشی مسلمان۔ احسن) خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے وہ بات نہیں کہی، حالانکہ انہوں نے ضرور حق کو چھپانے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ اسلام لانے کے بعد حق کو چھپانے پر کاربند ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے وہ کچھ کرنے کی ہمت کی جسے کرنے سکے۔ یہ انہوں نے اسی بات کا انتقام لیا ہے نا کہ اللہ اور اُس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیا ہے؟ اب اگر یہ اپنی اس حق پوشی کے اعلان سے توبہ کر لیں تو ان کے لئے خیر ہے اور اگر انہوں نے اقتدار اور ولایت پر قبضے کی اسکیم کو جاری رکھا تو اللہ ان کو نہایت دردناک عذاب دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور دنیا میں ان کا کوئی ولی اور نصرت کرنے والا نہ ہوگا۔“

(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 216-217)

مودودی کے ترجمہ میں اصلاح اور اصلاح کی وجہ: قارئین نوٹ کریں کہ ہم نے کفر کے سلسلے میں آئے ہوئے قرآنی بیان میں مودودی کے فریب کارانہ ترجمہ کی اصلاح کر کے مودودی کا مسلمہ یا اصلی ترجمہ لکھ دیا ہے۔ مودودی چاہتے تھے کہ انہیں کافر بنا کر نظر انداز کر دیں مگر وہ تمام مسلمان لوگ تھے اور انہوں نے رسول اور تمام مسلمانوں سے مخفی طور (3/154) پر قیادت و حکومت پر قبضہ کر لینے کا فیصلہ کیا تھا اور اس لئے حقیقت کو چھپانے کی بات کی تھی۔ اور رسول کو قتل تک کر دینے کی ہمت کی تھی مگر نا کام ہو گئے تھے ((مودودی: تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 216-217، حاشیہ 84) پھر جو لوگ یہ کام کر رہے تھے وہ غنی قسم کے مسلمان تھے۔ اور اللہ و رسول نے ان کو غنی کیا تھا۔ ان کی توبہ کا اور توبہ قبول ہو جانے کا قرآن میں ذکر نہیں ہے اور ان کا قومی حکومت بنا لینا ظاہر ہے لہذا انہوں نے لفظ يَتَوَلَّوْا پر عمل کیا یعنی ممانعت کے باوجود اپنی قومی ولایت و حکومت قائم کر لی اور تَوَلَّوْا اور تَوَلَّيْتُمْ کے معنی ولایت قائم کرنا یا اقتدار حاصل کرنا ہے۔ مودودی کے نزدیک بھی متفقہ صحیح ہیں (دیکھو تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 159، آیت 2/205) اور (آل عمران 3/154 صفحہ 296 جلد اول) اور (نور 24/11 صفحہ 366 جلد 3) اور اب لازم ہے کہ قریشی مسلمانوں کو، قریشی حکومتوں اور حکمرانوں کو اور ان کے قائم کردہ مذہب کے تمام پیروؤں کو دنیا میں دردناک عذاب دے کر قیامت قائم ہوا اور پھر جہنم

میں ابدالآباد دردناک عذاب میں مبتلا رہیں۔ یہ وعدہ بھی قریشی تفتیم سے غلط نکل چکا ہے۔ اور سنئے:

(10) قریش کو دنیا میں عذاب کا ایک اور وعدہ

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ لَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ (الرعد 13/34)

مودودی ترجمہ: ”ایسے لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی ہی میں عذاب ہے۔ اور آخرت کا عذاب اُس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کوئی ایسا نہیں

جو انہیں خدا سے بچانے والا ہو۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 463)

یہ نوٹ کرنے کی بات ہے اور ہر آیت میں آ رہی ہے کہ دنیا میں قریش ایسی حالت میں عذاب و سزا میں مبتلا کئے جائیں گے جب اُن کی نہ حکومت ہو گی نہ کوئی طرفدار و حمایت کرنے والا ہوگا۔

(ب) احکاماتِ خداوندی پر عمل کرنے والوں کو بھی دنیا و آخرت دونوں جگہ اُن کی جزا ملنے کا وعدہ اور اعلان کیا گیا ہے

اب قارئین یہ نوٹ کریں گے کہ اللہ کی طرف سے نیک اور دین دار انسانوں کو پہلے دنیا میں جزا ملے گی اور پھر آخرت میں بھی انہیں جزا دی جائے گی۔ آج قریشی علما مسلمانوں کو یہ کہہ کر فریب دیتے ہیں کہ تمہیں دنیا میں اگر کوئی جزا نہ بھی ملے تو یقیناً آخرت میں تمہیں جزا ملے گی۔ یعنی وہ مسلمانوں کو ادھار جزا کے بھروسہ پر رکھ کر دین کو ادھار بنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ:

(اول) قُلْ يٰعِبَادِ الدِّينِ اٰمَنُوْا اَتَّقُوْا رَبَّكُمْ، لِلَّذِيْنَ اٰحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ اَرْضُ اللّٰهِ وَّاسِعَةٌ؛ اِنَّمَا يُؤَفِّى

الصّٰبِرُوْنَ اٰجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (زمر 39/10)

مودودی ترجمہ: ”اے نبی! کہو کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، اپنے رب سے ڈرو۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک رویہ اختیار کیا ہے اُن

کیلئے بھلائی ہے اور خدا کی زمین وسیع ہے۔ صبر کرنے والوں کو تو انکا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 363)

مودودی کی تشریح: ”30۔ دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی۔ اُن کی دنیا بھی سدھرے گی اور آخرت بھی۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 363)

گو مودودی نے اپنی تشریح میں وہ مقصد بیان کر دیا جو اللہ کا اس آیت میں (39/10) مقصد تھا۔ اور جو آیت کے صرف ترجمہ سے واضح ہونا چاہیے تھا۔ لیکن علامہ کے ترجمہ میں یہ بات باقی رہ گئی کہ آیا نیکی یا احسان پیشہ لوگوں کو انکی نیکی اور احسانات کی جزا اس دنیا میں بھی ملے گی یا نہیں؟ ترجمہ کر چکنے اور دنیا میں جزا کو غائب کر جانے کے بعد علامہ چونکے اور تشریح میں یہ جملہ لکھ کر ترجمہ کی غلطی دور کر دی کہ:

”دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی۔ اُن کی دنیا بھی سدھرے گی اور آخرت بھی۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 363)

ہمارا اعتراض یہ ہے کہ یہ بات ترجمہ میں کیوں نہ لکھی؟ اگر تم تشریح نہ کرتے تو تمہارے پیر و مسلمان تو یہی سمجھتے کہ دنیا میں بھی جزا کا دیا جانا اللہ نے نہیں فرمایا ہے۔ لہذا ہم پر واجب ہو گیا کہ ہم یہ دکھائیں کہ مودودی کا ترجمہ غلط ہے۔ علامہ رفیع الدین کا ترجمہ دیکھیں:

رفیع الدین کا ترجمہ: کہہ اے بندو میرے جو ایمان لائے ہو ڈرو پروردگار اپنے سے، واسطے اُن لوگوں کے کہ نیکی کرتے ہیں بیچ اس دنیا کے

نیکی ہے اور زمین اللہ کی کشادہ ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ پورا دئے جاویں گے صبر کرنے والے ثواب اپنا بے حساب۔“ (ترجمہ 39/10)

اس آیت (39/10) کے یہ ترجمہ اللہ کی ترجمانی اب بھی نہیں کرتے ہیں

قریشی طرز ترجمانی اس لئے اختیار کی گئی تھی کہ قریشی پالیسی کی ترجمانی ضرور ہوتی رہے خواہ اللہ کی ترجمانی ہو یا نہ ہو۔ قریشی پالیسی کی

ترجمانی کے لئے جہاں اور بہت سے حربے اختیار کئے گئے وہاں سب سے بڑا حربہ یہ تھا کہ عربی زبان کے الفاظ کے عموماً اور قرآنی الفاظ کے خصوصاً معنی تبدیل کئے جائیں۔ الفاظ کو اُن کے غلط محل پر استعمال کیا جائے (نساء 4/46، مادہ 5/13) اور نہایت عاقلانہ انداز میں الفاظ کے معنی کو غلط معنی میں بکھیر کر اُن کا استقلال مٹا دیا جائے (بقرہ 2/75) اس حربے پر عہدِ رسول ہی میں قریش نے بھرپور عمل کیا اور اسی کی شکایت رسول اللہ نے اللہ سے کی تھی اور پورے قرآن کے متغیر ہو جانے کو اللہ نے قرآن میں ریکارڈ کر دیا تھا (فرقان 25/30) یہاں یہ تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس زیر گفتگو آیت (39/10) میں لفظ ”وَاتَّقُوا“ آیا ہے جس کا مادہ اور بنیاد ”و-ق-ی“ ہے اور اُس کا مصدر ”وَقَايَةٌ“ ہے۔ اور اسکے اڈلین و بنیادی معنی ہیں ”کسی چیز کو بُرے اثرات یا نتائج سے بچانا یا محفوظ رکھنا“ اور اسی مصدر سے لفظ ”تَقْوَى“ اور ”مُتَّقِي“ وغیرہ بنتے ہیں۔ اور اسی مصدر سے واحد ماضی مذکر غائب ”وَقَى“ ہے۔ یعنی

1: وَ وَفَهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ فَضَلًا مِّن رَّبِّكَ... (دخان 44/56-57)

مودودی: ”اور اللہ اپنے فضل سے اُن کو جہنم کے عذاب سے بچا دے گا“ (57-44/56-57 تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 573) حجیم کے غلط معنی کئے ہیں۔

2: فَوَقَّهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَا مَكَرُوا..... الخ (مومن 40/45)

مودودی: ”آخر کار اُن لوگوں نے جو بُری سے بُری چالیں اُس مومن کے خلاف چلیں، اللہ نے اُن سب سے اُس کو بچالیا۔“ (ایضاً صفحہ 412) معلوم ہوا کہ اس مادہ (و-ق-ی) اور مصدر (وقایة) کے معنی نقصان یا خطرہ سے بچنا یا بچانا ہیں۔ اور یہ تمام عربی دانوں کے مسلمات میں سے ہے کہ عربی زبان کے مصدری معنی ہر اُس لفظ میں برقرار رہتے ہیں جو اُس مصدر سے نکلے یا بنا ہو۔ اب مودودی کو اس اصول اور قاعدے کے مطابق ترجمہ کرتے ہوئے دیکھ لیں:

3: وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (بقرہ 2/203)

لفظ ”اتَّقَى“ اور ”اتَّقُوا“ کا صحیح ترجمہ مودودی

”اور جو کچھ دیر زیادہ ٹھہر کر پلٹا تو بھی کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ یہ دن اُس نے تقویٰ کے ساتھ بسر کئے ہوں۔ اللہ کی نافرمانی سے بچو“ اور

خوب جان رکھو کہ ایک روز اُس کے حضور میں تمہاری پیشی ہونے والی ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 158)

نوٹ کریں کہ یہاں مودودی نے لفظ ”اتَّقُوا“ کے معنی ”بچنا“ اور صحیح کئے ہیں۔ لیکن یہی لفظ ”اتَّقُوا“ زیر گفتگو آیت (39/10) میں آیا تھا تو وہاں اس کے معنی ”ڈرو“ کئے تھے۔ اور مودودی نے اس مصدر سے نکلنے والے الفاظ کے معنی کو بار بار ڈرنے اور خوفزدہ ہونے کے معنی میں استعمال کر کے اس مصدر کے مصدری معنی کو ہلا کر اور مشکوک کر کے رکھ دیا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ”اتَّقُوا“ کے معنی ڈرو اور ڈرنا ان آیات کے ترجموں میں دیکھ لیں (بقرہ 2/24، 2/48، 2/123، وغیرہ) حالانکہ عربی میں ڈرو اور ڈرنا کیلئے لفظ ”خَوْف“ موجود اور قرآن میں بار بار استعمال ہوا ہے۔ اور اڈلین وعدہ میں ہم نے لکھا ہے یعنی: فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (2/38)

لہذا قریشی پالیسی ہر طرح اور بار بار ثابت ہوتی چلی جائے گی۔ ”کہ قرآن کے معنی بدلو اور اپنا اُلوسیدھا کرو۔“

آیت زیر بحث (39/10) کی صحیح ترجمانی یہ ہے کہ:

مودودی نے اور تمام مترجمین نے اپنے ترجموں میں یہ تو ضرور لکھ دیا کہ ”اپنے رب سے ڈرو“، مگر یہ نہیں بتایا کہ اللہ نے اس آیت میں کس بات سے

ڈرنے یا بچنے کا حکم دیا ہے؟ لہذا ہمارا صحیح ترجمہ اس کی وجہ بتاتا ہے، سنئے:

قُلْ يٰعِبَادِ الدِّينِ اٰمَنُوْا رَتَّقُوا رَبَّكُمْ لَلدِّينِ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّارْضُ اللّٰهُ وَاَسِعَةً اِنَّمَا يُوفِى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (زمر 39/10)

”اے نبی میرے مومن بندوں سے کہہ دو کہ وہ اُن لوگوں کے متعلق غلط تصورات رکھنے میں اپنے پروردگار سے بچ کر رہیں جنہوں نے احسان پر عمل درآمد کر رکھا ہوا ہے۔ اُن کے لئے تو (فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً) اس دنیا میں بھی اچھائیاں ہیں اور اللہ کی زمین تو اُن کی اچھائیوں کی بنا پر وسیع ہے۔ اور جسم و مکمل صبر اور صابروں کو اُن کا اجر بے حساب و لامحدود ملے گا۔“

معلوم ہوا کہ تمام ایماندار بندوں کو مذکورہ حضرات کے متعلق منہ بند رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس آیت (39/10) سے یہ بات طے ہو گئی کہ اس دنیا میں بھی مومنین کو اُن کا اجر ملنا چاہئے اور مومنین کے اس حق پر مودودی متفق ہیں۔ مگر سابقہ تمام بیانات بتاتے ہیں کہ ظالم و جابر لوگ ظلم و ستم کر کے مرتے رہے۔ اور مومنین ظلم و ستم سہتے اور صبر کرتے اور نوع انسان پر احسان کرتے کرتے مر گئے۔ نہ ظالموں کو سزا ملی نہ نیکو کاروں کو جزا ملی۔ اور نہ قریشی مذہب اور قرآن کی تفہیم میں کوئی ایسی گنجائش ملی جس سے مندرجہ بالا خدائی وعدوں کا اس دنیا میں پورا ہونا معلوم ہوتا۔

(دوم) اللہ نے اُن لوگوں کو پسند فرمایا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ اپنا اجر اور اپنی بھلائیاں مانگتے رہے اور صرف دنیا طلبوں کو ناپسند و محروم کیا ہے

تمام مومنین اس کا یقین رکھتے تھے کہ اُنہیں دنیا میں بھی بہترین زندگی بسر کرنے کو ملے گی اور اُن کی آخرت بھی شاندار ہوگی۔ اور انہوں نے اپنے اسی یقین کی بنا پر اللہ سے یہ چاہا کہ اُنہیں اُن کی اسلامی زندگی کا نتیجہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہتر سے بہتر ملے۔

دنیا طلب لوگ اور دنیا و آخرت طلب لوگ: اللہ نے دونوں قسم کے لوگوں کا ایک ہی جگہ مسلسل یوں ذکر فرمایا ہے کہ:

..... فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَاٰتِنَا فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلٰقٍ ۝ (بقرہ 2/200)

(1) مودودی کیا سمجھے: ”مگر اللہ کو یاد کرنے والے لوگوں میں بھی بہت فرق ہے) اُن میں سے کوئی تو ایسا ہے، جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب، ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دیدے۔ ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 157)

(2) مودودی نے مان لیا کہ:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا
وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝ (بقرہ 2/201-202)

”اور کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی، اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔ ایسے لوگ اپنی کمائی کے مطابق (دونوں جگہ) حصہ پائیں گے اور اللہ کو حساب چکاتے کچھ دین نہیں لگتی۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 158)

اور سنیئے کہ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ:

وَ اٰكْتُبْ لَنَا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِى الْاٰخِرَةِ اِنَّا هٰذِنَا اِلَيْكَ (اعراف 7/156)

(3) مودودی ترجمہ: ”اور ہمارے لئے اس دنیا کی بھلائی بھی لکھ دیجئے اور آخرت کی بھی، ہم نے آپ کی طرف رجوع کر لیا“ (ایضاً جلد 2 صفحہ 84)

(سوم) احسان پیشہ حضرات (39/10) کا دوبارہ تذکرہ ہوا ہے اُن کے لئے دوبارہ دونوں جہانوں میں بھلائی ہی بھلائی ہے

یہ تذکرہ اور اس پر بحث و تنقید پہلے ہو چکی ہے (عنوان ب کی ابتدا) کہ احسان پیشہ حضرات کے لئے دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر

بھلائی ہی بھلائی ہے انہیں کسی بُری بات کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔ اب پھر اُن کا تذکرہ یوں ہوا ہے کہ:

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَ لَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَ لَنَعْمَ

دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ (حل 16/30)

مودودی ترجمہ: ”اور دوسری طرف جب خدا ترس لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے،

تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ”بہترین چیز اُتری ہے۔“ اس طرح کے نیکو کار لوگوں کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور

ہی اُن کے حق میں بہتر ہے۔ بڑا اچھا گھر ہے متقیوں کا۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 537)

یہاں تک قرآن سے یہ ثابت ہو گیا کہ دین خداوندی پر عمل کرنے والے متقی اور پارسامومنین کے لئے اس دنیا میں صرف بھلائیاں ہی

بھلائیاں ہیں انہیں بُری بات کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔ انہیں کسی خوف و رنج و ملال سے سابقہ نہ پڑے گا۔ ان متعدد وعدوں کے باوجود ہمیں تو اس

قدر بتا دیں کہ کیا یہ وعدے علیٰ اولاد و رسول اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے حق میں پورے ہوئے تھے؟ کیا کوئی ایسی بُری چیز یا مصیبت یا خوف و

رنج ایسا باقی رہ گیا تھا جو ساری زندگی اُن کے اوپر نہ گزرا ہو؟ پھر وہی سوال کھڑا رہتا ہے کہ قریشی مذہب میں قریش کی تفہیم قرآن میں مندرجہ بالا

وعدوں کے پورا کئے جانے کی کیا صورت ہے؟

12۔ اسلامی زندگی بسر کرنے کا نتیجہ تمام کائنات کی تسخیر اور کامیاب و خوش حال زندگی ہونا چاہئے نہ کہ ناکامی و مغموم زندگی؟

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی ضابطہ حیات پر سو فیصد عمل کرنے سے انسانی زندگی کو لامحدود ترقی اور لامحدود حیات ملنا چاہئے۔ ساری کائنات

کو ایک سو فیصد مسلم سے ہر حال میں تعاون کرنا لازم ہے۔ اس کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو ہٹتے چلے جانا چاہئے۔ اُسے ہر متصدم قوت پر

غالب آنا چاہئے اور دنیا میں ہر ناکامی اور شکست کا سبب اسلامی قوانین اور ضوابط سے انحراف ہونا چاہئے۔ اگر کوئی شخص اسلام لانے کے بعد بیمار

ہوتا ہے یا مرتا ہے تو ماننا پڑے گا اُس بیمار یا مرنے والے شخص نے سلامتی کے قانون یا قوانین کی خلاف ورزی کی ہے یا کچھ دوسرے لوگوں کی خلاف

ورزیوں سے متاثر ہو کر بیمار ہوا یا مرنے والے شخص نے رکھنے والے ضابطہ یعنی اسلام جن حضرات علیہم السلام کی معرفت ہمیں ملا ہے وہ اس کائنات پر

غالب اور اس کے عالم تھے۔ ہوائیں فضائیں موت اور زندگی اُن کے روبرو مسخر تھی۔ اور تمام انسانوں کے لئے یہ سہولت حاصل رہی ہے کہ وہ انبیاء

ورسل و آئمہ علیہم السلام سے سلامتی کے قوانین سیکھیں اور اُن پر عمل کریں اور موت و بیماری اور ہر وقت پر قابو حاصل کر لیں، اسی بنا پر قرآن اعلان

کرتا ہے کہ:

(1) اَلَمْ تَرَ وَاَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَّا فِى الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَةً ظٰهِرَةً وَ بَاطِنَةً وَ مِّنَ النَّاسِ

مَنْ يُجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ لَا هُدًى وَ لَا كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

عَلَيْهِ الْاَبَآءَ نَا (لقمن 21-31)

”کیا تم لوگ اس حقیقت کو آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے ہو کہ اللہ نے وہ تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں جو آسمانوں اور زمینوں کے

درمیان کہیں بھی ہوں۔ اور اُس نے اپنی تمام کھلی ہوئی اور پوشیدہ نعمتیں تم پر عام کر دی ہیں۔ ایسی کرم فرمائی کے باوجود ان لوگوں میں سے ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جس کے پاس نہ تو کائناتی معلومات کے لئے کوئی روشنی دینے والی کتاب ہی ہے۔ نہ وہ اللہ کی طرف سے علم و ہدایت یافتہ ہے۔ اور اُس کے اثر سے اُس قوم کا حال یہ ہو گیا ہے کہ جب اُن سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم کائناتی استفادہ اور تسخیر کے لئے اللہ کے نازل کردہ علوم و قوانین کی پیروی کرو تو وہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو اُن ہی ہدایات و قوانین کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے آبا و اجداد کو عمل کرتے دیکھا ہے۔“

ان آیات سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ عہد رسول کے لوگوں نے یعنی مثلاً رسول اللہ کی قوم نے اگر تو انین خداوندی یعنی قرآنی تعلیم کی پیروی کی ہوتی تو آج تسخیر کائنات کی تعلیم و قوانین ضرور ہم تک پہنچتے ہوتے۔ لیکن قریش میں سے کسی کا تسخیر پر حاوی اور فائز نہ ہونا بتاتا ہے کہ قریشی مومنین نے اسلام اور رسول اور قرآن کی نہیں بلکہ اپنے آبا و اجداد کی پیروی جاری رکھی اس لئے آج وہ تو انین کائنات سے جاہل اور دیگر اقوام کے محتاج ہیں۔ ساتھ ہی یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن اور اسلام کی تعلیم سے دُور رہ کر اور آل رسول اور دیگر انسانوں پر مظالم کرنے کے باوجود وہ یہاں صدیوں تک غالب رہے۔ اُن کو دنیا میں کوئی عذاب و سزا نہ ملی۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو تو انین الہی کا زیادہ عالم ہو اور سو فیصد اُن قوانین پر عمل پیرا ہو غلبہ اور کامیابی و خوشحالی اُسی کے حصہ میں آنا چاہئے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہوا نہیں اور وہ حضرات علیہم السلام جو اس کائنات میں علوم الہیہ کے سب سے زیادہ اور انتہائی عالم تھے اور سو فیصد اسلام پر عامل تھے وہ ناکام و مغلوب اور خستہ اور دل شکن حالت میں زندگی بسر کرتے اور قتل ہوتے رہے۔ حالانکہ اللہ یہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ:

(2) وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿24/55﴾ (النور)

”اللہ نے تم میں سے اُن لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لائے ہوں اور نیک اعمال کئے ہوں کہ وہ اُن کو اُسی طرح زمین پر خلیفہ بنا دے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو خلیفہ بنا چکا ہے۔ اور اُن کے لئے اُن کے دین کو غلبہ عطا کرے گا جسے اللہ نے اُن کے لئے پسند کیا ہے۔ اور اُن کو حالتِ خوف و ہراس سے نکال کر بدلے میں امن و مسرت عطا کرے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے کسی کو میری اطاعت و بندگی میں شریک نہ کریں گے۔ اور جو اُس کے بعد بھی حقیقت حال کو چھپائے گا تو وہ فاسق ہوگا۔“

سوچئے کہ یہ وعدہ کہاں اور کب پورا ہوا؟ عہد رسول میں تو خود رسول اللہ خلیفہ خداوندی تھے اور اُن کے انتقال کے وقت امن و امان تھا، کوئی خطرہ اور خوف نہ تھا۔ اُن کے انتقال کے بعد ایک قلیل سی مومن جماعت کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا گیا اور یہ جماعت برابر خوف و ہراس میں مبتلا رہی، اُن کا قتل عام کیا گیا، سات سو سال تک برابر نہیں قتل و غارت اور لوٹ مار کا سامنا کرنا پڑا۔ اور آج تک کبھی اُن کے دین کو نہ اس دنیا میں تمکن ملا نہ اُن کا خوف امن و چین میں بدلا، نہ انہیں خلافت و حکومت و اقتدار نصیب ہوا۔ لہذا اللہ کا یہ وعدہ عہد رسول کے مومنین کے حق میں پورا ہونے کا اعلان تھا ”الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ“ سے وعدہ کیا گیا تھا اور عہد رسول کے سب مومنین انتقال کر چکے صدیاں گزر گئیں۔ اور اس وعدہ کو اسی دنیا میں اسی زمین پر پورا ہونا ہے، مگر کیسے؟ کون سی آیت سے؟

(3) فرمایا گیا ہے کہ اولیاء اللہ کو ہرگز خوف ورنج و ملال سے سابقہ نہ پڑے گا انہیں دنیا میں اور آخرت میں محض خوشخبریاں ملیں گی

اللہ نے باقاعدہ اعلان کیا ہوا ہے کہ:

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (يونس 65 تا 62/10)

”خبردار ہو کر سنو کہ جو لوگ اللہ کے اولیاء ہیں، جو ایمان لائے ہیں اور جو تقویٰ پر کار بند ہیں اُن کے لئے کسی خوف ورنج کا موقع نہ آئے گا۔ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں اُن کے لئے بشارتیں ہی بشارتیں ہیں، اللہ کے فرمان بدل نہیں سکتے وہی بڑی کامیابی ہے۔ اے نبیؐ جو کچھ یہ کہتے ہیں اُن سے تمہیں رنج و ملال نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ عزت تو ساری کی ساری اللہ کیلئے ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔“

اب سوال یہ ہے کہ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور اہل کربلا اور تمام آئمہ علیہم السلام اولیاء اللہ تھے یا نہیں؟ مومن تھے یا نہیں؟ متقی تھے یا نہیں؟ تمام مسلمان انہیں تمام اولیاء اللہ کا بھی اولیاء مانتے ہیں۔ مگر اللہ کا وعدہ کیوں پورا نہ ہوا؟ وہ خوف و ہراس و مظالم سے کیوں دوچار ہوئے باوجودیکہ اللہ کے کلمات اور قوانین میں ہرگز تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا صحیح جواب اُن علما سے نہ بن پڑا ہے نہ بن سکتا ہے جنہوں نے صاحبان قرآن علیہم السلام کی راہنمائی کو خیر باد کہا اور خود راہنما بن بیٹھے۔ آیت اللہ اور حجۃ اللہ بن گئے۔

(4) دنیا میں کامیاب اور خوشحال زندگی بسر کرنے کا قانون اور ناکامی اور بد حالی میں مبتلا رکھنے والی بنیادی چیزیں

فرمایا گیا تھا کہ: لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَ لَا دَخَلْنَاهُمْ جَنَّةَ النَّعِيْمِ ۝ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرَةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَا اُنزِلَ اِلَيْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا كَلُّوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ..... الخ (مائدہ 66-65/5)

”اگر یہ اہل کتاب محمدؐ پر ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کر لیتے تو ہم اُن کی سابقہ اور موجودہ برائیاں چھپا دیتے۔ اور اُن کو نعمتیں فراہم کرنے والی جنتوں میں داخل کر دیتے۔ اور اگر انہوں نے تورات و انجیل اور اُن دوسری کتب ہائے خداوندی کو بطور ضابطہ حیات قائم کر لیا ہوتا جو اُن کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ تو اُن کے لئے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے اُبلتا۔“

اس آیت سے یہ قانون سامنے آتا ہے کہ اُن لوگوں کو دنیا میں اُن سب چیزوں کی فراوانی حاصل رہا کرتی ہے جو ہدایات خداوندی کی روشنی میں زندگی گزاریں۔ لیکن آئمہ طاہرین علیہم السلام اور اُن کے پیروؤں نے نہ صرف یہ کہ تمام کتبہائے خداوندی پر سو فیصد عمل کیا بلکہ اُن کو تمام دقتیں اور تمام مصیبتیں پیش ہی اس لئے آئیں کہ انہوں نے کسی حال میں اسلام کے قوانین کے خلاف جانا پسند ہی نہ کیا اور مسلسل بلاناغہ وہ صورت حال پیش آئی جس کے لئے فرمایا گیا ہے کہ:

وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَ نَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ (طہ 124/20)

”اور جو کوئی میرے ذکر سے روگردانی کرے گا اُس پر دنیا میں زندگی دو بھر ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اُسے اندھا اٹھائیں گے۔“

13۔ اللہ کا ہر وعدہ اُس کے قوانین سے ہم آہنگ رہتے ہوئے پورا ہونا حکمت و قدرت و علم خداوندی کا مظہر ہے۔ اُس کا ہر وعدہ پورا ہونا

لازم ہے

یہ بات ہر شخص کو ماننا چاہئے کہ اللہ و رسول کا کوئی کام یا وعدہ ہمارے کاموں اور وعدوں کی طرح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ ہم خواہ وعدہ کریں یا کوئی کام کریں اپنے محدود علم یا محدود تجربوں کے ماتحت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور جس طرح ہم بعض کاموں کو کرنے کے بعد پچھتاتے ہیں۔ اسی طرح اپنے بعض وعدوں کو پورا کرنے میں ہم دقتوں اور نقصانات سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ وہ پچھتانا اور یہ دقت و نقصان اس لئے ہوتا ہے کہ ہمیں گل کی خبر نہیں ہوتی۔ ہم اُن تمام حالات اور متعلقات پر مطلع نہیں ہوتے اور نہ ہمیں اپنی ہر چیز پر قدرت اور دسترس ہوتی ہے۔ ہم تخمینی صورتِ حال کو سامنے رکھ کر فیصلہ کر لیتے ہیں۔ لیکن ہمارا فیصلہ اُن فطری قوانین کو بے اثر یا معطل نہیں کر سکتا جو ہمارے کام یا وعدے کے دوران برسر کار رہتے ہیں۔ ہم خود یا متعلقہ فرد یا افراد بیمار ہو سکتے ہیں، مر سکتے ہیں، بھول بھی ہم سے سرزد ہو سکتی ہے۔ جن چیزوں یا اشخاص کے بھروسہ پر ہمارا کام یا وعدہ منحصر ہوتا ہے وہ دھوکا دے سکتے ہیں۔ وہ بھی ہماری طرح بیمار ہو سکتے ہیں۔ الغرض ہمارا محدود علم، محدود قدرت اور محدود وسائل ہماری راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اسی لئے ہم سے کہا گیا ہے کہ:

لَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ عَدَاۗءِ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ اَنْ يَّهْدِيَنِي رَبِّي
لَا قَرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا (الكهف 18/23-24)

”تم کسی چیز کے لئے یہ نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کام کروں گا۔ سوائے اس کے کہ اگر اللہ نے چاہا۔ اگر تم بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کو یاد کرو اور کہو کہ مجھے اُمید ہے کہ میرا رب اس معاملے میں صحیح صورتِ حال کے قریب میری راہنمائی فرمادے گا۔“

اسی وجہ سے ہم ہر کام کے ذکر یا وعدے سے پہلے اِنْشَاءَ اللّٰهُ کہا کرتے ہیں۔ اِنْشَاءَ اللّٰهُ يٰ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کے معنی ہیں کہ ”اگر اللہ کی مشیت شاملِ حالات رہی“ یعنی اللہ کی مَشِيَّة کے معنی ہیں ”اللہ کا ہمہ گیر اور مستقل قانون“ جو کسی کی رعایت نہیں کرتا بلکہ ہمیں چاہیے کہ خود کو اور اپنے کردار کو مشیت سے ہم آہنگ رکھیں۔ یا اللہ کے دوسرے قوانین پر عمل کر کے مشیت کی زد سے بچیں۔ مشیت یہ ہے کہ آگ جلانے میں کسی کی رعایت نہیں کرتی لہذا آگ سے ہوشیار رہیں۔ کپڑوں کو سمیٹ کر رکھیں ورنہ آگ جلا ڈالنے میں تکلف نہ کرے گی۔ جب تک اللہ خود اپنی مشیت کو بدل نہ دے۔ یعنی آگ سے کہہ دے کہ جلانے کے بجائے سلامتی کا انتظام کرے (ٹھنڈی ہو جا اور سلام کر) (الانبیاء 21/69)

اس گفتگو سے یہ بات سمجھ میں آ جانا چاہئے کہ اللہ جو وعدہ کرے گا اُس کا اور اُس وعدہ کی تکمیل کا ہر پہلو اللہ کے سامنے ہوگا۔ اور اُس نے اُس وعدے کے پورا ہونے کے لئے جو صورتیں اپنے سامنے رکھی یا بیان کی ہیں اُن سب کو ملحوظ رکھ کر وعدہ وفا کرے گا۔ اگر وعدہ کے پورا ہونے کی مدت اُس نے بیان کر دی ہے تو ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُس کی بیان کردہ مدت گزر جائے اور وعدہ پورا نہ ہو۔ اس لئے کہ اُس نے اپنے وعدوں کے متعلق سوالات کرنے والوں کا اور اپنے وعدوں کا تذکرہ یوں کیا ہے کہ:

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدٰۗءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ لَكُمْ مِيعٰدٌ يَوْمٍ لَا تَسْتَاخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝
(سبأ 34/29-30)

”قریش تم سے پوچھتے ہیں کہ وہ خاص وعدہ کب پورا ہوگا؟ یہ ٹھیک ٹھیک بتا دو اگر تم سچے ہو؟ اُن کو بتاؤ کہ تمہارے لئے ایک ایسے دن تک

میعاد مقرر ہے جس میعاد میں سے تم نہ ایک گھڑی بھر دیر کر سکتے ہو نہ جلدی کر سکتے ہو۔“ اور فرمایا کہ:

(الف) اللہ کے ہر وعدہ کی ایک مناسب مدت یا معیاد مقرر ہے جو کم و بیش نہ ہوگی

... وَعَدَ اللَّهُ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِعَادَ ۝ ”اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدہ کی میعاد کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔“ (الزمر 39/20)
اور سنئے:..... وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِعَادَ ۝ (رعد 13/31)

”اور جن لوگوں نے حق کو چھپانے پر عمل کیا ان پر ان کے ایجاد کردہ مذہب کی وجہ سے کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہے گی۔ یا ان کے گھروں پر لوٹ مار کرنے والے دستک دیں گے یہاں تک کہ اللہ کے وعدے کا دن آجائے۔ اور اللہ اپنے وعدہ کی میعاد کے خلاف نہیں کرتا۔“

(ب) اللہ کے وعدوں کی تصدیق میں ہمارا پہلا جواب

قریشی طرز تفہیم و تفسیر سے تو یہ حقیقت بار بار ثابت ہو گئی کہ انہوں نے قرآن کے ہر وعدہ اور ہر بیان کی تکذیب کی ہے۔ لیکن ہمارا منصب یہ ہے کہ قریش کے بیانات اور دلائل کو فریب ثابت کر کے حقائق قرآنی سامنے لائے جائیں اور قریش کا پیدا کیا ہوا ماحول انسانوں کے ذہن سے صاف کیا جائے۔ لہذا مندرجہ بالا اللہ کے تین بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ کے وعدوں پر اعتراض اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب ایک ایسا وعدہ یا کئی ایک وعدے پیش کئے جائیں جن کی وہ میعاد گزر گئی ہو جو اللہ نے بیان کی تھی اور وعدہ پورا ہونے سے پہلے وہ میعاد گزر گئی تھی۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ کا کیا ہوا کوئی وعدہ ایسا نہ ملے گا۔ البتہ ایک ایسا شبہ یا سوال بار بار سامنے آئے گا جو قریشی طرز تفہیم کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور جسے ہم نے بھی بار بار سامنے رکھا ہے یعنی:

(1) ”وعدہ دنیا کی زندگی میں پورا ہونا تھا۔ لیکن لوگ مر گئے اور وعدہ پورا نہ ہوا۔“ یا:

(2) ”وعدہ خوشحالی کی زندگی کا تھا اور زندگی مصائب میں گزری۔“

اس دو دھاروں والے شبہ کا ایک سادہ مگر گہرا دینے والا جواب یہ ہے کہ: ”اللہ نے اپنے کسی وعدہ میں ”اسی زندگی“ کو بطور ”میعاد“ نہیں فرمایا۔ بلکہ ”دنیا کی زندگی“ فرمایا ہے۔ لہذا اللہ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ ”اسی زمین پر اور اسی دنیا کی زندگی خوشحالی و کامیابی اور غلبہ کی حالت میں گزرے۔“ اور بس۔

(ج) ابلیس اور ابلیس کے دونوں گروہ اللہ کے وعدوں میں ملحوظ رکھے گئے ہیں، اعتراضات میں ان کا وجود اور مساعی نظر انداز کر دیئے گئے ہیں

مندرجہ بالا اللہ کے وعدوں میں اور ہمارے قائم کردہ اعتراضوں میں ان قوتوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے جو انسانوں کے مقابلہ میں برابر کا اختیار و قدرت رکھتے ہوئے برسر مخالفت اور تصادم رہتے چلے آنے والے تھے۔ اور جن کی اطلاع حضرت آدم علیہ السلام کو رخصت کرنے اور زمین پر بھیجنے سے پہلے ہی دے دی گئی تھی اور فرمایا تھا کہ:

..... وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ (بقرہ 2/36)

”ہم نے حکم دیا کہ اب تم سب اس مقام سے نیچے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک خاص وقت تک تمہیں زمین پر ٹھہرنا اور

فائدہ اٹھانا ہے۔“

نوع انسان کے دشمنوں کی دشمنی اور نفع اندوزی روزِ اول سے جاری رہتی چلی آئی ہے اور ایک خاص وقت (السی حین) تک جاری رہے گی۔ دشمنوں کا متصادم محاذ بھی اللہ کے عام قانون (مشییۃ) پر عمل کر کے نوع انسان کے پروگراموں کو اور ان کی کوششوں کے نتائج کو اُلٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس محاذ کے سربراہ نے روزِ اول ہی چیلنج کیا تھا کہ:

”میں انسانوں میں سے، تیرے بندوں کی مناسب اور ضروری تعداد کو اپنے مشن میں شامل کر لوں گا اور پھر باقی انسانوں کو گمراہ کروں گا۔ اُن میں پسندیدہ اُمیدیں اور تمنائیں بھردوں گا اور اُن امیدوں اور تمناؤں کو پورا کرانے کے لئے نعمتوں کے دروازے کھول دوں گا۔ اور اُن کی راہنمائی کروں گا تا کہ اللہ کی تخلیقات میں فطری و قانونی تبدیلیاں کر کے اپنے لئے مفید و موزوں بناتے رہیں۔“

(سورۃ النساء 119-118/4)

(د) تمام انبیاءِ عموماً اور محمدؐ اور آئمہؑ معصومین خصوصاً انسانوں کی راہنمائی اور ابلیس سے اور ابلیسی گروہ سے حفاظت کے ذمہ دار تھے اور مرضی الہی پر کاربند رہے

اللہ کے وعدوں میں یہ صورتِ حال بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ ابلیس اور ابلیس کا گروہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہر مکر و فریب اور جائز و ناجائز راہ اختیار کرتا رہا اور گروہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام نے کبھی کسی حالت میں اللہ کے احکام اور اُس کی خوشنودی کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا۔ اس لئے کہ انہیں اللہ کے وعدوں پر سو فیصد یقین تھا۔ اور اس یقین کی بنا پر اُن کا قول اور عمل یہ تھا کہ:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ (آل عمران 9-8/3)

”اے ہمارے پروردگار ہماری راہنمائی کر چکنے کے بعد ہمارے دلوں میں کوئی ذاتی منصوبہ پیدا نہ ہونے دینا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت کو مستقلاً ہبہ کر دینا۔ تو تو یقیناً ہبہ کرنے پر مختار ہے۔ اے ہمارے پروردگار تو بلاشبہ متعلقہ تمام لوگوں کو ایک ایسے دن جمع کرنے والا ہے ہی جس دن میں کوئی شش و پنج اور گنجلک نہیں ہے۔ یقیناً اللہ اپنی مقرر کردہ میعاد کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔“

(ہ) ہادیانِ دین اور اُن کے پسندیدہ لوگ اصلاحِ حال کیلئے موقع پر موقع دیتے اور اپنے حقوقِ نظر انداز کرتے رہے اور ابلیسی گروہ فائدہ اٹھاتا رہا مندرجہ بالا دعا کے مطابق اور لوگوں کو جمع کئے جانے کے یقین پر ذمہ دار اُن ہدایتِ انسانی نے اتمامِ حجت کے لئے نوعِ انسان کو برابر مواقع دینے اور اپنے حقوق اٹھار کھنے کا پروگرام جاری رکھا تا کہ جب بھی متعلقہ لوگوں کو جمع کیا جائے تو غلط کاروں کے پاس کوئی ایسا عنصر نہ رہ جائے جس کی وجہ سے انہیں معاف کیا جاسکے۔ اور جو ہادیانِ دین کی محنت و سعی اور صبر و تحمل میں خامی ثابت کر سکے۔ لہذا تمام انبیاء و رسل اور آئمہ علیہم السلام اس کوشش میں لگے رہے اور ابلیسی گروہ اُن مواقع سے ناجائز فائدہ اٹھاتا رہا۔ دونوں فریق کے اس مستقل عملِ درآمد کو ملحوظ رکھ کر اللہ کے وعدوں پر غور کرنا لازم ہے ورنہ اللہ کے وعدوں پر شکوک و شبہات کا پیدا ہونا فطری ہے اور اسی فطری صورتِ حال کو بیان کرنا قریش کو منظور نہ تھا۔ اس لئے کہ ایسا کرنے سے اُن کا مقصد کھل جاتا اور باطل پرست لوگ سامنے آجاتے۔ یہ ہمارا کام تھا کہ ہم اللہ کے تمام وعدوں اور تعلیمات کو اور انبیاء و آئمہ علیہم السلام کی پوزیشن کو حق بجانب ثابت کریں اور قریش کے ڈالے ہوئے فریب کارانہ پردوں کو ہٹا کر حقائق کو سامنے لے آئیں۔

14۔ اعمال و خیال و تمنا اور امیدوں کا سلسلہ مکمل ہوئے بغیر جزا یا سزا دے دینا اللہ کے علم و حکمت میں اور عقلی طور پر بھی غلط ہے

اس عنوان کو یا اللہ کے جزا و سزا دینے کے طریقہ کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ ابلیس کے مندرجہ بالا چیلنج (عنوان ج) میں یہ کہا گیا تھا کہ:

”وَلَا مَنِيْنَهُمْ“ ”میں انہیں تمناؤں میں الجھاؤں گا۔“

یعنی شیطان کے گمراہ کرنے والے حربوں میں سے سب سے بڑا حربہ لوگوں کے قلوب میں تمنائیں اور آرزوئیں پیدا کرنا ہے۔ تاکہ ان تمناؤں اور آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے لوگ ان ہدایات پر عمل کریں جن سے وہ تمنائیں جلد سے جلد اور سہولت سے پوری ہو سکیں۔ تمنا ہر انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ حالات اور تجربوں کی بنا پر بھی پیدا ہوتی ہے۔ شیطان کا کام ابتدا میں صرف اتنا سا ہے کہ وہ لوگوں کو عمدہ، مفید اور حسین حالات کی طرف متوجہ کرتا رہے۔ اور لوگ ان مفید و عمدہ اور حسین حالات کی طرف متوجہ ہو کر اپنے بُرے مُضر اور ناپسندیدہ حالات سے بہتر سمجھ کر اپنے لئے ان حالات کو حاصل کرنے کی تمنا کرنے لگیں تو لوگوں کو ان کی تمنا اور ان کے موجودہ حالات کے تناسب سے وہ طریقے سچھاتا ہے جن پر وہ آسانی سے عمل کر سکیں۔ اور ان طریقوں کو مشکل سمجھ کر چھوڑ سکیں جو دینی پابندیوں کی بنا پر مشکل اور دیر طلب اور ادھار معلوم ہوتے ہوں۔

یہ کام ہے ابلیس کا۔ اور وہ یہ کام بلا استثناء ہر انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ یہاں سے تین طرح کے انسان سامنے آتے ہیں۔ ایک وہ جو ہدایاتِ خدا اور سؤل پر سختی سے کار بند رہتے ہیں اور دلوں میں پیدا ہونے والے ابلیسی طریقوں پر عمل نہیں کرتے۔ دوسرے وہ جو اپنے دلوں میں پیدا ہونے والی ہر تمنا کو پورا کرنے میں بلا تکلف مصروف ہو جاتے ہیں۔ تیسرے وہ جو اللہ و رسول کے احکامات کو اپنی تمنا پر فٹ کر لینے کی راہیں نکال کر مذکورہ تمنا کو پروان چڑھانے میں لگ جاتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ متقی کہلاتے ہیں اس لئے کہ اللہ اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا ضروری سمجھتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ فاسق یا بے مہاریا یا قانون کہلاتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ حق پوش یا مجتہد کہلاتے ہیں۔

(الف) تمنا کی وسعتوں کو ملحوظ رکھے بغیر جزا یا سزا دینا کیوں غلط ہے؟ اور تمنا کی وسعتوں کے کیا معنی ہیں، مثالوں سے سمجھئے

پہلی مثال: ہر مجرم ہر جرم کسی نہ کسی تمنا کے ماتحت کرتا ہے۔ مثلاً ہمیں خبر ملتی ہے یا پولیس میں رپورٹ لکھائی جاتی ہے کہ فلاں شخص گھر میں ایک شخص رات کو گھس آیا اور اہل خانہ کے بیدار ہو جانے پر اس شخص نے گولی چلا دی اور اہل خانہ میں سے ایک شخص کو مار ڈالا۔ مرنے والے شخص کے بھائی نے بندوق لاکر اُس قاتل کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد پولیس کیا کرے گی؟ عدالت میں کیا ہوگا؟ اس پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ مگر فوری سوال یہ ہوگا کہ وہ شخص اُس گھر میں کیوں گھسا تھا؟ اگر اسے صرف اس گھر کا ایک یا چند آدمی مارنا تھے تو رات میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ دن دھاڑے آتا۔ دستک دے کر کسی کو باہر بلاتا اور گولی چلا کر آنے والے کو مار ڈالتا اور پھر گھر میں جا کر اطمینان سے اوروں کو مار ڈالتا۔ وہ لوگوں کے سو جانے کا منتظر کیوں رہا؟ اگر وہ زندہ رہتا اور سچ بولتا تو وہ ان سوالات کے صحیح جواب دے سکتا تھا۔ اُس کے مر جانے نے ان تمام سوالات پر پردہ ڈال دیا۔ یہی نہیں بلکہ یہ حقیقت بھی اُس کے ساتھ مر گئی کہ اگر اہل خانہ بیدار نہ ہو گئے ہوتے تو وہ کیا کرتا؟ اور اگر گھر میں بندوق نہ ہوتی تو وہ بیدار ہو جانے والوں کے ساتھ کیا کرتا؟ مثلاً سب کو ایک کمرہ میں بند کر کے گھر کا مال و اسباب لے کر چل دیتا؟ مختصر الفاظ میں یہ کہنے دیجئے کہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اُس کا مقصد یا تمنا کیا تھی؟ اگر وہ اہل خانہ خاموش لیٹے رہتے اور اپنا جاگ جانا ظاہر نہ کرتے یا اُس کے سامنے کانپنے لگتے اور اپنی بے بسی کا اظہار کرتے تو اُس کے ممکنہ اقدامات اور مقصد کا پتہ لگانا ممکن تھا۔ وہ لوگ ایسا ضرور کرتے اگر انہیں یہ علم و یقین ہوتا کہ وہ شخص آخر کار اُن کی گرفت سے نہ نکل سکے گا اور یہ کہ اُن کا کوئی مالی یا جانی نقصان نہ کر سکے گا۔ لہذا انہوں نے اُسے مار کر نہ صرف اپنی ایک جان کا

نقصان کیا بلکہ بہت سے حقائق کو روشنی میں آنے کی راہ بند کر دی۔ یعنی اُسے قتل کی فوری جزا یا سزا دینا نقصان کا باعث ہوا اور اُس کے مقصد یا تمنا کا طویل سلسلہ منقطع ہو گیا۔

دوسری مثال: اگر واقعہ کربلا کے بعد یعنی شہدائے کربلا کے قتل ہو جانے کے بعد افواج کو وہیں میدان کربلا میں کسی عذاب سے مار دیا جاتا تو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ وہ اہل حرم اور بچوں کو لوٹیں گے۔ 2: انہیں قید کر کے شہروں اور گلیوں کا گشت کرائیں گے۔ 3: سرہائے شہدائے کونیزوں پر چڑھا کر در بدر لئے پھریں گے۔ 4: اور دربار کوفہ و شام میں انہیں سر برہنہ پیش کریں گے۔ 5: سال بھر قید رکھیں گے؟ یعنی پہلے قدم پر سزا کا ملنا اُن کی پوری تمنا، اسکیم یا مقصد کو چھپا دیتا۔ اسی طرح:

تیسری مثال: اگر قریش کو قومی حکومت بنانے سے قوت سے روک دیا ہوتا تو وفاتِ رسول کے بعد قریش کی وہ تمام کارروائیاں چھپ کر رہ جاتیں جو انہوں نے قومی حکومت قائم کرنے کے بعد کربلا تک اور کربلا کے بعد آج تک کیں؟ کروڑوں انسانوں کے قتل سے باز نہ رہنا۔ ساری دنیا میں فتنہ و فساد پھیلانا کیسے سامنے آتا؟ مذہب اسلام کے ہر مسئلہ کو بدل کر سینکڑوں فرقے بنا دینا کیسے معلوم ہوتا؟

معلوم ہوا کہ اللہ جزا اور سزا دینے میں وہ غلطیاں نہیں کر سکتا جو ہم سے ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اُسے معلوم ہے کہ انسان اُس کی گرفت سے بچ کر نہیں جاسکتا۔ وہ اُن کی تمناؤں، اسکیموں اور مقاصد کو اُس حد تک جانے دیتا ہے جہاں اُن کے دل کی تمام حسرتیں اور امیدیں پوری ہوتی ہوں۔ یہ مشیتِ خداوندی ہے۔ اس مشیتِ خداوندی میں وہ حضرات روک نہیں بننے یعنی اپنے صبر و تحمل و احسانات و غیرہ کی جزا حاصل کرنے میں عجلت نہیں کرتے جو مشیتِ خداوندی کے عالم ہوتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ انہیں بھی اُن کی قلبی تمناؤں اور اُمیدوں کو پوری طرح برسر کار لا کر بہترین جزا دے گا۔ رہ گیا لوگوں کا یا اُن کا اپنا مرجانا، وہ جزا اور سزا میں اس لئے مجمل نہیں ہو سکتا کہ اللہ نیکو کاروں اور بدکاروں کو یا ظالموں اور مظلوموں کو جب چاہے جمع کر سکتا ہے اسی لئے انہوں نے اپنی دعا میں فرمایا تھا کہ:

رَبَّنَا أَنْتَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ (آل عمران 9-8/3)

”اے ہمارے پالنے والے بلاشبہ تو تمام متعلقہ لوگوں کو ایک ایسے دن جمع کرنے والا ہے ہی جس دن کے آنے میں کوئی گتھک یا شش و پنج نہیں ہے۔ یقیناً اللہ اپنی جزا و سزا کے لئے مقرر کردہ میعاد کے خلاف نہیں کرتا۔“

یہ سبب ہے کہ اللہ کی طرف سے نہ غلط اور ادھوری جزا و سزا دی جاتی ہے اور نہ میعاد سے پہلے یا بعد جزا و سزا ملتی ہے۔

15- قریش نے قیامت کے تصور کو بدلنے کے لئے اعمال کی جزا اور سزا کو بھی قرآن کے وعدوں اور بیانات کے خلاف ثابت کر دیا

قرآن کریم سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ نیکو کاروں اور بدکاروں کو اُن کی نیکیوں اور بدیوں کی جزا اس دنیا میں ملنا چاہئے۔ اور دنیا میں جزا و سزا وہی ملنا تھی جو اسلامی قوانین کی رو سے کسی نیکی یا بدی کی سزا مقرر ہے۔ مثلاً فرمایا گیا کہ:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (مائدہ 38/5)

مودودی ترجمہ: ”اور چور، خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ اُن کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔ اللہ

کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔“ (5/38 تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 467-468)

یہ گفتگو ہو چکی کہ نہ معلوم کتنے مجرم بلا اسلامی سزا پائے مر گئے۔ اور انہیں اللہ کے وعدوں کے مطابق اسی دنیا میں سزا ملنا چاہئے۔ یعنی انہیں اس دنیا

میں ہاتھ کاٹے جانے کی تکلیف اٹھانا چاہئے۔ اور ہاتھ کٹنے سے جو نقصان ہوتا ہے اُس کو سہنا چاہئے۔ اور جن لوگوں کو چوری سے نقصان اور مالی دقت ہوئی تھی اُنکا نقصان پورا کیا جانا چاہئے۔ یعنی چور سے چوری کا مال واپس لے کر اُنکو دینا چاہئے اور اگر وہ چوری کے مال کو خرد برد یا خرچ کر چکا ہو تو چور کو اور چور کے اُن اعزہ کو جو اُس کی تحویل میں ہیں اور اُس کے ورثہ کے حقدار ہیں سب سے جبری محنت یا سرمایہ لے کر وہ نقصان پورا کرنا چاہئے جو چور نے کیا تھا۔ جب تک ہر مجرم کو اس دنیا میں یہ سزا اور قرآنی سزائیں نہیں دی جاتی ہیں، اللہ کے وعدے پورے نہیں ہو سکتے۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ کا کیا ہوا وعدہ پورا نہ ہو۔ رہ گیا قریش کا وہ تصور جو وہ پیش کرتے ہیں وہ اس لئے باطل ہے کہ قیامت کی ذیل میں اللہ نے نہ ہاتھ کاٹے جانے کا ذکر کیا ہے نہ قتل کئے جانے کی بات کی ہے نہ سنگسار کرنے کی۔ وہاں تو صرف جنت اور جہنم کی بات ہے اور کسی سزا کا ذکر نہیں ہے۔ رہ گیا یہ الجھاؤ کہ مجرم تو بلا سزا کے مر چکے ہیں۔ اُس کا وہی حل یا جواب ہے جو قریشی علماء دیتے ہیں۔ یعنی قیامت میں از سر نو زندہ کر کے محاسبہ اور سزا و جزا پر عمل ہوگا۔ لہذا جو مجرمین بلا سزا مر گئے یا جو لوگ جزا سے محروم رہ کر مر گئے اُن کو بھی دوبارہ زندہ کر کے مذکورہ جزا و سزا دی جائے گی۔ یعنی صرف اُن لوگوں کو زندہ کیا جائے گا جو محروم الجزا یا سزا رہ گئے تھے تاکہ انہیں قانونی سزا اور جزا دے کر برابر کر دیا جائے اور پھر حقوق اللہ کے لئے ساری نوع انسان کے ساتھ اُن کو بھی مشور کیا جائے اور دائمی زندگی، جنت یا جہنم میں، اُن کے استحقاق کے مطابق عطا کر دی جائے گی۔ (تفصیلات قرآن سے آنے والی ہیں انتظار فرمائیں)

(الف) ہر مجرم اور ہر نیک انسان کو لازم ہے کہ اُن کے جرم یا نیکی کے مطابق وہی سزا یا جزا ملے جو اُن کے جرم یا نیکی کے لئے مقرر ہے

اللہ نے قرآن میں یہ حقیقت واضح طور پر اور طرح طرح بیان کر دی ہے کہ نیکی کے بدلے میں وہی نیکی ملے جو نیک شخص نے کی تھی۔ بدی کے بدلے میں وہی بدی پیش آئے جو مجرم نے کی تھی۔ یعنی اگر کسی نے راہ خدا میں ایک روپیہ خرچ کیا تھا تو اُسے کم از کم وہ ایک روپیہ دنیا ہی میں ملنا چاہئے تاکہ وہ سہولت کی زندگی بسر کرے اور مجرم کے ساتھ وہی بر سلوک کیا جائے جو اُس نے دوسروں کے ساتھ کیا تھا تاکہ اُسے وہ تکلیف دینا ہی میں اٹھانا پڑے جو اُس نے دوسروں کو پہنچائی تھی۔ ورنہ اللہ کے وعدے پورے نہیں ہوتے۔ اگر اُس نے کسی کو پیر میں رسی باندھ کر لوگوں کے سامنے سڑکوں پر گھسیٹا تھا اور پھر قتل کر دیا تھا تو اُسے بھی پیر میں رسی باندھ کر اُن ہی لوگوں کے سامنے اُسی طرح اور اتنا ہی گھسیٹا جانا چاہئے جتنا اُس نے گھسیٹا تھا اور پھر اُن ہی لوگوں کے روبرو اُس کو قتل کرنا چاہئے تو ادھر انصاف و عدل کے تقاضے پورے ہوں گے اور ادھر اللہ کے وعدے اس دنیا میں پورے ہو جائیں گے۔ ورنہ تمام وعدے غلط نکلیں گے۔

(ب) ہر بری بات اور بُرا عمل کرنے والے کو بطور سزا و جزا وہی بری بات اور وہی بُرا عمل سہنا پڑے گا اس دنیا میں یہ مسلمہ قانون ہے

جزا اور سزا کا فطری تقاضا بھی یہی ہے کہ ظالم پر ظلم کیا جائے اور مظلوم کو آسودہ حالی فراہم کی جائے اور اُس کی ہر اُس تکلیف کا نعم البدل اسی دنیا میں فراہم کیا جائے جو اُسے ظالم و جاہل لوگوں نے دی تھی یہاں تک کہ اگر کسی مجرم نے اُس کی توہین کی تھی تو اُس کے رُ برد اس کی توہین کی جانی چاہئے اور اُن سب لوگوں کو دکھا کر توہین ہونا چاہئے جن کے سامنے مظلوم کی توہین ہوئی تھی۔ جزا و سزا کا یہ اصول قرآن سے سینے فرمایا ہے کہ:

جزا و سزا کا اصول: **وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا، فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ** (الشوریٰ 42/40)

مودودی ترجمہ: ”برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے“ پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، اللہ ظالموں کو

پسند نہیں کرتا۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 511)

اس قانون میں ہمارے مندرجہ بالا بیانات کی تصدیق کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر مظلوم ظالم کو بطور احسان اور اُس کی آئندہ زندگی سنوارنے کے لئے معاف کر دے تو اُس کا یہ صبر و ضبط و تحمل اصلاح کی غرض سے اللہ کو پسند ہے۔ اور اب اس ظالم کو اللہ کی طرف سے وہ بری سزائیں نہ دی جائیں گی جو ہم بیان کرتے رہے ہیں اور اُس نے بطور جرم مظلوم پر روا رکھی تھیں۔ اُدھر معاف کرنے والے کو اصلاح میں حصہ لینے اور صبر کرنے کا اجر و بدلہ اللہ جو چاہے دے سکتا ہے۔ لیکن جب ظلم ہو چکا اور مظلوم نے ظالم کو معاف نہیں کیا یا ظالم کے پاس اپنی اصلاح کا موقع نہیں رہا یعنی وہ مر گیا تو اُس پر وہ تمام مظالم کئے جائیں گے جو اُس نے مظلوم پر کئے تھے۔ اور اُسی ماحول میں اور اُسی انداز و مقدار میں کئے جائیں گے جس میں ظالم نے کئے تھے۔

(ج) قانون جزا اور اکی تشریح و تفصیل؟

اس قانون کی تشریح و تفصیل کے سلسلے میں اللہ نے بہت سے بیانات قرآن میں ریکارڈ فرمائے ہیں۔ اُن میں سے چند بیانات دیکھتے چلیں:

(1) مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ

يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ (بقرہ 2/261)

مودودی کا لاشعوری و مجبوری میں صحیح ترجمہ قریشی اسکیم تباہ

”جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، اُن کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اُس سے سات بائیس نکلیں

اور ہر بال میں سو (100) دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔“

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 203-202)

اس آیت اور مودودی کے اس ترجمہ میں جو بات نوٹ کر کے ذہن میں رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ ”جو بیج یا دانہ بویا جائے گا اُسی بیج یا دانہ کی تعداد کو بڑھا کر بونے والے کو دیا جائے گا۔ یعنی گیہوں سے گیہوں پیدا ہو کر بڑھیں گے اور واپس بدلے میں ملیں گے۔ یہ نہ ہوگا کہ بدلے میں مکانات یا کرسیاں دے دی جائیں یا ہاتھی گھوڑے مل جائیں۔ روپے خرچ کئے ہیں تو بڑھا کر روپے ملنا چاہئیں۔ کرسیاں وغیرہ راہِ خدا میں دیں تو کرسیاں وغیرہ بڑھا کر ملنا چاہئیں۔ یہ پابندی اس لئے ہے کہ اللہ نے کھیتی کی مثال دی ہے اور گندم از گندم بڑوید، جو از جو۔ یعنی جو کچھ بوؤ گے وہی کچھ کاٹو گے۔ اللہ کا معاملہ ہے تو وہی کچھ بہت سا پاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کو الفاظ ”اجر و ثواب“ کے پردوں میں نہ چھپاؤ گے اور صاف الفاظ میں اُس چیز کا نام لو گے جس کا اللہ تذکرہ فرما رہا ہوگا۔ یعنی قریشی فریب کارانہ ترجمانی نہ کرو گے۔

(2) دوسرا مختصر بیان: مَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ (بقرہ 2/272)

مودودی کا قریشی ترجمہ: ”جو کچھ مال تم خیرات میں خرچ کرو گے اُس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائیگا، اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی۔“

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 209)

علامہ مودودی کی قریشی چالاکی واضح کرنے کے لئے پہلے علامہ رفیع الدین مرحوم کا اردو میں سب سے پہلا ترجمہ دیکھ لیں، لکھا ہے کہ:

علامہ رفیع الدین کا تحت لفظ ترجمہ: ”اور جو کچھ خرچ کرو تم بھلائی سے پورا پہنچایا جاوے گا طرف تمہارے اور تم نہیں ظلم کئے جاؤ گے۔“

(ترجمہ 2/272)

اب قارئین مودودی کے ترجمہ کے الفاظ دیکھیں اور اُن کے ترجمہ کے اُردو الفاظ کے لئے آیت میں عربی کے الفاظ تلاش کریں یعنی:

- 1: ترجمہ میں لفظ ”مال“ موجود ہے اور یہ عربی کا لفظ ہے اور آیت میں موجود نہیں۔ لہذا مودودی نے قریشی پالیسی کے ماتحت یہ لفظ اپنے پاس سے اضافہ کیا ہے۔
- 2: ترجمہ میں لفظ ”خیرات“ لکھا گیا ہے اور خیرات بھی عربی اور قرآن کا لفظ ہے مگر آیت میں موجود نہیں ہے، یہ دوسرا اضافہ اور فریب ہے۔
- 3: ترجمہ میں لفظ ”اجر“ لکھا گیا ہے اور یہ لفظ بھی قرآن میں استعمال ہونے والا عربی زبان کا لفظ ہے اور اس آیت میں نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ مودودی نے اپنے قریشی زنبیل سے یہ تین الفاظ بڑھا کر یہ چاہا ہے کہ لوگوں کو وہی کچھ بدلے میں ملنا ثابت نہ ہو جو انہوں نے خرچ کیا تھا۔ اور یہ اس لئے کہ قریشی قیامت میں تو نہ روپے ہوں گے نہ کچھ اور ہوگا جو کسی کو بدلے میں دیا جاسکے، نہ وہاں یہ موقع ہوگا کہ لوگ اُس سامان کو استعمال کر سکیں۔ وہاں تو جنت ہوگی اور جہنم ہوگا جس میں مودودی اور قریش کو پھینک دیا جائے گا اور اُن کے وحشیانہ اور ظالمانہ کردار پر پردہ پڑا رہ جائے گا۔ لیکن اللہ کے نظامِ مکافاتِ عمل یا جزا و سزا میں تو سورہ زلزال کے مطابق تمام اعمال دکھائے جائیں گے۔ پھر ہر چھوٹی سے چھوٹی بُرائی اور بڑے سے بڑے جرم کو اُن پر پلٹا دیا جائے گا۔ بار بار قتل کر کے، ہاتھ کاٹ کاٹ کر زندہ کیا جائے گا اور اُن کے ساتھ وہ سب کچھ کیا جائے گا جو انہوں نے بے قصور انسانوں کے ساتھ کیا ہے۔ یہ ہے وہ ہوش رُبا اور روح فرسا صورتِ حال جس کو پھیلاؤنگ کر قریش قیامت کو پیش کرتے ہیں۔ لیکن ہم راہ میں رکاوٹ بن گئے اور مذہبِ شیعہ کی حقیقی ترجمانی سے ساری دنیا کو مطلع کرنا اور قریشی فریب کو سامنے لانا طے کر لیا۔ اور قرآن کا پیش کردہ دین و فلسفہ سادہ اور بھرپور طریقے سے سامنے رکھ دیا ہے۔

ایک یاد دہانی: قارئین، قرآن کریم کی آیات کی بھرمار اور دباؤ سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ خطبہ 28 کی تشریح سے بٹے ہوئے عنوانات چل رہے ہیں ایسا نہیں ہے۔ ہم اُسی سامان کا ہو، ہو ملنا بیان کر رہے ہیں جو، حضرت علی علیہ السلام کے مخاطبوں کے لئے حضور کے بقول، اور آپ کے لئے قرآن اور ہمارے بقول دورانِ سفر اور سفر کے بعد کے لئے جمع کرنا اور ملنا چاہئے۔ اور جس کیلئے فرمایا گیا ہے کہ:

یاد دہانیاں: فَتَزَوَّدُوا فِي الدُّنْيَا مِنَ الدُّنْيَا مَا تَحْزِرُونَ أَنْفُسَكُمْ بِهِ عَدَا (خطبہ نمبر 28 جملہ نمبر 21)

”درست یہی ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے اُسی قدر سامان لے لو جو سفر کے دوران اور بعد سفر کل تمہارے کام آئے گا۔“

بات واضح اور صاف ہے کہ جس ”کل“ کا اور جس سفر کا اور جس سامان کا حضور علیہ السلام نے ذکر فرمایا ہے۔ وہی سامان تو ہوگا جو لوگوں کو کئی گنا بڑھا کر دیا جانے والا ہے۔ اُسی سامان کو دنیا کی زندگی میں بڑھا کر دینے کی بات اللہ قرآن میں کر چکا ہے۔ وہی کل تو قرآن میں بار بار ”الْيَوْمَ“ اور ”يَوْمَئِذٍ“ کہہ کر یاد کرائی گئی ہے۔ وہی کل تو ہے جسے چھپانے کے لئے قریشی تجھے دن رات قرآن کی غلط تعبیرات و ترجمانی چودہ سو (1400) سال سے کرتے چلے آئے ہیں۔ اور انسانوں کے دلوں میں وہ تمنائیں اور تمنائیں پوری ہونے کی امیدیں پیدا کرتے رہے ہیں اور جنہیں پوری کرنے کے لئے اللہ کے احکام میں تبدیلیاں اور اجتہاد کرتے اور کراتے رہے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام اُن ہی اُمیدوں اور خواہشوں اور اجتہادات کو نوعِ انسان کے لئے سب سے خوفناک اور تباہ کن فرماتے ہیں کہ:

وَإِنَّ أَوْفَى مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ اتِّبَاعُ الْهَوَىٰ وَطُولُ الْأَمَلِ: (خطبہ 28، جملہ 20)

”تمہارے لئے جن کا ۲۴ واویوں سے میں ڈرتا ہوں اُن میں سب سے زیادہ خوفناک یہ ہے کہ تم اُمیدوں اور آرزوؤں کے پھیلاؤ کو سمیٹنے کے لئے اجتہاد میں مبتلا ہو جاؤ گے۔“

سوچئے کہ ہم نے ابلیس کا منصوبہ اسی خطبے کی ذیل میں بیان کیا ہے یا نہیں؟ ہم نے قریشی تمناؤں اور اسکیموں کو واضح کیا ہے یا نہیں؟ اور اُن کا مجتہدانہ عمل درآمد اور قرآن کی غلط تعبیرات کرنے پر زور دیا ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ سب کچھ اسی ایک جملہ (28/20) کے ماتحت نہیں آجاتا؟ یاد رکھیے کہ ہم نے کوئی عنوان غیر متعلق قائم نہیں کیا ہے اور ہماری ان تشریحات کو خطبے کے جملوں کے ماتحت جانچئے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے تمام بیانات خطبے کے دائرے سے باہر نہیں نکلے ہیں۔ اور کیسے نکل سکتے ہیں؟ حضور کا ہر جملہ اپنے اندر تاریخ اور قرآن کو سمیٹے ہوئے چلتا ہے۔ اور ہمارے بیانات تو ادھر اور ناقص رہ جاتے ہیں۔ سوچئے کہ کیا ہم نے اُس سفر کو بیان کر دیا ہے جس کا تذکرہ آپ کے اس جملہ میں ہے کہ:

أَلَا وَانْكُمُ قَدْ أُمِرْتُمْ بِالطَّغْنِ؟ (خطبہ 28، جملہ 18)؛ وَ ذَلَّلْتُمْ عَلَى الزَّادِ (خطبہ 28، جملہ 19)؛

”خبردار رہو کہ میں نے تمہیں اس خطرناک سفر کا حکم دے دیا ہے۔ اور اس سفر کے دوران اور اُس کے بعد کام آنے والی چیزوں اور ضرورتوں سے میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔“

ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ حضور جس سفر اور جس منزل کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، ہم نے ابھی اُس سفر اور منزل کی طرف صرف رُخ کیا ہے۔ اُس کے بیان کا ابھی آغاز ہوا ہے۔ ابھی تو ہم اتنا ہی کہنے پائے ہیں کہ تمہیں اس دنیا میں ایک ایسی جگہ پہنچنا ہے جہاں تمہاری کمائی تمہیں ملنے والی ہے، چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

(3) سزا اور جزا پر تیسرا بیان یعنی ساری کمائی بطور جزا سامنے آنا

وَ اتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (بقرہ 2/281)

مودودی ترجمہ اور عیاریاں

اُس دن کی رسوائی و مصیبت سے بچو، جب کہ تم اللہ کی طرف واپس ہو گے، وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی ہوئی نیکی بادی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا” اور کسی پر ظلم ہرگز نہ ہوگا۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 218)

علامہ رفیع الدین کا ترجمہ تاکہ مودودی کی عیاری پکڑی جائے:

”اور ڈرو اُس دن سے کہ پھیرے جاؤ گے بیچ اُس کے طرف اللہ کے پھر پورا دیا جاوے گا ہر جی کو جو کچھ کمایا ہے، اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے۔“ (ترجمہ قرآن، بقرہ 2/281)

مختصر ا یہ کہ اللہ تو ہر شخص کو اُس کی کمائی ہوئی ہر چیز دینے کا اعلان کرتا ہے۔ مگر قریشی علما کمائی ہوئی چیزوں کی جگہ لوگوں کو اُن چیزوں کا بدلہ یا اجر دینا چاہتے ہیں۔ اور مقصد وہی ہے کہ قریش پر گزرنے والے روح فرسا حالات کا، اور اُس منزل کا نام جہاں وہ حالات گزرنا ہیں اور جہاں تمام کمائی ملنا ہے اور اُس دن کا جسے اليوم یا يوم الدين کہا ہے، کا پتہ نہ چل جائے۔ جسے ہم نے رَجَعَتْ کہا ہے۔ ادھر قریش اور قریشی علما کو اللہ کے بیانات میں کمی زیادتی کر کے بدلنے کی ضرورت ہے ادھر اللہ قرآن میں دھڑا دھڑا ایسے بیانات دیتا رہا ہے کہ جن سے لوگ چونک جائیں۔ اللہ جہاں اجر یا بدلہ دینے کی بات کرتا ہے وہ لفظ ”اجر“ آیت میں نازل کر دیتا ہے جہاں بحسب اعمال واپس دینے کی بات کرتا ہے وہاں لفظ اجر استعمال نہیں کرتا، مثالیں دیکھئے:

(4) جزاوسز پر ابرجدینے کا بیان

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ (آل عمران 3/57)

مودودی ترجمہ: ”اور جنہوں نے ایمان اور نیک عملی کارویہ اختیار کیا ہے انہیں اُن کے اجر پورے پورے دے دیئے جائیں گے اور خوب جان لے کہ ظالموں سے اللہ ہرگز محبت نہیں کرتا۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 259)

رفیع الدین کا ترجمہ تاکہ مودودی کا فضول اضافہ ہو اور راز کھلے

اس آیت کے ترجمہ میں اصولاً تو کسی اضافہ کی ضرورت تھی لیکن علامہ اپنے قاریوں اور ہم مذہبوں کی عادت خراب کرنا نہیں چاہتے اس لئے جو اضافہ کیا ہے وہ رفیع الدین کے ترجمہ سے واضح ہو جائے گا، سنئے:

”اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے پس پورا دے گا اُن کو ثواب اُن کا اور اللہ نہیں دوست رکھتا ظالموں کو“ (3/57)

یہاں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی کو کوئی چیز دینے میں اور کسی چیز کا اجر یا ثواب دینے میں بڑا فرق ہے۔ آپ فاتحہ دیتے وقت یہ کہتے ہیں کہ: ”یا اللہ اس درود شریف کا اور ان سورہ ہائے قرآنی کا اور اس شیرینی یا طعام کا ثواب حضرت حجۃ علیہ السلام کے توسط سے فلاں فلاں مرحوم لوگوں کو پہنچے۔“

یہ اس لئے کہ شہداء علیہم السلام کے علاوہ باقی مرنے والوں کو کھانے کا سامان نہیں ملتا محض ثواب ملتا ہے اور وہ بھی اُن کے اعمال نامہ میں لکھا جاتا ہے۔ اسی لئے شہداء، انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کو ایصال ثواب نہیں کرتے بلکہ نیاز و نذر کرتے ہیں۔ اور وہ حضرات نذر و نیاز کی چیزوں کو استعمال کرتے ہیں اور حضرت حجت علیہ السلام کا نظام بکنسہ وہ سامان اُن کے پاس پہنچاتا ہے۔ گو تمہارے پاس سے کم نہیں ہوتا مگر ہر وہ چیز جو تم نے نذر میں پیش کی تھی بکنسہ وہاں پہنچتی ہے۔

(5) اصل اعمال یا نیکی یا بدی کا پہنچنا: یہ بیان سنئے اور دیکھئے کہ تمہارا ہر عمل اُس روز تمہارے سامنے ہوگا اور اچھے اعمال تمہاری زندگی میں سہولت

فراہم کریں گے اور بُرے اعمال اپنی برائی کے تناسب سے مصیبت میں مبتلا کریں گے:

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تَجَادُلٌ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (نحل 16/111)

ہمارا ہر طرح قرآن کے مطابق ترجمہ: ”وہ دن جس روز ہر ذی حیات خود اپنی ذات کے لئے جھگڑتا ہوا آئے گا اور اُس دن ہر ذی حیات کو اُس کا ہر عمل پورا پورا دیا جائے گا اور اُن پر ظلم یا زیادتی نہ کی جائے گی۔“ یعنی اُن کے اعمال میں کمی بیشی نہ ہوگی۔

یہاں سورہ زلزال کی آخری آیات (8 تا 99/6) کو اور سورہ کے مقصد کو سمجھ لیں۔ یعنی:

”وہ دن ایسا ہوگا کہ تمام محروم الجزاوسز اپنے اپنے مختلف حالات میں صادر ہوں گے۔ مثلاً کچھ لوگ زخمی حالت میں آئیں گے کچھ لوگ مسلح اور جنگ جوؤوں کی صورت میں ہوں گے۔ کچھ مظلوم اور ستائے ہوئے حال میں ہوں گے۔ کچھ شاہانہ ٹھاٹھ سے آئیں گے۔ (يَوْمَئِذٍ يَصُدُّرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا؛ 99/6) پھر اُن پر اُن کے اعمال اثر انداز ہوں گے۔ قاتلوں کو قتل کی لذت دکھائی جائیگی اور صابروں کو اُن کے صبر سے لطف اندوز کیا جائیگا (لَيَّرُوا اَعْمَالَهُمْ ۝ 99/6) اور سب کو اُن کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے اعمال کا فائدہ یا نقصان بھگتنا پڑیگا (فَمَنْ يَّعْمَلْ

مِنْ قَالٍ ذَرَّةً خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنْ قَالٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ 99/7-8)

(6) سزا اور جزا پر ایک اور بیان اور سزا اور جزا کی قانونی صورت:

اور اس کی مزید تشریح اور صورت یوں پیش کی ہے کہ:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتِنَانٍ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (انعام 6/161)

”جو بھی نیکی کے ساتھ آئے گا اُس کے لئے اُس کی اُس نیکی کی مانند دس نیکیاں ہیں۔ اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا اُس کے لئے اُس کی

اُس برائی کی مانند ایک ہی برائی ہے۔ اور اُن کے ساتھ کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔“

سابقہ قرآنی بیانات سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ نیکی کی جگہ دس نیکیاں اور برائی کی جگہ صرف ایک برائی دی جانا اللہ کا قانون ہے۔ مثلاً ایک مومن نے راہِ خدا میں ایک روپیہ خرچ کر کے تھوڑی سی تنگی برداشت کی تھی اُسے اُس دن دس روپے دے کر دس گنا سہولت فراہم کی جائے گی۔ اور اگر کسی نے ایک بُرا کام کیا تھا تو اُس کے ساتھ وہی ایک بُرا کام کیا جائے گا۔ یعنی نیکی کے بدلے میں دس گنا نیکیاں اور برائی کے بدلے میں برابر کی ایک بُرائی ملے گی۔ مگر اُسے ذلیل و رسوا ہر حال میں کیا جائے گا مثلاً فرمایا کہ:

(7) بد کرداروں کو ایک بُرائی پر بھی ذلیل و رسوا کیا جائے گا

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطْعًا

مِنَ الْبَيْلِ مُظْلِمًا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (یونس 10/27)

”اور جن لوگوں نے برائیاں کمائی ہیں۔ اُن کی ہر برائی کی جزا میں اُنہیں اُن کی برائی کی مانند ایک ایک برائی ملنا ہے۔ اور اُن پر ذلت کو

مسلط کیا جائے گا۔ اور اللہ کی اُس ذلت سے اُنہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ اُن کے چہرے رات کی سیاہی کی طرح کالے کر دیئے جائیں

گے وہ ہمیشہ آگ میں رہنے والے صحابہ ہوں گے۔“

(8) سزا اور جزا پر قرآن کا آخری اور مثالی بیان اور مودودی کا وہ ترجمہ جو اُن کی تمام چالاکیوں کا جواب ہے

یہاں تک بار بار قرآن کریم سے جنت اور دوزخ کے علاوہ دوسری قانونی اور فطری سزا اور جزا یاد جانا ثابت ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود ہم ایک اور آیت لکھتے ہیں تاکہ علامہ مودودی کا ایک ایسا ترجمہ دکھا سکیں جو اُن کی تمام عیاریوں، مکاریوں اور چالاکیوں پر پانی پھیر کر ہماری تائید میں حرفِ آخر کہلا سکتا ہے سنئے:

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْأَحْرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (اعراف 7/147)

مودودی کا قریشی یا لیبسی کے خلاف ترجمہ: ”ہماری نشانیوں کو جس کسی نے جھٹلایا اور آخرت کی پیشی کا انکار کیا اُس کے سارے اعمال

ضائع ہو گئے۔ کیا لوگ اس کے سوا کچھ اور جزا پاسکتے ہیں کہ جیسا کریں ویسا بھریں؟“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 79)

ہمارا یہ زیرِ قلم عنوان قرآن کریم سے یہ دکھانے کے لئے قائم کیا گیا تھا کہ ہر انسان کو اس دنیا میں وہ سب کچھ ملنا چاہئے جو اُس نے راہِ خدا میں صرف کیا اور ہر انسان پر وہ سب کچھ گزرننا چاہئے جس میں سے اُس نے دوسروں کو گزارا۔ یعنی جیسا کرے ویسا بھرے۔ دوسروں کی آزادی اور خوشحالی میں کوشاں رہا تو اُسے آزادی اور خوشحالی ملے۔ دوسروں کو قید و بند و مصائب میں رکھا تو اُسے قید و بند و مصائب میں رکھنا چاہئے اور اُسی ماحول میں رکھنا چاہئے جس میں دوسروں کو رکھا تھا۔

(9) سرمایہ داروں کو اسی دنیا میں زراعت و زری کی سزا ملنا ضروری ہے: خود فرمایا ہے کہ:

..... وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارٍ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ (توبہ 34-35)

مودودی ترجمہ: ”دردناک عذاب کی خوشخبری دو اُن کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اُسی سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی اور پھر اُسی سے اُن لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 191)

16- قرآن میں مذکور حقوق العباد کی ادائیگی میں جزا و سزا کے لئے اس دنیا اور دُنیا کے تمام سامان اور ماحول کی ضرورت ہے

ہم نے عرض کیا ہے کہ قرآن میں مذکور جزا و سزا کے وعدے اس دنیا میں پورے ہونا لازم و واجب ہیں تاکہ لوگوں کو وہ نعمتیں دی جا سکیں جن سے انہیں محروم رہنا پڑا تھا اور محروم کرنے والوں کو محروم رکھنے کا انتظام رکھا جائے گا۔ زندگی سے محروم کرنے کے لئے تلواریں اور تازیانے اور نکلنگی وغیرہ کی ضرورت ہے۔ قید کرنے کے لئے قید خانے اور تھکڑیاں بیڑیاں اور زنجیریں لازم ہیں۔ مندرجہ بالا آخری آیت والی سزا کے لئے وہ تمام سونا اور چاندی اور سکہ موجود ہونا لازم ہیں جن سے داغا جائے گا۔ اُن کو باندھنے اور دوڑ بھاگ سے روکنے کا انتظام ضروری ہے۔ وہ مکانات موجود ہونا چاہئیں جن میں چوری یا قتل اور دیگر جرائم واقع ہوئے وہ لوگ ہونے چاہئیں جن کے سامنے متعلقہ واقعات وقوع میں آئے تھے۔ ذلت و رسوائی کا تمام سامان موجود ہونا چاہیے ورنہ ”جیسا کرنا ویسا بھرنا“ ناقابل عمل ہوگا۔ مختصراً یہ سمجھ لیں کہ یہ سب کچھ قیامت سے پہلے یعنی آخری فیصلے سے پہلے وقوع میں آنا چاہئے۔ ورنہ زمین اور پہاڑ چوڑو چوڑو ہوجانے کے دوران یا بعد میں یہ سب کچھ نہ ہو سکے گا۔ نئی زمین اور نیا آسمان بن جانے کے بعد (سورہ حجر) وہ دینے بھی زمین کے ساتھ چکنا چور و تباہ ہو جائیں گے وہ مکانات بھی نہ رہیں گے جن میں واقعات رونما ہوئے تھے۔ وہ قید خانے کہاں ہوں گے جن میں مظلوموں کو قید رکھا گیا تھا۔ تلواریں، بیڑیاں اور زنجیریں کہاں بچیں گی؟

17- اللہ کا سو فیصد عادل و مُنصف و عليم و حکيم و قدیر ہونا ثابت نہیں ہوتا اگر رَجَعْتُ اِلَى اللہ کی عملی و مشہود پالیسی کو نظر انداز کر دیا جائے

سابقہ عنوانات اس عنوان کے ثبوت میں بھرپور طریقے سے کافی ہیں۔ اب جس حقیقت کو سامنے لانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ:

1- ”رَجَعْتُ اِلَى اللہ“ کیا ہے؟ کب ہوگی؟ کس طرح ہوگی اور:

2- ”رَجَعْتُ“ کا ثبوت کیا ہے؟

رجعت کو بیان کرنا اور اُسکی تفصیل کو قرآن سے سامنے لانا ہی اس عنوان کا مقصد ہے۔ مندرجہ بالا سوالات کیلئے پہلی بات یہ سمجھنا چاہئے کہ لفظ ”رجعت“ ڈکشنری یا لغت کا عام اور بہت استعمال ہونیوالا لفظ ہے اور اس میں ذاتی طور پر کوئی دین کا یا بے دینی کا تصور نہیں ہے۔ اُس کے معنی ہیں ”پلٹنا“ اور اس معنی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو چیز کسی چیز کی طرف پلٹتی ہے وہ چیز اُس سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ تعلق اگر اُس چیز کی تخلیق یا فطرت سے ہے تو یہ پلٹنا اُسکی فطرت یا تخلیق میں داخل ہے۔ یعنی اُس کا پلٹنا تخلیقی اور فطری قوانین کے ماتحت ہے۔ یعنی اس پلٹنے میں وہ چیز مختار نہیں ہے کہ اگر نہ چاہے تو نہ پلٹے یا کسی اور طرف پلٹ جائے۔ اس قانون کو عربی زبان میں یوں کہا گیا ہے کہ:

”كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ“ ”ہر چیز اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے۔“

ہر چیز کا اپنی اصل و حقیقت کی طرف پلٹنا بتاتا ہے کہ کائنات کہ ہر چیز خود نہ اپنی ”اصل“ ہے نہ ”حقیقت“ ہے۔ بلکہ کسی ”اصل“ یا ”حقیقت“ کی فرع (شاخ یا جُز) ہے، چنانچہ:

(الف) رجعت کے قانونی، فطری یا سائنسی اور مشہود معنی پر بیان:

زمین سے پیدا ہونے والی وہ تمام چیزیں رفتہ رفتہ مٹی ہو جاتی ہیں جن کی ”اصل و حقیقت“ زمین ہے۔ اُن چیزوں کے مٹی بننے کا زمانہ یا مدت یکساں نہیں ہے۔ یعنی بعض چیزیں جلدی مٹی بن جاتی ہیں اور بعض کو مٹی بننے میں بہت عرصہ لگتا ہے۔ زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں میں لوہا یا دھاتیں باقی چیزوں سے سخت ہوتی ہیں اور انہیں بھی حسبِ حالت مٹی بننے میں بہت عرصہ لگتا ہے۔ اُن کا استعمال اور قیمت میں کمی بیشی اسی قاعدے پر منحصر ہے کہ کون سی دھات کتنے عرصہ تک اپنی خاصیت پر برقرار رہتی ہے اور مٹی بننے میں یا اپنی خاصیت اور قوت چھوڑنے میں کتنا عرصہ لگاتی ہے؟ زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں میں بھی بعض ایسی ہیں جن کے متعلق تجربہ سے یہ طے کر لیا گیا ہے کہ وہ ہرگز مٹی نہ بنیں گی۔ مثلاً سونا، ہیرا اور پلٹینم (Platinum)۔ ہر چیز کو اُس کی اصل کی طرف پلٹانے کے تخلیقی قوانین ہر چیز کی تخلیق میں بھی رکھ دئے ہیں۔ یعنی ہر چیز کے اندر ایک داخلی تخریب اُسے اُس کی اصل کی طرف پلٹنے پر مجبور کرتی چلی جاتی ہے اور ایسے قوانین بھی بنا دیئے ہیں جو باہر سے ہر چیز پر اثر انداز ہو کر اُن کو اُن کی اصل کی طرف پلٹانے یا رجعت کرانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ اور ایسے قوانین بھی موجود ہیں جن کو ماہرینِ قوانین استعمال کر کے چیزوں کی رجعت میں تاخیر پیدا کر سکتے ہیں۔ دھاتوں کو رجعت کرانے والا داخلی قانون، اور اُس کی مادی و مشہود صورت کو ”علم المعادنیات“ (Metallurgy) میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

The tendency of a metal to return to its original state is called Corrosion.

”کسی دھات کا وہ میلان طبع جو اُسے اُس کی بنیاد یا اصل کی طرف پلٹاتا ہے ”زنگ“ کہلاتا ہے۔“

چنانچہ ”زنگ“ وہ نتیجہ ہے جو دھاتوں کو اندرونی یا طبعی قانون کے دباؤ سے لگتا ہے۔ لوہے کا زنگ لال رنگ کے پاؤڈر کی صورت میں لوہے کو رجعت کراتا ہے۔ تانبے اور پیتل کا زنگ سبز رنگ کا اور ایلومینیم کا سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ اُن کو زنگ سے بچانے کیلئے ہی اُن پر رنگ و روغن (Paint) لگاتے ہیں۔ بہر حال اس بیان سے اشیاء یا موجودات کی ”رَجَعَتْ“ اور رَجَعَتْ کے معنی واضح ہو جانا چاہئیں۔ اب یہ سمجھ لیں کہ لفظ ”رَجَعَتْ“ کا مادہ یا اصل و بنیاد و حقیقت ”ر-ج-ع“ ہے۔ اسی اصل سے لفظ ”رُجُوعٌ“ بنتا ہے۔ اسی سے لفظ رَاجِعُونَ اور تُرْجَعُونَ بنتے ہیں۔ اور اسی سے لفظ ”مَرْجِعٌ“ بنتا ہے یعنی وہ ہستی جس کی طرف متعلقہ چیزیں ”رَجَعَتْ“ کرتی ہیں یا رجوع ہوتی ہیں۔ لہذا ہر چیز و ہر مخلوق کیلئے ایک ”مَرْجِعٌ“ ہوتا ہے اور اُس مرجع سے بننے والی تمام چیزیں اُس کی طرف رجعت کرنے پر مجبور و مخلوق ہوتی ہیں۔ اسی اصول کی مجازی صورت ظاہر کرنے کے لئے اللہ نے قرآن میں یوں فرمایا ہے کہ:

(ب) اللہ پوری کائنات کی ہر مخلوق یا چیز کا مجازی مرجع ہے

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبَّهُمْ وَإِنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

(بقرہ 46-45/2)

مودودی ترجمہ: ”صبر اور نماز سے مددلو، بے شک صبر اور نماز ایک سخت مشکل کام ہے، مگر ان فرماں بردار بندوں کے لئے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انہیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 74-73)

چونکہ بات رجعت کی ہو رہی ہے اس لئے مودودی نے آیت میں لفظ صبر موجود ہوتے ہوئے بھی صرف نماز کو مشکل کام لکھ کر صبر کو ترجمہ سے خارج کر دیا تھا جو ہم نے خود ترجمہ میں لکھا ہے۔ اور چونکہ مودودی اینڈ کمپنی کو رجعت سے بخار ہو جاتا ہے اس لئے انہوں نے ”رَجَعْتُ“ کو آخری چیز یا ”قیامت“ بنانے کیلئے اپنی شیطانی جیب سے ترجمہ میں لفظ ”آخر کار“ بڑھا دیا ہے جس کے لئے آیت میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ بہر حال ان آیات اور سینکڑوں دوسری آیات سے یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی طرف رجعت ہونا ہے۔ اور وہی مرجع ہے۔

(ج) اللہ نے خود کو ہر چیز کے مرجع کی حیثیت یا یوزیشن میں پیش کیا ہے یعنی مقام رَجَعْتُ فرمایا ہے

ذیل میں چند آیات کے ٹکڑے پیش کرتے ہیں تاکہ لفظ ”مَرْجِعٌ“ (مقام رجعت) کا استعمال اور مودودی کا گھبرا کر ہر جگہ لفظ ”آخر کار“ کا اضافہ اور فریب بھی سامنے آجائے اور معلوم ہو جائے کہ قریشی علما کو ”رَجَعْتُ“ اور ”مَرْجِعٌ“ سے کتنا خطرہ ہے اور وہ رجعت کو اپنے والی قیامت میں تبدیل کرنے کے لئے کس طرح بے تکلفانہ قرآن سے مکر و فریب کرتے رہے ہیں، سنئے:

(1) ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ (عمران 3/55) ”پھر تم سب کو آخر کار میرے پاس آنا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 259)

یہاں رجعت کو آخری چیز بنانے کے لئے ”آخر کار“ تو بڑھا یا ہی تھا، اُس کے ساتھ ہی لفظ ”سب کو“ بھی بڑھا دیا اسلئے کہ قیامت میں ساری نوع انسان جمع ہوگی۔ لہذا رجعت کو قیامت بنانے کے لئے اللہ سے رہی ہوئی آیت کی دونوں خامیوں کی اصلاح کر کے قرآن کا عیب دُور کر دیا اور سنئے:

(2) إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا؛ (مائدہ 5/48) ”آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 478)

یہاں لفظ جَمِيعًا موجود تھا اس لئے صرف لفظ ”آخر کار“ بڑھانا پڑا، ورنہ خامی رہ جاتی اور سنئے:

(3) ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ؛ (انعام 6/60) ”آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 546)

مجال ہے جو مودودی بھول جائیں اور سنئے:

(4) ثُمَّ إِلَيَّ رَبُّكُمْ مَرْجِعُكُمْ؛ (زمر 39/7) ”آخر کار تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 361)

یہاں پھر علامہ نے اللہ کی دوہری اصلاح کر دی ہے لفظ جَمِيعًا آیت میں نہیں ہے نہ ہو علامہ پر واجب ہے کہ اللہ کو (معاذ اللہ) غلط یا ادھوری بات نہ کہنے دیں۔

(د) حقیقی مَرْجِعُ اللہ ہرگز نہیں ہے ورنہ تمام مخلوقات کو اللہ کے اجزا ماننا ہوگا

یہ گفتگو ہو چکی ہے کہ درحقیقت اللہ کی طرف کسی چیز کی یا کسی انسان کی ”رَجَعْتُ“ یا واپسی ممکن ہی نہیں ہے ورنہ سب چیزوں کو ایسے ذرات میں بکھیرنا ہوگا جو ناممکن ہیں کہ ہر ذرہ ہر جگہ رکھا جاسکے۔ علاوہ ازیں مخلوق میں سے کوئی چیز حتیٰ کہ اللہ کا نور بھی اللہ کا جز نہیں ہے نہ اللہ سے کوئی چیز پیدا ہو سکتی ہے۔ اور حقیقی مرجع وہی ہو سکتا ہے جس سے چیزیں پیدا ہوں۔ جیسے زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کا مرجع زمین ہے۔ اور سب اسی میں مل کر مٹی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم بات کو بڑھائے بغیر یہ کہہ دیں کہ اس کائنات کی تمام مخلوقات نور محمدی سے پیدا کی گئی ہیں اور ہر چیز کسی نہ کسی سائنٹیفک طریقے سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجزا کا مجموعہ ہے۔ وہی اُن کی علتِ مادی اور علتِ صوری اور علتِ فاعلی اور علتِ غائی

ہیں اور وہی تمام مخلوقات کے حقیقی ”موجع“ و مصدر ہیں۔ اور رجعت ہو یا قیامت وہ حضرت محمد بن حسن عسکری، حجة اللہ فی الخلق رب الارض والسموات، قائم قیامت ہیں، سلام اللہ علیہ علی آباءہ و أمہاتہ۔ رہ گیا اللہ کا مرجع ہونا؟ وہ مجازی ہے اور یہ آیت بھی اللہ کے مرجع حقیقی نہ ہونے پر دلیل ہے:

(ہ) اللہ نے آگ کے انبار کو یا ڈھیر کو انسانوں کا مرجع فرما کر خود مرجع ہونے کا انکار کر دیا ہے

أَذَلَّكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزُّقُومِ ۝ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ۝ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ۝ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيْطَانِ ۝ فَإِنَّهُمْ لَا كَلُونَ مِنْهَا فَمَا لَوْ نَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ۝ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ۝ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ۝ (الصَّافَّاتُ 37/62 تا 69)

”کیا وہ صورت حال بہتر ہے جو آیات (37/39 تا 50) میں بیان ہوئی ہے یا یہ بہتر ہے جس میں زقوم کا درخت کھانے کو ملے گا۔ ہم نے زقوم کے درخت کا نام خالموں کے لئے بُری آزمائش یا فتنہ بنا دیا ہے۔ وہ ایک ایسا درخت ہے جو آگ کے ڈھیر میں اُگا کرتا ہے۔ اس کے شگوفے شیطانوں کے سروں کی مانند ٹیڑھے ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ مجرم لوگوں کی غذا وہی درخت ہوگا اور اُسی سے اُن لوگوں کو اپنا بیٹ بھرنے پڑے گا۔ اور پھر انہیں پینے کے لئے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ پھر اُن کا مرجع وہی جحیم، یعنی آگ کا ڈھیر ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا تھا اور اُن ہی کے نقش قدم پر چلے تھے۔“

لہذا ثابت ہوا کہ نہ اللہ انسانوں کا حقیقی مرجع ہے نہ اللہ انسانوں کا مستقل مرجع قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور یہ کہ تمام جزئی اور عارضی مَرَجُونَ کا حقیقی و مستقل مرجع نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور تمام مخلوقات کی آخری رجعت بھی اُن ہی کی طرف ہونا ہے۔

(و) رجعت اپنے وسیع اور عام معنی میں ایک مسلسل اور مستقل قانونی عمل در آمد ہے

یہ حقیقت بیان ہو چکی کہ کائناتی مخلوقات کو اُن کے اندرونی اور بیرونی تخلیقی قوانین ہر لمحہ اُن کی اصل کی طرف لوٹانے یا رجعت کرانے میں مصروف ہیں۔ یعنی رجعت ہر لمحہ ہو رہی ہے۔ یہ ایک عمل مسلسل ہے۔ جو پیدا ہوتے ہی ہر چیز پر مسلط ہو جاتا ہے۔ اور ہرگز پیچھا نہیں چھوڑتا جب تک مرجع کے حضور حاضر ہونے کے قابل نہ بنادے۔ یا مَرَجٌ خود ہی اُسے نہ روک دے۔ اور رجعت کو روکنے کے لئے بھی اللہ کے قوانین ہی پر عمل کرنا ہوگا۔ چنانچہ جب سلامتی کا ضابطہ، یعنی ”دین اسلام“ اپنی ہمہ گیر صورت میں نافذ کر دیا جائے گا تو اُس پر عمل کرنے والوں کے لئے صرف سلامتی ہی سلامتی رہ جائے گی۔ وہ تمام قومیں مغلوب و مفلوج ہو کر رہ جائیں گی جو نوع انسان کو تباہی و زوال و ہلاکت و موت کی طرف بڑھاتی ہیں۔ چنانچہ اُس زمانے کے لوگوں کو دنیا ہی میں حیات جاودا مل جائے گی۔ وہی لوگ ہوں گی جو مار ڈالنے والے صُور سے بھی نہ مر میں گے۔ (زمر 39/68)

18۔ ایک ایسے دن کا اور ایک ایسے نظام کے آنے کا تین مرتبہ وعدہ کیا گیا ہے جس میں ”دین اسلام“ کے لانے والے کو ”دین“ کے ہر

گوشہ پر غالب کر دیا جائے گا

یہاں سے اللہ کا وہ وعدہ دیکھئے جسے قرآن میں تین مرتبہ دوہرایا گیا ہے اور جو یہ بتاتا ہے کہ اللہ اسلام کے اولین و آخرین علم بردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو مکمل اور ہمہ گیر بنادے گا اور آنحضرت کو دین کے ہر پہلو پر غالب کر دے گا۔ یعنی وہ تمام قومیں اور تمام مزاحمتیں اُن کی

راہ سے ہٹا دی جائیں گی۔ جنہوں نے لانا انتہا مدت تک نہ ان کے نور کو مکمل ہونے دیا اور نہ دین کا ہر گوشہ، اور ہر حکم و قانون نافذ ہو سکا۔ جس میں نظامِ شرکت کو معطل کر دیا جائے گا اور ان لوگوں کی ناگوار یوں کی پرواہ نہ کی جائے گی جو اسلامی حکومت میں نظامِ شرک و مشاورت کا حصہ اور شمولیت پر کار بند چلے آ رہے تھے۔ (آل عمران 154 تا 152/3) ملاحظہ ہو۔

(الف) تیسرے سال ہجرت، 3 ہجری میں یہ آیات سنائی گئیں

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ يُرِيدُونَ
لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ (الصَّفِّ 9 تا 61/7)

”اُس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ کے متعلق جھوٹی ایجادات کرے حالانکہ اُس شخص کو اسلام کی دعوت دی جا رہی ہے؟ اور اللہ اُسے اور اُس کی ظالم قوم کو نہ ہدایت کرتا ہے اور نہ کرے گا۔ اُس شخص اور اُس کی قوم کی پالیسی یہ ہے کہ وہ اپنے پروپیگنڈے اور باتوں سے اللہ کے نور کی حقیقت کو پھیلنے سے روک دیں۔ اور اللہ نے اپنے نور کی حقیقی روشنی کو انتہائی مقام تک پہنچانا ہے۔ خواہ حق پوش لوگوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو مکمل ہدایات اور حق نما دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ رسول کو دین کے ہر پہلو پر غلبہ عطا کرے خواہ حکومتِ خداوندی میں شرکت کے قائلین کو گراں ہی کیوں نہ گزرے۔“

(ب) چھٹی ہجری، 6ھ میں اسی وعدے کو پھردہرایا گیا

سورہ صف (7 تا 61/9) میں یہ وعدہ اور اعلان کر کے قریشی قوم اور اُس کے مجتہد لیڈر کو متنبہ کر کے تین سال کا موقع دیا گیا اور پھر فرمایا گیا کہ:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ (نَحْ 28 تا 48)

”اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو مکمل ہدایات اور حق نما دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اُسے مکمل دین کے ہر گوشہ پر غلبہ عطا کر دے اور اس وعدہ کی حقیقت پر اللہ بہت کافی گواہ ہے۔“

(ج) ہجرت کے نویں سال پھر وہی وعدہ یاد دلایا گیا تھا:

تین تین سال کی تیسری قسط پوری ہو جانے کے بعد فرمایا گیا کہ:

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ
بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ (توبہ 33-32/9)

”قومی پالیسی یہ ہے کہ وہ اپنے پروپیگنڈے اور باتوں سے اللہ کے نور کی روشنی کو پھیلنے سے روک دیں۔ مگر اللہ اپنے نور کی حقیقی روشنی انتہائی مقام تک پہنچائے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ حق پوشوں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو؟ اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو مکمل ہدایات اور حق نما دین کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ رسول کو مکمل دین کے ہر پہلو پر غلبہ عطا کر دے خواہ حکومتِ خداوندی میں شرکت چاہنے والوں کو گراں ہی کیوں نہ گزرے؟“

(د) مودودی نے کہاں تک اس وعدے کی تائید کی ہے اور کہاں تک حق سے پھرے ہیں؟

ان آیات کی وضاحت ہم بعد میں کریں گے۔ پہلے آپ مودودی کی تشریحات میں سے اہم پہلو دیکھ لیں۔ ہم نے ان وعدوں کو تلاوت کی ترتیب سے لکھا ہے تاکہ یہ نوٹ کر لیا جائے کہ پہلے اللہ نے کیا اور کتنا فرمایا۔ دوسری دفعہ کیا بتایا اور آخری مرتبہ کیا کچھ دہرایا؟ مگر مودودی نے سورتوں کے نمبروں کا خیال رکھا ہے لہذا پہلی بات آخر میں چلی گئی ہے۔ لہذا ان کی تشریحات کی ترتیب بھی الٹی ہی لکھنا پڑے گی۔ سنئے تیسری دفعہ یعنی آخری بار والی آیات (33-9/32) کی تشریح پہلی تشریح بن گئی ہے۔

(1) دین کو غالب کرنا محمدؐ کا کام مانا ہے اور تمام نظام مہائے زندگی پر غالب کرنا ان کی ذمہ داری ہے:

”32 متن میں ”الدین“ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ ہم نے ”جنس دین“ کیا ہے دین کا لفظ جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں، عربی زبان میں ”اُس نظام زندگی یا طریق زندگی“ کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے قائم کرنے والے کو سند اور مطاع تسلیم کر کے اُس کا اتباع کیا جائے۔ پس بعثت رسول کی غرض اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ جس ہدایت اور دین حق کو وہ خدا کی طرف سے لایا ہے ”اُسے دین کی نوعیت رکھنے والے تمام طریقوں اور نظاموں پر غالب کر دے“ دوسرے الفاظ میں رسول کی بعثت کبھی اس غرض کیلئے نہیں ہوئی کہ جو نظام زندگی لے کر وہ آیا ہے، وہ کسی دوسرے نظام کے تابع اور اُس سے مغلوب بن کر اور اُس کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں میں سمٹ کر رہے، بلکہ وہ ”بادشاہِ ارض و سما کا نمائندہ بن کر آتا ہے۔ اور اپنے بادشاہ کے نظام حق کو غالب دیکھنا چاہتا ہے۔“ اگر کوئی دوسرا نظام دنیا میں رہے بھی تو اُسے ”خدائی نظام کی بخشی ہوئی گنجائشوں میں سمٹ کر رہنا چاہیے“ جیسا کہ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں ذمیوں کا نظام زندگی رہتا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 190)

اس تشریح کے تمام پہلوؤں کو ذہن میں رکھیے اور ایک اور تشریح سورہ فتح (48/28) پر سنئے، لکھتے ہیں کہ:

”51۔۔۔ بلکہ اُن کے علیٰ الرغم اُس ہدایت اور اُس دین حق کو پوری جنس دین پر غلبہ حاصل ہو کر رہے گا جسے لے کر یہ رسول ہماری طرف سے آیا ہے، خواہ یہ منکرین اُسے روکنے کے لئے کتنا ہی زور مار کر دیکھ لیں۔“ پوری جنس دین سے مراد زندگی کے وہ تمام نظام ہیں جو ”دین“ کی نوعیت رکھتے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 62)

مودودی کی یہ تشریح بھی کم و بیش وہی کچھ کہتی ہے جو پہلی تشریح میں تفصیل سے لکھا ہے۔ آخری تشریح سنئے:

(2) مودودی نے مضحکہ خیز جھوٹ بولا ہے دین اسلام کبھی بھی رسول اللہ کے زمانہ سے آج تک تمام ادیان و نظام مہائے زندگی پر غالب نہیں آیا مودودی لکھتے ہیں کہ:

”ان حالات میں فرمایا گیا کہ اللہ کا یہ نور کسی کے بجھائے بجھ نہ سکے گا بلکہ پوری طرح روشن ہو کر اور ”دنیا بھر میں پھیل کر رہے گا“ یہ ایک

صریح پیشینگوئی ہے جو ”حرف بحرف“ صحیح ثابت ہوئی۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 477، حاشیہ 12)

حرف بحرف کا مطلب یہ ہے کہ اسلام اس زمین کے طول و عرض میں ہر جگہ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، یورپ، ایشیا اور تمام جزائر میں پہنچا اور ہر جگہ ہر دین و مذہب و فلسفہ اور نظام زندگی پر غالب آیا۔ اُن سب کو ذمیوں کی طرح رہنے پر مجبور کیا۔ اور پوری نوع انسان سے اللہ کا بادشاہِ ارض و سما ہونا منوالیا۔

قارئین خود سوچیں اور فیصلہ کریں کہ اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے؟ عہد رسول میں رسول کے ہاتھوں تو الگ؛ یہ صریح پیش گوئی تو آج تک ایک منٹ کے لئے بھی حرف صحیح ثابت نہیں ہوئی مودودی والا اسلام سینکڑوں فرقوں میں بکھر کر تباہ ہو گیا۔ مسلمان نام کے لوگ ساری دنیا میں بھکاری و ذلیل ہیں۔

(ہ) تمام رسولوں کی بعثت کی غرض اگر بقول علامہ ساری دنیا کی اقوام و مذاہب و مذاہب اور نظامہائے زندگی پر غلبہ تھا تو بھی وہ غرض پوری نہ ہوئی

یہ بھی نوٹ کریں کہ مودودی نے اپنی پہلی تشریح میں تمام رسولوں کی بعثت کی غرض دنیا کے تمام ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی پر غلبہ اور اللہ کی ہمہ گیر حکومت قائم کرنا لکھی ہے۔ اور ظاہر ہے اور خود مودودی کے مسلمات میں سے ہے کہ کسی سابقہ رسول کو بھی ساری دنیا میں ایسا غلبہ اور روئے زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنا نصیب نہیں ہوا۔ لہذا لازم ہے کہ اللہ کا یہ تین جگہ دہرایا ہوا وعدہ و اعلان اور پیشگوئی حرف پوری ہو، اور محمدؐ کو تمام ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی پر مکمل غلبہ ملے اور پوری دنیا میں حکومت خداوندی قائم ہو۔ اُس دن کو ”یوم الدین“ یعنی ”دین کے غالب آنے کا دن“ یعنی تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کو اُن کی سعی اور قربانیوں کی جزا ملنے کا دن۔ یعنی جنت و جہنم ملنے کا دن نہیں بلکہ نیکیاں نیکیوں کو اور برائیاں بُروں کو ملنے کا دن۔ یعنی اُن تمام وعدوں کے پورے ہونے کا دن جن کو اس دنیا میں پورا کرنے کا وعدہ اللہ نے کیا تھا۔ اور وہ میعاد و مشیت کی بنا پر ساتھ کے ساتھ پورے نہ ہو سکے۔ لہذا تمام محروم لجزا لوگوں کو جزا ملنے کا دن۔

(و) وعدے والے تینوں مقامات میں قریش کو دو بار مشرک اور دو بار کافر فرمایا گیا اس لئے کہ وہ اقتدار میں شرکت چاہتے اور حق چھپاتے تھے

سابقہ آیات (33 تا 9/32، 48/28 تا 61/7) میں دو مرتبہ یہ فرمایا ہے کہ:

”ہم اپنے نور کو انتہائی مقام تک پہنچائیں گے خواہ کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرتا رہے۔“ اور دو ہی دفعہ یہ بتایا ہے کہ:

”ہم رسول اللہ کو دین کے ہر پہلو پر غلبہ عطا کریں گے خواہ مشرکوں کو گراں گزرتا رہے۔“

ہم کفر کے معنی مودودی کے قلم سے ”حق کو چھپانا“ ثابت کر چکے ہیں لہذا قریشی مسلمانوں کو 9۔ ہجری تک حقائق اسلامی کے چھپانے والا اور اتمامِ نور کو ناپسند کرنے والا مجرم فرمایا گیا ہے۔

ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ قریشی صحابہ اقتدار حکومت میں شرکت چاہتے تھے۔ اور اس شرک کو انہوں نے دلوں میں چھپا رکھا تھا۔ (آل عمران 154 تا 3/152) اور آخر انہوں نے قومی حکومت لی اور حکومت الہیہ میں اللہ کے شریک رہے لہذا وہ مسلمان مشرک اور مسلمان کافر تھے۔ اور قیامت تک وہی حقیقی کافر و مشرک رہیں گے۔

19۔ تمام وعدے پورے کئے جانے کا وقت اور میعاد وہی ہونا چاہئے جب تمام انسانوں کی ہر امید و تمنا و کوشش و کردار انتہا کو پہنچ جائے

یہاں تک قارئین نے یہ دیکھ لیا ہے کہ انسانوں کو اُن کے اعمال کی جزا اسی دنیا میں ملنا چاہیے تھی۔ اور نیکیوں کا اور اس دنیا کی زندگی میں کسی قسم کا رنج و غم اور خوف و تشویش نہیں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن مشیت کے دھارے کو بہنے دیا گیا تا کہ انسانوں کی اُمیدوں اور تمناؤں کا سلسلہ مکمل ہو جانے کے بعد جزا و سزا مکمل طور پر ملے اور کوئی چیز ادھوری نہ رہ جائے۔ اور کسی قسم کی کمی بیشی اور خامی نہ رہنے پائے۔ نہ تو انین کے استعمال میں اور نہ لوگوں کے عمل و خیال میں۔ تاکہ اللہ کا یہ اصول پوری طرح کار فرما رہے۔ اور کسی کو کوئی عذر نہ رہ جائے:

(1) نجات و ہلاکت کا خدائی اصول؟

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

(انفال 8/42)

”اور وہ وقت یاد کرو جب کہ تم مخصوص دنیا کے یکساں کنارے پر تھے اور وہ دُور والے کنارے پر تھے اور سوار دستہ تم سے نشیب کی طرف تھا اور اگر کہیں تم نے پہلے سے قرارداد اور وعدہ کر لیا ہوتا تو تم ضرور اُس موقع پر وعدہ خلافی اور پہلو تپی کر جاتے۔ لیکن اللہ نے تمہیں یہ موقع ہی نہ دیا کہ تم گڑ بڑ کر سکتے اور اللہ نے جو فیصلہ کر لیا تھا اُسے ظہور میں لے آیا۔ تاکہ جسے دینی طور پر تباہ ہونا ہے وہ دلیل روشن کو سمجھ کر، جان بوجھ کر دنیا و آخرت میں تباہ ہو۔ اور جسے دین و دنیا میں حیاتِ ابدی حاصل کرنا ہو وہ بھی روشن دلائل سے حقیقت کو سمجھ کر زندگی حاصل کرے۔ اور اللہ تو یقیناً دونوں حالتوں کا عالم اور سننے والا ہے۔“

(2) بیان الامامة اور انسانی جزا اور سزا کے بیان میں ترجمہ کو الفاظِ قرآن کے ساتھ گس دیا گیا ہے

ہمارے اس ترجمہ میں نجات اور ہلاکت جزا اور سزا کے قانون کا لحاظ رکھتے ہوئے لفظ ”دنیا“ پر قریش کے دونوں (مسلمان اور مخالف) گروہوں کو لاکھڑا کر دیا ہے تاکہ نجات و ہلاکت کا اصول فٹ ہو کر بات واضح ہو جائے۔ تفسیری ترجمہ میں جنگ بدر کی رعایت ملحوظ تھی وہاں لفظ ”دنیا“ کو عام چھوڑ دیا تھا۔ (تفصیل تفسیر احسن التعمیر میں) بہر حال یہ قانون سامنے آ گیا کہ کسی بھی شخص کو نہ ”نجات“ التفاقیل سکے اور نہ کسی کی دین و دنیا التفاقیہ تباہ ہونے پائے۔ اس لئے اللہ نے اپنے وعدوں اور میعاد کے ساتھ جزا اور سزا کو باندھ کر رکھا تھا اور انسانوں کو پورا پورا موقع دیا تھا۔ اس طویل موقع کے باوجود بھی لوگ مزید موقع مانگنے کی کوشش کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

(3) سزا اور جزا کے لئے زندگی بھر کا موقع دیا جانا بھی مجرموں کے لئے کافی نہ ہو اور مزید مہلت طلب کرنا

چنانچہ مجرموں سے جب دریافت کیا گیا کہ:

أَلَمْ تَكُنْ أَلَيْسَىٰ تَتْلَىٰ عَلَيْهِمْ فَاكُنْتُمْ بِهَا تَكْذِبُونَ ۝ (مومنون 23/105)

مودودی ترجمہ: ”کیا تم وہی لوگ نہیں ہو؟ کہ میری آیات تمہیں سنائی جاتی تھیں تو تم انہیں جھٹلاتے تھے؟“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 301)

مجرموں نے جواب دیا کہ:

فَأَلُوْنَا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ۝ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ۝ (مومنون 23/106-107)

”مجرموں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر دوسروں کو محتاج بنانے میں مقابلہ بازی غالب آگئی تھی اور ہم پوری کی پوری قوم گمراہ ہو کر رہ گئے تھے۔ پروردگار! ہمیں اُس محاسبہ کی گرفت سے نکال دے اگر ہم اب کے پھر وہی اعمال کریں تو واقعی ہمارے معیار پر بھی ہم ظالم ٹھہریں گے۔“

(4) پیریشی مسلمانوں کی قوم تھی اور انہوں نے نیک بندوں اور اختلاف کرنے والوں کو سخر کر کے اُن کا مضحکہ اُڑایا اور اُن کی ضد میں اللہ کو بھلا

دیا تھا؟؟

اللہ نے جواب میں فرمایا کہ: قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ۝ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا

فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ۝ فَاتَّخَذُ تُمُوهُمُ سُخْرِيًّا حَتَّىٰ آتَسُوكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ۝
 اِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا اِنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ (مومنون 111 تا 23/108)

اللہ کا جواب ترجمہ میں سنئے: اللہ کا جواب، قریشی حکومت اور خلفا کی کارکردگی کا نقشہ:

”مواخذہ کی ذلتیں برداشت کرو اور میرے منہ نہ لگو۔ تم تو وہی قوم ہو جس نے میرے بندوں کے اُس فرقہ کو مجبور و محتاج کر کے دنیا میں ہمیشہ مسخر اور زیر دست رکھا اور اُن کو مضحکہ بنا دیا تھا۔ صرف اس لئے کہ اُن کا قول یہ رہتا چلا گیا کہ ”اے ہمارے پروردگار، ہم نے ایمان اختیار کر لیا ہے لہذا اب ہماری حفاظت کرو اور ہم پر رحم و کرم جاری رکھو اور تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ اور بہتر رحم کرنے والا ہے۔ تم نے اُن کے خلاف اس طرح جم کر اور مجھ کو گمراہ چلائی کہ تم نے میرے ذکر کو بھی بھلا دیا۔ آج میں نے اُن کو اُن کے صابرانہ عملدرآمد کی جزا دی ہے اور وہی لوگ ہیں جو فائز المرام ہوئے ہیں۔“

قارئین نوٹ کریں کہ ان آیات (111 تا 23/108) میں اُسی دن کا ذکر ہو رہا ہے جس کو تین دفعہ دہرائے ہوئے وعدے میں بھی ”يَوْمَ الدِّينِ“ یا ”دِينِ“ کے اور محمدؐ کے غلبہ کا دن فرمایا گیا ہے۔ اور یہی دن ہے جسے اللہ نے اپنی حکومت و مالکیت کا دن اور خود کو اُس دن کا مالک (مَالِكِ يَوْمَ الدِّينِ) فرما کر اُسے يَوْمَ جزا قرار دیا ہے۔ یہی وہ دن ہے جس روز قریش کا پہلا سربراہ اپنا بیان دے گا اور بتائے گا کہ اُس نے کن حالات میں حضرت علیؑ علیہ السلام کی جگہ قومی حکومت بنا کر سربراہی قبول کی تھی۔

(الف) عدالت عالیہ کے حضور میں قریشی حکومت کے سربراہ کی پیشی اُس کو انظالم کا لقب دیا گیا ہے؛ اُس کی بے قراری، اپنے پار کی غداری کی وضاحت

قارئین اب وہ نظارہ دیکھیں جو یوم الجزا یا رجعت کے بعد سامنے آئیوالا، اور قرآن میں چودہ سو سال سے لکھا چلا آرہا ہے، قرآن سنئے:

وَيَوْمَ تَسْقُطُ السَّمَاوَاتُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ۝ الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۝ وَيَوْمَ يَعْضُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي اِتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ يَوْمَئِذٍ لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ قُلَانًا خَلِيلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خٰذِلًا ۝ وَقَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اَتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هٰدِيًّا وَنٰصِيْرًا ۝

(فرقان 31 تا 25/25)

”اور اُس روز آسمان کو چیرتا پھاڑتا ایک بادل سا معلوم ہونے والا تخت (الحاقۃ 69/17) نمودار ہوگا۔ اور اُس کے اوپر سے فرشتوں کے غول درغول لگا تار اتارے جائیں گے۔ اُس دن حقیقی حکومت الہیہ خالص رحمن کے لئے قائم ہوگی اور اُس حکومت الہیہ کے دوران حقائق کو چھپانے والوں کے لئے دن گزارنا بہت کٹھن ہوگا۔ اور اُس روز وہ بانی ظلم و ستم شخص اپنے اُن ہاتھوں کو چباتا ہوا پیش ہوگا جن سے اُس نے قومی حکومت بنانے میں بیعت لی تھی۔ اور حکومت الہیہ کے حق کو چھپایا تھا۔ وہ اپنے بیان میں کہے گا کہ ”کاش میں نے محمدؐ رسول اللہ کی طرز حکومت کو اپنایا ہوتا۔ وائے بر حال ما، کاش میں نے فلاں شخص کو دین کے بدلے میں اپنا یا بنا کر اپنی دنیا و آخرت تباہ نہ کی ہوتی۔ یقیناً اُس یار نے مجھے ایسی حالت میں بھی حکومت الہیہ سے گمراہ کر دیا جبکہ مجھے قومی حکومت سے باز رکھنے کے لئے رسول اللہ میرے پاس آچکے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا وہ یار ایک مجسم شیطان ثابت ہوا جس کا کام ہی یہ ہے کہ انسانوں کو تباہی میں ڈال کر بے

یاد دگار چھوڑ جائے۔ اور محمد رسول اللہ نے تو اسی وقت کہہ دیا تھا کہ: ”اے میرے پروردگار میری اس قوم نے بلاشبہ اس قرآن سے ہجرت کر کے، اور اُس یار کو لیڈر اور راہنما بنا کے، مجبور کر دیا ہے یعنی اپنے اخذ و استنباط سے قرآن کو اس ترکیب سے چھوڑا ہے کہ چھوڑا ہوا معلوم نہ ہو۔“

اس شکایت اور بیان حقیقت سے متفق ہو کر اللہ نے جواب دیا تھا کہ: ”میری قوم نے وہی کچھ کیا جو سابقہ اقوام کرتی رہی ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ ہم نے ہر نبی کے مد مقابل جرائم پیشہ لوگوں کو اُن کا دشمن بنائے رکھا ہے اور تیرے معاملہ میں اور قرآنی تعلیمات کی صحیح تنفیذ کے سلسلے میں اللہ تیری نصرت و راہنمائی کے لئے کافی ہے۔“ (فرقان 31 تا 25/25)

معلوم ہوا کہ انسانی مہلت اور میعاد مکمل ہو جانے کے بعد پہلا کام قیام حکومت الہیہ ہو گا تاکہ قرآنی وعدوں کے مطابق حضرت محمدؐ سربراہ عصر و الزمان کو اسلام اور کائنات کے ہر گوشے، ہر پہلو اور ہر جُز پر گلیٹیہ غلبہ عطا کیا جائے اور نوع انسان کے لئے وہ تمام وعدے پورے کئے جائیں جو اس دنیا میں پورے ہونا طے کر دیا گیا تھا اور سب سے پہلے قریش کو ماخوذ کیا جائے جو نور محمدؐ کی بجھانے اور چھپانے کے لئے قرآن کو مجبور کئے رہے اور تعلیمات قرآنیہ کو اس انداز سے پیش کرتے رہے کہ اُنکی قومی حکومت قائم ہوئی تو خلافت الہیہ کہلانے لگی اور حقیقی حکومت الہیہ کا تصور تک مٹ گیا۔ مندرجہ بالا تازہ بیان (31 تا 25/25) میں عہد رسولؐ کے دیاریوں کا باقاعدہ تذکرہ ہو گیا ہے اور ساری دنیا جانتی ہے کہ قرآن نے دو بنیادی یاریوں کا پردہ چاک کر کے دونوں کا مواخذہ کے لئے حاضر ہونا اور اقبال جرم کرنا دکھا دیا ہے۔ اُن ہی میں سے ایک یار کا بیان یہ ہے کہ:

(ب) فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتِ كِتَابِيهِ ۖ وَ لَمْ آدْرِ مَا حِسَابِيهِ ۖ يَلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۖ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ ۖ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيهِ ۖ خُدُوهُ فَعُلُوهُ ۖ نِمْ أَلْجَحِيمَ صَلْوَهُ ۖ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۖ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۖ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۖ فَلَئِمَّ لَهُ الْيَوْمَ هُنَا حَمِيمٌ ۖ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسْلِينٍ ۖ لَّا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِؤُنَ ۖ فَلَا أُفْسِمُ بِمَا تُبْصَرُونَ ۖ وَمَا لَا تُبْصَرُونَ ۖ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۖ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمَنُونَ ۖ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَدَّكُرُونَ ۖ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ (حاقہ 43 تا 25/69)

”چنانچہ وہ کہے گا کہ: ”اے کاش میری کتاب مجھے نہ دی گئی ہوتی تو اچھا ہوتا۔ اور درایت و دلیل سے مجھے یہ بھی نہ جاننا پڑتا کہ میرا حساب کیا کیا ہے، اے کاش میری پہلی ہی موت فیصلہ کن ہوتی، مجھے میرے مال و دولت نے آخر کار نئی نہ رہنے دیا۔ مجھ سے میری سلطانی اور حاکمیت و سلطنت بھی چھن گئی۔“ یہی نہیں بلکہ حکم جاری ہو چکا ہے کہ اُسے ”پکڑ کر گرفتار کرو، طوق وغیرہ پہناؤ پھر اُسے شدید ترین گرم قید میں رکھو۔ پھر اُسے ایسی ایک زنجیر میں پیش کرو جس کی لمبائی ستر ہاتھ کی ہے۔“ یقیناً یہ وہی شخص ہے جو اللہ پر اُس کی عظمتوں کے ساتھ ایمان نہ رکھتا تھا۔ یعنی اللہ کے وجود کا تو منکر نہ تھا۔ اور نہ ہی یہ شخص کبھی مساکین و یتامی کی پرورش کے نظام میں رغبت رکھتا تھا۔ آج یہاں اُس کے یار و غم خوار مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں (28-27/25) نہ ہی زمنوں کے دھوون کے علاوہ اُس کے لئے کوئی اور غذا ہے۔ اس خوراک کو خطائے اجتہادی کو جائز ماننے والوں کے سوا اور کسی کو نہیں دیا جاتا ہے۔ یقیناً میں اُس حقیقت کی بھی قسم کھا کر کہتا ہوں جو تمہیں دکھائی دیتی ہے اور اُس حقیقت کی بھی قسم کھا کر بتاتا ہوں جو تمہارے مشاہدے میں نہیں آتی۔ کہ ”یہ قرآن درحقیقت رسول کریم ہی کی صرف ایک بات ہے۔ اور قرآن ہرگز کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ اے قریشی لیڈر تم تو ایمان بھی بہت ہی گھٹا گھٹا کرتے ہو۔ یہ

قرآن کسی کا ہن کا قول بھی نہیں ہے تم لوگ تو قرآن کا تذکرہ بھی بہت کم کرتے ہو۔ قرآن تمام عالمین کے پروردگار کی طرف سے رسول کریم کی ایک بات کی حیثیت میں نازل کیا ہوا ہے۔“

ان آیات میں ثابت ہو گیا کہ یَوْمُ الْجَزَا یا یَوْمُ الدِّین کا قیام قریشی قوم کو بے دست و پا کرنے کے لئے ہے۔ اور اس بیان کا سامان اور لب و لہجہ وہی ہے جو سابقہ بیان (29 تا 25/25) تک تھا۔ یعنی اس بیان میں قومی حکومت کی پالیسی بنانیوالا اور قریش کو پہلی حکومت سوچنے والا بولتا رہا ہے جسے اپنے خود ساختہ عقائد کی رو سے یہ یقین تھا کہ اُس کی حکومت کو باطل قرار دیکر اور اُسے مجرم کی صورت میں ماخوذ نہ کیا جائے گا۔

20- دُنیا میں جزا کیلئے زندہ کرنا اور قیامت کے آخری فیصلے کیلئے زندہ کرنا دو مختلف باتیں ہیں، محروم الجزا لوگ دو مرتبہ زندہ کئے جائیں گے

اس آخری بیان میں قریشی سربراہ نے یہ سمجھا تھا کہ اُس کی پہلی موت ہی آخری موت ہوگی۔ اس لئے اُس نے بطور افسوس اور حادثہ کے یہ کہا تھا کہ:

يَلِيَّتَهَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ ه (حادثہ 69/27)

مودودی ترجمہ: ”کاش میری وہی موت (جو دُنیا میں آئی تھی) فیصلہ گن ہوتی۔“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 76)

چنانچہ معلوم ہوا کہ قریشی لیڈر اور اُنکے علمایہ عقیدہ رکھتے اور دُنیا میں پھیلاتے رہے ہیں کہ دُنیا میں ایک موت کا آنا کافی ہے۔ اُس کے بعد صرف ایک مرتبہ قیامت میں زندہ کیا جائے گا اور اعمال کے مطابق جنت یا جہنم میں، ابدی زندگی گزارنے کے لئے، داخل کر دیا جائے گا۔ اسی عقیدہ کی وجہ سے اُنہوں نے عقیدہ رجعت کا انکار کیا اور اُس تمام تفصیلی محاسبے اور تفصیلی جزا و سزا کا چھپا دینا ضروری سمجھا جس کے وعدوں سے قرآن لبریز ہے۔ اور وہ اس لئے کہ دین کا غالب ہونا اور تفصیلی محاسبہ اور جزا و سزا کا دیا جانا آخری سربراہ اسلام علیہ السلام کے ہاتھوں انجام پانا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس دُنیا میں علی و اولاد علی علیہم السلام کی حکومت الہیہ کا تذکرہ زبان پر آئے۔

(الف) محروم الجزا لوگوں کو زندگی گزارنے کے بعد دو مرتبہ زندہ کیا جائے گا اول جزا کے لئے پھر آخری حساب کے لئے قیامت میں، باقی لوگوں کو صرف قیامت میں ایک دفعہ زندہ کیا جائے گا

یہاں تک ہم نے قرآن کریم کی بہت سی آیات سے یہ دکھا دیا ہے کہ جسے قریشی علماء و عوام قیامت سمجھتے ہیں اُس میں حضرت آدم سے لے کر اڈلین صورت پھونکنے تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کو زندہ کر کے جمع کیا جائے گا اور فیصلہ کے بعد لوگوں کو استحقاق کی بنا پر جنت یا جہنم میں ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے داخل کر دیا جائے گا۔ یعنی اُن کے نزدیک اس دُنیا میں زندگی گزار کر مرنے والا ہر شخص صرف قیامت میں ایک دفعہ زندہ کیا جائے گا۔ اور قرآنی حقیقت یہ ہے کہ اس دُنیا میں دو طرح کے آدمی ہیں اور دونوں کے لئے الگ الگ طریقے استعمال کئے جائیں گے۔ اول وہ جنہیں اس دُنیا میں وہ جزا نہ ملی جو قرآن کے وعدوں کے مطابق اسی دُنیا میں ملنا چاہئے تھی اور وہ اپنی زندگی گزار کر مر گئے اور دُنیاوی جزا سے محروم رہے۔ اُنہیں اسی دُنیا میں اُن کی جزا دینے کے لئے زندہ کیا جائے گا۔ یہ اس دُنیا میں اُن کی دوسری زندگی ہوگی۔ اس دوسری زندگی میں وہ وعدوں کے مطابق بھرپور جزا پا کر مر جائیں گے۔ یعنی یہ موت اُن کی اس دُنیا میں دوسری موت ہوگی۔ پھر آخری فیصلے کے لئے انہیں قیامت کے طور سے زندہ کیا جائے گا۔ یہ اس دُنیا میں اُن کا پھر سے زندہ ہونا ہوگا۔ اور اب وہ تیسری ابدی یا دائمی زندگی جنیں گے۔ نیک لوگ جنت میں اور بدکردار لوگ جہنم میں۔

دوسرے وہ لوگ ہوں گے جن کو دُنیا میں متعلقہ جزا ملتی رہی اور وہ زندگی گزار کر مرتے رہے۔ وہ مرنا اُن کا پہلا مرنا تھا۔ اب اُنہیں

قیامت کے صور سے زندہ کیا جائے گا۔ یہ اُن کا پہلا زندہ کرنا ہوگا۔ اور یوں زندہ ہو کر وہ بھی جنت یا جہنم میں دائمی زندگی گزاریں گے۔ یہ اُن کی دوسری زندگی ہوگی۔ یعنی یہ دوسری قسم کے لوگ نہ اس دنیا میں دوسرے زندہ کئے جائیں گے نہ انہیں زندگی گزارنے کے بعد دوسرے موت ہی آئے گی۔ لہذا وہ اس دنیا میں صرف ایک مرتبہ مرے اور قیامت میں ایک دفعہ زندہ ہوئے اور بس۔

(ب) دوسرے زندہ کئے جانے والے اور دوزندگیاں گزار کر دوسرے مرتبہ مرنے والے انسان یعنی دنیا میں دوبار زندگی گزارنے والوں کا وجود

قرآن سنئے اور ہمارے عنوانات کی حرف بحرف تصدیق دیکھئے:

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعُرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنِ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لِمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝ قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا آتَيْنَاكَ آتِنَتَيْنِ وَآحْيَيْنَا آتِنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ۝ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُشْرَكَ بِهِ تَوَمَّنُوا ۝ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝ (مومن 12 تا 40/7)

”عرش کو اٹھانے والے حضرات بھی اور وہ حضرات بھی جو عرش کے گرد پیش رہتے ہیں وہ سب کے سب اپنے پروردگار کی ہمہ گیری کو حمد و ثنا کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور روز افزوں ایمان لاتے چلے جاتے ہیں۔ اور صاحبانِ ایمان لوگوں کے لئے یوں دعا مانگتے ہیں کہ ”اے ہمارے پروردگار تو اپنی کائناتی رحمت اور علم کے ذریعہ ہر چیز پر وسیع احاطہ کئے ہوئے ہے۔ لہذا تو اُن لوگوں کو گناہوں سے تحفظ عطا فرما جنہوں نے غلط راہ چھوڑ کر تیری طرف اصلاح کے لئے توجہ کی ہے اور تیری راہ کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ اور انہیں شدید آگ کے عذاب سے بچالے۔ اور اے ہمارے پروردگار اُن مومنین کو اُن ہمیشہ باقی رہنے والے باغات میں داخل کرنا جن کو تو نے اُن سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور اُن کے والدین و اجداد کو اور اُن کی ازواج اور ذُریت میں سے جو اصلاح یافتہ ہوں اُن کو بھی اُن مومنین کے ساتھ ساتھ اُن ہی باغات میں داخل فرما دینا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تو یہ سب کچھ کرنے پر غالب حکمت والا ہے۔ اور اُن سب کو اُس روز اُن کی کی ہوئی برائیوں سے بچا دینا اور جس کسی کو اُس روز اُس کی برائیوں سے بچالے گا تو یقیناً اپنی رحمت ہی سے بچائے گا۔ اور یہ بچ جانا اُس کی عظیم الشان کامیابی ہوگی۔ جن لوگوں نے حقائقِ اسلامی کو چھپائے رکھا تھا یقیناً اُن کو پکار کر بتایا جائے گا کہ ”آج تمہیں جس قدر شدید غصہ اپنے اوپر آ رہا ہے اُس سے کہیں بڑھ کر اللہ کو تم پر اُس وقت غصہ آتا تھا جب تمہیں مکمل مجسمِ ایمان کی اطاعت کی دعوت دی جاتی تھی تو تم ایمانی حقیقت کو چھپا کر تے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ”اے ہمارے پروردگار تو ہمیں دوسرے زندگی دے کر دوسرے موت سے دوچار کر چکا ہے اور ہم نے گناہوں کا اعتراف بھی کر لیا ہے اب یہ بتا دے کہ کیا کوئی ایسا طریقہ باقی ہے جس پر عمل کر کے ہم عذاب سے نکل سکیں؟“ اُن سے کہا جائے گا کہ ”تمہارے لئے اب مستقل عذاب کا وہ حکم اس بنا پر ہے کہ جب بھی تمہارے لیڈروں کو الگ کر کے اللہ کو واحد واحد و یکتا قرار دیا جاتا تھا تو تم اُس حقیقت کو چھپا لیتے تھے۔ اور اگر اللہ کے ساتھ تمہارے لیڈروں کی شرکت کی بات ہوتی تھی تو تم ایمان لے آتے تھے۔ بہر حال حکومت اور حکمرانی تو بڑے علی اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے۔“

(ج) قرآن کے اس طویل بیان (مومن 12 تا 40/7) میں **يَوْمَ الْجَزَا** اور **يَوْمَ الْقِيَامَةِ** اور دونوں دنوں میں پیش ہونے والوں کی صورت حال مکمل موجود ہے

ان آیات کی ابتدا میں اُن حضرات علیہم السلام کی بات ہوئی ہے جو عرشِ خداوندی کو یعنی مرکزِ حکومتِ خداوندی کی ذمہ داریاں روزِ ازل سے اٹھائے ہوئے ہیں اور جو حضرات اُن ذمہ داریوں کی ادائیگی اور انتظام میں شریک رہتے ہیں۔ اور ہم محمدؐ، آئمہٗ معصومینؑ، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو مرکزِ حکومتِ خداوندی کا مشہود نظام قرار دیتے ہیں۔ اُن ہی کو ہم ادارہٗ نبوت لکھتے رہے ہیں۔

مودودی کا عرشِ خداوندی پر بیان: پہلے مودودی کا وہ ترجمہ دیکھیں جو انہوں نے قرآن میں پہلی مرتبہ لفظ عرش وارد ہونے پر کیا تھا:

ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ (اعراف 7/54) ”پھر اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوا۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 36)

یہ ایک کافرانہ عقیدہ ہے کہ اللہ کو ایک تخت پر بٹھا دیا جائے۔ درحقیقت مودودی اینڈ کمپنی یہ نہیں مانتی کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مادی و مشہود ظہور کا ذریعہ بنایا تھا (حدیثِ قدسی) اس لئے وہ یہ کیوں کہیں کہ نور محمدیؐ کو اللہ نے عرش پر جلوہ افروز کیا ہوا ہے۔

مودودی کی تشریح میں عرش کا بیان: بہر حال مودودی کی تشریح سنئے:

”41 خدا کے استوائی علیٰ العرش (تختِ سلطنت پر جلوہ فرما، ہونے) کی تفصیلی کیفیت کو سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے بعد کسی مقام کو اپنی اس لامحدود سلطنت کا مرکز قرار دے کر اپنی تجلیات کو وہاں مرکز فرما دیا ہو اور اُسی کا نام عرش

ہو جہاں سے سارے عالم پر وجود اور قوت کا فیضان بھی ہو رہا ہے اور تدبیر امر بھی فرمائی جا رہی ہے۔“ (ایضاً 2 صفحہ 36)

مندرجہ بالا آیات کی ہماری تشریح کو آگے بڑھائیے: لہذا تصدیق ہو گیا کہ حاملانِ عرشِ خداوندی یہ چاہتے ہیں کہ ساری نوعِ انسان فلاح یافتہ ہو جائے اور اللہ کی ہدایات پر عمل کر کے فائز المرام ہو۔ اس لئے وہ حضرات نوعِ انسان کی بھلائی کیلئے اللہ سے دعائیں کرتے رہتے ہیں چنانچہ ان آیات (12 تا 40/7) میں اُن کی دعا بھی مذکور ہوئی ہے۔ اس دعا میں نوٹ کرنے کی پہلی بات یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ مومنین کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں وہ زمانہ ایسا ہے جس میں تمام رشتہ داریاں اور نسب منقطع نہیں ہوگا۔ یعنی اُنکی دعا کا پہلا درجہ قیامت سے متعلق نہیں جس میں تمام رشتے اور انساب منقطع ہو جانا قرآن (مومنون 23/101) میں مذکور ہے۔ یعنی زبردعا زمانہ **يَوْمَ الْجَزَا** ہے **يَوْمَ الْقِيَامَةِ** نہیں ہے۔ اور یہی وہ یوم الجزا ہے جس میں جہنم سے نہیں بلکہ جحیم سے بچانے کی دعا کی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جو لوگ یوم الجزا میں جحیم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے وہ خود بخود جہنم سے محفوظ اور ابدی جنت کے مستحق ہو جائیو الے ہیں۔ اور یہ بھی اس دعا میں شامل ہے اور مع اہل و عیال وغیرہ کے شامل ہے۔ اور یوم الجزا ہی میں برائیوں کی جزا برائیوں سے ملنے والی ہے۔ اور اُن حضرات نے مومنین کو اُسی دن سینات سے بچانے کے بھی دعا کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُن آیات میں ساتویں آیت سے لے کر نویں آیت تک قیامت یعنی آخری محاسبے کا بیان نہیں بلکہ **يَوْمَ الدِّينِ** یا **يَوْمَ الْجَزَا** یا دین کے مکمل غلبے کا بیان ہے۔ اور دسویں آیت سے اُن لوگوں کا ذکر شروع ہوا ہے جو دنیا میں محروم الجزا رہ کر مر گئے تھے۔ انہیں پہلی مرتبہ زندہ کیا گیا تھا اور انہیں اُن کے جرائم کی سزا دینے کے بعد دوسری دفعہ مرجانے دیا تھا۔ پھر انہیں آخری محاسبے یا قیامت کے لئے دوسری مرتبہ زندہ کیا گیا ہے اور اب انہیں اُن کے عقائد و تصورات کے لئے ماخوذ کیا گیا ہے تاکہ انہیں دائمی جہنم کا فیصلہ سنایا جائے۔ اس آخری محاسبہ اور سزا سے بچنے کے لئے وہ عذرات کر رہے ہیں۔ اور اپنے دوسرے مرتبہ زندہ کئے جانے اور دوسرے مرتبہ مرنے اور گناہوں کے اقبال کو بطور اپیل پیش کیا تھا جو منظور نہیں کیا گیا۔

یہاں قارئین کے سامنے اچھا موقع ہے کہ وہ غور کریں کہ قریش نے قیامت کا پردہ ڈال کر کتنے اہم اور بنیادی حقائق کو چھپا دیا ہے؟ اور جزا و سزا کے متعلق اللہ کے تمام وعدوں اور اصولوں کی تکذیب کر دی ہے۔ اُن کی بیان کردہ قیامت میں تو دنیا میں لوگوں کو ایک دفعہ مرنا ہوگا اور قیامت کے طور پر ایک مرتبہ زندہ ہونا ہے اور حساب کے بعد سیدھا جنت یا جہنم میں دھکیل دیا جائے گا اور بس۔

21۔ یوم الجزایا یوم الدین یا دین کے غلبے کے روز پوری نوع انسان کو نہیں بلکہ صرف محروم الجزا لوگوں کو زندہ کر کے محشور کیا جائے گا اور

جزا دی جائے گی

ہم نے قیامت یا آخری محاسبے کی شناخت اور امتیاز کے لئے آیات کا انبار پیش کیا ہے۔ جس میں بہت سی شناختوں میں سے بہت سادہ اور آسان شناخت یہ ہے کہ قیامت میں آخری فیصلے کے لئے ساری نوع انسان کو زندہ کر کے محشور کیا جائے گا۔ اور اُن سب پر حقوق اللہ کے سلسلے میں مواخذہ ہوگا اور جنت و جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل کر دیا جائے گا۔ اس سب سے اہم اور آسان پہچان کو سامنے رکھ کر یہ آیات پڑھیں اور قیامت و یوم الدین میں امتیاز فرمائیں۔

(الف) تمام اولین اور آخرین امتوں میں سے صرف اُن لوگوں کو محشور کیا جائے گا جو آیاتِ خداوندی کی خلاف ورزی سے قرآن کی تکذیب

کرتے رہے

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَقَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِطُوا بِهَا عِلْمًا أَمْ آذًا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (النمل 86 تا 83/27)

”اور اُس دن کو بھی سامنے رکھنا چاہئے جس روز ہم تمام امتوں میں سے صرف اُن لوگوں کی ایک فوج کو محشور کر کے ترتیب دیں گے جو ہماری آیات کی خلاف ورزی کر کے جھٹلایا کرتے تھے۔ جب وہ ہمارے سامنے پیش ہوں گے تو اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے میری آیات کو ایسی حالت میں بھی جھٹلانا جاری رکھا جب کہ تمہیں اُن پر علمی احاطہ حاصل نہ تھا؟ یہ نہیں تو پھر تم کیا سمجھ کر جھٹلانے کا کام کرتے رہے؟ اور آخر اُن پر اُنکی غلط کاریوں اور مظالم کے لئے مواخذہ اور سزا کی بات واقع ہو کر رہی اور وہ بولنے اور جواب دینے کے قابل نہ رہے۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا اور سمجھا تھا کہ ہم نے راتیں سکون فراہم کرنے کے لئے بنائی ہیں اور دن کو بصیرت افروزی کے لئے بنایا ہے۔ اور یہ کہ اُن دونوں میں مومنین کی قوم کے لئے بہت سے معجزات ہیں۔“

(ب) اس صورتِ حال کے فوراً بعد مسلسل قیامت کا الگ سے تذکرہ فرما کر دونوں کو الگ کر دیا ہے؛ مسلسل فرمایا کہ:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَنُزِعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ وَكُلُّ أَتَوَّهٍ دَلْحِرِينَ ۝ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدًا وَهِيَ تَمْرٌ مَرٌّ السَّحَابِ صُنَعَ اللَّهُ الَّذِي اتَّقَنَ كُلَّ شَيْءٍ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ۝ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَهُمْ مِنْ فَرَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ۝ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (النمل 90 تا 87/27)

”اور ابھی تو اُن پر وہ دن بھی آنے والا ہے جس روز صور پھونکا جائے گا اور سوائے اُن لوگوں کے جن کو اللہ چاہے گا باقی سب کو، خواہ آسمانوں

میں ہوں یا زمین پر ہوں ہولناکی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور تم سمجھو گے کہ پہاڑ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں لیکن درحقیقت وہ بادلوں کی مانند چل رہے ہوں گے یہ اللہ کی صنعت اور کارگیری کا مظاہرہ ہوگا جس نے کائنات کی تمام مخلوقات و موجودات کو مربوط و استوار کر رکھا ہے۔ اور حد یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُس سے حقیقی طور پر باخبر و خبیر ہے۔ چنانچہ قیامت میں جو کوئی اچھائیاں لے کر آئے گا اُسے (وہ اچھائیاں نہیں بلکہ) اُن اچھائیوں سے بہتر ملے گا اور جو کوئی برائیاں لے کر آئے گا اُسے (وہ برائیاں نہیں بلکہ) اوندھے منہ آگ میں پھینکا جائے گا۔ کیا تم اُس کے سوا کوئی اور جزا پاسکتے ہو کہ تمہیں بُرے عمل کا بدلہ بُرا ملے؟“

(ج) شلوک و شہادت رفع کرنے والی چند ضروری باتیں

پہلے اللہ کے ان دونوں بیانات (الف) اور (ب) کا فرق نوٹ کر کے آخری محاسبہ اور آخری فیصلہ کو اُسی اصول پر الگ الگ کر لیں کہ آیات (86 تا 27/83) میں ساری اُمتوں کے بجائے تمام اُمتوں میں سے ایک فوج کو محصور کیا جانے والا ہے۔ فوج اس لئے فرمایا کہ وہ ایک باقاعدہ اللہ کے خلاف شیطان کا منظم گروہ ہوگا اور اس لئے بھی کہ اُنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے خلاف فوج کشی اور قتل و غارت بھی جاری رکھی تھی۔ دوسرے بیان (90 تا 27/87) میں پوری نوع انسان ہی نہیں بلکہ تمام اہل ساوات اور اہل زمین میدانِ حشر میں جمع اور دہشت زدہ ہوں گے اور ان آیات (90 تا 27/89) میں جو جزا ملے گی وہ وہی نہ ہوگی جو یوم جزا میں ملنا طے ہے۔ یعنی نیکی کے بدلے میں نیکیاں اور برائیوں کے بدلے میں برائیاں ملنے کا ذکر نہیں بلکہ نیکیوں کے بدلے میں اُن نیکیوں سے بہتر جزا فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اب اُن کے لئے جنت ہی ہے جہاں وہ سب کچھ ملے گا جو اُن کے تصور و خیال میں اُس وقت تک تھا یا جنت کے ماحول میں جا کر جو خیال و تصور آئندہ آتے رہیں۔ اُدھر برائیوں کے بدلے میں برائیوں کے ملنے کا تذکرہ نہیں بلکہ جہنم میں داخلہ کا ذکر ہے اور جزا کا یہ طریقہ بھی یوم الدین کی جزا سے مختلف ہے۔

(2) اب یہ بھی نوٹ کر لیں کہ ان دونوں بیانات کو مسلسل ایک دوسرے کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں یہ بھی ہوا ہے کہ یوم جزا اور یوم قیامت کو ملا جلا کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اور اسی قسم کے مقامات کو قریشی علما نے فریب دینے اور یوم الدین کو یوم القیامة بنا دینے کیلئے استعمال کیا ہے۔ یہ بھی ہمیں سمجھ لیں کہ حضرت حجة علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی وہ ذات پاک ہیں جن کو قائم قیامة کا لقب دیا گیا ہے۔ یعنی وہ آج بھی قائم قیامة ہیں اور کل بھی قائم قیامة تھے اور آئندہ بھی قائم قیامت رہیں گے۔ مطلب واضح ہے کہ جس روز وہ حضوراً اعلانِ ظہور فرمائیں گے اس روز بھی آپ قائم قیامت ہی ہوں گے۔ اُن کے تمام کام اُسی طرح قیامت کو اپنے سامنے رکھ کر ہوں گے۔ جیسے تمام انبیاء و ائمہ علیہم السلام نے اپنے ہر عمل میں قیامت کو ملحوظ رکھا تھا۔ فرق یہ ہوگا کہ سابقہ انبیاء اور ائمہ میں قائم قیامت کوئی نہ تھا لیکن حضور علیہ السلام اعلان کے ساتھ ہی عملاً قائم قیامت ہوں گے۔ اُنہیں مکمل دین پر غلبہ حاصل ہوگا یعنی ساری کائنات پر کائناتی قوانین پر غلبہ ہوگا اور اُسی وقت سے قیامت کی ابتدا ہو جائے گی۔ یعنی اُن کا سارا دور ہی دراصل قیامت کا دور ہوگا۔ قیامت کوئی انوکھا لفظ نہیں ہے۔ لغت کے باقی الفاظ کی طرح ایک عام اور روزمرہ بولے جانے والا لفظ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ قریشی پالیسی نے اُسے ایک ”ھوّا“ ایک ”حرَبہ“ بنا کر لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ ڈکشنری کا عام لفظ رہتا چلا آیا ہے۔ روزمرہ کی اُردو میں بھی اس مصدر کے بے شمار لفظ بولے جاتے ہیں لفظ قیامة کی بنیاد یا مادہ ”ق۔ و۔ م“ ہے اور اس مادہ ہی کو اگر ملا کر لکھ دیا جائے یعنی قوم لکھا جائے تو پہلا لفظ ہی ”قوم“ بن جاتا ہے۔ اس مادہ (ق۔ و۔ م) سے مصدر بھی قوم ہے۔ اور اسکے معنی ہیں ”کھڑا ہونا“۔ اسی مادہ اور مصدر سے الفاظ 1: قیام 2: قائم 3: قامت 4: قوام 5: اقامت 6: قومیت 7: استقامت

8: قیمت 9: مقام 10: قائم مقام وغیرہ بنتے ہیں جو اردو لکھے پڑھے لوگ روزانہ بولتے اور سمجھتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے الفاظ ان سے بنتے ہیں جو قرآن اور عربی زبان میں برابر استعمال ہوتے ہیں۔ ان ہی الفاظ میں سے ایک لفظ قیامہ بھی ہے۔ اور اس کے اندر بھی وہی معنی ہیں جو مندرجہ بالا دس الفاظ میں ہیں۔ یعنی ”کھڑے ہونا“ اس لفظ کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ یوں تو ساری نوع انسان کو مَسَاعُ الْعِیِ حِیْنِ (2/36) فرما کر آزاد چھوڑ دیا گیا تھا یعنی انہیں اُٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے اور جو چاہے کرنے میں مختار بنا دیا گیا تھا۔ اور تو انین فطرت یا مشیت کو جس طرح چاہیں استعمال کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ لیکن مذکورہ بالا گھڑی آتے ہی مہلت و اختیارات کے اختتام کا اعلان یعنی اعلانِ ظہورِ حضرت قائم قیامت ہو گیا۔ اور اب ساری نوع انسان کو اپنی زندگی کا لیکھا جو کھا چکانے کے لئے کھڑا رہنا ہے۔ اس کھڑے رہنے اور کھڑے ہونے کو مختصراً ”قیامہ“ یا ”قِیَامٌ لِّرَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ فرمایا گیا ہے۔ اور اسی اعلان سے ”یوم الدین“ شروع ہوتا ہے۔ یعنی قیامت (یا کھڑے ہونے) کا مقصد سامنے آتا ہے۔ جو دو ادوار میں پورا ہوگا۔ پہلا دور حقوق العباد کے ادا کرنے کا دور ہوگا جیسا کہ بیان ہوتا رہا ہے (نمل 86 تا 27/83) اور ظہور کے ساتھ ہی ساتھ شروع ہوگا اور ہزار ہا سال تک جاری رہیگا۔ دوسرا دور پہلے دور کے ختم ہوتے ہی شروع ہوگا اور جناب قائم قیامت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان ہی سے ظہور میں آئے گا (قمر 8، 54/6)، اور ساری نوع انسان ڈرتی، ہانپتی کا نپتی سر جھکائے دوڑتی ہوئی حضور کی عدالت میں حاضر ہو جائیگی۔ اور اب حقوق اللہ پر محاسبہ ہوگا۔ آخری فیصلے کے مطابق جنت اور جہنم میں داخلہ ہو جائیگا، (90 تا 27/87)۔

(3) مودودی کا اقرار کہ قیامت کے مراحل سب کے سب ترتیب وار نہیں ہیں پہلی بات مؤخر کر دی گئی ہے

مودودی نے مانا ہے کہ کہیں کہیں قیامت کو بیان کرتے ہوئے ترتیب الٹ دی گئی ہے، سنئے:

13 ”اس مقام پر یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہاں بھی قرآن کے دوسرے بہت سے مقامات کی طرح قیامت کے مختلف مراحل کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں اُس کیفیت کا ذکر ہے جو آخری نفعِ صورت کے وقت پیش آئیگی۔ اور بعد کی دو آیتوں میں وہ حالت بیان کی گئی ہے۔ جو دوسرے نفعِ صورت کے موقع پر رونما ہوگی۔“ (تفہیم القرآن 6 صفحہ 228 حاشیہ نمبر 13)

لہذا ہم اپنے قارئین سے صرف اس قدر کہیں گے کہ انہیں صرف اس قدر دیکھنا چاہئے کہ بات ساری نوع انسان کی ہو رہی ہے یا محدود تعداد کی؟ یا یہ کہ بات جنت و جہنم کی ہو رہی ہے یا حقوق العباد کی؟ رہ گیا صورت وغیرہ کا پھونکا یا بجایا جانا۔ یا دھماکوں کا ہونا۔ یا چنگھاڑ کا بلند ہونا یہ سب اور اسی قسم کے دہشتناک کام سرگرم قیامت کی صواب دید اور ضرورت کے ماتحت ہیں۔ اُن کی تعداد گنتا اور حالات کا خود ہی متعین کر لینا جتہادی حربہ ہے جو حرام ہے۔

(4) مودودی مانتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے صورت کے درمیان بے حساب زمانہ ہو سکتا ہے

مودودی مانتے ہیں کہ: ”پہلے صورت اور دوسرے صورت کے درمیان کتنا زمانہ ہوگا؟ اس کے متعلق کوئی معلومات ہمیں حاصل نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ زمانہ سینکڑوں اور ہزاروں برس طویل ہو۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 265، حاشیہ 47)

22۔ امام عصر والزمان صرف قائم قیامت ہی نہیں بلکہ حضور تو راہبر و راہنمائے انسانیت بھی ہیں لہذا منتہائے ترقی اُن کا منصب ہے

یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اُس میں قریش کے تصور اسلام اور اُن کی قرآنِ نبوی کو باطل ثابت کر کے اللہ کے وعدوں اور قرآن کی تصدیق آپ کے سامنے لائی گئی ہے اور اُس سازش پر روشنی ڈالی گئی ہے جو قریش نے محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اور قرآن و تعلیمات اسلام سے کی تھی۔ اس سلسلے میں قیامت اور رجعت اور اُن کے مختصر حالات و اصول اور واقعات کا بیان ہوا ہے۔ تاکہ وہ اعتراضات رفع ہو جائیں جو قریش کے

تصور اسلام اور عملدرآمد سے اللہ اور تعلیمات اسلام پر عائد ہوتے تھے۔ اب ہمیں یہ دکھانا ہے کہ وہ انسان جو حضرت حجت علیہ السلام کے ظہور کے وقت موجود ہو گئے اور وہی زندگی گزار رہے ہوں گے جو انہیں اُس وقت سابقہ لوگوں سے ورثہ میں ملی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ اُس وقت بھی قریش کا بگاڑا ہوا اسلام ہی موجود ہوگا۔ اُن لوگوں کے ساتھ حضور علیہ السلام کا کیا سلوک ہوگا؟ انہیں کس طرح راہ راست پر لایا جائے گا؟ انہیں اُس منہائے ترقی پر کس طرح پہنچایا جائے گا جو اسلام کا یا ضابطہ سلامتی کا نتیجہ ہے؟ یعنی لاحد و قدرت اور لاحد و حیات سے کیسے سرفراز کیا جائے گا؟ یعنی اُن کی راہ سے مزاحمت، زوال اور فنا کی طرف لے جانے والی چیزوں کو کیسے ہٹایا جائے گا؟ اور انہیں اسی زمین پر رہتے ہوئے اُس خوف و ہراس و مانوق الفطرت کا رروائیوں سے کیسے بچایا جائے گا جن کا قیامت کے مختلف ادوار میں رجعت کے لئے زندہ کئے جانے والے محروم الجزا لوگوں پر جزا و سزا کے دوران گزارنا ثابت ہو چکا ہے؟

(الف) ظہور قائم قیامت، قیام عدل اور غلبہ اسلام کے لئے اپنے ساتھ ایک دوہرا نظام لانے کا

ان سوالات کے تفصیلی جوابات دینے کے لئے نہ ہمارے پاس فرصت ہے نہ اجازت ہے۔ بہر حال یہ سوالات خود ہم نے قائم کئے ہیں اور ہمارے قارئین کے قلوب میں ان تمام سوالات نے پیدا ہونا تھا اسلئے ہم ان کے سلسلے میں چند اطمینان بخش اور خود کھلتے جانے والی چیزیں بتدریج پیش کر دینا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ سرکار علیہ السلام کا نظام و انتظام سمجھنے اور سمجھانے میں ضروری سہولت حاصل ہو سکے۔

(ب) مقصدِ ظہور امام عصر و الزمان دو الفاظ میں ”تکمیل و غلبہ“ اسلام

1: تکمیل دین کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو کبھی یہ محسوس تک نہ ہو سکے کہ اُن کی ترقی میں حارج ہونے والی فلاں وقت یا مشکل کو رفع کرنے والی فلاں چیز ہوتی تو وہ مسلسل ترقی کرتے رہتے۔ یعنی ہدایات کی فراوانی رہے؛ کبھی کوئی خامی اور کمی محسوس نہ ہو؛ ہر وقت درکاٹ اور الجھن کو سامنے سے ہٹانے کے لئے موقع بہ موقع ہدایات کا انبار ملتا چلا جائے۔ 2: غلبہ دین کا مطلب یہ ہے کہ سو فیصد دین پر عمل کرنے والے ہر حالت میں سو فیصد غالب رہیں۔ انہیں ناکامی و ہزیمت پیش ہی نہ آئے۔ یعنی ان دو الفاظ میں اُن تمام سوالات کا جواب موجود ہے جو ہم نے قائم کئے ہیں یا اس سلسلے میں آئندہ ذہن میں ابھریں۔ لہذا حضرت حجة علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا کام یہ ہوگا کہ قرآن کو ایک ہمہ گیر ضابطہ حیات کی صورت میں عملاً پیش فرمائیں۔ اور یہ کوئی نیا یا اچانک پیش آ جانے والا کام نہ ہوگا۔ اس پر حضور اعلان غیبت (329ھ) سے عمل کراتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اگر آج اور اسی وقت آپ اعلان ظہور فرمادیں تو اس کرہ ارض پر ایک ہزار ایسے تعلیمی ادارے برسر کار آ سکتے ہیں جو تعلیمات و ہدایات کی فراوانی کا ذمہ لے سکتے ہیں۔ اور جن سے قابل اساتذہ آج تک کسی بھی تعلیمی ادارہ نے نہیں دیکھے۔ دنیا کی یہ ترقی یافتہ یونیورسٹیاں اور اُن میں تعلیم دینے والے اساتذہ حضور کے شاگردوں کے سامنے طفلِ مکتب ثابت ہوں گے۔ مگر افسوس کہ آپ تو تعلیمات اسلام کی طرح غیبت اور نظام غیبت کے متعلق بھی وہی تصور رکھتے ہیں جو قریشی پالیسی کی اجازت سے شیعہ علما میں آیا اور انہوں نے اُن غلط تصورات کی غلط اصلاح کر کے اپنی نام نہاد قوم و اہل مذہب میں پھیلا یا ہے۔ شیعوں کو جو کچھ سمجھا گیا ہے یا جو کچھ انہوں نے سمجھا ہے اُس میں تو امام کو بچہ کشی میں لگا رکھا ہے۔ کہیں کسی ناپید جزیرے میں جلا وطنی کی زندگی گزارنے میں لگا رکھا ہے۔ سال بھر میں ایک دفعہ یہ ثابت کر دیا جاتا ہے کہ اُنکا امام معاذ اللہ از قسم مینڈک کوئی مخلوق ہے۔ نیٹی جیٹی (کراچی) کے پُل پر جا کر وہ تماشہ دیکھا جاسکتا ہے جس میں عیاشیوں اور بد معاشیوں کے ساتھ ساتھ پانی میں ڈالے جانے والی درخواستوں کا اور اُن کے مضامین کا پتا بھی لگایا جاسکتا ہے۔ بہر حال یہ نظام غیبت اور تعلیمات حضرت حجت علیہ السلام کا ہی ہلکا سا پر تو ہے جو

انسانوں کو فضاؤں اور ہواؤں کی تسخیر میں مصروف کئے ہوئے ہے۔ یہ اُن ہی کے نظام سے جھلکنے والی روشنی ہے جو دنیا کو منور کرتی جا رہی ہے۔ بہر طور ہم اس سے زیادہ کچھ اور کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ حضور اعلانِ نبیت سے ستر سال قبل ہی سے اُس نظام و انتظام کی مادی تیاری میں مادی طریقے پر دن رات مصروف رہتے اور نظام میں روزانہ داخل و شامل کئے جانے والوں کو مصروف رکھتے چلے آئے ہیں جو انہوں نے اعلانِ ظہور کے وقت قائم کرنا ہے اور جو اُن کا پہلا کام لکھا گیا ہے۔ اور چونکہ آپ نے دینِ خداوندی کو مکمل و غالب کرنا ہے اس لئے یہ تو ماننا ہی ہوگا کہ آپ اللہ کی طرح اُسکے ایک مکمل و غالب نمائندہ ہیں۔ اور اللہ کا ایک غالب و مکمل نمائندہ کیا کچھ کر سکتا ہے؟ اس کے لئے یہی صحیح اور مختصر جواب ہے کہ وہ وہی کچھ کر سکتا ہے جو اللہ کر سکتا ہے۔ ایسا راہبر اور ایسا راہنما ایک ہزار سال سے اپنے زیر زمین نظام کو یعنی نظامِ نبیت کو کیسی اور کتنی تعلیم دے سکتا ہے اور اپنے پسندیدہ اور مطبوع لوگوں کو کہاں سے کہاں پہنچا سکتا ہے؟ حد و عقل و خیال و تصور سے بلند تر بات ہے۔ مختصر اُیہ کہہ دوں کہ حضور ہر وقت اور ہر لمحہ اس پوزیشن میں ہیں کہ اعلانِ ظہور فرمادیں اور اپنے تیار کردہ نظام کو دنیا میں ظاہر فرما کر دنیا کو ایک ایسی راہ، صراطِ مستقیم پر ڈال دیں کہ انسانوں کا راہ سے ڈمگنا ناممکن ہی نہ رہے۔ کیا آپ کو اوپر کی منزل پر جاتے ہوئے زمین پر چڑھتے چڑھتے کبھی یہ خیال، وسوسہ یا شک ہوا ہے کہ اوپر والے زمین پر قدم رکھتے چلے جانے سے شاید میں نیچے اتر جاؤں؟ کبھی نہیں۔ آپ زمین کو دیکھتے ہی یقین کر لیتے ہیں کہ مسلسل اوپر کو قدم رکھتے جانے سے اوپر کو جاؤں گا۔ اور نیچے کی طرف پے در پے قدم رکھنے سے نیچے جاؤں گا۔ ان دونوں حقیقتوں میں نہ آپ کو شبہ ہوا ہے اور نہ شبہ ہونا ممکن ہے۔ حضور کی تیار کردہ تمام راہیں ایسی ہی ہوں گی جہاں شک و شبہ اور وسوسوں کو گنجائش نہ ملے گی۔ اور حصولِ مقصد اور ترقی کے لئے ان راہوں سے بہتر اور سہل تر کوئی راہ تجویز کر سکتا کسی کیلئے ممکن ہی نہ ہوگا۔ لہذا یہ کہنا کافی ہے کہ بہکانے والی قوتوں کے تمام راستے بند ہو جائیں گے۔ لا محذور ترقی کا انتظام فول پروف (Fool proof) یعنی معصوم ہوگا۔ جبلی اور انسانی فطرت کے مطابق (Instinctive) ہوگا۔ اُس کے خلاف عمل کرنا ممکن ہی نہ ہوگا۔ مثلاً چڑھائی چڑھتے ہوئے اوپر کا جسم آگے کو جھکانا اور اترائی یا ڈھلوان سے اترتے ہوئے جسم کو پیچھے کی طرف جھکانا، اور داہنے ہاتھ میں پانی کی بالٹی بھر کر چلتے وقت جسم کو بائیں طرف ورنہ داہنی طرف جھکانا فطری اور جبلی (Instinctive) ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ کے قانون کشش ثقل (Centre of gravity) کا تقاضہ ہے۔ اسی اصول پر ہوائی جہاز کے کنٹرول بنائے گئے ہیں۔ یعنی اگر آپ اڑتے اڑتے یہ چاہتے ہیں کہ جہاز اوپر کو جائے (Climbing) تو اوپر جانے کے لئے جہاز کی نوک (Nose) اوپر کا رخ کرے گی اور جب اگلا حصہ اوپر کو اٹھے گا تو آپ کا جسم پیچھے کو جائے گا لہذا آپ جہاز کے کنٹرول کا لم کو اپنی طرف کھینچ لیں جو جسم کے پیچھے جانے کے لئے آسان کام ہے۔ یہ کام کرتے ہی جہاز کا اگلا حصہ بلند ہو جائے گا اور آپ اوپر کو جانے لگیں گے۔ زمین کی طرف جانا یا اترنا ہو تو کنٹرول کا لم کو آگے دھکیل دیں۔ دھکیلنے میں آپ کا جسم آگے کو جھکے گا اور ایسا ہوتے ہی ہوائی جہاز زمین کا رخ کر لے گا۔ اور جب تک آپ اسی حالت میں رہیں گے وہ مجبوراً نیچے کی طرف جاتا رہے گا۔ پھر اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ جہاز سیدھا سامنے کو اڑتا ہو یا داہنا بازو یا پر (Wing) نیچے کو جائے اور بائیں اوپر کو آئے تو کنٹرول کا لم کو داہنے طرف جھکا دیں ساتھ ہی بدن بھی داہنی طرف جھکے گا اور ایسا ہوتے ہی داہنا پر نیچے جائے گا۔ اگر آپ اسی طرح جھکائے رکھیں تو جہاز اس طرح گھومنے لگے گا جیسے پہیا اپنے دھرے (Axil) پر گھومتا ہے۔ یہی حرکت بائیں طرف جھکنے اور کنٹرول کا لم کو جھکانے سے ہوگی۔ اب بائیں پر نیچے کی جانب اور داہنا اوپر کی طرف جانے لگے گا اور پھر الٹا چکر یعنی رولنگ (Rolling) جاری ہوگا۔ یہ بھی تو انین قدرت و فطرت کی اطاعت سے ہوتا ہے۔ لہذا نظامِ حضرت حجت میں غلطی کرنا ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہو جائے گا۔ یہی وہ حالت ہے جس کے لئے کہا گیا تھا کہ:

”میرا شیطان مسلمان ہو گیا“ یہ اسی مندرجہ بالا مقصد کو ظاہر کرنے کے لئے کہا گیا ہے ورنہ شیطان اور قریش مجبور تو ہو سکتے ہیں اور ہوں گے مگر مسلمان ہرگز نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ ان پر قیامت تک لعنت بھیجی گئی ہے۔ اور ان کا روزِ ازل سے ملعون و کافر رہنا معلوم ہے۔

یہ ہے مختصر اودہ طریقہ جس پر چلا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نوع انسان کو ترقی کی انتہا تک لے جائینگے۔ اور سو فیصد قانونی اطاعت کی بنا پر بطور نتیجہ نوع انسان پر بہت سی مافوق الفطرت تبدیلیاں واقع ہوگی جو اُس اطاعت کیلئے روزِ ازل سے مقرر ہیں۔ مثلاً فرمایا گیا تھا کہ:

ملائکہ سے رابطہ قائم کرنے اور مدد لینے کی تعلیمات پر عمل

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿حَمَّ سَجْدَةَ 41/30﴾

”جن لوگوں نے اللہ کو اپنا خالق و مالک و رازق اور ہر حال میں پالنے اور ترقی دینے والا مان لیا اور پھر دنیا میں ہر وقت اس اعلان و ایمان پر قائم رہے۔ ان پر ملائکہ جنت کی بشارتیں اور کامیابیوں اور مسرتوں کی اطلاعات اور متعلقہ سامان لیکر اترتے رہتے ہیں۔“

مسلمانوں سے پوچھو کہ کیا تم اللہ کو اپنا رب نہیں مانتے ہو؟ کیا تمہارے بزرگ اللہ کو اپنا رب نہ مانتے تھے؟ اگر مانتے ہو تو بتاؤ تم میں سے اور تمہارے بزرگوں میں سے کس پر ملائکہ کا نزول ہوتا تھا؟ قارئین نوٹ کریں کہ محمدؐ اور آئمہ معصومین کے علاوہ اس امت میں کسی نے نہ یہ دعویٰ کیا اور نہ کسی پر کوئی فرشتہ اُترا۔ سب وہی ہے کہ انہوں نے سچے دل سے اور عملاً کبھی اللہ کو اپنا رب نہیں سمجھا۔ اب سوچیں کہ حضور علیہ السلام کی مادی و علمی تعلیمات اور تشریح کائنات پر ہدایات انسان کو کہاں سے کہاں پہنچائیں گی؟ اور پھر سرکار علیہ السلام تو ایک نظر بھر کر جسے دیکھ لیں اسکے سامنے طبقات الارض و السموات روشن ہو جائیں۔ وہ علوم و قوانین کا مجسمہ بن کر رہ جائے۔ یعنی تعلیمات و قانونی ہدایات کے ساتھ ہی ساتھ حضورؐ میں وہ پوری قوت و قدرت قدسیہ بھی موجود ہے جس سے مردے زندہ کئے جاتے رہے ہیں۔ اندھوں کو بصیرت و بصارت ملتی رہی ہے، سینکڑوں میل گھروں میں چھپا کر رکھے ہوئے ذخیرے نظر آتے رہے ہیں، مٹی کے بنائے ہوئے پڑیا نما کھلونے قوت پر اوڑھ لیا جاتا رہا (38/36) جن سے مادی اشیاء کو صرف ہاتھ پھر دینے سے تندرست ہوتے رہے ہیں (آل عمران 3/49) اور جن سے ہواؤں کو مسخر کیا جاتا رہا (38/36) جن سے مادی اشیاء کو آناً فاناً دنیا میں ادھر سے ادھر بھیجا اور منگایا جاسکتا ہے (نمل 27/40) جن سے بے جان و بے شعور چیزوں کو قوت گویائی وغیرہ دی جاسکتی ہے (حکم سجدہ 21-20/41) الغرض جن کو وہ تمام قدرت و اختیارات دیئے گئے ہوں جو اللہ کا حقیقی نمائندہ ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ جانشین خداوندی، وہ حجت اللہ اور خلیفہ خداوندی اس کائنات کی ہر چیز پر غلبہ دلانے کا ذمہ دار ہے۔ وہ انسانوں کے ہاتھوں پوری کائنات اور موت و حیات کو مسخر کر کے انہیں اللہ کے حضور پیش کرے گا تاکہ انہیں بلا حساب جنت میں رکھا جائے وہی حضرات تو ہوں گے جن پر موت والا صورت بھی اثر انداز نہ ہوگا۔ (زمر 39/68)

(ج) دُنیا میں عدل و انصاف و اطاعت کا ذرہ ذرہ، مخالفت و گمراہی اور عصیان و عدوان و شیطان کا زوال و خاتمہ، اللہ کے انعامات کا لامتناہی سیلاب

ہم عرض کر چکے ہیں کہ اگر قرآن کریم کے بیانات کو احادیث معصومین علیہم السلام کی تائید و تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے تو ہزاروں صفحات کا اضافہ ہو جائے گا اور ہم نوح البلاغہ کی تشریحات کو مکمل اور ختم کرنے سے پہلے ہی خود ختم ہو جائیں گے اور ہمارا مقصد ادھورا رہ جائے گا جو ہم نہیں چاہتے۔ بہر حال یہ دکھانے کیلئے کہ محمدؐ اور ان کے جانشین اللہ سے متفق رہے ہیں اور جو کچھ ان کے خالق و مالک اور پروردگار نے فرمایا ہے

انہوں نے وہی کچھ تفصیل سے بیان کیا اور اُس کے مطابق عمل کرنے میں ہمیشہ جان و مال و اولاد کی بازی لگائے رکھی اور اللہ کی رضا، قضا اور مشیت سے ذرہ برابر نہ ہٹے۔ لہذا یہاں دو طویل احادیث میں سے عنوان کی تائید میں تھوڑا تھوڑا سا حصہ آپ کے سامنے رکھ دیں۔ چنانچہ ہماری معتبر ترین کتاب کافی میں حضرت عمار سباطی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ”یہ فرمائیے کہ دونوں حالتوں میں عبادت کرنے والوں میں سے کس کی عبادت افضل اور زیادہ مفید ہے۔ یعنی امام زمانہ علیہ السلام کی حکومت کے دوران عبادت کرنے والوں کی یا غائب اور غادر قریشی حکومتوں کے دوران عبادت کرنے والوں کی؟“

اس سوال کا نہایت دلائل اور وجوہات سے روشن جواب دیا ہے۔ ہم مختصراً اتنا لکھتے ہیں کہ:

”اُن لوگوں کی عبادت افضل اور زیادہ مفید ہے جو امام عصرؑ و الزمان کے انتظار میں غائب و غادر حکومتوں کے جبر و ستم کے دوران عبادت جاری رکھیں۔“ یہ جواب سن کر جناب عمارؓ سباطی اس قدر مطمئن ہوئے کہ یہ سوال کر دیا کہ: ”جناب ایسی حالت میں جب کہ ہماری عبادت ہی گھٹیا درجہ کی ہو کر رہ جائے تو ہم حضرت امام عصر علیہ السلام کی حکومت قائم ہونے کی تمنا کیوں کریں؟“

اس کا جواب ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی کافی سے لکھتے ہیں:

(د) امام جعفر صادق کے نزدیک ظہور اور حکومتِ امام آخر الزمان کی اغراض و مقاصد اور فوائد؛

چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:

فَقَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ أَمَا تُحِبُّونَ أَنْ يَظْهَرَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْحَقُّ وَالْعَدْلُ فِي الْبِلَادِ، وَيَجْمَعَ اللَّهُ الْكَلِمَةَ، وَ يُؤَلِّفَ اللَّهُ بَيْنَ قُلُوبٍ مُخْتَلِفَةٍ وَلَا يَعْصُونَ اللَّهَ عِزًّا وَجَلًّا فِي أَرْضِهِ وَتَقَامُ حُدُودُهُ فِي خَلْقِهِ وَيُرِدُّ اللَّهُ الْحَقَّ إِلَى أَهْلِهِ فَيُظْهِرُهُ، حَتَّى لَا يَسْتَخْفِيَ بِشَيْءٍ مِّنَ الْحَقِّ مَخَافَةَ أَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ، أَمَا وَاللَّهِ يَا عَمْرَأُ لَا يَمُوتُ مِنْكُمْ مَيِّتٌ عَلَى الْحَالِ الَّتِي أَنْتُمْ عَلَيْهَا إِلَّا كَانَ أَفْضَلَ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ كَثِيرٍ مِّنْ شُهَدَاءِ بَدْرٍ وَأَحَدٍ قَابِشُرُوا.

(اصول کافی کتاب الحجۃ باب نادر فی حال غیبة حدیث نمبر 2، صفحہ 334-335)

”امامؑ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! کیا تمہیں یہ بات محبوب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مکمل حق اور مکمل عدل کو دنیا میں ظاہر اور غالب کرے؟ اور یہ کہ پوری نوع انسان کو ایک کلمہ اور ایک دین پر متفق کر دے؟ اور پھٹے ہوئے متغیر دلوں میں الفت پیدا کر دے؟ اور دنیا سے اللہ کی نافرمانی اور مخالفت کو مٹا دے؟ اور یہ کہ اللہ کے قوانین اور جزا و سزا کے مقرر چلے آنے والے عہد پورے ہوں؟ اور یہ کہ حق حکومت اور حقوق العباد حق داروں کو پہنچ جائیں؟ اور کسی کے خوف سے حق کا کوئی پہلو اوجھل نہ رہ جائے؟ خدا کی قسم اے عمار جس حال میں تم آج کل بسر کر رہے ہو اس حالت میں تمہارے مرنے والوں کی طرح ظہور کے زمانے کے لوگ نہ مریں گے بلکہ دوستانہ اور ان محمدؐ و آل محمدؐ بدر اور احد کے شہیدوں کی طرح شہدائے مقام پر وفات پائیں گے۔ لہذا تم اُس زمانے کی زندگی اور موت پر خوشیاں مناؤ۔“ (کافی کتاب الحجۃ)

(ہ) دوسری حدیث کے چند جملے؛ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک دوسری حدیث میں فرماتے ہیں کہ:

ابو عبد اللہ علیہ السلام یقول: إِنَّ قَائِمَنَا إِذَا قَامَ أَشْرَقَتْ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَاسْتَعْنَى الْعِبَادُ عَنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَصَارَ الْبَيْلُ وَالنَّهَارُ وَاحِدًا، وَذَهَبَتِ الظُّلْمَةُ وَعَاشَ الرَّجُلُ فِي زَمَانِهِ أَلْفَ سَنَةٍ يُؤَلِّدُ لَهُ فِي كُلِّ سَنَةٍ غُلَامٌ لَا

یولد له جاریة یکسوه ثوب فیطول علیه کُلَّمَا طَالَ و یکون علیه آى لون شَاءَ؛ و عنه لا یکون علی وجه الارض
مُوذَّی و لا شر و لا سم و لا فساد اصلاً و لا یکون لِشَّیْطَانِ و سوسة و لا عَمَلٌ و لا حَسَدٌ و لا شَئٌ مِّنَ
الفساد..... الخ (کتاب العصمة و الرجعة)

”یقیناً جب ہمارا قائم قیامت ظہور کرے گا تو زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی (زمر 39/29) تو بندگان خدا سورج اور چاند کی
روشنی سے مستغنی ہو جائیں گے اور رات و دن ایک ہی ہو جائیں گے۔ ہر قسم کا اندھیرا دُنیا سے جاتا رہے گا۔ اُن کے دور حکومت میں لوگ
ہزار ہزار سال کی عمریں پائیں گے اور اُن کے یہاں ہر سال ایک بیٹا ہوا کرے گا۔ بیٹی پیدا نہ ہوگی۔ اور وہ اپنے بیٹوں کو جو لباس بھی
پہنائیں گے وہ بچہ کی جسامت کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور لمبا چوڑا ہوتا چلا جائے گا اور کپڑوں کا جو رنگ وہ پسند کریں گے وہی رنگ بدلتا چلا
جائیگا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اُن کے عہد میں زمین پر کوئی چیز نہ رہے گی جو ایذا پہنچائے۔ شر اور فساد میں سے کچھ باقی نہ رہے گا اور نہ زہریلی
چیزیں رہیں گی۔ اور شیطان کے پاس لوگوں میں پھیلانے کیلئے کوئی عمل یا وسوسہ تک نہ بچے گا۔ حسد اور فساد بھی نہ رہے گا۔“

(و) احادیث کے ان دونوں اجزاء کی تشریح اور اصولی وضاحت و تفصیل

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ حضرت قائم قیامت امام آخر الزمان کی تعلیمات کا انداز سو فیصد فطری ہوگا اور وہ رکاوٹیں راہ سے ہٹادی
جائیں گی جو تو انین فطرت یا مشیت کو الٹ کر اور تضاد انگیز بنا کر سامنے لاتی ہیں۔ اس لئے خلاف ورزی اور احکام امام علیہ السلام سے مختلف راہ
عمل اختیار کرنا خود بخود بند ہو جائے گا اور یوں اہلبیس کا سارا سامان بے کار و بے نتیجہ ہو کر رہ جائے گا۔ اور یہی بڑا سبب ہوگا لوگوں کے قلوب میں
الفت اور ہم آہنگی پیدا ہونے کا کہ قلوب سے نفرت و حسد و بغاوت پیدا کرنے والی قوت یعنی اہلبیس کے حربے اور ہتھیار بے کار ہو جائیں گے۔ اور
جب دُنیا میں نہ احکام خدا و رسول و امام کی مخالفت ہوگی نہ مخالفت کی ضرورت رہے گی تو خود بخود عصیان و نافرمانی ختم ہو کر رہ جائے گی اور جو کچھ تعمیل
احکام کا نتیجہ ہوگا وہ وہی ہوگا جسے عمل کرنے والا پہلے سے جانتا ہوگا تو کسی کو ایک دوسرے کو محروم کرنے کی ضرورت بھی نہ رہے گی اور یوں حقوق العباد
محموظ اور ساتھ کے ساتھ ادا ہوتے رہیں گے۔ اور وہ لوگ جو اپنے سابقہ مذہب پر قائم رہنا چاہیں گے ظاہر ہے کہ اُن کی مجتہدانہ شریعت و قوانین
سے عدل برقرار نہ رہے گا لہذا بے انصافی ہوگی اور حقوق العباد پورے نہ ہو سکیں گے اور محروم رہ جانے والے لوگ امام علیہ السلام سے رجوع کریں
گے اور اُن پر واجب ہے کہ وہ دُنیا میں کوئی کام عدل اور حقوق العباد کے خلاف نہ ہونے دیں لہذا محروم کو پوری جزا دلانے کیلئے متعلقہ لوگوں کو سزا
دے کر فارغ کیا جائے گا۔ اس طرح لوگ اپنے لیڈروں سے کٹ کر اسلام اختیار کر لیں گے۔ لہذا چند ہی سال میں کوئی مذہب یا تصور زندگی اسلام
کے سوا باقی نہ رہے گا اور تمام انسان ایک کلمہ اور ایک دین پر متفق ہو جائیں گے۔ اور ساری نوع انسان جب بھی قوانین فطرت و مشیت پر اسلامی
احکام کی روشنی میں عمل کرے گی تو بیماریاں دُنیا سے رخصت ہو جائیں گی اور خود بخود انسانوں کی صحت اور عمریں ترقی کریں گی اور انہیں امام علیہ
السلام کے ساتھ ساتھ کائناتی تعاون بھی حاصل ہوگا اور اشیاء انسانوں کی مرضی کے مطابق یعنی قانونی مرضی کے مطابق کام کرنے لگیں گی۔ جیسا کہ
لباس کا جسامت کے ساتھ بڑھنا اور رنگوں کا بدلنا وغیرہ اور یہی وہ مقام ہوگا جہاں امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد درکار ہوگی۔ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اس
عہد کے مطیع لوگوں کے یہاں ہر سال لڑکا پیدا ہوگا اور لڑکیاں پیدا نہ ہوں گی۔ اس سے یہ اصول سمجھ لینا چاہئے کہ اولاد کے پیدا کرنے اور لڑکا یا لڑکی
پیدا کرنے کا قانون معلوم ہو جائے گا۔ لہذا جس صنف کی کمی ہوگی وہ پیدا کر لی جائے گی۔ ورنہ صرف لڑکے پیدا ہونے سے تو انسانی ضرورت

مسما رہو جائے گی یعنی مردوں کو جوڑا نہ ملے گا۔ اور ایسا خلاف قانون یا اصول مطلب اخذ کرنا دینی ضرورت کے خلاف ہے جو معصومین علیہم السلام سے ہرگز متوقع نہیں۔ زہریلی چیزوں یا دوسری چیزوں کا وجود ختم ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ انسان خواص اشیا کا عالم ہو جائے گا اور مضر چیزوں کو استعمال ہی نہ کرے گا۔ گویا اُن کا عدم اور وجود مضرّت کے لئے برابر ہو جائے گا اور افا دیت کے لئے وجود مفید ہوگا۔

23۔ نظام عدل کا دوسرا حصہ وہ ہے جس سے اس دنیا میں گزرنے والے مظالم، جبر و ستم اور حق تلفیوں کو عدل میں تبدیل کیا

جائے گا یعنی جزا و سزا

اس عنوان میں ہمیں اُس سوال کا جواب دینا ہے جو (عنوان 22) سابقہ عنوان کے شروع میں قائم کیا گیا تھا کہ ”جزا اور سزا دینے کے لئے محروم الجزا لوگوں کا خوفناک حال معمول کے مطابق زندگی کو بھی خوفناک اور جبری بنا دے گا اور لوگ خوشی سے نہیں جبراً نیک بنائے جائیں گے۔“ یہ تاثر بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً صحیح نہیں ہے صحیح صورت حال کو بیان کرنے کیلئے ہم اپنی تفسیر *أَحْسَنُ التَّعْبِيرِ* سے ایک عنوان نقل کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ نظام عدل، رجعت میں جزا اور سزا کے سلسلے میں مکمل تفصیلات بھی اسی تفسیر سے مل سکتی ہیں۔ تفسیر کا وہ بیان جو سورہ تطفیف (83) کا چوتھا عنوان چوتھا نظارہ پیش کرتا ہے؛ نظارہ دیکھئے:

چوتھا نظارہ جو میدان رجعت میں مواخذہ اور معمول حکومت الہیہ کے درمیان پردے کے پیچھے ہوگا

اب آپ بھی چوتھا نظارہ کریں اور یہاں پر جس چیز کو خاص طور پر نوٹ کرنا ہوگا وہ یہ صورت حال ہے کہ جب امام آخر الزمان، قائم قیامت حضرت محمد بن حسن عسکری علیہم السلام ظہور فرمائیں گے اور اس دُنیا کو عدل و انصاف سے لبریز فرمادیں گے اور کارِ جہان اللہ کے منشا کے مطابق عملاً جاری ہو جائے گا تو حضور رجعت کا اعلان کریں گے۔ اور وہ تمام لوگ باری باری زندہ کئے جائیں گے جو مشیت کے بہاؤ کی بنا پر اپنے اعمال کی جزا یا سزا سے محروم رہ گئے تھے تاکہ انہیں وہ جزا و سزا دی جائے جو نیکی یا بدی کے یا جرم یا گناہ کے سرزد ہونے کے بعد دنیا کی اسلامی حکومت کی طرف سے ملنا چاہئے تھی۔ چونکہ اُس جزا و سزا کے لئے لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا جو اُس وقت کے موجودہ لوگوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کرے گا۔ لہذا رجعت کی تمام کاروائیاں اس طرح اور زمین کے ایسے حصہ میں کی جائیں گی جہاں سے معمول کے مطابق چلنے والے انسانوں کو نظر نہ آسکیں۔ ورنہ وہ حقائق کو بالموجد دیکھ کر جبراً برائیوں سے باز رہیں گے جو مشیت کا مقصد نہیں ہے۔ اور اسی مقصد کے لئے آپ نے بار بار دیکھا ہے کہ زمین پر سے پہاڑ غائب ہو جائیں گے (التکویر 81/3) زمین کو پھیلا کر لمبا اور وسیع کر دیا جائے گا (الانشقاق 4-3/84) الغرض اس نظارہ میں آپ رجعت کی کارروائیاں ایک قدرتی حجاب یا پردہ کے پیچھے سے دیکھیں گے جہاں وہی ماحول موجود ہوگا جس میں انسانوں نے جرم یا نیکی کی تھی۔ ملاحظہ ہو:

”اے رسول آپ اُس روز مخصوص مومنین اور مخصوص مومنات (الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ) کو اس حال میں دیکھیں گے کہ اُنکا نور اُن کے آگے اور دہنے بائیں جدو جہد کر رہا ہوگا۔ اُن سے کہا جائے گا کہ آج تمہارے لئے تو خوشخبریاں اور بشارتیں ہی بشارتیں ہیں کہ تم سب کیلئے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور تمہیں ہمیشہ اُن میں رہنا ہے۔ اور وہ عظیم الشان مراد مندی و کامیابی ہے۔ اُس دن خاص منافق مردوں اور مخصوص منافق عورتوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ مذکورہ مومنین و مومنات سے التجا کریں گے کہ ذرا ٹھہر کر ہمارا انتظار کرو تا کہ ہم بھی تمہارے اس نور سے مدد حاصل کر سکیں۔ اُن سے کہا جائے گا کہ تم اُس نور سے پیچھے ہٹ کر اپنے لئے کسی اور نور کا التماس

کرو۔ چنانچہ اس کے بعد ان کے درمیان ایک احاطہ بنا دیا جائے گا (فَضْرَبَ بَيْنَهُمْ بَسُورًا لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ - 57/13) اُس احاطہ میں ایک دروازہ ہوگا اُس دروازہ کے اندر کی طرف رحمت یعنی محمدؐ (انبیاء/21) ہونگے۔ اور دروازہ کے باہر کی طرف سامنے کے میدان میں عذاب و سزا کا انتظام ہوگا۔ قریشی مومنین آوازیں مار مار کر کہیں گے کہ اے بھائیو کیا ہم تمہارے ساتھ ایمان و عمل میں شریک نہ تھے؟ (يَسْأَلُونَكَ عَنْهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ) مومنین کہیں گے کہ کیوں نہیں تم واقعی ہمارے ساتھی تھے۔ مگر تم نے فتنہ پیدا کر دیا تھا۔ اور اُس فتنے میں گھل مل گئے تھے (قَالُوا بَلَىٰ وَاَلَيْسَ لَكَ اَعْيُنٌۢ مِّمَّنْ يَنْظُرُونَ) اور تم اس انتظار میں لگے رہے کہ ہمیں ہمارے عقائد پر نقصانات ہوں چنانچہ تم اسی اُدھیڑ بن اور الجھن میں مبتلا رہتے چلے گئے۔ تمہیں اقتدار اور حکومت کی تمناؤں نے اُلجھائے رکھا یہاں تک کہ حکومت الہیہ کا اعلان ہو گیا (حَتَّىٰ جَاءَ اَمْرُ اللّٰهِ) اور تمہیں وہ بڑا دھوکے باز شخص اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھتا رہا (عَسْرَتِكُمْ بِاللّٰهِ الْعُرُوْرُ) چنانچہ وہ دن آپہنچا کہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ حقائق کو چھپانے والوں سے سزا کے بدلے معاوضہ لیا جائے گا اب تمہیں آگ ہی میں پناہ ملے گی اور وہی تمہارا مولیٰ و حاکم ہوگی۔ اور انجام کار وہ بہت بُری جگہ ہے۔ کیا یہ سب کچھ سن کر بھی اے رسول ان تمہارے قریشی مومنین کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل ذِکْرُ اللّٰهِ کے سامنے اطاعت کے لئے جھک جائیں اور اس حق کو قبول کر لیں جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ اور کہیں یہ قریشی مومنین اُن لوگوں کی طرح گمراہ نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے۔ اُن کے اوپر تو ایک بہت طویل مدت گزر چکی ہے اور اسی لئے اُن کے قلوب اجتہادی مذہب پر سختی سے قائم ہو گئے اور آج اُن کی کثرت فاسق ہے۔ یعنی احکام خداوندی کو بلا اجتہاد نافذ کرنے کی مخالف ہے۔“

(مائدہ 5/47) (الحديد 16 تا 57/12)

قارئین نے اللہ کے چار مرتبہ دہرائے ہوئے وعدوں کو پڑھا تھا اور اب یہ چار دفعہ وعدہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے حالات دکھانے کی تفصیل بھی دیکھ لی ہے۔ اور اس کے علاوہ رجعت کی مزید تفصیلات متعلقہ سورتوں (شوریٰ اور حدید وغیرہ) میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہ یاد رکھئے کہ ہر مجرم کو اُس کے جرم کی اسلامی سزا ملنا عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ اگر اُس کا جرم اس کے وقت کی اسلامی حکومت سے چھپا رہ گیا یا یہ کہ وہ خود ہی خلیفہ یا بادشاہ تھا اور اُسے سزا نہ مل سکی تو کائنات کے حقیقی حاکم محمدؐ سے اُس کا جرم پوشیدہ نہ تھا۔ انہوں نے مشیت کے دھارے کو بہنے دیا مگر اپنے ہمہ گیر ریکارڈ میں اُسے نوٹ رکھا اور حکومتِ گلیہ ملتے ہی تمام ایسے مجرموں کو سزا دینے کیلئے رجعت مقرر کر دی۔“ (تفسیر احسن التعبیر سورہ تطفیف)

تفسیر کے اس بیان میں نظامِ عدل کی تکمیل کا وہ طویل انتظام بھی سامنے آ گیا جو درپردہ اسی زمین پر قائم ہوگا۔ اور اللہ کے تمام وعدے پردہ کے اُدھر اور ادھر دونوں طرف پورے کئے جائیں گے۔ اور جب نوع انسان عملاً وہ مقام حاصل کر لے گی جو اسلام یا ضابطہ اسلامی کا تقاضا ہے۔ یعنی انسانیت، زوال و کمزوری اور محتاجی پر غالب آجائے گی تو حضور امامِ آخر الزمان علیہ السلام اس قیامت کا اعلان فرمائیں گے جو کہ حقوق اللہ کا اجر و عذاب اور ثواب بہم پہنچائے گی اور اب جنت و جہنم میں داخلہ ہوگا۔

24- حضرت علیؑ اپنے زمانہ کے لوگوں کو اسی مشہور جنت اور جہنم کے لئے مقابلہ اور سبقت کا تقاضا فرماتے ہیں اور جگاتے ہیں

(خطبہ 28، جملہ نمبر 4، 5)

ہم نے حضرت علیؑ علیہ السلام کے چوتھے اور پانچویں جملے کو ریاضت اور قائم قیامت اور نظام عدل و جزا و سزا کا تذکرہ کئے بغیر، باقی مترجمین اور شارحین کی طرح گزر جاتے۔ لیکن ہم نے چاہا کہ اپنے قارئین کو حضورؐ کے خطبے کا حقیقی مقصد دکھائیں اور انہیں خطبہ میں مذکور سفر اور آنے والی منزلوں سے روشناس کر دیں تاکہ وہ لوگ نہ سہی آپ لوگ تو جنت کا حقیقی مطلب سمجھیں اور وہ زادراہ جمع کریں جو اُس سفر اور اُن منزلوں کے لئے ضروری ہے۔ اور اُس غلط فہمی سے باہر نکل آئیں جو قریشی نظام نے سستی جنت اور ستے جہنم کیلئے پھیلائی ہے۔ اور انہیں وہ دقتیں اور محنتیں اور صبر و تحمل معلوم ہو جائے جو جنت میں جانے اور جہنم سے بچنے کے لئے ضروری ہیں۔ اور وہ اُس مواخذہ سے محفوظ رہ جائیں جو قیامت کے اولین دور میں ہوگا۔ اور ہر سانس کا اور ہر عمل کا عملی حساب چکانا ہوگا۔ اور تاکہ وہ قریش کی تھکیوں سے چھائی ہوئی نیند اور غفلت سے بیدار ہو جائیں جس سے حضرت علیؑ علیہ السلام یہ فرما کر جگانا چاہتے تھے کہ:

اَلَا وَاِنِّي لَمَّ اَرَا كَالْجَنَّةِ نَامَ طَلَبُهَا؛ وَ لَا كَالنَّارِ نَامَ هَارِبُهَا؛ (خطبہ 28، جملہ نمبر 14-15)

”غور کرو کہ مجھے تو جنت کے سوا اور کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس کے طالب، طلب گار ہوتے ہوئے بھی سو کر وقت ضائع کرتے ہوں۔ اور نہ جہنم جیسی کوئی دوسری چیز نظر آئی کہ جس سے ڈرنے اور بچنے اور ڈور بھاگنے والوں سے زیادہ کوئی غافل رہتا ہو۔“

اَلَا وَاِنَّهُ مَنْ لَا يَنْفَعُهُ الْحَقُّ يَضُرُّهُ الْبَاطِلُ؛ وَ مَنْ لَا يَسْتَفِيْمُ بِهِ الْهُدٰى يَجْرِبُهُ الصَّلٰلُ اِلٰى الرَّدى؛ (خطبہ 28، جملہ نمبر 16-17)

”اور اُس رکھو کہ جسے حق پر عمل کرنا فائدہ نہیں دیتا ہے اُسے باطل سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے، اور جسے ہدایت راست روی میں پائیداری نہ بخشنے اُسے گمراہی، تباہی اور بربادی کی طرف کھینچ کر لے جایا کرتی ہے۔“

(الف) حق و ہدایت کی شناخت اُن کی افادیت سے ہوا کرتی ہے

عہد مرتضوی میں بھی اور آج بھی حضورؐ کے یہ دونوں جملے (16-17) یہ بتانے کے لئے کافی ہیں کہ جب تم یہ دیکھو کہ ہم حق و ہدایت کے مطابق کام کر رہے ہیں اور پے در پے منافع کی جگہ ہمیں نقصان ہو رہا ہے تو ٹھہرو، چونکو اور اپنے اعمال پر اور اُس حق و ہدایت پر الگ الگ اور مجموعی نظر ڈالو اور سمجھ لو کہ یا تو تمہارے اعمال و اقدامات میں خرابی و خامی ہے۔ یعنی وہ تمہیں ملے ہوئے حق و ہدایت کے مطابق نہیں یا اگر وہ مطابق ہیں تو جسے تم حق و ہدایت سمجھ رہے ہو وہ درحقیقت حق و ہدایت نہیں ہے۔ اس لئے کہ حق و ہدایت پر عمل کا نتیجہ یقیناً منافع ہوتا ہے نقصان و مضرت نہیں ہوتا۔ یہاں مشکل یہ پیش آئے گی کہ اعمال کا حق و ہدایت کے مطابق ہونا تو ہر آدمی نہایت آسانی سے معلوم کر لے گا۔ لیکن یہ جاننا کہ آیا وہ مذکور حق و ہدایت درحقیقت حق و ہدایت ہے یا نہیں مشکل ہے۔ اس سلسلے میں پہلی مددگار چیز یہ ہوگی کہ کوئی ایسا شخص ہمیں بتائیے جس کے متعلق سو فیصد یہ یقین ہو کہ وہ شخص اُس زمانے کے لوگوں میں الحق اور الہدی کے متعلق مکمل اطلاع رکھتا ہے اور اُس کا ہر فیصلہ حق و ہدایت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر ایسا شخص ملے تو جو کچھ وہ بتائے گا وہی حق و ہدایت ہوگا۔ اور اگر سارے لوگ ایسے ہی ہوں جیسے متلاشی حق ہوتے ہیں تو حق و ہدایت کا پتہ لگانا ممکن ہو جائے گا۔ اور یہی حال رہا ہے اس امت کا اور اس امت کی ہم عصر امتوں کا کہ انہیں اُن میں کوئی ایسا شخص نہ ملتا تھا جو سو فیصد حق کا عالم و معلم ہوتا۔ اُن کی دینی قیادت کرنے والے لوگوں میں نہ صرف اختلاف و تضاد رہتا چلا آیا ہے بلکہ وہ ایک دوسرے کو گمراہ بھی کہتے رہے۔ ایسے ہی لوگ تھے

عہد مِرضویٰ میں۔ اُس زمانہ کے تمام مذہبی لیڈر دین کے تسلیم شدہ لیڈر بھی تھے اور ایک دوسرے کو گمراہ، بدعتی، نعلی اور یہودی اور واجب القتل بھی کہتے تھے۔ اس کے باوجود وہ دین کے راہنما بھی تھے۔ یعنی جتنے لیڈر تھے اُن سے ہی اُن مسلمانوں کے مذاہب اور طرز زندگی کے ضابطے تھے۔ ایسے لوگوں کو مخاطب کیا ہے حضرت علی علیہ السلام نے۔ آپ اُن کو اُن کے مذاہب اور اعمال پر متوجہ فرما رہے ہیں حق و ہدایت کی شناخت بتا رہے ہیں۔ اُنہیں اُن کے اعمال پر نفع و نقصان کی وجہ بتا رہے ہیں۔ اور اس طرح یہ اصول سامنے رکھ رہے ہیں کہ دینی علوم پر انتہائی علم رکھنے والا ہونا چاہئے۔ اگر دین، اللہ کی طرف سے آیا تھا تو دینی تعلیمات مسلسل قیامت تک جاری رکھنے کے لئے انتظام کرنا خود اللہ اور رسول کی ذمہ داری ہے۔ اب یا تو یہ سمجھئے کہ یہ دین ناقص ہے یا یہ کہ دین میں نہیں بلکہ گڑ بڑ کہیں اور ہے۔ اگر اللہ نے اسلامی تعلیمات اور حق و ہدایت کے جاری رکھنے کا انتظام نہ کیا ہوتا تو بعد رسول کوئی بھی یہ نہ کہتا کہ میں خدا کی طرف سے ساری امت کا سربراہ اور ہادی ہوں۔ لیکن سربراہ کہلانے والے اور رسول کے مقام پر قائم ہونے والے تو موجود رہے ہیں۔ لہذا یقیناً اللہ نے انتظام کیا تھا۔ مگر وہ انتظام اور اللہ کے انتظام والے سربراہ ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ انہیں تو تعلیمات اسلام پر عبور ہونا چاہئے۔ اُن کی ہر بات حق و ہدایت ہونا لازم ہے۔ اُن کا اللہ سے براہ راست رابطہ بھی ہونا واجب ہے۔ لہذا یہ قیادت، یہ خلافت اور یہ نیابت باطل ہے جس میں نہ کوئی حق و ہدایت پر مطلع ہے نہ اُمت کو گمراہی و نقصان سے بچا سکتا ہے اسی صورت حال کی طرف متوجہ کرنے کیلئے حضور نے یہ اپیل کی ہے کہ:

أَفَلَا تَأْتِبُ مَنْ خَطِيئَتِهِ قَبْلَ مَنِيَّتِهِ؛ أَلَا عَامِلٌ لِنَفْسِهِ قَبْلَ يَوْمِ بُؤْسِهِ؟ أَلَا وَانْكُمُ فِي أَيَّامٍ أَمَلٍ مِّنْ وَرَائِهِ أَجَلٌ؛ فَمَنْ عَمِلَ فِي أَيَّامٍ أَمَلِهِ قَبْلَ حُضُورِ أَجَلِهِ نَفَعَهُ عَمَلُهُ، وَ لَمْ يَصُرْهُ أَجَلُهُ؛ وَ مَنْ قَصَرَ فِي أَيَّامِ أَمَلِهِ قَبْلَ حُضُورِ أَجَلِهِ فَقَدْ خَسِرَ عَمَلُهُ؛ وَ ضَرَّهُ أَجَلُهُ أَلَا فَاعْمَلُوا فِي الرَّغْبَةِ كَمَا تَعْمَلُونَ فِي الرَّهْبَةِ. (خطبہ 28، جملہ نمبر 6-13)

”کیا کوئی بھی ایسا شخص موجود نہیں ہے جو اپنی فیصلہ کن گھڑی آجانے سے پہلے پہلے اپنی خطاؤں کی اصلاح اور تدارک کیلئے مقام اصلاح و ہدایت کی طرف پلٹ آئے؟ کیا کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جو اپنے یومِ بد کے آنے سے پہلے پہلے اپنے تحفظ کیلئے کام کر سکے؟ سنو اور خبردار ہو جاؤ کہ تم امیدوں اور آرزوؤں کے دنوں میں مبتلا ہو اور اُن امیدوں اور تمناؤں کی آڑ میں پیچھے پیچھے چھپی ہوئی تمہاری موت تمہاری طرف بڑھتی چلی آرہی ہے۔ چنانچہ یہ سمجھ لو کہ جو شخص موت کے پہنچنے سے پہلے پہلے ان آرزوؤں اور امیدوں کے دور میں مفید اعمال پر کار بند رہتا ہے۔ اُسے اُس کے اعمال نفع میں رکھتے ہیں اسلئے اُسے اُس کی موت نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے۔ اور جو کوئی امیدوں اور آرزوؤں کے دور میں اور موت کے آنے سے پہلے کوتاہیاں کرتا ہے اُسے اُس کے اعمال گھاٹے میں رکھتے ہیں، اس لئے اُس کی موت اُسے ضرر پہنچاتی ہے۔ خبردار تم لوگ اُسی طرح شوق اور لگن کے ساتھ خوش حالی میں بھی اعمال بجالو، جس طرح مصائب و آلام اور عالمِ دہشت میں عاجزی سے عمل کیا کرتے ہو۔

(ب) حضرت علی کی دو خاص باتیں جن کا تقاضا پورا کرنے کے لئے نظام عدل و قیامت و رجعت کو سامنے لایا گیا

حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ بالا فرمانات یوں تو سب کے سب اعمال و جزا و سزا اور محتاط زندگی پر ہدایات ہیں لیکن حضور کا یہ فرمانا کہ:

”اپنی فیصلہ کن گھڑی آجانے سے پہلے پہلے اپنی خطاؤں کی اصلاح اور تدارک کیلئے مقام اصلاح و ہدایت پر پلٹ آؤ۔ اور یومِ بد کے آنے سے پہلے پہلے اپنے تحفظ کے لئے کام کرو۔“ (جملہ نمبر 7-6)

یہ بیان صرف ”یوم الدین اور یوم الجزا کی کامیابی کا تقاضا کرتا ہے“ اور ہم نے فیصلہ کن گھڑی اور یوم بد کو سمجھانے کے لئے تمام ہی سابقہ عنوانات لکھے ہیں۔ لیکن باقی تمام مترجمین اور شارحین نے فیصلہ کن گھڑی سے موت سمجھا ہے جو قریشی سمجھ سے زیادہ نہیں ہے جو ہمیشہ قرآن کے خلاف ہوا کرتی ہے۔ صرف ایک دلیل دیکھیں اور خطبہ کی تشریح کو ختم سمجھیں۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ ایک قریشی لیڈر نے تمنا کی تھی کہ:

يَلِيَّتْهَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ ۝ (حاقہ 69/27)۔ مودودی ترجمہ: ”کاش میری وہی موت جو دنیا میں آئی تھی فیصلہ کن ہوتی۔“

نوٹ کریں کہ کسی کی موت بھی قرآن کے نزدیک فیصلہ کن نہیں ہوتی۔ فیصلے تو یوم الفصل اور یوم الدین اور یوم القيامة میں ہونا ہیں۔ یہ تمام لوگ مکذّب قرآن ہیں۔ والسلام

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 29

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 29

خطبہ ﴿29﴾

ایک ہمہ گیر، بے باک اور مطمئن راہنمادب کربات نہیں کرتا

- 1- جنگی ماحول میں بھی لیڈروں اور سرمایہ داروں اور قومی سرداروں کی خوشامد جائز نہیں ہے۔
- 2- زعمائے قوم کو ان کی ظاہری اور باطنی کمزوریوں اور خامیوں پر دو ٹوک الفاظ میں مطلع کرنا حقیقی راہنما کی عادت ہونا چاہئے۔
- 3- مخاطب خواہ کوئی ہو اسے یہ محسوس ہونا چاہئے کہ مقرر یا خطیب نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ موقع پرست ہے۔
- 4- جس عنوان پر خطبہ شروع کیا جائے وہ عنوان گفتگو کے ہر جملے میں بڑھ چڑھ کر پے درپے مخاطبین کے دماغ میں گونجتا رہے۔
- 5- تنقید سننے والوں کو یہ یقین رہنا چاہئے کہ ناقد میں کسی قسم کا عیب و نقص نہ موجود رہا ہے اور نہ پیدا ہو سکتا ہے۔
- 6- پبلک کو خطبہ کے دوران خطیب کی خود اعتمادی اور اطمینان پر حیرت و رشک رہنا چاہئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	اِيْهَا النَّاسُ الْمُجْتَمِعَةُ اَبَدَانُهُمْ ؛	اے لوگو تم جسمانی اور ظاہری حالت میں تو متحد اور متفق معلوم ہوتے ہو مگر
2	الْمُخْتَلِفَةُ اَهْوَاؤُهُمْ ؛	باطنی طور پر تمہاری خواہشیں اور مصلحتیں متضاد و مختلف ہیں۔
3	كَلَامُكُمْ يُوْهِى الصَّمَّ الصَّلَابَ ؛	تمہاری باتیں ایسی ہیں کہ انسان ہی نہیں بلکہ پتھر بھی نرم ہو جائیں۔
4	وَفِعْلُكُمْ يُطْمِعُ فِئَكُمْ الْاَعْدَاءَ ؛	اور عمل تمہارے ایسے ہیں کہ دشمن لوگ تمہیں تباہ کرنے کی فکر و طمع میں لگ جائیں۔
5	تَقْوُلُوْنَ فِي الْمَجَالِسِ :	مجلسوں اور مجلسوں میں بیٹھ کر تم غیپیں ہانکتے ہو کہ:
6	كَيْتَ وَ كَيْتَ ؛	ہم یہ کر دیں گے اور یوں تیر توپ مار دیں گے مگر۔
7	فَاِذَا جَاءَ الْقِتَالُ قُلْتُمْ :	جیسے ہی جنگی مہم سامنے آتی ہے تو
8	حِيْدِيْ حِيَادٍ ؛	بدحواسی میں پناہ اور فریادیں بلند کر دیتے ہو۔
9	مَا عَزَزَتْ دَعْوَةَ مَنْ دَعَاكُمْ ؛	تمہیں مدد کے لئے بلانے والے کو اس کا بلاؤہ غلبہ نہیں دیتا۔
10	وَلَا اسْتَرَا حَ قَلْبٍ مِّنْ قَاسَاكُمْ ؛	اور تمہیں اپنا مددگار سمجھنے والے کا دل کبھی راحت نہیں پاسکتا۔
11	اَعَالِيْلُ بِاَصَالِيْلٍ ؛	تم گمراہ کن علتیں اور بہانے کر کے میرے پروگراموں کو ٹالتے رہتے ہو۔
12	دِفَاعَ ذِي الدِّيْنِ الْمَطْوُوْلِ ؛	بالکل اسی طرح جس طرح ایک مقروض قرض خواہ کو مدتوں ٹالتا رہتا ہے۔
13	لَا يَمْنَعُ الضَّيْمِ الدَّلِيْلُ ؛	ایک ذلیل شخص ذلتوں کی روک تھام نہیں کر سکتا۔

14	وَلَا يَدْرِكُ الْحَقُّ إِلَّا بِالْجِدِّ ؛	حق بلا جدوجہد اور کامیاب کوششوں کے بغیر نہیں ملا کرتا۔
15	أَيُّ دَارٍ بَعْدَ دَارِكُمْ تَمْنَعُونَ ؟	اس گھر اور وطن کے علاوہ اور کون سا ٹھکانہ ہے جس کا تحفظ کرو گے؟
16	وَمَعَ أَيِّ إِمَامٍ بَعْدِي تَقَاتِلُونَ ؟	اور میرے بعد وہ کون سا امام ہے جس کی تائید میں جنگ کرو گے؟
17	الْمَغْرُورُ وَاللَّهِ مَنْ غَرَّرْتُمُوهُ ؛	وہ شخص بخدا حقیقی فریب خوردہ ہے جسے تم نے دھوکا دیا ہو۔
18	وَمَنْ فَازَ بِكُمْ فَقَدْ فَازَ وَاللَّهِ	اور جسے تمہاری نصرت کا شرف حاصل ہو اُسے وہ ہتھیار اور تیر ملتے ہیں جن کی دھار
	بِالسَّهْمِ الْأَخْيَبِ ؛	کنڈ اور بھال غائب ہو۔
19	وَمَنْ رَمَى بِكُمْ فَقَدْ رَمَى بِأَفْوَقِ	اور جو شخص تمہاری مدد سے تیر اندازی کرے وہ ٹوٹے ہوئے اور ناکام تیروں سے
	نَاصِلٍ ؛	جنگ کرتا ہے۔
20	أَصْبَحْتُ وَاللَّهِ لَا أَصِدِّقُ قَوْلَكُمْ ؛	میں ہر روز صبح ایسی حالت میں کرتا ہوں کہ تمہاری باتوں کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔
21	وَلَا أَطْمَعُ فِي نَصْرِكُمْ ؛	اور تمہاری نصرت اور تائید سے امید وابستہ نہیں کرتا۔
22	وَلَا أُوْعِدُ الْعُدُوَّ بِكُمْ ؛	اور نہ ہی تم پر اعتماد کر کے دشمن کو دھمکی دے سکتا ہوں۔
23	مَا بَالُكُمْ ؟ مَا دَوَاءُكُمْ ؟ مَا طَبُّكُمْ ؟	تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تمہاری دوا کیا ہے؟ تمہاری بیماری کا علاج کیا ہے؟
24	الْقَوْمُ رَجَالٌ أَمْثَالُكُمْ ؛	دشمنان دین بھی تمہاری ہی طرح کے مردوں والی ایک قوم ہے۔
25	أَفْوَلَا بَغَيْرِ عِلْمٍ ؟	کیا تم جہالت کی باتوں سے کام کی باتوں اور کام کی طرف نہ بڑھو گے؟
26	وَعَفْلَةً مِّنْ غَيْرِ وَرَعٍ ؟	کیا تقویٰ اور پرہیزگاری کو چھوڑ کر غفلت ہی میں پڑے رہو گے؟
27	وَطَمَعًا فِي غَيْرِ حَقٍّ ؟	اور کیا ناحق اور غلط چیزوں کی طمع ہی میں الجھے رہو گے؟

اس خطبہ میں بھی دردناک اور تمام حجت والی اپیل ہے۔ قریشی دوستوں کی وہی سابقہ مذکورہ حالت ہے۔ معاویہ کی افواج کے مرتضوی رعایا پر قتل و غارت و لوٹ مار کے حملے جاری ہیں مذکورہ صحابہ کوفہ میں چین سے بے حس و حرکت ہیں۔ فداکار مومنین دفاع کے لئے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں یہ بھی ایسا موقع ہے کہ مذکورہ بے غیرت اور سازشی صحابہ کو غیرت دلانے کے لئے حضرت نے جنگ کے لئے تنہا روانگی اختیار کر لی ہے۔ مگر حجر بن عدی نے ضحاک بن قیس فہری کی چار ہزار فوج کو گھیرا اُنیس (19) فوجیوں کو قتل کیا اور باقی فرار کر گئے۔

تشریحات:

عرب اور قریش، قرآن اور علیؑ کی نظر و بیان میں:

قریشی حکومتوں کی تیار کردہ تاریخ و تفسیر اور احادیث و سیر کی کتابوں میں عربوں کے عموماً اور قریش کے خصوصاً قصاید اور مدح و ثنا لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دنیا کی تمام اقوام سے افضل و اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ شجاعت اور سخاوت میں ان کو بلند ترین مقام دیا گیا ہے۔ اخلاقیات اور تواضع، فداکاری اور وفاداری میں ان کو لاثانی لکھا گیا ہے۔ الغرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا گیا جس میں عربوں کو کسی قوم سے کم رتبہ رکھا گیا ہو۔ ادھر انہیں اللہ و رسول کا سب سے زیادہ فرماں بردار و جاں نثار و خدمت گزار دکھایا گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی تھوکتے تھے تو صحابہ نہایت شوق و کوشش سے ہاتھ پھیلائے ہوئے دوڑ کر جمع ہو جاتے تھے اور حضورؐ کا تھوک ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ پر مل لیا کرتے تھے۔ وضو فرماتے تھے تو پانی کی ایک بوند بھی نیچے نہ گرنے دیتے تھے۔ بطور تبرک جمع کر لیتے تھے۔ وہ لوگ جو ملک عرب اور عربوں کو قلبی احترام کرتے ہیں۔ جو مدینہ کی شان میں قوالیاں لکھتے، سننے اور سُر دھنتے ہیں۔ جو قریشی صحابہ کا عموماً اور ابو بکر و عمر و عثمان، عائشہ، حفصہ، طلحہ و زبیر کا خصوصاً نام سنتے ہی سر جھکاتے ہیں، نعرے مارتے ہیں۔ وہ لوگ بے قصور ہیں انہوں نے یقیناً وہی سرکاری قصائد اور افسانے پڑھے یا سنے ہیں اور یوں وہ غریب قریشی فریب میں مبتلا ہوئے ہیں۔

اللہ کی سنت، قانون اور طریقہ یہ رہتا چلا آیا ہے کہ بُری سے بُری اور عذاب کی مستحق اقوام کی اچھائیوں کو بھی کبھی نہیں چھپایا اور ان کی وہ مدح و ثنا جس کے وہ کبھی حقدار تھے اعلیٰ درجے کے الفاظ میں بیان کی ہے۔ پھر ان کے رویہ کے بدل جانے کو بھی بیان فرمایا ہے اور ان کی اعلیٰ درجے کی مذمت بھی کی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے لئے مودودی کے ترجمہ کے مطابق یہ بھی فرمایا کہ:

بنی اسرائیل کی مذمت ”یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں۔ ان پر محتاجی و مغلوبی مسلط کر دی گئی ہے۔ اور یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے

ہوا ہے کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور انہوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے۔“

(آل عمران 3/112، تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 280)

مسلمان قریش کے لئے بھی کفر و کافر اور کافروں ان ہی معنی میں بولا گیا ہے۔

اس آیت میں (يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ) مودودی مانتے ہیں کہ ”بنی اسرائیل اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے“ مگر مودودی اور ان کے تمام علمائے بنی اسرائیل کو بحیثیت مجموعی کافر یعنی بقول ان کے منکر اسلام نہیں مانا۔ معلوم ہوا کہ کفر کے وہی اصلی معنی (تفہیم اول صفحہ 129) چھپانا صحیح ہیں۔ لہذا عہد رسول کے مسلمانوں کی کثرت و بسی ہی کافر تھی جیسے بنی اسرائیل کافر تھے یعنی حق پوش۔

بنی اسرائیل کی بحیثیت مجموعی انتہائی بزرگی اور مدح سرائی۔

آپ نے قومی حیثیت سے بنی اسرائیل کا نام لے کر ان کی بھرپور مذمت دیکھی ہے اب مودودی ہی کے ترجمہ سے نام لے کر بنی اسرائیل کی لاثانی مدح اور فضیلت بھی دیکھ لیں۔ فرمایا گیا ہے کہ:

(1) ”اس سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تھی۔ ان کو ہم نے عمدہ سامان زینت سے نوازا۔ دنیا بھر کے لوگوں پر

انہیں فضیلت عطا کی“ (جاثیہ 45/16) (تفہیم جلد 4 صفحہ 586) اور سننے:

2) ”اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس اُس نعمت کو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا۔ اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں دنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی تھی“ (بقرہ 2/47، 2/122) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 74 اور 108)

مودودی اعلیٰ درجے کے کافر یعنی حقائق قرآن کو چھپانے والے اور بددیانت مترجم ہیں۔

یہاں پہلے یہ دردناک حقیقت نوٹ کر لیں کہ مذکورہ بالا آیات میں اللہ نے بنی اسرائیل کو پوری کائنات پر بزرگی اور فضیلت دینے کا اعلان فرمایا ہے اور اس کیلئے قرآن میں لفظ ”الْعَالَمِينَ“ اب تک موجود ہے۔ مگر مودودی نے العالمین کا ترجمہ پہلے ”دُنیا بھر“ کیا اور پھر دو جگہ (2/47، 2/122) پر ”دُنیا کی ساری قوموں پر“ کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ ملعون اپنی بددیانتی میں اس حد تک بڑھا ہے کہ اُس نے آنحضرتؐ کو بھی رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ نہیں مانا ہے۔ وہاں بھی لفظ الْعَالَمِينَ کا ترجمہ ”دنیا والوں کے لئے“ کیا ہے (انبیاء 21/107 تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 189) اور یہی نہیں بلکہ اس شیطان نے حضورؐ کو پوری کائنات کا نذری بھی نہیں مانا ہے۔ وہاں بھی اس نے لفظ الْعَالَمِينَ کا ترجمہ ”جہان والوں“ کیا ہے (فرقان 25/1) (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 431)۔ اللہ مودودی اور اس کے راہنماؤں پر لعنت کرتا رہے۔

2۔ اگر عربی اور قریشی مسلمان یا صحابہ ویسے ہی اللہ، رسول اور دین کے فدا کار و اطاعت شعار اور چاہنے والے تھے تو قرآن ان کی مدح کیوں نہیں کرتا؟

بنی اسرائیل کی مثال دیکھ کر ہر صاحب عقل کے دماغ میں یہ سوال ابھرنا چاہئے تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ:-

”قرآن میں اللہ نے ”مسلمان عربوں“ کی یا ”مسلمان قریش“ کی مدح و ثنا اور فضیلت قومی حیثیت سے نام لے کر کیوں بیان نہ کی؟ جب کہ قرآن میں بار بار قومی حیثیت سے ان کی مذمت کی ہے اور انہیں کسی دوسری قوم سے بدل لینے کی دھمکیاں دی ہیں اور انہیں کافر قرار دیا ہے؟“

مثلاً فرمایا ہے کہ: اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلو گے تو تمہیں دردناک عذاب دیا جائے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا۔

يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلُ قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔ (توبہ 9/39) وغیرہ

لہذا معلوم ہونا چاہئے کہ ملک عرب کے باشندوں اور قریشی مومنین کی قرآن میں مدح و ثنا کا مجموعی حیثیت سے یا قومی حیثیت سے یا ملکی حیثیت سے نام لے کر کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ جس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ قریشی حکومتوں نے اپنی مدح و ثنا اور قصیدہ خوانی اپنی حکومت کے دباؤ سے، مال و زر خرچ کر کے یا خود اپنے قلم سے بطور فریب، خود ہی لکھی ہے۔ یعنی وہ بنی اسرائیل سے بھی بدترین و ناہنجار قوم تھے اور کیوں نہ ہوتے انہیں تو اللہ و اللہ کے رسول نے مکذب قرآن اور ایک دشمن خدا و رسول جرائم پیشہ مجرموں کی قوم فرمایا ہے۔ (انعام 6/66، فرقان 25/30-31) اور باقاعدہ لفظ ”قوم“ کہہ کر مذمت کی ہے چنانچہ رسولؐ نے فرمایا۔

1) اے میرے پروردگار میری قوم نے بلاشبہ اس قرآن کو مجبور کر کے رکھ دیا ہے (25/30) اور اللہ نے فرمایا:

2) اے رسول تیری قوم نے قرآن کی تکذیب کر دی ہے (6/66)

3۔ حضرت علیؑ اور قرآن نے عربوں کی اور قریش کی ایسی تصویر کشی کی ہے جس سے اُن کے چہرے سے اسلام اور شرافت کا نقاب اُٹھ گیا اور وہ برہنہ ہو گئے۔

قرآن اور صاحب قرآن علیہ السلام نے عربوں اور قریش کے چہروں سے وہ تمام پردے اٹھا دیئے ہیں جو قریشی حکومتوں نے چھ سو سال تک اپنے دور حکومت میں ڈالنا تھے۔ قریش نے اپنی بد کرداری اور ننگ انسانیت کا ناموں کو چھپائے رکھنے کے لئے ادھر قرآن کو مجبور کیا یعنی قرآن کے تمام کلیدی الفاظ و عنوانات کے معنی تبدیل کر کے قرآن کو اپنے خود ساختہ افسانوں، شان نزول اور روایات پر فٹ کیا۔ اور ادھر اپنی قوم اور مملکت میں ان خود ساختہ معنی اور افسانوں اور روایات کی دن رات چھ سو سال تک نشر و اشاعت کی۔ دینی مدارس میں انہیں پڑھا پڑھا کر علم تیار کئے اور عمر کے زمانہ ہی سے اپنے تیار کردہ علماء کو عدالتوں کا قاضی، صوبوں کا گورنر، فوجوں کے سردار اور محکموں کے اہل کار بنایا۔ ترقی کا معیار ہی یہ رکھا کہ جو کوئی اس پروپیگنڈا اہم میں زیادہ مہارت رکھتا ہو وہی ترقی پائے۔ اور دوسری طرف اُن لوگوں کی نسلوں تک کو دنیا سے مٹانے کی مہم شروع کی جو حقیقی اسلام اور حقیقی تعلیمات قرآن کے عالم یا ان سے واقف تھے۔ اس ساری کد و کاوش اور جبر و تشدد پر پانی پھیرنے والی دوہستیاں بہر حال آج بھی موجود ہیں اور وہ وہی قرآن ہے جس کے الفاظ اور متن قریش تبدیل نہ کر سکے۔ لہذا جو شخص قریش ساز تارنخ و روایات و شان نزول کو شیطانی کاروبار سمجھ کر اور قریش کی تیار کردہ لغات اور ڈکشنریوں سے ہٹ کر قرآن کے الفاظ کے مسلمہ مصدری معنی کو اختیار کر لے وہ قریش کو بے نقاب دیکھ سکتا ہے اور دوسری کفر شکن چیز نبی البلاغہ ہے۔ چنانچہ جو شخص قریشی علماء کے تراجم و تشریحات کو نظر انداز کر کے حضرت علیؑ کے الفاظ و بیانات کو سامنے رکھ لے وہ قریش کا ظاہر و باطن دیکھ سکتا ہے۔ اور قرآن و صاحب قرآن نے بڑے شد و مد اور اصرار و تکرار سے عربوں اور قریش کو عدا فرمایا ہے۔ خیانت کارو بدکار قرار دیا ہے، انہیں محسن کش اور احسان فراموش فرمایا ہے۔ اور تو اور وہ خبیث تو خود اللہ و رسول کے احسان فراموش اور محسن کش تھے۔ دیکھو اللہ فرما رہا ہے کہ: وَمَا نَقْمُوا آلَاَ اَنْ اَغْنَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مِنْ فَضْلِهِ (توبہ 9/74) ”قریشی مومنین نے اس بات کے علاوہ اور کسی بات کا انتقام نہیں لیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے خود فاقہ کشی کرتے ہوئے بھی قریش کو غنی بنا دیا ہے،“ شریف لوگ غور کریں کہ قریش اور عرب کتنے کمینہ اور بے رحم لوگ تھے۔ کہ اللہ کا تو وہ کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے لیکن انہوں نے رسول کو اور ان کی بارہ نسلوں کو پیسے پیسے اور زندگی کے تمام وسائل سے محروم رکھا۔ حاکم بن کر ان کے حقوق ضبط کئے ان کی زمین چھینی ان کے باغات پر قبضہ کیا۔ ان کا قتل عام کیا ان کی مستورات اور بچوں کو بھکاری بنایا ان کو قیدی بنا کر بازاروں میں پھرایا۔ ان کے سروں کو در بدر شہر بہ شہر نوک نیزہ پر بلند کر کے تماشہ دکھایا۔ یہ ہے وہ انتقام جو آج تک جاری ہے۔ قرآن و صاحب قرآن نے انہیں دھوکے باز و فریب کار ثابت کیا ہے۔ بزدل و نامرد بتایا ہے، بے عقل و مکار فرمایا ہے۔ خوشامدی اور موقع پرست دکھایا ہے، بے دین و بے اصول ثابت کیا ہے، بے حیا اور بے ایمان قرار دیا ہے، جھوٹا اور ناقابل اعتبار و اعتماد کر کے دکھایا ہے لالچی اور سرمایہ پرست اور زراں دوز قرار دیا، ظالم و سنگدل ثابت کیا ہے الغرض قرآن اور صاحب قرآن نے عربوں کو عموماً اور قریش کو خصوصاً ان کے اصلی روپ میں اس طرح پیش کیا ہے کہ شریف الطبع اور خلیق انسانوں کو ان سے نفرت ہو جاتی ہے۔ یہ جو اقوام عالم نے مسلمان بنا چھوڑا ہے اور آج انہیں مسلمانوں سے جو نفرت ہے اس کا سبب یہی ہے کہ وہ ان ملائین کی صفوں سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ برنارڈ شاہ نے کھل کر یہ وجہ بیان کر دی ہے، بہر حال یہ خطبہ 29 بھی عربوں کی عموماً اور قریش کے مسلمان کہلانے والے صحابہ رسول کی ہلکی سی تصویر خصوصاً پیش کرتا ہے۔

4۔ عربوں کی اور قریشی مسلمانوں کی قدیم الایام سے چلے آنے والی عادتیں، خصالتیں، اخلاق و رسم و رواج و مذہب پر خطبہ کی روشنی

اگر ہم قرآن اور صاحب قرآن علیہ السلام کا بیان کردہ وہ سارا کچا چٹھا لکھنے لگیں تو سیکڑوں صفحات کا لے ہو جائیں گے۔ لہذا ہمیں اس خطبہ کی حدود میں محدودہ کر صرف وہ چیزیں لکھنا چاہئیں جو حضرت علی علیہ السلام کے سامنے عملاً پیش آرہی تھیں۔ مثلاً حضور کو قریشی صحابہ سے یہ شکوہ ہے کہ وہ جہاد سے جان چراتے ہیں۔ اب اگر ہم قرآن سے وہ تمام مقامات لکھیں جہاں اللہ کو قریشی مسلمانوں سے یہی شکایت ہے تو یقین کیجئے کہ پھر سیکڑوں صفحات درکار ہوں گے۔ اور قریشی متعلقات ہمارا بہت سا وقت کھا جائیں گے۔

(الف) تشریحات کو ممکنہ حد تک سیدھا چلانے اور اختصار برقرار رکھنے کے لئے ہم آیات کی عربی یا متن کے بجائے مودودی کا ترجمہ لکھیں گے

ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اپنا ترجمہ اور آیات کی عربی لکھنے کے بجائے صرف علامہ مودودی کا ترجمہ لکھتے چلیں گے اور جہاں مودودی قرآن کے الفاظ سے بازیگری کریں گے وہاں قرآن کے الفاظ بحسنہ لکھ کر یا ان کے ترجمہ میں اپنے بریکٹ (توسین) لگا کر مودودی کو سیدھا چلائیں گے اور ان کی چالاکیاں واضح کرتے جائیں گے۔ جہاں کہیں آیات کی وضاحت دوسری آیات سے کرنا پڑے گی یا مودودی کی غلط ترجمانی دکھانے کے لئے دوسری آیات لانا ہوں گی وہاں ضروری ضروری آیات دکھا کر آگے بڑھ جائیں گے ہر پہلو پر بہت سی آیات موجود ہوتے ہوئے بھی اختصار کو ملحوظ رکھیں گے۔ یا صرف آیات کے حوالے لکھ کر آگے بڑھ جائیں گے یعنی کوشش یہ کریں گے کہ زیر قلم عنوان سے زیادہ دور نہ جائیں۔

1) اللہ کو قرآن میں عہد رسول کے صحابہ اور قریش سے شکوہ کہ وہ لوگ تقاضوں کے باوجود جہاد سے جی چراتے تھے۔

حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس خطبہ میں مذکور بہت سی شکایتوں میں سے سب سے بڑی شکایت یہی ہے کہ قریشی صحابہ جان بوجھ کر جہاد سے جان چراتے، بہانے بناتے اور غپ شپ مارتے رہتے تھے۔ اب اللہ سے سنئے اور مودودی کا ترجمہ دیکھئے:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو (یعنی اے صحابہ کرام۔ احسن) تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں (جہاد کی خاطر۔ احسن) نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سر و سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔ تم (جہاد کے لئے۔ احسن) نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو بدل لے گا۔ اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے“

(سورہ توبہ 39-38/9) (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 193-195)

2) ان آیات (9/38-39) میں جو تصورات مودودی نے چھپائے، قریش دنیا اور مال و متاع پر فریفتہ آخرت سے باغی تھے۔

چونکہ مودودی کے سربراہوں اور ابوبکر و عمر و عثمان اور تمام قریشی صحابہ پر اللہ تنقید کر رہا ہے۔ اس لئے مودودی پر واجب تھا کہ جہاں تک ہو سکے ان کو بچائے۔ لیکن ہمارا تو عنوان اور بحث ہی یہ ہے کہ قرآن سے مودودی کے خلفاء اور صحابہ اور قوم کے چہروں سے صحابیت و تقدس کی نقاب نوج لی جائے۔ لہذا اللہ نے قریش کو اسلام کے تحفظ میں مدد دینے سے الگ رہنے والے قرار دیا ہے۔ انہیں آخرت کو چھوڑ کر دنیا کا اور دنیاوی مال و متاع اور اقتدار کا دلدادہ فرمایا ہے۔ اور یہ بات اس سے پہلے بھی (آل عمران 3/152 وغیرہ) کہی جا چکی تھی۔ اور قریش کو کھینچتے قوم مجموعی حیثیت سے عذاب دینے اور ایک دوسری قوم سے بدل لینے کی اطلاع دی گئی ہے۔ مودودی نے اپنے ترجمہ میں دردناک عذاب کی جگہ دردناک سزا لکھا تھا ہم نے وہاں لفظ عذاب لکھ دیا ہے۔ اسی طرح مودودی نے قوم کی قوم کے بدلنے کو چھپانے کے لئے قوم کی جگہ گروہ لکھا تھا اور بدلنے کی جگہ اٹھانا

ترجمہ کیا تھا۔ جسے ہم نے صحیح کر کے قریش کا پورا جرم ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔

ان دونوں آیات (9/38-39) سے حضرت علی علیہ السلام کے (خطبہ 29 کے) جملوں (5 تا 11، 15-16) کی تصدیق ہو گئی ہے اور اللہ نے قریش کو آخرت کا منکر اور مال و جاہ پرست قرار دے کر جملہ (نمبر 27-26) کی تصدیق بھی فرمادی ہے۔

3 جہاد سے بچنے کے لئے قریشی مسلمانوں کے بہانے، اللہ رسول اور اسلام سے جان و مال پیارے، رجعت میں عذاب کا ہونا، حق پوشی اور قانون شکنی وغیرہ۔

پھر قرآن سنئے اور مودودی کی چالاکیاں بھی دیکھئے۔

مودودی ترجمہ: ”جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی (ان آیات میں اجازت کا کہیں ذکر نہیں) وہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں۔ انہوں نے لوگوں (لوگوں نہیں باقی مسلمانوں) سے کہا کہ ”اس سخت گرمی میں (جہاد کے لئے) نہ نکلو“ ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے کاش انہیں اس کا شعور ہوتا۔ اب چاہئے کہ یہ لوگ (لوگ نہیں صحابہ) ہنسنا کم کریں اور روئیں زیادہ، اس لئے کہ جو بدی یہ کہتے رہے ہیں اس کی جزا ویسی ہی (بدی) ہے (کہ انہیں اس پر رونا چاہئے)۔ اگر اللہ ان (مسلمانوں) کے درمیان تمہیں واپس لے جائے۔ اور آئندہ ان میں کوئی گروہ جہاد کے لئے نکلنے کی تم سے اجازت مانگے تو صاف کہہ دینا کہ ”اب تم میرے ساتھ ہرگز (تا ابد) نہیں چل سکتے۔ اور نہ میری معیت میں کسی دشمن سے لڑ سکتے ہو۔ تم نے پہلی مرتبہ بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا تو اب تم گھر بیٹھنے والوں ہی کے ساتھ بیٹھے رہو“ اور آئندہ ان (مسلمانوں) میں جو کوئی مرے اس کی نماز جنازہ بھی تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس (مسلمان) کی قبر پر (دعا کے لئے) کھڑے ہونا۔ کیوں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔ اور وہ مرے ہیں اس حال میں کہ وہ فاسق تھے۔ ان کی مالداری اور ان کی کثرت اولاد تم کو دھوکے (دھوکے نہیں تعجب) میں نہ ڈالے۔ اللہ نے توراہہ کر لیا ہے کہ اس مال و اولاد کے ذریعے سے ان کو اسی دنیا میں سزا (سزا نہیں عذاب) دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ جب کبھی کوئی سورت اس مضمون کی نازل ہوئی کہ اللہ کو مانو (مانو نہیں اللہ پر ایمان لاؤ) اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو (اے رسول) تم نے دیکھا کہ جو لوگ ان میں صاحبِ مقدرت تھے وہی تم سے درخواست کرنے لگے (درخواست نہیں انہوں نے کہہ دیا) کہ انہیں جہاد کی شرکت سے معاف رکھا جائے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں چھوڑ دیجئے کہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہیں۔ ان لوگوں نے گھر بیٹھنے والیوں میں شامل ہونا پسند کیا اور ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا گیا۔ اس لئے ان کی سمجھ میں اب کچھ نہیں آتا (فقہ کی گنجائش کی بات ہے)۔“ (توبہ 87-81/9)

تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 221-219) (نوٹ: مذکورہ بالا ترجمہ میں بریکٹوں میں کیا گیا ترجمہ مصنف ”احسن“ کا ہے تاکہ مودودی کی چالاکیاں ساتھ کے ساتھ قارئین کی سہولت کے لئے واضح کی جائیں)

4 اپنے شیطان صفت راہنماؤں کو قرآن کی مار سے بچانے کے لئے دین و دیانت قربان

چونکہ قرآن قدم قدم پر قریشی مسلمانوں کا ذکر کرتا ہے (زخرف 43/44) اور طرح طرح ان کی بدکاریوں، مکاریوں اور دشمنانہ طرز زندگی کو بیان کرتا ہے۔ اس لئے قریشی علماء بھی قرآن کے تراجم میں ہر قدم پر تبدیلیاں کرنے کی راہیں تلاش کرنے میں لگے رہتے ہیں اور طرح طرح کی بے ایمانیاں اور بدیانتی کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ بالا سات آیتوں میں مودودی نے سات سے زیادہ جگہ ہی بے ایمانی کی ہے۔

اور ترجمہ کی ابتدا ہی بددیانتی سے کی ہے جیسا کہ ہم نے بریکٹوں میں توجہ دلائی ہے کہ اللہ نے ہرگز ان آیات کو یہ کہہ کر شروع نہیں فرمایا کہ: ”جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ۔۔۔۔۔“

مودودی نے اس جملے اور تصور کا اضافہ اپنی جیب خاص سے اس لئے کیا ہے تاکہ ان آیات میں مذکور قریشی صحابہ کے جرائم ہلکے ہو جائیں اور یہ معلوم نہ ہونے پائے کہ ان ملائین نے جہاد پر جانے سے انکار کر دیا تھا اور اپنے اس انکار پر مسرت و شادمانی کا مظاہرہ کرنے کا تذکرہ آیت (9/81) میں کر کے ان کے باقی جرائم کا قصہ سنایا گیا ہے۔ مودودی کی دوسری اور پورے قرآن کی ترجمانی میں مستقل رہنے والی بات یہ ہے کہ جہاں بھی قرآن میں ان کے بزرگوں کی مذمت آئی ہے خواہ وہ مذمت اے مؤمنین (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا) کہہ کر ہی کیوں نہ آئی ہو وہاں مودودی ترجمہ میں ایسے الفاظ رکھ دیتے ہیں جن سے قاری یہ تاثر نہ لے کہ ”مومن ہو کر اس قسم کی بدکاریاں کی جاتی تھیں“ یا یہ کہ ”قریشی مسلمان اور صحابہ رسول ایسے بد معاش و خبیث لوگ تھے“ چنانچہ ان ساتوں آیات میں بھی مودودی نے یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ جہاد سے جان چرانے والے اور رسول کی مخالفت کرنے والے رسول کے صحابہ یا قریشی مسلمان تھے۔ آپ دوبارہ ان کا ترجمہ لفظ بلفظ پڑھیں اور دیکھیں کہ وہ بڑے عیارانہ و عالمانہ انداز میں ان حقائق کو چھپانے میں کامیاب گزرے ہیں۔

وہ آیت (9/81) کا ترجمہ یوں شروع نہیں کرتے کہ:

”جن قریشی مومن صحابہ نے رسول کے حکم کے خلاف جہاد سے بچ کر پیچھے اپنے گھروں میں رہ جانا طے کر لیا تھا اور جنہیں یہ پسند نہ تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کریں وہ اپنے فیصلے پر گھروں میں امن و چین سے رہنے کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ یہی مومن صحابہ تھے جنہوں نے جہاد پر آمادہ مؤمنین سے بھی کہا تھا کہ ایسی سخت گرمی کے زمانہ میں تم بھی جہاد کے لئے گھروں سے نہ نکلو۔ اے رسول ان اپنے صحابہ کو بتاؤ کہ تمہاری فقہ میں ہو یا نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ جنم کی آگ اس گرمی سے بہت شدید گرم ہے۔ (9/81)

ان آیات میں کی یہ پہلی آیت ہے اور اس آیت کے عربی الفاظ کو دیکھنے کے بعد یہی مطلب اور تصور سامنے آتا ہے جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ لیکن مودودی کے ترجمہ میں یہ مطلب ہے نہ یہ تصور پیدا ہونے دیا گیا ہے وہاں تو وہی ٹیکنیک (Technique) استعمال کی گئی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ یعنی پہلے تو انہیں نہ مسلمان لکھا نہ مومن قرار دیا نہ قریشی کہا نہ صحابیت کا تصور آنے دیا۔ پھر انہیں ”اجازت یافتہ لوگ“ بنا کر بات کی سنگینی ہی کو مسما کر دیا۔ پھر آیت میں الفاظ ”خلاف رسول اللہ“ موجود ہیں یعنی ”رسول اللہ کے حکم کے خلاف“ مودودی نے رسول کی مخالفت کرنے کا ذکر ہی نہیں آنے دیا۔ یعنی ان کی مسلمانی اور قریشیت اور صحابیت کو آخر تک سامنے آنے نہیں دیا ہے۔ پھر اللہ نے تو لفظ ”ابدًا“ فرما کر ان مسلمانوں اور ان قریشی صحابہ کو کم از کم تا قیامت رسول کی ہر قسم کی ”معیّت“ سے خارج کیا ہے۔ اور ان کی نماز جنازہ حرام کر دی ہے۔ ان کی قبروں کو جنم بنا دیا ہے۔

5) قریشی مسلمانوں اور صحابہ کو مع ان کی اولاد و اموال کے دردناک عذاب اسی دنیا میں رجعت کے بعد دیا جائے گا۔

اللہ نے قریش پر پہلی آیات (39-9/38) میں بھی اور پھر ان بعد والی آیات (85-9/81) میں بھی دردناک عذاب دینے کا اعلان فرمایا ہے۔ اور یہاں تین دلیلوں سے یہ ثابت ہے کہ قریشی مسلمانوں کو اور ان کے لیڈروں یعنی صحابہ رسول کو، آخری قیامت سے پہلے پہلے اسی دنیا میں رجعت کرا کے عذاب اور ان ہی تکالیف میں مبتلا کیا جائے گا جو انہوں نے دوسرے عام انسانوں یا مسلمانوں یا خاندان رسول کے افراد کو دی

تھیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ خود علامہ نے ترجمہ میں مانا ہے کہ:-

(1) ”اللہ نے توارادہ کر لیا ہے کہ اس مال و اولاد کے ذریعہ سے ان کو اسی دنیا میں سزا (عذاب) دے“

لہذا انہیں قیامت سے پہلے اسی دنیا میں عذاب دیا جانا ثابت ہوا۔ پھر آیت میں بھی اور علامہ کے ترجمہ میں بھی یہ ثابت ہے کہ:-

(2) ”قریش کو ان کے اموال و اولاد کے ذریعہ سے عذاب دیا جانا ہے“ یعنی عذاب کے وقت ان کا مال اور اولاد موجود ہوگی۔ حالانکہ

مشہور کردہ قیامت میں مال موجود نہ ہوگا اور رشتہ داریاں اور انساب منقطع ہو چکے ہوں گے (مومنون 23/101) لہذا قریش کو لازم ہے کہ عذاب

رجعت کرا کے اسی دنیا میں دیا جائے۔ (3) پھر آیت (9/82) میں قریش کو وہی کچھ بڑی جزا ملے گی جو انہوں نے کمائی تھی۔ مثلاً مظالم کئے تھے،

قتل و غارت و لوٹ مار کی تھی۔ لہذا یہ سزا مشہور قیامت کی نہیں بلکہ رجعت کے بعد اسی دنیا میں قاتلوں کو قتل کر کے اور لٹیروں کو لوٹ کر دی جانا ہیں

(ملاحظہ فرمائیں سابقہ خطبہ نمبر 28)

6 قریشی علماء کی قرآن کے ساتھ ایک اور بڑی گہری اور مسلسل جاری رہنے والی سازش جسے علمائے شیعہ نے بھی پوری طرح اختیار کیا۔

کفر و کافر کے معنی؟

ہم نے اس سازش کو بھی بار بار واضح اور قرآن سے ثابت کیا ہے اور اپنی کسی کتاب کسی بحث میں اسے نظر انداز نہیں کیا ہے۔ چنانچہ سابقہ خطبہ

نمبر 28 میں بھی اس پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اور یہاں ان آیات (9/84) میں بھی قریش کے کفر کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ ۝ (سورہ توبہ 9/84)

قریش کی کفرانہ سازش کو یہ آیت تباہ کرتی ہے۔

مودودی ترجمہ: ”اور آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے تو اس کی نماز جنازہ بھی تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ کیونکہ انہوں نے

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ مرے ہیں اس حال میں کہ وہ فاسق تھے“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 220)

اس آیت اور اس ترجمہ پر جو گفتگو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قریشی علماء اور مودودی ”کفر“ کے معنی سارے قرآن میں ہر جگہ ”منکر“ اسلام یا منکر خدا و

رسول یا منکر قیامت کرتے رہے ہیں۔ اور جہاں بھی لفظ ”کفر“ یا ”کافر“ یا کافروں یا کافرین آیا ہے وہاں ہر جگہ مسلسل اور مستقل طور پر غیر مسلم ہنکر

دین و اسلام مراد لیا گیا ہے۔ اور قریشی علماء کے اس استقلال سے شیعہ سنی علماء اور قرآن پڑھنے والے عوام نہ یہ سمجھتے ہیں اور نہ تسلیم کر سکتے کہ

”مسلمانوں کا تذکرہ کافریا کافرون کہہ کر بھی کیا جاسکتا ہے“ اس سازش نے قریشی علماء کو یہ موقع دیا کہ جہاں جہاں قریش کو کافریا کافرون کہہ کر

نذمت کی گئی ہے وہاں ان کے طرفدار علمائے اس نذمت کو منکرین اسلام کے سر چپکا دیا اور قریش چھپ کر رہ گئے۔ مگر ہم نے اس سازش کا پردہ

چاک کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ قریش مسلمان اور مومن ہوتے ہوئے بھی اور نمازی و حاجی اور تہجد گزار ہوتے ہوئے بھی دنیا کی تمام اقوام سے

بڑے اور مستقل کافر تھے۔ اور ہمارے لئے اس سازش کا پردہ چاک کرنے میں قرآن اور خود مودودی مددگار ہوئے ہیں۔ قرآن اس طرح مددگار ہوا

کہ اس نے کاشٹکاروں اور کسانوں کو بھی کافر اور کفار قرار دیا ہے یعنی گندم وغیرہ کے بیج کو اپنے نفع کے یقین پر زمین میں چھپا دینے والے لوگ

(حدید 57/20) پھر پسندیدہ مومنین کے گناہوں اور برائیوں کو اعمال نامے سے چھپا دینا غائب کر دینا (آل عمران 3/193، 195) مودودی

نے یوں مدد کی کہ اس ملعون نے کفر و کافر کے معنی ہر جگہ منکر کرتے کرتے ایک جگہ یہ بھی لکھ دیا کہ:-

”۱۶۱ کفر کے ”اصلی معنی“ چھپانے کے ہیں“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129)

حالانکہ اس خمیٹ مترجم قرآن نے سارے قرآن میں کفر و کافر کے یہ اصلی معنی کہیں بھول کر بھی نہ لکھے۔ اب تیسری مددگار یہ زیر قلم آیت اور قریشی علما کے مسلمات ہیں۔ یہ آیت مودودی اور باقی تمام علماء کی رُو سے یہ بتاتی ہے کہ:- ”وہ تمام لوگ جو جہاد میں نہیں گئے تھے اور جن کا تذکرہ ان آیات (83-9/81) میں ہوتا رہا اور اس کے بعد آیت (9/87) تک ہوا ہے وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے منکر ہو گئے تھے“ یہ اس لئے کہ ہمارے سوا تمام علما ”کفر“ کے معنی منکر کرتے ہیں۔ پھر یہ آیت (9/84) یہ کہتی ہوئی ختم ہوتی ہے کہ: وَمَاتُوا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (9/84) مودودی ترجمہ: ”اور وہ مرے ہیں اس حال میں کہ وہ ”فاسق“ تھے“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 220)

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ: ”جو لوگ اللہ و رسول کے منکر ہو گئے تھے وہ آخر مرتے وقت فاسق تھے“ یعنی چہ؟ آیا منکر اور فاسق کے معنی ایک ہیں یا الگ الگ؟ یعنی آیا منکر خدا و رسول ہی کو فاسق بھی کہتے ہیں؟ یعنی کیا ہر کافر یا منکر فاسق ہوتا ہے؟ اور کیا ہر فاسق، منکر و کافر ہوتا ہے؟ ہم جو کچھ آج تک سمجھے ہیں اور جو کچھ تمام مسلمان علما اور عوام میں مانا جاتا ہے وہ تو یہ ہے کہ ”فاسق“ ایک آزاد رو، بے مہار اور قانون کی خلاف ورزیاں کر لینے والے کو کہتے ہیں اور یہ کہ ہر مسلمان جو گناہوں سے بچنے کے بجائے گناہوں میں آسانی سے الجھتا رہتا ہے وہ ”فاسق“ و فاجر کہلاتا ہے۔ اس مسلمہ کی رُو سے آیت کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ ”جن لوگوں نے اللہ و رسول کا انکار کر کے کفر اختیار کر لیا تھا یعنی جو لوگ بے دین ہو گئے تھے وہ جب مرے تو بُری قسم کے یعنی فاسق دیندار یا مسلمان مرے تھے“ اور یہ بات ہی غلط اور ناقابل قبول ہے۔ مانا تو یہ گیا ہے کہ جو کافر یا منکر خدا و رسول ہو جائے وہ کسی قسم کا بھی مسلمان نہیں رہتا ہے۔ نہ اُسے اچھا یا بُرا دین دار یا مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ یعنی اس آیت کے غلط معنی کئے گئے ہیں۔ یعنی کفر اور کافر کے معنی ہرگز منکر نہیں ہوتے بلکہ حقیقت حال کو چھپانے والا ہوتے ہیں۔ لہذا اُس آیت کے معنی وہ کرنا چاہئیں جن کو مودودی نے کفر کے اصلی معنی لکھا ہے۔ لہذا اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ:-

(7) قریش اللہ اور رسول کی حقیقت کو چھپانے والی قوم تھی اور تو انہیں اسلام کی خلاف ورزیاں ان کا مسلک تھا۔

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (توبہ 9/84)۔

”جہاد سے جان و مال کو پیارا سمجھنے والوں اور رسول کی مخالفت کرنے والے قریش نے بلاشبہ اللہ اور اللہ کے رسول کے بیان کردہ حقائق کو چھپایا وہ مرتے دم تک تو انہیں خداوندی کی خلاف ورزیاں کرنے والے برقرار رہے“۔

(8) آیت (9/84) کے یہ معنی اور قریش کا بحیثیت قوم اسلامی حقائق کو چھپاتے رہنا قرآن اور مودودی دونوں کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔

جن لوگوں نے قومی حیثیت سے قرآن کو جھٹلانا اور اسے معنوی حیثیت سے بدل ڈالنے کا منصوبہ عہد رسول ہی میں مکمل کر لیا ہو (انعام 6/66، فرقان 25/30) اُس قوم کو جو کچھ کہا جائے کم ہے۔

(ب) اللہ نے قرآن کریم میں ان مسلمانوں کو ”ظالم“ و ”کافر“ و ”فاسق“ قرار دیا ہے جو مُنَزَّل مِنَ اللّٰهِ کے الفاظ میں حکم یا فیصلہ صادر نہ کریں

قارئین یہ ایسا عنوان ہے کہ آج تک اس کی رُو سے معصومین علیہم السلام اور ان کے حقیقی پیروؤں کے علاوہ یہ ساری کی ساری اُمت اور اس امت کے تمام علما کافر و فاسق و ظالم ثابت ہیں۔ اگر آپ شیعہ ہیں تو ذرا ہر گھر میں رہنے والے اور عوام کے لئے تحفہ کہلانے والی کتاب اٹھا کر دیکھیں کہ آیا اس میں کہیں کوئی ایسا حکم ہے جس کے لئے یہ لکھا ہو کہ: ”اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ۔۔۔۔۔؟“ یہ کہ اور یوں کرو اور یوں نہ کرو؟

ساری تحفۃ العوام پڑھ جائے کہیں کوئی آیت سے نکلا ہوا حکم نہ ملے گا ”میں کہتا ہوں“ فلاں مجتہد نے یہ کہا ہے“ یہ مباح ہے“ ”یہ واجب ہے“ ”یہ مستحب ہے“ ”یہ نحو ہے“ ”یہ مکروہ ہے“ ”وہ حرام ہے“ ”یہ کام تین دفعہ کرو“ وغیرہ۔ اس عنوان میں تو یہ شرط ہے کہ ”بما انزل اللہ“ ”اللہ کے نازل کردہ سے حکم صادر کرو“ یعنی تمہارا اپنا نہ کوئی لفظ ہونہ تمہاری رائے ہو۔ یاد رکھو کہ آج اس امت میں شیعہ اور سنی علما جس چیز کو شریعت اسلام کہتے ہیں وہ از سر تا پا اور از اول تا آخر خود ساختہ اور ان کی اپنی رائے اور فیصلے ہیں اور اکثر قرآن کے واضح اور مسلمہ احکام کے مخالف احکام اور فیصلے ہیں۔ آئیے قرآن کا تین مرتبہ اور ایک ہی جگہ دو ہرایا ہوا حکم سنئے اور پہلے مودودی ہی کا ترجمہ اور تشریح سنئے:

(1) وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ۔

مودودی ترجمہ: ”جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں“ (مائدہ 5/44 تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 474)

(2) وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

مودودی: اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں“ (5/45) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 474)

(3) وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔

مودودی ترجمہ: ”اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں“ (مائدہ 5/47) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 475)

(ج) مودودی نے ترجمہ میں تینوں جگہ قرآن سے ہٹ کر فیصلہ کرنے کی راہ ہموار کر دی۔ دو (2) الفاظ کا اضافہ

قارئین کرام غور فرمائیں کہ مودودی نے تینوں جگہ یعنی تینوں آیات میں بلا تکلف یہ جملہ بڑھا دیا ہے کہ:

”قانون کے مطابق“ اور اتفاق کی بات ہے کہ یہ دونوں الفاظ ”قانون“ اور ”مطابق“ عربی زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ ہیں اور آیات میں تینوں جگہ موجود نہیں ہیں۔ بات واضح ہے کہ علامہ کے نزدیک بات تب مکمل ہوتی ہے جب کہ اللہ یہ دونوں الفاظ ان تینوں آیات میں تینوں دفعہ نازل کرتا۔ چنانچہ علامہ نے یہ اضافہ کر کے قرآن اور اللہ کی اس خامی کو دور کر دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی نوٹ کر لیں کہ اللہ کے نزدیک یہ دونوں الفاظ مردود ہیں اور قرآن میں یہاں سے وہاں تک کہیں ان کو جگہ نہیں دی ہے۔

(د) علامہ مودودی کے اضافہ کو فی الحال نظر انداز کر کے یہ دیکھیں کہ شیعوں کے مشہور و معروف و مقبول مترجمین بھی قریشی پیروی کرتے ہیں

اب دو عدد شیعوں کے قدیم اور شیعوں میں نہایت نامدار مترجمین کے ترجمے بھی دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ یہ لوگ بھی قریشی پالیسی کے ماتحت ترجمہ کرتے ہیں۔ سنئے:

(1) مقبول احمد کا ترجمہ۔ اول ”اور جو لوگ اس کے مطابق حکم نہ کریں جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے وہی کافر ہیں“۔ (5/44)

دوم ”اور جو لوگ اس کے مطابق حکم نہ کریں جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے پس وہی لوگ ظالم ہیں“۔ (5/45)

سوم ”اور جو اللہ کے نازل کئے کے بموجب فیصلہ نہ کریں وہی نافرمان ہیں“۔ (5/47) (ترجمہ صفحہ 182-183)

(2) فرمان علی کا ترجمہ: ”اور (سمجھ لو کہ) جو شخص خدا کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں“۔

دوم ”اور جو شخص خدا کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے موافق حکم نہ دیں تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں“۔

سوم ”اور جو شخص خدا کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے موافق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بدکار ہیں“۔ (ترجمہ صفحہ 182-183)

(ہ) ان شیعہ سنی ترجموں میں اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کے یہاں مجتہدین کا خود ساختہ اسلام جاری ہے۔

قارئین یہ جانتے ہیں کہ کہنے کے لئے تو مسلمانوں میں آج بھی سات آٹھ الگ الگ مختلف مذاہب یا فرقے موجود ہیں۔ اور سب کا یہ دعویٰ ہے کہ: ”ان کا مذہب یا فرقہ بالکل ”قرآن کے مطابق“ ہے، یعنی جو کچھ جس فرقے نے سمجھا وہی قرآن کے مطابق ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ:-

”جو کچھ وہ سمجھے وہ قرآن نہیں ہے بلکہ قرآن کے مطابق یا قرآن کے موافق ہے“

یعنی الفاظ ”مطابق“ اور ”موافق“ میں اتنی گنجائش تو کم از کم ہے کہ ایک ہی قرآن سے آٹھ مختلف اور ایک دوسرے کو باطل کہنے والے فرقے بن جائیں اور سب کے سب ماشاء اللہ قرآن کے مطابق اور موافق بھی رہیں اور ہر سو جھ بوجھ رکھنے والا شخص اس بات کو باطل اور اس عقیدے کو غلط کہے گا۔

(و) اب یہ دیکھئے کہ اللہ نے مطابق اور موافق کی بات نہیں کی ہے نہ کسی قانون کا ذکر کیا ہے۔

چونکہ قریش کی پالیسی یہ تھی کہ وہ خود کو مجبور دکھانے کے لئے قرآن کو ایک نامکمل کتاب ثابت کر دیں۔ اور اپنی ضرورتوں، پالیسیوں اور منصوبوں اور مصلحتوں کو پروان چڑھانے کے لئے قرآن کو بطور آلہ کار استعمال کریں۔ اس لئے انہوں نے یہ لفظ مطابق اور موافق بڑھا دیا۔ چنانچہ انہوں نے قدیم سے چلے آنے والے اہل کتاب کے مجتہدانہ قوانین کے ماتحت قرآن سے وہ سب کچھ اخذ کرنا تھا جو ان کی ضرورتوں کو مکمل کر دے۔ اس لئے انہوں نے آیات کے ترجمہ میں تینوں دفعہ قانون کو بھی داخل کیا اور اضافہ کے بعد بھی یہ نہ لکھا کہ:-

”جو کوئی اللہ کے نازل کردہ قانون سے فیصلہ نہ کریں وہ کافر و ظالم و فاسق ہیں“

یہ لکھنے، کہنے یا ماننے سے انہیں بہر حال قرآن کے اندر محدود رہنا پڑتا۔ اور اپنے ہر حکم اور ہر فیصلے کے لئے قرآن سے وہ قانون اور حکم و فیصلہ دکھانا پڑتا۔ اس پابندی سے بچنے اور فری اسٹائل (Free Style) کے احکام و فیصلے جاری کرنے کے لئے قانون کے ساتھ ساتھ لفظ مطابق اور موافق بھی بڑھانا پڑا۔ لہذا تمام شیعہ سنی علمائے جو چاہا قرآن کے مطابق کہہ کر امت میں پھیلایا اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے خود ساختہ احکام اور فیصلوں کو اللہ کے فیصلے اور احکام کہہ کر امت پر نافذ کیا۔ (بقرہ۔ 2/79) اور سنی علمائے چودہ سو سال سے اور شیعہ مجتہدین نے ایک ہزار سال سے پوری امت کو گمراہ رکھ کر قرآن اور صاحبان قرآن کی تعلیمات سے محروم رکھا ہوا ہے۔ اور اللہ، رسول اور قرآن کی رو سے قرآن کے ہر تصور کو بدل بدل کر اس کی تکذیب کی ہے۔ (انعام 6/66، فرقان 25/30)

(ز) ایک قدیم دوسو (200) سال پہلے کے سنی عالم اور ایک تقریباً سو (100) سال قدیم شیعہ عالم کے ترجمے دیکھیں:

یہ دیکھنے کے لئے کہ مندرجہ بالا شیعہ اور مودودی ترجمہ غلط ہے ایک شیعہ مترجم اور مفسر کا ترجمہ شیعہ مترجمین کے خلاف اور سنی مترجم و مفسر کا ترجمہ مودودی کے خلاف ملاحظہ فرمائیں:

(1) جناب عمار صاحب مرحوم کا ترجمہ، تفسیر عمدة البیان جلد اول صفحہ 305-304 سے:

(1) ”اور جو شخص کہ نہ حکم کریں ساتھ اس چیز کے کہ نازل کیا ہے خدا نے محمدؐ پر پس یہ لوگ وہی کافر ہیں“۔ (5/44)

(2) ”اور جو شخص کہ نہ حکم کریں ساتھ اس چیز کے کہ نازل کی ہے خدا نے محمدؐ پر پس یہ لوگ وہی ظلم کرنے والے ہیں“۔

(3) ”اور جو شخص کہ نہ حکم کریں ساتھ اس چیز کے کہ نازل کی ہے خدا نے پس وہ لوگ وہی حکم خدا سے باہر ہونے والے ہیں“۔

2) علامہ رفیع الدین مرحوم کا ترجمہ۔

اول ”اور جو کوئی نہ حکم کرے ساتھ اس چیز کے کہ اتاری ہے اللہ نے پس یہ لوگ وہ ہیں کافر“

دوم ”اور جو کوئی نہ حکم کرے ساتھ اس چیز کے کہ اتاری ہے اللہ نے پس یہ لوگ وہ ہیں ظالم“

سوم ”اور جو کوئی نہ حکم کرے ساتھ اس چیز کے کہ اتاری ہے اللہ نے پس یہ لوگ وہی ہیں فاسق“ (ترجمہ صفحہ 141-140)

اب سوچئے کہ مودودی والے دو الفاظ ”قانون کے مطابق“ کہاں گئے اور کہاں سے آئے تھے؟ اگر آپ ان آیات کے الفاظ پر توجہ دیں گے تو معلوم ہوگا کہ مودودی اینڈ کمپنی نے لفظ ”بِمَا“ کا ترجمہ ان دونوں الفاظ ”قانون کے مطابق“ کیا تھا جو سراسر غلط اور خود ان کے اپنے ترجموں کے خلاف تھا۔
(ح) مودودی نے نظام اجتہاد کو قائم رکھنے اور اسلام کے تصور کو ہمیشہ کے لئے بدلتے رہنے کا انتظام کرنے میں خود اپنے ترجموں کے خلاف جانے میں تکلف نہ کیا۔

اب ہم دکھاتے ہیں کہ مودودی صاحب نے مندرجہ بالا آیات (5/44,45,47) کا غلط ترجمہ کرنے میں یہ بھی نہ سوچا کہ کوئی اُن کے دوسرے مقامات و آیات کے ترجمے پبلک کے سامنے رکھ کر اُن کی بددیانتی کا بھانڈا پھوڑ دے گا۔ چنانچہ ہم نے مودودی کو ایک اعلیٰ درجہ کا دیدہ دلیر، کمینڈیشن قرآن ثابت کرنے کے لئے جو محنت کی ہے وہ سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ یہ ملعون اسی لفظ بِمَا کا ترجمہ مندرجہ بالا آیات کے علاوہ کہیں بھی قانون کے مطابق نہیں کرتا بلکہ یا تو صحیح ترجمہ کرتا ہے، جیسا کہ آخری دو (2) علما کا ترجمہ صحیح ہے یا بالکل ترجمہ کرتا ہی نہیں ہے۔ دیکھئے:

(1) بِمَا كَامُودُودِي تَرْجَمَهُ: - وَإِذَا جَاءَ وَكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ

”اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں اس طریقے سے سلام کرتے ہیں“ ”جس طرح“ اللہ نے تم پر سلام نہیں کیا ہے۔“

(مجادلہ 58/8، تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 359)

(2) لفظ بِمَا کا یہ ترجمہ زیر بحث آیات (5/44,45,47) میں رکھ کر دیکھیں۔

”جو لوگ جس طرح اللہ نے نازل کیا ہے فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں، ظالم ہیں اور فاسق ہیں“ (5/44,45,47 ما نہ)

یعنی ہر حکم و فیصلہ اسی طرح لفظ بلفظ ہونا لازم ہے جس طرح اللہ نے قرآن میں نازل کر رکھا ہے۔ یہی اللہ و رسول اور آئمہ معصومین علیہم السلام کا مقصود و مطلوب ہے۔

(3) لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ.

مودودی: ”تا کہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ۔“

(حدید 57/23، تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 320-319)

(4) لفظ بِمَا کا ترجمہ ”جو کچھ بھی“ شامل کر لیں:

”جو کچھ بھی اللہ نے نازل کیا ہے وہی فیصلہ جو کوئی نہ کرے وہ کافر ہیں، ظالم ہیں اور فاسق ہیں“ (5/44-45,47)

(5) فَاكْبِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ (طور 52/18)

مودودی: ”لطف لے رہے ہوں گے ان چیزوں سے جو اُن کا رب انہیں دے گا۔“ (طور 52/18) (ایضاً صفحہ 167)

6) لفظ بِمَا کا ترجمہ ”ان چیزوں سے“ شامل کر لیں:

”جو کوئی ان چیزوں سے حکم نہ دے جو اللہ نے نازل کی ہیں وہ کافر ہے، ظالم ہے اور فاسق ہے“

7) لفظ بِمَا کا ایک اور ترجمہ: وَأَمِنُوا بِمَا نَزَّلَ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ.....

مودودی: اور اس چیز کو مان لیا جو محمد پر نازل ہوئی، (محمد 47/2، ایضاً صفحہ 10)

8) لفظ بِمَا کا ترجمہ ”اس چیز کو“ ترجمہ میں شامل کر لیں:

”جو کوئی اس چیز کو فیصلہ یا حکم نہ بنائے جو اللہ نے نازل کی ہے وہ کافر ہیں، ظالم ہیں اور فاسق ہیں“۔ (5/44, 45, 47)

9) لفظ بِمَا کا ایک اور ترجمہ:

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (تغابن 64/2)

مودودی: ”اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو“۔ (ایضاً صفحہ 528)

10) لفظ بِمَا کا ترجمہ وہ سب کچھ بھی شامل کر لیں:

”جو کوئی وہ سب کچھ فیصلہ میں نہ رکھے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ کافر و ظالم و فاسق ہے“

قارئین سوچیں کہ اگر ہم اسی طرح مودودی کی بے ایمانیاں اور فریب کاریاں دکھاتے چلیں اور اگر ہم سارے قرآن میں آئے ہوئے لفظ بِمَا کے تمام مختلف ترجمے سامنے لائیں تو کتنے صفحات کا لے کر ناپڑیں گے؟ لہذا تفصیل کے ساتھ یہی چند حوالے کافی ہیں۔ لیکن اہل تحقیق کی مزید دلچسپی کیلئے چند آیات کے نمبروں اور تفہیم کے صفحوں اور مختلف ترجموں کے الفاظ یہاں لکھے دیتے ہیں تاکہ اسلامی جماعت کو مسلمان کرنے میں دقت نہ ہو۔

(ط) لفظ بِمَا کے چند ترجموں کا جدول (چارٹ)۔

ترجمہ	آیت اسورہ	تفہیم القرآن جلد و صفحہ	ترجمہ	آیت اسورہ	تفہیم القرآن جلد و صفحہ
جسے	10/18	جلد 2 صفحہ 276	جو کچھ	63/11	جلد 5 صفحہ 522
جو	13/36	جلد 2 صفحہ 463	جس سے	46/22	جلد 4 صفحہ 615
جو	2/4, 10	جلد 1 صفحہ 50-53	جو کچھ	49/18	جلد 5 صفحہ 102
جو کچھ	2/233	جلد 1 صفحہ 179	کیا کچھ	62/8	جلد 5 صفحہ 492
جو	2/285	جلد 1 صفحہ 223	جو	59/18	جلد 5 صفحہ 409
جو کچھ	3/180	جلد 1 صفحہ 306	جو کچھ	58/13	جلد 5 صفحہ 363
جو کچھ	84/23	جلد 6 صفحہ 291	کس چیز کی بدولت	36/27	جلد 4 صفحہ 254
جو	69/38	جلد 6 صفحہ 78	جو کچھ بھی	39/70	جلد 4 صفحہ 383
جو کچھ	64/8	جلد 5 صفحہ 536	کیا کچھ	58/6	جلد 5 صفحہ 356
کیا کچھ	64/7	جلد 5 صفحہ 534	جو	3/188	جلد 1 صفحہ 310

(ی) مودودی کے قلم سے اس حقیقت کی تصدیق کہ حضرت حذیفہؓ نے اعلان کیا تھا کہ ان کے ہم عصر مسلمان و صحابہ، قرآن کے خلاف یہود کے پیرو ہیں گے۔

مودودی نے اپنے ہم مسلک مفسرین کو غلط کار لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ سابقہ عنوان میں زیر بحث رہنے والی آیات (ماندہ 5/44,45,47) میں مسلمان مخاطب تھے۔ اور وہی تھے جو قرآن کے الفاظ میں احکام کے مخالف اور اس لئے مسلمان رہتے ہوئے وہ کافر و ظالم و فاسق تھے۔ سنئے:

”بعض اہل تفسیر نے ان آیات (5/44,45,47) کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر کلام الہی کے الفاظ میں اس تاویل کے لئے کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ اس تاویل کا بہترین جواب وہ ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہے۔ ان سے کسی نے کہا کہ یہ تینوں آیات تو بنی اسرائیل کے حق میں ہیں۔ کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ ”یہودیوں میں سے جس نے خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کیا ہو وہی کافر، وہی ظالم اور وہی فاسق ہے۔“ اس پر حضرت حذیفہ نے فرمایا:

”نعم الاخوة لکم بنی اسرائیل ان کانت لہم کُلُّ مَرَّةٍ و لکم کُلُّ حَلْوَةٍ کَلَّا و اللہ لیتسلکن طریقہم قدر الشراک“

کتنے اچھے بھائی ہیں تمہارے یہ بنی اسرائیل کہ کڑوا کڑوا سب ان کے لئے ہے اور میٹھا میٹھا سب تمہارے لئے! ہرگز نہیں خدا کی قسم تم ان ہی کے طریقہ پر قدم بقدم چلو گے،“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 476)

5۔ قریشی مومنین جہاد سے دوسرے مومنین کو بھی روکتے تھے، جہاد سے بچ نکلنے کو اللہ کا انعام اور قابل شکر احسان سمجھتے تھے، مظلوموں کی مدد کے لئے بھی جہاد کو ناپسند کرتے تھے۔

مودودی اور ان کے ہم مذہب لوگوں اور علما سے پوچھنا چاہئے کہ تم کس منہ سے یہ کہتے ہو کہ عہد رسول کے مسلمان یا مومنین یا صحابہ میں اختلاف نہ تھا وہ سب صحیح اسلام پر کار بند تھے؟ ان میں کوئی فرقہ نہ تھا؟ وہ سب قابل حمد و ثنا لوگ تھے؟ وہ دور سب ادوار سے اچھا زمانہ تھا؟ وہ اللہ و رسول کے فرمانبردار اور جان نثار و وفادار صحابہ تھے؟ حالانکہ قرآن کی رو سے ان سے بدتر و بد نہاد لوگ کسی زمانہ میں موجود نہیں رہے ہیں اور عہد رسول سے بڑا زمانہ اس آسمان نے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ رسول کی پوری قوم اللہ و رسول کی اور قرآن و اسلام کی دشمن اور مجرم تھی (فرقان 25/30-31) قریش نے اللہ و رسول سے اس لئے انتقام جاری رکھا کہ انہوں نے اپنے فضل و کرم سے انہیں غنی و خود کفیل و آسودہ بنا دیا تھا (توبہ 9/74) وہ دن رات اللہ و رسول سے خیانت کرتے رہے (انفال 8/27) اطاعت خدا و رسول کی سیکڑوں تاکیدوں اور احکام کے باوجود انہوں نے ہمیشہ سرکشی، توہین، نافرمانی اور بدگوئی جاری رکھی، دشمنوں کے نرغہ میں رسول کو نگئی تلواروں کے سامنے قتل ہو جانے کے لئے چھوڑ جاتے تھے۔ خود بھی رسول کو قتل کرنے کی عمر بھر کوشش کرتے رہے اور آخر خدا کے بہانے انہیں زہر سے قتل کر ہی دیا (بخاری) بات یہ ہے کہ قریش کی بدکاریوں اور مذمتوں کو قرآن کے حوالوں کے سائے میں لکھنے میں کافی دیر لگتی ہے۔ آیات کی تلاش میں تکلف ہوتا ہے۔ اس لئے میں اپنے قارئین کو ترکیب نمبر گیارہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ:

آپ اپنے دل میں برے آدمیوں کی کوئی بھی مذمت یا بُرائی یا عیب سوچیں۔ مثلاً بدگمانی ایسی گھنیا بُرائی سے لے کر بڑے سے بڑے جرم یا سنگین سے سنگین گناہ اور شرمناک و قابل نفرت بُرائی کا نام لے دیں۔ اور نہایت اطمینان کے ساتھ اعلان کر دیں کہ وہ بُرائی قریش میں موجود تھی۔ بفضل خدا قرآن میں اس کا ثبوت مل جائے گا۔ یعنی ایسی کوئی بُرائی ہو ہی نہیں سکتی جو قریش میں اپنی ابتدا سے انتہا تک موجود نہ ہو۔ اس

معاملے میں دنیا کی کوئی قوم اور کسی قوم کا کوئی فرد قریشی قوم اور قریشی افراد سے نہ آگے بڑھا ہے نہ بڑھ سکتا ہے۔ شرط یہی ہے کہ تحقیق کرنے والے کی آنکھوں پر قریشی حکومتوں کی تیار کردہ کوئی پٹی نہ بندھی ہو۔ دل پر کوئی پردہ نہ لٹک رہا ہو۔ ہم انشاء اللہ قریش کی مذمت میں آنے والے کسی مناسب خطبے کی ذیل میں اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے ایک عنوان ”قریش اور قرآن“ قائم کر دیں گے۔ فی الحال انتظار فرمائیں۔ اور اختصار کی غرض سے جہاد کے متعلق بہت سے عنوانات کو چھوڑ کر ایک آخری مقام مودودی کے ترجمہ سے دیکھ لیں:

(الف) جہاد سے جان و مال پُجانے پر قریش کی صرف ایک اور دردناک صورت حال:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہو، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں جہاد کے لئے نکلویا کٹھے ہو کر۔ ہاں، تم میں کوئی کوئی آدمی {مومن} ایسا بھی ہے۔ جو لڑائی {اللہ کی راہ میں جہاد} سے جی چراتا ہے“ ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ خود تو جی پُراتا ہی ہے، دوسروں کی بھی ہمتیں پست کرتا ہے اور ان کو جہاد سے روکنے کے لئے ایسی باتیں کرتا ہے کہ وہ بھی اسی کی طرح بیٹھ رہیں حاشیہ 102 تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 371، ”اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو کہتا ہے کہ ”اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں {مجاہدوں} کے ساتھ نہ گیا“ اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ہو تو کہتا ہے، اور اس طرح کہتا ہے کہ گویا تمہارے اس کے درمیان محبت کا تو کوئی تعلق تھا ہی نہیں۔“ کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑا کام بن جاتا“ ایسے لوگوں {لوگوں نہیں مومنین} کو معلوم ہو کہ اللہ کی راہ میں لڑنا چاہئے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں، پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا۔ اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا۔ اسے ضروری ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تم {سب مومنین} اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو؟ جو کمزور یا کر دبا لئے گئے ہیں؟ اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا، ہم کو اس بستی سے {محفوظ} نکال لے جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی {حامی نہیں ولی} و مددگار {نصیر} پیدا کر دے۔ {پیدا کر دے غلط ہے اس لئے کہ وہ تو بیس سال بعد مدد کے قابل ہو سکے گا} جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں {اور تم مومنین میں سے} جنہوں نے گفر کا راستہ اختیار کیا ہے، وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں، پس شیطان کے ساتھیوں {ساتھیوں نہیں بلکہ شیطان کے مقرر کردہ ولیوں یعنی حاکموں} سے لڑو اور یقین جانو کہ شیطان کی چالیں {مکر و گید} حقیقت میں نہایت کمزور ہیں {اے مومنین} تم نے ان لوگوں {لوگوں نہیں مومنین} کو بھی دیکھا ہے جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ رو کر رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اب جو انہیں لڑائی {جہاد} راہ خدا {کا حکم دیا تو ان میں سے ایک فریق {فرقہ} کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہئے۔ یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر ڈر رہے ہیں {کہتے ہیں خدایا! یہ ہم پر لڑائی {جہاد} کا حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی؟} {اے رسول} ان سے کہو دنیا کا سرمایہ زندگی تھوڑا ہے اور آخرت ایک خدا ترس {متقی} انسان کے لئے زیادہ بہتر ہے، تم پر ظلم ایک شتمہ برابر بھی نہ کیا جائے گا۔ رہی موت، تو جہاں بھی تم ہو وہ بہر حال تمہیں آ کر رہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔ اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ ”یہ اے رسول تمہاری بدولت ہے“ کہو کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے آخر ان لوگوں {لوگوں نہیں قوم} کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی {ان کی فہم میں نہیں ساتی}؟ (سورہ نساء 78 تا 4/71) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 375-371)

نوٹ: مذکورہ بالا ترجمہ میں {بریکٹوں} میں کیا گیا ترجمہ مصنف ”حسن“ کا ہے تاکہ مودودی کی چالاکیاں ساتھ کے ساتھ قارئین کی سہولت کیلئے واضح کی جائیں۔

(1) مودودی کی تشریح: قریش کی طرف اس جھکے ہوئے ترجمہ کے بعد ان کی تشریحات بھی دیکھ لیں تو ہم مزید وضاحت کریں گے۔ سنئے:

”۱۰۳۔ یعنی اللہ کی راہ میں لڑنا دنیا طلب لوگوں (مومنین۔ احسن) کا کام ہے ہی نہیں۔ یہ تو ایسے لوگوں کا کام ہے جن کے پیش نظر صرف اللہ کی خوشنودی ہو، جو اللہ اور آخرت پر کامل اعتماد رکھتے ہوں اور دنیا میں اپنی کامیابی و خوشحالی کے سارے امکانات اور اپنے ہر قسم کے دنیوی مفاد اس امید پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں کہ ان کا رب ان سے راضی ہوگا۔ اور اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں بہر حال ان کی قربانیاں ضائع نہ ہوں گی۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 372)

(2) دوسری تشریح مظلوموں کی مدد کے لئے بھی جہاد نہ کرنے والے۔

”۱۰۴۔ اشارہ ہے ان مظلوم بچوں، عورتوں اور مردوں کی طرف جو مکہ میں اور عرب کے دوسرے قبائل میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر نہ ہجرت پر قادر تھے اور نہ اپنے آپ کو ظلم سے بچا سکتے تھے۔ یہ غریب طرح طرح سے تختہ مشق بنائے جا رہے تھے اور دعائیں مانگتے تھے کہ کوئی انہیں اس ظلم سے بچائے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 372-373)

(3) تیسری تشریح اللہ اور طاغوت کی راہ میں لڑنے والوں کی پوزیشن

”۱۰۵۔ یہ اللہ کا دو ٹوک فیصلہ ہے۔ اللہ کی راہ میں اس غرض کے لئے لڑنا کہ زمین پر اللہ کا دین قائم ہو، یہ اہل ایمان کا کام ہے اور جو واقعی مومن ہے وہ اس کام سے کبھی باز نہ رہے گا۔ اور طاغوت کی راہ میں اس غرض کے لئے لڑنا کہ خدا کی زمین پر خدا کے باغیوں کا راج ہو، یہ کافروں کا کام ہے اور کوئی ایمان رکھنے والا آدمی یہ کام نہیں کر سکتا۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 373)

(4) چوتھی تشریح قریشی مومنین اللہ کی راہ میں جہاد کیوں پسند نہیں کرتے؟ تین جوابات

”۱۰۷۔ اس آیت (4/77) کے تین مفہوم ہیں اور تینوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں: ایک مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ لوگ (مومنین۔ احسن) خود جنگ کے لئے بے تاب تھے۔ بار بار کہتے تھے کہ ”صاحب ہم پر (مومن ہونے کی بنا پر۔ احسن) ظلم کیا جا رہا ہے، ہمیں ستایا جاتا ہے، مارا جاتا ہے، گالیاں دی جاتی ہیں، آخر ہم کب تک صبر کریں؟ ہمیں مقابلے کی اجازت دی جائے؟ اس وقت ان سے کہا جاتا تھا کہ صبر کرو اور نماز و زکوٰۃ سے ابھی اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہو، تو یہ صبر اور برداشت کا حکم ان پر شاق گزرتا تھا۔ مگر اب جو لڑائی کا حکم دے دیا گیا تو ان ہی تقاضا کرنے والوں میں سے ایک گروہ دشمنوں کا ہجوم اور جنگ کے خطرات دیکھ دیکھ کر سہا جا رہا ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تک مطالبہ نماز اور زکوٰۃ اور ایسے ہی بے خطر کاموں کا تھا اور جانیں لڑانے کا کوئی سوال درمیان میں نہ آیا تھا تو یہ لوگ بچے دین دار تھے۔ مگر اب جو حق کی خاطر جان جوکھوں کا کام شروع ہوا تو ان (مومنین۔ احسن) پر لڑہ طاری ہونے لگا۔“

تیسرا مفہوم یہ ہے کہ پہلے تو لوٹ کھسوٹ اور نفسانی لڑائیوں کے لئے ان کی تلوار ہر وقت نیام سے نکل پڑتی تھی اور رات دن کا مشغلہ ہی جنگ و پیکار تھا۔ اس وقت انہیں خون ریزی سے ہاتھ روکنے اور نماز و زکوٰۃ سے نفس کی اصلاح کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اب جو خدا کے لئے تلوار اٹھانے کا حکم دیا گیا تو وہ لوگ (مومنین۔ احسن) جو نفس کی خاطر لڑنے میں شیر دل تھے، خدا کی خاطر لڑنے میں بُر دل بنے جاتے تھے۔ وہ دستِ شمشیر زن جو نفس اور شیطان کی راہ میں بڑی تیزی دکھاتا تھا اب خدا کی راہ میں شل ہو جاتا ہے۔“

یہ تینوں مفہوم مختلف قسم کے (مومنین۔ احسن) لوگوں پر چسپاں ہوتے ہیں اور آیت کے الفاظ ایسے جامع ہیں کہ تینوں پر یکساں دلالت

کرتے ہیں۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 374-375)

5) پانچویں تشریح قریشی مومنین رسول کو ایک غلط کار آدمی سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں۔

آیت (4/78) کی ذیل میں لکھتے ہیں ”یعنی جب فتح و ظفر اور کامیابی اور سُرخ رُوئی نصیب ہوتی ہے تو اسے اللہ کا فضل قرار دیتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ اللہ نے ان پر یہ فضل نبی ہی کے ذریعہ سے فرمایا ہے۔ مگر جب خود اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کے سبب سے کہیں شکست ہوتی ہے اور بڑھتے ہوئے قدم پیچھے پڑنے لگتے ہیں تو سارا الزام نبی کے سر تھوپتے ہیں اور خود بری الذمہ ہونا چاہتے ہیں“ (ایضاً صفحہ 372 تا 376، حاشیہ 109)

(ب) مودودی کے ترجمہ میں قریش یا قریشی صحابہ کا تحفظ اور محتاط جملے؟

ہم نے بارہا توجہ دلائی ہے کہ مودودی اپنے ترجمہ میں یہ محسوس نہیں ہونے دیتے کہ بات قریشی مومنین کی ہو رہی ہے۔ مذمت کی جگہ پر وہ مومن نہیں لکھتے بلکہ ”لوگ یا لوگوں“ کہہ کر قاری کے تصور کو اول سے آخر تک گمراہ کرتے اور اپنی تحریروں کے دھارے پر بہائے لئے چلے جاتے ہیں۔ اسی ترکیب کو ان کے ہر ترجمہ میں غور سے تلاش کرنا چاہئے۔ چنانچہ ہمارے ساتھ جلیں، اُن کا ترجمہ اور آیات میں آئے ہوئے الفاظ پر نظر رکھیں:

1) پوری قریشی قوم کی مذمت کی گئی ہے۔

یہ یاد رکھئے کہ عہد رسول میں قرآن قریش کو رسول کی قوم کہہ کر روشناس کراتا ہے اور اس کی بھرپور مذمت کرتا ہے (فرقان 25/30، اور انعام 6/66) (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 585/3، حاشیہ نمبر 64) (زخرف 89-88/43 مودودی نے مانا ہے تفہیم القرآن جلد 4 حاشیہ نمبر 70-71 صفحہ نمبر 553-554) (زخرف 44/43، تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 540 حاشیہ نمبر 39) (وغیرہ وغیرہ)

قریش کا جہاں جہاں دوسری قوم سے بدلنے کا ذکر ہوا ہے (محمد 38/47) وہاں اُس قوم کی بات بھی قریش کے ساتھ قومی حیثیت سے کی گئی ہے۔ اسی اصول پر زیر بحث آیات (74-71/4) کی آخری آیت (4/78) میں لفظ قوم موجود ہے دیکھئے آیت کے الفاظ یوں ہیں کہ:-

فَمَا لِهَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (سورہ نساء 4/78)

مودودی: ”آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی“

قارئین مودودی کو قرآن کے خون میں رنگے ہوئے لال ہاتھوں سے (Red Handed) پکڑیں اور پوچھیں کہ آیت میں لفظ ”القوم“ (خاص) یا پوری قوم موجود ہے مگر اُس نے اس ملعون و مشہور قوم کو بچانے کے لئے ترجمہ ”ان لوگوں“ کر دیا ہے؟ لہذا ثابت ہوا کہ:-

اول۔ وہ لوگ جو جہاد سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی جہاد پر جانے سے منع کرتے تھے (توبہ 81/9) وہ قریشی قسم کے یا قریشی مسلمان تھے۔

دوم۔ جو مومنین جہاد کی اجازت میں جلدی کرتے تھے وہ بھی قریشی مسلمان تھے۔

سوم۔ جو لوگ لوٹ کھسوٹ کے لالچ میں جہاد میں آتے تھے وہ بھی قریشی مومنین ہی تھے (آل عمران 152/3 بھی دیکھیں)

چہارم۔ جو لوگ جہاد کا حکم ملنے کے بعد مہلت چاہتے تھے (4/77) اور جہاد کے حکم کو عجلت پر مبنی کہتے تھے وہ بھی قریشی مسلمان تھے۔

پنجم۔ جو ملائین رسول کی بصیرت پر معترض تھے اور انہیں غلط کار کہتے تھے وہ بھی قریشی عقیدے کے مسلمان تھے۔ (سورہ النساء 4/78)

(تفہیم القرآن جلد 1، صفحہ نمبر 375، حاشیہ 109)

ششم۔ مودودی نے اپنی اس آخری تشریح نمبر 109 میں آنحضرتؐ کو غلطی سے بچانے کی صورت لکھی ہے مگر ہمیں دو اعتراض ہیں:

اول یہ کہ اس تشریح میں مودودی نے لفظ ”نبی“ دو مرتبہ لکھا ہے مگر نہ اس پر احترامی نشان (ؑ) بنایا نہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا۔ دوم یہ کہ وہ تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 197 حاشیہ نمبر 45 میں رسول کو غلط کارمانتا ہے اور جلد سوم صفحہ 163 حاشیہ 49 تمام انبیاء کو بھی غلط کار لکھتا ہے۔ ہفتم۔ مودودی نے آخری آیت (4/78) میں نہ صرف اپنی راہنما قوم قریش کو غلط ترجمہ کی آڑ میں چھپا کر کفر کیا ہے بلکہ انہوں نے اس آیت کے ترجمہ سے یہ ثابت کر دیا کہ قریش کی پوری قوم عربی زبان بالکل نہ سمجھتی تھی۔ یا یہ کہ قریش کے لئے عربی زبان بالکل اجنبی تھی۔ ہشتم۔ عربی زبان قریش کے لئے اسی طرح اجنبی اور نامعلوم تھی جس طرح یا جوج و ما جوج کی قوم ذوالقرنین کی زبان سے ناواقف تھے۔ قرآن سے یہ آیت اور اس کا مودودی ترجمہ پڑھ کر مودودی کی چالاکی سمجھئے:

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا (كہف 18/93)

مودودی کیا سمجھے؟ ”پھر اس نے (ایک اور مہم کا) سامان کیا یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو اسے ان کے پاس ایک قوم ملی جو مشکل ہی سے کوئی بات سمجھتی تھی“

مودودی جو کچھ سمجھے اس کی تشریح سنئے ”۶۸ یعنی اس (قوم۔ احسن) کی زبان ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں کے لئے قریب قریب بالکل اجنبی تھی۔ سخت وحشی ہونے کے سبب سے نہ کوئی ان کی زبان سے واقف تھا اور نہ وہ کسی غیر زبان سے واقف تھے“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 46) قارئین نے دیکھ لیا کہ قرآن کے الفاظ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا کے معنی مودودی نے ”کوئی بات مشکل ہی سے سمجھنا کئے ہیں۔ اور تشریح میں ان معنی کے ماتحت دونوں فریق کو ایک دوسرے کی ”زبان سے قطعی ناواقف“ مان لیا ہے۔ اب قریشی قوم والی مذکورہ آیت (4/78 نساء) اور اس کا ترجمہ دیکھیں۔

قریشی قوم کے لئے وہی بات وہی الفاظ جو یا جوج و ما جوج کی قوم کے لئے تھے۔

فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (4/78)

مودودی نے کیا بتایا؟ ”آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 375) قارئین بتائیں کہ کیا قریش کو عربی زبان سے واقف مانا جائے؟ جب کہ ”ان کی سمجھ میں کوئی بات آتی ہی نہ تھی؟ اور جب کہ مودودی نے اُس قوم کو ذوالقرنین کی زبان سے ناواقف لکھا ہے جو کہ ”مشکل سے کوئی کوئی بات سمجھ لیتی تھی؟ یہ ہے قرآن کے الفاظ کے ساتھ بازی گری (Jugglery) کرنے کا نتیجہ کہ جناب علامہ خود ”مضحکہ“ (Laughing Stock) بنے کھڑے ہیں۔ اور اسکے بعد یہ بھی سن لیں کہ مودودی نے قرآن کے مذکورہ بالا الفاظ ”لَا يَكَادُونَ“ کے معنی غلط کئے ہیں۔ چنانچہ علامہ رفیع الدین مرحوم کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

مودودی کا ترجمہ غلط علامہ رفیع الدین کی رو سے:

فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (4/78)

”پس کیا ہے واسطے اس قوم کے نزدیک نہیں کہ سمجھیں بات کو، یعنی سمجھ سکتے ہیں مگر سمجھنے کے لئے پاس بھی نہیں پہنکنا چاہتے (ترجمہ صفحہ 100) اور یہاں یہ بھی نوٹ کر لیں کہ ہم نظام امامت کے لئے قرآن کریم کے اُن الفاظ کی داخلی وسعتوں کو استعمال کرنا لازم سمجھتے ہیں جو کہ

نظام نبوت و رسالت کے دائرے سے باہر نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ان ہی الفاظ میں سے لفظوں کا ایک سلسلہ فقہ-ق-ہ کے مادہ سے بنتا ہے۔ اور لفظ ”يَفْقَهُونَ“ بھی اسی مادہ اور اسی سلسلے کا لفظ ہے۔ اور اس سلسلے کا اور اس مادہ کا مصدر فِقْهًا اور فِقَاهَةً ہے۔ اور اس مصدر سے بنتے چلے جانے والے تمام الفاظ برقرار رہنے والے معنی سادہ طور پر ”سمجھنا“، سمجھنے کی قابلیت رکھنا“ ہوتے ہیں لیکن اس مصدر کے معنی ”گہرائی تک یا انتہا تک سمجھنا یا گہرائی اور انتہا تک سمجھنے کی قابلیت رکھنا“ ہوتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ مصدر انسانوں سے مخصوص ہے۔ حیوانوں کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ یعنی اس مصدر کا تعلق اہل عقل و ارادہ مخلوق سے ہے۔ یعنی کسی بات یا چیز کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے اُس بات یا حقیقت کی وسعتوں اور گہرائیوں تک جانے اور معقول نتیجہ نکالنے کی قابلیت کو فِقْهًا یا تَفَقُّهًا کہتے ہیں۔ اور ان ہی معنی کے ماتحت علمائے قانون سازی یا شریعت سازی کے لئے اس مصدر کے الفاظ ”فِقْه“، تَفَقُّه“، فِقْهًا، فِقْهِيہ، اور اُصول فقہ کو بار بار اور طرح طرح سے استعمال کیا ہے لہذا مندرجہ بالا آیت (4/78) کے معنی یہ ہونا چاہئیں کہ:

”قریشی قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ حدیث کو اُس کی وسعتوں اور گہرائیوں تک سمجھنے کے نزدیک تک نہیں آتی ہے؟ یعنی اپنی فقہ میں شامل نہیں کرتی۔“
ج) آیات (4/71 تا 4/78) کی باقی حقیقتوں، جہاد سے بچنے کو فضل خدا ماننا، مظلوموں کی مدد، ولی و نصیر، طاغوت اور قریش، اللہ سے اپیل، وغیرہ پر وضاحت۔

1) مودودی کے ترجمہ اور تشریحات سے وہ بنیادی حقیقت ثابت ہو گئی کہ عہد رسول کے مومنین و صحابہ میں ایک قوم ایسی تھی جو پوری کی پوری اللہ کے لئے جہاد سے جان چراتی تھی اور یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ وہ قوم رسول کی قوم کہلانے والی یعنی مکہ کی باشندہ قوم تھی اور یہ بھی آیات (4/73، 4/77) سے ثابت ہے کہ وہ قوم نہ منافق تھی نہ غیر مسلم تھی نہ مشرک معروف تھی بلکہ اللہ پر ایمان رکھتی تھی اسی لئے جنگ سے محفوظ رہنے کو اللہ کا فضل سمجھتی تھی اور اللہ سے جنگ میں عجلت و تاخیر کی دعا کرتی تھی۔ اور اس لئے بھی کہ اس قوم کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنے کا مشورہ دیا گیا تھا (4/77) جو غیر مسلموں کو نہیں دیا جاتا۔

2) یہ بھی آیات (4/77-78) سے ثابت ہے کہ وہ قوم اللہ کی طرح رسول کا حکم ماننا پسند نہ کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہ وہ قوم باقی مومنین سے رشتہ مؤدۃ و محبت نہ رکھتی تھی (4/73) اور یہ کہ اس کا مرکز طاغوت تھا (4/76) جس کے فیصلوں پر عمل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی سلسلہ گفتگو میں ان کا عقیدہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

قریشی قوم کا عقیدہ اور ارادہ: **الْم تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا** (4/60)

مودودی ترجمہ ”اے نبی تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اُس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے ہیں کہ (مگر ان کا ارادہ یہ ہے کہ۔ احسن) اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 366 تا 367، سورہ نساء 4/60)

قارئین دیکھیں کہ صرف دس گیارہ آیات پہلے بھی اسی قوم کا اور اُس کے سربراہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان کے سربراہ اور راہنما کو شیطان

اور طاغوت کا لقب دیا گیا ہے۔ طاغوت کیا ہوتا ہے؟

مودودی سے سنئے: طاغوت قریش کا سربراہ تھا۔ اسی کو شیطان بھی کہا ہے۔

”91 یہاں صریح طور پر ”طاغوت“ سے مراد وہ حاکم ہے جو قانونِ الہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور وہ نظام

عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 367) (قریش،

قرآن اور حدیث دونوں کو آخری سند نہیں مانتے)

قارئین دیکھ چکے ہیں کہ سورہ مائدہ (5/44, 45, 47) میں اسی طاغوت اور اس کے پیروؤں کو کافر، ظالم اور فاسق فرمایا گیا تھا۔ اور حضرت حذیفہ

نے قریش کو ان کی سو فیصدی پیروی کا مجرم قرار دیا تھا (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 475، حاشیہ 77)

(4) اللہ کی راہ میں جان دینے اور جنگ کرنے والوں کا ذکر کر کے قریش کو حضرت علیؑ کی یاد دلائی گئی ہے۔ (سورہ بقرہ 2/207)

جس شخص کو اللہ نے طاغوت قرار دیا ہے اُس کا منسوبہ سورہ بقرہ میں (2/204-205) بیان کیا گیا ہے۔ اور آنحضرتؐ کو منع کیا گیا ہے

کہ اُس کی پسندیدہ باتوں کو بھی ناپسند کریں اس لئے کہ وہ اسلام کو مارشل ازم بنانے کی پالیسی رکھتا ہے تاکہ دنیا میں طاغوتی راج قائم کرے اور زمین

میں قتل و غارت اور لوٹ مار اور فساد پھیلانے (2/205) اُس کے بعد اللہ نے اُس کے مد مقابل رہنے والے فرد فرید کا تذکرہ یوں فرمایا ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ...

”اور جہاں وہ اَلدَّالِخِصَامِ مسلمانوں میں موجود ہے وہیں اُن مسلمانوں میں وہ شخص بھی موجود ہے جو اللہ کی مرضیاں حاصل کرنے کے

لئے اپنی جان فروخت کرتا رہتا ہے اور فروخت کرتا چلا جائے گا“ (بقرہ 2/207) اور یہ مسلمات میں سے کہ وہ ہستی جس نے اللہ کی تمام

مرضیاں خرید لی تھیں وہ حضرت علیؑ علیہ السلام ہیں جنہوں نے قیامت تک قائم رہنے والا نظامِ سلامتی قائم کرنا تھا۔ جسے اگلی آیت

(2/208) میں ”السَّلَامِ“ کہا ہے اور تمام مومنین کو سو فیصدی اُس سلامتی کے نظام میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے اور اُس ہی شیطان کی

اتباع کرنے سے منع کیا ہے جسے سورہ نساء (4/76) میں طاغوت اور شیطان فرمایا ہے۔

(5) اللہ کی مرضی اور رضامندیاں جس نے خریدی ہیں اسی کو مظلوم مومنین اپنے لئے ولیٰ اور نصیر کی حیثیت میں تعینات کرنے کی دعائیں مانگتے تھے

زیر نظر آیات (نساء 78-79) میں آپ نے دیکھا تھا کہ مظلوم و بے سہارا مومنین اللہ سے دعائیں کر رہے تھے کہ انہیں مکہ سے

نکلنے اور ظالموں کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے اپنا نمائندہ اپنا مستقل حاکم یعنی اپنا ولی اور مجسمہ نصرت نصیر کو تعینات کر دے (4/75) ظاہر

ہے کہ وہ ہستی جو ظالموں کے مقابلے میں سب سے قوی، شجاع اور ہر حال میں غالب رہنے والی ذات پاک تھی اُسی کی شان میں فرمایا گیا تھا کہ:

” لَا فَتْنَىٰ إِلَّا عَلَيَّ لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفِقَارِ شَاهِ مُرْدَانَ شَيْبَرَ يَزْدَانِ قُوْتِ پُرورد گار “

جس کی معیت میں کبھی کسی فوج کو شکست نہیں ہو سکی۔

6- حضرت علیؑ نے قریشی صحابہ کو جنگ سے فرار کرتے ہوئے بھی دیکھا اور اُن کے وہ مکرو فریب اور بہانے بازیاں بھی سنیں تھیں اور خود

بھی آزما یا اور بزدل پایا تھا

اب قارئین یہ دیکھیں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے قریشی صحابہ کی جہاد سے جان چرانے میں کیا کیا شکایاتیں کیں آیا وہ اور قرآن ہم

آہنگ نہیں؟ آپ نے فرمایا ہے کہ:

أَيُّهَا النَّاسُ الْمُجْتَمِعَةُ أَيْدَانُهُمْ؛ الْمُخْتَلِفَةُ أَهْوَأُ هُمْ؛ كَلَامُكُمْ يُوهِي الصَّمَّ الصَّلَابَ؛ وَفَعْلُكُمْ يُطْمَعُ فِيكُمْ الْأَعْدَاءَ؛ تَقُولُونَ فِي الْمَجَالِسِ، كَيْتَ وَكَيْتَ؛ فَإِذَا جَاءَ الْقِتَالُ قُلْتُمْ، حَيْدِي حَيْدِي؛ (خطبہ 29، جملہ 1 تا 8)

تم لوگوں کے سامنے مجمع عام اور جلسہ گاہوں میں تو بڑی لُن ترانیاں اور غپیں مارتے رہتے ہو لیکن جب بھی جنگ تمہارے سامنے آئی تو تم نے نالہ و فریاد چمانا اور اللہ کی دُہائی دینا شروع کر دیا، یہی اعتراض اللہ نے ان پر اور ان کے بزرگوں پر کیا تھا کہ تم جہاد کیلئے بے قرار تھے مگر جہاد واجب ہوتے ہی تم پر مردنی چھا گئی (سورہ محمد 47/20) اور سنئے مولائے کائنات فرماتے ہیں۔

أَعَالِيلُ بِأَصَالِيلٍ؛ دِفَاعُ ذِي الدِّينِ الْمَطُولِ؛ لَا يَمْنَعُ الصَّيْمَ الدَّلِيلُ؛ وَلَا يُدْرِكُ الْحَقُّ إِلَّا بِالْحِدِّ؛ أَيُّ دَارٍ بَعْدَ دَارِكُمْ تَمَسُّعُونَ، وَمَعَ أَيِّ إِمَامٍ بَعْدِي تُفَاتِلُونَ؟ الْمَغْرُورُ وَاللَّهُ مِنْ عَرْرَتُمُوهُ؛ وَمَنْ فَازَ بِكُمْ فَقَدْ فَازَ وَاللَّهُ بِالسَّهْمِ الْأَخْيَبِ؛ وَمَنْ رَمَى بِكُمْ فَقَدْ رَمَى بِأَفْوَقِ نَاصِلٍ؛ أَصَبَحْتَ وَاللَّهِ لَا أَصَدِّقُ قَوْلَكُمْ؛ وَلَا أَطْمَعُ فِي نَصْرِكُمْ؛ وَلَا أُوْعَدُ الْعُدُوبَكُمْ؛ مَا بَالُكُمْ؟ مَا دَوَاءُكُمْ؟ مَا طَبُّكُمْ؟ الْقَوْمُ رِجَالٌ أَمْثَالُكُمْ؛ أَقُولُ لَا بَغْيَ عِلْمٍ؛ وَغَفْلَةٌ مِنْ غَيْرِ وَرَعٍ؟ وَطَمَعًا فِي غَيْرِ حَقٍّ؟ (خطبہ 29، جملہ 11 تا 27)

”تم گمراہ کن بہانے اور علتیں پیش کر کے میرے پروگراموں کو ٹالتے اور تاخیر میں ڈالتے رہتے ہو۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک مقروض قرض خواہ کو مدتوں ٹالتا رہتا ہے۔ ایک ذلیل شخص ذلتوں کی روک تھام نہیں کر سکتا۔ حق بلا جدوجہد اور کامیاب کوششوں کے بغیر نہیں ملا کرتا۔ اپنے اس گھر اور وطن کے علاوہ اور کون سا تمہارا ٹھکانہ ہے جس کا تم تحفظ کرو گے؟ اور میرے بعد وہ کون سا امام ہے جس کے ماتحت تم جنگ کرو گے؟ وہی شخص صحیح معنی میں فریب خوردہ ہے جسے تم نے دھوکا دیا ہو۔ اور جو کوئی تمہاری مدد اور جنگی نصرت کا شرف حاصل کرے گا اُسے وہ ہتھیار اور تیر و تبر ملیں گے جن میں نہ دھار ہونہ بھال اور نہ پیکان ہو۔ اور جو شخص تمہیں تیر سمجھ کر دشمن پر پھینکے وہ تمہیں ٹوٹا ہوا ناکام تیر پائے گا۔ میں ہر روز ایسی حالت میں صبح کرتا ہوں کہ کبھی میں نے تمہاری باتوں اور وعدوں کو صحیح نہیں سمجھا اور تمہاری نصرت و تائید سے اپنی اُمیدیں وابستہ نہیں کرتا ہوں۔ اور نہ ہی تمہارے بھروسے پر کسی دشمن کو دھمکی دے سکتا ہوں۔ ارے تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟ تمہاری دوا کیا ہے؟ تمہاری اس بیماری کا علاج کیا ہے؟ دشمنانِ دین بھی تمہاری ہی مانند مردوں پر مشتمل ایک قوم ہیں۔ کیا تم ہمیشہ جہالت اور لاعلمی ہی کی باتیں کرتے رہو گے اور کبھی بھی علم و یقین کی بات اور کام نہ کرو گے؟ کیا تقویٰ اور پرہیزگاری کو چھوڑ کر غفلت ہی میں پڑے رہو گے؟ کیا تم غلط اور ناحق چیزوں کی طمع ہی میں زندگی گزار دو گے؟“

یہ تھے وہ قریشی مسلمان جو قریش کے لیڈروں، ابوسفیان و ابولہب اور ابو بکر و عمر نے تیار کئے تھے اور جن کی شان میں آپ نے قرآن اور صحابان قرآن علیہم السلام کی شکایتیں دیکھی ہیں۔ اور ابھی چند جملے اور سنیں:

(الف) قریش ایک ایسی قوم تھی جو جسمانی ریگا گت اور قلبی منافرت میں مبتلا تھی، جن کی باتیں اور کچھ پتھروں کو موم و نرم کر دیں گے مگر جو دشمنوں کی

ہمت افزائی کریں۔

حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ نمبر 29 کو یوں شروع فرمایا تھا کہ: أَيُّهَا النَّاسُ الْمُجْتَمِعَةُ أَيْدَانُهُمْ؛ الْمُخْتَلِفَةُ أَهْوَأُ هُمْ؛

كَلَامِكُمْ يُوْهِى الصَّمَّ الصَّلَابَ ؛ وَفَعَلَكُمْ يُطْمَعُ فِيكُمْ الْاَعْدَاءَ (خطبہ 29، جملہ 1 تا 4)

”اے وہ لوگو جو جسمانی طور پر متفق اور متحد اور ہم آہنگ رہتے ہو مگر خواہشات، اُمیدوں اور تمنائوں میں متضاد و مختلف اور منتشر رہتے ہو۔ باتیں تمہاری ایسی کہ پتھروں کو بھی پگھلا دیں اور کام تمہارے ایسے جن کو دیکھ کر دشمنوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے اور وہ گھات میں لگ جاتے ہیں۔“

(ب) پھر قرآن سے صاحب قرآن کی تصدیقات ملاحظہ کرنا چاہئیں۔

گو سابقہ چند آیات حضرت علی علیہ السلام کے قریشی صحابہ اور مسلمان دوستوں کے متعلق بیانات و احساسات کی تصدیق کر دیتی ہیں۔ مگر چند پہلوؤں کی مزید تصدیق و تکمیل کے لئے چند اور آیات دکھانا ضروری سمجھتا ہوں۔

(1) باتوں کی اثر انگیزی ایسی کہ خود آنحضرتؐ حیرانی اور تعجب کی حد تک پسند فرمائیں۔

قریش کے سب سے بڑے راہنما لیڈر یعنی عمر کے متعلق یہ بات قریشی تاریخ میں تسلیم کی گئی ہے کہ عمر ہی ایک ایسا صحابی تھا جسے ہر حال میں رسولؐ کو ٹوکنے اور غلط راہ سے روکنے کی جرأت ہوتی تھی۔ علامہ شبلی سے تفصیل سنئے:

قریشی تاریخ میں عمر رسولؐ کو ٹوکنے اور روکنے میں سب سے جری، اُن کا ہر خیال اور فیصلہ وحی بن جاتا تھا۔

”حضرت عمر نے مسائل فہمیہ میں جس قدر فکر اور خوض کیا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا، اُنہوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو اپنا مطمح نگاہ بنا لیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں اُن میں جہاں ابہام (یعنی ”وہم“ اور ”گجک“ احسن) ہوتا تھا۔ وہ خود رسول اللہ صلعم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب تک پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی کیوں کہ اُن کے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا (یعنی ابوبکر بھی نہیں۔ احسن) کالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ اُنہوں نے آنحضرتؐ سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا کہ ”سورہ نساء کی اخیر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے“ (الفاروق حصہ دوم صفحہ 110) اور یہ کہ:

2- ”عبداللہ ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ ”جب عمر کسی معاملے میں یہ کہتے تھے کہ میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے ”تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُن کا گمان ہوتا تھا (بخاری باب اسلام) اس سے زیادہ اصابہ رائے کی کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ”اُن کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں“ (ایضاً صفحہ 133)

(2) قریشی ہیرو اور لیڈر کی پوزیشن۔ قرآن سے عمر ”اللَّهُ الْخِصَام“ رسولؐ کا سب سے بڑا حریف اور دشمن

قریش ساز افسانوں کا یہ ہیرو قرآن میں کیسا تھا؟

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ اللَّهُ الْخِصَامُ O (سورہ بقرہ 2/204)

مودودی کے ترجمہ سے سامنے آتا ہے۔

”انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے، جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں (اے رسولؐ۔ احسن) تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر

وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے، مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 158، 159)

(3) قریشی لیڈر کی باتیں دل موہنے والی ہی نہ تھیں بلکہ اگر رسول کو اللہ خبردار نہ کرتا تو اُس کی جنگی پالیسی کو درجہ قبولیت ملنے کا اللہ کو اندیشہ ہوا

مودودی نے اپنے راہنما کو بدکار لوگوں کی آڑ میں چھپانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اللہ تو رسولؐ سے فرما رہا ہے کہ: بقول مودودی ”جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں“۔

ظاہر ہے کہ وہ ہیر و عہد رسولؐ کا ایک ایسا شخص ہے جو بار بار اپنی نیک نیتی کا ثبوت دینے کے لئے رسولؐ کو دنیاوی زندگی کے کسی بہت دل چسپ منصوبے پر خدا کو اپنا گواہ بنا کر سمجھاتا ہے اور رسولؐ کو وہ باتیں وہ منصوبے پسند آتا ہے۔ لیکن اللہ رسولؐ کو بتاتا ہے کہ وہ ہیر و ایک کمینہ خصلت خصم یعنی رسولؐ کا مد مقابل اور دشمن ہے۔ اور اگلی آیت میں اُس کا پورا منصوبہ بیان کر دیتا ہے۔ یعنی اپنے منصوبے کے مطابق وہ شخص اقتدار حکومت حاصل کرتے ہی دنیا کو فساد سے لبریز کر دے گا۔ اور دنیا کو قتل و غارت کا اکھاڑہ بنا دے گا اور یوں نسل انسانی (نسل رسولؐ) کو تباہ کرے گا اور فوج کشیوں سے کھیتوں کو غارت کر دے گا“ (بقرہ 2/205 تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 159) اور دیکھ لو کہ عمر کا بنایا ہوا منصوبہ لفظ بلفظ پورا ہوا اور بخاری و شیلی کی تصدیق ہوگئی اور صدیوں تک دنیا میں وہی فوج کشی و قتل و غارت و لوٹ مار کا ہنگامہ جاری رہا جو عمر ایڈ کمپنی نے قومی حکومت بنا کر جاری کیا تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ قریشی لیڈروں کی باتیں رسولؐ تک کو موہ لیتی تھیں اور انہیں قریشی لیڈر سے بچانے کے لئے اُس لیڈر کو اَلْخِصَام کا لقب دیا گیا تھا تاکہ معلوم ہو کہ قریش کی بیٹھی باتوں کے پیچھے خطرناک اور کمینہ عزائم ہوتے تھے۔

مودودی سے سنئے کہ اَلْخِصَام کیا ہوتا ہے؟ لکھتے ہیں کہ:

”۲۳۳“ اَلْخِصَام “ کے معنی ہیں ”وہ دشمن جو تمام دشمنوں سے زیادہ ٹیڑھا ہو۔“ یعنی جو حق کی مخالفت میں ہر ممکن حربے سے کام لے۔ کسی جھوٹ، کسی بے ایمانی، کسی عدو و بد عہدی اور کسی ٹیڑھی سے ٹیڑھی چال کو بھی استعمال کرنے میں تامل نہ کرے“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 159)

(4) مودودی جہاں غلط ترجمہ کرتے ہیں وہاں قریش کا یا قریش کے مفاد کا تحفظ منظور ہوتا ہے۔

آگے بڑھنا اسی وقت مفید ہوتا ہے جب قریشی علما کی بددیانتی واضح ہو جائے۔ مودودی نے مندرجہ بالا آیت (بقرہ 2/204) کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ یہاں غلطی تو یہی ہے کہ انہوں نے الفاظ وَمِنَ النَّاسِ کا ترجمہ ”ان قریشی مسلمانوں میں سے ایک ایسا شخص بھی ہے“ کی جگہ، بات کی حقیقت اور وزن کو ہلکا کرنے کے لئے، ”انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے“ کر دیا ہے مطلب یہ ہے کہ ”ساری دنیا کے لوگوں میں سے کوئی“ مگر آیت میں لفظ ”يُعْجِبُكَ“ نے مودودی کی بددیانتی کی پول کھول دی اور بتا دیا کہ وہ شخص تو رسولؐ کے ساتھ لگا رہنے والا قریشی اور خدا کو ماننے والا راہنما لیڈر ہے اور شیلی نے نام اور کام بتا دیا اور ثابت کر دیا کہ وہ شخص صرف عمر تھا جو رسولؐ کو تنگ پکڑا کرتا تھا اور سوالات کی بوچھاڑ رکھتا تھا۔ دوسری بددیانتی دیکھ کر یقین کر لیں کہ بددیانتی کا سبب قریش کا تحفظ ہوا کرتا ہے۔ سنئے:

قرآن میں ایک ہی جملے کے دو کافرانہ معنی؟

وَلَا تُعْجِبُكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا..... (سورہ توبہ 9/85)

مودودی ترجمہ؟: ”ان کی مال داری اور ان کی کثرت اولاد تم کو دھوکے میں نہ ڈالے“ اللہ نے تو ارادہ کر لیا ہے اس مال و اولاد کے ذریعہ سے

ان کو اسی دنیا میں سزا (عذاب - احسن) دے۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 221)

(2) فَلَا تُعْجِبُكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا..... (9/55)

مودودی دوبارہ وہی ترجمہ؟ ”ان کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعہ سے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب کرے۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 202)

(3) وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ (بقرہ 2/204)

مودودی کا ذب ہے۔ ”انسانوں میں سے کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں ”تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 158) قارئین نوٹ کریں کہ ایک ہی لفظ ”عجب“ کا ترجمہ دو جگہ ”دھوکا“ کیا اور پھر اسی لفظ کو ”بھلا لگنا“ بنا دیا ہے۔ یہ ہے وہ قدیم فریب جس سے پورے قرآن کو بھور کیا اور قریشی ملائین کو رسول کے صحابہ بنا کر پیش کر دیا ہے۔ یہی نہیں اس ملعون نے اسی لفظ کے معنی پسند کرنا بھی کئے۔

(4) وَلَوْ أَعْرَبْتُمْ حُسْنُهُنَّ (احزاب 33/52)

مودودی ”خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند ہو“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 118)

پھر معذرت ہے کہ اگر ہم مودودی کے قلم سے اسی لفظ کے مختلف معنی سارے دکھائیں تو یہ خبیث ہمارا کافی وقت کھا جائے گا۔

(5) حضرت علیؑ کے صحابہ کی طرح، صحابہ رسولؐ کا غیپ مارنا اور جنگ سے جان چراتے رہنا۔

بہر حال قریشی صحابہ کا جنگ کے لئے غیپ مارنا اور کر کے کچھ نہ دکھانا۔ اللہ نے ان مومنین کو یوں مخاطب کیا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَانَهُمْ بَنِيَانٌ مَّرْضُوضٌ ۚ (الصف 4 تا 61/2)

مودودی کا ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔ اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اُس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 454 تا 456)

مودودی کی تشریح۔ ”مپہلا مدعا یہ ہے کہ ایک سچے مسلمان کے قول اور عمل میں مطابقت ہونی چاہئے۔ جو کچھ کہے اُسے کر کے دکھائے۔ اور کرنے کی نیت یا ہمت نہ ہو تو زبان سے بھی نہ نکالے۔ کہنا کچھ اور کرنا کچھ۔ یہ انسان کی اُن بدترین صفات میں سے ہے جو اللہ (اور علیؑ۔ احسن) کی نگاہ میں نہایت مبغوض ہیں، کجا کہ ایک ایسا شخص اس اخلاقی عیب میں مبتلا ہو جو اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہو۔ راہ وہ خاص مدعا جس کے لئے اس موقع پر یہ آیات ارشاد ہوئی ہیں۔ تو وہ بعد والی آیت (61/4) کو ان کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ مقصود اُن لوگوں کو ملامت کرنا ہے جو اسلام کے لئے سرفروشی و جانبازی کے لمبے چوڑے وعدے کرتے تھے مگر جب آزمائش کا وقت آتا تھا تو بھاگ نکلتے تھے“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 454-455)

قارئین ذرا غور کریں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے مندرجہ بالا آیات میں اور مودودی کے بیانات میں آئی ہوئی تمام تفصیلات کو چار الفاظ (كَيْتٌ وَكَيْتٌ اور حَيْدَى حَيْدَى) میں سمو کر رکھ دیا ہے۔ یہ ہے کلام امامت۔ اور وہ ہے کلام اللہ اور علما کا کلام اور فرق آنکھوں کے سامنے ہے۔ (6) لَنْ تَرَانِيَا بگھارنا اور کام کچھ نہ کرنا اللہ کو شدید غصہ دلاتا ہے۔ اور علیؑ کو بے چین اور غم و غصے میں مبتلا رکھتا چلا جاتا ہے۔

اللہ کو کسی انسان کی بد عملی اور نافرمانی رنج و الم اور غم و غصہ اور انفسوس و ندامت میں مبتلا نہیں کر سکتی اور نہ ہی اللہ ایسی ہستی ہے جو اپنی

اطاعت و فرماں برداری اور جان نثاری پر شاداں اور فرحاں اور مسرور ہو سکے۔ اُس کی ذات پاک تمام جذبات اور احساسات سے ارفع و اعلیٰ اور منزہ ہے۔ اُس نے اپنے وجود اور قدرت کے محسوس و مشہود و ظہور کے لئے ہی نور محمدیؐ کو پیدا کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے اللہ نے اپنے لئے ”خالق“ کی صفت اختیار کی تھی۔ اور حضور کو اللہ نے کائنات کے لئے بطور رحمت پیدا کیا تھا۔ اس لئے صفات ”رحیم و رحمن“ اختیار کریں۔ حضور کی بقا اور نشوونما کے انتظام کی بنا پر رازق اور رب العالمین کہلایا۔ الغرض اللہ کی وہ تمام صفات جو قرآن یا دیگر الہامی کتابوں میں مذکور ہوئی ہیں۔ ایسی صفات اللہ کی ذات میں نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اُس کی ذات تغیرات سے پاک ہے۔ تغیرات ذات محمدیؐ میں اور اُن کی وجہ سے کائنات اور کائناتی مخلوقات میں ہوتے ہیں نہ کہ اللہ کی ذات میں۔ مختصراً یہ سمجھ لیں کہ ذات محمدیؐ کے تغیرات کو اللہ اپنی ذات سے منسوب کرتا ہے۔ اُن کے احساسات اور جذبات کو اپنے احساسات و جذبات قرار دیتا ہے۔ اُن کے رنج و غم اور خوشی اور مسرت کو اپنا رنج و غم اور خوشی فرماتا ہے۔ اُن کے غیظ و غضب اور رضامندی و خوشنودی کو اپنا غیظ و غضب اور خوشنودی فرماتا ہے۔ ورنہ اگر اللہ کبھی غصہ فرمائے اور کبھی خوش ہوتا ہو تو ماننا پڑے گا کہ اللہ کی حالت میں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ اور چونکہ متغیر ہونے والی تمام مخلوقات زوال پذیر اور فنا پذیر ہوتی ہیں اس لئے یہ ماننا ہی پڑے گا کہ اللہ سے منسوب تمام فنا پذیر صفات و حالات اُس کے مادّی اور محسوس و مشہود و ظہور کی صفات و حالات ہوتے ہیں اور یہ حقیقت معصوم بیانات سے بھی ثابت ہے۔

(7) محمد اُور علیؑ ہی کے جذبات و احساسات اللہ کے جذبات کہلاتے ہیں چنانچہ جن لوگوں نے اللہ کے حقیقی نمائندوں کو تکلیف دی انہوں نے اللہ کو ستایا یہ عنوان اور یہ گفتگو اس لئے ہے کہ قارئین یہ بات سمجھیں کہ محمدؐ و علیؑ اور اُن کے معصوم جانشین علیہم السلام نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اللہ ہی کا فرمانا ہے۔ چنانچہ اس عنوان اور بیان کے ثبوت میں امام جعفر صادق علیہ السلام اور قرآن ملاحظہ فرمائیں۔ جناب حمزہ بن بزیع رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر چاہی تھی کہ:

کیوں اللہ نے خود کو افسوس میں مبتلا فرمایا ہے۔ فَلَمَّا اسْفُونًا انتقمنا منهم فاعرفنهم اجمعين (زخرف 43/55)

مودودی ترجمہ: ”آخر کار جب انہوں نے ہمیں غضبناک کر دیا تو ہم نے اُن سے انتقام لیا اور اُن کو اکٹھا غرق کر دیا“ (ایضاً جلد 4 صفحہ 545-546)

امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

فقال: ان الله عز وجل لا يأسف كاسفنا ولكنه خلق الاولياء لنفسه يأسفون ويرضون وهم مخلوقون مربوبون فجعل رضاهم رضا نفسه و سخطهم سخط نفسه، لانه جعلهم الدعاء اليه والادلاء عليه فلذلك صاروا كذلك... الخ (کافی کتاب التوحید)

”ارشاد ہوا کہ یقیناً اللہ ہمارے افسوس کی طرح افسوس نہیں کرتا ہے۔ لیکن اُس نے اپنی ذات کے ظہور کے لئے اپنے کچھ اولیاء پیدا کئے ہیں جو مخلوق ہونے اور رزق پانے والے ہونے کی بنا پر افسوس میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور مسرت بھی اُن پر واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ نے اُن کو اپنا ولی اور مظہر اور اپنے وجود پر دلیل بنانے کی وجہ سے اُن کی ناراضی اور رضامندی کو اپنی حقیقی اور خوشی بنایا ہوا ہے“

حدیث مختلف دلائل اور وجوہات بیان کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے جو ہم اوپر کی گفتگو میں بیان کر چکے ہیں اور ہم جو بیان دیتے ہیں ہمارے سامنے آیات و احادیث ہوتی ہیں اُن سے باہر نکل کر کچھ کہنا یا لکھنا باطل سمجھتے ہیں۔ گواختصار ضروری ہے لیکن اس عنوان کا ثابت ہونا اُس سے بھی زیادہ ضروری ہے لہذا ایک اور حدیث سن لیں وہ مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر کرتی ہے کہ: وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا انْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (بقرہ 2/57)

مودودی ترجمہ: ”مگر تمہارے اسلاف نے جو کچھ کیا، وہ ہم پر ظلم نہ تھا بلکہ انہوں نے آپ اپنے ہی اور ظلم کیا“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 77-78) امام محمد باقر علیہ السلام نے تفسیر میں بیان فرمایا۔

قال: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَعْظَمُ وَأَعَزُّ وَأَجَلُّ وَأَمْنَعُ مِنْ أَنْ يَظْلَمَ وَلَكِنَّهُ خَلَطْنَا بِنَفْسِهِ فَجَعَلَ ظُلْمَنَا ظُلْمَهُ وَوَلَانَا وَلا يَنْتَهُ “ (ايضاً) ”کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اس صورت حال سے کہیں عظیم مرتبہ رکھتا ہے اور کہیں زیادہ عزت کا مالک ہے اور کہیں زیادہ اس صورت حال کو اپنے سے دور رکھنے والا ہے کہ اُس پر ظلم واقع ہو سکے۔ لیکن ہوا یہ ہے کہ اُس نے ہمیں اپنی ذات کے ساتھ ملا لیا ہے۔ اس لئے اُس نے ہمارے اوپر ظلم کو اپنے اوپر ظلم فرمایا اور ہماری حکومت کو اپنی حکومت قرار دیا ہے۔“

(8) آیات (2/57، 43/55) اور دونوں احادیث میں ہم آہنگی پر سارا قرآن اور عقل گواہان ناطق ہیں۔

ہم نے بار بار عرض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد و احد اور یگانہ اور بے مثل ہے۔ اس لئے جہاں جہاں وہ جمع کے صیغے سے بات کرتا ہے وہاں اُس کے ساتھ ازلی وابدی ادارہ نبوت و امامت کے افراد شامل ہوتے ہیں اور اسی حقیقت کو آیت (43/55) میں لفظ السَّفُوفُنَا (ہمیں افسوس میں مبتلا کیا) سے اور آیت (2/57) میں لفظ ظَلَمُونَا (ہم پر ظلم کیا) سے نور محمدی کے اجزاء کو جمع کے صیغے میں داخل رکھا ہے۔ رہ گئے اللہ کے ایسے عملدرامد پر شرک کا شور مچا کر اللہ کی مخالفت کرنے والے لوگ، اُن کو ابلیس کے حصے (ساء 4/118) کا گروہ سمجھ کر ملعون کہتے اور وہ افسوس اور ظلم دیکھتے جس کا شکوہ حضرت علی علیہ السلام فرما رہے ہیں:-

مَاعَزَتْ دَعْوَةٌ مَنْ دَعَاكُمْ؛ وَلَا اسْتَرَا حَ قَلْبٍ مَنْ قَاسَاكُمْ؛ دَفَاعَ ذِي الدِّينِ الْمَطُولِ؛ لَا يَمْنَعُ الضَّيْمِ الدَّلِيلُ؛ وَلَا يُدْرِكُ الْحَقُّ إِلَّا بِالْجِدِّ؛ O (خطبہ 29، جملہ 9، 10، 12 تا 14)

”تمہیں مدد کے لئے پکارنا پکارنے والے کو نہ عزت سے رکھ سکتا نہ مدد پا کر غلبہ حاصل کر سکتا ہے اور تمہیں اپنا حامی و مددگار سمجھنے والا نہ راحت پاسکتا ہے نہ اطمینان سے رہ سکتا ہے، تم تو مدد مانگنے والے کو اسی طرح ٹالتے اور ٹھلاتے رہتے ہو جس طرح کوئی نادہند شخص اپنے قرض خواہ کو مدتوں ٹالتا رہتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جو شخص خود ہی ذلیل ہو وہ ذلتوں کی روک تھام کر ہی نہیں سکتا۔ اور حق کو بلا جہد و جد اور کامیاب کوششوں کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے“

یہ ہے وہ درد و دکھ جسے اللہ کے حقیقی نمائندے سہتے اور صبر و تحمل سے کام لیتے ہیں اور جسے اللہ اپنا افسوس کرنا بتاتا ہے۔

(ج) قرآن کریم صاحبان قرآن کی تائید اور تصدیق کرنے میں کمی نہیں کرتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے قریشی مومنین کو جسمانی طور پر متفق و متحد فرمایا تھا اور اُن کی خواہشوں اور تمنناؤں کو ایک دوسرے سے مختلف و متضاد قرار دیا تھا (خطبہ نمبر 29، جملہ 1-2) یہی کچھ اللہ نے فرمایا ہے کہ: اِنَّ سَعِيْكُمْ كَسْتِي O (سورہ اللیل 92/4)

مودودی ترجمہ قریشی متحد مگر اعمال مختلف و متضاد

”در حقیقت تم لوگوں (صحابہ۔ احسن) کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں“ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 360)

مودودی کی تائیدی تشریح: ”مطلب یہ ہے کہ جس طرح رات اور دن اور زرمادہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اور اُن میں سے ہر دو کے آثار و نتائج باہم متضاد ہیں، اُسی طرح تم لوگ (صحابہ و مومنین۔ احسن) جن راہوں اور مقاصد میں اپنی کوششیں صرف کر رہے ہو وہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے

مختلف اور اپنے نتائج کے اعتبار سے متضاد ہیں، (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 360)۔ یہی عہد رسول والے مومنین حضرت علیؑ کے سامنے تھے۔
(2) دیکھنے میں جسمانی شکل و شمائل دل رُبا اور باتیں دل نشین مگر کام کرنے میں نکلے۔

قریشی لیڈروں یعنی صحابہ کے ٹھاٹھ ارجسے۔ گفتگو مومن موبہن مگر عملی میدان میں ذلیل و کمینہ۔ سنئے:

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشْبٌ مُسْنَدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ فَاتْلَهُمْ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝ (سورہ منافقون 63/4)

مودودی کا ترجمہ۔

”انہیں دیکھو تو ان کے جتنے تمہیں بڑے شاندار نظر آئیں۔ بولیں تو تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ۔ مگر اصل میں یہ گویا لکڑی کے ٹندے ہیں جو دیوار کے ساتھ چن کر رکھ دئے گئے ہوں۔ ہرزور کی آواز کو یہ اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہ پکے دشمن ہیں، ان سے بچ کر رہو، اللہ کی مار ان پر، یہ کدھرا لٹے پھرائے جا رہے ہیں،“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 517 تا 519)

(3) علامہ کے ترجمہ میں حق پوشی اپنے قریشی راہنماؤں کے تحفظ اور پردہ داری کے لئے ہوا کرتی ہے۔

یہ آیت (63/4) سورہ منافقون کی آیت ہے اور اس سورہ میں مذکور تمام لوگوں کو قریش نے اور قریشی مترجمین نے منافق مانا ہے۔ اور شیعہ مجتہدین بھی ان سے متفق رہتے چلے آئے ہیں اور دلیل ان کی یہ ہے کہ اس سورہ کا نام سورۃ المنافقون ہے۔ حالانکہ اس بے سرو پادلیل کے خلاف وہ سب متفق ہیں اور وہ مانتے ہیں کہ ”کسی سورہ کا نام اس بات کی دلیل اور ثبوت نہیں ہوتا کہ وہ سورہ اپنے نام کی سو فیصد پابند ہوتی ہے اور صرف اسی نام کے ماتحت رہتی چلی جاتی ہے، چنانچہ بطور مثال مودودی کو سنئے:

(4) سورتوں کے نام ان کے بیان کی دلیل نہیں ہوتے بلکہ صرف شناخت اور علامت ہوتے ہیں۔

”نام اور وجہ تسمیہ: اس سورہ کا نام ”بقرہ“ اس لئے ہے کہ اس میں ایک جگہ گائے کا ذکر آیا ہے۔ قرآن مجید کی ہر سورہ میں اس قدر وسیع مضامین بیان ہوئے ہیں کہ ان کے لئے مضمون کے لحاظ سے جامع عنوانات تجویز نہیں کئے جاسکتے۔ عربی زبان اگرچہ اپنی لغت کے اعتبار سے نہایت مالدار ہے۔ مگر پھر بھی بہر حال ہے تو انسانی زبان ہی۔ انسان جو زبانیں بھی بولتا ہے وہ اس قدر تنگ اور محدود ہیں کہ وہ ایسے الفاظ اور فقرے فراہم نہیں کر سکتیں جو ان وسیع مضامین کے لئے جامع عنوان بن سکتے ہوں۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی راہنمائی سے قرآن کی پیشتر سورتوں کے لئے عنوانات کے بجائے نام تجویز فرمائے جو محض علامت کا کام دیتے ہیں۔ اس سورہ کو بقرہ کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ”اس میں گائے کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے“ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ ”سورہ“ جس میں گائے کا ذکر آیا ہے“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 46)۔

لہذا ”سورۃ المنافقون“ وہ سورہ ہے جس میں ایک جگہ منافقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کا یہ مطلب بالکل غلط اور قریشی فریب ہے کہ پوری سورہ میں منافقوں ہی کا ذکر ہے۔

(5) منافق کے معنی، منافق کون ہوتا ہے؟ قریشی منصوبہ، قریشی مومنین سے رابطہ، جاسوسی نظام۔

ہم نے اپنی تفسیر ”احسن التبعیر“ میں جہاں قریشی منصوبے کو بار بار بیان کیا ہے وہیں منافقین کی نقاب کشائی بھی جگہ جگہ کی ہے۔ فی الحال آپ یہ سمجھ لیں کہ ابو بکر و عمر و عثمان و عائشہ و حذیفہ اور طلحہ و زبیر اور وہ تمام لوگ جن کے نام پر آپ کو رضی اللہ عنہم یا رضی اللہ عنہم یا ”ؓ“ لکھا

ہو اے ہرگز منافق نہ تھے۔ اُن کو منافق کہنے یا سمجھنے والے فریب خوردہ یا فریب ساز لوگ ہیں۔

اول۔ منافق کے معنی۔ نوٹ کیجئے اور ہمیشہ یاد رکھئے کہ الفاظ مُنَافِقٌ، نَفَاقٌ، اَنْفَاقٌ، نَفَقَہُ وغیرہ کی بنیاد یا مادہ۔ ن۔ ف۔ ق۔ ہے اور مصدر نَفَقَ ہے۔ اور اس کے بنیادی معنی جو اس سے بننے والے ہر لفظ میں موجود رہنا چاہئیں۔ ”راہوں یا گزرگاہوں کا کھلا رکھنا“ رکاوٹ یا روک پیدا نہ ہونے دینا۔ یہ بنیادی معنی قرآن کریم کی سندر رکھتے ہیں اور الفاظ سے بازی گری کرنے والوں نے بھی اُن کو تسلیم کیا ہے۔ (تفصیلات لغات القرآن عبدالدارم جلد 5 صفحہ 456-457 لفظ منافقات کی ذیل میں)

دوم۔ لفظ منافق کے بنیادی معنی قرآن سے۔ قرآن اور مودودی کا ترجمہ دیکھئے۔

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلْمًا فِي السَّمَاءِ فَتَبَاتِبْتَهُمْ بِأَيِّهِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ (انعام 6/35)

مودودی کا تاجرانہ ترجمہ: ”تاہم اگر ان (قریشی مسلمان۔ احسن) لوگوں کی بے رخی تم سے برداشت نہیں ہوتی تو اگر تم میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈو یا آسمان میں سیڑھی لگاؤ اور ان کے پاس کوئی نشانی لانے کی کوشش کرو۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر سکتا تھا۔ لہذا نادان مت بنو“۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 535-536)

سوم۔ حسب مذہب مودودی نے قریش کو محفوظ رکھا، رسول کو نادان بنایا اور اُن پر الزام قائم کر دیا ہے۔

ہمارا مقصد اس آیت سے یہ دکھانا تھا کہ لفظ نَفَقٌ یا نَفَقًا کے معنی آریا سوراخ یا گزرگاہ یا راستہ کے ہوتے ہیں۔ اور ذکر زمین میں آریا سوراخ کرنے یا راستہ بنا لینے کا تھا اس لئے مودودی نے اس مطلب کو لفظ ”سرنگ“ سے ظاہر کرنا کچھ زیادہ موزوں سمجھا حالانکہ لفظ ”سرنگ“ وہ مطلب ظاہر نہیں کرتا جو ”آریا سوراخ“ یا راستہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی قریش کے لئے آیت فراہم کرنے کے لئے یا تو زمین میں سوراخ کر کے اُس پار (امریکہ کی طرف) نکل جایا سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جا۔ تم جاہلوں میں سے ایک نہ بن جانا ہم نے تو اُن کو مجبور کر کے ہدایت پر متفق کرنے کی پالیسی اختیار ہی نہیں کی ہے۔ لہذا قریشی مسلمانوں کو آزاد اور مختلف الحیال رہنے دو۔ یعنی قریش ہدایت میں مختلف تھے۔ اللہ نے اس آیت میں ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ ”اگر تم سے بے رخی برداشت نہیں ہوتی“ مودودی نے یہ ترجمہ کر کے رسول کی برداشت اور تحمل اور صبر پر اعتراض جڑ دیا ہے۔ حالانکہ اللہ نے تو یہ فرمایا تھا کہ: ”اگر تم پر قریش کی بے رخی گراں گزرتی ہے؟“

بہر حال مودودی نے اپنے اس ترجمہ میں نہ تو یہ ظاہر ہونے دیا کہ یہاں قریشی صحابہ کا یا قریشی مومنین کی بات ہو رہی ہے اور نہ یہ پتہ لگنے دیا کہ قریشی صحابہ ”الْهُدَى“ یعنی ”ایک مجسمہ ہدایت“ کے سلسلے میں مختلف و متضاد عقیدے رکھتے تھے۔ جسے مودودی نے سابقہ عنوان نمبر (6-ج) میں آیت (92/4) کے ماتحت اپنی تشریح میں تفصیل سے مانا ہے۔

بہر حال ثابت ہوا کہ لفظ نَفَقٌ یا نَفَقًا کے معنی ”کھلا راستہ یا گزرگاہ“ ہوتے ہیں اسی معنی کو ظاہر کرنے کیلئے ہر گھر میں ایک لفظ بولا جاتا ہے۔ یعنی ”نَيْفَہُ“ جو کمر بند کو گزارنے اور رکھنے کا ”آریا راستہ“ ہوتا ہے درحقیقت یہ لفظ اصل میں ”نَيْفَقَہُ“ تھا، کثرت استعمال سے نیفہ بن کر رہ گیا ہے۔

چہارم۔ منافق کے معنی، منافق کون ہوتا ہے؟

جس سوراخ کو نَيْفَقَہُ یا نَيْفَہُ کہتے ہیں وہ ایسا سوراخ یا راستہ ہونا چاہئے جس میں داخل ہونے اور نکلنے میں ایک ہی سوراخ یا راستہ کی

پابندی نہ ہو یعنی نکلنا بھی آسان ہو اور داخلہ بھی مشکل نہ ہو۔ ہمارے بچپن میں ہم نے دیکھا تھا کہ سندھ میں اٹھارہ بیس گز چوڑی شلوار ہوتی تھی۔ دھوکہ سوکھنے کے لئے پھیلائے میں پورے آنگن کی لمبائی تک پھیلتی تھی۔ اگر اُس میں آپ کے پاجامے کی طرح صرف دو سوراخ، ایک داخلہ کا اور دوسرا نکلنے کا، ہوتے تو بہت لمبی ”لکڑی یا کمر بند ڈالنی“ بنانا پڑتی اور بلیوں کو سمیٹنا مشکل ہو جاتا۔ اس لئے اُس میں مناسب فاصلوں پر سوراخ بنائے جاتے تھے تاکہ چھوٹی سی لکڑی سے بھی کمر بند ڈالا جاسکے۔ پاجامے یا شلوار کے اُن سوراخوں کو نہ معلوم بزرگوں نے ”چڑیا“ کا نام کیوں دیا ہے؟ شاید کبھی کوئی چڑیا شلوار میں الجھ گئی ہو اور کسی سوراخ سے نکل گئی ہو۔ بہر حال بیفقدہ دراصل وہ سوراخ ہوتا ہے جس کے بہت سے منہ ہوتے ہیں اور زمین میں رہنے والے جانور، چوہے، گیدڑ، خرگوش وغیرہ بناتے ہیں تاکہ شکاری لوگ ایک طرف سے دھواں پہنچا کر اور ایک طرف جال لگا کر انہیں پکڑ نہ سکیں۔ اور وہ خطرہ محسوس ہوتے ہی یا ضرورت پڑتے ہی آسانی سے نکل جائیں۔ اور جب چاہیں اور جس طرف سے چاہیں داخل ہو جائیں۔ لہذا ایسا راستہ بنانے والے جنہیں داخلے اور نکلنے کی سہولت پہلے نمبر پر مطلوب ہو منافق ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں مستقلاً اندر رہنا مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ نکلنے اور داخل ہونے کی ضرورت مد نظر رکھتے ہیں۔

اسی اصول پر ہر وہ شخص منافق کہلائے گا جو کسی جگہ، کسی نظام یا کسی جماعت میں مستقلاً رہنا نہیں چاہتا اور پہلے وہ راہیں سوچتا اور تیار کرتا ہے جن سے جب ضرورت ہو باہر نکل سکے۔ مثلاً ایک جاسوس ضرورت جاسوسی کے لئے کسی ملک یا جماعت یا نظام میں داخل ہوتا ہے۔ اور جب متعلقہ معلومات حاصل کر لیتا ہے یا اپنا مشن پورا کر چکتا ہے تو واپس چلا آتا ہے۔ اور اپنے مشن کے دوران بھی اُن حربوں، چالوں اور معقول بہانوں سے آراستہ رہتا ہے جو اُسے واپس آنے میں مدد دیں۔ وہ ایسے تمام کام کرتا ہے۔ جن سے اُسے جاسوس نہ سمجھا جائے۔ جن سے اُس پر شبہ تک نہ ہو سکے۔ وہ متعلقہ ملک، جماعت یا نظام کے لوگوں میں صرف گھل مل ہی نہیں جاتا۔ بلکہ اعتماد پیدا کرتا ہے۔ وسائل فراہم کرتا ہے۔ ایسے معتبر اور صاحبان رسوخ لوگوں سے رسوخ پیدا کرتا ہے جو جم کر اُس کی دیانت و امانت اور وفاداری پر شہادت دیں۔ ایسے کارناموں کا ذخیرہ کرتا ہے جو اُس کی شخصیت پر بولتا چالنا ثبوت بنیں۔ اور لوگ اُس کی کارکردگی کی مثالیں دیں۔ اور وہ بے فکری اور اطمینان سے اپنا مشن تکمیل تک پہنچائے۔ ان مراحل سے گزرنے کے لئے لازم ہے کہ منافق نہایت دانشمند ہو، چاق و چوبند ہو، حدبھر محتاط اور حاضر دماغ ہو۔ اپنے مشن سے متعلق وہ تمام ہی ضرورتوں اور علوم پر دستگاہ رکھتا ہو۔ پسندیدہ عادات اور صفات اور خصلتیں رکھتا ہو۔ تندرست و توانا، محنت کش و جفاکش اور مشکلات پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مشن مذہب سے متعلق ہے۔ تو وہ مذہبیات میں ماہر ہو۔ سیاست سے معاملہ ہو تو بہترین سیاست دان ہو۔ الغرض ایک ”منافق“ کو اعلیٰ درجہ کا شخص ہونا چاہئے۔ وہ لوگ ہرگز منافق نہیں ہو سکتے۔ جن سے احقانہ حرکات سرزد ہونا معلوم ہو۔ جو مستقل طور پر کسی نظام، جماعت یا ملک میں قیام کریں۔ جو کسی نظام یا جماعت یا ملک میں جماعتی یا ملکی یا نظامی قوانین، رسم و رواج اور پابندیوں کی طرف سے غافل پائے جائیں۔ جیسے مثلاً نماز میں سستی، لا پرواہی یا ناغہ کرنا۔ اس لئے کہ یہ چیزیں اُسے مشکوک کر دیں گی لوگ اُس پر نظر رکھنے لگیں گے۔ منافق پر لازم ہے کہ اُس ملک، اُس جماعت اور اس نظام کے عام لوگوں سے بڑھ کر اور نمایاں ہو کر کام کرے۔ اور اپنی طرف کوئی اُننگی یا نظر نہ اُٹھنے دے۔ خلاف درزیوں کے عادی لوگ سب کچھ ہو سکتے ہیں۔ منافق ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتے۔ یہ دوسری اور بڑی معنی خیز بات تھی کہ خلیفہ دوم نے حضرت حدیفہؓ سے کہا تھا کہ ”باللہ یا حدیفہ انا من المنافقین“ ”اے حدیفہ خدا کی قسم میں منافقوں میں سے ہوں۔“

پہچم۔ منافق بھی کافر کی طرح عام لفظ ہے۔ جس طرح طاغوت کا کافر اچھا کافر ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلامی جاسوس اچھا منافق ہوتا ہے۔ دونوں ضروری ہیں۔

نہ کافر گالی ہے نہ منافق بُرا ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کون کس سلسلے میں کافر یا منافق ہے۔ اگر اُن کا مقصد تخریب ہے تو خواہ وہ کافر یا منافق ہو یا مومن ہو ملعون ہے۔ اور اگر مقصد تحفظِ اسلام ہے تو تینوں ممدوح اور قابلِ قدر و تحسین ہیں۔

ہمیں قریشی تاریخ میں ایک بہت بدنام منافق ملتا ہے جو نہ صرف منافق مشہور کیا گیا ہے۔ بلکہ جہاں جہاں قریشی علما، مورخین اور محدثین کو سجا کر بات کہنے کا موقع ملا وہاں اُس منافق کو انہوں نے ”رَأْسُ الْمُنَافِقِينَ“ منافقوں کا سردار لکھا ہے۔ اور ہم بھی (یعنی صرف میں اکیلا) اُسے منافق مانتے ہیں۔ اور یہ جانتے ہیں کہ منافقوں کی نماز جنازہ منع ہے۔ اُن کی دعائے مغفرت کی ممانعت ہے اور اسی سورہ منافقوں میں فرمایا گیا ہے کہ:

منافقوں کے لئے دعائے مغفرت سے رسول کو بار بار روکا گیا ہے۔ مودودی ترجمہ۔

”اے نبی تم چاہے اُن کیلئے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو۔ اُن کیلئے یکساں ہے، اللہ ہرگز انہیں معاف نہیں کرے گا“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 520) رسول کا منافقوں کے لئے ستر مرتبہ دعائے مغفرت کرنا بھی بیکار ہے۔ مودودی ترجمہ پڑھیں۔

اور سنیں: ”اے نبی تم ایسے لوگوں کے لئے خواہ معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو۔ اگر تم ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا“۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 219)

ششم۔ رسول اللہ ہرگز ہرگز ہرگز تخریب کار منافقوں کی نماز پڑھ کر اللہ کی مخالفت نہ کر سکتے تھے عبد اللہ بن ابی اپنا تھا۔

اس سب کے باوجود ہی نہیں بلکہ عمر کے یاد دلانے اور حملہ آور ہونے اور گریبان پکڑ کر جھجھوڑنے (بخاری) کے باوجود بھی حضور نے عبد اللہ بن ابی کو کفن کے لئے اپنا کرتب دیا اور نماز جنازہ پڑھی، قبر میں اپنے دست مبارک سے اتارا اور دعائے مغفرت کی، سپرد خاک کیا اور فرمایا کہ ہم ستر مرتبہ سے زیادہ دعائے مغفرت کریں گے۔ معلوم ہوا کہ وہ ایسا منافق تھا کہ سارے منافقین حتیٰ کہ منافقوں کے حقیقی کنٹرولر حضرت عمر ملعون تک اُس پر اعتماد کرتے تھے۔ اور وہ اُن لوگوں کے سارے منصوبے آنحضرت کو بروقت بتاتا رہتا تھا۔ آخر عمر نے یہ راز معلوم کر لیا اور اُس کا جانی دشمن ہو گیا۔ بہر حال طاغوت کا کافر (نساء 4/60) اور قریش کا منافق جنتی اور قابلِ صد تحسین ہوتا ہے۔

ہفتم۔ اللہ کے عطیات اور اپنی کمائی اور آمدنی کو دوسرے ضرورت مندوں تک پہنچانے کی راہیں کھلی رکھنے والے بھی پسندیدہ اور اللہ کے ممدوح منافق ہوتے ہیں۔

جس طرح بجیل اور دولت سمیٹنے والوں کو ناپسند اور مذموم سمجھا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اُن لوگوں کو پسندیدہ اور قابلِ مدح سمجھا جاتا ہے جو اپنی دولت اور وسائل کو اپنی تحویل میں مقید نہیں رکھتے بلکہ تمام ضرورت مند لوگوں تک پہنچانے کا پروگرام رکھتے ہیں۔ یعنی دولت اور وسائل کے داخل ہونے اور باہر نکلنے کی راہیں کھلی رکھنے والے بھی پسندیدہ منافق ہوتے ہیں۔ اور قرآن اس قسم کے لوگوں کی تعریف کرتا ہے۔

(6) اسلام کا عرب میں منافقوں سے کیا تعلق ہے؟ منافقوں اور نفاق کی ضرورت کیوں، کیسے اور کس کو پیش آئی؟ قرآن اس سلسلے میں کیا کہتا ہے؟

ہم نے مختلف مقامات پر قرآن سے یہ تفصیلات پیش کی ہیں کہ ابلیس کی جدوجہد نے بنی آدم میں سے ایسے لوگ تیار کئے جو انبیاء کے

مقابلہ میں اس کا مشن انسانوں میں پھیلائیں (نساء 4/118) اور اپنے گروہ کی تعداد بڑھائیں۔ چنانچہ نسلاً بعد نسل ابلیسی گروہ تیار ہوتا اور بڑھتا چلا آیا ہے۔ انبیاء جو تعلیم دیتے تھے یہ گروہ اسی تعلیم کے ایسے پہلو انسانوں کے سامنے رکھتا تھا جو بظاہر نظر تعلیمات انبیاء ہی معلوم ہوتے تھے۔ مگر باطن اُن میں ایسی چمک ہوتی تھی جو رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر تعلیمات انبیاء کے خلاف لے جاتی تھی۔ یہ گروہ جانتا تھا کہ انبیاء کا سلسلہ برابر جاری رہتا چلا جائے گا اس لئے اس گروہ کا اصول یہ تھا کہ جیسے ہی کوئی نئی اپنی نبوت کا اعلان کرے تو جلد سے جلد اور نہایت احتیاط اور دانشمندی کے ساتھ اُس نبی سے ملیں، معقول سوالات اور بحث کریں اور اُس پر اس طرح ایمان لائیں کہ وہ نبی اور تمام دیکھنے والے اُن کے ایمان لانے کو معقول اور سنجیدہ سمجھ کر مطمئن ہو جائیں۔ اور اُس کی تعلیمات پر اس تندہی اور خلوص سے دن رات عمل کریں کہ انہیں نبی کی نظر میں پسندیدہ مقام حاصل ہو جائے، اُن پر اعتماد کیا جانے لگے۔ ساتھ ہی اُن لوگوں کو متاثر کیا جائے جو ابلیسی گروہ کے ممبر نہیں ہیں۔ انہیں تعلیمات انبیاء کے خلاف لانے اور ابلیسی مشن کے حامی بنانے کے لئے مذکورہ بالا ابلیسی اصول اور تدریج کے ماتحت ہدایات فراہم کریں۔ مثلاً نبی سے ملنے والے ہر حکم کے مختلف پہلوؤں کو بیان کریں اور بتائیں ”کہ نبی نے فلاں حکم پر اس لئے زور نہیں دیا اور عمل کرنے پر اس لئے زیادہ تاکید نہیں کی، بلکہ ہماری کثرت اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ بلا وقت اُس پر عمل کر سکے لیکن ہم میں جو لوگ آسودہ حال ہیں وہ تو بلا وقت عمل کر سکتے ہیں۔ لہذا نبی کا مقصد زیادہ زور نہ دینے سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ آسودہ حال لوگ بھی عمل نہ کریں۔ چنانچہ ہم نے اُس حکم کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ وہ حکم آسودہ حال لوگوں پر واجب اور موگد ہے اور عوام پر سنت ہے۔ لیکن اگر عوام میں سے سمجھ دار و حساس لوگ جذبہ فداکاری کے ماتحت اُس حکم کو اپنے اوپر واجب کر کے عمل کریں اور پیش آنے والی دقتوں کو برداشت کریں یا اُن کا تدارک کریں تو یقیناً اللہ کے یہاں زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اور گو حکم نبی کی ظاہری صورت کے خلاف ہوگا مگر اللہ بہر حال ایسے جاں نثار مومنین کی قدر کرے گا جو نبی کی دی ہوئی رعایت کی آڑ نہیں لیتے بلکہ آگے بڑھ کر اسلام کے انتہائی مقصد کو پورا کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔“

قارئین رُک جائیں اور ابلیسی دانشوروں کے اس بیان میں وہ چال بتائیں جو مومنین سے چلی گئی ہے؟ اور بتائیں کہ اُن کے پیرو کیسے اور کیوں اللہ کے نزدیک اجر و ثواب کے مستحق نہ ہوں گے جب کہ وہ حکم نبی پر فدا کارانہ عمل کر رہے ہوں گے؟

اگر آپ اُس چال کو سمجھ گئے جو ابلیسی دانشوروں نے چلی ہے اور نتیجہ میں یہ بھی سمجھ گئے کہ اُن کے پیروؤں کو اجر و ثواب کے بجائے اللہ ماخوذ کر کے عذاب دے گا تو آپ دین کی اور ابلیسی کی حقیقی غرض کو بھی سمجھ گئے۔ لیکن اگر آپ نہیں سمجھے؟ جیسا کہ ہمیں اُمید ہے کہ نہیں سمجھے۔ تو سوچئے کہ ابلیسی دانشوروں کی اُس چال کو وہ لوگ کیسے سمجھتے جو آپ سے ہزاروں سال پہلے اور عقل کے بہت پس ماندہ ادوار کے لوگ تھے؟ بہر حال چال کہنے یا ابلیسی کا پہلا قدم قرار دیجئے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ یا رسول کے بیانات و ہدایات اور احکامات کی خود اپنی عقل سے توجیہات کی جائیں۔“

1- ”فلاں حکم کی وجہ یہ ہے،“ 2- ”وہ بیان اس سبب سے دیا گیا ہے،“ 3- ”فلاں حکم میں یہ فوائد ہیں،“ 4- ”فلاں حکم کی خلاف ورزی سے یہ نقصانات ہوں گے،“ 5- ”اللہ کی غرض یہ ہے،“ 6- ”نبی کا منشا یہ ہے،“ 7- ”مفاد عامہ اس میں ہے،“ 8- ”یہ حکم قومی یا ملکی حیثیت سے دیا گیا ہے،“ 9- ”یہ حکم عارضی ہے دائمی نہیں ہے،“ 10- ”کوئی بھی حکم بلا وجہ نہیں دیا جاتا یعنی ہر حکم کی ایک وجہ یا علت یا غرض یا سبب ہوتا ہے،“ 11- ”بلا سوچے سمجھے احکام پر عمل کرنے کی ممانعت بھی ہے اور عقل سے کام لئے بغیر عمل کرنا نامعقول بھی ہے،“ 12- ”احکام کی وجہ، غرض، سبب اور علت معلوم کرنے کے بعد عمل کرنا مفید ہوگا ورنہ نہیں۔“

یہ کم از کم دس باتیں ایسی ہیں جن کو سننے کے لئے لوگوں کو یا مومنین کو تیار کر لینا اہم ہے، ابلیسی گروہ یا مجتہدین کا پہلا قدم ہے۔ دوسرا قدم یہ ہے کہ ہر حکم کی ایسی دل لگتی اور معقول وجہ بیان کی جائے جسے مومنین پسند کر لیں۔ تیسرا قدم یہ ہے کہ پھر اُس وجہ کے ماتحت اُس حکم کی پوزیشن بیان کی جائے۔ یعنی آیا وہ حکم واجب ہے؟ یا فرض ہے؟ یا سنت ہے؟ یا فرض تو ہے مگر فرض کفائی ہے یا اجتماعی فرض ہے؟ وغیرہ وغیرہ اسی طریقہ کو اصول فقہ اور علم الفقہ کہتے ہیں۔ مختصر مطلب یہ ہوا کہ حکم پر فوراً اور اسی صورت میں عمل نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ وہ قرآن میں نازل ہوا یا نبیؐ کے منہ سے نکلا۔ بلکہ پہلے اُس پر اصول فقہ کے ماتحت غور کیا جائے گا۔ اُس کی وجہ اور غرض معلوم کی جائے گی اور اُس پر عمل کی صورت اور تدریج تجویز کی جائے گی۔ اسی طرح وہ تمام لوگ جو ابلیسی گروہ میں شامل ہیں اور دانشور یا فقیہ یا مجتہد نہیں ہیں۔ اُس وقت تک اُس حکم پر عمل نہ کریں گے جب تک اُن کا فقیہ یا مجتہد غور کر کے اپنا حکم صادر نہ کر دے۔ چنانچہ ابلیسی گروہ کا راہنما یا مجتہد یہ حکم دے گا کہ:

اول۔ اللہ ورسول کا حکم مجتہد کی عقل و بصیرت اور فیصلے کے ماتحت دوسرے نمبر پر آ گیا ہے۔

يَقُولُونَ اِنْ اُوْتِينَا هٰذَا فَخٰذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُوْتُوْهُ فَاخٰذِرُوْا (5/41)

”وہ کہتے ہیں اور آئندہ بھی کہتے رہیں گے کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو تم اُسے اختیار کر لیا کرو اور اگر تمہیں ایسا حکم نہ دیا جائے تو بیخ نکلا کرو“
یعنی انکار کے بغیر ترکیب سے حکم کو نال دیا کرو۔

مودودی کی تشریح وہ بھی یہی کچھ سمجھے۔

”۶۱۔ یعنی وہ جاہل عوام سے کہتے ہیں کہ جو حکم ہم بتا رہے ہیں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی حکم تمہیں بتائیں تو اُسے قبول کرنا نہ رد

کر دینا“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 470)

مطلب واضح ہے کہ اللہ اور رسول اور اللہ اور رسول کے احکامات مجتہد یا ابلیس کے ماتحت آگئے۔ اور چال یہ تھی کہ احکامات خداوندی کی وجوہات (توجیہ) و اغراض و مقاصد وغیرہ اپنے عقل و تجربہ سے تجویز کر کے پر خلوص اور سیدھے سادے مومنین سے منوالی جائیں اور بس کام ہو گیا۔ اسی چال کا توڑ کرنے کیلئے اللہ نے فرمایا تھا کہ مومنین ہر حکم مُنَزَّل من اللہ کی صورت میں دیں گے اور جو قرآن کے الفاظ میں حکم یا فیصلہ صادر نہ کرے گا۔ وہ کافر یعنی حقائق کو چھپانے والا ہوگا یا وہ ظالم یعنی غلط کار ہوگا یا وہ فاسق یعنی قانون شکن ہوگا۔ بہر حال یہ تھا وہ نظام ابلیس جس پر چلا کر وہ اپنا مومن گروہ تیار کرتا بڑھتا چلا آیا یہاں تک کہ تمام سابقہ نبیوں کی امتوں کو رفتہ رفتہ اسی اپنے تیار کردہ نظام اجتہاد کے ماتحت لاتا اور رکھتا رہا۔ اور بعثت محمدیہ سے پہلے تمام امتیں عموماً اور بنی اسرائیل، یہود و نصاریٰ خصوصاً اسی نظام کے ماتحت اپنے اپنے خدائی دین کی پیروی کر رہے تھے۔

دوم۔ تعلیمات قرآن و اسلام پر ابلیسی گروہ کی مومنانہ یلغار، ابلیسی مرکز کا منصوبہ اور اس کے وسائل و ذرائع۔

اعلان بعثت سے پہلے ہی قریش یہ جانتے تھے کہ عبدالمطلب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آخری نبی پیدا ہوگا۔ وہی نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ اور دیگر تمام عرب و عجم کی اقوام جانتی تھیں۔ اس لئے کہ تمام انبیاء نے عموماً اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خصوصاً نام لے کر پیشگوئیاں، علامات اور نام تک بیان کر دیا تھا۔ اور یہ سب کچھ قریشی تاریخ اور بحیرہ راہب کے بیانات سے بھی ثابت ہے۔ کہنا یہ ہے کہ مکہ کا قریشی مرکز گوش برآواز رہتا چلا آ رہا تھا۔ اور اُس کو ابلیسی راہنمائی حاصل تھی۔ چنانچہ قریشی مرکز نے اعلان نبوت سے پہلے ہی خاندان نبوت پر اپنے نگران اور جاسوس یعنی منافق تعینات کر دیئے اور یہ وہی لوگ ہو سکتے تھے جن کا کچھ نہ کچھ اس خاندان سے تعلق تھا۔ مثلاً گھر کے نوکر چاکر اور خادم و خادمائیں اور کاروباری تعلق

رکھنے والے لوگ۔ اور یہ اس لئے کہ نئے اور اجنبی لوگوں کا اچانک آس پاس رہنے لگنا خاندان رسول کو مشکوک اور چونکا کر دیتا۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور قریشی مرکز کو ضروری معلومات، خاندان رسول کے حالات اور خیالات اور تصورات معلوم ہوتے رہے۔ آنحضرت پیدا ہوئے تو وہ نور عبدالمطلب اور عبد اللہ کی پیشانیوں سے غائب ہو گیا جو صدیوں سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اور منتقلی کا رخ اور خاندان متعین کرتا چلا آ رہا تھا۔ اب قریش کو یقین ہو گیا کہ وہ رسول عبد اللہ سے پیدا ہوگا۔ چنانچہ اب قریشی مرکز پر لازم ہو گیا کہ وہ اپنے جاسوسی نظام یا منافقین کو محمد کی نقل و حرکت اور خیالات و تصورات معلوم کرنے پر تائید کر دیں۔ اور معلوم کریں کہ محمد کے والدین، چچا، چچی اور دادا اور دادی محمد کے متعلق کیا کچھ سوچتے، سمجھتے اور کہتے ہیں؟ الغرض بچپن سے جوانی اور جوانی سے اعلان نبوت تک قریشی منافقین رسول کی عادات و خصلات اور رجحانات اور افتاد طبع پر نظر رکھے رہے۔ کچھ لوگ ہمدردی، مخلصہ داری اور دوستی کا پردہ ڈال کر قریشی مرکز کو مطلع رکھتے رہے۔ اعلان نبوت کے بعد خاندان سے باہر کے بہت کم لوگ ایسے ہو سکتے ہیں۔ جو سچ سچ حق سمجھ کر ایمان لائے ہوں۔ ورنہ زیادہ تر وہ لوگ تھے جو قریشی مرکز کے اشارے پر بظاہر ایمان لائے تاکہ ساتھ ساتھ رہ کر اسلامی تعلیمات اور اسکیموں کا گہرا مطالعہ کریں اور وہ نظام جاری کریں جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ اور اصول فقہ اور اجتہاد کو پھیلانیں۔ اور اپنی تعداد بڑھائیں۔ قریشی لیڈروں کی وجہ سے قریشی عوام بھی مسلمانوں میں داخل ہونے لگے اور ظاہر ہے وہ اسی قسم کا ایمان اختیار کرتے تھے جس قسم کا ایمان قریشی لیڈر رکھتے تھے۔ بہر حال مسلمانوں میں دونوں طرح کے لوگ موجود رہے۔ ایک حقیقی طور پر بلا قریشی سازش کے ایمان لانے والے اور دوسرے قریشی قسم کے مومن تھے۔ ہم نے اس سازش کو قریش کی داخلی سازش کا نام دیا ہے۔ اس کا کھلا اور سیدھا سادہ مطلب یہ تھا کہ اگر قریشی مرکز اسلام کے خلاف کھلی مخالفت اور سادہ یا مسلح مزاحمت میں ناکام ہو جائے تو قریش کا داخلی نظام وہ مقام حاصل کر لے جہاں سے مسلمانوں پر تسلط حاصل کیا جاسکے اور جس کی آڑ میں تمام مخالف قریش کے لیڈر رکھ کر پناہ لے سکیں۔ اور رفتہ رفتہ مسلمانوں پر غلبہ پائیں۔

مکہ سے ہجرت کے بعد قریشی مرکز کے لئے لازم تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات، اسکیموں اور اقدامات پر مطلع رہیں۔ اس مقصد کے لئے قریشی جاسوس یعنی منافق مدینہ میں آتے اور رسول سے یا کسی اور صحابی سے سوالات اور اسلام کے خلاف اعتراضات کرتے، جوابات سنتے اور بڑے حُسن تدبیر سے منافقانہ احتیاط سے اسلام لے آتے۔ مسلمانوں میں گھل مل جاتے اور مشن پورا ہو جانے کے بعد کھسک جاتے یا جاسوسی کا کام دوسروں کو سونپ کر داخلی محاذ میں شریک ہو جاتے اور یوں قریشی مومنین کی تعداد اور قوت و رسوخ میں اضافہ کرتے۔ کہنا یہ ہے کہ مکہ سے ہجرت کے بعد جاسوسی کا عارضی یا مستقل نظام جاری کیا گیا تھا۔ بعض جاسوس خاموش طریقہ سے مدینہ آتے قریش کے اولین سابقین مومنین سے حالات معلوم کرتے یا ادھر کا خط ادھر اور ادھر کی رپورٹ قریشی مرکز کو پہنچاتے رہتے تھے۔ بعض دو چار دن قیام کرتے بعض مہینوں تک مسلمان بن کر مسلمانوں میں رہتے اور خود رپورٹ تیار کرتے اور چلے جاتے تھے۔ ان آنے جانے اور جاسوسی کرنے والوں کو قرآن منافق کہتا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے شروع سے یا اب تک مستقل رہائش اختیار کر لی تھی انہیں قرآن میں منافق نہیں بلکہ مومنین کہا گیا ہے۔ اور مومن ہی کہہ کر ان کی مذمت کی گئی ہے۔ لہذا قرآن میں مذکور مومنین دو طرح کے بیان ہوئے ہیں ایک وہ جن کی مذمت ہوتی رہی جنہیں حقائق کو چھپانے کی بنا پر کافر، غلط کاری کی بنا پر ظالم اور انحراف و نافرمانی کی وجہ سے فاسق کہا جاتا رہا ہے۔ ان کو ہم نے قریشی مومنین لکھا ہے۔ دوسرے حقیقی مومنین تھے، حقیقی مومنین میں سے قریشی لیڈر قریشی یا اجتہادی اسلام کی تبلیغ کر کے اپنی جماعت میں اضافہ کرتے رہتے تھے اور مکے سے آنے والے لوگ

خواہ قریشی قوم کے ہوں یا کسی اور قوم و قبیلے سے ہوں وہ تو سیدھے قریشی لیڈروں کے پاس جاتے اور اُن ہی کے رنگ میں رنگ جاتے تھے۔ بہر حال مسلمان دو ہی طرح کے تھے۔ حقیقی مسلمان اور قریشی مسلمان۔ اور قریشی مرکز سے آنے والے لوگ تھے جنہیں منافق کہا گیا ہے اس لئے کہ وہ جانے کے لئے آتے تھے اور آنے سے پہلے ہی جانے کی راہیں تجویز کر کے چلتے تھے۔

یہاں یہ بھی سن لیں کہ قریشی مومنین جو شروع ہی سے ساتھ ساتھ تھے انہوں نے مکہ کے قیام ہی میں یہ انتظام کر لیا تھا کہ رسول کی رات بھی اُن کے سامنے رہے۔ چنانچہ رسول کی ازواج میں اپنی قوم کی اور اپنے مقاصد میں مددگار عورتیں بھی داخل کر دی تھیں اُن میں سے ایک عائشہ تھی جس کا نہایت کم سنی میں منت سماجت کر کے مکہ ہی میں نکاح کر دیا تھا مگر آنحضرت نے اُسے مدینہ آنے تک نہ اپنے گھر میں آنے دیا نہ زوجہ بنایا۔ مدینہ آ کر ابو بکر نے اپنی جیب سے روپیہ دے کر جو توں کر کے اُسے رسول کے گھر بھیجا تھا۔ اُس نے ہمیشہ اپنی قوم اور باپ کی طرفداری میں رسول کے خلاف عورتوں کا ایک محاذ بنائے رکھا (سورہ تحریم 5 تا 66/3) لہذا قرآن میں کہیں حقیقی مومنین کی مذمت نہیں ہوئی۔ مذمت قریشی مومنین یا منافقین کی ہوئی ہے۔

(7) منافقین کا تذکرہ اور متعلقہ مطالب اور حالات اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ قریش اور قریشی علما کی ایک اور کمین گاہ تباہ کر دی جائے۔

ہم نے حضرت علی علیہ السلام کے قریشی صحابہ کے متعلق حضور کے خطبے میں مذکور شکایات لکھ کر قرآن سے یہ دکھانا شروع کیا تھا کہ حضرت کے صحابہ ہی کی طرح کے رسول کے صحابہ بھی تھے۔ یعنی قریش بفضل شیطان موروثی طور پر بہترین باتیں کرنے والے اور بدترین اعمال کے عادی تھے۔ اس سلسلے میں سورہ منافقوں کی آیت (63/4) پیش کر کے قریش کے حسین و جمیل و قد آور لوگ اور اُن کی نشاط انگیز باتوں اور عملی میدان میں بدکرداری دکھائی تھی (عنوان: ج کا (2)) اور اس کے بعد منافقوں کی پوزیشن بیان کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ چنانچہ قارئین نے منافق کے معنی سمجھے، اُن کے کام دیکھے اُن کی ضرورت معلوم ہوئی۔ اور قریشی مرکز کا انہیں استعمال کرنا سامنے آیا اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ قرآن کریم اس سلسلے میں کیا فرماتا ہے۔ اور مسلمان ہو جانے والے قریش کا یعنی قریشی صحابہ کا قریشی مرکز مکہ سے آنے والے جاسوسوں یعنی منافقوں سے کیا تعلق تھا؟ تاکہ قارئین کو یہ علم ہو جائے کہ منافق بھی قریشی مومنین کے اپنے ہی قدیم مذہب کے لوگ تھے اور قریشی مسلمانوں میں اور منافقین میں عقائد کا کوئی فرق یا اختلاف نہ تھا۔ اور نہ دونوں کے اندر الفاظ کے علاوہ کوئی بات غیر مشترک تھی۔ وہ بھی قریشی مکہ مرکز کے وفادار تھے یہ بھی اُن ہی کے فرماں بردار مطیع اور اطاعت شعار تھے۔ قرآن سے فیصلہ کیجئے۔ ارشاد ہے کہ:

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فُتْنَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ وَذُؤَالُو تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وِلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ (نساء 89-88/4)

مردود کی کامنفاقتانہ اور کافرانہ ترجمہ قریشی صحابہ کو چھپانے کی کوشش۔

”پھر یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے بارے میں تمہارے درمیان دو (2) راہیں پائی جاتی ہیں، حالانکہ جو برائیاں انہوں نے کمائی ہیں اُن کی بدولت اللہ انہیں الٹا پھیر چکا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے ہدایت نہیں بخشی اُسے تم ہدایت بخش دو؟ حالانکہ جس کو اللہ نے راستے سے ہٹا دیا اُس کے لئے تم کوئی راستہ نہیں پاسکتے۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں اسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ

تا کہ تم اور وہ سب یکساں ہو جائیں۔ لہذا اُن میں سے کسی کو اپنا دوست (اُولیاء۔ احسن) نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے نہ آجائیں اور اگر وہ ہجرت سے باز رہیں تو جہاں پاؤ انہیں پکڑو اور قتل کرو اور اُن میں سے کسی کو اپنا دوست (ولی۔ احسن) اور مددگار (نصیر۔ احسن) نہ بناؤ۔“ (تفہیم جلد اول صفحہ 380)

(1) مودودی کے ترجمہ پر تنقید اور نقاب کشائی۔

اللہ نے پہلی آیت (4/88) میں یہ فرمایا ہے کہ:

”اُس وقت کے مسلمان منافقوں کے سلسلے میں دو گروہ ہو گئے تھے، مگر مودودی نے ایک گروہ کو چھپانے کے لئے لفظ ”فِئْتَيْنِ“ کا ترجمہ ”دو (2) رائیں“ کر دیا ہے جو کہ خود اُن کے اپنے ترجمہ کی مخالفت ہے۔ اس لئے کہ مودودی نے اس لفظ ”فِئْتَيْنِ“ کا ترجمہ ”دو گروہ“ کیا ہے۔

(2) قریشی صحابہ کی بدکرداری کو چھپانے کے لئے مودودی ہر کمینہ حربہ استعمال کرتے ہیں۔

قرآن پڑھئے اور مودودی کی منافقانہ کوشش ملاحظہ کیجئے:

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئْتَيْنِ اللَّتَانِ فَتُنْتَقِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ... الخ (آل عمران 3/13)

مودودی کا صحیح ترجمہ۔ ”تمہارے لئے اُن ”دو گروہوں“ میں ایک نشانِ عبرت تھا (جو بدر میں) ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے تھے ”ایک گروہ“ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور ”دوسرا گروہ“ کافر تھا۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 236)

(3) مودودی نے قریشی صحابہ کو اور قریش کی پوری مومن قوم کو اللہ کی مخالفت اور منافقین کی جانب داری میں الجھا ہوا دیکھ کر قرآن کا ترجمہ بدل

ڈالنے ہی کو بہتر سمجھا۔

قارئین نے دیکھ لیا کہ مودودی کس حد تک ابوکبر و عمر و عائشہ اور اُن کی قوم کے طرفدار ہیں۔ اور اس جانب داری میں وہ اپنی عاقبت تباہ کرنے میں بھی کبھی پس و پیش نہیں کرتے۔ اور کمال یہ ہے کہ اپنی دیانت اور امانت ثابت کرنے کے لئے اپنے جیسے بددیانت مترجمین کی مذمت یوں کرتے ہیں کہ:

(4) مودودی اپنے راہنما قریشی صحابہ کے لئے قرآن اور اللہ سے بددیانتی میں حدود فراموش مگر پھر بھی اپنی ساکھ جمانے کیلئے اپنے جیسوں کی مذمت۔

”کسی شخص کا دل اگر قرآن کی بات پر یقین نہ کرنا چاہتا ہو تو اُسے صاف کہنا چاہئے کہ میں اس بات کو نہیں مانتا۔ لیکن یہ بڑی اخلاقی بزدلی

اور علمی خیانت ہے کہ آدمی قرآن کے صاف صاف الفاظ کو توڑ مروڑ کر اپنے مَن مانے پر ڈھال لے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ قرآن

کے بیان کو مانتا ہے۔ حالانکہ دراصل قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ اُسے نہیں بلکہ خود اپنے زبردستی گھڑے ہوئے مفہوم کو مانتا ہے۔“

(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 563)

یہ ہے ملعون مولانا اور مترجم و مفسر قرآن جسے سارے مسلمان عموماً اور اسلامی جماعت خصوصاً بہت دیانت دار و بے باک عالم مانتے ہیں۔ بہر حال ہم نے اپنی بہتر (72) سال کی عمر میں کوئی بھی شیعہ یا سنی مترجم ایسا نہیں دیکھا جس نے قرآن کے صاف صاف اور واضح الفاظ کے معنی تبدیل نہ کئے ہوں اور قرآن کے الفاظ کی معنوی وسعتوں کے اندر محدود رہا ہو۔ لیکن ہم نے اُن سب میں مودودی سے بڑا بددیانت اور فریب ساز مترجم کسی کو نہیں پایا۔ اس لئے ہم نے اس ملعون کو اپنی تفسیر اور بیان الامامت میں ہر لمحہ اپنے سامنے حاضر رکھا ہے تاکہ ہمارے قارئین پر

مودودی کا ظاہر و باطن آشکار ہو جائے اور وہ اُس کو سمجھ کر باقی تمام قریشی علما کو سمجھ سکے اور دشمنانِ محمد و آلِ محمد میں اور دوستدارانِ ثلاثہ اینڈ کمپنی میں مودودی کا درجہ اول ثابت ہو جائے۔

(5) منافقوں اور قریش کا تعلق اور ساتھ ہی لفظ مذکور فِئْتَيْنِ اور فِتْنَانِ کا دوبارہ صحیح ترجمہ بددیانتی کی تصدیق مزید۔

اب دوبارہ دیکھئے کہ مودودی اُس لفظ ”فِئْتَانٌ“ کی تمام قانونی صورتوں اور صحیح معنی پر مطلع تھے اور یہ کہ انہوں نے صرف قریش کے تحفظ میں لفظ ”فِئْتَيْنِ“ کے معنی غلط کئے تھے۔ ورنہ وہ خود اپنے خلاف غلط معنی نہ کرتے۔ سنئے کہ اللہ تعالیٰ جنگِ بدر کے سلسلے میں قریشی صحابہ اور قریشی مومنین کے حالات و احساسات و جذبات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا رہا ہے کہ قریشی صحابہ میں اس مرتبہ کے لوگ تھے جن سے ابلیس براہِ راست تعلق رکھتا تھا۔ اُن کی راہنمائی کے لئے اُن کے سامنے آتا تھا۔ ساتھ ساتھ رہتا تھا اُن کا پڑوسی (جسار) بن گیا تھا اور عنوان کے مطابق قریش اور منافقین کا تعلق اور رشتہ بھی دیکھ لیں۔ مودودی کا ترجمہ لکھیں گے آیت کا وہی حصہ لکھیں گے جو ضروری ہوگا۔ سنئے:

مودودی ترجمہ ”اے ایمان لانے والو، جب کسی گروہ (فِئْتَانٌ) سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تو وہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں (یعنی حقیقی مومنین سے۔ احسن) ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اُٹھ جائے گی۔ صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور اُن لوگوں کے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کرو جو اپنے گھروں سے اترتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے اور جن کی روش یہ ہے کہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہیں۔“

وَأَذِزِينَ لَهُمُ الشَّيْطَانَ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَ آتِ الْفِتْنِ نَكَصَ عَلَى عَقْبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ اذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرْهًا وَلَا دِينَ لَهُمْ... الخ (انفال 49 تا 8/45)

”ذرا خیال کرو اُس وقت کا جب کہ شیطان نے اُن لوگوں (قریشیوں۔ احسن) کے کروت اُن کی نگاہوں میں (یہ خواہ مخواہ کا اضافہ ہے۔ احسن) خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور اُن سے کہا تھا کہ ”آج (انسانوں میں سے۔ احسن) کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ (تمہارا پڑوسی۔ احسن) ہوں“ مگر جب دونوں ”گروہوں“ کا آمناسا منا ہوا تو وہ (شیطان۔ احسن) اُلٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ ”میرا تمہارا ساتھ نہیں“ (یقیناً میں تم سے بری ہوں۔ احسن) میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا (سخت تعقب کرنے والا۔ احسن) ہے جب کہ منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں کو روگ لگا ہوا ہے، کہہ رہے تھے کہ ”اُن (حقیقی مومن۔ احسن) لوگوں کو تو ان کے دین نے خبط میں مبتلا کر رکھا ہے“۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 148 تا 150)

(الف) ان پانچوں آیات (انفال 49 تا 8/45) کے الفاظ کو سامنے رکھ کر مودودی کے ترجمہ سے قریش، منافقین اور شیطان کے متعلق حقائق برآمد کیجئے۔

یہ تو قارئین کو بھی یقین ہو چکا ہے کہ مودودی ہرگز قرآن کی صحیح ترجمانی نہ کریں گے۔ بہر حال اُن کا ترجمہ اور قرآن کی آیات آپ کے سامنے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ اُن دونوں پر نظر ڈال ڈال کر حقائق کو نمبر وار جمع کیجئے۔

پہلی نظر۔ سب سے پہلے یہ نوٹ کریں کہ جہاں جہاں ہم نے مووددی کے ترجمہ میں بریکٹ دیئے ہیں وہاں ہر جگہ مووددی نے چوری کی ہے۔ اور ہم نے وہ چوری بریکٹ میں ظاہر کر دی ہے۔ پھر یہ دیکھیں کہ اللہ نے مخاطب تو تمام مومنین کو کیا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** مگر درحقیقت مخاطب وہ لوگ ہیں جن پر ہر حال میں ثابت قدم رہنے کا یقین نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اُن کو ثابت قدم رہنا یاد دلایا گیا ہے۔ ساتھ ہی وہ لوگ ایسے مومنین نہیں جو ہر حال میں ذکر خدا کرتے رہتے ہوں۔ اور جو دشمن کی فوج کو دیکھ کر اپنے حواس برقرار رکھتے ہوں۔ اس لئے اُن سے کہا گیا کہ کثرت سے ذکر اللہ کرنا تاکہ دشمن کا رعب اثر انداز نہ ہو۔ اور نہ ہی یہ لوگ ہر حال میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے تھے۔ ورنہ ایماندار یا مومن ہونے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ ہر حال میں اور ہر معاملے میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے لوگ۔ معلوم ہوا کہ یہ نظام اجتہاد کے ماتحت ایمان لانے والے لوگ تھے اور جیسا کہ بیان ہوا، یہ لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت تو کرتے تھے مگر اپنے راہنمایاں مرکز یا طاعوت کی اجازت کے بعد اُن احکام کی اطاعت کرتے تھے جو مرکز کی اجتہاد کے ماتحت صحیح ہوتے تھے۔ لہذا اللہ و رسول کی جو اطاعت یہ قریشی مومنین کرتے تھے وہ درحقیقت اُن کے اپنے مجتہدین یا لیڈروں کی اطاعت ہوتی تھی نہ کہ اللہ و رسول کی۔ لہذا طے ہو گیا کہ ان آیات کے حقیقی مخاطب حقیقی مومنین نہیں تھے۔ بلکہ قریشی صحابہ و مومنین کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اور انہیں اُن کے عقائد و اعمال کے ماتحت تنبیہات و تاکیدات کی گئی ہیں۔

دوسری نظر۔ دوسری نظر ذرا باریک اور مووددی کی الجھائی ہوئی باتوں پر ڈالنا ہوگی اس لئے مووددی کا ایک اصولی سرمہ پہلے لگانا ضروری ہے۔ جس سے انہوں نے اپنے ہزاروں پیروؤں کو ساون کا اندھا کرنے میں مدد لی تھی۔ ڈریئے نہیں ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ انشاء اللہ آپ کو وہ نقصان کی جگہ فائدہ دے گا۔

مووددی کا ایک اصول جس کی بلند و بالا آڑ میں وہ قریشی صحابہ کو چھپاتے رہے۔

اور آپ آئندہ قریش کو ہر لباس اور ہر آیت میں بلا محنت کے سہولت سے پہچان سکیں گے۔ سنئے، گھبرا کر لکھتے ہیں کہ:

”۱۸ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ قرآن مجید میں ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو“ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کے الفاظ سے کہیں تو سچے اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے، اور کہیں مسلمانوں کی جماعت بحیثیت مجموعی مخاطب ہے جس میں مومن اور منافق اور ضعیف الایمان سب شامل ہیں، اور کہیں روئے سخن خالص منافقین ہی کی طرف ہے۔ منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کو ”الَّذِينَ آمَنُوا“ کہہ کر جب مخاطب کیا جاتا ہے تو اس سے مقصود اُن کو شرم دلانا ہوتا ہے کہ تم لوگ دعویٰ تو ایمان لانے کا کرتے ہو اور حرکتیں تمہاری یہ کچھ ہیں۔ سیاق و سباق پر غور کرنے سے ہر جگہ باآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ کس جگہ ”الَّذِينَ آمَنُوا“ سے مراد کون لوگ ہیں۔ یہاں سلسلہ کلام صاف بتا رہا ہے کہ مخاطب عام مسلمان ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 134)

قارئین جانتے ہیں کہ قریشی علمائے قریشی صحابہ اور قریشی مومنین کی بدکرداریوں اور اُن کے شیطانی عقائد کو چھپانے کے لئے پہلا حربہ یہ استعمال کیا کہ کافر اور کفر کے معنی منکر اسلام کر کے جہاں جہاں قریش کو حق پوش کہا تھا اُن مقامات سے قارئین کی توجہ کو ہٹا کر منکرین اسلام پر مرکوز کر دی دوسرا حربہ ہم بیان کر رہے تھے اور منافقوں کی بات ہو ہی رہی ہے۔ کہ یہ اندھا اصول سامنے آ گیا۔ اور اب قریشی علمائے چاہتے ہیں کہ جن آیات میں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کہہ کر مذمت سامنے آئے وہاں قریش کی طرف نظر نہ جائے۔ بلکہ قاری یہ سمجھ کر آگے بڑھتا جائے کہ مذمت منافقوں کی یا ضعیف الایمان لوگوں کی ہو رہی ہے۔ یعنی قریشی مسلمان اور صحابہ بہر حال محفوظ رہ جائیں گے۔ لیکن ہم یہ دکھا چکے ہیں کہ قریش

بحیثیت مجموعی یا پوری قوم ملعون و مردود اور دشمن خدا و رسول تھی اور قرآن نے بلا کسی شرط اور بلا کسی استثناء کے آنحضرتؐ سے ”تیری قوم“ کہہ کر تمام قریش کو مکذب قرآن فرمایا اور قرآن کو بدل کر استعمال کرنے والے دشمنان خدا و رسول قرار دیا ہے۔ (انعام 6/66، فرقان 25/30-31) اور قریشی علما متفق ہیں کہ سورہ انعام اور سورہ فرقان دونوں مکہ میں نازل ہوئی تھیں اور اُس وقت تک قوم قریش قرآن کو جھٹلا چکی تھی اور اُسے تبدیل کر کے دشمن خدا و رسول ثابت ہو چکی تھی۔ لہذا مودودی کا مندرجہ بالا اصول صرف ایک فریب ہے تاکہ قریش چھپ کر رہ جائیں اور ہر قسم کی مذمت سے بچ جائیں اور الزام کچھ نامعلوم ضعیف الایمان لوگوں پر یا کچھ نامعلوم منافقوں پر عائد ہو کر رہ جائے۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ مذمت جہاں بھی ہو وہ قوم قریش کے یا دوسرے الفاظ میں رسول کی قوم کہلانے والے تمام لوگوں کی ہوتی ہے۔ رہ گئے ضعیف الایمان لوگ وہ بھی قریش ہی میں تھے۔ اور منافقین بھی قریش ہی تھے۔ قریش ہی نے ضعیف الایمان لوگوں کو اور منافقوں کو پیدا کیا تھا۔ اور مذمت والی کسی بھی آیت میں حقیقی مومنین مخاطب نہیں ہوتے۔ چنانچہ مودودی کی فریب کاری کو حقیقی مومنین پر وارد کرنا بلا دلیل اور کافرانہ و منافقانہ جرات ہے۔

تیسری نظر۔ قریشی قوم، یا رسول کی قوم کہلانے والے تمام لوگ بحیثیت مجموعی کبھی حقیقی مومن و مسلم نہ تھے۔ آخری فیصلہ۔

دوسری نظر کا تقاضا ہے کہ قریش کو حقیقی مسلمین اور حقیقی مومنین سے کلیتاً باہر رکھنے کے لئے قرآن کے فیصلے اور قریش پرست علما کی تائیدات لا کر قارئین کے لئے اطمینان فراہم کیا جائے تاکہ وہ مودودی کے مندرجہ بالا اندھے اصول میں کبھی نہ الجھسکیں اور قرآن کی ہر مذمت کو قریش کی اور قریش کی راہنما اقوام کی مذمت سمجھنے میں کبھی نہ پچکچکائیں اور ہماری طرح قریش کو نبی اللہ دشمن دین و دنیا، دشمن خدا و رسول اور دشمن انسانیت یعنی شیطان سمجھیں۔

تیسری نظر میں غلام احمد پرویز مفکر قرآن کے تصورات سے مدد لینا ضروری ہے۔

مسٹر پرویز پاکستان میں مفکر قرآن کی حیثیت میں ابھرے، قریشی مذہب یا خلیفہ دوم کے دین و سیاست کے احیاء پر کتا ہیں لکھیں۔ اور عمر کی مدح و ثنا میں ایک کتاب ”شاہکار رسالت“ (یعنی عمر کو شاہکار رسالت ثابت کیا ہے) لکھی جو اور تو اور سعودی عرب میں مقبول ہوئی۔ وہ لکھتے ہیں۔ ”دعوت و تبلیغ اور نصیحت و تلقین کا وہ سلسلہ جس کا ذکر گزشتہ (339 صفحات) اوراق میں ہو چکا ہے۔ برابر جاری رہا اور وہ فولادی ذرات جو اُس ریت کے ڈھیر میں پوشیدہ تھے، اس طرح اُڑ اُڑ کر اس مقناطیس حق و صداقت سے آکر ملتے رہے جس طرح حضرت ابراہیم کے تمثیلی واقعہ میں پرندے آپ کی آواز پر لیک لیک کہتے ہوئے دوڑے آئے تھے۔ حتیٰ کہ یہ تمام فولادی ذرات جن میں محض فطری کشش سے اس مرکز ہدایت و رشادت کے گرد جمع ہونے کی صلاحیت باقی تھی، جامد پتھر کے ذروں سے الگ ہو گئے۔ تحریک انقلاب آسمانی کا یہ پہلا دور اس عمل تخلیص (خالص مومنوں کو الگ کرنے) و تنقیح اور اپنی جماعت کی تعمیر و تطہیر کے لئے تھا۔

وَلْيُمَحِّصِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ تاکہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں انہیں پاک کر دے اور جو منکرین حق ہیں انہیں یک قلم نیست و نابود کر دے (آل عمران 3/141)

اب وہی لوگ باقی رہ گئے جو قوت و دولت کے نشے میں بدمست، محض بر بنائے بغض و عداوت، مخالفت کئے جا رہے تھے۔ ترمز اور سرکشی نے اُن سے عقل و بصیرت اور دانش و عبرت کی تمام صلاحیتیں سلب کر لی تھیں۔ تعصب و جہالت نے اُن کی آنکھوں پر پردے ڈال رکھے

تھے۔ اور انکار و جود نے اُن کے دلوں پر مہریں لگا رکھی تھیں۔ چنانچہ اُن کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ:

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (بقرہ 7-6/2)

(اے پیغمبر!) تم انہیں (انکار حق کے نتائج سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ (کبھی) ماننے والے نہیں (انہوں نے روشنی کی طرف آنکھیں بند کر لی ہیں، اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو آنکھیں بند کر لیتا ہے اُس کے لئے تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے پس اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ) اُن کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ (کوئی بات کتنی ہی سچی ہو، سمجھ نہیں سکتے، کوئی آواز کتنی ہی اونچی ہو سن نہیں سکتے، کوئی چیز کتنی ہی روشن ہو دیکھ نہیں سکتے) سو (جن لوگوں نے اپنا یہ حال بنا لیا ہے، وہ کبھی ہدایت نہیں پاسکتے، کامیابی کی جگہ) اُن کے لئے عذاب جانکاہ ہے۔

یہ وہ لوگ تھے کہ جن کے دل میں نہ حسن عمل کے جزاء کی تبشیر و ترغیب کچھ ذوقِ سعادت اور ولولہٴ انابت پیدا کر سکتی تھی۔ اور نہ ہی اُن کی سرکشی و غوایت کے انجام و عواقب کی تنذیر و ترہیب ہی اُن میں جذبہٴ تضرع و خشیت کی نمود کر سکتی تھی۔ لہذا اُن کے متعلق نبی اکرم سے کہہ دیا گیا کہ اُن کے پیچھے سرکھپانے کی کوئی ضرورت نہیں اگر یہ نہیں سنتے تو ان سے اعراض برتئے۔ یہ اسی سلوک کے قابل ہیں۔

فَاعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنَّا ذِكْرًا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ (نجم 29/53)

”تو (اے پیغمبر!) تم بھی ان لوگوں سے اعراض برتو جو ہمارے ذکر سے گردن موڑ کر چل دیتے ہیں۔ اور جو دُنویٰ زندگی کے سوا کسی اور بات کا ارادہ ہی نہیں کرتے“ اس سے قبل جب ان لوگوں سے کچھ توقعات تھیں۔ یہ کہا گیا تھا کہ:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَتَمُودَ ۝ (حم سجدہ 13/41)

”پس (اے پیغمبر!) اگر وہ منہ موڑ کر چل دیں تو اُن سے کہہ دو کہ میں نے تمہیں (انکار و بدعملی کے نتیجہ میں) قوم عاد و تمود والی کڑک کی طرح (خدا کے عذاب کی) ایک کڑک سے ڈرا دیا ہے (اور اپنا فرض پورا کر دیا ہے اب تم جانو اور تمہارا کام جانے!)

اعراض۔ لیکن اب اُن کی طرف سے جب پوری پوری مایوسی ہوگئی تو کہہ دیا گیا کہ: فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلِّمْ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝
”پس (اے پیغمبر!) ان سے (اب) درگزر کرو اور کہہ دو کہ (بس اب میرا) سلام ہے چنانچہ کچھ عرصہ بعد وہ خود ہی جان لیں گے (کہ

جو کچھ تم کہتے تھے اس میں کس قدر صداقت تھی) (زخرف 43/89) (معارف القرآن جلد 4 صفحہ 340 تا 342)

تیسری نظر کا نتیجہ۔ ہم پرویز کے متعلق اپنا وقت ضائع کئے بغیر صرف اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ وہ بھی پکا قریشی عالم ہے۔ اس لئے کہ۔ 1۔ کافر کے معنی ”منکرین حق“ کرتا ہے۔ 2۔ قَوْلِي کے معنی گردن یا منہ موڑنا کرتا ہے اور۔ 3۔ بریکٹوں کے ذریعہ اللہ کی خامیاں دور کرتا ہے۔ بہر حال ہم نے یہ طویل اقتباس اس لئے لکھنے کی زحمت برداشت کی اور آپ کو پڑھنے کی تکلیف دی کہ پرویز نے قرآن سے کم از کم یہ ثابت کر دیا کہ ہجرت مدینہ سے پہلے پہلے اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ اب مکہ والوں میں سے کوئی اور شخص نہ ایمان لائے گا نہ اُن کے لئے ایمان لانا ممکن ہوگا۔ یعنی قریش یا اہل مکہ کی جو تعداد ہجرت مدینہ سے پہلے پہلے تھی اب اُس میں اضافہ ہرگز ہرگز نہ ہوگا۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ قریشی تواریخ سے جنگ بدر کے روز مدینہ میں مسلمانوں کی کل تعداد (313) تین سو تیرہ تھی۔ جن میں بقول شبلی صرف (60) مہاجر جمع قریش کے تھے۔ سوال یہ ہے کہ

قریش کتنے تھے؟ قریش جتنے بھی ہوں بہر حال ساٹھ سے کم تھے۔ لہذا اُن ساٹھ کے علاوہ باقی تعداد جو وفاتِ رسول کے وقت بتائی جاتی ہے ظاہر ہے کہ حقیقی مومن نہ تھی۔ اب صرف سوال یہ باقی رہ گیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ ساٹھ اشخاص حقیقی مومن تھے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب قریشی علمایا قریشی تاریخ سے نہیں بلکہ قرآن سے درکار ہے۔ چنانچہ قریشی علما سے وہ آیات مانگیں جن سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ ساٹھ یا ساٹھ سے کم قریشی مومنین حقیقی مومن تھے؟

یہ ذمہ داری قریشی علما قبول نہ کریں گے۔ اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ انہیں ایسی آیات اس قرآن میں تو نہ ملیں گی۔ لیکن ہمیں معلوم ہے اور قرآن کی آیات سے معلوم ہے کہ رسول اللہ نے مکہ ہی میں اللہ سے عرض کر دیا تھا کہ:-

وَقِيلَهُ يَا رَبِّ إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ○ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلِّمْ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ○ (زخرف 89-88/43)

قریشی قوم بحیثیت مجموعی ہرگز ایمان لانے والی نہ تھی۔

مودودی ترجمہ: ”قسم ہے رسول کے اس قول کی کہ ”اے رب، یہ وہ لوگ (لوگ نہیں قوم۔ احسن) ہیں جو مان (مان نہیں ایمان۔ احسن) کر نہیں دیتے۔ اچھا، اے نبی، ان سے درگزر کرو اور کہہ دو کہ سلام ہے تمہیں، عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 553)

لفظ قوم آجائے اور مودودی غلط ترجمہ نہ کریں تو قریشی عالم کیسے رہیں۔

پہلے قارئین پر ویز کو دیکھیں کہ اُس کے اقتباس میں اس سورہ کی آیت (43/88) کو چھوڑ کر آگلی آیت (43/89) لکھی گئی ہے۔ اگر وہ آیت بھی لکھ دیتے تو ثابت ہو گیا ہوتا کہ نہ ہجرت سے پہلے کوئی قریشی ایمان لایا تھا اور نہ بعد میں ایمان لانے والا تھا۔ لہذا پھر ثابت ہوا کہ علامہ پر ویز بہر حال قریش کا تحفظ کرتے ہیں۔ پھر ہمارے باکمال استاد مودودی کو دیکھیں کہ انہوں نے آیت میں لفظ ”هَؤُلَاءِ قَوْمٌ“ موجود ہوتے ہوئے قوم کے ایمان کی نفی کرنے کے بجائے لفظ ”وہ لوگ“ لکھ دیا اور قوم کو بچا لیا ہے۔ مگر سارے سنی اندھے ہیں نہ شیعہ اندھے ہیں۔ وہ دیکھ سکتے ہیں کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول ایسا صحیح اور بزرگ درجہ رکھتا ہے کہ اللہ نے اُس قول کی قسم کھائی ہے اور تصدیق کر دی ہے کہ ”قریش کی پوری قوم ایمان نہ لائے گی۔“

اور مودودی نے ایمان کی جگہ لفظ ”مان“ لکھ کر اپنے ایمان کو خراب کر لیا۔ پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ ”مضارع“ کے دوہرے معنی ہوتے ہیں یعنی ”مضارع“ حال اور مستقبل دونوں زمانوں پر حاوی ہوتا ہے۔ لہذا آیت کے اس جملے اور رسول کے اس قول کے پورے معنی یہ ہوئے کہ:

”قریشی قوم نہ ایمان لائی ہے اور نہ مستقبل میں ایمان لائے گی“

قارئین اب آئندہ یہ سمجھتے ہوئے آگے بڑھیں کہ قرآن کریم کا قرآنی فیصلہ یہ ہے کہ:

”قرآن میں جہاں کہیں عہد رسول کے لوگوں کی مذمت ملے وہ کسی نہ کسی طرح قریشیوں ہی کی مذمت ہوتی ہے۔ خواہ مذمت یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کہہ کر کی گئی ہو۔ یا یَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ فرمایا گیا ہو یا یَا أَيُّهَا الْمُنْفِقُونَ کہہ کر مذمت کی گئی ہو یا بلا (ٹائٹل-Title) لقب کے مذمت ہو یا مذمت انفرادی ہو یا مذمت اجتماعی ہو بہر حال وہ مذمت رسول کی قوم کہلانے والے قریش کی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ:

(1) حقائقِ اسلامی کو چھپانے والے یعنی کافر قریش ہی تھے۔

(2) قریش ہی نے آنحضرت اور حقیقی مومنین کے تعاقب اور جاسوسی کے لئے منافق گروہ تیار کیا اور انہیں استعمال کیا اور اُن کے

ذریعہ سے اپنے تیار کردہ قریشی مسلمانوں تک اپنا پروگرام اور پالیسیاں مکہ اور مدینہ میں مسلسل پہنچائیں۔

(3) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کہہ کر جن مومنین کی خدمت کی گئی ہے وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے قریش کے سابقہ قدیم مذہب کو برقرار رکھنے

کے لئے اسلام اختیار کیا اور ہر کلیدی مسئلہ کی تشریح قریش کے مذکورہ مذہب اور عقائد کے مطابق کر کے مسلمانوں میں پھیلائی اور قرآن کے الفاظ و آیات کے معنی بدل کر اپنی تیار کردہ تشریحات پر چسپاں کیں۔ یعنی قرآن کو مجبور کیا اور جھٹلایا۔ (6/66, 25/30)

(4) ضعیف الایمان لوگ وہ تھے جو ابھی قریشی تبلیغ سے تازہ تازہ متاثر ہونا شروع ہوئے تھے یعنی نہ پوری طرح قریشی مذہب پر مستحکم

ہوئے تھے نہ پوری طرح اللہ کے دین پر قائم رہے تھے۔ یعنی قریشی راہنماؤں کے ڈانواؤں کے ہونے مومنین۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:

مُذَبِّبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَى هَؤُلَاءِ... الخ (ساء 143-142/4)

ان دونوں آیات کو قرآن میں دیکھیں۔ جتنا حصہ ہم نے یہاں لکھا ہے وہ ان دونوں آیات کا نتیجہ اور نتیجہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منافقین

مسلمانوں میں اپنی تبلیغ کے دوران اللہ کو دھوکے میں رکھنے کی کوششیں کر رہے ہیں اور اللہ انہیں دھوکا دے رہا ہے۔ اور یہ کام اس طرح ہو رہا ہے۔

کہ منافق اپنے حلقہ احباب میں لوگوں کو نماز میں سستی پر عملی لکچر دیتے ہیں۔ اور اللہ کے تذکرے میں کمی کر کے دکھاتے ہیں اور ایسے لوگ تیار کر رہے

ہیں جو نماز ذکر خداوندی میں نہ تو حقیقی مومنین کی طرح رہے اور نہ ابھی قریشی عقائد پر راسخ ہوتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان ایک ڈھیلی قسم کے

لوگ ہیں جو سوچ بچار اور تذبذب کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کی خدمت بھی قریشی مسلمانوں کی خدمت ہے۔ لہذا قارئین طے کر لیں کہ

عہد رسول کے لوگوں کی خدمت کہیں بھی ہو وہ قریش کی خدمت ہوتی ہے۔

چوتھی نظر۔ قارئین بھول نہ جائیں کہ ہم سورہ انفال کی آیات (49-8/45) اور عنوان (5) پر بار بار نظر ڈال رہے ہیں۔ اور ابھی آیت

(8/45) تک ہی پہنچے تھے کہ مودودی کا اندھا اصول سامنے رکھنا پڑ گیا اور خدمت کو قریش کے حق میں مستقل کرنے کے لئے علامہ پرویز کی تائید

سامنے لانا پڑی اور قرآن کا فیصلہ دکھایا گیا ہے کہ ”قرآن میں ہر مذمت قریشی مسلمانوں کی یا قریشی قسم کے مسلمانوں ہی کی ہوتی ہے۔ لہذا اب اگلی

آیت (8/46) پر اور مودودی کے ترجمہ پر نظر ڈالنا ہے۔ آیت یہ ہے کہ:

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (8/46)

مودودی ترجمہ: ”اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی۔

اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 148)

اس آیت کا پہلا جملہ یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ یہاں وہ مومنین مخاطب ہیں جو اللہ اور رسول کی اطاعت مستقلاً اور ہر حال میں نہیں

کرتے۔ ورنہ سو فی صد اطاعت کرنے والوں پر اطاعت کی تاکید عبث کام ہے۔ اور اس آیت کا آخری جملہ عام اور مسلمہ ہے۔ نظر ڈالنا ہے درمیانی

جملہ پر اس میں بھی آخری بات بتاتی ہے کہ مخاطب مومنین صبر بھی ہر حال میں نہیں کرتے تھے۔ ورنہ تاکید کی حکم فضول ہو جائے گا۔ اس کاٹ چھانٹ

کے بعد اس آیت (8/46) میں جو کچھ رہ گیا ہے اسی میں مودودی نے بددیانتی کی ہے اور یہی قریشی صحابہ کی خدمت اور پالیسی کا بیان ہے اور وہ یہ

ہے کہ: وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (8/46)

مودودی: ”آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی“۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 148)

اس ترجمہ سے مودودی نے اپنے قاریوں پر یہ تاثر ڈالا ہے کہ:

”اللہ تمام مومنین کو آپس میں جھگڑا کرنے سے روک رکھنا چاہتا ہے۔ 2۔ اور تمام مومنوں کو یہ بتاتا ہے کہ اگر تم نے جھگڑا کیا تو تم سب مومنین کمزور ہو جاؤ گے اور تمام مومنین کی ہوا اکھڑ جائے گی۔“

مودودی کے اس غلط ترجمہ کے باوجود یہ سوال تو سامنے سے نہ ہٹا کہ وہ سارے مخاطب مومنین کس بات پر اور کیوں جھگڑا کرتے؟ اور ایسی کیا بات تھی جس پر جھگڑنے سے یہ سارے مومنین کمزور ہو جاتے؟ اور نتیجہ میں تمام کی ہوا اکھڑ جاتی؟ اور چونکہ بات اُس حالت کی ہو رہی ہے جب کہ اُن تمام مومنین کے سامنے محاذ جنگ پر دشمن کی فوج سے آمناسا منا ہوا اِذَ الْاَقِيْتُمْ فِعْنَةً ”جب تمہیں دشمن گروہ سے ملاقات پیش آئے“ لہذا یہاں کمزوری دشمن کے مقابلہ میں متوقع ہے اور دشمن کی نظر میں سارے مومنین کی ہوا اکھڑنے کی بات ہے۔ لہذا وہ بات جس پر جھگڑا کرنے سے منع فرمایا گیا مسلمانوں کی شکست و ہزیمت کی بات تھی یعنی جھگڑا دشمنوں کے لئے مفید اور مسلمانوں کے لئے مضر ہونا تھا۔ اور وہ بات یا کام جس سے میدان جنگ میں شکست ہو جائے اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ:

- (1) مومنین کا بڑا حصہ دشمنوں کی طرفداری میں جنگ سے دست کش ہو کر بیٹھ رہے اور دشمن، مومنین کی قلت کا قتل عام کر دیں۔ یا۔
 - (2) عین جنگ کے دوران ایک بڑا گروہ میدان جنگ سے فرار کر جائے اور باقی ماندہ مومنین قتل ہو جائیں۔ یا میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوں اور یوں مسلمانوں کی فوج کی قوت کمزور ہو کر دشمن کی نگاہ میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جائے۔ یعنی رعب ختم ہو جائے اور ہوا اکھڑ جائے یعنی دشمن کو یقین ہو جائے کہ مسلمانوں میں دو گروہ ہیں جن میں سے ایک اُن کا طرفدار ہے اور برسرِ تنازع رہتا ہے۔
- قارئین سوچیں کہ مودودی نے غلط ترجمانی کر کے مندرجہ بالا سوالات پیدا ہونے سے روکنے کا کوئی بیان نہ دیا۔ بہر حال انہوں نے سارے مومنین کو بڑے خطرناک کردار کا ملزم بنا دیا اور یوں اُن خبیث قریشی مومنین کو چھپا دیا جو اصل میں مخاطب تھے۔ اب ہمیں مودودی کو اور اُن کی، اللہ و رسول سے زیادہ پیاری، قوم کو خود مودودی کے ہاتھوں گرفتار کرنا اور حقیقت حال کو آپ کے سامنے لانا ہے۔ اور یہ کام کرنے کے لئے چند اقدامات کرنا پڑیں گے اس لئے کہ نہ مودودی کو رنگے ہاتھوں (Red Handed) پکڑنا آسان ہے، نہ قریش کو۔ یہ دونوں ابلیس کی پناہ میں رہتے ہیں اور مکر کے سیکڑوں پردے لٹکائے رکھتے ہیں۔ لہذا زیر بحث آیات (45 تا 49/8) ہی کے سلسلے میں صرف دو آیات پہلے سے یعنی آیات (8/43-44) پڑھیں اور مودودی کا وہ ترجمہ دیکھیں جو قریشی علما کی قلبی حالت اور مودودی کی غلط ترجمانی سامنے لے آتا ہے۔
- پہلا قدم قریشی مومنین کی قلبی حالت اور مودودی کی بددیانت ترجمانی۔

اِذْ يُرِيكُهُمُ اللّٰهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۗ وَلَوْ اَرَاكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِيْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ يُرِيكُمُوْهُمْ اِذْ التَّفَيْتُمْ فِيْ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ وَالِى اللّٰهُ تَرْجِعُ الْاُمُوْرَ ۝ (8/43-44)

مودودی ترجمہ: ”اور یاد کرو وہ وقت جب کہ اے نبیؐ، خدا اُن کو تمہارے خواب میں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اور اگر کہیں وہ تمہیں اُن کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم لوگ ہمت ہار جاتے (لَفَشِيْتُمْ) اور لڑائی کے معاملہ میں جھگڑا شروع کر دیتے لیکن اللہ ہی نے تمہیں اس سے بچایا، یقیناً وہ سینوں کا حال تک جانتا ہے۔ اور یاد کرو جب کہ مقابلے کے وقت خدا نے تم لوگوں کی نگاہوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور اُن

کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے پیش کیا، تاکہ جو بات ہونی تھی اُسے اللہ ظہور میں لے آئے، اور آخر کار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 147-148)

اس ترجمہ اور آیات میں سب سے پہلے یہ نوٹ کر لیں کہ جو مومنین مخاطب ہیں اُن کے دلوں میں وہ جذبات و تصورات پوشیدہ تھے جن سے جنگ میں شکست ہوا کرتی ہے۔ اس لئے اللہ نے اُن مومنین کو دھوکا دے کر جنگ میں مصروف رکھنے اور میدان جنگ سے فرار کرنے سے روکنے کے لئے دشمنوں کی تعداد کو بہت کم کر کے دکھایا یعنی اُن کی نظروں کو فریب میں ڈال دیا۔ اگر اللہ ایسا نہ کرتا تو وہ مخاطب مومنین ہمت ہار دیتے یعنی جنگ نہ کرتے۔ یعنی تمام مومنین کی فوجی قوت کمزور ہو جاتی اور جو ہمت نہ ہارتے وہ تھوڑے ہونے کی بنا پر شکست کھا جاتے۔ اور واقعی ہوا اُکھڑ جاتی۔ لہذا اللہ نے اُن خبیث مومنین کو فریب دے کر ہمت ہارنے کے بہانے سے باز رکھا۔ اور دوسرا رخ یہ بتایا کہ پوری تعداد دیکھ کر وہ لڑائی کے معاملہ میں باقی مسلمانوں سے جھگڑا شروع کر دیتے۔ یعنی ہمت نہ ہارنے والے مومنین کو بھی جہاد سے روکتے اور جنگ آپس ہی میں ہو جاتی۔ یوں حقیقی مومنین اور اسلام کو شکست ہو جاتی۔ اور اسلام کا آئندہ کاروبار و قیادت اُس مومن گروہ کے ہاتھ میں آ جاتی جو اسلام کی شکست چاہتا اور رسولؐ کا دشمن تھا اور وہ مومنین جو رسولؐ کے دشمن تھے قرآن (25/31) کی رو سے رسولؐ کی قوم قریش کے لوگ تھے۔ علامہ کے اس ترجمہ سے معلوم ہو گیا کہ انہوں نے آیت (8/46) کا ترجمہ غلط کیا تھا جسے یوں ہونا چاہئے تھا کہ: وَلَا تَنَازَعُوا فَيَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ .

نیا مودودی ترجمہ۔ ”اور لڑائی کے معاملے میں جھگڑا نہ کرنا اور نہ تم ہمت ہار بیٹھو گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔“

یعنی گودو آیات پہلے اللہ نے دشمنوں کی تعداد کم دکھا کر اُن خبیث مومنین کے لڑائی کے سلسلے میں جھگڑا کرنے اور ہمت نہ ہارنے کا انتظام کر دیا مگر پھر بھی اُن کو تاکید کرنا پڑی کہ اب کوئی بہانہ بنا کر جھگڑا نہ کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کے دلوں میں بہر حال لڑائی کو ہرانے کی اسکیم موجود تھی۔ اور انہیں مادی طور پر آزما یا جا چکا تھا اور وہ تنازعہ کرنے اور مسلمانوں کو ہرانے اور دشمنوں کو فتح دلانے کی کوششیں کرنے کا عزم صمیم دلوں میں رکھتے تھے۔ دیکھئے اگلا عنوان:

دوسرا قدم۔ تنازع کرنے اور جنگ ہرانے والے قریشی مسلمان تھے وہ جنگی قیادت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے تھے خواہ رسولؐ کو قتل کرا کے ہی قیادت مل سکے؟

یہاں ہم قارئین سے اپیل کریں گے کہ وہ مودودی کی تفہیم القرآن جلد اول کے صفحات (294 تا 296) پر سورہ آل عمران کی آیات (154 تا 152/3) کا ترجمہ پڑھیں اور دیکھیں کہ وہاں مودودی نے لفظ ”الْأَمْر“ کا ترجمہ ”قیادت کے اختیارات“ بھی کیا ہے اور اسی لفظ ”الْأَمْر“ کا ترجمہ ”کام“ بھی کیا ہے۔ اور ابھی ابھی گزرے ہوئے ترجمہ میں لفظ ”فِي الْأَمْرِ“ کا ترجمہ ”لڑائی کے معاملے میں“ کیا ہے (8/43) (صفحہ 147 جلد 2) لہذا ”الْأَمْر“ کے ان تراجم کو مد نظر رکھ کر ہم مذکورہ بالا آیات کا مودودی ترجمہ پیش کرتے ہیں تاکہ زیر بحث آیت (8/46) کا مدعا اور اُن خبیث مومنین کا مشن اور منصوبہ واضح ہو جائے۔ سنئے:

(1) قریشی مومنین محض دیناداری اور لوٹ مار کے لئے جہاد میں شرکت کرتے تھے، رسولؐ کی حکومت و قیادت پر قبضہ چاہتے تھے۔ رسولؐ کے قتل کے خواہاں تھے۔ مودودی کا منتخب اور مختار ترجمہ۔

”اللہ نے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اُس نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اُس کے حکم سے تم ہی اُن کو قتل کر رہے تھے۔ مگر جب

صاف ظاہر ہے کہ لفظ ”اختلاف“ خود عربی زبان کا لفظ ہے اور قرآن میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے (بقرہ 2/164، عمران 3/190، نساء 4/82 وغیرہ) اور لفظ ”رائے“ عربی لفظ ہے۔ اور عربی کے کسی ایک لفظ کے معنی ایسے ہرگز نہیں ہو سکتے جو عربی کے دو مختلف مصدروں سے بنتے یا نکلتے ہوں۔ لہذا معلوم ہونا چاہئے کہ لفظ ”فَنَازَعُوْا“ کا مادہ ن۔ز۔ع۔ ہے اور اس سے مصدر ”نَزَعَ“ بنتا ہے اور اُس کے بنیادی معنی جو اس سے بننے والے ہر لفظ میں موجود ہوتے ہیں۔ وہ ہیں ”نکلنا اور نکالنا“ (دیکھو قرآن اعراف۔ 7/108، شعر 26/33، قصص 28/75 وغیرہ) اور تمام ہی قارئین ”نزع“ کے وقت و حالت کو جانتے ہیں:۔ وقت نزع آ کے بالیں پر مری اور بھی اُلجھن میں اُلجھن ڈال دی۔ یعنی جسم سے رُوح کے نکالنے یا نکلنے کا وقت۔

لہذا یہ وہ مومنین تھے جو بات بات میں حقیقی مومنین سے باہر نکل جانے اور اپنا الگ مرکز بنانے کے بہانے ڈھونڈتے رہتے تھے۔ اُن سے کہا گیا کہ تم نہ تو ہمت ہارنا اور نہ فوج سے نکلنا۔“

معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو ان آیات (انفال 8/43-49) میں مذکور ہیں رسول کی قوم کے تمام لوگ ہیں۔ جو طاعوتی مرکز کے ماتحت رہ کر اسلام پر عمل کرتے تھے (نساء 4/60) اور فرقان (31-30/25)

یا نجویں نظر۔ شیطان کا قریش سے کھلا ڈوبدور رابطہ، اُس کا قریشی مرکز کو ہدایات دینا اور شکست سے پہلے مطلع کر دینا اور اللہ سے ڈرنا۔

اب سورہ انفال کی آیات (8/43-49) میں سے آیت (8/48) پر نظر ڈالیں اور مودودی کا ترجمہ پھر سامنے لائیں وہ مانتے ہیں اور کوئی چار سو بیس نہیں کرتے۔ قارئین غور سے پڑھیں اور سوچیں۔

مودودی ترجمہ: ”ذرا خیال کرو اُس وقت کا جب کہ شیطان نے اُن لوگوں کے کروتوت اُن کی نگاہوں میں خوش نما بنا کر دکھائے تھے اور اُن سے کہا تھا کہ ”آج کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں“ مگر جب دونوں گروہوں (الْفِئْتَيْنِ) کا آمنا سامنا ہوا تو وہ اُلٹے پاؤں پھر گیا۔ اور کہنے لگا کہ ”اِنْسِيْ بَسْرِيْءٍ مِّنْكُمْ“ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے، مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے“

سب سے پہلی بات جو قابلِ تعجب ہے یہ ہے کہ مودودی نے اس آیت پر کوئی تشریحی نوٹ نہیں لکھا۔ یعنی یہ بھی نہ کہا کہ شیطان کا مذکورہ بالا عمل درآمد خیالی یا نظری ہے اور سچ مچ شیطان قریش کے ساتھ مادی و محسوس رابطہ نہ رکھتا تھا۔ بلکہ اُن کے دلوں میں خیالات کا القاء کرتا تھا جسے اللہ نے ان الفاظ میں بیان فرما دیا ہے۔ اُن کا خاموش گزر جانا ایک ذہن والی رضامندی سے تو کم نہیں ہو سکتا۔ بہر حال قارئین اللہ کی بات پر یقین کر کے من و عن مان لیں کہ قریش شیطان کی ایسی پسندیدہ قوم تھی کہ اُس نے قریش کے پڑوس (جَسَارٍ) میں اور اُن کے ساتھ ساتھ رہنا طے کر رکھا تھا۔ یعنی وہ قریشی مرکز یا طاعوت کا سب سے بڑا راہنما تھا۔ انہیں اپنی زیارت اور ہدایات سے سرفراز کرتا تھا۔ اور قبل از وقت انہیں حالات اور اُفتاد پر مطلع کرتا تھا۔ اور جب وہ خود بھی اللہ سے ڈرتا تھا تو ظاہر ہے کہ اُس کے پیرو بھی اللہ سے ڈرتے تھے۔ اور وہ بھی اللہ کے خلاف سرکشی نہ کرتے تھے محض انبیاء کو اپنے ایسا بٹرسخنے کی بنا پر اُن کی سو فیصد اطاعت نہ کرتے تھے۔ قارئین نوٹ کریں کہ شیطان کا دنیا کی کسی قوم سے ایسا رابطہ و ضبط و رابطہ نہ تھا جیسا کہ قریش سے تھا۔ یہی سبب ہے کہ اکثر مقامات پر قرآن میں قریشی مرکز یعنی عمر کو شیطان ہی کہا گیا ہے (فرقان 25/29)

چھٹی یا آخری نظر۔ قریشی مومنین کا منافقوں سے تعلق اور ان کی زیر تربیت رہنے والے عام مومنین کا حال اور حقیقی مومنین کا فرق۔
آخر میں آخری آیت (8/49) پر نظر ڈالیں یہاں آپ کو تین قسم کے مومنین ایک ہی جگہ ملتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ:

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ غَرَّ هَؤُلَاءِ دِينُهُمْ (8/49)

مودودی ترجمہ۔ ”جب کہ منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں کو روگ لگا ہوا ہے، کہہ رہے تھے کہ ”ان لوگوں کو تو ان کے دین نے خطب میں بتلا کر رکھا ہے“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 150)

یہاں صاف الفاظ میں تین قسم کے لوگ موجود ہیں۔ 1۔ منافقین اور۔ 2۔ دلوں میں کوئی مرض رکھنے والے اور۔ 3۔ حقیقی مومنین۔ منافقین اور دلوں کے مریض ہم خیال و ہم مسلک لوگ ہیں۔ مگر حقیقی مومنین ان سے مختلف و متضاد لوگ ہیں کہ اول الذکر دونوں قسم کے لوگ انہیں دین کا خطی قرار دیتے ہیں۔ یا دین کے دھوکے میں مبتلا سمجھتے ہیں۔ یعنی ان دونوں پر دین کی حقیقت واضح ہے مگر حقیقی مومنین دین کے فریب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ مودودی کی تشریح سن لیں پھر ہم باقی باتیں کریں گے۔

(1) مودودی کی تشریح دل کے مریضوں کی خاموش طرفداری۔

”۳۹ یعنی مدینہ کے منافقین اور وہ سب لوگ جو دنیا پرستی اور خدا سے غفلت کے مرض میں گرفتار تھے، یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر بے سرو سامان جماعت قریش جیسی زبردست طاقت سے ٹکرانے کے لئے جا رہی ہے، آپس میں کہتے تھے کہ یہ لوگ اپنے دینی جوش میں دیوانے ہو گئے ہیں، اس معرکے میں ان کی تباہی یقینی ہے، مگر اس نبی نے کچھ ایسا افسوں ان پر پھونک رکھا ہے کہ ان کی عقل خطب ہو گئی ہے۔ اور آنکھوں دیکھے یہ موت کے منہ میں چلے جا رہے ہیں“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 150)

اُس ترجمہ اور اس تشریح کو سامنے رکھ کر اس سورہ انفال کی ابتدائی آیات (8 تا 8/5) پڑھ کر مومنین کے ایک فرقے کا حال ملاحظہ کر لیں۔

مومنین کا ایک خاص فرقہ جو اس جنگ بدر کے لئے نکلے پر تھا ہوا اور رسولؐ سے جھگڑا کیا، اس کے احساسات؟

مودودی صاحب ترجمہ کرتے ہیں کہ۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَرِهُونَ ۖ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَافِرُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۖ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۗ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلِيَؤَكِّرَ الْمُجْرِمُونَ ۝

”(اس مال غنیمت کے معاملے میں بھی ویسی ہی صورت پیش آرہی ہے جیسی اُس وقت پیش آئی تھی جب کہ) تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ (فریق۔ احسن) کو یہ سخت ناگوار تھا۔ وہ اُس حق کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے درآں حالے کہ وہ صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ اُن کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔ یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں ملے۔ مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہے خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو“ (انفال 8-8/5 تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 130 تا 132)

مودودی کی تشریح رسول سے جھگڑنے والے فرقہ کی حالت؟

ان آیات (8/5-8) پر تشریح سے بھی فارغ ہو لیں تاکہ نتائج اخذ کرنے میں سہولت اور وسعت حاصل ہو جائے۔ سنئے۔
 ”یعنی جس طرح اُس وقت یہ لوگ خطرے کا سامنا کرنے سے گھبرارے تھے۔ حالانکہ حق کا مطالبہ اُس وقت بھی یہی تھا کہ خطرے کے منہ میں چلے جائیں، اُسی طرح آج انہیں مالِ غنیمت ہاتھ سے چھوڑنا ناگوار ہو رہا ہے، حالانکہ حق کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اُسے چھوڑیں اور حکم کا انتظار کریں“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 131)
 حقیقی مومنین اور قریشی مومنین کو مع شناخت الگ الگ کر لیں۔

قارئین نوٹ کر لیں کہ حقیقی مومنین اطاعتِ خدا و رسول میں اور اسلام کے فروغ کے لئے اس حد تک سرفروشانہ اقدامات کرتے تھے کہ قریشی مومنین اور قریشی قسم کے مومنین انہیں جھٹی اور دیوانہ اور ناعاقبت اندیش کہتے تھے۔ یہ حقیقت قرآن سے اور قریشی لیڈروں کے اور قریشی علما کے بیانات سے ثابت ہو جانے کے بعد یہ طے کر لینا سونو فیصد صحیح اور عدل و انصاف اور عقلی تقاضوں کے مطابق ہے کہ قرآن میں کہیں بھی نہ حقیقی مومنین کی مذمت ہوئی ہے نہ ہونا چاہئے تھی۔ لہذا مذمت صرف قریشی مومنین کی اور قریش کے تیار کئے ہوئے مومنین کی اور قریش کے زیر تربیت مومنین کی ہوتی رہی ہے۔ اور ہونا چاہئے تھی۔ چنانچہ زیر قلم (8/49، 8/5-8) اور اُن کی مودودی تشریحات سے بار بار معلوم ہوا کہ قریشی لیڈر اور مومنین رسول اللہ سے بے تکلفانہ بحث و مباحثہ اور جھگڑا کرتے رہتے تھے۔ اور علامہ شبلی کا بیان، الفاروق حصہ اول صفحہ 103) ثابت کرتا ہے کہ قریش کا جو لیڈر آنحضرت کو تنگ پکڑا کرتا تھا اور بحث و مباحثہ میں سب سے جری تھا وہ عمر تھا۔ لہذا اُن آیات و بیانات میں عمر کا تعین ہو گیا اور مان لیا گیا کہ یہ شخص اور اُس کی لیڈر پارٹی حق کے قطعاً واضح ہو جانے کے باوجود اپنا قومی نظریہ منوانے کے لئے ہر جھگڑا جاری رکھتی تھی۔ اپنی جان و مال کو احکاماتِ خدا و رسول سے عزیزتر سمجھتی تھی۔ اللہ کے وعدوں کی تاویل کر کے انہیں ناقابلِ اعتماد بنا لیتی تھی۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا تھا کہ وہ خود ایک مستقل فرقہ یا فریق تھی۔ جس کا حقیقی مومنین سے کوئی عقیدہ مشترک نہ تھا۔ اور اُن سب کا مجرم ہونا اور رسول کے خلاف رہنا بھی ثابت ہو گیا۔ (8/8) اور (25/31) اُن سب کا دنیا پرست ہونا اور مال و دولت کے لئے ہر مکیدہ حرکت اور نافرمانی کر گزرنانا بھی ثابت ہو گیا ہے۔

(5) قریش کے مسلمان لیڈروں کی شناخت وہ خفیہ منصوبہ ہے جس میں اسلام کے نام پر قومی حکومت بنانا اور اسی لئے اسلام لانا طے کیا گیا تھا۔

قرآن میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کو اُن کے سینوں میں یا قلوب میں کسی چیز کو چھپانے کا طعنہ دیا گیا ہے وہاں ہر جگہ قریش کا قومی منصوبہ ملحوظ ہوتا ہے۔ چونکہ قریشی صحابہ یا لیڈر اپنے اس منصوبے کو کبھی کھل کر ظاہر نہ کرتے تھے۔ اور اسلام کے ماتحت جو کچھ کہتے یا کرتے تھے اپنی ہر بات اور ہر عمل میں اُسے ملحوظ رکھتے تھے۔ اس لئے اللہ و رسول بھی اُن کو مخاطب کرتے ہوئے ہمیشہ اُن کو یہ محسوس کراتے رہتے تھے کہ ہم تمہارے قلبی حالات پر مطلع ہیں تم ہمیں فریب نہیں دے سکتے ہو۔ دونوں طرف سے یہ انداز گفتگو اور عمل درآمد قرآن میں بار بار سامنے آتا ہے۔ اور ہم نے بھی اُس منصوبے کو بلا اکتائے بار بار اور طرح طرح اپنی تصنیفات میں واضح کیا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم فریقین (اللہ و رسول اور قریشی لیڈروں) کے اس طرز گفتگو کو قرآن سے دکھائیں پہلے قریشی تاریخ سے اُس منصوبے کو اور منصوبہ ساز کو مختصر آسان لے آئیں۔

اول۔ رسول کی قائم کردہ حکومت کو خاندانِ رسول سے نکالنا اور قریشی لیڈروں پر مشتمل حکومت بنانا۔

اس سلسلے میں پوری تفصیلات آپ علامہ شبلی کی کتاب الفاروق حصہ اول صفحہ 103 پر اور تاریخ طبری جلد دوم اور حصہ سوم صفحہ 279 تا 283 پر

ملاحظہ فرمائیں۔ ہم الفاروق سے صرف وہ بیان لکھ دیتے ہیں جو خلیفہ دوم عمر بن الخطاب نے عبداللہ بن عباس کے سامنے دیا تھا۔ تاکہ آئندہ بات یا اشارہ سمجھنے میں وقت نہ ہو۔ علامہ شبلی نقل کرتے ہیں کہ:

قریش کا وہ منصوبہ جسے پروان چڑھانے کے لئے اسلام اختیار کیا تھا۔

عبداللہ بن عباس: ”میں نہیں جانتا“۔

حضرت عمر: ”لیکن میں جانتا ہوں، تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہ کرتی تھی“۔

عبداللہ بن عباس: ”کیوں؟“۔

حضرت عمر: ”وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ تم کو خلافت دیتا بھی تو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ مفید نہ ہوتا“۔ (الفاروق حصہ اول صفحہ 103)

قریشی منصوبہ عمر کے اعلان تک برابر دلوں میں پوشیدہ راز رہا۔

اس مکالمہ کو نقل کرنے سے پہلے علامہ شبلی نے بات یوں شروع کی ہے کہ:

”حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔

علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں۔ ان کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے

ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سر بستہ معلوم ہوگا۔“ (ایضاً صفحہ 103)

یہ ہے وہ منصوبہ اور بنیاد جس کی وجہ سے قریش نے اسلام اختیار کیا۔ اس لئے کہ اسلام اختیار کئے بغیر نہ وہ قرآنی تعلیمات کا رُخ اپنی طرف موڑ سکتے تھے نہ اپنی قوم اور دیگر مسلمانوں میں اعتماد حاصل کر سکتے تھے۔ اور نہ جمہوری یا قومی حکومت اور شخصی و نسلی حکومتوں کے فوائد اور نقصانات کو مسلمانوں کے سامنے رکھ کر مناسکتے تھے۔ یعنی اسلام کے نام پر جو کچھ بھی انہوں نے کیا وہ صرف اور صرف حکومت مرتضوی کو قومی حکومت میں تبدیل کرنے کے لئے کیا تھا ورنہ وہ ایک منٹ کے لئے بھی حقیقی مسلمان نہ ہوئے تھے۔

دوم۔ اللہ نے اس منصوبے کی طرف کہاں کہاں اور کس طرح توجہ دلائی؟

اب ہم قرآن کریم سے بطور مثال چند وہ مقامات دکھاتے ہیں جہاں اللہ نے قریشی صحابہ کو ان کے قلب میں پوشیدہ اس منصوبے پر اشارہ یا طنز کیا ہے۔ اختصار کی غرض سے ہم ممکن ہے کہ پوری آیت یا آیات نہ لکھیں لیکن آپ حوالہ کے مطابق قرآن میں وہ آیت یا آیات ضرور دیکھیں اور پورے مضمون سے واقفیت حاصل کریں۔ اور بات وہاں سے شروع کریں جہاں خود مودودی نے اس منصوبے کو تسلیم کیا ہے۔

(1) حکمرانی اور قیادت کا منصوبہ دل میں پوشیدہ ہے۔

چنانچہ اللہ نے فرمایا تھا کہ:

يُخْفُونَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَا قَاتَلْنَا هٰهُنَا (آل عمران 3/154)

مودودی ترجمہ: ”در اصل یہ (مومنین۔ احسن) لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ ان کا اصل مطلب یہ

ہے کہ: ”اگر قیادت کے اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے“۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 296)

یہاں یہ نوٹ کر کے آگے بڑھیں کہ قریشی منصوبہ، بقول مودودی بھی، قیادت اسلامی پر قبضہ حاصل کرنے کا تھا۔ اور یہ کہ یہ منصوبہ قریشی لیڈروں یا قریشی صحابہ کے علاوہ سب سے مخفی، پوشیدہ اور راز میں رکھنا ضروری تھا۔ مگر اللہ ورسول اور رسول کے بعد کائنات میں حضرت علی علیہم السلام اس منصوبہ سے واقف تھے۔

(2) اللہ نے اس منصوبے کے ماتحت قریش کو آزمائش میں ڈالا اور ان کے قلب سے باہر نکال کر ظاہر کیا۔

اور قریش کو اس منصوبہ پر آزمانے اور اس راز کو کھول دینے کے لئے یہ فرما دیا تھا کہ:

وَلَيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (آل عمران 3/154)

مودودی کا طرفدارانہ ترجمہ قریش کی صفائی۔

”اور یہ معاملہ جو پیش آیا، یہ اس لئے تھا کہ (یہ قرآن میں نہیں بلکہ مودودی کا اضافہ ہے۔ احسن) جو کچھ (جو کچھ نہیں بلکہ قیادت کا منصوبہ۔ احسن) تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ اسے آزمائے اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اُسے چھانٹ دے، اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے“۔ (ایضاً صفحہ 296-297)

مودودی نے جانبداری کر کے اُن کا صحابہ رسول ہونا ثابت کر دیا۔

اس ترجمہ پر مودودی نے کوئی تشریحی نوٹ یا حاشیہ نہیں لکھا۔ مگر پہلا جملہ اپنی طرف سے بڑھا کر اور ترجمہ میں لفظ کھوٹ بڑھا کر پھر اُس کا ترجمہ ”کھوٹ چھانٹنا“ کر کے زیر بحث مومنین کا جرم ہلکا اور اتنا قیہ بنا کر آخر کار انہیں پاک دل مومن بنا دیا۔ اور یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ترجمہ میں علامہ بددیانتی اُسی وقت کرتے ہیں۔ جب قریشی صحابہ خطرے میں ہوں لہذا ثابت ہو گیا کہ یہاں قریشی صحابہ کے دلوں میں قیادت و حکمرانی کا منصوبہ تھا۔ جس کے ماتحت انہوں نے فرار کیا اور رسول کو دشمنوں کے زرعہ میں قتل ہو جانے کے لئے چھوڑ گئے تاکہ بعد میں مسلمانوں کی قیادت سنبھال لیں (3/153)۔

اب ہم جلدی جلدی قدم بڑھا کر چلیں گے اور تشریح و توضیح خود قارئین اور آیات اور مودودی کے ترجمہ پر چھوڑتے جائیں گے حتیٰ کہ کہیں رکننا اشد ضروری نہ ہو جائے۔ اسی سورہ (آل عمران) میں پہلے فرمایا تھا کہ:

(3) قریش کا بغض و عناد چہروں سے ظاہر اور دلوں میں بڑا خطرناک منصوبہ پوشیدہ۔

وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ

تَعْقِلُونَ... (آل عمران 3/118-119)

مودودی سے پورا ترجمہ سنئے:

”تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے۔ اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو تو (ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو گے)۔ تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو مانتے ہو (آیت میں کتب نہیں بلکہ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ آيَا ہے۔ احسن) جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمہارے رسول اور تمہاری کتاب

کو) مان لیا ہے، مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف اُن کے غیظ و غضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں“
(ترجمہ 3/119 کا ہے) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 282-283)

(4) ان لوگوں کا بھی قریشی صحابہ اور قریشی مومنین ہونا ثابت ہو گیا۔

چونکہ علامہ نے یہاں آیت میں نازل شدہ لفظ ”کتاب“ کو ”آسمانی کتابیں“ بنا کر بددیانتی کی ہے۔ لہذا یقیناً یہ تمام لوگ قریشی صحابہ اور مومنین تھے۔ ورنہ ترجمہ میں بددیانتی کی مودودی کو ضرورت نہ پڑتی۔ اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ:
”تم ساری کتاب یعنی پورے قرآن پر ایمان رکھتے ہو“ (وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ) یعنی یہ زیر بحث لوگ پورے قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ صرف آمنا کہتے تھے۔ مگر مودودی نے یہاں بھی اپنی طرف سے ”تمہارے رسول اور تمہاری کتاب“ خود ہی بڑھا دیا ہے۔ اور غلط ترجمانی کر کے اُن ملائین کے قریش ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہنے دیا ہے۔

(5) حقیقی وازلی مومنین، علی اور گیارہ ائمہ کو اپنے اولیا یعنی حکمران نہ بنانے کا منصوبہ دل میں تھا۔

پہلے یہ نوٹ کر لیں کہ محمد اور علی اور گیارہ ائمہ خود مجسمہ ایمان تھے۔ اور جب مادی ظہور فرمایا تو اُن کے دلوں میں اللہ نے مکمل ایمان بھر دیا تھا اور اُن کی خدمت کے لئے اپنی ایک خاص روح ساتھ کر دی تھی (سورہ مجادلہ 58/22) اس سورہ کا نام ہی ”جھگڑا کرنے والی جماعت“ ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد بھی قریشی صحابہ نے جو کچھ طے کر رکھا تھا وہ مودودی کے ترجمہ میں پڑھے:

”مومنین اہل ایمان (المومنین۔ احسن) کو چھوڑ کر کافروں (حقائق قرآن چھپانے والوں۔ احسن) کو اپنا رفیق اور دوست (اولیا حکمران۔ احسن) ہرگز نہ بنائیں۔ جو ایسا کرے گا اُس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں یہ معاف ہے کہ تم اُن کے ظلم سے بچنے کے لئے بظاہر ایسا طرز عمل اختیار کر جاؤ۔ مگر (پھر بھی۔ احسن) اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور تمہیں اللہ ہی کی طرف پلٹ کر آنا ہے اے نبی لوگوں کو خبردار کر دو کہ ”تمہارے دلوں میں جو کچھ (اولیا بنانے کا منصوبہ۔ احسن) ہے، اُسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ بہر حال اُسے جانتا ہے، (تمہارا منصوبہ ہی نہیں بلکہ۔ احسن) زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ اور اُس کا اقتدار ہر چیز پر حاوی ہے۔ وہ دن آنے والا ہے جب ہر نفس اپنے کئے کا پھل حاضر پائے گا۔“ (آل عمران 30-32/3)

(6) قریش محمد و علی اور اُن کے گیارہ جانشین اماموں کو اپنے اولیا یا حکمران بنانے کے بجائے اللہ و رسول کے دشمنوں کو اپنا اولیا بناتے اور اُن کا احترام کرتے رہے۔

حوالہ نمبر 5 میں آپ نے دیکھ بھی لیا ہے اور ہم نے عرض بھی کر دیا ہے کہ گو مودودی نے لفظ ”کفر“ کے ”اصلی معنی چھپانا“ مان لئے (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129) مگر وہ سارے قرآن میں اپنے تسلیم کردہ اصلی معنی استعمال نہ کر سکے اس لئے کہ اس طرح قریش کا زیر بحث ”سربستہ راز“ کھل جاتا۔ اور لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ قرآن نے قریش کو بھی کافر یعنی حق کو چھپانے والے ثابت کیا ہے۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اب ہم یہ بریکٹ بازی نہ کریں گے بلکہ مودودی کا ترجمہ لکھتے ہوئے اُن کے الفاظ کا صحیح ترجمہ لکھ دیں گے جن کا ترجمہ مودودی صاحب بدلنے کے عادی رہے ہیں۔ لہذا جب آپ ہمارے لکھے ہوئے ترجمہ کو مودودی کی تفہیم میں لکھے ہوئے ترجمہ سے مقابلہ کر کے کوئی لفظ اُن کے لفظ کے خلاف پائیں تو سمجھ لیں کہ ہم نے غلط معنی کو صحیح کر کے لکھا ہے۔ اور تحقیق کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا لکھا ہوا صحیح ترجمہ ہے۔ یہ واضح رہے کہ ہم ہر

طرح اور ہر جگہ یہ اصلاح نہ کریں گے ورنہ اُن کا سارا ترجمہ ہی بدل جائے گا۔ اس لئے کہ ماشاء اللہ وہ ترجمہ صحیح کرتے ہی نہیں تھے۔ بہر حال ہم اُن کی غلطیاں وہاں درست کریں گے جہاں غلطی برداشت کرنے سے اللہ کا منشا و مقصد تباہ ہوتا ہو۔ ورنہ ہم لفظ بلفظ اُن کا ترجمہ لکھتے اور برداشت کرتے چلیں گے۔

مودودی کا ترجمہ پڑھ کر عنوان نمبر 6 کی تصدیق کیجئے۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنے حکمران نہ بناؤ (اولیا) تم اُن کے ساتھ احترام (مودۃ) آمیز محبت کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے۔ وہ اُسے چھپا دینا (کفروا) چاہتے ہیں۔ اور اُن کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اس تصور پر جلا وطن کر دیتے ہیں کہ تم اپنے رب، اللہ پر ایمان لائے ہو۔ پھر بھی تم اُن سے پوشیدہ طور پر اظہار احترام و محبت کرتے ہو، (تُسِرُّونَ الْيَهُودَ بِالْمَوَدَّةِ) حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ تم اعلانیتہ کہتے اور کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ اور جو شخص یا اشخاص تم میں سے ایسا کرتے ہیں وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گئے یعنی گمراہ ہو چکے ہیں“ (سورہ ممتحنہ 60/1، تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 423-424)

دنیا کو گمراہ کرنے اور قریشی صحابہ کی اسکیم کو چھپانے کے لئے ایک افسانہ گھڑا گیا ہے اُس کا بطلان اسی آیت میں موجود ہے۔

آپ تو یہ یاد رکھیں کہ یہ آیت اُن لوگوں سے اپیل کر رہی ہے جو جہاد کے لئے مدینہ سے روانہ ہو جانے کے بعد مذکورہ جرم مودۃ کر رہے ہیں اور دشمنوں کو اولیا بنائے ہوئے ہیں۔

(7) حقیقت اسلام کو چھپایا جا رہا تھا اور اُس کی جگہ قرآن کے مفاہیم کو بدل کر اپنا منصوبہ چھپانے والوں کو پلٹا کر عذاب تک مہلت دی گئی۔

دو آیات (24-31/23) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا ہے کہ:

”جو لوگ حق کو چھپا رہے ہیں اُن کا حق پوشی کرنا، اے رسول تمہیں حزن و ملال میں مبتلا نہ کرے انہیں ہماری طرف رجعت کرنا ہی ہے چنانچہ ہم انہیں بتادیں گے کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ یقیناً اللہ سینوں کے اندر چھپے ہوئے منصوبے اور راز جانتا ہے۔ ہم تھوڑی مدت انہیں دنیا میں استفادہ کا موقع دے رہے ہیں (نُمَتِّعُهُمْ) پھر اُن کو بے بس کر کے ایک سخت عذاب کی طرف کھینچ لائیں گے“۔ (لقمان 24-31/23، تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 21)

جب تک قرآن کے الفاظ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذٰلِكَ الصُّدُوْرِ کے معنی میں ”قریشی منصوبہ“ شامل نہ کیا جائے۔ ایسی آیات قاری پر محسوس ہونے والا اثر نہیں ڈالتیں۔ بلکہ فضول اور رسمی سی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کو ماننے والے سب لوگ پہلے سے جانتے ہیں کہ اللہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ لہذا صرف اس قدر کہنا ہے کہ: ”اللہ دلوں کا حال جانتا ہے“ یا یہ کہ ”اللہ سینوں کے اندر پوشیدہ راز جانتا ہے“ یا یہ کہ ”اللہ جانتا ہے کہ تم کیا کرتے رہے“ ایک ایسی اطلاع ہے جو سب لوگ جانتے اور مانتے ہیں۔ ایسے جملوں میں جان پڑ جاتی ہے اگر آیات میں مذکورہ چیز کا نام بھی ان جملوں میں مذکور ہو جائے مثلاً یہی کہ: ”یقیناً اللہ تمہارے اُس منصوبے یا مقصد کو جانتا ہے جس کو پورا کرنے کے لئے تم قرآن یا اسلام کی حقیقت کو چھپائے چلے جا رہے ہو“ ہمیں خیال رہتا ہے کہ علامہ کا سارا ترجمہ ہی نہ بدل جائے۔ لہذا اب ہم قرآن کے الفاظ کی رعایت کے اندر رہ کر خود ترجمہ کریں گے۔

(8) قریش کا یہ فیصلہ کہ نبوت اور حکومت کو ایک ہی خاندان میں ہرگز نہ رہنے دیا جائے گا تمہیں رنجیدہ نہ کرے اسلئے کہ ہمیں بھی یہ منصوبہ معلوم ہے
فَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسْرُوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ O (سورہ یسین 36/76)

”اے رسول تم اُن کے خفیہ فیصلہ پر رنجیدہ نہ رہو اس لئے کہ ہم یقیناً اُن کے رازدارانہ منصوبے پر بھی مطلع ہیں اور اُن کے پروپیگنڈے اور ظاہری عملدرآمد کو بھی جانتے ہیں“

یعنی بظاہر تو وہ پکے اور پر خلوص حقیقی مومن بنے ہوئے ہیں مگر اندر ہی اندر وہ تمام کوششیں کر رہے ہیں جس سے خلافت الہیہ کی جگہ ایک قومی رضامندی کے ماتحت چلنے والی حکومت بن سکے۔

(9) ظہور حضرت جتھے پر، جب نور محمدی مکمل ہو کر دین کے ہر پہلو پر تسلط حاصل کر لے گا اور قریشی حکومت تباہ کر دی جائے تو قریشی منصوبے کی ہر بات ظاہر ہو جائے گی۔

عمر بن خطاب کے رازرستہ پر آیات آنے سے پہلے وہ نظارہ بھی قرآن کے مودودی ترجمے سے دیکھ لیں جس میں آنے والی آیات سچ کر سامنے آئیں گی۔ ارشاد ہے کہ:

”اور جس کو اُس کی کتاب بائیں ہاتھ میں دی جائے گی وہ کہے گا کاش مجھے میری یہ کتاب نہ دی گئی ہوتی، اور مجھے میرا حساب معلوم نہ ہوا ہوتا، کاش میری وہی موت جو دنیا میں آئی تھی فیصلہ کن ہو جاتی، آج میری سمیٹی ہوئی دولت مجھے بچانے میں کام نہ آئی اور میری بنائی ہوئی قومی حکومت بھی ختم ہو گئی (هَلْكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةٌ) حکم ملے گا اسے پکڑو اور اس کی گردن میں طوق ڈالو پھر اُسے سخت گرم قید میں پہنچاؤ اور وہاں اُسے ستر (70) ہاتھ لمبی زنجیر پہناؤ“۔ (حادثہ 32-69/25) اب فرمایا جائے گا کہ:

يَوْمَ هُمْ بَرْزُؤُنَ لَا يَنْخَفِي عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ O (سورہ مومن 40/16)

”جس دن جنگی مبارزت اور چیلنج کر کے حکومت اور حکمرانی چھین لی جائے گی اُس روز تو یقین کرو گے کہ اللہ کے نمائندوں پر کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی ہے؟ بتاؤ آج آخر حکمرانی کس کے قبضے میں ہے؟ اسی واحد اور قہار اللہ کی ہے نا؟ (مومن 40/16)

”آج ہی تو وہ دن ہے جس دن ہر شخص کو بعینہ اُس کی کمائی بطور جزا دی جائے گی۔ اور آج ہی تو وہ دن ہے جس دن کوئی فروگزاشت نہ ہوگی۔ اور یقیناً اللہ بہت سرعت سے حساب لینے والا ہے“ (مومن 40/17)

”اے نبی یہ سب کچھ سنا کر قریش کو اُس دن سے ڈرادو جو قریب آگاہ ہے اور جس روز اُن کے کلیجے اپنی جگہ سے اُکھڑ کر منہ کو آ رہے ہوں گے اور وہ سب چپ چاپ غم کے گھونٹ پئے کھڑے ہوں گے۔ اور ان ظالموں کا نہ کوئی حمایتی ہوگا، اور نہ کوئی ایسا سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جاسکے“۔ (مومن 40/18) انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ:

(10) قریش کا آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے منصوبے کی باتیں کر گزرتا بھی نوٹ ہوتا رہا۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ O (40/19)

”اللہ آنکھوں سے کی جانے والی خیانتوں اور آنکھوں سے دیکھنے اور ایک دوسرے کو آنکھ مارنے اور آنکھ منکانے کے مطالب کو بھی جانتا ہے اور وہ جو سینوں کے اندر تمہارا منصوبہ پوشیدہ ہے، جس کی بنا پر اشارے کرتے ہو اُس سے بھی بخوبی واقف ہے“

(11) مسلمانوں کے مجموعہ میں حقیقی یا سو فیصد ایمان رکھنے والے بھی تھے اور حق کو چھپانے والے مومن بھی تھے، دونوں کو الگ الگ اندر اور باہر سے دیکھا جا رہا تھا۔

”اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اب تم میں وہ لوگ بھی ہیں جو ہر بات کو بجنہ مانتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو حقائق کو چھپا رہے ہیں۔ اور اس حقیقت پر بھی مطلع ہیں کہ اللہ تمہارے تمام اعمال دیکھ رہا ہے۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ ہی نے یہ زمین اور تمام آسمان حقیقت کے لئے پیدا کئے ہیں اور اسی نے تمہیں یہ صورتیں عطا کی ہیں اور بہت عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ اور تم دونوں فریق کو اللہ ہی کی طرف پلٹنا بھی ہے۔ اور یہ بھی مانتے اور جانتے ہو کہ اللہ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور تمہارے اُس خفیہ منصوبے پر بھی مطلع ہے جو تم چھپائے پھرتے ہو اور اُس کی حقیقت سے بھی آگاہ ہے جو تم اعلان کر کر کے لوگوں کو باور کراتے رہتے ہو۔ اور یہی نہیں بلکہ اللہ تو سینوں کے اندر والے تصورات کا بھی جاننے والا ہے“۔ (سورہ تغابن آیات 2 تا 4)

(12) قرآن ایک محکم کتاب ہے، آنحضرتؐ نے قریش کو اچھے اور برے نتائج سے خبردار رکھا، تو بہ کرنے کا حکم دیا عذاب سے ڈرایا مگر وہ اپنے خفیہ منصوبے پر کاربند رہے۔

الف۔ لام۔ ر۔ ایسی محکم کتاب ہے جو حقیقی حکیم مطلق اور مکمل خبر کی طرف سے آئی ہے۔ یہ کہتی ہے کہ اے قریش تم لوگ اللہ و رسولؐ کے علاوہ اور کسی کی مطلق اور سو فیصد اطاعت نہ کرنا۔ میں رسولؐ کی حیثیت میں اللہ کی طرف سے نذیر بھی ہوں۔ اور بشارت دینے والا بھی ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ تم اپنے پروردگار سے اپنی حفاظت کا سامان طلب کرو اور اپنی اصلاح کے لئے اُس کے مصلح کی طرف متوجہ رہو۔ اللہ تمہیں ایک نامزد مدت تک عمدہ قسم کے فوائد سے مستفید ہونے کا موقع دے گا۔ اور تمام بزرگی رکھنے والوں کی بزرگی برقرار رہنے کا انتظام رکھے گا۔ اور اگر تم نے ولایت سازی شروع کر دی (تَوَلَّوْا) تو میں تمہارے حق میں ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا اور تمہیں ڈراتا ہوں۔ یہ نوٹ کر لو کہ تمہارا مرجع اللہ سے متعلق ہے اور تم سب کو اسی مرجع کی طرف رجعت کرنا ہے۔ اور سمجھ لو کہ اللہ تمہارے پلٹانے اور باز پرس کرنے پر بھی قادر ہے۔ خبردار ہو جائیں وہ لوگ جو اپنے سینوں میں ڈبل، دُہرا منصوبہ رکھتے ہیں تاکہ اُس دہرے پن کی وجہ سے وہ اللہ اور رسولؐ سے مخفی رہ جائیں۔ خبردار ہو کر سنو کہ اللہ تو اُس تمام تفصیلات سے بھی باخبر ہے۔ جو وہ اپنے کپڑوں کے اندر چھپائے ہوئے ہیں۔ اور وہ اُن کی رازدارانہ اسکیم کا بھی علم رکھتا ہے۔ اور اُس ظاہری دکھاوے پر بھی مطلع ہے جو وہ اعلانیہ کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ سینوں کے اندر پوشیدہ مقاصد و تصورات کا بھی عالم ہے“ (سورہ ہود 5 تا 11/11)

(13) قریشی صحابہ اپنے خفیہ منصوبے کو پاؤں چلانے کے لئے قرآن کی آیات و الفاظ میں موزوں گنجائش اور پہلو نکالا کرتے تھے۔

بار بار یہ پہلو سامنے لایا گیا ہے کہ قریش کے لیڈروں اور صحابہ نے قرآن کو مکمل حیثیت سے مجبور کر دیا تھا (فرقان 25/30) یعنی اسلامی حکومت کو خاندان رسولؐ سے نکال کر قریش کی قومی حکومت بنانے کے لئے قرآن کے مفاہیم کو بدل بدل کر اپنے خفیہ منصوبے پر فٹ (Fit) کر لیا تھا اُن کے اس عمل درآمد اور کوششوں کو قرآن میں جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا گیا ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَحْفَظُونَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُتْلَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ..... الخ (حم سجدہ 41-40/41)

مودودی کا ترجمہ۔ ”جو لوگ ہماری آیات کو اُلٹے معنی پہناتے ہیں وہ ہم سے کچھ چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ خود ہی سوچ لو کہ آیا وہ شخص بہتر ہے

جو آگ میں جھونکا جانے والا ہے یا وہ جو قیامت کے روز امن کی حالت میں حاضر ہوگا؟ کرتے رہو جو کچھ تم چاہو، تمہاری ساری حرکتوں کو اللہ دیکھ رہا ہے۔ یہ وہ لوگ (مومنین۔ احسن) ہیں جن کے سامنے کلام نصیحت (الذکر) آیا تو انہوں نے اُس کی آمد کو چھپایا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے، (یعنی چھپے گی نہیں۔ احسن) (حم سجدہ 41-40/41) (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 462) یہاں یہ حقیقت قریشی پردوں سے باہر نکل آئی کہ انہوں نے قرآن کریم کے معنی و مفاہیم کو الٹ کر (بَلْحَدُونِ) اپنے منصوبے پر فٹ کیا یعنی قومی حکومت بنانے کا جواز نکالا اور قرآن میں مذکور خلافت الہیہ علویہ کو چھپایا (کَفَرُوا) تھا۔

اللہ کی یہ پالیسی بھی معلوم ہوگی کہ اللہ نے جانتے بوجھتے قریش کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ قرآنی مفاہیم کو الٹنے اور بدلنے میں جو جو تریکیں کرنا چاہیں، جو جو چالیں چلنا چاہیں اور اپنی قوم اور دیگر ماتحت لوگوں کو جس طرح بہکانا چاہیں آزادانہ اور اس طرح بہکائیں کہ انہیں کوئی دیکھ نہیں رہا ہے۔ اُن کا سارا کاروبار بالکل پوشیدہ اور محفوظ ہے۔ یعنی انہیں بالکل آزاد رکھا گیا تھا۔ (اعملوا ما شئتم۔ کرو جو بھی تم چاہتے ہو) یوں جب قریش اپنے اخذ اور استنباط سے سارے قرآن کو تبدیل کر چکے تو رسولؐ نے اللہ کو اطلاع دی کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو بھجور کر دیا ہے (فرقان 25/30) اللہ نے تصدیق کرتے ہوئے رسولؐ کی قوم کو سابقہ اقوام کی طرح کا مجرم اور دشمن رسولؐ قرار دیا۔ رسولؐ کی راہنمائی اور نصرت کا وعدہ کیا (25/31) اور فرمایا کہ تیری قوم نے برحق قرآن کی پوری تکذیب کر دی ہے۔ (انعام 6/66)

(14) قریش نے قومی حکومت بنانے کا خفیہ منصوبہ دعوت ذوی العشرہ کے بعد بنایا اور اس سلسلے میں بحث و نظر اور مشوروں کے لئے برابر اتوں کو جلسے جاری رکھے۔

بقول عبداللہ ابن عباس (طبری) قریش کو عام دعوت دی گئی تھی کہ وہ رسولؐ اور اسلام کی وزارت و خلافت کے لئے اپنے میں سے ایک قابل آدمی رسولؐ کے حوالے کر دیں۔ لیکن انہوں نے اس وقت اس دعوت اور فرضی حکومت کو مضحکہ انگیز سمجھا اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کو یہ طعنہ دے کر جلسے سے اُٹھ آئے کہ: ”تم آئندہ علیؑ کے سامنے ادب سے حکم سن کر تعمیل کرنا“

یہ اس لئے کہ حضورؐ نے قریش کے انکار پر حضرت علیؑ کی جانشینی، خلافت و حکومت و اطاعت واجب کر دی تھی۔ یہ قریش کی سب سے بڑی سیاسی غلطی تھی۔ وہ اسلامی تحریک کا اندازہ کرنے سے قاصر رہے۔ لیکن بہت جلد انہوں نے اس غلطی کو محسوس کیا اور اب خلافت و حکومت حاصل کرنے کے لئے زین نظر خفیہ فیصلہ کیا اور زین بحث منصوبہ بنایا۔ اور اپنی پہلی غلطی کے تدارک میں لاکھوں غلطیاں کیں، اور اپنی عاقبت کو تباہ کر لیا۔ ابوسفیان اور عمر نے دو محاذ بنائے مزاحمت اور توڑ پھوڑ کی قیادت ابوسفیان نے اعلان کیا اختیار کی اور تائید و تحریب کی قیادت عمر کو دی۔ دونوں قائد اور اُن کے مشیر دن رات کوشاں رہے اور دونوں نے اپنے اپنے محاذوں کی حیران کن راہنمائی کی۔

دونوں کے لیڈروں میں رابطہ اور مشاورت لازم رہتی چلی گئی۔ رابطہ جاسوسوں یا منافقوں کے ہاتھ میں رکھا گیا۔ ہجرت کا یقین حاصل کرتے ہی رسولؐ کی ہجرت سے چھ سات سال پہلے ہی عمر مدینہ آیا اور یہاں اپنے منصوبے کے لئے ذہنی، مالی اور دینی زمین ہموار کی۔ چنانچہ اُس نے مدینہ کے ایک دور دراز محلہ قبا عموالی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ یہ محلہ مدینہ شہر سے تین میل پہلے راستے میں پڑتا ہے۔ جب رسولؐ اللہ ہجرت کر کے آئے تو اسی محلے میں چند روز قیام فرمایا اور مسجد قبا تعمیر کرائی تھی۔ لیکن جہاں قریشی تاریخ عمر کے قیام و کردار کی تفصیل چھپاتی ہے وہیں یہ بھی نہیں بتاتی کہ آنحضرتؐ کے پہنچنے پر عمل ملاقات کو آیا اور کیا سلوک کیا؟ بہر حال ابو بکر رسولؐ کے ساتھ اس محلہ میں پہنچا تو یہاں ایک گھنٹہ بھی نہ ٹھہرا۔

مدینہ شہر گیا اور اُس نے بھی اپنی مستقل سکونت کے لئے محلہ حُح کا انتخاب کیا جو مدینہ شہر سے تین ہی میل دور اور محلہ قبا کے مخالف سمت میں تھا۔ یہ دونوں، ابوبکر و عمر قومی حکومت بن جانے کے بعد اپنے اپنے محلوں سے مدینہ شہر میں منتقل ہوئے تھے۔ یعنی رسول کی زندگی بھر یہ تین تین میل دور رہے۔ عمر نے چھ سات سالوں میں یہود کے مذہبی اور سیاسی مرکز سے بہت معنی خیز گہرا رابطہ اور تعاون قائم کیا۔ یہودی درگاہ سے عبرانی زبان اور اصول فقہ و اجتہاد پڑھا۔ مدینہ کے سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول رضی اللہ عنہ سے دوستی کی پیٹنگ بڑھائی اور اُس میں رسول اللہ کے خلاف عداوت کی تخم ریزی کی اور اپنا سارا منصوبہ بتایا۔ جس میں یہودی علماء اور مجتہدین کے تعاون کی ضرورت تھی تاکہ قرآنی احکامات و مسائل میں اجتہاد کرنے کے لئے یہود کے دو ہزار سالہ تجربہ اور علم سے استفادہ کیا جاسکے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ تو بعد میں آئے مگر اُن کے آنے سے پہلے ہی عمر نے اُن کے خلاف ایک مضبوط محاذ قائم کر لیا تھا۔ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچتے ہی چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ چنانچہ قریشی صحابہ کے ساتھ ساتھ علمائے یہود و نصاریٰ کی طرف سے بھی سوالات کی بوچھاڑ شروع ہو گئی تھی۔ یہ تمام تفصیلات قرآن کریم میں محفوظ ہیں۔ یہ سوالات اگر صرف مسائل کو سمجھنے کے لئے ہوتے تو نہایت مفید ثابت ہوتے لیکن سوالات کی کثرت اس مقصد کے لئے تھی کہ آنحضرت کو چکر دے کر مخالف اور متضاد جوابات حاصل کر کے اُن سے اسلام کے خلاف ججہ قائم کی جائے۔ ابوبکر و عمر کے گھر مرکز نبوت و امامت سے تین تین میل دور تھے۔ وہاں نہایت اطمینان سے قریشی اور یہودی لیڈر جمع ہوتے تھے اور سوالات کی فہرستیں تیار کی جاتی تھیں۔ اور جوابات کو الٹ پلٹ کر مجتہدانہ مسائل گھڑے جاتے تھے۔ اور قرآنی تعلیمات سے خود قرآن کے خلاف عقائد و اعمال تیار کئے جاتے تھے اور قریش کے عوام میں عموماً اور دیگر اقوام و قبائل میں خصوصاً اٹلی یا تحریف شدہ مسائل کی تبلیغ کی جاتی تھی۔ لہذا ابوبکر و عمر کے گھروں میں الگ اور یہودی مرکز میں الگ الگ قریشی ساخت کا اسلام تیار کیا جا رہا تھا۔

(15) قریشی شریعت سازی کے لئے یہودی علماء اور قریشی لیڈر جب موقع ملتا تھا دن رات میٹنگ اور مشورے کر کے اسلام کو بدل رہے تھے۔

اللہ نے مدینہ میں یہود و نصاریٰ اور قریشی سازش کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَأُوا مِنْ عُنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ (نساء 4/81)

”وہ کہتے تو یہی ہیں کہ ہم مطیع و فرمان بردار ہیں مگر جب وہ اے رسول تمہارے پاس سے مبارزت کے لئے جاتے ہیں تو اُن میں سے ایک گروہ راتوں کو ایک گھر میں جمع ہو کر تمہاری باتوں کا توڑ کرنے کے لئے مشورے کرتا رہتا ہے۔ اور اللہ اُن کی مشاورت کی پوری پوری روداد لکھتا ہے اور لکھتا رہے گا۔ تم ادھر زیادہ توجہ نہ دو اور اللہ کے تیار کردہ ریکارڈ پر توکل رکھو۔ وہی وکالت کے لئے کافی ہے۔“ (4/81)

دوسرے موقع پر یہ فرمایا کہ:

إِنَّا نَزَّلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَلَا تَجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۝ يَسْتَحْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَحْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝ هَآئِنْتُمْ هَآؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَمْ مَن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝ (نساء 109 تا 4/105)

”ہم نے تیری طرف سے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ نے تمہیں دکھایا ہے اُس سے احکام و فیصلے نافذ کیا کرو اور تم خیانت

کرنے والوں کی طرف سے مد مقابل نہ بنو، اور اللہ سے تحفظ طلب کرتے رہو، یقیناً اللہ تحفظ فراہم کرنے والا رحیم ہے، اور جو لوگ خود اپنی ذات کے ساتھ خیانت کرتے ہیں تم اُن کی طرف داری میں جھگڑا نہ کرو۔ اللہ ایسے لوگوں کو محبوب نہیں رکھتا ہے جو خیانت کاری اور گناہ گاری میں مبتلا رہتے ہیں، یہ قریشی مومنین اپنے منصوبے کو لوگوں سے تو چھپا سکتے ہیں۔ لیکن اللہ سے مخفی نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے کہ اللہ تو اُن کے ساتھ اُس وقت بھی ہوتا ہے۔ جب کہ وہ راتوں کو چھپ چھپ کر اُس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ اللہ اُن تمام تصورات اور اعمال پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ہاں تم لوگوں نے دنیا کی زندگی میں تو اُن راتوں کو مشورے کرنے والوں کی طرف داری میں بحث اور جھگڑا جاری رکھا ہے۔ مگر یہ بتاؤ کہ قیامت میں اللہ کے ساتھ اُن کی طرف داری میں کون و کالت کرے گا؟‘ (نساء 109 تا 105/4)

اللہ نے قریشی منصوبے کے ہر پہلو کو واضح کر دیا ہے۔ یہ بھی بتا دیا ہے کہ عمر اور ابوبکر کے گھر وہ جلسہ گا ہیں تھیں جہاں قریشی اور یہودی لیڈر رات کے اندھیرے میں جمع ہو کر مشورے کیا کرتے تھے اور اسلام کو قومی حکومت میں تبدیل کرنے کے پروگرام بناتے رہتے تھے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ قریشی لیڈر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنی حمایت پر رضامند کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے اسی لئے حضور کو قریش کی طرف داری سے منع فرمایا گیا ہے۔ (4/105, 107) اور بتایا گیا ہے کہ قریشی لیڈروں کا ظاہری خلوص ایک سیاسی فریب ہے دراصل وہ خیانت کار اور دھوکا باز ہیں۔ دلوں کے اندر مطیع اور فرمانبردار نہیں ہیں۔ یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہے کہ اللہ نے یہ راز کھول دیا ہے کہ ابوبکر و عمر اور یہودی لیڈروں کی ساری اسکیمیں، تمام پروگرام اور بحث و مباحثہ تحریری طور پر تیار کیا جا رہا تھا اور رسول اللہ کے سامنے پیش کرنے کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ریکارڈ کوئی ایسا شخص ہی تیار کر سکتا تھا جس پر قریش اور یہود پورا پورا اعتماد کرتے ہوں۔ اور ایسا شخص یقیناً عبد اللہ بن اُبی ہی ہو سکتا تھا۔ جسے قریشی اور یہودی لیڈروں نے اپنا سردار اور راہنما بنا رکھا تھا۔ اسی لئے اُسے اس المناقتین کہا گیا ہے۔

(6) قرآن کریم نے جس طرح قریش کے دلوں میں پوشیدہ قومی حکومت بنانے کے منصوبے کا ذکر کیا ہے۔ اُسی طرح اس منصوبے کو قریش کے دلوں کا مرض بھی فرمایا ہے۔

قارئین یاد فرمائیں کہ ہم نے سورہ انفال کی پانچ آیات (8/45-49) پر مختلف حیثیتوں سے چھ (6) بار نظر ڈالی تھی۔ اور دکھایا تھا کہ قریش کی راہنمائی کے لئے شیطان اُن کے ساتھ مادی و مشہور رابطہ اور تعلق رکھتا تھا۔ اُن کا پڑوسی (جبار) تھا۔ چھٹی نظر میں ہم نے ان لوگوں کا قول دکھایا تھا جو حقیقی مومنین کو خطی اور دھوکے میں مبتلا کہتے تھے۔ اور اُن کو اللہ نے آیت (8/49) میں ”منافق“ اور ”دل کے مریض“ فرمایا ہے۔ اور مودودی نے ”دل کے مریضوں“ کو ”دُنیا پرستی اور خدا سے غفلت کے مرض میں گرفتار“ قرار دے کر قریشی منصوبے پر پردہ ڈال دیا تھا۔

اب ہم زیر قلم عنوان میں یہ دکھائیں گے کہ اللہ نے جن لوگوں کو ”دل کے مریض“ فرمایا ہے۔ وہ قریش کے ایسے حقیقی اور اعلیٰ درجے کے لیڈر اور رسول کے صحابی تھے جن کے دلوں میں قومی حکومت بنانے اور حضرت علیؑ کو محروم کرنے کی اسکیم راسخ تھی۔ جو سوتے جاگتے، چلتے پھرتے ہر لمحہ اور ہر بات میں اُس خفیہ منصوبے کو مد نظر رکھتے تھے جو ایک مستقل مرض کی طرح اُن کے قلوب کی گہرائی میں اُتر گیا تھا۔ اور یہ کہ اللہ نے بھی اُن صحابہ کو مخاطب کرنے کے لئے انہیں دل کا مریض کہنا اپنا تکیہ کلام بنا لیا تھا۔

بہر حال اس صورت حال کو تازہ کرنے کے لئے از سر نو وہ آیت (8/49) اور مودودی ترجمہ و شرح سامنے رکھ لیں تاکہ ہمارا عنوان دھوم دھام کے ساتھ آگے بڑھے اور قریش اور مودودی کی خیانت اور پردہ داری واضح ہوتی چلی جائے۔ سنئے فرمایا تھا:

اَذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرْهًا زَوَلًا ۗ دِينُهُمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿8/49﴾
 مودودی ترجمہ: ”جب کہ منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں کو روگ لگا ہوا ہے کہہ رہے تھے کہ ”ان لوگوں کو تو ان کے دین نے خبط میں مبتلا کر رکھا ہے“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 150)
 مودودی کی تشریح، دل کے مریضوں کی خاموش طرفداری۔

”۳۹ یعنی مدینہ کے منافقین اور وہ سب لوگ جو دنیا پرستی اور خدا سے غفلت کے مرض میں گرفتار تھے، یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کی مٹھی بھرے سر و سامان جماعت قریش جیسی زبردست طاقت سے ٹکرانے کے لئے جا رہی ہے، آپس میں کہتے تھے کہ یہ لوگ اپنے دینی جوش میں دیوانے ہو گئے ہیں اس معرکہ میں ان کی تباہی یقینی ہے، مگر اس نبی نے کچھ ایسا افسوس اُن پر پھونک رکھا ہے کہ اُن کی عقل خبط ہو گئی ہے۔ اور آنکھوں دیکھے یہ موت کے منہ میں چلے جا رہے ہیں“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 150)
 مودودی کی طرفداری کے باوجود یہ بات تو بہر حال ثابت ہو گئی کہ ”دل کے مریض“ جو کچھ بھی ہوں مگر وہ ”منافق“ نہیں ہیں بلکہ بقول مودودی وہ ”غفلت میں مبتلا اور دنیا دار مسلمان یعنی ضعیف الایمان مسلمان ہیں“ فی الحال اتنا کافی سمجھیں اور عنوان کو آگے بڑھائیں اور دیکھیں کہ دل کے مریضوں کے معاملے میں مودودی کتنا پریشان اور حواس باختہ ہوتے ہیں۔

(الف) قریشی مؤمنین تو ہی حکومت کے منصوبے کو پروان چڑھانے کے لئے علمائے یہود و نصاریٰ کے مجتہدانہ فیصلوں کو اپنا راہنما اور حاکم بنانے میں مصروف چلے جا رہے تھے۔

سابقہ عنوانات میں یہ دیکھا گیا تھا کہ عمر نے مدینہ میں آتے ہی علمائے یہود و نصاریٰ سے رابطہ قائم کر کے اُن کے نظام اجتہاد سے اسلام کو بدلنے اور اپنا تصور حکومت جاری کرنے کا مکمل انتظام کر لیا تھا اور یہود و نصاریٰ عمر کو تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ یہ بات علامہ شبلی سے سن کر پھر قرآن پڑھیں۔ لکھتے ہیں کہ:

”ایک دفعہ حضرت عمر تورات کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اس کو پڑھنا شروع کیا وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ توریت خود پڑھ سکتے تھے یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے یہاں جس دن توریت کا درس ہوتا تھا حضرت عمر اکثر شریک ہوتے تھے۔ اُن کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن اُن کے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ ”تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو“ (الفاروق حصہ دوم صفحہ 132)

اب قارئین قرآن سے عمر اینڈ کمپنی اور یہود و نصاریٰ کا تعلق پڑھیں۔

مؤمنین سے فرمایا گیا تھا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۷﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿۵۸﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهْلُؤَلَاءِ

الَّذِينَ اٰقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اِيْمَانِهِمْ اَنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوا خٰسِرِيْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَن دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يٰتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُ اَذَلَّةً عَلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعَزَّةٌ عَلٰى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخٰفُوْنَ لَوْمَةً لَّاۤئِمَّةًۢ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَّاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (مائدہ 54 تا 51/5)

مودودی ترجمہ لفظ بلفظ۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا ”رفیق“ نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی اُن کو اپنا ”رفیق“ بناتا ہے تو اُس کا شمار بھی پھر اُن ہی میں ہے، یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی راہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں ”نفاق“ کی بیماری ہے، وہ اُن ہی میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ”ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہم کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں“۔ مگر بعید نہیں کہ اللہ جب تمہیں فیصلہ کن فتح بخشنے کا یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے گا تو یہ لوگ اپنے اس ”نفاق پر جسے یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں نادم ہوں گے“۔ اور اُس وقت اہل ایمان کہیں گے ”کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟“ ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور آخر کار یہ ناکام و نامراد ہو کر رہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا، جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ اُن کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے، جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذراع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 480 تا 482)

(ب) مودودی نے چار آیتوں میں پانچ خیانتیں کیں، (1) قومی ولایت کو چھپایا (2) ظالم قوم اور (3) محبوب قوم پر پردہ ڈالا،

(4) مومنین کو منافق بنایا۔ (5) قلمی منصوبہ غائب کیا۔ (6) جہاد کو عام کوشش بنا دیا۔

ہم نے دل سخت کر کے مودودی کا ترجمہ لفظ بلفظ، بلا مسلمہ اصلاحات لکھ دیا ہے۔ اور یہ بار بار کا تجربہ ہے کہ تمام قریشی علماء عموماً اور مودودی خصوصاً بلا فریب اور بددیانتی کے ہرگز ترجمہ نہیں کرتے۔ چنانچہ ان چاروں آیات کا صحیح ترجمہ دکھانے کے لئے مودودی کی خیانتیں دکھانا ضروری ہیں۔ لہذا پھر مودودی کے ترجمہ پر نظر ڈالنا ہوگی۔ سنئے:

پہلی نظر۔ مودودی کے ترجمہ کو بجنسہ موجود رکھنے سے بھی عمر اینڈ کمپنی غیر مسلم، گمراہ اور یہودی ثابت ہو گئے۔

قارئین نے مودودی کے ترجمہ سے اتنا تو دیکھ لیا کہ اللہ نے یہود و نصاریٰ کو، بقول مودودی، رفیق بنانے کی مسلمانوں کو ممانعت کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جو کوئی یہود و نصاریٰ کو اپنا رفیق بنائے گا وہ اسلام سے خارج اور یہود و نصاریٰ میں شمار ہوگا۔ اور اللہ انہیں اپنی راہنمائی سے محروم کر دے گا۔ یہ فیصلہ تو پہلی ہی آیت میں موجود ہے۔ (5/51) اس سے پہلے آپ نے شبلی سے معلوم کیا ہے کہ عمر یہود و نصاریٰ کے درس میں پابندی سے جاتا تھا۔ اُن سے عبرانی زبان سیکھی تھی اور یہود و نصاریٰ عمر کو اپنا عزیز سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ وہ اُن میں گھلاما رہتا تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ عمر گمراہ، اللہ کی راہنمائی سے محروم اور یہودی تھا۔ پھر دوسری آیت (5/52) سے بقول مودودی، عمر ک نفاق کی بیماری میں مبتلا ہونا اور مومنین میں شامل رہنے کو خطرناک سمجھنا اور کسی چکر میں پھنس جانے سے ڈرنا بھی ثابت ہو گیا۔ یعنی مودودی کی بددیانتی اور غلط ترجمہ بھی عمر کو اللہ سے نہ بچا سکا۔

دوسری نظر۔ ولی، اولیاء، يتولى، تولی، تولیتہم اور تولوا کے معنی حاکم مطلق اور ہمدرد ترین حکمران کے کرنے کے بجائے رفیق و دوست کرنا باطل ہے۔

اس نظر میں یہ بتانا ہے کہ جس طرح قریشی علما، شیعہ و سنی دونوں، کفر و کافر کے معنی ”منکر حق“ یا ”منکر اسلام“ کر کے قریش کی بدکرداری کو چھپاتے رہے، اسی طرح ”و۔ل۔ی“ مادہ سے بننے والے تمام الفاظ کے معنی میں دوستی، رفاقت، سرپرستی حمایت اور منہ پھیرنا وغیرہ کر کے حکومت الہیہ علویہ کو چھپاتے رہے ہیں۔ حالانکہ ان معنی کے لئے عربی زبان اور خود قرآن میں الفاظ خلیل، رفیق، حامی، اعراض وغیرہ وغیرہ استعمال ہوئے ہیں۔ بہر حال ہم چند ایسے مقامات دکھاتے ہیں جہاں مودودی نے تقریباً صحیح معنی کئے ہیں۔

(1) وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ..... الخ (بقرہ 2/205)

مودودی: ”جب اُسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے“۔ (تفہیم القرآن، جلد اول صفحہ 159)

(2) مِّنْ ذُوْنِهِ وَتَوَلَّى..... الخ (انعام 6/51)

مودودی: ”اُس کے سوا وہاں کوئی ایسا ذی اقتدار نہ ہوگا“۔ (ایضاً صفحہ 543)

(3) وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ..... الخ (نور 24/11)

مودودی: ”اور جس شخص نے اُس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا“۔ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 366)

(4) فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ..... الخ (محمد 47/22)

مودودی: ”۳۳ اصل الفاظ میں ”اِنْ تَوَلَّيْتُمْ“ ان کا ایک ترجمہ وہ ہے جو ہم نے اوپر متن میں کیا ہے اور دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ:-

”اگر تم ان لوگوں کے حاکم بن گئے“۔ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 26)

یہ ہیں مودودی کے بادل نخواستہ چار ترجمے لیکن آخر اس ملعون نے متن کے بجائے اپنی تشریح نمبر 33 میں صحیح ترجمہ کر ہی دیا۔ اور ثابت ہو گیا کہ یہ شیطان حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و حکومت کو چھپانے میں حد بھر کوشاں رہا ہے۔

(5) باب. حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ، قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ لَقَدْ نَفَعَنِي اللَّهُ بِكَلِمَةٍ أَيَّامَ

الْجَمَلِ لَمَّا بَلَغَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ فَارِسَ مَلَكَوا ابْنَةَ كِسْرَى قَالَ: لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَتَوَلَّوْا أَمْرَهُمْ امْرَأَةً.

(بخاری جلد دوم پارہ نمبر 29 کتاب الفتن)

”ابی بکرہ نے کہا کہ جنگ جمل کے دنوں میں مجھے اللہ نے آنحضرت کی ایک بات نے نفع پہنچایا وہ یہ تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ معلوم ہوا کہ اہل فارس نے بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو ملکہ بنا لیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جو کسی عورت کو اپنا حاکم

بنالے، ابوبکرہ نے عائشہ کی حکومت سے بچنے کو نفع قرار دیا ہے۔

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مندرجہ بالا حدیث معلوم ہو جانے کے بعد کم از کم کسی اہلسنت کہلانے والے مسلمان کو

تو یہ جرات نہ ہونا چاہئے کہ وہ مادہ و۔ل۔ی۔ سے بننے والے مصدر (ولایۃ) اور الفاظ کے معنی میں ایسے الفاظ اختیار کرے جن کے لئے عربی

زبان میں اور قرآن میں دوسرے مادے اور مصادر اور الفاظ موجود ہوں۔ بہر حال ہمارے قارئین یہ نہ بھولیں کہ مادہ و۔ل۔ی اور مصدر

(ولاية) میں ہمیشہ ”حکومت“ کا تصور ہر لفظ میں برقرار رہنا چاہئے۔ اور جہاں یہ تصور نکلتا ہو دیکھیں سمجھ لیں کہ معنی میں یا لفظ کے استعمال میں کوئی گڑبڑ ہے یا گڑبڑ کی گئی ہے۔ ہم نے اپنی پوری تفسیر میں اس مادہ اور مصدر سے بننے والے الفاظ کے معنی سے کہیں بھی حکومت کا تصور نکلتے نہیں دیا ہے۔ البتہ بعض مخصوص استعمالات سامنے آتے ہیں۔ مثلاً اللہ کا انسانوں کو اپنا ولی یا اولیا فرمانا۔ وہاں اللہ اُن انسانوں کو اپنا مقرر کیا ہو احکام قرار دیتا ہے۔ یا لوگوں کو لوگوں کا ولی اور اولیا فرمانا۔ یا اُن کا آپس میں ایک دوسرے کے ولی یا اولیا ہونا۔ ایسے مقامات پر دونوں میں حکومت یا حکومت کا تعلق ظاہر کیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر اختیار حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ہر باپ فطری طور پر اپنے بچوں کا ولی ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کے عطا کردہ اختیارات اور حکومت کا مالک ہوتا ہے۔ یا جیسے فرمایا گیا ہے کہ: فَلَنُؤْتِيَنَّكَ قَبْلَةَ تَرْضَاهَا قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (بقرہ 2/144) ”ہم ضرورتاً تمہاری ولایت کا ایسا مرکزی قبلہ مقرر کرتے ہیں کہ تم اُس سے راضی ہو جاؤ گے۔ چنانچہ تم اپنی توجہ، مسجدِ محترم کے نصف دائرہ میں ولایت پر مرکوز رکھو۔“

یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ ولی ایسے حاکم کو کہنا چاہئے جو ہر حال میں ہمدرد و بھی خواہ ہو۔ ورنہ عام حاکم جاہر و ظالم و خود غرض ہو سکتا ہے۔ اب یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ کہ قریش نے لفظ ولی اولیا کے معنی بدل کر ولایت و حکومت الہیہ کو سو فیصد چھپا دیا۔ اور قومی یا جمہوری حکومت بنانے کے لئے ہر وہ مکر و فریب و سازش کی جو اُن کے لئے ممکن تھی۔ تیسری نظر۔ قومی حکومت بنانے کی بیماری اور دلوں میں پوشیدہ منصوبے کو چھپانے کے لئے مودودی نے قرآن میں اضافہ کیا اور دونوں قوموں کو چھپا دیا ہے۔

سب سے پہلے قارئین یہ دیکھیں کہ ان آیات (54 تا 5/51) میں کہیں بھی لفظ ”نفاق“ نہیں ہے۔ مگر مودودی نے دو جگہ لفظ نفاق ترجمہ میں بڑھا کر یہ لکھا ہے کہ:

(1) ”تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں ”نفاق“ کی بیماری ہے“ اور

(2) ”یہ لوگ اپنے اس ”نفاق“ پر جسے یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔“

یہ ہے وہ کوشش جو قریشی صحابہ کی سازش کو منافقوں سے چپکانے کے لئے قریشی علما کو سارے قرآن میں کرنا پڑی ہے۔ تاکہ قریشی صحابہ پر عوام کو شبہ نہ ہونے پائے۔ اور الزام منافقوں پر سمجھا جائے۔ حالانکہ اللہ نے اُن لوگوں کو اور اُن کے دل میں پوشیدہ مرض کو واضح کر دیا ہے۔ وہ ایسے مومن صحابہ ہیں جو یہود و نصاریٰ سے مل کر قومی حکومت بنانے کے لئے قرآن میں تبدیلیاں کر رہے ہیں انہیں اپنا قاضی و مفتی اور ولی و اولیا بنا رکھا ہے۔ اور سارے حقیقی مومنین سے اپنی سازش کو صیغہ راز میں رکھا ہوا ہے۔ اور جنہیں اللہ نے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کہہ کر مخاطب فرمایا ہے۔ مگر مودودی اُن کو منافق بنائے دے رہے ہیں۔ اور اُن کے دل میں قومی حکومت کی بیماری کی جگہ نفاق کی بیماری بتاتے ہیں اور کمال یہ ہے کہ اس سے پہلے۔ دل کے مریضوں کو ”دنیا پرست اور غافل مسلمان“ لکھا تھا۔ اور منافقوں کو ایک الگ گروہ قرار دیا تھا۔ (8/49 تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 150)

پھر ان آیات میں دو جگہ لفظ ”قوم“ آیا ہے لیکن مودودی کے ترجمہ میں کہیں لفظ قوم نہ ملے گا۔ اس لئے کہ پہلے اللہ نے یہود و نصاریٰ کو اولیا بنانے اور قومی منصوبے میں مدد لینے والی قوم کو الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ فرما کر ہمیشہ کے لئے اپنی ہدایت سے محروم کیا ہے۔ لہذا مودودی کے لئے ضروری ہو گیا کہ اپنی راہنما قوم کو بچائیں اور کوئی چار سو بیسی کریں لہذا ترجمہ میں قوم کو ساقط کر کے یہ جملہ لکھ دیا کہ:

یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی راہنمائی سے محروم کر دیتا ہے“

اس سے قریش کی پوری قوم کا ظالم اور ہدایت سے محروم ہونا چھپ کر رہ گیا۔ دوسری جگہ اللہ نے اس ظالم قوم کو یعنی قریشی قوم کو اُس کے مرتد ہو جانے کی صورت میں اسلام سے خارج کر کے اپنی ایک محبوب اور محبت کرنے والی قوم کو لانے کا اعلان کیا ہے ”يَا تِسَى اللّٰهُ بِقَوْمٍ“ یہاں بھی ضروری تھا کہ مودودی کوئی کرتب دکھائیں تاکہ اُن کی راہنما قوم اور صحابہ کا راندہ درگاہ خداوندی ہو جانا غائب ہو جائے اور ایک ایسی عظیم الشان قوم کا لایا جانا اُن کے ہم مذہبوں میں ہیجان برپا نہ کر دے۔ لہذا اس ملعون نے پہلے تو ترجمہ سے لفظ قوم غائب کر لیا اور پھر لکھا بھی تو ایسا جملہ لکھا جو کم از کم بیس سال بعد مفید ہو سکتا ہے۔ یعنی: ”اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ اُن کو محبوب ہوگا“۔

یعنی پہلے کسی قوم کا من حیث الکل آنا غائب ہو گیا۔ پھر جو لوگ پیدا ہوں گے وہ ممکن ہے کہ بیس سال بعد قریش سے کچھ بہتر ہوں تو ہوں۔ پھر اس ملعون نے اُس محبوب قوم کی ایک صفت ہی کو تبدیل کر دیا اللہ نے فرمایا تھا کہ: يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (5/54) رفیع الدین کا ترجمہ:-

”جہاد کریں گے بیچ راہ اللہ کے“ (ترجمہ قرآن صفحہ 142)

مگر مودودی نے لکھا ہے کہ:- ”اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے“ (صفحہ 481)

حالانکہ یہ ملعون، (1)۔ يُجَاهِدُونَ (2)۔ جَاهِدُوا۔ کے ترجمے جہاد کرتا رہا ہے۔ (9/44,81,86,88) وغیرہ۔

(ج) قریشی صحابہ کے دلوں میں جما ہوا مرض اللہ نے بیان کر دیا ہے وہ طاغوتی حکومت چاہتے تھے تمام کتبہائے خداوندی کو طاغوتی بنا رہے تھے۔

مودودی نے پہلے دل کے مریضوں کو دنیا پرست اور غافل مسلمان قرار دیا جب زیادہ دباؤ پڑتا دیکھا تو انہیں نفاق کا مریض لکھ دیا۔ لیکن اللہ یہ بتا رہا ہے کہ: مودودی ترجمہ:

”اے نبی تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور اُن کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں (يُؤَيَّدُونَ) کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے (يُؤَيَّد) اور جب اُن سے کہا جاتا کہ آؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور اُو رسول کی طرف تو ان منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ پھر اُس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے؟ اُس وقت یہ تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، ان سے تعرض مت کرو، انہیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اُتر جائے۔ (انہیں بتاؤ کہ) ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی (مغفرت) مانگتے، اور رسول بھی اُن کے لئے معافی (مغفرت) کی درخواست کرتا، تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔ نہیں، اے محمد تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اُس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں“۔ (4/60 تا 65) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 369-366)

جیسا کہ سابقہ عنوان (پانچویں نظر 8/48، صفحہ نمبر 1225) میں معلوم ہوا کہ قریش کے ساتھ ابلیس کا مادی و محسوس و مشہور رابطہ تھا اور وہ اُن کی راہنمائی کے لئے اُن کا ساتھی اور پڑوسی (جَارٌ) بنا ہوا تھا (8/48) اب اسی شیطان کا ارادہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ قریش کو راہ راست سے دور سے دور لے جا کر چھوڑے گا اور قریش کا اپنا ارادہ بھی یہ ہے کہ وہ قرآن اور تمام سابقہ کتابوں پر ایمان رکھیں گے لیکن اپنے ایمان و عمل کا دار و مدار قریشی مرکز (طانوت) کی صواب دید پر منحصر سمجھیں گے۔ یہ بات ان آیات (4/60) میں اُس لفظ سے اور بھی واضح ہو جاتی ہے جو اللہ نے شیطان اور قریش کے لئے نازل فرمایا ہے یعنی ”يُرِيدُونَ“ اور ”يُرِيدُ“ یہ الفاظ ”مضارع“ کی صورت میں نازل ہوئے ہیں اور یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ مضارع کے معنی حال اور استقبال دونوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یعنی:-

طانوت کی دائمی حکمرانی۔ ”قریش کا ارادہ یہ ہے اور آئندہ بھی یہی ارادہ رہے گا کہ احکامات اور فیصلوں کے لئے طانوت سے وابستہ رہیں“۔
شیطان کی مستقل راہنمائی۔ ”ابلیس کا ارادہ یہ ہے اور آئندہ بھی یہی ارادہ رہے گا کہ وہ قریش کو راہ راست سے دور سے دور لے جا کر چھوڑے“۔
قریش کے دلوں میں جاگزیں مستقل مرض طانوتی یا قومی حکومت تھی۔

لہذا ان دونوں الفاظ يُرِيدُونَ اور يُرِيدُ سے واضح ہو گیا کہ قریش کے دلوں میں قومی یا طانوتی حکمرانی قائم کرنے کا ارادہ ہی وہ ”مرض“ تھا جسے اللہ نے اپنا تکیہ کلام بنا کر قریش کے کرتادھرتا بڑے صحابہ کو ”الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ“ (مائدہ 5/52 وغیرہ) کا لقب اور خطاب دے دیا تھا۔
اللہ کے وہ تمام جملے جو اُن کی قلبی بیماری یا قومی حکومت یا منصوبے کو ظاہر کرتے اور انہیں چڑاتے ہیں۔

لہذا جہاں بھی قرآن میں یہ جملہ یا اسی قسم کے دوسرے جملے آئیں تو سمجھ لیں کہ قریشی لیڈروں کی دُکھتی رگ پکڑی جا رہی ہے۔ اور انہیں اُن کے تہہ در تہہ پوشیدہ رازوں، اسکیموں اور کوششوں پر بے نیازی سے منہ چڑایا جا رہا ہے۔ اور ہم ساتھ کے ساتھ مودودی کے حوالے اس لئے لکھیں گے کہ قارئین مودودی کی قریشی قینچی اور کتر بیونت دیکھ سکیں اور مقابلہ کر کے حق و باطل الگ الگ کر لیں۔

(1) قُلْ اِنْ تَحْفَظُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ اَوْ تُبَدُّوْهُ يَعْلَمَهُ اللّٰهُ .. (آل عمران 3/29)

اے رسول قریش کو بتادو کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے، اُسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ بہر حال اُسے جانتا ہے۔ (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 244)

(2) وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ اَكْبَرُ (آل عمران 3/118)

اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 283)

(3) يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ O (تغابن 64/4)

جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سب اُس کو معلوم ہے، اور اللہ دلوں کا حال تک جانتا ہے۔ (ایضاً جلد 5 صفحہ 529)

(4) يَسْتَحْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَحْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ..... (نساء 4/108)

قریشی لیڈر، انسانوں سے اپنے پوشیدہ کارنامے چھپاتے ہیں مگر اللہ سے تو نہیں چھپا سکتے۔ (ایضاً جلد اول صفحہ 395)

(5) وَاَسْرُوْا قَوْلَكُمْ اَوْ اَجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ O (ملک 67/13)

خواہ تم اپنی باتیں راز میں رکھو یا بلند آواز سے بولا کرو یقیناً اللہ تو سینوں کے اندر کی باتیں اور تصورات بھی جانتا ہے۔ (ایضاً جلد 6 صفحہ 46-47)

(6) يَوْمَئِذٍ تَعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ O (حاقہ 69/18)

وہ دن ہوگا جب تم لوگ پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی راز بھی چھپا نہ رہ جائے گا۔ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 75)

(7) يُخْفُونَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَا مِنْ اَلْمُرْسِيْنَ... (آل عمران 3/154)

دراصل یہ قریشی صحابہ اپنے دلوں میں جو منصوبہ چھپائے ہوئے ہیں وہ تجھ پر ظاہر نہیں کرتے۔ اُن کا اصل مطلب یہ ہے کہ اگر انہیں اسلام کی قیادت کے اختیارات حاصل ہو جائیں.....“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 296)

(8) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسْرُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ (نحل 16/19)

اور اللہ تمہارے راز دارانہ منصوبے کو بھی جانتا ہے اور تمہاری ظاہری کاریاں سے بھی واقف ہے۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 532)

(9) اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسْرُوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ (16/23)

یہ بھی کہ یقیناً اللہ ان کے راز میں پوشیدہ منصوبے کو بھی جانتا ہے اور ان کے ظاہری پروپیگنڈے پر بھی مطلع ہے۔ (ایضاً جلد 2 صفحہ 533)

(10) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ (ماندہ 5/99)

اور اللہ سے بھی جانتا ہے جو تم پوشیدہ کارروائیاں کرتے ہو اور وہ بھی جانتا ہے جو تم لوگوں کو دکھانے کے لئے کرتے ہو۔ (ایضاً جلد اول صفحہ 506)

(11) وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ (نمل 27/25)

جسے تم علانیہ کرتے اور کہتے ہو اُسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم مخفی رکھنا چاہتے ہو اس کا بھی عالم ہے۔ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 570)

(12) فَتَنْبِئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (سورہ لقمن 31/23)

پھر ہم انہیں وہ تمام غیبی خبریں دے دیں گے جو اُن کے خیال میں کسی کو معلوم نہیں اور اُن کی تمام پوشیدہ کارستانیوں اُن کے سامنے لے آئیں گے

یقیناً اللہ سینوں کے اندر پوشیدہ تصورات سے بھی واقف ہے۔ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 21)

(13) فَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسْرُوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ (سورہ یسین 36/76)

اے رسول تمہیں قریش کی یہ باتیں رنجیدہ نہ کریں اس لئے کہ ہم ان باتوں کا وہ مطلب بھی جانتے ہیں جو اُن کے پوشیدہ منصوبے سے متعلق ہے

اور وہ مطلب بھی ہمیں معلوم ہے جس کا یہ پروپیگنڈا کرتے پھرتے ہیں۔ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 271)

(14) يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝ (مومن 40/19)

اللہ کو قریش کی آنکھوں کی خیانتیں اور آنکھ مارنا بھی معلوم ہے اور وہ منصوبہ بھی معلوم ہے جو اُن کے سینوں میں چھپا ہوا ہے۔ (ایضاً جلد 4 صفحہ 401)

(15) يَوْمَ هُمْ بَرْزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلٰى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۝ (مومن 40/16)

جس دن جنگی مبارزت اور چیلنج کر کے حکومت و حکمرانی چھین لی جائے گی اُس روز تو یقین کرو گے کہ اللہ کے نمائندوں پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔

(16) اَلَا اِنَّهُمْ يَشْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ اَلَا حِيْنَ يَسْتَعْشِرُوْنَ نِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسْرُوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ

الصُّدُوْرِ ۝ (سود 11/5)

”خبردار ہو جائیں وہ لوگ جو اپنے سینوں میں دوہرا منصوبہ رکھتے ہیں تاکہ اُس دوہرے پن کی وجہ سے وہ اللہ اور رسولؐ سے مخفی رہ جائیں۔ خبردار

ہو کہ سنو کہ اللہ تو اُن تمام تفصیلات سے بھی باخبر ہے جو وہ اپنے کپڑوں کے اندر چھپائے ہوئے ہیں اور وہ اُن کی راز دارانہ اسکیم کا بھی علم رکھتا ہے۔

اور اس ظاہر دکھائے پر بھی مطلع ہے جو وہ اعلان کر رہے ہیں۔ یقیناً اللہ سینوں کے اندر پوشیدہ تصورات کا بھی عالم ہے۔

(17) وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يَبْتَغُونَ فَاعْرِضْ عَنْهُمْ... (نساء 4/81)

”اور اللہ اُن کے وہ تمام مشورے اور فیصلے لکھ رہا ہے اور لکھتا رہے گا جو وہ راتوں کو چھپ کر کرتے رہتے ہیں آپ اُن کی طرف سے دھیان ہٹالیں“

(18) يَقُولُونَ يَا فَوْاْهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝ (آل عمران 3/167)

”قریشی لیڈرز بان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہوتیں اور اللہ اُس منصوبے کو خوب جانتا ہے جسے یہ چھپاتے ہیں۔“

(19) اُوْلٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ... (نساء 4/63)

”یہ وہی قریشی صحابہ ہیں جن کے دلوں میں جو منصوبہ ہے اللہ اُسے جانتا ہے۔“

(20) يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخٰدِعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ

الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنْتُمْ مِّنْ كَمَا مَنَ السُّفَهَاءُ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ

السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذْ اَقْوَمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلَىٰ شَيْطٰنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ

مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهٖمْ وَيَمْدُهُمْ فِى طُعْيٰنِهِمْ يَعْهَمُوْنَ ۝ اُوْلٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوْا الضَّلٰلَةَ بِالْهٰدٰى فَمَا

رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ (بقرہ 16 تا 29)

(د) اللہ نے ان آیات (16-29) میں قریش کی بیماری حکومت اور اُن کا رویہ اور اسلامی تعلیمات میں انفرادیت اور حقیقی مومنین کے ساتھ

سلوک دکھایا ہے۔

سورہ بقرہ کی یہ آٹھ آیات قریشی مسلمانوں اور اُن کے راہنما لیڈروں کا حال بیان کرتی ہیں۔ یہاں منکرین اسلام یا یہود و نصاریٰ اور

مشرکین کا قطعاً تذکرہ نہیں ہوا ہے۔ یہاں تو وہ صحابہ خاص طور پر زیر گفتگو رہے ہیں۔ جن کے دلوں میں مرض ہے۔ اور وہ اُس مرض کی موجودگی کو

چھپانا چاہتے ہیں۔ یعنی اُدھر اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں یعنی یہ سمجھ رہے ہیں کہ اُن کا اختیار کردہ اسلام وہی ہے اور اسی طرح کا ہے جیسا اللہ چاہتا

ہے۔ ساتھ ہی وہ حقیقی مومنین کو بھی یہ یقین دلائے ہوئے ہیں کہ وہ بھی حقیقی مومن ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسا یقین کر کے خود فریب میں مبتلا ہو گئے لیکن حقیقت حال کا شعور نہیں ہے۔ لاشعوری میں اُن کا مرض بڑھتا

جا رہا ہے اور اُن کے لئے دردناک عذاب واجب ہو چکا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ وہ غلط تعبیرات کر کے قرآن کی حقیقی تعلیمات کو ایک قریشی قسم کے

اسلام پرفٹ کر کے جھٹلا رہے ہیں۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ جب قریشی لیڈروں کو بتایا جاتا ہے کہ تم جس طریقے سے اسلام کو لوگوں میں نافذ کر رہے ہو

یہ تو فساد پر منتج ہوگا۔ اس پر وہ بڑے اطمینان سے کہتے ہیں کہ حقیقی اصلاح تو ہمارے ہی اسلامی طریقے سے ہوگی۔ اُن کو بتایا جا چکا ہے کہ صحیح معنی میں

قریشی صحابہ ہی فساد پھیل رہے ہیں۔ مگر انہیں حقیقت کا شعور نہیں ہے۔ اور جب اُن سے یہ کہا جاتا ہے کہ بھائیو تم اسلام کی اُن ہی تعبیرات پر اور اسی

طرح سے ایمان لاؤ جس طرح باقی مسلمان مانتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسلام کے متعلق اسی طرح کے غلط سلسلہ عقائد و ایمان اختیار

کر لیں۔ جیسا کہ جاہل و احمق و اُن پڑھ لوگ ایمان لائے ہیں؟ خبردار ہو کہ صرف قریشی دانشور ہی حقیقی معنی میں بے وقوف و احمق ہیں مگر اپنی

حماقت کا علم نہیں رکھتے۔ ان اختلافات و عقائد کو عوام سے پوشیدہ رکھ کر جب بھی وہ عام مومنین سے ملتے ہیں تو خود کو ویسا ہی مومن ظاہر کرتے ہیں اور وہ انہیں اپنے ایسا مسلمان سمجھتے ہی ہیں۔ مگر جب یہ لوگ اپنے قریشی لیڈروں کے پاس جاتے ہیں تو بتاتے ہیں کہ ہم تو سو فیصد تمہارے طریقے پر قائم ہیں ہم تو بے وقوف مسلمانوں والے اعمال و عقائد کا مذاق اڑانے کے لئے اُن ہی کی طرح عمل کر رہے تھے۔ مگر وہ تو اتنے احمق ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ہم اُن کا اور اُن کے اختیار کردہ اسلام کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ کا انتظام اُن کا مذاق اڑا رہا ہے اور اُنہیں اُن کی طاغوتیت اور سرکشی میں ڈھیل دے کر آگے بڑھا رہا ہے تاکہ وہ بھٹکنے میں سہولت حاصل کرتے رہیں۔ وہی مسلمان تو ہیں جنہوں نے ہدایت دے کر گمراہی خریدی ہے۔ چنانچہ نہ تو اُن کی یہ تجارت ہی اُن کے لئے مفید ہوئی اور نہ ہی وہ ہدایت یافتہ ہو سکے۔“

(ہ) بیمار ان حکومت کی قرآن فہمی اور قرآن کو اپنے منصوبے پر ڈھالنے کا طریقہ یہی تھا جو چودھویں صدی تک برابر قریشی علما میں جاری رہا ہے۔

مندرجہ بالا عنوان تک یہ بات واضح ہو چکی کہ قریشی لیڈر اپنے دلوں میں مسلسل قومی حکومت بنانے کا پروگرام رکھتے اور اللہ کی طرف سے مختلف ریماکس اور طنز سننے برداشت کرتے چلے آئے۔ اُن کے لئے بہت سہولت ہوتی اگر آنحضرتؐ بھی سابقہ انبیاء کی طرح پورا قرآن اُن کے سامنے رکھ دیتے۔ قرآن کے اس طریقہ تلاوت نے قریشی ماہرین کو بہت تنگ پکڑا تھا۔ انہیں شروع سے آخر تک کبھی بھی یہ پتہ نہ چلنے پایا کہ کل کیا تلاوت کیا جائے گا؟ اور کون سی بات نازل ہو جائے گی؟ اس لئے اُن کی پروگرامنگ اصولی ہوتی تھی، تخمینہ رہتی تھی۔ انہیں ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ نہ معلوم کل پروگرام میں کہاں، کیا اور کیسی اور کتنی تبدیلی کرنا پڑے اور پھر وہ تبدیلی ہماری حماقت بن کر قرآن میں نازل ہو جائے گی۔ مگر خیریت یہ تھی کہ نہ قرآن میں نام لے کر بات کی جاتی تھی نہ ہی لوگوں کو منہ پر مطعون کیا جاتا تھا۔ یہ پردہ داری جہاں بیمار ان حکومت کو مستقبل میں کام کرنے کا موقعہ دیتی تھی وہیں یہ اسلام کی بنیادی پالیسی کے لئے بھی مفید تھی۔ یعنی قریشی ماہرین کو اسلام کے کھلے انکار اور مزاحمت سے روکتے ہوئے بھولے بھالے سیدھے سادے بے غرض انسانوں کو اسلام اختیار کرنے اور اپنے اسلامی عقائد پنپنے کرنے میں مدد دیتی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ دیکھو قریش کے کتنے قدر اور عظیم الشان لوگ اسلام لے آئے ہیں۔ انہیں اس مثال سے مدد ملتی تھی۔ وہ غریب یہ نہ جانتے تھے کہ وہ لیڈر تو بیمار ان حکومت ہیں اور ایک مخصوص قسم کا قومی اسلام تیار کر رہے ہیں۔ ادھر قریشی راہنماؤں کو قوی امید رہتی تھی کہ وہ نومسلموں کو آسانی سے اپنا قومی اسلام سکھا کر رسولؐ کی پالیسی کے خلاف تیار کر سکیں گے۔ اس دوڑنی افادیت کے لئے نزول قرآن کی بے نام پالیسی جاری تھی اس طرح یہ موقع تھا کہ قریش کی مذمت اور اُن کا کچا چٹھا مرتب کیا جاتا رہے اُن کے لمحہ بہ لمحہ حالات و اقدامات مسلمانوں کے روبرو آتے رہیں۔ اور قریشی صحابہ کبھی یہ کہہ کر کہ یہ مذمت منافقوں کی ہوئی ہے ہدف ملامت بننے سے بچتے رہیں۔ کبھی کافروں پر الزام دھرتے رہیں کہیں اہل کتاب کی آڑ میں چھپ جائیں اور کہیں ضعیف الایمان لوگوں میں پناہ لیتے رہیں۔ ادھر قرآن کے بیانات کلیدی الفاظ آیات میں رکھ کر قریش اور بیمار ان حکومت کا تعین کرتے رہیں۔ ایک بے نام اور بھرپور تنزیل جاری رہی۔ اور نزول قرآن کے زمانے والے قریشی علما ہی نہیں بلکہ آج تک کے بعد والے علما بھی اپنے مذہب اور تصورات کی مرمت اور ادھیڑ بن میں مبتلا رہے اور اُن میں ہزاروں مرکزی اور بنیادی اختلافات پیدا ہوتے بڑھتے چلے گئے۔ یہی طریقہ تلاوت تھا جس نے حقیقی علما کو عمری و بکری اسلام کی شکست و ریخت میں مدد دی۔ اور وہ قریشی علما کو فٹ بال کی طرح کھیلنے کھلاتے وہاں لے آئے جہاں اُن کے پاس حق کو قبول کرنے کے سوا دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اور اُن کے عوام تو ہماری صرف پانچ منٹ کی گفتگو سے حق کو قبول کر لیتے ہیں۔ یہی وہ قرآنی حربہ ہے جو باطل کو چاروں طرف سے گھیرنے کے لئے آیات کا جال بچھا دیتا ہے۔ اور منوں میں انبار لگا دیتا ہے۔ ابھی ابھی ہم

نے بیمار ان حکومت پر آیات کا ڈھیر پیش کیا تھا۔ اس کے باوجود یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ قرآن کا سامان ختم ہو گیا ہے۔ نہیں بلکہ ہم نے قریش کے اُس طریقے سے روشناس کرانے کی طرف رُخ موڑا ہے جو وہ لوگ قرآن کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے استعمال کرتے تھے اور جس سے وہ حقائق اسلام کو سامنے سے ہٹا کر بتدریج، غیر محسوس طور پر اپنے منصوبے کو اور منصوبے کے اجزا کو حق کے لباس میں پیش کرتے تھے۔ اس طریقہ تک پہنچنے کے لئے دو قدم رک کر چلنا ہوگا اور پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ بعض آیات کس طرح انہیں حیران و ششدر کر کے رکھ دیتی تھیں اور کس طرح اُن کا خمینی پروگرام الٹ کر رہ جاتا تھا۔ حیرت سے منہ کھلے اور آنکھیں پھٹی رہ جاتی تھیں۔ نزول قرآن کا ایک نظارہ جو اچانک پیش نہ آیا تھا۔ بلکہ قریشی صحابہ خود تقاضا کر رہے تھے کہ:

(1) عہد رسول میں بھی حضرت علیؑ نے جہاد کے حکم پر قریشی صحابہ پر مردنی چھائی ہوئی دیکھی تھی۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نَزَلَتْ سُورَةٌ فَادَّا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَى لَهُمْ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَادَّا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۝ (محمد 21-20/47)

”قریشی مومنین برابر تقاضا کرتے رہے کہ جہاد کی اجازت پر سورۃ کیوں نازل نہیں ہو رہی ہے؟ لیکن جب ایک محکم سورہ نازل ہوئی جس میں جہاد کا ذکر کیا گیا تو تم نے اُن مومنین کو دیکھا جن کے دلوں میں حکومت کا روگ جما ہوا ہے کہ وہ سب تمہاری طرف اس طرح طوطا چشمی سے دیکھ رہے تھے جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو۔ اُن پر شخص اولیٰ کا مسلط ہونا ہی اُن کو ہوش میں لائے گا۔ اُن کی زبان پر فرمانبرداری کے نعرے اور پسندیدہ جملے (Dialogue) رہتے ہیں۔ مگر جنگی قیادت کا فیصلہ ہونے پر اگر وہ اللہ کی تائید و تصدیق کرتے تو اُن کے لئے خیریت رہتی۔“

دیکھا آپ نے قرآن کا سامان ختم نہیں ہوا ہے۔ بلکہ شروع ہوا ہے۔ اور قریشی صحابہ کے نئے نئے انداز سامنے آرہے ہیں اور آیات اور سورتوں کے نزول پر اُن کا رد عمل پھر بیان ہو رہا ہے۔ اور بتایا جا رہا ہے کہ:

(2) ہر اترنے والی سورۃ اور آیت بیمار ان حکومت یعنی کارپردازان قریش کے لئے درد سر پیدا کر دیتی تھی اور وہ نئی راہیں نکالنے کے لئے مومنین کا تاثر دیکھتے تھے۔

وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا سُورَةً فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَرَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَرَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ۝ (سورہ توبہ 125-124/9)

”جب بھی کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو وہ مومنین جن کے دلوں میں حکومت حاصل کرنے کی بیماری ہے مومنین کا رد عمل دیکھنے کے لئے پوچھا کرتے ہیں کہ تم میں سے کون اس سورۃ سے زیادہ استفادہ کرتا ہے اور اُس کے ایمان و یقین و معلومات میں اس سے کیا اور کیسا استفادہ ہوا ہے؟ لیکن بیمار ان حکومت کے ناپاک منصوبے میں تو ناپاک کا اور اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور انہیں مرتے مرتے بھی حقائق کو چھپاتے رہنے کی فکر دامنگیر رہے گی۔ مگر حقیقی مومنین کے ایمان و یقین و اطمینان اور معلومات میں نہ صرف اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے بلکہ وہ تو دن رات خوشیاں بھی مناتے رہتے ہیں“

(3) بیمارانِ حکومت کا قریش میں مقام، منافقین کا ساتھ رہنا، نزولِ قرآن پر نگرانی رکھنا اور قریشی مرکز میں رسول کے احکام و اطلاعات کی ترسیل

نزولِ قرآن پر نظر رکھنے اور آیات میں معنوی رد و بدل کر کے قوم میں پھیلانے کی باتیں برابر ہوتی چلی آرہی ہیں۔ اور برابر یہ پہلو سامنے سے گزرتا رہے گا یہاں جس چیز کو زیادہ سے زیادہ سامنے رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ قریشی علما اپنی تفسیروں اور تشریحات میں ان لوگوں کو معمولی اور گھٹیا درجہ کے لوگ کہہ کر سامنے سے ہٹاتے اور چھپاتے رہے ہیں جن کے لئے اللہ نے قرآن میں بار بار ”الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ“ ”وہ لوگ جو قلبی بیماری میں مبتلا ہیں“ فرمایا ہے۔ لیکن نہ اللہ نے ان کے تذکرے پر خواہ مخواہ اتنی آیات قرآن میں نازل کیں اور نہ ہم نے انہیں نظر انداز کرنے کے لئے اتنے حوالے اور حالات قرآن سے پیش کئے ہیں۔ یہ صورت حال اور اہمیت چلا چلا کر کہہ رہی ہے کہ وہ لوگ قومی درد و کدول کی گہرائی میں لئے لئے پھرتے تھے۔ وہی لیڈر تھے جو قریش کے حقیقی بھی خواہ اور ان کی فلاح و بہبود کے ذمہ دار تھے۔ انہوں نے قومی مقاصد کو سینے سے لگا رکھا تھا۔ وہ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت قومی حکومت قائم کر کے قریش کو آفاقی اور عالمی امامت سوچنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے اور یہ سب کچھ نہیں سکتا تھا جب تک خاندانِ رسالت کی تین ہزار سال سے مسلسل چلے آنے والی اور قرآن میں مذکور حکومت (مُلْكًا عَظِيمًا، سورہ نساء 4/54) کو آئندہ کے لئے غلط اور ناجائز ثابت نہ کر دیا جائے۔ ذرا سوچئے کہ قرآن سے اتنا بڑا کام لینا کتنا مشکل تھا؟ اُسے انجام دینے اور پورے قرآن کو اپنے قومی و قلبی منصوبے سے ہم آہنگ کرنے کے لئے کتنی قابلیت و ہمت و قانونی مہارت کی ضرورت تھی؟ جن لوگوں نے قوم کی طرف سے یہ عظیم الشان ذمہ داری سنبھالی تھی اور ایک دن اس ذمہ داری کو پروان چڑھا کر قوم کو ساری دنیا کی امامت و سربراہی و راہنمائی سونپی تھی۔ ان کو نظر انداز کرنا ہمارا کام نہیں ہے یہ دوسری بات ہے کہ قریش روز ازل سے یہ چاہتے تھے کہ دنیا پر وہ راز نہ کھلے جو دلوں کی بیماری بن کر رہ گیا تھا۔ جس نے راتوں کی نیند اور دن کا چچن حرام کر دیا تھا (نساء 108-4/81) اور اسی لئے ساری قوم ان کے منہ اور ہاتھوں کی طرف دیکھتی رہتی تھی کہ کب کیا حکم دیتے ہیں اور کیا اشارہ کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ ان کے باڈی گارڈ اور رابطہ قائم رکھنے والے جاسوس یا منافقین اور غلام رہتے تھے۔ جاسوس یا منافقین چونکہ بدلتے رہتے تھے۔ اس لئے وہ مجمع عام میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے سے گھبراتے تھے کہ کہیں مجمع میں سے کوئی ان کو پہچان نہ لے۔

(4) منافقوں یا جاسوسوں کا محتاط رویہ اور اشاروں اشاروں میں کام انجام دینا۔

چنانچہ وہ لوگ جو نزولِ قرآن اور دیگر اطلاعات قریشی مرکز میں پہنچانے پر مامور رہتے تھے۔ ان کی کارگزاری خود قرآن نے ریکارڈ کی ہے وہ سنئے۔ فرمایا گیا کہ:

وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا سُورَةً نَّظَرُوا بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (توبہ 9/127)

”جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو قریشیوں کا نگرانِ گروہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتا ہے کہ کہیں ہمیں کسی نے بھانپ تو نہیں لیا ہے۔ پھر نہایت احتیاط سے کھسک جاتے ہیں۔ اللہ نے تو ان کے دلوں ہی کو کھسکا رکھا ہے۔ کیوں کہ ان کی فقہ میں تو اور کسی چیز کی گنجائش ہی نہیں ہے۔“

اس آیت میں چونکہ لفظ قوم آیا ہے اس لئے مودودی پر لازم تھا کہ وہ ترجمہ میں قوم کی ہوا تک نہ لگنے دیتے اور ساتھ ہی جن لوگوں کی اور جس قوم کی سوجھ بوجھ خود اس آیت میں ثابت ہے اُسے مودودی نے ”ناسمجھ لوگ“ قرار دیا ہے۔ حالانکہ اللہ نے اسی قوم کے لئے فرمایا ہے کہ:

وَإِذْ يَبْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُبْسِتُوكَ أَوْ يُقَتِّلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِيينَ (انفال 8/30)

مودودی ترجمہ دیکھئے وہی قوم صاحب تدبیر۔

”وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ منکرین حق (کُفَرُوا) تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے“

(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 140-141)

قارئین دیکھیں اسی شخص نے یہ ترجمہ کیا تھا کہ: بَانَهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (توبہ 9/127) ”کیوں کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں“ (ایضاً جلد 2 صفحہ 254) ذرا سوچیں کہ یہ ملعون اول تو لفظ ”قوم“ کو یکسر غائب کر لیتا ہے پھر اُس مکار و چال باز قوم (8/30) کو ”ناسمجھ لوگ“ بنا دیتا ہے۔

بہر حال اس آیت میں یہ نظارہ سامنے آ گیا کہ کچھ لوگ رسول اللہ کے آس پاس اس لئے لگے رہتے تھے کہ کوئی نئی آیت یا سورہ نازل ہو تو قریشی مرکز کو فوراً مطلع کر دیا جائے۔ یہ گروہ جلسہ عام کے اندر ہر اُس نگاہ کی زد سے بچ کر رہنا چاہتا تھا جو ممکن ہے کہ اُن کی نقل و حرکت کی تلاش میں ہو۔ چنانچہ پورے جلسہ گاہ کو بھی اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو نظر میں رکھتے تھے۔ تاکہ جیسے ہی کسی غلط نظر کا دباؤ محسوس ہو پارٹی کا ہر فرد مطلع اور چوکنا ہو جائے۔ چنانچہ جب کبھی ایسا ہوتا تھا تو وہ باری باری غیر محسوس طریقے سے ہسکک جایا کرتے تھے۔ اللہ کے اس بیان سے جہاں قریش کے منافق گروہ کی ڈیوٹی اور محتاط طریقہ معلوم ہو گیا وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قریش کے لیڈروں کو قرآن اور نزول قرآن کی بھی انتہا درجہ کی فکر رہتی تھی۔ اور کیوں نہ رہتی جب کہ یہ بھی اُن ہی کی ذمہ داری تھی کہ قریشی قوم کے افراد میں قرآن کا کوئی غلط عقیدہ یا عمل جاری نہ ہونے پائے۔ اور قریشی عوام صرف اُن عقائد و اعمال کو اختیار کریں جس پر قریشی مرکز اپنی مشاورت کے بعد متفق ہو گیا ہو۔

(5) رسول کا صرف وہ حکم اختیار کیا جائے گا جو قریشی مرکز کے مطابق ہو۔

ورنہ رسول کے ہر حکم کو ترکیب سے ٹال دینے کا حکم قریشی مرکز سے جاری ہو چکا تھا۔ یہ بات بھی قرآن سے سنئے:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَنْفُتُونَ اِنَّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الَّذِيْنَ هٰذَا فَخٰذُوْهُ وَاِنَّ لَم تُوْنُوْهُ فَاَحْذَرُوْا الخ (ماندہ 5/41)

”قریشی صحابہ قرآن کے الفاظ اور مطالب کا رخ اپنے منصوبے کی طرف موڑتے رہتے ہیں باوجودیکہ اللہ نے قرآن کے الفاظ کے معنی و مفاہیم متعین کر دیئے ہیں۔ اُنہوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ اگر تمہیں رسول اللہ بھی مفہوم بتائیں تو عمل کر لیا کرو اور اس کے خلاف بتائیں تو ترکیب سے ٹال دیا کرو۔“

معلوم ہوا کہ مدینہ میں بھی اسلام کے نام پر دو مرکزوں سے اللہ کی تعلیمات نافذ ہوتی رہیں اور یوں دو قسم کے مسلمان تیار ہوتے رہے۔ اور یہی وہ دو فرقے یا مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں جن کا تذکرہ قرآن میں ہوتا چلا گیا ہے۔ اور قریشی علماء اس دوسرے فرقے کو طرح طرح چھپانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ کبھی اُن کو ضعیف الایمان کہہ کر چھپایا گیا۔ کبھی منافقوں کا گروہ کہہ دیا گیا۔ کبھی دل کے بیماروں کا گروہ کہہ دیا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب قریشی مرکز کے تیار کئے ہوئے مسلمان تھے اور یہی وہ فرقہ تھا جو حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی بات ماننے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ اور اپنے طے کردہ اصول و عقائد کو منوانے کے لئے رسول سے برابر جھگڑا جاری رکھتا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ:

كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ (انفال 6-8/5)

مودودی کا بلا تکلف ترجمہ۔

” (جب کہ) تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ کو یہ سخت ناگوار تھا۔ وہ اُس حق کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے درآں حالے کہ وہ صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ اُن کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 130-131)

ان آیات میں اور مودودی کے ترجمہ سے صرف یہ دیکھنا کافی ہے کہ:

1- ”مؤمنین ہی کے ایک دوسرے فرقہ کا وجود ثابت ہے، اور یہ کہ” 2- وہ مومن فرقہ اپنی سخت ناگواری کو بلا تکلف ظاہر کرتا ہے“ اور یہ کہ:

3- ”وہ مومن فرقہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی بات نہیں مانتا بلکہ اپنا تصور منوانے کے لئے جھگڑا جاری رکھتا ہے“۔

(6) قریشی مرکز کا تیار کردہ اسلام اور اسلامی عقائد و اعمال کیوں قابل تبدیل نہ ہوتے تھے؟ قریشی مرکز میں دن رات قرآن پر لہر سرج جاری رہتی تھی

جیسا کہ معلوم ہوتا چلا آ رہا ہے کہ قریشی لیڈر، قرآنی اور اسلامی تین ہزار سال سے چلے آنے والی رسول کی خاندانی حکومت کو سامنے سے ہٹا کر اُس کی جگہ قریش کی قومی حکومت قرآن سے قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہیں دن رات قرآن پر لہر سرج کرنا پڑ رہی تھی۔ اور اپنی تحقیق و تلاش اور بحث و مباحثہ اور مشاورت کے بعد جس مسئلے پر مرکزی اتفاق ہو جاتا تھا۔ اُسے تبدیل کرنا اُن کی اسکیم کو مسما کرنے کے مترادف تھا۔ اس لئے وہ کسی ایسے مسئلے میں بھی تبدیلی نہ کر سکتے تھے۔ جو دلیل و برہان سے اُن کے فیصلے کے خلاف بھی ثابت ہو جائے۔ یہی وجہ تھی مندرجہ بالا آیت (8/6) میں قریشی مومن فرقہ کے لوگوں کے جھگڑنے کی۔ بہر حال قریشی ماہرین رسول کے مقابلے میں اپنے لئے جو اسلام تیار کر رہے تھے۔ اُس کی تیاری میں وہ لوگ جن کے قلب میں بیماری بتائی گئی ہے، ہر وقت اپنے مقاصد کو سامنے رکھ کر قرآن کی آیات پر غور کرتے تھے اور وہ پہلو تلاش کرتے تھے جن سے اُن کے مقاصد برآمد ہو سکیں۔ چنانچہ وہ اپنے منصوبے کو قلوب میں رکھ کر قرآن کی آیات پر سے بار بار گزرتے تھے۔ اور جہاں کہیں کوئی ایسا پہلو سامنے آتا تھا جو اُن کے قلبی تصور یا ضرورت کے مشابہ ہوتا تھا، یا ذرا اسی معنوی ہیر پھیر سے مشابہ ہو سکتا تھا۔ وہ ایسی آیات کو نوٹ کرتے جاتے تھے۔ اور اپنے راتوں کے خفیہ اجلاس (نساء 4/81, 108) تمام صحابہ اپنی اپنی نوٹ کی ہوئی منتخب آیات کو سب کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔ اور ہر آیت پر باری باری بحث و مباحثہ کے بعد اصلاح و ترمیم کے ساتھ ایک اجماعی یا اجتماعی فیصلہ کر لیتے تھے۔ جس میں قومی مفاد برقرار رکھا جاتا تھا اور اُن اعتراضات کا جواب ملحوظ رہتا تھا جو دوسرے فرقے کے مومنین کی طرف ممکن ہو سکتا تھا۔ اس کا روای کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ

فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ... الخ (آل عمران 3/7)

مودودی ترجمہ: ”وہی خدا ہے، جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے۔ اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات، جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات، جن لوگوں کے دلوں میں ”ٹپڑھ“ ہے، وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اُن کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ اُن کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 233-235)

مودودی آیات تشابہات کو نہایت خطرناک آیتیں کہتے ہیں۔

ہم مودودی کے ترجمہ پر بعد میں یہ گفتگو کریں گے پہلے یہ سمجھ لیں کہ قرآن میں آیات تشابہات ایسی آیات ہیں جن سے وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھ یا بلیغ یا مرض ہوتا ہے۔ وہ زبردست فتنہ (الفتنة) پیدا کرتے رہے ہیں۔ یعنی اللہ نے آیات تشابہات کو فتنہ پیدا کرنے کا ایک ذریعہ بنا دیا ہے۔ اگر آیات محکمات ہی ہوتیں تو لوگوں کو قرآن کے نام پر فتنہ پھیلانے کا موقع نہ ملتا۔ اُن کی تشریح دیکھئے۔

”تشابہات، یعنی وہ آیات جن کے مفہوم میں اشتباہ (شبہ) کی گنجائش ہے..... ایسی آیات کے مفہوم کو متعین کرنے کی جتنی کوشش کی جائے گی، اتنے ہی زیادہ اشتباہات و احتمالات سے سابقہ پیش آئے گا، حتیٰ کہ انسان حقیقت سے قریب تر ہونے کے بجائے اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا۔ پس جو لوگ طالب حق ہیں اور ذوق فضول نہیں رکھتے، وہ تو تشابہات سے حقیقت کے اُس دھندلے تصور پر قناعت کر لیتے ہیں جو کام چلانے کے لئے کافی ہے اور اپنی تمام تر توجہ محکمات پر صرف کرتے ہیں، مگر جو لوگ بوالفضول یا فتنہ جو ہوتے ہیں، اُن کا تمام تر مشغلہ تشابہات ہی کی بحث و تحقیق ہوتا ہے“۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 234-235)

بات پختہ ہوگئی کہ اللہ نے قرآن میں بعض ایسی آیات بھی شامل کر دی ہیں جن کے معنی میں شبہات اور طرح طرح کے احتمالات موجود ہیں جن پر غور و فکر کرنے سے آدمی گمراہ ہو جاتا ہے۔ لہذا مودودی کا یہ فریب کارانہ بیان بھی ہمارے عنوان کو ثابت کر دیتا ہے۔ یعنی قریش نے جو اسلام تیار کیا تھا وہ آیات تشابہات کی مدد سے تیار کیا گیا تھا۔ اور جتنی گمراہیاں بعد میں پھیلیں یا پھیلانی گئیں وہ سب اُن ہی آیات کی مدد سے پھیلیں اور پھیلانی گئی تھیں۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ممکن ہوا کہ اللہ نے قرآن میں اس قسم کی آیات بھی شامل کر دیں جن کا حقیقی مفہوم بقول مودودی، اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہ سمجھتا تھا۔ یعنی خود رسول بھی آیات تشابہات کے حقیقی معنی و مفہام پر مطلع نہ تھے۔ لہذا عہد رسول کے صحابہ میں اور رسول میں اختلاف اور دوسرا مخالف فرقہ بننے کا سبب آیات تشابہات تھیں۔ جن کے معنی صحابہ (عمر) جاننا چاہتے تھے اور رسول کے جواب سے مطمئن نہ ہو کر بار بار دریافت کرتے تھے اور رسول اللہ تک آ کر ٹال دیتے تھے۔ (الفاروق حصہ دوم صفحہ 110)

لہذا نہ صحابہ تصور وار تھے نہ رسول کی خطاطی۔ خطا اللہ کی تھی جس نے ایسی آیات قرآن میں رکھ دیں جن کے مفہوم پر وہ خود ہی مطلع تھا۔ نہ کوئی اور جانتا تھا نہ اُس نے بتایا تھا۔ اور نہ بعد میں سیکڑوں فرقے بننے اور بنانے میں کوئی خطا وار ہے۔

(7) آیات تشابہات کے سلسلے میں مودودی نے فریب دیا ہے۔ آیات کا صحیح ترجمہ اور مودودی کے ترجمہ کی وضاحت اور دلیل

اب قارئین دوبارہ آیت پر اور مودودی کے ترجمہ پر نظر ڈالیں اور بطور مدد علامہ رفیع الدین مرحوم کا ترجمہ دیکھ کر مودودی کی بڑی بڑی غلطیاں نوٹ کریں۔ رفیع الدین کا ترجمہ۔ ”وہی ہے جس نے اُتاری اوپر تیرے کتاب بعضی اس کی آیتیں محکم ہیں یعنی ظاہری معنوں کی، وہ جڑ ہیں کتاب کی اور اور تشابہ معنی کئی طرف ملتے ہیں وہ لوگ کہ بیچ دلوں اُن کے کے کجی ہے پس پیروی کرتے ہیں اُس چیز کی کہ شبہ ڈالتی ہے اُس میں سے واسطے چاہئے گمراہی کے اور واسطے چاہئے حقیقت اُس کی کے اور نہیں جانتا حقیقت اُس کی کو مگر اللہ“ (ترجمہ صفحہ 62)

علامہ رفیع الدین کا یہ ترجمہ دیکھ کر سب سے پہلے مودودی کے ترجمہ میں سے یہ جملہ خارج کر دیں کہ ”اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں“ یہ جملہ نہ رفیع الدین کے ترجمہ میں ہے نہ کسی اور کے اور نہ آیت کی عربی میں اس جملہ کے لئے الفاظ ہی موجود ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ مودودی نے پہلے سے یہ طے کر رکھا تھا کہ قرآن میں دو طرح کی آیات ثابت کرنا ہیں۔

اس کے بعد مودودی کے ترجمہ میں یہ لکھا گیا ہے کہ: ”وہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں“۔

اور رفیع الدین نے اسی جملہ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ: پیروی کرتے ہیں اُس چیز کی کہ شبہ ڈالتی ہے اُس میں سے“۔

اور عربی کا جملہ یہ ہے ”فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ“ لہذا معلوم ہوا کہ نہ تو عربی جملے میں لفظ ”متشابہات“ موجود ہے اور نہ رفیع الدین نے اپنے ترجمہ میں لکھا ہے۔ ثابت ہوا کہ مودودی نے لفظ متشابہات کا اضافہ کیا ہے اس لئے کہ مودودی پہلے ہی سے چاہتے تھے کہ فتنہ پیدا کرنے کی وجہ آیات متشابہات بن جائیں۔ بہر حال یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ علامہ رفیع الدین بھی قریشی پالیسی اور طرز تفہیم ہی کے پروردہ ہیں اس لئے وہ بھی مجبور ہیں کہ اس راہ پر چلیں جو قریشی حکومتوں نے سات (7) سو سال کی محنت سے تیار کی تھی۔ وہی نہیں بلکہ اس آیت کے ترجمہ میں تمام علمائے شیعہ بھی اُن ہی کے قدم بقدم چلے ہیں۔

ہمارا لفظی یا تحت لفظ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

”وہ وہی ہے جس نے تمہارے اوپر مکمل کتاب (الکتاب) نازل کی ہے۔ اُس کتاب میں (مِنْهُ) محکم آیتیں ہیں جو کتاب کی بنیاد یا ماں ہیں۔ آخری یا دوسری محکمات ہی جیسی ہیں (مشابہ)۔ چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں زلیغ (منصوبہ) ہے وہ اپنے زلیغ سے مشابہت رکھنے والی چیزوں کی پیروی کرتے ہیں تاکہ فتنہ کھڑا کریں اور اُس زلیغ کی تاویل کر لیں۔ اور اُن کے زلیغ کی تاویل (مفہوم) اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا ہے۔“

اس آیت کے الفاظ سے اور ہمارے اور رفیع الدین کے ترجموں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اہل زلیغ آیات متشابہات کی پیروی نہیں کرتے یعنی آیات متشابہات کے ذریعہ سے فتنہ پیدا نہیں کرتے اور قرآن اور آیات اور اللہ کے ذمہ سے عائد کیا ہوا الزام رفع ہو گیا ہے۔ مگر ابھی اس آیت کی مزید وضاحت ضروری ہے۔ چنانچہ پھر دیکھئے کہ وہ لوگ جس چیز کی پیروی کرتے ہیں اُسے مذکر کی ضمیر سے بیان کیا ہے یعنی، ”فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ“ آیت کے اس جملے میں لفظ ”مِنْهُ“ میں ”مِنْ“ حرف جر ہے ”هُ“ ضمیر واحد مذکر غائب کی ہے۔ اور لفظ ”تَشَابَهَ“ مضارع کا صیغہ ہے۔ جو واحد مذکر غائب ہے اور تَشَابَهَ کے معنی ہیں ”وہ مشابہ ہوتا ہے“۔

لہذا معلوم ہوا کہ جو کچھ مشابہ ہوتا ہے وہ بھی مذکر ہے اور جس سے مشابہ ہوا ہے وہ بھی مذکر ہے۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ لفظ ”متشابہات“ جمع مونث ہے۔ لہذا وہ لوگ متشابہات کی پیروی نہیں کرتے ہیں اور جب تک آیت سے متشابہات کی پیروی ثابت نہ ہو جائے اللہ پر اور قرآن پر یا آیات متشابہات پر فتنہ پیدا کرنے کا الزام نہیں آتا۔ پھر ہمارے ساتھ ساتھ اس آیت کے مذکر و مونث الفاظ کا ذکر کرتے ہوئے ترجمہ کریں۔

آیت (317) کا مونث و مذکر واضح کرتے ہوئے ترجمہ سنئے۔

”وہ وہی مذکر ہستی ہے جس نے تم پر ایک مذکر و مکمل کتاب نازل کی ہے۔ اُس مذکر کتاب میں مونث محکمات آیات ہیں اور وہ مونث محکم آیات اُس مذکر کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری مونث متشابہات ہیں۔ جن مذکر لوگوں کے مذکر دلوں میں مذکر زلیغ ہے وہ اپنے مذکر زلیغ سے مشابہ ہو جانے والے مذکر کی پیروی کرتے ہیں تاکہ مونث فتنہ پیدا کر لیں اور اُس مذکر کی تاویل یا مفہوم متعین کر لیں اور اُس مذکر کی تاویل اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہے۔“

قارئین سوچیں اور تلاش کریں کہ آیات متشابہات کی پیروی کہاں گئی؟ اور جب آیات متشابہات کی پیروی کرنے کا اس آیت (317) میں ذکر ہی

نہیں ہوا ہے تو آیات متشابہات سے فتنہ پھیلنے کی گنجائش کہاں سے آئے گی؟ وہاں تو قریشی لیڈروں کی ریسرچ کا وہی طریقہ بیان کیا گیا ہے جو سابقہ عنوان (6) میں سامنے آیا تھا۔ یعنی۔

”قریشی صحابہ جو تصورات دلوں میں لے کر قرآن کی آیات پر سے گزرتے ہیں اُسے اللہ نے لفظ ”زلیغ“ سے ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ آیات پڑھتے ہوئے جہاں کہیں اُس ”زلیغ“ سے مشابہت یا مشابہت کا شبہ ہوتا تھا۔ اُسی آیت سے وہ اپنا باطل مفہوم نچوڑ لیتے تھے۔ اور کہہ دیتے تھے کہ آیت کا حقیقی مفہوم وہی ہے جو ہمارا تصور یعنی زلیغ تھا۔“

اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اُن کے قلب میں کیا تصور یا زلیغ تھا؟ اُس کا علم صرف عالم الغیب یعنی اللہ ہی کو ہو سکتا ہے۔ لہذا آیت کے اس جملے کا مطلب ”مَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ“ یہ نہیں ہے کہ ”متشابہات کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا“۔ اس لئے کہ قرآن کی ہر آیت کی تاویل تو رسول اللہ اور راہنوں نے ہی کی ہے۔ البتہ کس لیڈر کے دل میں کیا زلیغ تھا؟ کیا مطلب تھا جس پر وہ قرآن کو فٹ کرنا چاہتے تھے؟ یہ بات واقعی اللہ کے سوا کوئی اور نہ جانتا تھا نہ جان سکتا تھا۔

(8) مودودی اور تمام علماء شیعہ سنی دونوں، فریب ساز ہیں اور قرآن سے طاغوتی یا مجتہدانہ مطالب و مسائل اخذ کرنے کی سازش کے مجرم ہیں۔

اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ تمام مسلمان نام کے علمائے جان بوجھ کر آیات متشابہات کو باطل مسائل کے اخذ کرنے کا بہانہ بنایا ہے۔ ورنہ اللہ نے تو پوری کتاب یعنی قرآن کو محکم بھی فرمایا ہے۔ جیسا کہ بار بار سورہ ہائے قرآنی کا محکم صورت میں نازل ہونا پہلے بھی بیان ہوا ہے۔ (محمد 47/20) اور آیات کو محکم کرنا بھی ثابت ہے (حج 22/52)

(1) پورا قرآن متشابہ کتاب ہے تو ساری کتاب کو خطرناک و گمراہ کن کتاب کیوں نہ مانا جائے؟

اور اللہ نے قرآن کو بحیثیت مجموعی متشابہ کتاب فرمایا ہے۔ سنئے ارشاد ہے کہ:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعْرُ مِنْهُ جُلُودٌ الِّدِّينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ

إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (زمر 39/23)

مودودی کا ترجمہ جس سے وہ اور تمام مترجمین گرفت میں۔

”اللہ نے بہترین کلام اُتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزا ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔ اُسے سن کر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر اُن کے جسم اور اُن کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اُس کے لئے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 367-368)

قارئین غور فرمائیں کہ لفظ مُتَشَابِهًا مذکر ہے اور اسی مذکر لفظ سے لفظ ”مُتَشَابِهَاتٌ“ بنتا ہے۔ لیکن مودودی اور تمام شیعہ سنی علمائے آیات متشابہات کے معنی وہ آیات کئے تھے جن کے معنی میں ”اشتباہات و شبہات اور احتمالات ہوں۔“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 234)

جن میں گجک ہو یا جن کے معنی گول گول ہوں یا جن کے بہت سے مختلف و متضاد معنی ہو سکیں یا بقول صالح ترین مترجم علامہ رفیع الدین ”متشابہ معنی کئی طرف ملتے“۔ (صفحہ 62) یعنی ایسی آیات جن کے معنی ”موم کی ناک“ ہوں۔ جسے لمبا، چھوٹا، موٹا، سیدھا اور ٹیڑھا کیا جاسکے۔ لیکن

یہ تمام شیعہ اور سنی مترجمین زیر قلم آیت (39/23) پر آکر گرفتار ہو گئے۔ اب یہ کہتے ہیں کہ مُتَشَابِهًا اور مُتَشَابِهَاتِ کے معنی ہیں ”ہم رنگ“ سوال یہ ہے کہ ان تمام ملائین نے سورہ آل عمران کی آیت (3/7) کا ترجمہ یوں کیوں نہ کیا کہ:

مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَةٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخْرُ مُتَشَابِهَةٌ.....

مودودی: ”اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں“۔ یہ تو ذاتی اضافہ تھا۔

”ایک محکمات جو کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری ہم رنگ ہیں“؟ یعنی ”محکمات اور محکمات کی ہم رنگ آیات ہیں“۔

(2) آنحضرت کو قریشی صحابہ کی ان بحثوں اور لیرچ میں شرکت کی ممانعت کی گئی تھی جن میں وہ قرآن کے معنی بدلتے اور غلط مفہم چسپاں کرتے تھے

یہاں تک تفصیل سے ثابت ہوا کہ قریشی صحابہ اور ماہرین دن رات (4/81, 108) قرآن میں معنوی تحریف کرتے اور غلط و خود ساختہ مفہم آیات کے ساتھ چسپاں کرتے رہتے تھے۔ (3/7) اور (25/30) اور ہر قلبی تصور یا زلیغ کو قرآن کا جامہ پہنانے پر بحث و فکر کرتے رہتے تھے اور چاہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالموجب مسائل تیار کر کے لوگوں کو یقین دلا سکیں دیکھو فلاں وقت رسول اللہ ہمارے پاس بیٹھے تھے اور ہم نے فلاں آیات کے یہ اور یہ مفہم سمجھے تھے اور آنحضرت نے ہماری تصدیق کی تھی۔ اور توئی حکومت بنا لینے کے بعد تو قریش ساز افسانوں میں یہاں تک طے کر لیا گیا ہے کہ قرآن وہی کچھ ہے جو صحابہ نے سمجھا اور بیان کیا اور صحابہ کی تفہیم کے خلاف قرآن کا کوئی مفہم اختیار کرنا قرآن کی مخالفت ہے۔ لیکن اللہ نے حضور کو ہر ایسی نشست میں بیٹھنے کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ جس میں لوگ قرآن کی آیات پر غور و خوض کر رہے ہوں۔ سنئے فرمایا گیا کہ:

مودودی کا طرفدارانہ ترجمہ۔ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ (انعام 6/68)

”اے محمدؐ جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینی کر رہے ہیں، تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر

دوسری باتوں میں لگ جائیں“۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 549)

یہاں مودودی نے اپنے صحابہ کرام کو بچانے کے لئے لفظ ”يَخُوضُونَ“ کے معنی ”نکتہ چینی“ کر دیئے ہیں۔ تاکہ قرآن کی آیات میں نکتہ چینی کرنے والوں کے پاس بیٹھنا منع سمجھا جائے اور غور و خوض کرنے والوں کے پاس بیٹھنا اور ان کی بحثوں میں حصہ لینا رسول کے لئے جائز ہو جائے۔ اور یہ کہا جاسکے کہ صحابہ اور رسول مل کر مشورے سے آیات کے مفہم اور تفسیر کی صورت طے کیا کرتے تھے۔ لیکن اللہ نے مومنین کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی کہ وہ از خود غور و خوض کر کے کوئی معنی یا مفہم اور مطلب اخذ کر لیں اور اس پر عمل کریں۔

(3) صحابان قرآن کی موجودگی میں کسی اور مومن کو آیات پر غور و خوض کر کے معنی و مفہم طے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

لہذا مودودی کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے خود اسی آیت (6/68) میں دوبارہ آئے ہوئے لفظ ”يَخُوضُوا“ کے معنی مودودی کے قلم

سے دوبارہ دیکھیں۔ (يَخُوضُوا اور يَخُوضُونَ۔ ایک ہی لفظ ہے۔) حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ (انعام 6/68)

مودودی: ”یہاں تک کہ وہ (اس گفتگو کو چھوڑ کر) دوسری باتوں میں لگ جائیں“۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 549)

یہ بریکٹ ہم نے لگا دیا ہے اس لئے کہ یہ مودودی نے اپنی جیب سے اضافہ کیا ہے قرآن کی آیت میں اس جملے کے لئے عربی الفاظ نہیں ہیں۔ یہاں یہ بھی دیکھیں کہ اس آیت میں نہ کافروں کی بات ہے نہ منافقوں کا قصہ ہے بلکہ ایک عام قانون کی صورت ہے کہ:

”جو کوئی بھی اور جب کبھی آیات میں غور و خوض کرے باطل ہے اور رسول کو خاص طور پر ایسی محفلوں میں بیٹھنا منع ہے تاکہ لوگ اُن کی سند سے غلط مفہوم پیش نہ کریں۔ لہذا ہم ایسے افسانوں کا انکار کرتے ہیں جن میں مسلمانوں کا آیات پر ذاتی غور و خوض بیان اور جائز کیا گیا ہو۔“

(4) مودودی نے لفظ **يَخْوَضُونَ** کے معنی غلط کر کے فریب دیا ہے اور یہ کہ آنحضرتؐ کو دوبارہ ممانعت ہوئی کہ آیات پر غور و خوض کرنے والوں سے الگ رہا کریں۔

پھر نوٹ کریں کہ آنحضرتؐ کو دوبارہ منع کیا جا رہا ہے کہ:

مودودی صحیح ترجمہ کر کے پکڑے گئے۔ **يَخْوَضُونَ وَيَلْعَبُونَ حَتَّى يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ** (زخرف۔ 43/83)

”اچھا انہیں اپنے باطل خیالات میں غرق اور اپنے کھیل میں منہمک رہنے دو یہاں تک کہ یہ اپنا وہ دن دیکھ لیں جس کا انہیں خوف دلایا جا رہا ہے“۔ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 551)

اس آیت میں مودودی نے لفظ **يَخْوَضُونَ** کے معنی ”غرق رہنا“ اور منہمک رہنا کئے ہیں۔ لہذا پھر معلوم ہوا کہ قریش کے لوگوں نے قرآن کو اپنے منصوبے پر فٹ کرنے کے لئے یلغار کر رکھی تھی۔

(5) مومنین کو بھی آیات کے معنی خود متعین کرنے اور دوسروں کے غور و خوض میں شامل ہونے کی ممانعت رہتی چلی گئی تھی۔ تیسرا حکم عام ہے۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَفْعَلُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي

حَدِيثِ غَيْرِهِ أَنْكُمْ إِذَا مَثَلْتُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا O (نساء 4/140)

”اے مومنین تمہیں اس کتاب میں پہلے ہی سے یہ حکم دیا جا چکا ہے کہ جب تم یہ سنو کہ آیات کے حقیقی معنی چھپائے جا رہے ہیں اور اُن کو مضحکہ خیز معنی پہنائے جا رہے ہیں تو اُن لوگوں کے ساتھ مت بیٹھا کرو یہاں تک کہ وہ قرآن کے علاوہ کسی اور بات پر غور و خوض کرنے لگیں۔ اگر تم بھی یہی کچھ کرو گے تو تم بھی اُن ہی کی مانند حق پوش اور مخالف جاسوس شمار ہو گے۔ اور یقین کر لو کہ اللہ حق پوشوں اور اُن کے جاسوسوں کو جہنم میں اکٹھے جمع کرے گا“۔

(6) قرآن سے ثابت ہو گیا کہ قریشی صحابہ نے خاندان رسولؐ کی حکومت کو غصب کیا تھا اور علیؑ کے ساتھی اُن کے حق کی طمع کر رہے تھے۔

قرآن کریم سے تفصیل کے ساتھ سامنے آ گیا کہ قریش نے حکومت کی طمع میں اسلام اختیار کیا اور قرآن کریم کی غلط تاویلات سے اپنی قومی حکومت کا لالچ دیا۔ قوم کو حضرت علیؑ علیہ السلام کے خلاف مجتمع کیا تھا اور رفتہ رفتہ خاندان رسولؐ سے قریش کو متنفر کر دیا تھا۔ حق کو باطل کا اور باطل کو حق کا لباس پہنا دیا تھا۔ اور جب قریش کی سیاست، سیاست علویہ سے مغلوب ہو گئی اور حکومت خود بڑھ کر حضرت علیؑ علیہ السلام کے قدموں پر آگری تو قریشی لیڈر حضرت علیؑ کے چاروں طرف دوستی کے لباس میں جمع ہو گئے تھے اور ہر لمحہ حضرتؐ سے اُن کا حق چھین لینے کے اقدامات کرتے رہتے تھے۔ اُن سے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ: **وَعَفَلَةٌ مِّنْ غَيْرِ وَرَعٍ وَوَطْمَعًا فِي غَيْرِ حَقٍّ** (خطبہ نمبر 29، جملہ نمبر 26 تا 27)

”کیا تم تقویٰ اور پرہیزگاری کو چھوڑ کر غفلت ہی میں پڑے رہو گے اور کیا کسی کے حق کو چھین لینے کی طمع برابر کرتے چلے جاؤ گے؟“

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 30

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 30

خطبہ ﴿30﴾

- 1- قریشی لیڈر اور سرداران قوم عثمان کے مخالف ہو گئے۔ ان کی مخالفت عثمان کے قتل کا سبب بن گئی۔
- 2- عثمان اور اس کے مخالف و حمایتی تینوں سے مواخذہ ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	اگر میں نے عثمان کے قتل کا حکم دیا ہوتا تو اس کا قتل کرانے والا میں ہوتا۔	لَوْ اَمَرْتُ بِهِ لَكُنْتُ قَاتِلًا؛
2	اور اگر میں نے قتل کی ممانعت کی ہوتی تو میں اس کا مددگار ہوتا۔	اَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ لَكُنْتُ نَاصِرًا؛
3	علاوہ ازیں جنہوں نے اس کی نصرت کی انہیں بھی یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ	غَيْرَ اَنَّ مَنْ نَصَرَهُ لَا يَسْتَطِيعُ اَنْ يَقُولَ :
4	”جنہوں نے اسے بے یار و مددگار چھوڑا، ہم ان سے بہتر پوزیشن میں ہیں۔“	خَذَلَهُ مَنْ اَنَاخِيْرُ مِنْهُ؛
5	اور جنہوں نے اسے بے یار و مددگار چھوڑا تھا وہ بھی یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتے کہ:	وَمَنْ خَذَلَهُ لَا يَسْتَطِيعُ اَنْ يَقُولَ :
6	”جنہوں نے اس کی مدد کی تھی وہ ہم سے بہتر پوزیشن میں ہیں“	نَصَرَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي؛
7	میں تم سے دونوں کی پوزیشن بیان کئے دیتا ہوں۔	وَاَنَا جَامِعٌ لَكُمْ اَمْرُهُ؛
8	عثمان نے جانب داری کی اور بری طرح جانب دار رہا کیا۔	اِسْتَاثَرَ فَاَسَاءَ الْاَثْرَةُ؛
9	اور تم نے اضطراب و گھبراہٹ کا مظاہرہ کیا اور بری طرح مظاہرہ کیا۔	وَجَزِ عُنْمٌ فَاَسَاتَمُ الْجَزَعُ؛
10	اب تم دونوں کے لئے بُری جانب داری اور برے اضطراب کا حکم اللہ کی طرف سے وقوع میں آنا ہے۔	وَلِلّٰهِ حُكْمٌ وَّاقِعٌ فِي الْمُسْتَاثِرِ الْجَاوِزِ

تشریحات:

- 1- اس خطبے میں مولائے کائنات علیہ السلام نے عثمان کے متعلق اور اُس کے مخالفوں اور حمایتیوں کے لئے مختصر مگر بلیغ و جامع ریمارکس دیئے ہیں۔ اور ہمیں اُن ریمارکس کی تشریح کرنا ہے۔ اور اُن مغالطوں کو واضح کرنا ہے۔ جو قریشی افسانوں اور اثرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ چونکہ قریشی حکومتوں نے اپنی تیار کردہ تاریخوں، تفسیروں، حدیث کے نام پر روایتوں، فقہ اور اجتہادی قوانین، اور سوانح عمریوں اور رسوم و رواج اور کہانیوں کی بھرمار سے فضائے عالم کو بھرتے اور چھلکاتے اور دوہراتے رہنے کا ہنگامہ جاری رکھا۔ دینی مدارس اور تمدنی اسکولوں میں انہیں پڑھانے یاد کرانے اور اُن میں مہارت پر پبلک کو ترقی اور ملازمت دینے کا سلسلہ مسلسل جاری رہا اس لئے اپنے پرانے، مسلم و غیر مسلم، شیعہ و سنی، سب کی دماغی فضا کو اپنے منصوبوں اور اسکیموں سے لبریز رکھا۔ اس لئے وہی چیزیں حق بن کر رہ گئیں۔ جو قریش نے چاہا کہ حق سمجھی جائیں۔ اور وہ چیزیں

غلط اور باطل کہلائیں جنہیں انہوں نے غلط و باطل قرار دیا۔ لہذا آج یہ پتہ لگانے کے لئے کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ ایک محقق کو وہی تعریفیں (Definitions) اور اصطلاحات (Terms) پڑھنا پڑیں گی جو قریشی حکومتوں نے چودہ سو سال کے عرصے میں اپنے ماہرین سے تیار کر کے دُنیا میں پھیلائیں اور درجہ قبول حاصل کرایا۔ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرنے کے لئے وہی قوانین و قواعد و ضوابط اختیار کرنا پڑیں گے جو انہوں نے تیار کر کے مدارس اور مکتبوں میں پڑھائے اور یاد کرائے تھے۔ واقعات و حالات کا پتہ لگانے کے لئے وہی تاریخیں اور احادیث وغیرہ کی کتابیں سامنے رکھنا ہوں گی جو قریشی حکومتوں نے اپنے وظیفہ خوار و تنخواہ دار علماء سے مرتب کرائیں۔ المختصر ایک محقق اپنا ہویا پراپا ہو، مسلم ہو یا غیر مسلم ہو، شیعہ ہو یا سنی ہو، دوست ہو یا دشمن ہو، مجبور ہے کہ اُن ہی راہوں پر چلے جو قریش نے سوچ سمجھ کر تیار کی تھیں۔ حدیہ ہے کہ اُسے زبان اور محاورے اور معنی بھی وہی اختیار کرنا پڑیں گے جو قریش نے تیار اور جاری کئے تھے۔ اور جنہیں بولتے اور لکھتے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں۔ اور جنہیں غیر اقوام بھی اُسی طرح سمجھے اور بولنے اور لکھنے پر مجبور چلی آرہی ہیں۔ جو انہوں نے چاروں طرف دیکھا اور سنا اور پڑھا اور عربوں کو اہل زبان سمجھ کر اختیار کیا۔ سوچئے اور بتائیے کہ وہ کون سا طریقہ ممکن ہے جسے استعمال کر کے آپ قریش کے اس ہمہ گیر انتظام سے باہر نکل جائیں اور اپنی تحقیق کے لئے اطمینان و یقین سے یہ کہہ سکیں کہ آپ کی تحقیق قریشی انتظام سے ہرگز متاثر نہیں ہوئی ہے۔

2- قریشی انتظام بلاشبہ ہمہ گیر و بے پناہ ہے۔ مگر قریش کی تمام جدوجہد اور اسکیم خلاق عالمِ الغیوب کو معلوم تھی اور اُس کا تدارک موجود ہے۔

مسلمانوں میں بہت سے محققین ایسے گزرے ہیں جنہوں نے حق و باطل کا پتہ لگانے کی سر توڑ کوششیں کی ہیں اور بہت سی حق باتوں تک پہنچے ہیں لیکن اُن میں سے کوئی بھی خالص حق کو باطل سے الگ کر لینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ حدیہ ہے کہ علمائے شیعہ بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ حالانکہ وہ حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ بلا فصل مانتے اور قریشی خلافتوں کو غاصب و غادر و خانن کہتے اور اُن پر لعنت تک بھیجتے رہے ہیں۔ علمائے شیعہ نے دن رات قریشی علماء سے مناظرے کئے، فاتح (ٹیکسلا وغیرہ) کہلائے اور اُن کے رد میں ہزاروں کتابیں لکھیں۔ مگر آخری نتیجہ کیا ہوا؟ اسے تازہ ترین بیانات سے سنئے اور دیکھئے کہ کیا حق و باطل الگ الگ ہو گئے؟

(الف) شیعہ شیعہ رہتے ہوئے اور سنی سنی رہتے ہوئے دونوں حق پر ہیں دونوں میں کوئی فرق نہیں، کوئی اختلاف نہیں، فرق و اختلاف بتانے والے کافر ہیں۔ ایرانی ناظم الامور، ابو شریف صاحب کی پشاور میں تقریر۔

ایران کے ناظم الامور کی تقریر پڑھئے جو پندرہ روزہ اخبار ذوالفقار کے پہلے صفحہ پر آب و تاب سے شائع کی گئی ہے لکھا ہے کہ:

”جمہوریہ اسلامی ایران کے ناظم الامور برادر ابو شریف نے علمائے کرام کا استقبال کیا۔ آپ نے اپنی افتتاحی تقریر میں معزز علمائے کرام کو خوش آمدید کرتے ہوئے کہا کہ آج خدا کا شکر ہے کہ ہم سب شیعہ و سنی علمائے کرام اکٹھے بیٹھے ہوئے ہیں اور وحدت کی فضا میں بات چیت کر رہے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے نفاق اور اختلافات کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ کفار نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے ملت میں نفاق کے بیج بوئے تاکہ وہ ہم پر حکومت کر سکیں۔ اور کفار مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے رہے۔ اُن ہی شیعہ و سنی اختلافات کو ہوا دی گئی۔ حالانکہ شیعہ اور سنی میں کوئی فرق نہیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“ (اشاعت 16 جنوری 1982ء)

(ب) تمام مسلمانوں کو متحد و متفق کر کے اُن میں حقیقی اسلامی نظام اور اللہ کی مطلوبہ حکومت قائم کرنے کے متمنی دردمند شیعہ کے چند احساسات۔

6 فروری کو ہمیں جناب عابد عباس رضوی صاحب نے اپنی تصنیف بنام ”حج کانفرنس“ ”نظام مسجد“ مفت اور رجسٹری کر کے ارسال فرمائی ہے۔ اور جس نظام اور حکومت کو قائم کرنے پر یہ کتاب لکھی گئی ہے اور عملی نمونہ دیا گیا ہے۔ اس نظام اور اُس حکومت کو سب کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن آئمہ معصومین علیہم السلام کے تصور مذہب سے اُن کا کوئی تعلق ہے نہ قرآن سے رشتہ ہے۔ ایک خاطمی اور خطا کاروں کے اپنے سمجھے ہوئے نظام اور حکومت کو نظام اسلام اور حکومت الہیہ مان لیا گیا ہے۔ چنانچہ اُن کے نزدیک خلافت راشدہ برحق حکومت تھی۔ ابتدائی تعارف میں لکھا ہے کہ:

”زیر نظر کتاب میں اُن تمام مسلمان سیاستدان اور صاحبان اقتدار کے کردار کا بھی بھرپور جائزہ لیا گیا ہے جنہوں نے خلافت راشدہ کے خاتمہ پر مسلمانوں کی حکومت کی زمام اقتدار سنبھالی اور اسلامی حکومت کی راہنمائی کا دعویٰ کیا“ (صفحہ 6)

اس سلسلے کا دوسرا مقام: ”اب اس معیار پر سوائے خلفائے راشدین کے کوئی نہیں پورا اترتا ہے۔ اور خلفائے راشدین کے آخری دور میں بلکہ حضرت عثمان کے زمانہ میں ہی اس معاشرہ میں شگاف پڑنے لگے تھے“۔ (صفحہ 56)

صفحہ 65 پر تسلیم کیا ہے کہ دنیا میں فتوحات کرنے والے حکمرانوں کو اللہ نے حکومت کا انعام دیا تھا۔ انہوں نے دنیا میں اسلام پھیلا یا اور یہ کہ ”مسلمان کی اذان سے اتمام حجت ہو رہی ہے“ پھر بلا ولایت کی اذان پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے۔ (صفحہ 65)

بہر حال اس کتاب میں بھی کھل کر خلفائے ثلاثہ کے فلسفہ اسلام کو جائز مان کر قبول کر لیا ہے۔ یعنی آخر قریشی حکومت کی پالیسی اور اُن کی تعلیم ساری دنیا پر عموماً اور شیعوں پر خصوصاً غالب آچکی ہے۔ یہ تھی اُس کی ہمہ گیری اور بے پناہی اور یہ نکلا ہے اُس کا نتیجہ کہ آج قریش کے اور قریشی عقائد کے دشمن بھی اُن کے راستے پر چلنا اسلام کی صحیح تعلیم ماننے لگے ہیں۔ اور اس کتاب کو عابد صاحب نے خمینی کے نام سے منسوب کیا ہے۔

3۔ اس دنیا میں کوئی شخص اُس وقت تک حق کو نہیں پاسکتا جب تک وہ قرآن سے قریش اور اُن کی پالیسی کو نہ سمجھے اور قرآن پر لفظ بلفظ عمل نہ کرے۔

ہمارے اس عنوان کی صحیح اسپرٹ کو سمجھنے کے لئے بھی آپ کو جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بیان سننا پڑے گا۔ تاکہ آپ پوری توجہ سے قرآن کریم کی طرف راہنمائی کے لئے راغب ہوں اور حق و باطل کو الگ الگ کر سکنے کی راہ اور طریقہ سمجھ سکیں۔

سنئے فرمایا گیا ہے کہ: **اَلَا وَاِنَّكُمْ قَدْ نَفَضْتُمْ اَيْدِيَكُمْ مِّنْ حَبْلِ الطَّاعَةِ ؛ وَتَلَمَّتُمْ حِصْنَ اللّٰهِ الْمَضْرُوبَ عَلَيْكُمْ بِاِحْكَامِ الْجَاهِلِيَّةِ ؛ وَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحٰنَهُ. قَدَامْتَنَّ عَلٰى جَمَاعَةِ هَذِهِ الْاُمَّةِ وَاَعْلَمُوْا اَنَّكُمْ صِرْتُمْ بَعْدَ الْهَجْرَةِ اَعْرَابًا ؛ وَبَعْدَ الْمَوَالَاةِ اَحْرَابًا ؛ مَا تَتَعَلَّقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا بِاسْمِهِ ؛ وَلَا تَعْرِفُوْنَ مِنَ الْاِيْمَانِ الْاَرْسَمَةَ؛**

(نسخ البلاغہ خطبہ نمبر 234، قاصد)

”خبردار ہو جاؤ کہ تم نے خود کو اطاعت کی بندشوں سے آزاد کر لیا ہے اور زمانہ جاہلیت کے احکام پر عمل کر کے اُس دیوار کو توڑ دیا ہے جو تمہیں بے دینی سے بچانے کے لئے تمہارے چاروں طرف تعمیر کی گئی تھی۔ بلاشبہ اللہ نے اس اُمت پر اس گراں قیمت نعمت کا احسان کیا تھا۔..... جان رکھو کہ تم نے ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ ایام جاہلیت کا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اور اسلامی ولایت میں داخل ہونے کے بعد پھر مخالف گروہ بن گئے ہو۔ اب تمہارا نام کے سوا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ اور لفظوں کے علاوہ تمہارا ایمان سے تعارف بھی باقی نہیں ہے۔“

دوسرے مقام پر فرمایا کہ:

فَاجْتَمَعَ الْقَوْمُ عَلَى الْفُرْقَةِ وَافْتَرَقُوا عَنِ الْجَمَاعَةِ؛ كَانَتْهُمْ اِئِمَّةُ الْكِتَابِ وَوَيْسَ الْكِتَابِ اِمَامُهُمْ؛ فَلَمْ يَبْقَ عِنْدَهُمْ مِنْهُ الْاِسْمُ وَلَا يَعْرِفُونَ اِلَّا خَطَاةَ وَزَبْرَةَ؛ وَاعْلَمُوا اَنَّكُمْ لَنْ تَعْرِفُوا لِرُشْدٍ حَتَّى تَعْرِفُوا الَّذِي تَرَكَهُ؛ وَلَنْ تَأْخُذُوا بِمِثَاقِ الْكِتَابِ حَتَّى تَعْرِفُوا الَّذِي نَقَضَهُ؛ وَلَنْ تَمَسَّكُوا بِهِ حَتَّى تَعْرِفُوا الَّذِي نَبَذَهُ؛ فَالْتَمِسُوا ذَلِكَ مِنْ عِنْدِ اَهْلِهِ؛ فَانَّهُمْ عَيْشُ الْعِلْمِ وَمَوْتُ الْجَهْلِ؛..... الخ (خطبہ نمبر 147)

”یہ پوری قوم تفرقہ پردازی پر متفق اور مجتمع ہوگئی ہے اور اسلامی جماعت سے خود کو منقطع کر لیا ہے۔ گویا کہ وہ قرآن کے امام اور راہنما ہیں اور قرآن اُن کا امام و راہنما نہیں ہے۔ چنانچہ اُن کے پاس قرآن کی تعلیمات میں سے صرف قرآن کا نام رہ گیا ہے۔ اور اب انہیں قرآن کے زیر و زبر اور الفاظ کے علاوہ کسی اور حقیقت سے تعارف بھی نہیں رہا ہے۔..... اور یہ بھی جان لو کہ تم ہرگز ہدایت نہیں پاسکتے۔ جب تک تم اُن لوگوں کو نہ پہچان لو جنہوں نے قرآن کو ترک کر دیا ہے اور قرآن کے عہد و پیمان تک رسائی نہ پاسکو گے جب تک اُن لوگوں کو نہ پہچان لو جنہوں نے قرآن کے عہد و پیمان توڑ دیئے ہیں۔ اور تم کبھی تعلیمات قرآن سے رابطہ قائم نہیں کر سکتے جب تک تمہیں اُن لوگوں سے تعارف نہ ہو جائے جنہوں نے قرآن سے رشتہ توڑ لیا ہے۔ چنانچہ تمہیں تعلیمات قرآن سے ہدایت حاصل کرنے اور رابطہ رکھنے کے لئے صاحب قرآن سے التماس کرنا چاہئے اس لئے کہ صاحبان قرآن ہی علم کی زندگی اور جہالت و گمراہی کی موت ہیں۔“

4۔ جس قوم نے اسلام سے پہلے والے مذہب پر عمل کیا اور اسلام و قرآن کو پس پشت ڈالا تھا، وہ رسول اللہ کی قوم قریش تھی جو بے دین ہو گئی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام نے قریش کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اُس میں اُن کا نام نہیں لیا ہے۔ اس لئے کہ قریش ہی اُن کے مخاطب رہے ہیں۔ لیکن خطبات کی تشریح کرنے والوں کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ قریش سے خطاب کا انکار کر دیں اور یہ کہہ دیں کہ قریش ہی تو حقیقی دین دار تھے، رسول کے عظیم الشان صحابہ تھے، یہ خطاب ہرگز قریش کو مخاطب نہیں کرتا اور یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ پوری قریشی قوم اسلام لانے اور مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مرتد ہوگئی ہو۔ اور اسلام و قرآن سے دست برداری اختیار کر لی ہو اور دین و قرآن سے کسی قسم کا تعلق اور رابطہ نہ رکھا ہو۔ یہی کچھ قریش نے اپنی حکمرانی کے دوران کہا اور کتابوں میں اپنے قصائد و فضائل لکھوائے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ جو کچھ صاحب قرآن علیہ السلام نے بطور اشارہ فرمایا وہ سب کچھ قرآن نے تفصیل سے پبلک تک پہنچا دیا ہے۔ اور باقاعدہ اُن کا سب سے بڑا شخص ساری دنیا کے سامنے رکھ دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کی تعلیمات سے ہجرت کرنے اور قرآن میں معنوی تحریف کر کے قرآن ہی سے اپنے سابقہ مذہب کی سند لینے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سے یوں شکایت کی تھی کہ:

(1) وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا O (فرقان 25/30)

”اللہ کے رسول محمدؐ نے کہا تھا کہ اے میرے پروردگار بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو اپنے اخذ و استنباط سے مہجور کر کے رکھ دیا ہے۔“

اور اللہ نے جواب میں تصدیق فرماتے ہوئے کہا تھا کہ:

(2) لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوٌّ مِنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًّا وَنَصِيرًا O (25/31)

6- حضرت علیؑ کا یہ خطبہ نمبر 30 اپنے اندر صرف ایک سوال کا جواب رکھتا ہے مگر یہ جواب سیکڑوں سوالات کو سامنے لانے کا سبب بن جاتا ہے۔

حضرت علیؑ علیہ السلام کے خطبے کو سامنے لانے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ خطبہ جسے تیسواں خطبہ کہہ کر لکھا گیا ہے اُس میں کل دس جملے ہیں۔ اور ہم ابتدا میں عرض کر چکے ہیں کہ چند جملوں کو تقریر یا خطبہ کہنا اور لکھنا صرف تقریر یا خطبہ کا مذاق اڑانا ہے۔ بہر حال یہ چیز ہمارے وسائل سے باہر ہے کہ ہم وہ پوری تقریر یا خطبہ حاضر کر لیں جس میں سے رضی صاحب نے دو دو چار چار یا چند جملے لے کر انہیں خطبہ کا عنوان اور نمبر دے دیا ہے۔ بہر حال یہ دس جملے دیکھئے اور وہ مطالب سمجھنے میں ہماری مدد کیجئے۔ جو حضرت علیؑ علیہ السلام لوگوں کو سمجھانا چاہتے تھے۔ فرمایا ہے کہ:

لَوْ أَمَرْتُ بِهِ لَكُنْتُ قَاتِلًا؛ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ لَكُنْتُ نَاصِرًا؛ غَيْرَ أَنَّ مَنْ نَصَرَهُ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَقُولَ: خَذَلَهُ مَنْ آخِيهِ مِنْهُ؛ وَمَنْ خَذَلَهُ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَقُولَ: نَصَرَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي؛ وَأَنَا جَامِعٌ لَكُمْ أَمْرُهُ؛ إِمْتَاثٌ فَاسَاءَ الْآثَرَةُ؛ وَجَزِي عَتَمٌ فَاسَاتَمُ الْجَزَعُ؛ وَوَلِلَّهِ حُكْمٌ وَأَقِيعٌ فِي الْمُسْتَأْتِرِ الْجَزَاعِ (خطبہ 30، جملہ نمبر 1 تا 10)

”اگر میں نے عثمان کے قتل کرنے کا حکم دیا ہوتا تو اُس کو قتل کرانے والا میں ہوتا۔ اور اگر میں نے اُس کے قتل کی ممانعت کی ہوتی تو میں اُس کا مددگار ہوتا۔ علاوہ ازیں جنہوں نے اُس کی نصرت کی انہیں بھی یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ: ”جنہوں نے عثمان کو بے یار و مددگار چھوڑا، ہم اُن سے بہتر ہیں“ اور جنہوں نے اُسے بے یار و مددگار چھوڑا تھا وہ بھی یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتے کہ: جنہوں نے اس کی مدد کی تھی وہ ہم سے بہتر پوزیشن میں ہیں۔ میں تم سے دونوں کی پوزیشن جامع انداز میں بیان کئے دیتا ہوں ”عثمان نے جانبداری کی تھی اور بہت بڑی جانبداری کی تھی۔ اور تم نے اضطراب و گھبراہٹ کا مظاہرہ کیا تھا اور بڑا مظاہرہ کیا تھا۔ اب تم دونوں فریق کے لئے بڑی جانبداری اور بڑا مظاہرہ کرنے پر اللہ کی طرف سے ایک وقوع میں آنے والا حکم اور مواخذہ ہونا ہے“

(الف) حضرت علیؑ کے بیان کو سمجھنے کے لئے جملوں پر غور کریں۔

سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ حضورؐ نے عثمان کا یا کسی اور کا نام نہیں لیا ہے۔ مگر ہم نے ترجمہ میں عثمان کا نام لکھ دیا ہے۔ اور تمام مترجمین اور شارحین نخب البلاغہ نے عثمان ہی کو سمجھا ہے۔ صرف اس لئے کہ عثمان کے قتل اور متعلقہ واقعات کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ لہذا یہ طے شدہ اور عملی صورت حال ہے کہ جب کسی واقعہ کی دھوم مچ جاتی ہے یا جھوٹ موٹ بطور پروپیگنڈا دھوم مچادی جاتی ہے تو لوگ اطمینان سے خود ہی وہ کچھ سمجھ جاتے ہیں جو کچھ پروپیگنڈا کرنے اور دھوم مچانے والے سمجھانے اور منوانے کا ارادہ یا منصوبہ رکھتے ہیں۔ یہی حال رہا ہے قریشی حکومتوں کے سات سو سالہ پروپیگنڈے اور نشر و اشاعت کا کہ لوگوں نے اُن کے متواترات پر یقین کیا۔ بحیثیت کرکر کے اُن کو پختہ کیا۔ یعنی موافق اور مخالف اُن کی متواترات کا تذکرہ کرتے چلے آئے اور وہ سب کچھ نسلاً بعد نسل لوگوں کے ذہنوں میں رہتا چلا آیا اور اب ہر بات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے اُسی سامان کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ سہارا لینا بھی باطل ہے اور اس سہارے کی مدد سے موافق اور مخالف نتائج اخذ کر کے اُن پر عمل کرنا بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ بنیاد غلط ہے تو اس پر تعمیر بھی غلط ہے۔ دوسری بات یہ سوچیں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے عثمان کے لئے نہ کسی ظلم کرنے کی بات فرمائی نہ زیادتی کی اور نہ اُسے استبداد کا مجرم قرار دیا ہے۔ لیکن تمام مترجمین نے ترجموں میں وہی کچھ لکھ دیا جو وہ قریشی تاریخ یا پروپیگنڈے سے سمجھے تھے۔

مترجمین اور شارحین نے کیا کیا سمجھا؟ چنانچہ جناب الشیخ محمد عبدہ نے ”استبداد اور بڑی استبداد“ سمجھا۔ مفتی جعفر نے ”عزیز و اقارب کی

طرفداری، سمجھا۔ رئیس احمد جعفری نے ”خودرائی کا مجرم“ سمجھا۔ علی نقی طہرانی فیض الاسلام نے بھی ”اخراجات میں استبداد“ ہی سمجھا ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے اس سلسلے میں جو الفاظ فرمائے ہیں ”1- اِسْتَاثَرَ- 2- اَلَاَثَرَ“ اور ان الفاظ کا بنیادی مادہ ہے۔ الف۔ ث۔ ر، اور مصدر ہے۔ ”اَثَرَ۔ اور۔ اَثَرَةً۔ اور۔ اَثَارَةً۔ اور بنیادی معنی ہیں ”کسی چیز کا وجود یا نشان قائم کرنا۔ اسی کو مُتَاَثِّرٌ کہتے ہیں۔ لفظ ”تَاَثِيرٌ“ اسی نشان یا نتیجہ یا وجود کو کہتے ہیں جو کسی چیز کی قوت سے ظہور میں آئیں۔ صحت ہو جانا دوا کی تاثیر کا ثبوت ہے۔ اور لفظ ”اِسْتَاثَرَ“ بھی اسی مادہ اور مصدر پر مزید تیسرے کے بعد مصدر اِسْتَفْعَالَ سے بنایا جاتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں:

”نشان یا اثر پیدا کرنے یا ابھارنے کی کوشش کرنا“، ”مُتَاَثِّرٌ کرنا“، سب کچھ چھوڑ کر ایک مقصد کے پیچھے لگ جانا، وغیرہ اور انگریزی میں یہ بھی کہ ”کلیتاً کسی چیز کا خود مالک بن بیٹھنا یا قابض ہو جانا“ یا سب کو اپنے حضور میں حاضر چاہنا“

1- (To appropriate a thing),

2- (To call any one to him)(exclusively to ones self)

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے صرف دو الفاظ فرمائے ہیں اور دوسرا لفظ لفظوں کی تعداد کے لئے نہیں بلکہ پہلے لفظ اِسْتَاثَرَ کی بُری صورت تک لے جانے کے لئے ہے۔ یعنی صرف ایک لفظ فرمایا ہے۔ اور اس لفظ سے عثمان کے مادی اقدامات نہیں بلکہ اُس کا رُحمانِ طبیعت، اور مقصدِ خلافت، یا انتہائی مطمع نظر (Goal) سامنے رکھ دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ وہ اپنی طبیعت کے رُحمان یا مقصدِ حکومت یا مطمع نظر میں بہت بُری حدود تک بڑھ گیا تھا۔ خطبہ سننے والوں نے اُس وقت اور پڑھنے والوں نے آج تک جو کچھ سمجھا وہ اُس وقت کے عثمانی کردار کے کسی ایک بُرے گوشے کو سمجھا ہے۔ کوئی ایسی بات سمجھنے کی کوشش نہیں کی جس میں عثمان کا پورا کردار و مقاصد غرق ہو جائیں۔ یعنی جز کے بجائے کل سمجھ میں آجائے۔ وہ ”کل“ کیا تھا؟ وقت ملا تو ہم بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

تیسری بات یہ دیکھیں کہ مترجمین و شارحین نے قتل عثمان اور اُس کے مخالفوں اور موافقوں میں سے حضرت علیؑ کو کیا مقام دیا ہے؟ مفتی جعفر حسین نے بریکٹ میں ”غیر جانبدار“ لکھ کر اپنا اطمینان کر لیا یعنی یہ سمجھ لیا کہ اس معاملے میں حضرت علیؑ کا غیر جانبدار رہنا ہی حق تھا۔ ورنہ اُن کے خیال میں حضرت علیؑ غلط کار ہوتے۔ پھر مفتی صاحب نے تفصیل سے ہنگامہ کی روداد قتل ہونے تک لکھتے ہوئے عثمان کے قتل کا سبب اور عثمان کی شان یوں لکھی ہے:

”اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت عثمان کا قتل اُن کی کمزوریوں اور اُن کے عمال کے سیاہ کار ناموں کا نتیجہ تھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان متفقہ طور پر اُن کے قتل پر آمادہ اور اُن کی جان لینے کے درپے ہو جاتے۔ اور اُن کے گھر کے چند آدمیوں کے علاوہ کوئی اُن کی حمایت و مدافعت کیلئے کھڑا نہ ہوتا۔ مسلمان یقیناً اُن کے سن و سال، اُن کی بزرگی و وقار اور شرفِ مصاحبت کا پاس و لحاظ کرتے۔ مگر اُن کے طور طریقوں نے فضا کو اس طرح بگاڑ رکھا تھا کہ کوئی اُن کی ہمدردی و پاسداری کے لئے آمادہ نظر نہ آتا تھا“۔ (ترجمہ مفتی جعفر جلد اول صفحہ 155)

شیخ قارئین خاص طور پر نوٹ کریں کہ مفتی و مجتہد نام کا جعفر حسین مولوی، عثمان کی بزرگی و وقار اور شرفِ مصاحبت رسول کا قائل ہے۔

علامہ شیخ محمد عبدہ حضرت علیؑ کی طرف داری مانتے ہیں۔

علامہ محمد عبدہ نے تشریح میں لکھا ہے کہ: ”يَقُولُ، اِنَّهٗ لَمْ يَأْمُرْ بِقَتْلِ عِثْمَانَ وَاَلَا كَانَ قَاتِلًا لَهٗ مَعَ اَنَّهُ بَرِيءٌ مِّنْ قِتْلِهٖ، وَاَلَمْ يَنْهٖ

عَنْ قَتْلِهِ، اَي لَمْ يَدْفَعْ عَنْهُ بِسَيْفِهِ وَلَمْ يِقَاتِلْ دُونَهُ وَالْاَنَّ كَانَ نَاصِرًا لَهٗ اَمَانِيَهٗ عَنْ قَتْلِهِ بِلِسَانِهِ فَهُوَ ثَابِتٌ - وَهُوَ الَّذِي
امر الحسن والحسين اَنْ يَذَابِلْنَا عَنْهُ“ (نسخ البلاغہ صفحہ 75)

”فرماتے ہیں کہ: ”یہ کہ میں نے عثمان کے قتل کا حکم نہیں دیا ورنہ میں اُس کا قاتل ہوتا لہذا میں اُس کے قتل سے بری ہوں اور یہ کہ میں نے اُس کے قتل سے منع نہیں کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اُس کا تلوار سے دفاع نہیں کیا اور نہ اس کے لئے جنگ کی ورنہ میں اس کا مددگار ہوتا۔ البتہ عثمان کے قتل سے زبانی ممانعت کرنا بالکل ثابت ہے اور وہ یوں کہ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین کو تعینات کیا تھا کہ لوگوں کو اُن پر حملہ کرنے سے دور رکھیں“۔

چوتھی بات یہ سوچنا ہے کہ قتل کا حکم دینے والا تو قاتل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ قتل کا فعل یا عمل کرنے والا انکار کر سکتا ہے۔ قاتل تو صرف اُسی کو قرار دیا جاتا ہے جو سوچ سمجھ کر، اچھا برادیکھ کر اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ خواہ کسی اور ہی کے حکم یا اجازت یا ایما (اشارہ) سے قتل کرے۔ اگر وہ شخص قتل کا مستحق تھا تو نہ حکم دینے والا مجرم ہے نہ قتل کا فعل کرنے والا جوابدہ ہے۔ اور بلا تصور کسی کے قتل کا حکم دینا جرم تو ہے مگر بلا تصور قتل کرنے والے سے کم جرم ہے۔ اس لئے کہ قتل کرنے والے کو قصاص میں قتل کیا جائے گا لیکن قتل کا مشورہ یا حکم دینے والے کو قتل نہیں بلکہ تعزیری سزا دی جائے گی۔ پھر سوال یہ ہے کہ حضور نے یہ کیوں فرمایا کہ:

”اگر میں قتل کا حکم دیتا تو میں قاتل ہوتا“؟ یہ فرمانا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کے اوپر قتل کی تہمت لگائی جا رہی تھی اور آپ اپنے جواب سے یہ ثابت فرما رہے تھے کہ ”میرا قتل کرنا تو الگ تم تو یہ بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ میں نے کوئی ایسا جملہ بولا جو جس کا مطلب قتل کا حکم یا اشارہ یا قتل پر رضامندی ہو“۔

ساتھ ہی بات کو ان الفاظ میں اس لئے فرما رہے تھے کہ عائشہ نے ایسا جملہ ایک معزز گروہ کے سامنے بولا تھا کہ:
”اَقْسِلُوا النَّعْتِلَ قَدْ كَفَرُو“ تم اس نعل کو قتل کر ڈالو یہ کافر ہو گیا ہے۔ مطلب یہ کہ عائشہ کو اور اُسی قسم کا حکم دینے والوں کو قاتل نہیں سمجھتے تو مجھے کیسے قاتل کہہ سکتے ہو؟ پھر یہ حقیقت یوں بھی ثابت ہے کہ آپ نے یہ بھی فرما دیا کہ:
”اگر میں اُسے قتل کرنے کی ممانعت کرتا تو میں اُس کے مددگاروں میں سے ایک ہوتا“۔
”تاکہ لوگ چلا اُٹھیں کہ آپ نے برابر لوگوں کو اُس کے قتل سے منع بھی کیا اور قتل سے اُنہیں روکا بھی“۔
اور پبلک خود کہے کہ حضرت علی عثمان کے مددگاروں میں سے ایک ہیں نہ کہ عثمان کے قاتل“۔

پانچویں بات یہ ہے کہ حضور نے عثمان کی مدد کرنے والوں کو اور مدد نہ کرنے والوں کو برابر کر دیا ہے۔ نہ اُنہیں بہتر اور اہل خیر و صلاح فرمایا نہ انہیں بہتر اور اہل خیر قرار دیا۔ یعنی عثمان کا دفاع کسی پر واجب نہ تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ عثمان کے قاتلوں سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ جس قتل پر قاتلوں سے مواخذہ ہوتا ہے۔ اُس قتل کا دفاع موجودین پر واجب ہوتا ہے اور دفاع نہ کرنا گناہ قرار پاتا ہے۔ یہ بات اس لئے بھی صحیح ہے کہ عثمان کو اور گھبرا جانے والوں کو یا گھبراہٹ میں قتل کر ڈالنے والوں کو بہر حال مجرم قرار دیا ہے۔ یعنی عثمان قتل ہوجانے کے بعد بھی مجرم رہے۔ اور قتل کر ڈالنے والے قتل کر کے بھی اپنے جرائم سے فارغ نہ ہوئے۔ یعنی عثمان کو قتل کے علاوہ کچھ اور سزا بھی ملنا باقی ہے اور قتل کرنے والے بھی ابھی اور سزا کے مستحق ہیں۔ چھٹی بات جسے اللہ، محمد اور علی اور دیگر آئمہ معصومین کے بیانات میں ہمیشہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان کے بیان میں ایسی

گنجائش نہیں رکھی جاتی جسے قریشی ماہرین سیاسی حربہ بنا کر خود اُن کے خلاف استعمال کر سکیں۔ مثلاً یہ حضرات مجرموں کے نام عموماً ظاہر نہیں کرتے تاکہ اُن کے طرفدار اشتعال پیدا کر کے لوگوں کو مخالفت پر آمادہ نہ کر سکیں۔ یہ حضرات ناموں کی جگہ ایسی صفات اور شناخت یا ایسے کلیدی الفاظ بیان میں رکھ دیتے ہیں کہ سمجھنے والے لوگ خود سمجھ لیں کہ کس کا ذکر ہو رہا ہے؟ چنانچہ حضور کے اسی خطبے میں کسی کا نام نہیں ہے۔ لیکن اُس وقت بھی اور آج تک بھی وہ شخص پہچانا جاتا رہا جو حضرت کا مقصود و مطلوب ہے۔

لہذا یہاں اس خطبہ میں بھی جرائم اور جرائم کی سزا کی تصریح سے پرہیز فرمایا گیا ہے۔ اور ایسا بیان دیا گیا ہے کہ لوگ خود سوچیں اور اس بیان کی مدد سے صحیح فیصلہ بھی کر سکیں۔

7- اگر قریش کی پوزیشن کو اور اسلامی نظام کو سمجھنے کیلئے قرآن اور صاحب قرآن کو بنیاد میں نہ رکھا جائے تو باقی وسائل تحقیق گمراہ کر دیتے ہیں

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ خود دشمنان قریش یعنی شیعہ علماء بھی آج قریشی نظام کو اسلام کا صحیح نظام ماننے اور لکھنے لگے ہیں۔ اور اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ انہوں نے قرآن اور صاحب قرآن کو اپنی تحقیق کی بنیاد بنانے کے بجائے قریش کی تیار کردہ تاریخ و تفاسیر و روایات کو سامنے رکھا اور اُن میں تنقید و تحقیق و تلاش حق شروع کی تھی اور قریشی پالیسی نے بتدریج، غیر محسوس طریقے سے انہیں متاثر کر لیا۔ اور وہ قریش کی پالیسی کے ماتحت گمراہ ہو گئے۔ اور انہیں گمراہ ہونا چاہئے تھا۔ اس لئے قرآن اور صاحب قرآن تو قریش کو ایک سرنا قابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔ انہیں مَلذِبٌ وَّجُرْفِ قرآن اور رسول کا دشمن قرار دیتے ہیں۔ (انعام 6/66، فرقان 31-25/30) اور ظاہر ہے کہ قرآن کی معنوی تحریف کر کے قرآن کے حقائق و عقائد کو جھٹلانے کی ضرورت قریش کو اسی لئے پیش آ سکتی تھی کہ انہیں تعلیمات رسول اور قرآن سے ہٹ کر اپنا الگ اسلام تیار کرنا تھا۔ تاکہ دنیا میں انہیں قرآن اور اسلام کا ماننے والا سمجھا جاتا رہے۔ اور وہ قرآن کی تعلیمات کے خلاف بھی عمل کرتے رہیں۔ اور کوئی اس راز کو سمجھ بھی نہ سکے۔ اسی راز سے پردہ ہٹانے کے لئے قرآن نے آیت میں یہ نہیں کہا کہ ”قریش نے قرآن کا انکار کر دیا ہے“ یا یہ نہیں فرمایا کہ ”تیری قوم نے قرآن کو ترک کر دیا ہے“ کیوں کہ ایسا کہنے کے بعد قریش اسلام سے خارج ہو جاتے۔ اور اگر قرآن میں قریش کے اسلام سے خارج ہو جانے کا اعلان ہو جاتا تو قریش کے لئے یہ ممکن ہی نہ رہتا کہ وہ مسلمان کہلائیں۔ اور قرآن کے نام پر ہی قرآنی عقائد و تعلیمات کو تبدیل کریں۔ پھر اسلام سے خروج کا اعلان اس لئے غلط اعلان ہوتا کہ قریش نے قرآن کو ترک نہیں کیا تھا۔ اس کا انکار نہیں کیا تھا۔ وہ تو قرآن کو یاد کر رہے تھے۔ قرآن کی تعلیمات میں غور و فکر اور خوض کر کے اُس کے مفید ترین مطالب اخذ کر رہے تھے۔ (انعام 68-66/6) اسی لئے فرمایا گیا تھا کہ:

إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ﴿25/30﴾ ”یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو اپنے اخذ و استنباط سے مہجور کر کے رکھ دیا ہے“

8- اللہ نے قریش کو یہ بتا دیا تھا کہ تم ایک حقیقی ایمان لانے والی جماعت پر مسلط ہو جاؤ گے اُسے سو فیصد مغلوب و ماتحت کر کے اُس کا

مذاق اڑایا کرو گے اور جہنم میں جاؤ گے۔

قرآن کریم قریش سے کہہ رہا ہے کہ:

أَلَمْ تَكُنْ أَيْدِيُّنَا تُنَالِي عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١﴾ قَالُوا رَبَّنَا عَلَبْتَ عَلَيْنَا شَقَوْتَنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿٢﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا عِندُنَا ظَالِمُونَ ﴿٣﴾ قَالَ اخْسَوْوا فِيهَا وَلَا تَكَلِّمُونِ ﴿٤﴾ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿٥﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِحْرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿٦﴾ اِيْنِي

جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا إِنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ○ (سورة المؤمنون 111 تا 105/23)

”کیا تم وہی قوم نہیں ہو کہ میری آیات جب تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی تھیں تو تم معنوی ترکیب سے انہیں جھٹلا دیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر دوسروں کو محتاج بنانے میں مقابلہ بازی غالب آگئی تھی۔ اور ہماری پوری قوم گمراہ ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر وہ گمراہ قوم کہے گی کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس عذاب سے نکال دے اگر پھر بھی ہم آئندہ تیری آیات کو جھٹلائیں تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔ اللہ فرمائے گا کہ تم اسی عذاب میں مبتلا رہو اور میرے سامنے سے دُور ہو جاؤ اور مجھ سے کلام نہ کرو۔ تم وہی قوم تو ہو کہ جب میرے بندوں میں سے ایک فرقہ کے لوگ کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہوئے ہیں اس لئے تو ہمیں تحفظ عطا فرما دے اور ہم پر رحم کر تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو تم نے اُس فرقہ کو مسخر کر کے اپنا زبردست محتاج بنائے رکھا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن انہوں نے اپنے صبر اور اسلامی منصوبے سے تمہیں ایسا سرکش بنا دیا تھا کہ تم میرے ذکرِ مجسم کو بھول گئے اور اُن کے دین کا مذاق اڑانے لگ گئے تھے۔ یقیناً میں نے آج اُس فرقے کو اُس کے صبر کی جزا دی ہے اور دراصل وہی فائز المرام ہوئے ہیں۔“ (سورة المؤمنون 111 تا 105/23)

ان آیات سے یہ معلوم ہو گیا کہ قریش نے تعلیمات قرآن کو اس لئے اپنے منصوبے پر فٹ کیا تھا کہ وہ صاحبانِ قرآن اور ذکر اللہ کو زیر دست و مسخر کر لیں اور ان کی بلندی و بزرگی اور حکومتِ غصب کر لیں۔ قریش نے یہ آیات سنی تھیں۔ انہیں حفظ یا دیکھا تھا اس کے باوجود انہوں نے منصوبہ بنا کر رسول کے خاندان سے حکومت نکالنے کا خفیہ فیصلہ کیا (الفاروق حصہ اول صفحہ 103 اور طبری)

اور بائیس سال ہر نازل ہونے والی آیت کی معنوی تحریف کی، جھوٹے قصے گھڑ کر اُن کے ساتھ چپکائے اور نازل ہونے والی حقیقی تعلیمات کو جھٹلایا اور سابقہ مجرم اقوام کی طرح رسول اور خاندانِ رسول سے دشمنی کی (31-30/25) اور حضرت علی علیہ السلام کو اور اُن کے بعد کے آئمہ کو نہ صرف اللہ و رسول کی حکومت سے محروم کیا بلکہ اُن کو اُن کے تمام حقوق سے بھی محروم کیا جو انہوں نے دوسروں کو دیئے۔ اُن کا قتل عام جاری رکھا۔ اپنا گھڑا ہوا اسلام ساری دنیا میں جاری کیا اپنا حقیقی اور فداکار مسلمان ہونا مشہور کیا۔

9۔ اُن کی منصوبہ سازی اور ریاکارانہ اسلام کا بھانڈا پھوڑنے کے لئے انہیں ڈھیل دی گئی سابقہ مجرم اقوام کا انہیں خلیفہ بنانے کی پیشگوئی کی گئی مگر قریش نے عادلانہ حکمرانی بھی نہ کی۔

قریش کو اعلانِ نبوت سے آدھی صدی پہلے بحیرہ راہب اور ایک اُردی عالم نے بھی محمد و آلِ محمد سے اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی تھی اور بتایا تھا کہ اے ابوبکر تو محمد کے بعد حاکم بن جائے گا لہذا اس خانوادے کے ساتھ رحم و کرم و دیانت کا سلوک کرنا۔ اللہ نے بھی قرآن میں بتایا ہے کہ:

وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ○
ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ○ (یونس 14-13/10)

مودودی کا ترجمہ: ”لوگو! تم سے پہلے کی قوموں کو (جو اپنے اپنے زمانہ میں برسرِ عروج تھیں) ہم نے ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کی روش اختیار کی اور اُن کے رسول اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور انہوں نے ایمان لا کر ہی نہ دیا۔ اس طرح ہم مجرموں کو اُن کے جرائم کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اب اُن (اے قریش اُن مجرم اقوام۔ احسن) کے بعد ہم نے تم کو زمین (پر خلیفہ بنا دیا

ہے۔ احسن) میں اُن کی جگہ دی۔ تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو، (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 271)

یہ بات تو شیطان کی سنت ہے کہ جہاں لفظ قوم آجائے اور قریش پر اثر انداز ہوتا ہو وہاں مودودی لفظ قوم کو ترجموں میں ضرور غائب کر جاتے ہیں۔ اور چونکہ ان آیات میں قریشی قوم کو سابقہ مجرم اقوام کا خلیفہ بنانے کی اطلاع ہے اس لئے مودودی نے یہاں لفظ ”خلافت“ کو بھی غائب کر لیا ہے تاکہ قارئین کی توجہ ادھر نہ جائے کہ قریشی قوم کو سورہ فرقان میں مجرم اقوام کا پیرو قرار دیا تھا۔ (25/31) اور اب قریش کو مجرم اقوام کا خلیفہ بنایا گیا ہے۔ لہذا قریش ہرگز رسول اللہ کے یا اللہ کے خلیفہ نہ تھے۔ اور وہ تمام کہانیاں اور ریکارڈ جھوٹا ہے جس میں قریش کے خلفاء، ابوبکر و عمر و عثمان وغیرہ رسول کے خلیفہ مشہور کئے گئے ہیں۔ حالانکہ وہ مجرم اقوام کے خلیفہ تھے (10/14)۔ مگر کبھی عوام کو یہ نہیں بتایا کہ:

(الف) مودودی کی تشریح مانتی ہے کہ ابوبکر و عمر و عثمان مجرم اقوام کے خلیفہ تھے۔

”خیال رہے کہ خطاب اہل عرب سے ہو رہا ہے اور اُن سے کہا یہ جا رہا ہے کہ کچھلی تو مومنوں کو اپنے اپنے زمانے میں کام کرنے کا موقع دیا گیا تھا، مگر انہوں نے آخر کار ظلم و بغاوت کی روش اختیار کی اور جو انبیاء اُن کو راہ راست دکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے اُن کی بات انہوں نے نہ مانی اس لئے وہ ہمارے امتحان میں ناکام ہوئیں اور میدان سے ہٹا دی گئیں۔ اب اے اہل عرب تمہارے باری آئی ہے۔ تمہیں اُن (مجرم و تباہ شدہ اقوام۔ احسن) کی جگہ موقع دیا جاتا ہے۔ تم اس امتحان گاہ میں کھڑے ہو جس سے تمہارے پیشرو ناکام ہو کر نکالے جا چکے۔ اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارا انجام بھی وہی ہو جو اُن کا ہوا تو اس موقع سے، جو تمہیں دیا جا رہا ہے، صحیح فائدہ اٹھاؤ۔ کچھلی قوموں کی تاریخ سے سبق لو اور اُن غلطیوں کا اعادہ نہ کرو جو اُن کی تباہی کی موجب ہوئیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 271)

یہاں اُن تمام علماء و عوام کو توبہ کرنا واجب ہے جو ابوبکر و عمر و عثمان کو رسول کا خلیفہ کہتے اور لکھتے رہے ہیں۔ اور ساری دنیا کو ماننا چاہئے کہ قرآن کی رو سے قریش ایک مجرم قوم تھی مجرم اقوام کی جانشین و خلیفہ بنائی گئی تھی۔ اور عہد رسول ہی میں اللہ سے ظالم اور مکذّب قرآن کا اور رسول کے دشمن ہونے کا لقب پا چکی تھی۔

(ب) مودودی نے مانا ہے کہ مسلمانوں نے یہودی پیروی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

اور مودودی کا بیان سن کر قریش اور قریشی مسلمانوں کا حال بھی دیکھتے چلیں لکھا ہے کہ:

”اے! یعنی پہلے انہوں نے خود ہی عقائد اور احکام میں مویشگافیاں کیں اور ایک ایک چیز کے متعلق سوال کر کر کے تفصیلات اور قیود کا ایک جال اپنے لئے تیار کر لیا، پھر خود ہی اس میں الجھ کر اعتقادی گمراہیوں اور عملی نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اس گروہ سے مراد یہودی ہیں جن کے نقش قدم پر چلنے میں، قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات کے باوجود، مسلمانوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 508)

یاد رہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنبیہات قریشی ریکارڈ میں بھری پڑی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری میں حضور کی کئی ایک حدیثیں کہتی ہیں کہ:

(1) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعة حتی تأخذ أمتی بأخذ القرون قبلها شبراً بشبر و ذراعاً بذراعٍ فقیل یا رسول اللہ کفارس والرؤم؟ قال ومن الناس إلا أولئک.

(2) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لتتبعن سنن من قبلکم شبراً شبراً و ذراعاً ذراعاً حتی لو دخلوا حجر صلب

تبعتموهم، قلنا یا رسول اللہ البھود والنصارى؟ قال فمن؟ (بخاری پارہ تیسواں جلد 2 صفحہ 1088)

(1) ”آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قیامت قائم ہی نہیں ہو سکتی جب تک میری امت سابقہ اقوام کی بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ ناپ کر پیروی نہ کر لے چنانچہ پوچھا گیا کہ حضورؐ کیا اہل ایران اور اہل روم کی پیروی کرے گی؟ فرمایا اُن کے علاوہ پیروی کرنے کیلئے اور کون سے انسان ہو سکتے ہیں؟

(2) ”حضورؐ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے سے پہلوں کی بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ بھرنا ناپ کر پیروی کرو گے؟ ہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ کیا ہم یہود و نصاریٰ کی بھی پیروی کر لیں گے؟ فرمایا تو پھر کس کی؟

قرآن، صاحب قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان بیانات سے اور مودودی کی تائیدات سے یہ یقین ہو جانا چاہئے کہ قریش اور قریشی حکومت کی وہ تمام باتیں غلط ہیں جن میں انہوں نے خود کو حقیقی مسلمان کہا یا اسلام کی حمایت کا ذکر کیا ہے۔ اس کے برخلاف یہ ثابت ہو چکا کہ انہوں نے آنحضرتؐ کے بعد حکومت ہتھیانے اور حضرت علیؑ کو محروم کرنے کے لئے اسلام سے وابستگی اختیار کی تھی اور اپنی قومی حکومت کو اسلامی اور قرآنی جائز حکومت ثابت کرنے کے لئے قرآن کی تعلیمات کو معنوی تبدیلیوں اور افسانہ ساز یوں سے تبدیل کیا تھا۔ لہذا قرآن کی ترجمانی کے لئے قریش اور قریشی علما کی کسی بات کو ماننا غلط ہوگا۔ اُن کی صرف وہ باتیں قابل غور اور قابل قبول ہو سکتی ہیں جن میں اُن کی خامیاں غلطیاں اور مذمت لیتی ہو۔ ساتھ ہی ہر وہ عذر ناقابل قبول سمجھنا چاہئے جو قریش کی طرفداری میں کسی کی جانب سے پیش کیا جائے۔ اس لئے کہ عذر پیش کرنے والا اگر غیر قریشی عالم ہے تو قریشی پروپیگنڈے کے فریب میں مبتلا ہے۔ ورنہ فریب ساز دھوکے باز ہے۔

10۔ اگر کسی سنگین مجرم کو حکومت مل جائے تو دوران حکمرانی سرزد ہونے والے جرائم کے ہلکے یا بھاری ہونے پر بحث اور فیصلے

کرنا غلط ہے۔ اُس کے سابقہ جرائم پر مواخذہ پہلے ہوگا۔

اگر ابو بکر و عمر و عثمان اور اُن کی قوم نے وفات رسولؐ سے پہلے ہی ایسے جرائم کئے ہوں جن کی پاداش میں اُن کا قتل کیا جانا اور دردناک عذاب میں مبتلا ہونا واجب ہو چکا تھا تو خلافت حاصل کر لینے سے اُن کا سابقہ جرائم سے بری الذمہ ہو جانا کس دلیل سے مان لیا جائے گا؟ اس قسم کے تصورات تمام مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کر دیئے گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام اختیار کرتا ہے تو اُس کے تمام سابقہ جرائم و گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یا اگر کوئی شخص آئمہ معصومین علیہم السلام کا مذہب اختیار کر لیتا ہے یعنی شیعہ ہو جاتا ہے تو اُس کے تمام سابقہ جرائم و گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔ مثال میں حضرت حرؓ علیہ السلام کو رکھا جاتا ہے۔ یہ بات اگر سچ ہو تو اُن تمام آیات و احادیث کو غلط و باطل ماننا پڑے گا جن سے یہ ثابت اور مسلمہ ہے کہ حقوق العباد صرف بندے معاف کر سکتے ہیں۔ اللہ اُن کو معاف نہیں کر سکتا۔ اور عقل کا تقاضا اور انصاف و عدل کا نظام بھی یہی کہتا ہے کہ چوری، زنا، قتل وغیرہ کی قسم کے جرائم سے انسانوں کو تکلیف اور نقصان پہنچتا ہے لہذا لازم ہے کہ چور، زانی، اور قاتل وغیرہ سے اُن انسانوں کی تکلیف دور کرائی جائے اور نقصان پورا کرایا جائے جنہیں تکلیف و نقصان ہوا تھا۔ اور یہ تکلیف و نقصان پورا کرائے بغیر اللہ کو یا کسی اور کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ چور، زانی اور قاتل کو بری الذمہ کر دے۔ البتہ اللہ حقوق اللہ کے مجرموں کو معاف کر سکتا ہے۔ اُسی طرح بندے اپنے قصور واروں کو بخش سکتے ہیں۔ اس عقلی، فطری اور قانونی تقاضے کا حل قریشی اسلام میں یہ ہے کہ اللہ پر انصاف و عدل کرنا واجب نہیں وہ جسے چاہے اور جو چاہے سزا دے سکتا ہے۔ بالکل بے قصور کو جہنم میں اور سرتا پا ظالم و مجرم کو جنت میں بھیج سکتا ہے۔ تنگ آ کر وہ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ بندہ جو کچھ کرتا ہے وہ کر ہی نہیں سکتا جب تک اللہ نہ چاہے۔ لہذا انسان جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ کے کرانے یا حکم و اذن سے کرتا ہے۔ عذاب و ثواب دینا اللہ کی مرضی پر منحصر

ہے۔ یوں سارے قرآن کو، جنت و جہنم کو، عذاب و ثواب کو، انہوں نے باطل کر کے رکھ دیا ہے اور یہی مطلب ہے اللہ کا جب اُس نے فرمایا کہ اے رسول تیری قوم نے اس قرآن کو جھٹلا دیا ہے حالانکہ وہ حق ہے اور کہہ دو کہ میں تمہارے ان عقائد پر تمہاری وکالت نہ کروں گا۔ (انعام 6/66) بہر حال سابقہ تمام جرائم و گناہ بخشے جاتے ہیں اگر کسی عمل کے نتیجے میں شہادت واقع ہو جائے یعنی ایسا عمل کرنا جس کے بدلے میں زندگی کو قربان کرنا پڑے۔ عیسائی یا یہودی یا ہندو اپنے مذہب میں رہتے ہوئے بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ذمہ دار ہے اور مسلمان ہو جانے کے بعد بھی اُس کا وہی اعمال نامہ جاری رہتا ہے۔ وہ جہاں بھی مر جائے وہیں تک اپنے اعمال کا ذمہ دار رہے گا۔ مسلمان ہونے سے پہلے کے گناہوں پر بھی مواخذہ ہوگا اس لئے کہ وہ سابقہ مذہب میں سابقہ قوانین کا پابند تھا۔ لہذا یہ سراسر قریشی یا ابلیسی عقیدہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہی تمام سابقہ گناہ و جرائم ہر مسلمان ہونے والے کے بخش دیئے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہر وہ چیز جو اس کی تائید کرتی ہو باطل اور قریشی ساختہ پر داخستہ ہے۔ لہذا پہلے انہوں نے قریش کے ہر فرد کو مسلمان ہوتے ہی ایسا مان لیا کہ جیسا وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ پھر انہیں صحبت رسول میں رہنے کا اعزاز دے کر کندن اور نورانی بنا دیا۔ پھر انہیں جانشین رسول بنا کر رسول کے برابر کر دیا۔ یوں انہیں باز پرس اور تنقید سے رفع و اعلیٰ بنا کر پیش کیا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ انہوں نے قرآن کی آیات میں تبدیلی اور تحریف سے بالا ہی بالا کیا ہے۔ قرآن کے الفاظ اور صاحب قرآن کے بیانات اُن کا ساتھ نہیں دیتے بلکہ اُن کو سنگین جرائم کا اور رسول کے دشمن ہونے کا مجرم ثابت کرتے ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ قرآن کو پس پشت پھینکنے والوں، قرآن کے عہد اور ذمہ داریوں کے توڑنے والوں اور قرآن سے تعلق منقطع کرنے والوں کو پہلے سمجھو، تب قرآن سمجھ میں آئے گا۔ اور قرآن سے رشتہ قائم کرنے کے لئے صاحب قرآن سے التماس کرو کہ وہ علم کی زندگی اور جہالت کی موت ہیں (خطبہ نمبر 147) لہذا قریش کو اسلام اختیار کرنے سے قبل کے اور دوران اسلام کے جرائم پر پہلے ماخوذ کیا جانا چاہئے۔ پھر اگر ضرورت ہو تب بعد وفات رسول، دوران حکومت سرزد ہونے والے جرائم پر تفتیش و گفتگو کا نمبر آئے گا۔ لہذا عثمان کے جرائم اور سزا کی اسی لئے تصریح نہیں فرمائی گئی ہے۔ اور اسی لئے اُس کے قاتلوں پر فرد جرم عائد نہیں کی ہے۔ اور اسی لئے قاتلوں کو اور حمایت کرنے والوں کو اور مدد نہ کرنے والوں کو برابر کر دیا ہے۔ (خطبہ 10، جملہ نمبر 10 تا 8)

(الف) اعلان نبوت سے پہلے سرزد ہونے والے جرم کو حضرت موسیٰ نبوت مل جانے کے بعد بھی قابل مواخذہ سمجھتے رہے ہیں تو خلافت تو اس سے کم مرتبہ ہے۔

قریش کو قرآنی و اسلامی خلافت نہیں ملی تھی وہ مجرم اقوام کے مجرم خلیفہ بنائے گئے تھے تاکہ جن جرائم کو بلا حکومت و اقتدار ملے ہوئے کرنا مشکل یا ناممکن تھا انہیں بھی اپنی مجرمانہ منگلوں کے معیار پر کر سکیں اور اُسی معیار پر سزا پائیں۔ اسی مقصد کے ماتحت فرمایا گیا تھا کہ:-

”لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ؟“ (10/14) ”تاکہ ہم سب اپنی نظروں سے بذات خود دیکھ لیں کہ تم اقتدار و حکومت و تسلط مل جانے کے بعد اپنے جرائم کو کس شان شہنشاہی سے انجام دیتے ہو؟ اور کمزوروں، شریفوں، بے بس عورتوں اور بچوں پر کس بے دردی سے مظالم کرتے ہو؟“ اور پھر تمہارے طرف دار اور لگے لگے کس کس مکر و فریب سے تمہیں بے قصور و برحق ثابت کرتے ہیں اور تمہارے خلاف بولنے والوں کی زبانیں کس طرح خاموش اور بند کرتے ہیں؟؟؟“

یہ ہے ان تین الفاظ کا سنا ہوا مفہوم جو قریشی تاریخ کے چودہ سو سال نہیں بلکہ قیامت تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جس کی ذیل میں کروڑھا مجرم سنگین سزائیں پانے والے ہیں۔ اس لئے کہ خلیفہ بن جانے سے اُن کے اور اُن کی قوم کے جرائم معاف نہیں بلکہ سنگین تر ہو گئے تھے۔ دیکھو

ذمہ داری محسوس کرنے والے لوگ کسی مرتبہ پر پہنچ کر ذمہ داری کو نظر انداز نہیں کر دیتے۔ حالانکہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرما دیا تھا کہ:

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا - الخ۔ (ط۔ 41-20/40)

”تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا ہم نے تجھے اُس سے نجات دی اور تجھے مختلف تکلیف دہ آزمائشوں میں سے گزارا اب اے موسیٰ تم اپنی مقدر شدہ حالت پر آگئے ہو اور میں نے تجھے اپنی ذات کے لئے ہی صنعت کاری کی یہ حالت عطا کی ہے۔“ (ط 41-20/40)

اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے اور تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے یہ نہیں سوچا کہ فرعون اور مصر کا قانون مجھ سے قتل پر مواخذہ نہ کرے گا۔ چنانچہ اللہ سے عرض کیا تھا کہ: قَالَا رَبَّنَا اِنَّا نَخَافُ اَنْ يُفْرَطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَطْعُنِيَ O (20/45)

”موسیٰ اور ہارون دونوں نے کہا کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ کہیں فرعون ہم پر زیادتی کرے یا ہمارے ساتھ سرکشی کا سلوک کرے؟“۔

اللہ نے مدد کرنے کا یہ وعدہ فرمایا کہ: قَالَ لَا تَخَافَا اِنِّي مَعَكُمْ اَسْمَعُ وَاَرَى O (20/46)

”فرمایا کہ تم دونوں کو کوئی خوف نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ میں سب کچھ سننے اور دیکھنے کے لئے تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔“

اسی اصول پر قریش کو اور اُن کے تمام متعلقین کو اپنی ذمہ داریوں کا خوف رہنا چاہئے۔ اور اُن کو تو بڑی الذمہ نہیں کیا گیا ہے۔ اُن کو نجات کا کوئی وعدہ نہیں دیا گیا ہے۔ اور قارئین یہ بھی یاد رکھیں گے کہ جب تک قرآن سے ”رسول کی قوم“ یا رسول کی ”قوم کے“ فرد“ یا ”افراد“ یا لفظ ”قریش“ نہ دکھایا جائے گا ہم آیت یا حدیث کا مدعا اور مفہوم قریش کے حق میں تسلیم نہ کریں گے۔ مثلاً جن آیات میں مہاجرین کی مدح و ثنا ہوگی اُس سے قریش کی مدح و ثنا مراد نہ لیں گے اس لئے کہ مہاجر یا مہاجرین کا ترجمہ قریش نہیں ہے۔ نہ اچھے مومنین کا ترجمہ قریش ہے۔ نہ اولین و سابقین کے معنی قریش ہوتے ہیں۔ البتہ ہر مذمت میں پہلے نمبر پر قریش کو مراد لیں گے یہ اس لئے کہ انہیں قومی حیثیت سے مجرم اور دشمن رسول فرمایا گیا ہے۔ اور یہ سب کچھ اُن کی نسلی خصلتوں اور صفات میں خود اُن کے اپنے مذہب علما نے بھی تسلیم کیا اور مانا ہے کہ کلمہ پڑھ لینے یا خود کو مسلمان کہہ دینے سے وہ سر سے پیر تک بدل نہ سکتے تھے۔

(ب) قریش نے اپنی دو ہزار سالہ ذہنیت اور جبلت کو تبدیل نہیں کیا تھا اور نہ اُن کے لئے ممکن تھا کہ وہ باطنی رجحانات اور طبیعت کو بدل دیتے۔

علامہ مشرقی اپنی کتاب ”تذکرہ“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

”اسلام و قرآن نے عربوں کی جبلت و طینت کو نہیں بدلاتھا۔ وہ عادتیں اور خصلتیں جو اُن کی فطرت میں ہزار دو ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں اُن سے رخصت ہو کر اپنا نقش پانہ چھوڑتیں؟ وہ مٹتی اوصاف جو قرونوں اور صدیوں پہلے اُن کی مٹی میں خمیر ہو چکے تھے۔ اُن کے طبعی میلان کا کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے؟ قرآن اور اسلام کی تعلیم سے عرب اپنی ظاہری عبادات اور رسومات کو بدل سکتے تھے۔ مگر طبائع کے باطنی رجحانات اور اصل طریق تخیل کو ہرگز نہ بدل سکتے تھے۔ وہ دراصل اُس مٹی میں رہنے والے وہم زدہ لوگ اور قریب قریب اُس آب و ہوا میں پلے ہوئے فرقہ بند آدمی تھے جنہوں نے وادی سینا میں موسیٰ کی شریعت بیضا کو ہاتھ میں لے کر اُن کی غیبت میں اپنی پرانی عادت کے موافق انکار اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی۔“ (مقدمہ صفحہ 67, 68)

وہ لوگ غور فرمائیں جو قریشی صحابہ کو محض اُن کے اپنے تراشیدہ افسانے پڑھ سن کر فرشتہ خصلت سمجھتے ہیں۔

(ج) قریش دسویں سال ہجری تک یعنی رسول کی آخری عمر تک غیبیٹ یعنی ناپاک مومنین رہتے رہے۔ جنہیں قرآن نے دسویں سال ہجری تک

بد باطن اور خبیث و ناپاک مومنین قرار دیا ہے۔ فرمایا گیا کہ:

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ... الخ (آل عمران 3/179)

”اللہ کے لئے یہ صورت حال برداشت کرتے رہنا مناسب نہیں جس پر اے مومنین تم آج کل موجود ہو۔ وہ تو پاک مومنین کو ناپاک مومنین سے الگ اور ممتاز کر کے رہے گا۔“

11۔ قریش اور قریشی لیڈروں، ابوبکر و عمر و عثمان کا مجہول مطلق ہونا، اُن کی خباثوں اور کمینہ خصلتوں کو اُن کی حکومتوں کا چھپا لینا اور انہیں نیا جنم دینا۔

ڈاکٹر طہ حسین صاحب اُن مورخین میں سے ہیں جنہوں نے جہاں تک ہو سکا قریش کے قائم کردہ تعصب سے ہٹ کر تاریخی واقعات کو بیان کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے انہوں نے بھی اپنی تحقیق میں قریشی عظمت کو بنیاد بنا کر اور قریشی اصول و قواعد کو حقیقت مان کر بات کی ہے لہذا اُن کا گمراہ رہنا اور جگہ جگہ حق سے دور ہوتے جانا لازمی تھا۔ پھر انہوں نے اپنی تحقیق میں قرآن کو ہرگز اپنا راہنما نہیں بنایا۔ لہذا حق تک جا پہنچنا اُن کے لئے ناممکن رہا۔ وہ تحقیق کرنے سے پہلے بھی خلفائے ثلاثہ کو برحق مانتے تھے اور تحقیق مکمل کرنے کے بعد بھی انہیں اُن کی حقانیت میں کوئی شبہ تک نہ ہوا۔ اور کیسے ہو سکتا تھا جب کہ انہوں نے انہیں برحق مان کر اور اُن ہی کے اعمال کو بنیاد بنا کر تحقیق شروع کی تھی؟ البتہ انہوں نے کچھ ایسی باتیں بے دھڑک لکھ دیں جنہیں اکثر لوگ نہیں لکھتے۔ مگر باتیں وہی لکھیں جن کے متعلق اُن کو پہلے سے یقین تھا کہ اُن کے ماننے اور لکھ ڈالنے سے ثلاثہ اینڈ کمپنی کے برحق رہنے میں خلل یا کمزوری نہ آئے گی۔ ساتھ ہی انہیں یہ بھی یقین تھا کہ وہ باتیں لکھنے سے لوگ انہیں بے باک اور حق گو محقق کہیں گے اور اُن کی تحقیق اور نتائج کو تسلیم کر لیں گے۔ اسی اصول کو قریش کے ہم مسلک ماڈرن علما اختیار کر رہے ہیں کہ پہلے اُن باتوں کو الگ کر لیا جائے جن جن پر سختی سے تنقید کرنا خلفا کو برحق رکھے، اور پڑھنے والے یہ سمجھیں کہ محقق صاحب انہیں تباہ کئے دے رہے ہیں۔ پھر دوسرے چکر میں قارئین سے اپیل کے موڈ میں یا دوسرے طریقوں سے انہیں برحق ثابت کر دیا جائے۔ یاد رہے کہ خود ابوبکر و عمر و عثمان اور اُن کے پیرو عام و علما اُن کو خطا کار مانتے ہیں۔ لہذا جو محقق بعض غلط کاریوں کو سخت الفاظ میں بیان کرتا ہے وہ کوئی ایسی بات نہیں جو تحقیق کا تقاضا ہو وہ مسلمات کو بیان کرتا ہے اور جانتا ہے کہ ایک لاکھ غلطیاں بیان کر دینے سے بھی اُن کی خلافت برحق رہتی ہے۔ بہر حال ڈاکٹر طہ ہوں یا مودودی یا دوسرے ماڈرن قریشی علما ہوں، اُن سے یہ فائدہ ضرور پہنچ رہا ہے کہ ابوبکر و عمر و عثمان و عائشہ وغیرہ پر تنقید کے لئے زبانیں کھلنے لگی ہیں۔ اور لوگ تنقید سننے کے لئے تیار ہو رہے ہیں اور یہ کہ تحقیق کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہو رہا ہے کہ یہ ماڈرن محققین بعض ایسی باتیں بھی لکھ جاتے ہیں جو پہلے منہ پر لانا جرم سمجھا جاتا تھا۔ اور اُن میں سے بعض باتیں ایسی بنیاد فراہم کر دیتی ہیں جن پر مزید تحقیق کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔ اور وہ باتیں بہت سی جعلی اور خود ساختہ صفات اور قریشی قصیدوں کی کمر توڑ دیتی ہیں۔ ہم اس قسم کی باتیں ڈاکٹر طہ حسین کی تصنیف سے قارئین کے سامنے لاتے ہیں۔

(الف) قریشی خلافتوں کے خود ساختہ اسلام نے اور خود بافتہ تاریخ نے کس طرح قریشی قوم اور قریشی صحابہ کی بدنامی و بدکرداری اور قومی خباثت کو چھپا کر انہیں اسلام کا نمونہ بنا دیا۔

ڈاکٹر طہ حسین نے قریش کا تعارف کراتے ہوئے اُن کی انتہائی مدح و ثنا کی ہے اور کیوں نہ کرتے جب کہ وہ ابوبکر و عمر و عثمان کی خلافتوں

کے برحق ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اُن پر اس لئے سخت تنقید کرتے ہیں کہ لوگ انہیں بے لاگ اور بے باک مورخ سمجھ کر ثلاثہ اینڈ کمپنی کی خلافتوں پر اٹل ایمان لے آئیں۔ لیکن قریشی علمائے نہیں جانتے کہ جہاں وہ قریشی اسلام اور قریشی خلافتوں کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ وہیں خدائی انتظام باطل کو مٹانے اور حق کو نمایاں کرنے میں لگا ہوا ہے اور خود اُن کے قلم کی گردشوں پر اثر انداز ہو کر اُن کے بیانات کو حق کی طرف اس طرح موڑتا چلا جا رہا ہے کہ وہ زندگی بھر یہ نہیں سمجھ پاتے کہ ہم سے کیا لکھو الیا گیا ہے؟ اللہ کا یہ انتظام ڈاکٹر صاحب کے اس مدحیہ بیان میں دیکھئے ہم اُسے نمبر دے کر پیش کرتے ہیں۔ لکھا ہے کہ:

1- ”دوسرے صحابہ کی طرح حضرت عثمان کے بھی ایام جاہلیت کے تقریباً تمام حالات تاریخ کی نظر ہو گئے۔ 2- اسلام نے صحابہ کرام کو

صرف اُن کے نفوس و قلوب و عقول کے اعتبار ہی سے نیا جنم نہیں دیا۔ 3- بلکہ اسلام نے انہیں تاریخی اعتبار سے بھی از سر نو پیدا کیا۔

4- اسلام نے انہیں پہلے کی زندگی سے اس طرح منقطع کر دیا گویا وہ پیدا ہی اس وقت ہوئے جب وہ اسلام لائے۔“

(الفتنة الكبرى، باب چہارم صفحہ 105، مترجمہ پروفیسر محمد منور صاحب ایم اے، شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام جون 1985ء)

اس بیان میں تین افراد کا ذکر ہوا ہے۔ اولین فرد قریش اور قریشی صحابہ ہیں جن کی بزرگی اور مدح و ثنا بیان کی گئی ہے۔ دوسری فرد تاریخ ہے۔ اور تیسری فرد اسلام ہے۔ اور وہ کام بتایا گیا ہے جو تاریخ اور اسلام نے کیا ہے۔

قارئین ہمارے ساتھ ان تینوں افراد پر الگ الگ نظر ڈالیں۔

اول قریش۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح الفاظ میں لکھ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے کے یعنی زمانہ جاہلیت کے قریشی حالات موجود نہیں ہیں۔ یعنی نہ ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ قریش کس نسل سے ہیں؟ وہ نسل اچھی تھی یا بری؟ قریش کا پہلا مذہب کیا تھا؟ اُن کا اخلاق و کردار کیسا تھا؟ اُن کا پیشہ اور معاشرت کیا تھی۔ مختصر یہ کہ قریش کا ماضی تاریخی کے قبرستان میں دفن ہے۔

دوم تاریخ۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ قریش کا مذکورہ بالا ماضی تاریخ کی نظر ہو گیا۔ یعنی آج قریش کے ماضی کے تمام حالات اس تاریخ میں نہیں ملتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مورخین نے خود قریش کے ماضی کو تاریخ میں نہیں لکھا ہے۔

سوم اسلام۔ اسلام نے قریش کو نیا جنم دیا۔ اور جنم بھی اُسی دن یا جس دن قریش اسلام لائے۔ یعنی اسلام نے قریش کو پیدائشی مسلمان بنا کر پیش کیا ہے۔ اور یہ کہ اسلام ہی نے خود قریش کے قلوب بنائے۔ اسلام ہی نے اُن کے نفوس و اجسام تیار کئے اور اسلام ہی نے اُن کی عقلیں پیدا کیں۔ اور آخری اور بہت اہم بات یہ ہے کہ اسلام ہی نے قریش کو اور قریشی صحابہ کو اُن کی پہلی زندگی سے سو فیصد منقطع کر دیا تھا۔

یہ ہیں قریش کے مناقب اور فضائل۔ بتائیے اُس قوم سے اور قوم کے افراد سے کون سی قوم اور کس قوم کے افراد بڑھ کر ہو سکتے ہیں۔ جن کو خود اسلام جنم بخشے، جن کے جسم اسلام خود اسلامی سامان سے تیار کرے، جنہیں اسلام اسلامی عقل سے نواز دے، جن کے قلوب کو خود اسلام بنائے اور اسلامی ذہنیت سے بھر دے؟ جن کا ایک لمحہ بھی کفر و نفاق و الحاد و بے دینی سے ملوث نہ ہوا ہو۔ یہ ہے وہ مقام جو شیعہ حضرات کے یہاں علی وفاطمہ و حسن اور حسین علیہم السلام کے لئے مانا جاتا ہے۔ یعنی طہ حسین قریش کو ایسا مقام دے رہے ہیں جو قریش نے خود محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نہ دیا۔ اُن کے والدین علیہم السلام کو اور اُن کے بزرگوں کو کھل کر کافر لکھا گیا ہے۔ خود رسول کو قریش اور قریشی صحابہ کے مذہب میں کافروں کی اولاد اور چالیس سال تک ایمان و اسلام سے جاہل قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ انہوں نے اپنی دو بیٹیوں کی شادیاں بھی مشرکوں سے کی تھیں۔ یعنی آنحضرت کو کفر

وشرک و اسلام و ایمان کی کوئی تمیز نہ تھی۔

چہارم۔ ہم اور طہ حسین یا ڈاکٹر صاحب کی تاریخ اور اسلام۔

یہ تو تھا وہ نتیجہ جو ڈاکٹر صاحب کے بیان سے انہوں نے اور ان کی کتاب پڑھنے والوں نے نکالا ہوگا۔ لیکن ہم اپنے قارئین کو یہ بتاتے آرہے ہیں کہ قریش اس دنیا کی بدترین اور نسلی بدقماش و فریب ساز قوم ہے۔ اور اس کی اسکیم اور پالیسیاں ایسی ہیں کہ بڑے بڑے محققین اور شاہرہ قسم کے مُفتِّش بھی ان کے پھیلانے ہوئے جال سے نہ بچ سکے چنانچہ جناب ڈاکٹر طہ حسین صاحب بھی شعوری یا لاشعوری طور پر قریش کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور نہ معلوم کتنے لوگوں کو اس میں پھنسا یا ہوگا۔ آئیے ان کو اس سے باہر نکالیں اور آئندہ کے لئے اس جال کو تباہ کر دیں۔

پہلی بات یہ دیکھیں۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے زیر نظر چاروں جملے پھر پڑھیں۔ اور حقیقت تک پہنچنے کے لئے کہ وہ تاریخ کس نے تیار کی تھی، جس کی نذر قریش اور قریشی صحابہ کا سارا ماضی ہو گیا؟ ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ پہلا شخص جس نے تاریخ لکھوانے کی ابتدا کی تھی وہ معاویہ بن ابی سفیان تھا اور اس کے بعد تمام قریشی خلفانے اپنے اپنے زمانے میں تواریخ و احادیث اور تفاسیر کی کتابیں لکھوائیں۔ اور کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ وہ کوئی ایسی حقیقت زبان سے کہہ سکتا یا لکھ سکتا جو قریشی حکومت کے مذہب یا پالیسیوں کے خلاف ہو۔ اور کسی شخص کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ کسی بھی عنوان پر کوئی کتاب حکومت کی مدد کے بغیر لکھ سکے اس لئے کہ کوئی کاغذ بنانے کا کارخانہ یا فیکٹری ملک میں نہ تھی نہ آج تک ہے۔ نہ صدیوں تک کاغذ کی کوئی مارکیٹ تھی نہ دکان موجود تھی۔ پھر نہ کاغذ ہر ملک میں بنتا تھا۔ صرف چین میں کاغذ بنتا تھا اور اتنی کم مقدار میں بنتا تھا کہ تمام ملکوں کی حکومتوں ہی کو ان کی ضرورت کے لئے کافی نہ مل سکتا تھا۔ بہر حال تاریخ و تفسیر و حدیث کی اور دیگر علوم کی کتابیں معاویہ کے زمانے سے لکھنا شروع ہوئیں اور ہمیشہ حکومت کے تنخواہ دار علمائے لکھیں اور لکھوائیں اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ ڈاکٹر طہ حسین ہی نہیں بلکہ تمام سنی شیعہ علماء اس کو جانتے اور مانتے چلے آ رہے ہیں اور اس کے انکار کی راہیں بند ہیں۔ لہذا ڈاکٹر صاحب نے اپنے پہلے جملے میں یہ لکھا ہے کہ:

”قریشی خلافتوں اور قریشی مورخین نے قریش اور قریش کے صحابہ کے وہ تمام حالات تاریخ میں لکھنا مفید نہ سمجھا جو اعلان نبوت سے پہلے اس قوم پر گزرے تھے۔ یعنی ان کی مصلحت یہی تھی کہ کوئی شخص کسی طرح قریش کے ماضی سے واقفیت حاصل ہی نہ کر سکے۔ یعنی قریشی تاریخ نے قریش کے ماضی کو ان کے حال اور مستقبل سے کاٹ کر رکھ دیا اور جو کچھ لکھا وہ اعلان نبوت کے بعد کے حالات تھے۔ پھر:

دوسری بات یہ دیکھیں کہ جناب ڈاکٹر صاحب نے اپنے چوتھے یا آخری جملے میں یہ لکھا ہے کہ:

”اسلام نے انہیں پہلے کی زندگی سے اس طرح منقطع کر دیا گیا وہ پیدا ہی اُس وقت ہوئے جب وہ اسلام لائے۔“

یہاں صاف صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس جملے میں جس چیز نے قریش کو ان کی سابقہ زندگی سے منقطع کیا یا ان کے ماضی کو چھپا دیا تھا وہ اسلام نہیں بلکہ تاریخ تھی جس کی نذر میں قریش کا ماضی کر دیا گیا تھا۔ اس لئے بھی کہ ”اسلام“ کسی شخص و احد یا کسی جماعت کا نام نہ اُس وقت تھا نہ بعد میں ہوا جو قریش کے ماضی کو قریش سے منقطع کرتا۔ یا قریش کو ان کے ماضی سے جدا کر دیتا۔ لہذا بات یہ ہوئی کہ:

تیسری بات قریش کا فریب ہی فریب ہے۔

”قریشی قوم نے رسول کی حکومت پر قبضہ کر کے ایک خود ساختہ اسلام تیار کیا اور ایک فرضی تاریخ مرتب کی اور اعلان نبوت سے پہلے کی اپنی تمام حرام

کاری تمام خباثتوں کو اور پوری شرمناک تاریخ کو چھپا دیا۔ اور اپنی تاریخ، اسلام لانے کے بعد ایسی لکھی جس میں خود کو تمام مسلمانوں سے بزرگ، خدا کا رسول اور اسلام کا وفادار و مجسم خیر و صلاح سر سے پیر تک ایمان و اسلامی عقل سے آراستہ کر کے دکھایا۔ لہذا وہ پورا فراڈ جو قریش نے کیا اور کرنا تھا، لفظ بلفظ قرآن میں ریکارڈ کیا ہوا رکھا ہے۔ وہ کیسے لوگ تھے اور اسلام کو قبول کرنے کے بعد کیسے بنے؟ یہ سوالات قرآن سے دریافت کرنے کے ہیں۔ قریش کی تاریخ اور ان کا اپنا گھڑا ہوا ریکارڈ ہی تو وہ سامان ہے جس پر ایمان لاکر ڈاکٹر طحسین ایسے ہزاروں محققین تحقیق کے باوجود گمراہ ہوتے رہے ہیں۔ اور حق بات معلوم ہو جانے اور لکھ دینے کے بعد بھی حق تک نہ پہنچ سکے۔

12۔ یہ بھی ایک فریب ہے کہ قریش کا ماضی قطعاً چھپا دیا گیا تھا۔ قریش کی حکومتوں اور قریش کے لیڈروں کو اپنے ماضی پر بھی پورا تسلط

حاصل نہ تھا۔

قریش کا ماضی، حال اور مستقبل قرآن اور اللہ اور صاحبان قرآن کے علم میں محصور رہا ہے۔ اُدھر قریش کا ماضی اہل روم و یونان اور ایران کے ساتھ بندھا ہوا تھا اور آج بھی اُن اقوام کی تاریخیں اور آثار و قدیمہ کے ذخائر قریش اور عربوں کو ننگا اور بے نقاب دکھانے کے لئے موجود ہیں۔ اس سلسلے میں صرف اسی قدر صحیح ہے کہ قریش اور ان کی حکومتوں نے چار پانچ سو سال تک حد بھر کوشش کی کہ وہ اپنے ماضی کو اور اُس زمانہ کو چھپا دیں۔ جسے عہد رسول کہا جاتا ہے۔ لیکن وہ ایسا کرنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے۔ مگر اُن کے چالاک علمائے یہ کہنا اور مشہور کرنا شروع کیا کہ قریش کا ماضی تاریخ کی نذر ہو گیا ”یا یہ سامان نوشت و خواند اور تعلیم کی کمی کی بنا پر ضبط تحریر میں نہ آسکا۔“ تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ تمہیں کہاں سے اور کیسے معلوم ہوا کہ قریش نہایت ناہنجار قوم تھی؟ اُن کا تو ماضی کسی کو معلوم نہیں ہے؟ اُن کا یہ فریب اس لئے ناکام ہوا کہ خود اُن کی اپنی تاریخ نے اُس زمانہ میں عرب حکومتوں کی لائبریریاں موجود ہونا لکھ دیا ہے۔ الغرض وہ چاروں طرف سے پکڑے گئے اور ہمیشہ اس میدان میں بھی رسوا ہوتے چلے آئے۔ اور تو اور ہم خود ڈاکٹر طحسین کی اس کتاب فتنہ سے قریش کا دنیا بھر کی اقوام سے مکینہ، بدمعاش، خود غرض اور بدترین قوم ہونا دکھائے دیتے ہیں۔

(الف) قریش کیسی قوم تھی؟ اُس کے افراد کی صفات اور مستقل عادتیں اور اخلاق کیسے تھے؟ اُن کا دین کیا تھا؟ وہ دین و دیانت میں کیسے تھے؟

ڈاکٹر صاحب نے آگے چل کر قریش کا ماضی بھی لکھا ہے اور اپنی باطل مصلحت کے ماتحت یہ بھلا دیا کہ قریش کو اُن کے اسلام نے ماضی سے کلیتاً منقطع کر دیا تھا۔ اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ قریش کے تمام سابقہ حالات تو تاریخ کی نظر ہو گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے وہ سب کچھ یا تو قارئین کو بے وقوف بنانے یا فریب دینے کے لئے لکھا تھا۔ سوچئے کہ ایسی خلاف واقعہ باتیں لکھنے اور جھوٹی مدح و ثنا کرنے والوں کو کیوں نہ قریش پرست کہا جائے۔ بہر حال قریش کا ماضی لکھنے میں بھی وہ حقیقت حال کو نظر انداز کرتے گئے ہیں۔ یعنی وہ حضرات قصی، ہاشم اور عبدالمطلب کا ذکر کئے بغیر عربوں کی برتری دکھاتے دکھاتے یہاں پہنچے کہ لکھا:

(1) قریش بہادر اور مرد میدان قبیلہ نہ تھا بلکہ دین سے ریاکارانہ و فریب کارانہ تعلق رکھنے کی بنا پر دین دار مانا جاتا تھا۔ دین اُن کے نزدیک

اقتدار حاصل کرنے کا وسیلہ تھا۔

”اس برتری کا سبب اُن کا جنگی تفوق یا تلوار کی طاقت میں امتیاز نہ تھا۔ کیوں کہ قریش کوئی جنگ جو قبیلہ نہ تھا۔ بلکہ اُن کی اس سیادت کا منبع

”دین“ تھا اور دین کے چھوٹے بڑے مسائل کی واقفیت پڑنی تھا“ (فتنۃ الکبریٰ، صفحہ 173)

قارئین نوٹ کر رکھیں کہ عہد رسول میں قریش جاہل لوگ نہ تھے بلکہ دینی قیادت اُن کے پاس تھی اور دینی مسائل میں سارا عرب اُن کی سیادت اور

بالادستی کا لوہا مانتا تھا۔ اور سنئے:

(2) ”اُن کی چال بازی اس حد تک وسعت اختیار کر چکی تھی کہ باوجود اس کے کہ قریش کو دین سے قطعاً کوئی تعلق اور لگاؤ نہ تھا۔ وہ عرب والوں کو یہی بتاتے رہے کہ وہی اکیلے دین کے محافظ اور امین ہیں۔ سرداران قریش کے نزدیک اگر دین کی کوئی وقعت تھی تو یہ کہ دین ایک وسیلہ ہے نہ کہ غایت۔ اُن نصب شدہ بتوں کے متعلق اُن کا یہی خیال تھا کہ وہ روزی کمانے اور اقتدار پھیلانے کے ذرائع ہیں۔ اور بس۔

گویا ہر قریشی سردار ایک خود غرض، حریص، دور اندیش، چالاک اور انتہائی مدبر سیاستدان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہجوم مشکلات کا کیوں کر سامنا کرے؟ اور کس طرح ابتلاء و محن کے چنگل سے صحیح و سالم نکل آئے؟“ (فتنۃ الکبریٰ، صفحہ 175-174)

قارئین قریش کے سرداروں کی ان مستقل عادتوں و خصلتوں اور صفات کو اسلام کے معاملے میں کبھی نہ بھولیں اور جہاں جہاں قرآن اپنے مخاطبوں کا نام لے لے کر کمینہ خصلتوں، فریب کاریوں، چالاکوں، مکاریوں و دنیا سازیوں، ریا کاریوں، بے دینی اور بددیانتی اور خود غرضیوں اور مال و اقتدار طلبیوں کا ذکر کرے وہاں ہمیشہ قریشی صحابہ کرام کو پہلا نمبر دیں قریش کو مخاطب سمجھیں اور قریشی علما کے ترجموں سے کبھی فریب نہ کھائیں۔ اور سمجھ لیں کہ یہ قریش کا سیاسی تدبر ہی تھا جس کی بنا پر وہ حکومت رسول پر قبضہ کرنے اور خاندان رسول کو رسول کی حکومت سے محروم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ قریش کو کبھی کسی حالت میں اور کسی مقدار میں بھی دیندار و مذہبی لوگ نہ سمجھیں بلکہ انہیں اقتدار پرست سیاسی لوگ یقین کریں۔ اور سنئے:

(3) ”قریش مشرق بعید اور مشرق قریب کے مابین تجارت کی وجہ سے ایک رشتہ قائم کئے ہوئے تھے۔ اور اسی بنا پر وہ مشرق و مغرب بلکہ روم و ہند کے مابین تعلقات قائم کئے ہوئے تھے۔ اس تجارت نے قریش کو بہت مالی فائدوں سے زیادہ دنیاوی تجربے سکھائے۔ کثرت دولت نے قریش کو حریص۔ محافظت زور۔ خوش تدبیری۔ اور مال سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا سکھایا۔ مسلسل تجربات اور اقوام عالم سے ارتباط و اختلاط نیز مختلف دور دراز کے علاقوں کی سیروسیاحت نے انہیں مشکلات کا مقابلہ کرنے اور اُن پر قابو پالینے میں ماہر بنا دیا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بالآخر اسی کا نتیجہ تھا کہ قریش نہایت پختہ کار۔ بڑا چالاک و ہوشیار اور حیلہ ساز قبیلہ بن گیا تھا۔ ان تمام امور نے قریش کو بے حد بلند ہمت اور طامع بنا دیا تھا۔ اسی چیز نے انہیں ناموافق و ناسازگار حالات میں استقلال سے کام لے کر مشکلات پر قابو پانے اور دشواریوں کو محتر کرنے کا خوگر بنا دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ان امور نے قریش کو اس سے بھی زیادہ خطرناک حد تک بڑھا دیا تھا۔ جس پر پہنچنے کے بعد انہوں نے مسلمہ اقدار کو حقیر سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ لوگوں کے محترم عقائد و رسوم کا تمسخر اڑانے لگے تھے۔ وہ فوری یا دیرباب منفعت کی خاطر ہر شے کو جائز قرار دے رہے تھے۔ ان کی چال بازی اس حد تک..... (لکھا جا چکا ہے)“ (فتنۃ الکبریٰ، صفحہ 174)

قارئین نوٹ کریں کہ ہر صورت حال قریش کے اندر صرف کمینہ خصائل پیدا کرتی جا رہی تھی۔ اور یہ بھی نوٹ کریں کہ دنیا بھر سے عربوں کے تعلقات اور بے نیگیس تجارت جن حضرات نے قائم کرائی تھی اُن کا تذکرہ طہ صاحب نے بھولے سے بھی نہیں کیا ہے۔ اس بیان میں بھی ہر جملہ یہ بتانا چلا جا رہا ہے کہ قریش مالی منفعت اور آسودگی حاصل کرنے کے سلسلے میں حیلہ ساز تھے۔ مال ہی کی طمع اور حرص رکھتے تھے۔ مالی مشکلات ہی پر قابو حاصل کرنے میں ماہر تھے۔ مالی دقتوں اور دیوالیے سے نکل جانے میں استقلال دکھاتے تھے۔ یعنی اُن کی ہر صفت کو اُبھارنے اور برسرا لانے کی وجہ مالی منفعت ہوا کرتی تھی۔ مال کے علاوہ دوسرے حقائق اُن کے قلب و ذہن میں کوئی تحریک پیدا نہ کرتے تھے۔

(ب) اسلام کا لباس پہن لینے کے بعد بھی قریش کے دل و دماغ تبدیل نہ ہوئے اُن کے مکینہ اعمال و خیال و عادات و اقوال احتیاط کے باوجود سامنے آگئے۔

یہاں مختصر اڈاکٹر کے قلم سے قریش کو مسلمان ہو جانے بعد دیکھیں اور غور کریں کہ انہوں نے اپنی سابقہ صفات و عادات کو کیا رنگ دیا تھا۔ ڈاکٹر لکھتا ہے کہ:

(1) عمر قریش کی طرف سے مستقل بدگمانی رکھتا رہا قریش کی حرص و طمع اور ظالمانہ عادات سے خوفزدہ تھا۔

”عمر قریش کو بخوبی جانتے تھے اور قریش کی طرف سے بدگمانی رکھتے تھے کہ وہ قوت کا غلط استعمال کریں گے۔ اُس سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے باز نہیں رہیں گے۔ وہ آگاہ تھے کہ قریش میں اپنی کمزوریوں پر قابو پانے کی قدرت موجود نہ تھی۔ یہی چیز قریش کا کمزور پہلو تھی۔ کیوں کہ اس کے سبب وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتے تھے اور غرور و کبر پائی کا شکار ہو جاتے تھے۔ اسی کے باعث وہ مال کی محبت اور لالچ کرنے لگتے اور اُسے ناحق لینے کے درپے ہو جاتے تھے۔ یہی چیز انہیں خود غرضی کا سبق سکھاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ زودیات منافع اور لذات پر اُمڈ پڑتے تھے۔ حالانکہ کہ کبھی کبھی یہ لذات گناہ سے بھی ملوث ہوتی تھی۔ یہی چیز انہیں حرص بے پایاں کی راہ دکھاتی تھی۔ جس کے باعث وہ ہر حد کو عبور کر کے دوسروں کے مال پر نگاہ ڈالنے کا عادی اور ظلم و استبداد کا مرتکب کر دیتی تھی“ (فتنہ 176-177)

(2) مہاجر اور روزاول سے رسول کی صحبت میں رہنے والے صحابہ کبار بھی مذکورہ اعمال و عادات میں مبتلا تھے۔ قریش نے اسلام کو بطور تجارت سودے کی طرح لیا تھا۔

اب یہ دیکھنے کے عمر دونوں قسم کے قریش کو خطرناک سمجھتے تھے۔ صحابہ کبار اور دیگر قریش میں خطرہ کی مقدار کا فرق تھا۔ خطرناک دونوں تھے۔ سنئے:

”جب کہ حضرت عمر ان مہاجرین سے اس قدر خائف تھے (جن کا ذکر اوپر ہوا ہے) جو عرصہ تک رسول خدا کی صحبت میں رہے۔۔۔۔۔ تو ظاہر ہے کہ اُن قریشیوں سے جو بعد میں اسلام لائے حضرت عمر کو لازماً اتنا ہی بلکہ اُن سے زیادہ خطرہ ہوگا۔ کیوں کہ اُن میں وہ بوڑھے اور وہ جوان بھی شامل تھے جنہوں نے برضا و رغبت اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ یا تو اسلام کے پلڑے کو جھکتا ہوا دیکھ کر طمع و لالچ کی وجہ سے مسلمان ہوئے تھے یا پھر جب وہ مکہ میں چاروں طرف سے گھر گئے تو کراہا اسلام کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھا کہ وہ ایک ایسا دین ہے جس کا تعلق قلوب و ضمائر سے ہے اور جس میں اللہ کے حقوق و فرائض کی پابندی لازم ہوتی ہے بلکہ:

”انہوں نے اسلام کو ایک ”بڑے سودے“ کی حیثیت سے دیکھا جیسے ”سودے“ وہ کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے اُسے بھی ”ایک خطرناک اور جرأت مندانہ اقدام“ خیال کیا ”جیسے اقدامات وہ عموماً اندرون و بیرون عرب میں کرتے رہتے تھے۔ انہیں یہ بھی یاد تھا کہ جب رسول خدا نے انہیں اسلام کی دعوت دی تھی تو اُن سے ”دنیوی حکومت“ اور ”اُخروی جزائے خیر“ کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ ”دنیوی حکومت“ تو سب ہی کے خیال میں تھی لیکن اُخروی ثواب کا خیال معدودے چند کو تھا۔ اس ”دنیوی حکومت“ کے خیال نے انہیں قبول اسلام پر آمادہ کیا تھا“ (فتنہ 177-178)

(ج) آگے چل کر ابوبکر و عمر نے قریش کی قومی حکومت قائم کرنے کے لئے بھی مندرجہ بالا خطرناک، جان لیوا اور جرأت مندانہ اقدامات کئے تھے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر طحسین کا اعتقاد سن کر بات مکمل کر لیں تاکہ وہ سب کچھ ثابت ہو جائے جو ہم ساری عمر سے اپنی ہر تصنیف میں قرآن

سے دکھاتے اور ثابت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ کتاب کی ابتدا ہی میں یہ جملے لکھ گئے کہ:

”مجھے اس اعتقاد کے اظہار میں بھی باک نہیں کہ خلافت اسلامیہ کا جو مفہوم حضرات ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے یہاں تھا وہ ایک ”بہت بڑا جراتمند تجربہ تھا“ جو تقریباً جان کی بازی لگانے کے مترادف تھا۔ لیکن یہ جان آزما ہم اپنے انجام تک نہ پہنچی نہ ہی اُس کا انجام تک پہنچنا ممکن تھا۔ کیوں کہ اسکی داغ نیل ایک ایسے دور میں ڈالی گئی جو اُس کیلئے موزوں و مناسب نہ تھا۔ وہ اُس عہد کے لئے بہت ہی پیش از وقت چیز تھی“ (فتنہ صفحہ 5)

قریش اور قریشی صحابہ کے متعلق ان بیانات کے بعد کسی اور تشریح کی ضرورت نہیں رہتی۔ فیصلہ سامنے رکھا ہوا ہے کہ قریش کے لیڈروں سرداروں اور راہنماؤں نے دنیاوی اقتدار و حکومت حاصل کرنے کے لئے (بقرہ 205-204/2، آل عمران 154-152/3) اسلام کی نقاب پہنی اور اپنی حیلہ سازی، سیاسی تدبیر و فریب میں مستقل مزاجی اور جان کی بازی لگا کر حکومتِ علویہ کو چھین لیا۔ اور قوم و ملک و ملت کا تعاون حاصل کرنے کے لئے شخصی و خاندانی حکومت سے خوفزدہ کیا قرآن کی ایسی تاویلات و تفہیم کی جو قوم و عوام الناس کو مفید معلوم ہوئیں۔ مگر اُن کی اسکیم بہت جلد ظاہر ہو گئی اور خود عوام نے اُن کی مذمت جاری کر دی۔

قریشی مسلک کے حضرات سوچیں کہ اگر ابوبکر کی خلافت کے متعلق وہ باتیں صحیح ہوتیں جو مناظروں میں پیش کر کے ابوبکر و عمر وغیرہ کی خلافت کو جائز اور منجانب رسول بتایا جاتا ہے تو ابوبکر و عمر کو کسی خطرناک جان لیوا اور جراتمند اقدام کی ضرورت کیوں ہوتی؟ بات وہی ہے جو کہ ہے۔ کہ قریش نے اپنی تاجرانہ ذہنیت کے ماتحت حکومت کے لئے اسلام اختیار کرنے کا ”جراتمند اقدام“ کیا تھا۔ اور اس سودے کی بھرپور قیمت وصول کرنے کے لئے لازم تھا کہ وہ ”جان تک کی بازی لگا کر خلافت و حکومت حاصل کرنے کے لئے آخر ”جراتمند اقدام“ کریں۔ لہذا وہ کامیاب ہوئے انہوں نے خاندانِ رسول کو ”بے دست پا اور مستحضر“ کر کے رکھ دیا اپنی قوم میں اُن کو مضحکہ بنا دیا۔ (مومنون 112-105/23)

قریش کے ایرانی غیر انتہو خیراتک نے خود کو اُن سے افضل سمجھا۔ اُن کی ہر ممکن توہین کی۔ اُن کی نسل کو مٹانے کے لئے اُن کے بچوں تک کا قتل عام کر دیا۔ اُن کی مستورات تک کو قید و بند میں رکھا اُن کے ہر جوان ہونے والے مرد کو گیارہ نسلوں تک قتل کیا۔ اُن کے دین کو دنیا سے مٹانے کے لئے ہر اُس شخص کو قتل کرتے رہے جو اُن کا طرفدار و جانبدار و خیر خواہ معلوم ہوا۔ اُن کی زبانیں گردن کی گدی سے کھینچی جاتی رہیں۔ اُن کے ہاتھ پیر کاٹے جاتے رہے۔ اُن کی لاشیں درختوں پر لٹکتی رہیں۔

13۔ قریش کی پوری قوم بار بار قتل کئے جانے کی مستحق تھی، مشیت اور اتمام حجت نے انہیں مہلت موقع اور قدرت و اقتدار دیا تاکہ کھل کر جرائم کر سکیں۔

سابقہ عنوان میں یہ ثابت ہو جانا کافی ہے کہ قریش نے اللہ و رسول کے احکامات اور منشا کو بہترین طریقہ پر سمجھ کر عمداً اسکیم بنا کر اللہ و رسول کے خلاف بغاوت جاری رکھی، اسلام میں روز اول سے تفرقہ پردازی کی (انفال 6-8/5) دغا فریب اور سازش سے حیات رسول ہی میں اپنی حکومت قائم کی (بقرہ 205-204/2) (محمد 23-22/47) رسول کی طرز حکومت اور خلیفہ کو چھوڑا (فرقان 29-27/25) (مانہ 55/5) اپنے حقیقی حکمران اور اُن کے خاندان کو ظلم و جبر سے مقہور و زبردست بنا دیا (23/105-112) اور ہمیشہ اللہ و رسول کے خلاف برسرا پیکار رہے اس لئے اُن کی سزا لامحدود ہونا چاہئے تھی جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ:

أَنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ
مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَخُوا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ حِزْبِي فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (مائدہ 33/5)

”جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اسی میں کوشاں رہتے ہیں اُن کی جزا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ انہیں سختی سے قتل کیا جائے یا سولی چڑھا کر موت کے گھاٹ اُتارا جائے یا اُن کے ہاتھ اور پیر مخالف سمتوں سے کاٹ کر مارا جائے یا جس طرح بھی ہو سکے انہیں دنیا سے نفی کر دیا جائے۔ وہ تمام قسم کی سزائیں تو انہیں اسی دنیا میں دی جانا چاہئیں اور آخرت میں اُن کو عظیم ترین عذاب سے معذب کیا جائے گا۔“

(الف) حضرت علی علیہ السلام نے تینوں قریشی خلفا کو واجب القتل قرار دے رکھا تھا اور عثمان کو خاص طور پر قتل کی خبر دے دی تھی۔

قارئین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے سترہویں خطبے میں فرمایا ہے کہ:

تَصْرُحٌ مِنْ جَوْرٍ قَضَاهُ الدِّمَاءُ؛ وَتَعَجُّ مِنْهُ الْمَوَارِيثُ؛ إِلَى اللَّهِ أَشْكُو مِنْ مَّعْشَرٍ يَعْيِشُونَ جُهَالًا؛ وَيَمُوتُونَ ضَلَالًا؛
لَيْسَ فِيهِمْ سَلْعَةٌ أَبْوَرُ مِنَ الْكِتَابِ إِذَاتِلَى حَقِّ تِلَاوَتِهِ؛ وَلَا سِلْعَةٌ أَنْفَقَ بِيَعَاوَلَا أَعْلَى ثَمَنًا مِنَ الْكِتَابِ إِذَا حُرِفَ عَنْ
مَوَاضِعِهِ؛ وَلَا عِنْدَهُمْ أَنْكُرٌ مِنَ الْمَعْرُوفِ وَلَا أَحْرَفٌ مِنَ الْمُنْكَرِ؛ (خطبہ نمبر 17، جملہ نمبر 34 تا 40)

34 ”ناحق بہائے ہوئے خون اُس کے ظالمانہ فیصلوں کی وجہ سے چیخیں مار رہے ہیں۔ 35۔ غیر مستحق لوگوں کو دی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں۔ 36۔ میں اللہ سے اس معاشرہ کا شکوہ کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جو بڑے اطمینان سے جہالت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ 37 اور جو گمراہی کی موت مرتے جا رہے ہیں۔ 38۔ اُن میں قرآن سے زیادہ اور کوئی بے قدر و قیمت چیز نہیں ہے۔ جب کہ قرآن کو اُسی طرح پڑھا جائے جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔ 39۔ اور اس قرآن سے زیادہ اُن میں اور کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں ہے۔ جب کہ اُس کے معنی و مفاد ہی کو حقیقی موضوعات سے ہٹا کر تلاوت کیا جائے۔ 40۔ اُن کی پالیسی کے خلاف نیکی سے بُری اور کوئی بات نہیں ہے۔ اور پالیسی کے حق میں رہنے والی بُرائی سے اچھی کوئی نیکی نہیں ہے۔“

یہ تھی قریش کی قوم و حکومت جس کے ہاتھوں کروڑوں بے گناہ انسان تہ تیغ ہوئے کروڑوں لوگوں کا مال لوٹ کر اُس کے مالک و وارث غلط لوگ بنے۔ جنہوں نے قرآن کو بدل کر رکھ دیا۔ اسلام کی ہر تعلیم کو اُلٹ دیا۔ الٹی کوسیدھا اور غلط کو حق سمجھنا دنیا میں جاری کر کے چھوڑا۔ قومی لیڈر کروڑوں پتی بن گئے تھے۔

(1) عثمان کے محل کی وسعت اس قدر تھی کہ اس میں سات سو جنگ جو سپاہی مع اپنے اسلحہ اور ساز و سامان کے موجود تھے۔
(خلافت و ملوکیت صفحہ 120)

(2) عثمان کو خلیفہ بنانے والے عبدالرحمن بن عوف نے: ”جو سونا چھوڑا اُسے کلہاڑیوں سے توڑا گیا تھا اور اُسے کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت عبدالرحمن ہی واحد شخص نہ تھے جو اس قدر عظیم سرمایہ (ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں چار بیویوں کو چار لاکھ میراث) کے مالک تھے۔ تمام صحابہ کبار اور رؤسا قریش کا یہی حال تھا۔ (فتنہ صفحہ 235-234)

(3) آغاز اسلام ہی میں وہ بڑی جاگیرداریاں رونما ہو گئی جو رومن جمہوریت کے آخری ایام میں نمودار ہو کر اُس کی بربادی کا باعث ہوئی تھیں

وہی رومن جاگیردارانہ نظام جس نے رومن جمہوریت کو تباہ کیا تھا بعینہ اُس نے اسلامی خلافت کو بھی برباد کر دیا (فتنہ 235)

(4) ”اہل روما کی مٹھی بھرا قلیت اٹلی کی تمام زمینوں کی مالک بن گئی چنانچہ لوگ اُن سے وابستہ ہو کر گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو گئے تھے بعینہ مسلمانوں کی بھی ایک قلیل تعداد مملکت کی زمینوں کی مالک بن گئی۔ اور لوگ اُن کے دامن سے وابستہ ہو کر گروہوں میں منقسم ہو گئے“

(فتنہ صفحہ 235)

(5) عثمان کو قتل ہوجانے کی اطلاع دی گئی اور قتل سے بچنے کی راہ بھی عثمان کو بتائی گئی تھی۔ حضرت علیؑ اور نائلہ زوجہ عثمان کے بیانات۔

مودودی لکھتے ہیں کہ: ”حتیٰ کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ: ”اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کر کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے نہ محبت“ (خلافت و ملوکیت صفحہ 116)

بدترین حاکم کون تھا؟ حضرت علیؑ علیہ السلام عثمان کو متنبہ فرماتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:

وَإِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ إِمَامٌ جَائِرٌ ضَلَّ وَضُلَّ بِهِ؛ فَأَمَاتَ سُنَّةَ مَاخُودَةَ؛ وَآخَى بِدَعَاةٍ مَتْرُوكَةٍ؛ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ”يُوتَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِالْإِمَامِ الْجَائِرِ وَلَيْسَ مَعَهُ نَصِيرٌ وَلَا عَاذِرٌ؛ فَيُلْفَى فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيَدُورُ فِيهَا كَمَا تَدُورُ الرَّحَى ثُمَّ يَرْبِطُ فِي قَعْرِهَا“ وَإِنِّي أُنشِدُكَ اللَّهُ أَنْ لَا تَكُونَ إِمَامَ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْمَقْتُولِ؛ فَإِنَّهُ كَانَ يُقَاتَلُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ إِمَامٌ يَفْتَحُ عَلَيْهَا الْقَتْلَ وَالْقِتَالَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ؛ وَيَلْبِسُ أُمُورَهَا عَلَيْهَا؛ وَيَبِئُتُ الْفِتْنََ فِيهَا؛ فَلَا يُبْصِرُونَ الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ؛ يَمُوجُونَ فِيهَا مَوْجًا؛ وَيَمْرُجُونَ فِيهَا مَرْجًا؛ فَلَا تَكُونَنَّ لِمُرْوَانَ سَيْفَةً يَسُوقُكَ حَيْثُ شَاءَ بَعْدَ جَلَالِ السِّنِّ وَتَقْضَى الْعُمُرِ؛

”حقیقت یہ ہے کہ سارے انسانوں میں سب سے زیادہ شریر اللہ کے نزدیک وہ ستمگارا امام ہے جو خود بھی گمراہ ہو اور اس کی وجہ سے دوسرے انسان بھی گمراہ ہوتے رہیں جو باقاعدہ جاری قوانین کو فنا کر کے ممنوع قوانین کو جاری کر دے۔ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ قیامت کے روز اس قسم کے امام کو اس طرح حاضر کیا جائے گا کہ نہ تو اُس کے ساتھ کوئی اس کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی ایسا شخص ہی ہوگا جو اُس کی طرف سے کوئی عذر پیش کر سکے گا۔ باز پرس کے بعد اُسے جہنم واصل کر دیا جائے گا جہاں وہ جہنم میں اس طرح گھومے گا جس طرح چکی گھومتی ہے۔ پھر اُسے جہنم کے بہت گہرے مقام پر مربوط کر دیا جائے گا۔ میں تمہیں اے عثمان اللہ کی قسم دے کر منع کرتا ہوں کہ تم اس امت کے وہ امام نہ بن جاؤ جسے قتل بھی ہو کر رہنا ہے۔ اس لئے کہ یہ کہا گیا ہے کہ اس امت میں ایک ایسا امام قتل کیا جانے والا ہے جو اس امت پر قیامت تک کے لئے قتل و غارت کا دروازہ کھول دے گا۔ اور اس امت پر اُس کے تمام دینی معاملات کو میک اپ (Makeup) کر کے رکھ دے گا۔ اور اس امت میں فتنے پھیلا دے گا۔ اور امت کے لوگ حق کو باطل سے الگ کر کے دیکھنے کے قابل نہ رہیں گے۔ اور گمراہی کے دریا میں موجوں کی طرح اُلٹ پلٹ ہوتے رہیں گے۔ اور تہہ و بالا ہونے میں مصروف رہیں گے۔ اے عثمان تم مروان کی فرماں بردار سواری بن کر نہ جاؤ کہ وہ تمہیں جدھر چاہے ہانک کر لے جایا کرے۔ حالانکہ تم بڑھاپے کو پہنچ چکے اور تمہاری عمر بھی اب یہ سب کچھ سہنے کی نہیں ہے“۔ (خطبہ نمبر 162 مفتی جعفر جلد 2 صفحہ 106-105)

یہی خطبہ ہے جس کے دباؤ سے محققین نے عثمان پر مختلف زوائے نظر سے تنقید کی ہے۔ اور اسی کا اثر تھا کہ ڈاکٹر طحسین نے عثمان کی سوانح عمری کو

أَلْفِئْتَةُ الْكُبْرَىٰ بنایا۔ اور یہی سبب ہے عثمان کے قاتلوں پر فرد جرم نہ لگانے کا اور یہی وجہ ہے عثمان کے طرفداروں اور دست کش رہنے والوں کی برابر کی کا۔

(6) عثمان پر حملہ آور اور اصلاح کے طلب گار مصریوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ عثمان پر اللہ کے لئے غضبناک ہوئے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کا وہ خط بھی عثمان اینڈ کمپنی کے جرائم اور ان کی سزا کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ جو حضور نے اہل مصر کو اُس وقت بھیجا تھا جب آپ نے مالک اشتر کو گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ ارشاد ہوا تھا کہ:

مَنْ عَبْدَ اللَّهِ عَلِيٍّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؛ إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ غَضِبُوا لِلَّهِ حِينَ عُصِيَ فِي أَرْضِهِ؛ وَذُهِبَ بِحَقِّهِ؛ فَضْرَبَ الْجَوْرُ سُورِدِقَهُ؛ عَلَى الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ؛ وَالْمُقِيمِ وَالظَّالِمِ؛ فَلَا مَعْرُوفٌ يُسْتَرَاخُ إِلَيْهِ؛ وَلَا مُنْكَرٌ يُتَنَاهَى عَنْهُ؛
(کتب نمبر 38 مفتی جعفر جلد 3 صفحہ 88)

”خدا کے بندے علیؑ امیر المؤمنین کی طرف سے اُس قوم کے نام خط جو اللہ کے لئے غضبناک ہوئی تھی اور ایسی حالت میں اپنے غیض و غضب کا اظہار کیا تھا جب کہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کی جا رہی تھیں اور اللہ کی حقانیت کو مٹایا جا رہا تھا۔ اور جو روستم نے تمام نیکیوں اور بدکاروں اور مقامی باشندوں اور پردیسوں کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ نہ کہیں کوئی پسندیدہ عمل تھا جس سے لوگوں کو راحت ملتی نہ کہیں برائیوں سے روکنے کا رواج رہا تھا کہ بدکاروں کو تکلیف پہنچتی“

یعنی روئے زمین پر فساد ہی فساد کا دور دورہ تھا اور فساد فی الارض پھیلانے والوں کی سزائیں قرآن سے سامنے آچکی ہیں (مائدہ 5/33-نمبر 13) سوچئے کہ قریش اور قریشی خلفائے قتل کر دیئے جانے سے وہ قصاص کہاں پورا ہو سکتا ہے جو ان پر واجب تھا؟ اُن کے ذمہ تو پوری نوع انسان کو ذلت و خواری کے عالم میں قتل کرنے کی سزا ہے؟ جو زمانہ رجعت میں دی جاتا ہے۔

(7) ایک بے گناہ کا قتل یا زمین میں فساد پھیلانا اسلام کے حقیقی نظام میں ساری نوع انسان کو موت کے گھاٹ اتار دینے کے برابر فرمایا گیا ہے۔

اللہ کا وہ فرمان سنئے جسے وعظ و مجالس میں بیان نہیں کیا جاتا ہے۔

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا..... الخ (مائدہ 5/32)

”یقیناً جس نے کسی ایک شخص کو ایسی حالت میں قتل کر دیا جب کہ اُس شخص کے ذمہ نہ کسی بے گناہ کا قتل تھا اور نہ زمین میں فساد پھیلانے کا جرم تھا۔ ایسے بے گناہ شخص کا قتل ایسا ہی ہے جیسے کہ اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا ہو“۔

14- عثمان کے قتل پر مختلف وجوہات سے قریش اور قریشی صحابہ اور تمام مملکت کی رعایا اور سردار و سرغنہ لوگ متفق اور ہم آہنگ تھے

سابقہ خطبات کی تشریح میں ہم نے عثمان کے متعلق کافی تفصیل سے لکھا ہے۔ یہاں مختصر آئیہ دکھانا ہے کہ سوائے چند اہل کاروں اور خاندان کے رشتہ داروں کے اور ساری مسلمان رعایا، اُس کے سردار و راہنما و صحابہ عثمان کو قتل کرانے پر متفق ہو گئے تھے۔ اختصار کی غرض سے ہم ترجموں کا بھی خلاصہ لکھتے جائیں گے۔ بہت سے حوالوں میں سے ایک دو حوالے لکھنا کافی سمجھیں گے تاکہ عنوان (14) کی تکمیل ہو سکے۔

(1) عائشہ عثمان کو سمندر میں ڈبو کر مارنے میں خوش تھی۔

”مروان، زید بن ثابت اور عبدالرحمن بن عتاب نے عثمان کے تحفظ کے لئے عائشہ کو حج کے بے موسیٰ سفر سے روکنے کی کوشش کی۔

اور جب انہوں نے انکار کر دیا تو مروان نے چلتے ہوئے یہ شعر پڑھ دیا کہ :

”قیس نے شہروں میں میرے خلاف آگ لگا دی، پھر جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو مجھے چھوڑ کر چلا گیا“

شعر سن کر عائشہ نے کہا سنو!

ایک روایت کی رو سے: ”میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے اور تمہارے صاحب عثمان دونوں کے پیروں میں ایک ایک چکی بندھی ہوتی اور

تم دونوں سمندر میں ڈال دیئے جاتے۔“

دوسری روایت: ”جی تو یہ چاہتا ہے کہ عثمان میرے ان تھیلوں میں سے ایک تھیلے میں بند ہوتا اور میں خود اٹھا کر لے جاتی اور سمندر میں ڈبو دیتی“

(علامہ ابن سعد اور علامہ بلاذری)

(2) قتل عثمان پر عائشہ کی رائے اور عائشہ کی زبانی عائشہ کے مقابلہ میں حضرت ام سلمہؓ رسول اللہ کی نظروں میں بلند مرتبہ۔

علامہ ابوحنیف نے بتایا ہے کہ ”عائشہ نے حضرت ام سلمہؓ علیہا السلام سے کہا کہ اے دختر بنت ابی امیہ آپ رسول اللہ کی بیویوں میں سب سے پہلے ہجرت کرنے والی ہیں اور امہات المؤمنین میں سب سے بزرگ بھی ہیں۔ رسول اللہ آپ ہی کے گھر سے ہم لوگوں کو چیزیں تقسیم کرتے تھے۔ جبرائیل امین زیادہ تر آپ ہی کے گھر میں آیا کئے..... ام سلمہ نے کہا کہ تم یہ باتیں کس غرض سے کر رہی ہو؟ عائشہ نے بتایا کہ عبد اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ لوگوں نے پہلے عثمان سے توبہ کرائی، جب انہوں نے توبہ کر لی تو روزہ کی حالت میں انہیں قتل کر ڈالا۔ میں نے بصرے جانے کا قطعی ارادہ کر لیا ہے۔ میرے ساتھ طلحہ اور زبیر بھی ہوں گے۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ قوی امید ہے کہ خدا ہمارے اور آپ کے ہاتھوں معاملات کو سدھار دے گا۔ ام سلمہ نے اعتراض کیا کہ تم کل کے دن لوگوں کو عثمان کے خلاف بھڑکاتی تھیں اور بری بری باتیں ان کے متعلق کہتی تھیں۔ اور سوا نعتیل کے کوئی دوسرا نام ان کے لئے تمہارے پاس نہ تھا۔ اور تم خوب اچھی طرح جانتی ہو کہ رسول اللہ کے نزدیک علیؓ کی کیا منزلت تھی؟“

یہ سب کچھ اور بہت کچھ ”طبقات ابن سعد جلد 5 صفحہ 25، کتاب الانساب بلاذری جلد 5 صفحہ 71، 75، 191، الامامة والسياسة، تاریخ طبری ابن عساکر وغیرہ میں دیکھیں۔

(3) عبدالرحمن بن عوف نے عثمان کو سنت شیخین کی آڑ میں خلیفہ بنایا اور علیؓ کو فریب سے محروم کیا تھا۔

حضرت علیؓ علیہ السلام نے عبدالرحمن کو عثمان کے کردار پر متوجہ کر کے کہا کہ یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔ تو نے تلوار اٹھا کر حضرت علیؓ کی معیت میں عثمان سے جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ عثمان نے غلاموں سے پٹا کر عبدالرحمن کو اپنے محل سے نکلوا یا تھا۔ عبدالرحمن نے وصیت کی تھی کہ عثمان اس کی نماز جنازہ نہ پڑھے۔ عثمان عیادت کو آیا تو منہ پھرا لیا اور اُس سے بات نہ کی۔

(4) طلحہ، جسے عثمان نے روپے پیسے اور چاندی سونے سے مالا مال رکھا عثمان کا سب سے زیادہ دشمن تھا۔

حضرت علیؓ علیہ السلام نے طلحہ کو عثمان کے خون کا پیاسا فرمایا۔ عثمان نے کہا کہ خدا طلحہ کا ستیا ناس کرے میں نے اُسے اتنا اور اتنا دیا اور اب وہی میرے خون کا پیاسا ہے۔ خدا یا اسے اس دولت سے استفادہ کا موقع نہ دینا۔ وہ منہ پر نقاب ڈالے عثمان کی طرف تیر چلاتے رہے۔ طلحہ ہی نے عثمان کے دشمنوں کو وہ راستہ بتایا تھا جس سے وہ عثمان کے گھر میں داخل ہو کر قتل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ طلحہ ہی کے کہنے سے عثمان کے گھر میں کھانا اور پانی کا جانا بند کیا گیا تھا۔ (تمام مذکورہ کتابیں)

(5) زیر بھی خلافت کا امیدوار تھا وہ عثمان بن عفان کے قتل کا فتویٰ دیتا رہتا تھا طلحہ کے برابر کا دشمن تھا۔

عائشہ کی طرح زیر بھی عثمان کو قتل کرانے کے لئے لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ ”أَقْتُلُوهُ فَقَدْ بَدَّلَ دِينَكُمْ“ عثمان کو قتل کر ڈالو یقیناً اُس نے تمہارے دین کو تبدیل کر دیا ہے۔ حضرت علیؑ نے زیر سے فرمایا تھا کہ تم لوگ مجھ سے عثمان کے خون کا بدلہ مانگتے ہو حالانکہ عثمان کے اصلی قاتل تم ہی ہو۔ اور طلحہ و زیر دونوں کو عثمان کے قتل کا مجرم قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:

یہ اس خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں جسے انہوں نے خود بہایا۔ یہ مجھ سے وہ حق مانگتے ہیں جسے خود کھویا ہے۔ میری رائے اور مشورے کے بغیر ان دونوں نے عثمان کے قتل کو انجام دیا ہے۔ عثمان کا خون ان ہی لوگوں کی گردن پر ہے۔

(6) عبداللہ بن مسعود نے عثمان کے خلاف کوفہ و مدینہ میں برسوں تقریریں کیں۔

عثمان نے عبداللہ بن مسعود کو زمین پر گرا کر پٹوایا اُن کی پسلی توڑ دی اور کہا کہ ”عبداللہ بن مسعود میرے خون کو مباح قرار دیتے ہیں۔ عثمان نے اُن کا وظیفہ بند کیا۔ قید کیا تھا۔ (فتنۃ الکبریٰ) (تمام تواریخ)

(7) عمار بن یاسر عثمان کو کافر کہا کرتے تھے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں کہا تھا کہ عثمان کو نیکو کار بندوں نے قتل کیا تھا جو سرکشی اور ظلم کو ناپسند کرتے تھے۔ اور عثمان کافر تھا ہم نے ایک کافر کو قتل کیا تھا۔ (باقلانی شرح نہج البلاغہ کتاب صفین)

ہم دیکھ رہے ہیں کہ انتہائی اختصار کے باوجود طول ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے ہم مخالفین عثمان کی فہرست میں سے چند ایسے نام لکھ دیتے ہیں جن سے صحابہ اور بزرگوں کی اجتماعی رائے معلوم ہو جائے گی۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

- (8) مقداد بن اسود کندی (9) حجر بن عدی (10) عبدالرحمن بن حسان عزی (11) حجاجہ بن سعید غفاری (12) سہل بن حنیف ابو ثابت انصاری (13) رفاعہ بن رافع بن مالک ابی معاذ انصاری (14) حجاج بن غزیہ انصاری (15) ابو ایوب انصاری (16) قیس بن سعد (17) فروہ بن عمرو ابن دوقہ بیاضی انصاری (18) محمد بن عمرو ابن حزم انصاری (19) جابر بن عبداللہ انصاری (20) جبلیہ بن عمرو ابن ساعدہ ساعدی (21) محمد بن مسلمہ انصاری (22) عبداللہ ابن عباس (23) عمرو عاص (24) ابو الطفیل عامر بن واہلہ (25) سعد بن ابی وقاص (26) مالک اشتر (27) محمد بن حذیفہ (28) عمرو بن زراہ نخعی (29) حصصہ بن صوحان (30) حکیم بن جبلیہ عبدی (31) ہشام ابن ولید مخزومی (32) معاویہ ابن ابی سفیان۔

تمام مذکورہ بالا مخالفین کے لئے ملاحظہ ہوں۔ 1- کتاب امامت والسیاستہ۔ 2- شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔ 3- کتاب الصفین۔ 4- مروج الذهب۔ 5- استیعاب۔ 6- اسد الغابہ۔ 7- کتاب الانساب بلاذری۔ 8- اصابہ۔ 9- تاریخ کامل۔ 10- تاریخ ابن کثیر۔ 11- تاریخ الخلفاء سیوطی۔ 12- نہایہ ابن کثیر۔ 13- تاریخ ابن خلدون۔ 14- تاریخ طبری۔ 15- حمرۃ الخطب۔ 16- عقد الفرید۔ 17- تاریخ یعقوبی۔ یہ تمام کتابیں اس عنوان کا مکمل ثبوت فراہم کرتی ہیں۔

15- عہد عثمان کے صحابہ اور صحابہ زادے متفق تھے کہ عثمان مہاجرین و انصار کے اجماع و اتفاق سے قتل کئے گئے۔

قدیم زمانے کے مسلمان عثمان کے قتل پر کیا رائے رکھتے تھے یہ بھی سن ہی لیں تو بہتر ہوگا۔

(1) علامہ بلاذری مدائنی سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن فائد کا بیان ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے فرزند ثابت نے اہل شام کی طرف دیکھ کر کہا کہ ”میں ان سے نفرت کرتا ہوں“ حضرت عثمان کے پوتے سعید نے کہا کہ ”تم اسی لئے نفرت کرتے ہو کہ انہوں نے تمہارے باپ عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا تھا؟ ثابت نے کہا کہ ”سچ کہتے ہو مگر میرے باپ کو شام کے کافروں اور وحشیوں نے قتل کیا تھا اور تمہارے دادا عثمان کو مہاجرین و انصار نے قتل کیا تھا“ (کتاب الانساب بلاذری جلد 5 صفحہ 195، 372)

قارئین مزید تحقیق کے لئے ہماری مذکورہ کتابوں میں عثمان کے حالات والی جلد نکال کر تمام واقعات و حالات ترتیب وار دیکھے جاسکتے ہیں۔

(2) عثمان کے قاتل صرف مہاجرین و انصار ہی نہ تھے۔ جنگ صفین میں دس ہزار آدمی دعویدار تھے۔

کتاب الامامة والسیاسة بتاتی ہے کہ جنگ صفین میں ابو ہریرہؓ اور ابو برداء حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کی فضیلت قابل انکار نہیں ہے۔ اور معاویہ تو صرف اس قدر چاہتا ہے کہ قاتلان عثمان کو اُس کے حوالے کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم قاتلان عثمان کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہاں پہچانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اُن کو پکڑ کر لے جاؤ میری اجازت ہے۔ یہ دونوں محمد بن ابوبکر اور عمار یاسر اور اُشتر کے پاس آئے اور کہا کہ تم عثمان کے قاتل ہو، ہمیں حکم ملا ہے کہ تمہیں پکڑ کر لے جائیں۔ یہ سنتے ہی دس ہزار سے زیادہ آدمی یہ کہتے ہوئے دونوں کی طرف بڑھے کہ ”ہم نے عثمان کو قتل کیا تھا ہم نے اُسے قتل کیا تھا“۔ (صفحہ 106)

اس واقعہ کے بعد ابو ہریرہؓ اور ابو برداء حمص واپس آئے تو حضرت عثمان کے بیٹے عبدالرحمن سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ان دونوں سے پوچھا تم کہاں گئے تھے؟ انہوں نے واقعہ بیان کر دیا۔ عبدالرحمن نے کہا کہ تم دونوں پر اس لئے تعجب ہے کہ تم نبیؐ کے صحابہ ہو۔ تم دونوں نے جنگ سے تو اپنے ہاتھ روک لئے ہیں۔ مگر اپنی زبانوں کو نہیں روکا ہے۔ اُرے تم علیؑ کے پاس جاتے ہو اور اُن سے قاتلین عثمان کو مانگتے ہو۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اگر مہاجرین و انصار عثمان کا خون بہانا حرام جانتے تو لاجرم عثمان کی مدد کرتے، اور علیؑ سے اسی شرط پر بیعت کرتے کہ قاتلین عثمان دے دیئے جائیں“۔ تو کیا تم کہہ سکتے ہو کہ مہاجرین نے یہ شرط کی تھی؟ اس سے زیادہ تعجب خیز تمہارا صحابہ کے عمل درآمد سے منہ پھیرنا ہے اور یہ کہنا ہے کہ شوریٰ کرو اور خلافت سے دستبردار ہو جاؤ۔ درآں حالیکہ تم جانتے ہو کہ علیؑ کی خلافت پر راضی رہنے والے اُس سے بہتر ہیں جو اُن کی خلافت کو بُرا سمجھے۔ جس نے علیؑ کی بیعت کی وہ اُن سے بہتر ہے جنہوں نے بیعت نہیں کی۔ اور اس پر اور زیادہ تعجب ہے کہ تم دونوں اُس کے فرستادہ بن کر علیؑ کے پاس گئے جو طلقاء کی اولاد ہے۔ جس کے لئے خلافت جائز ہی نہیں ہے۔ جب یہ گفتگو عام طور پر پھیل گئی اور معاویہ کو بھی یہ معلوم ہو گیا تو اُس نے چاہا کہ عثمان کے بیٹے کو قتل کر دے مگر پھر اُن کے قبیلے کا اور خاندان کا خیال کر کے باز رہا“ (صفحہ 106)

(3) مہاجرین و انصار کا دوسرے صحابہ کو عثمان کی شکایتیں لکھ کر عثمان کے خلاف جہاد کے لئے بلانا۔

واقدی نے لکھا ہے کہ 34ھ میں بعض اصحاب پیغمبرؐ نے دوسرے صحابہ کو خطوط لکھے جن میں عثمان کے طرزِ عمل اور اُن کے تغیر و تبدل کی شکایت لکھی تھی۔ اور اُن مصائب کا تذکرہ کیا تھا جو حضرت عثمان کے عاملوں کے ہاتھوں عامۃ الناس جھیل رہے تھے۔ خطوط میں یہ بھی تھا کہ آپ حضرات جہاد پر تیار ہیں تو مدینہ آئیے۔ اس وقت کیفیت یہ تھی کہ اصحاب پیغمبرؐ میں سے کوئی بھی عثمان کی حمایت نہیں کرتا تھا اور اُن پر جتنے اعتراضات ہوتے اور اُن پر نکتہ چینی ہوتی تو کسی کو ناگوار نہ گزرتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ“ (کتاب الانساب بلاذری جلد 5 صفحہ 68۔ تاریخ طبری جلد 5 صفحہ 97 تاریخ کامل جلد 3 صفحہ 63۔ تاریخ ابوالفداء جلد 1 صفحہ 168۔ تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 391)

یہ مضمون آگے بڑھتا چلا گیا ہے۔ جس میں صحابہ کا مدینہ میں جمع ہونا۔ حضرت علیؑ کو عثمان کے پاس بھیجنا اور ان کا عثمان کو سمجھانا اور اس کا حیلے حوالے اور بہانے بازیاں کرنا لکھا ہے۔ جسے ہم نے فضول سمجھ کر ترک کر دیا ہے۔

مورخ عمر ابونصر نے عثمان اور مدینہ کے صحابہ کے رویے پر ذرا کھل کر روشنی ڈالی ہے۔

زیر قلم عنوان پر ایک مصری اور ماڈرن مورخ سے چند باتیں سن کے ہمارے عنوان کی تصدیق فرمائیں لکھا ہے کہ:

(4) مدینہ کے صحابہ کی عثمان سے نفرت اور نعل کا لقب عام ہو گیا تھا؟

”یہی حال مدینہ کا بھی ہوا۔ اگر ان حالات کی چھان بین کی جائے اور حضرت عثمان کے حق میں جو باتیں وہاں کے سربراہ اور وہ لوگ آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے کرتے تھے ان پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمان سے نفرت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور بعض نے تو آپ کا لقب ”نعل“ رکھ دیا تھا۔ (نعل ایک مصری تھا جس کی داڑھی بہت لمبی تھی)۔ اُس سے حضرت عثمان کو مشابہت محض آپ سے نفرت اور ناگواری کی وجہ سے دی جاتی تھی۔ اور تو اور بڑے بڑے صحابہ بھی ایسی باتیں اعلانیہ عام لوگوں کے سامنے کہتے تھے“ (”خلفاء محمد“ علامہ عمر ابونصر کی کتاب مترجمہ محمد احمد پانی پتی ادارہ فروغ اُردو لاہور) (صفحہ 97)

(5) ”اہل مدینہ خاموشی اور سکون سے تمام حالات کا مطالعہ کر رہے تھے وہ حضرت عثمان کی مدد کرنے کو بالکل تیار نہ تھے“۔ (صفحہ 38)

(6) اہل مدینہ نے عثمان کو بالکل چھوڑ دیا تھا وہ محاصرہ میں بالواسطہ شریک رہے۔

اہل مدینہ نے اس بغاوت کے وقت عجب وغریب روش اختیار کر لی تھی، بجائے اس کے کہ وہ متحد ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرتے اور اس بغاوت کا سرکپتے انہوں نے اپنی عجب وغریب روش کی بنا پر مفسدین اور باغیوں کے ہاتھ مضبوط کر دیئے۔ اس لحاظ سے اگر کہا جائے کہ اہل مدینہ بھی حضرت عثمان کے محاصرہ اور قتل میں بالواسطہ شریک تھے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ انہوں نے حضرت عثمان کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔ اور محاصرہ کی تمام مدت میں بالکل خاموش رہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عثمان کے خلاف کئی عوامل کام کر رہے تھے۔

(7) عثمان کے محاصرہ میں اور محاصرہ میں طول دینے میں اہل مدینہ بھی شامل اور مخالف تھے۔

1- ایک تو باغی کہ جو کچھ ان کے سر میں سما جاتا تھا اُس کے کرنے پر تزل جاتے تھے۔ 2- دوسرے اہل مدینہ جو حضرت عثمان کو چھوڑ بیٹھے تھے اور اس معاملے میں بالکل خاموش تھے۔ اُن میں سے بعض خاموشی کی حد سے گزر کر حضرت عثمان کے خلاف آمادہ پیکار بھی تھے۔ 3- بنو امیہ جو چاہتے تھے کہ معاملے کو یہاں تک ڈھیل دی جائے کہ فوجیں مدینہ پہنچ جائیں۔ اگر حضرت عثمان کوئی وعدہ کرتے تو وہ اُسے تڑو ادیتے۔ اگر آپ لوگوں کے مطالبات کو ماننے کا ارادہ کرتے بھی تو آپ کو اُس سے بھیر دیتے۔ انہوں نے حضرت عثمان کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اُن ہی کے کہنے پر چلتے رہیں۔ اور خلافت سے معزول ہونے سے بالکل انکار کر دیں“۔ (صفحہ 15)

(8) مدینہ کے صحابہ پر گرفت بھی اور ان کا تحفظ بھی قریشی علما کی مجبوریاں۔

آخر عمر ابونصر قریشی سنت پر اتر آئے۔ ”دودھ بھی پیارا پوت بھی پیارا قسم کس کی کھاؤں؟“ آخردونوں کی جانب رخ رکھے ہوئے لکھا ہے کہ ”واقعہ یہ ہے کہ جو شخص ان حوادث کی تفصیل پڑھے جو حضرت عثمان کے قتل سے پہلے رونما ہوئے (صحیح حوادث کس نے لکھے وہ تو بعد میں سوچ سوچ کر گھڑے گئے تھے)۔ تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ قریش کے سربراہ اور وہ لوگوں کو ہر قسم کے الزامات سے بری قرار دے سکے (یہی تو ہوا ہے) اگرچہ

یہ بھی مشکل ہے (عقیدہ تندی کی رو سے) کہ اُن پر فساد یوں کے ساتھ کسی حقیقی عملی قدم اٹھانے کا الزام لگایا جاسکے۔ (سب سے بڑا الزام تم سب پر یہ ہے کہ ظلم و ستم کی فریاد کرنے والوں کو باغی اور فسادی کہا جاتا رہا ہے) مگر وہ غفلت کے مجرم ضرور تھے (یعنی آمادہ پیکار بھی غفلت ہی میں تھے؟) چنانچہ سب سے بڑا جو اعتراض اُن پر آتا ہے وہ یہی کہ انہوں نے خلیفۃ المسلمین کی مدد کرنے میں انتہائی لاپرواہی سے کام لیا (غلط ہے وہ تو بہ کرنے اور عملی اقدام کا انتظار کرتے رہے خواہ مخواہ مدد ظالم و جابر کی مدد ہوتی) اور آپ کی شان میں ایسے گستاخانہ (واقعاتی) الفاظ استعمال کئے (ظالم و جابر قبیلہ پرور ستم کو مٹانے والا کہا) جو حضرت عثمان جیسے (فرشتہ معصوم) انسان کے مرتبہ سے بعید تھے۔ (یعنی ایک صحابی کی طرفداری میں تمام صحابہ کو گناہگار کہنا ٹھیک ہے تو وہ ایک کیسے اور کس دلیل سے بچے گا؟) ایسے الفاظ نہایت نازک زمانہ میں اور فتنہ کے سرغٹوں (مطالبات کی پیروی کرنے والوں) کے سامنے کہے گئے جن کو وہ لوگ اپنی بغاوت (مطالبات) کی تائید اور اپنے اٹھائے ہوئے فساد کے جواز میں استعمال کرتے تھے۔ (نوٹ: قارئین کی سہولت اور طوالت سے بچنے کے لئے ساتھ کے ساتھ بریکٹس میں وضاحت کر دی گئی۔ احسن)

(9) مطالبات نوٹ کر کے یہ فیصلہ کریں کہ مطالبہ کرنے والے اور اُن کے طرفدار فسادی و باغی تھے یا نہیں؟

1- بنی اُمیہ کو تمام معاملات حکومت سپرد کر دینا۔ 2- اُن ہی کو اپنا مشیر و رازدار بنالینا۔ ایسا امر تھا کہ جس نے مہاجرین کو سخت برا بھینتہ کر دیا تھا۔ 3- اور درویش لوگوں کو اس بات کا ڈر پیدا ہونے لگا تھا کہ کہیں حکومت اسلامیہ اموی رنگ میں نہ رنگ جائے۔ 4- وہ کہتے تھے کہ حکومت ان لوگوں کا حق نہیں ہے۔ (مگر عمر نے شوریٰ سے اُن ہی کو حکومت دی تھی۔ احسن) بلکہ تمام مسلمانوں کا اور خصوصاً سابقوں الاولوں اور مہاجرین کا حق ہے۔ لیکن حضرت عثمان نہ چاہتے تھے کہ اپنے رشتہ داروں کو اُن کے عہدوں سے ہٹادیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے اُمت کے مطالبے کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس اصرار کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ (1)۔ اُن کی قوم بنی اُمیہ اور اُن کے رشتہ داروں نے اُن کو کمزور پا کر اُن پر غلبہ حاصل کر لیا۔ (2) حضرت عثمان کو یہ ڈر ہوا ہو کہ اگر وہ اپنی قوم سے الگ رہے۔ اور اپنے اہل و عیال و خاندان سے علیحدگی اختیار کر لی اور عمال نے آپ سے بغاوت کر دی تو اُن کے خاندان کے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو باغیوں کے مقابلہ میں آپ کی طرف سے کھڑا ہو سکے اس وجہ سے آپ نے اپنے رشتہ داروں کو ہی ہر معاملہ میں ترجیح دی اور مختلف علاقوں پر اُن ہی کو والی اور حاکم بنایا۔ جب اس طرز عمل کے متعلق شور و غوغا برپا ہوا اور حضرت عثمان کے خلاف اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی اور لوگوں نے اُن کو معزول کرنے کے لئے آواز اٹھانی شروع کی تو حضرت عثمان کو بہت فکر پیدا ہوئی اور یقین ہو گیا کہ میرا خدشہ صحیح ثابت ہوا انہوں نے ان شکایتوں پر کان نہ دھرا۔ ولایتوں پر اپنے رشتہ داروں ہی کو باقی رکھنے پر اصرار کیا اور اُن ہی کے مشوروں پر اعتماد کیا۔ اس پر عامۃ المسلمین اور صحابہ میں ہجبان پیدا ہو گیا اور باغیوں نے اسی بات کو لے کر آپ سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کیا“ (صفحہ 187)

ان تازہ بیانات سے دوبارہ ثابت ہو گیا کہ عثمان اور اُن کے رشتہ داروں اور عہدیداروں کے علاوہ تمام صحابہ مہاجرین و انصار اور عامۃ المسلمین اجتماعی طور پر عثمان کو معزول کرنے اور پھر قتل کرنے پر آمادہ تھے۔

16- مدنی صحابہ کے تین خطوط جو انہوں نے محاذ جنگ پر موجود صحابہ کو اور اہل مصر کو اور خود عثمان کو اصلاح حال کے لئے لکھے تھے

طبری نے عبدالرحمن بن یسار کے واسطے سے روایت کی ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عثمان کے افعال و اعمال کی شدت محسوس کی تو مدینہ کے اصحاب پیغمبرؐ نے اُن صحابہ کو خط لکھا جو سرحدی شہروں میں مقیم تھے۔

(1) حماز جنگ پر سرحدی شہروں میں مقیم صحابہ کے نام خط: انکم انما خرجتم ان تجاهدوا فی سبیل اللہ عزوجل تطلبون دین محمد فان دین محمد قد افسده من خلفکم و ترک فہلموا فاقیموا دین محمد.

”آپ لوگ اس لئے مدینہ سے باہر گئے تھے کہ دین محمد کی سر بلندی کے لئے اللہ کی راہ میں جہاد کریں مگر جسے آپ خلیفہ کی حیثیت سے مدینہ میں چھوڑ گئے تھے اس نے دین محمد کو بگاڑ دیا ہے جلد آئیے اور دین محمد کو استوار کیجئے“

علامہ ابن اثیر نے اس خط کے الفاظ یوں لکھے ہیں کہ: فان دین محمد قد افسد خلیفتکم فاقیموہ
”دین محمد کو تمہارے خلیفہ نے فاسد کر دیا ہے آ کر اسے استوار کیجئے“

علامہ ابن ابی الحدید کے الفاظ یوں ہیں: قد افسده خلیفتکم فاخلعوه فاختطفت علیہ القلوب فاقبلوا من کل افق حتی قتلوه۔
”تمہارے خلیفہ نے یقیناً دین محمد کو بگاڑ دیا ہے۔ آ کر اُسے علیحدہ کرو۔ اُس خط کو پڑھ کر لوگوں کے دل ڈوب گئے وہ ہر جانب سے اُٹ پڑے یہاں تک کہ عثمان کو قتل کر دیا“

طبری کے دوسری روایت والے خط کے الفاظ: ان اقدموا فان کنتم تریدون الجهاد فعندنا الجهاد
”جلد پہنچئے اگر تم جہاد کا واقعی ارادہ رکھتے ہو تو جہاد کی ضرورت ہمارے پاس ہے۔ لوگ نہایت شدت سے عثمان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کی اتنی مذمتیں کی جارہی تھیں جتنی کسی کی بھی نہ کی گئی ہوگی۔ اصحاب پیغمبر دیکھتے اور سنتے تھے لیکن اُن میں کوئی ایسا نہ تھا جو لوگوں کو منع کرتا اور عثمان کی مدافعت کرتا۔ سوائے دو چار اشخاص کے جیسے زید بن ثابت، ابواسید ساعدی، کعب بن مالک اور حسان بن ثابت وغیرہ کے۔ اُس وقت مہاجرین و انصار وغیرہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور اُن سے درخواست کی کہ آپ حضرت عثمان سے گفتگو کیجئے انہیں نصیحت فرمائیے۔“

(تاریخ طبری جلد 5 صفحہ 196، کتاب الانساب بلاذری جلد 5 صفحہ 60۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد 2 صفحہ 64۔ ابن کثیر جلد 7 صفحہ 198)

(2) مہاجرین کا اہل مصر کے نام خط۔

مِنَ الْمُجَاهِدِينَ الْاُولَیْنَ وَ بَقِیَةِ الشُّورَى الِیْ مِنْ بِمَصْرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَ النَّابِعِیْنَ . اَمَّا بَعْدُ اِنْ تَعَالَوْا الْیَنَّا وَ تَدَارَکُوا
خِلَافَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ یَسْلُبَهَا اَهْلِهَا فَانْ کِتَابَ اللّٰهِ قَدْ بَدَّلَ وَ سَنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَدْ غَیَّرَ وَ اِحْکَامَ الْخَلِیْفَتِیْنَ قَدْ
بَدَّلَتْ فَ نَشِدُ اللّٰهَ مَنْ قَرَأَ کِتَابَنَا مِنْ بَقِیَةِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ النَّعَابِعِیْنَ بِاِحْسَانٍ اِلَّا اَقْبَلَ الْیَنَّا وَ اَخَذَ الْحَقَّ لَنَا
وَ اعْطَانَاهُ ، فَاقْبَلُوا الْیَنَّا اِنْ کُنْتُمْ تَوَمِّنُونَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقْبِمُوا الْحَقَّ عَلَی الْمَنْهَاجِ الْوَاضِحِ الَّذِیْ فَرَقْتُمْ عَلَیْهِ
نَبِیْکُمْ وَ فَرَقْتُمْ عَلَیْهِ الْخُلَفَاءُ ، غَلَبْنَا عَلَی حَقِّنَا وَ اسْتَوْلَیْ عَلَی فِتْنَا وَ حَیَلْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ اَمْرِنَا ، وَ کَانَتِ الْخِلَافَةُ بَعْدَ
نَبِیْنَا خِلَافَةَ نَبُوَّةٍ رَحْمَةً وَ هِیَ الْیَوْمَ مُلْکٌ عَضُوضٍ مِنْ غَلَبِ شَیْءٍ اَکْلَهُ .

خط کا ترجمہ: ”یہ خط مدینہ کے مہاجرین اولین اور ارکان شوری کے باقی ماندہ حضرات کی جانب سے مصر میں مقیم صحابہ اور تابعین کے نام لکھا جا رہا ہے۔ آپ حضرات جلد مدینہ پہنچئے اور قبل اس کے کہ خلافت پیغمبر پر حکمران قبضہ کر کے اُسے حقدارانِ خلافت سے نکال لیں اس کا تدارک کیجئے۔ قرآن کو تبدیل کر دیا گیا ہے، سنت رسول میں تغیر پیدا کر دیا گیا ہے۔ اور دونوں خلفاء کے احکام بدل دیئے گئے ہیں۔ رسول اللہ کے باقی ماندہ صحابہ اور قرآن پڑھنے والوں کو ہم اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ وہ جلد از جلد ہم تک پہنچیں۔ ہمارے حقوق حکمرانوں سے وصول کر کے ہمیں دیں۔ اگر آپ

اللہ پر اور قیامت کے مواخذہ پر ایمان رکھتے ہیں تو جلد آئیے اور حق کو راہ راست پر قائم کیجئے۔ اسی راہ راست پر قائم کیجئے جس پر آپ کے پیغمبرؐ نے تمہیں چھوڑا تھا اور دونوں خلفا سے تم جدا ہوئے تھے۔ ہمارے حقوق پر غلبہ کر لیا گیا ہے۔ ہمارے اموال فی کونصب کر لیا ہے۔ اور ہمارے اور ہمارے حقوق کے درمیان حائل ہو گئے ہیں۔ پیغمبرؐ کی قائم کردہ حکومت جو رحمت تھی آج جا بروقاہر حکومت میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اور جو کچھ اس کے ہاتھ آتا ہے اُسے ہضم کر جاتا ہے۔ (کتاب الامامة والسیاسة جلد اول صفحہ 32)

(3) اہل مدینہ کا ایک خط عثمان کے نام۔

علامہ طبری نے عبد اللہ بن زبیر کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے والد زبیر سے نقل کیا ہے کہ باشندگان مدینہ نے عثمان کو ایک خط لکھا جس میں انہیں توبہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ اُن پر الزامات عائد کئے تھے اور خدا کی قسم کھائی تھی کہ جب بھی قابو پائیں گے انہیں قتل کر کے رہیں گے۔ ورنہ وہ ہمارے وہ حقوق واپس دیں جو خداوند عالم نے اُن پر فرض کئے ہیں، (طبری جلد 5 صفحہ 116)

17۔ مملکت عثمانیہ یا قریشی حکومت کا اس سے بڑا اجماع و اتفاق و اتحاد اور کسی مسئلے پر ثابت نہیں کیا جاسکتا جتنا بڑا اجماع و اتفاق و اتحاد

قتل عثمان پر ثابت ہے۔

وہ بے شمار روایات و بیانات جو صحابہ کرام، مہاجرین و انصار اور دیگر اکابر اسلام کی زبان و قلم سے موجود ہیں۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے بار بار اور ہر طرح کافی ہیں کہ گنتی کے دو چار گھنٹیا درجہ کے خود غرض لوگوں کے سوا سب مسلمان عثمان سے نالاں، برہم اور اُس کے خلاف صف بستہ رہے۔ کسی کے ہاتھ براہ راست اُس کے خون سے رنگین ہوئے کسی نے دوسروں کو اُن کے قتل پر برا بھینٹہ کیا۔ کسی نے اُن کی بد اعمالیوں کو طشت ازبام کیا۔ کسی نے اُس کی تباہی و بربادی کا سامان فراہم کیا۔ کسی نے نکتہ چینی اور نصیحت جاری رکھی، بری حرکتوں سے روکنے کی کوشش کی، کسی نے اُسے بر ملا برا بھلا کہتے رہنے کو جاری رکھا۔ کسی نے اُس کی مدد سے تنگ آ کر پہلو تہی کی۔ اور حد یہ ہے کہ جو لوگ روز اول سے عثمان سے برہم اور اُس کے قتل پر آمادہ تھے انہیں کوئی ناپسند و مجرم نہیں کہتا تھا۔ اُسے ٹوکنے، روکنے والوں کو کسی نے منع نہیں کیا۔ خلیفہ وقت کے منصب کی رعایت کسی کو ملحوظ نہ تھی۔ اور یہ مانے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ عہد عثمانی کے تمام قسم کے صحابہ اور مملکت کے تمام سرکردہ مسلمان عثمان کے مخالف اور اُس کے قتل پر آمادہ و رضامند تھے۔ اور اگر وہ لنگڑا لڑا اور خود ساختہ اجماع برحق تھا اور اُس پر عمل کرنا واجب تھا جو ابو بکر کی بیعت سے متعلق گھڑا گیا ہے تو عثمان کی حکومت کے باطل ہونے اور اُس کا قتل واجب ہونے پر جو حقیقی اور بلا جبر و اکراہ اجماع ہوا وہ یقیناً برحق تھا اور اس پر عمل کرنا اور اُس کو صحیح ماننا واجب تھا۔ جب کہ اس اجماع میں وہ تمام حضرات شامل ہیں جو شیعوں اور سنیوں دونوں کے نزدیک صاحبان منزلت مانے جاتے ہیں۔ اُن میں ازواج رسول داخل و شامل ہیں۔ بدر واحد کے صحابہ شریک ہیں۔ عشرہ مبشرہ کے زندہ لوگ تائید کرتے ہیں۔ خاندان رسول، مہاجرین و انصار اور تمام اہل مدینہ داخل ہیں۔ بیرونجات کے سربر آوردہ مسلمان اُس میں سرگرم رہے ہیں۔

وہ فہرست جو اجماع میں موجود اشخاص کی تعداد و تفصیل بتاتی ہے۔

1	حضرت علی بن ابی طالب	28	محمد بن ابی حذیفہ عثمی	55	ثابت بن قیس نخعی
2	ام المومنین عائشہ	29	عمر بن زرارہ ابن قیس نخعی	56	اصع بن قیس حارثی
3	عبدالرحمن بن عوف	30	صعصعہ بن صوحان	57	یزید بن مکلف نخعی

4	طلحہ بن عبداللہ	31	حکیم بن جبلیہ	58	حارث بن عبداللہ الاعور ہمدانی
5	زبیر بن عوام	32	ہشام بن ولید مخزومی	59	فضل بن عباس قریشی
6	عبداللہ بن مسعود	33	معاویہ بن ابی سفیان	60	عمرو بن بدیل بن ورقاء خزاعی
7	عمار یاسرؓ	34	زید بن صوحان	61	زیاد بن نصر حارثی
8	مقداد بن اسود	35	عمرو بن حنظل خزاعی	62	عبداللہ بن اصم عامری
9	حجر بن عدی کوفی	36	عدی بن حاتم طائی	63	عمرو بن الازہم کوفی
10	ہاشم مرتال	37	عروہ بن سعد	64	ذریعہ بن عباد عبدی
11	حجباہ بن سعید غفاری	38	عبدالرحمن بن حسان غزی کوفی	65	بشر بن شرحبیل قیس
12	سہل بن حنیف انصاری	39	محمد بن ابوبکر بن قافہ	66	سودان بن حمران سکونی
13	رفاعہ بن رافع انصاری	40	کمیل بن زیاد نخعی	67	عبدالرحمن بن عدیس بلوی
14	حجاج بن غزیہ انصاری	41	عائذ بن حملہ تمیمی	68	عروہ بن شمیم کنانی لیشی
15	ابو ایوب انصاری	42	جندب بن زبیر ازدی	69	کنانہ بن بشر سکونی
16	قیس بن ساعد انصاری	43	ارقم بن عبداللہ کندی	70	غافق بن حرب مکی
17	فروہ بن عمرو بیاضی	44	شریک بن شداد حضرمی	71	کعب بن عبدہ
18	محمد بن عمرو بن حزم انصاری	45	قبیصہ بن ضبیعہ عسسی	72	ثقیف بن خزیمہ عبدی
19	جابر بن عبداللہ انصاری	46	کریم بن عقیف نخعی	73	عامر بن بکیر بن عبدیلیل
20	جبلیہ بن عمرو ساعدی انصاری	47	عاصم بن عوف بکلی	74	عبید بن رفاعہ بن رافع زرتقی
21	محمد بن مسلمہ انصاری	48	ورقا بن سبی الجبلی	75	عبدالرحمن بن عبداللہ الحنفی
22	عبداللہ بن عباس	49	کدام بن حیان الغزی	76	مسلم بن کریب قاضی ہمدانی
23	عمرو بن العاص	50	صفی بن نسیل شیبانی	77	عمرو بن عبید حارثی ہمدانی
24	ابو طفیل عامر بن وائلہ، کنانی لیشی	51	معزز بن شہاب تمیمی	88	عمرو بن حزم انصاری
25	سعد بن ابی وقاص	52	عبداللہ بن حویہ سعدی تمیمی	79	عمیر بن ضبائیم
26	مالک بن حارث اشتر	53	عتبہ بن اخنس سعدی	80	اسلم بن اوس بن بجرہ ساعدی۔
27	عبداللہ بن حکیم	54	سعید بن عمران ہمدانی		

یہ اسی (80) نام ایسے اشخاص کے ہیں جن کی تائید خلفائے ثلاثہ و ما بعد کے خلفا کو بھی کبھی حاصل نہ ہو سکی۔ قتل عثمان کے بعد حضرت علیؓ کی مخالفت کے لئے اور ان سے حکومت چھین لینے کی خاطر اگر ان لوگوں میں سے بعض نے خود اپنے اجماع کی مخالفت کی تو اس سے ان کی بدعہدی، جرم اور مخالفت محمد و آل محمد میں اضافہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوا۔ اور عثمان کو بہر حال اس بدعہدی سے فائدہ نہیں پہنچتا۔

18۔ علامہ ڈاکٹر طہ حسین نے عثمان کی ماؤرن سوانح عمری یعنی ”الفِئْتَةُ الْكُبْرَى“ کے آخری باب میں ترکیب سے وہ سب کچھ مان لیا

جو ثابت ہو چکا۔

ڈاکٹر موصوف نے عنوان قائم کیا ہے کہ: ”ایک جواب طلب سوال؟“

اس عنوان کے ماتحت علامہ نے وہ سب کچھ تسلیم کر لیا جو ہم نے اب تک ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

(1) خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو برحق ماننے والوں سے اور قرآن سے پٹنے والوں سے جواب ناممکن تھا۔

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا قدامت نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ بلکہ اکثر بزرگوں نے اس کا جواب دینے کی کوشش ہی نہیں کی ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہمیں اس سوال کا کوئی جواب تلاش کرنا ہی پڑے گا۔ سوال یہ ہے کہ:

”حضرت عثمان کے عثمان نے اُن کو مدد دینے میں کس طرح اور کیوں اتنی تاخیر اور سستی روا رکھی کہ باغی حضرت عثمان کا دیر تک محاصرہ کئے رہنے اور آخر کار اُن کو قتل کر دینے میں کامیاب ہو گئے؟“

کہا جاتا ہے کہ محاصرہ مسلسل چالیس (40) دن تک جاری رہا۔ یہ صحیح ہے کہ ذرائع نقل و حمل آسان اور قریب نہ تھے لیکن دوسری طرف ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خبریں حیرت انگیز سرعت کے ساتھ صوبہ جات میں پہنچ رہی تھیں۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (والی مصر) کو علم تھا کہ مصری حضرت عثمان کے خلاف غم و غصے کے جذبات لئے ہوئے گئے ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انہوں نے امیر معاویہ کو اس امر کی اطلاع بھی دی تھی۔ اس طرح انہوں نے خود حضرت عثمان کو بھی خط کے ذریعہ اس صورت حال سے مطلع کر دیا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے بھی اہل کوفہ کو مدینے کا رخ کرتے دیکھا تھا۔ وہ بھی عبداللہ بن سعد ابی سرح کی طرح جانے والوں کے مقصد و ارادہ سے آگاہ تھے۔ یہی صورت بصرے میں عبداللہ بن عامر کی تھی۔ پھر آخر کیا سبب ہے کہ اتنی خبر ہونے کے باوجود یہ عثمان خلیفہ کی امداد پر بسرعت تمام کمر بستہ نہ ہو سکے؟ پھر اُن اعمال کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ حضرت عثمان کی طرف سے امداد کے مطالبہ پر مشتمل خطوط ملنے کے بعد بھی تیزی سے مدینہ نہ پہنچے؟ آخر اُن لوگوں نے کیوں اتنی دیر لگائی اور تساہل برتا کہ اُن کی مدد پہنچنے سے پہلے ہی شرواع ہو گیا؟ اور امام قتل کر دیئے گئے؟ پھر ان سب اُمور سے بڑھ چڑھ کر یہ کہ حضرت عثمان نے اپنے عثمان کو پابند کر رکھا تھا کہ وہ حج کے دنوں میں اُن سے ضرور ملا کریں۔ آخر کیا سبب ہے کہ اُن کے تمام عثمان اس سال اپنے اپنے صوبوں میں رہے اور حج پر نہ گئے؟ یہاں تک کہ حضرت عثمان نے محصور ہونے کی وجہ سے مجبوراً حضرت عبداللہ بن عباس کو حج کی قیادت پر مقرر کیا۔ ان سبب سے بھی زیادہ حیرت انگیز و تعجب خیز یہ بات ہے کہ مورخین کے بیان کے مطابق حضرت ابن عباس حضرت عثمان کی طرف سے حاجیوں کے نام ایک چٹھی لے گئے تھے۔ جس میں انہوں نے اپنا قضیہ پیش کیا تھا۔ اور اپنا بے قصور ہونا ثابت کیا تھا۔ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے یہ چٹھی حج کے موقع پر لوگوں کو پڑھ کر سنائی۔ یہ خط جس کا مکمل متن طبری نے بیان کیا ہے۔ کس طرح لوگوں نے سن لیا؟ اور اُن کے کانوں پر جوں تک نہ رہی؟ سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے؟ اور کوئی بھی خلیفہ کی مدد پر کمر بستہ نہ ہوا؟ اور کوئی گروہ بھی مدینہ کے حادثات کا مشاہدہ کرنے کے لئے وہاں نہ پہنچا؟ یہ کیسے ہو گیا کہ حضرت عثمان کا عامل مکہ خاموشی، بے حسی اور اطمینان سے اُس خط کو پنی گیا؟ اور اُس نے لوگوں کو خلیفہ کی امداد پر برا بیخیز نہ کیا؟ اگر وہ اہل مکہ ہی کو جوش دلا کر بھیج دیتا اور وہاں کے صحرائیوں کا ایک لشکر جمع کر لیتا تو یقیناً یہ فوج باغیوں کو اُس وقت تک مشغول کئے رکھتی جب تک کہ صوبہ جات سے باقاعدہ فوجی کمک پہنچ جاتی۔ کیا سبب ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہوئی؟ کیا وجہ ہے کہ کسی عامل نے بھی حرکت نہ کی؟ کیا

سب سے کہ حاجی بھی خلیفہ کی امداد پر آمادہ نہ ہوئے؟ کیا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ:

”تمام اُمت نے متفقہ طور پر اُس خلیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا؟ رعیت تھک چکی تھی؟ عمال اپنے دلوں میں کچھ اغراض چھپانے کی وجہ سے کاہلی اور سستی کر رہے تھے؟ اُن میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی؟ اور اُنہوں نے خلیفہ کو مدینہ والوں کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جو کچھ عثمان کے ساتھ کرنا چاہیں کر لیں۔ یا حضرت عثمان جو کچھ مدینہ والوں کے ساتھ کر سکیں کر لیں؟“

آپ دیکھ چکے ہیں کہ خود اہل مدینہ کی اکثریت باغیوں کے ساتھ شامل تھی۔ مدینہ میں صحابہ کرام کی ایک مختصر جماعت ایسی بھی تھی جس نے عملاً تو حضرت عثمان کا ساتھ چھوڑ رکھا تھا۔ لیکن زبانی وہ اس صورت حال پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتی تھی۔“

اگر اصحاب رسول کی یہ جماعت ہی باغیوں کے مقابلے میں کھڑی ہو جاتی اور اُن کی اُمیدیں خاک میں ملا دیتی تو یہ باغی لوگ بے نیل و مرام واپس ہو جاتے۔ جیسا کہ بعض قدیم مورخین کی رائے ہے۔ ان چیزوں کے پیش نظر حضرت عثمان کا وہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ لوگ میری درازی عمر کو لامتناہی سمجھ کر مجھ سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ مگر غالباً لوگوں کے لئے صرف اُن کی درازی عمر ہی ایک اکتادینے والا مسئلہ نہ تھا۔ بلکہ وہ اُس سیاست کے لامتناہی سلسلے سے دل برداشتہ ہو گئے تھے جو انہیں عہد فاروقی سے مختلف معلوم ہو رہی تھی۔ اور جو اُن کی دیکھی بھالی قیصر و کسریٰ کی ملکیت سے بھی الگ کوئی سیاست نظر آتی تھی۔ اُنہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُن دونوں (عمری اور قیصر و کسریٰ) سیاستوں کے بین بین کوئی سیاست ہے۔“ (الفتنۃ الکبریٰ صفحہ 486-489)

(2) ابوبکر و عمر کی سیاست کوئی مستقل سیاست یا نظام حکومت نہ تھا۔ اُن دونوں نے روز اول سے کلمہ طیبہ کی آڑ میں قیصری و کسریٰ سیاست کو بتدریج نافذ کیا تھا۔

قارئین سب سے پہلے یہ نوٹ کریں کہ جو کچھ ایک ہزار سال سے اُمت کے سامنے رکھا گیا ہے وہ پہلی چار صدیوں میں قریشی خلفائوں نے تیار کر لیا تھا۔ اور ظاہری و فطری ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی جانشین حکومتیں ہرگز کوئی ایسی بات آگے نہ بڑھا سکتی تھیں جو اُن کے یا اُن کے تینوں خلیفوں کی پالیسی اور کردار کو گھناؤنا کر کے دکھائے۔ لہذا وہ باتیں خانہ ساز و باطل اور جھوٹ کا پلندہ ہیں جو مندرجہ ذیل نتیجے میں شکوک و شبہات پیدا کریں۔ اور یہ نتیجہ خود فاروقی و قریشی تاریخ و حدیث سے ثابت ہے۔

(3) اسلام کی نقاب میں لادینی حکومت قائم کرنا مقصود تھا۔

وفات رسول کے وقت قریش نے بوکھلا کر ابوبکر کی حکومت کو انتخاب کی شکل دینے کی بھونڈی کوشش کی تھی ”اور عمر نے خود مانا ہے کہ ابوبکر کی بیعت فلتنۃ یعنی اچانک یافتنۃ یعنی ایک ناگہانی آزمائش کے طور پر ہو گئی تھی۔ جس کے خطرناک نتائج سے ہم بچ نکلے“ لیکن اُس کے بعد اعلان کر دیا تھا کہ ”اب اگر کوئی کسی کی بیعت اُسی طرح کرے گا جیسے ابوبکر کی بیعت کی گئی تھی تو اُسے قتل کر دیا جائے گا“ یہ اس لئے کہ حکومت جم چکی تھی۔ چنانچہ ابوبکر کی بیعت بھدے اور دیہاتی طریقے سے رومی انتخاب سے ملتی تھی۔ لیکن دو سال بعد ابوبکر نے ایرانی اور یونانی حکومت کے طریقہ پر خود خلیفہ نامزد کر دیا۔ یعنی عمر کی حکومت کی بنیاد ہی شخصی حکومت پر قائم ہوئی۔ یہ یاد رکھنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ ابوبکر و عمر دیگر سرداران قریش نے ابوسفیان کا تعاون حاصل کرنے کے لئے وعدہ اور معاہدہ کیا تھا۔ جس کے پورا کرنے کے لئے یزید بن ابوسفیان اور معاویہ کو ملک شام کی حکومت دی گئی تھی۔ اور انہیں وہاں موروثی حیثیت سے برقرار رکھا گیا تھا۔ پھر عثمان نے شام کی حکومت کے ماتحت یعنی معاویہ کی سلطنت میں آدھے سے

زیادہ ملک دے دیا تھا اور اُسے آخر وقت تک اُس عظیم الشان سلطنت پر برقرار رکھا تھا۔

یہ بھی تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ عمر نے رومی و یونانی اور ایرانی حکومتوں کے قوانین کو اپنی سلطنت میں رائج کیا تھا (الفاروق و طبری) اور ہر وہ عملدرآمد جاری کیا تھا جس سے بتدریج شخصی یا ایرانی و یونانی حکومت برسر کار آجائے اور کوئی تصادم بھی نہ ہونے پائے۔ عمر نے اپنے عہد حکومت میں صحابہ نام کے تمام لوگوں کو نظر بند کر کے مدینہ سے باہر نکلنے کی ممانعت رکھی تھی (تمام قریشی تواریخ) یعنی وفات رسولؐ سے لے کر عثمان کی حکومت تک تمام صحابہ قید و بند میں رکھے گئے۔ اس طرح اسلام کی صحیح تعلیمات اور حدیث کی اشاعت قطعاً روک کر یونانی اور ایرانی اور رومی قوانین کو رائج کرنے اور انہیں اسلامی شریعت کہنے میں مدد ملی۔ اور بعد میں یہ افسانے تیار کر کے پھیلائے گئے کہ عمر صحابہ سے مشورہ لے کر اجماعی یا اجتماعی قانون نافذ کرتے تھے۔ خزانوں اور افواج کی بھرمار سے تمام صحابہ کو خاموش رکھا اور عملاً رومی و یونانی اور ایرانی حکومتوں کو ملک میں رائج کر دیا گیا۔ البتہ اپنے بعد وہ معاویہ کو حکمران بنانے کا براہ راست حکم جاری نہ کر سکا۔ اس لئے کہ علی علیہ السلام ابھی تک زندہ تھے۔ اُن کو راہ سے ہٹانے اور حکومت معاویہ تک پہنچانے کے لئے انتظام شوریٰ اور سنت شیخین کی صورت میں کیا گیا اور حکومت عثمان تک پہنچا دی گئی۔ اور عثمان کو وصیت و نصیحت میں وہی کچھ کہا گیا جو اُس نے بعد میں عملاً کیا۔ اُس نے ہرگز نہیں مانا کہ وہ ابو بکر و عمر کی پالیسیوں کے خلاف عمل کرتا رہا ہے۔ وہ اور اُس کے عمال یا گورنر جانتے تھے کہ حکومت کو علیؑ سے بچا کر معاویہ تک پہنچانے میں بہت سی قومی قربانیاں دینا ہوں گی۔ چنانچہ سب سے پہلے قربانی دینا عثمان ہی کا کام تھا اور یہ طے ہو چکا تھا کہ عثمان کو قتل قبول کرنا چاہئے۔ لہذا معاویہ نے عثمان سے کہہ دیا تھا کہ اگر تمہیں قتل سے بچنا اور حکومت کو اُس تک منتقل کرنا ہے تو اُس کے ساتھ ملک شام کو چلو۔ یا مدینہ میں تحفظ کے لئے شامی فوج منگا لو۔ عثمان نے نہ شام جا کر معاویہ کے ہاتھوں میں قید رہنا اور یوں خلافت کو منتقل کرنا پسند کیا اور نہ مدینہ میں رہتے ہوئے فوجی کمانڈر کی نظر بندی میں رہنا پسند کیا۔ یہ باتیں قریشی احتیاط کے ساتھ ڈاکٹر طہ حسین سے سنئے: لکھتے ہیں کہ:

معاویہ عثمانی حکومت کو اپنے زیر نگیں لانے اور مدینہ سے شام منتقل کرنا چاہتے تھے۔

”۳۴ھ میں حضرت عثمان کو الوداع کہنے سے قبل امیر معاویہ نے عثمان کے سامنے دو تجویزیں پیش کی تھیں۔ جن کی حضرت عثمان نے سختی سے تردید کر دی تھی۔ پہلی تجویز یہ تھی کہ ”حضرت عثمان امیر معاویہ کے ہمراہ شام چلے جائیں اور وہاں امن و حفاظت سے رہیں۔“ (الفتنہ صفحہ 476)

اس تجویز کے متعلق طہ صاحب چند قریشی بکواس کے بعد آخر یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ:

”علاوہ ازیں اگر حضرت عثمان ایسا کر بھی لیتے تو گویا وہ امیر معاویہ کے ہاتھ میں اسیر ہو جاتے مگر حضرت عثمان کو یہ گوارا تھا کہ وہ معاویہ بن

ابوسفیان کے بجائے اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں اسیر ہو جائیں۔“ (الفتنہ صفحہ 477)

پھر لکھتے ہیں کہ: ”امیر معاویہ کی دوسری تجویز یہ تھی کہ وہ شامیوں کا ایک لشکر حضرت عثمان کی خدمت میں بھیج دیں جو مدینہ میں اُن کے پاس رہے۔ اور انہیں پیش آنے والے خطرات سے محفوظ رکھے۔ حضرت عثمان نے یہ پیشکش بھی ٹھکرا دی۔“ (الفتنہ صفحہ 477)

معاویہ کی یہ دونوں تجویزیں چند سطروں میں آجانا تھیں لیکن طہ حسین نے ان پر چار صفحات ضائع کئے ہیں کہ وہ کھینچ تان کر ان دونوں تجویز کو خلفائے ثلاثہ کے حق میں عموماً اور عثمان کے لئے خصوصاً مفید اور بے داغ بنا دیں۔ لیکن تجویز امیر معاویہ کا مقصد خود بیان کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ معاویہ عثمان کو اور اُن کے مخالفوں کو بے دست و پا کر دینا چاہتے تھے۔ اور براہ راست اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں لے لینا چاہتے تھے۔ یعنی اگر

عثمان مدینہ میں شامی افواج بلانے پر راضی ہو جائیں تب بھی اختیار افواج کے کمانڈروں کے ہاتھ میں رہتا اور وہ جب چاہتے اُس نظر بند خلیفہ کو شام بھیج دیتے اور مدینہ پر اپنا تسلط قائم رکھتے اور حقیقی خلیفہ یا حکمران خود معاویہ ہوتا۔ اور فوراً شخصی اور پچیس (25) سال سے مسلسل چلے آنے والی ابوسفیان کی نسلی حکومت قائم ہو جاتی اور ابوبکر و عمر کی کوششیں بار آور ہو جاتیں اور لا الہ الا اللہ کہنے والی ایک رومی، ایرانی اور یونانی حکومتوں کی جانشین حکومت قائم ہو جاتی۔ مگر عثمان نے ان دونوں تجاویز کو صرف اس لئے منظور نہ کیا کہ اُسے ابوبکر و عمر کی طرز حکومت پر آخری سانس تک عمل کرنا تھا۔ ورنہ یہ کہا جاتا کہ اُن دونوں نے تو کسی کو اس طرح اقتدار منتقل نہیں کیا تھا۔ اور اُسے یقین تھا کہ اقتدار بہر حال معاویہ کو منتقل ہونا ہی ہے۔ یعنی ابوبکر و عمر کی پالیسی پر چلنے میں۔ 1۔ مجھے قتل ہونا ہے۔ 2۔ حکومت عارضی طور پر علی کو منتقل ہونا ہے۔ 3۔ پھر قومی پالیسی اور منصوبے کے ماتحت پوری قوم کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ علی کو خلافت و اقتدار سے محروم کرے۔ لہذا عائشہ، طلحہ، زبیر عبدالرحمن بن عوف، عبداللہ ابن عمر وغیرہ علی کے خلاف محاذ بنائیں۔ اور معاویہ اُن کی مدد کر کے اقتدار و حکومت حاصل کر لے۔ یعنی ابوبکر و عمر اور تمام مخصوص افراد کو یہ تینوں مراحل معلوم تھے۔ چنانچہ یہ پلان معاویہ کو بھی معلوم تھا۔ طہ سے سنئے:

تین مراحل سے گزر کر حکومت کا معاویہ تک آنا طے شدہ تھا۔

”بالآخر جب امیر معاویہ نے اُن سے کہا کہ ”اگر آپ ان دونوں تجاویز میں سے کوئی بھی منظور نہیں کرتے تو پھر حالات کی نزاکت بتا رہی ہے کہ یا تو آپ کے خلاف جنگ کی جائے گی یا پھر اچانک بے خبری میں آپ کو مار ڈالا جائے گا“ اس پر حضرت عثمان نے جواب دیا۔ ”حَسْبِيَ اللَّهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ“ یعنی جس طرح اللہ کی مفروضہ کتاب عمر کے منصوبے کے حسب حال تھی۔ اُسی طرح وہی مفروضہ اللہ میرے حسب حال ہے اور اچھا و کالت کرنے والا ہے۔“ (الفتنۃ الکبریٰ صفحہ 480)

یہ سب کچھ سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ ابوبکر و عمر کی اسکیم کے ماتحت معاویہ سمیت ساری نام نہاد اُمت عثمان کے خلاف مجتمع تھی اور تمام صحابہ اور دانشوروں نے عثمان کو قتل کر کے اقتدار و حکومت چھین لینا طے کر لیا تھا۔ عثمان کا قتل ہو کر رہنا اور مروان پارٹی کا قتل کرا کے چھوڑنا ایک ایسی تسلیم شدہ حقیقت بن کر رہ گئی تھی کہ ہماشما کی زبان پر جاری رہی ہے۔ حتیٰ کہ خود عثمان کی زوجہ نائلہ کو یقین تھا کہ اس شخص نے قتل ہو جانا اور ابوبکر و عمر کی سنت پر بھیٹ چڑھ جانا طے کر رکھا ہے۔ اس نتیجے اور صورت حال کے علاوہ باقی بیانات اور بکواس بعد کی ایجادات ہیں۔ البتہ حضرت علی علیہ السلام اس تمام ہنگامہ سے بری الذمہ رہے ہیں۔ اور اسی بنا پر عثمان کے مخالفوں کو اور اُس کے طرفداروں اور خاندان کے افراد کو بالکل ہم پلہ اور یکساں مجرم گردانتے رہے ہیں۔ اور اُن حضرت سلام اللہ علیہ وآلہ کے اس فیصلے کو خود طلحہ حسین نے اپنے انداز اور مقصد کے ماتحت سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ:

حضرت علی کے اس خطبہ کا جملہ نمبر (8-9) تمام علما نے پسند کیا ہے۔

اسی فتنہ کی شرح کرتے ہوئے حضرت علی نے اہل کوفہ سے کیا خوب کہا تھا کہ: .:

اِسْتَأْتَرُ فَاَسَاءَ الْاَثَرَةَ؛ وَ جَزَّ عَنَّمْ فَاَسَاتَمَ الْجَزَعَ“؛ (خطبہ نمبر 30 جملہ نمبر 8-9)

حضرت عثمان نے اپنے اقربا کو ترجیح دی تو برا کیا، اور تم نے اس پر احتجاج کر کے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا یہ بھی برا کیا۔“ (الفتنۃ صفحہ 494)

طہ صاحب کی مادری زبان عربی تھی۔ اور اس زبان میں دستگاہ کمال رکھتے بھی تھے۔ مگر برا ہوا ابوبکر و عمر پرستی کا کہ ایسے عالم نے بھی اُن کی پالیسی کے

تحفظ میں اپنے پاس سے ان جملوں کے ترجمہ میں ”اقربا کی ترجیح“ کو لا کر علوی بیان کی وسعت اور عمق کو ضائع کر دیا۔

عبداللہ بن سبا ایک فرضی ہیرو ہے۔ جسے دو سو سال کے بعد گھڑ اور طبری میں ریکارڈ کرایا گیا۔

علامہ طہ حسین نے عبداللہ بن سبا کو ایک فرضی ہیرو قرار دیا ہے اور شیعوں کے دشمنوں کی سازش لکھا ہے۔ (ترجمہ صفحہ 282 تا 290)

عبداللہ بن سبا کے قصوں کے متعلق اُن کے الفاظ یہ ہیں:

1- ”جو لوگ ابن سبا کے معاملے کو اس حد تک اہمیت دیتے ہیں وہ نہ صرف اپنے آپ پر بلکہ تاریخ پر بھی شدید ظلم کرتے ہیں“ (صفحہ 284-285)

2- ”اس سلسلے میں سب سے پہلی غور طلب چیز یہ ہے کہ اُن تمام اہم ماخذ میں جو حضرت عثمان کے خلاف رونما ہونے والی شورش پر روشنی ڈالتے ہیں

ہمیں عبداللہ بن سبا کا ذکر ہی نہیں ملتا ہے“ (صفحہ 285)

3- ”شیعہ دشمن عناصر نے عہد امیہ و عباسیہ میں عبداللہ بن سبا کے معاملے میں اس لئے مبالغہ کارنگ دیا کہ ایک طرف تو کچھ ایسے واقعات جو حضرت

عثمان اور اُن کے والیوں سے منسوب ہیں مشکوک ہو جائیں اور دوسری طرف حضرت علی اور اُن کے ساتھیوں پر زد پڑے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ شیعہ

ایک یہودی کے جھانسنے میں آئے ہوئے تھے۔ جو محض اسلام دشمنی کی خاطر اسلام لایا تھا“۔ (صفحہ 289)

4- ”یہ تمام باتیں ایسی ہیں جو عقل کی کسوٹی پر ثابت نہیں ہوتیں نہ تنقید کی تاب لاسکتی ہیں۔ لہذا ان باتوں پر تاریخی اُمور کی بنیاد استوار کرنا درست

نہیں“۔ (صفحہ 290)

19- عثمان کو قتل کرنا یا ابوبکر و عمر کو قتل کرنا اُن کے جرائم کی پوری سزا تھی۔ مسلمانوں کو سزائے موت کے بعد غسل و کفن نماز و دفن سے

محروم نہیں رکھا جاتا۔

ثلاثہ اینڈ کمپنی اور اُن کی پوری قوم نے جو ظاہری اور باطنی جرائم کئے تھے اُن کی صحیح سزا تو زمانہ رجعت میں حضرت حجہ علیہ الصلوٰۃ

والسلام ہی دے سکیں گے۔ اس لئے کہ انہیں بار بار زندہ کر کے بار بار شدید عذاب کے ساتھ بار بار سزائے موت کوئی اور نہ دے سکتا تھا۔ دنیا کے

نظام میں جو سزا دی جاسکتی تھی وہ صرف ایک مرتبہ سزائے موت ہی ہو سکتی تھی جو ساری اُمت نے متفقہ طور پر عثمان کو دی تھی۔ اس کے بعد امت نے

یہ بھی جائز نہ سمجھا کہ اُس کے جنازے کا مسلمان کے جنازے کی طرح احترام کیا جائے یا غسل و کفن دیا جائے یا نماز پڑھ کر جنازہ کو دفن کیا جائے۔

اس سلسلے میں چند تاریخی بیانات سنیں:

(1) عثمان تین دن بے غسل و کفن رہے لاش پر سنگ باری یہودی قبرستان۔

طبری نے بھی لکھا ہے کہ عثمان کی لاش تین روز بے غسل و کفن پڑی رہی۔ حکیم بن حزام اور جبیر بن مطعم وغیرہ نے حضرت علیؑ سے

درخواست کی کہ حضرت عثمان کے رشتہ داروں کو اجازت دی جائے کہ وہ اُس کی لاش کو دفن کر سکیں آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ جب اجازت

کی خبر مشہور ہو گئی تو دشمن راستے میں پتھر لے کر بیٹھ گئے۔ عثمان کے رشتہ دار لاش کو لے کر مدینہ کے ایک یہودی باغ حش کو کب کی طرف روانہ ہوئے

جس میں یہودیوں کے مردے دفن ہوا کرتے تھے۔ راستے میں مسلمانوں نے لاش پر سنگ باری کی تو لاش اُٹھانے والوں نے ارادہ کیا کہ میت چھوڑ

کر بھاگ جائیں۔ مگر حضرت علیؑ نے کہلا بھیجا کہ ان حرکتوں سے باز رہو اس پر سنگ باری رک گئی اور لاش حش کو کب میں دفن کر دی گئی۔

(2) معاویہ نے عثمان کی قبر کو مسلمانوں کے قبرستان میں ملا دیا تھا؟

معاویہ نے اپنے دور حکومت میں حش کو کب کے اُس مقام کو قبرستان بقیع میں ملا دیا تھا۔ اور لوگوں سے کہا تھا کہ اپنے مردوں کو عثمان کے ارد گرد دفن کیا کریں رفتہ رفتہ وہ جگہ مسلمانوں کے قبرستان سے متصل ہو گئی۔

(3) سنگ باری سے بچنے کے لئے حش کو کب میں ایک دیوار کے پیچھے دفن کیا گیا۔ جنازے کے شرکاء کون تھے۔

طبری نے ابی کرب کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ عثمان کو مغرب کے بعد اندھیرے میں دفن کیا گیا تھا۔ جنازہ پر صرف مروان بن حکم اور تین غلام اور اُن کی ایک بیٹی تھی۔ بیٹی چلا کر رونے لگی تو لوگوں نے نعل نعل کہہ کر پتھر پھینکنا شروع کئے قریب تھا کہ لاش سنگسار ہو جائے آخر ایک دیوار کے تلے دفن کئے گئے۔ یہ ابی کرب بیت المال کا مگر ان تھا۔

(4) دورات بے غسل و کفن رہے، صحابہ نے مسلمانوں کے قبرستان اور نماز جنازہ سے روکا تھا۔ شرکاء جنازہ۔ حش کو کب میں دفن۔

عبداللہ ابن ساعدہ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ عثمان دورا تین بے دفن پڑے رہے۔ کسی کو اُن کے کفن و دفن کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آخر چار اشخاص میت کو اُٹھا کر لے چلے حکیم بن حزام، جبیر بن مطعم، نیا ربن مکرم، اور ابوہم ابن ابی حذیفہ۔ جب میت نماز کے لئے رکھی گئی۔ تو کچھ صحابہ آ کر نماز میں مزاحم ہوئے نہ نماز پڑھنے دی نہ بقیع میں دفن ہونے دیا۔ کہا کہ خدا کی قسم یہ مسلمانوں کے قبرستان میں ہرگز دفن نہیں کئے جاسکتے۔ (یہی فتویٰ تھا عائشہ کا کہ عثمان کو قتل کرو یہ کافر ہو گیا ہے۔ احسن) مجبوراً حش کو کب میں دفن کئے گئے جب بنی امیہ بادشاہ ہوئے انہوں نے حش کو کب کو بقیع میں شامل کر دیا۔ چنانچہ وہ آج کے دن بنی امیہ کا قبرستان ہے۔

(5) عثمان کا سر کاٹنا چاہا مگر عورتوں کی فریاد نے بچا لیا تھا۔

عبداللہ بن موسیٰ مخزومی کے واسطے سے روایت کیا گیا ہے کہ جب عثمان قتل کر ڈالے گئے تو دشمنوں نے چاہا کہ اُن کا سرتن سے جدا کر دیا جائے۔ مگر نائلہ اور ام البنین عثمان کی بیویاں اُن کی لاش پر گر پڑیں۔ اور چیخنے چلانے لگیں سیٹے سیٹے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے تو ابن عدیس نے کہا کہ جانے دوسرے نہ کاٹو۔

(6) عثمان سے مرنے کے بعد انتقام لیا گیا اُن کی پسلی توڑ ڈالی گئی تھی۔

حضرت عثمان کی میت بقیع میں بے غسل و کفن لے جانی گئی لوگوں نے چاہا کہ نماز پڑھیں مگر انصار نے نماز پڑھنے سے روک دیا۔ میت ایک دروازے کے پاس رکھی ہوئی تھی کہ عمیر بن ضابی آیا اور میت پر چڑھ کر اُس نے ایک پسلی توڑ ڈالی اور کہا کہ تم نے میرے باپ کو قید خانے میں ڈال دیا تھا اور وہ قید خانے میں مر گیا تھا۔

(7) کواڑ پر رکھ کر لاش تیزی سے لے جانا اور عثمان کا سر کاٹنا کھٹ کھٹا کر لے جانا۔

ابن سعد و طبری دونوں نے مالک بن عامر کے واسطے سے روایت کی ہے کہ عثمان کی میت اُٹھانے والوں میں، میں بھی تھا۔ ہم لوگ دروازے کے ایک پٹ پر لاش رکھے لے جا رہے تھے۔ تیز تیز چلنے کی وجہ سے میت کا سرتختے سے ٹکراتا جاتا تھا۔ اور ٹھک ٹھک کی آواز دیتا جاتا تھا۔ ہم لوگوں پر قیامت کی دہشت طاری تھی۔ آخر ہم لوگوں نے حش کو کب لے جا کر دفن کر دیا۔

(8) نماز جنازہ کی ممانعت عثمان کی لاش کا روندنا جانا۔۔؟

نماز جنازہ کی ممانعت کو علامہ ابو عمرو نے بھی کتاب الاستیعاب میں لکھا ہے۔ ابو عمرو کہتے ہیں کہ جب لاش لے جائی جا رہی تھی۔ تو انصار کے کچھ لوگ آگے اور میت لے جانے والوں سے برسریکا ہو گئے۔ آخر ان لوگوں نے میت کو زمین پر ڈال دیا۔ عمیر بن ضابی نے عثمان کے پیٹ کو روند ڈالا۔ اور کہتا جاتا تھا کہ آج تک میں نے کسی کا فرکا پیٹ اتنا نرم نہیں دیکھا۔ عمیر بن ضابی عثمان کا سخت دشمن تھا۔ وہ اس دن کہتا تھا کہ مجھے میرے باپ ضابی کو دکھاؤ۔ ضابی کو زندہ کر دو تا کہ آج وہ عثمان کی حالت کو دیکھیں۔

(9) عثمان کی لاش کوڑے کے ڈھیر پر نگلی کھلی تین دن پڑی رہی۔ عائشہ بنت عثمان کا چراغ دکھانا۔

علامہ ابو عمرو نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ قتل کے بعد عثمان کی لاش مزبلہ (کوڑی) پر ڈال دی گئی جہاں وہ تین دن تک پڑی رہی رات کے وقت بارہ آدمی آئے اور اٹھا کر قبرستان بقیع میں لے گئے چاہا کہ دفن کریں مگر بنی مازن کے کچھ لوگوں نے آکر کہا کہ اگر تم یہاں دفن کرو گے تو ہم صبح کو سب کو بتادیں گے۔ ان لوگوں نے میت تختہ پر اٹھائی میت کا سر تک کرتا جاتا تھا۔ حش کو کب میں لائے وہاں قبر کھودی گئی۔ عائشہ بنت عثمان چراغ لے کر ساتھ تھیں۔ جب دفن کے لئے میت نکالی گئی تو چیخنے چلانے لگیں۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ اگر چپ نہ رہو گی تو تمہاری آنکھوں پر ماریں گے۔

(10) میت کا تین دن مزبلہ پر پڑا رہنا تمام تواریخ نے لکھا ہے۔

صفدری نے تمام المتون صفحہ 89 میں لکھا ہے کہ عثمان کی لاش تین روز تک کوڑی پر پڑی رہی تھی، یعقوبی نے بھی لاش کا تین روز پڑے رہنا لکھا ہے۔

حوالہ جات۔ طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 55۔ کتاب اشراف الانساب بلاذری جلد 5 صفحہ 83، 86، 99۔

الامامة والسياسة جلد 1 صفحہ 40۔ تاریخ طبری جلد 5 صفحہ 143-144۔ تاریخ یعقوبی جلد 2 صفحہ 153۔

استیعاب جلد 2 صفحہ 478-479۔ صفة الصفة جلد 1 صفحہ 117۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد 3 صفحہ 67۔

رياض النضر جلد 2 صفحہ 131-132۔ مجمل البلدان جلد 3 صفحہ 181۔ تاریخ ابن کثیر جلد 7 صفحہ 190-191۔

حياة الحيوان دمیری جلد 1 صفحہ 54۔ وفاء الوفاء جلد 2 صفحہ 799۔ سيرة الاحلبيہ صفحہ 85۔

تاریخ انیس جلد 2 صفحہ 265۔ عثمان کے حالات پر کتابوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ یہ حوالے بطور نمونہ ہیں۔

20۔ قریش اسلام لانے کے بعد بھی وہی قریش رہے جو اسلام لانے سے پہلے تھے۔ ان کی خود ساختہ کہانیوں سے فریب کھانا بند

کر دیجئے۔

عثمان اور قریش کے حالات کے بعد اب پھر ہمارے دسویں عنوان کا پیرا (ب) سامنے لائیے اور پھر یہ دیکھئے کہ عربوں اور قریش کے

متعلق جو کچھ علامہ مشرقی نے کہا تھا وہی کچھ علامہ احمد امین مصری نے لکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ:

(1) عربوں کی فطرت اور طبیعت کے بدل جانے کے دعویدار حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

”اسلام ایک سرتاپا انقلاب تھا جس کو کامیاب ہونے کے لئے بڑی سعی و کاوش اور طویل زمانہ ہی درکار ہو سکتا تھا۔ بقول شخصے سو برس کا دلوں میں رچا ہوا رام رام بیک جنبش نظر رحیم میں تبدیل نہیں ہو سکتا تھا۔ جو لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تیس (۲۳) سالہ عرصہ نبوت میں عرب کا زمین آسمان ہی بدل گیا تھا اور عربوں کی فطرت اور طبیعت ہی یکسر تبدیل ہو گئی تھی وہ دراصل تاریخ اور حقیقت سے

چشم پوشی کرنا چاہتے ہیں، (ترجمہ فخر الاسلام صفحہ 252 شائع کردہ طلوع اسلام)

(2) عرب لوگ اسلام سے کس حد تک متاثر ہوئے؟

پھر لکھتے ہیں کہ: ”اس کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ عرب کے یہ باشندے اسلام سے کس حد تک متاثر ہوئے تھے؟ کیا محض اُن کے اسلام میں داخل ہو جانے سے جاہلیت کی یہ تعلیمات اور جاہلیت کے یہ رجحانات بالکلیہ ملیا میٹ ہو گئے تھے؟ واقعہ یہ ہے کہ ایسا بالکل نہیں ہوا۔ ادیان اور آراء کی تاریخ اس کے امکان کا قطعاً انکار کرتی ہے۔ نئے اور پرانے رجحانات، وراثتی دین اور نئے دین کے درمیان عرصہ دراز تک نزاع قائم رہتی ہے۔ اور نئی چیز پرانی چیز کی جگہ پر آہستہ آہستہ اور تدریجاً ہی جما کرتی ہے۔ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ پرانی چیزیں یکسر مٹ جائیں۔ یہی کچھ جاہلیت اور اسلام کے درمیان ہوا۔ وقتاً فوقتاً جاہلی رجحانات ظاہر ہوتے رہتے اور اسلامی رجحانات سے نبرد آزما ہوتے تھے۔ ایک عرصہ دراز تک یہی صورت قائم رہی ہے۔ (صفحہ 259)

قارئین نوٹ کریں کہ حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت میں قریش کا اٹھنا، قومی حکومت کا منصوبہ بنانا، قرآن کی شخصی خلافت الہیہ کے خلاف محاذ بنانا۔ رسول کی قائم کردہ حکومت پر قبضہ کرنا اور سابقہ اقوام کی جانشینی میں خود ساختہ حکومت بنانا، یہود و نصاریٰ اور رومی و ایرانی و یونانی حکومتوں کے قوانین و قواعد کو اختیار کرنا تمام وہ اعمال و افکار اور رجحانات تھے جو اسلام سے پہلے قریش میں معمول بہ تھے۔ قرآن نے خود قریش کو ایام جاہلیت کے اصولوں پر چلنے کا طعن دیا ہے اور جنگ اُحد میں کھل کر فرمایا ہے کہ:

يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا

لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قَاتَلْنَا هَهُنَا (آل عمران 3/154)

ترجمہ: ”انہوں نے اللہ کے متعلق وہی قبل از اسلام کے عقائد و تصورات قائم کرنا شروع کئے جو خلاف حقیقت تھے۔ یہ قریشی صحابہ کہہ رہے تھے اور کہتے رہیں گے کہ کیا ہمیں اقتدار حکومت میں حصہ دیا گیا ہے۔ اے رسول اُن مومنین کو بتادو کہ اقتدار حکومت خالصتاً اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس قول کے پیچھے وہ مومنین اپنے دلوں میں ایک منصوبہ چھپائے ہوئے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں یہ بات ہے کہ قیادت و اقتدار حکومت میں ہمارا حصہ ہونا چاہئے چنانچہ اگر ہمیں اقتدار حکومت میں اختیارات دیئے گئے ہوتے تو یہ جنگ شکست میں نہ بدل جاتی اور قوم کا یوں قتل عام نہ ہوا ہوتا۔ اُن کو بتادو کہ جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود ہی اپنی قتل گاہ میں پہنچ کر رہتے۔ تاکہ اللہ تمہارے دلوں میں پوشیدہ اسکیم کو آزمائش میں ڈال کر جو کچھ سینوں میں چھپا رکھا تھا اُسے لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے خود تمہارے قول و عمل سے ثابت کر دے۔ یاد رکھو کہ اللہ تمہارے سینوں میں پوشیدہ تمام افکار اور رجحانات سے باخبر ہے۔“

صرف یہ اکیلی آیت قریش کی ساری اسکیم اور عمل درآمد کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ یعنی وہ صحابہ ہوتے ہوئے اپنے سابقہ مذہب پر باقی تھے۔ اسلام کا ذرہ برابر اثر نہ لیا تھا۔ روز اول ہی سے حکومتِ علویہ پر قابو و قبضہ حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگے رہے۔ حکومت پر قبضے کے بعد اُسے علیؑ تک جانے کے روکنے کا انتظام کرتے رہے یہاں تک کہ عثمان اس انتظام پر قربان ہو گیا اور حکومت حقدار کو مل گئی۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 31

علی نقی طهرانی: خطبہ نمبر: 31

خطبہ (31)

لَمَّا أَنْفَذَ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عَبَّاسٍ إِلَى الرَّبِيِّ قَبْلَ وُقُوعِ الْحَرْبِ يَوْمَ الْجَمَلِ لِيَسْتَفِيئَهُ إِلَى طَاعَتِهِ.

1) حضرت علی السلام کا وہ خطبہ جس میں عبداللہ بن عباس کو زبیر کے پاس زبانی پیغام دے کر بھیجا تھا تا کہ جنگ جمل سے پہلے اسے اپنی اطاعت کی دعوت دے کر اس پر اتمام حجت کر دیں۔ اس خطبہ میں عبداللہ ابن عباس کو بھی نصیحت فرمائی ہے کہ وہ صرف زبیر سے ملے طلحہ سے بات نہ کرے۔

2) بد باطن اور آزمودہ سرکش شخص سے نصیحت آموز بات کرنا بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ اسی لئے طلحہ کی غیبت کرنا جائز ہو گیا وہ اپنی سرکشی اور بد باطنی کو اچھی صفات سمجھ کر ان کا خود ہی پروپیگنڈا کیا کرتا تھا۔ توہین محسوس نہ کرتا تھا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

1	تم طلحہ سے ملاقات نہ کرنا اگر کہیں تم نے اس سے ملاقات کی تو تم اسے اس جنگلی سانڈ کی طرح پاؤ گے جو حملہ کرنے کے لئے سینگ جھکائے ہوئے ہو۔	لَا تَلْقَيْنَنَّ طَلْحَةَ فَإِنَّكَ إِن تَلَفْتَهُ تَجِدُهُ كَالثَّوْرِ عَاقِصًا قَرْنَهُ؛
2	وہ سخت صورت حال پر سوار ہو جایا کرتا ہے اور کہا کرتا ہے کہ:	يَرْكُبُ الصَّعْبَ وَيَقُولُ:
3	وہ تو میرے لئے بہت حقیر سا معاملہ ہے۔	هُوَ الدَّلْوُلُ؛
4	اور تمہیں زبیر سے ملاقات کرنا چاہئے بلاشبہ وہ طلحہ سے نرم خوار بردبار ہے۔	وَلَكِنَّ الْقِيَاسَ فَإِنَّهُ الْيَمِينُ عَرِيكَةٌ؛
5	چنانچہ تم اس سے کہنا کہ تیرے ماموں زاد بھائی نے کہا ہے کہ:	فَقُلْ لَهُ: يَقُولُ لَكَ ابْنُ خَالِكَ:
6	تم حجاز میں تو میرے ساتھ متعارف تھے اور عراق آ کر تو نے مجھے اجنبی سمجھ لیا یعنی میرا منکر ہو گیا ہے۔	عَرَفْتَنِي بِالْحِجَازِ وَأَنْكَرْتَنِي بِالْعِرَاقِ
7	وہ کیا ساز و سامان ہے جس سے یہ نئی صورت حال ظہور میں آئی ہے؟	فَمَا عَدَا مِمَّا بَدَأَ؟

تشریحات:

اس خطبے کے متعلق خطبے کی ابتدا میں باقی علمائے بھی اور علامہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہ نوٹ دیا ہے کہ میدان جنگ میں جنگ جمل سے پہلے حضور نے عبداللہ ابن عباس کی زبانی زبیر کو یہ پیغام بھیجا تھا۔ جو اس خطبے میں موجود ہے۔ اور تاکید کر دی تھی کہ عبداللہ ابن عباس طلحہ سے ملاقات نہ کرے۔ بلکہ صرف زبیر سے مل کر اور پیغام دے کر چلا آئے۔ پورے خطبے میں کل سات جملے ہیں۔ جن میں سے آخری دو جملے زبیر سے ایک سوال دریافت کرتے ہیں یا اسے ماضی کی یاد دلاتے ہیں۔ جس کی بنا پر رضی صاحب اور باقی علمائے یہ قیاس کیا ہے کہ ان دونوں جملوں سے

زیر کو اطاعت پر مائل کرنا مقصود ہے۔ حالانکہ جملوں میں کہیں لفظ اطاعت یا ارادہ بدلنے کی بات نہیں فرمائی ہے۔ زیر سے تو یہ پوچھا ہے کہ:

عَرَفْتَنِي بِالْحِجَازِ وَ اُنْكُرْتَنِي بِالْعِرَاقِ ، فَمَا عَدَا مِمَّا بَدَا ؟ (خطبہ نمبر 31، جملہ نمبر 6-7)

”تجھے حجاز میں تو میرا تعارف تھا مگر عراق میں آ کر تو میرا منکر ہو گیا ہے یہ بتاؤ کہ وہ کیا ساز و سامان ہے جس کی بنا پر یہ نئی صورت حال ظہور میں آئی ہے؟“

زیر نے عبد اللہ ابن عباس کو کیا جواب دیا تھا؟ ہمیں معلوم نہیں ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ عبد اللہ نے یہ پیغام یا سوال زیر کو پہنچایا تھا یا نہیں۔ بہر حال ہمیں معلوم ہے کہ زیر حضرت علی علیہ السلام کے منکر رہتے ہوئے میدان جنگ جمل میں قتل ہوا تھا۔ اور یہ کہ بغاوت اور اللہ و رسولؐ کے خلاف جنگ کرنے کا مجرم اور شدید ترین دنیاوی عذاب کا اور جہنم کے دائمی عذاب کا حقدار تھا۔ اور یہ کافی ہے۔

طلحہ سے ملاقات نہ کرنے کی تاکید کا سبب حضورؐ نے طلحہ کی سرکشی اور بد باطنی بتایا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے عبد اللہ بن عباس سے فرمایا تھا کہ:

لَا تَلْقَيْنِ طَلْحَةَ فَإِنَّكَ إِن تَلَقْتَهُ تَجِدَهُ كَالثَّوْرِ عَا قِصَا قِرْنَهُ ؛ يَرْكَبُ الصَّعْبَ وَيَقُولُ : هُوَ الذَّلُولُ ؛ وَلَكِنَّ الْقِ الزُّبَيْرِ فَإِنَّهُ الْيُنِّ

عَرَبِيَّةٌ ؛ فَقُلْ لَهُ : يَقُولُ لَكَ ابْنُ خَالِكَ : عَرَفْتَنِي بِالْحِجَازِ وَ اُنْكُرْتَنِي بِالْعِرَاقِ ، فَمَا عَدَا مِمَّا بَدَا ؟ (خطبہ 31)

تم طلحہ سے ملاقات نہ کرنا اگر کہیں تم نے اس سے ملاقات کی تو تم اسے اس جنگلی سانڈ کی طرح پاؤ گے جو حملہ کرنے کے لئے سینگ جھکائے ہوئے ہو۔ وہ سخت صورت حال پر سوار ہو جایا کرتا ہے اور کہا کرتا ہے کہ: وہ تو میرے لئے بہت حقیر سا معاملہ ہے۔ اور تمہیں زیر سے ملاقات کرنا چاہئے بلاشبہ وہ طلحہ سے نرم خو اور بردبار ہے۔ چنانچہ تم اس سے کہنا کہ تیرے ماموں زاد بھائی نے کہا ہے کہ: تم حجاز میں تو میرے ساتھ متعارف تھے اور عراق آ کر تو نے مجھے اجنبی سمجھ لیا یعنی میرا منکر ہو گیا ہے۔ وہ کیا ساز و سامان ہے جس سے یہ نئی صورت حال ظہور میں آئی ہے؟

1- طلحہ اور زیر کے متعلق حضرت علیؑ کے چند دیگر ریمارکس۔

زیر کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کے ریمارکس آٹھویں خطبے میں بیان ہو چکے ہیں۔ وہاں حضورؐ نے زیر کا یہ عذر بیان فرمایا ہے کہ:

”میں نے صرف ہاتھ سے بیعت کی تھی دل سے نہیں کی تھی“

اس عذر پر سرکار نے ایسا اعتراض کیا ہے جس کا جواب زیر ہی سے نہیں بلکہ زیر کے تمام طرفداروں سے بھی ناممکن ہے۔ فرمایا تھا کہ:

”زیر کا یہ تسلیم کر لینا کہ اُس نے ”ہاتھ سے بیعت کی تھی“ بیعت پر برقرار رہنے اور اُس وقت تک میری اطاعت کرتے رہنے کی دلیل

ہے۔ جب تک وہ اپنے قلبی ارادے کا مادی و مشہود ثبوت پیش نہ کر دے۔“

لہذا وہ کوئی ثبوت پیش نہ کر سکا اور جنگ کرنے پر مصرر ہا اور جنگ کی دوران مارا گیا۔ اس لئے اس پر بغاوت اور اللہ و رسولؐ سے جنگ

کا جرم ثابت ہو گیا جو اُسے جہنمی ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

(الف) طلحہ اور زیر نے عام لوگوں کی طرح بیعت نہیں کی تھی بلکہ حضرت علیؑ کے ساتھ زبردستی بیعت کی تھی۔

چونکہ ہم نے پوری نچ البلاغہ کا ترجمہ پیش کرنا ہے لہذا ہم حوالے دینے کے لئے نہ خطبوں کی عربی یہاں لکھیں گے نہ اپنا ترجمہ لکھیں گے

تا کہ طول سے محفوظ رہیں۔ اس لئے صرف مفتی جعفر حسین کا ترجمہ پیش کر کے عنوانات کو ثابت کرتے چلے جائیں گے۔ لہذا دیکھئے حضرت علی علیہ السلام طلحہ اور زبیر کا حال یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

”تم اس طرح شوق و رغبت سے بیعت بیعت پکارتے ہوئے میری طرف بڑھے جس طرح نئی بیانی ہوئی اُونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف آئیں۔ میں نے اپنے ہاتھوں کو اپنی طرف سمیٹا تو تم نے انہیں اپنی طرف پھیلا یا۔ میں نے اپنے ہاتھوں کو تم سے چھیننا چاہا مگر تم نے انہیں کھینچا۔ خدا یا اُن دونوں نے میرے حقوق کو نظر انداز کیا۔ اور مجھ پر ظلم ڈھایا ہے اور میری بیعت کو توڑ دیا ہے۔ اور میرے خلاف لوگوں کو اکسایا ہے۔ لہذا تو، جو اُنہوں نے گرہیں لگائی ہیں انہیں کھول دے۔ اور جو اُنہوں نے بٹا ہے اُسے مضبوط نہ ہونے دے۔ اور اُنہیں اُن کی اُمیدوں اور کرتوتوں کا برا نتیجہ دکھا۔ میں نے جنگ چھڑنے سے پہلے اُنہیں باز رکھنا چاہا اور لڑائی سے قبل اُنہیں ڈھیل دیتا رہا۔ لیکن اُنہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور عافیت کو ٹھکرا دیا“۔ (خطبہ نمبر 135)

یہ تھے وہ دونوں ملاعین جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے اوپر گریہ کی تھی۔ اور سمجھے تھے کہ اقتدار و حکومت میں ساجھے دار بنایا جائے گا۔ (ب) طلحہ و زبیر کو اقتدار و حکومت میں حصہ نہ ملا اور ناجائز طرف داری کی اُمید نہ رہی تو اپنا جرم علی پر لگانے کا انتظام کیا تھا۔

طلحہ اور زبیر نے حضرت علی علیہ السلام سے وہی اُمید کی تھی جو انہیں ابوبکر و عمر سے تھی یعنی جس طرح ابوبکر و عمر نے اپنی زوردار حمایت و تائید کرنے والوں کو ہر جائز و ناجائز مدد دی کروڑوں بچی بنایا تھا۔ اسی طرح علیؑ کی بیعت میں مبالغہ کرنے اور خوشامداندہ رویہ رکھنے سے علیؑ بھی انہیں مزید دولت مند بنائیں گے۔ عہدے اور حکمرانی کے مواقع دیں گے اور قتل عثمان کے انتقام سے بچانے میں مددگار ہوں گے۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام نے تو ابوبکر و عمر کے طریقہ کار کا انکار کر کے آتی ہوئی حکومت کو لات ماری تھی۔ اُنہوں نے تو اعلان کیا تھا کہ وہ قرآن و رسول کے مطابق حکومت کریں گے۔ اس لئے طلحہ و زبیر واپس ہو گئے اور شکوے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے۔ فریقین کی گفتگو سننے:

”حضرت کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد طلحہ اور زبیر نے آپ سے شکایت کی کہ اُن سے اُمور حکومت میں مشورہ نہیں لیا جاتا اور کیوں اُن سے امداد کی خواہش نہیں کی جاتی؟ تو حضرت نے فرمایا:

”ذرا سی بات پر تو تمہارے تیور بگڑ گئے ہیں اور بہت سی چیزوں کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ کیا مجھے بتا سکتے ہو کہ کسی چیز میں تمہارا حق تھا اور میں نے اُسے دبا لیا ہو؟ یا تمہارے حصے میں کوئی چیز آتی ہو اور میں نے اُس سے دریغ کیا ہو؟ یا کسی مسلمان نے میرے سامنے کوئی دعویٰ پیش کیا ہو اور میں اُس کا فیصلہ کرنے سے عاجز یا اُس کے حکم سے جاہل رہا ہوں؟ یا صحیح طریقہ کار سے خطا کی ہو۔ خدا کی قسم مجھے تو کبھی بھی اپنے لئے خلافت و حکومت کی حاجت و تمنا نہیں رہی تم ہی لوگوں نے مجھے اس کی طرف دعوت دی اور اس پر آمادہ کیا۔ چنانچہ جب وہ مجھ تک پہنچ گئی تو میں نے اللہ کی کتاب کو نظر میں رکھا اور جو لائحہ عمل اُس نے ہمارے سامنے پیش کیا اور جس طرح فیصلہ کرنے کا اُس نے حکم دیا میں اُس کے مطابق چلا اور جو سنت پیغمبرؐ قرار پائی اُس کی پیروی کی۔ اُس میں نہ تو تم سے کبھی مجھے رائے لینے کی احتیاج ہوئی اور نہ تمہارے علاوہ کسی اور سے۔ لیکن تم نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ میں نے بیت المال سے برابر کی تقسیم جاری کی ہے تو یہ میری رائے کا حکم اور میری خواہش نفسانی کا فیصلہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہی طے شدہ چیز ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے جو میرے بھی سامنے ہے اور تمہارے بھی پیش نظر ہے۔ تو جس چیز کی اللہ نے حد بندی کر دی اور اُس کا قطعی حکم دے دیا اُس میں تم سے مجھے رائے لینے

کی احتیاج نہیں ہے۔ (خطبہ نمبر 203)

بات واضح اور صاف ہوگئی کہ طلحہ وزیر جب اپنا مطلوبہ ابلسی مقصد حاصل نہ کر سکے تو اُن کے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا کہ بغاوت کریں۔ الزامات گھڑیں اور عثمان کے قتل کا انتقام لینے کی آڑ میں علیؑ سے حکومت چھین لینے کا مشن چلائیں اور ساری ملعون قوم کو ساتھ ملا لیں۔

(ج) طلحہ اور زبیر اسلام اور مسلمانوں کو قریش کی مدد سے نبوت سے پہلے دین پر پلٹانا چاہتے تھے؟

اس خطبے (نمبر 203) میں یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت علیؑ نے ابو بکر و عمر کے طریقوں کو مسما کرنا اور مسلمانوں کو از سر نو قرآنی تعلیمات پر قائم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور یہ چیز قریش کو کسی صورت میں اور کسی قیمت پر منظور نہ تھی۔ لہذا قریش نے یہ بھی بھلا دیا کہ طلحہ وزیر ہی عثمان کے قتل کا سبب بنے تھے اور آنکھیں بند کر کے طلحہ وزیر کے ساتھ مل گئے اور عثمان کا قصاص لینے کے بہانے علیؑ سے حکومت چھین لینا ضروری سمجھا۔ لیکن اُن دونوں کے لئے حضرت علیؑ نے یہ فرمایا ہے کہ:

”یہ لوگ جہاں تک میری خلافت سے ناراضا مندی کا تعلق ہے وہ آپس میں متفق ہو چکے ہیں..... اگر وہ اپنی رائے کی کمزوری کے باوجود اُس میں کامیاب ہو گئے تو مسلمانوں کا نظم و نسق ٹوٹ جائے گا۔ یہ اُس شخص پر جسے اللہ نے امارت و خلافت دی ہے حسد کرتے ہوئے اس دنیا کے طلب گار بن گئے ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ تمام امور شریعت کو پلٹا کر دور جاہلیت کی طرف لے جائیں۔“ (خطبہ نمبر 167)

(د) عاشق کو شہر بہ شہر لئے پھرنا، اپنے لشکر سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کرنا، اُن کا مجموعی قتل کرنا جائز تھا۔

طلحہ اور زبیر کے جرائم کی فہرست جس کی رُو سے اُن دونوں کا مع اُن کی فوج کے قتل کیا جانا جائز تھا۔

ارشاد فرمایا ہے کہ:

”وہ لوگ مکہ سے بصرہ کا رخ کئے ہوئے اس طرح نکلے کہ رسول اللہ کی حرمت و ناموس کو یوں کھینچے پھرتے تھے جس طرح کسی کینز کو فروخت کے لئے شہر بہ شہر پھرایا جاتا ہے۔ اُن دونوں نے اپنی بیویوں کو تو گھروں میں روک رکھا ہے اور رسول اللہ کی بیوی کو اپنے اور دوسروں کے سامنے کھلے بندوں لے آئے تھے۔ ایک ایسے لشکر میں کہ جس کا ایک ایک فرد میری اطاعت تسلیم کئے ہوئے تھا۔ اور برضا و رغبت میری بیعت کر چکا تھا۔ یہ لوگ بصرے میں میرے مقرر کردہ عامل اور مسلمانوں کے بیت المال کے خزانہ داروں اور وہاں کے دوسرے باشندوں تک پہنچ گئے۔ اور کچھ لوگوں کو قید کے اندر مار مار کے اور کچھ لوگوں کو حیلہ و مکر سے شہید کیا۔ خدا کی قسم اگر وہ صرف ایک ناکردہ گناہ مسلمان کو عمداً قتل کرتے تو بھی میرے لئے جائز ہوتا کہ میں اُس تمام لشکر کو قتل کر دوں۔ کیوں کہ وہ موجود تھے۔ اور اُنہوں نے نہ تو اُسے بُرا سمجھا اور نہ زبان و ہاتھ سے اُس کی روک تھام کی چہ جائیکہ اُنہوں نے مسلمانوں کے اتنے آدمی قتل کر دیئے جتنی تعداد خود اُن کے لشکر کی تھی جسے لے کر اُن پر چڑھ دوڑے تھے۔“ (خطبہ نمبر 170)

قارئین سوچیں کہ علیؑ نے قریش کو کس قدر ضرورت تھی؟ اور کتنا خون بہا دینا ضروری سمجھتے تھے؟ اور وہ کس بے دینی اور بددیانتی سے بے رحمی اور سنگدلی پر عمل کر سکتے تھے۔ اسی خطبے کی ابتدا میں حضرت علیؑ نے اپنی حق تلفی کے سلسلے میں قریش اور قریشی لیڈروں کی شکایت و حالت یوں سناتے ہیں کہ:

(ہ) قریش نے حضرت علی کو ان کی حکومت سے محروم کرنے کے لئے مکہ و فریب کی انتہا کر دی تھی۔

”مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ اے ابن ابی طالب آپ تو اس خلافت پر لپچائے ہوئے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ خدا کی قسم تم اس پر کہیں زیادہ حریص اور اس منصب کی اہلیت سے کہیں زیادہ دُور ہو۔ اور میں اس کا اہل اور پیغمبر سے نزدیک تر ہوں۔ میں نے تو اپنا حق طلب کیا ہے۔ اور تم میرے اور میرے حق کے درمیان حائل ہو جاتے ہو اور جب اُسے حاصل کرنا چاہتا ہوں تو تم میرا رخ موڑ دیتے ہو۔ چنانچہ جب بھری محفل میں، میں نے اس دلیل سے اُس کے کان کے پردوں کو کھٹکھٹایا تو چونکا ہوا اور اس طرح مہوت ہو کر رہ گیا کہ اُسے کوئی جواب نہ سوجھتا تھا۔ خدا یا میں قریش اور ان کے مددگاروں کے خلاف تجھ سے مدد چاہتا ہوں۔ کیوں کہ انہوں نے قطع رحمی کی ہے۔ اور میرے مرتبہ کی بلندی کو پست سمجھا ہے اور اس خلافت پر، جو میرے لئے مخصوص تھی، ہلکانے کے لئے ایکا کر لیا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ حق تو یہی ہے کہ آپ اسے لیں اور یہ بھی حق ہے کہ آپ اس سے دستبردار ہو جائیں“ (خطبہ نمبر 170)

(و) طلحہ اور زبیر دونوں خلیفہ بن جانے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے تھے اور دونوں میں مخالف تھے مگر علیؑ کے خلاف متفق اور دوست تھے اب یہ سنئے کہ طلحہ اور زبیر حضرت علی علیہ السلام سے حکومت چھین لینے پر تو متفق تھے مگر آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ یعنی قریش علی علیہ السلام کی مخالفت میں اپنے تمام اختلافات اور دشمنیاں فراموش کر کے متحد و متفق ہو جایا کرتے تھے۔ سنئے:

”ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے لئے خلافت کا امیدوار ہے۔ اور اُسے اپنی ہی طرف موڑ کر لانا چاہتا ہے۔ نہ کہ اپنے ساتھی کی طرف۔ وہ اللہ کی طرف کسی وسیلہ سے تو سہل نہیں ڈھونڈتے اور نہ کوئی ذریعہ لے کر اُس کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف سے دلوں میں کینہ لئے ہوئے ہیں اور جلدی ہی اس سلسلے میں بے نقاب ہو جائیں گے۔ اگر وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائیں تو ایک ان میں سے دوسرے کو جان ہی سے مار ڈالے۔ اور ختم کر کے ہی دم لے“ (خطبہ نمبر 146)

(ز) طلحہ اور زبیر کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں ان سے عثمان کے قتل پر باز پرس نہ ہو جائے اس لئے علیؑ کے خلاف اُٹھے تھے۔

طلحہ و زبیر پہلے نمبر پر قتل عثمان کے الزام سے بچنا چاہتے تھے اس لئے کہ اس جرم کے باوجود قریش ان کو خلیفہ نہ بناتے لہذا انہوں نے علی علیہ السلام سے قصاص کی آڑ میں خلافت چھین لینے کا پروگرام بنایا تھا۔ تاکہ جنگ کے دوران یہ مان لیا جائے کہ اصل قاتل طلحہ و زبیر نہیں تھے بلکہ علیؑ تھے اور اگر طلحہ و زبیر نے عثمان کے خلاف کچھ اقدامات کئے بھی تھے تو یہ سمجھا جائے کہ وہ حضرت علیؑ کے اشارے اور رضامندی سے کئے تھے۔ اور جب حکومت چھین لیں تو بلا کسی رکاوٹ کے وہ خلیفہ بن جائیں۔ یہ صورت حال حضرت علی علیہ السلام سے سنئے اور دیکھئے کہ آنحضرتؐ کا کیریکٹر کس طرح تمام عائد کردہ الزامات و اتہامات و شکوک و شبہات سے پاک رہا؟

”مجھے تو کبھی بھی حرب و ضرب سے دھمکایا اور ڈرایا نہیں جاسکا ہے۔ میں اپنے پروردگار کے کئے ہوئے وعدہ نصرت پر مطمئن ہوں۔ خدا کی قسم وہ خون عثمان کا بدلہ لینے کے لئے کبھی ہوئی تلوار کی طرح اس لئے اُٹھ کھڑا ہوا ہے کہ اُسے یہ ڈر ہے کہ کہیں اُس سے عثمان کے خون کا مطالبہ نہ ہونے لگے۔ اس لئے کہ لوگوں کا ظن غالب اُس کے متعلق یہی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ قتل کرنے والی جماعت میں اس سے بڑھ کر اُن کے خون کا پیسا ایک بھی نہ تھا۔ چنانچہ اُس نے خون کا عوض لینے کے لئے جو فوجیں فراہم کی ہیں اس سے یہ چاہا ہے کہ لوگوں کو مغالطہ دے تاکہ حقیقت مشتبہ ہو جائے اور اس میں شک پڑ جائے۔ خدا کی قسم اُس نے عثمان کے معاملے میں ان تین باتوں میں سے کسی

ایک بات پر بھی تو عمل نہیں کیا۔ 1۔ اگر ابن عفان جیسا کہ اُس کا خیال تھا، ظالم تھا تو اس صورت میں اُسے چاہئے تھا کہ اس کے قاتلوں کی مدد کرتا یا عثمان کے مددگاروں سے علیحدگی اختیار کر لیتا۔ 2۔ اور اگر عثمان مظلوم تھا تو اس صورت میں اُس پر لازم تھا کہ اس کے قتل سے روکنے والوں اور اُس کی طرف سے عذر و معذرت کرنے والوں میں سے ہوتا۔ 3۔ اور اگر ان دونوں باتوں میں اُسے شبہ تھا۔ تو اس صورت میں اُسے یہ چاہئے تھا کہ اُس سے کنارہ کش ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا اور اُسے لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیتا۔ لیکن اُس نے ان باتوں میں سے کسی پر بھی عمل نہ کیا اور ایک ایسی بات کو لے کر سامنے آ گیا جس کی صحت کی کوئی صورت ہی نہیں اور نہ اس کا کوئی عذر درست ہے۔ (خطبہ نمبر 172)

(ح) طلحہ وزبیر کے ساتھ ساتھ عائشہ بھی ایسی ہی دشمن تھی جو دشمن کے ساتھ کسی عدل و انصاف و دیانت کو جائز نہ رکھتے تھے بلکہ تہمت بھی لگاتے تھے آخر میں ایسا خطبہ آ رہا ہے جس میں طلحہ اور زبیر کے ساتھ پھر عائشہ کا ذکر فرمایا ہے اور اسے اُن دونوں کی سازش میں برابر کا شریک قرار دیا ہے۔ سنئے ارشاد ہے کہ:

”خدا کی قسم اُنہوں نے مجھ پر کوئی سچا الزام نہیں لگایا اور نہ اُنہوں نے میرے اور اپنے درمیان انصاف برتا ہے۔ وہ مجھ سے اس حق کا مطالبہ کرتے ہیں جسے اُنہوں نے خود ہی چھوڑ دیا تھا (یعنی شوریٰ میں ناکام ہوئے اور خلافت عثمان کو مل گئی۔ اور مجھے خود بیعت کر کے اپنا خلیفہ بنایا لہذا خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد خلافت مانگتے ہیں) اور اُس خون کا بدلہ چاہتے ہیں جسے اُنہوں نے خود بہایا ہے..... اُن کے عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ وہ خود اپنے خلاف حکم لگائیں۔ اور میرے ساتھ تو میری بصیرت کی جلوہ گری ہے نہ میں نے خود کو دھوکا دیا نہ مجھے دھوکا دیا جاسکا۔ اور بلاشبہ یہی وہ باغی گروہ ہے جس میں ایک ہمارا سگا (زبیر) اور ایک بچھو کا ڈنک (حمیرا) ہے۔ اور حق پر سیاہ پردے ڈالنے والے شیعہ ہیں۔ اب تو حقیقت حال کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ اور باطل اپنی بنیادوں سے ہل چکا ہے، (خطبہ نمبر 135)

2۔ قریش نے سرتوڑ کوشش کی ہے کہ وہ خود کو نسل ابراہیم علیہ السلام اور خانوادہ نبوت میں سے ثابت کر دیں لیکن ہم نے اس فریب و سازش کو بھی باطل کر دیا ہے۔

قریشی حکومتوں نے اپنی تیار کردہ تواریخ و تفاسیر و سوانح میں اور احادیث کے مجموعوں میں مسلسل چار سو سال تک طرح طرح اور بار بار یہ لکھا کہ قریش اسی نسل ابراہیمی کا ایک قبیلہ ہے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور قریشی اصرار و تکرار و متواتر چلے آنے والے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اور قریشی تصنیفات و بیانات اور تقاریر کو حق سمجھ کر اُمت کے تمام علما نے یہ مان لیا کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے ابا و اجداد، عبد اللہ، ابوطالب، عبدالمطلب وغیرہ بھی قریشی ہیں۔ اور یہ کہ عباس و ابولہب وغیرہ ملاعین، معاذ اللہ، رسول اللہ کے حقیقی چچا تھے۔ اور یہی نہیں بلکہ خانوادہ رسول کو اور حضرت عدنان علیہ السلام کو قیدار کی اولاد میں شمار کیا ہے۔ یعنی شجرہ ملعونہ کے ان لوگوں نے آنحضرت کے پورے شجرے ہی کو انتقاماً غلط کر کے مشہور کر دیا ہے۔ اور اُمت کے تمام علما نے ہی نہیں بلکہ خود سیدوں نے بھی اس غلط انتساب پر اتفاق و اتحاد قائم کر لیا۔ اس سلسلے میں پوری تحقیق و تفصیل ہماری کتاب مرکز انسانیت میں ملاحظہ ہو۔ یہاں تو آپ کو علامہ شلی کی مشہور عالم کتاب ”سیرۃ النبی“ سے دو مختصر بیانات دکھا کر آگے بڑھ جائیں گے۔ علامہ لکھتے ہیں کہ:

”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

”سلسلہ نسب“

”سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نصر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ صحیح بخاری باب مبحث النبی میں یہیں تک ہے لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عدنان سے حضرت ابراہیم تک نام گنائے ہیں۔ یعنی عدنان بن عدد بن المقوم بن تاریخ بن یثجب بن یعب بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیم“

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، جن کا ذکر تورات میں بھی ہے۔ اُن میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی اُن ہی کی اولاد میں عدنان ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن ہی کے خاندان سے ہیں۔“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 160)

اس بیان میں آپ نے حضرت عدنان سے نام بنام شجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک تاریخ بخاری اور شبلی کے قلم سے دیکھا۔ اُسے پھر دیکھئے اور تلاش کیجئے کہ کہیں اُن اٹھ ناموں میں، جو حضرت عدنان علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاتے ہیں، کہیں قیدار کا نام ہے؟ وہاں تو حضرت عدنان کے والد، دادا، پردادا بڑھتے بڑھتے حضرت نابت علیہ السلام تک جاتے ہیں جو حضرت اسماعیل کے بڑے بیٹے اور حضرت ابراہیم کے پوتے ہیں۔ یعنی حضرت عدنان کے ابا و اجداد حضرت نابت کی اولاد ہیں۔ اس خاندان کا قیدار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت نابت علیہ السلام کے خاندان سے ہیں نہ کہ قیدار کے خاندان سے۔ لہذا معلوم ہوا کہ علامہ شبلی کی طرح قریش پرست اور اُن کے وظیفہ خوار وہم مذہب علمائے ہاتھ کی صفائی سے اُسی طرح فریب دیا جیسا شبلی نے دیا ہے۔

شبلی نسب نامہ کی اس فریب سازی کو عربی نسابوں کی اتقاقیہ غلطی کہتے ہیں۔

آگے چل کر علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

”علامہ سہیلی نے بہت سے تاریخی حوالوں اور شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ ”عدنان“ سے حضرت اسماعیل تک چالیس پشتوں کا فاصلہ ہے، اس غلطی نے بعض عیسائی مورخوں کو اس بات کا موقع دیا ہے کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندان ابراہیم سے ہیں۔ اس غلطی کی زیادہ وجہ یہ ہوئی کہ اہل عرب زیادہ تر مشہور آدمیوں کے نام پر اکتفا کرتے تھے۔ اور بیچ کی سیڑھیوں (پشتوں) کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اہل عرب کے نزدیک چونکہ ”عدنان“ کا حضرت اسماعیل کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا۔ اس لئے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلہ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے۔ اوپر کے اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے اس لئے چند مشہور آدمیوں کا نام لے کر چھوڑ دیتے تھے۔“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 161-162)

بات کھل گئی کہ عرب کے بھانڈ جس کا نام چاہتے تھے شجرہ سے خارج کر دیتے تھے اور جس کا نام چاہتے مشہور کی آڑ میں داخل کر دیتے تھے۔ جس نے زیادہ خیر خیرات دی شجرہ کو اس کی طرف موڑ دیا۔ دراصل عرب میں ایک مخلوط و ملعون نسل کے لوگ رہتے تھے (قرآن نساء 4/23) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل میں حضرت آدم علیہ السلام تک نہ کوئی کافر و منکر خدا گزارا تھا نہ زانی اور بدچلن پیدا ہوا تھا وہ سب ماں باپ کی طرف سے پاکیزہ لوگ تھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ میں آکر آباد ہوئے تو عربوں نے کوشش شروع کی کہ اُن کی نسل سے ربط و ضبط و رشتہ داریاں

پیدا کریں اور رفتہ رفتہ نسل ابراہیمی میں شمار ہو جائیں۔ اس کوشش میں بھی انہوں نے حد درجہ کی بد معاشیاں، چالاکیاں اور فریب سازیاں کیں اور رفتہ رفتہ وہ ابراہیمی نسل بن بیٹھے۔ اور قریش کی مسلمان خلائفوں نے تو ایسا ریکارڈ تیار کر دیا کہ قریش کے نسب پر انگلی اٹھانا مشکل ہو گیا۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے ریکارڈ اور شجروں کو اس طرح مرتب کیا کہ اگر قریش کے نسب میں خامی، غلطی یا فراڈ ثابت ہو جائے تو ساتھ ہی محمد بھی نسل ابراہیم سے خارج ہو جائیں۔ اور اس ڈر سے لوگ زبان بند رکھیں کہ اپنا رسول بھی ہاتھ سے جا رہا ہے۔ بہر حال قریش نے جو کچھ کیا اور جس طرح کیا اُسے چھوڑ کر خود شبلی سے دریافت کیا جائے گا کہ تو نے تاریخ بخاری سے حضرت عدنان کو جناب نابت علیہ السلام کی اولاد میں لکھا اور صرف دو سطروں کے اندر ہی اندر انہیں قیدار کی اولاد دکھ دیا یہ کیوں؟ سنو ابو بکر و عمر کے مذہب پر علما ہوں یا عوام اُن سے یہ اُمید رکھنا ہی غلط ہے کہ وہ حق بات کہیں گے یا حق کو پسند کریں گے۔ اُن کا تو آوے کا آوہی باطل ہے۔ یاد رکھیں کہ مکہ میں خانوادہ محمد و علیؑ کے چند عزیزوں کے سوا کوئی اُن کے خاندان یا قبیلے کا آدمی نہ تھا۔ البتہ مدینہ میں انصار سب کے سب اُن کے قبیلے کے لوگ تھے۔ وہ غیروں بلکہ دشمنوں میں سے نکل کر ہجرت کر کے اپنوں میں، اپنے قبیلے اور خاندان میں گئے تھے۔ بہر حال یہ سب باتیں اس لئے نئی معلوم ہوتی ہیں کہ قریش اور قریشی علما نے چودہ سو سال سے برابر تاریخ و تفسیر وحدیث میں فریب و فراڈ جاری رکھا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب ارض القرآن سے صحیح شجرہ دکھیے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ: حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اُن کا نسب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ:

”ہم گوئی (واقع عراق) کے بظ ہیں“۔ (نَحْنُ كُوَيْبِيُّ النَّبِطِيِّ) اور یہ بالاتفاق معلوم ہے کہ وہ اسماعیلی قریشی عرب تھے۔ اس سے

ثابت ہوگا کہ بظ اسماعیلی عرب ہیں جو عراق تک پھیلے تھے۔ نابت کی بقیہ اولادیں، خود اندرون ملک میں بھی تھیں۔ اور متعدد وجوہ سے

ہماری رائے یہ ہے کہ عرب شمالی کی وہ اکثر قومیں جو غلطی سے قحطانی کہلاتی ہیں وہ دراصل نابتی ہیں۔ من جملہ دیگر قبائل کے غسان اور اوس

و خزرج کے متعلق تو بتصریح ثابت ہے کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ نابتی ہیں۔ تفصیل آتی ہے۔ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 59-58)

نوٹ کریں کہ سلیمان صاحب نے بھی یہ جملہ قریش پرستی میں لکھا ہے کہ ”وہ اسماعیلی قریشی عرب تھے“ یہ بھی سمجھ کر آگے بڑھیں کہ یہ قریشی فراڈ ہے

کہ خود قحطانی ہوتے ہوئے اسماعیلی بن گئے اور انصار کے اوس و خزرج اور غسان کے قبیلوں کو قحطانی بنا کر ریکارڈ تیار کیا گیا تھا۔ (تفصیل کتاب

”مرکز انسانیت“ میں ملاحظہ فرمائیں)

3۔ زبیر کو ماموں زاد یا خالہ زاد بھائی کہہ دینے سے نہ زبیر علیؑ کے خاندان کا فرد بنتا ہے نہ قریش کا محمد و علیؑ سے خاندانی و نسبی و نسلی رشتہ قائم

ہوتا ہے؟

حضرت علیؑ علیہ السلام نے اس خطبہ 31 میں عبد اللہ ابن عباس کو زبیر کے پاس بھیجتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ تم زبیر سے یہ کہنا کہ:

يَقُولُ لَكَ ابْنُ خَالِكَ : ”تجھ سے تیرا ماموں کا یا خالو کا بیٹا کہتا ہے“

اس جملے سے زبیر کو محمد و علیؑ (صلوٰۃ اللہ علیہما) کے خاندان میں شمار کرنا غلط ہے۔

ساری دنیا کی اقوام جانتی ہیں کہ عورتوں کی بنیاد پر نسلوں اور خاندانوں میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔ یعنی جس خاندان کی لڑکی کسی خاندان میں شادی

ہو کر جائے وہ لڑکی والا خاندان لڑکی کے شوہر کے خاندان میں شمار نہیں ہوتا اور نہ لڑکے کا خاندان لڑکی کے خاندان میں شمار ہوتا ہے۔ ساری دنیا یہ

مانتی ہے کہ خاندان یا نسل بیٹوں سے چلتی اور شمار ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ: ”مادرِ زبیر صفیہ خواہر ابوطالب است“، یعنی ”حضرت ابوطالب کی بہن صفیہ زبیر کی والدہ تھیں“ (ترجمہ نوح البلاغہ علی نقی طہرانی) قریشی سازش اور افسانہ طراز یوں کے بعد یقین و اطمینان سے یہ ماننا کہ واقعی حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ایک بہن تھی اور اُس کا نام صفیہ ہی تھا۔ اور وہ زبیر کی ماں بھی تھیں، ہمارے لئے ممکن نہیں۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے تو بھی زبیر علیؑ و محمدؐ کے خاندان کا فرد نہیں بن جاتا۔ پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ قریشی عزیزوں اور رشتہ داروں یا بھائیوں سے یہ نہیں کہا جاتا کہ:

(1) ”تو حجاز میں مجھے جانتا یا پہچانتا تھا“ یا یہ کہ:

(2) ”حجاز میں تو مجھ سے متعارف یا واقف تھا اور عراق آ کر میرا منکر ہو گیا ہے“

ایسی بات تو بالکل غیر متعلق لوگوں سے کہی جاتی ہے جن سے اتفاقہ و واقفیت ہوگئی ہو۔ جن کے لئے بھول جانے یا بھلا دینے کا امکان ہو۔ پھر یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ عرب لوگ لوگوں کو رشتوں سے پکارنے میں یہ نہیں دیکھتے تھے کہ جسے پکار رہے ہیں یا جسے مخاطب کر رہے ہیں اُس سے درحقیقت کوئی رشتہ داری یا سابقہ واقفیت ہے بھی یا نہیں۔ بلکہ وہ جو بات کہنا چاہتے ہیں اُسے اثر انگیز و نتیجہ خیز بنانا مقصود ہوتا تھا۔ یعنی اُن کا خطاب خود غرضانہ اور خوشامداندہ ہوتا تھا۔ لہذا اُن کے خطاب یا اُن کی پکار کو دلیل بنانا بڑی ناسمجھی اور ناقابلِ اندیشی کی بات ہے۔ اور یہ بھی یہیں سمجھ لیں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام ساری عمر قریش کو اپنے کلام اور طرزِ گفتگو سے بے وقوف بناتے رہے ہیں۔ وہ عموماً ایسے جملے بولتے رہے کہ عرب کے عوام اُن کی بات فوراً اور صحیح سمجھیں اور خواص یعنی فصاحب و بلاغت اور زبان دانی اور سخنوری کے دعویدار اُلجھ کر رہ جائیں اور جو کچھ پلٹے پڑے اُس پر مطمئن نہ ہو سکیں۔ یہی طرزِ کلام تھا جس کی بنا پر وہ عربوں کی اور قریش کی بھرپور مذمت کر سکے اور جو کہنا چاہا وہ ہزاروں کے مجمع میں منبر یا گھوڑے کی بلندی سے بنا گ دُہل فرماتے رہے۔ اور قریش کی جابر و قاہر و جانی دشمن حکومتیں پابندی نہ لگا سکیں۔

(الف) زبیر کے متعلق حضورؐ کا ایک اور جملہ جس پر علمائے قریش نے زبیر کو حضراتِ محمدؐ علیؑ کا عزیز و رشتہ دار بنایا ہے۔ اور ایک جاہل مفتی و مجتہد نے اُسے سگایا حقیقی عزیز مانا ہے۔

طلحہ زبیر کے متعلق حضرت علیؑ علیہ السلام کے خطبوں کے جملے لکھتے ہوئے ہم نے اپنے آخری حوالے (1-ح) میں مفتی و مجتہد جعفر حسین کا یہ ترجمہ لکھا ہے: ”بلاشبہ یہی وہ باغی گروہ ہے جس میں ایک ہمارا سگا (زبیر ہے) اور ایک بچھو کا ڈنک (حمیرا) ہے“ (ترجمہ نوح البلاغہ جلد 2 صفحہ 43) جس عربی جملے کا یہ مفنیانہ ترجمہ ہے وہ نوح البلاغہ میں یوں موجود رہتا چلا آیا ہے کہ: ”وَإِنَّهَا لِلْفَيْئَةِ الْبَاغِيَّةِ فِيهَا الْحَمَا وَالْحَمَةُ“ جملے کے چند اور ترجمے۔

اس جملے میں حضرت علیؑ علیہ السلام نے آخری دو الفاظ ”الْحَمَا“ اور ”الْحَمَةُ“ ایسے فرمادیئے ہیں جن پر علما اُلجھتے رہے ہیں۔ ان کے معنی کو واضح کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ مفتی جعفر حسین کے ساتھ ساتھ آپ دوسرے مترجمین کے ترجمے بھی دیکھ لیں تو زیادہ مفید ہوگا۔ رئیس احمد ترجمہ ”اور درحقیقت یہی گروہ ستمگارا اور تباہ کار ہے۔ ان ہی میں ہے گل سیاہ (فتنہ و فساد) و زہر عقرب (کینہ و دشمنی)۔“

(ترجمہ نوح البلاغہ صفحہ 964)

علی نقی طہرانی فیض الاسلام۔ ”آن ہا گروہی ہستند ستمگرو تباہ کار (چنانکہ رسول اکرمؐ بہن خبر دواہ) درایشاں است گل سیاہ (فتنہ و فساد) کہ بر اثر آن

آسائش اُمت از بین بُرند چنان کہ گل آب صاف را تیرہ می سازد) دزہر عقرب (کینہ و دشمنی)“
 فارسی ترجمہ کا ہمارا اُردو ترجمہ۔ ”اور یہ وہی ستم گرا اور تباہی مچانے والا گروہ ہے (جس کی مجھے رسول اللہ نے خبر دی تھی) اور اُن ہی کے اندر کالی مٹی
 ہے۔ (یعنی فتنہ و فساد ہے جس کے اثر سے اُمت کی سہولتیں اور آسائشیں اُٹھ جائیں گی جیسا کہ مٹی کا کام ہی یہ ہے کہ وہ صاف پانی کو گدلا کر دیتی
 ہے) اور اُسی گروہ میں بچھو کا زہر بھی ہے (یعنی کینہ اور دشمنی بھی ہے)۔“

یہاں یہ خوب سمجھا جا سکتا ہے کہ رئیس احمد نے نچ البلاغہ کا ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ علی نقی مجتہد طہرانی فیض الاسلام کے فارسی ترجمہ کا ترجمہ
 کر کے وہ نچ البلاغہ کے مترجم بن گئے ہیں۔ ہم نے رئیس احمد کے خلاف اب تک کچھ زیادہ نہیں لکھا تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے خود اقرار کیا ہے کہ:
 ”دوسرا نسخہ وہ ہے جو نہایت شاندار طریقے پر ایران (طہران) سے شائع ہوا ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ ضروری تشریحات کے ساتھ اور
 حسب موقع حواشی اور ذیلی مندرجات کے ساتھ ”علامہ تقی الدین فیض الاسلام مجتہد العصر ایران نے فارسی زبان میں کیا ہے۔ اس سے
 میں نے بہت فائدہ اُٹھایا ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ گراں بہا نعمت میرے سامنے نہ ہوتی تو شاید میں یہ کام نہ کر پاتا۔ بار بار اسکے
 حوالے آپ کی نظروں سے گزریں گے۔“ (شذرات ترجمہ نچ البلاغہ مترجمہ رئیس احمد امر وہوی صفحہ 28)

رئیس صاحب نے اپنے سامنے کئی ایک ترجموں کی موجودگی مان کر یہ اعلان کر دیا کہ فیض الاسلام کے فارسی ترجمہ کے نہ ہونے پر مترجم
 نہ بن سکتے تھے یہاں یہ عجیب بات ہے کہ رئیس احمد کی تحویل و ملکیت میں زیر گفتگو ترجمہ برسوں سے ہے اور اپنا ترجمہ کرتے ہوئے کئی سال اُس کی
 ورق گردانی بھی کی تھی مگر مترجم کا نام ”السید علی نقی فیض الاسلام کے بجائے ”تقی الدین“ لکھ مارا ہے۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ انہوں نے صرف فارسی
 ترجمہ کا اُردو ترجمہ کرنے کے لئے اس ترجمہ سے مدد لی ہے۔ ورنہ خطبوں کے متون اور ترتیب اور نمبروں اور صحت الفاظ میں کسی قریشی مترجم کو راہنما
 بنایا ہے۔ اور اکثر عربی عبارات چھوڑ گئے ہیں جن کا ترجمہ موجود ہے اور ترجمہ چھوڑ گئے جن کی عربی موجود ہے۔

علامہ شیخ محمد عبدہ مفتی دیا مصر نے الفاظ الحما اور الحمة کی وضاحت یوں کی ہے۔

” (2) اَلْمَرَادُ بِالْحَمَاهُنَا مطلق القريب والنسيب. وهو كناية عن الزبير فانه من قرابة النبي صلى الله عليه وسلم
 ابن عمته. قالوا و كان النبي اخبر علياً انه ستبغى عليه فنة فيها بعض احماه واحدى زوجاته. والحمة بضم فتح
 كتابة عنها. واصلها الحية او ابرة اللاسعة من الهوام. والله اعلم. (نچ البلاغہ مشرحہ محمد عبدہ حصہ دوم صفحہ 20)

مفتی صاحب نے کیا فرمایا ہمارا ترجمہ۔

” (2) لفظ ”الحما“ سے یہاں سلسلہ نسب میں بہت قریبی رشتہ مراد لیا گیا ہے اور یہ اشارہ ہے زبیر کی موجودگی پر۔ چنانچہ زبیر کو نبی صلی
 اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری میں قرابت حاصل تھی اور وہ حضور کی پھٹی کا بیٹا تھا۔ روایات میں کہا گیا کہ حضرت علی کو رسول اللہ نے خبر
 دی تھی کہ عنقریب تیرے خلاف ایک گروہ بغاوت کرے گا اس میں بعض میرے اُنما (قریبی رشتہ دار) ہوں گے اور میری بیویوں میں سے
 ایک بیوی بھی ہوگی۔ اور اُسی زوجہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس لفظ الحمة سے جو پیش اور زبیر واقع ہوا ہے۔ اور اس لفظ کی اصل یا بنیاد
 اژدھا (بڑا سانپ) ہے یا موزی جانوروں کا ڈنک ہے۔“

(ب) ان ترجموں پر ایک نظر، قریشی پالیسی کا حامی کون ہے؟

قارئین ان تینوں ترجموں میں علی نقی طہرانی نے زیر اور عائشہ کو صاف اڑا دیا۔ یعنی الفاظ ”الْحَمَّامَا“ اور ”الْحُمَّمَةُ“ کے معنی رشتہ دار یا قریبی وغیرہ نہیں کئے بلکہ لغت سے تلاش کر کے ایسے معنی لکھ دئے جو نہ سہی حقیقی معنی مگر لغت میں ملتے تو ہیں یعنی سیاہ مٹی اور بچھوکا زہر۔ چونکہ یہ معنی صحیح نہ تھے اس لئے بریکٹ لگا کر سیاہ مٹی کے غلط معنی فتنہ و فساد بنا دئے اور بچھوکے زہر کے غلط معنی کینہ اور اس کے بعد دشمنی لکھ دیئے۔ اور پھر کھینچ تان کر انہیں فٹ کرنے کی کوشش کی ہے اس کے بعد رئیس احمد کی بات کرنا اس لئے ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے تو طہرانی مجتہد کی نقل کر لی ہے۔ چنانچہ وہ بھی زیر اور عائشہ سے بچ کر نکل گئے۔ ان دونوں کے بعد رہ گئے میاں مفتی جعفر حسین صاحب جو مفت کے مجتہد ہیں۔ انہوں نے قریشی کی پالیسی کو سو فیصد تصدیق کر کے زیر کو حضرت علیؑ کا ”سگا“ اور عائشہ کو بچھوکا ڈنک بنا دیا۔ یعنی انہوں نے الفاظ ”الْحَمَّامَا“ کے معنی ”سگا“ اور ”الْحُمَّمَةُ“ کے معنی ”بچھوکا ڈنک“ کر دیئے ہیں۔

(ج) حدیث کی روشنی میں حدیث کی لغت، انوار اللغۃ سے علامہ محدث وحید الزمان خان صاحب کی تحقیقات کیا ہیں۔

اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ الفاظ ”الْحَمَّامَا“ اور ”الْحُمَّمَةُ“ کے حقیقی معنی تک پہنچنے کے لئے علامہ وحید الزمان سے بھی استفادہ کر لیں جنہوں نے بڑی محنت اور کد و کاوش سے ان تمام الفاظ کے معنی لکھنے اور جمع کرنے کے لئے اٹھائیس جلدیں لکھی تھیں، جو الفاظ شیعہ و سنی ریکارڈ میں آئی ہوئی حدیثوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ آپ نے علامہ محمد عبدہ کی تشریحات میں وہ حدیث بھی دیکھی ہے جس میں رسول اللہ نے اپنے اَحَمَّامَا اور ایک زوجہ کے بغاوت میں شریک ہونے کی اطلاع حضرت علیؑ علیہ السلام کو دی تھی اور جو علما میں مشہور حدیث ہے اس میں لفظ ”اَحَمَّامَا“ لفظ ”الْحَمَّامَا“ (حما) کی جمع ہے بقول علامہ محمد عبدہ لفظ ”الْحُمَّمَةُ“ سے عائشہ مراد ہے۔ اور یہ بات صاف نظر آ رہی ہے کہ (الْحُمَّمَةُ) مونث ہے۔ اور اَحَمَّامَا اور حَمَّامَا مذکر ہیں۔ یعنی دونوں الفاظ میں مونث و مذکر کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں ہے۔ اتنا سمجھ کر اب لغات الحدیث کی سیر کریں اور ان دونوں الفاظ پر اور ان کے اب تک کے بیان شدہ معنی پر نظر رکھتے ہوئے آگے بڑھیں۔ وحید صاحب لکھتے ہیں کہ:

- 1- حَمَّامَا کائی نکالنا۔ 2- حَمَّامَا و حَمَّامَا پانی میں کائی مل جانا۔ 3- حَمَمِيَّ عَلَيَّہِ اُس پر غصہ ہوا۔ 4- حَمَّامَا اور حَمَّامَا اور حَمَمُو۔ خاوند کا عزیز جیسے دیور یا جیٹھ وغیرہ۔ 5- حَمَّامَا اور حَمَّامَا۔ کائی کالی مٹی۔ 6- حَمَّامَا تَنْبُتُ الْحَبَّةِ فِي حَمَمَةٍ جیسے دانہ کائی میں جمتا ہے۔ (ایک روایت میں حَمَمِيَّة ہے۔ یعنی پانی جو کچرا کوڑا بہا کر لاتا ہے)۔ (جلد اول صفحہ 132-133)

یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ یہ تمام الفاظ۔ ح۔ م۔ ا۔ کے مادہ سے ہیں۔ اب مادہ۔ ح۔ م۔ و۔ سے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

- 6- حَمَمُو۔ حرارت یا خاوند کا بھائی، عزیز باپ وغیرہ جیسے حَمَّامَا کا مونث حَمَّامَا ہے یعنی خاوند کی عزیز عورت مثلاً دیورانی جٹھانی ہند وغیرہ۔ ”حمیط“ میں ہے کہ عورت کے باپ یا بھائی یا چچا کو بھی حَمَمُو کہتے ہیں۔ اُس کی جمع ”اَحَمَّامَا“ ہے ”مغرب“ میں ہے کہ اَحَمَّامَا خاص خاوند کے عزیزوں کو کہتے ہیں۔

- 7- اَجْرَتْ رَجُلًا مِنْ اَحَمَّامِيَّہِ ”میں نے اپنے سسرالی رشتہ داروں میں سے ایک شخص کو نوکر رکھا“۔ (صفحہ 146-147)

اب مادہ۔ ح۔ م۔ ی سے ملاحظہ کریں۔

- 8- حَمَمِيَّہِ یا حَمَمِيَّةُ یا حَمَمِيَّةُ۔ روکنا، دفع کرنا، مدد کرنا۔ پرہیز کرنا۔ 9- حَمَمِيَّةُ پرہیز۔ 10- حَمَمِيَّہِ غصہ کی سختی۔

11- حَمِيَّةٌ - غيرت - 12- حُمَّةٌ - ڈنک، زہر -

(1) ”رَخَّصَ فِي الرُّقِيَةِ مِنَ الْحُمَّةِ“ آنحضرتؐ نے سانپ بچھو وغیرہ کے منتر کرنے کی اجازت دی (یعنی ہر ڈنک دار جانور کے ڈنک کا منتر کرنے کی اجازت دی، جس کے ڈنک میں زہر ہو) مراد وہی منتر ہے جس میں شرک اور کفر کے الفاظ نہ ہوں۔

(2) وَتَنْزِعُ حُمَّةً كُلَّ دَابَّةٍ - ”ہر جانور کا زہر نکال لیا جائے گا“ یعنی جس وقت دجال مارا جائے گا اُس وقت زہر لیے جانوروں کا زہر باقی نہ رہے گا۔“

(3) لَا رُقِيَةَ إِلَّا عَنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَّةٍ - منتر یا بد نظری کے لئے ہے یا ڈنک مارنے کے لئے ہے۔ (یعنی ان دو چیزوں میں منتر زیادہ مفید ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اور بیماریوں کے لئے منتر نہیں ہو سکتا)۔

(4) لَا حِمَى إِلَّا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ - ”چراگاہ کا محفوظ رکھنا کسی کو جائز نہیں مگر اللہ اور اُس کے رسولؐ کو“ (ایضاً جلد اول صفحہ 146-147)

(د) مترجمین کا اس لغت سے تعلق رہا ہے مگر وحید الزمان بھی ٹاک ٹو نیاں مارتے رہے۔

اسی لغت سے علامہ علی نقی طہرانی نے گلِ سیاہ اور زہر عقرب اختیار کئے۔ اور یہی لغت ہے جس میں سے مفتی جعفر نے بچھو کا ڈنک اخذ کئے۔ اور اسی لغت سے محمد عبدہ نے سرسری سا استفادہ کیا ہے اور باقی جو کچھ لکھا ہے وہ قریشی پروپیگنڈے کے ماتحت لکھا ہے۔ چنانچہ جتنے معنی آپ کے سامنے آئے ہیں اُن سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ الفاظ ”الْحَمَا“ اور ”الْحُمَّةُ“ کے معنی نسبی یا نسلی رشتہ داری یا قریب ترین رشتہ داریا ”سگا“ ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ البتہ مذکورہ بالا معنی میں جس چیز پر زیادہ زور رہا ہے وہ سسرالی رشتہ داری ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باغیوں والی حدیث میں بھی ان ہی معنی میں استعمال کیا گیا ہے کہ:

”اے علیؑ عنقریب تمہارے خلاف قریش کا ایک گروہ بغاوت کرے گا جس کی راہنمائی اور قیادت میرے سسرالی رشتے کے کچھ مرد اور میری ایک زوجہ کرے گی“۔

لہذا محمد عبدہ کی بیان کردہ اس حدیث کے بھی معنی اختیار کر لینے سے اس لغت الحدیث کا بیان ثابت ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ آنحضرتؐ ابوبکر کے داماد تھے۔ اس لئے وسیع معنی میں قریش کے تمام افراد مع طلحہ وزبیر وغیرہ حضورؐ کے سسرالی رشتہ دار مانے جائیں گے۔ اور اس سے یہ بھی دوبارہ ثابت ہوا کہ قریش سے حضورؐ کا سسرالی رشتے کے علاوہ اور کوئی خاندانی یا نسلی رشتہ نہ تھا۔ ورنہ آپ ازار بندی رشتہ کے بجائے کوئی ایسی بات فرماتے جس سے خونی رشتہ ثابت ہو جاتا سسرالی رشتہ کی حیثیت صرف ایک لفظ ”طلاق“ سے مسمار ہو جاتی ہے۔ اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو سسرالی رشتہ کو طلاق سے منقطع کرنے کی وصیت کے طور پر اجازت دے دی تھی۔ اور عائشہ ہرگز مدینہ واپس نہ آتی اگر حضرت علیؑ علیہ السلام نے اُسے رسولؐ کی وہ اجازت یاد نہ دلائی ہوتی۔ جیسے ہی عائشہ کو حضورؐ نے یہ دھمکی دی تو گرتی پڑتی دوڑ دوڑ کر سامان سفر اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس پر میزبان خاتون نے پوچھا تھا کہ یا تو تم نے صاف انکار کر دیا تھا یا اب گر گر پڑتی ہو دوپٹہ میں اُلجھ اُلجھ جاتی ہو تمہیں کیا ہو گیا اتنی جلدی کیوں ہے؟ تو عائشہ نے اُسے بتایا کہ مجھے علیؑ نے ایک ایسی بات کہہ دی ہے جس سے میرا مستقبل بالکل تاریک ہو سکتا ہے۔ لہذا یہاں تک یہ ثابت ہو گیا کہ علیؑ و محمد علیہما السلام کا زبیر یا تمام قریش سے خاندانی، نسلی اور خونی کوئی رشتہ ہرگز نہ تھا۔ اور تھا تو محض کمر بندی رشتہ تھا۔ جو بڑے شرم کی بات ہے۔ دامادوں سے شریف النسل لوگ ہرگز وہ گھناؤنا سلوک نہیں کرتے جو ان ملاعین نے کیا تھا۔ اور اس سے بھی ثابت ہوا کہ وہ شریف نسل

کے لوگ نہ تھے۔ رہ گیا اُن کی بیٹی عائشہ و حفصہ کو بیوی بنا لینا یہ اس لئے کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا کہ اُن دونوں سے کوئی اولاد ہوئی نہ انہیں حمل قرار پایا لہذا قریشی ریکارڈ اور افسانوں کے علاوہ کسی مستند ریکارڈ سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو زوجہ کی طرح استعمال کیا تھا۔ قریش کا اپنے ریکارڈ میں عائشہ کے متعلق رنگیلے رسول والا شرمناک سلوک لکھنا بھی اسی کا ثبوت ہے کہ قریش یہ چاہتے تھے کہ اُسے عملاً زوجہ ثابت کر دکھائیں۔ علاوہ ازیں اُن سے نکاح کے بعد ولیمہ ثابت نہیں۔ یعنی قریشی ریکارڈ میں بھی خود عائشہ کی روایت ہے کہ میرے نکاح اور رخصتی پر نہ کوئی بکر اذبح کیا گیا نہ خوشی منائی گئی۔ وہ کھانا جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے روزانہ حضور کے لئے آیا کرتا تھا وہ ہم دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھا لیا تھا۔ پھر عائشہ اور قریش کا حضور کو دوا کے بہانے زہر دے کر مارنا (بخاری) اور اولاد رسول کے ساتھ نہایت بے رحمانہ و سنگدلانہ سلوک بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ قریش اور عائشہ نے رسول سے اس بات کا بھی انتقام لیا کہ نکاح سے اُسے قید و زوجیت میں ڈال کر عمر بھر کے لئے فطری ضرورت سے بھی محروم کر دیا تھا۔

(ہ) انوار اللغه میں وحید الزمان صاحب بھی بالکل اُس سازش کو نہ سمجھے جو قریشی حکومتوں اور علمائے کی تھی۔

ہم عربی زبان اور قرآن کے متعلق قریشی سازش کا تذکرہ آخر میں کریں گے پہلے یہ دیکھ لیں کہ سابقہ عنوان (ج) میں جو بارہ الفاظ اور اُن کے معنی لکھے گئے ہیں اُن میں علامہ وحید الزمان محدث نے زیر بحث الفاظ اور اُن کے معنی کو سمجھے بغیر اپنی لغت میں نقل کر لیا ہے۔ اس لئے وہ نہ چونکے نہ حیران ہوئے اور نہ یہ محسوس کیا کہ میں ایک غلط کام کرتا چلا جا رہا ہوں۔ چنانچہ جو اُن کے سامنے آیا لکھا اور آگے بڑھ گئے۔ چنانچہ قارئین نوٹ کریں کہ الفاظ نمبر 1 اور نمبر 2 کے معنی ایک ہی ہونا چاہئیں اس لئے کہ لفظ حَمًا دونوں جگہ ایک ہی ہے اگر اس کے معنی کائی نکالنا تھے تو کائی کا پانی میں مل جانا معنی کیوں اور کیسے ہو گئے؟ مگر علامہ نے نقل کیا اور چل دیئے۔ پھر نمبر 1۔ نمبر 2۔ اور نمبر 4 میں یہی لفظ حَمًا ہے۔ اور اب اس کے معنی خاوند کا عزیز جیسے دیور۔ جیٹھ وغیرہ ہو گئے۔

لہذا علامہ یہ سمجھتے اور بتانے سے قاصر رہے کہ اسی پہلے لفظ کے پہلی ہی صورت میں رہتے ہوئے تیسری مرتبہ پھر معنی کیوں بدل گئے؟

ہم وقت ضائع کئے بغیر پھر عرض کر دیں کہ علامہ وحید الزمان سے زبردست محدث اور لغت کے عالم بھی قریش کی سازش میں اُلجھے رہے اور عربی زبان کو نہ سمجھ سکے۔ اور کمال یہ ہے اس سمجھ بوجھ پر اُنہوں نے حدیث کی چھ زبردست اور ضخیم کتابوں کا یعنی صحاح ستہ کا ایسا شاندار ترجمہ کیا کہ قریشی مذہب کے تمام علما اُن کو داد دیتے رہے۔ وہ مکہ و مدینہ میں بھی عرصہ دراز تک مقیم رہے اور عربی زبان کو مادری زبان کی طرح فر فر بوتے تھے۔ لیکن ماشاء اللہ اُن کے ترجمے ویسے ہی ہیں جیسے ہمارے شیعہ سنی قرآن کے ترجمے ہیں۔ جن میں حق کو تلاش کرنا سارے باقی کاموں سے مشکل ہے۔ جس طرح علامہ ابن حزم نے کہا ہے کہ ”تفسیروں میں سب کچھ ہے مگر تفسیر ہی نہیں ہے“ اسی طرح مسلمان علما کے تراجم میں سب کچھ ہے مگر اللہ نے جو کچھ قرآن میں فرمایا اُس کا ترجمہ یا ترجمانی نہیں ہے۔ اور یہی مقصد تھا قریشی سازش کا۔ اُنہوں نے ایسی کئی لغات تیار کرائیں کہ تمام طالبان علم غلط زبان و غلط معانی کو صحیح عربی زبان سمجھنے لگیں۔ چنانچہ علم الحدیث کی موسٹ ماڈرن لغت کا حال سامنے ہے۔ اب قرآن کے تمام الفاظ کی لغت اور معنی پچشم خود دیکھیں اور اندازہ لگائیں کہ زیر بحث الفاظ۔ ”الْحَمَاءُ“ اور ”الْحَمَّةُ“ علما کے لئے مستقل در دسر بن گئے اور کوشش کے باوجود بھکتے چلے گئے ہیں۔

4- حضرت علیؑ کے استعمال فرمودہ الفاظ پر قرآن اور لغات القرآن سے بھی استفادہ کر لیں تاکہ قریشی سازش کا یقین ہو جائے

قریش نے عربی زبان کا ستیاناس کرنے کے لئے بڑے بڑے جتن کئے۔ مدرسوں میں غلط معنی کے استعمال کا رواج دیا ایسی لغات تیار کرائیں جن میں الفاظ کے بنیادی، حقیقی اور وضعی معنی کو تبدیل کر لیا اور ایک ایک لفظ کو کئی کئی مختلف و متضاد معنی کے ساتھ لکھا تاکہ کسی لفظ کے کوئی معنی مستقل نہ رہیں۔ آج علامہ راغب اصفہانی کی تیار کردہ لغت ”المفردات فی غریب القرآن“ عربی سے عربی میں نو سو (900) سال سے موجود ہے۔ جسے پڑھ کر ہزاروں طالب علم اور علما پاگل ہوتے رہے ہیں۔ اور اُس کی سندوسر ٹیفکیٹ سے عربی کے علما کہلاتے رہے ہیں۔ ہم اس سے نمونے پیش کر کے اپنا وقت ضائع نہ کریں گے۔ اس لئے کہ پھر ہمیں اس کا ترجمہ بھی کرنا پڑے گا اُس کے بدلے میں ہم ایک ایسی عربی اردو لغت کو پیش کرتے ہیں جو ہندوستان سے 1943ء میں ندوۃ المصنفین کے علما نے ل کر تیار کی تھی۔ اور اس کی اہمیت خود اُن ہی سے سن لیں۔ لکھا ہے کہ:

”الفاظ قرآن کے معنی اور اُن کی تحقیق میں میرا (مولانا محمد عبدالرشید نعمانی) جو کچھ سرمایہ ہے وہ بڑی حد تک امام راغب اصفہانی کی کتاب مفردات غریب القرآن ہے اور پھر تفسیر حدیث، لغت اور جغرافیہ کی وہ تمام مستند اور متداول کتابیں ہیں جن کے حوالے جا بجا کتاب کے صفحات پر لکھے پڑے ہیں۔ اس امر کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ جو کچھ لکھا جائے پوری تحقیق سے لکھا جائے چنانچہ کسی آسان سے آسان لفظ کا ترجمہ بھی کتابوں کی مراجعت کے بغیر تحریر نہیں کیا گیا۔ (لغات القرآن جلد اول صفحہ 8)

اس بہترین اور عربی اردو کی بے مثل لغت کی سیر کریں۔

(الف) لغات القرآن کے بیانات۔

- 1- حَمَاءٌ۔ گارا۔ کچڑ۔ (جلد 2 صفحہ 291) (آیت الحج 15/26)
 - 2- حَمِيَّةٌ۔ کچڑ والا۔ دَلْدَلٌ والا، حَمَاءٌ (مصدر) سے جس کے معنی کچڑ اور دلدل ہونے کے ہیں۔ (جلد 2 صفحہ 294) (آیت کہف 18/86)
 - 3- يُحْمِي۔ واحد مذکر غائب مضارع مجہول،
 - 4- اِحْمَاءٌ مصدر (باب افعال) تپایا جائے گا۔ خوب گرم کیا جائے گا۔ (توبہ 9/35) (جلد 6 صفحہ 205)
 - 5- حَمِيٌّ، 6- حَمِيَّةٌ، 7- مَحْمِيَّةٌ۔ مصادر ہیں (باب ضرب) معنی: محفوظ رکھنا، بچانا، حمایت کرنا۔
 - 8- حَمِيَّةٌ۔ 9- مَحْمِيَّةٌ۔ (باب سمع) مصادر معنی: عار سمجھنا۔
 - 10- حَمِيٌّ، 11- حَمِيٌّ، 12- حُمُوٌّ مصدر ہیں (باب سمع) معنی دھوپ کا، آگ کا، لوہے کا، تور کا خوب گرم ہو جانا تپ جانا۔
 - (1) حَمِيَّ الْفَرَسُ دوڑنے میں گھوڑا گرم کیا۔ (2) حَمِيَّ الْوَحْيِ وحی گرم ہو گئی یعنی جلد جلد آنے لگی۔
 - 13- اِحْمَاءٌ۔ خوب گرم کرنا۔ تپانا۔ (1) اَحْمَى الْحَدِيدَ اُس نے لوہے کو تپایا۔ (2) تَحَمَّى الْمَرِيضُ بیمار نے پرہیز کیا۔
 - 14- اِحْتَمَاءٌ مصدر پرہیز۔ اور پرہیز کرنا۔ 15- يَحْمُوْمٌ۔ اسم ہے۔ سیاہ دھواں (آیت واقعہ 56/43)
- اس لفظ کا مادہ حَمَمٌ ہے۔ حَمَمٌ سے مختلف مشتقات مستعمل ہیں۔ اور اکثر الفاظ کے مفہوم میں سیاہی، گرمی یا صرف سیاہی یا صرف گرمی کا ہونا ضروری ہے جیسے: (1) حُمَّ الظَّهِيرَةِ۔ دوپہر کی سخت گرمی۔ (2) حُمَّةُ الْحَوْرِ۔ گرمی کی شدت۔ (3) حَمَمٌ۔ سیاہی۔

- 16- حُمَامٌ گرمابہ۔ 17- حَمِيمٌ قریبی رشتہ دار۔ گہرا دوست جس کے دل میں محبت کی گرمی ہو۔ گرم پانی۔
 18- حَمِيمَةٌ گرم پانی۔ 19- حُمِيمَةٌ - انگارا۔
 20- حَمِيٌّ بخار۔ (1) شَفَّةٌ حَمَاءٌ - سیاہ رنگ کے ہونٹ۔ (2) مَحَمَّةٌ - بخار پیدا کرنے والی زمین۔
 21- حَمٌّ (باب نُضْرٍ) پختہ ارادہ کرنا۔ گرم کرنا۔ پگھلانا۔ اللہ کی طرف سے کسی بات کا مقدر ہونا۔
 22- حَمَمٌ (باب سَم) سیاہ ہو جانا۔ گرم ہو جانا کوئلہ ہو جانا۔ وغیرہ (جلد 6 صفحہ 205-206)

یہاں لغات القرآن کا سامان ختم ہو گیا اب اُس سامان پر معنوی نظر ڈالیں اور اُس اضطراب سے لطف اندوز ہوں جو اُس میں مسلسل جھکتا رہا ہے۔
 (ب) لغات القرآن کے بیانات پر لفظ بلفظ معنوی اور مسلمہ قوانین و قواعد کی ایک تنقیدی نظر۔

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ لغات القرآن کو لکھنے اور ترتیب دینے والے علما نے پندرہویں (15) لفظ ”يَحْمُومٌ“ کا مادہ ”حَمَمٌ“ لکھا ہے۔ اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اُن علما کو یہ معلوم ہے کہ ہر عربی لفظ کی ایک مستقل بنیاد یا ”مادہ“ ہوتا ہے تو اُن حضرات نے صرف پندرہویں لفظ ”يَحْمُومٌ“ ہی کا مادہ کیوں لکھا اور باقی اکیس (21) الفاظ کا ”مادہ“ بتانے اور لکھنے سے احتراز کیوں کیا؟
 بہر حال قارئین یہ سمجھ لیں کہ مذکورہ بالا تمام الفاظ، خواہ وہ اسم ہوں یا فعل ہوں، کا مادہ مقرر ہے اور یہ کہ اگر مادہ مقرر متعین نہ ہو تو نہ مصدر بن سکتا ہے نہ کوئی لفظ بنایا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لیں کہ مادہ پر اعراب یا زیور بر اور پیش نہیں دیئے جاتے بلکہ اُسے الگ الگ حروف میں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً ”حَمَمٌ“ کی جگہ ”ح-م-م“ لکھا جانا چاہئے۔ اور اس مادہ سے باقی بننے والے الفاظ کا مصدر ”حَمَمٌ“ بنے گا۔ لہذا اُن علما نے دراصل تین حروفی مصدر کو ”مادہ“ لکھ دیا ہے۔ اور یہ پہلا مغالطہ ہے جو انہیں اس لئے ہوا ہے کہ وہ ”عالم“ ہیں۔ طالب علم نہیں۔ اور نہ انہیں یہ خیال رہا ہے کہ اُن کی تیار کردہ لغت ایسی ہونا چاہئے کہ پڑھنے والے عربی الفاظ کے بننے اور بنانے اور اُن کے استعمال میں مہارت حاصل کریں۔ الفاظ کی صورت و شکل دیکھتے ہی یہ سمجھ لیں کہ وہ اپنے مادہ یا بنیاد سے کتنے فاصلے پر ہیں۔ اور کن تبدیلیوں کی بنا پر یہ صورت اختیار کی ہے اور یہ کہ یہ صورت صحیح ہے یا اس میں کوئی غلطی ہے؟ اس مقصد کو نہ پہلے والے عربی علما نے سامنے رکھا تھا نہ بعد والوں نے اس پر غور کیا۔ رُتے رٹاتے عالم بنتے چلے آئے اور بس۔

وہ نہ کسی کی ”کیوں“ کا جواب دینے کے قابل رہے نہ یہ بتا سکنے کی قابلیت ہوئی کہ یہ سمجھ اور سمجھا سکیں کہ فلاں لفظ کی فلاں صورت ”کیسے“ بن گئی ہے۔ ہم بھی یہاں علم اللغۃ کی بحث اور تفصیل پیش کرنے سے قاصر ہیں اس لئے کہ یہ عنوان اور کتاب عربی پڑھانے کے لئے نہیں ہے۔ بہر حال مختصراً یہ بتائیں گے کہ مذکورہ بالا بائیس الفاظ چار مادوں یا بنیادوں سے بنے ہیں۔

اول ”ح-م-م“ یا ح-م-أ (الف) یعنی ہمزہ، دوم ”ح-م-م“ سوم ”ح-م-و“
 چہارم ”ح-م-ی“

گڑ بڑ کرنے کی وجہ یہ رہتی چلی آئی ہے کہ مادوں سے بننے والے الفاظ کو مادہ کا خیال کئے بغیر یا مادہ سے ناواقفیت کی بنا پر گڈ ٹڈ کر لیا جاتا ہے۔ اس لئے بھی اچانک معنوی تضاد لغت میں سامنے آتے رہتے ہیں اور پڑھنے والے یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ یہ متضاد معنی بھی اُسی لفظ کے ہیں جو زیر بحث چل رہا ہے۔ اس کی مثال آپ کو مذکورہ الفاظ کے بارہویں نمبر پر ملتی ہے۔ کہ جہاں بارہویں لفظ حُمُو کو دسویں اور گیارہویں (حَمِيٌّ حَمِيٌّ)

کے ساتھ لکھ دیا گیا اور یہ نہیں سوچا کہ الفاظ دسویں اور گیارہویں میں تو تیسرا حرف ”ی“ آ رہا تھا۔ یہاں تیسرا لفظ واؤ کیسے اور کیوں آ گیا ہے؟
رٹ رٹا کر بننے اور بنانے والے علما کی ایک اور مصیبت؟

حالانکہ یہ بارہواں لفظ ”حُمُو“ ح۔م۔ی کے مادہ سے ہے ہی نہیں یہ تو ہمارے لکھے ہوئے تیسرے مادہ ”ح۔م۔و“ سے ہے۔ لیکن لغات القرآن والوں نے اس کو ح۔م۔ی ہی کے مادہ سے سمجھا اس لئے دسویں، گیارہویں الفاظ کے ساتھ لکھ دیا اور معنی میں بھی اُن کے ساتھ شامل کر دیا یعنی سمجھا کہ جو معنی ح۔م۔ی سے بننے والے الفاظ کے ہیں وہی ح۔م۔و سے بننے والے الفاظ کے بھی ہونا چاہئیں؟ انہوں نے ان تینوں کو ایک تو سمجھا مگر مثالیں صرف ح۔م۔ی کی دی ہوئی ہیں۔ (حَمِي الْفَرَس اور حَمِي الْوَحْي) انہیں ح۔م۔و کی کوئی مثال نہ ملی اس لئے کہ وہ ان دونوں سے تعلق نہیں رکھتا۔

پھر یہ بھی عربی زبان کی ایک خصوصیت ہے کہ اس میں حروف الف (ا)، واؤ (و) اور یاء (ی) ایسے حروف ہیں جو آپس میں موقع ملتے ہی ایک دوسرے سے بدل جایا کرتے ہیں یعنی واؤ الف سے اور ”ی“ بھی الف سے بدلنے کی تاک میں رہتے ہیں اور اسی اُدا بدلی کی عادت کی بنا پر ان تینوں کا نام حروف ”عِلَّتْ“ رکھا گیا اور طالب علموں کو یاد کرانے کے لئے ان تینوں سے جو با معنی لفظ بنتا ہے وہ بنا کر ”وائے“ کی صورت میں ذہن میں بٹھایا گیا تھا۔ یعنی وائے (افسوس) ہے اُن علما پر جو الف، واؤ اور یاء کے خیال رکھے بغیر عربی الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہر حال یہ تینوں حروف رٹا رٹا با علما کے لئے ایک مصیبت رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہ الفاظ کی صورتیں بدل دیتے ہیں اور وہ پچارے الفاظ کی بنیاد یا مادہ کو سمجھنے سے قاصر رہ کر معنی میں اُوٹ پٹانگ ہانک دیتے ہیں۔ اور اُن کے ترجموں کو پڑھنے والے سمجھتے اور اُلجھتے رہ جاتے ہیں۔ اور نتیجے میں مذہبی قدروں کو مسما کر ڈالتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ وہ گمراہ کئے گئے ہیں اور گمراہی میں گمراہ کن محنت سے حق کی تلاش کر رہے ہیں۔

پھر یہ نوٹ کیجئے کہ لغات القرآن والوں نے پہلے دونوں الفاظ حَمَاء اور حَمِيَّة کے معنی گارا، کچڑ اور کچڑ والا، دلدل والا کر کے اس کا مصدر حَمًا بنایا تھا۔ یعنی وہ دونوں الفاظ حَمًا مصدر سے بنے ہیں اور اس مصدر کے معنی کچڑ اور دلدل ہونے کے ہیں لہذا اس سے بننے والے اُن دونوں الفاظ کے معنی بھی وہی گارا، کچڑ اور دلدل ہونا چاہئیں جو اُن کے مصدر کے ہیں۔ بہر حال اب آپ یہ سنیں کہ عربی الفاظ کی بنیاد تین حروف پر رکھی جاتی ہے۔ یعنی عربی الفاظ میں قواعد و قوانین تخلیق کی بنا پر بہت سے حروف آجاتے ہیں جیسے کہ مُسْتَقْبَلٌ یا اِسْتِقْبَالٌ یا مُسْتَعْمَلٌ اور اِسْتِعْمَالٌ۔ مگر ان کی بنیاد صرف تین حروف پر ہے یعنی قَبْلٌ اور عَمَلٌ پر اضافہ کرتے کرتے وہ صورتیں بنی تھیں۔ اسی لئے عربی کے تمام الفاظ کا مادہ تین حرفی ہوتا ہے یعنی ان مثالی الفاظ کا مادہ ”ق۔ب۔ل۔ل۔ع۔م۔ل۔ہے۔ اور ان سے اولین مصادر بھی تین حرفی ہیں۔ یعنی قَبْلٌ اور عَمَلٌ ان کے بنیادی مصدر ہیں۔ پھر ان مصدروں سے مزید تیسرے لئے اور مصدر اور اُن مصدروں سے اور الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ اور بنانے کی صورت میں ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لئے کچھ قاعدے مقرر ہیں۔ جنہیں ”باب اور ابواب“ کہا جاتا ہے مثلاً ایک باب کا نام ”اِفْعَالٌ“ رکھا گیا ہے اور ایک کا نام ”اِسْتِفْعَالٌ“ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تین حرفی مادہ یا مصدر سے ان ابواب کی شکل صورت اور وزن کے مطابق نئے مصادر بنائے جانا چاہئیں۔ یہ دونوں مثالی ابواب بتاتے ہیں کہ جس تین حرفی مادہ یا مصدر سے کوئی اگلا مصدر ان ابواب کی صورت اور وزن پر بنانا ہو تو اُن تین حروف کو ان ہی ابواب کے حروف کی ترتیب کے ساتھ سامنے رکھنا ہوگا۔ مثلاً اِفْعَالٌ میں پہلے الف ہے تو آپ بھی زیر تعمیر مادہ کے پہلے حرف سے پہلے الف لانے کے پابند ہیں۔ پھر مادہ کا دوسرا حرف لائیں۔ پھر ایک الف اور بڑھا کر مادہ کا تیسرا حرف لکھ دیں۔ جیسے ع۔م۔ل۔ل۔ سے ا۔ع۔م۔ال۔ یعنی اِحْمَالٌ

وہ نیا مصدر بن گیا۔ اسی طرح اِسْتَفْعَالٌ میں پہلے الف، س، ت آئیں گے پھر تین حرفی مادہ کا پہلا حرف آئے گا پھر دوسرا حرف پھر الف لاکر تیسرا حرف لایا جائے گا۔ لہذا ع۔ م۔ ل یا عَمَلٌ سے اِسْتَعْمَالٌ بنے گا۔

اور ق۔ ب۔ ل۔ یا۔ قَبْلٌ سے ا۔ ق۔ ب۔ ا۔ ل۔ یعنی اِقْبَالٌ اور ا۔ س۔ ت۔ ق۔ ب۔ ا۔ ل۔ یعنی اِسْتِقْبَالٌ مصدر بنیں گے۔ اس بیان کو سامنے رکھ کر اب لغات القرآن سے مذکور جو تھے لفظ ”اِحْمَاءٌ“ کو دیکھئے اور پڑھئے کہ اس لفظ کو انہوں نے مصدر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ باب ”افعال“ سے ہے۔ یعنی اس کی وہی شکل ہے جو ہم نے ابھی ابھی قَبْلٌ (ق۔ ب۔ ل) سے اِقْبَالٌ اور اس سے پہلے عَمَلٌ (ع۔ م۔ ل) سے اِعْمَالٌ بنا کر دکھائی تھی۔ لہذا اُن کے بیان کردہ اس مصدر اِحْمَاءٌ کا مادہ یا سہہ حرفی مصدر بنانے کیلئے آپ اُن حروف کو ساقت کر دیں جو تین حرفی مادہ یا مصدر کو اِفْعَالٌ کے باب میں تبدیل کرنے کے لئے بڑھائے تھے۔ یعنی ا۔ ف۔ ع۔ ا۔ ل۔ سے ا۔ ع۔ م۔ ل۔ ا۔ ل۔ (اِعْمَالٌ) بنانے میں تین حرفی مادہ (ع۔ م۔ ل) یا مصدر (عَمَلٌ) کے پہلے لایا ہوا الف ہٹا دیں تو عمال رہ جائے گا۔ پھر دوسرے حرف کے بعد کالایا ہوا الف بھی ساقت کریں تو عَمَلٌ یا ع۔ م۔ ل۔ رہ جاتا ہے اور یہی تین حرفی مادہ اور مصدر ہے لہذا مصدر اِحْمَاءٌ میں سے بھی دونوں الف ہٹا دیں تو ح۔ م۔ ل۔ یا ح۔ م۔ ل۔ رہ جائے گا اور تین حرفی مصدر ”حَمَاءٌ“ بنے گا۔ یعنی مصدر اِحْمَاءٌ کو جب تین حرفی مادہ اور مصدر کی طرف واپس لایا گیا تو معلوم ہوا کہ اُس کا بنیادی مصدر اور مادہ ”حَمَاءٌ“ یا ح۔ م۔ ل۔ تھا۔

اب یہ سوچنے اور بوجھنے کی بات ہے کہ لغات القرآن والے علمائے پہلے دونوں الفاظ یعنی حَمَاءٌ اور حَمِيَّةٌ کا مصدر ”حَمَاءٌ“ بتایا تھا۔ اور اس کے معنی ”کچھ اور دلدار ہونے کے بتائے تھے۔ تو مصدر اِحْمَاءٌ کے معنی کچھ اور دلدار سے نکل کر ”تین یا چار اور خوب گرم کیا جانا“ کیسے ہو گئے؟ یہ کون سا قاعدہ یا منتر ہے جس نے بنیادی مصدر کے معنی کو بدل کر رکھ دیا؟

قارئین نوٹ کریں کہ بنیادی یعنی تین حرفی مصدر کے معنی کسی دوسرے باب میں جانے سے ہرگز نہیں بدلتے۔ البتہ متعینہ معنی میں وسعت پیدا کرنے کے لئے تین حرفی ابواب سے آگے والے ابواب میں لے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مثالوں میں دیکھا گیا ہے۔ یعنی عَمَلٌ کے معنی کام کرنا تھے اور باب اِسْتَفْعَالٌ میں جا کر عَمَلٌ سے نیا مصدر اِسْتَعْمَالٌ بنا تب بھی معنی نہیں بدلے بلکہ اب ”کام کرنا“ سے ”کام لینا“ یعنی استعمال کرنا ہو گئے ہیں۔ قَبْلٌ کے معنی ”پہلے کرنا“ یا ”پہلے ہونا“ تھے۔ اس کو جب باب استفعال میں لایا گیا تو لفظ قَبْلٌ سے اِسْتِقْبَالٌ۔ نیا مصدر بنا اور اب بھی اُس کے بنیادی معنی برقرار رہے یعنی کسی آنے والے شخص کے آنے یا پہنچنے سے پہلے پہنچا ہوا ہونا۔ اس کے آنے سے پہلے آنا۔ آنے میں پہلے کرنا۔ لہذا اگر مصدر حَمَاءٌ کے معنی گارایا کچھ کرنا تھا تو نئے مصدر اِحْمَاءٌ کے معنی گارایا کچھ کرنا چاہئیں۔ گرم کرنا یا تپانا تو کسی طرح بھی نہیں ہو سکتے یا اگر حَمَاءٌ کے معنی گرم کرنا یا تپانا تھے۔ تو نئے مصدر اِحْمَاءٌ کے معنی گرم کرنا یا تپانا ہونا چاہئیں۔ یہ ہے رٹا مارنے والی قوم کا یا اہل زبان کا یعنی پیدائشی رٹا مارنے والوں کا حال۔ مادری زبان ہونا اگر کافی ہو کر تا تو اسکول جانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ مادری زبان اس کے سوا اور کیا ہے؟ کہ بچہ جو کچھ سنتا ہے اُسے یاد کر لیتا ہے یا رٹا چلا جاتا ہے۔ اور بس۔

لیکن اگر اسکول میں بھی وہ اساتذہ ملیں جنہوں نے گرامر کورٹ لیا تھا تو مادری زبان والوں کی بد قسمتی اور زیادہ ہے۔ اس لئے کہ وہ بولنا تو جانتے ہی ہیں۔ لہذا وہ کم سے کم سوالات کریں گے۔ لیکن جس کی مادری زبان نہیں وہ تو سمجھ کر بولنے اور لکھنے کے خیال سے زیادہ سے زیادہ قدم قدم پر سوالات کرے گا۔ یہاں تک کہ اُسے غبی الذہن کہہ کر ڈانٹ ڈپٹ کر چپ رہنے پر مجبور نہ کر دیا جائے۔ بہر حال اُس کے بعد یہ دیکھئے

کہ مذکورہ بالا باتیں الفاظ چار مختلف صورت اور مختلف المعنی مادوں اور مصدروں سے بنے ہیں۔

لیکن گارے اور کچڑ کی دلدل کے بعد تمام الفاظ کے معنی میں ایسی گرمی کی رٹ لگائی ہے جو مسلسل آخر تک چلی گئی ہے اور اسی گرمی میں پرہیز کرنا بھی ہے علاج کرنا بھی، دھواں اور سیاہی بھی پھیلتی چلی گئی ہے یہاں تک کہ لغت سے استفادہ کرنے والا چکرا جاتا ہے اور ذہن میں روشنی کی جگہ اندھیرا یا تاریکی چھا جاتی ہے۔ یہ لغات القرآن ہے جس سے استفادہ کرنے والے مترجمین نے قرآن کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔

حقیقتاً ہوا یہ ہے کہ ح اور م جن مادوں میں آیا ہے اور حروف علت نے جن کی صورتوں کو ہم شکل کر دیا ہے۔ اُن کو علما نے مذکورہ بالا چاروں مادوں میں اور اُن کے مقررہ معنوں میں خلط ملط کر دیا اس لئے مادوں اور بنیادی مصدروں کے مختلف ہونے کے باوجود بھی اُن کے معنی ہر جگہ لکھتے چلے گئے ہیں۔ ساتھ ہی اُن پر خود ساختہ قدیم روایات کا اثر بھی ہوا مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق والی روایات نے لفظ ”حَمَا“ کے معنی ”گارا، کچڑ اور دلدل“ کر دیئے اور یہ نہیں سوچا کہ آیت میں جن الفاظ کی بنا پر ”کچڑ یا گارا“ مراد لیا گیا ہے وہ ”صَلْصَال“ اور ”مَسْنُون“ ہیں۔

آیت ملاحظہ کیجئے ارشاد ہے کہ: **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَآ مَسْنُونٍ** (سورہ الحجر 15/26)

ہم اس آیت کا ترجمہ یا معنی ابھی نہیں لکھتے بلکہ پہلے یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں انسانی تخلیق کے متعلق ایک فیصلہ سامنے رکھا گیا ہے۔ اور تمام اہل علم جانتے ہیں کہ ”تخلیق انسان“ اس کائنات کے تمام مسائل میں سب سے اہم سب سے مشکل اور سب سے عجیب و حیران کن مسئلہ ہے۔ اور جن لوگوں نے اس مسئلے کو قرآن کی تاکید و ہدایات کے خلاف (نحل 16/43، انبیاء 21/7، فرقان 25/59 وغیرہ) صاحبان قرآن کو نظر انداز کر کے خود اپنی زبان دانی اور بصیرت کے برتے پر سمجھنے کی کوشش کی اُن کا کیا حال ہوا؟ وہ کیا سمجھے؟ اور کیسے سمجھے؟ کتنی سرتوڑ اور سرکھپانے والی محنت و مشقت کی اور کیسی ذلت و خواری کا سامنا مسلمانوں کو اُس وقت کرنا پڑے گا جب اُن کے نام نہاد کفار و بے دین لوگ سائنسی راہنمائی کے ذریعے تخلیق انسان کا سر بستہ راز فاش کر کے خود انسان سازی کی مہم شروع کر دیں گے اور مسلمانوں کی بکواس، قرآن کو ایک غلط کتاب ثابت کرنے میں مددگار بنے گی؟

(5) مزید توضیحات تاکہ کلام مرتضوی تک رسائی ہو اور علیٰ وآئمہ معصومین سے ہجرت (25/30) پر عملی ندامت و اصلاح حال پر اقدامات کی توفیق ملے۔

آپ نے انسان کی اولین تخلیق پر بہت سی آیات میں سے ایک آیت پڑھی اور دیکھا کہ اُس میں غور طلب تین الفاظ آئے ہیں۔ اُن میں سے پہلے لفظ کے متعلق پھر مذکورہ لغات القرآن میں سے گزریں، ناول کی طرح نہیں، بلکہ ایک طالب علم اور متلاشی حق کی طرح غور کرتے ہوئے گزریں نیند آنے لگے یا طبیعت اُلجھنے لگے تو کتاب تیکے کے نیچے رکھ کر سو جائیں۔ اور معمول کے مطابق تلاش حق کو ”پھر کبھی“ کہہ کر چھوڑ دیں۔ اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو جائیں۔ وہ بھی تو واجب ہے۔ اور ایسا واجب جو سوتے جاگتے ہر وقت سر پر سوار رہتا ہے۔ رہ گیا تلاش حق کا معاملہ اُس پر مواخذہ میں لاکھوں سال باقی ہیں۔ اور بقول معاویہ و بزرگان دین خبر نہیں کہ مواخذہ ہو گا بھی کہ نہیں؟

(الف) لفظ صلصال اور لغات القرآن۔

”صلصال۔ بجتی ہوئی مٹی، کھنکھاتی ہوئی مٹی، وہ خشک مٹی کہ جب اُس پر اُنکلی ماری جائے تو بجنے اور کھنکھانے لگے (اس مولویا نہ اور بے نیازانہ جملہ پر غور بھی کریں اور عمل بھی۔ یعنی زمین سے سوکھی مٹی کی ایک مٹھی اٹھائیے اور اُس پر اُنکلی مار کر آواز سننے کی کوشش کیجئے اور اگر وہ نہ بجے یا

نہ کھنکھنائے تو سب سے پہلے جو مولوی ملے وہ مٹی کی مٹھی اُس کی آنکھوں میں آنکھ بچا کر جھونک دیجئے اس لئے کہ مولوی مولوی سب برابر اور سب بھائی بھائی۔ اس ملعون کو کہنا چاہئے تھا کہ پہلے مٹی کو پانی میں گوندھ کر سوکھنے دیجئے۔ وغیرہ۔ احسن) صلصال کہلاتی ہے۔ اور بعض نے اس کے معنی سڑی ہوئی مٹی کے بھی بیان کئے ہیں۔ امام راغب (وہی نو سو سال پہلے کا عالم) لکھتے ہیں کہ:

”اصل میں صلصال، خشک چیز کے بجنے کا نام ہے (یعنی بجنے والی مٹی کا نام نہیں بلکہ اس کی آواز کا نام ہے۔ احسن) اسی سے محاورہ ہے صَلِّ الْمَسْمَارَ (کھوئی بجی) (یہاں بقول بعض اگر ”صَلِّ“ کے معنی درود یا نماز کر لیں تو معنی ہوں گے کہ ”کھوئی نے نماز پڑھی یا درود بھیجا۔ یہ علما پر طنز یہ جملے ہیں۔ احسن) اور اسی سے خشک مٹی صلصال سے موسوم ہے۔ (یعنی دراصل خود صلصال مٹی نہیں ہے۔ احسن) اس لئے کہ وہ بجاتی ہے۔ ارشاد ہے مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (کھنکھاتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا۔ حُرْمَن 14/55) اور مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ (کھنکھاتے سنے گارے سے۔ حجر 26/15) اور صَلْصَلَةٌ اُس باقی ماندہ پانی کا نام ہے جو مشینزے میں ملنے کی کھڑکھڑاہٹ سے مشابہ ہونے کی بنا پر اس نام سے موسوم ہے۔ اور بعض نے کہا کہ صلصال سڑی ہوئی مٹی ہے۔ یہ عرب کے محاورے صَلِّ اللَّحْمُ (گوشت سڑ گیا) (یا گوشت نے درود بھیجا یا نماز پڑھی۔ یہ علما پر طنز یہ جملے ہیں۔ احسن) سے ماخوذ ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ اس کی اصل صَلَّالٌ ہے۔ ایک لام کو ص سے بدل لیا گیا ہے“ (راغب کا بیان ختم)

فَرَاءَ کا بیان ہے کہ صلصال وہ مٹی ہے جس میں ریگ (ریت) ملی ہوئی ہو۔ اور اس طرح بجنے لگے جس طرح کہ ٹھیکری بجاتی ہے۔ اور ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ صلصال وہ مٹی ہے جس کو اُنچ نہ پہنچی ہو اور جب تم اُس کو اُنچی سے ٹھونکو تو بجنے لگے۔ اور تم اُس کی کھنکھناہٹ سن لو، اور جب وہ آگ میں پکائی جائے تو فَخَّارٌ ہے۔ نیز ہر وہ شے جو کھن کھن بولے صلصال ہے۔ (یعنی تانبہ، پتیل وغیرہ۔ احسن) طبری نے قتادہ سے باسناد صحیح ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اور مجاہد سے سڑی ہوئی کے معنی روایت کئے ہیں اور کسائی نے بھی مجاہد ہی کے قول کو اختیار کیا ہے۔ (فتح الباری جلد 6 صفحہ 257-258 معالم التنزیل جلد 4 صفحہ 53 طبع مصر)

لغات القرآن کا بیان ابھی جاری ہے۔ یہاں رک کر یہ سوچئے کہ اگر اللہ نے مٹی کو پانی میں گوندھ کر اُسے سکھا کر آگ پر پکا کر اُسے کھنکھانے اور بجنے کے قابل بنا کر پھر اس سے آدم کو بنایا تھا تو کمال کر دیا تھا یعنی اس ٹھیکرے کی طرح سخت دو تین من مٹی میں یہ لچک پیدا کرنا کمال ہی تھا کہ پھر اُس سے یہ انگلیاں اور یہ رگیں اور یہ گوشت و خون جیسے نرم اعضا اور سامان بنا دیا۔ اس لئے علما نے اللہ کو زیادہ جھگڑے سے بچانے کیلئے لکھ دیا کہ گارے سے پیدا کیا تھا۔ کیوں کہ گارے کو شکل دینا آسان تھا۔ لہذا علما قابل تعریف ہیں نہ کہ قابل مذمت؟ (بیان جاری ہوتا ہے)

”یہاں یہ امر ذہن نشین رہے (لغات القرآن والے بول رہے ہیں۔ احسن) کہ صفتِ خلقتِ انسانی یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں قرآن مجید میں مختلف عبارتیں مذکور ہیں۔ کہیں فرمایا مِنْ تَرَابٍ (مٹی سے) کہیں ارشاد ہے کہ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ (چپکتے گارے سے) (غور کریں کہ یہاں طین کے معنی بھی گارے ہیں۔ احسن) اور کہیں مذکور ہے مِنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ (سنے گارے سے) اور کہیں وارد ہے۔ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (کھنکھاتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا) تو واضح رہے کہ ان عبارات میں حقیقت میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ مطلب ایک ہی ہے۔ کیوں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اول مٹی سے پیدا کیا پھر (پیدا شدہ آدم میں۔ احسن) اُس میں پانی ملا تو ”طین لازب“ ہوئی۔ یعنی اُس میں چپک پیدا ہوئی (یعنی آدم چپکنے لگے۔ احسن) اس کے بعد حَمَإٍ مَّسْنُونٍ کہلاتی کہ سیاہ ہوگئی

اور سُرگئی (یعنی آدمؑ کا لے ہو کر بد بودار ہو گئے۔ اور لغات قرآن کے سابقہ بیان کی رو سے آدمؑ پھر کبچڑ اور گارا اور دل دل بن گئے۔ احسن) پھر جب خشک ہو گئی صلصال کالفخار سے موسوم ہوئی کہ ٹھیکری کی طرح کھن کھن بولنے لگی (یعنی آدمؑ آخر کار ایک مکئی کی صورت میں تیار ہو گئے۔ احسن) (دیکھو لباب التاویل از علامہ خازن بغدادی جلد 7 صفحہ 4 طبع مصر) اور لغات القرآن کی جلد 4 صفحہ 32-31) یہ تھا آپ کے جد اعلیٰ کی پیدائش کا قرآنی قصہ۔ اس سے پہلے آپ نے اس آیت (15/26) کے دوسرے لفظ ”حَمًا“ کا بیان پڑھ لیا ہے۔ اب تیسرے لفظ پر روشنی یا اندھیرا دیکھیں۔ لکھا ہے کہ:

”مَسْنُونٌ اسم مفعول واحد مذکر ہے۔ سَنَّ مصدر ہے۔ باب نصر سے ہے۔ 1- متغیر (علامہ لغوی) سُرّ اہوا۔ 2- (سیوطی) 3- تیز کرنا۔ 4- ملنا۔ 5- رگڑنا۔ 6- تیز چلانا۔ 7- متغیر کر دینا۔ 8- ظاہر کرنا۔ 9- دانت سے کاٹنا۔ 10- سخت مزاج دینا۔ 11- راستہ پر چلنا۔ 12- منہ پر پانی بہانا۔ (13- مسلمان ہو کر مولوی بن جانا۔ احسن) سَنَّ دانت۔ سَنَّات جمع ہے۔ سُنَّتٌ چہرہ۔ 2- رخسار۔ 3- پیشانی۔ 4- صورت۔ 5- عادت۔ 6- طبیعت۔ 7- طریقہ (8- بکواس۔ احسن) سَنَّ 1- کھلا راستہ۔ 2- روشن۔ (3- گمراہی۔ احسن) سَنَّان 1- بھالا۔ 2- ہر چیز کی تیزی۔ سُنُونٌ منجن۔ مَسَنَّ تیز کرنے کا آلہ یعنی۔ سَنَّان 1- تیز اور چمکدار چھری۔ 2- ہر متغیر چیز۔ (یعنی وہ چیز جس پر سالھا سال گزرنے سے تغیر اور تبدل آ گیا ہو۔ لغات القرآن) تَسَنَّ 1- متغیر ہونا۔ 2- طریقہ اختیار کرنا۔ 3- یعنی سنت رسولؐ پر چلنا۔“

(لغات القرآن جلد 5 صفحہ 386)

قارئین فہرست کے اوقات میں ان تیس بتیس معنی کو ادل بدل کر زیر بحث آیت (حجر 15/26) میں فٹ کر کے دیکھیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو اور اللہ کو اور قرآن کو پچائیں اور علما کو ان کی اس گمراہ کن محنت پر داد دیں۔ یا ہمیں برا بھلا کہہ ڈالیں۔ اور ساتھ ہی یہ نوٹ کریں کہ ان معنی میں کئی ایک الفاظ ایسے ہیں جن کی عربی آپ کو بھی معلوم ہے مگر سب کو لفظ مَسْنُونٌ کے معنی پر گھسیڑ دیا گیا تاکہ معنی کی تحقیق کرنے والا گمراہ ہو کر اور چکرا کر رہ جائے۔ اور یقین ہو جائے کہ قرآن کے کسی لفظ کے کوئی مستقل معنی نہیں ہیں۔ معنی کے لغوی ڈھیر میں سے جو معنی جس کو پسند ہوں قرآن کے ترجمہ میں لکھ دے۔ اور مترجم بن جائے۔ یہی سبب ہوا کہ ہم نے قرآن کے ترجمہ اور تشریح کا کام اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اگر ایک ترجمہ بھی ایسا ہوا ہوتا جو اللہ کی منشاء و مراد کی ترجمانی کرتا تو ہم اس محنت سے بچ کر اتنے دنوں میں کوئی اور مفید کام کرتے۔ لیکن ہم نے دیکھا اور برسوں برداشت کیا کہ قرآن اور نوح البلاغہ کو شیعہ اور سنی علمائے قریشی پالیسی کی تائید میں بکواس بنا دیا ہے اور جو بھی ترجمہ کیلئے اٹھتا ہے۔ اسے بکواس مبین بنانا جا رہا ہے۔ لوگ مفکر قرآن بن کر اٹھتے ہیں اور امت کو مزید گمراہی میں مبتلا کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ آئیے ہم نوح البلاغہ کے پہلے خطبے سے اپنا وہ ترجمہ دکھائیں جس میں حضرت علیؑ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور ان کی تخلیق کے متعلق تمام آیات کو اجاگر فرماتے ہیں۔

(ب) حضرت علیؑ، صاحب قرآن تخلیق آدمؑ پر چند قابل فہم جملے ارشاد فرماتے ہیں۔ یہی وہ بزرگ و برتر اور تخلیق کائنات پر شہید ہیں جن سے

پوچھنا لازم ہے۔

آپ نے ضرور دیکھا ہوگا کہ دفتروں میں اور ان لوگوں کی میزوں پر جو کاغذات پھیلائے رکھتے ہیں، مختلف شکل کے پیپر ویٹ (کاغذ دبانے کے وزن Paper weights) ہوتے ہیں۔ تاکہ کاغذات اڑنے اور بکھرنے نہ پائیں۔ ان میں کچھ شیشے کے بنے ہوئے بھی ہوتے

ہیں۔ بڑے دیدہ زیب، گنبد نما، جن کے اندر بڑے حسین رنگوں کے پھول بھی ہوتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ایک پیپر ویٹ لے کر کسی بھی عالم یا آیت اللہ، حجۃ اللہ کے پاس جائیں اور اُسے دکھا کر دریافت کیجئے کہ حضور اس سفید شیشے کے اندر یہ مختلف رنگ کے پھول کیسے بنائے گئے ہیں؟ اگر آپ نے اور مجتہد صاحب نے کسی گلاس فیکٹری میں جا کر بلبوں (Bulbs) چینیوں، گلاسوں وغیرہ کو بناتے اور بنتے ہوئے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تو آپ اور وہ اُن کے متعلق جو کچھ کہیں گے وہ قیاس باطل کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ انسان ہی کے متعلق نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز کی تخلیق کے متعلق صحیح جواب اُس انسان کا ہو سکتا ہے جو تخلیق کے مختلف مراحل میں اپنے ہوش و حواس و عقل و شعور کے ساتھ اس مقصد کے لئے موجود رہا ہو یا رکھا گیا ہو کہ اُس کو کائنات کی ہر چیز کی تخلیق و ماہیت و خواص و غرض و غایت بیان کرنا اور سکھانا ہے۔ سرسری طور پر اتنا قید دیکھ لینا کافی نہیں ہے۔ نہ تماشائی کی حیثیت سے دیکھنا مفید ہے۔ اپنے ہاتھوں تخلیق کے تمام مراحل مکمل کرنے والا ہی کہہ سکتا ہے کہ:

”آدم کا خمیر میں نے چالیس دن میں تیار کیا تھا“

ہم نہیں جانتے مگر اندازہ ہے کہ چالیس میں کا ہر دن پچاس پچاس ہزار سال کا ہونا چاہئے یعنی کم از کم بیس لاکھ سال کی مدت صرف خمیر اُٹھانے اور ساننے میں لگنا چاہئے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ لَا يَمُوتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهِ وَ كَفَىٰ بِهِ بُدُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ۝ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمَنُ فَسئَلُ بِهِ خَبِيرًا ۝ (فرقان 25/58-59)

مودودی ایسے دشمن علی کا ترجمہ؟

”اے محمد اُس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں۔ اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو۔ اپنے بندوں کے گناہوں سے پس اُس کا باخبر ہونا کافی ہے۔ وہ جس نے چھ دنوں میں زمین اور آسمانوں کو اور اُن ساری چیزوں کو بنا کر رکھ دیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں، پھر آپ ہی (کائنات کے تحت سلطنت) ”عرش“ پر جلوہ فرما ہوا۔ رحمن، بس اس کی شان بس کسی جاننے والے سے پوچھو“
(تفسیر القرآن جلد 3 صفحہ 460۔ فرقان 25/58-59)

ہمارا با مقصد اور قرآن کے الفاظ کی رعایت کے ساتھ ترجمہ۔

”اے محمد، تم اپنے تمام معاملات اور مشکلات میں اُس مخصوص زندہ ہستی پر بھروسہ رکھو جو کبھی مرنے والی نہیں ہے اور اُس کی حمد کو ہمہ گیر بنا دو اور وہی اپنے تمام بندوں کے متعلقات پر ایسا خبیر ہے کہ جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہے سب کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کے بعد عرش پر مرکز حکومت قائم کیا۔ بہر حال رحمن اور اُس کی مخلوقات کی تفصیل پر تم خبیر سے معلومات حاصل کیا کرو“۔

ان دونوں آیات میں دو (2) خبیر مذکور ہوئے ہیں۔ ایک خبیر اللہ ہے۔ جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ دوسرا خبیر مخلوق ہے۔ اور رحمن پر اور اُس کی مخلوقات پر تخلیقی طور پر مطلع ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ انسانی زبان میں انسانوں کی سمجھ میں آسکنے کے قابل کائناتی معلومات پر اُس سے خود بھی سوال کیا کریں اور دوسروں کو بھی حکم دیں کہ جس بات کو بھی وہ نہ جانتے ہوں اور جاننا چاہیں تو اُس صاحب قرآن اور صاحب رسول سے دریافت کر لیا کریں (21/7، 16/43)

حضرت آدم اور علیؑ

اب ہم حضور علیہ السلام کے بیان کا صرف ترجمہ لکھیں گے اور جملوں کے مذکورہ نمبر بھی دیں گے تاکہ ترجمہ کا مقابلہ کیا جاسکے:

(115) پھر اس ذات پاک نے زمین میں سے رنج و ملال و سہولت فراہم کرنے والے عناصر جمع کئے (116) اور لذیذ و تلخ سامان فراہم کیا (یعنی صرف مٹی ہی جمع نہیں کی تھی بلکہ وہ سامان لیا تھا جو غذاؤں کی صورت میں انسان کو مٹی سے ملتا ہے۔ احسن)

(117) عناصر سے بھر پور اُس مٹی کو پانی کے ساتھ اُس وقت تک قانونی ترکیب دی گئی جب تک کہ وہ خلوص کی حامل نہ ہوگی۔

(118) اور اُس کو افادیت کے ذخیرہ کے ساتھ حاملہ کیا جاتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک مخصوص حالت اختیار کر گئی۔

(119) چنانچہ یوں تیار کردہ سامان سے اللہ نے ایک ایسی چہلی صورت تیار کر دی جو پسند کر کے وصول کرنے والی اور ناپسند کر کے الگ اور دُور کرنے والی تھی۔ (120) اور جس میں اعضائے جسمانی اور جسم کے مختلف حصے تھے۔ (121) اُسے منجمد کرنے کی کارروائی اُس وقت تک جاری رکھی گئی جب تک اُس کے تمام اعضا نے آپس میں تعلق پیدا نہ کر لیا۔ (122) اور جسمانی اعضا میں تمسک کے بعد اُس مجسمہ کی صفائی، (123) رعنائی کا کام اس وقت تک جاری رہا جب تک اس نے راحت اور تکلیف پر رد عمل ظاہر نہ کیا۔ (124) یہ تمام عمل در آمد برابر ایک قابل شمار مدت تک جاری رکھا گیا جس کی صحیح مدت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ (125) جسمانی ساخت اور نظام جسمانی کی تکمیل کے بعد اللہ نے اُس مجسمہ کے اندر اپنی روح میں سے پھونک دیا۔ (126) پھر کیا تھا وہ مجسمہ تو ایسے انسان کی صورت میں اُٹھ کھڑا ہوا جو ذہنی قوتوں کو استعمال کرنے والا تھا۔ (127) اور قوت فکریہ پر قابو رکھتا تھا۔ (128) اور اپنے اعضائے جسمانی سے خدمت و کام لیتا تھا۔ (129) اور آلات و وسائل کو انقلاب کے لئے استعمال کرتا تھا۔ (130) اور ایسی معرفت اور تمیز رکھتا تھا جو حق اور باطل کا فرق معلوم کر لیتی تھی۔ (131) اور مختلف چیزوں کے ذائقے اور خوشبو کا پتہ چلا سکتی تھی (132) اور تمام رنگوں اور جنسوں کو جان سکتی تھی۔ (133) اس لئے کہ وہ..... خود بھی مختلف قسم کے رنگوں کے نچوڑ اور خصوصیات کا مرکب تھا۔ (134) اور کائنات کی مختلف یگانگت رکھنے والی چیزوں کی پیداوار تھا۔ (135) اور اُس میں وہ اجزا بھی تھے جو ایک دوسری کی ضد ہوتے ہیں اور (136) ایسے عناصر اور موالیہ بھی تھے جن میں کشیدگی پائی جاتی ہے۔ (137) مثلاً وہ سردی اور گرمی کا بھی احساس رکھتا تھا۔ (138) اور افادیت اور جمود کو جانتا تھا اور پرکھ سکتا تھا۔ (139) اور وہ مسرت اور کوفت و برائی میں تمیز کر سکتا تھا۔ (140) اور اب اللہ سبحانہ نے ملائکہ سے اپنی سوچی ہوئی امانت طلب کی جو اُن کے پاس تھی۔ (141) اور چاہا کہ ملائکہ وہ معاہدہ پورا کریں جو اُن کے ساتھ کیا گیا تھا۔ (142) جو کہ آدمؑ کے لئے سجدہ کے حکم کو تسلیم کرنے کے معاملہ میں تھا۔ (خطبہ نمبر 1 بیان الامامة)

قارئین سوچیں کہ اس چشم دید اور حقیقت انگیز بیان کی موجودگی میں بھی علمائے شیعہ نے تخلیق آدم علیہ السلام پر وہی بکواس جاری رکھی جو قریشی پالیسی اور روایات نے فراہم کی تھی۔ گارے مٹی، کچھڑے اچھالنے اور دل دل میں چھنسنے اور پھنسانے میں مصروف رہے۔ حالانکہ مٹی ہی تمام پھول اور اُن میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔ سونا چاندی اور پھل اور پھلوں میں ذائقے اور لذت عطا کرتی ہے۔ اُسی سے نرمی، سختی، جذبات اور احساسات پیدا ہوتے ہیں۔ آئیے جھوٹوں پر لعنت کریں اور یہ بتائیں کہ مولائے کائنات کے استعمال کردہ الفاظ ”الْحَمَاءُ“ اور ”الْحَمَّةُ“ سے مراد جہاں سارے برسر پیکار قریش مع طلحہ وزبیر اور عائشہ ہیں۔ وہیں سارے قریشی قبیلے کو سُسرالی رشتہ والا قبیلہ فرمایا ہے اور اُس پر یہ حقیقت مزید واضح فرمائی ہے کہ یہ قبیلہ درحقیقت خانوادہ نبوت علیہ السلام کی حمایت میں داخل تھا۔ یعنی حمایت میں اور سرپرستی میں رہتے رہتے اسماعیل علیہ السلام کی

اولاد میں کہلانے لگا۔ ورنہ درحقیقت وہ قحطان کی نسل کے مخلوط النسل لوگ تھے۔ یعنی خالص قحطانی بھی نہ رہے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہیں حضرت قُصَّی علیہ السلام مکہ کے گرد و نواح میں سے جمع کر کے (قریش کے معنی) خانہ بدوشی کی زندگی چھوڑنے اور مکہ کے خالی پڑے ہوئے گھروں میں آباد ہو جانے کو کہا تھا۔ اور یوں یہ لوگ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ہوتے ہوئے بھان متی کا کنبہ بنے اور بنی ہاشم کی خدمت کرتے کرتے رشتہ دار بن بیٹھے اور حکومت پر قبضہ کر لینے کے بعد تو باقاعدہ افسانوی تاریخ و حدیث و تفسیر سے رشتہ داری کو ثابت کرنے کا ڈھونگ رچایا اور صدیوں تک اتنا ڈھول پیٹا اور پروپیگنڈا کیا کہ ساری دنیا نے یہ سمجھ لیا کہ:

”اچھے، بُرے، مخالف و موافق، جیسے بھی تھے، تھے رشتہ دار ہی“

حالانکہ اُن خبیثوں سے محمدؐ و علیؑ اور اُن کے خاندان علیہم السلام کا کسی قسم کا بھی رشتہ نہ تھا۔ قریش ایک مخاطب مگر غیر قوم اور دشمن قوم تھی۔

(فرقان 25/31)

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 32

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 32

خطبہ ﴿32﴾

عہدِ مرتضوی کے مسلمانوں کا دین اسلام سے تعلق اور عملِ در آمد،
مسلمانوں کی چار بڑی بڑی قسمیں، منبر نشین لٹیرے اور متقی و مقدس قزاق۔

- 1- دین کی آڑ میں قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے والے۔ 2- منبروں پر تقریروں اور قیادت و سربراہی کے ذریعہ دولت کمانے والے۔ 3- دین کو مقدس و متقیوں کے لباس میں تباہ کرنے والے۔ 4- دینی اقدار کو بدلنے والے نیکی کو بدی اور برائی کو اچھائی بنا ڈالنے والے۔ 5- آفات و حادثات سے لاپرواہ اور غافل رہنے والے۔ 6- قیامت کے مواخذہ سے ڈر ڈر کر آنسو بہانے والے، گوشہ نشینی میں بھی خوف و ہراس و ذلت میں بسر کرنے والے۔ 7- نصیحت و تبلیغ کرتے کرتے تھک کر، اکتا کر بیٹھ رہنے والے، منہ بند کر کے ذلت اور زبردستی کی زندگی بسر کرنے والے۔ 8- صرف دعاؤں سے حالات کو بدلنے میں کوشاں اور ناکام لوگ۔ 9- علم سے کام نہ لینے اور جہالت پر قناعت کر لینے والے۔ 10- دنیا کمانے کے لئے نیکیاں کرنے والے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

1	اے لوگو! ہم نے ایسے لوگوں کی دنیا میں صبح کی ہے جو بغض و عناد میں مبتلا ہیں۔	أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا قَدْ أَصْبَحْنَا فِي ذَهْرِ عُنُودٍ؛
2	اور ہم ایسے زمانہ میں موجود ہیں جس میں ناشکری کا دور دورہ ہے۔	وَرَمَنٍ كُنُودٍ؛
3	جہاں نیکوں سے بدکاروں ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔	يُعَدُّ فِيهِ الْمُحْسِنُ مُسِيئًا؛
4	اور جہاں ظالم لوگوں کی سرکشی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔	وَيَزِدُّوهُمُ الظَّالِمُ فِيهِ عُنُودًا؛
5	ہم اپنے علم اور معلومات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔	لَا نَنْتَفِعُ بِمَا عَلَّمْنَا؛
6	اور جن چیزوں سے ہم جاہل ہیں ان کا علم حاصل نہیں کرتے۔	وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا جَهِلْنَا؛
7	اور جب تک آفات و مصائب ہمارا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے اس وقت تک ہم ان سے نہیں ڈرتے۔	وَلَا نَتَخَوَّفُ قَارِعَةً حَتَّى تَحِلَّ بِنَا؛
8	چنانچہ یہاں چار قسم کے لوگ ہیں اور ان چاروں قسموں میں سے ایک وہ ہیں	فَالنَّاسُ عَلَى أَرْبَعَةٍ أَصْنَافٍ:
9	جو اس دنیا میں اس لئے فتنہ و فساد پھیلانے سے باز رہتے ہیں کہ وہ خود گھٹیا	مِنْهُمْ مَنْ لَا يَمْنَعُهُ الفَسَادُ فِي الأَرْضِ
	درجے کے اور بے علم و ہنر لوگ ہیں اور اپنے گھٹیا پن اور بے بضاعتی پر مطلع	الإمهانة نفسه؛
	ہیں اور یہ کہ:	

10	ان کے پاس لوگوں کو مغلوب کرنے اور متاثر کرنے کا سامان محدود ہے۔	وَكَالَآءُ حَدِّهِ؛
11	اور ان کے پاس سرمایہ بھی کافی نہیں ہے۔ (ورنہ وہ فساد کرتے)	وَنَضِيضٌ وَفَرِهِ؛
12	اور دوسرے وہ ہیں جو تیغ بکف رہتے ہیں۔	وَمِنْهُمْ الْمُصَلِّتُ لِسَيْفِهِ؛
13	اور اعلانیہ شتر پھیلانے کا کاروبار کرتے ہیں۔	وَالْمُعِينُ بِشَرِّهِ؛
14	اور اپنی کامیابی کے لئے سوار و پیادہ افواج جمع کر کے قتل و غارت کر رہے ہیں،	وَالْمَجْلِبُ بِخَيْلِهِ وَرَجْلِهِ؛
15	اور حصول مقصد کے لئے اپنی ذات کو داؤ پر لگا دیا ہے	قَدْ أَشْرَطَ نَفْسَهُ؛
16	اور اپنے دین کو تباہ و برباد کر لیا ہے۔	وَأَوْبَقَ دِينَهُ؛
17	تاکہ دین کے ذریعہ دنیا و دولت کمائے اور دین کو دنیا کے بدلے بیچتا رہے۔	لِحَطَامِ تَسْتَهْرَهُ؛
18	یا دین کے ذریعہ سے قیادت اور سربراہی حاصل کر لے،	أَوْ مُقْنَبٍ يَفُودُهُ؛
19	یا منبر پر تسلط حاصل کر کے اپنے وسائل میں وسعت پیدا کرے۔	أَوْ مُنْبِرٍ يَفْرَعُهُ؛
20	بہت ہی برا کاروبار ہے یہ کہ جس میں اپنا دین اپنی عزت اور اپنی ذات اور اپنی آخرت کے پیسے بنا لئے ہیں۔	وَلَيْسَ الْمُتَجَرُّ أَنْ تَرَى الدُّنْيَا لِنَفْسِكَ ثَمَنًا؛
21	اور اللہ کی نعمتوں کا گھٹیا بدلہ لیا ہے۔	وَمِمَّا لَكَ عِنْدَ اللَّهِ عَوَاضًا؛
22	اور ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو دینی عبادات و رسومات و تبلیغات اس لئے جم کر کرتے ہیں کہ ان اعمال سے دنیا کمائیں۔	وَمِنْهُمْ مَنْ يَطْلُبُ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ؛
23	اور دنیا میں نیکیاں کر کے آخرت میں نجات حاصل نہیں کرتے۔	وَلَا يَطْلُبُ الْآخِرَةَ بِعَمَلِ الدُّنْيَا؛
24	انہوں نے اپنی شخصیت پر مصنوعی انکساری سنجیدگی اور وقار برقرار رکھنے کی پریکٹس کر لی ہے۔	قَدْ طَامَنَ مِنْ شَخْصِهِ؛
25	وہ آہستہ آہستہ خاص انداز سے قدم اٹھاتے ہوئے چلا کرتے ہیں۔	وَقَارَبَ مِنْ خَطْوِهِ؛
26	اپنے لباس اور دامن اور پیجامہ کو سنوار کے سنبھال کے رکھتے ہیں۔	وَشَمَّرَ مِنْ ثَوْبِهِ؛
27	اور اپنے مصنوعی حالات ایسے بنا لیتے ہیں کہ لوگ انہیں امانت دار سمجھنے لگتے ہیں۔	وَزَحْرَفَ مِنْ نَفْسِهِ لِلْأَمَانَةِ؛
28	انہوں نے اللہ کے پردہ پوشانہ رویہ کو گناہ کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے تاکہ موقع شناسی سے گناہ کریں۔	وَاتَّخَذَ سِتْرَ اللَّهِ ذَرِيعَةً إِلَى الْمَعْصِيَةِ؛
29	ان ہی میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو فطری سستی اور کم ہمتی کی بنا پر ملکی اقتدار	وَمِنْهُمْ مَنْ أَقْعَدَهُ عَنْ طَلَبِ الْمُلْكِ

حاصل کرنے میں جھپٹ گئے ہیں (ورنہ وہ بھی دوسروں کی طرح فتوحات میں حصہ لیتے)	صُوُوْلَةٌ نَفْسِهِ ؛
30 اور وسائل و اسباب کے فقدان نے انہیں مجبور کیا ہے کہ:-	وَأَنْقَطَاعُ سَبَبِهِ ؛
31 جس ناسازگار ماحول میں پڑے ہیں اسی حال پر قناعت کر لیں۔	فَقَصْرَتْهُ الْحَالُ عَلَىٰ حَالِهِ ؛
32 انہوں نے اپنی تمام کمزوریوں کو چھپانے کیلئے قناعت کا زیور و لباس پہن رکھا ہے	فَتَحَلَّىٰ بِإِسْمِ الْقَنَاعَةِ ؛
33 اور خود کو عابدوں اور زاہدوں کے بہروپ میں لوگوں کے سامنے ڈھونگ کے لباس میں سجا کر پیش کرتے ہیں۔	وَتَزَيَّنَ بِلِبَاسِ أَهْلِ الزَّهَادَةِ ؛
34 حالانکہ قناعت و زہد و عبادت سے ان لوگوں کو نہ سوتے وقت اور نہ ہی جاگتے وقت کوئی تعلق رہتا ہے۔	وَلَيْسَ مِنْ ذَلِكَ فِي مَرَاحٍ وَلَا مَعْدَىٰ ؛
35 اب باقی رہے چوتھی قسم کے تھوڑے سے لوگ جن کی آنکھیں اللہ کی طرف واپسی کی یاد میں اور واپسی کی فکر میں جھکی رہتی ہیں۔	وَبَقِيَ رِجَالٌ غَضَّ أَبْصَارَهُمْ ذِكْرُ الْمَرْجِعِ ؛
36 اور حشر و نشر کے خوف سے آنسو بہتے رہتے ہیں۔	وَأَرَأَقَ دُمُوعُهُمْ خَوْفَ الْمَحْشَرِ ؛
37 ان میں سے بعض ترک دنیا کر کے تنہائیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔	فَهُمْ بَيْنَ شَرِيْدٍ نَادٍ ؛
38 کچھ خوف زدہ و ستم رسیدہ ہیں اور ذلتیں برداشت کر رہے ہیں۔	وَحَايِفٍ مَّقْمُوعٍ ؛
39 اور ایسے بھی ہیں جو ہمیشہ کے لئے چپ سادہ چکے ہیں۔	وَسَاكِتٍ مَّكْعُومٍ ؛
40 کچھ حصول مقاصد دینی کے لئے پر خلوص دعائیں مانگتے ہیں	وَدَاعٍ مُّخْلِصٍ ؛
41 کچھ غم زدہ اور درد رسیدہ ہیں۔	وَتَكْلَانِ مُوجِعٍ ؛
42 یقیناً انہیں تقیہ نے گنہگار کے پردہ میں دھکیل دیا ہے۔	فَدَاخَمَتْهُمْ النَّقِيَّةُ ؛
43 اور تقیہ ہی نے انہیں ذلت و خواری سے دوچار کر دیا ہے۔	وَشَمَلَتْهُمْ الدَّلَّةُ ؛
44 وہ ایک تنگی کے سمندر میں غوطے کھا رہے ہیں۔	فَهُمْ فِي بَحْرِ أَجَاجٍ ؛
45 ان کے منہ بند ہیں کہ تنگی اندر نہ جائے،	أَفْرَا هُهُمْ صَامِرَةٌ ؛
46 اور ان کے دلوں کے اندر گھاؤ زخم ہیں،	وَقُلُوبُهُمْ قَرِحَةٌ ؛
47 یقیناً انہوں نے اس قدر تبلیغ اور وعظ کئے کہ وہ اکتا گئے اور ان کا دل بھر گیا۔	فَدَوَعُظُوا حَتَّىٰ مَلُّوا ؛
48 اور ان پر اس قدر جبر ہوا کہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔	وَقَهَرُوا حَتَّىٰ ذَلُّوا ؛
49 اور اتنا قتل کئے گئے کہ قلیل تعداد میں رہ گئے۔	وَقَتِلُوا حَتَّىٰ قَلُّوا ؛

ان حالات کا تقاضا یہ ہے کہ تمہاری نظر میں دنیا اور دنیا کا سامان ببول کے چھلکوں،	50	فَلْتَكُنِ الدُّنْيَا فِيْ اَعْيُنِكُمْ اَصْغَرَ مِنْ حُثَالَةِ الْقَرَطِ ؛
اور اون کے دھول نما ذروں سے زیادہ قیمتی نہ رہنے پائے۔	51	وَقُرْاٰصَةِ الْجَلْمِ ؛
اور تمہیں اپنے سے قبل کے لوگوں کے حالات سے عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہئے	52	وَاتَّعِظُوْا بِمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ قَبْلَ اَنْ يَّتَّعِظَ بِكُمْ مِنْ بَعْدِكُمْ ؛
ایسا نہ ہو کہ تمہارے بعد والے لوگ تمہارے برے حالات سے سبق حاصل کریں۔	53	وَارْقُصُوْهَا دَمِيْمَةً فَاِنَّهَا قَدَرٌ فَصَتْ مَنْ كَانَ اَشْغَفَ بِهَا مِنْكُمْ ؛
لہذا تمہیں چاہئے کہ تم دنیا کی آسائشوں کو مذموم سمجھ کر اسکے سامان سے روگردانی کر لو		
اس لئے کہ اس دنیا نے ان لوگوں سے منہ پھرا لیا تھا جو تم سے زیادہ اس کے شیدا تھے۔		

تشریحات۔

وفات رسول کے فوراً بعد سے لے کر اپنے زمانے تک قریش اور امت کے مابین گزرنے والے حالات و حادثات کو حضور نے سمیٹ کر

بعد والے لوگوں کے لئے جمع کر دیا ہے۔

یہ خطبہ جہاں قریشی حکومتوں اور عہد مرتضوی کے مسلمانوں کی رُوداد بیان کرتا ہے وہیں دنیا میں رہنے کا طریقہ بھی سامنے لاتا ہے۔ اور وہ مختصر آئیے ہے کہ انسان دنیا کو آخرت کمانے کا ذریعہ بنائے اور دنیا، سامان دنیا اور لذت و آسائش دنیا میں گم ہو کر نہ رہ جائے۔ جیسا کہ اس رُوداد میں تفصیل سے مذکور ہوا ہے اور ان تمام طریقوں سے بچ کر گزرے جن کی حضور نے مذمت کی ہے۔

1۔ اپنے موجودہ علم سے استفادہ کرنا اور اپنی موجودہ جہالت کو دُور کرنے کے لئے علم حاصل کرنا۔

اس خطبے میں جو چیز سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ مفید اور سب سے زیادہ نظر اندازی کا شکار ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسانوں کی کثرت ان چیزوں پر عمل نہیں کرتی جو اُس کے علم میں ہیں، جنہیں تمام انسان جانتے ہیں کہ وہ ہر طرح مفید ہیں، صحیح ہیں اور ساری نوع کی فلاح و بہبود کی ضامن ہیں۔ مثلاً ہمیں معلوم ہے کہ بچ بولنا اچھا ہے، پسندیدہ اور مفید ہے۔ جھوٹ بولنا بُرا ہے ناپسندیدہ ہے اور نقصان ہی نقصان پہنچاتا ہے ہمیں معلوم ہے کہ سخاوت اچھی اور مفید ہے۔ بخل یا کجوتی بُری اور مُضر ہے۔ آپ خود سوچئے آپ کو یقین ہو جائے گا کہ ایک جاہل آدمی بھی ہزاروں مفید چیزوں کا علم رکھتا ہے۔ اور آپ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ہزاروں سال پہلے کے تمام انسان مزید علوم و تعلیمات حاصل کرنا بند کر کے اپنی اُس وقت کی موجودہ معلومات سے استفادہ شروع کر دیتے اور کوئی ایسا کام نہ کرتے جو اُن کے علم میں بُرا تھا تو اس دنیا کا ہزاروں سال پہلے ہی نقشہ بدل چکا ہوتا۔ یہ دنیا جنتِ نظیر اور نوع انسان کے لئے امن و عافیت و آسائشوں کا گہوارہ بن گئی ہوتی۔ اور اگر آج بھی انسان اس پر عمل کریں تو بدرجہا بڑھا ہوا نتیجہ سامنے آئے گا۔ اور اگر ساتھ ہی جو فائدہ پہنچانے والی چیزیں معلوم نہ ہوں انہیں معلوم کر کے اُن کو بھی عملی زندگی میں شامل کر لیا جائے تو چشمِ تصور سے دیکھئے کہ یہ دنیا اور یہ انسانیت کیا سے کیا بن جائے اور کہاں جا پہنچے؟ یہ سب کچھ اور وہ بہت کچھ جو آپ کے تصور میں آسکتا ہے۔ حضور

نے ان دو (2) جملوں میں فرمایا ہے کہ: لَا نَنْتَفِعُ بِمَا عَلَّمْنَا؛ وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا جَهِلْنَا؛ (خطبہ نمبر 32، جملہ نمبر 5 تا 6)

1۔ ہم اپنے علم اور اپنی معلومات سے فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں۔ 2۔ اور جن چیزوں سے ہم جاہل ہیں اُن کا علم حاصل نہیں کرتے۔ دوسرے الفاظ

میں یہ کہا جاسکتا کہ یہ دو (2) جملے انسانی فلاح و بہبود کی ذمہ داری لے سکتے ہیں۔

2- بات دراصل معلّم اور علم سے صحیح استفادہ کی ہو رہی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کے یہ دونوں جملے اور ہمارا توضیحی بیان ہماری موجودہ حالت اور موجودہ حالت میں ہمارے علم اور جہالت اور جہالت کو علم سے بدلنے کی بات کرتے ہیں۔ لہذا یہ سوال پہلے نمبر پر سامنے آتا ہے کہ جن چیزوں کا آج نوع انسان کو علم نہیں ہے۔ اُن کو کس سے معلوم کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ جس حقیقت سے یا جن حقائق سے پوری نوع انسان یا سارے انسان لاعلم و جاہل ہیں وہ حقیقت یا حقائق انسانوں کو کون بتائے گا؟ ساتھ ہی یہ سوال ہوتا ہے کہ یہ آج تک کی معلومات یا علم، انسانوں کو کس نے دیا تھا؟ اگر اس دوسرے سوال کا صحیح جواب مل جائے تو پہلے سوال کا جواب بھی مل جائے گا۔ یعنی جس نے آج کی معلومات انسانوں کو دی تھیں وہی آئندہ بھی بتائے گا۔ اور انسان اُس ہی سے علم حاصل کیا کریں گے۔ اور جو کچھ جاننا چاہیں گے اُسی سے دریافت کر لیا کریں گے۔ لہذا اُن دونوں جملوں میں پوشیدہ اصلی اور بنیادی سوال یہ ہے کہ وہ پُر یقین اور آزمودہ ذریعہ علم کیا ہے، کون ہے کہ جس کی ہر بات صحیح، بے خطا اور ہر حالت میں حقیقتِ واقعی ہوتی ہے۔ جس میں ہرگز غلطی کا امکان نہیں ہوتا؟ نہ ہو سکتا ہے۔ غور کیجئے کہ حضرت علی علیہ السلام نے کتنے سادہ جملوں میں کتنی اہم اور انتہائی مفید اور کیسی اصولی و بنیادی بات لپیٹ دی ہے؟ کہ جس کو سمجھنے اور بیان کرنے کے لئے دفتر چاہئے۔

3- انسان کی بے روک و مسلسل ترقی کے لئے ضروری و لازم ہے کہ پوری کائنات اور ساری کائناتی مخلوقات و موجودات کا علم رکھنے والا انسانوں کے درمیان رہے۔

جو کچھ اب تک ہوا اور آج ہو رہا ہے وہ تو یہ ہے کہ ہر انسان اپنے نزدیک والے انسان سے دریافت کرتا چلا جا رہا ہے۔ اور جس سے یہ اُمید ہوتی ہے کہ وہ صحیح جواب دے سکے گا۔ اُس سے معلومات حاصل کر کے عمل کیا جاتا ہے۔ اور کوئی بھی تو ایسا شخص اس دُنیا میں نہیں گزرا جس نے اپنے علم و یقین کے ماتحت کسی بھی نقصان پہنچانے والی چیز پر عمل کیا ہو۔ اس کے باوجود انسانوں کو ہر قسم کا نقصان ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اُسے اپنی اصلاح حال کے لئے برابر نئے اور اپنے یقین کے مطابق عمدہ سے عمدہ اور مفید طریقے اور قوانین بنانا اور پھر اُن میں ترمیم کرنا پڑتی رہی ہے۔ یعنی انسانی ترقی نہ مسلسل ہو سکی اور نہ وہ نقصانات اور تَضییح جان و مال و اوقات سے محفوظ رہ سکا ہے۔ یہ حال ساری اقوام کا ہے۔ اس میں باندھب اقوام بھی ہیں۔ اور مذہب سے آزاد (کمپونٹ و سوشلسٹ) اقوام و ممالک بھی شامل رہے ہیں۔ اور سب کا حال اس معاملے میں یکساں ہے۔ آج انسانی علما دن رات تجربات میں مصروف ہیں۔ اور اُن کے تجربات پر نوع انسان کی خون پسینی کی کمائی خرچ ہوتی ہے۔ اگر وہ کسی حقیقی اور مفید نتیجے پر پہنچتے ہیں تو اُس کے بدلے انسانوں کی کثرتِ فلاش و لنگال ہو جاتی ہے۔ بچوں کی ہڈیوں کا گودا اور خون اُن تجربات پر خرچ ہو جاتا ہے۔ یہ ترقی ہی کا ثمر تو ہے کہ آج انسان بھوکوں مر رہے ہیں۔ اور کثرتِ الناس کو وہ مصنوعی گھی، نقلی اور بے غذائیت انڈے اور دودھ ملا ہوا پانی بھی میسر نہیں آتا۔ انسانوں کے پاس کھانا، کپڑا اور سرچھپانے، دھوپ اور بارش سے محفوظ رہنے کے لئے مکان نہیں سفر کے لئے سائیکل بھی نہیں۔ اگر کروڑوں اربوں انسانوں کا یہ حال ہو تو اُن چند ہوائی جہازوں سے انہیں کیا فائدہ پہنچے گا جو حکومت کی تحویل میں رن ویز (Runways) پر کھڑے یا اڑ رہے ہوں یعنی وہ جہاز وہ اسلحہ اور بیٹنک اُن ہی کے نقصان اور دیوالہ کا باعث بنتے ہیں جن کی گاڑھے خون و پسینی کی کمائی سے خریدے جاتے ہیں۔ اور دن رات تجربہ و تحقیق کرنے والوں کے لئے فرصت، سہولتیں، اطمینانِ قلب و ذہن اور آرام و آسائش اور عمدہ غذا فراہم کرنا بھی تو اُن ہی کا کام ہے۔

جنہیں نہ خود پیٹ بھر لٹا سیدھا موٹا جھوٹا کھانا ملتا ہے۔ نہ اُن کے بچوں کو غذا دو دو امیسر آتی ہے نہ اُن کا آرام و چین سے کوئی رشتہ ہے۔ حکومت کے لئے قوانین بنانے والوں، ترقی کے منصوبے تیار کرنے والوں کے لئے آسائشوں اور نعمتوں کا انبار لگائے رکھنا بھی اُن ہی بد نصیبوں کی ذمہ داری ہے۔ جنہیں چلنا تو سارے دن پڑتا ہے لیکن پیر میں جوتا پہننا عید پر بھی نصیب نہیں ہوتا اور ہوتا ہے تو پھر بچوں کے خون اور ہڈیوں کے گودے میں غیر محسوس کمی کر کے ہوتا ہے۔ یہ حال ساری دنیا کا، ہر ملک کا اور ہر قوم کا ہے۔ یہ ہے وہ ترقی جس پر ہر منٹ انسانی خون کی بھینٹ چڑھائی جا رہی ہے اور مسلمان ہوں یا عیسائی، یہودی ہوں یا ہندو، پارسی ہوں یا بدھ مذہب، کمیونسٹ ہوں یا سوشلسٹ ہوں۔ سب اسی طریقہ حصول علم و ترقی پر متفق و متحد ہیں۔ یعنی وہ سب ایک مذہب ایک فلسفہ حیات اور ایک ہی دین کے لوگ ہیں۔ رہ گئے اُن کے اپنے اپنے الگ الگ مذہب وہ صرف نعروں اور عوام کو گرمانے اور ساتھ لگائے رکھنے کے لئے ہوتے ہیں۔ مثلاً کمیونزم کا قانون، مذہب یا نعرہ یہ ہے کہ: (کام قابلیت کے مطابق اجرت ضرورت کے مطابق)

(1) ”ہر شخص کو لازم ہے کہ وہ اپنی قابلیت کے مطابق محنت سے کام کرے اور نظام پر واجب و لازم ہے کہ ہر شخص کی ضرورت کے مطابق کام کا اجر فراہم کرے۔“

(2) ”طبقہ واریت کو مٹانا“، یعنی الفاظ ”امیر و غریب“، چھوٹا اور بڑا ”علی و ادنیٰ“، کو حرف غلطی کی طرح عملاً مٹا کر چھوڑنا۔“

اس قسم کے نعرے ان سب اقوام و مذاہب کے یہاں ہیں۔ مگر عملی دنیا سب کی ایک ہے۔ فرق اتنا ہے جس کے یہاں جتنے زیادہ نعرے ہیں وہ باقی سب اقوام و مذاہب سے زیادہ پس ماندہ، بد حال، بد معاش، بد کردار، بدنہاد اور بد عقل ہے۔ بہر حال آج دنیا کی تمام اقوام و اہل مذاہب اس پر متفق ہیں کہ راہنمائی اور حصول علم کا یہی طریقہ ہے جس پر عمل ہو رہا ہے۔ اور کوئی ایسا طریقہ اور حصول علم کا ذریعہ نہیں ہے جس سے سو فیصد صحیح ہدایات و علم حاصل کیا جاسکے۔ جس میں غلطی ناممکن ہو اور جو طریقہ متفقہ طور پر پسندیدہ اور اُن سب کا مختار ہے وہ یہ ہے کہ:

”عقلائے قوم جمع ہوں اپنے علم و تجربہ سے اپنی اپنی تحقیق پیش کریں۔ جس تجویز پر عقلائے قوم کی کثرت متفق ہو جائے اُسے اُس وقت تک صحیح اور آخری فیصلہ سمجھا جائے جب تک اُس میں غلطی کے وجود پر پھر عقلائے قوم متفق نہ ہو جائیں۔ اُس کے بعد دوسرا متفقہ فیصلہ صحیح اور آخری بات ہوگا۔ جب تک کہ.....“

عقل انسانی کی یہ گردش یا دور دورہ میں رہتا چلا جائے گا۔ جب تک کہ گردشِ زمانہ جاری رہے گی۔ اور یہ دور و دورہ صراطِ مستقیم یعنی سیدھا راستہ کہلائے گا۔ اور یوں نوع انسان چکر کھاتی، چکراتی اور چکروں کو سیدھا راستہ سمجھتی فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

4۔ حضرت علیؑ اپنے زمانہ میں اسی قسم کے مسلمانوں، یہود و نصاریٰ اور پارسیوں اور صابیوں اور عقلا کو اس چکر اور مشاورت و اجتہاد کے دورہ سے نکال کر حقیقی علم دینا چاہتے تھے۔

عہد مرتضوی کی دنیا عموماً اور اُس وقت کے مسلمان خصوصاً حضرت علیؑ علیہ السلام کے مخالف تھے۔ اُس وقت دنیا کی تمام اقوام میں عموماً اور حکومت روم و ایران و یونان میں خصوصاً مندرجہ بالا مشاورت و اجتہاد کا طریقہ جاری تھا۔ اور یہ طریقہ نوع انسانی کے کئی ہزار سال کی تحقیق و محنت کا نتیجہ تھا اور اس طریقہ کو عمر بن الخطابؓ مسلمانوں میں سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور اُسے اختیار کرنے میں بڑی دل چسپی لیتے تھے۔ چنانچہ علامہ شبلی سے سنئے لکھتے ہیں کہ:

(الف) خلیفہ دوم عمر بن الخطاب نے نوع انسانی کی سابقہ محنت اور مجتہدانہ سعی و کوشش کو اپنایا اور مسلمانوں میں رائج کر کے چھوڑا۔

”حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے۔ اور اُن میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں۔ اُن کو اختیار کرتے تھے۔ خراج، عسور، دفتر، رسد کاغذات حساب ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران و شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا (یعنی جو قریشی پالیسی کے خلاف ملا۔ احسن) اُس کی اصلاح کر دی (یعنی اپنی پالیسی کے رُوپ میں ڈھال دیا۔ احسن) عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حدیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ یہ زمین دار مع مترجم کے اُن کے پاس آئے۔ اور انہوں نے اُن سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے یہاں مالگزاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا؟ ”جنزیہ“ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا ہے۔ تاہم اُس کی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیروان نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیروان کے انتظامات و بالخصوص جزیرہ کا ذکر کیا ہے لکھا ہے:

”وَهِيَ الْوُدَائِعُ النَّبِيُّ اَفْتَدَى بِهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ حِينَ افْتَحَ بِلَادَ الْفَرَسِ“۔

یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمر نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو اُن کی اقتداء کی“ (تاریخ طبری صفحہ 223)

”اس سے زیادہ صاف اور موضح علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے۔ علامہ مذکور نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بوعلی سینا کا معاصر وہم پایہ تھا۔ تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ”تجارب الامم“ ہے۔ اُس میں جہاں حضرت عمر کے انتظامات ملکی کا ذکر لکھا ہے کہ:

”وَكَانَ عُمَرُ يَكْثُرُ الْحُلُوقَةَ بِقَوْمٍ مِنَ الْفَرَسِ يَقْرَؤْنَ عَلَيْهِ سِيَاسِيَاتِ الْمُلُوكِ وَلَا سِيَمَا مَلُوكِ الْعَجَمِ

لِفَضْلَاءِ وَسِيَمَا انوشیروان فانہ کان مُعْجِباً بِهَا كَثِيرِ الْاِفْتِدَاءِ بِهَا“

”یعنی عمر فاروق فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے۔ یہ لوگ اُن بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ خصوصاً

شاہان عجم اور اُن میں بھی خاص کر نوشیروان کے۔ اس لئے کہ اُن کو نوشیروان کے آئین بہت پسند تھے اور اُن کی بہت پیروی کرتے تھے۔“

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمر نے

اُس کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا اور انتظامات ملکی کے متعلق اُس سے اکثر مشورہ لیتے۔“ (الفاروق حصہ 2 صفحہ 88-89)

یہاں تک یہ تو ثابت ہو گیا کہ قرآن کی تعلیمات کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یعنی تیئیس (23) سالہ طرز عمل کو ناکافی

و ناقص پا کر عمر نے اپنے وسیع تر اسلامی منصوبے کے لئے سابقہ ماہرین سیاسیات اور حکومتوں اور اقوام کے قوانین و تجربات کو اختیار کر لیا تھا۔ مگر یہ

نہیں سمجھنا چاہئے کہ عمر نے قرآن و سنت پر نظام مشاورت و اجتہاد کا یہ اضافہ اپنی خلافت کے دوران کیا ہوگا۔ ایسا سمجھنا اس لئے غلط ہے کہ ابوبکر کی

خلافت کا زمانہ بھی عمر کے احکام و مشورے کے ماتحت رہا ہے۔ یعنی خلیفہ خود عمر ہی تھے۔ ابوبکر کی آڑ میں حکومت وہی چلا رہے تھے۔ اس حقیقت کی

طرف علامہ مودودی اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

(ب) ابوبکر کو خلیفہ بنانا مخالفوں کو ٹھنڈا کرنے کیلئے تھا۔ ورنہ درحقیقت عمر ہی حکمران تھے۔

”حنفیہ کا استدلال اُس واقعہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد عُبَیْدِ بْنِ حِصْنٍ اور اقرع بن حابس حضرت ابوبکر کے پاس

آئے اور انہوں نے ایک زمین آپ سے طلب کی۔ آپ نے اُن کو عطیہ کا فرمان لکھ دیا۔ انہوں نے چاہا کہ مزید چنگی کے لئے دوسرے اعیان صحابہ بھی اس فرمان پر گواہیاں مثبت کر دیں۔ چنانچہ گواہیاں بھی ہو گئیں مگر جب یہ لوگ حضرت عمر کے پاس گواہی لینے گئے تو انہوں نے فرمان کو پڑھ کر اُسے اُن کی آنکھوں کے سامنے چاک کر دیا اور اُن سے کہا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی تالیف قلب کے لئے تمہیں دیا کرتے تھے۔ مگر وہ اسلام کی کمزوری کا زمانہ تھا۔ اب اللہ نے اسلام کو تم جیسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس پر وہ حضرت ابوبکر کے پاس شکایت لے کر آئے اور آپ کو طعنہ بھی دیا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 206)

آپ نے دیکھ لیا کہ ابوبکر اور تمام بڑے بڑے صحابہ اللہ ورسول کے حکم (سورہ توبہ۔ 9/60) پر عمل کرنا مفید سمجھتے تھے۔ لیکن عمر کو اللہ ورسول کے طرز عمل کو جاری رکھنا مفید نظر نہ آیا اس لئے قرآن کے اُس غیر مشروط حکم پر عمل بند کر دیا۔ جسے اللہ نے فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ فرمایا تھا۔

(ج) مودودی نے ابوبکر کا جواب چھپا کر یہاں بھی خیانت کی ہے۔

یعنی عمر نے اللہ ورسول کو اُس مقام سے معطل کر دیا کہ اُن کی ہر تعلیم، اُن کا ہر حکم ہر حالت میں انسانوں کے لئے مفید ہوتا ہے۔ اور انسانی فیصلوں اور تقاضائے وقت اور مصلحتوں کو اللہ، قرآن اور رسول پر ترجیح دینے یعنی اجتہاد کرنے کا طریقہ جاری کر دیا۔

اب یہ سنئے کہ جب مذکورہ بالا دونوں صحابہ رسول شکایت لے کر ابوبکر کے پاس آئے۔ تو ابوبکر کا جواب مودودی نے لکھنا پسند نہیں کیا یعنی مودودی کو یہ پسند نہ آیا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ابوبکر کی آڑ میں خود عمر حکمرانی کر رہے تھے۔ چنانچہ اسی قسم کی مداخلت کا ایک دوسرا واقعہ تاریخ خمیس سے سنئے اور عمر کی بالادستی ملاحظہ کیجئے اور ابوبکر کا وہ جواب سنئے جو حقیقت واضح کیا کرتا تھا۔

خَرَجَ زَبْرَقَانُ وَالْأَفْرَعُ (بن حابس) إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَقَالَا اجْعَلْ لَنَا خِرَاجَ الْبَحْرَيْنِ وَنَضْمَن لَكَ أَنْ لَا يَرْجِعَ مِنْ قَوْمِنَا أَحَدٌ“ فَفَعَلَ وَكَتَبَ الْكِتَابَ وَكَانَ الَّذِي يَخْتَلِفُ بَيْنَهُمْ طَلْحَةَ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ وَأَشْهَدُ وَأَشْهَدُ مِنْهُمْ عُمَرُ، فَلَمَّا تَى عُمَرَ بِالْكِتَابِ فَنظَرَ فِيهِ لَمْ يَشْهَد. قَالَ لَا وَاللَّهِ وَلَا كِرَامَةَ. ثُمَّ مَزَقَ الْكِتَابَ وَمَحَاه. فَغَضِبَ طَلْحَةُ فَاتَى أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ أَنْتَ الْأَمِيرُ أَمْ عُمَرُ؟ فَقَالَ عُمَرُ. غَيْرَ أَنَّ طَاعَةَ لِي. فَسَكَتُ“۔ (تاریخ خمیس جلد 2 صفحہ 247)

”زبرقان اور افرع بن حابس حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ بحرین کا خراج ہمارے لئے مقرر کر دیجئے اور ہم لوگ ضامن ہوتے ہیں کہ ہماری قوم سے کوئی شخص نہیں پلٹے گا۔ حضرت ابوبکر نے یہ بات مان لی اور ایک دستاویز لکھ کر دے دی۔ ان لوگوں کے درمیان طلحہ بن عبید اللہ معاملہ طے کر رہے تھے۔ اُن لوگوں نے اس دستاویز پر کئی گواہ مقرر کئے جن میں عمر کا نام بھی تھا۔ مگر جب گواہی کے لئے عمر کے پاس وہ دستاویز لائی گئی تو عمر نے اُسے پڑھا اور دستخط نہیں کئے اور کہا کہ خدا کی قسم یہ نہایت مضر کام ہے پھر اس دستاویز کو پھاڑ کر یہ بات ہی مٹادی۔ طلحہ غصہ میں بھرے ہوئے ابوبکر کے پاس آئے اور سوال کیا کہ تم حکمران ہو یا عمر؟ ابوبکر نے کہا کہ حکم تو عمر کا چلتا ہے اور نام میری اطاعت کا ہوتا ہے“

یہ اور ایسے بہت سے واقعات قریشی تاریخوں میں مذکور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمر ہی نے قومی حکومت کا منصوبہ اور اُس کی پالیسیاں تیار کی تھیں اور وہی از اول تا آخر اس حکومت کو مستحکم کرنے اور چلانے والے تھے۔ البتہ قومی مصلحت کے ماتحت ابوبکر کو پہلا نمبر دیا تھا اور خود کو دوسرے نمبر پر رکھنا مفید سمجھا تھا (حج 9 تا 22) اور پہلے ہی دن سے ایران و یونان اور رومی حکومتوں کے اور یہود و نصاریٰ کے اجتہاد کو اپنا

راہنما بنا لیا تھا اور قرآن کو اُن کے قوانین پر ڈھالنے کا کام تو مکہ ہی میں مکمل کر چکے تھے (فرقان 25/30)

(د) پھر مودودی کی مدد سے قریش اور عمر کا اللہ قرآن کریم اور رسول کو چھوڑنا اور طاغوتی اجتہاد کو علمی مرکز بنانا دیکھیں۔

حضرت علی علیہ السلام مسلمانوں کو اس خطبے (32) میں یہی بتا رہے تھے کہ تم نے قرآن کی آڑ میں یہود و نصاریٰ اور ایران و یونان وغیرہ کے قواعد و قوانین و رسوم و رواج کو اختیار کر رکھا ہے۔ حالانکہ تم یہ جانتے ہو کہ قرآن، رسول اور اللہ ہی صحیح تعلیمات کے ذمہ دار ہیں اور انہوں نے تمہیں طاغوتی یا شیطانی طرز زندگی پر عمل کرنے سے بار بار اور طرح طرح منع کیا ہے۔ (نساء 65 تا 60/4) مگر تم برابر یہود و نصاریٰ کی پیروی کرتے جا رہے ہو۔ مودودی سے بھی سن لیں:

”یعنی پہلے انہوں نے خود ہی عقائد اور احکام میں مویشگافیاں کیں اور ایک ایک چیز کے متعلق سوال کر کر کے تفصیلات اور قیود کا ایک جال اپنے لئے تیار کر لیا، پھر خود ہی اُس میں اُلجھ کر اعتقادی گمراہیوں اور عملی نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اس گروہ سے مراد یہودی ہیں جن کے نقش قدم پر چلنے میں قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات کے باوجود، مسلمانوں نے کوئی کسر اٹھانہیں رکھی“۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 508)

قارئین نے قرآن کی تنبیہات پر حوالے دیکھے ہیں (آل عمران 101-100/3) اور ہم نے صحیح بخاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ احادیث پیش کر دی ہیں جن میں حضور نے اطلاع دی تھی کہ:

”اے میرے مخاطب صحابہ تم یہود و نصاریٰ کی اور ایران و روم و یونان کے لوگوں کی بالشت بالشت (شِبْرًا شِبْرًا) پیروی کرو گے اور اُن میں سے کوئی اگر کسی جانور کے سوراخ میں گھسا ہوگا تو تم بھی گھسو گے“۔ (بخاری جلد 2 صفحہ 1088)

اس تفصیل سے یہ یقین ہو جانا چاہئے کہ قومی حکومت بنا کر قریش نے قرآن سے علوم حاصل کرنا بند کر دیا تھا۔ بلکہ قرآن فہمی کے لئے اپنی ایک مجلس مشاورت بنا کر علم کو اُس مجلس کے اندر محدود کر دیا تھا۔ حالانکہ بقول حضرت علی علیہ السلام وہ جانتے تھے کہ اُس مجلس مشاورت کا ہر فرد ایک محدود علم و تجربہ اور معلومات رکھتا ہے۔ اور یہ کہ اُن میں سے کوئی بھی یعنی ابو بکر و عمر بھی کائناتی علوم و اطلاعات سے آگاہ نہیں۔ اور یہ بھی کہ وہ سب جانتے تھے کہ وہ تمام خاطی ہیں۔ یعنی اُن سب سے کسی چیز کو سمجھنے اور سمجھانے میں بھی ہر وقت غلطی ممکن ہے۔ اور وہ سب اپنی غلط کاری کو مانتے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ قرآن کے علوم اور کائناتی معلومات بس اُسی قدر اور اتنی ہی ہیں جتنی اُن کے نظام مشاورت کے مجتہدین کو ہیں۔ اور جہاں تک نظام مشاورت کے وہ خاطی علماء سوچ سکتے ہیں اُس سے آگے نہ کوئی سوچ سکتا ہے اور نہ اُس سے آگے کچھ حقائق موجود ہیں۔ لَا يَحْسَبُ الْعِلْمَ فِي شَيْءٍ مِّمَّا أَنْكَرَهُ؛ وَلَا يَرَىٰ أَنْ مِنْ وَرَاءِ مَا بَلَغَ مَذْهَبًا لَّغَيْرِهِ۔ (خطبہ نمبر 17، جملہ نمبر 31 تا 32)

5۔ حضرت علی قریش اور ابو بکر و عمر کے بگاڑے ہوئے یہود و نصاریٰ اور ایران و روم و یونان کی پیروی کرنے والے مسلمانوں کو قرآن

و اسلام کی تعلیمات کی طرف لانا چاہتے تھے۔

اس خطبہ میں پہلے مسلمانوں کو اُن کی تیار کی ہوئی دُنیا کے لئے فرمایا ہے کہ:

إِيَّهَا النَّاسُ إِنَّا قَدْ أَصْبَحْنَا فِي دَهْرٍ عَنُودٍ؛ وَزَمَنٍ كَنُودٍ؛ يُعَدُّ فِيهِ الْمُحْسِنُ مُسِيئًا؛ وَيَزِدُّهُ الظَّالِمُ فِيهِ عُتُوًّا؛ لَا نَنْتَفِعُ بِمَا عَلَّمْنَا؛ وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا جَهِلْنَا؛ وَلَا نَتَخَوَّفُ قَارِعَةً حَتَّى تَحِلَّ بِنَا؛ (خطبہ نمبر 32، جملہ 1 تا 7)

اے لوگو تمہاری اس دنیا میں چاروں طرف بغض و عناد پھیلا ہوا ہے اور ایک ایسا دور گزر رہا ہے جس میں ناشکری اور احسان فراموشی کا دور دورہ ہے۔

اور تمہارے تیار کردہ نظام کی وجہ سے یہاں نیوں کے ساتھ مجرموں ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظلم و جبر کا نظام جاری کرنے والوں کی ہمت افزائی ہوتی رہتی ہے۔ اور تمہاری تیار کی ہوئی اس دنیا میں لوگ اپنی ذاتی معلومات اور علم سے فائدہ نہ اٹھائیں گے بلکہ ایک خاٹی قیادت کی پیروی کرتے چلے جائیں گے۔ اور تقلید کی پٹی باندھے ہوئے اور اپنی جہالت پر برقرار رہتے چلے جائیں گے (خطبہ 32، جملہ 5-6)۔ اور ایسے غافل ہو جائیں گے کہ جب تک مصیبت سر پر ٹوٹ نہ پڑے اور دروازوں کو کھٹکھٹاتی نہ پھرے اُس سے بچنے کا کوئی خیال تک نہ کریں گے۔ اور یوں اچانک مصیبت میں گرفتار ہو جانے کا تدارک پہلے سے معلوم کر کے نہ رکھیں گے (خطبہ 32، جملہ 6)۔ اس لئے کہ اُن کے قائدین جانتے ہی نہیں کہ آفات و حادثات ارضی و سماوی سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ حالانکہ قرآن کریم نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کی اور ہر صورت حال کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ اور اُسے ہر اُس شخص اور قوم کے لئے ہدایت کا اور رحمت بنا کر قیامت تک موجود رکھا ہے۔ جو اللہ کی ایسی قدرت اور ایسے ہدایت کار کا وجود مانتا ہو۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ:

(الف) قرآن اور صاحب قرآن ہر وقت انسانوں کے درمیان موجود رہے گا۔ ہر ضرورت مند اور مسائل ہر وقت استفادہ کر سکے گا۔

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصَدِّقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَنَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (12/111)

مودودی ترجمہ: ”یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں اُن ہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والی قوم کے لئے ہدایت اور رحمت“۔ (سورہ یوسف 12/111 اور تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438)

(ب) قریش نے صرف اس لئے قرآن میں ہر چیز کی اور ہر سوال کے جواب کی تفصیل کا انکار کیا کہ علیؑ کو سربراہ ماننا پڑتا۔

قرآن کے ان الفاظ کو اور مودودی کے اس ترجمہ کو بغور دیکھیں اور سوچیں کہ اس قریش پرست عالم نے مان لیا کہ:

”قرآن میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے“ پھر یہ سوچیں کہ ”ہر چیز کی تفصیل“ کہنے کے بعد کوئی چیز ایسی بھی ہو سکتی ہے کہ جس کی تفصیل ہر چیز کی تفصیل سے باہر رہ جائے؟ مگر قریش اور قریشی مذہب کے علما کے لئے یہ ماننے ہی کہ ”قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے“ وہ تمام راستے بند ہو جاتے ہیں جن سے وہ اپنے من پسند خیالات اور اپنی ذاتی و قومی مصلحتوں اور تمناؤں کو اسلام کہہ کر دنیا میں پھیلا نا چاہتے تھے۔ لہذا ابو بکر و عمر نے اور اُن کے بعد اُن کے ہم مذہب علما نے دنیا میں یہ مشہور کیا کہ قرآن ایک نامکمل کتاب ہے۔ اس میں چند اصولی تعلیمات ہیں۔ جن کو سامنے رکھ کر علمائے نئے مسائل خود اپنی عقل اور اجتہاد سے تیار کریں گے۔ لہذا انہوں نے اس آیت (12/111) کا ترجمہ صحیح کر کے بھی لکھ دیا کہ:

مودودی اینڈ کمپنی قرآن کی ہمہ گیری کا انکار کرتی ہے۔

”یعنی ہر اُس چیز کی تفصیل جو ”انسان کی ہدایت و راہنمائی کے لئے ضروری ہے“ بعض لوگ ”ہر چیز کی تفصیل“ سے مراد خواہ مخواہ دنیا

بھر کی چیزوں کی تفصیل لے لیتے ہیں اور پھر اُن کو یہ پریشانی پیش آتی ہے کہ قرآن میں جنگلات اور طب اور ریاضی اور دوسرے علوم و فنون

کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی“۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438)

فیصلہ ہو گیا کہ قرآن میں نہ جنگلات کی تفصیل ہے اور نہ طب و حکمت ہی کی تفصیل ہے۔ نہ ریاضی، حساب و الجبراء وغیرہ کی تفصیل قرآن میں ہے نہ کہیں اُس میں دوسرے ہزاروں علوم و فنون کی تفصیل ہے۔ اگر قریش کے اس عقیدے اور بیان کو صحیح مان لیا جائے تو تین باتیں ایک ساتھ ماننا پڑیں گی۔

اول یہ کہ رسول اللہ (معاذ اللہ) جنگلات اور علم طب اور علم الحساب اور باقی تمام علوم و فنون سے ناواقف تھے۔ لہذا دوم یہ کہ: رسول اللہ، اُن تمام علما کے محتاج تھے جو جنگلات اور مذکورہ علوم میں مہارت رکھتے تھے اور اُن سے آنحضرتؐ بہر حال افضل نہیں تھے۔ اور سوم یہ کہ: انسانی ہدایت اور راہنمائی میں اُن تمام علوم و فنون کی ضرورت نہیں ہے۔ جو مذکور ہوئے۔ یعنی ایک مسلمان کو نہ جنگلات کے متعلق کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے وہ علم الطب، علم الہندسہ یا حساب و ریاضی اور باقی تمام علوم و فنون کو سیکھے بغیر صحیح مسلمان رہتا ہے۔ یعنی مذہب اسلام چند عبادات و رسوم کا نام ہے۔ اور بس۔

اور یہی سبب ہے کہ اس چودہ سو سال میں مسلمان علما دنیا کی تمام اقوام کے علما اور دانشوروں کے محتاج رہتے چلے آ رہے ہیں۔ اُن سے عقل و ہنر اور علوم کی بھیک مانگتے رہے ہیں۔ اور اپنے نام نہاد بے دینوں اور کافروں یعنی بقول اُن کے، یہود و نصاریٰ اور کمیونسٹوں سے بھیک مانگتے رہے ہیں۔

(ج) قریش نے قرآن کو اپنے سابقہ مذہب کے عقائد پر فٹ کر کے قرآن کو جھٹلا دیا ہے۔

ہم قرآن ہی سے یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ نے نوع انسان کو لامحدود ترقی اور لامحدود حیات حاصل کرنے کے لئے ہر چیز کی تفصیل کی حامل کتاب اور کتاب کے معلم عطا کئے تھے۔ اور چونکہ قریش نے اپنی قومی حکومت بنا تھی (بقرہ 2/205، محمد 47/22۔ وغیرہ) اس لئے انہوں نے قرآن کی معنوی تحریف کر کے قرآن کو اپنے عقائد پر فٹ کیا (فرقان 25/30) اور جو کچھ خود گھڑا اُسے قرآن کی تعلیمات کہہ کر قرآن کی حقیقی تعلیم کو جھٹلا دیا تھا (انعام 6/66) اس لئے ہم اللہ رسول اور قرآن کو سچا اور ابوبکر و عمر اور قریش کو اور قریشی مذہب کو جھوٹا اور فریب ساز کہنے میں قرآن کی رو سے حق بجانب ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ قرآن میں حقیقتاً ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ مگر اس قوم کو وہ تفصیلات نہیں مل سکتیں جو قرآن پر اور قرآن کے بتائے ہوئے طریقوں پر ایمان نہ لائے اور اُن طریقوں سے ہٹ کر قرآن سے وہ تفصیلات تلاش کرنا چاہئے (یوسف 12/111)

(د) قرآن رسول کی اور رسول والوں کی زبان سے آسان بنایا گیا ہے قرآن کی تعلیم اہل قرآن یعنی اہل الذکر سے حاصل کر کے سب کچھ ملے گا۔

سننے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: فَانْمَا يَسْرُوْنَهٗ بِلِسَانِكَ لِيُبَشِّرَ بِهٖ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنذِرَ بِهٖ قَوْمًا لَّدَا (مریم 19/98)

”اے محمدؐ اس کے سوا کچھ اور مطلب اخذ کرنا غلط ہوگا کہ ہم نے تو قرآن کو تمہاری زبان سے آسان کیا ہے اور آسان صرف اس لئے کیا ہے کہ آپؐ متقی یعنی ذمہ دار لوگوں کو اس قرآن سے تمام خوشخبریاں دیتے چلے جائیں اور اُس قوم کو اُس کی بد عملی سے خبردار کرتے رہیں جو خود بھی اور اُس مسلمان قوم کا رہنما بھی تمہارا حریف اور انتہائی کمینہ دشمن یعنی اَلَّذٰلِحِصَام (بقرہ 2/204) ہے۔“

وَتَوَكَّلْ عَلٰی الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبٍ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝۔۔ الخ (فرقان 25/58-59)

پھر فرمایا کہ:۔ اے محمدؐ تم اپنے تمام معاملات و مشکلات میں اُس زندہ ہستی پر توکل اور اعتماد رکھو جس نے کبھی مرنا نہیں ہے اور اللہ کی حمد کو ہمہ گیر بناتے رہو اور اللہ اپنے بندوں کے متعلقات سے خبردار ہے وہی جس نے چھ دن کے اندر اندر تمام آسمانوں کو اور تمام زمینوں کو اور اُن تمام ہی مخلوقات و موجودات کو بنا کر تیار کر دیا تھا جو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہیں۔ پھر اُس نے عرش پر ساری کائنات کی حکمرانی کا مرکز قائم کیا تھا۔ چنانچہ رحمان کی اور عرش کی اور ساری کائنات و مخلوقات کی تفصیل اس خبیر سے معلوم کرتے رہو۔ (فرقان 25/58-59)

لہذا واضح الفاظ میں معلوم ہوا کہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل اس لئے رکھی گئی ہے کہ ایک ایسی ہستی سے معلومات حاصل کی جائیں جسے

خود اللہ ساری کائنات کی ہر چیز پر خیر فرماتا ہے اور خود رسول کو حکم دیتا ہے کہ وہ بھی اس خیر سے دریافت کیا کریں اور امت کو بھی بتائیں کہ:

﴿فَسَلُّوْا اَهْلَ الدِّيْكَرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (نحل 16/43)، ﴿فَسَلُّوْا اَهْلَ الدِّيْكَرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورہ انبیا 21/7)

”وہ جو کچھ نہ جانتے ہوں اور جاننا چاہیں تو اہل ذکر سے سوال کیا کریں“

ان آیات (21/7، 16/43، 25/59) میں یہ بات واضح ہوگئی کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے اللہ نے قرآنی اور کائناتی علوم حاصل کرنے کیلئے ان کے اندر اہل قرآن اور اہل رسول کا وجود قائم رکھا ہے۔ جنہیں قرآن نے ”اَہْلُ الدِّيْكَرِ“ کے لقب سے متعارف کرایا ہے اور قرآن میں ”الدِّيْكَرِ“ سے رسول اللہ بھی مراد ہیں (سورہ طلاق 11-10/65) اور خود قرآن کو بھی الذکر فرمایا گیا ہے (نحل 16/44) لہذا معلوم ہوا کہ وہ حضرات جو رسول والے ہیں وہی قرآن والے ہیں۔ اور وہی حضرات ہیں جو خود بھی مجسم قرآن ہیں یعنی قرآن روز ازل سے ان کے سینوں میں آیات بینات کی صورت میں لکھا ہوا موجود تھا (عنکبوت 29/49)۔ اور ظاہر ہے کہ وہ حضرات رسول کے علاوہ ہیں۔ لہذا وہی عہد رسول میں علی، حسن اور حسین اور فاطمہ کی صورت میں موجود تھے۔ اور اس طرح یہ انتظام قرآن سے ثابت ہے کہ عہد رسول سے 61 ہجری تک اسلام کی سربراہی اور امت کی ہمہ گیر تعلیم کے ذمہ دار علی حسن اور حسین علیہم السلام تھے اور قرآن کی ہمہ گیر تعلیم کو قیامت تک برقرار رکھنا ان ہی کی ذمہ داری تھی۔ اور اس سلسلہ امامت و خلافت و حکومت الہیہ نے مسلسل جاری رہنا ہے۔ اور قریش نے مکہ ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ محمد کے خاندان میں حکومت کو ہرگز نہ جانے دیں گے۔ (الفاروق حصہ 2 صفحہ 103۔ و۔ طبری)

اور ثابت کر دیں گے کہ قریش کا کوئی فرد بھی خاندان رسول سے نہیں ہے۔ یعنی بنی امیہ ہوں یا بنی عباس ہوں وہ ہرگز رسول کے رشتہ دار یا خاندان کے افراد نہ تھے۔ اس لئے کہ حکومت ان کو ملی تھی، اور ان ہی میں رکھی گئی۔ قریش نے اپنی حکومت بنانے کا فیصلہ کر کے ساری دنیا کو ان نعمتوں سے محروم کر دیا جو قرآن اور صحابہ قرآن علیہم السلام کی ہمہ گیر تعلیم سے ملنا طے پایا تھا۔ اور اس فیصلے کے بعد خود بھی قرآن اور صحابہ قرآن سے کٹ کر رہ گئے۔ اور پوری نوع انسان کو بھی اپنے فریب انگیز پروپیگنڈے سے کاٹ کر رکھ دیا۔ اور اس نتیجے پر متفق ہو گئے کہ آئندہ قیامت تک اللہ سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ کائنات میں ارتقائی ترقیاں اور تبدیلیاں ہوتی چلی جائیں گی مگر انسانوں کو ان ترقیوں سے مستفید ہونے کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے۔ انسان خود اپنے محدود تجربوں اور عقل سے کام لیتا اور ٹھوکریں کھاتا چلا جائے گا۔ قریشی مسلمانوں کے لیڈروں، راہنماؤں اور ابوبکر و عمر کی پیش کردہ اس اسلامی صورت نے اس دنیا میں ہر انسان کو، ہر قوم کو اور ہر ملک کو خود غرض بنا دیا اور روئے زمین پر چھینا چھٹی اور لوٹ مار اور قتل و غارت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی دوڑ دھوپ شروع ہوگئی اور قدرتی طور پر انسان ان چار قسم کے گروہوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے جن کا حضرت علی علیہ السلام نے اس خطبہ نمبر 32 میں ذکر فرمایا ہے اور ہر ایک کے چند اعمال و تصورات لوگوں کے سامنے رکھے ہیں۔

6۔ قریش نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے تلوار اور بے رحمی و بے دردی کو اپنا وسیلہ بنا کر رسول اللہ کی عطا کردہ قوتوں کو خرچ کر دیا۔

قریش کی فتوحات اور غلبہ کا راز اس اسکیم میں ہے جو ان کے عظیم راہنما عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بڑے خلوص اور اللہ کو گواہ بنا کر صاف الفاظ میں رکھی تھی اور آنحضرت کو بہت پسند آئی تھی اور اگر کہیں اللہ نے مداخلت کر کے اس پر خلوص راہنما کو یعنی عمر کو آنحضرت کا مدد مقابل حریف و انتہائی کمینہ اور بے درد دشمن قرار نہ دے دیا ہوتا تو بظاہر نظر رسول اللہ اس کی اسکیم کو تسلیم کر لیتے۔ اور اس سے وہ منصوبہ نہ بنانا پڑتا جو اسے مجبور ہو کر بنانا پڑا تھا اور اسے اس کی ضرورت نہ پڑتی کہ وہ خانوادہ نبوت کو یعنی علی کو ہمیشہ کیلئے اسلامی حکومت سے محروم کرتا۔ نہ

اُسے قرآنی تعلیمات کو تبدیل کرنے کی ضرورت پڑتی۔ نہ بیت النبوت و امامت میں آگ لگانا پڑتی نہ جنگ جمل و صفین پیش آتی نہ کربلا کا دلدروز روح فرسا قتل عام ہوا ہوتا۔ پوری زمین، ساری دنیا اور تمام اقوام عالم اور سارے مذاہب اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہوتے اور اقصاء عالم تک ہر طرف اسلامی پرچم لہراتا۔ اور قرآن کا وہ انتہائی وعدہ بھی پورا ہو جاتا جو اللہ نے بہت سے دوسرے وعدوں کے ساتھ، قرآن میں کیا ہے اور اسلامی تحریک کا آخر منظر اور نتیجہ یوں پیش فرمایا ہے کہ:

(الف) اللہ کا بار بار دُہرایا ہوا وعدہ جس کو سامنے رکھ کر عمر نے پہلا اور دوسرا منصوبہ بنایا اور بے جگری سے چلایا۔

اَوَّلُ مَا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِمَّنْ آتَرَ الشُّجُودَ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزُرِّ أَخْرَجَ شَطَاةَ فَازَرَةٍ فَاصْتَعْظَمَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوْقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ (سورہ الفتح 28-29-48)

”وہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایات اور دین حق کے ساتھ ارسال کیا ہے تاکہ اُس رسول کو تمام دینوں پر غلبہ دے دے۔ اور اس پر اللہ ہی چشم دید گواہ کی حیثیت سے کافی ہے۔ اللہ کا وہ رسول محمد ہے اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے بہت شدت برتنے والے اور آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔ تم جب بھی انہیں دیکھو تو انہیں رکوع اور سجدوں میں اللہ کا فضل اور خوشنودی طلب کرتے ہوئے پاؤ گے اور اُن کے چہروں پر بھی رکوع اور سجدوں کے اثرات موجود ہیں۔ اُن کی وہ صفات تو ریت میں بھی مذکور ہیں اور انجیل میں اُن کی مثال یوں ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کوئیل نکالی اور پھر اُسے طاقتور بنایا پھر وہ موٹی تازی ہوئی اور یوں رفتہ رفتہ مضبوطی سے اپنے تنے پر جم کر کھڑی ہو گئی جو کہ کھیتی ہونے والوں کو پسند آتی ہے اور کفار کو اس مثال پر غصہ آتا ہے۔ اللہ نے اُن لوگوں سے مغفرت اور عظیم الشان اجر کا وعدہ کیا ہوا ہے جو ایمان لا کر صالح اعمال بجالاتے ہیں۔“

یہ نوٹ کرنے کی پہلی بات ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں 6 ہجری میں تلاوت کی گئی تھی۔ دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ ان دونوں آیات کے ترجمہ میں عمر کی ذہنیت اور سوجھ بوجھ کی رعایت کی گئی ہے۔ یا یوں کہئے کہ شیعوں اور سنیوں کے قدیم مترجموں کا خیال رکھا گیا ہے۔ تاکہ اُس اسکیم کو آسانی سے قارئین کے ذہن میں بٹھایا جاسکے جو عمر نے ان آیات کو سننے کے بعد تیار کی تھی۔

(ب) عمریا اسی قسم کے لوگ ان آیات سے کیا سمجھ سکتے تھے؟ اور آیات میں مذکورہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے انہیں کیا کچھ کرنا چاہئے تھا؟

قارئین کو چاہئے کہ وہ مندرجہ بالا ترجمہ ہمارے ساتھ ساتھ پڑھیں اور جو کچھ ہم اب لکھیں اُس کو اس نظر سے دیکھیں کہ آیا ہم آیات سے وہ مفہوم صحیح اخذ کرتے ہیں یا نہیں جسے ہم عمر کی طرف سے پیش کرنے والے ہیں۔ یعنی ہمیں ان آیات سے وہ اسکیم اخذ کرنا ہے جو عمر نے آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم کے روبرو پیش کی تھی جو بقول قرآن حضور کو پسند آئی تھی۔ لہذا آپ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ:

(1) اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے رسول کی حیثیت سے بھیجا تھا اور اللہ کا مقصد یہ تھا کہ:

(2) محمدؐ کو دنیا میں موجود تمام دینوں پر غلبہ عطا کرے۔ چنانچہ تمام ادیان پر غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ:

(3) اُن تمام اقوام پر غالب آجانا جو اُن مذاہب یا ادیان کی پیرو تھیں۔ اور اس زمانہ میں جو ادیان موجود تھے۔ وہ:

(4) یہودی مذہب۔ 2۔ عیسائی مذہب۔ 3۔ زرتشتی مذہب یعنی مجوسیت۔ 4۔ بدھ مذہب۔ 5۔ ہندو یا جینی مذہب۔ 6۔ کنفیوشس اور۔ 7۔ طاؤ مذہب۔ 8۔ صابئی مذہب۔ 9۔ شنو مذہب۔ 10۔ فطرت پرست یا دہریہ مذہب۔ 11۔ مشرک یا مذہب اشترائیت۔ 12۔ مجسمہ پرستی۔ یہ بارہ مذاہب عرب سے لے کر تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ یعنی مقصد خداوندی حاصل کرنے کے لئے لازم تھا کہ اُن تمام اقوام پر غلبہ حاصل کیا جائے جو ان بارہ مذاہب پر عمل پیرا تھیں۔ یعنی۔

(5) اسلام اور محمدؐ کو ساری دنیا کی اقوام و مذہب پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے لازم تھا کہ ایک جنگی پالیسی تیار کی جائے۔ اور کھیتی کی طرح۔ (6) ایک کوئیل سے ابتدا کر کے تناور درخت کی صورت اختیار کی جائے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے ساتھی مومنین اللہ کے فضل و خوشنودی کی طلب میں دن رات رکوع اور سجدوں میں گزاریں اور ایک پیارا اور رحیمانہ ماحول تیار کریں اور (7) جو لوگ اسلام اختیار نہ کریں اُن پر ممکن تشدد کریں یہاں تک کہ وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔ اور۔ (8) اس انتہائی مقصد کو حاصل کرنے میں کسی ملامت، طعن و طنز اور فلسفہ و نصیحت کو روک نہ بننے دیں۔ نیز۔ (9) قرآن کی دوسری ہدایات کے ماتحت جنگی سامان، اسلحہ اور گھوڑے برابر جمع رکھیں اور بڑھائیں تاکہ متمدن اقوام اور حکومتوں کی افواج کو شکست دے سکیں۔ اور انہیں اسلام کے اور اطاعتِ رسول کے سامنے جھکا سکیں۔

قارئین کرام نے اگر اپنے ذہن سے وہ تمام خیالات و عقائد نکال کر غور کیا ہے جو انہیں اُن کے ماحول و مذہب نے عطا کئے ہیں تو انہیں ان نو (9) نتائج سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بہر حال یہ نو باتیں عمر نے نوٹ کیں اور اُس کتابچہ میں لکھ دیں جو وہ تیار کرتے چلے آ رہے تھے۔ (الفاروق حصہ 2 صفحہ 110 وغیرہ) اور لکھا تھا کہ:

دوم- يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُنِيرُهُمْ وَهُوَ كَرِيمٌ نُّورُهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ (صف 9-8/61)

”کافروں اور مشرکوں کا ارادہ یہ ہے اور آئندہ بھی رہے گا کہ وہ اپنے پروپیگنڈے سے اللہ کے نور کی روشنی کو پھیلنے سے روک دیں اور اللہ اپنے نور کو پوری طرح پھیلانے والا ہے خواہ کافروں پر جبر ہی کیوں نہ گزر جائے۔ وہی تو وہ ہستی ہے جس نے اپنے رسولؐ محمدؐ کو ہدایات اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ محمدؐ کو تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرکوں پر جبر ہی کیوں نہ گزر جائے۔“

قارئین نوٹ کریں کہ اللہ کا یہ وعدہ جنگ احد کے بعد تیسری ہجری میں تلاوت کیا گیا تھا۔ یعنی عمر تین سال سے اسلام کو اور اسلام کے رسولؐ کو روئے زمین پر غلبہ دلانے کیلئے پر غور کر رہے تھے۔ اور اسی وعدے میں واضح کیا گیا تھا کہ کافروں اور مشرکوں کو مجبور کرنا اور اسلام کو غالب کر کے چھوڑنا ہی اللہ کا منشا و مقصود ہے۔ اور اسی لئے محمدؐ کے ساتھیوں کو اَشِدَّةَ آءِ عَلَى الْكُفَّارِ (و الْمُشْرِكُونَ) فرمایا گیا ہے۔ یعنی عمر کی نو (9) نکاتی اسکیم کی تصدیق و تائید ہوتی چلی گئی ہے۔ اور پھر 9 ہجری میں اللہ نے پھر تصدیق فرمادی کہ:

سوم- يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ (9/32-33) (سورہ توبہ)

”کفار اور مشرکین یہ ارادہ رکھتے ہیں اور وہ اس ارادہ پر برقرار ہیں گے (مضارع) کہ اپنے پروپیگنڈے سے اللہ کے نور کی روشنی پھیلنے سے روک دیں۔ مگر اللہ اپنے اس ارادہ پر اٹل ہے کہ وہ اپنے نور کو اُس کی انتہائی وسعتوں تک پھیلا کر چھوڑے خواہ کافروں پر زبردستی ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ وہ وہی ہستی تو ہے جس نے اپنے رسول محمدؐ کو ہدایات اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ اُس رسول کو تمام ادیان پر غلبہ و تسلط عطا کر دے خواہ مشرکوں پر زبردستی ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔“

(ج) عمر نے رسول اللہ کے سامنے اپنی مذکورہ بالا نو (9) نکاتی اسکیم کب اور کن الفاظ میں پیش کی تھی؟ اور آیا وہ قرآن سے اخذ کی تھی؟

ہم نہ یہ بات دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ عمر نے اپنی اسکیم قرآن کی مندرجہ بالا آیات (33-32/9، 8-61/29-28/48) کے نزول کے بعد اور ان ہی آیات سے متاثر ہو کر تیار کی تھی یا یہودی مرکز میں حاصل کردہ درس سے؟ (الفاروق حصہ 2 صفحہ 132)

اور ہم یہ بھی دعویٰ کے ساتھ نہیں جانتے کہ عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی اسی اسکیم کو کب اور کن الفاظ میں رکھا تھا۔ مگر ہم یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ دعوت ذوی العشرہ (شعرا، 26/214) میں حضرت علی علیہ السلام کی وزارت و خلافت کے اعلان کے بعد قریش نے اپنی غلطی محسوس کر لینے کے بعد بڑے غور و فکر اور مشوروں کے بعد کیا تھا۔ اور چاہا تھا کہ کسی طرح اُن کو خلافت الہیہ میں شریک کر لیا جائے تاکہ وہ قومی مصلحتوں کا تحفظ کر سکیں اور حضرت علی علیہ السلام مطلق العنان حکمرانی نہ کر سکیں اور اُن کے مشوروں کو اپنے احکام میں شامل رکھنے کے لئے سرکاری طور پر پابند ہو جائیں۔ اس انتہائی اور ممکن الحصول مقصد کے لئے قریشی لیڈر نے یعنی عمر نے نظام مشاورت اور جمہوریت کی خوبیاں اور شخصی آمریت کے نقائص حضور کے سامنے رکھنا شروع کئے اور اسلام کو ساری دنیا میں پھیلانے اور تمام اقوام عالم کو اسلام کے زیر نگیں لاکر انہیں اسلامی و قرآنی نعمتوں سے مالا مال کرنے کا پروگرام نہایت ڈپلومیٹک زبان میں سمجھانا جاری کیا تھا۔ اور حضور کے مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت پسندیدہ انداز اختیار کیا تھا اور عمر کو یہ امید ہو چلی تھی کہ آنحضرت آخر کار اُس کی اسکیم پر رضا مند ہو جائیں گے لیکن آخر کار ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کے منصوبے کی پول کھول کر اُس منصوبے کے پیچھے چھپے ہوئے قریشی مقاصد کو آنحضرت پر واضح کر دیا اور اس سلسلے کی تفصیل کو صیغہ راز میں رکھتے ہوئے ضروری ضروری پہلو قرآن میں اس طرح ریکارڈ کر دیئے کہ اہل فکر اصل تفصیل کو خود اپنے غور و فکر سے مرتب کر سکیں۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ:-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۖ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۖ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۖ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ (بقرہ 2/204-207)

”اے رسول تم ان مسلمان لوگوں میں سے اُس شخص پر اپنی توجہ مرکوز کرو جس کی ہر وہ بات تمہیں تعجب کی حد تک پسند آتی ہے جو وہ دنیا میں اسلام کے عملی نظام حیات کے سلسلے میں کہا کرتا ہے اور اُس تمام تفصیل پر اللہ کو گواہ بنایا کرتا ہے جو اُس کے دل میں رہتی ہے۔ اور غور سے سنو کہ وہ مسلمان لیڈر اپنی تمام باتوں اور قلبی اسکیم میں تمہارا سب سے بڑا حریف (خصم) اور بدترین دشمن ہے (اور اُس قوم کا راہنما ہے جسے خبردار رکھنے کی تاکید میں ہم نے اُسے قَوْمٌ لُدًّا دشمن قوم کہا ہے) (مریم-19/98)۔ اور جسے قرآن کو مجبور کرنے کی بنا پر دشمن اور مجرم

تو مقرر دیا گیا ہے (فرقان 25/30-31) چنانچہ جب وہ اپنی قلبی اسکیم کے ماتحت ولایت و حکومت کا اقتدار حاصل کر کے حاکم بن جائے گا تو وہ ساری دنیا کو فساد سے لبریز کرنے، اور دنیا کی فصلیں اور نسلیں تباہ کرنے کے لئے اپنی حاصل کردہ حکومت کے تمام وسائل استعمال کرنے میں کوشاں ہوگا اور جب اُسے اُس کے ظلم و جبر سے روکنے کے لئے اللہ کے نام پر اُس سے تقویٰ کی اپیل کی جائے گی تو اُسے اُس کی حکومت کا وقار گھٹنا نظر آئے گا اور گناہوں پر زیادہ جم جائے گا اور جہنم اُس کے حسب حال مقرر ہے اور وہ بہت بُرا گھکانہ ہے اس لئے کہ اللہ تو فساد کو کسی صورت میں بھی پسند نہیں کرتا۔ یہ سب اسکیم ان ہی مسلمانوں میں سے اُس کے خلاف ہے جس نے اللہ کی رضامندیاں خرید کر اپنی ملکیت بنانے کے لئے اپنی ذات کو فروخت کر دیا ہے اور برابر اس خرید و فروخت کا سلسلہ قائم کر دیا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر خود بھی مہربان رہتا ہے۔“

یہ ہے وہ ترجمہ جو اس اسکیم کے منظر و پس منظر کو سامنے لے آتا ہے۔ لیکن ان آیات کے سادہ اور تحت لفظ ترجمہ سے بھی مسلمانوں میں ایک ایسے شخص کا موجود ہونا ثابت ہو جاتا ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برسر عام اور تخیلہ میں باتیں کرنے کا کافی موقع ملتا رہتا تھا۔ اور آپ اُس کی باتیں بڑی دل چسپی سے سنا کرتے تھے۔ اور یقیناً ایسا شخص مخصوص درجہ رکھنے والا صحابی ہو سکتا ہے۔ اور قریشی تاریخوں میں اُس شخص کا نام بڑے فخر سے عمر بن الخطاب بتایا گیا ہے۔ اور بقول شیلی تو عمر صرف تنہا صحابی تھا جسے حضور کی خدمت میں بلا تکلف ہر بات کہنے کی جرأت و اجازت تھی (الفاروق حصہ 2 صفحہ 110) اور عمر ہی وہ صحابی ہے جسے قریش کے معتبر ترین ریکارڈ (صحیح بخاری وغیرہ) میں رسول سے جھگڑنے اور ہاتھ پائی کر کے اپنی بات منواتے دکھایا گیا ہے۔ پھر علامہ رفیع الدین اور مودودی کے ترجموں سے لفظ ”تَسَوَّلِي“ کے معنی ”اقتدار حاصل کرنا اور حاکم بن جانا“ بھی تسلیم شدہ ہے۔ لہذا وہ صحابی ایسا تھا جو بعد رسول حاکم بننے والا تھا اور اُس نے اس دنیا میں قتل و غارت کر کے فساد پھیلانا تھا۔ (2/205) اور یہ بات قریشی ریکارڈ سے دیکھی جاسکتی ہے کہ عمر نے لاکھوں کی تعداد میں ہر وقت آپریشن کے لئے تیار رہنے والی پیدل اور سوار مسلح فوجیں تیار کیں اُن کے لئے چھاؤنیاں بنوائیں اسلحہ خانے بنائے اور بیرونی ممالک پر مسلسل فوج کشیاں اور تاخت و تاراج کی مہم جاری رکھی تھی۔ لہذا یہ آیات (2/204-205) عمر پر سو فیصد واقع ہوتی ہیں۔ اور قرآن میں اور کئی مقامات پر قومی حکومت بنانا اور دنیا بھر میں فساد پھیلانا اور اپنے قابل احترام حاکم کو قتل کرنا موجود ہے (مثلاً محمد 47/22) اور یہاں بھی مودودی اور رفیع الدین نے قومی یا قریشی حکومت سمجھا ہے۔ اور صحیح بخاری میں قتل عام کرنے کی حضور نے اطلاع دی تھی۔ لہذا ہر طرح اور ہر طرف سے عمر و ابوبکر کا منصوبہ حکومت ثابت ہے۔ (فرقان 25/27-29)

(د) محمد اور اسلام کو ساری دنیا کی اقوام پر اور اُن کے ادیان پر غلبہ دینا اور زبردستی ساری دنیا کو فتح کرنا عمر ہی نے نہیں سمجھا بلکہ شیعہ علمائے بھی تائید کی ہے۔

عمر کی نو (9) نکاتی اسکیم اُن ترجموں سے سو فیصد صحیح ثابت ہوتی ہے جو شیعہ سنی علمائے کئے ہیں۔ اگر یہ اُردو میں ترجمہ کرنے والے علما تیرہ چودہ سو سال بعد بھی وہی سب کچھ سمجھے جو عمر نے سمجھا تو عمر کی خطا کم اور ان کی خطا زیادہ ہے۔ یا یہ کہنے کہ اُنہوں نے عمر کو اپنا رہنما اور بزرگ سمجھ کر اُس کی تائید اور تصدیق کرنے کے لئے جان بوجھ کر غلط ترجمہ کیا تھا۔ اور عمر کے سنگین اور جہنم میں لے جانے والے جرم کو چھپا کر اُسے حق بجانب ثابت کیا تھا۔

(۵) شیعوں کے قدیم وجدید اُردو میں ترجمہ کرنے والے سب سے زیادہ مقبول اور معتبر علما نے غلط ترجمہ کر کے عمر کی تائید و تصدیق کی ہے۔
چند مثالیں۔

ہم نے قرآن میں تین مرتبہ مذکور اللہ کے وعدہ پر وہ تینوں مقامات (توبہ۔ 33-9/32، فتح 28-29/48، الصف 9-61/8) مع غلط ترجمہ کے لکھ دیئے ہیں۔ اب تین شیعہ علما کا بطور نمونہ ترجمہ لکھتے ہیں۔

(1) سب سے قدیم مترجم و مفسر جناب عمار صاحب۔

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ - "تاکہ غالب کرے وہ اُس دین کو اور دین کے کل اُس دین کے یعنی سب دینوں پر اُس کو غالب کرے"
(توبہ۔ 33-9/32، فتح 28-29/48، الصف 9-61/8) (عمدة البیان جلد 1 صفحہ 499)

(2) مقبول احمد صاحب "کہ اُس کو تمام ادیان پر غالب کرے"۔ (ترجمہ 305)

(3) فرمان علی صاحب "تاکہ اُس کو تمام دینوں پر غالب کرے"۔ (ترجمہ صفحہ 304)

ان تینوں نے جو غلطی کی ہے اُسے مودودی کے ترجمہ سے سمجھ لیں۔

مودودی ترجمہ "تاکہ اُسے پوری جنس دین پر غالب کر دے"۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 190)

لہذا نہ اُس مقام پر تمام دینوں کا ذکر ہے نہ ترجمہ میں "تمام دینوں پر غلبہ" آنا چاہئے "عَلَى الْاَدْيَانِ" نہیں ہے بلکہ "عَلَى الدِّينِ" واحد کا صیغہ ہے اور لفظ "كُلِّهِ" خود اُسی واحد دین یعنی دین اسلام کے لئے ہے اور مطلب وہی ہے کہ "اسلام کے ہر ہر پہلو اور ہر ہر شعبہ پر غالب کر دے"
(5) مودودی عمر کا پجاری ہے اس لئے صحیح ترجمہ کر کے بھی ساری دنیا کو جبر و قوت سے مجبور و مقہور کرنا مان لیا ہے۔

ہمیں مودودی سے شکایت نہیں ہے اس لئے کہ وہ سنی المذہب اور ابوبکر و عمر کا پرستار ہے۔ شکوہ صرف علمائے شیعہ سے ہے جو اپنے روزگار کو جاری رکھنے کے لئے شیعہ کہلاتے ہیں اور سب دست غیب حاصل کرنے کے لئے سنی حکمرانوں کی کونسلوں اور قانون ساز اداروں میں بھی شریک رہتے ہیں تاکہ کرسی و اقتدار ملنے کی گنجائش رہے۔ بہر حال مودودی کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

"۳۲" متن "میں" "الدِّينِ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ ہم نے "جنس دین" کیا ہے۔ دین کا لفظ جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں، عربی زبان میں اس نظام زندگی یا طریق زندگی کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے قائم کرنے والے کو سند اور مطاع تسلیم کر کے اُس کا اتباع کیا جائے۔ پس بعثت رسول کی غرض اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ جس ہدایت اور دین حق کو وہ خدا کی طرف سے لایا ہے۔ اُسے دین کی نوعیت رکھنے والے تمام طریقوں اور نظاموں پر غالب کر دے۔ دوسرے الفاظ میں رسول کی بعثت کبھی اس غرض کے لئے نہیں ہوئی کہ جو نظام زندگی لے کر وہ آیا ہے وہ کسی دوسرے نظام زندگی کا تابع اور اُس سے مغلوب بن کر اور اُس کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں میں سمٹ کر رہے۔ بلکہ وہ بادشاہ ارض و سما کا نمائندہ بن کر آتا ہے اور اپنے بادشاہ کے نظام حق کو غالب دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا نظام زندگی دنیا میں رہے بھی تو اُسے خدائی نظام (یعنی عمر۔ احسن) کی بخشی ہوئی گنجائشوں میں سمٹ کر رہنا چاہئے جیسا کہ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں ذمیوں کا نظام زندگی رہتا ہے"۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 190)

علامہ مودودی کی یہ تشریح عمر کے نو (9) نکاتی منصوبے کو لفظ بلفظ ثابت کر دیتی ہے اور جب علمائے شیعہ کے تراجم اس کے ساتھ شامل کر لئے

جائیں تو شیعہ سنی دونوں کے عوام کو یقین ہو جاتا ہے کہ ابوبکر و عمر نے قرآن کو ٹھیک سمجھا تھا اور ان کی فوج کشیاں واقعی قرآن کے مطابق جہاد تھا۔ اور وہ وعدے جو اللہ نے حقیقی مسلمانوں کے ساتھ کئے تھے۔ بلاشبہ ابوبکر و عمر کے ہاتھوں پورے ہوئے تھے مثلاً اللہ نے فرمایا تھا کہ: (مودودی ترجمہ)

(6) شیعہ علما کے غلط ترجموں سے ابوبکر و عمر کی خلافت برحق ثابت ہوتی ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ..... (نور 24/55)

”اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لئے ان کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے۔۔۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 416-417)

یعنی شیعہ علما کی تائید سے ابوبکر و عمر کی بنائی ہوئی خلافت برحق ثابت ہوگئی۔ علاوہ ازیں اللہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

(7) شیعہ علما کی غلط ترجمانی نے ابوبکر و عمر کی فوجی لوٹ مار و قتل و غارت کو قرآن کی غنیمت بنا دیا۔

وَأَنَابَهُمْ فَتَحَّا قُرَيْبًا وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا... (48/18-20)

(پھر مودودی ترجمہ)۔ ”ان کو انعام میں قریب فتح بخشی، اور بہت سامان غنیمت انہیں عطا کر دیا جسے وہ عنقریب حاصل کریں گے اللہ

زبردست اور حکیم ہے۔ اللہ تم سے بکثرت اموال غنیمت کا وعدہ کرتا ہے۔ جسے تم حاصل کرو گے۔۔۔“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 56)

مختصر یہ کہ جن خبیث علما کی تائیدات اور بکواس سے قریشی مذہب کو تقویت ملتی چلی آئی ہے۔ اور یہ باطل مذہب چودہ سو سال تک موجود رہتا پھلتا پھولتا اور بڑھتا چلا آیا ہے۔ وہ شیعہ لیبیل لگانے والے مجتہد تھے۔

(8) وہ ہستی جس نے ابوبکر و عمر کی قائم کردہ حکومت کو منع ان کے مذہب کے باطل، خلاف قرآن اور ان دونوں کو غاصب و غادر و خائین ثابت کر کے رکھ دیا۔

قریش کی اپنی تیار کردہ تاریخ کا وہ نظارہ سامنے لائیے کہ عمر کا قائم کردہ شوری جاری ہے۔ جماعت شوری کا خود کاشتہ اور مسلمہ ثالث عبدالرحمن ابن عوف حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑے ہوئے منبر کے پہلو میں کھڑا ہے۔ اور اپنا فیصلہ یوں سناتا ہے کہ:

”یا علی اگر آپ یہ اقرار کریں کہ آپ سنت ابوبکر و عمر کی پیروی کریں گے تو میں آپ کو خلیفہ بنا کر آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتا ہوں“

(9) ابوبکر و عمر کی سنت کے ساتھ آتی ہوئی حکومت بھی ٹھکرا دی۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے منبر کی بلندی سے اعلان کیا کہ میں:

”صرف قرآن کریم و رسول کریم کی پیروی کروں گا اور اپنے علم و بصیرت کو استعمال کروں گا“

سارا مجمع سناٹے میں رہ گیا۔ یعنی بانگِ دُہل سب نے سنا کہ ابوبکر و عمر کی سنت نہ قرآن کے مطابق تھی نہ وہ سنت رسول کے ماتحت آتی تھی اور نہ علم مرتضوی کے رُوسے حق تھی۔ اور آپ پڑھ چکے اور ثبوت میں حوالہ جات دیکھ چکے کہ ابوبکر و عمر نے قرآن و سنت رسول کے خلاف اعلانیہ عمل کیا۔ ایران و یونان و روم و یہودی اور نصرانی قوانین و قواعد کو مسلمانوں میں رواج دیا اور ساری دنیا کو فتنہ و فساد سے لبریز کر کے کروڑوں بے گناہ

(1) قریشی منصوبے کا خاکہ، اُس کی بڑی بڑی ضروریات، ضروریات کی فراہمی کا انتظام اور مخالفت کی مکمل روک تھام۔

اپنی ڈپلومیٹک چالوں سے حکومت حاصل کر چکے پر عمر کے سامنے ساری دُنیا پر تسلط حاصل کرنے اور اسلام کو اقتضائے عالم تک پھیلانے کے لئے پہلی ضرورت بے دریغ تیغ آزمائی کرنے والے جوانوں کی تھی۔ دوسری ضرورت سامان جنگ تھی۔ تیسری ضرورت اُن لوگوں کا مسلسل موجود رہنا جو پہلی اور دوسری ضرورتوں کی فراہمی کو بلا ناغہ جاری رکھیں۔ اور تمام اسلامی تعلیمات کو اس ہمہ گیر تسلط کے چاروں طرف مرکوز کر کے رکھ دیں۔ چوتھی ضرورت تھی ہر قسم کے اختلاف اور مخالفت کو کچل دینا۔

(الف) چاروں ضروریات پر مسلمانوں کی توجہات کو مرکوز رکھنے کا خاکہ

قتل و غارت اور لوٹ مار کی مذموم صورت کو بدلنے اور مقدس اور پسندیدہ بنانے کے لئے انہیں اسلام کا تجویز کردہ نام جہاد دیا گیا۔ تمام غیر مسلم اقوام کو اسلامی دعوت دینا، فوج بھیجنا، اور اسلام کی مخالفت کرنے والوں سے اُس وقت تک جہاد کرنا جب تک وہ ہتھیار رکھ کر اطاعت قبول نہ کر لیں۔ مسلسل جنگ کرنے اور مخالفت کرنے والوں کو قتل کرنا، اُن کے اسلحہ و اموال کو اپنے قبضہ میں لینا واجب ہوگا۔

پہلی ضرورت۔ پہلی ضرورت کا انتظام جنگ و جدل کے ماہر ابوسفیان کو سونپا گیا اور یزید بن ابوسفیان کو فیلڈ مارشل بنا دیا گیا۔

جہاد کی پالیسی میں ضروری قرار پایا کہ تمام تندرست و توانا مسلمانوں کو فوج میں بھرتی کیا جائے، ٹریننگ دی جائے اور جہاں ضرورت ہو فوراً بھیجا جائے۔ 2۔ تمام ضعیف العمر اور کمزور اور ناموزوں لوگوں کو افواج میں ہرگز نہ لیا جائے۔ 3۔ اُن لوگوں کو ناموزوں قرار دیا جائے جو عہد رسول میں عبوری اور محدود جہاد کرتے رہے اور آپس میں اختلاف اور پس و پیش میں مبتلا رہے تھے۔ 4۔ اُن میں سے صرف وہ حضرات لئے جاسکتے ہیں جن کو موجودہ حکومت لیڈری یا سرداری کے لئے موزوں سمجھے۔ 5۔ ساتھ ہی مدینہ کے باشندہ تمام صحابہ کو مدینہ سے باہر جانے اور جنگ یا جنگ سے متعلق کسی عنوان پر اظہار خیال سے قطعاً روک دیا جائے اور مخالفت کی صورت میں قید و بند و سزا میں تکلف نہ کیا جائے۔ 6۔ اُن کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں کہ تلاش معاش کا عذر نہ رہے۔ 7۔ تمام گورنر افرادی قوت اور سامان جنگ کی فراہمی پر اپنی پوری قوت اور اختیارات صرف کر دیں اور مداخلت یا مخالفت کرنے والوں کو بے دریغ قتل کر دیں۔ 8۔ جنگ کے لئے تمام ناموزوں افراد کو دوحصوں میں تقسیم کر دیں۔ 1۔ جہاد کی تعلیم دینے والے اور۔ 2۔ تعلیم حاصل کرنے والے۔

جہاد کی رغبت، ولولہ اور جوش پیدا کرنے، بڑھاوا دینے اور نتائج سامنے لانے کا انتظام۔

1۔ جہاد قرآن میں تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ اُس پر انتہائی تاکیدیں، اُس کا اجر و ثواب، قتل ہو جانے والوں اور سامان جنگ فراہم کرنے والوں کا مقام آیات قرآن سے پیش کرتے رہنا۔ 2۔ سامان جنگ کی تفصیل، افرادی قوت یعنی افواج، سواری، بار برداری اور اسلحہ، فداکاری، اللہ کی راہ میں جان و مال کی بے دریغ قربانی، غیر مسلم و متمدن اقوام کی قوت اور افواج اور اُن کے جدید ترین مہلک اسلحہ و ساز و سامان کی تفصیلات بیان کرتے رہنا۔ 3۔ اللہ نے ساری دنیا کو فتح کرانے کے وعدے کئے ہیں فتح کے ساتھ لامحدود و غنیمت عطا کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ لہذا کفار کے سونے چاندی، اور زر و جواہرات سے لبریز خزانے ملیں گے، غلاموں کنیزوں کے حسین غول خدمت کے لئے آئیں گے، قالینیں، ریشمی وسوتی اور اونی قیمتی لباس، شاہانہ پوشاکیں تمہارے قبضہ میں آئیں گی۔ تیار فصلیں، زر خیز زمینیں، کھیتی کرنے کے آلات اناج و غلہ اور چارہ، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، بیل، بکریاں، گائیں اور بھینس، بھیڑیں، گدھے اور خچر، دشمن کا سامان جنگ اور اسلحہ، زیورات مکانات، شاہی محلات، تخت و تاج تمہارے

پیروں میں ہوگا۔ اسلام اور اسلامی انعامات کے لئے جان پر کھیل جاؤ، عظیم الشان دولت حاصل کرنے کے لئے جو کچھ قلیل سا سرمایہ اور وسائل موجود ہیں اُسے نثار کر دو اسلام اور نبی سبیل اللہ انفاق پر قرآن پڑھو اور دوسروں کو سناؤ۔ سفر کی صعوبتوں کو خوشی خوشی سہنے کی تیاری کرو۔ اللہ کے وعدوں کو دہراؤ، دعاؤں اور تمناؤں میں مصروف و مگن رہو۔ محنت و مشقت اور اللہ کی راہ میں دقیق برداشت کرنے کی تعلیم دو خود عمل کرو۔ تندرستی اور صحت فکر کے سبق لو۔ کفایت شعاری، دیانت اور امانت گزاری پر قرآن پڑھو اور سنو، اللہ کے وعدوں پر یقین کا عملی ثبوت دو، حسد و بغض و کینہ کو دُور کرنا سیکھو، قومی عصبيت کہاں مفید اور کہاں مضر ہوتی ہے معلوم کرو۔ سب کو بتاؤ کہ دنیا میں اللہ کے حکم اور رضامندی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ تم اللہ کی رضامندیوں کے لئے اس کی رضامندی دوسروں پر نافذ کرو۔ دن رات، چلتے پھرتے قرآن کا ورد رکھو۔

صبر و صلوة سے مدد اور قوت حاصل کرو۔ اپنے پاس موجود مال کو خرچ کر دو اور زکوٰۃ دینے میں تو ہرگز تاخیر نہ کرو، مال غنیمت ملے تو پانچواں حصہ اللہ کے مقاصد کے لئے فوراً دے دو۔ روزوں کو راہِ خدا میں بھوک اور پیاس اور محنت برداشت کرنے کا ذریعہ بنا لو۔ مساجد میں پابندی سے جاؤ۔ احکام حکومت، تعلیم قرآن سنو، حج میں اپنے خلیفہ کی زیارت کرو براہِ راست خدا کے نمائندے سے استفادہ کرو۔ اپنی اصلاحی تجاویز پیش کرو اُس کے احکام کی اللہ رسول کے احکام کی طرح بے چوں و چرا اطاعت کرو دوسروں کو اطاعت کراؤ۔ اس کے مقرر کئے ہوئے حاکم حبشی یا غلام ہوں اُن کی فرمانبرداری واجب سمجھو۔ اُن پر تنقید کو حرام سمجھو۔ اور جو تنقید کرے اُسے مواخذہ کے لئے پیش کرو۔ کسی دوسرے مسلمان پر رشک نہ کرو۔ امیری اور غریبی، رزق کی کمی اور فراوانی اللہ کی طرف سے ہے۔ قناعت کو اپنا وظیفہ بنا لو۔ فتنہ و فساد پھیلانے والوں کو ماخوذ کرو، نزدیک ترین ذمہ دار ہلکار کے حوالے کر دو۔ یاد رکھو اللہ کے یہاں تمام مسلمان برابر اور بھائی بھائی ہیں۔ آزاد اور غلام برابر ہیں وہاں قبیلوں کی فضیلت شمار نہیں ہے۔ حکومت اور عزت و ذلت کا دینا اللہ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت و حکومت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ذلت سے دوچار کرتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر پتہ بھی ہل نہیں سکتا۔ تم ہر حال میں راضی برضائے خدا رہو۔ خیر و شر اللہ کے ہاتھ میں ہے تم خیر میں کوشاں رہو۔ سب کی بھلائی چاہو۔ گناہ گاروں کو نفرت سے نہ دیکھو۔ اللہ چاہے تو بدترین گناہگار کو جنت عطا کر دے۔ وہ چاہے تو ایک عابد و زاہد و نمازی و پرہیزگار روزہ دار اور تہجد گزار کو جنت کے بجائے جہنم میں ڈال دے۔ لہذا یاد رکھو کہ نجات، بخشش اور جنت تمہارے اعمال کے بدلے میں لازم نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ کی رحمت اور مہربانی پر منحصر ہیں۔ اس لئے اپنی نیک عملی اور عبادتوں پر اتراؤ نہیں اور دوسروں کو حقیر مت خیال کرو۔ انکسار و تواضع کو اپنا شعار بناؤ اللہ کی راہ میں جان و مال و اولاد و وسائل حیات کو صرف کرنے میں کبھی دریغ نہ کرو۔

(ب) بظاہر نظر سارا اسلام عمر کے منصوبے میں داخل ہو گیا لیکن غور کرنے والوں کو معلوم ہوگا کہ عمر نے صرف پانچ چیزوں کا انتخاب کیا ہے۔

عمر کے اس منصوبے میں جہاد یا جنگی مہمات میں مددگار چیزوں کو انتخاب میں سامنے رکھا گیا ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس چودہ سو سال کے زمانہ میں شیعوں اور سنیوں دونوں نے بھی اُن ہی چیزوں کو سارا اسلام سمجھا ہے۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات کی ہزاروں چیزوں میں سے صرف پانچ چیزوں کو مارشلزم کے قیام و استحکام کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔

اول نماز ہے۔ اور آج تک سارے مسلمانوں میں نماز ہی کو پہلا نمبر دیا جاتا ہے۔ سبزی ترکاری اور سامان لانے والے جھولوں اور تھیلوں پر، کوڑے کے ڈراموں پر، بسوں اور دکانوں اور مکانوں پر نماز پڑھنے کی تاکیدیں لکھی ہوئی ملتی ہیں۔

نماز کو اختیار کرنے کے فوائد اور اسباب ہیں۔

دن میں روزانہ پانچ مرتبہ پوری مملکت کے افراد کو جمع کرنے کا اس سے زیادہ آسان اور اثر انگیز اور کوئی طریقہ کسی قوم کے پاس نہ تھا۔
2- لوگوں کی رغبت اور منسوبے سے دل چسپی اور مخالف عناصر کے پتہ لگانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ 2- ہر محلے، ہر شہر کی تعداد معلوم کرنے کا انتظام ہے۔ 3- تندرستوں، بیماروں، امیروں اور غریبوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ 4- مملکت کے احکام اور تعلیم دینے کا ذریعہ۔ 5- حکومت کے واجبات وصول کرنے، تقاضا کرنے اور حکومت کے عطیات پہنچانے کا ذریعہ۔ 6- فوجی پریڈ کے لئے مفید ہے۔ 7- قرآن یاد کرانا اور امتحانات لینا قدرتی اور آسان ہے۔ 8- تمام قسم کی افرادی ضرورتوں کے لئے موزوں اشخاص کے انتخاب میں مددگار ہے۔ 9- تعزیر و تادیب اور انعامات کا پروپیگنڈا کرنے کی آسانی۔ 10- ملکی حالات ہر کان تک پہنچانا سہل۔

دوم زکوٰۃ اور سوم خمس ہیں۔

حکومت کے مختلف اخراجات کو پورا کرنے کے لئے زکوٰۃ و خمس واجبات میں سے ہیں۔ اُن کے ساتھ ہی ساتھ خیرات و صدقات و عطیات بھی خود بخود وصول ہو جائیں گے۔ ہر مسجد کا سرکاری پیش نماز ذمہ دار ہوگا کہ وہ نمازوں کے دوران حکمہ مال کے لئے سامان اور نقدی جمع رکھے۔ اور حکومت کے مالی نمائندوں کے حوالے کرتا ہے۔ نام بنام حساب و رسیدات رکھے۔ خلاف ورزیاں نوٹ کرائے۔

چوتھے نمبر پر روزہ ہے۔

روزہ راشن بندی اور محنت و مشقت کا عادی بنانے کے لئے ضروری ہے۔ اس سے فوجی مشقوں میں پوری مدد ملے گی۔ تراویح میں یقین کیا جاسکتا ہے کہ ہر شخص نے پورا قرآن سنا ہے۔ قرآن سنانے والوں کی تیاری میں مددگار ہے۔ وقت بے وقت، سونے، جاگنے، جگانے اور کھانے پینے کی عادت ہر حال میں مفید ہے۔ فوجی آپریشن کے دوران، رسد رُک جانے یا کسی پڑ جانے کی پرواہ کئے بغیر کمانڈر اطمینان بخش اقدامات جاری رکھ سکتا ہے۔ اور جب چاہے روزے کی ڈالی ہوئی عادت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

پانچویں نمبر پر حج ہے۔

حج اُدھر آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ دُور دراز کے ممالک سے لوگوں کا آنا مختلف تجارتی سامان لانا۔ آنے کے راستوں کو گھلا اور پُر امن رکھنا۔ دوسرے ممالک کو تعاون پر آمادہ یا مجبور کرنا۔ مرکز اور سربراہ اسلام سے براہ راست رابطہ قائم رہنا۔ دنیا بھر کی مختلف ضروریات پر اطلاع و تدارک کا ذریعہ ہے۔ ہر ملک کے حالات پر نگاہ رکھنے اور اصلاح و تخریب کا پروگرام بنانے میں مددگار۔ زحمت سفر کا شوق و ذوق سے برداشت کرنا۔ عالمی رائے عامہ اور مسائل پر اطلاع نظام جاسوسی میں مدد و معاون۔ دنیا بھر کی سیر و سیاحت کے ساتھ ساتھ ایک لباس یعنی احرام میں لمبوس رہ کر حج اور مناسک میں اس طرح مصروف کہ دنیا کی آزادی و بے مہاری ختم کر دینا۔ دن رات مسلسل عبادت میں گزارنا۔ پتھروں تک کا احترام کرنا۔ صدیوں پرانی یادگاروں کو احترام سے منانا۔ دوڑنا۔ طواف کرنا۔ آثارِ قدیمہ کو دیکھنا، مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرنا، عہد رسول کے آثار پر سے گزرنے پر تمام زحمتیں فوجی مہم میں مدد و معاون ہوں گی۔ دور دراز کے گورنروں اور اہلکاروں کو جدید احکام دینے اور ملنے ملانے میں مدد کریں گی۔ ان مقامات کا تصور و تحفظ پختہ ہو جانا۔ یہ تھا وہ خا کہ جو عمر کے منصوبے کی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اُس نے ملک عرب کو عالمی تسلط کے تصور پر متفق کر لیا تھا۔ اختلاف و مخالفت کے امکانات پر تالے ڈال دیئے تھے۔ مخالفت میں بولنے والی زبانوں کی راہ بند کر دی تھی۔ مخالفت کرنے والے کو

مخالفت کرنے سے پہلے ہی یہ یقین دامن گیر ہو جاتا تھا کہ پبلک مجھے دین کے سب سے بڑے مقصد کا مخالف قرار دے گی اور حکومت کی طرف سے سنگین سزا دینے میں تکلف نہ ہوگا۔ عمر نے قریش اور دوسرے بڑے معزز قبیلوں کے گھروں کو دولت سے بھر دیا تھا۔ عہد رسول کی غربت و تنگ حالی اب خواب بن کر رہ گئی تھی۔ چاروں طرف خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ ازواج رسول کو بارہ بارہ ہزار کی رقم ملتی تھی۔ اُن کے پاس نہ کوئی پالنے کے لئے بچہ تھا نہ کنبہ تھا۔ سوچئے کہ ایک تباہ عورت کو بارہ ہزار کا وظیفہ کتنا مطمئن کرے گا؟ تمام صحابہ اسی طرح گھر بیٹھے و خانہ سے مالا مال ہو رہے تھے۔ علیؑ اور خانوادہ مرتضوی کے علاوہ غریب مسلمان کا ملنا مشکل تھا۔ حکومت کی مخالفت کرنے کے معنی اپنی خوش حالی کی مخالفت تھے۔ لہذا ہرزبان مالی دباؤ سے بھی بند تھی۔ ہر شہر میں مسلح افواج کی چھاؤنی تھی۔ فوج ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو کمانڈر کے اشارہ پر سروں کو تن سے جدا کرنا دینی خدمت سمجھتی تھی۔ اُن کا دین، کمانڈر اور خلیفہ کا حکم تھا۔ اور حکم کی فوری تعمیل دینداری تھی۔

7- عمر کے اُس منصوبے نے مسلمانوں کو موٹی موٹی چار قسموں میں تبدیل کر دیا تھا اور حضرت علیؑ نے اُن اقسام کا ذکر فرمایا ہے جو آج تک باقی ہیں۔

اب ہم حضرت علی علیہ السلام کے خطبے کو آگے بڑھائیں گے تاکہ قارئین یہ دیکھیں کہ ابوبکر عمر ایسی جابر و قہار اور عربوں کی پسندیدہ حکومتوں کے دوران جس زبان کو مخالفت اور حق گوئی سے روکا نہ جاسکا وہ حضرت علی علیہ السلام کی زبان تھی۔ جنہوں نے مجمع عام میں ہمیشہ اُن کے منصوبوں کی، ڈپلومسی کی اور فریب کارانہ پالیسیوں کی مذمت کی۔ اُن کے اغراض و مقاصد واضح فرمائے اور متلاشیان حق کے سامنے حق و باطل کو الگ الگ واضح کر کے رکھ دیا چنانچہ اس خطبہ میں عمر کی جنگی پالیسی اور بے دریغ ناحق خون بہانے پر کئی پہلوؤں سے نظر ڈالی ہے اور اُن چاروں گروہوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو عمری منصوبے سے وجود میں آئے تھے۔ 1- تیغ بڑان لئے قتل عام میں مصروف گروہ۔ 2- بلا تیغ فتنہ پھیلانے والا گروہ۔ 3- قتل عام کو جائز کر کے لوگوں کو جنگ پر ابھارنے والا گروہ۔ 4- ہارتھک کرنیک بن کر بیٹھ رہنے والا گروہ۔

ہم ترجمہ ہی میں تشریح کرتے ہوئے گزریں گے تاکہ ہر جملہ کا منظر و پس منظر سامنے آتا چلا جائے۔

8- خطبہ نمبر 32 کا باقی تشریحی و تفصیلی ترجمہ جو قریشی فوج کشی اور عالمی تسلط کے عناصر اور نتائج پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے۔

(8) چنانچہ انسان چار اقسام میں تقسیم ہو کر رہ گئے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

(9) ایک گروہ وہ ہے جو دل سے تو یہی چاہتا تھا کہ وہ بھی تیغ آزمالوگوں کے ساتھ مل کر دنیا میں تسلط کی پالیسی میں ہاتھ بٹاتا۔ مگر جن چیزوں نے اُنہیں دنیا میں فساد پھیلانے سے روکا ہے وہ اُن کی اپنی بے مائیگی اور نکما پن ہے۔

(10) اُن میں تیغ آزمائی کی قوت اور ہنرموجود ہونا تو وہ منتخب ہو جاتے۔

(11) اُن میں جرأت و جسارت، ذاتی و جاہت اور لوگوں پر اثر انداز ہونے والی چیزیں بھی نہ تھیں۔

یعنی اس قسم کے ناکارہ لوگوں کو حکومت کے جنگی منتظمین نے افواج میں شامل نہ کیا لہذا وہ فتنہ و فساد پھیلانے سے باز رہے۔ مگر وہ حکومت کے طرفدار لوگ تھے اور گھر بیٹھے بھی اُن کا شمار فساد یوں میں ہوگا۔

منتخب ہو جانے والوں کی مختلف ٹولیاں۔

(12) اور اُن چار قسموں میں سے وہ گروہ بھی ہے جو تلوار بکف قتل و غارت اور لوٹ مار میں مصروف ہے۔ (13) خدمت دین سمجھ کر

اعلانیہ شہر پھیلانے میں مددگار ہے۔ (14) اور کامیاب مہم کے لئے اپنے تمام سواروں اور پیدل لوگوں کو لے کر میدان کارزار میں مصروف ہے (15) اُس گروہ نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رکھا ہے۔ (16) اور اپنے دین کو سراسر تباہ کر لیا ہے۔ (17) دین کو دنیا کمانے اور دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ (18) دین ہی کی راہ سے لوگوں کی قیادت اور سربراہی حاصل کر رہا ہے۔ (19) اور دینی جذبہ اور ولولہ اُبھارنے کے لئے منبر پر خطابت کی بلندی حاصل کر لی ہے۔ (20) بہت ہی برا ہے یہ کاروبار جس میں جان بوجھ کر وہ تمام نعمتیں قربان کر دی جائیں جن کا اللہ نے وعدہ کیا تھا۔ (21) اور یوں اپنی عاقبت، عزت اور انسانیت کو فروخت کر کے ادنیٰ درجہ کا بدلہ لے لیا جائے۔

یہ تھا وہ مقبول ترین گروہ جس نے دامے، درمے، سُخنے اور قد مے ہی ابو بکر و عمر کی حکومت اور مقاصد میں مدد نہیں کی بلکہ اپنا دین، اپنی دُنیا بھی اُن کے لئے بیچ ڈالی۔ جتنے جوان اور تیغ آزما لوگ مل سکتے تھے فراہم کئے، سامان جنگ سے مدد کی، دھن دولت اُن کو سپرد کیا۔ گھر گھر پھر کر روپیہ جمع کر کے دیا۔ منبروں پر تقریریں کر کے لوگوں کے وسائل حاصل کئے اور جنگ کی آگ میں جھونک دئے۔ یہی گروہ تھا جس نے اُدھر جنگی مہم میں ہر ضروری مدد کی تھی اور ادھر حکومت کے لئے علما اور مفتی و قاضی، پیش نماز، لکچر اور خطیب فراہم کئے فوجوں کے لئے سہولتیں فراہم کیں، مختلف محکموں کے لئے اہلکار و افسران اور عملہ انتخاب کر کے بھیجا۔ حکومت کے وفاداروں اور مخالفوں کی فہرستیں بنا کر دیں۔ یوں کہتے کہ یہ گروہ دراصل حکومت میں برابر کا حصہ دار تھا۔ اس گروہ میں سارے قریش، بنی امیہ اور بنی عباس وغیرہ، داخل تھے۔ اس میں وہ تمام قبائل تھے جو جنگ جمل و صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ پر آئے۔ اُن ہی قبائل اور صوبوں سے وہ افواج تیار کی گئی تھیں جو میدان کر بلا میں امام حسین علیہ السلام کے خلاف بھیجی گئی تھیں معاویہ اور پورا ملک شام ابو بکر و عمر کے نظام پر شیدا تھا۔ یہی وہ گروہ تھا جن کی نسلیں ہمیشہ محمد و آل محمد علیہم السلام کی دشمن رہتی چلی آئی ہیں۔

تیسرا گروہ جس میں ناکارہ گروہ بھی شامل تھا۔

(22) اور اُن میں ایک گروہ وہ تھا جس کو حکومت اور اہل کاران حکومت منہ نہ لگاتے تھے اور اُسے اپنا پیٹ پالنے کے لئے نیکیاں اور آخرت نما کام کرنا پڑتے تھے۔ (23) وہ راست روی اور اچھے اعمال اس لئے نہ کرتے تھے کہ نیک عملی سے آخرت کمائیں بلکہ لوگوں میں مقبولیت اور عطیات حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے تھے۔ (24) وہ مصنوعی طریقے پر منکسر المزاج، سنجیدہ اور باوقار بنے ہوئے لوگ تھے۔ (25) اُنہوں نے نرم روی اور سنور سنور کر چلنا، (26) کپڑوں اور دامن کو گندی جگہ سے گزرتے ہوئے سنبھالے رکھنا اور پاکباز رہنا اختیار کر رکھا تھا۔ (27) اور زندگی اس طرح بسر کرتے تھے کہ آس پاس کے لوگ اُنہیں امین اور امانت دار سمجھنے لگیں۔ (28) اُنہوں نے اللہ کی ستاری اور مہلت کو گناہ اور جرائم کرتے رہنے کے لئے آڑ بنا رکھا ہے۔ (29) اسی گروہ میں وہ لوگ بھی شامل ہو گئے تھے جو خود حکومت کو ہتھیالینے کی فکر میں تھے مگر حکومت سے اس لئے دستکش ہو کر بیٹھ رہے تھے کہ وہ اپنے حریف کے مقابلے میں سُست گام اور کم ہمت نکلے۔ (30) اور حکومت ہڑپ کرنے کے لئے اُن کے پاس وسائل اور اسباب نہ تھے۔ (31) چنانچہ جس ناسازگار حالت میں تھے اُسی میں پڑا رہنا غنیمت سمجھا۔ (32) اس لئے اُنہوں نے اپنی خامیوں اور کمزوریوں کو چھپانے کے لئے قناعت کا مصنوعی جامہ زیب تن کر لیا۔ (33) اور عابدوں اور زاہدوں کے لباس اور بہروپ میں بن ٹھن کر لوگوں میں رہتے ہیں (34) حالانکہ اُن کا قناعت و عبادت اور زُہد سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ وہ جاگتے ہوئے بھی دھوکے بازی کرتے ہیں اور سوتے ہوئے بھی وہ فریب ساز عابد و زاہد ہیں۔

چوتھا گروہ حق پرست مگر مرکزی ہدایت کے بغیر غلط کاروٹھکست خوردہ۔

(35) باقی رہ گیا وہ گروہ جس میں کچھ لوگ قیامت کی باز پرس سے آنکھیں جھکائے ہوئے ہیں۔ (36) اور خوف محشر سے آنسو بہاتے رہتے ہیں۔ (37) اُن میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ (38) خوف زدہ اور ذلتیں برداشت کر کے ستم رسیدہ ہیں۔ (39) اور کچھ ایسے ہیں جو گوشہ نشین تو نہیں ہیں مگر حق گوئی کے معاملہ میں منہ بند کئے ہوئے دن گزار رہے ہیں۔ (40) کچھ وہ ہیں جو حصول مقاصد دین کیلئے پر خلوص دعائیں مانگتے ہیں۔ (41) اور غز وہ ورنجور و دروسیدہ نامراد پڑے ہیں۔ (42) اُنہیں تقیہ نے گنہگار میں ڈھکیل دیا ہے۔ (43) اور تقیہ ہی نے اُنہیں ذلت و خواری سے دوچار رکھا ہے۔ (44) چنانچہ اُنہیں تو ایک تلخی و بد مزگی کے سمندر میں غوطے کھانے والوں کی طرح سمجھو کہ (45) جنہوں نے اپنے منہ بند کر رکھے ہیں اور (46) اُن کے دلوں میں زخم ہیں۔ یعنی منہ کھولیں تو سمندر کا نمک زخموں کو تازہ کر دے۔ (47) اُنہوں نے ایک زمانے میں اندھا دھند اور بے بصیرتی سے اتنے وعظ اور تقریریں کیں کہ تبلیغ پر کسی نے کان نہ دھرا اور وہ اکتا کر ملول ہو گئے اور تبلیغ حق سے دل بھر گیا (48) اور بے موقع تبلیغ پر انہیں ذلت کی حد تک مجبور کر کے چھوڑا گیا (49) اور جنہوں نے منہ بند نہ کیا اُنہیں وہاں تک قتل کیا گیا کہ وہ قلیل و ناقابل شمار تعداد میں رہ گئے۔

اپنے مخاطبوں سے چندناصحانہ جملے۔

(50) چنانچہ یہ سب کچھ دیکھتے چلے آئے اور میرے دوہرانے کے بعد اب تمہاری نظر (51) میں یہ دنیا اور اس کا گمراہ کن سامان ببول کی چھال اور اُن کے ڈھول کی طرح اڑ جانے والے ذرات سے زیادہ قیمتی نہ رہنا چاہئے۔ (52) تمہیں چاہئے کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارے بعد والے تمہارے عمرت انگیز حالات سے سبق لیں (53) تم بھی دنیا کے مذموم سامان کے رافضی ہو جاؤ یعنی اس طرف سے دلچسپیاں ہٹا لو اس لئے کہ یہ دنیا بھی اُن لوگوں کی رافضی رہتی چلی آئی ہے جو تم سے کہیں زیادہ اس دنیا میں دلچسپیاں رکھتے اور اس پر تم سے زیادہ فریفتہ و شیدا تھے۔“

9۔ یہ سارے گروہ آج تک نوع انسان کو اپنے نرغہ میں لئے ہوئے بفضل شیطان و عمر موجود ہیں اور قارئین اُن سب کا احترام و اکرام کرتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا یہ خطبہ مذکورہ چاروں قسم کے لوگوں کو شناخت کرنے میں مدد دے گا۔ پہلی قسم کے لوگوں میں وہ سب قومی لیڈر اور علما اور دانشور آجاتے ہیں جو کسی ملکی انتخاب کے بعد یا سابقہ حکومت کا تختہ اُلٹنے کے بعد اقتدار کی کرسیوں سے دُور رکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ اقتدار میں آنے والی پارٹی کی دن رات مدد کرتے رہے تھے اور اُن ہی کی کوششوں اور باغبانہ کارروائیوں سے اُس پارٹی کو حکومت ملتی ہے۔ مگر اقتدار میں آنے والی پارٹی اس طرح مدد کرنے والوں کو غدار سمجھ کر یا خود غرض اور لالچی سمجھ کر اتنی دُور رکھنا چاہا کرتی ہے تاکہ وہ لوگ اس پارٹی سے غداری نہ کر سکیں۔ آج بھی ایسے لیڈر، علما اور دانشور دیکھے جاسکتے ہیں جنہیں موجودہ حکومت نے انقلاب کے بعد گھاس نہیں ڈالی اور اقتدار کی کرسیوں کی ہوا تک لگنے نہیں دی ہے۔ علما میں نورانی، لیڈروں میں اصغر کو دیکھ لیں اُن کی پارٹیاں اور متعلقہ دانشور چوروں کی طرح چھپتے اور باتیں کرتے سنے اور دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ تمام علما، لیڈر اور پارٹیاں اس حکومت کو اقتدار میں لائی تھیں اور رفتہ رفتہ جھٹک کر الگ کر دی گئی تھیں۔ اور برابر کوشاں رہی ہیں کہ موجودہ حکومت کے خلاف سر جوڑ کر بغاوت کریں۔ اور وہ اتنے ذلیل و کمینہ ہیں کہ اُس پارٹی کی منت سماجت کرتے نہیں

تھکتے جس سے انہوں نے غداری کر کے موجودہ حکومت قائم کی تھی۔ یہ اس قدر خود غرض اور ناعاقبت اندیش گروہ ہے کہ آج کی پرامن، غیر جانبدار اور سابقہ تمام حکومتوں سے بہتر خدمت گار اور فعال حکومت کا تختیہ اُلٹنے کی اُن تھک کوششیں کرتے چلے آ رہے ہیں۔

دوسرا گروہ حکومت کی کرسیوں پر بیٹھنے والا، کونسلر بننے والا، مختلف عہدے اور اختیارات پانے والا، اور نوکری شاہی کے محکمے پولیس وغیرہ اور تائید کرنے والے سرمایہ دار، وڈیرے، چوہدری، بد معاش اور غنڈے لوگوں کی صورت میں پبلک کا خون چوسنے اور حکومت کے نام پر استحصال کرنے میں لگ جاتا ہے۔ اسی گروہ میں علما شامل ہو جاتے ہیں۔ جو اپنی کرسیوں اور اقتدار کے لئے منبروں سے اپنا پروپیگنڈا کرتے ہیں اور حکومت کو مرعوب کرنے کے لئے مذہب کے نام پر بڑے بڑے مجمعے لگا کر یہ دکھاتے ہیں کہ ہمارے پیچھے ہماری تائید کرنے والے اتنے لوگ ہیں۔ اگر ہمیں نظر انداز کیا گیا تو پھر تختیہ اُلٹ جائے گا۔ یہ منبر نشین علما دو کام کرتے ہیں۔ پہلے حکومت کو دبانے کے لئے بڑے بڑے مجمعے لگانا اور معنی خیز تقریریں کرنا۔ پھر حکومت کی مراعات مل جانے پر حکومت کا اثر و رسوخ بڑھانا۔ چنانچہ سابقہ حکومتوں سے لے کر آج تک اُن علما کو گھر بیٹھے چیک اور لائسنس ملتے رہے۔ کمیشنوں اور مشاورتی اور دیگر کونسلوں میں کرسیاں اور تنخواہیں ملتی رہی ہیں اور آج تو وزارت کے قلمدان بھی سامنے رکھے ہیں۔ یہ علما پبلک کا دین اور دنیا دونوں تباہ کرنے میں ہمیشہ مددگار رہتے چلے آئے ہیں۔ ان کی سفارش سے بڑے بڑے عقدے حل ہوتے ہیں اور دولت ملتی ہے۔ پھر ایک دوسری قسم کے علما ہوتے ہیں جنہیں ہم یتیم کہا کرتے ہیں وہ اپنا آرزو حاصل کرنے کے لئے دونوں طرف نظریں لگائے رکھتے ہیں۔ اُوپر بھی دیکھتے ہیں، اللہ کی طرف نہیں بلکہ کرسی و منبر نشین علما کی طرف اور نظر بچا کر حکومت اور اہلکاران حکومت کی طرف۔ اور نیچے پبلک اور اپنی قوم و مذہب کی طرف تاکہ عطیات و خیرات و صدقات میں زیادہ سے زیادہ حصہ ملے۔ یہی لوگ ہیں جو قناعت و زہد و عبادت اور کم نخی اور جی حضوری کا رُوپ دھارتے ہیں۔ بڑے عابد و زاہد و مرجان مرنے رہتے ہیں۔ یتیم خانے کھولتے ہیں، مساجد میں نماز پڑھاتے ہیں۔ عربی سکھانے کے نام پر بھی کماتے ہیں۔ نکاح اور نماز جنازہ اور ٹوٹی پھوٹی نماز جمعہ پڑھ کر یا مساجد میں اذان دے کر اور دو وقت نماز پڑھا کر روزی کماتے ہیں۔ ان ہی میں سے بعض بعض تبلیغ و تقریر سے اکتا کر منہ بند کر لیتے ہیں۔ آج تقیہ کرنے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ اس لئے کہ سید مرتضیٰ جھنڈے شاہ کے زمانے سے مجتہدین اور آیت اللہ و حجۃ اللہ لوگوں نے مذہب کو ایسا بے اثر بنا دیا کہ اب بڑی سے بڑی بات کہنے کا بھی اثر نہیں ہوتا اور کوئی علما یا عوام کو قتل نہیں کرتا فریقین کو یقین ہو گیا ہے کہ ہم ایک ہی مذہب کے لوگ ہیں۔ یہ لیبل یہ نعرے یہ مدح اور یہ تبرامض پبلک کو گرم اور فعال رکھنے اور کمائی کرنے کا ذریعہ ہیں۔ دل سے وہ سب ابو بکر و عمر و قریش کے قدر دان اور ہم مسلک ہیں۔ الفاظ بدل کر تبلیغ اُن ہی کے مشن کی کرتے ہیں۔ لہذا تقیہ فضول ہو کر رہ گیا۔ یہ بھی سن لیں کہ جس عملدرآمد کا نام تقیہ رکھ کر لوگوں میں مشہور کیا گیا ہے۔ اور جس کے جواز پر یہ نام نہاد شیعہ علما منبر سے تقریریں کیا کرتے ہیں۔ وہ سب کچھ ہے مگر ”تقیہ“ ہی نہیں ہے۔ تقیہ جو آئمہ علیہم السلام کا مذہب تھا۔ جس پر عمل کرنا دین کے نو (9) حصوں پر عمل سے افضل ہے۔ اُس پر عمل کرنے والوں کو گرفتار اور قتل کرنا تو الگ، اُن پر تو نظر ڈالنا اور پہچانا بھی ناممکن ہے۔ وہ تو جسے چاہیں قتل و تباہ کر سکتے ہیں۔ تقیہ تو ہے ہی اس لئے کہ دشمنان دین کے تمام ظاہری اور پوشیدہ منصوبوں اور پالیسیوں پر نظر رکھی جائے اور جب حکم ملے تو دشمنوں کے سارے نظام کو الٹ کر تباہ کر دیا جائے۔ شیعہ مجتہدین والا تقیہ بزدلوں کے لئے ایجاد کیا گیا ہے۔ تاکہ شہادت اور شہیدوں کو بھلایا جاسکے۔ اُس سے بزدلی، کم ہمتی، بے بصیرتی اور کمزوری پیدا کرنا مطلوب ہے۔ اور حقیقی تقیہ جرأت و جسارت و دینی بصیرت اور شوق شہادت پیدا کرنے کے لئے ہے۔ اور وہی حقیقی شیعوں کا مشن ہے۔ دین اور مذہب ہے۔ اسلام کی ساری تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اور آج دنیا کی تمام مظلوم و مقہور و مجبور قومیں اُس

کی بے راہنمائی نقل کر رہی ہیں اور ظالموں کا، قاہروں کا اور جابر اقوام اور حکومتوں کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ اور ہمارا مشن بھی مظلوموں کی مدد کرتا ہے۔ محض پر غلوص دعائیں مانگنا، سجدوں میں گرگڑا گرگڑا کر دعائیں مانگنا، گھٹی گھٹی آوازیں نکال کر رونا اور فریاد کرنا یتیم علمائے جاری کیا تھا۔ اللہ نے کبھی اُن ناکارہ لوگوں کی دعا کی طرف توجہ نہیں کی نہ کرے گا۔ اُن کی ذلت و تباہی طے شدہ ہے۔

(9- الف) اگر اُمت کے ان نام نہاد مسلمانوں کو اور اسلامی نظام کے نعرے مارنے والوں کو کامیابی درکار ہے تو قرآن اور صاحب قرآن کے سامنے جھکنا لازم ہے۔

یہ طے شدہ اور فطری حقیقت ہے کہ کامیابیاں اور بزرگیاں صرف اُن لوگوں کا حصہ اور حق ہیں جو خالق و مالک کائنات کے احکام و ہدایات پر بے چوں و چرا اور بلا ذاتی مداخلت کے عمل کریں۔ لہذا اُن تمام لوگوں کو قرآن اور صاحب قرآن علیہ السلام کے سامنے جھکنا ہوگا۔ جو قریشی فراڈ میں اُلجھ کر اسلام اور قرآن کو اجتہاد اور مجتہدین کے چشمے سے دیکھ کر خفی، ماکلی، شافعی، حنبلی، بابی، بہائی، شیخی، لقمانی اور بریلوی وغیرہ بن گئے ہیں۔ اور آئمہ علیہم السلام کے نام پر امامیہ یا اجتہادی شیعہ بنے ہوئے ہیں۔ اُنہیں اپنے اپنے اڈوں اور کمین گاہوں سے توبہ کرتے ہوئے (Hands up) باہر نکلنا ہوگا۔ قرآن اور سابقہ تمام کتابوں پر سچا ایمان لانا ہوگا۔ (نساء 4/136) اور اُس کے بعد قرآن کی عالمگیر و ہمہ گیر تعلیمات صاحب قرآن علیہ السلام سے حاصل کرنا اور لامحدود ترقی کا راستہ اختیار کرنا ہوگا اور اُس راستہ کو تحقیق اور عملی یقین حاصل کر کے چھوڑنا ہوگا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ:

مودودی کا قرآن علوم و فنون سے خالی ہے۔

”قرآن میں جنگلات اور علم طب اور ریاضی اور دوسرے علوم و فنون کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی“۔ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438)

(الف) قریش پرست علما کی جامہ تلاشی لے کر اُن کی جیب و گریباں میں دیکھئے کہ اُنہوں نے قرآنی ہمہ گیری کو کہیں چھپا تو نہیں رکھا ہے۔

آپ نے ابتدا ہی (عنوان) (5-ب) میں مودودی کے یہ مندرجہ بالا ریمارکس دیکھے تھے اور قرآن مجید کی ہمہ گیری اور ہر چیز کی تفصیل پر آیت (یوسف 12/111) دیکھی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے کہ: ”قرآن میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے“ اور عمر پرست علمائے تمام علوم و فنون کے قرآن میں ہونے کا انکار کر دیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا اُن علمائے کہیں حق کو چھپانے میں غلطی کی ہے یا نہیں؟ چونکہ فطری قانون یہ ہے کہ ہر مجرم سے جرم کرنے کے دوران کم از کم ایک غلطی ضرور ہوا کرتی ہے۔ لہذا یہ بات ممکن ہی نہیں ہے کہ قریشی علما قرآن کی ہمہ گیری کو چھپانے میں کوئی غلطی نہ کریں۔

(ب) عمر، محمد اسماعیل بخاری، اور مودودی کا اقبال کہ رسول اللہ نے اس کائنات کے تمام حقائق ازل سے ابد تک بیان کئے اور قرآن اُن حقائق کا حامل موجود ہے۔

جس شخص نے سب سے پہلے قرآن کریم اور رسول کریم کے ہمہ گیر علم کو چھپانے کا منصوبہ شروع کیا تھا وہ قریش کا سب سے بڑا چہیتا لیڈر عمر بن الخطاب تھا۔ (فراقان 31 تا 27/25) سب سے پہلے اُس کا اقبال اور اعلان سب سے بڑے محدث اور معتبر محمد اسماعیل بخاری سے اور سب سے بلند مرتبہ کتاب صحیح بخاری، جسے قرآن کے بعد (بعد کتاب باری) دوسرا درجہ دیا گیا ہے، سے ملاحظہ فرمائیں لکھا ہے کہ:

عَنْ طَارِقِ بْنِ شَهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ قَامَ فِينَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدَاءِ الْخَلْقِ

حَتَّى دَخَلَ أَهْلَ الْجَنَّةِ مَنْازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنْازِلَهُمْ حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ۔

”طارق بن شہاب نے بیان کیا کہ میں نے عمر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر ہمارے درمیان کھڑے ہو کر ہمیں مخلوقات کی ابتداء سے لے کر اُس وقت تک کے تمام حالات کی تفصیل سے خبر دی تھی جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں اپنی اپنی منزلوں میں پہنچیں گے۔ اُن کے حالات کو جس نے یاد رکھا اُسی نے یاد رکھا اور جنہوں نے بھلا دیا انہوں نے اُن کو بھلا دیا۔“

حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

(1) بخاری کی اس حقیقت انگیز روایت پر حاشیہ میں ساری مخلوقات کے حالات پر دلیل کہا گیا ہے۔

”۱۰ قَالَ الطَّبَّيُّ دَلَّ ذَلِكَ أَنَّهُ أَخْبَرَ عَنْ جَمِيعِ أَحْوَالِ الْمَخْلُوقَاتِ“ (بخاری جلد اول صفحہ 453 پارہ نمبر 13)

”علامہ طبیبی نے کہا ہے کہ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ نے روز ازل سے انتہا تک تمام کائناتی مخلوقات کے حالات بیان فرمادیئے تھے“

عمر نے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم کی ہمہ گیری کا اعلان و اقرار کیا ہے۔ وہیں اُن صحابہ کی اطلاع بھی فراہم کی ہے جنہوں نے آنحضرتؐ کی دی ہوئی ہمہ گیر تعلیم کو عمر ہی کے زمانہ تک بھلا دیا تھا اور ظاہر ہے کہ بھلانے والے صحابہ اُن تعلیمات سے دل چسپی نہ رکھتے تھے اور نہ چاہتے تھے وہ عالم گیر تعلیمات آگے بڑھیں۔ اور یقیناً ایسے صحابہ نہ اسلام کے دوست ہو سکتے ہیں اور نہ اللہ و رسولؐ اور قرآن کے ہمدرد کہلا سکتے ہیں۔ پھر عمر نے اُن صحابہ کی موجودگی کی نشاندہی بھی کر دی ہے جنہوں نے رسولؐ اللہ کی دی ہوئی ہمہ گیر تعلیمات کی حفاظت کی اور انہیں موجود رکھا تھا۔ اور مسلمانوں میں یہی وہ جماعتیں تھیں۔ جو عہد رسولؐ سے لے کر آج تک اپنے اپنے عقائد کے ساتھ موجود ہیں۔ اور میں اور مودودی بھی اُن ہی دونوں جماعتوں میں سے ہیں۔ قارئین دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ مودودی منکر جماعت کے عالم ہیں اور میں اقرار کرنے والی جماعت کا طالب علم ہوں۔ اور بقول عمر، مودودی اور اُس کے ہم عقیدہ وہم مذہب لوگ باطل پرست اور ہم حق پرست ہیں۔ اور یہ بہت بڑی سند ہے۔

(2) صحیح بخاری سے آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ قرآن کو بھی ہمہ گیری کا بلند مقام حاصل ہے۔

بخاری کی مندرجہ بالا حدیث کے پہلے قرآن کی ہمہ گیری پر یہ روایت موجود ہے کہ:

عن عمران بن حصين، قال رسول الله: كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرَهُ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَكُتِبَ فِي الذِّكْرِ كُلِّ شَيْءٍ وَخَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ (ایضاً بخاری صفحہ 453۔ جز 13)

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت وہ تھا کہ اللہ موجود تھا اور اللہ کے سوا کوئی چیز موجود نہ تھی اور عرش خداوندی اس وقت پانی پر تھا جب اللہ نے ”الذکر“ میں ہر چیز کو لکھ دیا تھا اور اُس کے بعد تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔“

قرآن کا ایک نام اللہ نے ”الذکر“ بھی بتایا ہے (نحل 16/44) اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب و نام بھی ہے۔ (سورہ طلاق 11-65/10) لہذا ثابت ہوا کہ قرآن کریم اور رسول کریم اس کائنات کی ہر ایک چیز کی تفصیل جاننے والے اور محفوظ رکھنے اور تعلیم دینے والے ہیں اور مندرجہ بالا قرآن کو اللہ ذکر بتانے والی آیت (16/44) سے پہلی آیت (16/43) میں یہ بتایا گیا ہے کہ:

”جو کچھ تم نہیں جانتے اور جاننا چاہتے ہو وہ ”أَهْلُ الذِّكْرِ“ سے سوال کر کے معلوم کر لیا کرو۔“ (16/43)

معلوم ہوا کہ تعلیمات قرآن ورسول کو قیامت تک محفوظ رکھنے اور بتانے والے وہ حضرات ہیں جن کی طرف قرآن اور رسول کو مضاف کر کے انہیں مضاف الہیہ بنایا گیا ہے۔ یعنی قرآن والے اور رسول والے۔ یعنی ان سے پوچھا کرو جن کا رسول بھی ہے اور قرآن بھی ان کا ہے۔

(ج) زیر بحث چوری کا پتہ لگانے کے لئے مودودی کی جامہ تلاشی بھی لینا ضروری ہے تاکہ حقائق خدا ورسول اور قرآن کے چوروں کا پتہ لگ سکے۔

آخر میں مودودی کی تلاشی لے کر وہ سامان دیکھئے جو اُس نے چرایا، چھپایا، تسلیم کیا اور پھر بھی غلط عقائد پھیلائے ہیں۔

قارئین نے سنا ضرور ہوگا کہ اللہ نے قریشی علماء کی بکواس پر انہیں بار بار چیلنج کیا ہے کہ تم قرآن کی مانند کلام تیار کر کے دکھا دو تو تمہاری بکواس مدلل بات ہو سکتی ہے۔ (یونس 10/38، ہودہ 11/13، بقرہ 2/23) اسی چیلنج کو چوتھی مرتبہ سورہ طور پر یوں دوہرایا گیا ہے کہ:

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ (52/34)

مودودی ترجمہ ”اگر یہ اپنے اس قول (بکواس۔ احسن) میں سچے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 174)

اس آیت کی تفسیر میں مودودی کو قرآن کی شان اور ایسی حقیقتوں کو ماننا اور لکھنا پڑا جو ان کے بنیادی اور قومی اور مذہبی اور قریشی عقائد کے خلاف ہیں۔ چنانچہ وہی مودودی جس نے کہا تھا کہ قرآن میں علم الطب، حساب اور دیگر تمام علوم و فنون نہیں ہیں۔ مجبوراً لکھتا ہے کہ:

”جس موضوع سے یہ کتاب (قرآن) بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ ازل سے ابد تک پوری کائنات پر حاوی ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت اور اُس کے آغاز و انجام اور اُس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس کائنات کا خالق اور

ناظم اور مدبر کون ہے، کیا اُس کی صفات ہیں، کیا اُس کے اختیارات ہیں، اور وہ حقیقت نفس الامری کیا ہے جس پر اُس نے یہ پورا

نظام عالم قائم کیا ہے۔ وہ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اُس کا مقام ٹھیک ٹھیک مشخص کر کے بتاتی ہے کہ یہ اُس کا فطری مقام اور یہ

اُس کی پیدائشی حیثیت ہے جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور اس حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لئے فکر

و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے جو حقیقت سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں۔ صحیح راستے

کے صحیح ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظام کائنات کے ایک ایک گوشے سے، انسان کے

اپنے نفس اور اُس کے وجود سے، اور انسان کی اپنی تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط

راستوں پر کیسے اور کن اسباب سے پڑتا رہا ہے۔ اور صحیح راستہ، جو ہمیشہ سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہے گا، کس ذریعہ سے اُس کو معلوم

ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر زمانہ میں اُس کو بتایا جاتا رہا ہے۔ وہ صحیح راستے کی صرف نشاندہی کر کے نہیں رہ جاتی بلکہ اس راستے پر چلنے کے

لئے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ جس میں 1۔ عقائد۔ 2۔ اخلاق۔ 3۔ تزکیہ نفس۔ 4۔ عبادات۔ 5۔ معاشرت۔

6۔ تہذیب۔ 7۔ تمدن۔ 8۔ معیشت۔ 9۔ سیاست۔ 10۔ عدالت۔ 11۔ قانون، غرض حیات انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک

نہایت مربوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں وہ پوری تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے کہ اُس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور ان غلط

راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اس دنیا میں ہیں اور کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالم میں رونما ہونے والے

ہیں۔ وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرے عالم برپا ہونے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے، اس تغیر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے

بتاتی ہے، دوسرے عالم کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے،۔۔۔۔

اس وسیع مضمون پر جو کلام اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اُس کا مصنف کچھ صغریٰ کبریٰ جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت کا براہ راست علم رکھتا ہے، اُس کی نگاہ ازل سے ابد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے، تمام حقائق اس پر عیاں ہیں، کائنات پوری کی پوری اُس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، نوع انسانی کے آغاز سے اُس کے خاتمہ تک ہی نہیں، بلکہ خاتمہ کے بعد اُس کی دوسری زندگی تک بھی وہ اس کو بیک نظر دیکھ رہا ہے، اور قیاس و گمان کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی راہنمائی کر رہا ہے۔ جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے اُن میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ جو تصور کائنات و انسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام مظاہر اور واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے اور ہر شعبہ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے۔ فلسفہ و سائنس اور علوم عمران کے تمام آخری مسائل کے جوابات اُس کے کلام میں موجود ہیں اور اُن سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ اُن پر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظام فکر قائم ہوتا ہے۔ پھر عملی حیثیت سے جو راہنمائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو دی ہے وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں ہے بلکہ چودہ سو سال سے روئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اُس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجربے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔“

”یہ کتاب پوری کی پوری بیک وقت لکھ کر دُنیا کے سامنے پیش نہیں کر دی گئی تھی۔ بلکہ چند ابتدائی ہدایات کے ساتھ ایک تحریک اصلاح کا آغاز کیا گیا تھا۔ اس کے بعد 23 سال تک وہ تحریک جن جن مرحلوں سے گزرتی رہی اُن کے حالات اور اُن کی ضروریات کے مطابق اُس کے اجزاء اُس تحریک کے راہنما کی زبان سے کبھی طویل خطبوں اور کبھی مختصر جملوں کی شکل میں ادا ہوتے رہے۔ پھر اس مشن کی تکمیل پر مختلف اوقات میں صادر ہونے والے یہ اجزاء اُس مکمل کتاب کی صورت میں مرتب ہو کر دُنیا کے سامنے رکھ دیئے گئے جسے ”قرآن“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ تحریک کے راہنما کا بیان ہے کہ یہ خطبے اور جملے اُس کے طبع زاد نہیں ہیں بلکہ خداوند عالم کی طرف سے اُس پر نازل ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص نہیں اُس راہنما کے طبعزاد قرار دیتا ہے تو وہ دُنیا کی پوری تاریخ سے کوئی نظیر ایسی پیش کرے کہ کسی انسان نے ساہا سال تک مسلسل ایک زبردست اجتماعی تحریک کی بطور خود راہنمائی کرتے ہوئے کبھی ایک واعظ اور معلم اخلاق کی حیثیت سے، کبھی ایک مظلوم جماعت کے سربراہ کی حیثیت سے، کبھی ایک مملکت کے فرمانروا کی حیثیت سے، کبھی ایک برسرِ جنگ فوج کے قائد کی حیثیت سے، کبھی ایک شارح اور مقنن کی حیثیت سے، غرض بکثرت مختلف حالات اور اوقات میں بہت سی مختلف حیثیتوں سے جو مختلف تقریریں کی ہوں یا باتیں کہی ہوں وہ جمع ہو کر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظام فکر و عمل بنا دیں، اُن میں کہیں کوئی تناقص اور تضاد نہ پایا جائے، اُن میں ابتدا سے انتہا تک ایک ہی مرکزی تخیل اور سلسلہ فکر کا رفرمانظر آئے، اُس نے اوّل روز سے اپنی دعوت کی جو بنیاد بیان کی ہو آخری دن تک اُسی بنیاد پر وہ عقائد و اعمال کا ایک ایسا ہمہ گیر نظام بنانا چلا جائے جس کا ہر جز دوسرے اجزاء سے کامل مطابقت رکھتا ہو، اور اُس مجموعہ کو پڑھنے والا کوئی صاحب بصیرت آدمی یہ محسوس کئے بغیر نہ رہے کہ تحریک کا آغاز کرتے وقت اُس کے محرک کے سامنے آخری مرحلے تک کا پورا نقشہ موجود تھا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بیچ کے کسی مقام پر اُس کے ذہن میں کوئی ایسا خیال آیا ہو جو پہلے اُس پر منکشف نہ تھا یا جسے بعد میں اُسے بدلنا پڑا۔ اس شان کا کوئی انسان اگر کبھی گزرا ہو جس نے اپنے ذہن کی خلاقیت کا یہ کمال دکھایا ہو تو اُس کی نشان دہی کی جائے؟“

”آج حالت یہ ہے کہ فلسفہ و سائنس اور علوم عمران کی کسی ایک شاخ کے مطالعہ میں اپنی عمر کھپا دینے کے بعد آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ اُس شعبہ علم کے آخری مسائل کیا ہیں، اور پھر جب وہ غائر نگاہ سے قرآن کو دیکھتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں اُن مسائل کا ایک واضح جواب موجود ہے۔ یہ معاملہ کسی ایک علم تک محدود نہیں بلکہ اُن تمام علوم کے باب میں صحیح ہے جو کائنات اور انسان سے کوئی تعلق رکھتے ہیں۔ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ چودہ سو برس پہلے ریگستان عرب میں ایک اُمّی کو علم کے ہر گوشے پر اتنی وسیع نظر حاصل تھی؟“۔

(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 176 تا 179)

(د) قرآن اور رسول کے ہمہ گیر مقام کا منکر اپنے اس بیان میں کیا کیا مانتا ہے؟ مختصر الفاظ میں۔

مودودی نے قرآن میں جنگلات، علم طب، حساب اور دیگر علوم و فنون کی موجودگی کا انکار کیا تھا۔ لیکن اب وہی ملعون لکھتا ہے کہ:

(1) قرآن ازل سے ابد تک ساری کائنات پر حاوی ہے۔

(2) قرآن ساری کائنات کے خالق کا، اُس کے آغاز و انجام کا اور کائناتی قوانین و آئین کا اور نظام کائنات کا علم رکھتا ہے۔ اور قرآن

(3) کائنات میں انسان کے فکر و عمل کا صحیح راستہ بتاتا ہے۔ اور

(4) قرآن زمین و آسمان کی ایک ایک چیز پر اور ہر چیز پر اور کائنات کے ہر گوشہ پر ثبوت اور دلائل پیش کرتا ہے۔

(5) قرآن عقائد و اخلاق پر، تزکیہ نفس پر، عبادات و معاشرت پر، تہذیب اور تمدن پر، معیشت و سیاسیات پر، عدالت اور قانون پر اور

حیات انسانی کے ہر شعبے پر ایک مکمل و مربوط ضابطہ پیش کرتا ہے۔

(6) قرآن ازل سے ابد تک کائنات میں رُونا ہونے والے تغیرات پر اور ارتقا کے تمام مرحلوں پر ایک مکمل نقشہ فراہم کرتا ہے۔

(7) قرآن کائنات کے تمام مظاہر اور واقعات اور اُن کی توجیہات بیان کرتا ہے۔

(8) قرآن ہر شعبہ علم کی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

(9) قرآن فلسفہ، سائنس اور علوم عمران کے تمام آخری مسائل کے جوابات دیتا ہے اور اُن کی وضاحت پیش کرتا ہے۔

(10) قرآن کی ہدایات کسی ایک علم تک محدود نہیں بلکہ وہ تمام کائناتی اور انسانی علوم پر محیط ہے۔

یہ دس حقیقتیں مودودی کے قلم سے نکلیں اور معلوم ہوا کہ قرآنی حقائق کو چھپانے اور چرٹانے میں مودودی کو چوروں کا سب سے بڑا اعزاز ملنا چاہئے۔

(ہ) قرآنی حقائق برآمد ہو چکے تو صاحب قرآن کے چوری شدہ حقائق بھی برآمد ہو سکتے ہیں۔

قرآن کے ساتھ ساتھ صاحب قرآن کا چرٹا ہوا سامان بھی مودودی کی ابلسی زنبیل سے برآمد کرتے ہیں۔

(1) ہر نبی نے جن چیزوں پر ایمان لانے کی دعوت دی یا جو ہدایات فرمائیں وہ تمام چیزیں دیکھی بھالی تھیں۔

چنانچہ دیکھئے کہ نبیوں کو اپنے مانند بشر کہنے والوں کا عالم کیا لکھتا ہے:

”انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ کا جو معاملہ ہے، اُسے اگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے، تو کسی کھینچ تان کی ضرورت پیش نہیں آسکتی۔

عام اہل ایمان کو اس زندگی میں جو خدمت انجام دینی ہے، اُس کے لئے جو محض ایمان بالغیب (بے دیکھے ماننا) کافی ہے لیکن انبیاء کو جو

خدمت اللہ نے سپرد کی تھی اُس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ حقیقتیں دیکھ لیتے جن پر ایمان لانے کی دعوت انہیں دنیا کو دینا

تھی۔ اُنہیں دنیا سے پورے زور کے ساتھ یہ کہنا تھا کہ تم لوگ تو قیاسات ڈور اتے ہو، مگر ہم آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں۔ تمہارے پاس گمان ہے اور ہمارے پاس علم ہے، تم اندھے ہو اور ہم بینا ہیں۔ اسی لئے انبیاء کے سامنے فرشتے عیاباً آئے ہیں۔ اُن کو آسمان وزمین کے نظام حکومت یعنی (ملکوت) کا مشاہدہ کرایا گیا ہے، اُن کو جنت و دوزخ آنکھوں سے دکھائی گئی ہے، اور بعث بعد الموت کا اُن کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ ایمان بالغیب کی منزل سے یہ حضرات منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے گزر چکے ہوتے ہیں۔ نبی ہونے کے بعد انہیں ایمان بالشہادۃ کی نعمت دی جاتی ہے اور یہ نعمت اُن ہی کے ساتھ مخصوص ہے، (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 202)

(2) پوری کائنات اور کائنات کی ہر وہ چیز جو انسانی نظر سے پوشیدہ، نزدیک یا دور ہو آنحضرت کی نگاہ کے سامنے حاضر ہے۔

مودودی کا ایک اور بیان دیکھنے کے بعد دونوں بیانات کی تصدیق پر نظر ڈالنا بہتر ہوگا۔ سنئے:

”اصل بات جو معراج کے سلسلے میں سمجھ لینی چاہئے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے منصب کی مناسبت سے ملکوتِ سلوات وارض کا مشاہدہ کرایا ہے اور مادی حجابات بیچ میں سے ہٹا کر آنکھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کئے گئے تھے، تا کہ اُن کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بالکل میسر ہو جائے۔ فلسفی جو کچھ بھی کہتا ہے قیاس و گمان سے کہتا ہے، وہ خود گرا اپنی حیثیت سے واقف ہو تو کبھی اپنی کسی رائے کی صداقت پر شہادت نہ دے گا۔ مگر انبیاء جو کچھ کہتے ہیں وہ براہ راست علم اور مشاہدے کی بنا پر کہتے ہیں، اور وہ خلق کے سامنے یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو جانتے ہیں اور یہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہیں،“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 590)

(3) اگر مودودی اپنے ان دونوں بیانات میں سچا ہے تو یقیناً اللہ بھی آنحضرت کا دیکھا بھلا ہے۔

ان دونوں بیانات کے بعد کسی سنی یا شیعہ شخص کو تمام انبیاء علیہم السلام کے مقام بلند پر عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی مقام پر خصوصاً کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں رہتا۔ اور سب کو نہ صرف یہ ماننا لازم ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز ہر وقت حضور کے سامنے رہتی تھی۔ بلکہ یہ بھی اُن کو ماننا ہوگا کہ خود اللہ بھی آنحضرت کی نگاہوں کے سامنے ہر وقت و ہر لمحہ موجود رہتا تھا۔ اس لئے کہ جن چیزوں پر ایمان لانے کی دعوت انبیاء دیتے تھے اُن میں سب سے اہم اور سب سے پہلی ہستی خود ذات باری، اللہ تعالیٰ کی ہے۔ بہر حال ان دونوں بیانات سے عمر کے بیان کی تصدیق بھی ہوگئی جو بخاری سے دکھایا جا چکا ہے۔ (9-ب) اور جس میں عمر نے بتایا ہے کہ حضور نے تخلیق کائنات سے لے کر جنت اور جہنم میں داخلے تک سب کچھ بیان فرما دیا تھا۔ کچھ صحابہ نے اُسے یاد رکھا تھا اور کچھ نے عمر ہی کے سامنے بھلا دیا تھا۔ (بخاری پارہ نمبر 13)

معلوم ہوا کہ عمر کے بعد مسلمانوں کے دو گروہ آگے چلے جن میں ایک جماعت وہ تھی جس نے تعلیمات خدا و رسول کو قرآن میں موجود ہوتے ہوئے بھی طاق نسیان پر رکھنا ضروری سمجھا تھا۔ اور دوسری جماعت وہ تھی جو ان تعلیمات کا تحفظ اور وجود لازم سمجھتی تھی۔

(4) جن صحابہ نے تعلیمات خدا و رسول کو قرآن میں لکھی ہوئی ہونے کے باوجود بھلا دیا تھا وہ کون اور کیسے مسلمان تھے؟

قرآن کریم اُن بھلانے والے صحابہ کے متعلق فرماتا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَنَسْطُرْ نَفْسَ مَا قَدَّمْتُمْ لِعَدُوِّ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (19-18/59)

مودودی کا ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لئے کیا سامان کیا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ یقیناً تمہارے اُن سب اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں خود اپنا نفس بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں“۔ (سورہ الحشر۔ 19-18/59، تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 409-410)

یہاں جن مومنین کو مخاطب کیا گیا ہے اُن پر ایک ہی آیت یا جملے میں دو مرتبہ تقویٰ کا تقاضا کیا گیا ہے۔ انہیں قیامت سے خبردار کیا گیا ہے۔ اُن کے غلط اعمال پر تنبیہ کی گئی ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ تم اللہ کو بھلا بیٹھنے والے نہ بن جانا۔ اور نتیجہ یہ بتایا ہے کہ اللہ تمہیں خود فراموشی میں مبتلا کر کے فاسقوں میں شمار کرے گا۔ یعنی یہ مسلمان یا مومنین تو تھے مگر متقی نہ تھے اور متقی نہ تھے تو ظاہر ہے کہ فاسق مومنین تھے جنہیں عاقبت و قیامت کی فکر نہ تھی جنہیں یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ اللہ تمہارے اعمال پر نظر تنقید رکھے ہوئے ہے لہذا چونکہ تمہارا وہ راستہ اختیار نہ کرو کہ اللہ کو بھلا بیٹھو اور عذاب میں مبتلا ہو جاؤ۔ یہ لوگ وہ تھے جو مدینہ میں قریش والے اسلام کو اختیار کرتے جا رہے تھے۔ انہیں قریشی رویہ اور قریشی اسلام اختیار کرنے سے روکنے ہی کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ:

”تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور پھر اللہ نے اُن لوگوں کو خود فراموش بنا دیا“

یہ قریش ہی کی بات ہے جنہوں نے قیام مکہ ہی میں قرآن کو مجبور کر کے خود رسول اللہ کو بھی دنیا سے فراموش کرانے کا انتظام کر رکھا تھا سنئے:

(5) قریش نے درحقیقت الذکر کو یعنی قرآن اور رسول دونوں کو قیام مکہ ہی میں بھلا دیا تھا۔

... قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يُبٰغِيْ لَنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاءَ وَّلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَاءَهُمْ حَتّٰى نَسُوْا الذِّكْرَ

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّبْرًا ۝ فَكٰذَبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِيعُوْنَ صِرْفًا وَّلَا نَصْرًا وَّمَنْ يَّظْلِمِ مِنْكُمْ نُدْفِهٖ عَذَابًا

كَبِيْرًا ۝ (فرقان 19-17/25)

مودودی کا ترجمہ: ”وہی دن ہوگا جب کہ (تمہارا رب) اُن لوگوں کو بھی گھیر لائے گا اور اُن کے اُن معبودوں کو بھی بلا لے گا جنہیں آج یہ اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہیں، پھر وہ اُن سے پوچھے گا ”کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ یا یہ خود راہ راست سے بھٹک گئے تھے؟“ وہ عرض کریں گے پاک ہے آپ کی ذات ہماری تو یہ بھی مجال نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مولیٰ بنائیں۔ مگر آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامان زندگی دیا حتیٰ کہ یہ سبق (الذکر۔ احسن) بھول گئے۔ اور شامت زدہ (قوم۔ احسن) ہو کر رہے۔ یوں جھٹلا دیں گے وہ (تمہارے معبود) تمہاری اُن باتوں کو جو آج تم کہہ رہے ہو، پھر تم نہ اپنی شامت کو ٹال سکو گے نہ کہیں سے مدد پاسکو گے اور جو بھی تم میں سے ظلم کرے اُسے ہم سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے“۔ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 442 تا 444)

(6) جس قوم نے اُلذکر کو بھلا دیا اور شامت زدہ قوم ہو گئی تھی وہ قرآن کو مجبور کرنے والی رسول کی قوم تھی۔

مودودی کے ترجمہ اور قریش پر تنقید بعد میں ہوگی پہلے اس سلسلے کی ایک اور آیت دیکھ لیں ارشاد ہے کہ:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (فرقان 25/30)

”اور حکومت رسول کو غصب کرنے والے ظالم کے بیان پر اللہ کے رسول محمد نے کہا کہ اے میرے پروردگار یقیناً میری قوم نے اس قرآن سے بھی ہجرت کر کے اُسے مجبور کر دیا ہے۔“

(7) ہماری تنقید اور مودودی کے ترجموں میں قریش کی طرف داری کی وجہ سے بددیانتی۔

تنقید شروع کرنے سے پہلے آپ یہ دیکھیں کہ مودودی اس سورہ فرقان کا نزول مکہ میں بتاتے ہیں چنانچہ لکھا ہے کہ:

”زمانہ نزول انداز بیان اور مضامین پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ نزول بھی وہی ہے جو سورہ مومنون وغیرہ کا ہے

یعنی زمانہ قیام مکہ کا دور متوسط“۔ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 430)

لہذا آیت (25/30) بتاتی ہے کہ رسول کی قوم قریش نے مکہ ہی میں قرآن سے ہجرت کر کے اُسے مجبور کر دیا تھا۔ جس طرح لوگ مکہ سے ہجرت کر کے ملک حبش یا مدینہ گئے تھے اور اہل مکہ کے ظلم و جبر سے محفوظ ہو کر آزاد اور اپنی پسند کی زندگی بسر کرنے لگے تھے یعنی ایک شہر سے دوسرے شہر چلے گئے تھے۔ مگر قرآن سے ہجرت کے معنی اُسی حساب سے یہ ہوں گے کہ قرآن اور صاحب قرآن کی عائد کردہ پابندیوں سے نجات پانے اور ایک آزاد اور پسندیدہ زندگی بسر کرنے کے لئے قومی لیڈروں کی مشاورت اور اجتہاد کو یا بقول قرآن طاعت کو قرآن کی جگہ اپنا ہادی، امام اور راہنما بنا لیا تھا۔ یعنی قریش نے دو ہجرتیں کی تھیں ایک مکہ سے مدینہ کی طرف رسول کی حکومت پر قریب سے نظر رکھنے اور موقع ملنے ہی تسلط حاصل کرنے کے لئے اور دوسری قرآن سے طاعت کی طرف نبی کی جگہ راہنمائی و ہدایت کاری اور احکام و قوانین حاصل کرنے کے لئے (سورہ نساء 65 تا 60/4) اور قریش کے یہ دونوں مقاصد قرآن کو مجبور کرنے والی آیت (25/30) کے قبل کی تین آیات (29 تا 25/27) سے بھی ثابت ہیں۔ لہذا جس قوم کو شامت زدہ قرار دیا گیا ہے (19 تا 25/17) وہ یہی رسول کی قوم قریش تھی۔ اسی کا دوسرا ثبوت یہ بھی ہے کہ جہاں مودودی ترجمہ میں گڑ بڑ کریں وہاں قوم قریش ہی مقصود ہوا کرتی ہے اور وہاں مودودی لفظ ”قوم“ کا ترجمہ اکثر قوم نہیں کیا کرتے ہیں۔

(8) مودودی لفظ ”قوم“ سے بچ کر گزرتے ہیں اور لفظ ”الذکر“ کا کفر کرتے ہیں؟

چنانچہ آیت (25/18) دیکھ لیں قوم کا ترجمہ غائب کر لیا ہے اور سب سے بڑی خیانت اور بددیانتی یہی ہے کہ آیت (25/18) میں لفظ ”الذکر“ کے صحیح معنی و مفہوم مراد جانتے ہوئے بھی مودودی نے اس کے معنی ”سبق“ کر دیئے ہیں تاکہ اُس کی راہنما قوم کا اور قوم کے راہنما لیڈروں کا یعنی ابوبکر و عمر کا جرم ہلکا ہو جائے دین کے لاکھوں اسباق میں سے کسی ایک سبق کو بھلا دینا ایک بہت معمولی بلکہ ناقابل ذکر قصور کہلا سکتا ہے۔ لیکن بقول عمر روز ازل سے تخلیق کائنات اور تمام دینی متعلقات پر جنت اور جہنم میں داخلہ تک کی ساری تعلیمات کا بھلا دینا، یا سارے قرآن میں مذکور تعلیمات کو بھلا دینا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو سرے سے بھلا دینا تو ایسا سنگین جرم ہے جس سے جہنم واجب ہوتا ہے۔ اور

پوری قوم کے لئے فرمایا ہے کہ: حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا (25/18)

”یہاں تک کہ انہوں نے ”الذکر“ کو بھلا دیا اور پوری قوم شامت زدہ ہو کر رہ گئی۔“

قارئین نے بخاری میں آنحضرت کی حدیث دیکھی تھی (9-ب 2) جہاں فرمایا گیا تھا کہ:

وكتب في الذكر كل شئ ع۔ (بخاری جز نمبر 13- صفحہ 453) ”اور اللہ نے الذکر میں تمام چیزیں لکھ دی تھیں“

سوچئے کہ قریش نے اُس چیز کو بھلا دیا تھا جس میں کائنات کی ہر چیز لکھی ہوئی اور موجود تھی اور مودودی نے اُسے ایک سبق بنا کر سنگین ترین قابل جہنم جرم کو ایک ادنیٰ درجہ کا قصور بنا دیا ہے۔

(9) مودودی جانتا اور لکھتا رہا ہے کہ الذکر قرآن اور آنحضرت کا لقب ہے۔

بہر حال قرآن کی آیت مودودی کا ترجمہ اور تشریح دیکھئے اور سوچئے کہ اس قریش پرست عالم نے جان بوجھ کر قریش کے بدترین جرم کو کیوں چھپایا؟

وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (نحل 16/44)

مودودی ترجمہ: ”اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُس کی تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو اُن کے لئے اُتاری گئی ہے، تاکہ

لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں“ (نحل 16/44، تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 543-544)

اب اس آیت کی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

”مذکر فرشتوں کے ذریعہ سے بھی بھیجا جاسکتا تھا۔ براہ راست چھاپ کر ایک ایک انسان تک بھی پہنچایا جاسکتا تھا۔ مگر محض ذکر بھیج دینے

سے وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت و ربوبیت اُس کی تنزیل کی متقاضی تھی۔ اُس مقصد کی تکمیل کے

لئے ضروری تھا کہ اس ”ذکر“ کو ایک قابل ترین انسان لے کر آئے۔ وہ اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ جن کی سمجھ

میں کوئی بات نہ آئے اُس کا مطلب سمجھائے۔ جنہیں کچھ شک ہو اُن کا شک رفع کرے۔ جنہیں کوئی اعتراض ہو اُن کے اعتراض

کا جواب دے۔ جو نہ مانیں اور مخالفت اور مزاحمت کریں اُن کے مقابلے میں وہ اُس طرح کاروبہ برت کر دکھائے جو اس ”ذکر“ کے

حاملین کی شان کے شایاں ہے۔ جو مان لیں انہیں زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کے متعلق ہدایات دے، اُن کے سامنے خود اپنی زندگی کو

نمونہ بنا کر پیش کرے، اور اُن کو اجتماعی و انفرادی تربیت دے کر ساری دنیا کے سامنے ایک ایسی سوسائٹی کو بطور مثال رکھ دے جس کا

پورا اجتماعی نظام ”ذکر“ کے منشا کی شرح ہو۔ یہ آیت جس طرح اُن منکرین نبوت کی حجت کے لئے قاطع تھی جو خدا کا ”ذکر“ بشر کے

ذریعہ سے آنے کو نہیں مانتے تھے، اسی طرح آج یہ آیت اُن منکرین حدیث کی حجت کے لئے بھی قاطع ہے جو نبی کی تشریح اور توضیح کے

بغیر صرف ”ذکر“ کو لے لینا چاہتے ہیں۔ وہ خواہ اس بات کے قائل ہوں کہ نبی نے تشریح و توضیح کچھ بھی نہیں کی تھی صرف ”ذکر“ پیش

کر دیا تھا۔ 2- یا اس کے قائل ہوں کہ ماننے کے لائق صرف ”ذکر“ ہی ہے نہ کہ نبی کی تشریح۔ 3- یا اس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے

لئے صرف ”ذکر“ کافی ہے نبی کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں، 4- یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب صرف ”ذکر“ ہی قابل اعتماد حالت

میں باقی رہ گیا ہے۔ نبی کی تشریح یا تو باقی ہی نہیں رہی یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے لائق نہیں ہے۔ غرض ان چاروں باتوں میں سے جس

بات کے بھی وہ قائل ہوں، اُن کا مسلک بہر حال قرآن کی اس آیت (16/44) سے ٹکراتا ہے۔

اگر وہ پہلی بات کے قائل ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی نے اُس منشا ہی کو فوت کر دیا جس کی خاطر ”ذکر“ کو فرشتوں کے ہاتھ بھیجنے یا براہ

راست لوگوں تک پہنچا دینے کے بجائے اُسے واسطہ تبلیغ بنایا گیا تھا۔

اور اگر وہ دوسری یا تیسری بات کے قائل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں نے (معاذ اللہ) یہ فضول حرکت کی کہ اپنا ”ذکر“ ایک نبی کے

ذریعہ سے بھیجا۔ کیوں کہ نبی کی آمد کا حاصل بھی وہی ہے جو نبی کے بغیر صرف ”ذکر“ کے مطبوعہ شکل میں نازل ہو جانے کا ہو سکتا ہے۔

اور اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہیں تو دراصل یہ قرآن اور نبوت محمدی دونوں کے نسخ کا اعلان ہے جس کے بعد اگر کوئی مسلک معقول باقی رہ جاتا

ہے تو وہ صرف اُن لوگوں کا مسلک ہے جو ایک نئی نبوت اور نئی وحی کے قائل ہیں اس لئے کہ اس آیت (16/44) میں اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید

کے مقصد نزول کی تکمیل کیلئے نبی کی تشریح کو ناگزیر ٹھہرا رہا ہے اور نبی کی ضرورت ہی اس طرح ثابت کر رہا ہے کہ وہ ”ذکر“ کی منشاء کی توضیح کرے۔ اب اگر منکرین حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ نبی کی توضیح و تشریح دنیا میں باقی نہیں رہی ہے تو اس کے دو نتیجے کھلے ہوئے ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ ہے کہ نمونہ اتباع کی حیثیت سے نبوت محمدی ختم ہوگئی اور ہمارا تعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اُس طرح کا رہ گیا ہے جیسا ہوا اور صالح اور شعیب علیہم السلام کے ساتھ ہے کہ ہم اُن کی تصدیق کرتے ہیں اُن پر ایمان لاتے ہیں، مگر اُن کا کوئی اسوہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ جس کا ہم اتباع کریں، یہ چیز نبی نبوت کی ضرورت آپ سے آپ ثابت کر دیتی ہے صرف ایک بے وقوف ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کر سکتا ہے۔

دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ اکیلا قرآن نبی کی تشریح و تبیین کے بغیر خود اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لئے ناکافی ہے اس لئے قرآن کے ماننے والے خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر اُسے بجائے خود کافی قرار دیں، مدعی سست کی حمایت میں گواہان چست کی بات ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت آپ سے آپ خود قرآن کی رُو سے ثابت ہو جاتی ہے۔ فَاتَّسَلَّهْمُ اللَّهُ اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکار حدیث کے ذریعہ دین کی جڑ کھود رہے ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 543 تا 545)

(10) الذکر آنحضرت کا لقب ہے وہی مجسم قرآن بھی ہیں۔ مودودی کا دوسرا بیان اور تصدیق۔

یہ طویل بیان جہاں حدیث رسول کے منوانے میں نہایت مدلل اور مفصل ہے وہیں قرآن کو ”الذکر“ ثابت کرنے میں پورا دباؤ ڈالتا ہے۔ اور مودودی نے چودہ مرتبہ لفظ ”الذکر“ قرآن کی جگہ اور قرآن کے معنی میں لکھا ہے۔ مگر جہاں الذکر کو قرآن مانتا تھا وہاں اُسے ”ایک سبق“ کہہ کر قریشی قوم کے جرم کو ختم کر دیا ہے۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ یہ شخص غلطی یا لاعلمی کی بنا پر یہ حرکت نہیں کرتا بلکہ عمداً سمجھ بوجھ کر ایک مجرم قوم (25/31) کی طرف ناری میں قرآن اور رسول کے خلاف لکھتا ہے۔ اب یہ دیکھیں کہ یہ مودودی یہ بھی جانتا ہے کہ ”الذکر“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب بھی ہے۔ چنانچہ پھر آیت اور آیت کا مودودی ترجمہ اور تشریح ملاحظہ کریں:

قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ

مودودی ترجمہ: ”اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نازل کر دی ہے، ایک ایسا رسول جو تم کو اللہ کی صاف صاف ہدایات دینے والی آیات سناتا ہے“ (طلاق 11-10/65) (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 580)

اس ترجمہ میں اس خبیث مترجم نے ذکر کے معنی نصیحت کر دیئے حالانکہ نصیحت، ناصح، ناصحون، ناصحين وغیرہ خود عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ اُس نے نہ چاہا کہ قریشی طرز ترجمہ کو ترک کرے اور ترجمہ کو تشریحات کا محتاج نہ بنائے۔ ورنہ سیدھا سادہ اور آسان اور الفاظ کی رعایت کے ساتھ ترجمہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ: ”یقیناً اللہ نے تمہاری طرف ایک ذکر مجسم رسول نازل کر دیا ہے جو تمہارے سامنے اللہ کی منہ بولتی آیات کی تلاوت کرتا ہے۔“ بہر حال وہ اپنی تشریح میں اصل مقصد کی طرف اشارہ اور اقبال کرتا ہے۔

مودودی کی تشریح کہ وہ نصیحت رسول اللہ ہیں۔

”۲ مفسرین میں سے بعض نے نصیحت سے مراد قرآن لیا ہے، اور رسول سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نصیحت سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں یعنی آپ کی ذات ہمہ تن نصیحت تھی۔ ہمارے نزدیک یہی دوسری تفسیر زیادہ صحیح ہے، کیوں کہ پہلی تفسیر کی رُو

سے فقرہ یوں بنا پڑے گا کہ ”ہم نے تمہاری طرف ایک نصیحت نازل کی ہے اور ایک ایسا رسول بھیجا ہے“۔ قرآن کی عبارت میں اس تبدیلی کی آخر ضرورت کیا ہے جب کہ اس کے بغیر ہی عبارت نہ صرف پوری طرح با معنی ہے بلکہ زیادہ پر معنی بھی۔ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 580)

قرآن میں معنوی تحریف کے لئے دشمنان قرآن نے ہر تبدیلی کی ہے اور تبدیلیاں کرنے کو جائز رکھا ہے خود مودودی نے جو لفظ ”الذکر“ کے غلط معنی تبدیل کر کے نصیحت جڑے تو پھر غلطی سے بھی صحیح معنی نہ کئے برابر نصیحت ہی لکھتے چلے گئے۔ لہذا یہ خمیشت بھی قرآن کو تبدیلیوں اور تشریحات کا محتاج رکھتا چلا گیا ہے۔

10۔ قرآن اور رسول کے ہمہ گیر مقام کو قریش پرست علماء کی جامہ تلاشی میں برآمد کر کے مودودی ہی کے قلم سے اُن کی ہمہ گیری منوالی گئی

دشمنان دین کے طویل و مفصل بیانات سامنے آچکے ہیں۔ چرائی ہوئی حقیقتیں برآمد ہو چکی ہیں لہذا قارئین کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی تکلف یا شبہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کی طرف سے نوع انسان کو لامحدود ترقی کرانے کے لئے انہیں لامحدود علوم و ہدایات فراہم کرنے والا قرآن اور صاحب قرآن علیہ السلام عطا فرمایا گیا اور ان دونوں کو قیامت تک موجود رکھنے کا انتظام کیا۔ اور تمام انسانوں کو بتایا گیا کہ وہ اپنی لاعلمی کو علم میں تبدیل کرنے لئے اہل الذکر یا صاحبان قرآن سے سوال کرتے رہیں۔ (نحل 16/43، انبیاء 21/7)

(الف) اہل الذکر اور قرآن کی پوزیشن اہل الذکر کی زبانی، اس کائنات کی چیزیں ہر لمحہ صاحبان قرآن کے سامنے رہتی ہیں

مودودی کے بیان میں یہ ثابت ہو گیا تھا کہ اللہ نے تمام انبیاء علیہم السلام کے سامنے سے تمام مادی حجابات ہٹا کر انہیں ملکوت السموات والارض کا مشاہدہ کرایا تھا یعنی وہ پوری مملکت انہیں دکھادی تھی جس پر اللہ حکومت کرتا ہے اور تمام انتظامات اور طریق حکومت اور قوانین حکمرانی پر انہیں مطلع کر دیا تھا اور مودودی نے بھی لکھا تھا کہ کائنات اور نظام کائنات کا مشاہدہ کرانے میں اللہ نے انبیاء کے منصب اور ذمہ داریوں کی وسعت کو ملحوظ رکھا ہے یعنی جس کی ذمہ داریاں زیادہ تھیں اُسے زیادہ وسیع و تفصیلی مشاہدہ کرایا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ مشاہدہ بھی اُن کے لامحدود منصب اور بے حد حساب ذمہ داریوں کی بنا پر لامحدود اور بے حد حساب تھا۔ اب اسی سلسلے میں آپ جانشینان محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم کا بیان سن لیں۔ ارشاد ہے:

عن عبد الاعلیٰ بن اعین قال: سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول: ولدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانا اعلم کتاب اللہ وفیہ بدء الخلق وما هو کائن الی یوم القیمة وفیہ خبر السماء و خبر الارض و خبر الجنة و خبر النار و خبر ما کان و خبر ما هو کائن اعلم ذلک کما انظر الی کفی ان اللہ یقول فیہ تبیان کل شیء۔

”امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مجھے رسول اللہ نے جنم دیا ہے اور میں اللہ کی کتاب کا عالم ہوں اور کتاب اللہ میں تخلیق کائنات سے لے کر قیامت تک ہونے والی ہر بات کا علم موجود ہے اور اُس میں آسمانوں کی خبریں بھی ہیں اور زمینوں کے حالات بھی ہیں اور جنتوں کی بھی خبریں اُس میں موجود ہیں اور جہنم کے حالات بھی مذکور ہیں اور جو کچھ کہ اب تک ہو چکا وہ سب بھی کتاب اللہ میں لکھا ہوا ہے اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اس کا بھی حال موجود ہے اور میں کتاب اللہ کی تمام تفصیل کا ویسا ہی عالم ہوں جیسا کہ اپنی ہتھیلی کا عالم جس طرح مجھے اپنی ہتھیلی نظر آتی ہے اسی طرح پوری کائنات دکھائی دیتی ہے۔“ (اصول کافی کتاب فضل العلم حدیث نمبر 8) (باب الردّ الی کتاب اللہ و السنۃ)

یہ بھی آپ ہی نے فرمایا ہے کہ:

ان اللہ تبارک و تعالیٰ انزل فی القرآن تبیان کُلّ شیءٍ حَتّٰی وَاللّٰہ ما ترک اللّٰہ شیئا یحتاج الیہ العباد حتی لا یستطیع عبدٌ یقول لو کان ہذا انزل فی القرآن الا وقد انزل اللّٰہ فیہ (ایضاً حدیث نمبر 1)

(2) ”یقیناً اللہ نے قرآن میں ہر چیز کا بیان نازل کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ بخدا اللہ نے کوئی ایسی چیز نازل کرنے سے نہیں چھوڑی جس کی انسانوں کو قیامت تک ضرورت ہو سکتی تھی۔ حد یہ ہے کہ کسی انسان کی یہ مجال نہیں کہ وہ یہ دعویٰ کر سکے کہ قرآن میں اگر فلاں چیز بھی ہوتی تو اچھا ہوتا اس لئے کہ اللہ نے وہ چیز بھی پہلے سے نازل کر رکھی ہے۔ یعنی کسی ایسی چیز کا تصور بھی قیامت تک نہیں کیا جاسکتا جو قرآن میں نازل نہ کر دی گئی ہو۔“

معلوم ہوا کہ قرآن میں ہر وہ چیز، ہر وہ بات، ہر وہ عمل، ہر وہ تذکرہ نازل کر دیا گیا ہے جس کی قیامت تک کسی معاملے میں کسی انسان کو ضرورت ممکن ہے۔ لہذا وہ لوگ جو قرآن کی تعلیم کے لئے صاحبان قرآن کو وسیلہ سمجھ کر ان سے معلومات حاصل کریں گے انہیں پوری کائنات کی اور کائنات میں گزرنے والے واقعات و حادثات و آفات کی اطلاع اور علم دیا جانا طے شدہ ہے۔ (نحل 16/43، اہیاء 21/7، فرقان 25/59)

11۔ حضرت علیؑ نے اس خطبہ نمبر 32 میں نہ صرف تمام مفید و مضر، غلط و صحیح کاموں کا علم فراہم کرنے کی بات کی ہے بلکہ تمام حادثات

وآفات سے بھی بچانا چاہا ہے۔

حضور علیہ السلام نے سادہ سادہ اور روزمرہ کی ضرورتوں کا علم فراہم کرنے کے لئے تو یہ فرمایا تھا کہ:

لَا نَنْفَعُ بِمَا عَلَّمْنَا؛ وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا جَهِلْنَا؛۔ ”ہم اپنے علم و معلومات سے فائدہ نہیں اٹھاتے (خطبہ 32، جملہ 5)۔

اور جن چیزوں سے ہم جاہل ہیں ان کو معلوم کرنے کے لئے ہم سوال نہیں کرتے (خطبہ 32، جملہ 6)۔

اور مخصوص حالات و حادثات و آفات سے بچنے اور قبل از وقت ڈرنے اور تذکرہ کے لئے یہ فرما کر دعوت دی تھی کہ:

وَلَا تَنْخَوْفُ قَارِعَةً حَتّٰی تَحِلَّ بِنَا؛ (خطبہ 32، جملہ 7)۔

”اور جب تک آفات و مصائب ہمارا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے اُس وقت تک ہم ان سے نہیں ڈرتے۔ یعنی جب سر پر آفت ٹوٹ پڑتی ہے تب ہائے واویلا کرتے ہیں۔ لہذا تم کو چاہئے کہ آفات و حادثات کے وقوع میں آنے سے پہلے ان کا علم حاصل کرو اور ان سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ کے بتائے ہوئے طریقے استعمال کرو۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اہل الذکر کے سوا اور کوئی نہ کر سکتا تھا۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 33

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 33

خطبہ (33)

- 1- عربوں پر حکومت کرنے والوں کی اور عربی مملکت کی قیمت حضرت علیؑ کے شکستہ جوتے سے بھی بہت کم تھی۔
- 2- حضرت علیؑ کا مشن باطل کو مٹا کر حق قائم کرنا تھا۔
- 3- بعثت محمدؐ کے وقت کوئی نہ کتاب خداوندی کی قرات کرتا تھا نہ کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا تھا۔
- 4- آنحضرتؐ نے انہیں ہانک کر ان کے ٹھکانوں پر پہنچایا نجات کی منزل تک لے آئے ان کے حالات کو سنو اور اطمینان فراہم کر دیا۔
- 5- بخدا میں بھی عربوں کے ہانکنے میں شریک اور مستعد رہا ہوں۔ 6- میں باطل کو توڑ کر چھپائے ہوئے حق کو برآمد کروں گا۔
- 7- میں نے قریش سے ان کے کفر کی حالت میں جنگ کی تھی اور اب ان کے فتنہ کی حالت میں بھی جنگ کروں گا۔ 8- قریش ہم سے اس کا انتقام لے رہے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان پر برتری دی ہے۔ 9- اور ہم نے ان کو ذلت و خواری سے نکال کر اپنے برابر کے حقوق دیئے ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

<p>جب حضرت علیؑ علیہ السلام اہل بصرہ سے جنگ کے لئے روانہ ہونے والے تھے۔ اس وقت عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ وادی ذی قار میں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور اپنے جوتے کی مرمت کر رہے ہیں مجھے دیکھ کر مجھ سے پوچھا کہ: میرے اس جوتے کی اب کیا قیمت ہوگی؟ میں نے عرض کیا کہ اب تو اس کی کچھ بھی قیمت نہیں ہے۔ تو علیؑ نے فرمایا کہ: خدا کی قسم مجھے تمہاری حکومت اور مملکت سے یہ جوتا زیادہ محبوب ہے یہ دوسری بات ہے کہ میں نے حق کو قائم کرنے اور باطل کو مٹانے کے لئے تمہاری حکومت قبول کر لی ہے۔ پھر آپ باہر آئے اور لوگوں کو یوں مخاطب کیا کہ:</p>	<p>عِنْدَ خُرُوجِهِ لِقِتَالِ اَهْلِ بَصْرَةَ؛ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبَّاسٍ دَخَلْتُ عَلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِدِيْ قَارٍ وَهُوَ يَخْصِفُ نَعْلَهُ فَقَالَ لِيْ: مَا قِيْمَةُ هٰذَا النِّعْلِ؟ فَقُلْتُ: لَا قِيْمَةَ لَهَا؛ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:</p> <p>وَاللّٰهُ لِيْهِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَمْرَتِكُمْ اِلَّا اَنْ اُقِيْمَ حَقًّا اَوْ اَدْفَعُ باطِلًا ثُمَّ خَرَجَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ:</p> <p>اِنَّ اللّٰهَ سُبْحٰنَهُ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَوَلِيْسَ اَحَدًا مِنَ الْعَرَبِ يَقْرَأُ كِتٰبًا وَلَا يَدْعِيْ نُبُوَّةً؛</p> <p>فَسَاقِ النَّاسِ حَتّٰى يَوَّاهُم مَّحَلَّتْهُمُ؛</p> <p>وَيَلْفَهُمْ مِّنْجَاتِهِمْ؛</p> <p>فَاَسْتَقَامَتْ فَنَاتَتْهُمُ؛</p>
<p>یقیناً اللہ سبحانہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے زمانے میں مبعوث فرمایا تھا جب کہ ملک عرب میں نہ کوئی کتاب کی قرات کرتا تھا۔</p>	<p>1</p>
<p>اور نہ کوئی نبوت کا دعویٰ رہا تھا۔</p>	<p>2</p>
<p>چنانچہ آنحضرتؐ نے عربوں کو ہانک کر ان کے ان ٹھکانوں تک پہنچایا۔</p>	<p>3</p>
<p>اور انہیں ان کی نجات پانے کی جگہ پہنچا دیا۔</p>	<p>4</p>
<p>ان کی فئاتوں نے پائیداری اختیار کر لی۔</p>	<p>5</p>

6	ان کے مجرمانہ اور انتقامی ارادوں میں سکون و اطمینان پیدا ہو گیا۔	وَاطْمَأَنَّتْ صَفَاتُهُمْ ؛
7	قسم بخدا میں بھی رسول اللہ کے ساتھ ان کو ہانکنے ٹھکانے لگانے اور محفوظ کرنے میں یقیناً ساتھ ساتھ رہا۔	أَمَّا وَاللَّهِ إِنْ كُنْتُ لَعْنِي سَافَتْهَا ؛
8	یہاں تک کہ ادھر سے ادھر تک ان پر ولایت قائم ہو گئی۔	حَتَّىٰ وَكَلْتُ بِيَدَا فَيْرَهَا ؛
9	اس تمام مہم میں نہ میں نے کمزوری دکھائی اور نہ بزدلی کو قریب پھٹکنے دیا۔	مَا ضَعُفْتُ وَلَا جَبُنْتُ ؛
10	میرا موجودہ رویہ و رفتار اور سفر بھی مخالفوں کے ساتھ اسی طرز عمل کی مانند ہے جو عہد رسول میں میرا طرز عمل تھا۔	وَإِنَّ مَسِيرِي هَذَا لَمِثْلَهَا ؛
11	چنانچہ ضروری ہے کہ میں باطل کو پاش پاش کر دوں تاکہ باطل کی بغل میں چھپایا ہوا حق باہر نکل آئے۔	فَلَا بُقْرَانَ الْبَاطِلِ حَتَّىٰ يَخْرُجَ الْحَقُّ مِنْ جَنِبِهِ ؛
12	میرا قریش اور قریشیوں سے کیا رشتہ؟	مَالِي وَلِقَرَيْشٍ ؟
13	میں نے تو بخدا قریش سے اس زمانہ میں بھی جہاد کیا تھا جب وہ قرآن کے حقائق چھپاتے تھے	وَاللَّهِ لَقَدْ قَاتَلْتُهُمْ كَافِرِينَ ؛
14	اور اب جب کہ وہ فتنہ انگیزی میں مبتلا ہیں میرے لئے بخدا بہت ضروری ہے کہ میں ان سے جنگ کروں۔	وَأَقَاتِلْتُهُمْ مَفْتُونِينَ ؛
15	اور بلاشبہ میں کل بھی ان کا مالک تھا۔	وَإِنِّي لَصَاحِبُهُمْ بِالْأَمْسِ ؛
16	جیسا کہ آج بھی ان کا مالک ہوں۔	كَمَا أَنَا صَاحِبُهُمْ الْيَوْمَ ؛
17	خدا کی قسم قریشی قوم کا ہم سے انتقام لینا صرف اس جرم کے بدلے میں ہے کہ اللہ نے ہمیں ان کے مقابلے میں اپنی حکومت کے لئے پسند کر لیا ہے۔	وَاللَّهِ مَا تَنْقُمُ مِنَّا قَرَيْشُ إِلَّا أَنَّ اللَّهَ اخْتَارَنَا عَلَيْهِمْ ؛
18	چنانچہ حاکم و پسندیدہ خدا ہوتے ہوئے بھی ہم نے قریش سے نرم روی جاری رکھی اور انہیں اپنے دائرہ میں داخل کر لیا تھا یہ ہمارا سلوک ویسا ہی تھا جیسا کہ شاعر اول نے کہا ہے کہ:	فَادْخَلْنَاهُمْ فِي حَيِّزِ نَافِكَانُوا كَمَا قَالِ الْأَوْلُ ؛
	”اپنی زندگی کی قسم کہ میں نے تجھے بہترین غذا میں اور جام و سبوفراہم کئے۔	أَدَمْتُ لَعْمَرِي شُرْبِكَ الْمَحْضِ صَابِحًا وَآكَلِكَ بِالزُّبَيْدِ الْمُقَشَّرَةِ
	تجھے ایسی بلندیاں اور ترقیاں عطا کیں جو تجھے حاصل نہ تھیں۔	الْبَجْرَا وَنَحْنُ وَهِنَاكَ الْعَلَاءَ وَلَمْ تَكُنْ ؛ عَلِيًّا وَحُطْنَا حَوْلَكَ الْجُرْدَ وَالسَّمْرَا ؛
	اور تو ہرگز بزرگ و بلند مرتبہ نہ تھا۔	
	ہم نے تیرے تحفظ کے لئے تیرے چاروں طرف چست و تند گھوڑوں اور بھورے رنگ کے نیزوں کا احاطہ کئے رکھا ہے“	

تشریحات:

1- اس خطبہ پر قدیم سے لکھے چلے آنے والے ریمارکس صحیح ہیں اس لئے ہم نے بھی انہیں ”بیان الامامة“ میں بحال رکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام مدینہ سے روانہ ہو کر بصرہ کے قریب ذی قار نام کے ایک گاؤں اور چشمنے پر مقیم ہیں اور گردونواح سے نصرت کے لئے آنے والوں کا انتظار فرما رہے ہیں۔ چاروں طرف سے لوگ جوق در جوق آ رہے ہیں۔ عائشہ، طلحہ، اور زبیر کی پوزیشنوں اور موجودہ صورت حال پر سوالات کئے جا رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں حضور نے مسلمانوں کے اطمینان کے لئے جوابات دیئے ہیں۔ اُن ہی میں سے یہ خطبہ بھی ہے۔ چنانچہ آپ نے اس خطبہ میں اپنی اور قریش کی اور قریشی حکومت کی پوزیشن واضح کر دی ہے۔

2- حضرت علیؑ کی پوزیشن، بلا اختلاف ایک واجب الاطاعت نائب خداوندی، خلیفہ رسولؐ اور خلیفۃ المسلمین اور سربراہ اسلام کی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کو ساری دنیا کے، مسلم و غیر مسلم، علما نے خلیفہ برحق اور اُن کے مخالفوں کو باغی تسلیم کیا ہے۔ شیعہ علما حضرت علیؑ کو منصوص من اللہ اور روز اول سے خلیفہ مانتے ہی ہیں اور باقی مسلمان علما اُن کو عظیم الشان اور فقید المثل کثرت کا منتخب خلیفۃ المسلمین تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ مودودی نے مانا ہے کہ:

(الف) حضرت علیؑ کے مقابلہ پر کوئی دوسرا صحابی خلافت کا حق دار تھا ہی نہیں۔

”پوری دنیائے اسلام میں دوسرا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی طرف اس غرض کے لئے مسلمانوں کی نگاہیں اٹھتیں۔ حتیٰ کہ اگر آج کے راجح طریقوں کے مطابق بھی کوئی انتخاب کرایا جاتا تو لازماً عظیم اکثریت کے ووٹ اُن ہی کو حاصل ہوتے“ (خلافت و ملوکیت صفحہ 121) پھر لکھتے ہیں کہ:

(ب) منت خوشامد کر کے تمام مہاجرین اور انصار نام کے صحابہ نے اُن کو اپنا حاکم بنایا تھا۔

”اُنہوں نے انکار کیا اور لوگ اصرار کرتے رہے آخر کار اُنہوں نے کہا کہ: ”میری بیعت گھر بیٹھے خفیہ طریقہ سے نہیں ہو سکتی عام مسلمانوں کی رضا کے بغیر ایسا ہونا ممکن نہیں“ پھر مسجد نبویؐ میں اجتماع ہوا اور تمام مہاجرین و انصار نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی“ (ایضاً صفحہ 122) مودودی نے یہ نہیں لکھا کہ سابقہ تینوں خلفا کو ایسی عظیم الشان اکثریت نے خلیفہ نہیں بنایا تھا بلکہ مہاجرین و انصار میں بڑے بڑے تمام صحابہ اُن کے مخالف تھے۔

(ج) حضرت علیؑ نے قریشی حکومت کو قبول کرنے سے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اُس کے حصول میں کوئی کوشش بھی نہ کی۔

حضرت علی علیہ السلام قریشی حکومت کو برا بھلا کرتے رہے۔ اُس کو حاصل کرنے پر کبھی توجہ تک نہ دی مودودی سے سنئے:

”وہ زبردستی اقتدار پر قابض نہیں ہوئے۔ اُنہوں نے خلافت حاصل کرنے کے لئے برائے نام بھی کوشش نہیں کی۔ لوگوں نے خود آزادانہ مشاورت سے اُن کو خلیفہ منتخب کیا۔ صحابہ کی عظیم اکثریت نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور بعد میں شام کے سوا تمام بلاد اسلامیہ نے اُن کو خلیفہ تسلیم کیا“۔ (ایضاً صفحہ 122)

(د) حضرت علیؑ کو خلیفہ برحق نہ ماننے والے اور مخالفت کرنے والے سب اللہ و رسولؐ سے باغی تھے۔

پھر لکھتے ہیں کہ: ”یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ جنگ صفین کے بعد تک پورا جزیرۃ العرب اور شام کے مشرق اور مغرب میں دونوں

طرف اسلامی سلطنت کا ہر صوبہ حضرت علیؑ کی بیعت پر قائم تھا۔ اور صرف شام معاویہ کے زیر اثر ہونے کی بنا پر ان کی اطاعت سے منحرف تھا۔ اس لئے صحیح آئینی پوزیشن یہ نہ تھی کہ دنیائے اسلام میں کوئی طوائف الملوکی برپا تھی جس میں کوئی کسی کی اطاعت کا پابند نہ تھا، بلکہ یہ تھی کہ مملکت میں ایک جائز، قانونی، مرکزی حکومت موجود تھی جس کی اطاعت تمام دوسرے صوبے کر رہے تھے۔ اور صرف ایک صوبہ باغی تھا۔“ (طبری جلد 3 صفحہ 462-463۔ ابن الاثیر جلد 3 صفحہ 137 تا 141۔ البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 229 تا 251) (ایضاً صفحہ نمبر 125 حاشیہ میں)

(ہ) عائشہ، طلحہ زبیر اور معاویہ کی پوزیشن غیر آئینی اور غلط تھی وہ جاہلیت کے زمانہ کا عمل درآمد کر رہے تھے۔

مودودی چونکہ قریش کی ہر حالت میں پوجا کرنا لازم سمجھتے ہیں اس لئے اگر وہ عائشہ وغیرہ کو باغی مانتے ہوئے بھی ان کا احترام کریں تو تعجب کا مقام نہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

”ایک طرف حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ زبیر اور دوسری طرف حضرت معاویہ۔ ان دونوں فریقوں کے مرتبہ و مقام اور جلالتِ قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جاسکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اٹھ کھڑا ہو اور جو طریقہ چاہے اُسے پورا کرانے کے لئے استعمال کرے۔ یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی۔ جس میں ہر دعوے کے لئے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا۔ خون کا مطالبہ لے کر اٹھنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا جو زندہ تھے اور وہیں موجود تھے“ (ایضاً صفحہ 124)

(و) شیاطین کی جلالتِ قدر کا احترام کرنے کی وجہ سے مودودی حق کو قسطوں پر تقسیم کر کے احترامی الفاظ میں لپیٹ کر لکھتے ہیں۔

چند سطروں کے بعد بڑے احترام سے باطل کا سہرا عائشہ، طلحہ زبیر کے سر باندھتے ہیں۔ سنئے:

”اس سے بھی زیادہ غیر آئینی طریق کار یہ تھا کہ پہلے فریق (عائشہ، طلحہ اور زبیر۔ احسن) نے بجائے اس کے کہ وہ مدینہ جا کر اپنا مطالبہ پیش کرتا، جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے درنہاء سب موجود تھے اور عدالتی کارروائی کی جاسکتی تھی، بصرے کا رخ کیا اور فوج جمع کر کے خون عثمان کا بدلہ لینے کی کوشش کی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ایک خون کے بجائے دس ہزار مزید خون ہوں اور مملکت کا نظام الگ درہم برہم ہو جائے۔ شریعت الہی تو درکنار دنیا کے کسی آئین و قانون کی رو سے بھی اُسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جاسکتا“ (ایضاً صفحہ 125-124)

(ز) دوسری قسط میں معاویہ کے لئے چند احترامی والزامی جملے۔

مسلحہ معاویہ کے لئے لکھا ہے کہ: ”اس سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق، یعنی حضرت معاویہ کا تھا۔ جو معاویہ بن ابوسفیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شام کے گورنر کی حیثیت سے خون عثمان کا بدلہ لینے کے لئے اٹھے، مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا، گورنری کی طاقت اپنے اس مقصد کے لئے استعمال کی، اور مطالبہ بھی یہ نہیں کیا کہ حضرت علیؑ قاتلین عثمان پر مقدمہ چلا کر انہیں سزا دیں، بلکہ یہ مطالبہ کیا کہ وہ قاتلین عثمان کو ان کے لئے معاویہ کے حوالے کر دیں تاکہ وہ خود انہیں قتل کریں۔ یہ سب کچھ دورِ اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی یعنی زمانہ جاہلیت کی قبائلی بد نظمی سے اُشبہ ہے“ (ایضاً صفحہ 125)

(ح) آخر قاضی ابوبکر ابن العربی کی آڑ لے کر مودودی نے ان کے قلم سے علیؑ کے مخالفوں کو واجب القتل لکھ دیا۔

مودودی تو بدستور احترام و اکرام میں لگے رہے مگر ایک قاضی کا یہ فتویٰ لکھ دیا کہ:

”حضرت علیؑ نے اُن حالات میں اسی آیت (حجرات 49/9، احسن) کے مطابق عمل کیا تھا۔ اُنہوں نے اُن باغیوں کے خلاف جنگ کی

جو امامؑ پر اپنی رائے مسلط کرنا چاہتے تھے۔ اور ایسا مطالبہ کر رہے تھے جس کا انہیں حق نہ تھا“ (ایضاً صفحہ 127)

یہ نو عدد حوالے حضرت علیؑ علیہ السلام کی حقانیت اور عائشہ، حفصہ، طلحہ و زبیر اور سارے قریش کے باطل پرست ہونے کا ثبوت ہیں۔ یعنی ابوبکر و عمر کے اختیار کردہ اسلام کی اور اُن کے علما کی رُو سے بھی حضرت علیؑ حق پر اور اُن کے مخالف باطل پر تھے۔

3۔ قریش کی قائم کردہ حکومت حضرت علیؑ کی پرانی اور شکستہ جوتی سے بھی حقیر درجہ رکھتی تھی اور قریش نے اُس حکومت کیلئے دین و دنیا تباہ کئے

سابقہ حوالوں میں بھی یہ حقیقت واضح ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے اُس قریشی حکومت کو حاصل کرنے کی کبھی کسی قسم کی کوشش نہیں کی اور شوریٰ کے موقع پر اُس حکومت کو اپنے قدموں میں آجانے کے بعد یہ فرما کر ٹھکرا دیا کہ میں ابوبکر اور عمر کی سنت پر عمل نہ کروں گا۔ بلکہ میں قرآن، رسولؐ کی سنت اور اپنے علم پر عمل کروں گا۔ یعنی نہ وہ حکومت اور نہ ابوبکر و عمر کی سنت قرآن کے مطابق تھی نہ وہ سنت رسولؐ سے تعلق رکھتی تھی۔ اور نہ حضرت علیؑ کا قرآنی علم و بصیرت اُسے پسند کرتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ حضورؐ نے بارہا اُس حکومت کی مذمت اور تحقیر فرمائی ہے۔ اُسے بیٹھ کر ناک پر لگی ہوئی گندگی سے بدتر قرار دیا۔ اپنی ٹوٹی ہوئی جوتی کو اُس سے عزیز تر و محبوب تر فرمایا ہے۔ اس کے برعکس ابوبکر و عمر اور اُن کی پوری قوم نے اس حکومت کو حاصل کرنے کے لئے اپنی انسانیت، اپنی عزت و دیانت، اپنا دین اور دنیا سب کچھ قربان کر دیا۔ کروڑوں بے گناہ انسانوں کو قتل کیا اور قیامت تک قتل عام ہوتے رہنے کا نظام جاری کیا نسل انسانی کو ہلاکت کے غار میں پھینک دیا لوٹ مار اور غارتگری کو اپنا مذہب بنا لیا۔ (بقرہ 21/205، سورہ محمد 47/22-23) کروڑوں عورتوں کو بیوہ اور کروڑوں بچوں کو یتیم کیا۔ خاندان رسولؐ تک کا قتل عام کیا۔ ہزار ہا گھر جلانے، لاکھوں خاندانوں کو جلائے وطن کیا۔ یہ اتنی ملعون حکومت تھی کہ خودیزید ملعون کے بیٹے نے اُسے ٹھکرا دیا۔ اور موت قبول کر لی۔

(الف) عبداللہ ابن عباس کو جھٹکا دینے کے لئے قریشی حکومت اور اپنی جوتی کا تقابل اور قیمت بیان کی تھی، وہ عمر کا راز دار تھا۔

قارئین سابقہ عنوانات و خطبات میں دیکھ چکے ہیں کہ عمر اکثر و بیشتر عبداللہ ابن عباس سے تخلیہ میں باتیں کرتا ہوا پایا جاتا ہے۔ اور باتیں بھی عموماً حکومت اور حکومت کی پالیسی کے متعلق ہوا کرتی ہیں۔ یہی عبداللہ تھا جس پر عمر نے بقول علامہ شبلی، خلافت کا راز سربستہ کھولا تھا۔

(الفاروق حصہ 2 صفحہ 103)

دراصل عبداللہ کو عمر نے اپنا چچہ بنا رکھا تھا وہ اُس سے ٹھبر کا کام بھی لیتا تھا اور اُسے پتہ نہ چلنے دیتا تھا کہ اُسے جاسوس کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ عمر سمجھتا تھا کہ عبداللہ خلافت کے متعلق ہر بات حضرت علیؑ علیہ السلام کو ضرور سنائے گا اور وہ حضرتؑ بھی سن کر کوئی نہ کوئی بات ضرور کریں گے۔ اور اول تو حضرت علیؑ کی بات عبداللہ خود ہی سنا دے گا۔ نہ سنائے گا تو عمر کے شاطرانہ سوال و جواب کے سلسلے میں علیؑ کی بات یا جواب بالواسطہ ظاہر ہو جائے گا۔ عبداللہ کو شروع سے یہ امید تھی کہ ابوبکر و عمر اُسے بھی کسی نہ کسی کلیدی منصب اور عہدے پر تعینات کریں گے۔ اس لئے وہ ادھر بھی اپنی پوزیشن بنائے رکھنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ لیکن ابوبکر و عمر عثمان نے اُسے گھاس نہ ڈالی صرف وظیفہ کے بدلے میں اُسے ساتھ لگائے رکھا۔ چھوٹی نسل اُن رشتہ داروں کو صحیح سمجھتی تھی جو قریش کے بزرگوں نے مشہور کر رکھی تھیں۔ مثلاً جوان العرسب لوگ یہ سمجھتے تھے کہ عباس والبولہب وغیرہم رسول اللہ کے چچا تھے۔ مگر عمر اینڈ کمپنی اس فراڈ پر مطلع تھے۔ وہ عبداللہ کو حضرت علیؑ کا چچا زاد بھائی کہتے رہتے تھے۔ اور مذکورہ بالا خلافت کا سربستہ راز بھی عبداللہ پر اسی لئے اور اسی انداز میں ظاہر کیا تھا کہ وہ قریشی پالیسی سن کر حکومت میں حصہ نہ مانگے۔ اور اپنی امیدیں علیؑ سے وابستہ

رکھے۔ عبداللہ بن عباس طلحہ و زبیر وغیرہ خطبہ نمبر 32 میں مذکور لوگوں کی اسی قسم میں داخل تھے۔ جو حکومت کے حصول میں ناکام ہو کر اور عمر ایڈ کمپنی سے پٹ کر رہ گئے تھے۔ اس لئے حضرت علیؑ نے قریشی حکومت کی پوزیشن پر اپنا خیال ظاہر فرمایا اور اُس سے اپنی جوتی کی قیمت معلوم کی تھی۔ اسی عبداللہ نے اپنی گورنری کے زمانہ میں بیت المال کا سارا سامان سمیٹ کر غنیمت کیا تھا اور اپنی ریاکارانہ وفاداری کا بھانڈا پھوڑا تھا۔ اس سلسلے میں ہم کافی واقعات و حالات نظر ناظرین کر چکے ہیں۔ اس کو حضرت علیؑ نے بتایا تھا کہ اگر مجھے احتیاق حق اور ابطال باطل منظور نہ ہوتا تو میں ہرگز اس ملعونوں کی بنائی ہوئی ملعون حکومت کو قبول نہ کرتا لہذا اگر تمہیں حق کی تائید و تقویت مطلوب ہو تو شامل رہو ورنہ تم بھی دوسرے کمپ میں جانے کے لئے آزاد ہو۔ مگر وہ غنیمتیں بغیر جانے والا نہ تھا۔ اس ملعون کی بے دینی کی تفصیل ڈاکٹر طحہ حسین نے بڑے ادب و احتیاط سے لکھی ہے۔ (کتاب علی صفحہ 239 تا 257) بہر حال ہم نے اس شخص کے متعلق بھی وہ فریب نہیں کھایا جو قریشی افسانوں نے شیعہ سنی علما کو دیا ہے۔ قرآن نے جس پوری قوم کو مجرم اور دشمن رسول کہا ہو (25/31) اُس قوم کا کوئی فرد کیسے نیک ہو سکتا ہے؟

4- جنگ جمل و صفین وغیرہ کا جوتی کی مرمت سے بڑا پرانا اور مقدس تعلق ہے، رسول اللہ نے حضرت علیؑ کو ”حَاصِفُ النُّعْلِ“ کا لقب

دیا تھا۔

اس خطبہ کی ابتدا سے پہلے عبداللہ بن عباس نے جوتی کی مرمت کی بات کر کے یہ موقعہ فراہم کر دیا کہ ہم اپنے قارئین کو مختصر اُدوات میں بتائیں اول یہ کہ اللہ و رسولؐ نے جس حکومت کو خلافتِ الہیہ قرار دیا اور جس خلیفہ کو خلیفہ یا جانشین خداوندی فرمایا ہے۔ اُس کی شکل، صورت، خدّ و خال اور قہد و قامت اور قوت اور علم و بصیرت اور طرز زندگی اگر دیکھنا ہو تو قریش کی افسانوی اور فراڈی تاریخ میں بھی علیؑ کے سوا کوئی دوسرا شخص نہ ملے گا۔ غنیمتیں تو ابوبکر و عمر کے لئے بھی بہت ساری ماری گئی ہیں۔ مگر اُن غنیمتوں کے اندر ہی ابوبکر و عمر پٹ کر رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ ابوبکر و عمر جیسے تو ہزاروں بادشاہ، خلیفہ، سلطان اور سربراہان مملکت گزرے مگر اولین و آخرین میں کسی کو علیؑ کی مانند پیش نہیں کیا جاسکتا۔ معاویہ نے باقاعدہ کھلے فرمانات جاری کر کے خزائنوں کے منہ کھول کر علیؑ کے مقابلہ میں ابوبکر و عمر و عثمان کے لئے روایات گھڑوائیں اور سنی مورخین و محدثین نے تسلیم کیا۔ مگر اس کے باوجود ہمیں ایسا حکمران بتائیے جو عین جنگی تیاری کے وقت اپنی پرائی ٹوٹی ہوئی جوتی کی مرمت کرتا ہوا دیکھا گیا ہو؟ اور وہی پرائی جوتی پہن کر تیج بکف و صفین جیسی جنگوں میں برسر جنگ رہا ہو۔ جو بوڑھا ہو چکا ہو اور لاکھوں تیج آزما بہادروں میں سے اُس کے مقابلہ پر کوئی نہ آتا ہو؟ جسے کبھی کسی جنگ میں شکست نہ ہوئی ہو؟ جس نے ایسا لباس پہنا ہو جس میں بیوند لگانے کی گنجائش نہ رہی ہو؟ جس نے تاحیات جو کی باسی روٹی کھائی ہو؟ جس نے ابوبکر و عمر و عثمان کی تیاری کی ہوئی عظیم الشان اور وسیع ترین وزیر خیز مملکت کو ٹوٹی ہوئی جوتی سے حقیر قرار دیا ہو؟ جس نے منبر سے یہ اعلان کیا ہو کہ زمین و آسمانوں میں سے کسی چیز کی تفصیلات مجھ سے دریافت کر لو؟ بہر حال قریش نے چونکہ ایک سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنا تھا اس لئے بھی علیؑ اور علیؑ کا کیریکٹر قریش کے لئے بہت بڑا خطرہ تھا۔ شوریٰ میں جن صحابہ کو نامزد کیا گیا تھا اُن میں علیؑ کے سوا سب کروڑ پتی لوگ تھے۔ انہیں اور اُن کے علاوہ ہزاروں مسلمانوں کو ابوبکر و عمر نے سمجھ بوجھ کر کروڑ پتی بنایا تھا۔ تاکہ وہ سب مل کر حضرت علیؑ کو حکومت سے دُور رکھیں۔ اور سمجھ لیں کہ اگر عنانِ حکومت علیؑ کے ہاتھ میں آگئی تو وہ اُن سے تمام مال و دولت چھین کر غربا میں تقسیم کر دیں گے۔ اور اب جو عائشہ و طلحہ و زبیر اور تمام قریش حضرت علیؑ علیہ السلام سے برسر جنگ ہیں۔ اور عذاری، بددیانتی اور مکر و فریب کو جائز رکھے ہوئے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا اور حقیقی سبب یہ ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام قرآن کے خلاف قائم کردہ قریشی حکومت کی جگہ قرآنی حکومت قائم کر رہے تھے۔ جس میں سرمایہ داروں کا اور سرمایہ

داری کی ذہنیت کا مٹ جانا اور غربا کا برسرِ اقتدار آجانا ضروری ہے۔ اور یہی وہ حقیقت تھی جسے ابو بکر و عمر نے تبدیل کر کے سرمایہ دارانہ نظام قائم کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں کو اپنے پرو پیگنڈے اور تدبیر سے یہ باور کرا دیا تھا کہ قرآنی اور اسلامی حکومت سرمایہ داروں کا تحفظ کرنے کا انتظام کرے گی۔ یعنی قریش نے تعلیماتِ قرآن و رسول کو بدل دیا تھا (فرقان 25/30) اور اس تبدیل شدہ صورت کو ختم کر کے قرآن کی صحیح تفہیم پر جنگ کرنا حضرت علی علیہ السلام کے حصے میں تھا۔

(الف) رسول اللہ نے قرآن کی تنزیل اور تکمیل پر قریش سے جنگ کی تھی اور حضرت علیؑ نے عقیدہ و تفہیم قرآن پر قریش سے بحث و مجادلہ اور جنگ وجدل کرنا تھا۔

عبداللہ ابن عباس نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جوتی کی مرمت کرتے ہوئے دیکھا اور حضرت علیؑ نے اپنی جوتی کی قیمت بتائی تھی۔ ہم یہاں عہد رسولؐ میں حضرت علیؑ کو رسول اللہ کی جوتی کی مرمت کرتے ہوئے دکھانا چاہتے ہیں تاکہ جوتی کی مرمت ایک اتفاقی حادثہ معلوم نہ ہو بلکہ اُس کی قدامت، مقصد اور تقدس سامنے آجائے اور قریش سے جنگ کی حیثیت بھی واضح ہو جائے اور اس خطبہ کا بڑا مقصد بھی واضح ہو سکے۔ چنانچہ قارئین یہ پڑھ چکے ہیں کہ مودودی اور اُن کے پسندیدہ قاضی ابو بکر ابن العربی نے عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ کو ایامِ جاہلیت کے طرزِ عمل پر کاربند مانا اور انہیں برحق خلیفہ کا باغی لکھا اور اُن سے حضرت علیؑ کا جنگ کرنا قرآن (حجرات - 9) کے حکم کے مطابق تھا۔ اسی مطابقت کو صحاح ستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے بطور پیش گوئی بھی سن لیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا مُنْتَظِرًا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَرَجَ الْيَنَاقِدُ انْقَطَعَ شُسْعُ نَعْلِهِ فَرَمَى بِهَا إِلَى عَلِيٍّ؛ فَقَالَ: إِنَّ مِنْكُمْ رَجُلًا مَن يُقَاتِلُ عَلِيَّ تَأْوِيلَ الْقُرْآنِ كَمَا قَاتَلْتَ عَلِيَّ تَنْزِيلَهُ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَنَا هُوَ؟ يَأْرَسُونَ اللَّهَ؟ فَقَالَ لَا فَقَالَ: لَوْلَا أَنَا هُوَ يَأْرَسُونَ اللَّهَ؟ فَقَالَ لَا وَلَكِنْ خَاصِصُ النَّعْلِ. (صحیح نسائی شریف)

جناب ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے کہ حضور ہمارے پاس اس طرح آئے کہ اُن کی جوتی کا تسمہ الگ ہو گیا تھا۔ چنانچہ آپ نے جوتی اور تسمہ علیؑ کی طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ یقیناً تم میں سے ایک مرد، وہ ہے جو قرآن کی تاویل و تفہیم پر جنگ کرے گا بالکل اسی طرح جس طرح میں نے قرآن کی تنزیل پر جنگ کی تھی۔ یہ سن کر ابو بکر نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا وہ شخص میں ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ تم نہیں ہو۔ پھر عمر نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا وہ شخص میں ہوں گا؟ فرمایا کہ تم بھی نہیں بلکہ وہ شخص وہ ہے جو جوتی کی مرمت کر رہا ہے۔

(ب) سوال یہ ہے کہ صرف ابو بکر و عمر نے یہ سوال کیوں کیا اور باقی صحابہ اور خود راوی کیوں خاموش رہے؟

اس سوال کا سادہ سا جواب ہے ”چور کی داڑھی میں تنکا“ اور تفصیلی و تاریخی جوابات خطبہ نمبر 3 (عنوان نمبر 6) میں گزر چکے ہیں یہاں اُن دونوں کے لئے ایک ایک روایت لکھے دیتے ہیں تاکہ یہ خطبہ خالی نہ رہے۔ اور قارئین کو انتظار نہ کرنا پڑے۔

(1) ابو بکر کے لئے پشتگونی۔ خود ابو بکر نے بیان کیا ہے کہ:

قال ابو بکر خرجت الى اليمن قبل ان يبعث النبي صلى الله عكاه وسلم. فنزلت على شيخ من الازد عالم قد قرأ الكتب وعلم علم الناس كثيرا. فلما راني قال احسبك حرميا؟ قلت نعم. قال واحسبك قرشيا قلت نعم. قال

احسبک تیمیا۔ قلت نعم۔ قال بقیت لی منک واحدة قلت ماہی؟ قال تکشف لی عن بطنک قلت لم ذاک؟ قال اجد فی العلم الصحیح الصادق ان نبیا یبعث فی الحرم یعاونہ علی امرہ فتی وکهل فاما الفتی فخواص غمرات و دفاع معضلات فاما الکهل فابيض نحیف علی بطنہ شامة وعلی فخذہ اليسری علامة و ما علیک ان ترینی ما سالتک فقد تکاملت لی فیک الصفة الا ماخفی علی؟ قال ابوبکر فکشفت له عن بطنی فرای شامة سودا فوق سرتی۔ فقال انت هو ورب الکعبة (یہاں تک لکھنے کے بعد شاہ ولی اللہ باقی عبارت کو عمر کی زنبیل میں چھپا گئے (احسن) شاہ ولی اللہ نے یہاں سے آگے کا بیان ازلۃ الخفا میں نہیں لکھا ہے) وانی متقدم الیک امر فاحذرہ قال ابوبکر و ما هو؟ قال ایاک و المیل عن الہدی و تمسک بالطریق الوسطی و خوف اللہ فی ماخولک و اعطاک۔

”میں نبی کے مبعوث ہونے سے پہلے یمن گیا تھا اور وہاں ایک اُزدی عالم کے یہاں مہمان ہوا تھا وہ کتب سماویہ پڑھا کرتا تھا اور اُن کے علاوہ دوسرے انسانی علوم کا بھی عالم تھا جیسے ہی اُس نے مجھے دیکھا کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تم حرم کے باشندے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں میں حرم کا رہنے والا ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ میرے خیال میں تم قریش سے ہو۔ میں نے اقرار کیا۔ پھر اُس نے کہا کہ میرے نزدیک تم قبیلہ تیم سے ہو۔ میں نے مان لیا۔ کہ میں تمہی بھی ہوں۔ اُس نے کہا کہ اب صرف ایک بات باقی رہ گئی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ تم اپنا پیٹ کھول دو۔ میں نے کہا کہ میں ایسا نہ کروں گا جب تک اس کا سبب نہ بتا دو۔ اُس نے کہا کہ مجھے علم صحیح اور صادق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ایک نبی حرم میں مبعوث ہونے والا ہے۔ اُن کے کام میں ایک جوان اور ایک ادھیڑ عمر کا آدمی مددگار رہوں گے۔ جوان تو اُس نبی کی مصیبتوں میں کام آنے والا اور اُس کی مشکلات حل کرنے والا ہوگا۔ اور ادھیڑ عمر کا آدمی گورا ڈبلا پتلا ہوگا اُس کے پیٹ پر ایک تل ہوگا۔ اور بانیں ران پر ایک نشان ہوگا۔ اگر تم مجھے اپنا پیٹ دکھا دو تو تمہارا کیا نقصان ہوگا اور سب باتیں تو تم میں موجود ہیں۔ یہی ایک بات رہ گئی ہے۔ جو میری پیشگوئی کو مکمل کر دے گی۔ ابو بکر نے کہا کہ میں نے اپنا پیٹ کھول دیا اُس نے دیکھا تو میری ناف کے اوپر ایک سیاہ تل تھا۔ کہنے لگا قسم ہے رب کعبہ کی وہ شخص تم ہی ہو۔ (شاہ ولی اللہ نے یہاں سے آگے کا بیان ازلۃ الخفا میں نہیں لکھا ہے) مگر میں تمہیں قبل از وقت ایک تنبیہ کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ خبردار ہدایت سے منہ نہ پھرانا یعنی گمراہی اختیار نہ کرنا۔ اور درمیانہ روش کو نہ چھوڑنا اور تمہیں جو کچھ سپرد کیا جائے اور عطا کیا جائے اس میں اللہ سے ڈرتے رہنا“

ہم اس روایت کے الفاظ کی ذمہ داری نہیں لے سکتے اس لئے کہ یہ قریشی دست برد اور تنقید کے بعد آگے بڑھائی گئی ہے۔ بہر حال یہ ماننے میں حق کی تائید ہوتی ہے۔ کہ ابوبکر و عمر نے حکومت حاصل کرنے کے لئے اسلام اختیار کیا تھا۔ لہذا اُن کی سازش کا بڑا سبب خود قریشی زبان سے ثابت ہو گیا۔ (تاریخ خمیس جلد 1 صفحہ 324، ترجمہ ازلۃ الخفا جلد اول صفحہ 124)

(2) عمر کے لئے نمونہ کی ایک پیشگوئی۔ یہ روایت بھی خود عمر نے بیان کی ہے کہ:

قال خرجت مع ناس من قریش فی تجارة الی الشام فی الجاهلیة فلما خرجنا الی مکة نسیت قضاء حاجة فرجعت فقلت لا صحابی الحکم۔ فواللہ انی لفی سوق من اسواقہا اذا انا ببطریق قد جاء فاخذ بعنقی فذهبت انا زعه فادخلنی کنیسة فاذا تراب متراکب بعضہ علی بعض فدفع الی محرقة و فاسا و زنبیلا و قال انقل هذا

الشراب فجلست اتفكر فى امرى كيف اصنع. فاتانى فى الهاجرة فقال لى لم اراك اخرجت شينا ثم ضم اصابعه فضرب بها وسط راسى فقتت فضربت بها هامته فاذا دماغه قد انتشر. ثم خرجت على. وجهى ما ادرى اين اسلك فمشيت بقية يومى وليتى حتى اصحبت فانتهيت الى دير فاستظلت فى ظله فخرج الى رجل فقال يا عبد الله ما يجئيك ههنا؟ قلت ضللت عن اصحابى. فجاءنى بطعام و شراب و سعد فى النظر و خفضه ثم قال يا هذا قد علم اهل الكتاب انه لم يبق على وجه الارض احد اعلم منى بالكتب و انى اجد صفتك الذى تخرجنا من هذا الدير و تغلب على هذا البلدة فقلت له ايها الرجل قد ذهبت فى غير مذهب قال ما اسمك؟ قلت عمر بن الخطاب. قال انت والله صاحبنا غير شك فاكتب لى على دبرى وما فيه قلت ايها الرجل قد صنعت معروفًا فلا تكدره فقال اكتب لى كتابا فى رق ليس عليك فيه شئى فان تك صاحبنا فهو ما نريد وان تكن الاخرى فليس يضرك قلت هات فكتبت له ثم ختمت عليه فلما قدم عمر الشام فى خلافته اتاه ذلك الراهب وهو صاحب الدير القدس فذلك الكتاب فلما راه عمر تعجب منه فانشاء يحدثننا حديثه.

فقال اوف لى بشرطى فقال عمر ليس لعمر ولا لابن عمر منه شئى -

”میں زمانہ جاہلیت میں قریش کے کچھ لوگوں کے ساتھ تجارت کے لئے شام گیا تھا۔ جب ہم فارغ ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو مجھے قضاء حاجت، جو بھول گیا تھا یاد آگئی میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم چلو میں آ کر تمہارے ساتھ مل جاؤں گا۔ خدا کی قسم میں شام کے بازاروں میں سے ایک بازار میں چلا جا رہا تھا کہ مجھے اچانک ایک عیسائی بطریق (عالم) نے گردن سے آ پکڑا میں اُس سے تنازعہ کرتا ہوا چلا۔ چنانچہ اُس نے مجھے ایک گرجا میں داخل کر دیا وہاں مٹی کے جگہ جگہ ڈھیر تھے۔ اُس نے مجھے ایک بیچ، ایک پھاؤڑا اور ایک ٹوکری مجھے پکڑا کر کہا کہ یہ تمام مٹی ہموار کر دو۔ یہ کہہ کر وہ تو چلا گیا اور پھانک بند کرتا گیا۔ میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں پھر وہ دوپہر کے وقت میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تو نے کچھ بھی مٹی نہیں نکالی پھر اُس نے مٹھی بند کر کے ایک گھونٹہ میرے سر پر مارا۔ میں اٹھا اور ایک بیچہ اُس کے سر پر ایسا مارا کہ اس کا بھیجانکل پڑا۔ میں فوراً وہاں سے بھاگا اور نہ سمجھتا تھا کہ کدھر جاؤں اور کیا کروں؟ الغرض میں سارا دن اور ساری رات چلتا رہا صبح ہوئی تو ایک گرجا کے پاس پہنچا اور گرجا کے سائے میں سستانے کے لئے بیٹھ گیا۔ اس گرجا سے ایک شخص نکلا میرے پاس آ کر کہا کہ اے بندہ خدا تو یہاں کیوں آیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں سے پھڑ کر راستہ بھول گیا ہوں۔ پھر وہ شخص میرے لئے کھانا اور پانی لایا اور ایک مرتبہ مجھے نیچے سے اوپر تک غور سے دیکھا اور کہا کہ تمام اہل کتاب جانتے ہیں کہ آج اس دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی شخص بھی کتاب الہی کا عالم نہیں ہے۔ اور میں اپنے علم کی رُو سے تجھے وہی شخص سمجھتا ہوں جو ہم کو اس گرجا سے نکالے گا۔ اور اس شہر پر قبضہ کرے گا۔ میں نے اُس سے کہا کہ اے شخص تو تو موضوع اور صورت حال سے الگ ہٹ کر نہ معلوم کیا باتیں کرنے لگا ہے۔ اُس نے پوچھا کہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میرا نام عمر بن الخطاب ہے۔ یہ سنتے ہی اُس نے کہا کہ قسم بخدا تو وہی شخص ہے۔ اب کوئی شک باقی نہیں رہا ہے۔ بہر حال تم ہمیں اس گرجا کا اور گرجا سے متعلق جو کچھ بھی ہے اُس کا معافی نامہ لکھ کر اُسے واگزار کر دو۔ میں نے کہا کہ آپ نے میرے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کیا ہے ایسی باتیں کر کے اپنے احسان و سلوک کو دھندلانا کرو۔

”یقیناً اللہ پاک نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو اُس زمانے میں اصلی عربوں میں کوئی شخص بھی ایسا موجود نہ تھا جو کتاب کی قرأت کرتا ہو تا یا کسی نبوت کا دعویٰ دیا ہو تا“

حضرت علیؑ نے یہاں یہود و نصاریٰ کو عربیت سے خارج فرما دیا ہے۔ اس لئے کہ اُن میں تو ایک نہیں بلکہ سیکڑوں لوگ ایسے تھے جو پابندی سے توریت و زبور و انجیل کی قرأت و تلاوت کیا کرتے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ اور موسیٰ اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں اور کتابوں کے دعویٰ اور بھی تھے اور اُن کے مذہب کی تبلیغ و تشہیر بھی کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ نے قرآن کریم میں بتایا ہے کہ:

لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ (آل عمران 114-113/3)

”یہود و نصاریٰ بھی سب کے سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں تو ایک ایسی اُمت بھی قائم رہتی چلی آئی ہے جو دن رات اللہ کی آیات کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور اللہ کو سجدے بھی کرتے ہیں۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کے دن کے حساب کو بھی مانتے ہیں۔ اور عالمی پسندیدہ چیزوں پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور عالمی ناپسندی کے کاموں سے منع کرتے ہیں خیرات اور مفید کاموں میں کوشاں رہتے ہیں اور وہ لوگ اصلاح کرنے والوں میں شمار ہیں“

اللہ کے اس بیان کی موجودگی میں حضرت علیؑ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ”عربوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو قرأت کرتا ہو یا کسی نبوت کا دعویٰ دیا ہو“ ثابت کرتا ہے کہ حضورؐ نے خالص یا قدیم سے عرب میں آباد رہنے والے لوگوں کی بات کی ہے۔ اور لفظ ”عرب“ کو مذموم حیثیت سے استعمال کیا ہے۔ یعنی جتنے خالص عربی باشندے تھے وہ بے دین لوگ تھے۔ یہیں سے اور اسی سند سے ہم نے یہ قاعدہ بنا لیا کہ جس شخص کی گھنٹوں مذمت کرنا پڑتی ہو، وقت اور محنت بچانے کے لئے اُسے ”عرب“ کہہ دینا کافی ہے۔ اور جسے گھنٹوں گالیاں دینے سے بات واضح ہوتی ہو، وقت اور محنت بچانے کے لئے اُسے ”قریشی“ کہہ ڈالنا کافی ہے۔ چنانچہ ملک عرب میں کتب ہائے خداوندی بھی موجود تھیں اور اُن کی تلاوت کرنے والے بھی موجود تھے۔ اور دعویٰ داران نبوت و مذاہب بھی عرب میں اور خود مکہ و مدینہ اور گرد و نواح میں موجود تھے۔ مگر علی مرتضیٰ علیہ السلام جن لوگوں کی بات کر رہے ہیں وہ واقعی مذہب اور مذہبی یا الہی کتابوں سے اور انبیاء علیہم السلام سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ اور انہوں نے بعثت کے بعد بھی بلکہ اسلام اختیار کر لینے کے بعد بھی دین اور دینی تعلیمات سے قلبی تعلق نہ رکھا تھا۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ:

فَسَاقِ النَّاسِ حَتَّىٰ بَوَّأَهُمْ مَحَلَّتَهُمْ؛ وَبَلَّغَهُمْ مَنَاجِلَهُمْ؛ (خطبہ نمبر 33، جملہ 34)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن بے دین لوگوں کو جانوروں کی طرح ہانک ہانک کر اُن کے موجودہ ٹھکانوں تک یعنی ان گھروں تک پہنچایا جن میں وہ آجکل مہذب انسانوں کی طرح ٹھاٹ اور شان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ورنہ یہ وہی وحشی انسان تھے۔ جو بیابانوں میں چند لکڑیوں پر اپنے پھٹے پڑنے کپڑے پھیلا کر تان کر اُن کے سایہ میں تمازت آفتاب سے بھلتے رہتے تھے۔ چوہے اور چھپکلیاں تک کھا جاتے تھے۔ جو توں کا چڑا اُبال کر بھون کر زہر مار کر لیتے تھے۔ اور آج یہ لوگ شاہانہ انداز کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہیں تمدن و ترقی کے نام سے بخار چڑھ جاتا تھا۔ وہ تمدنی پابندیوں سے آزاد جانوروں کی زندگی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ بہر حال جس طرح ممکن ہوا انہیں گھیر گھیر کر تیز و تہذیب و تمدن کی طرف ہانکا گیا اور آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو وحشیوں اور حیوانوں کی زندگی سے نجات پانے کی زندگی تک پہنچا دیا۔

فَأَسْتَقَامَتْ فَنَاتُهُمْ؛ وَأَطْمَأَنَّتْ صَفَاتُهُمْ؛۔ (خطبہ نمبر 33، جملہ 5 تا 6)

اور یہاں پہنچ کر اُن کی پھٹی پرانی قناتیں پائیدار چار دیواریوں میں تبدیل ہو کر حفاظت کا سامان بن گئیں جن کی وجہ سے اُن کے مجرمانہ اور منقہ نامہ ارادوں میں سکون و اطمینان پیدا ہو گیا۔ یعنی زیر آسمان بیٹھا ہوا بکریوں کا ریوڑ اور غیر محفوظ سامنے پڑا ہوا اثاثہ اورنگی کھلی لیٹی ہوئی عورتوں پر حملہ، چوری اور ڈاکہ ڈالنے کے ارادوں میں مکانات اور چار دیواریاں حائل ہو گئیں۔ اور چین سے رات بھر سونا نصیب ہوا۔ یہاں تک نہایت حقارت آمیز انداز میں حضور نے خانہ بدوشی کی زندگی سے تہذیب و تمدن کی زندگی تک لانے کی تفصیلات اور مراحل کو نظر انداز کر کے موجودہ متمدن قریش کو اُن کی سابقہ زندگی کی جھلک اور نظارہ دکھایا اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے عربوں اور قریش کو حیوانیت سے انسانیت کی طرف ہانکنے اور لانے میں انہیں متمدن زندگی کا عادی بنانے میں جو کچھ بھی کیا جو وقتیں اُٹھائیں، جو محاذ آرائی اور جنگیں پیش آئیں، جن مکاریوں اور فریب سازیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اَمَا وَاللَّهِ اِنْ كُنْتُ لَفِي سَاقَتِهَا؛ حَتَّى وَكَلْتُ بِحَدِّهَا فَيُرِيهَا؛ (خطبہ نمبر 33، جملہ 7 تا 8)

(ان دراصل انہی) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ ان لوگوں کو ہانکنے میں شریک و سیدہ سپر تھا۔ ہر مصیبت اور ہر مشکل کو جھیلتا اور حل کرتا گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ عرب کے اس کنارے سے اُس کنارے تک اور ادھر سے ادھر تک ولایت قائم ہو گئی۔ اور اُن تمام خطرناک مراحل میں، میں نے نہ کمزوری کا اظہار کیا نہ بزدلی کو پاس پھٹکنے دیا۔

مَاضِعُفْتُ وَلَا جَبُنْتُ (خطبہ نمبر 33، جملہ 9) مطلب یہ کہ ہر حال میں دلیرانہ و سرفروشانہ رسول اللہ پر اور اُن کے مشن پر قربان ہو جانے کے لئے سربکف رہا۔ اور ہمیشہ قربانی کے لئے تیار و مستعد پایا جاؤں گا:

وَإِنَّ مَسِيرِي هَذَا الْمِثْلُهَا؛ فَلَا بُقْرَنَ الْبَاطِلِ حَتَّى يَخْرُجَ الْحَقُّ مِنْ جَنِبِهِ؛ مَالِي وَلِقُرَيْشٍ؛ وَاللَّهِ لَقَدْ قَاتَلْتُهُمْ كَافِرِينَ؛

وَلَا قَاتَلْتُهُمْ مَفْتُونِينَ؛ وَإِنِّي لَصَاحِبُهُمْ بِالْأَمْسِ؛ كَمَا أَنَا صَاحِبُهُمُ الْيَوْمَ؛ (خطبہ نمبر 33، جملہ 10 تا 16)

چنانچہ میرا رویہ اور رفتار اور میرا یہ سفر بھی عہد رسول کے رویہ اور رفتار اور جنگی سفروں کی مانند ہے۔ اس کی غرض بھی وہی ہے جو عہد رسول میں تھی۔ چنانچہ میرے لئے لازم ہے کہ میں باطل کو چور چور کر دوں تاکہ باطل کی بغل میں چھپایا ہوا حق باہر نکل سکے۔ اور لوگ اُس فراڈ کو سمجھ سکیں۔ جو قریش نے اپنی حکومت اور دولت کے زور پر قرآنی تعلیمات میں کیا ہے۔ مجھے قریش اور قریشیوں سے کیا واسطہ؟ یعنی مجھے قریش کی جانبداری پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور میرے نزدیک قریش تو وہی قوم ہے جس کے ساتھ میں نے بخدا اس وقت جنگ کی تھی جب وہ قرآن میں رد و بدل کر کے (فرقان 25/30) اس کے حقائق کو چھپا کر اُن کی جگہ جھوٹے قصے تیار کر رہے تھے (6/66) اور اُن کے تمام بہادروں اور سرکردہ سرداروں کو میں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اور میں اب بھی اُن سے اُسی طرح جنگ کروں گا جب کہ وہ فتنہ پھیلا رہے ہیں۔ یعنی منت سماجت کر کے متفقہ طور پر خلیفہ بنا کر بیعت توڑنے اور جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ حالانکہ جس طرح آج میں سربراہ اسلام اور اُن کا مالک ہوں اسی طرح اس سے پہلے کل تک بھی میں اُن کا حاکم و مالک تھا۔ اس جملے کی (خطبہ نمبر 33، جملہ 15 تا 16) کی مزید تشریح کا انتظار فرمائیں اور اسی جملے کی تشریح کرتے ہوئے حضور نے یہ شکوہ فرمایا ہے کہ خدا کی قسم قریش ہم سے جس جرم کا انتقام لے رہے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں قریش پر حاکم بنایا اور اُن کے مقابلے میں ہمیں پسند کیا۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے قریش سے نہایت نرم سلوک کیا اور اپنے دائرہ میں لے لیا تھا۔

وَاللَّهِ مَا نَنْقِمُ مِنْهَا قُرَيْشٍ إِلَّا أَنْ اللَّهَ اخْتَارَنَا عَلَيْهِمْ؛ (خطبہ نمبر 33، جملہ 17)

ہمارا یہ سلوک بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ شاعر اول نے کہا ہے کہ:

فَاذْخَلْنَاهُمْ فِي حَيْزِنَا فَكَانُوا كَمَا قَالِ الْاَوَّلُ : اَدَمْتُ لَعَمْرِي شُرْبَكَ الْمَحْضِ صَابِحًا وَاكْلَكَ بِالزُّبْدِ الْمُقَشَّرَةِ
الْبُجْرَا وَنَحْنُ وَهَبْنَاكَ الْعَلَاءَ وَاَلَمْ تَكُنْ ؛ عَلِيًّا وَحُطْنَا حَوْلَكَ الْجُرْدَ وَالسَّمْرَا ؛

’اپنی زندگی کی قسم کہ میں نے تجھے بہترین غذائیں اور جام و سبوفر اہم کئے۔ ہم نے تجھے ایسی بلندیاں اور بزرگیاں عطا کیں جو نہ تجھے حاصل تھیں اور نہ تو ان بزرگیوں کا اہل تھا۔ بہر حال ہم نے تیرے تحفظ اور عزت کے لئے تیرے چاروں طرف چست و تند گھوڑے اور بادامی رنگ کے نیزوں سے احاطہ کئے رکھا۔‘ یعنی تمہاری عزت و ثروت ہماری نوازشات اور توجہات کا صدقہ ہے۔ ورنہ جو کچھ تم تھے وہ پہلے بھی ظاہر کر چکا ہوں کہ تمہیں جانوروں اور وحشیوں کی طرح ہانک ہانک کر اور مار پیٹ کر تمدن اور تہذیب تک لایا گیا تھا۔

(ب) دین سے باغی عربوں میں قریش راہنمائی کا درجہ رکھتے تھے۔ اُن کو اسلامی تحریک میں موثر مداخلت سے روکنے کے لئے طاقت سے ہانکا گیا۔

اس خطبے میں اُن ہی عربوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جو دین سے باغی رہتے چلے آئے تھے۔ کبھی بھی اپنی باگ ڈور انبیا علیہم السلام کو سپرد کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔ اور کتب ہائے خداوندی اور نبوت کو اپنے مقاصد پر فٹ کرنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اُن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے صرف ڈھکیلنے اور ہانکنے کا رویہ اختیار کیا تھا اور عرب کی دوسری اقوام و قبائل میں باقاعدہ اسلام کی تبلیغات و تعلیمات کا نظام شروع کیا تھا۔ اور کوشش کی تھی کہ قریش دیگر اقوام و قبائل کی اسلامی ترقی میں مداخلت نہ کر سکیں اور اسلام کا پیغام پورے ملک میں اور ملک سے باہر پہنچ جائے۔ اس طرز عمل کو حضرت علی علیہ السلام نے قریش کے لئے یوں ظاہر فرمایا کہ: فَسَاقِ النَّاسَ حَتَّىٰ بَوَّأَهُمْ مَحَلَّتَهُمْ ؛

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مبعوث ہو کر اُن مخصوص لوگوں (الناس) کو جو کتبِ خداوندی اور نبوت سے کوئی تعلق نہ رکھنا چاہتے تھے۔ اُس وقت تک مسلسل ’ہانکا‘ جب تک اُنہیں اُن کے ان ٹھکانوں تک نہ پہنچا دیا جہاں وہ اب مقیم ہیں۔ اور جہاں سے اگر وہ چاہیں تو اپنی نجات اور تحفظ حاصل کرنے کی راہ اختیار کر لیں۔ (وَبَلَّغَهُمْ مَنَاجَاتَهُمْ ؛)

چونکہ پہلے دونوں جملوں سے ان لوگوں کا سمجھ بوجھ کر، کتب ہائے خداوندی اور سلسلہ نبوت موجود ہوتے ہوئے دُرور ہنا ثابت ہو گیا ہے۔ اس لئے ان کو کتب و نبوت کی تعلیم دینا اور اُن سے حق کو قبول کرنے کی امید رکھنا فضول تھا۔ اس لئے ان دونوں جملوں (خطبہ نمبر 33، جملہ 3 تا 4) کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ قریش کو قرآن کی تعلیم دے کر انہیں نجات کی راہ پر لگا دیا یا نجات کا مستحق بنایا تھا۔ پھر لفظ ’فساق‘ (ہانکا) بھی ہدایت فراہم کرنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ ’ڈھکیلنے‘، ’تکانے‘ اور ’پنڈلیوں (ساق) پر ڈنڈے مار مار کر آگے بڑھانے‘ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ’ہانکنے والے‘ اور ’ہانکے جانے والوں‘ میں اتفاق خیال و مقصد نہیں ہوتا۔ اور وہ ہم خیال و متفق ہوتے تو خود بخود چلتے اور ہانکنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ کسی کو اُس کی خوشی اور مرضی کے خلاف کہیں لے جانے ہی کو ’ہانکنا‘ کہا جاتا ہے۔

(ج) قریش جہاد کو ناپسند کرتے تھے اور اسی بنا پر رسولؐ سے جھگڑا کرتے تھے اور جہاد پر جانے کو موت کے منہ میں ڈھکیلنا قرار دے کر الگ فرقہ بن گئے تھے۔ چنانچہ لفظ ’فساق‘ کے معنی، قریش کا عقیدہ اور اُن کا عہد رسولؐ ہی میں مسلمان مومنین سے الگ ایک فرقہ ہونا اور قرآن و رسولؐ کے خلاف رہنا خود قرآن سے دیکھئے۔ ارشاد ہے کہ:

كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنَ الْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ

كَانَمَا يُسَافِرُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ (سورہ انفال 6-8/5)

مودودی کا اصلاحی ترجمہ: ”اس مال غنیمت کے معاملے میں بھی ویسی ہی صورت پیش آرہی ہے جیسی اُس وقت پیش آئی تھی جب کہ تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا۔ اور مومنوں میں سے ایک فرقہ کو یہ سخت ناگوار تھا۔ وہ فرقہ اُس حق کے معاملے میں تجھ سے جھگڑ رہا تھا درآں حالے کہ وہ حق صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ اُن کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں“

(د) قریش کتب ہائے خداوندی اور نبوت کے برابر مخالف رہے (خطبہ نمبر 33، جملہ 1 تا 2) مسلمانوں میں وہ الگ فرقہ کی حیثیت سے آگے بڑھے حق کے خلاف محاذ بنایا۔

یہ دونوں آیات (سورہ انفال 6-8/5) ثابت کرتی ہیں کہ:

(1) انہیں اپنی مرضی کے خلاف جہاد پر یا کسی اور کام کے لئے لے جانا ”ہانکنے“ کے معنی رکھتا ہے۔ چنانچہ لفظ (فساق) کے معنی ”مرضی کے خلاف زبردستی ہانکنا“ ثابت ہو گئے۔

یعنی قریش کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ زبردستی قوت و طاقت سے کیا گیا۔ اس زبردستی اور قوت و طاقت کے عمل میں خود حضرت علی علیہ السلام کی قوت و طاقت سرفروشانہ انداز میں صرف ہوئی تھی۔ جس میں کسی کمزوری، بزدلی اور خامی کا شائبہ نہ تھا (خطبہ نمبر 33، جملہ 7 تا 9) اور آنحضرتؐ کا یہ مشن قرآن کی تنزیل تک تکمیل تک پہنچانے کے لئے تھا (مندرجہ بالا حدیث) اور حضرت علی علیہ السلام کے لئے قرآن کی تاویل و تفسیم پر قریش سے جنگ کرنے کی پیش گوئی بھی کر دی گئی تھی۔ (حدیث خَاصِفُ النَّعْلِ) اور حضرت علیؑ نے اپنے موجودہ مشن کو رسولؐ کے مشن کی مثل و مانند فرمایا ہے (خطبہ نمبر 33، جملہ 10) اور اپنا مقصد و مشن یہ بتایا ہے کہ ”حق کو قائم کروں گا۔ باطل کو دفع کروں گا۔ چنانچہ باطل کو یعنی قریش کی بغل کو چیر پھاڑ کر چھپائے ہوئے حق کو باہر نکل سکنے کا انتظام کروں گا۔“ (خطبہ نمبر 33، جملہ 11)

6- حضرت علیؑ حاکم اور مالک اور قریش محکوم و مملوک تھے۔ قریش کو خاندان مرتضوی نے نوازا عزت دی اور انہوں نے محسن کشی کی

حضرت علیؑ علیہ السلام نے خطبہ کے باقی حصے (خطبہ نمبر 33، جملہ 12 تا 18) میں اپنے اور اپنے بزرگوں کا وہ سلوک جتلیا ہے جو قریش کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچانے کے لئے کیا تھا۔ پھر قریش کے ظالمانہ، وحشیانہ اور مکینہ انتقام کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو برابر آج تک جاری رہتا چلا آیا ہے۔ اس کی تفصیلات قریش ساز تاریخ میں بھی بکھری پڑی ہیں۔

(الف) قریش کہلانے والی قوم درحقیقت ایک مخلوط النسل قوم تھی جو اپنی حکومت کے زور سے اسماعیلی اور حضورؐ کی رشتہ دار بن بیٹھی البتہ اُسے قحطانی نسل کہا جاسکتا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب ”مرکز انسانیت“ میں بڑی تفصیل سے قریشی فراڈ کو واضح کیا ہے۔ اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریش ساز شجرے کو غلط ثابت کر کے، خود قریشی ریکارڈ ہی سے حضورؐ کا صحیح اور پورا شجرہ حضرت آدم علیہ السلام تک لکھا ہے۔ اور دکھایا ہے کہ حضورؐ قیدار کی اولاد میں نہیں بلکہ حضرت نابط (نابت) علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ لہذا انہیں قیداری نہیں بلکہ نابتی (نابطی) کہنا چاہئے اور یہ کہ قیدار کی اولاد عرصہ دراز پہلے دنیا سے ختم ہو گئی تھی۔ رہ گئی قریش کہلانے والی قوم، اُس کا نہ صرف یہ کہ آنحضرتؐ سے کوئی رشتہ نہ تھا بلکہ وہ تو ایسی مخلوط النسل قوم تھی جس میں اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں تک کو زوجہ بنا کر اولاد پیدا کر لی جاتی تھی (سورہ نساء 4/23 وغیرہ) اور اُس قوم میں خود اُن کو یہ تحقیق کرنا مشکل

ہو جاتا تھا کہ کون کس کا بیٹا یا باپ ہے۔ (احزاب 5-4/33)؟ اسلام اختیار کر لینے کے بعد بھی زنا زادہ اولاد کو بیٹا بنا لینا جاری رہا (زیاد بن ابوسفیان) اور یہ اجراء عملاً معاویہ بن ابوسفیان نے کیا تھا جو ابوبکر و عمر و عثمان کا جانشین اور قریش کا چوتھا اور معیاری خلیفہ تھا اور جس نے قریشی اسکیم کے ماتحت وہ تاریخ و تفسیر و حدیث اور نسب نامے گھڑوا کر پھیلائے جو آج تک علماء اور دنیا کو فریب میں مبتلا رکھتے چلے آئے ہیں۔ اور جسے صحیح اسلام سمجھا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ قریش کے ریکارڈ کا حقیقی اسلام سے نام کے علاوہ کوئی رشتہ و تعلق نہیں۔

(1) معاویہ اور اُس کے جانشین خلفائے حکماء و جبراً اور دولت کے زور پر ایسا ریکارڈ تیار کرایا جو قریش کو اعلیٰ درجہ کی اور بے داغ قوم بنا کر پیش کرے۔

علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب ”سیرۃ النبیؐ“ میں لکھتے ہیں کہ:

اول۔ ”تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت کی وجہ سے ہوئی“

”صحابہ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی، بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے، لیکن جو کچھ تھا، زیادہ تر زبانی تھا۔ لیکن بنی امیہ نے حکماً علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ قاضی ابن عبدالبر نے ”جامع بیان العلم“ میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے: کنسانکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا هولاء الامراء۔ ”ہم لوگ علم کا قلم بند کرنا پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ امراء نے ہم کو مجبور کیا“ ”سب سے پہلے امیر معاویہ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر قدامت کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام ”اخبار الماضین“ ہے“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 20)

یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ علامہ شبلی نے جو کچھ یہاں لکھا ہے وہ اسی کتاب کی تعلیم کے مطابق لکھا ہے۔ یعنی یہ کہ:

”فقہ و حدیث کی کثرت سے اشاعت ہوئی بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے لیکن جو کچھ تھا زبانی تھا“

یہ اور اس قسم کی تمام باتیں معاویہ اینڈ کمپنی نے لکھوا کر آگے بڑھائی تھیں۔

دوم۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہتا چلا آیا۔

اس کے بعد مسلسل لکھتے ہیں کہ:

”امیر معاویہ کے بعد عبدالملک بن مروان نے جو 65ھ میں تخت نشین ہوا ہر فن میں علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ سعید بن جبیر جو عالم العلماء تھے اُن کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے۔ اُن ہی کی تفسیر ہے۔ عطاء کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ ہات آ گیا تھا“ (ایضاً صفحہ 20)

اس کے بعد علامہ شبلی برابر تصنیف و تالیف کا سلسلہ علماء کے اور کتابوں کے نام لکھتے چلے گئے ہیں (صفحہ 20 تا 35)

اختصار کی غرض سے ہم یہ کہہ کر آگے بڑھتے ہیں کہ معاویہ نے انعام و رشوت دے دے کر اپنے ہی زمانہ میں خلفائے ثلاثہ کے لئے اور خود اپنے لئے اور تمام قریش کے لئے روایتیں تیار کرائیں تاکہ حدیث کے نام پر اپنے اور اُن کے فضائل تیار کر کے اُمت کو اُن کی بزرگی کا یقین دلائے۔ (دیکھو کتاب الانساب حافظ ابوسعید سمعانی اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بلفظہ وغیرہ) ہم مکمل تفصیلات اُس خطبہ کی شرح میں لکھیں گے جو حضورؐ نے احادیث کی پوزیشن پر دیا ہے۔ (یعنی خطبہ نمبر 201)

بہر حال یہ تھا وہ ریکارڈ جو معاویہ اور اُس کے جانشین خلفائے جبر و ظلم اور رشوت و دولت کی طاقت سے تیار کرایا تھا۔ اور جس میں قریش کو

نہ صرف نسل اسماعیل علیہ السلام سے دکھایا گیا ہے۔ بلکہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب و دور کے رشتہ دار بھی بنا دیا ہے۔

(ب) قریش کہلانے والی قوم کا رسول کے خاندان و نسل اسماعیل سے نہ ہونا قریشی ریکارڈ پر تحقیقی نظر ڈالنے کا متقاضی ہے۔

ذرا سوچئے کہ جو ریکارڈ تیار ہی اس لئے کیا گیا ہو کہ آنحضرت اور قریشی قوم کو ایک نسل اور ایک خاندان سے ثابت کیا جائے۔ اسی ریکارڈ سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریشی ہم نسل وہم خاندان نہ تھے؟ بہر حال ہم جانتے ہیں کہ ہر مجرم اپنے جرم کے دوران کم از کم ایک غلطی ایسی کرتا ہے جس سے اُس جرم کی تفتیش اور مجرم کا پتہ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ آئیے علامہ شبلی کے بیانات پر ایک تنقیدی نظر ڈالیں جو نہ صرف قریش پرست اور قریشی عالم ہیں بلکہ وہ اپنے بیانات کے حاصل کرنے اور لکھنے میں اپنے مذہب کے تمام علما سے سخت تر اور سب سے زیادہ محتاط اور متعصب بھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

(1) حضرت اسماعیل کے کتنے بیٹے تھے اور آنحضرت کون سے بیٹے کی اولاد ہیں؟

”حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ جن کا ذکر تورات میں بھی ہے۔ اُن میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی۔ اُن ہی کی اولاد میں عدنان ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کے خاندان سے ہیں“ (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 160)

دو فیصلے نوٹ کر لیں: اول یہ کہ حجاز میں جو اسماعیلی آباد ہیں وہ قیدار کی اولاد میں سے ہیں۔ اور دوم یہ کہ آنحضرت عدنان کے خاندان سے ہیں اور عدنان بھی قیدار بن اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں۔

(2) توریت میں حضرت اسماعیل کے بیٹوں کی تعداد اور سب کے نام کیا ہیں؟

”اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ اسماعیل کا پہلوٹا نیا بوط تھا۔ پھر قیدار اور ابئیل اور مہاسم اور شام اور دومہ اور متا۔ حد اور تیما اور بطور اور نفیس اور قدمہ۔ یہ اسماعیل کے بیٹے ہیں۔ اور ان ہی کے ناموں سے اُن کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں اور یہی بارہ (12) اپنے اپنے قبیلے کے سردار ہوئے“۔ (توریت کی کتاب اول یعنی پیدائش باب 25 آیات 13 تا 16)

(3) علامہ سید سلیمان ندوی کی تصدیق و تفصیل بارہ بیٹے اُن کے نام، قیام اور پیشہ؟

کتاب ارض القرآن میں لکھا ہے کہ:

”حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے نام یہ تھے۔ نیا بوط۔ قیدار، ادبا ئیل، مبشام، ممشام، دو ما۔ مشاء۔ حد۔ تیما۔ بطور۔ نفیس۔ قیدار یہ بارہوں بیٹے حسب بشارت ربانی اپنے خاندان کے بارہ رئیس تھے۔ اُن میں سب سے بڑے بیٹے نیا بوط، اور اُن سے چھوٹے قیدار تھے اور یہی دونوں پچھلی تاریخوں میں سب سے نمایاں نظر آتے ہیں، یہ تمام بھائی باپ کے زمانہ میں اور ایک عرصہ بعد تک حجاز ہی میں آباد رہے اور پچا (اسحاق۔ احسن) زاد بھائی کے بیٹوں یعنی فرزند ان مدین کے ساتھ مل کر یمن و حجاز سے شام و مصر تک تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 49)

صرف قیدار کی اولاد کا حجاز میں رہنا اور بڑھنا دھوکہ تھا۔

علامہ سید سلیمان کے بیان سے ثابت ہوا کہ حجاز میں صرف قیدار کی اولاد ہی آباد نہ تھی بلکہ بارہ بھائیوں کی اولاد حجاز میں بستی رہی۔ مگر قریشی پالیسی میں قیدار کو اہمیت دیا جانا ضروری تھا۔ اس لئے کہ قیدار کے نام کو بطور فریب استعمال کرنا ضروری تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیوں؟ جواب یہ

ہے کہ قیدار کی نسل مسلسل جاری نہیں رہی تھی۔ اور شجرہ کی تصدیق یا تردید ناممکن تھی۔ پھر شبلی سے سنئے:

(4) آنحضرتؐ کا سلسلہ نسب ”سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب، بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ صحیح بخاری باب مبعث النبی میں یہیں تک ہے۔ لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عدنان سے حضرت ابراہیمؑ تک نام گنائے ہیں۔ یعنی عدنان بن معد بن المقوم بن تاریخ بن یثجب بن یعرّب بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام“ (سیرۃ جلد اول صفحہ 160)

(5) تاریخ طبری سے بخاری کے شجرہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

محمد اسماعیل بخاری نے سو فیصد صحیح شجرہ لکھا ہے اسی کی تصدیق حدیث رسول سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

”شجرہ نسب“ ”ام المؤمنین ام سلمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ کی زبانی سنا ہے۔

”معد بن عدنان بن ادو بن زید بن یری بن اعراف الغزی۔ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ زید ہمیسع ہے۔ یری بنت ہے۔ اور اعراف الغزی خود اسماعیل بن ابراہیمؑ ہیں۔“

2- ”مقداد بن اسود البہرانی کی بیٹی سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ”معد بن عدنان بن ادو بن یری بن اعراف الغزی“۔

3- ”بعض نساب کہتے ہیں کہ عدنان ابن ادو بن مقوم بن ناحور بن تیہ بن یعرّب بن یثجب بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام“۔

(ترجمہ طبری جلد اول صفحہ 53)

(6) فریب سازوں کی غلطی پکڑی گئی، قریش ساز شجرہ دھوکہ تھا۔ آنحضرتؐ اور حضرت عدنان قیدار کی اولاد نہیں وہ نابتی تھے۔

علامہ شبلی نے قریشی فریب کو آگے بڑھانا چاہا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور حضرت عدنان علیہ السلام کو قیدار کی اولاد میں لکھ دیا۔ مگر ان سے یہ غلطی ہوگئی کہ دھوکا دینے والے اس بیان سے پہلی ہی سطر میں آنحضرتؐ کو اور حضرت عدنان کو حضرت نابت بن اسماعیل بن ابراہیمؑ کی اولاد میں لکھا ہے۔ یعنی اللہ نے شبلی کے قلم سے پہلے حق اور صحیح شجرہ لکھوا کر انہیں اور تمام قریشی حکومتوں کو جھوٹا اور ناکام ثابت کرنے کے لئے جھوٹا بیان بھی قلمبند کر لیا تاکہ قیامت تک ان کی لکھی ہوئی سیرۃ النبیؐ پڑھنے والے لوگ انہیں اور قریش کو جھوٹا سمجھتے رہیں اور لعنة اللہ علی الکاذبین پڑھتے رہیں۔ اُدھر علامہ طبری نے ان کے کاذب ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اور حدیث رسول سے دو بیان لکھ کر قریش کو فریب ساز ثابت کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ نساب کا صحیح بیان بھی تائید میں لکھ دیا ہے۔ اور کئی ایک غلط شجرے لکھ کر یہ بھی ثابت کر دیا کہ عرب کے نساب اتنے جاہل تھے کہ وہ قیدار کو حضرت نابت علیہ السلام کا چھوٹا بھائی سمجھنے کے بجائے ان کا بیٹا بیان کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ ان دنوں کا حقیقی بھائی ہونا سب نے مانا ہے۔

(7) قریش نے آنحضرتؐ اور حضرت عدنان کو قیدار کی اولاد میں سے دکھا کر انہیں اُس امامت سے بھی محروم کرنا چاہا جو اللہ نے ابراہیمؑ نسل

میں رکھی تھی۔

یہ قرآنی حقیقت ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نوع انسان کا امام بنایا تھا۔ اور آپؐ نے اپنی ذریت میں بھی اُس امامت کو جاری رکھنے کی تمنا کی تھی اور اللہ نے فرمایا تھا کہ امامت صرف معصومین ہی کو ملے گی یعنی تمہاری ذریت میں جو غلط کار و غلط بین ہوں گے ان کو امام

نہیں بنایا جائے گا۔ اس لئے بھی کہ معصوم کا جانشین صرف معصوم ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے۔ رسول تھے۔ اور خلیل تھے اور ان سب سے بڑھ کر انہیں انتہائی مرتبہ امامت کا دیا گیا اور وہ روز ازل سے معصوم تھے لہذا ان کے ان تمام عہدوں میں جانشین حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوئے جو روز ازل سے ہی معصوم تھے۔ اب حضرت اسماعیل علیہ السلام کا جانشین بھی معصوم ہونا قدرتی اور قرآنی حیثیت سے لازم تھا (لا ینال عہدی الظلمین۔ بقرہ 2/124) لہذا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جانشین دستوری اور فطری حیثیت سے بھی حضرت نابت علیہ السلام ہوئے اور اس طرح حضرت اسماعیل کے گیارہ بیٹوں کی اولاد عہدہ امامت سے خارج ہو گئی۔ اور امامت حضرت نابت کی اولاد میں مخصوص ہو کر رہ گئی۔ اور اللہ کے تمام تواریخ و قرآن کے وعدے حضرت نابت اور ان کی اولاد کے توسط سے باقی نسل ابراہیم کو ملتے رہنا طے ہو گئے۔ اور یوں تمام سابقہ انبیاء و رسل کی اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کی وراثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچانے کا ذریعہ حضرت نابت اور ان کے جانشین اماموں کو بنایا گیا تھا۔

(8) حضرت نابت علیہ السلام حضرت اسماعیل اور ابراہیم اور تمام سابقہ انبیاء و رسل کے ورثہ دار و جانشین مقرر ہوئے۔ جن کے آخری جانشین امام ابوطالب علیہ السلام تھے۔

تمام تواریخ سے عموماً اور خود قریشی تاریخ سے حضرت نابت علیہ السلام حضرت اسماعیل کے جانشین اور کعبہ کے متولی مقرر ہوئے تھے۔ چنانچہ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ: ”حضرت اسماعیل کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے“ (سیرۃ جلد اول صفحہ 156) یعنی قیدار اور باقی تمام بیٹے تولیت و جانشینی سے محروم ہو گئے لہذا معلوم ہوا کہ قریش نے دھوکہ دینے کے لئے جو شجرہ بنایا تھا وہ آنحضرت کو درجہ امامت اور تولیت کعبہ سے محروم کرنے کے لئے تھا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ:

تاریخ طبری سے حضرت نابت کی جانشینی و تولیت۔

”حضرت ابراہیم کے بعد حضرت اسماعیل کعبہ کے متولی ہوئے۔ ان کے بعد نبت متولی ہوا“ (ترجمہ طبری جلد اول صفحہ 64)

ارض القرآن سے حضرت نابت کی جانشینی اور تولیت۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

”نبایوط کو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں۔ ان کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسماعیل کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصے میں آئی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوط نے حجاز ہی میں قیام کیا، لیکن بعض حوالوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرزند ان نبایوط عراق میں موجود تھے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ بدویانہ زندگی کے ساتھ وہ حجاز سے عراق تک خانہ بدوشانہ پھیلے ہوئے ہوں گے۔ تحریری حیثیت سے نبایوط کا نام ساتویں صدی قبل مسیح میں نظر آتا ہے۔ (حوالہ غلط تھا۔ احسن)۔ حزقیال نبی پیشگوئی کرتے ہیں کہ ”نبایوط کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی“ (یسعیاہ فصل یا باب 60 آیت نمبر 7) آشور بانیال اسیر یا کابادشاہ جس کا زمانہ بھی یہی ہے۔ اپنے مفتوحین کی فہرست میں نباطی قوم کا نام لیتا ہے۔ یوسیفوس یہودی جو پہلی صدی مسیحی میں تھا لکھتا ہے:

”ملک بحرا (حجاز) سے نہر فرات (عراق) تک اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضے میں ہے۔ جن کے سب سے اس کا نام نباطیہ پڑ گیا ہے۔ (حوالہ آتا ہے)“ اسی زمانہ میں جب رومی شام پر قبضہ کرنا چاہتے تھے تو نبطی عربوں سے ان کی مدد بھیڑ ہوتی ہے۔ اور شام و عرب کے حدود پر ان کی عظیم

الشان حکومت نظر آتی ہے۔ اہل عرب بھی اُن بطنیوں سے واقف تھے۔ اسی لفظ بطن کی جمع عربی میں انباط ہے۔

انبات اور روایات عرب۔

مورخین عرب فرزند انبایوط سے زیادہ واقف نہیں ہیں۔ وہ صرف انباط کے نام اور اُن کے مسکن تخمینہ سے البتہ واقف ہیں، اُن کا نام (فریب دینے کے لئے۔ احسن) کبھی بطن اور کبھی ”آرامی“ بتاتے ہیں اور اُن کا مسکن شام اور عراق ظاہر کرتے ہیں، ابن خلدون نے لکھا ہے:

داوُل ملک للعرب بالشام فيما علمنا للعمالقة ثم لبني ارم بن سام و يعرفون بالارمانيين -

”جہاں تک ہم کو معلوم ہے عربوں کی پہلی حکومت شام میں عمالقہ کی تھی پھر ارم بن سام کی اولاد (یعنی ارمانیوں کی تھی۔ احسن) جو ارمانی ہی مشہور ہیں،“

اس کے ساتھ حمزہ اصفہانی کی عبارت ضم کرو: الارمانيون بطن الشام والاردوانيون بطن العراق -

”ارمانی شام کے بطنیوں کا نام ہے اور اردونی عراق کے بطن کا“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 56-57)

یہاں تک یہ ثابت ہو گیا کہ عربوں نے دنیا کو فریب دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجرے کو قیدار سے منسوب کیا تھا حالانکہ وہ ہرگز قیدار کی اولاد میں سے نہ تھے۔ اسی سلسلے میں علامہ سید سلیمان یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

”حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اُن کا نسب پوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ ”ہم کوئی (واقع عراق) کے بطن ہیں

(نحن كوئی النبطی)“ اور یہ بالاتفاق معلوم ہے کہ وہ اسماعیلی عرب تھے۔ اس سے ثابت ہوگا کہ بطن اسماعیلی عرب ہیں۔

جو عراق تک پھیلے تھے“۔ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 58-59)

(ج) قریش کہلانے والی قوم اسماعیلی تھی یا نہیں؟

چودہ سو سال میں برابر یہ ڈھنڈورا پیٹا جاتا رہا کہ قریش نام کی قوم حضرت اسماعیلؑ کی اولاد اور رسولؐ کے رشتہ داروں میں سے ہے۔ اس غلط بکواس کو صحیح دکھانے کے لئے معاویہ کے زمانہ سے مسلسل پانچ سو سال تک قریشی حکومتوں کا پورا زور لگتا رہا ہے۔ اور وہ ریکارڈ تیار کرایا گیا جس میں اُس ناخجارت قوم کو فرشتہ خصلت اور رسولؐ کی فداکار و بیروکار قوم بنا کر دکھایا گیا ہے۔ ایسے ریکارڈ سے یہ ثابت کرنا پھر مشکل ہے کہ وہ خدا و رسولؐ کی دشمن قوم تھی۔ (فرقان 31-30/25) اور یہ کہ وہ اسماعیلی ہرگز نہ تھی۔ بہر حال جس طرح اُن کی مجرمانہ غلطیوں سے رسولؐ کا صحیح شجرہ برآمد ہو گیا اُسی طرح اُن کا حقیقی شجرہ اور نسل بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ پھر اُن کے بیانات میں اُن سے سرزد ہو جانے والی مجرمانہ غلطیوں کی تلاش اور اُن کی ہر بات پر شبہات و تشکیک ضروری ہے۔

(1) حضرت اسماعیلؑ سے کون سی قومیں اپنا رشتہ جوڑنے اور اُن سے گھل مل جانے میں کوشاں ہو سکتی تھیں؟ اور انہیں اس کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے

ہم اس اصول پر نظر ڈالیں گے کہ کسی شخص یا قوم سے منسوب ہونے کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے؟ پہلی چیز وہ فائدہ ہے جو کسی شخص یا قوم سے منسوب ہونے پر حاصل ہوگا۔ دوسری چیز وہ قربت ہے جو اس نسبت کو ممکن بنا دے اور لوگوں کو شبہ کرنے کا موقع نہ ملے۔ حضرت اسماعیلؑ سے منسوب ہونے کے معنی ظاہر ہیں کہ نبوت و امامت سے منسوب لوگوں کی عزت و حرمت سب پر واجب ہو جائے گی۔ چنانچہ آج تک قریش کی عزت کی جاتی ہے۔ قربت اس قوم کو حاصل رہے گی اور گھل مل جانے کا موقع بھی اُسی قوم کو ملے گا جو حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام سے قریب ترین فاصلے پر ہو یا خود حضرت اسماعیلؑ اُن سے قریب تر ہوں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت

اسماعیل علیہا السلام کو مکہ میں چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے۔ مکہ میں اُن دونوں ماں بیٹوں کو ہمدرد پڑوسیوں کی ضرورت تھی۔ دلاسہ دینے والے درکار تھے۔ زندہ رہنے کے لئے دنیا کی ہر چیز چاہئے تھی۔ انہیں ضرورت تھی کہ وہ کسی کو اپنا کہہ سکیں یا کوئی انہیں اپنا بنالے۔ ایسے دردناک حالات میں توجہ سے بات سننے والے، ہمدردی کرنے والے مدد کرنے والے انسانوں کا دل جیت سکتے ہیں۔ اس پہلو پر نظر رکھیں اور اس ساتھ ہی یہ دیکھیں کہ قریش کا تیار کردہ ریکارڈ کدھر جھکتا ہے۔ یعنی قریشی ریکارڈ تیار کرنے والے ماہرین کا اپنا مقصد و میلان طبع کیا ہے؟ اس میلان طبع کا پتہ لگتے ہی یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ قریش کا اپنا فائدہ اُسی چیز کے ثابت ہو جانے میں ہے۔ جس کی طرف اُن کا بیان جھک رہا ہے۔ پھر اُس جھکاؤ کا تسلسل اور اس پر اصرار یہ بتانے کے لئے کافی ہوگا کہ قریشی خود وہی قوم یا نسل ہیں۔ جس سے وہ اسماعیل علیہ السلام کو منسوب کرنے میں اپنا فائدہ دیکھتے ہیں۔ اور قدیم ہو یا جدید ریکارڈ سارا قریشی قوم کہلانے والے لوگوں نے تیار کیا ہے۔ بیانات، جملے، الفاظ اور بندشیں سب اُن کی ہیں۔

(2) جس قوم نے سب سے پہلے حضرت اسماعیل اور حضرت حاجرہ سے رابطہ ورشتہ قائم کیا وہ قوم قریشی ریکارڈ میں قحطان کی نسل سے جڑ ہم تھی۔

علامہ سید سلیمان ندوی ارض القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

”3- جرہم“ یہ قبیلہ حجاز میں آباد ہوا تھا۔ تقریباً دو ہزار دو سو سال (2200) قبل مسیح میں جب حضرت اسماعیلؑ اس ملک میں آئے تو یہ قبیلہ (جرہم) ان ہی اطراف میں موجود تھا، حضرت اسماعیلؑ نے اپنے پڑوس میں جگہ دی اور باہم اُس سے رشتہ قائم کیا، جرہم کی قومیت کیا تھی اور کس سلسلہ نسب سے اُس کو تعلق تھا؟ بعض ارباب تاریخ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ نسباً اُم سامیہ اُولیٰ سے تھا، اور بعض اُس کو قحطان کی نسل سے سمجھتے ہیں، عام مورخین نے دونوں تھیوریوں کو یکجا کر دیا ہے۔ کہ جرہم دو (2) تھے۔ جرہم اُولیٰ اور جرہم ثانیہ۔ جرہم اُولیٰ معاصر عادتھا اور وہ اُم سامیہ اُولیٰ سے تھے۔ اور جرہم ثانیہ قحطان کا بیٹا اور حضرت اسماعیلؑ کا پڑوسی اور رشتہ دار تھا۔ جرہم کا دوسرا بھائی یعر بن قحطان یمن کا مالک تھا۔ اور جرہم بن قحطان کے حصے میں حجاز کا ملک دیا گیا تھا۔“ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 198)

(3) قریشی ریکارڈ کے اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ حضرت اسماعیلؑ سے قحطان کی نسل کے لوگوں نے تعلقات پیدا کئے تھے اور وہ برابر اُن سے چمٹے رہے

ہمارے مقصد اور موضوع کی تمہید کے لئے مندرجہ بالا بیان کافی ہے۔ اس لئے وہ قوم جس نے حضرت اسماعیلؑ کے خاندان کی قربت اور نسبت کو مسلسل اور جائز و ناجائز طریقوں سے استعمال کرا کے استفادہ کیا وہ قحطان کی قوم تھی۔ رہ گیا یہ سوال کہ وہ جرہم کی اولاد تھی یا نہیں؟ اور جرہم قحطان کا بیٹا تھا یا نہیں؟ اس پر سلیمان صاحب کی تحقیق بھی دیکھ لیں۔ حالانکہ ہمارے لئے اسی قدر کافی ہے کہ وہ قوم قحطان تھی اور بس۔

(4) جرہم قحطان کے کسی بیٹے کا نام نہیں تھا ہو سکتا ہے کہ جرہم کوئی دُور پار کا رشتہ دار ہو مگر قریش کی پالیسی جرہم اور جرہمیوں کا وجود چاہتی ہے۔

کئی ایک مورخین کو اور سلیمان صاحب کو جرہم بن قحطان کو تسلیم کرنے میں تکلف ہوا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”قحطان اور اُس کی بارہ اولاد کا نام بنام تورات میں ذکر ہے۔ جن میں سے ایک یارج ہے جس کو یعر سمجھ لو۔ لیکن جرہم یا اُس کا مماثل کوئی نام مذکور نہیں۔ اس بنا پر بعض نصرانی علمائے یورپ نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ یارج اور جرہم کو ایک ہی نام ثابت کیا جائے۔ اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ عربی و عبرانی اور لاطینی و یونانی میں باہمی اورج کا مبادلہ ہو جاتا ہے۔ اور اس بنا پر یورپین تراجم میں، جن کا ماخذ یونانی و لاطینی ترجمہ ہے۔ یارج کا تلفظ جرح یا جارج ہوا ہے۔ جس کو نہایت آسانی سے جرہم فرض کرنا ممکن ہے۔ لیکن یہ شدید غلطی ہے۔ اولاً یہ کہ توراہ کے نام عربی میں عبری سے آئے ہیں، یونانی یا لاطینی سے نہیں آئے ہیں، اس لئے ثبوت طلب تو یہ بات ہے کہ عربی

اور عبرانی میں ”سی“ اور ”جیم“ کا باہم مبادلہ ہوتا ہے؟ اور یہ غیر مسلم ہے۔ ثانیاً یہ کہ اگر یرح اور جرح جرہم ہے تو پھر عبر کی اصل کیا ہے؟ ثالثاً یہ کہ عبر اور جرہم ایک ہی نام (یارح) کے دو متفرق تلفظ ایک ہی ملک اور ایک ہی زبان میں کیوں کر پھیلے؟ آخر آیا کہ جس زمانہ میں جرہم کا وجود حجاز میں نظر آتا ہے۔ اُس وقت قحطانی عربوں میں کوئی سیاسی جنبش نہیں پیدا ہوئی تھی۔ قحطانیوں کی حرکت سیاسی اُمم سامیہ اُولیٰ و ثانیہ کی تباہی کے بعد ایک ہزار سال قبل مسیح میں نظر آتی ہے۔ ان وجوہ سے ہم اُس فریق کے ساتھ ہیں جو جرہم کو صرف ایک اور اُس ایک کو بھی اُمم سامیہ اُولیٰ میں تسلیم کرتا ہے۔ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 198-199)

اس بیان پر علامہ نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ

: ”وکان ولد جرہم بن عامر لما صار اخواتهم من بنی قحطان بن عامر الی الیمن۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرہم قحطان کا بیٹا نہ تھا بلکہ برابر کا بھائی تھا“ (تاریخ یعقوبی جلد اول صفحہ 221) (ارض القرآن جلد اول صفحہ 198)

ہمیں یہ دونوں بیانات لکھنا ضروری تھے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ قریشی ریکارڈ جس قوم کو حضرت اسماعیل اور اُن کی اولاد سے وابستہ دکھانا چاہتا ہے وہ قحطانی نسل تھی۔ اور اس قحطانی نسل میں ایک شخص جرہم تھا جس کی اولاد مکہ میں حضرت اسماعیل سے ملی تھی۔ اور یہ کہ قریش کی کوشش یہ رہی ہے کہ جرہم کو قحطان کا بیٹا مانا جائے۔ اور ہم قریش کی ان تمام باتوں کو مان لینے میں اپنے مقصد کی کوئی خرابی نہیں دیکھتے مگر قارئین کو نوٹ کرنا چاہئے کہ قریش زیر بحث قوم کو جرہم کی اولاد اور جرہمی کہنا چاہتے ہیں۔

(5) قریشی پالیسی یہ چاہتی ہے کہ حضرت اسماعیل اور اُن کی اولاد کو قحطانی یا جرہمی نسل سے خلط ملط کر کے دونوں کی اولاد کو ایک کر دیا جائے۔

قریشی ریکارڈ میں یہ دکھانے کی سر توڑ کوشش کی گئی ہے کہ حضرت اسماعیل کی شادی مکہ ہی میں قبیلہ جرہم کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی تھی۔ یعنی اولاد اسماعیل علیہ السلام کی نہیال جرہم کے قبیلے میں تھی۔ یہ وہی رشتہ ہے جو قریش نے خود رسول اللہ کے ساتھ قائم کرنے کے لئے بڑے پاپڑیلے مگر ناکام رہے۔ یعنی منت سماجت کر کے بڑی شرمناک کم سنی کی عمر میں عائشہ کا نکاح آنحضرت سے کیا گیا۔ برسوں عائشہ خانوادہ رسول میں آتی جاتی اور حالات سے واقفیت حاصل کرتی رہی۔ یعنی مکہ ہی میں برسوں عائشہ نے قریش کے لئے جاسوسی کا کام انجام دیا۔ مدینہ آ کر بھی رسول نے عائشہ کی طرف توجہ نہ کی یہاں تک کہ خود ابو بکر نے پھر منت سماجت کی اور خود اپنے پاس سے روپیہ (چاندی) دے کر عائشہ کو پیغمبر کے گھر بھیجا تھا۔ تاکہ جاسوسی برابر جاری رہے اور اولاد میں قریش کا مستقل حصہ قائم ہو جائے۔ اور یوں رسول کی حکومت، وراثت میں قریش کو ہاتھ آ جائے اور علیٰ و خاندان مصطفویٰ محروم ہو جائے۔ مگر اللہ نے وہ دروازہ ہی بند کر دیا جس سے حکومت ملنے کی اُمید کی گئی تھی۔ لیکن قریش نے دوسری راہوں سے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ یہی چاہا تھا جرہمی یا قحطانی لوگوں نے دو ہزار دو سو سال قبل مسیح میں۔ یعنی قریش کے آباؤ اجداد نے تین ہزار سال سے خانوادہ رسالت سے استفادہ کا انتظام شروع کیا تھا۔ بہر حال پھر علامہ ندوی سے یہ قصہ سنئے:

(6) حالانکہ خانوادہ رسالت ہمیشہ اپنے خاندان میں شادیاں کرتا رہا ہے۔ مگر قریش مخلوط ہو جانے کے لئے بیٹیاں دینے اور لینے کا پروپیگنڈا

کرتے رہے۔ قدیمی پروپیگنڈا۔ علامہ نے لکھا ہے کہ:

”اسی جرہم کے گھرانے میں، بہر وابت عرب، حضرت اسماعیل نے شادی کی تھی (بخاری کتاب الانبیاء) لیکن توراہ میں ہے کہ اُن کی ماں نے جو مصر یہ تھیں ایک مصری عورت سے اُن کا بیاہ کر دیا تھا (تکوین 21-21) اس اختلاف پر علمائے نصاریٰ کی اکثر انگلیاں اٹھی ہیں۔

لیکن اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ اُس وقت عرب سامیہ اولیٰ خود مصر پر قابض تھے اور اُن کا سلسلہ تعلق مصر سے جاری تھا تو کبھی اس اختلاف سے اُن کو حیرت نہ ہوتی۔ بیان مذکور کے مطابق یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ ”اُمّ سامیہ کے خاندان جبرہم نام میں شادی ہوئی“ اور یہ بھی صحیح ہے کہ ”حضرت اسماعیلؑ کی بیوی مصر سے تعلق رکھتی ہیں“۔ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 200)

اسی کی تائید و وضاحت میں لکھا ہے کہ:

”تورات کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُمّ سامیہ میں سے عربوں کے تعلقات مصر کے ساتھ سب سے زیادہ تھے۔ اسماعیلی عربوں کی ماں ہاجرہ مصر کی تھیں (تکوین 16-30) خود حضرت اسماعیلؑ کی ماں کے سوا بیوی بھی مصر کی تھیں (تکوین 21-21)“

(ارض القرآن جلد اول صفحہ 153)

اس کی تائید مزید، حضرت ابراہیمؑ اور شاہان مصر کے نسبی تعلقات تھے۔

علامہ نے ثابت کیا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام خود اپنے شاہی خاندان میں بیاہی گئی تھیں۔ سنئے:

”بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ ہاجرہ سارہ کی لونڈی تھی، اس لئے بنی اسماعیلؑ بنی اسرائیل کے برابر نہیں، اولاً تو یہ اصول غلط ہے، ثانیاً ہاجرہ کا لونڈی ہونا زیر بحث ہے، ناظرین کو اس وقت عرب سامیہ اولیٰ کی تاریخ کا پھر عائدہ کرنا چاہئے۔ اُس سے معلوم ہوگا کہ اُس وقت مصر میں حکمران قوت عرب کی ایک ساری قوم تھی، جس سے حضرت ابراہیمؑ کے نہایت قریبی نسبی تعلقات تھے۔ لفظ ”ہاجرہ“ کا عبرانی ہونا بھی اس دعوے کی ایک مستحکم دلیل ہے، اس بنا پر فرعون کا ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں دینا خود اس بات کی قوی شہادت ہے کہ ”درحقیقت اس ازدواج سے نسبی تعلق کا استحکام مقصود تھا“ اس تاریخی قیاس کی یہودی روایات سے کما حقہ تصدیق ہوتی ہے۔ سفر ایثار میں (جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے) مذکور ہے کہ:

”حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ حضرت کاہم وطن تھا، دہلی شلوم، توراہ کا ایک مفسر تکوین (16-10) کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ:

”ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی، فرعون نے جب سارہ کی کرامات دیکھی تو کہا کہ اُس گھر میں لونڈی بن کر رہنا دوسرے گھر میں بی بی بن کر رہنے سے بہتر ہے۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ سارہ کی خدمت گزار تھیں اور یہ خود ہماری حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے (صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ۔ و اخذمہا ہاجرہ)“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 41-40)

(7) قریش نے حضرت اسماعیلؑ کی مصری شادی کو چھپانے اور مکہ کے جرمھی یا قحطانی خاندان میں شادی ہونے پر اپنا سارا زور خرچ کر دیا ہے۔

علامہ سلیمان نے بخاری کی طویل حدیث کا ترجمہ نقل کیا ہے، ہم ضروری اور متعلقہ حصہ آپ کو دکھاتے ہیں۔

”اتفاقاً جبرہم کے کچھ آدمیوں کا ادھر سے گزر ہوا، پرندوں کو منڈلاتے دیکھ کر بولے کہ پانی یہاں ہے، ایک آدمی کو تحقیق کے لئے بھیجا تو پانی پایا، آ کر خبر کی، وہ لوگ بھی آئے اور اُمّ اسماعیلؑ سے یہاں رہنے کی اجازت چاہی، اُمّ اسماعیلؑ نے کہا، ہو، لیکن پانی میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُمّ اسماعیلؑ کو یہ بات پسند آئی کہ وہ آبادی اور معیت چاہتی تھیں۔ وہ لوگ رہنے لگے اور چند گھرانے وہاں ہو گئے، لڑکا جوان ہوا اور اُن سے عربی زبان سیکھی جب جوان ہوا تو اُن لوگوں کو بہت پسند آیا۔ بالغ

ہونے پر اپنی ایک لڑکی اُسے بیاہ دی (کتاب بخاری الانبیا۔ پارہ 13) (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 46)
 (نوٹ) یہ نوٹ کریں کہ روایت میں یہ نہیں ہے کہ حضرت اسماعیلؑ نے یا اُن کی والدہ نے منگنی کی تھی یا رشتہ مانگا تھا۔ انہوں نے بھی ابو بکر کی طرح
 لڑکے کو پسند کیا اور از خود ”لڑکی بیاہ دی“ یہ عادت یا سنت اس نسل میں برابر تین ہزار سال تک جاری رہتی چلی گئی۔

**(8) قریشی ریکارڈ برابر حضرت اسماعیلؑ کی شادی اور اُن کو گھیرنے اور مخلوط کرنے کی طرف جھکتا چلا جا رہا ہے۔ قحطانیوں اور جرہمیوں کو اصلی
 وخالص عرب کہا۔**

علامہ شبلی نے عرب کی قسمیں اور حضرت اسماعیلؑ کی بود و باش اور شادی کی بات کرتے کرتے عرب کے باشندوں کی کثرت کو اُن کی اولاد بنا دیا ہے
 اور یہی منشا تھا قریش کی سازش کا۔ سنئے:

”سلسلہ اسماعیلی“ ”یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مورخین عرب نے عربوں کی تین قسمیں کی ہیں:

1- عرب کی وہ قدیم قومیں جو بالکل برباد ہو گئیں مثلاً طسم و جدیس وغیرہ

2- خالص عرب جو قحطان کی اولاد ہیں۔ مثلاً اہل یمن اور انصار اور۔

3- تیسرا سلسلہ اسماعیلی۔

حضرت اسماعیلؑ جب مکہ میں آباد ہوئے تو حوالی مکہ میں بنو جرہم آباد تھے۔ حضرت اسماعیلؑ نے اس خاندان میں شادی کی، اس سے جو
 اولاد ہوئی وہ عرب مستعربہ کہلاتی ہے۔ اب عرب کا بڑا حصہ اسی خاندان سے ہے۔ پیغمبر اسلام اور خود اسلام کی تاریخ تمام تراسی اخیر سلسلے
 سے وابستہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیلؑ ہی کے خاندان سے ہیں۔ اور جو شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت
 ہوئی وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی تھی“ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 129)

(9) رفتہ رفتہ قریشی ریکارڈ اپنے مقصد میں کامیابی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ بیٹی دینے والوں نے کعبہ کی تولیت و حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔

ابو بکر کو اللہ نے نانا نہ بننے دیا۔ لہذا رسول کی تولیت و حکومت بطور ورثہ نہ مل سکی۔ مگر حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کا نانا ابراہیمؑ و اسماعیلؑ حکومت اور
 تولیت کعبہ کا وراثت بن گیا۔ شبلی سے سنئے:

”حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؑ اور اسماعیلؑ کو عرب میں لائے اور اُن کو یہیں آباد کیا (صفحہ 154) کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ
 آس پاس آباد ہونے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا۔ اس قبیلے میں مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھا (جو بادشاہ
 تک بنا تھا) حضرت اسماعیلؑ نے اُن کی لڑکی سے شادی کی۔ اُن سے بارہ اولاد ہوئی جن کے نام توریت میں مذکور ہیں۔ اُن میں سے اکثر
 اہل عرب قیدار کی اولاد ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے بعد بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے۔ اُن کے مرنے کے بعد اُن کے
 نانا مضاض نے یہ منصب حاصل کر لیا۔ اور کعبہ کی تولیت خاندان اسماعیلؑ سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آگئی۔“

(سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 156)

(10) قریشی سازش کی غرض و غایت، اسماعیلؑ کی شادی کا ڈھونگ کیوں رچایا گیا؟ نسل اسماعیلؑ اور وقارِ ابراہیمؑ میں شرکت اور آخر مکمل کامیابی اور

اسماعیلی بن جانا۔

تاریخ طبری میں لکھا گیا ہے کہ:

”حضرت نوحؑ کے عہد سے کعبہ کا کوئی ولی نہ تھا۔ اُسے اٹھایا گیا تھا۔ اللہ رسول اللہ کو اسماعیلؑ کی اولاد میں مبعوث فرما کر اُن کو یہ سعادت دینا چاہتا تھا۔ اُس نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ تم اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو یہاں آباد کرو چنانچہ حضرت نوحؑ کے بعد اب حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ علیہما السلام کعبہ کی تولیت انجام دیتے تھے۔ اُس وقت مکہ بالکل غیر آباد چٹیل میدان تھا۔ البتہ اُس کے اطراف و اکناف میں جرہم اور علاقہ بود و باش رکھتے تھے۔ جرہم کی ایک عورت سے حضرت اسماعیلؑ نے نکاح کیا اُسی کی طرف عمر و بن الحارث بن مضاض نے

اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وصاھرنا من اكرم الناس والدا

فابناہ هنا و نحن الاصاھر -

ترجمہ: ”ہمارے ہاں اُس شخص نے شادی کی جو اپنے باپ کی وجہ سے معزز ترین شخص تھا اُس کی اولاد ہم سے ہے اور ہم اُس کی سسرال والے ہیں“ مسلسل لکھا کہ:

”حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت اسماعیلؑ کعبہ کے متولی ہوئے اُن کے بعد نبیؑ متولی ہوا۔ اُس کی ماں جرہمیہ تھی۔ پھر نبیؑ مر گیا اور چونکہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد زیادہ نہ تھی۔ اس لئے پھر جرہم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرف عمر و بن الحارث بن مضاض

نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

نطوف بذاک البيت الخبر ظاھر .

ترجمہ: نابت کے بعد ہم کعبہ کے ولی ہوئے اب ہم اس گھر کے چاروں طرف طواف کرتے ہیں اور یہ بات سب ہی مانتے ہیں“

اس کے بعد طبری عنوان لکھ کر جرہم کا حال بیان کرتے ہیں کہ: ”بنو جرہم کی بد اعمالیاں“

”جرہم میں سب سے اول مضاض کعبہ کا متولی ہوا۔ اس کے بعد اس کی اولاد میں جو سب سے بڑا ہوتا وہ متولی ہوتا۔ عرصے تک اسی خاندان میں تولیت متوارث رہی۔ پھر جرہم نے مکہ میں بد معاشی اور فسق و فجور شروع کیا۔ بیت اللہ کی حرمت کو باطل کیا۔ اُسی مال کو جو کعبہ کو بطور نذر کے بھیجا جاتا تھا کھانے لگے۔ جو مکہ میں آتا اس پر ظلم کرتے۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگر اُن میں کسی شخص کو کوئی دوسری جگہ زنا کے لئے نہیں ملتی تو وہ خود کعبہ میں آ کر بدکاری کرتا۔ اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ اساف نے نائلہ سے کعبہ میں زنا کیا اور اس کی پاداش میں اللہ نے دونوں کو مسخ کر کے پتھر بنا دیا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی کعبہ کی حرمت اس قدر تھی کہ نہ وہاں کوئی کسی پر ظلم کرتا تھا اور نہ بدکاری کرتا تھا۔ اگر بادشاہ بھی اس کی حرمت کو باطل کرتا تو فوراً اُسی جگہ ہلاک ہو جاتا اسی وجہ سے کعبہ کو نائلہ کہتے تھے اور مکہ بھی اسی لئے کہتے تھے کہ جو ظالم و سرکش یا بدکار وہاں ظلم یا بدکاری کرتا تھا اس کی گردن ماری جاتی۔ جب جرہم اپنی بد اعمالیوں سے باز نہ آئے۔ اور عمر و بن عامر کی اولاد یمن سے ادھر ادھر پھیل گئی اُن میں سے بنو حارث بن عمر تہامہ آ کر متوطن ہوئے چونکہ یہ اپنی اصل جماعت سے منقطع ہو گئے تھے اس وجہ سے اُن کا نام خزاعہ ہوا۔ اور یہ بنو عمر و بن ربیعہ بن حارثہ ہیں۔ اسلم، مالک، ملاکان بنو اقصی بن حارثہ ہیں۔ اللہ نے جرہم پر جنم پر آبلے پڑنے اور تکسیر پہننے کا عذاب نازل کیا جس

سے وہ فنا ہو گئے۔ اور اب خزاعہ بھی اُن کے بقیہ کو مکہ سے نکال دینے کے لئے جمع ہو کر تیار ہوئے۔ اُن کا سردار عمرو بن ربیعہ بن حارثہ تھا۔ اس کی ماں فیہرہ بنت عامر بن الحارث بن مضاہ تھی۔ فریقین خوب لڑے جب عامر بن حارث نے محسوس کیا کہ اُسے شکست ہوگی وہ کعبہ کے دونوں غزالوں اور رُکن کے پتھر کے پاس توبہ کرنے آیا۔ وہ کہہ رہا تھا:

لاہم ان جرہما عبادک الناس طوف و ہم تلادک بہم قدیماً عمرت بلادک۔

ترجمہ: ”اے اللہ جرہم تیرے بندے ہیں اور لوگ تو نوزائیدہ ہیں اور وہ تیرے پرانے ہیں۔ قدیم سے اُن ہی نے تیرے شہر آباد کئے ہیں“ مگر جب اس کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ اُس نے وہ دونوں ہرن اور حجر الرکن زمزم میں ڈال دیئے اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ اس لڑائی کے بعد جو جرہم بچے وہ جہنیہ کی سرزمین میں چلے گئے۔ یہاں ایک بڑے زبردست سیلاب نے اُن کو آلیا اور وہ سب کو بہا لے گیا اسی طرف امیہ بن صلت نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:- جرہم وطنواتہامۃ فی الدھر فسالت بجمعہم آضم۔

ترجمہ: ”اور جرہم ایک زمانہ سے تہامہ میں رہے تھے اُن سب کو کوہہ اضم بہا لے گیا۔ جرہم کے بعد عمر بن ربیعہ (یہ بھی تو جرہمی ہے۔ احسن) کعبہ کا متولی ہوا۔ بنو قیس کہتے ہیں کہ عمر بن الحارث کعبہ کا متولی ہوا۔ اور اسی کا اس نے اپنے اس شعر میں اظہار کیا ہے۔

ونحن ولینا البیت من بعد جرہم لنعمرہ من کل باغ و ملحد۔

ترجمہ: ”جرہم کے بعد ہم بیت اللہ کے ولی ہوئے تاکہ اُسے ہر ظالم اور بے دین سے بچا کر آباد رکھیں“ اس کا قول تھا کہ آخرت کے لئے عمل کرو اور ضروریات دنیا سے بے فکر رہو۔

”کعبہ کے متولی بنو خزاعہ“

اس طرح اب بنو خزاعہ بیت اللہ کے متولی ہوئے۔ البتہ دوسرے قبائل مضر میں تین خدمتیں باقی رہیں۔ ا۔ عرفہ سے لوگوں کو حج کرانے لے جانا۔ یہ خدمت غوث بن مرکبہ تھی۔ یہ ہی صوفہ ہے۔ چنانچہ عرفہ سے اجازت ملتی تو عرب کہتے اجیز صوفہ۔ دوسری خدمت حاجیوں کو قربانی کے دن منیٰ لے جانے کی تھی یہ بنو زید بن عدوان کے سپرد تھی۔ ان میں سے آخری شخص جو اس خدمت کا متولی ہوا وہ ابو سیارہ عمیلیہ بن الاعزل بن خالد بن سعد بن الحارث بن فرایش بن زید تھا۔ تیسری خدمت نسبی یعنی مقدس مہینوں کا التواء، یہ قلمس کے سپرد تھا۔ اُس کا اصل نام حدیفہ بن نقیم بن عدی تھا۔ جو بنو مالک بن کنانہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس کے بعد یہ خدمت اُس کے بیٹوں کو ملی۔ آخری شخص جو اس خدمت پر فائز تھا وہ ابو شامہ جنادہ بن عوف بن امیہ بن قلع بن حدیفہ تھا۔ اب اسلام آیا اور اُس نے نسبی کی رسم کو مٹا کر مقدس مہینوں کی حرمت کو بحال کر دیا۔ جب معد کی تعداد بہت زیادہ ہوئی وہ مکہ چھوڑ کر متفرق ہو گئے مگر قریش نے مکہ نہ چھوڑا“ (طبری جلد اول صفحہ 64 تا 66)

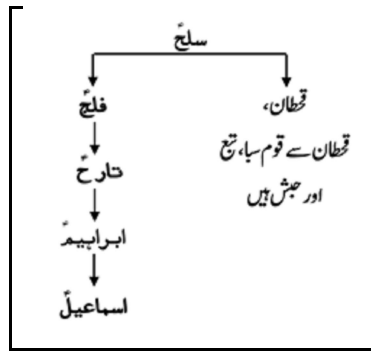
(د) قریشی ریکارڈ کے یہ دس بیانات اُن مقاصد و مصالح کو ثابت کرتے چلے آئے ہیں جو ہم نے ہر عنوان کے ماتحت لکھے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ قریش قحطانی ہیں۔

مندرجہ بالا دس بیانات یہ ثابت کرتے ہیں کہ قریشی ماہرین نے خود کو نسل اسماعیل علیہ السلام سے ثابت کرنے کے لئے جو راہ نکالی وہ یہ نہ تھی کہ وہ حضرت اسماعیل سے لے کر اپنے زمانہ تک کا شجرہ نام بنام تیار کرتی اور بتاتی کہ ہم حضرت اسماعیل کے فلاں بیٹے کی اولاد ہیں۔ شجرہ تو کہاں انہوں نے تو حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹوں میں سے کسی بیٹے کی اولاد کے نام تک نہ بتائے یعنی اُن کے علمائے انساب کو معلوم ہی

نہ تھا کہ حضرت اسماعیلؑ کے کتنے بیٹے تھے اور اُن کے نام کیا تھے اور ہر بیٹے کے یہاں کون کون بیٹے پیدا ہوئے یعنی انہیں حضرت اسماعیل کے پوتوں کے نام بھی معلوم نہ تھے۔ اور جب اُن کو پہلی ہی نسل کے نام معلوم نہ تھے تو وہ پورا شجرہ کیسے اور کہاں سے لکھتے؟ یہ تو توریت کی مہربانی ہے کہ اُس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تفصیل سے نام بنام لکھی ہوئی چلی آئی ہے اور وہاں سے قریش نے اپنی مصلحت کے ماتحت جتنا اور جو ضروری سمجھا لکھ لیا۔ انہوں نے حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے کا تو انکار کر دیا۔ اور خود کو قیدار کی اولاد میں سے لکھا ہے۔ لہذا خود کو قیدار کی اولاد میں سے ثابت کرنے کے لئے اُن کو بتانا ہوگا کہ قیدار کے یہاں کتنے بیٹے تھے اور یہ کہ وہ قیدار کے کون سے بیٹے کی اولاد ہیں؟ ہم انہیں اُس شجرہ سے باہر نکال چکے ہیں، جو حضرت نابت بن اسماعیلؑ پر ختم ہوتا ہے۔ انہیں اس شجرہ کے علاوہ ایک شجرہ دکھانا چاہئے جو قیدار بن اسماعیلؑ پر ختم ہو؟ ایسا شجرہ نہ انہیں معلوم تھا نہ وہ بتا سکتے ہیں نہ اب بنا سکتے ہیں۔ یہ کہنا فریب ہے کہ حضرت عدنان قیدار کی اولاد میں ہیں۔ اس لئے کہ ایک آدمی دو مختلف باپوں کی اولاد نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ حضرت عدنان قیدار کی اولاد میں مانے جا چکے ہیں۔ تو وہ قیدار کی اولاد میں ہو ہی نہیں سکتے۔

دوسرا فریب یہ ہے کہ اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ کی ایک جرہمی یا قحطانی عورت سے تھی۔ تو اُس کے نام توریت میں کیسے پہنچے؟ جب کہ توریت کا کوئی مصنف یا مؤلف مکہ میں آیا ہی نہیں؟ اور یہود و نصاریٰ کو اس کی کیا ضرورت تھی کہ وہ جرہمی عورت سے پیدا ہونے والی اولاد کو توریت میں لکھتے۔ البتہ یہ فطری اور قدرتی اور جذباتی بات ہے کہ اپنی نسل کی عورت سے پیدا ہونے والی اولاد کا شجرہ رکھا جائے۔

چنانچہ تورات نے قیدار کی نسل کے تباہ ہو جانے کا ذکر کر دیا ہے۔ اور قریشی ماہرین کو معلوم تھا کہ قیدار کی اولاد کا مسلسل شجرہ کسی کو مل ہی نہیں سکتا اس لئے انہوں نے خود کو قیدار سے منسوب کیا تاکہ نہ کوئی قیدار کے بیٹوں کا پتہ لگا سکے گا نہ ہماری نسبت کو غلط ثابت کر سکے گا۔ مگر جب تورات اس نسل کے آگے چلنے کا انکار کرتی ہے تو نسب خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔ اس لئے قریش نے جرہم کا ڈھونڈ رکھا۔ اور حضرت اسماعیلؑ کی حقیقی شادی کو چھپایا جو توریت کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ اور وہ زوجہ اپنے خاندان کی لڑکی ہے اور شاہی خاندان سے ہے۔ جیسا کہ خود ہاجرہ علیہا السلام شاہی خاندان کی بیٹی تھیں۔ اس تاریخی چوری کا مطلب اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا کہ قریشی ماہرین کو اس کی سخت ضرورت تھی کہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد اور نسل کو عربوں سے یا قحطانی جرہمیوں سے چلایا جائے؟ اگر قریش خود قحطانی نہ ہوتے تو نہ اُن کو اس چوری کی ضرورت تھی نہ جرہم میں شادی پر سیکڑوں غلط بیان دینے کی ضرورت تھی۔ اسی سلسلے کا تیسرا فرادہ یہ ہے کہ وہ یہ ڈھول پٹیتے رہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی شادی جرہمیوں میں



ہوئی تھی۔ اور یہ ڈھول اتنا پیٹا کہ اب وہ خود کو جرہمی یا قحطانی کہتے تو نسل رسولؐ میں منسوب نہ ہو سکتے تھے لہذا وہ ادھر تو یہ نہیں کہہ پائے کہ ہم قحطانی یا جرہمی ہیں اس لئے کہ قحطان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دادا کا بھائی یعنی حضرت سلخ کا چھوٹا بیٹا ہے اور قحطانی نہ ابراہیم ہی ہو سکتے تھے نہ اسماعیلی بن سکتے تھے۔ اور بننا انہیں اسماعیلی تھا۔ اس لئے کہ جس طرح یہ معلوم تھا کہ حضرت اسماعیلؑ رسولؐ ہیں اور رسولؐ سے نسبت حاصل کر کے نہ صرف اعزاز و بزرگی ملتی ہے بلکہ موقع شناسوں کو رسولؐ کی حکومت و وراثت بھی مل سکتی ہے۔ چنانچہ قحطانی نسل صدیوں تک حضرت

اسماعیل کی حکومت اور تولیت پر قابض رہی اور اُن کی اولاد کو اپنی اولاد کہتی اور کعبہ کی تولیت پر فخر یہ اشعار بھی کہتی رہی اور پھر قحطانیوں کی طرح نام نہاد اسماعیلیوں یعنی قریشیوں نے بھی زبردستی بیٹی دے کر وہی راہ اختیار کی جو اُن کے بزرگوں نے تین ہزار سال پہلے اختیار کی تھی کنواری نہایت کم سن لڑکی سے نکاح کیا تاکہ لفظ نکاح سے پردہ کھلے۔ بے تکلفانہ ملنے کا موقع ملے اور نفسیاتی طور پر لڑکی جلد بالغ ہو اور تمناؤں بھری اولاد پیدا ہو اور قریش بھی کہہ سکیں کہ:

و صاهرنا من اکرم الناس والدا فابنا منا ونحن الاصاهر

ترجمہ: ”ہم لوگوں کو اُس شخص نے صہرا بنانے کی عزت عطا کی ہے جو اپنے باپ کی وجہ سے ساری دنیا سے معزز ترین شخص تھا۔

چنانچہ اس کی اولاد ہماری اولاد ہے اور ہم اس کے صہرے ہیں“

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے اُس کنواری کو ایسا محروم کیا کہ اُدھر وہ قیامت تک اُس لذت سے محروم رہی جو ارادہ کر کے آئی تھی اُدھر اس پر قیامت تک فطری لذت کا دروازہ بند کر دیا۔ اُدھر اُس کا باپ اور قوم وراثتِ رسول سے محروم ہو گئی۔ یہ محرومی ہی انہیں اس انتقام پر تیار کرتی ہے جو انہوں نے نہ صرف کربلا کے قتل عام تک لیا بلکہ آج بھی نسلِ رسول کو ختم کرنے کے مواقع تلاش کر رہے ہیں۔

رسول اور آل رسول سے دشمنی کا سب سے بڑا اور کرب انگیز سبب یہی تھا کہ عائشہ رسول کی طرف سے کنواری رہی اور غالباً کنواری ہی دُن ہوئی۔ بہر حال وہ خود کو قحطانی نہ کہہ سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک اور فراڈ کیا اور وہ یہ کہ یہ کوشش کی کہ قحطانی نسل کے فنا ہو جانے، تباہ ہو جانے کا ڈھونگ رچایا جائے چنانچہ مندرجہ بالا دسویں بیان میں آپ نے پڑھا ہے۔ پہلے یہ سوچا گیا کہ ایک پوری اور سارے عرب میں پھیلی ہوئی قوم کو کیسے ایک دم دنیا سے مٹا دیا جائے چنانچہ جرم کی بد اعمالیاں گھڑی گئیں اور انہیں کعبہ میں زنا کرنے کا مجرم بنا کر عذاب کا مستحق بنایا گیا اور پھر تکسیر جاری رہنے اور جرم پر آبلے پڑنے کے عذاب میں مبتلا دکھایا گیا۔ اور لکھ دیا گیا کہ اس عذاب سے جرم فنا ہو گئے۔ اس کے بعد سوچا گیا کہ شاید کوئی یہ کہہ دے کہ کچھ نہ کچھ جرمی عذاب سے بچ گئے ہوں گے اس لئے ایک اور فراڈ کر کے ایک اور قبیلے سے اُن کی جنگ کرائی اور سب کو موت کے گھاٹ اتارنے کا ڈرامہ کیا۔ اور اس کے بعد بھی کچھ قحطانیوں کے باقی رہ جانے کے امکان کو یہ دکھا کر ختم کر دیا کہ ایک طوفانی سیلاب آیا تھا اور باقی ماندہ سب کو بہا لے گیا۔ یوں جرم کو دنیا سے ختم کر کے بنی خزاعہ کو کعبہ کا متولی بنا دیا اور چند شعر گھر کربات پختہ کر دی۔ اور عمرو بن ربیعہ کو ایک بہت نیک آدمی کا میک اپ کر کے کعبہ کا متولی بنا دیا۔ شعر بھی کہلوادئیے۔ اور ڈراپ سین کرتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ:

”اس طرح اب بنو خزاعہ بیت اللہ کے متولی ہوئے البتہ مضر کے دوسرے قبائل میں کعبہ کی تین خدمتیں بہر حال باقی رہ گئیں۔“

(دسواں بیان طبری جلد اول صفحہ 66 ترجمہ)

اس جملے سے معلوم ہوا کہ بنو خزاعہ کے متولی ہونے سے پہلے ساری خدمتیں مضر ہی کے قبائل کے پاس تھیں۔ یعنی وہ کعبہ کا سارا انتظام کرتے تھے۔

(1) قحطانی جناب مضر بن نزار بن معد بن عدنان کو آڑ بناتے ہیں؟؟؟

اب آپ وہ شجرہ دیکھیں۔ جس میں قریش کھلم کھلا داخل ہوئے تھے اور سارے قریشی و غیر قریشی علما نے اُسے لکھا ہے۔ اُس میں حضرت عدنان علیہ السلام کا بیٹا جناب معد کو بتایا گیا ہے اُن کا بیٹا نزار ہے اور نزار کے بیٹے کا نام مضر ہے۔ جن کے قبائل کو مذکورہ تین خدمتوں پر بحال رکھا گیا تھا۔ یعنی یہ وہ پہلی کروٹ ہے جہاں قحطانیوں کو اسماعیلی بنانے میں خطرہ محسوس نہیں کیا گیا ہے۔ مگر اتنی احتیاط ضرور کی گئی ہے کہ عام قاریوں کو

کھل کر پتہ نہ چلے کہ قریشی ماہرین اپنے مفروضہ قبیلے کو سامنے لا رہے ہیں یعنی جرہمیوں کے اقتدار کو بنی خزاعہ کے سپرد کرنے کے جھیلے میں چپکے سے یہ جملہ لکھ دیا ہے کہ: ”اس طرح اب بنو خزاعہ بیت اللہ کے متولی ہوئے۔ البتہ دوسرے قبائل مضر میں تین خدمتیں باقی رہیں“ یہاں یہ جملہ یوں مکمل کرنا چاہئے تھا کہ:

”البتہ دوسرے قبائل مضر میں تین خدمتیں باقی رہیں اُن تین خدمتوں کے علاوہ باقی تمام خدمتیں بنو خزاعہ نے واپس لے لی تھیں“

یا یوں کہنا چاہئے تھا کہ:

”قبائل مضر سے بنو خزاعہ نے تمام خدمات واپس لے لی تھیں البتہ دوسرے قبائل مضر کے پاس تین خدمتیں باقی چھوڑی گئی تھیں“

اگر زیر اصلاح جملے کو اس طرح لکھا جاتا تو کھل کر یہ ثابت ہو جاتا کہ:

(1) جب جرہمی کعبہ کے متولی تھے تو انہوں نے کعبہ کی تمام خدمات یا ذمہ داریاں قبائل مضر کو دے رکھی تھیں۔

(2) جب اقتدار تبدیل ہو کر کعبہ کی تولیت بنو خزاعہ کے قبضے میں آئی تو بنو خزاعہ نے کچھ قبائل مضر کے پاس کعبہ کی تین خدمتیں چھوڑ کر باقی قبائل

مضر سے تمام خدمات واپس لے لیں“

مطلب یہ ہے کہ قریشی ماہرین نے ایسا انداز تحریر اختیار کیا جس سے عام قاریوں کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ قریشی ماہرین ہی شروع سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے منصب اور تولیت پر قابض چلے آ رہے تھے اور اُن ہی نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو وراثت سے محروم کیا تھا۔ اور وہی درحقیقت جرہم بن قحطان کی اولاد تھے۔ یعنی وہ اسماعیلی نہیں بلکہ قحطانی تھے۔ جو رفتہ رفتہ تیسری کروٹ لے کر اسماعیلی بن گئے تھے۔

(2) قریشی ماہرین نے تین کروٹیں دے کر قحطانیوں کو اسماعیلی بنا دیا تھا؟

دسویں بیان تک قریشی ریکارڈ میں حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی اولاد کے ساتھ کھل کر جرہمیوں کو وابستہ دکھایا ہے۔ اور بلا تکلف لکھتے رہے

کہ حضرت نابتؑ کے بعد جرہمیوں نے تولیت کعبہ پر قبضہ جمالیہ اور صدیوں تک اسماعیلؑ کی اولاد کو اُن کی وراثت اور تولیت سے محروم رکھا۔ یہ پہلا مرحلہ یا پہلی کروٹ تھی۔ اس میں اپنے اسماعیلیؑ یا ابراہیمیؑ ہونے کا قطعاً تذکرہ نہیں کیا۔ دوسری کروٹ میں قریشی ماہرین نے جرہمیوں کے اُن خاندانوں کو ایک الگ قبیلہ بنانے کی سازش کی جو یمن سے نکل کر تہامہ میں آباد ہو گئے تھے۔

(3) کھلا اور تسلیم کردہ فریب، قحطانیوں ہی کو خزاعہ کا نام دے کر مختلف قبیلہ بنا دیا۔

دیکھئے اور نوٹ کیجئے کہ قریشی ماہر کتنے ڈھیٹ تھے کہ اپنے فریب کو لکھتے ہوئے نہ شرماتے ہیں نہ جھجکتے ہیں:

”عمر و بن عامر کی اولاد یمن سے ادھر ادھر پھیل گئی تھی۔ اُن میں سے حارثہ بن عمر تہامہ آ کر متوطن ہوئے چونکہ یہ اپنی اصل جماعت

(جرہم) سے منقطع ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے اُن کا نام خزاعہ ہوا۔ اور بنو عمر و بن ربیعہ بن حارثہ ہیں۔ اسلم، مالک، ماکان بنی اقصیٰ بن حارثہ

ہے“ (دسواں بیان طبری۔ طبری سے)

آپ نے دیکھا کہ جرہمیوں کے چند خاندانوں کو یمن سے دُور جائے پر ایک بالکل جدا اور نیا قبیلہ بنا دیا گیا۔ تیسری کروٹ میں اس خود ساختہ قبیلہ کو جرہمیوں سے برسر پیکار دکھایا اور جرہمیوں کو دنیا سے ختم کرنے کے لئے اللہ کے عذاب اور خزاعہ سے جنگ اور سیلاب کا ڈھونگ رچا کر انہیں نیست و نابود کر کے کعبہ کی تولیت کو اُس نئے قبیلے کے قبضے میں دکھادیا۔ حالانکہ خزاعہ خود جرہم ہی تھے۔ اس کے بعد نہایت خاموشی سے کعبہ کی تین خدمات کا

قبیلہ مضر کے پاس رہنا دکھایا ہے۔ یعنی یہاں سے قریشی ماہرین خود کو اسماعیلی کہلانے کا موقع پیدا کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ازاول تا آخر قحطانی یا جرہمی تھے۔

(3- الف) اب قارئین یہ سمجھ سکتے ہیں کہ قریشی ریکارڈ میں کیوں قحطانیوں کو اسماعیلی اور اسماعیلیوں کو قحطانی اور قبائل کو مختلف نام دیئے گئے ہیں؟

یہاں سے چند ایسے بیانات دیکھئے جن میں قریشی ریکارڈ قبائل و اقوام کو مشکوک کرنے کے لئے انہیں مختلف ناموں اور نسبوں سے منسوب کرتا ہے۔ تاکہ قریش کہلانے والی قوم کسی طرح اسماعیلی اور رسول کے خاندان میں شمار ہو سکے۔

علامہ سلیمان ندوی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”لیکن ہمارے نزدیک قبیلہ ہمدان و اشعر اور بعض دیگر قبائل کا قحطانی الاصل ہونا مشکوک ہے، قضاہ، خزاعہ اور حم کو تو عموماً محققین انساب نے اسماعیلی وعدنانی کہا ہے، خزاعہ (اسلم) کو حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسماعیل کہا، اوس و خزرج کا اسماعیلی النسب ہونا بھی بخاری کی روایت سے ثابت ہے، اور خود اوس و خزرج کو بھی اس کا دعویٰ تھا۔ (ذرا آگے چل کر لکھا ہے کہ)

”اس نکتے کے سمجھنے کے بعد یہ عقده خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ بعض علمائے انساب و حدیث خود قحطان کو اسماعیلی کیوں کہتے ہیں؟ امام بخاری کا میلان طبع بھی ادھر ہی نظر آتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں انہوں نے ”باب نسبہ الیمن الی بنی اسماعیل“ ایک مستقل باب باندھا ہے، علمائے انساب میں زبیر بن بکار کی، اور ابن اسحاق کی بھی یہی روایت ہے، علامہ ابن حجر بھی فتح الباری میں اسی پہلو کو راجح قرار دیتے ہیں۔ اس مبالغہ میں اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ بعض قحطانی شاخیں اسماعیلی ہیں اور یمن میں سکونت کے باعث یا کسی اور سبب سے ان کو قحطانی فرض کر لیا گیا ہے“ (ارض القرآن جلد اول صفحہ 271-272)

(4) قریش کا اپنا نسب نامہ بھی اور قریش کے تیار کردہ باقی قبائل اور اقوام کے نسب نامے بھی غلط و باطل ہیں ان کا ریکارڈ جھوٹا ہے۔

سلیمان ندوی قریشی علما کے تیار کردہ نسب ناموں اور ریکارڈ کے لئے لکھتے ہیں کہ:

”لیکن اصول تحقیق کی رو سے یہ تمام تر افسانہ ہے۔ گذشتہ ابواب میں قحطانی و اسماعیلی خاندانوں کی تشخیص و تمیز کی اتنی علامتیں بیان کی جا چکی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے باسانی دونوں سلسلوں میں امتیاز کیا جاسکتا ہے جس سے علامہ کلبی اور ابن ہشام (علمائے انساب) کے اکاذیب کا انبار دفعتاً جل کر خاکستر ہو جاتا ہے“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 78)

قارئین سوچیں کہ قریش کا اپنا ذاتی طور پر تیار کردہ اسلام اور تاریخ و حدیث کی کتابیں جھوٹ کا ایک ڈھیر ثابت ہو گیا لہذا ان کا اسماعیلی بن جانے کے لئے کوشش کرنا اب ایک سازش سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ قریشی حکومتوں نے نہ صرف روایات اور افسانے گھڑوا کر اپنا خود ساختہ اسلام حقیقی اسلام کی جگہ پیش کیا، ایک فرضی تاریخ تیار کرائی بلکہ انہوں نے اپنے تیار کردہ ریکارڈ کی قدامت اور حقانیت ثابت کرنے کے لئے اشعار و قصائد بھی گھڑوائے اور انہیں پرانے اور قدیم شاعروں کے نام سے پیش کیا۔ پھر ندوی صاحب سے سنئے:

”لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بعد کو بعض سادہ لوح مسلمانوں یا شریر لوگوں نے بہت سے جھوٹے شعر بنانا کر ان لوگوں کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ قرآن کی آیتوں کی آیتیں لے کر ان کو موزوں کر کے ان کے نام سے شعر کہہ دیئے ہیں۔ آج کل کے عربی داں عیسائی ان اشعار کو بڑی چالاکی سے اس ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ دیکھو محمدؐ نے شعرائے جاہلیت کے کلام کو اُلٹ پلٹ کر قرآن بنا دیا ہے۔ ان اشعار میں صحیح اور غلط

اور سچے اور جھوٹے کی تمیز صرف عربی زبان کے باریک بین اور کتنہ شناس ادیب ہی کر سکتے ہیں، (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 216) یہ ہے مختصر اُوہ نمونہ جس سے قریش کے تیار کردہ اسلام و روایات و انساب کا ناقابل اعتبار اور سازشی ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

(ہ) لفظ قریش اور قوم قریش کی تحقیق کے ساتھ ساتھ یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ قریش کے افسانوی ریکارڈ کا تیار کرنے والا خود قحطانی تھا۔

قارئین یہ دیکھ چکے ہیں کہ قریش کے معیاری و حقیقی چوتھے خلیفہ معاویہ بن ابوسفیان نے دولت اور دباؤ کے زور سے وہ ریکارڈ تیار کرایا تھا جس کو راہنما بنا کر صدیوں تک اور آج تک اسلام کے نام پر تاریخ و تفسیر و احادیث و فقہ و شریعت کی شیعہ و سنی کتابیں تیار ہوتی رہی ہیں یہاں پھر ایک دفعہ اُس اولین شخص سے تعارف حاصل کیجئے جو علمائے قریش میں سب سے پہلا اہل قلم اور مصنف و مؤلف ہے۔

(1) قریشی ماہرین نے جرہم بن قحطان کی اولاد کو سابقہ بیانات میں عذاب جنگ و سیلاب سے ناپید اور فنا کر دیا تھا۔ یہ بھی سازش اور جھوٹ تھا۔ ہم علامہ شبلی کے قلم سے دکھا چکے ہیں کہ وہ شخص جس کو معاویہ نے قریش کے افسانوی ریکارڈ کی تیاری پر تعینات کیا تھا۔ اس کا نام عبید بن شریہ تھا۔ یہاں ندوی صاحب سے اس کا مزید اتنا پتا سنئے:

”عہد ظہور اسلام میں جرہم (بن قحطان - احسن) کی جمعیت باقی نہ تھی، تاہم اُس کے منتشر افراد باقی تھے، عبید ابن شریہ جرہمی نام ایک شخص اُس زمانہ میں یمن میں موجود تھا جو اسی خاندان جرہم (بن قحطان - احسن) کی طرف منسوب تھا، کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر وہ اسلام لایا تھا، حضرت معاویہ کے حکم سے اُس کی یہ زبانی داستانیں قید تحریر میں لائی گئیں۔“

(ارض القرآن جلد اول صفحہ 200)

(2) قریش کس کو سمجھا جائے؟ ایک پیشہ ور مجرم قوم (31-25/30 فرقان) میں خود بھی اختلاف و انتشار ہے۔ اُن کی متفقہ بات بھی مقبول نہیں ہے

آج ایک ہزار سال سے لفظ قریش یا قریشی منہ سے نکلتے ہی سننے والوں کے سر جھکتے نظر آتے رہے ہیں۔ اور بڑے اطمینان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی (معاذ اللہ) قریشی کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہزار سال پہلے یہ صورت حال نہ تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ قریشی حکومتوں اور حکمرانوں کی سازشی کوششوں اور دن رات کے ہمہ گیر پروپیگنڈے نے لوگوں کو لفظ قریش اور قریشی کی اُس عظمت پر ایمان دلا کر مطمئن کر دیا۔ جو دو ہزار سال سے قریش بن جانے والوں کی طرف سے بیان ہوتی چلی آئی ہے۔ مگر ہم اور ہمارے وہ بزرگ جو اس سازش پر مطلع تھے ہمیشہ اس لفظ کو اور اس کے اختیار کرنے والوں کو مجرم و ملعون سمجھتے اور سمجھاتے اور لوگوں کو بتاتے چلے آئے ہیں اور یہاں بھی حقیقی صورت حال کو آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ اس سلسلے کے بنیادی اور ابتدائی قریشی بیانات پڑھیں اور سوچیں کہ کس بیان پر کیوں اعتبار کیا جائے؟

اول۔ طبری کا بیان۔ تاریخ طبری کہتی ہے کہ:

”قریش کی وجہ تسمیہ“

”ابن الکلی کہتا ہے کہ قریش کے معنی ”نسب کا دیوان ہیں“ یہ نہ کوئی باپ ہے نہ ماں نہ مر بیہ۔ 2۔ دوسرے ارباب سیر کہتے ہیں کہ بنو النضر بن کنانہ کا نام قریش یوں ہوا کہ ایک نضر بن کنانہ اپنی قوم کی چوپال (بیٹھک) میں آیا جو لوگ وہاں تھے اُن میں کسی نے دوسرے سے کہا ”نضر دیکھو وہ ایک بڑا زبردست اونٹ معلوم ہوتا ہے“۔ 3۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قریش کا یہ نام ایک بحری جانور کے نام پر رکھا گیا ہے۔ جسے قریش کہتے ہیں اور جو تمام دوسرے بحری جانوروں کو کھالیتا ہے۔ اور چونکہ وہ بحری جانوروں میں سب سے زیادہ قوی اور

طاقت ور ہے اس لئے بنو النضر بن کنانہ کو اُس سے مشابہت دی گئی ہے۔ 4۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ نضر بن کنانہ لوگوں کے حالات کی تفتیش کر کے اپنے مال سے اُن کی حاجت براری کرتا تھا اور قریش کے معنی اُن کے بیان کے مطابق تفتیش کے ہیں۔ اور اُس کے بیٹے بھی حاجیوں کے حالات کی تفتیش کر کے اپنی استطاعت کے مطابق اُن کی حاجت براری کرتے تھے۔ اُن کا یہ لقب ہوا۔ اُنہوں نے تفریش کے معنی جو تفتیش کر لئے ہیں ان پر وہ کسی شاعر کا یہ شعر بطور شہادت پیش کرتے ہیں۔

ایہا الناطق المقرش عنا

عند عمر و فہل لہن انتہا۔

ترجمہ: اے شخص جو ہمیں عمر و کے ہاں دریافت کر رہا ہے کچھ ہماری محبوباؤں کی بھی خبر ہے؟

5۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نضر بن کنانہ کا نام ہی قریش تھا۔ 6۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب تک قصی بن کلاب نے تمام بنو نضر بن کنانہ کو ایک جامع نہیں کر دیا یہ بدستور بنو نضر ہی کہلاتے رہے۔ جب سب جمع ہو گئے تو اب اُن کو اس لئے قریش کہا جانے لگا۔ اس بنا پر عرب کہنے لگے کہ ”تقرش بنو النضر“ یعنی تمام بنو نضر جمع ہو گئے۔ 7۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو نضر کو قریش اس لئے کہا گیا ہے کہ اب اُنہوں نے غارت گری چھوڑ دی۔ 8۔ ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان نے محمد بن جبیر بن مطعم سے دریافت کیا کہ قریش کا یہ نام قریش کس وقت سے ہوا؟ اُس نے کہا جب انتشار کے بعد قریش حرم میں جمع ہوئے اور یہ اجتماع تقرش ہے۔ عبدالملک نے کہا کہ میں نے یہ بات نہیں سنی مجھے تو یہ معلوم ہے کہ قصی کو قرشی پکارا جاتا ہے۔ اور اُس سے پہلے قریش کا یہ نام نہیں تھا۔ 9۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف سے مروی ہے کہ جب قصی نے حرم میں آکر اس پر اپنا قبضہ اور تسلط قائم کیا اور بہت سے مفید اور نیک کام کئے اُسے قرشی کہنے لگے۔ سب سے پہلے اُسی کا یہ نام ہوا۔ 10۔ ابوبکر بن عبد اللہ بن ابی جہم سے مروی ہے کہ نضر بن کنانہ کو قرشی کہتے تھے۔ (طبری جلد اول۔ صفحہ 46-47)۔ 11۔ ہشام بن محمد کے بیان کے مطابق فہر (بن مالک) جامع قریش ہے۔ (ایضاً جلد اول صفحہ 45)

(3) قریش کی وجہ تسمیہ سے لفظ قریش اور قریشی قوم سازشی بکواس بن گئے؟

مندرجہ بالا قریشی بیان کے ہر پہلو پر تنقید کرنے کی نہ فرصت ہے نہ ضرورت ہے۔ البتہ چند پہلو سامنے رکھنا ضروری ہیں۔ اول یہ کہ لفظ قریش کو بطور لقب اختیار کرنے یا کرانے کی ”وجہ تسمیہ“ کوئی بھی متفقہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں دس مختلف و متضاد وجوہات بیان کی گئی ہیں لہذا اس قسم کی ہر ایک بات کو محض بکواس قرار دیا جاتا۔ دوم یہ کہ لفظ قریش کے بھی متعدد اور متضاد معنی بتائے گئے جو کہ عربی قانون کے اور تجربے کے خلاف ہیں۔ چنانچہ عربی زبان میں ہر لفظ کے صرف اور صرف ایک معنی ہوتے ہیں۔ اور جتنے معنی قریشی ماہرین نے روایت کرائے ہیں وہ سب عربی میں مستقل الفاظ رکھتے ہیں یہ سازشی قریش یا قریشی علما لفظ قریش کے معنی میں چوڑا چکلا یا قد آور لکھتے ہیں۔ بحری جانور بھی کہتے ہیں۔ اُونٹ یا زبردست اُونٹ بھی سمجھتے ہیں۔

حالات کا پتہ لگانا یا تفتیش کرنا بھی اُس کے معنی بتاتے ہیں۔ جمع کرنا یا اکٹھا کرنا بھی مانتے ہیں۔ غارتگری سے باز آ جانا بھی قریش بن جاتا ہے۔ اچھے اور نیک کام کرنا بھی مانتے ہیں۔ یہ معنی بھی بکواس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ ان معنی کی تصدیق کے لئے یا کسی اور غرض کے لئے شعر گھڑنا یا گھڑ والینا ارض القرآن سے دکھایا جا چکا ہے۔ جو قریش کے لئے نہایت آسان تھا۔ سوم یہ کہ درحقیقت قریش کس شخص کا لقب تھا؟ یہ خود

قریش کو بھی معلوم نہیں۔ عبدالملک بادشاہ عرب اور قریش زادہ بھی ناواقف تھا۔ اور پہلی ہی بات یہ ہے کہ:

”قریش کوئی مرد گزرا ہے۔ نہ عورت۔ نہ قریش کے یہاں اولاد ہوئی نہ وہ خود پیدا ہوا۔ نہ اُس نے کسی کو پالا پوسا اور نہ تربیت و ربوبیت کی نہ اُسے پالا پوسا گیا“

یعنی قریش ایک بکواس کا نام ہے آدمیوں کا نہیں۔ یہ ایک کھلی سازش ہے جس میں یقیناً وہ تمام لوگ آجانا چاہتے ہیں جو فہر اور نضر کی اولاد بن جانا چاہتے تھے۔ اسی لئے تین مختلف اشخاص کو قریش بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ فہر اور نضر کی لئی کر کے قصی کو قریش کہو تو بہت سے سازشی لوگ اس بکواس سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ مان لیا گیا کہ تین نہیں بلکہ وہ سب قریش تھے۔ خدا قریش پر دن رات۔ صبح شام اور مدام لعنت کرے۔ آمین۔ اب ہم علامہ شبلی کا بیان لکھتے ہیں:

دوم۔ علامہ شبلی کا بیان۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اگرچہ اباعن جد معزز و ممتاز چلا آتا تھا۔ لیکن جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ نضر بن کنانہ تھے۔ بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا اور اُن ہی کی اولاد قریشی ہے۔ حافظ عراقی سیرۃ منظوم میں لکھتے ہیں۔

۔ اما قریش فالاصح فہر جماعها والاكثرون النضر (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 165-164) اور سنئے:

”قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول اُن ہی کو ملا۔ چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے۔ کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لئے اُن کو قریش کہتے ہیں۔ کیوں کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اسی بنا پر اُن کو مجمع بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

۔ قصی ابوکم من یسمى مجمعا به جمع الله القبائل من فہر (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 162 تا 165)

قارئین نے علامہ شبلی کے بیان میں بھی وہی باتیں دیکھیں جو تاریخ طبری سے معلوم ہوئی تھیں۔ جو سب آپس میں ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کی جگہ مخالفت اور تکذیب کرتی ہیں۔ اور صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اُن باتوں یا افسانوں کو تیار کرنے والے یا گھڑنے والوں میں ہم آہنگی نہ تھی نہایت بے فکری و اطمینان سے جب جیسی ضرورت پیش آئی ایک صورت حال گھڑ لی جاتی تھی۔ باتیں بنانے والوں کی اس کثرت سے واقعات و حالات تیار کرنا پڑ رہے تھے کہ انہیں اتنا وقت ہی نہ ملتا تھا کہ اُن پر نظر ثانی کر کے اُن کی اصلاح کر سکیں۔ بہر حال یہاں یہ بھی فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ قریش درحقیقت کون تھا؟ اور یہ نام یا لقب کس نے اور کس طرح اور کیوں دیا تھا؟ اب آپ علامہ سلیمان ندوی کی کتاب سے قریش کا فراڈ ملاحظہ کیجئے لکھتے ہیں:

علامہ سلیمان ندوی کا بیان۔

”مضر کی شاخ متعدد و وسیع خاندانوں میں منقسم ہو گئی، جن میں سے ایک قریش کا خاندان ہے، بانی خاندان کا نام ”فہر“ تھا، عدنان تک اُس کا سلسلہ نسب یہ ہے، فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ۔۔۔۔۔ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان“۔

(ارض القرآن جلد 2 صفحہ 97)

مسلمہ سیدھا سیدھا شجرہ۔

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب۔ ہاشم۔ عبد مناف۔ قصی۔ کلاب۔ مرہ۔ کعب۔ لؤئی۔ غالب۔ فہر۔ مالک۔ نصر۔ کنانہ۔ خزیمہ۔ مدرکہ۔ الیاس۔ مضر۔ نزار۔ معد۔ عدنان۔ سب نے صحیح مانا ہے۔

ایک سوال۔

سوال یہ ہے کہ حضرت مضر علیہ السلام کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر و عمر و عثمان اُنیسویں پشت میں ہیں۔ وہاں سے قریش کو کیوں اس خاندان میں شامل کیا گیا؟ کیوں نہ اُن کے بعد یہ تہذیب کسی اور نام سے شروع کیا گیا۔ یعنی یہ کیوں کہا گیا کہ:

”مضر کی شاخ متعدد وسیع خاندانوں میں منقسم ہوگئی جن میں سے ایک قریش کا خاندان ہے“؟

کیوں نہ مضر کے بعد والے کسی قریبی بزرگ کے بیٹے کا نام بتا دیا گیا جس کی اولاد سے یہ قریش لقب خاندان نکلا تھا؟ ظاہر ہے کہ قریشی ماہرین نے اپنے سازشی خاندان کو حضرت مضر علیہ السلام کے خاندان کی وسعتوں میں چھپانے اور اس بزرگ خاندان سے منسوب و ملحق ہو جانے کا موقع دیا ہے۔ اور پھر اس بے معنی و حیوانی لقب کو چسپاں کرنے میں بار بار غلطیاں کی ہیں یا لوگوں کو تحقیق سے روکنے اور مشکوک کرنے کی چال چلی ہے۔

قریش کے متعلق ندوی کا دوسرا بیان۔

”لفظ قریش“ فہر کا لقب قریش تھا، اس بنا پر اس کی نسل نے ”قریش“ اپنا خاندانی علم قرار دیا، لفظ قریش کے عربی میں متعدد معنی ہیں اس کا ایک ماخذ تقریش و قرش ہے جس کے معنی ”کتاب و تحصیل“ ہیں، خیال ہے کہ چونکہ اس خاندان کا اصل پیشہ تجارت تھا، اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہے، قریش ایک دریائی درندے جانور کا بھی نام ہے، جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے، فہر نے اپنے استیلاء و قوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا۔ حضرت ابن عباس نے اسی دوسری تاویل کو اختیار کیا ہے، (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 97-98)

قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ ان کہانیوں کو تیار کرنے والوں میں اور پروپیگنڈا کرنے والوں اور تحریری صورت میں آگے بڑھانے والوں میں خود اختلاف ہے۔ اور ایک دوسرے کے خلاف بیانات دیئے ہیں اور یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ قریش کو ایک بے ڈھنگی سی اور بعد از وقت تیار کی جانے والی سازش ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اُن کے متعلق جس زاویہ نگاہ سے بھی تحقیق و تفتیش کی جائے ہرگز یہ یقین فراہم نہیں ہوتا کہ کوئی قریشی نام کی قوم یا قبیلہ عرب میں موجود تھا اور یہ کہ وہ قوم یا قبیلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھا۔ یا یہ لفظ قریش حضرت قصی علیہ السلام کے زمانہ میں یا اُن سے پہلے کبھی کسی قوم یا قبیلے یا جانور کے لئے بولا گیا تھا۔ یہ سارا سازشی افسانہ ابو بکر و عمر و عثمان و معاویہ نے گھڑ کر آگے بڑھایا ہے۔ اور اُن لوگوں کو قوم قریش مشہور کیا ہے۔ جو حضرت قصی کے زمانہ میں مکہ کے گرد و نواح میں وحشیوں اور جانوروں کی طرح سر کیوں، پھٹے پرانے خیموں میں بھیڑوں اور بکریوں کے ساتھ مارے مارے پھرتے تھے۔ جنہیں حضرت قصی نے ادھر ادھر سے سمیٹا اور اجاڑ پڑے ہوئے مکہ کے گھروں میں آباد کیا۔ انہیں تمیز و تہذیب سکھائی۔ کپڑے پہننا اور بے حیائی سے چمکا سکھایا۔ انہیں جانوروں سے آدمی بننا سکھایا۔ اُن میں نظم و نسق و شیرازہ بندی کی یوں یہ مختلف، مجہول و مخلوط نسلوں کے لوگ باہم مل جل کر رہنے لگے قریش اور لفظ تقریش کو اُن ہی لوگوں پر فٹ کیا گیا اور یوں کہیں کی اینٹ کہیں کا روٹ ملا کر یہ بھان متی کا کنبہ قریش بن گیا تھا۔ قریشی حکومتوں کی چھ سات سو سال کی کوششوں کے باوجود بھی یہ جملہ پڑھ کر معلوم ہوگا کہ اُن کی محنت ضائع ہوگئی۔

قریش کے متعلق ایک قریشی مورخ و محقق کا مایوس کر ڈالنے والا جملہ۔

علامہ السید سلیمان ندوی بڑی تک بندیوں کے بعد یہ جملہ بھی لکھتے ہیں کہ:

”قریش کا زمانہ“ ”قریش دُنیا کی تاریخ میں کب ظاہر ہوئے؟ اور اس خاص خاندان کی کب بنا پڑی؟ تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں“

(ارض القرآن جلد 2 صفحہ 101)

قارئین مطمئن ہو جائیں کہ قریش کہلانے والی قوم اور یہ لفظ قریش نہ تاریخی قوم و قبیلہ ہے اور نہ تاریخی لفظ ہے۔ یہ ایک ایامِ جاہلیت کی وہ سازش ہے جس کے ذریعہ سے عربوں کے مختلف قبیلوں نے مختلف زمانوں میں خانوادہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ میں مخلوط ہو جانے کی کوشش کی تھی۔ آخری کوشش کا نام قریش رکھا جاسکتا ہے۔ اُس سازشی جماعت کو قرآن کریم نے بھی قریش کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ جس نے اپنا نام قریش رکھا ہوا تھا۔ اس خطاب کے معنی وہی ہیں جو قریش کو مومن کہہ کر پکارنے کے ہیں۔ یعنی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ - (نساء 4/136)

”اے وہ مومنین جو مومن کہلاتے ہو تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کتاب پر بھی ایمان لاؤ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اُس کتاب پر بھی ایمان لاؤ جو اللہ نے قرآن سے پہلے نازل کی تھی“

قارئین دیکھیں کہ قریش ایسے مومنین ہیں کہ نہ وہ اللہ پر حقیقی ایمان لائے ہوئے تھے نہ رسول اللہ کو حقیقی معنی میں رسول مانتے تھے نہ اُن کا اس قرآن پر ایسا ایمان تھا جیسا کہ ہونا چاہئے۔ اور نہ وہ تورات و زبور و انجیل ہی پر ایمان رکھتے تھے۔ مطلب صاف ہے کہ انہوں نے اپنا نام ”مومن“ رکھا ہوا تھا لہذا اللہ بھی انہیں منکر خدا اور رسول و کتب خداوندی ہوتے ہوئے۔ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کہہ کر پکارتا اور روشناس کراتا رہا۔ اسی طرح انہوں نے عہد رسول سے پہلے ہی اپنا نام قریش رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ نے حضرت قصی علیہ السلام کا احسان جناتے ہوئے یہ تاکید فرمائی ہے کہ:

لَا يَلْفُ قُرَيْشٍ ۝ الْفِطْمُ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝ (القریش 4-106/1)

ترجمہ ”قریش کو آپس میں نتھی کرنے کے بدلے میں اور، سردی اور گرمی کے ان تجارتی سفروں کو دل چسپ وہم آہنگ کرنے کے بدلے میں قریش پر لازم ہے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے پروردگار کی عبادت کیا کریں۔ جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور قتل و غارت اور لوٹے جانے کے خطرات سے بچا کر مستقل امن و عافیت فراہم کی“

7- حضرت علیؑ کا مالک اور قریش کا مملوک ہونا اور قریش کو ذلت کی جگہ عزت، خوفزدگی کی جگہ امن، اور ناداری اور فاقہ کی جگہ رزق

و خوشحالی دینا۔

ہم حضرت علیؑ علیہ السلام کے اس خطبہ نمبر 33 کے آخری جملوں (15 تا 33/18) کی تشریح کرتے کرتے اس مقام پر آچکے ہیں جہاں آپ نے قرآن کریم سے وہ بنیاد ملاحظہ کی ہے جس پر حضرت علیؑ علیہ السلام نے اپنی اور اپنے خاندان کی پوزیشن بیان کی ہے اور فرمایا ہے کہ:

وَاللَّهِ مَا تَنْقِمُ مِنَّا قُرَيْشٌ إِلَّا أَنَّ اللَّهَ اخْتَارَنَا عَلَيْهِمْ؛ فَادَّخَلْنَاهُمْ فِي حَيْزِ نَافِكَانُوا كَمَا قَالَ الْأَوَّلُ - (خطبہ 33، جملہ 17 تا 18)

”خدا کی قسم قریش ہم سے اس بات کے سوا اور کسی بات کا انتقام نہیں لے رہے ہیں کہ اللہ نے ہمیں قریش پر حاکمیت اور بزرگی کے لئے

ترجیح دے رکھی ہے اور ہم نے قریش کو اُن کے حاکم اور اُن سے بزرگ ہوتے ہوئے بھی، اپنے دائرہ میں داخل کئے رکھا ہے۔ ورنہ وہ تو ویسے ہی تھے۔ جیسا کہ شاعر اول نے کہا ہے۔

”اپنی جان کی قسم میں نے تجھے بہترین غذائیں کھانے کو دیں اور تیرے لئے ہر وقت جام و سیو فراہم رکھے۔ تجھے ایسے بلند و بالا مقام اور ترقیوں تک پہنچایا جو نہ تجھے حاصل تھیں اور نہ تو اُن بزرگیوں کا اہل تھا۔ ہم نے تیرے تحفظ اور اعزاز کے لئے تیرے چاروں طرف چلنے اور تیار رہنے والے بھورے رنگ کے نیزوں سے مسلح اور چست و تند گھوڑوں پر سوار ہونے والی فوج تعینات رکھی۔ جو تجھے ہر وقت اپنے احاطہ میں رکھتی تھی۔“

حضرت علی علیہ السلام کے ان دونوں (خطبہ 33، جملہ 17 تا 18) جملوں میں اور شاعر کے منقول قول میں تین حقیقتیں واضح ہیں اول یہ کہ حضرت علی علیہ السلام نے جمع کے صیغہ (منا، اختارنا، فاد، خلنا، حیزنا) کہہ کر قریش سے اپنے اور اپنے بزرگوں کے حسن سلوک اور احسانات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ دوم یہ کہ قریش پر اللہ نے انہیں حاکمیت اور بزرگی عطا فرمائی اس کے باوجود قریش سے احسان و ہمدردی کا سلوک کیا گیا۔ سوم یہ کہ قریش نے اُن سے انتقام و عداوت کا رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔

(الف) علی اور خاندان مرتضوی نے قریش کے ساتھ کب اور کیا سلوک کیا تھا؟ اور اللہ نے اُس سلوک کو کیا مقام دیا ہے؟

سورہ قریش میں اللہ نے خاندان مرتضوی کے سلوک کو اپنا سلوک قرار دیا ہے۔ اور پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ اُن متفرق و مختلف قبائل کے صحرائین خانہ بدوشوں کو ایک جگہ آباد کر کے اُن کی بد خوئی اور قتل و غارت کی پیدائشی اور جنگی عادات کو بدل کر اُن میں الفت و ہم آہنگی اور ربط و ضبط (ایلاف) پیدا کیا۔ اور یہ سب کچھ حضرت قصی علیہ السلام نے کیا تھا۔ اور دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ اللہ نے انہیں تجارتی سفروں پر متوجہ کیا، تجارت سکھائی، تجارت کے لئے سرمایہ اور وسائل فراہم کئے، سفر اور عالمی تجارت کی راہ سے قیمتیں دور کیں اور سہولتیں عطا کیں۔ اور یہ سب کچھ بھی علی مرتضیٰ علیہ السلام کے بزرگوں نے کیا تھا۔ جسے اللہ نے اپنا عملدرا مد فرما کر احسان جتایا ہے۔ تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ قریش کو بھوک پیاس اور معاشی وقتوں سے نجات دے کر آسائش و فراوانیاں دی ہیں۔ اور اُن سے چاہا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت و عبادت کریں۔ یعنی اللہ نے جن حضرات علیہم السلام کے ہاتھوں یہ تمام سلوک اور احسانات کرائے ہیں۔ اُن کی ہر حال میں اطاعت و مدح و ثنا کرتے زندگی گزاریں۔

(1) حضرت ہاشم علیہ السلام کے قریش کہلانے والی قوم کے ساتھ سلوک و احسانات۔

علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:

”ہاشم نے اپنے (والد کے عائد کردہ) فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے۔ چرمی حوضوں میں پانی بھرا کر زمزم اور منی کے پاس سبیل رکھتے تھے۔ تجارت کو نہایت ترقی دی۔ قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اُس کے ملک میں اسباب تجارت لے کر جائیں تو اُن سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں انکوریہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے۔ قیصر روم کا پایہ تخت تھا۔ تجارت قریش انکوریہ میں جاتے تو قیصر روم نہایت عزت و حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔ عرب میں راستے محفوظ نہ تھے ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے

کاروان تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے۔ جس کے صلے میں کاروان قریش اُن قبائل میں اُن کی ضرورت کی چیزیں خود لے کر جائے گا اور اُن سے خرید و فروخت کرے گا“ یہ سب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔“
(سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 165-166)

(2) خاندان مرتضوی کے تمام بزرگ بادشاہان عالم کے بھی بزرگ اور قابل اطاعت حکمران تھے۔

خاندان مرتضوی کے قریش پر احسان و سلوک کے ساتھ ساتھ یہ بھی غور کرتے چلیں کہ خود علی مرتضیٰ علیہ السلام کا اور اُن کے آباء و اجداد کا رتبہ و مقام اس دنیا کے بادشاہوں اور شہنشاہوں میں کیا تھا؟ سوچنے کی بات ہے کہ صرف خط و کتابت سے بادشاہوں اور شہنشاہوں کا ٹیکس معاف کر دینا۔ خط لکھنے والے کا کیا مقام متعین کرتا ہے؟ اور اُن حضرات علیہم السلام کی اپنی کیا منزلت ہوگی جن کے خطوط کی وجہ سے شہنشاہ روم عرب کے تاجروں کا خیر مقدم کرنا اپنی بزرگیوں اور مقبولیت میں شمار کر لے؟ اور سوچئے کہ عرب کے اُن بدوؤں اور وحشیوں اور جنگلیوں کو خاندان مرتضوی نے اُس عزت و اکرام میں شامل کر لیا تھا جو انہیں خود حاصل تھی۔ اور یہی فرمایا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے (خطبہ 33، جملہ 18) اور منقولہ شعر میں اسی عزت و اکرام و احترام کی طرف متوجہ کیا ہے کہ ان چھپکلیوں اور حشرات الارض کے کھانے والوں کو شاہی دسترخوان تک پہنچا دیا تھا۔ اور یہ بھی دیکھنے اور یاد رکھنے کی بات ہے کہ ساری عرب و عجم کی رعایا عموماً اور عرب کی درندہ خصلت اقوام و قبائل خصوصاً، خاندان مرتضوی کا کس قدر پاس و لحاظ کرتے تھے کہ اُن کے فرمانے سے بلا کسی لالچ اور مفاد کے قریش کے کاروانوں کو گزند نہ پہنچاتے تھے؟ بقول قرآن قریش کے لئے ساری دنیا کو امن و عافیت کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ اُن سے خوف و خطرات کے ہر شائبہ کو دور کر دیا تھا۔ رزق کی فراوانی اور عزت و اکرام کا ہمہ گیر بندوبست علی کے بزرگوں نے کیا تھا اور قریش پر اللہ نے علی و خاندان علی علیہم السلام کی عبادت و حرمت و اطاعت واجب کی تھی (4 تا 106) اور واضح کیا تھا کہ علی اور اُن کے بزرگوں اور اولاد کی کارکردگی کو اللہ اپنی کارکردگی کہتا ہے اور اُن کی اطاعت و نافرمانی و نافرمانی و ناراضی قرار دیتا ہے۔ اور اُن کی اطاعت و فرمانبرداری پر قرآن سے اصرار فرمایا ہے۔

(3) قریش کو بھوک اور فاقوں سے بچانے کے لئے حضرت عمر و کالقب ہاشم رکھا گیا ہے۔

علامہ شبلی نے مسلسل لکھا ہے کہ:

”ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا ہاشم نے اس قحط میں شور بے میں روٹیاں چورا کر کے لوگوں کو کھلائیں۔ اس وقت سے اُن کا نام ہاشم مشہور ہو گیا۔

عربی زبان میں چورا کرنے کو ہاشم کہتے ہیں۔ جس کا اسم فاعل ہاشم ہے (ایضاً صفحہ 166)

(4) قحط سالی میں دو دراز ملکوں سے غلہ لاکر بھوکوں کو پیٹ بھر کھانا اور دوسرے سامان فراہم کرنا۔

قارئین یہ نوٹ کریں کہ خانوادہ مرتضوی کے متعلق یہ حقائق اس لئے قبول کئے گئے اور تاریخوں میں لکھوائے گئے کہ ان سے قریشی پالیسیوں اور عملدرآمد کو خطرہ محسوس نہ ہوتا تھا۔ لیکن قریشی مورخ ان حقائق میں کاٹ چھانٹ سے بہر حال باز نہیں آئے یعنی انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ مکہ، گردونواح مکہ اور سارے حجاز میں قحط سالی تھی اور ہاشم علیہ السلام نے پورے ایک سال تک اُن خبیثوں کو روٹی کپڑا اور ہر ضرورت سے مستغنی رکھا تھا۔ بہر حال علامہ طبری سے سنئے:

”ہاشم بن عبدمناف“

”ہاشم کا نام عمرو ہے۔ ہاشم اس لئے مشہور ہوا کہ مکہ میں سب سے پہلے انہوں نے روٹیوں کو شور بے میں توڑ کر ان کو اپنی قوم کو کھلایا تھا۔ اسی کے متعلق مطرد بن کعب الخزاعی یا ابن کلبی کے قول کے مطابق ابن الزبیری نے یہ شعر کہا ہے۔

عمر والذی حشم الشرید ہومۃ
ورجال مکة مستنون عجاج۔

ترجمہ: ”وہ عمرو جس نے اپنی قوم کو روٹی چور کر کھلائی۔ جب کہ مکہ والے سخت قحط میں مبتلا تھے“

ان کی قوم قریش قحط و افلاس کی سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ یہ فلسطین گئے اور وہاں سے بہت سا آٹا لے کر مکہ آئے۔ اُس کی روٹیاں پکوائیں۔ اور بہت سے جانور ذبح کر کے اس کا قورمہ تیار کیا اور روٹیوں کو اس میں توڑ کر انہوں نے اپنی قوم کی دعوت کی۔ ہاشم پہلے شخص تھے جنہوں نے قریش کے لئے سال میں دو سفر جاڑے اور گرمی.....“

یہاں طبری کے مترجم نے مضمون کو ادھورا چھوڑ کر دوسرا عنوان شروع کر دیا ہے۔ (طبری ترجمہ جلد اول صفحہ 35)

(5) حضرات قصی و ہاشم سلیمان ندوی کے بیان میں۔

ندوی صاحب نے حقائق کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں فرضی باتیں بھی حقائق میں سمونے اور قریش کی تائید کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال ان کے قلم سے چند خالص صحیح جملے لکھے جاتے ہیں سنئے:

”جب قصی و ہاشم پیدا ہوئے تو انہوں نے قریش کے کاروان تجارت کو منظم کیا۔ اہل حبش یمن پر قابض ہو گئے تھے۔ شام بہت پہلے سے رومیوں کے ہاتھ میں تھا۔ ہاشم نے نجاشی اور قیصر سے فرمان حاصل کئے کہ قریش کو ان ملکوں میں بے روک ٹوک آمد و رفت کی اجازت رہے، سال کی دو فصلیں مقرر کیں، جاڑ اور گرمی، جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام بلکہ ایشیائے کوچک تک قریشی سوداگر جاتے تھے، یہ تعجب انگیز امر ہے کہ ملک عرب میں جو عام بدامنی اور لوٹ مار جاری تھی، اس کے باوجود قریش کا کاروان تجارت بے خطر آیا جاتا تھا، حالانکہ اوپر گزر چکا ہے کہ بادشاہوں کا تجارتی مال بھی عام خطرے سے خالی نہیں رہتا تھا“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 124-125)

(6) جس قوم کو بعد میں اور آج تک قریش کہا جاتا رہا ہے وہ مختلف قبائل کے بدو تھے۔ وہ قصی سے پہلے کوئی قوم نہ تھی قصی نے انہیں مستقل ہستی بنایا تہذیب سکھائی۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی انتہائی کوشش کی ہے کہ ان کی کتابیں پڑھنے والے یہ محسوس کرنے لگیں کہ قریش واقعی ایک شخص کا لقب تھا اور یہ کہ وہ شخص حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ لیکن ایک حساس قاری یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ قریش پرست یا قریشی مذہب کے علماء حالات و واقعات بیان کرتے ہوئے، خواہ موقع ہو یا نہ ہو، لفظ قریش اپنی عبارتوں میں ٹھونستے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ لفظ قریش لکھنے سے پہلے انہیں چاہئے تھا کہ وہ یہ ثابت کر چکے ہوتے کہ قریش کیا ہے؟ کس شخص یا قوم کا نام ہے۔ اور کب سے اور کس نے یہ نام رکھا اور کیوں رکھا؟ حالانکہ یہ ثابت کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے جب کہ وہ خود لکھ چکے ہوں کہ:

1- ”قریش کی وجہ تسمیہ“ ابن الکلبی کہتا ہے کہ قریش کے معنی نسب کا دیوان ہیں۔ یہ نہ کوئی باپ ہے نہ ماں نہ مربی نہ مربیہ ہے۔“

(طبری ترجمہ جلد اول صفحہ 46)

2- ”قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظاہر ہوئے؟ اور اس خاص خاندان کی کب بنا پڑی؟ تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں۔“

(ارض القرآن جلد 2 صفحہ 101)

3- ”قصی کا جو زمانہ ہم نے متعین کیا ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ یعنی پانچویں صدی عیسوی کا عہد واسط۔ یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ قصی نے حدودِ شام میں تربیت پائی تھی، قریشی عرب اُس وقت تک بدوی تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصی نے تہذیب زندگی، نظم حکومت اور تاسیس قومیت کے اصول شام ہی کے ملک سے سیکھے اور جوانی کے بعد حجاز آ کر اسی اصول پر قریش کے منتشر اجزاء کو یکجا کیا“ (ایضاً صفحہ 104)

4- ”قریش کے خاندان میں قصی نام ایک دوسرا نامور پیدا ہوا جس نے قریش کی ایک مستقل ہستی پیدا کر دی“ (ایضاً صفحہ 103)

5- ”اصل یہ ہے کہ تمام تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ قریش کی سیاسی عظمت و جلال کا بانی قصی تھا، قصی سے پہلے قریش میں کسی قسم کا نظام قومی نہ تھا“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 100)

یہ پانچ بیانات ہیں جن کے بعد قریش کا بحیثیت قوم قبیلہ تذکرہ کرنا محض دیدہ دلیری رہ جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عہد رسول میں باعد رسول قریش کہلانے والے لوگ جو کچھ تھے وہ خانوادہ مرتضوی کی تخلیق اور ہین منت تھے اُن کا بال بال احسانات میں بندھا ہوا تھا۔ اس سے پہلے پانچ عنوانات سے ثابت ہو گیا کہ قریش کو زمین سے اٹھا کر آسمان شہرت و ترقی تک پہنچانے والے حضرات علیہم السلام بھی حضرت علیؑ کے بزرگ تھے اور خطبہ نمبر 33 کا ہر لفظ تصدیق ہو چکا ہے۔

(ب) دوسری حقیقت علیؑ اور خانوادہ مرتضوی کا نام نہاد قریش اور ساری کائنات پر حاکم و مطاع مطلق و مختار ہونا۔

اب ہم قرآن کریم سے یہ دکھاتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت علیؑ علیہ السلام تک اللہ کی عطا کردہ عظیم مملکت اور حکمرانی مسلسل چلی آرہی تھی اور سابقہ عنوانات میں جناب قصی و ہاشم و عبدالمطلب علیہم السلام وہ حکمران تھے جن تک یہ حکمرانی پہنچی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ تمام بادشاہان عالم اُن کے خطوط میں لکھے ہوئے احکام کی من و عن تعمیل کرتے تھے۔ چنانچہ ساری دنیا اور تمام اقوام کے خلاف جو لوگ حضرت علیؑ اور اُن کے بزرگوں کی حکومت اور حکمرانی پر حسد کرتے تھے وہ وہی قریش کہلانے والی قوم تھی اور دن رات جس طرح خانوادہ مرتضوی میں مخلوط ہو جانے میں کوشاں رہتی چلی آئی تھی اسی طرح خاندان مرتضوی کی حکومت میں حصہ دار بننے میں (آل عمران 154 تا 152/3) یا حکومت پر قبضہ کر لینے میں کوشاں رہتے چلے آئے تھے۔ اور نہ چاہتے تھے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی حکومت حضرت علیؑ کو ملے قرآن کریم سے پوری تفصیل ملاحظہ کیجئے ارشاد ہے:

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا
فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥-٥٤/٤﴾ (نساء)

”جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے عطیات دیئے ہیں کیا اُن پر یہ مخصوص لوگ حسد کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے؟ یہی کچھ نہیں بلکہ اللہ نے تو آل ابراہیم کو ایک مکمل کتاب اور مکمل حکمت بھی عطا کی ہے اور ہم نے تو انہیں ایک عظیم ترین و عظیم الشان مملکت بھی دے رکھی ہے اور انہیں اُس پر حکمران بنا رکھا ہے۔ چنانچہ حاسدوں میں سے بعض تو حسد کی بنا پر اُس حکمرانی کو روکنے میں مصروف ہیں اور بعض لوگ ایمان لا کر حسد پر کاربند ہیں۔ اور راہیں روکنے والے بھی اور باقی حسد کرنے والے بھی ایمان لا کر اپنی کامیابی کی راہیں نکال رہے ہیں۔ چنانچہ

تمام راہیں روکنے والوں اور حسد کرنے والوں اور حسد کے ساتھ ایمان لانے والوں کے لئے بھڑکتا ہوا جہنم کافی ہے، (نساء 55-54/4)

ان دونوں آیات میں محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کوجبس طرح کتاب و حکمت دیا جا چکنا مانا گیا ہے۔ اسی طرح آیت کے الفاظ کا تقاضا ہے کہ آل ابراہیم علیہم السلام کو تقریباً تین ہزار سال سے ملی ہوئی حکومت مانی جائے لفظ ”اتینہم“ کے معنی ”ہم اُن کو دے چکے ہیں“ یا ”ہم نے اُن کو دے دی ہے“ تمام شیعہ سنی علمائے ”مستقبل میں حکومت کا دیا جانا“ کئے ہیں جو قرآن کے الفاظ اور لب و لہجے کے خلاف ہے۔ لہذا تمام مسلمان علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُس عظیم الشان مملکت کی نشاندہی کریں جو سورہ نساء کے نزول (3 یا 4ھ) کے وقت رسول اللہ کو حاصل تھی۔ اور ساری دنیا جانتی ہے کہ 4 ہجری تک تو آنحضرتؐ کو سارے مدینہ پر بھی حکمرانی حاصل نہ تھی۔ اور علامہ مودودی تو دنیا کی تمام اقوام پر اقتدار کی بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(1) مودودی نے ساری دنیا پر اقتدار، عالمی راہنمائی اور قیادت اقوام عالم مانا ہے۔

”۸۶“ ملک عظیم“ سے مراد دنیا کی امامت و راہنمائی اور اقوام عالم پر قائدانہ اقتدار ہے جو کتاب اللہ کا علم پانے اور اس علم و حکمت کے

مطابق عمل کرنے سے لازماً حاصل ہوتا ہے۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 361)

مسلمانوں کی قریشی تاریخ تو بتاتی ہے کہ ساری دنیا کی اقوام کی امامت و راہنمائی اور اُن پر قائدانہ اقتدار کسی بھی زمانہ میں نہ رسول اللہ کو ملنا نہ مسلمانوں کو یہ مقام حاصل ہوا ہے۔ (آج تک) اور یہ ہو نہیں سکتا کہ قرآن میں اللہ کا کوئی بیان غلط نکل جائے۔

(2) حضرت اسماعیل اور حضرت نابت کے ہاتھوں قائم ہونے والی عظیم الشان حکومت خلیفہ دوم کے زمانے تک موجود رہتی آئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ دوم عمر کے زمانہ تک، تقریباً تین ہزار سال سے اس زمین پر مسلسل حکومت کرتی چلی آرہی تھی۔ یہاں ارض القرآن سے اس بزرگ ترین نسل کے چند آخری بادشاہوں کا ذکر کرنے کے بعد ہم اُن حضرات علیہم السلام کی خداداد حکومت پر متوجہ کریں گے۔

اول۔ حضورؐ کی پیدائش سے ستر (70) سال پہلے کا بادشاہ جبلہ تھا۔ جو حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد سے ایک بہادر شخص تھا۔

سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

”آل غسان کی تاریخ تمام تریان و روم کی تاریخ کا خلاصہ ہے، اور اس تعلق سے غسان ہمیشہ حیرہ کے بادشاہوں سے لڑتے رہتے تھے، ایرانیوں کے مقابلہ میں رومیوں کو اگر کبھی کامیابی ہوئی تو وہ ہمیشہ غسانیوں کی امداد کا نتیجہ تھا۔ اور خود رومی بھی شکرگزاری کے ساتھ اس نتیجہ کا احساس کرتے تھے، رومیوں کی تاریخ میں سب سے پہلے جبلہ کا نام آتا ہے۔ 497ء کی ملکی بغاوت میں اُس نے رومیوں کی بڑی مدد کی تھی، جبلہ کے بعد حارث بن جبلہ رومیوں کی نظر میں عرب کا سب سے بڑا ہیرو ہے، یہ نہایت مہیب، شجاع اور پُر دل بادشاہ 528ء میں حیرہ کی اور 531ء میں رومیوں کے ساتھ ایرانیوں کی لڑائی میں اُس نے نہایت ناموری حاصل کی 563ء میں قیصر روم کی ملاقات کے لئے قسطنطنیہ گیا، اسی کی وساطت سے کندہ کا شہزادہ اور عربی کا مشہور شاعر امرء القیس قیصر تک پہنچا تھا، حارث نے 569ء میں وفات پائی، (یعنی دو سال بعد 571ء میں حضورؐ پیدا ہوئے تھے۔ احسن) حارث کے بعد منذر تخت نشین ہوا، بہادری اور رومیوں کی اعانت میں یہ بھی اپنے پیشروؤں سے کم ثابت نہ ہوا، 580ء میں قسطنطنیہ گیا، رومیوں نے اس کے سر پر تاج رکھا، حارث کے بعد اور بھی ایک دو

بادشاہ رومیوں کی تاریخ میں مذکور ہیں۔ لیکن انہوں نے کوئی بڑی ناموری حاصل نہیں کی.... قرآن مجید کی یہ پیشگوئی، جو سورہ روم میں ہے، اسی موقع کے متعلق ہے، رومی اپنی شہنشاہی کا تمام مشرقی حصہ کھو چکے تھے، آرمینیا، شام، مصر، ایشیائے کوچک، ہر جگہ صلیبی علم کے بجائے درفش کا دیانی لہر رہا تھا، ایرانی قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑے تھے، ہرقل (ہرکلیوس) قیصر روم، قسطنطنیہ سے فرار کا سامان کر چکا تھا۔ کہ مکہ کا پیغمبر نبوت کی پُر جلال آواز میں مترنم ہوا:

أَلَمْ يَغْلِبِ الرُّومُ فِي آذَانِي الْأَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۚ فِي بَضْعِ سِنِينٍ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلِ وَمِنْ بَعْدِ وَيَوْمَئِذٍ يَقْرَأُ الْمُؤْمِنُونَ ۚ بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۚ وَعَدَّ اللَّهُ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعَدَّهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۚ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ۚ (سورہ روم 7-30/1)

ہمارا ترجمہ۔ اس لئے کہ نہ سلیمان نے تمام متعلقہ آیات لکھیں اور نہ ترجمہ میں اثر انگیزی باقی رہنے دی۔

”آ۔ ل۔ م۔ م (آل محمد)۔ ملک روم کی حکومت مغلوب ہوگئی ہے۔ وہ عرب سے قریبی سرزمین تک مغلوب ہوئی ہے۔ لیکن اس ہزیمت کے بعد دشمن پر غالب آجائے گی۔ اس غلبہ میں اُسے صرف چند سال لگیں گے اور حکمرانی تو اس سے پہلے بھی اللہ ہی کی رہی ہے اور اس کے بعد بھی حکم اُسی کا چلتا رہے گا۔ مگر حکومت روم کی فتح کے روز مومنین جشن مسرت منائیں گے اور اللہ کی نصرت پر خوشیاں منائی جائیں گی اللہ جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہی ہر حال میں غالب رہنے والا رحیم ہے۔ اللہ روم کی فتح کا وعدہ کر چکا ہے اور وہ کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ مگر لوگوں کی کثرت روم کی فتح جیسی غائبانہ صورت حال کا علم نہیں رکھتی۔ وہ تو دنیا کی زندگی کے بھی صرف ظاہری پہلوؤں کا علم رکھتے ہیں۔ اور وہ آخرت کے متعلق صرف غفلت میں مبتلا ہیں، اور انجام پر مطلع نہیں ہیں“ (سلیمان مسلسل لکھتے ہیں کہ)

دفعۃً ہوا کا رخ بدل گیا، 616ء تک رومیوں نے ایک ایک کر کے اپنا ملک واپس لے لیا، غسانوں نے سنجالی لیا، حارث بن ابی شمر ایک پُر ذور شخص غسانوں میں بادشاہ ہوا، لیکن اب خود اسلام کا نیر تاباں شعاع اُگلن تھا، 7ھ (629ء) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان عالم کے نام اسلام کی دعوت بھیجی، وجیہ کلبی ہرقل کے اور شجاع بن وہب اسدی جبلہ غسانی کے دربار میں پہنچے، لیکن بد بختوں نے نہ صرف یہ سعادت قبول نہ کی بلکہ بعض دعاۃ اسلام کو تکلیف دی یا قتل کر ڈالا، اور گزشتہ فتوحات سے بدست ہو کر اب خود مدینہ پر حملہ کی تیاری کرنے لگے“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 82-83)

اگلے صفحے پر باقی بکواس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ:

”14ھ (636ء) میں جو فاروق اعظم کا دور خلافت تھا، مسلمانوں نے شام پر مسلسل حملے شروع کئے غسانی شہزادہ جبلہ بن ابیہم مطیعانہ اسلام لایا اور نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مدینہ آیا، حضرت عمر نے اُس کی بڑی عزت کی، اتفاق سے حج کا موسم پیش آیا، طواف میں اُس کی چادر کا گوشہ ایک بدوی عرب کے پاؤں کے نیچے دب گیا، تو مسلم شہزادے نے غصہ سے اس کو ایک طمانچہ مارا، بدوی نے حضرت عمر سے فریاد کی، حضرت عمر نے فرمایا تم کو اس کا قصاص دینا ہوگا، شہزادے نے کہا کہ کیا ایک عامی شخص کے مقابلہ میں بادشاہ کی کوئی عزت نہیں ہے؟ عمر نے کہا ہاں اس بارگاہ میں شاہ و گدرا کی کوئی تمیز نہیں ہے، جبلہ نے ایک شب کی مہلت طلب کی، رات کو چھپ کر شام چل دیا اور وہاں سے عیسائی بن کر قسطنطنیہ چلا گیا، لیکن اب وہ نادم تھا، اور جب تک جیتا رہا نہ امت کے آنسو بہاتا رہا“ (ایضاً صفحہ 84)

(3) شہنشاہان مملکت عظیمہ کے متعلق چند وضاحتیں اور قریشی سازش کے ماتحت سلیمان ندوی کی معاندانہ تحریروں کی نقاب کشائی۔

قریشی سازش اور مکاریوں کو جہاں جہاں موقع ملا وہاں انہوں نے اور ان کے ہم مذہب یا تنخواہ دار علمائے حقائق کو تبدیل کرنے میں کبھی کمی نہیں کی ہے۔ اور واقعات و حالات سے جاہل رکھی ہوئی اپنی رعایا یا ہم مسلک عوام کے سامنے حقائق کو الٹ کر رکھنے میں پورے تدبیر و تدبیر و حکمت عملی سے کام لیا ہے۔ اس طویل بیان میں یہ تدبیر و تدبیر اور مکاری ہر اس شخص پر ظاہر ہے جو اس حکمت عملی پر مطلع ہے جو قریش نے اختیار کر رکھی تھی۔ یہ بیان کسی بیان کی نقل نہیں ہے۔ بلکہ خود سید صاحب نے اُسے مرتب کیا اور لکھا ہے۔ یہ بیان مانتا ہے کہ اس میں شہنشاہ روم کی بات ہو رہی ہے۔ مگر لکھا اس انداز سے گیا ہے کہ جہاں لفظ بادشاہ یا شہنشاہ زیادہ اثر انداز ہو وہاں نہ لکھا جائے اور جہاں کم سے کم اثر ہو وہاں بطور حقیقت قبول کر کے لکھ دیا جائے۔ مثلاً لکھا ہے کہ:

1- ”غسان ہمیشہ حیرہ کے بادشاہوں سے لڑتے رہے، ہونا یہ چاہئے تھا کہ:

”بادشاہ غسان ہمیشہ حیرہ کے بادشاہوں سے لڑتے رہے“

یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ بادشاہان غسان حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں (ارض القرآن) اور وہ اپنے پچا زاد بھائیوں کی یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کی حکومتوں کے طرفدار اور مشرک حکومتوں سے برسر پیکار رہتے تھے۔ یعنی ایرانی حکومتیں اور ان کی طرف دار عرب کی مشرک حکومتیں دین خداوندی کی پہلے سے دشمن چلی آ رہی تھیں۔ اور یہ بھی سمجھ لیں کہ ندوی نے جبکہ بادشاہ کا عیسائی ہونا لکھا ہے۔ اگر وہ پہلے سے عیسائی ہوتا تو عیسائی ہو جانے کی ضرورت ہی نہ تھی اُسے مرتد لکھا جانا چاہئے تھا۔ یاد رہے قریشی حکومتوں نے کوشش کر کے حضرت نابتؑ کی خاندان کو بدنام کیا ہے۔ وہ سب عمر کے زمانہ تک دین ابراہیمی پر عامل تھے۔ رومیوں کی طرفداری کی وجہ سے اُن پر عیسائی ہونے کی تہمت لگائی گئی ہے۔ پھر ندوی کے طرز تحریر کو دیکھئے وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رومیوں کو ایرانیوں یعنی مشرکوں کے مقابلہ میں جو بھی کامیابی ہوتی تھی وہ۔

2- ”ہمیشہ غسانوں کی امداد کا نتیجہ تھی۔“ یہ نہ لکھا کہ: ”وہ ہمیشہ بادشاہان غسان کی امداد کا نتیجہ ہوتی تھی“ اور

3- ”رومیوں کی تاریخ میں سب سے پہلے جبکہ کا نام آتا ہے۔“ لکھنا یہ چاہئے تھا کہ:

”رومیوں کی تاریخ میں سب سے پہلے جبکہ کا نام آتا ہے“

قارئین ندوی ہی کا نہیں بلکہ کسی بھی قریشی عالم کا بیان پڑھیں اب آپ کو ان ملائین کے الفاظ سے عداوت و کینہ چکنا نظر آئے گا۔ یہ نمونہ ہے اپنے مخالف کے متعلق اثر انگیزی اور حقیقت پوشی کا۔ یہ خبیث لکھتا ہے کہ:

4- ”رومیوں نے اس کے سر پر تاج رکھا“ حالانکہ بات یہ تھی کہ:

”منذر بادشاہ غسان کو رومی شہنشاہ قیصر روم نے بلایا اور باقاعدہ اُسے بادشاہ تسلیم کر کے اس کی تاج پوشی کی تھی“

قارئین نوٹ کریں کہ شہنشاہ روم حضرت نابتؑ کی اولاد میں ہونے والے ہر بادشاہ کی اپنے دربار میں تاج پوشی کر کے اُن کی حکومت کو تسلیم کرتا تھا۔ اور یہی سبب ہے حضرت ہاشمؑ اور ان کے خاندان کے اماموں کے سادہ سے خط کی اُسی طرح تعمیل و اطاعت کی جاتی تھی جس طرح شہنشاہ اعظم کے احکام و فرمانات کی تعمیل کی جاتی ہے۔

(4) شہنشاہان دین و دنیا یعنی بزرگواران محمد و علیؑ سے باقاعدہ تعارف اور وہ حقائق جو قریش نے بکھیر کے بے اثر کر دیئے ہیں۔

قارئین نے قرآن کریم سے آل ابراہیم علیہم السلام کو ایک عظیم الشان سلطنت و مملکت و حکمرانی کا دیا جا چکنا دیکھا (ساء 55-54/4) اور یہ بھی دیکھا کہ خلیفہ دوم کے عہد تک حکومت نسل ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و نابت علیہم السلام میں چلی آرہی تھی اور ان کے ساتھ ہی ساتھ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کی قائم کردہ حکومت رومۃ اکبریٰ کی صورت میں موجود تھی جسے ایک ایک شہنشاہ یعنی بادشاہوں کا بادشاہ اور اُس وقت شہنشاہ قیصر روم چلاتا تھا۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی دونوں شاخوں میں حکومت و حکمرانی جاری تھی۔ اور ان دونوں کا اتفاق و اتحاد قریشی تاریخ سے بھی ثابت ہے۔ اور خود قرآن کریم نے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ: (سورہ روم)

اول۔ نسل اسماعیلیٰ یعنی نابتی خاندان میں اور نسل اسحاقؑ کے خاندان میں حد بھر ہم آہنگی و محبت تھی دونوں اللہ و قرآن کے معیار پر مومنین تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے رنج و مسرت میں برابر کے شریک تھے۔

دوم۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن میں سلطنت روم کے غلبہ کی پیش گوئی فرما کر اُدھر اپنی نبوت کا منہ بولتا نبوت فراہم کر دیا اُدھر قرآن کی ایک سورت کا نام سورہ روم رکھ کر دونوں خاندانوں کی نبوتوں اور حکومتوں اور حق پرستی کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ اور برسوں پہلے یہ بتا دیا کہ ان پر ایمان لانے والی نئی امت بنی اسرائیل کے ساتھ محبت و احسان کا سلوک کرے گی اور ان کی مسرت و ترقی میں کوشاں ہوگی ان کے دشمنوں سے برسر اصلاح رہ کر دشمنی کو دوستی میں تبدیل کرے گی۔ لیکن قریشی مسلمانوں کو اور ان کی نسل اور ان کے ہم وطنوں کو یہ بات پسند نہ آئی وہ ہمیشہ جس طرح رسول اور آل رسول کے دشمن رہے اُسی طرح یہود و نصاریٰ اور ان کی حکومتوں کے بھی دشمن رہے اور آج تک دونوں کے دشمن رہتے چلے آئے ہیں۔ اور دشمنی کے جائز ہونے کا دن رات اس طرح پروپیگنڈا کیا ہے کہ خود اولاد رسول کی کثرت اور علمائے شیعہ بھی یہود و نصاریٰ کو اپنا دشمن سمجھتے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک باپ ابراہیمؑ کے دو بیٹوں کی چچا زاد اولاد ہیں۔ جن میں فطری اور مذہبی طور پر محبت رہنا لازم تھی اور لازم ہے۔ لیکن ہم میں اور ان میں مسلسل محبت و دوستی و تعاون کا رہتے چلا آنا تاریخی حقیقت ہے اور ہم آج ان سے زیادہ نہ کسی کو اپنا دوست و ہمدرد مددگار سمجھتے ہیں نہ کوئی اور حقیقی دوست و ہمدرد مددگار ہے۔

(5) قرآن سے پہلے توریت میں اُس عظیم ترین اور مستقل حکومت (ملکاً عظیماً) کی بار بار اور طرح طرح سے پیشگوئی اور وعدہ کیا گیا تھا۔

اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ہمیشہ امامت و حکومت قائم رہنے کا وعدہ فرمایا تھا:

اول۔ عہد عمومی۔

هَآءَا اَجْعَلْ عَهْدِيْ مَعَكَ وَتَكُوْنُ اَبَا جُمَّهٖوْرٍ اُمَّمٍ. وَلَا يَكُوْنُ اَسْمُكَ اِبْرٰهِيْمَ لٰنِيْ جَعَلْتُكَ اَبَا جُمَّهٖوْرٍ اُمَّمٍ وَّسَانِمِيْكَ جِدًّا جِدًّا وَّاجْعَلُكَ اِمَمًا وَّمَلُوْكَ مِّنْكَ يَخْرُجُوْنَ وَاُقِيْمُ عَهْدِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ وَبَيْنَ نَسْلِكَ مِنْ بَعْدِكَ مَدِيْ اَجِيَالِهِمْ عَهْدَ الدَّهْرِ لَا كُوْنُ لَكَ الْهَآؤُ نَسْلِكَ مِنْ بَعْدِكَ. (سفر تکوین 17/47) کتاب المقدس۔ بیروت۔

”یہ دیکھو کہ میرا عہد تیرے ساتھ رہے گا اور تو بہت سی امتوں کا باپ ہوگا۔ اور آئندہ تیرا نام ابراہیم نہیں بلکہ ابراہیمؑ ہوگا۔ یہ اس لئے کہ میں نے تجھے بہت سی امتوں کا باپ مقرر کر دیا ہے۔ اور میں تجھے بہت پھلنے پھولنے اور برومند ہونے کا موقع دوں گا۔ اور تو میں تیری نسل سے

ہوں گی اور تیری اولاد خاص سے بادشاہ ہوں گے۔ اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان اپنا ابدی عہد برقرار رکھوں گا۔ تاکہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا عملاً خدار ہتا چلا جاؤں‘

یہ ہے وہ عمومی عہد جس کی رُو سے نسل ابراہیمی میں اُمتوں اور بادشاہوں کا سلسلہ جاری رہنا لازم رہا ہے اور جو آج تک ثابت اور قیامت تک برقرار ہے۔

دوم۔ حضرت سارہ کی اولاد میں حکومتیں۔

وَقَالَ اللَّهُ لَا بَرَاهِيمَ سَارَىٰ امْرَأَتِكَ لَا تُسَمِّيَنَّهَا سَارَىٰ بَلْ سَمِّيَّهَا سَارَةَ. وَآنَا أَبَا رِ كَهَا وَأَعْطَيْكَ مِنْهَا ابْنًا وَأَبَا رِ كَهَا وَتَكُونُ أُمَّامًا مُلُوكُ شُعُوبٍ مِنْهَا يَكُونُونَ. (ایضاً 16-17/15 تکوین)

”اور اللہ نے ابراہیم سے کہا کہ سارائی جو تیری بیوی ہے اب تم اُسے سارہ کہا کرو سارائی نہ کہا کرنا اور میں اسے برکتیں دینے والا ہوں اور اس سے بھی تجھے ایک فرزند عطا کروں گا۔ اور اس سلسلے میں بھی برکت دوں گا اور اُس کی اولاد میں بھی اُمتیں ہوں گی اور بادشاہوں کے گردہ اُس سے ہوں گے۔“

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہر نئی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے اسی اصول پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن تمام اُمتوں کا باپ فرمایا گیا ہے۔ جو اُن کی اولاد کے انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی اُمتیں قیامت تک ہونا ہیں۔ اُن اُمتوں کو نسل ابراہیم یا اولادِ آل ابراہیم نہ سمجھنا چاہئے۔ اس بات کو اللہ نے اگلی فصل میں واضح کر دیا ہے۔

فَقَالَ الرَّبُّ أَأَكْتُمُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ مَا أَنَا صَانِعُهُ وَإِبْرَاهِيمُ سَيَكُونُ أُمَّةً كَبِيرَةً مُّقْتَدِرَةً يَنْبَارِكُ بِهِ جَمِيعُ أُمَّمِ الْأَرْضِ. وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ سَيُوصِي بِنَبِيِّهِ وَأَهْلَهُ مِنْ بَعْدِهِ بَأَن يَحْفَظُوا طَرِيقَ الرَّبِّ لِيَعْمَلُوا بِالْبِرِّ وَالْعَدْلِ حَتَّى يُنْجِزَ الرَّبُّ لِإِبْرَاهِيمَ مَا وَعَدَهُ بِهِ. (ایضاً 19 تا 17/18)

”اللہ نے کہا کہ کیا میں وہ سب کچھ ابراہیم سے چھپالوں جو میں اُس کے ساتھ کرنے والا ہوں۔ اور ابراہیم تو خود ایک بہت بڑی اور صاحب اقتدار اُمت بننے والا ہے۔ جس سے دنیا کی تمام اُمتوں کو برکت ملنا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ ابراہیم اپنی اولاد کو اور اپنے تمام اہل کو اپنے بعد کے لئے عنقریب یہ وصیت کرے گا کہ پروردگار کے طریقوں کی حفاظت کرتے رہنا۔ اور نیکیوں اور عدل و انصاف پر کاربند رہنا تاکہ اللہ اُن تمام وعدوں کو پورا کرے جو اُس نے ابراہیم سے کئے ہوئے ہیں“

سوم۔ حضرت ابراہیم کی اولاد میں حکومت کا تیسرا سلسلہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسماعیل اور حضرت یعقوب کی اولاد دنیا میں مشہور ہے اور اُن دونوں خاندانوں کی حکومتوں کا حال بھی لوگوں کو معلوم ہے لیکن حکومتوں کا ایک تیسرا سلسلہ اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہے۔ اور جو شروع ہوا تھا حضرت اسحاق کے دوسرے بیٹے جن کا نام عیسویا اڈوم تھا۔ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آگئے تھے۔ اور حضرت اسماعیل نے اپنی بیٹی جناب محلہ سے اُن کی شادی کر دی تھی اور وہ اور اُن کی اولاد ہمیشہ حضرت اسماعیل کے ساتھ اور حضرت اسماعیل کی اولاد کے ساتھ ساتھ رہے۔ مکہ اور مدینہ میں جو حقیقی عیسائی یا یہودی تھے وہ حضرت عیسو علیہ السلام ہی کی اولاد تھے۔

حضرت عیسو بن اسحاق کے متعلق توریت کے بیانات۔

رَأَى عَيْسُوَانَ بَنَاتٍ كُنَعَانَ شَرِيرَاتٍ فِي عَيْنَيِ اسْحَاقَ اَبِيهِ فَمَضَى عَيْسُوَ اِلَى اِسْمَاعِيْلَ فَتَزَوَّجَ مَحَلَّةَ بِنْتِ اِسْمَاعِيْلَ بِنِ اِبْرَاهِيْمَ اُخْتِ نَبَايُوتَ لِتَكُوْنَ لَهُ زَوْجَةً مَعَ نِسَائِهِ۔ (اليسا 9-18/8 تکوین)

”جب عیسو نے پچشم خود دیکھ اور سمجھ لیا کہ کنعان کی عورتیں شریرو شریک ہیں اور حضرت اسحاق کا کہنا بھی یہی تھا تو عیسو کنعان سے اسماعیل کے پاس چلے گئے جہاں انہوں نے اسماعیل کی بیٹی اور نابت کی بہن محله سے شادی کر لی تاکہ وہ بھی ان کی دوسری ازواج کے ساتھ رہے۔“

حضرت عیسو کا مع اپنی اولاد و ازواج و مال و اسباب اور مویشیوں کے مستقلاً حضرت اسماعیل کے پاس آ بسنا۔

وَ اَخَذَ عَيْسُوُ نِسَاءً وَ بَنِيَهُ وَ بَنَاتِهِ وَ كُلَّ نَفْسٍ فِي بَيْتِهِ وَ مَا شِئْتَهُ وَ كُلَّ بَهَائِمِهِ وَ سَائِرَ مَقْتَنَاتِهِ الَّتِي افْتَنَى فِي اَرْضِ كُنَعَانَ وَ اَنْتَقَلَ اِلَى اَرْضِ اُخْرَى مِنْ وَجْهِ يَعْقُوبَ اَخِيهِ وَ اَقَامَ عَيْسُوُ بِجَبَلِ سَعِيرٍ وَ عَيْسُوُ هُوَ اَدُوْمُ۔ (تکوین 8 تا 36/6)

”عیسو اپنی بیویوں، بیٹوں اور بیٹیوں اور نوکروں کو مع اپنے مویشیوں اور مال و سامان کو لے کر کوہ شعیر کے علاقہ میں آ گیا۔ اور ہر وہ چیز ساتھ لے آیا جو اُس نے کنعان میں فراہم کی تھی اس طرح اپنے بھائی یعقوب سے جدا ہو کر مستقلاً اپنے چچا اسماعیل کے علاقہ میں آباد ہو گیا حضرت عیسو ہی کو اڈوم کہا گیا ہے۔“

حضرت عیسو کے بیٹے اور پوتے جنہوں نے حضرت نابت اور ان کی اولاد کے ماتحت حکومتیں قائم رکھی تھیں۔

بہت ممکن ہے کہ ہمارے قارئین کرام کو توریت کے یہ بیانات دلچسپ معلوم نہ ہو رہے ہوں۔ لیکن انہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قریشی علماء نے مسلمانوں کو سابقہ کتبہائے خداوندی سے دُور رکھ کر مسلمانوں کو ہزاروں بنیادی حقائق سے بے بہرہ اور جاہل رکھا ہے اور اس طرح امت مسلمہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی تفصیل سے بھی محروم رکھا ہے تاکہ خانوادہ محمدؐ و علیؑ کی تین ہزار سالہ تاریخی عظمت کو مسلمانوں کی نظر سے غائب کیا جاسکے۔ لیکن ہمارا فریضہ ہے کہ دنیا کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عظیم الشان خاندان کو معتبر ترین سند یعنی توریت سے پیش کریں اس لئے کہ اسی خاندان کی عظمت و عزت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی عظمت و عزت منحصر ہے۔ اس کے بعد ہم تاریخ ارض القرآن سے اس کی تصدیقات سامنے لائیں گے چنانچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کی دوسری شاخ حضرت عیسو یا اڈوم کو ملاحظہ کریں۔ اور نوٹ کریں کہ حضرت عیسو کی تین بیویاں تھیں ایک کا نام عادہ تھا جو ایلون لُحی کی بیٹی تھیں۔ دوسری کا نام اہلیبامہ تھا جو حوی صعون کی نواسی تھیں اور تیسری زوجہ جناب نبایوت کی بہن اور حضرت اسماعیل کی بیٹی تھیں جن کا نام محله اور لقب بسمة تھا۔ ان تینوں خواتین سے حضرت عیسو کے یہاں اولادیں ہوئیں اور انہوں نے اڈومی کو یعنی حضرت عیسو کی قائم کردہ حکومت کو برابر قائم اور ترقی پذیر رکھا تھا۔ ان کے نام دیکھئے:

هٰذِهِ اَسْمَاءُ بَنِي عَيْسُوَ الْيَفَازُ ابْنُ عَادَةَ اَمْرَاةِ عَيْسُوَ وَ رَعُوْبِيْلُ ابْنُ بَسْمَةَ (مَحَلَّة) اَمْرَاةِ. وَ بَنُو الْيَفَازِ تَيْمَانُ وَ اَوْمَارُ وَ صَفْوُ وَ جَعْنَامُ وَ قِنَارُ۔ وَ كَانَتْ تَمْنَعُ سُرِيَّةً لَا لِيَفَازَ بِنِ عَيْسُوَ فَوَلَدَتْ لَا لِيَفَازَ عَمَالِيْقَ۔ هُوَ لَاءِ بَنُو عَادَةَ اَمْرَاةِ عَيْسُوَ۔ وَ هُوَ لَاءِ بَنُو رَعُوْبِيْلَ۔ وَ نَحْتُ وَ زَارْحُ وَ شَمَّةُ وَ مِرَّةُ هُوَ لَاءِ بَنُو بَسْمَةَ (مَحَلَّة) اَمْرَاةِ عَيْسُوَ۔ وَ هُوَ لَاءِ بَنُو اَهْلِيْبَامَةَ بِنْتِ عَانَةَ بِنْتِ صِبْعُوْنَ اَمْرَاةِ عَيْسُوَ۔ وَ لَدَتْ لِعَيْسُوَ يَعْوُشَ وَ يَعْلاَمَ وَ قُوْرَحَ۔ (تکوین 14 تا 10/36)

”عیسو کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ الیفر جو عیسو کی زوجہ عدہ کا بیٹا تھا۔ اور رعویک جو بسملہ یعنی محلہ کا بیٹا تھا۔ پھر الیفر کے بیٹے تیمان اور اومر اور صنور اور جعتام اور قنز تھے اور مسماہ تمناع عیسو کے بیٹے کی حرم تھیں اس سے عمالیت پیدا ہوا تھا۔ رعویک کے بیٹے یہ تھے۔ نحت، زارح، سمہ۔ اور مرہ۔ اور اہلبیامہ سے جو عاندہ کی بیٹی اور صجون کی نواسی اور عیسو کی بیوی تھیں، یعوش اور یعلام اور قورح“

اس کے بعد توریت نے دوبارہ ان ہی حضرات کے نام لکھتے ہوئے ہر ایک کے ساتھ لفظ ”الزعیم“ یعنی دعویداران حکومت لکھا ہے اور تمام تفصیلات کے بعد کہا ہے کہ:

وَهُلْوَآءِ الْمَلُوكِ الَّذِينَ مَلَكُوا فِي أَرْضِ آدُومَ قَبْلَ أَنْ يَمْلِكَ مَلِكٌ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ. وَمَلِكٌ فِي آدُومَ بَالَعُ ابْنُ بَعُورَ وَ اسْمُ مَدِينَتِهِ دُنْهَابَةُ - وَمَاتَ بَالَعٌ فَمَلَكَ بَعْدَهُ يُوْبَابُ بْنُ زَارِحَ مِنْ بَصْرَةَ وَمَاتَ يُوْبَابُ فَمَلَكَ بَعْدَهُ حُوشَامُ مِنْ أَرْضِ التِّيمَانِيِّينَ - وَمَاتَ حُوشَامُ فَمَلَكَ بَعْدَهُ هَدْدُ بْنُ بَدَدَالِدِي كَسَرَ مَدِينَةَ فِي بِلَادِ مُوَابَ وَ اسْمُ مَدِينَتِهِ عَوِيْثُ - وَمَاتَ هَدْدُ فَمَلَكَ بَعْدَهُ سَمِلَةُ مِنْ مَسْرِيقَةَ. وَمَاتَ سَمِلَةُ فَمَلَكَ بَعْدَهُ شَاوُلُ مِنْ رَحْبَةِ النَّهْرِ. وَمَاتَ شَاوُلُ فَمَلَكَ بَعْدَهُ بَعْلُ حَنَّانُ بْنُ عَكْبُورَ - وَمَاتَ بَعْلُ حَنَّانُ بْنُ عَكْبُورَ فَمَلَكَ بَعْدَهُ هَدْرُ وَ اسْمُ مَدِينَتِهِ فَاغُو - وَ اسْمُ امْرَأَتِهِ مَهِيْطِيْبِيلَ بِنْتِ مَطْرِدَ بِنْتِ مِيْرَهَبَ. وَ هَذِهِ اَسْمَاءُ زُعْمَا عِيْسُو بَقْبَائِلِهِمْ وَ مَوَاضِعِهِمْ بِاَسْمَائِهِمْ الزَّعِيْمُ تَمْنَعُ وَ الزَّعِيْمُ عِلْوَةُ وَ الزَّعِيْمُ بِيْتُ - وَ الزَّعِيْمُ اِهْلِيْبَامَةُ وَ الزَّعِيْمُ اِهْلَةُ وَ الزَّعِيْمُ فِينُونَ - وَ الزَّعِيْمُ فَنَازُ وَ الزَّعِيْمُ تِيْمَانُ وَ الزَّعِيْمُ مِبْصَارُ وَ الزَّعِيْمُ مَجْدِيْبِيْلَ وَ الزَّعِيْمُ عَيْرَامُ - هُوْلَآءِ زُعْمَاءُ آدُومَ فِي مَسَاكِيْنِهِمْ فِي أَرْضِ مَلِكِهِمْ وَ هَذَا هُوَ عِيْسُو أَبُو الْآدُومِيِّينَ - (ايضاً 43 تا 31/36 تلوین)

”عیسو کے خاندان سے یہی وہ بادشاہ ہیں کہ جن سے پہلے بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص بادشاہ نہ ہوا تھا۔ بالع بن باعور آدم میں بادشاہ تھا۔ اور اُس کے پایہ تخت کا نام دنہابہ تھا۔ جب بالع مر گیا تو اس کے بعد یوباب بن زارح بادشاہ ہوا جو بصرہ ہی سے تھا۔ پھر یوباب بن زارح مر تو اس کے بعد حوشام بادشاہ ہوا جو تیمانیوں ہی میں سے تھا۔ حوشام کے انتقال کے بعد ہدد بن ہدد بادشاہ ہوا۔ جس نے مواب کے میدان میں مدیانیوں کو شکست دی تھی۔ اور اس کے پایہ تخت کا نام عویت تھا۔ ہدد کے مرنے پر سملہ بادشاہ ہوا جو سریقہ سے تھا۔ سملہ کے انتقال پر شاؤل بادشاہ ہوا جو رحبہ کا رہنے والا تھا۔ شاؤل کے بعد بعل حنان اس کی جگہ بادشاہ ہوا۔ بعل حنان بن عکبور کے بعد حدر اس کا باپ جانشین بادشاہ ہوا اس کی بیوی کا نام مہیطب ایل اور اُس کے پایہ تخت کا نام فاعوتھا۔ مہیطب مطرد کی بیٹی اور میضاہاب کی نواسی تھی۔ چنانچہ عیسو کے حکمرانوں کے نام اُن کے خاندانوں اور مقامات کے ناموں کے ساتھ یوں ہیں۔ رئیس تمناع، رئیس علوہ، رئیس بیئت، رئیس اہلبیامہ۔ رئیس ایلہ، رئیس فینون، رئیس قنز، رئیس تیمان، رئیس مبصار، رئیس مجرایل، رئیس عرام، اُدوم کے رئیس یہی ہیں۔ جن کے نام اُن کے مقبوضہ ملک میں اُن کے مسکن کے مطابق دیئے گئے ہیں۔ یہ حال اُدومیوں کے باپ عیسو کا ہے“

چہارم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں حکومت کا چوتھا سلسلہ۔

یہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جن خاندانوں اور افراد کا تذکرہ توریت سے کیا گیا ہے وہ حضرت سارہ علیہا السلام سے پیدا ہوئے تھے۔ اب اُن کی تیسری زوجہ حضرت قطورہ سے پیدا ہونے والی اولاد بھی دیکھ لیں۔ اور نوٹ کر لیں کہ یہ سلسلہ بھی حکومت و ریاست کا حامل رہا ہے۔ سنئے:

وَعَادَ اِبْرَاهِيْمُ فَاخَذَ زَوْجَةً اَسْمَهَا قَطُوْرَةٌ - فَوَلَدَتْ زَمْرَانَ وَيُقَشَانَ وَمَدَانَ وَمَدِيْنَ وَبَشْبَاقَ وَشَوْحًا - وَوَلَدَ يُقَشَانَ شَبَا وَدَدَانَ وَبَنُو دَدَانَ اَشُوْرِيْمٌ وَطُوْشِيْمٌ وَكُوْمِيْمٌ وَبَنُو مَدِيْنَ عَيْفَةٌ وَعَفْرٌ وَحَنُوْكٌ وَابْيَدْعُ وَالْكَدَاعَةُ. كُلُّ هٰؤُلَاءِ بَنُو قَطُوْرَةَ - (تکوین 4 تا 25/1)

”پھر ابراہیم نے ایک اور شادی کی اس زوجہ کا نام قطورہ تھا۔ اور اُس سے زمران اور یقشان اور مدان اور مدیان اور اشباق اور شوح پیدا ہوئے اور یقشان سے سب اور ددان پیدا ہوئے۔ اور ددان کی اولاد میں اشوری اور طوسی اور لومی تھے۔ اور مدیان کے بیٹے عیفاہ اور عفر اور حنوک اور ابیداع اور الدواع تھے۔ یہ سب بنی قطورہ تھے“

حضرت ابراہیم کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کی اولاد کے نام بھی تو ریت سے۔

ہم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں کے نام سابقہ عنوانات میں لکھ چکے ہیں۔ لیکن چاہتے ہیں کہ اُن کے اسماء گرامی کا ریکارڈ بھی تو ریت کے الفاظ میں جمع کر دیا جائے لہذا دیکھئے:

وَهِذِهِ مَوَالِيْدُ اِسْمَاعِيْلَ ابْنِ اِبْرَاهِيْمَ الَّذِي وَوَلَدَتْهُ هَاجِرَةُ الْمِصْرِيَّةُ - هٰذِهِ اَسْمَاءُ بَنِي اِسْمَاعِيْلَ بِحَسَبِ اَسْمَائِهِمْ وَ مَوَالِيْدِهِمْ - نَبَايُوْثُ بَكْرُ اِسْمَاعِيْلَ وَقِيْدَارُ وَاَدْبِيْلُ وَ مِسَامُ وَ مِسْمَاعُ وَ دُوْمَةُ وَ مَسَاوَحْدَارُ وَ تَيْمًا وَ يَطُوْرُ وَ نَافِيْشُ وَ قَدِمَةُ - هٰؤُلَاءِ بَنُو اِسْمَاعِيْلَ وَ هٰذِهِ اَسْمَاءُ وَ هُمْ بِحَسَبِ اَحْوَابِهِمْ وَ حَطَاثِرِهِمْ اَثْنَا عَشَرَ زَعِيْمًا لِقَبَائِلِهِمْ. وَ هٰذِهِ سِنُو حَيَاةِ اِسْمَاعِيْلَ مِثَّةُ سِنَةٍ وَ سَبْعٌ وَ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَوَفَّى وَ اَنْصَمَ اِلَى قَوْمِهِ وَ كَانَتْ مَسَاكِنِهِمْ مِنْ حَوِيْلَةَ - اِلَى شُوْرَ النَّبِيِّ تَجَاهَ مِصْرَ وَ اَنْتِ اَتِ نَحْوِ اَشُوْرَ قُبَالَةَ - جَمِيْعُ اَحْوَابِهِ نَزَلَ - (18 تا 25/12)

”یہ نسب نامہ ابراہیم کے بیٹے اسماعیل کا ہے جو ابراہیم کی زوجہ ہاجرہ مصریہ سے پیدا ہوا۔ اور اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ یہ نام ترتیب دار اُن کی پیدائش کے مطابق ہیں۔ اسماعیل کا پہلا ٹائبا یوت تھا۔ پھر قیدار اور ادبیل اور مہسام اور مہشام اور دوومہ اور مساوحدار و تیمان و یطور و نافیش و قدامہ۔ ہؤلاء بنو اسماعیل و ہذہ اسماء و ہم بحسب احوَابہم و حطَاثِرہم اثْنَا عَشَرَ زَعِيْمًا لِقَبَائِلہم۔ و ہذہ سِنُو حَيَاةِ اِسْمَاعِيْلَ مِثَّةُ سِنَةٍ وَ سَبْعٌ وَ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَوَفَّى وَ اَنْصَمَ اِلَى قَوْمِهِ وَ كَانَتْ مَسَاكِنِهِمْ مِنْ حَوِيْلَةَ - اِلَى شُوْرَ النَّبِيِّ تَجَاهَ مِصْرَ وَ اَنْتِ اَتِ نَحْوِ اَشُوْرَ قُبَالَةَ - جَمِيْعُ اَحْوَابِهِ نَزَلَ - (18 تا 25/12)

(6) حضرت ابراہیم کے خاندان کو ریگستان کے ذروں اور آسمان کے تاروں سے زیادہ وسعت دینے کے وعدے قریش نے چھپا کر رکھ دیئے۔

اللہ نے جو وعدے تو ریت میں فرمائے تھے وہ قارئین کے سامنے سے گزر چکے ہیں اور خاندان ابراہیم کی چاروں شاخوں کی تفصیل بھی دیکھی جا چکی۔ اب سوال یہ ہے کہ قریش خود کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے منسوب کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ ہر ممکن مکر وحیلہ اور فریب کرتے رہے۔ جو لے شجرے گھڑتے رہے۔ مگر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کی یہ تفصیلات کیوں نہ لکھیں۔ جو تو ریت میں برابر لکھی ہوئی چلی آرہی ہیں؟ ظاہر ہے کہ اگر وہ ان تفصیلات کو لکھتے تو انہیں ماننا پڑتا کہ اللہ نے تین ہزار سال پہلے سے حضرت ابراہیم کے خاندان میں ایک عظیم الشان حکومت برقرار رکھی ہوئی تھی اور یہ بھی ماننا پڑتا کہ حضرت ابراہیم کے بعد اُس عظیم الشان مملکت کے عظیم الشان

بادشاہ بھی برابر گزرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ مانتے ہی انہیں ماننا پڑتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آخری جانشین حضرت ابوطالب علیہ السلام تھے لہذا اُس عظیم الشان حکومت (نساء: 55-54/4) کے بادشاہ و حکمران حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی تھے۔ لیکن قریش سب کچھ مان سکتے تھے مگر جو حقیقت اُن کے لئے تباہ کن اور ناقابل قبول تھی وہ یہی تھی کہ حضرت علی علیہ السلام حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے جدی، پشتینی، موروثی اور قانونی اور وعدہ خداوندی کے مطابق وارث و جانشین، بادشاہ حکمران اور امام عصر و الزمان تھے۔ اور اس استحقاق میں نبوت محمدیہ کا اور خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی دخل نہ تھا۔ محمدؐ کو نبوت ملی ہوتی یا نہ ملی ہوتی حضرت علیؑ بہر حال مسلگاً عظیمًا کے بادشاہ تھے۔ اور اگر نبوت اور نبوت کی تائید میں جنگیں نہ ہوئی ہوتیں اور حضرت علیؑ نے سیکڑوں سردارانِ قریش کو قتل نہ کیا ہوتا تو قریش اور سارے عرب حکومت مرتضویٰ کو اسی طرح خوشی قبول کرتا جیسے ابوطالبؑ و عبدالمطلبؑ و ہاشم علیہم السلام کی حکومتوں کو قبول کرتے چلے آ رہے تھے۔ اور یوں حضرت علیؑ علیہ السلام کو اپنا مالک و مطاع و مختار ماننے میں انہیں کوئی تکلف نہ ہوتا۔ لیکن نبوت نے بیچ میں آ کر قریش کو مخالفت کی راہیں سوچنے اور خود اپنی حکومت قائم کرنے کی فکر میں لگا دیا اور حضرت علیؑ علیہ السلام کا فطری و خاندانی اور توریت والا استحقاق معرضِ خطر میں پڑ گیا اور جس کو دینے کا اللہ نے قرآن میں بھی دوہرا تقاضا کیا ہے وَ اِنَّ ذَا الْقُرْبٰی حَقُّہٗ۔ (بنی اسرائیل: 17/26، روم: 30/38) ”اے رسولؐ اُس شخص کو اُس کا متعینہ و معلومہ حق دے دو جو مملکتِ عظیمہ کے قرابت داروں کا ذمہ دار ہے۔ سورہ روم تو ہے ہی مملکتِ عظیمہ کے شہنشاہوں کی شان میں اس سورہ میں اس حکم کا صرف یہ مطلب ہے کہ اُس کی حکومت کا اعلان کر دو۔

(ج) دوسری حقیقت یعنی علیؑ کا قریش پر مطاع ہونا اور حق مالکیت رکھنا دوسرے انداز میں ارض القرآن کی تصدیقات کے ساتھ۔

مملکتِ عظیمہ جس خاندان کو دی جانا تھی وہ توریت کی تشریحات سے آپ کے سامنے ہے اُسے ذہن میں رکھئے اور جہاں بھول جائیں وہاں توریت سے لکھے ہوئے بیانات سے مدد لے لیں تاکہ ارض القرآن کا بیان واضح ہو جائے۔ یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ سلیمان ندوی نے اس کتاب، ارض القرآن کی دوسری جلد کے اولین چھیا نوے (96) صفحات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پیدا ہونے والے خاندانوں کا تذکرہ لکھا ہے۔ مگر لکھا اس طرح ہے کہ قریشی پالیسیاں مجروح نہ ہونے پائیں۔

(1) اولادِ ابراہیمؑ میں سے وہ خاندان جن کا ملک عرب سے خصوصی تعلق رہا ہے۔

ارض القرآن جلد دوم کی ابتدا یوں کی گئی ہے کہ:

”حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں، سارہ، ہاجرہ اور قطورا، سارہ کے بیٹے اسحاق تھے ان کے دو بیٹے تھے۔ حضرت یعقوبؑ جو بنی اسرائیل کے باپ تھے۔ اور عیسو جن کا لقب اڈوم تھا، اس سلسلے میں سے اڈوم اپنے بھائی یعقوبؑ سے الگ ہو کر اپنے چچا اسماعیلؑ کے پاس عرب میں متوطن ہوئے، بقیہ سلسلے مصر و شام ہی میں رہے۔ قطورا کے لطن کی تمام اولادوں کو، جن میں ایک کا نام مدین تھا۔ عرب ہی میں اُن کے باپ حضرت ابراہیمؑ نے اُن کو بسایا تھا، اُن میں سے بنو مدین اور ددان کے سوا اوروں کا حال نہیں معلوم، ہاجرہ کے بطن سے صرف ایک بیٹا ہوا، حضرت اسماعیلؑ، انہوں نے بھی عرب ہی میں اپنے باپ کے حکم سے سکونت کی، ارض القرآن کا یہ حصہ صرف اُن ہی خاندانوں کی تفصیل پر محدود ہے اور اُن میں سے بھی اُن خاندانوں کا ذکر مفصل ہے جن کا نام قرآن مجید میں کسی حیثیت سے مذکور ہے۔ (یعنی)

1۔ بنو قطورا میں سے اہل مدین اور اہل ددان (اصحاب الایکہ)

2- بنو سارہ میں سے اُدوم (یعنی حضرت ایوبؑ اور اُن کی قوم)

3- بنو ہاجرہ میں سے حضرت اسماعیلؑ اور انباط (اصحاب الحجر) قیدار اور قریش، (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 2,1)

(2) سلیمان ندوی ابتدا ہی میں قریش کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت نابتؑ اور اُن کی اولاد کا اور قیدار کا ذکر کرنا کافی تھا۔ اس لئے کہ علامہ صاحب صدیوں کے بعد قریش کو قیدار ہی کی اولاد میں لکھیں گے۔ اس کے باوجود قریش کا الگ سے لکھنا بتاتا ہے کہ سلیمان صاحب حضرت اسماعیلؑ اور انباط کا جس قدر بھی تذکرہ کریں گے وہ بطور تمہید ہوگا تاکہ قریش پر کتاب کی تان توڑی جاسکے۔ یعنی اصل مقصد قریش کو سامنے لانا ہے۔ نہ کہ اسماعیلؑ اور انباط کو۔

یہ بات بھی یہیں نوٹ کر لیں کہ علامہ نے اہل مدین کے لئے بریکٹ میں ”اصحاب الایکہ“ اور انباط کے لئے ”اصحاب الحجر“ لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ اہل مدین کے معنی اصحاب الایکہ ہیں اور نہ انباط کا مطلب اصحاب الحجر ہے۔ اور نہ قرآن میں یہ تعین موجود ہے کہ اہل مدین اصحاب الایکہ یا انباط اصحاب الحجر ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ ندوی صاحب اپنے قیاسات کی بنا پر اُن کو اصحاب الایکہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور ان کو اصحاب الحجر سمجھے بیٹھے ہیں۔ اور وقت آنے پر دونوں کے لئے قرآن کی آیات فٹ کر دیں گے۔ اور یہ بھی قریشی پالیسی کی تائید میں کریں گے۔ تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل کے بڑے اور شان دار حصے کو جہنمی قرار دے سکیں اور قریش کو کھینچ تان کر اسماعیلی بنا کر اچھی نسل بنا سکیں۔

(3) ارض القرآن کے بیانات میں خاندان ابراہیمیؑ کی قدامت و قدرت اور حکومت کی تصدیقات کا اختصار۔

اختصار اور حقائق کے حصول کے لئے ہم ارض القرآن پر سے گزریں گے اور ہر وہ بات نوٹ کرتے چلیں گے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندانوں کی عظمت ظاہر کرتی ہو۔ چنانچہ علامہ صاحب سب سے پہلے حضرت قطورؑ کی اولاد میں مدین کا ذکر کرتے ہوئے اُن کی قدامت 2100 قبل مسیح سے مانتے ہیں۔ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 3-4) جو قافلہ حضرت یوسفؑ کو مصر لایا تھا اُسے مدیانی مانتے ہیں (صفحہ 4) حضرت موسیٰؑ اور اُن کی قوم کا مصر سے نکل کر مدین کے ملک میں آنا اور وہاں ایک مدیانی عالم کا حضرت موسیٰؑ کو عدل و انصاف اور نظام قومی پر تعلیم دینا اور مدیانیوں کا متمدن و مہذب و منظم قوم ہونا حضرت موسیٰؑ کا اس قوم کے نبی شعیبؑ کی بکریاں چرانا وغیرہ (4-6/5) مدیانی سلاطین اور اُن کی سلطنت و حکومت کا اقرار تو ریت کے حوالوں سے (صفحہ 7) نو (9) بادشاہوں کے نام لکھے ہیں۔ (صفحہ 6-7) مدین کو دنیا کی سب سے پہلی تاجروم بھی مانا ہے۔ (صفحہ 13)

(4) حضرت عیسیٰؑ یعنی اُدوم کے خاندانوں کی باتیں۔

1700 قبل مسیح سے پہلے اُدومیوں کی عظیم الشان حکومت کا وجود مانا اور ادومی بادشاہوں کے نام لکھے ہیں (صفحہ 29-30)

(5) حضرت نابتؑ اور مبطیوں کے وجود عظمت و حکومت پر کیا کہا؟

حضرت نابت علیہ السلام اور اُن کے خاندان مبطیوں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ ہم اُن کی عظمت و حکومت کے سلسلے میں ندوی کے چند حوالے اور جملے سن و عن لکھتے ہیں۔

اول۔ نبطیوں کا ملک و علاقہ۔

حضرت موسیٰ کے عہد میں (تقریباً 1500 ق م میں) بنو اسماعیل تمام حجاز میں یمن (حویلہ) سے شام (اشور) تک پھیل گئے تھے، حضرت موسیٰ کے بعد قضاة بنی اسرائیل کے زمانے میں (تقریباً 1300 ق م) وہ عمالیق اور اہل مدین کے پہلو بہ پہلو سپاہیانہ جوہر کے ساتھ بنی اسرائیل پر چھاپہ مارتے ہوئے نظر آتے ہیں“ (صفحہ 50)

”2۔ ملک بحرا حمر (حجاز) سے نہر فرات (عراق) تک اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضے میں ہے۔ جن کے سبب سے اُس کا نام نباطیہ پڑ گیا ہے“ (صفحہ 56)

”3۔ انباط کا رقبہ حکومت“

انباط کی حکومت کے حدود اولاً وہ قطعہ ملک تھا جس کو یونانی عرب سنگستان (عربیا پٹرا) کہتے ہیں، اور عبرانی ادوم اور سعیر (سراة) یعنی خلیج عقبہ سے بحر میت تک ڈائیڈورس (80 ق م) بیان کرتا ہے کہ ”انباط خلیج ایلہ (عقبہ) پر رہتے ہیں اسٹرابو 24ء ایک ضمنی تذکرہ میں کہتا ہے کہ اہل اُدوم انباط ہیں، لیکن اُدوم سے آگے بڑھ کر اب وہ عرب آبادان پر بھی قابض ہو گئے تھے..... (نتیجہ یہ لکھا کہ۔ احسن) ان شہادتوں سے ظاہر ہوگا کہ انباط کا ملک مغرب میں بحرا حمر اور مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھا، اور اس کے درمیان کے تمام ممالک یعنی عرب سنگستان و عرب ریگستان و بعض قطعہ عرب آبادان پر قابض تھے، لیکن اس طویل و عریض ملک میں انباط کی اصل آبادی خلیج عقبہ (ایلہ) کے اطراف میں تھی ڈائیڈورس کا بیان ہے۔

”اوپر گزرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) میں داخل ہو گے جس کے حدود پر ان عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں جن کو لوگ نبط کہتے ہیں، یہ لوگ نہ صرف سواحل کے بڑے حصے پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیل گئے ہیں، کیونکہ زمین آباد اور نہایت سرسبز ہے،“ (مسلل لکھا ہے کہ) تخصیص کے ساتھ ملک انباط کے دس (۱۰) شہروں کے نام یوسیفوس میں مذکور ہیں، لیکن یونانی تلفظ نے عربی رنگ و روغن اُن کے چہروں سے بالکل اُتار دیا ہے، وہ شہر یہ ہیں، میدابہ، بنا لو، لیبیس۔ ثرابہ، غالہ۔ اٹون۔ صور، اورول، مریسہ، روہ، لوسہ، عربوہ، ان کے علاوہ رقیم (پٹرا) اور حمر مشہور شہر تھے۔ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 59 تا 61)

دوم۔ نبطیوں کی حکومت۔

”اسی زمانہ میں جب رومی شام پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، تو نبطی عربوں سے اُن کی مدد بھیڑ ہوتی ہے، اور شام و عرب کے حدود پر اُن کی ایک عظیم الشان حکومت نظر آتی ہے، اہل عرب بھی اُن نبطیوں سے واقف تھے، اسی لفظ ”نبط“ کی جمع عربی میں انباط ہے“ (ایضاً صفحہ 56)

سوم۔ انباط کا دار الحکومت۔

”انباط کا ملک جن حدود پر مشتمل تھا وہ درحقیقت تین قدیم ممالک کا مجموعہ تھا، 1۔ ملک شمود (وادی القری) جس کا دار الحکومت حجر تھا، 2۔ ملک مدین جس کا پایہ تخت خود شہر مدین تھا۔ 3۔ اور ملک ادوم جس کی حکومت کا مرکزی شہر رقیم (پٹرا) تھا جہاں اُن کے آثار اب تک باقی ہیں“۔ (ایضاً صفحہ 61)

2- ”اسٹریٹو (24ء) جوڈائیٹ وروس کی طرح انباط کا معاصر تھا، اُن کے متعلق دلچسپ واقعات بیان کرتا ہے۔

”شہر پٹرا رقیم جمعہ قوانین رکھتا ہے، اس پر شاہی خاندان میں سے ہمیشہ ایک بادشاہ حکومت کرتا ہے۔ وزیر اُس بادشاہ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کو ”بھائی“ کہہ کر پکارتے ہیں۔ انباط کفایت شعارانہ ذخیرہ ملکیت کے شائق ہیں۔ جماعت اُن پر جرمانہ کرتی ہے۔ جو اپنی دولت ضائع کرتے ہیں۔ اور جو اپنی دولت بڑھاتا ہے اُس کو انعام دیتی ہے۔ انباط کے پاس غلام کم ہیں۔ اکثر اُن کی خدمت اُن کے متعلقین کرتے ہیں۔ یا ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنا نوکر آپ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ بادشاہوں تک میں جاری ہے۔ جو جمہور کی رضامندی کے اس قدر آرزو مند ہیں کہ وہ اپنی رعایا کی خدمت کرتے ہیں۔ بادشاہ کو انتظام ملکی کے متعلق بیانات لوگوں کو دینے ہوتے ہیں اور وہ اکثر اپنے بادشاہ کے ذاتی حالات و عادات بھی دریافت کرتے رہتے ہیں“ (ایضاً صفحہ 64-65)

چہارم۔ نبطی بادشاہوں اور عوام نے گلہ پانی چھوڑ کر شاہانہ طرز حیات کیوں اختیار کیا؟ ایک بہادرانہ نظارہ شہنشاہان عالم کی گردنیں جھکتا۔ ایک آخری حوالہ اور دیکھیں:

”انٹی گولس نے اپنے ایک سردار تھیناؤس کی سرکردگی میں (نبطی حکومت کے خلاف۔ احسن) ایک مہم روانہ کی جس نے گوبے خبری میں (نبطی دارالخلافہ۔ احسن) رقیم (پٹرا) کو برباد کر دیا لیکن اس کا ایک سپاہی بھی بطنیوں کے ہاتھ سے بچ کر واپس نہ آیا، ناچار انٹی گولس نے خود اپنے بیٹے ڈیمیٹر یوس کے زیر قیادت ایک دوسری جمعیت روانہ کی، بے سروسامان نبطی عرب میدان میں مقابلہ نہ کر سکے قلعہ بند ہو گئے یونانیوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس قید سے تنگ آ کر ایک دن ایک نبطی عرب نے ڈیمیٹر یوس کو ان الفاظ میں مخاطب کیا:

”اے بادشاہ ڈیمیٹر یوس تم کس غرض سے اور کس کے حکم سے مجھ سے لڑتے ہو؟ ہم صحرا میں رہتے ہیں، جہاں نہ پانی ہے نہ غلہ ہے، نہ شراب ہے نہ اور کوئی ضرورت کی چیز ہے، ہم نے صرف اپنی آزادی کی خاطر اس صحرا کی سکونت اختیار کی ہے اور تمام آسائش کی چیزیں دوسروں کے لئے چھوڑ دی ہیں اور ہم نے اس حیوانی زندگی پر قناعت کی ہے، تمہیں ہم نے ستایا نہیں، تم ہمیں کیوں ستاتے ہو؟ ہمیں اپنا دوست سمجھو، ورنہ یاد رکھو کہ تم اس طرح یہاں زیادہ دن تک نہیں ٹھہر سکتے، تم کو پانی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہوگی اور تم ہم کو اپنے طرز زندگی کے بدلے پر مجبور نہیں کر سکتے، اگر تم نے قلعہ پر قبضہ بھی پالیا، تو تڑپتی ہوئی لاشوں اور چند غمزدہ قیدیوں کے سوا، جو کبھی دوسروں کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے، تم کچھ نہیں پاؤ گے“۔

ڈیمیٹر یوس اس گفتگو سے بے حد متاثر ہوا، اور صلح قبول کر لی، اس اچانک حملہ نے اُن نبطی عربوں کو ایک منتظم سیاسی جمعیت کے قالب میں بدل جانے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ اس انقلاب نے اس بدوی قوم کو وہ اہمیت بخشی کہ یونانِ عظمیٰ، رومۃ الکبریٰ اور خاندان اسرائیل کی گردنیں بھی اُس کے آگے کبھی کبھی جھکتی تھیں (ایضاً صفحہ 67-68)

(6) مملکتِ عظیمہ (ساء 4/54) کی جھلک پھر نظر آگئی اب اس کی مخالف قوم قریش کا اس کے وجود سے انماض اور کفر (4/55) بھی ارض

القرآن سے دیکھ لیں۔

یہ تھی حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد میں چلی آنے والی وہ حکومت جس کے آخری بادشاہ جہلہ بن ابیہم کا عمر کے زمانہ تک موجود ہونا پہلے دکھایا جا چکا ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ قریشی قوم کا معاندانہ رویہ پھر سامنے لائیں اور دکھائیں کہ اُن کی حکومتوں کے اشارے سے اُن کے

علمائے مؤرخین و محدثین و مفسرین اور خود خلفائے کس طرح اُس عظیم الشان قوم و خاندان اور عظیم المرتبہ حکومت کو منظر عام پر آنے سے روکا اور کیا کیا مکر و فریب و پروپیگنڈا جاری رکھا؟ اور کس طرح اللہ نے قریش پرست علما کو مجبور کر کے اُن کی نقاب کشائی کی؟ چنانچہ جناب سلیمان ندوی صاحب ایک مستقل عنوان قائم کر کے عربوں کی حالت بیان کرتے ہیں دیکھئے:

”انباط اور روایات عرب“

مورخین عرب فرزدان ناپیوط یا انباط سے زیادہ واقف نہیں ہیں، وہ صرف انباط کے نام اور اُن کے مسکن تخمینہ سے البتہ واقف ہیں، اُن کا نام کبھی نبط اور کبھی آرمی بتاتے ہیں اور اُن کا مسکن شام و عراق ظاہر کرتے ہیں، ابن خلدون نے لکھا ہے کہ:

اول ملک للعرب بالشام فیما علمناہ للعمالقة ثم لنبی ارم بن سام و یعرفون بالارمانین۔ (جلد 2 صفحہ 278)

”جہاں تک ہم کو معلوم ہے عربوں کی پہلی حکومت شام میں عمالقه کی تھی پھر ارم بن سام کی جو ارمانی کے نام سے مشہور ہیں“

اس عبارت کے ساتھ حمزہ اصفہانی کی عبارت کو ضم کرو:

الارمانیون نبط الشام و الارددونیون نبط العراق۔

”ارمانی شام کے نبطیوں کا نام ہے اور اردونی عراق کے نبطیوں کا نام ہے“

انباط نے چونکہ ایک متمدن و غیر بدوی زندگی اختیار کر لی تھی اس لئے عربوں کے محاورے میں:

اما النبط فکل من لم یکن راعیا او جنديا عند العرب من ساکنی الارضین۔

”نبط عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے جو کہ چرواہا یا سپاہی نہ ہو“

اہل عرب نہیں بلکہ قریش کی ایک مکارانہ چال کا اثر۔

اہل عرب عموماً نبط کو تو مآواً و اصلاً غیر عرب سمجھتے ہیں، اُن کے نزدیک عرب و عجم جس طرح دو متقابل نام ہیں اُسی طرح نبطی و عربی کو بھی باہم متقابل سمجھتے

ہیں، اس کا سبب صرف معاشرت، طرز زندگی اور زبان کا اختلاف ہے، ورنہ درحقیقت نبط بھی اسماعیلی عرب ہیں۔ (ارض القرآن صفحہ 57)

اس بیان سے قریش کی وہ چال آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ جس سے اُنہوں نے حضرت نابط (نابت) علیہ السلام کو خاندان اسماعیل سے کاٹ کر

عجمی اور غیر قوم بنا دیا۔ اور عربوں کی شناخت یہ رکھ دی کہ جو کوئی بدو اور لڑاکا نہ ہو وہ نہ عرب کا باشندہ ہے اور نہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان

سے ہے۔ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد شہر بابل کی مہذب ترین و متمدن ترین زندگی کے راہنما تھے۔ نمرود کے

دربار کے اعلیٰ ترین فرد تھے اور دنیا میں کوئی شخص حتیٰ کہ خود نمرود بھی اُن سے زیادہ علم و ادب و تہذیب و تمدن کو نہ جانتا تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ

السلام کی تربیت و تعلیم جس معیار پر ہوئی تھی وہ اس قابل تھا کہ بادشاہ مصر اپنی بیٹی باجرہ کو بطور کنیز پیش کرتا ہے۔ اور اپنی خوش نصیبی اور عزت میں

اضافہ سمجھتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام شاہی خاندان کے فرد اور شاہی تہذیب کے پروردہ تھے۔ اور تہذیب و تمدن و اخلاق و آداب کئی درجہ

بڑھ کر جناب نابت اور اُن کی نسل میں ودیعت تھا۔ اُن سے یہ اُمید رکھنا کہ وہ بدو اور چرواہے اور جنگلی عادات کے حامل لوگ ہوں گے نہایت

احتمقانہ اور غیر فطری اُمید ہے۔ یہ اُمید تو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے بھی غلط ہے اور اُن کی اولاد نسل سے بھی باطل ہے۔ اس لئے کہ وہ

ہرگز خالص عرب نہ تھے۔ اسی بنا پر خود عربوں نے اُن کو ”عرب مستعربہ“ بناوٹی یا بنے ہوئے عرب کہا ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی کا بیان سنیں لکھا ہے:

عرب کے اقوام و قبائل۔

”مورخین عرب نے اقوام و قبائل عرب کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے:

- 1- عرب باندہ، یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔
- 2- عرب عارہ، بنو قحطان جو عرب باندہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا۔
- 3- عرب مستعربہ بنو اسماعیل یعنی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی، (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 107)

لغات سے استعرب اور مستعربہ کے معنی۔

تعرب و استعرب۔

(1) To adopt the customs of Arab. (2) To become a naturalized Arab.

(1) عربوں کے رسم و رواج کو اختیار کر لینا۔ (2) فطری طور پر عرب بن جانا۔

عرب، متعربہ و مستعربہ۔

(1) People of Foreign or mixed descent naturalized.

(1) بیرون جات کے لوگ یا مخلوط و ملی جلی نسلوں کے لوگ یا فطری طور سے عربوں میں گھل مل جانے والے لوگ۔

اس صورت حال کو سمجھ لینے کے بعد یہ یقین ہو جانا چاہئے کہ حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و نابت علیہم السلام گوارہ تہذیب و تمدن و ناز و نعم اور حکومت و عظمت کی گود میں پلنے والے حضرات تھے۔ جن پر اللہ کی جانب سے بھی مسلسل نعمتوں اور احسانات کی بارشیں ہوتی رہتی تھیں جن کے دروازے پر ملائکہ حاضر ہوتے تھے۔ اُن سے قریش کا یا کسی اور خبیث کا کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ ایک برگزیدہ، سنوڈہ اور مصطفیٰ نسل تھی۔ جہاں ہمیشہ شہنشاہان عالم کے سر جھکتے رہے۔

ارض القرآن کا دوسرا بیان جس میں ایک خبیث ترین و حرام در حرام سے پیدا ہونے والی نسل کے خبیث ترین شخص کی طرف ذمہ داری و نمائندگی کی گئی ہے۔ ندوی صاحب بطنیوں کے متعلق قریشی پالیسی اور مورخین کی ناہنجاریاں لکھتے ہوئے مسلسل کہتے ہیں کہ:

”لیکن چونکہ انہوں نے عموماً حدود عرب اور حدود عرب سے باہر غیر قوموں میں اپنا مسکن بنایا اس لئے وہ اپنا نسب محفوظ نہ رکھ سکے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں: تعلموا النسب ولا تكونوا كنبط السواد اذا سئل احدہم عن اصلہ قال من قریۃ کذا۔ (عقد

الفرید جلد 3 صفحہ 37) ”نسب نامہ سیکھو عراق کے نبط کی طرح نہ بن جاؤ کہ جب اُن میں سے کسی سے پوچھا جائے کہ تم کس خاندان سے

ہو؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ہم فلاں شہر کے ہیں“ (جلد نمبر 2 صفحہ 57)

یہ تھے عمر بن خطاب جو سورہ نساء کی حرام فہرست (4/23) کا نچوڑ یا مجسم ذخیرہ تھے۔ جنہوں نے اُس شجرے اور نسب پر مثالی اعتراض کیا جس کی پاکیزگی اور تقدس پر آدم سے خاتم تک پوری امت کا اتفاق ہے۔ اور جسے مشکوک کرنے اور حرامی نسلوں کے برابر لانے میں قریش اور خلفائے قریش کو شام و ناکام رہے۔ علامہ سلیمان ندوی نے بار بار لکھا اور آپ نے پڑھا کہ نبطی و غسانی حکومتوں کا دار الخلافہ ”حجر“ میں رہا ہے اور یہ کہ بطنیوں کی آبادی وادی القرئی میں تھی۔ اس کے باوجود اس خبیث علامہ نے عمر کے لئے تمہیدی الفاظ لکھتے ہوئے لکھ مارا کہ:

”حدود عرب سے باہر غیر قوموں میں اپنا مسکن بنایا۔ اس لئے وہ اپنا نسب محفوظ نہ رکھ سکے“

یہ قریشی مذہب پر ہونے کا ثبوت ہے کہ بیانات ہمیشہ متضاد اور جھوٹے ہوں۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ حضرت اسماعیل و نابت علیہما السلام کی نسل بدوؤں، جنگلیوں اور ذلیل لوگوں کو اپنے ساتھ اور اپنے پڑوس میں رہنے کی اجازت نہ دیتی تھی اور اپنی بستیوں اور مخلوں کو خالص بنیویوں سے آباد رکھتی تھی اس لئے جب ان کی بستی کا نام لیا جاتا تھا تو سننے والا خود سمجھ جاتا تھا۔ کہ وہاں خالص نسل اسماعیل یا بنیوی رہتے ہیں۔

ارض القرآن کا تیسرا بیان مورخین اور قریشی سازش کی مزید نقاب کشائی۔

علامہ ندوی سرنی قائم کرتے ہیں کہ:

”انباط، بنیویوں و نابت کا ترادف“

”سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ انباط جن کی تاریخ کا مفصل تذکرہ یونانی و رومی مورخین نے کیا ہے۔ اور بنیویوں پر اسماعیل جن کا تو رات میں ذکر ہے اور نابت بن اسماعیل جن سے عربوں کو ہم نسبی کا دعویٰ ہے، کیا درحقیقت ان مختلف الفاظ سے ایک ہی مفہوم مراد ہے؟ ہمارا جواب اثبات میں ہے۔ اہل عرب انباط کو عربوں سے الگ ایک بیرونی قوم سمجھتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ایک مدت تک کے تبادلہ اور تفریق کا نتیجہ ہے۔ جن یونانی اور رومی مورخین نے انباط کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے صفاً ان کو عرب لکھا ہے۔ سب سے بڑی معتبر شہادت یہودی مورخ یوسفوس کی ہے۔ جو انباط کا معاصر اور نسل و وطن کے لحاظ سے بھی ان سے قریب تھا۔ اس لئے یقین ہے کہ ان کے متعلق اس کی شہادت پایہ اعتبار سے ساقط نہ ہوگی۔ وہ بصریح تمام لکھتا ہے کہ ”انباط اسماعیلی عرب از نسل بنیوی ہیں“ مورخین اسلام بھی اس رائے کے ساتھ ہیں۔ مؤرخ طبری نے لکھا ہے۔ و من نابت و قیدار نشر اللہ العرب۔ (جلد 1 صفحہ 352) ”عرب کو نابت اور قیدار کی نسل سے خدا نے پھیلا یا“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 58)

علامہ لکھتے چلے آ رہے ہیں کہ تمام عرب بنیویوں کو عجمی قوم سمجھتے تھے۔ اور غیر قوم سمجھنے کی وجوہات بھی لکھتے رہے ہیں۔ اور عربوں کے طاغوت کی زبانی اور خود اپنے قلم سے بنیویوں کو مخلوط النسل اور نسب سے بے بہرہ بھی لکھا ہے اس کے باوجود یہ بھی لکھ دیا کہ:

”اور نابت بن اسماعیل جن سے عربوں کو ہم نسبی کا دعویٰ ہے“

سوچئے کہ وہ کون سے عرب ہیں جن کو حضرت نابت کے ہم نسب ہونے کا دعویٰ تھا اور وہ کون سا صفحہ ہے جہاں تم نے اس دعوے کا ذکر وثبوت لکھا ہے۔ ندوی صاحب قریشی ریکارڈ کی مرمت بھی کرتے جاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قریشی کو حقیقت حال معلوم تھی لیکن وہ نابت اور بنیویوں کو لوگوں کے دماغ سے بھلانے کے لئے طرح طرح کا پروپیگنڈا کرتے اور لکھتے چلے گئے تاکہ بنیویوں کو دیئے جانے والی مملکت عظیمہ کو تسلیم نہ کرنا پڑے۔ طبری کا یہ قول بھی فراڈ اور ایجاڈ قریشی ہے کہ ”عرب کو نابت و قیدار کی نسل سے پھیلا یا گیا“ نابت کو تو عرب جانتے ہی نہ تھے یا چھپانا چاہتے تھے۔ رہ گیا قیدار کا نام تو اس کی نسل مدت دراز پہلے فنا ہو چکی تھی۔

ارض القرآن کا چوتھا بیان بنیویوں کو غیر عرب اور غیر قوم سمجھنے کا مزید قصہ۔

پھر علامہ لکھتے ہیں کہ:

”یا قوم حموی نے (لفظ عربہ کے تحت میں) ایک نئی بات لکھی ہے کہ: ”عرب ہر اس قوم کو بنیوی کہتے ہیں جو گلہ بان اور سپاہی نہ ہو“ دوسرے

الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو بھی غیر بدوی زندگی بسر کرتی ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ بظ نے عراق کے تاثر سے متمدن زندگی اختیار کر لی تھی اس لئے بادیہ نشینان عرب نے ہر غیر بدوی قوم کو بظ کا مرادف سمجھ لیا، (ایضاً صفحہ 58)

ان بیانات میں جو چیز صاف طور پر ابھری ہوئی ملتی ہے وہ قریش کا سازشی پروپیگنڈا اور فریب کارانہ ریکارڈ ہے۔ جس سے یہ اُمید کی گئی ہے کہ سیدھے سادے لوگ اُن کے مکارانہ عذرات کو حقیقت حال سمجھ کر مطمئن ہو جائیں گے۔ اور ہماری تصنیفات سے پہلے کے عوام و علما مطمئن رہتے چلے آئے ہیں۔ مگر ہم نے قریشی سازش کی تدریج و تدبیر و مکارانہ ترتیب کو اس طرح کھولا ہے اور بار بار دہرایا ہے کہ آئندہ سادہ دل سے سادہ دل شخص کو بھی فریب نہ دیا جاسکے گا۔ کمال یہ ہے کہ خود سلیمان ندوی متضاد بیانات لکھنے کے باوجود باطل پر قائم رہتے ہوئے مر گئے۔

ارض القرآن کا پانچواں بیان جس سے قیدار کی نسل والا ڈھونگ واضح ہوتا ہے اور قریش کی سازش کا بھانڈا چورا ہے پر پھونٹا ہے؟

مندرجہ ذیل بیان دیکھئے کہ اگر یہ بیان سچا ہو اور پھر بھی ندوی صاحب آنحضرت اور قریش کو قیدار کی نسل سے مانیں تو اُن کے مجنون ہونے میں شبہ نہیں رہ سکتا ہے۔ سنئے:

”حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اُن کا نسب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ”ہم گوئی (واقع عراق) کے بظ ہیں“

”اور یہ بالاتفاق معلوم ہے کہ وہ اسماعیلی قریشی عرب تھے، اس سے ثابت ہوگا کہ بظ اسماعیلی عرب ہیں جو عراق تک پھیلے تھے۔ نابت کی بقیہ اولادیں خود اندرون ملک میں بھی تھیں، اور متعدد وجوہ سے ہماری رائے یہ ہے کہ عرب شمالی کی وہ اکثر قومیں جو غلطی سے قحطانی کہلاتی ہیں وہ دراصل نابتی ہیں۔ من جملہ دیگر قبائل کے غسان اور اوس و خزرج کے متعلق تو تصریح ثابت ہے کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ نابتی ہیں“

(جلد 2 صفحہ 58-59)

چھٹا بیان قریش نے مدینہ کے انصار، اوس و خزرج کو بھی حضرت اسماعیلؑ اور آنحضرت کے خاندان سے خارج غیر قوم مشہور کر رکھا تھا۔

قریش نے خود کو اسماعیلی اور آنحضرت کے رشتہ دار بنانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی عزیزوں کو بھی غیر قوم مشہور کر دیا تھا۔ چنانچہ آج بھی ننانوے اعشاریہ ننانوے فیصد مسلمان یہ نہیں جانتے کہ مدینہ کے انصار آنحضرت کے قبیلے کے نبلی اور حضور کے اور حضور کے آباؤ اجداد کے رشتہ دار اور تہیال تھے۔ اور یہ کہ حضور مکہ کے اغیار اور بد نسل لوگوں میں سے نکل کر اپنے عزیز واقربا میں آئے تھے۔ قریش کے اس فراڈ کو ارض القرآن سے سنئے، ندوی صاحب نے عنوان قائم کیا ہے کہ:

”اوس و خزرج“

”نابت بن اسماعیل کی ایک اور شاخ“

”انصار“

”اوس و خزرج عرب کے دو مشہور قبیلوں کے نام ہیں، جو اسلام کے پہلے سے مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ اسلام آیا تو وہ اُس کے پُر زور دست و بازو تھے، اور انصار اُن کا خطاب تھا،

”اوس و خزرج کا نسب“

”عام طور پر اُن کو بھی قحطانی الاصل اور کہلان کے خاندان سے قرار دیا گیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے بھی صحت سے تہی مایہ ہے،

زبان، مذہب اور اخلاق قومی کے علاوہ روایات سے بھی اُن کے اسماعیلی ہونے پر مستحکم دلائل قائم ہیں۔ بخاری میں روایت ہے کہ ابو ہریرہ نے انصار کے ایک مجمع کو مخاطب کر کے حضرت ہاجرہؓ کا قصہ سنایا۔ آخر میں کہا کہ تلک امکم یا بنی ماء السماء ”اے پاک نسبویہ تھیں تمہاری ماں، محدثین کو (قریش کو۔ احسن) اس حدیث کی تاویل میں نہایت دقیق تھیں۔ لیکن آج جدید تحقیق نے تاویل و اشتباہ (اور قریشی سازش) کا پردہ چاک کر دیا، تمام علمائے انساب اس پر متفق ہیں کہ اوس و خزرج، غسان کے ہم نسب ہیں۔ اور خود اوس و خزرج کا بھی بجائے خود یہی دعویٰ ہے۔ اس بنا پر اگر ہمارے دلائل غسان کے نامتی الاصل ہونے پر صحیح ہیں تو وہی بعینہ اوس و خزرج کے نامتی ہونے پر بھی ثبوت ہیں“ اوس و خزرج کے اسماعیلی ہونے پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ قریش سے اُن کے رشتے ناتے تھے۔ ہر سال پابندی کے ساتھ وہ حج کو آتے تھے“ (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 85-86)

علامہ نے زبردستی قریش سے انصار کے رشتے ناتے لکھ دیئے ہیں اور جن سے رشتے ناتے تھے اُن کا یہاں ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن اوس و خزرج کے خاندانوں کی تفصیل میں لکھا ہے کہ: ”عمر بن خزرج۔ بنو نجار (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نانہالی لوگ)“ (ایضاً صفحہ 87) بہر حال علامہ نے بڑی تفصیل اور مضبوط دلائل سے اوس و خزرج کو حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد ثابت کیا ہے (نمبر 85 تا 96) ارض القرآن کا ساتواں بیان مملکتِ عظیمہ کے آخری بادشاہوں کا حضرت نابت کے خاندان سے ہونا تین ہزار سالہ حکومت۔

قریشی ماہرین ایک ہی نسل کے لوگوں کو القاب یا نام بدلنے پر دوسری نسل بنانے کا فریب بھی کرتے رہے ہیں۔ جس کی مثال، جرہمی نسل میں سے خزیمہ نام پڑ جانے پر دوسری نسل بنا دیا جانا پہلے گزر چکی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی نامتی نسل کے لوگوں کو دوسری نسل اس لئے بنا دیا گیا کہ نامتی لوگوں کا ایک خاندان غسان نام کی ایک نہر کے پاس آباد تھا اور نہر سے منسوب کر کے اس کو غسانی کہنے لگے تھے۔ لہذا اُسے ایک الگ نسل مشہور کر کے نامتی نسل سے کاٹنے کا دھوکا دیا گیا۔ ندوی صاحب سے متعلقہ بیان سن لیں:

”انباط کے مٹنے کے بعد حدود شام میں ایک اور عرب خاندان نے ظہور کیا جس کو عموماً آل غسان یا غسانہ اور کبھی بانی خاندان کے نام سے آل جفنتہ کہتے ہیں“۔ (جلد 2 صفحہ 78)

ان چند ابتدائی سطروں میں نامتی نسل کا مٹ جانا لکھنے سے ہر قاری یہ سمجھے گا کہ نامتی نسل ختم ہو چکی تھی۔ لیکن یہ قریشی ترکیب بہت قدیم ہے جب خزاعہ کو کعبہ کا متولی بنایا اور ایک نئی نسل کر کے دکھایا گیا تھا تو اس سے پہلے جرہم کی نسل کو عذاب اور جنگ اور سیلاب سے فنا کرنے کا ڈھونگ رچایا تھا حالانکہ نہ جرہمی خاندان مٹا تھا نہ فنا ہوا تھا بلکہ جرہمی خاندان ہی کا ایک مورخ عبد بن شریہ معاویہ کے حکم سے قدیم زمانے کی وہ تاریخ لکھتا ہے جس میں قریشی افسانے اور پالیسیاں فٹ کی گئی تھیں۔ اسی طرح اس جملے میں بڑے اطمینان سے نامتیوں کا مٹ جانا اور ایک نئے خاندان کا ظہور میں آنا لکھا گیا ہے۔ حالانکہ اسی علامہ کے قلم سے حضرت علی علیہ السلام ایک نامتی کی حیثیت میں موجود تھے۔ لہذا یہ دروغ بانی اور سازش کی تمہید ہے کہ نامتی نسل مٹ گئی تھی۔ کہنا یہ چاہئے تھا کہ غسانی قبیلہ خود نامتی تھا اور بادشاہت اب غسانی خاندان میں چلی گئی تھی۔ یعنی اب جو مملکت عظیمہ کے بادشاہ ہوں گے انہیں غسانی کہا جاسکتا ہے۔ بہر حال مسلسل ندوی صاحب کا بیان پڑھئے وہ خود یہ تمام حقائق تسلیم کریں گے مگر قریش کی مقرر کردہ قسطوں میں قبول کریں گے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

”آل غسان کا نسب“

”عام علمائے انساب کی تشریح کی بنا پر آل غسان قحطانی سب کے خاندان کہلان سے تھے کہلان کے سالار خاندان عمر مزینا کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ سید ارم ٹوٹے گا اور سب برباد ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ یمن سے نکل کر حجاز کی راہ سے شام آیا، بعض حجاز اور تہامہ میں رہ گئے اور وہ اوس و خزرج ہیں، اور بقیہ حصہ شام و عراق چلا گیا، لیکن اصول تحقیق کی رو سے یہ تمام تر (قریش ساز - احسن) افسانہ ہے، گزشتہ ابواب میں قحطانی و اسماعیلی خاندانوں کی تشخیص و تمیز کی اتنی علامتیں بیان کی جا چکی ہیں کہ ان کے ذریعے سے با آسانی دونوں سلسلوں میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ جس سے کلبی اور ابن ہشام (علمائے انساب) کے (قریشی - احسن) اکاذیب کا انبار دفعہٴ جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ سب و حمیر کے بیان میں قحطان، اور انباط کی فہرست میں اسماعیلی ناموں کی طویل فہرست گزر چکی ہے، آل غسان کے ناموں کو دونوں کے درمیان رکھ کر دیکھ لو، تم فوراً کہہ دو گے کہ یہ یقیناً اسماعیلی تھے، اور اسماعیلیوں میں بھی ناجتی، آل غسان کی زبان اور خط تحریر دونوں اسماعیلی ہیں، زبان شمالی عربی زبان ہے، اور خط تحریر نبطی ہے، اگر یہ قحطانی خاندان ہوتا تو زبان و خط دونوں حمیری ہوتے، خود عرب مورخین کی شہادت ہے کہ آل جفنتہ پہلے تہامہ میں نہر غسان کے پاس آباد تھے اور اسے لئے ان کو غسانی کہتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ تہامہ خاص اسماعیلی عربوں کا مرکز تھا“ (ایضاً 78-79)

یہاں تک قارئین کرام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہ چاروں خاندان دیکھ لئے جن میں بحکم خدا حکومتیں رہنا تھیں۔ اور چاروں حکومتوں نے مل کر مقاصد خداوندی کو انجام دینا تھا۔ اور مرکزی ہدایات کے مطابق اپنے اپنے حصے کی خدمات بجالانا تھا۔ تاکہ انہیں اور نوع انسان کو وہ تمام انعامات ملتے چلے جائیں جن کا وعدہ اللہ نے امام زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا (توریت)۔

(د) ابراہیمی خاندانوں کی حکومتوں کا مرکزی سربراہ امام زمانہ رہتا چلا جائے گا۔ نبوت و رسالت تعاون، اتباع اور اقتداء کریں گی اللہ اپنے وعدے پورے کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے خُلت و نبوت و رسالت کے بعد نوع انسان کی امامت کے عہدے پر فائز کیا (بقرہ 2/124) اور منصب امامت کو ان کی ذریت میں مخصوص کر دیا مگر یہ شرط لگا دی کہ منصب امامت کسی غلط بین و غلط کار و غلط نواز (ظالم) شخص کو نہیں دیا جائے گا۔ یعنی عہدہ امامت کے لئے قیامت تک جاری رہنے والا معصوم اماموں کا سلسلہ موجود رہے گا (2/124) چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے مکہ معظمہ کو مرکز بنانے کے لئے سفر کا حکم دیا اور آپ نے حضرت اسماعیل و ہاجرہ علیہما السلام کو ضروری ہدایات کے ساتھ وہاں اپنا جانشین و نمائندہ بنا کر تعینات کیا۔ واپس آ کر حضرت اسحاق کی تربیت شروع کی۔ حضرت قطورہ علیہا السلام سے شادی کی اور اپنی زندگی ہی میں حضرت قطورہ اور ان کی اولاد کو عرب میں مناسب مقام پر آباد کیا تاکہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے ماتحت رہ کر مقاصد خداوندی میں معاون و مددگار رہیں۔ یہ بھی توریت سے معلوم ہو چکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مع اپنے اہل و عیال و اموال اور اولاد کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ رہائش پذیر ہو گئے تھے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین خاندان مکہ اور گردنواح مکہ میں آباد اور ہم آہنگ تھے۔ صرف ایک یعنی چوتھا خاندان عرب سے باہر رہ گیا تھا اور وہ جناب اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کا خاندان تھا۔ جو برابر تین ہزار سال تک یعنی بعثت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مرکزی خاندان کے ماتحت رہتا چلا گیا۔ نیابت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ یوں بھی حضرت اسماعیلؑ برادر بزرگ تھے اور

حضرت ابراہیمؑ کے بعد پورے خاندان کے باپ تھے۔ اور توریت نے بھی اُن کو خاندان کا اور پوری نوع انسان کا سربراہ و امام و راہنما مقرر کیا تھا۔
(1) حضرت اسماعیلؑ تو اللہ کے بعد دوسرا درجہ رکھتے تھے اُن کا تو نمائندہ بھی اہیاً کا مالک و مولا اور مجبور و قابلِ صد تعظیم ہوتا تھا۔

یہ دکھانے کے لئے کہ خاندان ابراہیمی کے تمام بادشاہ اور تمام انبیاء حضرت اسماعیلؑ اور اُن کے جانشین اماموں کے مطیع و فرمانبردار رہتے چلے گئے ہم توریت سے وہ طرزِ عمل دکھاتے ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے نبی ہوتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے داماد اور نمائندے حضرت عیسو علیہ السلام کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ توریت میں ہے کہ:

ثُمَّ رَفَعَ يَعْقُوبُ طَرْفَهُ وَنَظَرَ فَإِذَا عَيْسُو مُقْبِلٌ وَمَعَهُ أَرْبَعُ مِئَةِ رَجُلٍ فَفَرَّقَ أَوْلَادَهُ عَلَى لَيْئَةِ وَرَاحِيلَ وَالْأَمْتَيْنِ وَجَعَلَ
الْأَمْتَيْنِ وَأَوْلَادَهُمَا أَوْلَادًا لَيْئَةَ وَأَوْلَادَهَا ثُمَّ رَاحِيلَ وَيُوسُفَ أَخِيرًا. وَهُوَ يَقْدُمُهُمْ وَسَجَدَ إِلَى الْأَرْضِ سَبْعَ مَرَّاتٍ
حَتَّى دَنَا مِنْ أَخِيهِ. فَبَادَرَ عَيْسُو وَتَلَقَّاهُ وَعَانَقَهُ وَالْقَمَى بِنَفْسِهِ عَلَى عُنُقِهِ وَقَبَلَهُ وَبَكِيًا. وَرَفَعَ عَيْنَيْهِ فَنَظَرَ النِّسَاءَ وَأَوْلَادَ
فَقَالَ مَا هَؤُلَاءِ مِنْكَ؟ قَالَ الْبَنُونَ الَّذِينَ رَزَقَهُمُ اللَّهُ عَبْدَكَ: فَتَقَدَّمَتِ الْأَمْتَانِ وَأَوْلَادُهُمَا وَسَجَدُوا. ثُمَّ تَقَدَّمَتِ
لَيْئَةُ أَيُّضًا وَأَوْلَادَهَا وَسَجَدُوا. وَأَخِيرًا تَقَدَّمَ يُوسُفُ وَرَاحِيلُ وَسَجَدَا. فَقَالَ مَا أَرَدْتِ مِنْ جَمِيعِ الثَّرْوَةِ الَّتِي
صَادَفْتُهَا؟ قَالَ أَنْ نَلْتُ حُطْوَةَ فِي عَيْنِي سَيِّدِي. قَالَ عَيْسُو إِنَّ عِنْدِي كَثِيرًا فَمَا لَكَ يَبْقَى لَكَ يَا أَخِي. قَالَ
بِعَقُوبٍ لَا إِنْ نَلْتُ حُطْوَةَ فِي عَيْنِكَ فَأَقْبَلْ هَدِيَّتِي مِنْ يَدِي فَإِنِّي رَأَيْتُ وَجْهَكَ كَمَا يُرَى وَجْهَ اللَّهِ وَرَضِيَتْ
عَيْنِي. فَأَقْبَلْ بَرَكَتِي الَّتِي جِئْتُ بِهَا إِلَيْكَ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ أَنْعَمَ عَلَيَّ وَعِنْدِي مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَيْهِ
فَقَبِلَ. (تكوين 33/1 تا 11)

”پھر یعقوبؑ نے پہلو بدل کر دیکھا تو اچانک چار سو آدمیوں کے ساتھ عیسوؑ سامنے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ دیکھتے ہی یعقوبؑ نے لیاہ اور
راحیل اور دونوں کنیزوں میں اپنی اولاد کو اس طرح تقسیم کر دیا کہ لوٹریوں اور اُن کے بچوں کو سب سے آگے رکھا اور لیاہ اور اُس کے بچوں کو
اُن کے پیچھے کیا اور راحیل اور یوسفؑ کو سب سے پیچھے رکھا۔ اور خود یعقوبؑ سب کے آگے آگے چلے اور اپنے بھائی عیسوؑ تک پہنچتے پہنچتے
سات مرتبہ زمین بوس ہو کر سجدہ کیا۔ اُدھر عیسوؑ یعقوبؑ سے ملاقات کے لئے آگے بڑھا اور اُس سے بغل گیر ہوا اور گلے لگایا اور بوسہ دیا
اور دونوں رونے لگے۔ پھر اس نے نظر اٹھا کر عورتوں اور بچوں کو دیکھا اور پوچھا کہ یہ تمہارے کون ہیں؟ یعقوبؑ نے کہا کہ یہ وہ بیٹے ہیں
جو اللہ نے تیرے اس بندے کو عطا کئے ہیں۔ اب کنیزیں اور اُن کی اولاد آگے بڑھی اور سب نے عیسوؑ کے سامنے سجدہ کیا۔ پھر لیاہ
اور اس کی اولاد سامنے آئی اور عیسوؑ کو سجدہ کیا۔ آخر میں راحیل اور یوسفؑ آگے بڑھے اور عیسوؑ کو سجدہ بجالائے۔ پھر عیسوؑ نے پوچھا کہ تم نے
جو دولت و سامان کا انبار میرے پاس بھیجا اور جو مجھے راستے میں مل چکا ہے۔ اس کو بیچنے میں تمہارا کیا ارادہ تھا؟ یعقوبؑ نے کہا کہ میری
نیت یہ تھی کہ میں اپنے خداوند کے حضور نذرانہ پیش کر کے حضور کی نظر میں مقبول بندہ ٹھہروں۔ عیسوؑ نے کہا کہ میرے پاس بہت مال متاع
ہے لہذا بھیجا وہ سب تمہیں مبارک ہو۔ یعقوبؑ نے عرض کیا کہ اگر آپ نے مجھے پسند کر لیا ہے تو ازراہ کرم میرا نذرانہ قبول فرمائیں۔ کیوں
کہ میں نے تو تمہارا منہ دیکھ کر گویا اللہ کا چہرہ (وجہ اللہ) دیکھ لیا ہے۔ اور تم مجھ سے راضی اور خوش بھی ہو گئے ہو۔ چنانچہ پیش خدمت کیا
جانے والا نذرانہ قبول فرمائیں۔ کیوں کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا ہے اور میرے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے اور منت و زاری کی بنا پر

عیسوی نے یعقوبؑ کا ہدیہ قبول کر لیا“

وہ مومنین جو کتبہائے خداوندی پر حکم خداوندی کے مطابق ایمان لاتے ہیں وہ تمام انبیاء علیہم السلام کو مسجدِ خلائق سمجھتے ہیں۔ اور جو لوگ ابلیس کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ صرف اللہ کے لئے سجدہ کو جائز کہتے ہیں۔ اور انبیاء کو سجدہ کرنا شرک قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ابلیس نے پہلے نبیؑ حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کیا تھا۔ وہ ایسا توحید پرست تھا کہ خود اللہ کے حکم کے باوجود انبیاء کو سجدہ ناجائز سمجھتا تھا۔ صرف اسی توحید پرستی نے اس کو جنمی اور ملعون بنایا تھا۔ اور سجدہ کے حق کو چھپانے کی بنا پر اُسے کافروں میں شمار کیا گیا ہے۔ اُس کی پیروی میں بہت سے علماء اور عوام اور غیر خدا کو سجدہ کرنا شرک مانتے ہیں اور یوں وہ دو عظیم گناہوں کے بیک وقت مرتکب ہیں۔ پہلا گناہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے خلاف اللہ اور انبیاء درسل میں تفریق کر کے نبیوں کو اللہ سے الگ مانتے ہیں۔ (نساء 4/150) دوسرا گناہ یہ ہے کہ اللہ نے انبیاء کے لئے سجدہ کا واضح حکم دیا تھا اس کو غلط حکم قرار دیتے ہیں۔

(2) مقام امامت وہ مقام ہے جہاں مسجد ملائکہ اور وہ انبیاء سجدہ کرتے ہیں جن کو پھرے دربار میں انسان سجدہ کرتے رہے۔

آپ نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ نبی تھے نہ رسول تھے لیکن اُن کو حضرت یوسف اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اس لئے سجدہ کیا اور بار بار کیا کہ وہ امامت کے نمائندے اور امام زمانہ کے حاشیہ نشین تھے۔ حضرت یعقوب اور یوسف علیہما السلام کا مقام قرآن سے سنئے:

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا۔ الخ (یوسف 12/100)

”اور یوسف نے اپنے والدین کو تخت حکومت پر بلند کیا تو تمام اہل دربار حضرت یوسف و یعقوب اور یوسف کی والدہ کے لئے سجدہ میں گر پڑے“ اُس وقت اہل دربار میں یوسف کے بھائی بھی تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا تھا۔ سوچئے کہ حضرت یعقوب اور یوسف علیہما السلام مرکزی حکومت کے نمائندے کے روبرو سات مرتبہ سجدہ کر کے پہنچے تھے۔ یہ تھی حضرت اسماعیل اور اُن کے جانشین آئمہ علیہم السلام کی خدائی شان۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چاروں خاندانوں کی حکومتیں پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ماتحت مرکزی حکومت کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو خدا کی عائد کردہ ذمہ داریاں سمجھ کر انجام دیتی رہیں۔ پھر حضرت نابت علیہ السلام امام زمانہ کی حیثیت میں جانشین ہوئے۔ اور سب سے پہلے وہ شہنشاہ ہیں جو چاروں حکومتوں پر یعنی مسلماً عظیمًا (نساء 4/54) پر حکمران تھے۔ چنانچہ تاریخ طبری میں آنحضرتؐ کا شجرہ لکھتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا چالیسواں نمبر لکھا ہے اور اُن سے پہلے نمبر 39 پر جناب جعثم کا نام لکھا ہے اور اُن ہی کو عوام کہا ہے اور ظاہر ہے کہ وہی حضرت نابت علیہ السلام ہیں۔ اُن کے لئے لکھا ہے کہ: ”اسماعیل کی اولاد میں سب سے پہلا فرما ماروا ہے“ (ترجمہ جلد اول صفحہ 57)

طبری کا یہ شجرہ دیکھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ جانشینان ابراہیم و اسماعیل میں بہت سے آئمہ علیہم السلام خود بادشاہ نہیں ہوئے بلکہ خاندان کے دوسرے افراد کو بادشاہ بناتے رہے۔ لیکن مملکت عظیمہ کی سربراہی ہر زمانہ کے امام ہی کرتے تھے۔ اور چاروں خاندانی حکومتوں اور بعض غیر خاندانوں کی حکومتیں بھی مرکزی حیثیت سے اُن ہی کی اطاعت کرتی تھیں۔ یہی صورت حال تھی حضرت قصی، ہاشم، عبدالمطلب اور ابوطالب علیہم السلام کے زمانہ میں۔ اور ان کا یہی تسلیم شدہ مقام تھا جس کی بنا پر رومۃ الکبریٰ یعنی حضرت ابراہیم کی یعقوبی شاخ کی حکومت، اور دیگر بادشاہان عالم اُن کے خطوط کو فرمان شہنشاہی کا مقام دیتے تھے اور حکومت کے ٹیکس جیسی اہم آمدنی کا نقصان بھی برداشت کر لیتے تھے۔ اور اُن حضرات کے اعتماد پر لوگوں کو اپنے ملک میں بلا روک ٹوک اور جانچ پڑتال کے رہنے اور پھرنے دیتے تھے۔ اور جاسوس ہونے کا شبہ تک نہ کرتے تھے۔ اور یہی خاندانی اور خدائی رشتہ تھا جس کی بنا پر سلطنت روم کی شکست پر رنج اور فتح پر خوشیاں منانے کے لئے سورہ روم نام رکھا گیا تھا۔ اور دونوں فریق کو

مومن مان کر خوشی کا جشن منانے کی تاکید کی گئی تھی۔

(3) حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی دُعا کے نتیجہ میں خاندان ابراہیمیؑ میں برابر ایک اُمت مسلمہ رہتی چلی گئی قرآن میں اُس کا وجود دیکھیں۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمَنْ ذُرِّيَّتَنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَإِنَّا مَنَاسِكُنَا وَتُبَّ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَّبَّنَا وَأَبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (سورہ بقرہ 129-128/2)

حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ دعا مانگ رہے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار تو ہم دونوں کو اپنا خاص مسلم بنا لے اور ہماری ذریت میں سے بھی اپنی ایک خاص مسلم اُمت بنا دے اور انہیں اور ہمیں ہماری ذمہ داریاں اور ہدایات دکھاتے رہنا طے فرما لے اور ہماری اصلاح کے لئے ہم پر متوجہ رہتا چلا جا اور بلاشبہ تو تو اصلاح کے لئے بار بار متوجہ ہونے والا اور انتہا درجہ کا رحیم ہے ہی اور اے ہمارے پروردگار اُس امت مسلمہ میں اُن ہی کے اندر سے ایک ایسا رسول مبعوث کرنا جو اُس اُمت مسلمہ کے سامنے تیری آیات کی برابر تلاوت کرتا چلا جائے اور انہیں مکمل کتاب اور مکمل حکمت کی تعلیم دیتا رہے۔ اور اُس امت مسلمہ کا تزکیہ نفسی کرتا رہے۔ بلاشبہ تو تو ہے بھی ہر حالت میں غالب رہنے والا حکیم“۔

حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی اس دعا کے پورا ہونے پر قرآن، توریت و انجیل و زبور بھی گواہ ہیں اور تاریخ روم و یونان و ایران بھی شاہد ہیں اور سارے مسلمانوں کا بھی اتفاق و جماع ہے اور یہ شعر بھی گواہی دیتا ہے کہ:۔ ہوئی پہلے آئمہ سے ہو یا۔ دعائے خلیل و نوید مسیحا۔ لہذا وہ اُمت مسلمہ مسلسل تین ہزار سال تک برابر بڑھتی چلی آئی اور وہ بالکل اُسی معیار و مرتبہ کی اُمت تھی جو حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے اسلام کا معیار و مرتبہ تھا اس لئے کہ انہوں نے دونوں کیلئے ایک ہی معیار رکھا تھا یعنی اپنے لئے مُسْلِمِينَ لَكَ اور امت کے لئے أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ ”اور یقیناً وہ امت بھی حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی طرح معصوم اور نبوت و رسالت و امامت کو جنم دینے اور پالنے والی تھی۔ اور تین ہزار سال میں اُس کی تبلیغ و اثر سے ہر زمانہ میں ہزار ہا حقیقی مسلمان رہتے چلے آئے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حقیقی مسلمانوں کی ایسی قوم موجود تھی جس کے لئے رسول سے فرمایا گیا کہ:

”یہ تھی ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی قوم کے مقابلے میں دی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرا پروردگار نہایت دانا اور علیم ہے۔ پھر ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ جیسی اولاد دی اور ہر ایک کی راہنمائی کی۔ نوحؑ کی راہنمائی اس سے پہلے ہم کر ہی چکے تھے اور اس ہی کی ذریت سے ہم نے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ کی راہنمائی کی اسی طرح ہم احسان پیشہ لوگوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔ اور اُس کی ذریت میں زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو ہدایت دی اُن میں سے ہر فرد صالح تھا۔ اسی گھرانے سے اسماعیلؑ، الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کی راہنمائی کی گئی اُن میں سے ہر ایک کو ہم نے پوری کائنات پر بزرگی عطا کی نیز اُن کے باپ دادوں میں سے اور اُن کی ذریت میں سے اور اُن کے بھائیوں میں سے ہم نے مجتبیٰ بنایا ہدایت یافتہ کیا اور صراطِ مستقیم پر برقرار رکھا۔ وہی اللہ کا نظام ہدایت ہے جس کے ذریعہ سے اللہ اپنی مشیت کے مطابق ہدایت کرتا ہے۔ لیکن اگر کہیں مذکورہ بالا لوگوں نے نظامِ اشتراک اختیار کر لیا ہوتا تو اُن کے تمام نیک اعمال ضائع ہو گئے ہوتے۔ چنانچہ مذکورہ حضرات وہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے مکمل کتاب دی اور حکومت و نبوت عطا کی تھی۔ چنانچہ اگر یہ قریش ان تعلیمات کو چھپائیں تو پرواہ نہ کرنا ہم نے اُن پر ایک قوم کو

دیکھ بنا رکھا ہے جو ان تعلیمات کو ہرگز پوشیدہ نہ ہونے دے گی۔ اور یہ سمجھ لو کہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں چنانچہ تم اے رسول اُن ہی کے اقتداء کرتے رہو“ (انعام 6/83-90)

قارئین نے دیکھا کہ اللہ نے خود حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ہادیان دین کی اور ہادیان دین کے پالنے پوسنے والوں کے حالات اور اُن کا بلند ترین مقام بیان کیا اور امت مسلمہ کے تمام افراد کا مسلسل ذکر کرتے کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کا سلسلہ پیش کر کے ایک ایسی قوم کا وجود ثابت کیا ہے جو کسی طرح حق پوشی نہ کرے گی اور حق پوشی کرنے والے قریش سے مواخذہ کرے گی۔ اس قوم کا وجود کسی نہ کسی طرح موذودی نے بھی مانا ہے۔

یعنی ”۵۸ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کافر و مشرک لوگ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں تو کر دیں، ہم نے اہل ایمان کا ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا ہے جو اس نعمت کی قدر کرنے والا ہے“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 562)

موذودی صاحب نے قرآن کے الفاظ کو نظر انداز کر کے اپنے اور اپنے ہم مذہب لوگوں کے دل کو بہلانے کی کوشش کی ہے۔ یعنی قرآن کی آخری آیات سے اُن لوگوں کو مراد سمجھا اور سمجھایا ہے۔ جو خود مسلمانوں ہی میں موجود ہیں۔ لیکن موذودی ماننے اور جانتے ہیں۔ کہ سورہ انعام اُن کی تحریر کے مطابق مکہ میں نازل ہوئی تھی اور مکہ میں روز ہجرت مدینہ تک گنتی کے چند لوگ اسلام لائے تھے۔ اُن سب کو بھی ”ایک ایسی قوم نہیں کہا جاسکتا جو سارے قریش اور مکہ کی پوری آبادی پر بطور وکیل مسلط کی جاسکے“

قرآن کریم میں مذکورہ قوم کے لئے اللہ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں۔

(1) اُولَئِكَ الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوَّةَ.

”وہ تو وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے مکمل کتاب اور مکمل حکومت اور مکمل نبوت دے رکھی ہے۔

(2) فَاِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ۝

”چنانچہ اگر یہ قریش و اہل مکہ اس کو چھپائیں تو یقیناً ہم نے چھپانے والوں پر ایک ایسی قوم کو وکیل بنا رکھا ہے جو اسے نہیں چھپائیں گے۔

(3) اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ اَقْتَدِهٖ ۝۔

وہ تو وہی لوگ ہیں جن کو خود اللہ نے ہدایت یافتہ بنایا ہے۔ چنانچہ اے محمدؐ نبی اور رسولؐ ہوتے ہوئے بھی اُن کی اقتداء کرو یعنی تم اُن کے

پیچھے پیچھے چلا کرو“ (انعام 6/89-90)

قارئین سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان آیات میں چند لوگوں کی یا کسی ایک گروہ کی بات نہیں ہے۔ بلکہ ایک قوم کی بات ہے۔ اور وہ قوم بھی کوئی معمولی درجے کی قوم نہیں ہے۔ بلکہ ایک ایسی قوم ہے۔ جسے ساری نبوتیں اور رسالتیں حاصل ہیں۔ یعنی ایسی قوم جو تمام نبوتوں اور رسالتوں کا نتیجہ یا نچوڑ ہے اور جسے ساری حکومت بھی حاصل ہے یعنی اُس قوم پر اللہ کی پوری حکمرانی کا دار و مدار ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ایسی قوم ہے کہ جسے اللہ نے خود بنفس نفیس ہدایت یافتہ بنایا ہے۔ اور جس کی ہدایات پر محمدؐ ایسی بزرگ ہستی کو نبی اور رسولؐ ہوتے ہوئے بھی عمل کرنا ہے۔ اور اُس قوم کے پیچھے رہنا اور اُس کے پیچھے پیچھے چلنا ہے۔ یعنی ہر حال اور ہر معاملے میں اُس قوم کی پیروی کرنا ہے۔ یعنی وہ قوم، جو ساری نبوتوں اور رسالتوں کا مرکز ہے، جو اللہ کی تمام حکومتوں کا محور ہے۔ جس پر اللہ کی ہدایت کاری ختم ہو چکی ہے۔ موجود ہے۔ ورنہ اقتداء کا حکم صادق نہ آئے گا۔ اب یہ

سوچیں کہ مودودی نے ایسی عظیم المرتبت قوم کو ”مومنوں کا ایک گروہ“ کہہ کر کتنی عظیم الشان اور سامنے موجود حکومت کا کفر کیا ہے؟ جو تواریخِ روم و یونان میں مذکور ہے۔ جسے توریت نے تفصیل سے ریکارڈ کیا ہے۔ جس کو قرآن کے سینے میں محفوظ کیا گیا ہے۔ (نساء 4/54) اور ملگلاً عظیمًا کا حامل فرمایا گیا ہے۔ اور جس کے ثبوت میں علامہ ندوی نے ارض القرآن کی دو جلدیں لکھی ہیں اور جسے النبوة اور الحکم اور الکتاب کی حامل حکمران قوم فرمایا گیا ہے؟ (6/90)

(4) وہ قوم جس کی اقتداء کا محمدؐ کو حکم دیا گیا ہے وہی قوم ہے جس کی اتباع کا محمدؐ پر قرآن میں بار بار اور طرح طرح سے واجب ہونا بیان ہوا ہے یہاں تک تاریخ و حدیث و قرآن و توریت سے ایک عظیم الشان حکومت اور عظیم المرتبہ حکمرانوں کا موجود ہونا ثابت ہو چکا ہے اب یہ دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس قوم کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے وہ قرآن کے الفاظ میں ملت ابراہیم علیہ السلام بھی کہلاتی ہے۔ قرآن سنئے:

(5) جس حکمران قوم کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے وہ ملت ابراہیم اور ائمہ مسلمہ اُس وقت موجود تھی۔

اللہ نے جس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مذکورہ بالا حکمران قوم کی اقتداء کا حکم دیا (انعام ۸۹-۶۷۹۰) ہے اُس سے بھی پہلے یہ حکم دیا تھا کہ:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا لِّأَنْعَمِهِ إِجْتِبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَاتَّبَعْتَهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَآنَهُ فِي الْآخِرَةِ لِمَنِ الصَّالِحِينَ ۝ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (سورہ نحل 120-123)

”حقیقت یوں ہے کہ ابراہیمؑ اپنی پوزیشن میں ایک مطیع فرمان اور یک سورهنے والی پوری امت تھا۔ اور نظام اشتراک سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ وہ اللہ کی نعمتوں پر شکر گزار تھا۔ اللہ نے اُسے منتخب کیا تھا اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کر رکھی تھی۔ دنیا میں اس کو بھلائیاں دی گئی تھیں۔ اور آخرت میں وہ اہم ترین صالحین میں سے تھا۔ پھر ابراہیمؑ کے بعد تمہیں ہم نے وحی کی کہ تم نہایت یکسوئی کے ساتھ ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرو اور یہ کہ ابراہیمؑ نظام اشتراک سے الگ رہتا تھا“ (سورہ نحل 120-123)

ملت ابراہیمؑ کی پیروی کا دوسرا حکم۔

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۝ (4/125)

”بھلا اُس شخص سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے کہ جس نے اللہ کے حضور میں اپنی تمام توجہات پیش کر رکھی ہوں اور ساتھ ہی وہ احسان پیش بھی ہو اور ملت ابراہیمؑ کی پیروی بھی کرتا ہو اُس ابراہیمؑ کی ملت کی پیروی جسے اللہ نے اپنے دوست کی حیثیت سے اختیار کر رکھا ہو“ (سورہ نساء 4/125)

محمدؐ ہی نہیں بلکہ قیامت تک ہونے والے تمام مسلمانوں کو ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرنا ہے۔

مذکورہ بالا مکمل کتاب اور مکمل نبوت کی حامل حکمران قوم کا قیامت تک موجود رہنا اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور اُن پر ایمان لانے والوں کو قیامت تک اُس عظیم المرتبہ حاکم قوم کے پیچھے پیچھے اُن کے نقش قدم پر پیروں رکھتے ہوئے چلنا لازم و واجب کیا گیا تھا۔ پھر قرآن سنئے:

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (آل عمران 3/95)

”اے نبیؐ تم ان مسلمانوں سے کہہ دو کہ اللہ نے اس سلسلے میں جو کچھ بھی فرمایا ہے سچ فرمایا ہے کہ تم سب کو بالکل یکسوئی سے متوجہ رہ کر

ملتِ ابراہیم کی پیروی کرتے چلے جانا ہے۔ اس لئے کہ وہ نظام اشتراک سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا،

(6) ابراہیم اور ملتِ ابراہیم کے ساتھ لفظ ”حنیفاً“ اور ”مشرکین“ کی نفی ضرور مذکور ہوتے ہیں۔ تاکہ اتباع کے معنی پر تاکید قائم ہو جائے۔

آپ نے یہ تو دیکھ ہی لیا ہے کہ اللہ نہایت شد و مد سے اور بڑی تفصیل و تاکید و توجیہ سے یہ چاہتا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تین ہزار سال سے موجود برسرِ کار رہتے چلے آئے والی اُمتِ مسلمہ، ملتِ ابراہیم اور اللہ کی مملکتِ عظیمہ پر حکمران قوم کی اقتداء اور اتباع کرتے چلے جائیں۔ اُن تمام متعلقہ آیات میں یکسو ہو کر اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ لفظ اتباع کے معنی یہ ہیں کہ:

”ادھر ادھر دیکھے بغیر جس کے پیچھے پیچھے چلنا ہے یعنی جس کی اقتداء کرنا ہے اُس کے نقش قدم پر پیہر رکھتے ہوئے چلنا“

قرآن سے اتباع کے معنی دیکھئے۔

قرآن سے اتباع کے معنی اور اتباع کرنے والوں کو دیکھئے:

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ O۔ (حجر 65/15)

”چنانچہ تم کچھ رات گئے اپنے گھر والوں کو لے کر نکلو اور اُن کے پیچھے پیچھے اس طرح اُن کے نقش قدم پر چلو کہ تم میں سے کوئی ادھر ادھر ملتفت نہ ہونے پائے۔ سیدھے ادھر چلے جاؤ جہاں جانے کا تمہیں حکم ملے“

اس آیت سے اتباع میں ا۔ پیچھے پیچھے چلنا بھی داخل ہیں جو اقتداء (6/91) کے معنی ہیں یعنی اتباع کرنے میں اقتداء بھی داخل ہے۔
2۔ پھر اتباع میں لازم ہے کہ اتباع کرنے والا کسی اور طرف متوجہ یا راغب نہ ہو سوائے اس کے کہ جس کی اتباع کر رہا ہے۔ اس کے نقش قدم پر دھیان رکھ کر قدم رکھتا ہوا چلے اور۔ 3۔ بلا چون و چرا کئے برابر پیچھے پیچھے رہ کر پیروی کرتا ہوا وہاں جائے جہاں متبوع لے جانا چاہے۔ اس لئے لفظ ”حنیفاً“ آیات میں لاکر یہ تاکید کی گئی ہے کہ اتباع کرنے میں یکسو رہتے ہوئے اتباع کرے، راہ میں کہیں پروگرام نہ بدل بیٹھے، آخری منزل تک کسی اور شخص کو اپنے پروگرام یا اتباع میں نظام مشاورت کو شریک نہ کرے۔

(7) اُمتِ مسلمہ یا نبوت و کتاب کی حامل حکمران قوم کو معصوم ہونا لازم ہے ورنہ ایک عظیم ترین معصوم نبی و رسول کو اتباع و اقتداء کا حکم؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو لامحدود و لا تخصی فضائل اور مراتب کے حامل ہیں۔ اقتداء اور اتباع تو کسی عام جاہل شخص پر بھی معصوم کے علاوہ کسی خاطی کی واجب نہیں ہو سکتی خواہ وہ شخص آیت اللہ اور حجۃ اللہ ہی کا لبیل کیوں نہ لگائے ہوئے ہو۔ اتباع ہو یا اقتداء ہو یا تقلید ہو یہ صرف معصوم کی کی جائے گی۔ غیر معصوم یا خاطی کی اقتداء و اتباع اور تقلید حرام ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تقلید و اتباع اور اقتداء افضل کی ہوتی ہے۔

(8) اُمتِ مسلمہ اور نبوت و رسالت اور کتبہائے خداوندی کی حامل حکمران قوم کو آنحضرت سے افضل ہونا چاہئے اس لئے کہ مفضل کی اتباع باطل ہے

چونکہ قرآن میں آنحضرت پر اور اُن کی امت پر مذکورہ بالا قوم یا امتِ مسلمہ کی اتباع و اقتداء ثابت ہے لہذا لازم ہے کہ زیر بحث قوم اور اُمتِ مسلمہ آنحضرت سے اور اُن کی اُمت سے افضل ہو۔ چنانچہ قرآن میں وہ حضرات مذکور ہیں جن کے رُوبرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سر جھکا کر دست بستہ، انتہائی عاجزانہ و منکسرانہ و غلامانہ انداز سے کھڑا ہونا واجب تھا۔ جن کے سامنے بلند آواز سے بولنا گناہ تھا۔ جن کے سامنے کسی بات پر اُف تک کرنا منع تھا اور وہ حضرات وہی تھے جنہوں نے آنحضرت کی ربوبیت کی تھی۔ (بنی اسرائیل 17/23) جنہوں نے حضور کی بے کسی و بے بسی میں ماں باپ سے بڑھ کر پرورش کی اُن کے لئے مضبوط پناہ (آوی) فراہم کی، جنہوں نے انگلی پکڑ کر راہ نبوت پر ہدایت کی، جنہوں نے

انہیں دنیا میں مستغنیٰ کر دیا۔ جن کے کاموں کو اللہ نے اپنے افعال قرار دیا (صحیحی 11 تا 5/93) ان حضرات کے سینوں میں مکمل قرآن روز ازل سے لکھا ہوا تھا اور جوازی عالم تھے (عکبوت 29/49) جو آنحضرتؐ کو ساری کائنات کی خبریں دے سکتے تھے (فرقان 25/59)۔

(9) حضرت علیؑ اور ان کے آباؤ اجدادؑ عربوں ہی کے نہیں بلکہ ساری نوع انسان کے مالک و معبود رہتے آئے۔

یہ مسلمات دین میں سے ہے کہ سربراہ اسلام یا خلیفہ خداوندی تمام انسانوں کی جان و مال کا مالک و مختار ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا ایک عام قاعدہ یہ ہے کہ:

الْنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ وَاُوْلُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا اِلٰى اَوْلِيَّيْكُمْ مَّعْرُوْفًا كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۔ (احزاب 33/6)

”یہ مخصوص و مکمل نبی محمدؐ تمام مؤمنین پر ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ اولیت رکھنے والا ہمدرد حاکم ہے اور اُس کی یہ موجودہ بیویاں مذکورہ مؤمنین کی مائیں ہیں اور اُس کے ارحام والے لوگ تمام مؤمنین اور مہاجرین پر بھی اور خود آپس میں بھی بعض کے اوپر رسول کی طرح اولیت رکھنے والے ہمدرد حاکم ہیں یہ سب کتاب اللہ کے قائم کئے ہوئے عہدے ہیں۔ ہاں اُس کی اجازت ہے کہ معروف طریقہ پر وہ مؤمنین و مہاجرین اپنے گھریلو اولیاء کے ساتھ بہتر سلوک کریں یہ بھی الکتب میں سطروں میں لکھا ہوا ہے۔“

اس آیت کی ایمان افروز تشریح ہماری تفسیر احسن التعمیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں تو ایک عام مسلمہ حقیقت پر اس خطبے کی تشریح کو ختم کر دینا مطلوب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تمام مذاہب عالم میں عموماً اور مسلمانوں میں خصوصاً ایک نمائندہ خداوندی یا خلیفہ اللہ بھی اللہ کی طرح تمام انسانوں کا مالک و مختار مانا جاتا ہے۔ اور اُس کے احکام و فرمان کی تعمیل اللہ کی تعمیل و اطاعت مانی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ علیہ السلام کا مسلمانوں کے لئے یہ فرمان صحیح ہے کہ: **وَ اِنِّيْ لَصٰحِبُهُمْ بِالْاَمْسِ ؛ كَمَا اَنَّا صٰحِبُهُمُ الْيَوْمَ ؛** (خطبہ 33، جملے 15-16)

”جیسا کہ میں آج تمہارا مالک ہوں ویسا ہی میں کل بھی تمہارا مالک تھا“

یہ مالکیت خلافت ظاہری کی بنا پر مسلمہ تھی۔ لیکن ظاہری خلافت سے پہلے کی مالکیت ثابت کرنے کے لئے ہم نے توریث و تاریخ عالم سے اور خود قریشی تاریخ ارض القرآن سے اور قرآن کریم کے بیانات سے حقائق کا انبار لگا دیا ہے۔ وہ مالکیت تین ہزار سال سے اللہ کی قائم کردہ حکومت کی صورت میں خاندان مرتضوی میں سے گزرتی ہوئی حضرت علیؑ علیہ السلام تک پہنچی۔ اور خلیفہ دوم عمر کے زمانہ تک حکومت علویہ کے ماتحت قیصر روم اور جبلہ ابن ابیہم ایسے بادشاہ موجود تھے۔ لہذا حضرت علیؑ علیہ السلام عمر کے زمانہ تک شہنشاہ عرب و عجم تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپؑ نے جبراً اپنی حکومت نہیں منوائی۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 34

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 34

خطبہ ﴿34﴾

- 1- حضرت علیؑ قریش کو عہد رسولؐ میں ان پر گزرنے والی حالت کا مرقع دکھاتے ہیں۔
قرآن کریم میں پیش کردہ نظارہ انکے سامنے رکھتے ہیں۔
- 2- دنیا کو بتاتے ہیں کہ عہد رسولؐ کی فتوحات اور کامیابیاں قریشی قوم سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔
جیسی یہ قوم آج ہے ویسی ہی عہد رسولؐ میں بھی تھی۔
- 3- دشمنان دین کی طرفداری میں عقل و تدبر کھو بیٹھنے والے دشمن کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے باز رہنے والے۔
اسلام کے تحفظ میں غافل لوگ۔
- 4- میں تمہارے طرز عمل کے خلاف تہادشمن کے پر نچے اڑا دوں گا۔
- 5- تمہارا طرز عمل شکست کا پیش خیمہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1	میں تمہیں ملامت کر کر کے مایوس ہو گیا اب تو تمہارے لئے میرے پاس افسوس ہی افسوس ہے۔	أَفِ لَكُمْ لَقَدْ سَمِعْتُمْ عِتَابَكُمْ؟
2	کیا تم نے آخرت کے بدلے میں دنیا کے مال و متاع اور عیاشی کی زندگی کو پسند اور اختیار کر لیا ہے؟	أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ عَوَظًا؟
3	اور عزت کی جگہ ذلت کو دے دی ہے؟	وَبِالذَّلِّ مِنَ الْعِزِّ خَلَفًا؟
4	جب تمہیں تمہارے دشمنوں سے جہاد کی دعوت دی جاتی ہے تو تمہاری آنکھیں اس طرح گھومنے اور چکرانے لگتی ہیں جیسے تم موت کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہو اور تم پر جان کنی اور نزع کی غفلت اور مدہوشی چھا رہی ہو۔	إِذَا دَعَوْتُمْ إِلَىٰ جِهَادٍ عَدُوِّكُمْ دَارَتْ أَعْيُنُكُمْ كَأَنَّكُمْ مِنَ الْمَوْتِ فِي غَمْرَةٍ؛ وَمِنَ الذُّهُولِ فِي سَكْرَةٍ
5	تم میری کسی ہدایت کو سمجھ کر اختیار نہیں کرتے۔ اسی لئے تم حیران و حواس باختہ ہو کر رہ جاتے ہو۔	يُرْتَجَّ عَلَيْكُمْ حَوَارِي فَتَعْمَهُوْنَ؛
6	معلوم یہ ہونے لگتا ہے کہ گویا تمہارے قلوب آسیب زدہ ہیں۔	فَكَانَ قُلُوبُكُمْ مَّأْلُوسَةً؛
7	پھر گویا آسیب زدگی سے تمہاری عقل ماری گئی ہو۔	فَأَنْتُمْ لَا تَعْقِلُونَ؛

9	مَا أَنْتُمْ لِي بِثِقَةٍ سَجِيسَ اللَّيَالِي؛	جب تک دن رات آتے جاتے رہیں گے نہ تم میرے لئے قابل اعتبار ہو۔
10	وَمَا أَنْتُمْ بِرُكْنٍ يُمَالُ بِكُمْ؛	اور نہ ہی تم ایسا سہارا رہ گئے ہو جس سے ٹیک لگائی جاسکے۔
11	وَلَا زَوَافِرٌ عَزِيْزٌ يُقْتَفَرُ إِلَيْكُمْ؛	اور نہ ہی تم حصول عزت کے لئے وسیلہ اور سبب بن سکتے ہو کہ کوئی تمہاری احتیاج محسوس کرے۔
12	مَا أَنْتُمْ إِلَّا كَابِلٌ ضَلَّ رُعَاتُهَا؛	تم تو اونٹوں کے اس غول کی طرح ہو جن کے چرواہے گم ہو گئے ہوں۔
13	فَكُلَّمَا جُمِعَتْ مِنْ جَانِبٍ انْتَشَرَتْ مِنْ الْآخَرِ؛	چنانچہ جب ان اونٹوں کو ایک طرف جمع کیا جائے تو وہ دوسری طرف بکھر جائیں
14	لَبِئْسَ لَعَمْرُ اللَّهِ سَعْرُ نَارِ الْحَرْبِ أَنْتُمْ؛	فتم بخدا تم جنگ کی آگ بھڑکانے کے سلسلے میں بہت برے نکلے۔
15	تُكَادُونَ وَلَا تَكِيدُونَ؛	تم سے لکر کیا جاتا ہے مگر تم کوئی چال نہیں چلتے ہو۔
16	وَتَنْتَقِصُ أَطْرَافَكُمْ فَلَا تَمْتَعِضُونَ؛	تمہاری ملکی حدود پر قبضہ کر کے کم کیا جا رہا ہے۔ مگر تمہیں غصہ تک بھی نہیں آتا۔
17	لَا يُبَامُ عَنْكُمْ وَأَنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ سَاهُونَ؛	تمہاری تباہی کی فکر میں دشمن کو نیند نہیں آتی اور تم لاپرواہی میں غلطاں رہتے ہو۔
18	غُلِبَ وَاللَّهِ اَلْمُتَخَادِلُونَ؛	خدا کی قسم ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنے والے سب مغلوب ہوا کرتے ہیں۔
19	وَإِيْمُ اللَّهِ إِنِّي لَا ظُنُّ بِكُمْ أَنْ لَوْ حَمَسَ الْوَعَى؛	بخدا میرا تو یقین ہے کہ اگر جنگ نے شدت اختیار کی اور موت کا بازار گرم ہو گیا
20	وَاسْتَحَرَّ الْمَوْتُ قَدْ انْفَرَجْتُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنْفِرَاجِ الرَّاسِ؛	تو تم ضرور علی ابن ابی طالب سے اس طرح کٹ جاؤ گے جس طرح سر گردن سے کٹ کر جدا ہو جایا کرتا ہے۔
21	وَاللَّهِ إِنْ أَمْرًا يُمْكِنُ عَدُوُّهُ مِنْ نَفْسِهِ يَعْرِقُ لَحْمَهُ؛	بخدا اگر کوئی اپنے دشمن کو اپنے اوپر اس طرح غالب کر لے کہ دشمن اس کا گوشت ہڈیوں سے اتار لے
22	وَيَهْشِمُ عَظْمَهُ؛	اور اس کی ہڈیوں کا چورا کر ڈالے۔
23	وَيَقْرِي جِلْدَهُ؛	اور کھال تک اتار کر ٹکڑے کر دے۔
24	لِعَظِيمٍ عَجْزُهُ؛	اس سے اس کی عظیم عاجزی اور کمزوری ثابت ہوتی ہے۔
25	ضَعِيفٌ مَّا ضَمَّتْ عَلَيْهِ جَوَانِحُ صَدْرِهِ؛	ایسے عاجز شخص کا وہ دل بہت کمزور ہے جس پر اس کے سینے کی ہڈیاں قائم ہیں۔
26	أَنْتَ فَكُنْ ذَاكَ إِنْ شِئْتَ؛	اگر ایسا عاجز و ناتوان بن جانا چاہو تو بن جاؤ۔
27	فَأَمَّا أَنَا فَوَاللَّهِ دُونَ أَنْ أُعْطِيَ ذَلِكَ ضَرَبْتُ بِالْمَسْرِفِيَّةِ تَطْيِيرٌ مِنْهُ فَرَأَشُ الْهَامِ؛	رہ گیا میں تو خدا کی قسم شمشیر آبدار کی ایسی مار دوں گا جس سے کھوپڑی کی ہڈیاں ٹکڑے ہو کر بکھر جائیں۔

28	اور دست و بازو اور کلائیوں اور ٹانگیں گرتی اور برستی نظر آئیں۔	وَتَطِيحُ السَّوَاعِدُ وَالْأَقْدَامُ ؛
29	جب میں ایسا کر چکوں تو اس کے بعد اللہ کو جو پسند آئے کر لے۔	وَيَفْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ ذَلِكَ مَا يَشَاءُ ؛
30	اے لوگو سنو کہ تم پر میرے حق ادا کرنا واجب ہے۔	أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ لِي عَلَيْكُمْ حَقًّا ؛
31	اور مجھ پر بھی تمہارے حق ادا کرنا واجب ہیں۔	وَلَكُمْ عَلَيَّ حَقٌّ ؛
32	چنانچہ تمہارے مجھ پر یہ حقوق ہیں کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔	فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَيَّ فَالنَّصِيحَةُ لَكُمْ ؛
33	اور واجب الادا مال تم پر لوٹنا تارہوں۔	وَتَوْفِيرُ فَيْئِكُمْ عَلَيْكُمْ ؛
34	اور تمہیں اس طرح تعلیم دوں کہ تم جہالت کا شکار نہ بنو۔	وَتَعْلِيمُكُمْ كَيْلَا تَجْهَلُوا ؛
35	تمہیں ادب سکھاؤں تاکہ تم ناواقف نہ رہ سکو۔	وَتَأْدِيبُكُمْ كَيْمَاتُ عَلِمُوا ؛
36	اور میرا حق تم پر یہ ہے کہ تم خود کو فروخت کر دینے میں وفادار رہو اور پورے اترو۔	وَأَمَّا حَقِّي عَلَيْكُمْ فَالْوَفَاءُ بِالْبَيْعَةِ ؛
37	اور اعلانیہ سب کے سامنے بھی اور غیبت کے عالم میں بھی اپنے خلوص اور بہتری چاہنے کا ثبوت دو۔	وَالنَّصِيحَةُ فِي الْمَشْهَدِ وَالْمَغِيبِ ؛
38	اور جب بھی بلاؤں فوراً حاضر ہو جاؤ۔	وَالْإِجَابَةُ حِينَ أَدْعَوْكُمْ ؛
39	اور جب حکم دوں بلاچوں و چرا اطاعت کرو۔	وَالطَّاعَةَ حِينَ أَمْرُكُمْ ؛

تشریحات۔

اللہ کو ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی مشیت کی رعایت پسند آتی ہے۔

اس خطبے میں حضرت علی علیہ السلام نے اپنی اور اللہ کی ہم آہنگی کا اور مخلوقات عالم اور نظام کائنات پر اپنی قدرت اور اختیار کا ایسا مظاہرہ فرمایا ہے جس سے اُن کا مجسم مشیت ہونا ثابت ہو جاتا ہے یہ مظاہرہ دیکھنے سے پہلے وہ صورت حال سمجھنا ضروری ہے جس میں اُس مظاہرہ کی ضرورت پیش آئی تھی۔

1- قریشی صحابہ نے اسلام اور دوتی کے پردہ میں ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ حضرت علیؑ کو مجبور ہو کر حکومت سے دستبردار ہونا

پڑتا۔

قریش نے اسلام کو اپنے منصوبے کے ماتحت رکھنے کے لئے اعلان نبوت کے ساتھ ہی دو محاذ بنا دیئے تھے۔ ایک مخالف محاذ اور ایک دوست محاذ۔ مخالف محاذ کا انتہائی کام یہ تھا کہ اگر یہ نبوت ڈھونگ ہو تو اُسے ختم کر کے دم لے اور اگر حق ہو تو اُسے قومی پالیسیوں اور قومی مفاد کے تحفظ پر مجبور کرتا چلا جائے۔ اور جیسے ہی دوست محاذ اپنی پوزیشن مضبوط کر لے اعلان اسلام کر کے دوست محاذ میں گھل مل جائے۔ دوست محاذ کا انتہائی مقصد یہ تھا کہ وہ اس قدر اعتماد حاصل کر لے کہ نبوت کے بعد حکومت قوم کے ماتحت آجائے اور اگر حالات سازگار ہو جائیں تو خود نبیؐ کی تصدیق و تائید کے ساتھ دوران نبوت ہی حکومت قومی راہنماؤں کے ہاتھ میں آجائے۔

یہ دونوں محاذ ایک دوسرے سے تعاون کے ساتھ اپنا اپنا کام کرنے لگے۔ مخالف محاذ دھونس، دھمکی اور موقع بموقع دباؤ ڈالنے سے لے کر میدان جنگ میں فوج کشی اور تیغ آزمائی تک ہر ممکن کوشش کرتا چلا گیا۔ دوست محاذ یعنی صحابہ رسول کہلانے والا محاذ، ایمان و اسلام کی آڑ میں رہ کر رسول اور حقیقی مومنین کی ہمت شکنی کرتا، اُن میں اختلافات پھیلاتا، افواہوں کے ذریعہ سے انہیں خوفزدہ رکھتا، عقائد اور قرآن فہمی میں مختلف صورتیں پیدا کرتا، لوگوں کو اپنا ہم خیال بناتا، جانی و مالی تعاون سے جی چراتا، اور دوسروں کو جنگ سے روکتا۔ اور برابر یہ کوشش کرتا رہا کہ اسلام کے نام پر بہت سے یاکم از کم دُظنریے تو ضرور وجود میں آجائیں تاکہ لوگ اہم مسائل اور منصوبوں میں رسول سے بحث اور اختلاف کرنے لگیں، بات میں سے بات نکلے اور مسائل کی مختلف صورتیں سامنے آنے لگیں۔ ساتھ ہی ایسا محسوس ہوتا رہے کہ مسلمان پر خلوص ہیں اور اسلام سے ہمدردی کی بنا پر مختلف سوالات کرتے ہیں اور مسئلہ صاف اور واضح کرانا چاہتے ہیں تاکہ عمل کے دوران شک و شبہ وارد نہ ہو کرے۔ قریشی محاذوں نے آخر کامیابی حاصل کر لی۔ مسلمانوں کی کثرت اُن سے متفق رہی اور بعد وفات رسول ایک قریشی یا قومی حکومت وجود میں آگئی۔ اور قریش ساز اسلام چاروں طرف پھیل گیا۔

(الف) حضرت علیؑ کو قریش کے دونوں محاذوں نے گھیر کر ناکامی اور حکومت سے دستبرداری کی طرف بڑھایا۔

یہی دونوں محاذ اُس وقت بھی قائم کئے گئے جب قریش کو پالیسی اور ڈپلومیسی کے میدان میں شکست ہوگئی۔ یعنی حضرت علیؑ علیہ السلام کے اسلامی صبر و ضبط کے محاذ نے قریش کو مجبور کر دیا کہ وہ جمہوری میدان بھی حضرت علیؑ کو سپرد کر دیں۔ یعنی مسلمانوں کی عظیم الشان اور بے نظیر کثرت نے نجوم در نجوم، دوڑ دوڑ کر حضرت علیؑ کے ہاتھ پر زبردستی بیعت کر لی اور دانشوران قریش منہ دیکھتے اور دل مسوستے رہ گئے۔ اُس وقت قریشی طاغوت نے اُسی ترکیب سے کام لیا جو عہد رسولؐ میں کامیابی کا ذریعہ بنی تھی۔ اور جسے قرآن نے بڑی تفصیل اور تکرار کے ساتھ ریکارڈ کیا ہے۔ چنانچہ مخالف محاذ رسولؐ کی ازواج اور خلفا کے اعزاک کی قیادت میں اُٹھا۔ اُس نے قوم اور سابقہ خلفا کے نام پر اپیلیں کیں۔ قومی عصبيت اور غیرت کو ابھارا اور حضرت علیؑ علیہ السلام سے بیعت کر چکنے والے، طلحہ و زبیر کے ساز کے صحابہ کو توڑ کر اپنے ساتھ ملایا۔ اور ایک مستقل انتظام کر دیا تاکہ حضرت علیؑ کے طرفداروں میں سے صحابہ اور صحابہ کو دیکھ کر عوام ٹوٹ ٹوٹ کر مخالف محاذ میں شامل ہوتے رہیں۔ یہ مستقل انتظام ہی وہ دوسرا محاذ تھا جو قریشی ماہرین کی صورت میں حضرت علیؑ کے رفقاء کے کار میں، افسروں اور عہدیداروں میں دوستی کا نقاب پہن کر شامل ہو گیا۔ جو مرکز میں، صوبوں میں، مساجد میں، دفنوں میں وہی کام کرنے لگا جو عہد رسولؐ میں رسولؐ کے قریشی صحابہ کیا کرتے تھے۔ بیت النبوةؐ میں ازواج رسولؐ کرتی تھیں۔ دور دراز علاقوں میں جاسوس یا منافق کرتے تھے۔ بالکل اُسی طرح حضرت علیؑ علیہ السلام کے چاروں طرف دوستوں کا یا صحابہ کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ اُن سب کا مخالف محاذ سے رابطہ تھا۔ اُن کا ہر قدم علیؑ کے خلاف اور مخالف محاذ کی پالیسی کی تائید میں اُٹھتا تھا۔ دوستوں کے یا صحابہ کے محاذ نے طرفداران علیؑ کو سونی صدا من پسند اور مسلمانوں سے جنگ کرنے سے متنفر بنا دیا تھا۔ مخالف محاذ لوٹ مار قتل و غارت کرنے میں تکلف نہ کرتا تھا۔ مگر طرفداران علیؑ امن اور صلح جوئی کا پرچار کرتے تھے۔ صبر و ضبط و تحمل کے راگ الاپتے تھے۔ کوئی حضرت علیؑ علیہ السلام کے جہاد کی اپیلوں پر کان نہ دھرتا تھا۔ دن دہاڑے دشمن کے فوجی دستے آتے اور بلا مزاحمت دیہاتیوں کا سامان لوٹ کر گھڑیاں باندھ کر لے جاتے تھے۔

(ب) حضرت علیؑ کے دوست محاذ نے جو حالات پیدا کر دیئے تھے وہ حضرت علیؑ سے سننے اور دیکھنے کے کیا علیؑ کے سوا کوئی اور حکمران ٹھہر سکتا تھا؟

حضرت علیؑ علیہ السلام کو یقین دلایا جا چکا ہے کہ اُن سے کسی صحابی کو کوئی ہمدردی نہیں کوئی اُن کے تحفظ کیلئے تیار نہیں ہے۔ قسمیہ بیان دیتے ہیں کہ:

وَأَيُّمُ اللَّهِ إِنِّي لَأَظُنُّ بِكُمْ أَنَّ لَوْ حَمَسَ الْوَعَى؛ وَاسْتَحَرَّ الْمَوْتُ قَدْ أَنْفَرَجْتُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنْفِرَاجَ الرَّاسِ؛
(خطبہ 34، جملے 19-20)

”بخدا میرا تو یقین ہے کہ اگر کہیں جنگ نے شدت اختیار کر لی اور موت کا بازار گرم ہو گیا تو تم ضرور علی بن ابی طالب سے اسی طرح کٹ کر الگ ہو جاؤ گے جس طرح سرگردن سے کٹ کر الگ ہو جایا کرتا ہے۔

قریشی صحابہ قومی حکومت کی بحالی کے لئے اپنا تن من دھن اور گوشت پوست دے دیں گے مگر علی کی طرفداری میں جنگ نہ کریں گے۔

علی کے ساتھ شامل ہونے والے قریشی صحابہ نے ہر قیمت پر علی کو شکست سے دوچار کرنا طے کر رکھا تھا۔ وہ کب تک سپر انداختہ رہیں گے اور حضرت علی کی طرف سے اپنے قومی محاذ سے جہاد نہ کریں گے؟ حضرت علی علیہ السلام سے سنئے:

وَاللَّهِ إِنَّ أَمْرًا يُمْكِنُ عَدُوَّهُ مِنْ نَفْسِهِ يَعْرِقُ لَحْمَهُ؛ وَيَهْشِمُ عَظْمَهُ؛ وَيَفْرِى جِلْدَهُ؛ لِعَظِيمِ عَجْزِهِ؛ ضَعِيفَ مَا ضَمَّتْ عَلَيْهِ جَوَانِحُ صَدْرِهِ؛ أَنْتَ فَكُنْ ذَاكَ إِنْ شِئْتَ؛۔ (خطبہ 34، جملے 21 تا 26)

”بخدا اگر کوئی شخص اپنے دشمن کو اپنے اوپر مسلط اور غالب کر لے اُس کا دشمن اُس کی ہڈیوں سے اُس کا گوشت چھیل کر اُتار سکے اور اُس کی ہڈیوں کا چورا کر ڈالے اور اُس کی کھال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تو یہ صورت حال اُس شخص کی عظیم ترین عاجزی اور بے بسی کا ثبوت ہوگی۔ ایسے عاجز اور بے بس شخص کا وہ دل بہت ہی کمزور ہے جس پر اُس کے سینے کی ہڈیاں ابھری ہوئی ہیں۔ لہذا اے میرے مخاطب گروہ اگر تو اتنا عاجز و ناتوان بن جانا پسند کرتا ہے تو بن جا“ (مگر مجھ سے ایسی امید نہ رکھنا۔ یہ میری شان نہیں ہے۔ احسن)

2۔ نظام کائنات کو چاہئے کہ رخ بدلے، مقدرات کو چاہئے کہ ٹھہریں، تو انہیں مشیت کو چاہئے کہ علی کا انتظار کریں۔

یہ اللہ ہو کہ حالات کے سامنے سر جھکانا علی کا کام نہیں۔ یہ اللہ کی توہین ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

فَأَمَّا أَنَا فَوَاللَّهِ دُونَ أَنْ أُعْطِيَ ذَلِكَ صَرَبٌ بِالْمَشْرِفَةِ تَطِيرُ مِنْهُ فَرَّاشُ الْهَامِ؛ وَتَطِيحُ السَّوَاعِدُ وَالْأَقْدَامُ؛ وَيَفْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ ذَلِكَ مَا يَشَاءُ؛۔ (29-34/27) (خطبہ 34، جملے 27 تا 29)

”رہ گیا میں اور میرا معاملہ تو سنو کہ میں ہتھیار ڈالنے اور مجبور ہو جانے کی جگہ اُن کو تلواریں ابدار کی وہ مار عطا کروں گا جس سے اُن کی کھوپڑی کی ہڈیاں اُڑتی پھریں اور اُن کے دست و بازو اور ٹانگیں گرتی اور برستی نظر آئیں۔ جب میں یہ سب کچھ کر چکوں گا تو اُس کے بعد اللہ جو پسند کرے اور جو چاہے کرے۔“

3۔ اگر محمد و علیؑ مشیت اللہ اور اِرادَةُ اللہ و لسان اللہ وغیرہ نہ ہوتے تو قریش کی مجال نہ تھی کہ قومی حکومت بنا سکتے یا ایک سانس بھی مخالفت میں لے سکتے۔

قرآن کریم سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ یہ پوری کائنات اور کائنات کی تمام مخلوقات و موجودات، خواہ ملائکہ ہوں یا جنات، نباتات ہوں یا جمادات، انسان ہوں یا حیوانات، فضائیں ہوں یا گرات، ہوائیں ہوں یا سموات سب بحکم خدا محمد و علیؑ کے حضور میں مستخر و مطیع ہیں۔ (لقمان 20/31، جاثیہ 45/13 وغیرہ۔) مگر رضائے خداوندی کا تقاضا رہا ہے کہ وہ حضرات اور اُن کے جانشین علیہم السلام منشاء الہی اور مقاصد خداوندی کو بہترین صورت میں پورا کرنے کے لئے خود کو بھی اور اللہ کے دیئے ہوئے تمام اختیارات اور قدرت کو بھی اسی طرح اللہ کو سپرد کر دیں۔ جس طرح

اُس نے اپنی پوری خدائی سپرد کی تھی اور بجائے اس کے کہ منشاء خداندی کے مطابق کام کرتے خود منشاء الہی یا مشیت خداندی بن گئے اور اللہ سے یہ سند لے لی کہ:

(1) وَمَا تَشَاءُ وَنَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا O (دھر 76/30)

(2) وَمَا تَشَاءُ وَنَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ O (تکویر 81/29)

(1) ”اور تم نہ تو کچھ چاہتے ہو اور نہ چاہو گے سوائے اس کے کہ جب اللہ چاہتا ہے تو تم چاہتے ہو اور جب اللہ چاہے گا تو تم چاہو گے۔ یقیناً اللہ نے تمہیں اپنے علم و حکمت کے ماتحت ایسا بنایا ہے۔

(2) ”اور تم نہیں چاہتے جب تک اللہ نہ چاہے اور تم نہ چاہو گے جب تک اللہ نہ چاہے گا۔ جو تمام عالمین کا خالق و مربی اور باقی رکھنے والا اور ترقی دینے والا ہے“

یعنی اُن حضرات کا چاہنا دراصل اللہ کا چاہنا ہے اور اللہ کا چاہنا درحقیقت اُن حضرات کا چاہنا ہے۔ اسی اصول پر عمل ہوا تھا جب حضرت علی علیہ السلام نے یہ فیصلہ کر لیا کہ پہلے میں قریش کو تلوار کی مار دے دوں تب اللہ اپنی منشا کو جس طرح چاہے نافذ کرے۔ اللہ نے اس فیصلہ کی تعمیل پر پوری کائنات اور نظام کائنات کو مامور کر دیا تھا اور جب تک مرتضوی منصوبہ وقوع میں نہ آ گیا کوئی تصادم و مزاحم واقع نہ ہوا۔ اسی طرح اگر حضرت علی علیہ السلام چاہتے تو اپنی حکومت و ولایت کو بے روک قائم کر سکتے تھے۔ لیکن اس طرح قریش جرائم سے بچ جاتے۔ اور بلا کوشش و محنت غیر ارادی طور پر نیک رہنے کا اجر پاتے جو ظلم ہی ظلم ہوتا اور ظلم میں اللہ اور محصوین حصہ دار نہیں ہوتے۔ لہذا حضرت علیؑ نے اپنے حقوق کو پس انداز کر دیا اس لئے کہ اُن کے ملنے کا یقین حاصل تھا۔ اور حالات کو مہشیہ کا تازیانہ لگا کر آگے بڑھا دیا۔ اور یہ پسند فرمایا کہ قریش کو نصیحت و تنذیر کے انتہائی درجے تک لے جائیں اور تمام حجت اس طرح کر دیں کہ قریش کو انتہائی سزائیں اور عذاب دینے میں کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور اللہ کا وہ بیان لفظ بلفظ صادق آجائے جو قرآن میں قریش کے حق میں پہلے سے ریکارڈ کر دیا گیا تھا۔

4۔ اگر علیؑ نے اپنی قدرت و قوت استعمال کی ہوتی اور خود کو خوشی خوشی قریشی اسکیم کے حوالے نہ کر دیا ہوتا تو بروز قیامت قریش سے یہ مکالمہ

بھی نہ ہوتا کہ:

الَمْ تَكُنْ اٰیْنِیْ تُتٰلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكٰذِبُوْنَ O قَالُوْا رَبَّنَا عَلَبْتَ عَلَیْنَا سِیْفُوْنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضٰلِّیْنَ O رَبَّنَا اٰخِرُ جَنٰا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ O قَالِ اٰحْسِنُوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنَ O اِنَّهٗ كَانَ فَرِیْقًا مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَاَرْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّحِیْمِیْنَ O فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سَخِرِیًّا حَتّٰی اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِیْ وَ كُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ O اٰیْنِیْ جَزَیْتَهُمْ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْا اِنَّهُمْ هُمُ الْفٰئِزُوْنَ O (سورہ مومنون 111-105/23)

”کیا تمہارے لئے تمہارے سامنے ہماری آیتیں تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ اور کیا تم اُن آیتوں کو غلط مفہم پر فٹ کر کے جھٹلاتے نہ رہتے تھے؟ اُنہوں نے جواب میں اقرار کرتے ہوئے یہ عذر کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر ہماری وہ اسکیم غالب آگئی تھی جس کی رو سے ہم نے لوگوں کو محتاج اور فلاح بنانا طے کیا تھا اور یوں ہماری پوری قوم گمراہی میں پھنس گئی تھی۔ چنانچہ اے ہمارے پالنے والے ہمیں جہنم سے نکال کر اصلاح کا ایک موقع اور دے دے اگر ہم اب کے بھی اُسی گمراہی پر پلٹ جائیں تو ہم واقعی غلط بین و غلط کار و غلط نواز

ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ میرے سامنے سے دُور ہٹو اور جہنم ہی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ یقیناً تمہارا سابقہ میرے بندوں میں سے اُس فرقہ سے پڑا ہے جو یہ کہا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار چونکہ ہم ایمان لائے ہیں اور ایمان پر برقرار رہنا بھی چاہتے ہیں اسلئے ہمارے تحفظ کا انتظام فرمادے اور ہم پر رحم و کرم فرماتا رہ اور تو تو ہے بھی تمام رحم کر نیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا۔ چنانچہ تم لوگوں نے اُس فرقہ کو مخز کر لیا اور اُن پر زیادتیاں کرنے میں اس قدر محو ہو گئے کہ تم یہ بھی بھول گئے کہ میرا ذکر بھی وہیں کہیں ہے۔ اور تم نے انہیں مذاق بنا کر چھوڑ دیا تھا۔ اور وہ صبر کرتے رہے۔ بلاشبہ آج میں نے انہیں اُن کے صبر کی جزا عطا کی ہے اور آج وہی فائز المرام ہیں“

قارئین غور فرمائیں اور قریشی تاریخ سے بھی تصدیق دیکھیں کہ وہ کون سا فرقہ تھا جس نے عہد رسول سے آج تک صرف صبر کیا؟ اور جسے قریشی حکومتوں نے ہمیشہ زبردست ہی نہیں رکھا بلکہ اُسے مٹانے کی تمام ترکیبیں جاری رکھیں؟ اور قریش ہی وہ قوم تھی جس کے دیواروں نے مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کا طریقہ چھوڑ کر اپنی خلافت اور طریقہ جاری کیا تھا۔ اور قریش ہی کا پہلا خلیفہ تھا جس کے پاس الذکر سمجھانے بچھانے کے لئے بنفس نفیس آیا تھا لیکن بقول خود وہ اپنے یار کے بہکانے میں آ گیا تھا۔ قریش ہی وہ قوم تھی جس نے عہد رسول ہی میں قرآن کے مفاد ہم و مقاصد کو اپنی پالیسیوں پر فٹ کر لیا تھا (فرقان 31-25/27) اور ان ہی آیات سے قریش کا مجرم اور دشمن خدا اور رسول ہونا بھی ثابت ہے اور یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا اگر علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اپنے حقوق کے مقابلہ میں مشیت خداوندی کو پہلا نمبر نہ دیا ہوتا۔ اور اپنی مستقل حکومت قائم کر لی ہوتی۔

5۔ قریشی صحابہ اور مومنین کے ساتھ اللہ، رسول اور علیؑ کا رویہ اُن کی اصلاح کی کوششیں اور قریش کا جوابی عمل درآمد اور اُن کی مذمتیں؟

جیسا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے بیان میں دیکھا گیا ہے کہ حضرت علیؑ، قریشی صحابہ کی عاجزی اور جنگ سے باز رہنے میں اپنا خون و گوشت تک دے دینے پر آمادگی کی شکایت فرماتے رہے ہیں۔ اسی طرح قریش عہد رسول میں بھی اپنے مرکزی قومی محاذ کے خلاف جہاد کرنے پر رضامند نہ ہوتے تھے۔ خواہ اُن کا قومی مرکز مسلمانوں پر کتنے ہی مظالم توڑتا رہے اور خواہ اللہ قریشی مسلمانوں کو جہاد پر کتنا ہی اکساتا اور ملامت کرتا رہے۔

(الف) قریشی مسلمان اپنے قومی مرکز سے جہاد و جنگ پر رضامند نہ ہوتے تھے یہ قوم کا لحاظ تھا۔

قریش کا یہ حال قرآن میں بار بار بیان ہوا ہے۔ سنئے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٤٧٥﴾ (نساء 4/75)

”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم مسلمان ہوتے ہوئے مظلوموں کی مدد کے لئے اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے (اور نہ کرو گے) اور بے بس و ناتواں مردوں اور عورتوں اور بچوں کی فریادیں بلند ہو رہی ہیں اور تم پر واہ نہیں کرتے۔ وہ فریاد کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس کلمے سے محفوظ نکال لے یہاں کے باشندے مظالم ڈھا رہے ہیں۔ چنانچہ ہمارے تحفظ کے لئے اپنی طرف سے ہمارے لئے ایک ہمدرد حاکم متعین کر دے اور اپنی طرف سے ہماری مدد کے لئے ایک مستقل نصرت کرنے والا مقرر فرمادے۔“

یہ تھا قریشی مسلمانوں کا رویہ کہ اُن کی قوم بے بس و بے کس مسلمان عورتوں اور بچوں اور مردوں پر ظلم کرتی رہے۔ مگر وہ اپنی قوم کے مقابلے میں مظلوموں کی مدد کے لئے جنگ نہ کریں گے۔

(ب) 5ھ میں مظلوم کس کو ولی اور نصیر چاہتے تھے؟ وہ محمد کے علاوہ ہونا چاہتے۔

یہ بھی نوٹ کر لیں کہ 5 ہجری تک سارے عرب کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سے تعارف ہو چکا تھا۔ مکہ کے مظلوم مرد، عورتیں اور بچے اللہ سے یہ نہیں کہتے کہ ہماری مدد کے لئے آنحضرت کو تعینات کر دے اور نہ اُن کو اپنے لئے ولی بنانے کی درخواست کرتے ہیں۔ سوچئے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دوسرا کون سا ایسا ولی اور نصیر تھا جسے اللہ نے اپنی طرف سے سارے مسلمانوں کا حاکم اور ناصر مقرر کیا تھا؟

(ج) اللہ کی راہ میں جہاد نہ کرنے والی قوم قریش کے سوا اور کوئی قوم نہ تھی۔ وہی قوم تھی جسے عذاب عظیم ہونا تھا اور جسے مِنْ حَيْثِ الْكُلِّ بَدَلْنَا تھما۔ سابقہ آیت میں جنگ نہ کرنے والوں کا کھلا تعین نہیں ہوا ہے۔ یعنی قریشی علماء یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہاں قریش کو مخصوص کر لینا زیادتی ہے۔ لہذا دوسرا مقام دیکھئے ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَالَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّا قَلَّمْنَا إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْنِ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ
فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ أَلَا تَنْفِرُوا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلَ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ
شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (توبہ 38-39)

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب بھی تمہیں اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین گیر ہو جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ تمہیں معلوم ہے کہ دنیاوی زندگی کا سارا ساز و سامان اور عیاشیاں آخرت کی زندگی کے سامنے بڑا حقیر و قلیل سامان ہے۔ اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلو گے تو تمہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ اور تمہاری قوم کی جگہ تمہارے علاوہ ایک دوسری قوم کو تبدیل کر لیا جائے گا اور تم اُس قوم کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکو گے۔ اور اللہ یہ سب کچھ کرنے پر قدرت رکھتا ہے“

اللہ کے اس بیان پر پوری توجہ ضروری ہے اس لئے کہ حضرت علیؓ، قریش کی اسی پوزیشن اور اسی طرز عمل پر گفتگو فرمائیں گے۔ اللہ نے قریش کے ایمان اور اسلام کی حیثیت یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے عقائد میں آخرت کا کوئی مقام نہیں رکھتے اُن کے اسلام میں دنیا اور دنیا کا مال و جاہ و اقتدار ہی اصلی مقصد ہے۔ اور یہ کہ قریشی اسلام میں قریش کے خلاف جنگ و جہاد کرنا جائز نہیں ہے۔ اور تیسری بات یہ بتائی ہے کہ یہ پوری قوم قابل تبدیلی ہے۔ اس کا اسلام اور اس کے اعمال قابل قبول نہیں ہیں۔ اور یہ کہ یہ عذاب عظیم کی مستحق ہے۔ آخری بات وہی ہے جو سابقہ خطبہ میں تفصیل سے آئی تھی یعنی ایک ایسی مسلم قوم عہد رسولؐ میں موجود تھی جو تعداد و قوت میں قریش سے کہیں بڑی اور زبردست تھی۔ جسے قریش نقصان پہنچانے کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قریش اسلام میں داخل ہونے والوں کو نقصان پہنچایا کرتے تھے۔ یعنی جو اُن کا ہم خیال مسلمان نہ بنتا تھا اُس پر زمین تنگ کر دیتے تھے اور جس قوم کو قریش نقصان نہ پہنچا سکتے تھے ظاہر ہے کہ وہ وہی قوم تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اُن ہی کے زمانہ سے موجود رہتی چلی آئی تھی۔ (بقرہ، 2/128) اُس کو اللہ نے اُمت مسلمہ کا لقب دیا تھا (بقرہ، 2/128) اور اسی قوم کے افراد تھے محمدؐ و علیؓ کے آباء و اجداد (2/129) اُس قوم کو اللہ نے دنیا کی تمام اقوام پر تین ہزار سال سے وکیل بنائے رکھا تھا اور وہی قریش پر بھی وکیل رہتی چلی آئی تھی۔ (انعام 6/90) وہی قوم تین ہزار سال سے تعلیمات خداوندی کی ذمہ دار، نبوتوں کی حامل اور محافظ اور عظیم الشان حکومت کی صورت میں موجود رہتی چلی آ رہی تھی (6/90، نساء، 4/54) اور وہی حکومت علویہ تھی (دیکھو سابقہ خطبہ)۔

(د) جہاد نہ کرنے پر قریش عہد مرتضوی تک متفق رہے اور دنیا طلبی میں نہ عزت کا خیال تھا نہ ذلت کی پرواہ تھی۔
قومی طرفداری میں ہر مذمت منظور تھی۔

اللہ کے بعد اب علیؑ کی زبان سے قریش کی حالت سنئے:

(1) اَفِ لَكُمْ لَقَدْ سَمَّمْتُ عَتَابَكُمْ ؛ (2) اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ عَوْضًا؟ (3) وَبِالَّذِلِّ مِنَ الْعِزِّ خَلْفًا؟
(4) اِذَا دَعَوْتُمْ اِلَى جِهَادٍ عَدُوِّكُمْ دَارَتْ ؛ (5) اَعْيُنُكُمْ كَانَتْكُمْ مِنَ الْمَوْتِ فِي عَمْرَةٍ ؛ (6) وَمِنَ الذُّهُوْلِ فِي سَكْرَةٍ
(خطبہ 34، جملہ 1 تا 5)

”میں تمہیں ملامت کرتے کرتے تمہاری اصلاح سے مایوس ہو چکا ہوں، ہاتھ ملتے رہنا اور اُف اُف کرتے رہنا تمہارا مقدر بن چکا ہے۔
کیا تم آخرت کی زندگی کے بدلے میں دنیا کی عیاشانہ زندگی پر راضی ہو چکے ہو؟ مطلب یہ کہ کیا تم نے اللہ کی تمام تعلیمات و تاکیدات
اور ہدایات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے؟ اور کیا دنیا و آخرت میں عزت و وقار کی زندگی کی جگہ ذلت و خواری کی زندگی پسند کر لی ہے؟
میں جب بھی تمہیں تمہارے دشمنوں کے مقابلے میں جہاد کی دعوت دیتا ہوں تو تمہاری آنکھیں اس طرح گھومنے اور چکرانے لگتی ہیں جیسے
کہ تم موت کے پتھر میں گرفتار ہو اور تم پر جان کنی اور نزع کی غفلت و مدہوشی طاری ہو۔“

قریش نے عہد رسولؐ کے بعد بھی کبھی آخرت اور عاقبت کو مد نظر نہیں رکھا تھا۔ یعنی اُن کا یہ عقیدہ بہت مستحکم تھا کہ اسلام کا حقیقی مقصد دنیا میں حکومت
و اقتدار اور مال و منال حاصل کرنا ہے۔

(ه) جہاد کی بات کو ٹالنے کے لئے دیوانگی اور عالم نزع کا ڈھونگ قریش کا بہت قدیم حربہ تھا وہ عہد رسولؐ میں بھی آنکھیں گھمایا کرتے تھے۔

قریشی صحابہ کا اپنی قوم سے جنگ نہ کرنا اُن کی پالیسی کا اصل الاصول تھا۔ اُن میں محاذ بناتے وقت طے یہ ہوا تھا کہ دونوں محاذ مل کر
اسلامی حکومت حاصل کریں گے اور اس مقصد کے قریب پہنچتے ہی دونوں محاذ آپس میں گھل مل جائیں گے۔ اگر وہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ
کرتے تو گھلانا ملنا دل سے نہ ہوتا اس لئے کہ دونوں محاذوں میں ایک دوسرے کے قاتل بھی ہوتے اور مقتولوں کے متعلقین، لازم تھا کہ قاتلوں سے
بغض و کینہ دلوں میں لئے ہوئے ملتے اور یہ ملنا قلبی ہم آہنگی کے منافی ہوتا۔ جس طرح قریش نے کبھی یہ نہ سوچا کہ حضرت علیؑ نے قریشی سرداروں کو
اسلام کی نصرت میں قتل کیا تھا اور اللہ و رسولؐ کی تائید کی تھی۔ بلکہ ہمیشہ حضرت علیؑ کو دشمن سمجھا اور اُن کے اور اُن کی اولاد کے ساتھ دشمنوں ایسا
منگھما نہ سلوک کیا اس لئے کہ اُنہوں نے سیکڑوں قریشی بہادروں کو تہ تیغ کیا تھا۔ وہ آپس میں اس قسم کی دشمنی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ وہ ہر ملامت
اور ہر سزا سہہ سکتے تھے۔ مگر اپنی قوم سے یا اپنی قوم کے کسی فرد سے جنگ برداشت نہ کر سکتے تھے۔ یہ وجہ تھی کہ اُنہوں نے نہ علیؑ کی طرف سے ہونے
والی مذمت اور طعن و تشنیع کی پرواہ کی نہ اس معاملے میں اللہ و رسولؐ کی بات کو کوئی اہمیت دی۔ قریشی رویے پر قرآن سنئے:

جنگ سے بچنے کا ڈھونگ اور حیلے خوا لے مودودی کے تراجم اور تشریح میں۔

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ
الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالسِّنَةِ
حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَبِيرِ أُولَئِكَ لَمْ يُوْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ (33/18-19)

”اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جنگ کے کام میں) رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں، جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ”آؤ ہماری طرف“ جو لڑائی میں حصہ لیتے بھی ہیں تو بس نام گنانے کو، جو تمہارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں۔ خطرے کا وقت آجائے تو اس طرح دیدے پھرا پھرا کر تمہاری طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی مرنے والے پر غشی طاری ہو رہی ہو، مگر جب خطرہ گزر جاتا ہے تو یہی لوگ فاندوں کے حریص بن کر قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبانیں لئے تمہارے استقبال کو آجاتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائے، اس لئے اللہ نے اُن کے سارے اعمال ضائع کر دیئے۔ اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ (احزاب۔ 19-18/33)

جنگ کے دوران قریش کا یہ قول کہ ”آؤ ہماری طرف“ مودودی کی تشریح۔

”۲۹ یعنی چھوڑو اس پیغمبرؐ کا ساتھ۔ کہاں دین و ایمان اور حق و صداقت کے چکر میں پڑے ہو؟ اپنے آپ کو خطرات اور مصائب میں مبتلا کرنے کے بجائے وہی عافیت کوشی کی پالیسی اختیار کرو جو ہم نے اختیار کر رکھی ہے“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 79)

آیت 33/19 پر مودودی کی وضاحت۔

”۳۱ لغت کے اعتبار سے اس آیت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ لڑائی سے جب تم کامیاب ملتے ہو تو وہ بڑے تپاک سے تمہارا استقبال کرتے ہیں اور چرب زبانی سے کام لے کر یہ دھونس جمانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم بھی بڑے مؤمن ہیں اور ہم نے بھی اس کام کو فروغ دینے میں حصہ لیا ہے، لہذا ہم بھی مال غنیمت کے حق دار ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر فتح نصیب ہوتی ہے تو مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر یہ لوگ زبان کی بڑی تیزی دکھاتے ہیں اور بڑھ بڑھ کر مطالبے کرتے ہیں کہ لاؤ ہمارا حصہ، ہم نے بھی خدمات انجام دی ہیں، سب کچھ تم ہی لوگ نہ لوٹ لے جاؤ“۔ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 79)

(و) مودودی کی تشریح اور آیات کا حضرت علیؑ سے ہم آہنگ ہونا۔

مندرجہ بالا دونوں آیات (33/18-19) میں قریش کا آنکھیں بدلنا اور اپنے اوپر موت کی سی کیفیت طاری کر لینا عہد رسولؐ میں بھی جاری رہا اور حضرت علیؑ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی بدستور باقی تھا۔ قرآن اور صاحب قرآن کے بیانات میں ہم آہنگی اور قریش کی مستقل عادت دیکھ لینے کے بعد اب مودودی کی تشریحات کو دیکھیں اور غور کریں کہ مودودی مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت کا وجود مانتے ہیں جو آیت کی رو سے حقیقی طور پر ایمان نہ لائی تھی اور مؤمن بنی رہتی تھی اور مؤمنین اسے مؤمن جماعت سمجھتے تھے اور وہ مال غنیمت میں برابر کا حصہ طلب کرتی تھی۔ اور اُسے حصہ دیا جاتا تھا۔ سوال یہ ہے کہ وہ جماعت کون سی تھی؟ مودودی کا اور مودودی کے ہم مذہب چار یاری علما کا جواب ہوگا کہ ”وہ منافقوں کی جماعت تھی۔“ یہ جواب اس لئے غلط ہے اور قابل قبول نہیں کہ آیات میں لفظ منافق یا منافقین موجود نہیں ہے۔ اور چار آیات کے بعد جو لفظ ”المنافقین“ آیا ہے وہاں موضوع بدل چکا ہے۔ اور اگر مذکورہ لوگوں کا تعلق وہاں سے جوڑا بھی جائے تو وہاں اُن کو عذاب دینے اور توبہ قبول کرنے کی بات ہو رہی ہے۔ مگر آیات زیر بحث میں توبہ کہا گیا ہے کہ ”وہ جماعت ایمان لائی ہی نہیں۔“ توبہ تو ایماندار گنہگاروں کی قبول ہوا کرتی ہے۔ یہ بھی غور طلب ہے کہ منافق جماعت تو ایک پوشیدہ رہنے والی ٹولی ہوا کرتی ہے۔ اُس میں نہ اتنی ہمت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو تبلیغ کر کے اپنے اندر شامل کریں اور نہ ہی ایک قلیل و حقیر جماعت کی دعوت پر کوئی توجہ دیا کرتا ہے۔ اُس جماعت کا علی الاعلان مسلمانوں کو دعوت دینا بتاتا ہے کہ وہ جماعت طاقتور قومی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اُس کے مقابلہ میں حقیقی مسلمان قلت میں ہونا چاہئیں ورنہ وہ جنگ سے دست کش ہو کر رسولؐ کو تنہا چھوڑ

آنے اور عافیت کوشی کی دعوت نہ دے سکتی تھی۔ آیات میں یہ نہیں کہا گیا کہ: ”وہ جماعت چپکے چپکے دعوت دیتی ہے“۔

وہاں تو یہ کہا گیا ہے کہ: وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا O (33/18)

”وہ مخصوص لوگ ”اپنے بھائیوں“ سے کہتے ہیں (اور کہتے رہیں گے کہ) تم لوگ جنگ سے ہٹ کر ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اور ان لوگوں کی قلت جنگ میں شامل ہوتی ہے، یعنی ان کی ”کثرت جنگ میں شریک نہیں ہوتی ہے“

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اس جماعت میں مسلمانوں کی ایسی کثرت شامل ہے جس کی قلت جنگ میں شریک رہتی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ قریشی قوم کے مسلمانوں کی بات ہوئی ہے۔

مودودی کی تشریح کا دوسرا رخ یہ ہے کہ مذکورہ جماعت حقیقی مومن ہونے اور اسلامی کارنامے بجالانے کا دعویٰ کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے دعویٰ کو کس طرح قرآن سے غلط ثابت کیا جائے گا؟ اگر اس قسم کے مدعی ہر اس آیت کو اپنے حق میں پیش کریں جس میں مومنین کی مدح و ثنا مذکور ہو جس میں دینی کارناموں کے بجالانے والوں کا ذکر ہو تو مودودی اینڈ کمپنی کیا کہے گی؟ کس طرح مدعی کے مطلوبہ لوگوں کو آیات سے خارج کرے گی؟ بالکل یہی صورت حال مودودی اور تمام چاریاری علما پیش کرتے ہیں وہ ابوبکر و عمر وغیرہ قسم کے لوگوں کو حقیقی مومن قرار دیتے ہیں۔ ان کے حق میں بہت سی اسلامی خدمات اور کارناموں کی فہرست پیش کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر روایات اور قریش ساز افسانوں کو الگ کر دیا جائے تو قرآن سے ان قریشی صحابہ کی عظمت کیسے ثابت کی جائے گی؟ جب کہ ان کا نام آیات میں مذکور نہیں ہے۔ آیات میں تو مہاجرین کی مدح ملے گی۔ مہاجرین کے معنی نہ ابوبکر ہیں نہ عمر ہیں۔ وہاں مومنوں کی تعریف ملے گی۔ اور مومنین کے معنی ابوبکر و عمر نہیں ہوتے۔ اس کے خلاف رسول کی قوم کو قرآن کے جھٹلانے والا اور قرآن کو غلط استعمال کرنے والا اور دشمن دین کہا گیا ہے۔ (انعام 6/66-فرقان 31-30/25)

اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ابوبکر و عمر اینڈ کمپنی رسول کی نام نہاد قوم قریش کی چشم و چراغ تھی۔ لہذا ان سب کا دشمن اسلام ہونا ناظر من الشمس ہے اس پر کسی بحث و تحقیق کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لہذا جس جماعت یا قوم کا آیات (احزاب 19-33/18) میں ذکر ہوا ہے اور جس پر مودودی نے تنقید کی ہے وہ بلاشبہ قریش تھے۔ جو حقیقی مسلمانوں کو جنگ سے باز رہنے، رسول کو میدان جنگ میں چھوڑ آنے کی دعوت دیا کرتے تھے اور یہ عملدرآمد کوئی نیا نہ تھا بالکل قریش کی مستقل سنت تھی جو عہد رسول ہی میں نہیں بلکہ عہد رضوی میں بھی برقرار تھی اور ابھی اس کا ذکر آنے والا ہے۔ یہاں تو پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

(ز) قریش کا اسلامی حکومت اور قیادت میں حصہ اور اختیار مانگنا، غلط پروپیگنڈا کرنا، رسول کو میدان میں چھوڑ جانا

قریش حکومت اور اسلامی قیادت میں اپنا اختیار مانگنے کے لئے کس حد تک جاتے تھے۔ قرآن سنئے: ارشاد ہے کہ:

اِذْ تَضَعُونَ وَلَا تَلَوْنَ عَلَيَّ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ..... وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ

أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي

أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قَاتَلْنَا هَهُنَا.... الخ (آل عمران 154-3/153)

”وہ وقت یاد کرو جب تم بھاگ بھاگ کر پہاڑ پر چڑھے جا رہے تھے۔ اور کوئی ایک شخص بھی کسی دوسرے کی طرف پلٹ کر نہ دیکھتا تھا اور محمد رسول اللہ تمہیں تمہارے پیچھے سے پکار رہے تھے اور تم دوڑے چلے جا رہے تھے..... اور ایک وہ گروہ تھا

جس نے ساری ہمت اور اہمیت اپنے منصوبے پر مرکوز کر رکھی تھی۔ وہ اللہ کے متعلق ایسے عقائد پھیلا رہا تھا جو حق کے مخالف اور قبل نبوت کے مذہب سے متعلق تھے۔ یہ میدان جنگ سے بھاگ آنے والے لوگ کہہ رہے تھے کہ کیا اسلامی قیادت میں ہمیں کوئی مقام دیا گیا ہے؟ دراصل یہ لوگ آپس میں جس اسکیم کو خفیہ رکھے ہوئے اور جسے تم پر ظاہر نہیں کرتے وہ یہ ہے کہ انہیں حکومت و قیادت میں شریک کیا جائے اور جنگ میں شکست کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ انہیں قیادت میں کوئی حصہ و اختیار نہیں دیا گیا ورنہ یہ قتل عام نہ ہوا ہوتا۔“

مودودی مانتے ہیں کہ میدان سے ہٹنے والے منافق نہیں مسلمان تھے۔

”۱۰۱۔ جب مسلمانوں پر اچانک دو طرف سے حملہ ہوا اور ان کی صفوں میں ابتری پھیل گئی تو کچھ لوگ مدینہ کی طرف بھاگ نکلے اور کچھ اُحد پر چڑھ گئے، مگر نبیؐ ایک انچ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ دشمنوں کا چاروں طرف ہجوم تھا۔۔۔ رسولؐ بھاگنے والوں کو پکار رہا تھا۔

”إِلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ إِلَهِي عِبَادِ اللَّهِ“ اللہ کے بند میری طرف آؤ، اللہ کے بند میری طرف آؤ“ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 295)

ثابت ہوا کہ وہ اسلام و ایمان سے خارج ہو کر صرف اللہ کے بند رہ گئے تھے۔

(ح) اللہ اور رسولؐ کے ساتھ اگر قریش پر خلوص اور وفادار و قابل اعتماد و بھروسہ نہ تھے تو علیؑ کے ساتھ انہیں کیسا ہونا چاہئے؟ علیؑ سے سنئے:

عہد رسولؐ میں قریش نے اسلام کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ چند مقامات بیان کر دینے سے سامنے نہیں آسکتا۔ اسی طرح قریش نے حضرت علیؑ علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا وہ چند جملوں میں نہیں ساسکتا۔ بہر حال سنئے کہ مولائے کائنات قریش کی پوزیشن کا ایک نمونہ پیش فرماتے ہیں جس میں قریش کی یہ پالیسی سامنے آئے گی کہ علیؑ کے ساتھ اس طرح رہو کہ علیؑ تنہائی محسوس کریں۔ نہ کوئی مشورہ دہنہ مفید بات بتاؤ۔ بلکہ ان کے مشوروں اور احکام پر بھی صحیح صحیح عمل نہ کرو ہر بات کو ترکیب سے اُلٹ دو اور غلط فہمی کا عذر کرتے رہو تا کہ علیؑ اپنی محدود معلومات میں گھر کر رہ جائیں اور تنگ آ کر حکومت سے دستکش ہو جائیں اور یوں حکومت قریشی مرکز میں چلی جائے۔ مگر قریش نے دیکھا کہ علیؑ لامحدود علم و تجربہ کے حامل تھے۔ اور قریش کی رگ رگ سے واقف تھے۔ انہوں نے قریش اور دیگر رعایا کے سو فیصد عدم تعاون کے باوجود قریش کو پانچ سال ناک چپنے چبوائے ان سے بچ نکلنے کی صرف ایک راہ تھی یعنی انہیں دھوکے سے قتل کر دیا جائے جو نہایت آسان راہ تھی اس لئے کہ حضورؐ کبھی دوسرے خلفا اور دوسرے بادشاہوں کی طرح باڈی گارڈ نہ رکھتے تھے۔ کوئی اپنے ذاتی تحفظ کا انتظام نہ کرتے تھے۔ چاروں طرف دشمنوں کی موجودگی میں بھی تنہا راتوں کو نکلتے تھے۔ اسی طرز عمل سے لوگوں کو قتل کا موقع ہاتھ آیا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حیات رسولؐ میں اور بعد وفات رسولؐ برسہا برس تک لوگوں کو آپ کے قتل کی جرأت کیوں نہ ہوئی جب کہ آپ قریش کے سیکڑوں بہادروں کے قاتل بھی تھے؟ اس کا جواب آپ نے خود دیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ نے میری حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے۔ جب وہ انتظام ہٹا لیا جائے تو میں اللہ سے ملاقات کروں گا۔ بہر حال قریشی صحابہ کا حال سنئے:

(6) يُرْتَجِعْ عَلَيْكُمْ حَوَارِي فَتَعْمَهُونَ؛ (7) فَكَانَ قُلُوبُكُمْ مَالُوسَةً؛ (8) فَانْتُمْ لَا تَعْقِلُونَ؛ (9) مَا أَنْتُمْ لِي بِبِقَّةٍ سَجِيسِ

الَلِّيَالِي؛ (10) وَمَا أَنْتُمْ بِرُكْنٍ يُمَالِ بِكُمْ؛ (11) وَلَا زَوَافِرُ عَزِ يُفْتَقِرُ إِلَيْكُمْ؛ (12) مَا أَنْتُمْ إِلَّا كَابِلٍ ضَلَّ رِعَانُهَا؛

(13) فَكَلَّمَا جُمِعَتْ مِنْ جَانِبِ انْتَشَرَتْ مِنْ الْآخَرِ؛ (14) لَبِئْسَ لِعَمْرٍ لَللَّهِ سَعْرُ نَارِ الْحَرْبِ أَنْتُمْ؛ (15) تُكَادُونَ وَلَا

تَكِيدُونَ؛ (16) وَتَسْتَقْصِ أَطْرَافَكُمْ فَلَا تَمْتَعُصُونَ؛ (17) لَا يُنَامُ عَنْكُمْ وَأَنْتُمْ فِي عَقْلَةٍ سَاهُونَ؛ (18) غَلَبَ وَاللَّهِ

الْمُتَحَادِلُونَ؛ (19) وَإِيْمُ اللَّهِ إِلَهِي لَا ظُنُّ بِكُمْ أَنْ لَوْ حَمِسَ الْوَعْيُ؛ (20) وَاسْتَحْرَ الْمَوْتُ قَدْ أَنْفَرَجْتُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي

طَالِبِ انْفِرَاجِ الرَّاسِ؛۔ (خطبہ 34، جملے 6-20)

” (6) تم میری کسی ہدایت کو بھی سمجھ کر اختیار نہیں کرتے ہو اسی لئے تم حیران و حواس باختہ ہو کر رہ جاتے ہو، (7) معلوم یہ ہونے لگتا ہے کہ گویا تم اور تمہارے قلوب آسیب زدہ ہیں۔ (8) پھر گویا آسیب زدگی سے تمہاری عقلیں ماری گئی ہوں اور تم عقل سے کام لینے کے قابل نہ رہے ہو۔ (9) جب تک یہ دن رات آتے جاتے رہیں گے نہ تم میرے لئے قابل اعتبار بنو گے (10) اور نہ تم ایسا سہارا بنو گے جس سے ٹیک لگائی جاسکے، (11) اور نہ ہی تم حصول عزت کے لئے وسیلہ اور سبب ہو سکتے ہو کہ کوئی تمہاری ضرورت اور احتیاج محسوس کرے، (12) تم تو اؤٹوں کے اُس غول کی طرح ہو جس کے چرواہے گم ہو گئے ہوں، (13) چنانچہ جب اُن اونٹوں کو ایک طرف سے جمع کیا جائے تو وہ دوسری طرف بکھر جائیں، (14) قسم بخدا تم جنگ کی آگ بھڑکانے کے لئے بہت بُرا بندھن ہو، (15) تم سے کمر کیا جاتا ہے مگر تم کوئی مکر نہیں کرتے ہو، (16) تمہاری ملکی حدود پر قبضہ کر کے اُنہیں گم کیا جا رہا ہے مگر تمہیں غصہ تک نہیں آتا ہے، (17) تمہاری تباہی کی فکر میں دشمن کی نیند اُڑ گئی ہے اور تم غفلت و لاپرواہی میں مبتلا ہو، (18) خدا کی قسم وہی لوگ مغلوب ہوا کرتے ہیں جو ایک دوسرے کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ (19) بخدا مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر جنگ نے شدت اختیار کر لی اور موت کا بازار گرم ہو گیا تو (20) تم ضرور ابوطالب کے بیٹے کو چھوڑ کر اُس سے اس طرح کٹ جاؤ گے جیسے سرگردن سے کٹ کر الگ ہو جاتا ہے۔“

(ط) رسول کو قتل ہو جانے کے لئے نزع اعدا میں چھوڑنے والے ممکن تھا کہ علی کو بھی چھوڑ جاتے۔

زادیر پہلے قرآن سے دیکھا تھا کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میدان جنگ میں قریش کی کھچی ہوئی تلواروں میں چھوڑ دیا تھا۔ اور ساری دنیا جانتی ہے اور قریشی تاریخیں مانتی ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے قریش کے خونخوار لشکر کو تنہا فرار پر مجبور کیا تھا۔ آنحضرت زخمی ہو گئے تھے اور حضرت فاطمہ علیہا السلام تک موقع واردات پر پہنچ گئی تھیں۔ یہی موقع تھا جب حضور کے دو دانت شہید ہوئے تھے۔ اسی جنگ میں حضرت امیر حمزہ علیہ السلام شہید ہوئے تھے۔ اسی کا نام جنگ اُحد ہے۔ اُحد وہی پہاڑ ہے جس پر قریشی صحابہ جا کر بیٹھے اور دوسرے اقدام کے لئے مجلس شوریٰ منعقد ہو رہی تھی کہ ابوسفیان کا لشکر فرار کر گیا اور اس کے بعد وہی بے غیرت صحابہ طرح طرح کے عذرات کے ساتھ آ کر جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اُن کا دوسرا قدم یہی ہوتا کہ وہ رسول کی جگہ قومی حکومت بناتے اور اس میں ابوسفیان کی فوج اُن کی مدد کرتی۔ اُن سے حضرت علیؑ کا یہ کہنا کہ تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے۔ اسی حادثہ کو یاد دلانے کے لئے ہے۔ ورنہ حضرت علیؑ علیہ السلام کا نہ تو ایسا انتظام تھا کہ قریشی صحابہ بھاگ کھڑے ہوتے اور نہ حضور بے دست و پا کئے جاسکتے۔ آنحضرتؐ تو تلوار سے کام لینا پسند نہ کرتے تھے اس کے برعکس علیؑ سارے قریش کو تنہا کر سکتے تھے۔

(ط۔ الف) حضرت علیؑ کے ان جملوں (20-34/6) میں مذکور مختلف پہلوؤں پر قریشی مصلحتوں کے ماتحت دوبارہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔

پہلی بات یہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام قریشی صحابہ کو اُن کی اپنی فرضی پوزیشن میں مخاطب فرماتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ خود کو علیؑ کا طرفدار و ہمدرد اور علوی حکومت کا حامی کہتے تھے۔ اور حضرت علیؑ کے مخالفوں اور دشمنوں کو اپنا مخالف اور دشمن باور کراتے تھے۔ اس لئے اپنے دشمنوں کو قریشی صحابہ کا دشمن فرمایا ہے۔ اپنی مملکت کو اُن کی مملکت قرار دے کر بات کی ہے۔ اپنی ملکی حدود کو اُن کی ملکی حدود فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُن سے جو بھی شکوہ کیا اُسی طرح کیا ہے۔ جس طرح اپنے دوستوں اور رفقاء کے کار سے شکایت کی جاتی ہے۔ حالانکہ قریشی صحابہ خواہ قدیم ہوں یا جدید ہوں، اپنے ساتھ چپکے ہوئے اور طرفدار بنے ہوئے ہوں یا غیر جانبدار رہنے والے ہوں ہرگز کبھی نہ علیؑ کے دوست تھے نہ دوست ہو سکتا ممکن

ہی تھا۔ وہ سب قلب کی گہرائی میں حضرت علیؑ اور خاندان مرتضوی کے جانی اور خونخوار و کمینہ ترین دشمن رہے ہیں۔ اور کبھی اپنی قوم کے یا کسی قومی فرد کے دشمن نہ تھے۔ دل کی گہرائی میں قوم پرستی بھری ہوئی تھی۔ اُن میں سے کسی کے کسی ایسے بیان پر ہرگز یقین نہ کرنا چاہئے جس میں قریش کو قریشی سے مخالفت یا دشمنی کا پتہ ملتا ہو۔ ایسا بیان فریب خوردگی یا فریب سازی پر محمول کرنا چاہئے۔

حضرت علیؑ کے بیانات میں مذکور شکایات کا واقعاتی جواب۔

چنانچہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی قریشی صحابہ کے متعلق سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے مخالفین کے مقابلہ پر جہاد میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ یہی شکایت ہے جسے حضورؐ نے طرح طرح سے بہت سے خطبات میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ زیر تشریح خطبہ (34) میں بھی فرمایا ہے کہ:

”جب بھی میں تمہیں تمہارے دشمن کے مقابلہ پر جہاد کی دعوت دیتا ہوں تو تمہاری آنکھیں اس طرح گھومنے اور چکرانے لگتی ہیں جیسے تم موت کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہو اور جیسا کہ تم پر جان کنی اور نزع کی غفلت اور مدہوشی طاری ہو“ (خطبہ 34، جملہ 4-5)

اسی سلسلے میں یوں بھی فرمایا کہ:

”قسم بخدا تم جنگ کی آگ بھڑکانے میں بہت بڑا ایندھن ہو۔ تم سے مکر کیا جاتا ہے مگر تم مکر کا توڑ مکر سے نہیں کرتے۔ تمہاری ملکی حدود پر قبضہ کر کے انہیں گھٹایا جا رہا ہے۔ مگر تمہیں غصہ تک نہیں آتا۔ تمہارا دشمن تمہاری تباہی کی فکر میں سوتا تک نہیں اور تم غفلت و لا پرواہی میں مگن رہتے ہو۔“ (خطبہ 34، جملہ 14 تا 17)

یہ صورت حال فطری طور پر بتاتی ہے کہ جن لوگوں کو حضرت علیؑ اپنے مخاطب قریشی صحابہ کا دشمن فرماتے ہیں وہ ہرگز اُن کے دشمن نہیں ورنہ دنیا میں ایسا شخص نہ پیدا ہوا اور نہ پیدا ہوگا جو اپنے دشمن کو کھلی چھٹی دے دے اور تنبیہ و تاکید کے بعد بھی دشمن کی طرف سے لا پرواہ اور بے فکر رہے۔ حضرت علیؑ خود بھی جانتے ہیں لیکن دوستی کا ڈھونگ رچانے والے ان قریشی لوگوں کو اور کیا کہہ کر مطعون کریں؟ یہی وہ طریقہ تھا جس سے یہ ملعون ٹولا باقی مومنین کی نظروں میں حقیر و ذلیل کیا جاسکتا تھا۔ یہ بڑی نازک صورت حال تھی وہ لوگ ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ نمازیں ساتھ پڑھتے تھے۔ کہیں کھل کر مخالفت نہ کرتے تھے۔ ہمدردی اور یاری کے دعوے کرتے تھے۔ حضرت علیؑ اُن سے کیسے کہیں کہ تم دشمنان اسلام، طلحہ و زبیر اور عائشہ اور معاویہ کے دوست ہو؟ بالکل یہی صورت حال چاریاری لوگوں نے رسول کے چاروں طرف پیدا کئے رکھی اور کامیاب ہوئے۔ وہاں بھی اور یہاں بھی ضروری تھا کہ اُن ملائین کو اور ان شیاطین کو ساتھ لگا کر رکھا جائے وہاں اللہ فرماتا ہے کہ:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظًا لَّانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿آل عمران 3/159﴾

زمی اور حُل کی مار بھی ضروری ہوتی ہے۔

”اے نبیؐ یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان قریشیوں کے ساتھ معیاری طور پر نرم روا اور بردباری سے پیش آرہے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم (اُن کی سازشوں، بد عقیدگیوں، حکومت الہیہ میں شرکت و اختیار چاہنے پر (155 تا 3/153) اُن پر سختی سے باز پرس کرتے تو یہ نام نہاد مومنین تمہیں چھوڑ کر کھلم کھلا سرداران قریش سے جا ملنے۔ لہذا اُن کو ساتھ لگائے رکھنے کے لئے فی الحال اُن کے کردار کو نظر انداز کرو اور اُن کی بھی اصلاح کو ممکن سمجھ کر اُن کے لئے ہم سے بخشش کی دعا کرتے رہو اور حقیقی مومنین کے ساتھ ساتھ انہیں بھی حکومت الہیہ کے متعلق اپنے

خیالات اور مشوروں کا اظہار کرنے دیا کرو۔ لیکن اگر آپ نے اُن کو جھٹک دینے کا عزم کر ہی لیا ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ تو یقیناً بھروسہ کرنے والوں ہی کو محبوب رکھا کرتا ہے۔“

اور یہاں حضرت علی علیہ السلام اُن پر حقیقت حال کو نہ کھول کر انہیں جمائے رکھتے ہیں۔ ورنہ وہ طلحہ وزبیر اور معاویہ کے پاس جانے میں حق بجانب ہو جاتے اور عوام اصل حقیقت کو جاننے سے قاصر رہتے اور حضرت علیؑ پر سخت کوشی کا الزام عائد ہو جاتا۔ یہ تھی قریشی ماہرین کی وہ پالیسی جس کی بنا پر انہیں اُسی طرح ڈھیل دی گئی جس طرح ابلیس نے چیلنج کرنے اور حکم عدولی کے باوجود بڑی لمبی مہلت حاصل کر لی تھی۔ مہلت نہ دی جاتی تو اتمام حجت نہ ہوتا۔ مہلت دی گئی تو لاتعداد گمراہیاں پھیلنے کا موقع دیا گیا۔ بہر حال اللہ اور معصومین علیہم السلام نے اتمام حجت ہی کو پسند کیا۔ انہیں سزا دینے اور مواخذہ کرنے کی جلدی تو اُس حالت میں ہونا چاہئے جب مواخذہ اور سزا دینے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے۔ یا مجرم قابو سے باہر ہو جائے اور ہاتھ آنے کا امکان نہ رہے۔ قریش و ابلیس اور زمان و مکان اور مواخذہ اور سزا سب اللہ کے اختیار میں ہے لہذا اُن کو وہ سارا موقع دیا گیا کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں کوئی تمنا اور آرزو باقی نہ رہے۔ اور پھر مواخذہ اور سزا بھی اللہ اور معصومین کے معیار پر دی جاسکے۔

(ی) قرآن سے ثابت ہے کہ اللہ بھی قریش سے وہی کچھ کہتا رہا جو علیؑ فرماتے رہے۔ حقیقتاً قریش کبھی آپس میں دشمن نہ تھے۔

قریش ایمان لائے تو سازش اور منصوبے کے ماتحت ایمان لائے۔ قریش نے مخالفت کی تو سازش اور منصوبے کے ماتحت مخالفت کی، وہ طرفداران محمدؐ و علیؑ میں شامل ہوئے تو سازش اور منصوبے کے ماتحت شامل ہوئے۔ قریش تنبیح بکف سامنے آئے تب بھی سازش اور منصوبے کی اطاعت میں آئے۔ وہ ادھر رہے یا ادھر رہے۔ دونوں محاذ دونوں گروہ متفق وہم آہنگ تھے انہوں نے جو کچھ کیا وہ سوچا سمجھا، جانا بوجھا اور منفقہ تھا وہ ہر حال میں آپس میں دوست اور محمدؐ و علیؑ کے دشمن تھے اُن پر کبھی اللہ اور علیؑ کے طعن و طنز اثر انداز نہیں ہو سکے۔

قریش سے اللہ کا طریقہ سوال؟ قرآن سنئے اور مودودی کے ترجمہ سے سمجھئے ارشاد ہے:

أَلَا تَتَّقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوا بِكُفْرَانِكُمْ وَأَوَّلَ مَرَّةٍ اتَّخَشَوْنَهُمْ فَالَلَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (توبہ 9/13)

”کیا تم نہ لڑو گے ایسے لوگوں سے جو اپنے عہد توڑتے رہے ہیں اور جنہوں نے رسول کو ملک سے نکال دینے کا قصد کیا تھا اور زیادتی کی ابتدا کرنے والے وہی تھے؟ کیا تم اُن سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مؤمن ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 180-181)

مودودی کی تشریح میں سے بھی چند الفاظ سن لیں۔

”۱۶... اُن کے لئے یہ معاملہ بڑی کڑی آزمائش کا تھا۔ کیوں کہ اُن کے بہت سے بھائی بند، عزیز اقارب ابھی تک مشرک تھے اور اُن

میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے مفاد قدیم نظام جاہلی کے مناصب سے وابستہ تھے“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 180)

یہ ترجمہ اور تشریح بات کو واضح کرنے کیلئے نہیں کہے جاتے بلکہ اپنے بزرگوں یعنی قریش کے تحفظ کا ان میں پہلے خیال رکھا جاتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ تو مسلمانوں سے یہ فرماتا ہے کہ کیا تم ہمارے حکم کے باوجود اُس قوم سے جنگ نہ کرو گے جس نے رسول کو نکال دینے کی ہمت کی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ قوم قریش تھی۔ مودودی نے قوم کا ترجمہ قوم نہیں کیا بلکہ ”لوگ“ ترجمہ کر کے بات کو قوم سے ہٹا کر چند آدمیوں کی طرف موڑ

دیا۔ پھر آیت میں لفظ ”ملک“ نہیں ہے۔ علامہ نے اپنی جیب سے لفظ ملک بڑھا کر یہ دکھا دیا کہ ملک عرب سے نکالنے کا قصد کیا تھا نکالا نہ تھا۔ یہ قریش کا تحفظ ہو گیا۔ بہر حال وہ لوگ جو قریش سے جنگ کے لئے تیار نہ تھے وہ مسلمان تھے اور رسول کے صحابہ اور طرفداری و ہمدردی کا نقاب پہنے ہوئے تھے۔ اللہ نے اُن پر اپنی قوم سے جنگ نہ کرنے کا جرم عائد کیا اپنی نافرمانی کرنے والے کہہ کر یہ طعنہ بھی دیا کہ تم ایسے مومن ہو کہ اللہ سے ڈرنے کے بجائے اپنی قوم سے ڈرتے ہو۔

ان مسلمانوں کے تحفظ میں مودودی کا لکھا ہوا جملہ ہم نے اُن کی تشریح میں سے نہیں لکھا۔ اس لئے کہ انہوں نے وہاں بھی اپنی جیب سے اُن جنگ نہ کرنے والے مومنین کو تازہ مسلمان بنانے کی کوشش کی ہے حالانکہ آیت میں تمام قریشی مسلمانوں پر جرم عائد کیا گیا ہے۔ یہی حال تھا حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ چپکے ہوئے قریشی صحابہ کا۔ پھر قرآن سے سنئے:

قریش ایمان لانے کے بعد بھی اپنے قومی مرکز ہی کو اپنا ولی و حاکم سمجھا کرتے تھے۔

لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الدِّينِ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الدِّينِ فَأَتَلُّوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَهَرُوا عَلَيَّ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ (ممتحنہ 9-8/60)

مودودی ترجمہ ”اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم اُن لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم اُن لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔ اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ اُن سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 432)

مودودی کا یہ قوم پرستانہ ترجمہ بھی اتنا تو ماننا ہی ہے کہ قریشی مسلمان اپنے قومی مرکز اور قوم سے برابر دوستانہ تعلق برقرار رکھے ہوئے تھے اور اُن کے ساتھ ہر ممکن اچھا سلوک کرتے رہتے تھے۔ حالانکہ قریش برابر اللہ و رسول کے مقاصد کو ناکام کرنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے رسول اللہ کو اور خود قریشی مسلمانوں کو اُن کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا اُن پر فوج کشی کی اور جنگ کر کے مسلمانوں کو قتل بھی کیا مگر اس سب کے باوجود قریشی مسلمانوں کو نہ قریش پر اور نہ قریشی مرکز پر غصہ آیا نہ انہوں نے جنگ مسلط کرنے اور گھروں سے نکال دیئے جانے کا برائمانا بلکہ اللہ و رسول اور اسلامی مقاصد کے خلاف قریش سے دوستانہ تعلقات برقرار رکھے۔ اس لئے کہ وہ قریشی قوم و مرکز کے مقاصد کو آسانی سے حاصل کرنے کے لئے اسلام لائے تھے۔ نہ کہ اللہ کے مقاصد کے حصول کے لئے؟ وہ گھروں سے اس لئے نکلے تھے کہ باقی مسلمانوں کو یقین دلائیں کہ وہ مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے طرفدار اور قریش کے دشمن ہیں۔ اور مسلمانوں کے ساتھ لگے رہنے کا اس کے سوا دوسرا اور کوئی طریقہ نہ تھا۔ ساتھ لگے رہنے ہی سے وہ مسلمانوں کی صحیح صورت حال قریشی مرکز کو بتا سکتے تھے۔ ساتھ رہ کر بھی وہ داخلی تخریب کر سکتے تھے۔ اُن کا گھروں سے بے گھر ہونا دراصل اپنی قوم کے لئے قربانی تھی۔ اور گھر فراہم کرنے میں رسول اور طرفداران رسول کو زیر بار کرنا بھی قوم ہی کے لئے مفید تھا۔ نہ کہ اسلام کے لئے؟ ثابت ہوا کہ عہد رسول ہو یا عہد رضوی ہو۔ قریشی اسلامی نقاب میں ہوں یا دشمنوں کے لباس میں ہوں وہ ہر حال میں آپس میں دوست رہتے ہیں۔ وہ سب کچھ ہو سکتے ہیں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں مگر وہ ہرگز ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہو سکتے ہیں۔ قریش قریش کے کسی حال میں دشمن نہیں ہو سکتے۔

صرف دوستی نہیں بلکہ قریش قریش کے سوا کسی اور کو اپنا مرکز اور حاکم بھی نہیں مان سکتے۔

مودودی کا ترجمہ ہر حال میں قریش کا طرفدار رہنا ضروری ہے۔ اللہ نے قریشی مسلمانوں کو قریش کے مرکز سے دوستی رکھنے کی ممانعت نہیں کی ہے۔ یہ تو مودودی کے غلط ترجمہ کا کرشمہ ہے اللہ نے تو فرمایا ہے کہ:

”اے قریشی مسلمانوں تم مسلمان ہو کر قریشی مرکز کو اپنا حاکم علی الاطلاق نہ بناؤ جب کہ اُس نے تمہارے اسلام کے خلاف جنگ بھی جاری کر رکھی ہے۔ اور تمہیں تمہارے شہروں سے بھی نکال باہر کیا ہے۔ یعنی یہ کیسا ایمان ہے کہ اللہ ورسول کو اپنا حاکم مطلق ماننے کے بجائے قریشی مرکز کو اپنا حاکم بنائے ہوئے ہو؟“

مودودی نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو ابو بکر و عمر وغیرہ کی شرمناک سنت کا علم ہو جائے۔ اس لئے الفاظ ”تَسَوَّلُوا“ اور ”يَتَوَلَّوْا“ کے غلط معنی کرنا ضروری تھے۔ اس لئے اُن کے معنی دوستی کر کے اپنے قاریوں کو گمراہ کیا ہے۔

چاریاری علمائے الفاظ ولی، مولوی وغیرہ کے معنی سارے قرآن میں برابر غلط کئے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کو حکومت الہیہ سے محروم کرنے اور قومی حکومت قائم کرنے کے لئے قریش نے کیا کیا کیا؟ ہم تفصیلات بیان کرتے رہے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں قریش کی سازش کا ہر پہلو بیان فرما دیا ہے۔ یہاں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ قریش کی سازش کا ایک پہلو یہ تھا کہ قرآن کے تمام کلیدی اور اہم الفاظ کے معنی بدل دیئے جائیں (سورہ فرقان 25/30) چنانچہ عہد رسول ہی میں یہ کام مکمل کر لیا گیا تھا۔ (25/31) مودودی اور تمام چاریاری علمائے قریش کی اس سنت کو ہمیشہ جاری رکھا ہے چنانچہ مودودی اس آیت (60/9) میں آئے ہوئے الفاظ کے صحیح معنی جانتے ہیں۔ مگر جان بوجھ کر حق کو چھپانے (یعنی کفر کرنے) کے لئے ان کے معنی ”دوستی“ کرتے رہے ہیں۔

مودودی سے صحیح معنی اُگلوانے کے لئے قارئین کو ذرا سی محنت کرنا ہوگی۔

مودودی سے ایک ایسی آیت کا ترجمہ سنئے جس میں اللہ یہ بتاتا ہے کہ جب قریش اپنی قومی حکومت بنالیں گے تو کیسا قتل عام اور دنیا میں کتنا فساد پھیلائیں گے۔ مگر چونکہ بات قریش کی ہو رہی ہے اس لئے علامہ اپنا کرب دکھاتے دکھاتے پکڑے جاتے ہیں۔ سنئے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ وَتُقْطِعُوا اَرْحَامَكُمْ - (محمد 47/22)

مودودی ترجمہ ”اب کیا تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ اور توقع کی جاسکتی ہے کہ اگر تم اُلٹے منہ پھر گئے تو زمین میں پھر فساد برپا کرو گے اور آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹو گے؟“ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 26)

مودودی کے اس ترجمہ پر ننانوے فیصد شیعہ سنی قاریوں کو شک تک نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ترجمہ سو فیصد غلط ہے۔ غلطی پکڑنے اور سمجھنے کے لئے علامہ رفیع الدین کا دو سو سال پرانا ترجمہ دیکھیں:

رفیع الدین کا ترجمہ۔ ”پس کیا ہوتم نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہوتم حکم کے یہ کہ فساد کرو بیچ زمین کے اور کاٹو قراہتیں اپنی“ (ترجمہ صفحہ 612) اُمید ہے کہ قاریوں کی سمجھ میں بات آگئی ہوگی نہیں تو وہ چالاکی دیکھئے جس سے صحیح کرنے کے بعد حق کو چھپا کر کفر کیا گیا ہے۔

مودودی کا صحیح ترجمہ جو حاشیہ میں چھپا دیا گیا ہے۔

”۳۳ اصل الفاظ ہیں ”اِنْ تَوَلَّيْتُمْ“ ان کا ایک ترجمہ وہ ہے جو ہم نے اُوپر متن میں کیا ہے اور دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ ”اگر تم لوگوں کے حاکم بن گئے“

اتنا لکھ کر یہ خبیث علامہ چپکے سے کھسک گیا اور یہ نہ بتایا کہ یہ دو ترجمے کون سے قواعد کی رو سے کئے گئے ہیں۔ اور ان میں صحیح ترجمہ کون سا ہے؟ اور یہ کہ یہ حاشیہ والا ترجمہ اُس نے متن میں کیوں نہ لکھا؟ معلوم ہوا کہ آیت زیر بحث (60/9) میں قریش کے نام نہاد مومنین سے یہ کہا گیا تھا کہ:

إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ أَنْ تَوَلَّوْهُمُ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ - (60/9)

”تمہیں اللہ اس بات سے منع کرتا ہے کہ تم قریش کو اپنا حکمران اور مرکز بناؤ۔ اور جو کوئی تم میں سے قریش کو اپنا مرکزی حکمران بنائے گا وہی مکمل ظالم ہوگا۔“ یعنی وہ قرآن کو غلط استعمال کرنے والا ہوگا۔ (مائدہ 5/45)

دوبارہ ثابت ہوا کہ قریشی مسلمان اسلام لانے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا مرکزی حکمران نہ سمجھتے تھے۔ بھلا وہ حضرت علیؑ کو قریشی مرکز کے مقابلہ میں کیسے اپنا مرکزی حکمران سمجھتے؟ اُن کے لئے تو اللہ نے فرمایا تھا کہ:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ صَلَاً بَعِيدًا O (نساء 4/60)

قرآن میں قریشی حکمران کو طاغوت فرمایا گیا ہے۔

”اے رسول کیا آپ نے اُن لوگوں کو نوٹ کر لیا ہے جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور تم سے پہلے نازل ہونے والی توریت و زبور اور انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہیں وہ یہ ارادہ رکھتے ہیں اور یہی ارادہ مستقبل میں بھی رکھتے چلے جائیں گے کہ اپنا حکمران فیصلے کرنے والا طاغوت کو بنائیں۔ حالانکہ اُن کو یہ حکم دیا جا چکا ہے کہ طاغوت کی پوزیشن کو غائب کر دیں مگر شیطان کا مستقل ارادہ یہ ہے کہ اُنہیں انتہائی حدود تک گمراہ کر کے چھوڑے۔“

قریش، قریش کے خلاف نہ اللہ کا حکم مانتے تھے نہ اللہ کی کوئی اپیل سنتے تھے، وہ اللہ و رسول کے کھلے دشمنوں سے پوشیدہ مودت رکھتے تھے اُن کی بزرگی مانتے تھے۔

قریشی صحابہ اور مومنین نے جو اسلام اختیار کیا تھا اس کی بنیاد اس اصول پر تھی کہ اللہ کا کوئی حکم قریش کے مفاد کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ جہاں ایسا محسوس ہو کہ فلاں حکم قریش کے اجتماعی مفاد و فلاح کے خلاف ہے وہاں اُس حکم پر قومی مرکز غور کرے گا اور اُس حکم کا وہ مطلب اختیار کیا جائے گا جو مرکز کی طرف سے اجتماعی فیصلہ ہوگا۔ اس اصول کو قرآن نے ان الفاظ میں ریکارڈ کیا ہے کہ:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا --- الخ (مائدہ 5/41)

”قرآن کے الفاظ کو اُن کے صحیح موضوع و مفہوم متعین ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں اور اپنے مقلدین کو حکم دیتے ہیں کہ اگر تمہیں محمدؐ کی طرف سے یہ ایسا حکم دیا جائے تو اُسے اختیار کر لیا کرو، اور اگر ایسا حکم یا مسئلہ نہ ہو تو تعمیل سے بچ کر نکلا کرو“

یہ اصول تھا جس کی وجہ سے آپ کو قرآن میں بہت سے ایسے احکام اور بیانات ملتے ہیں جن کی کھلی خلاف ورزی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے ملتی ہے اور چار یاری علماء طرح طرح کے بہانے اور عذرات کرتے ہوئے ملیں گے۔ انہیں صاف الفاظ میں مندرجہ بالا اصول بیان کر دینا چاہئے تاکہ وہ فضول کے بہانوں سے بچ سکیں اور کہہ سکیں کہ قریش کی پوزیشن مسلمہ ہے اور اُن سے اللہ کو رضی رہنا ہی ہے خواہ وہ قرآن میں کچھ بھی کہتا رہا ہو نتیجہ بہر حال قریش کے حق میں نکلنا ہے۔ چنانچہ اللہ کی مندرجہ ذیل اپیل اور قریشی عملدرآمد پر غور فرمائیں اور دیکھیں کہ قریش کے سامنے اللہ کس

مشکل میں پھنسا رہا ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ (ممتحنہ 60/1)

”اے نام نہاد مومنین تم میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنے اولیاء یعنی حکمران نہ بناؤ تم میرے اور اپنے دشمنوں سے ایسی صورت حال میں بھی احترام اور محبت کے جذبات لئے ہوئے ملاقاتیں کرتے ہو جب کہ انہوں نے اُس حقیقت کو پوشیدہ کر لیا ہے جو تمہارے پاس آئی ہے۔ اور جب کہ اُن دشمنوں نے تمہیں بھی اور رسول کو بھی مکہ سے نکال دیا ہے اور صرف اس لئے نکال دیا اور دشمنی کر رہے ہیں کہ تم لوگوں نے اپنے پروردگار اللہ پر ایمان کا اعلان کر دیا۔ لہذا سنو کہ اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضامندیاں حاصل کرنے کے لئے ایمان لائے ہو اور ہجرت کر کے آئے ہو اور اب دشمنان اسلام سے جنگ کے لئے نکل کر آئے ہو تو یہ کیا بات ہے کہ تم نے اپنے اور میرے اُن دشمنوں سے محبت و احترام و اطاعت کا یہ خفیہ رابطہ رکھا ہوا ہے؟ میں تمہاری تمام خفیہ ساز باز کو بھی اور تمہارے تخریب کارانہ اعلانات کو بھی خوب جانتا ہوں۔ لہذا تم میں سے جو مومنین یہ دورخی رفتار چل رہے ہیں وہ متوازن راستے سے گمراہ ہو چکے ہیں“

ان چند قرآنی مثالوں سے یہ بات واضح، مکمل اور پایہ ثبوت تک پہنچ جانا چاہئے کہ قریش نے ایسا اسلام اختیار کیا تھا جس میں اللہ اور رسول کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا اور تمام اختیارات قریشی لیڈروں کے ہاتھوں میں سپرد کر دیئے گئے تھے اور آج تک چار یاری علما میں یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ قرآن کریم اور حدیث کا وہی مفہوم صحیح اور قابل قبول ہے جو صحابہ نے سمجھا اور قبول کیا اس کے علاوہ جو قرآن میں ہے۔ وہ یا تو منسوخ ہے یا مشروط ہے۔ یا سابقہ امتوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ یا تشابہات ہیں جن کو سمجھنے کی کوشش کرنا خطرناک ہے۔ یعنی حق سے دُور اور گمراہی سے قریب لے جاتا ہے۔ تشابہات سے بچ کر رہنے کی تاکید خود مودودی صاحب نے فرمائی ہے۔ (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 235-234)

6۔ سربراہ اسلام کے مسلمانوں پر اور مسلمانوں کے سربراہ اسلام پر بڑے بڑے حقوق حضرت علیؑ کی زبانی؟

اس خطبے میں حضرت علیؑ علیہ السلام نے قریشی صحابہ کی اسلام مخالف ذہنیت، عادت اور کردار بیان کرنے کے بعد اپنے اور مسلمانوں کے

چند بنیادی حقوق یوں بیان فرمائے ہیں کہ:

(30) أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ لِي عَلَيْكُمْ حَقًّا؛ (31) وَلَكُمْ عَلَيَّ حَقٌّ؛ (32) فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَيَّ فَالنَّصِيحَةُ لَكُمْ؛ (33) وَتَوْفِيرُ فَيْئَتِكُمْ عَلَيَّكُمْ؛ (34) وَتَعْلِيمُكُمْ كَيْلًا تَجْهَلُوا؛ (35) وَتَأْدِيبُكُمْ كَيْمَاتٍ تَعْلَمُوا؛ (36) وَأَمَّا حَقِّي عَلَيْكُمْ فَالْوَفَاءُ بِالْبَيْعَةِ؛ (37) وَالنَّصِيحَةُ فِي الْمَشْهَدِ وَالْمَغِيبِ؛ (38) وَالْإِجَابَةُ حِينَ أَدْعُوكُمْ؛ (39) وَالطَّاعَةُ حِينَ أُمُرُكُمْ؛ -

”اے لوگو سنو کہ تم پر میرے حق ادا کرنا واجب ہے اور مجھ پر بھی تمہارے حق ادا کرنا واجب ہے۔ چنانچہ تمہارے مجھ پر یہ حقوق ہیں کہ میں تمہاری فلاح و بہبود کے لئے تمہیں نصیحتیں کرتا رہوں، اور واجب الادا سامان تمہیں پہنچاتا رہوں۔ اور تمہیں ایسی تعلیم دُوں کہ تم جہالت کا شکار نہ بن سکو، تمہیں تنبیہ و تادیب کرتا ہوں تاکہ تم ناواقف نہ رہو۔ اور میرا حق تم پر یہ ہے کہ تم بیعت میں یعنی خود کو میرے ہاتھ فروخت کر دینے میں وفادار رہو اور پورے اُترو۔ اور سب کے سامنے اعلانیہ بھی اور عالم غیبیت میں بھی میرے ساتھ خلوص اور بہتری چاہنے کا

ثبوت دیتے رہو اور جب بھی بلاؤں فوراً حاضر ہو جاؤ۔ اور جب حکم دوں تو بلا چوں و چرا میری اطاعت کرو“ (خطبہ 34، جملے 30 تا 39)

قارئین ان دس (10) جملوں کی تشریح کے لئے ہمارے محتاج نہیں رہے۔

اس اکیلے ہی خطبے میں حضرت علی علیہ السلام نے مسلمانوں کے حقوق ادا کرنے کا ثبوت دے دیا ہے۔ اور مسلمان کس حد تک حضرت علیؑ کے حقوق ادا کر رہے تھے؟ وہ بھی سامنے آچکا ہے۔ علاوہ ازیں تمام چار یاری علما بھی مانتے اور لکھتے رہے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے مسلمانوں کے حقوق ادا کرنے اور اپنے فرائض انجام دینے میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کی اور حقیقی مومنین نے بھی محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے میں کبھی تکلف نہیں کیا۔ رہ گئے قریشی مومنین! انہوں نے اپنے ذمہ اللہ، رسول اور علیؑ کا کوئی حق تسلیم ہی نہیں کیا تو حق ادا کہاں سے کرتے؟

ہمیں صرف اس قدر کہنا ہے کہ علیؑ اور خاندانہ علی علیہم السلام سے قریش کی عداوت کا سبب ہی یہ تھا کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق

العباد ادا کرنے پر اصرار کرتے رہے۔